

جدید فکر دینی شہدہ کیسٹو لایڈز

زبان و بیان کے نئے پہلوئیں

منظاہر حق جدید

شیخ
فیثکوة شریف

1

از افادات

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی

ترتیب و ترمیم جدید

مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری (رحمۃ اللہ علیہ)

www.Islamicbookslibrary.wordpress.com

دارالانشاء

آدم آباد اسلام آباد سید محمد رفیع کھٹک پاکستان 2213768

حدیث ایک مقدس فن ہے جس کی نسبت ایک زندہ جاوید شخصیت کی طرف ہے۔ کہہ ارض پر جب تک انسان نامی مخلوق موجود ہے اس وقت تک یہ فن اسی تابندگی اور شادابی کے ساتھ باقی رہے گا۔ کتب حدیث اور تہذیب و تمدن حدیث کا وہ سلسلہ جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک سے شروع ہوا تھا بتدریج جمع و تالیف کے دور میں اپنی تکمیل کو پہنچا۔ سب حدیث کی تصنیف و تالیف باقاعدہ شروع ہوئی محدثین نے جانفشانی اور محنت سے عظیم الشان کتب تصنیف کیں جو آج ہمارے درمیان علم و عرفان کا بیڑا نورانی ہوئی ہیں جن سے طالبان حدیث آکتاب فیض کرتے ہیں۔ ”مشکوٰۃ المصابیح“ جو دراصل ”مصابیح السنۃ“ کی مکمل و مدون شکل ہے انہی عظیم الشان کتب میں سے ایک ہے جس میں کتب سنۃ اور دیگر مؤثوق بہا کتب احادیث سے ۱۵۹۴۵ احادیث کا دواغذ خیرہ موجود ہے۔ حدیث کی یہ بنیادی کتاب اپنے ابتداء عہد سے آج تک عربی مدارس میں داخل نصاب رہی ہے۔

”مظاہر حق جدید“ اردو زبان میں مشکوٰۃ شریف کی مستند، قابل اعتماد اور مقبول شرح ہے جو ابتداء تالیف سے علماء، طلباء اور خواص سب ہی کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ قدیم نسخے کی زبان و بیان کی قدامت اور انداز کے تانائوس اور ناقابل فہم ہونے کے باعث کتاب سے استفادہ سخت مشکل تھا اسی احساس کے پیش نظر فاضل دارالعلوم دیوبند جناب مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری مدظلہ نے اس عظیم کتاب کی ادق زبان اور قدیم اسلوب کو دور حاضر کی مہذب، مختلف اور سلیس زبان میں تبدیل کیا۔ بحاجہ و سلیس ترجمہ، تسہیل، توسیع میں تشریح، اضافہ عنوانات، احادیث کے نمبر شمار اور حیرا گراف قائم کر کے اساتذہ و طلباء کے لئے اسے نہایت سہل و مفید بنا دیا۔ دریں حدیث اور اپنے دامن علم کو احادیث نبوی ﷺ کے گراں قدر موتیوں سے مالا مال کرنے کے لئے بے مثال کتاب۔

دارالاشاعت کراچی سے جدید تقاضوں کے مطابق کمپیوٹر کتب، طبعات، کاغذ اور جلد بندی کے اعلیٰ معیار اور اس کے شایان شان طریقے پر شائع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لئے ذریعہ نجات اور ذخیرہ آخرت بنائے۔

جدید نظر چلی شد کیونکہ زیادہ تر

زبان و بیان کے نئے اہل و عیال میں

مظاہر حق جلد

شرح
مشکوٰۃ شریف

جلد اول

از افادات

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی

ترتیب و ترمیم

مولانا عبد اللہ جاوید غازی پوری (محل پریم)

دارالانشاء

آؤ کو بازار اسلام آباد، رجسٹرڈ کمپنی پاکستان 2213768

جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں
کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر (۳۷۴۷)

با اہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : مارچ ۲۰۰۹ء شکیل پریس کراچی۔
ضخامت : صفحات ۹۵۲

مصححین : مولانا محمد شفیق صاحب فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن
مولانا محمد اصغر مغل صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
مولانا نادر شاہ صاحب مدرس دارالعلوم حسینیہ شہدادپور

﴿..... ملنے کے پتے.....﴾

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 ناچھ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ مید احمد شہید انکریٹ مارکیٹ، اردو بازار لاہور
مکتبہ شیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار اروالپنڈی
الفیصل تاجران کتب اردو بازار لاہور
ادارہ اسلامیات اردو بازار کراچی

ادارۃ المعارف کورنگی کراچی نمبر ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن 437/D گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
کشمیر بک ڈپو، چنیوٹ بازار فیصل آباد
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض ناشر

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَمَّا بَعْدُ

محدث کبیر امام ولی الدین محمد عبداللہ الخطیب التبریزی کا مرتب کردہ مجموعہ احادیث ”مشکوٰۃ المصابیح“ تمام کتب احادیث میں ایک خاص امتیاز کا حامل ہے اور یہ اپنی تالیف کے وقت سے آج تک خواص و عوام میں مقبول و مشہور اور علم حدیث کے ہر مدرسہ و یونیورسٹی میں ہمیشہ داخل درس رہا ہے۔ اور ہر زمانے کے علماء نے اس کی متعدد مختصر مبسوط شرحیں مختلف زبانوں میں تحریر کی ہیں۔ جیسے ملا علی قاریؒ کی ”مرقاۃ المفاتیح“ شیخ عبدالحق محدثؒ کی عربی شرح ”لمعات“ اور فارسی شرح ”اشعۃ اللامعات“ مولانا ادیس کاندھلویؒ کی ”تعلیق الصبیح“ وغیرہ۔

اردو زبان میں بھی مشکوٰۃ کے متعدد تراجم ہوئے لیکن جو خدا داد مقبولیت و شہرت ”مظاہر حق“ کو حاصل ہوئی وہ اور کسی اردو شرح کو نصیب نہیں ہوئی، اور اردو زبان میں صرف یہی شرح مستند اور قابل اعتماد سمجھی گئی ہے۔

”مظاہر حق شرح مشکوٰۃ“ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نواسے اور جانشین شاہ محمد اعظمیؒ کے خاص شاگرد نواب محمد قطب الدین خان دہلویؒ کی مشہور و مقبول تالیف ہے۔ جو اپنی تالیف کے وقت سے اب تک علماء طلباء اور عوام و خواص سب ہی کی نگاہوں کا مرکز بنی رہی ہے۔ لیکن تمام تالیف آج سے ایک سو سال پہلے کی اردو زبان میں لکھی ہوئی ہیں، یہ زبان اور انداز تالیف اب سو سال بعد تقریباً ناانوس اور ناقابل فہم ہونے کی وجہ سے اس کتاب سے استفادہ سخت مشکل ہو گیا تھا۔

اور گزشتہ پچیس تیس برسوں سے شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ اٹھے اور اس شرح کی زبان اور ترتیب کو موجودہ زمانہ کے مطابق سہل اور آسان کر دے تو یہ حدیث کی بڑی خدمت اور ایک کارنامہ ہوگا۔

خدا کا شکر ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے ایک فرزند مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری نے اس ضرورت کو محسوس کر کے کمر ہمت باندھی اور کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد ”مظاہر حق“ کو زبان و بیان اور ترتیب کا نیا اسلوب اور نیا لباس عطا فرمایا اور اس کو ”مظاہر حق جدید“ کے نام سے دیوبند ”انڈیا“ سے ستر قسطوں میں شائع کرایا، جس کو تمام حلقوں نے بے حد پسند کیا اور اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اللہ تعالیٰ مؤلف کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

لیکن افسوس ہے کہ ایسی عمدہ کتاب کی کتابت و طباعت انتہائی خراب اور کاغذ بالکل گھٹیا لگایا گیا جس کی وجہ سے اس سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھایا جاسکا۔

اب ضرورت تھی ”مظاہر حق جدید“ کو جدید تقاضوں کے مطابق کتابت، طباعت، کاغذ و جلد بندی کے اعلیٰ معیار پر اس کے شایان شان طریقے پر شائع کیا جائے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب ہم ”مظاہر حق جدید“ کا مکمل سیٹ پانچ ضخیم جلدوں میں کتابت و طباعت کے اعلیٰ معیار پر دارالاشاعت کراچی سے شائع کر رہے ہیں، اس عکسی اشاعت کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں۔

ترتیبی خصوصیات:-

- ۱ مظاہر حق قدیم میں صرف لفظی ترجمہ تھا جس کو اب سلیس و با محاورہ کر دیا گیا ہے۔
- ۲ مظاہر حق قدیم میں بہت سی احادیث کی شرح نہ تھی اب احادیث کی بھی مستند شروح کی مدد سے توضیح و تشریح کر دی گئی ہے۔

طباعتی خصوصیات:-

- ۳ ہر باب کی حدیث پر نمبر شمار اور حدیث کے مناسب عنوان قائم کیا گیا ہے۔
- ۴ اس عکسی اشاعت میں ہر حدیث پر پہلے نمبر شمار اور عنوان لکھا گیا ہے۔
- ۵ پہلے عربی حدیث نیچے ترجمہ اور پھر تشریح دی گئی ہے تاکہ طلباء کو مطالعہ میں سہولت ہو۔
- ۶ اور پھر نیچے پورے صفحے کی چوڑائی میں حدیث کی شرح کتابت کرائی گئی ہے جس کی وجہ سے ظاہری حسن میں اضافہ اور استفادہ آسان تر ہو گیا ہے۔
- ۷ ہر جلد کے شروع میں تمام احادیث و مضامین کی مفصل فہرست بقید صفحات شامل کی ہے۔
- ۸ پوری کتاب کو کمپیوٹر کتابت پر پیش کیا گیا ہے اور تصحیح کا خاص اہتمام کیا ہے۔
- ۹ عمدہ سفید کاغذ پر عکسی طباعت اور جلدیں نہایت حسین اور مضبوط بنوائی جارہی ہیں۔

ان خصوصیات کی وجہ سے بلا خوف تردد لکھا جاتا ہے کہ یہ کتاب ”مظاہر حق“ اپنی تصنیف اول کے وقت سے آج تک ایسی شان و شوکت سے شائع نہیں ہوئی تھی جیسی یہ عکسی اشاعت آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اس خدمت حدیث کو قبول فرمائے اور لوگوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے اور اللہ تعالیٰ صاحب مشکوٰۃ و صاحب مظاہر حق اور اس کے ناشرین اور کاتب و تصحیح و طباعت کرنے والے اصحاب کو اجر عظیم عطا فرمائے اور آخرت میں صاحب حدیث نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

لفظ — ناشر

محمد رضی عثمانی

مدیر — دارالاشاعت کراچی ۱

۲۲ رجب ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۷ مئی ۱۹۸۲ء



حرف آغاز

یہ ۱۳۷۷ھ کی بات ہے جب میں مادر علمی ”دارالعلوم دیوبند“ کی مقدس آغوش میں ”مشکوٰۃ شریف“ کے خرمین درس کا خوشہ چین تھا۔ اور غالباً سہ ماہی امتحان کے موقع پر مشکوٰۃ شریف کے بعض مواقع کے حل کرنے کے سلسلہ میں ”مظاہر حق“ دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی یہ پہلا موقع تھا جب ”مظاہر حق“ کی زبان و بیان اور قدیم طرز تحریر کو دیکھ کر اس خواہش نے جنم لیا کہ اگر اس عظیم کتاب کی ادق زبان اور قدیم اسلوب و بیان کو موجودہ دور کی مہذب اور شگفتہ و سلیس زبان میں تبدیل کر دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ حدیث کے ان طلبہ کو اس سے بڑی آسانیاں ہو جائیں گی جو حل مشکلات کے سلسلہ میں اس سے مدد لیتے ہیں بلکہ عوام کا وہ طبقہ بھی اس اردو ترجمہ و شرح کے ذریعہ اس مقدس ذخیرہ ”مشکوٰۃ شریف“ سے اکتساب فیض کر سکتا ہے جو کہ احادیث نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے علوم و معارف کو اپنی روحانی تشنگی کی سیرابی کا باعث اور اخروی فلاح و نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

اس مقدس جذبہ اور تشنگی یہ پہلی چنگاری تھی جس نے عزم و ارادہ میں ایک ہلکی سی رقی پیدا کی دن گزرتے رہے اور یہ تمنا بھی ارادوں کے سہارے پروان چڑھتی رہی۔ تا آنکہ گزشتہ سال دارالعلوم کی تعلیمی زندگی سے فراغت کے بعد جب کچھ سکون قلب و دماغ اور وقت میسر آیا تو اس ارادہ نے عملی شکل اختیار کر لی۔

اور آخر کار اپنی قلمی کم مائیگی اور علم سے جہی دامن کے احساس کے باوجود محض خدا کے فضل و کرم اور اس کی مدد کی امید کے سہارے اس عظیم اور اہم کام کی ابتدا کر دی گئی، جس کا پہلا نتیجہ اس وقت حاضر ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ خلف الرشید حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نواسہ اور ان کے جانشین حضرت شاہ محمد اسحاقؒ دہلوی کا ترجمہ مشکوٰۃ ”مظاہر حق“ کی اصل بنیاد ہے۔ شاہ اسحاقؒ کے تلمیذ رشید حضرت علامہ نواب محمد قطب الدین دہلویؒ نے اسی ترجمہ کو مزید اضافوں اور شروح کے ساتھ ”مظاہر حق“ کی آخری شکل دی تھی اور اب اس کا انتساب ان ہی کی ذات گرامی کی طرف ہوتا ہے۔

اب جبکہ ”مظاہر حق“ کی جدید ترتیب و ترمیم کی گئی تو سب سے پہلا سوال اس کی اشاعت کا تھا اس لئے کہ یہ کتاب مشکوٰۃ شریف کے اصل متن کے ساتھ بڑے سائز کے سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی تھی پھر اس پر مزید شرح و حواشی کے اضافوں کی وجہ سے ضخامت نے اور زیادہ وسعت اختیار کر لی، چنانچہ نہ تو حالات کی مساعدت کہ اتنی ضخیم کتاب یکبارگی اشاعت پذیر ہو سکے اور نہ اس دور کے مسلمانوں کی اقتصادی حالت اور ان کے مصروف اوقات اس کے مقتضی کہ ایسی عظیم کتاب بیک وقت خریدی جاسکے۔

اس لیے بسیار غور و فکر کے بعد یہ سہل اور سودمند طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اس کتاب کو بالاقساط شائع کیا جائے۔ چنانچہ ہر دو مہینہ کے بعد اس کی ایک قسط ”ادارۃ اسلامیات دیوبند“ کی طرف سے شائع کی گئی ہے اور مستقل ممبران کی خدمت میں بہت کم قیمت سے ہدیہ کی جاتی رہی اور یہ طریقہ کافی سودمند ثابت ہوا۔

ترتیب و ترمیم کے سلسلہ میں اتنی بات عرض کر دینی ضروری سمجھتا ہوں کہ مصنف ”مظاہر حق“ نے احادیث کا ترجمہ بالکل لفظی کیا تھا اور اس کے ساتھ احادیث کی تشریح میں بہت زیادہ اختصار کے ساتھ کام لیا تھا، اسی طرح اکثر احادیث کو بغیر تشریح کے بھی چھوڑ دیا تھا، چنانچہ احقر نے نہ صرف یہ کہ ترجمہ با محاورہ اور سلیس کیا ہے بلکہ تشریحات کو مزید صاف اور واضح کرتے ہوئے جدید ذہنوں کا خاص خیال رکھا ہے اور جہاں ضرورت تھی ان احادیث کی تشریح بھی کر دی ہے جن کے صرف ترجمہ ہی پر صاحب مظاہر حق نے اکتفاء کیا تھا، اس سلسلے میں مشکوٰۃ شریف کی دیگر شروح و تراجم اور حدیث کی دوسری اہم و مستند تصانیف کو سامنے رکھا گیا ہے اور ان سے مدد لی گئی لیکن پھر

۱۔ خدا کا شکر ہے کہ اب پاکستان میں مکمل کتاب پانچ جلدوں میں بیک وقت کتابت، لطاعت، کاغذ و جلد بندی کے اعلیٰ معیار پر دارالاشاعت کراچی سے شائع ہو رہی ہے۔ (ناشر)

بھی اگر اس کی تشریحات و ترجمہ میں کسی قسم کی کوتاہی یا غلطی نظر آئے تو اس کا انتساب میری حقیر ذات کی طرف کیا جائے، اس بارہ میں اہل علم سے بطور خاص گزارش ہے کہ میرا قلم اگر حدیث کے تقاضوں کو پورا نہ کر سکا ہو، یا صاحب مظاہر حق کے مطالب کو پورے حقوق کے ساتھ ادا نہ کر سکا ہو تو متنبہ فرمائیں اور اپنی گراں قدر رہنمائی سے مجھے معزز و مشرف فرمائیں۔

نظر ثانی: ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۰) کے شروع میں ”مظاہر حق جدید“ کی ترتیب و تسوید کا آغاز ہوا تھا اور یہ پہلی قسط منصہ شہود پر آئی تھی، اب انیس سال کے بعد جب کہ یہ عظیم کتاب قسط وار ترتیب و اشاعت کی تکمیل کے آخری مراحل میں ہے اس قسط کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن پیش کیا جا رہا ہے، یہ ناکارہ اوائے مفہوم اور انداز بیان کی ان خامیوں کو تائیدوں اور غلطیوں کا اعتراف کرنا ضروری سمجھتا ہے جو پوری کتاب میں اور بالخصوص ابتدائی قسطوں میں کثرت سے موجود ہیں، ان شاء اللہ اب نظر ثانی کے ذریعہ اپنی فہم و لیاقت کی بساط بھر کوشش ان خامیوں اور غلطیوں کو دور کرنے میں صرف کی جائے گی۔

ذات بے نیاز نے اپنی رحمت بے حساب سے اس ناکارہ علم و عمل کو اپنی نصرت فرمائی، نوازش اور دھگیری سے جس طرح نوازا، اور ”مظاہر حق جدید“ کو شہرت و مقبولیت کی جو عظیم سرفرازی عطا فرمائی، اس کا کما حقہ، شکر ادا کرنے کی طاقت یہ بے مایہ قلم کہاں سے لائے، رب کریم اپنی رحمت بے حساب ہی سے اس ناکارہ و بے مایہ کی کوشش کو خلعت قبول سے سرفراز فرمائے اور حشر میں رسول عربیؐ کے غلاموں کے غلاموں کی صف میں اٹھائے۔

عبداللہ جاوید

۳ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ جمعۃ المبارک



فہرست — مظاہر حق جدید (جلد اول)

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۸	امام احمد بن حسین نقشبتی	۳	عرض ناشر
۵۹	امام رزین بن معاویہ	۵	حرف آغاز
۵۹	امام نووی	۲۳	مقدمہ — از مولانا محمد سالم استاذ الحدیث دارالعلوم دیوبند
۵۹	امام ابن جوزی	۲۶	مصنف مظاہر الحق کا دیباچہ
۶۰	امام اعظم ابوحنیفہ	۲۷	حدیث کی دینی و شرعی حیثیت و اہمیت
۶۳	اصطلاحات حدیث اور ان کی تعریفات	۳۹	مشکوٰۃ شریف کی خصوصیت و اہمیت
۶۶	دیباچہ مشکوٰۃ شریف	۴۱	صاحب مظاہر حق اور ان کا سلسلہ تلمذ
۷۴	مشکوٰۃ شریف کی پہلی حدیث	۴۱	حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی
۷۶	نیت کے مسائل	۴۳	حضرت شاہ عبدالعزیز
۸۵	کتاب الایمان	۴۴	حضرت مولانا شاہ محمد اختر صاحب مہاجر کی
۸۵	البواب ایمان کا بیان	۴۵	مظاہر حق کے مؤلف علامہ قطب الدین خان
۸۵	ایمان کا مطلب	۴۶	صاحب مصابح السنۃ امام حسین بن مسعود بغوی
۸۵	تکمیل ایمان	۴۷	صاحب مشکوٰۃ المصابیح علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ
۸۵	ایمان و اسلام	۴۸	آئمہ حدیث
۸۶	ایمان کا مدار جاننے پر نہیں ماننے پر ہے	۴۸	امام محمد بن اسماعیل بخاری
۸۶	بعض صورتوں میں اقرار باللسان ضروری نہیں	۵۱	امام مسلم
۸۶	اعمال کی حیثیت	۵۲	امام مالک
۹۱	اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے	۵۳	امام شافعی
۹۱	ایمان کی شاخیں	۵۴	امام احمد بن حنبل
۹۲	مؤمن اور مسلم کا مفہوم	۵۵	امام ترمذی
۹۳	درجات محبت	۵۶	امام ابو داؤد سجستانی
۹۷	ایمان کی لذت	۵۶	امام نسائی
۹۷	ایمان کا لطف	۵۷	امام ابن ماجہ
۹۸	اسلام ہی مدار نجات ہے	۵۸	امام دارمی
		۵۸	امام دارمی قطعی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۲۴	جنت کی لٹی	۹۹	دوہرا اجر پانے والے
۱۲۵	نیکي کا اجر	۱۰۰	کفار سے جنگ کا حکم
۱۲۵	ایمان کی علامت	۱۰۲	مسلمان کون ہے؟
۱۲۶	ایمان و اسلام کی باتیں	۱۰۳	جنت لے جانے والے اعمال
۱۲۷	ایمان اور اسلام پر مرنے والے جنتی ہیں	۱۰۳	ایمان کامل
۱۲۷	گناہ کبیرہ اور نفاق کی علامتوں کا بیان	۱۰۴	فرائض اسلام
۱۲۹	سب سے بڑا گناہ	۱۰۵	اسلام میں مبلغ کا مقام
۱۳۰	والدین کی نافرمانی اور جھوٹی قسم کھانا	۱۰۷	احکامات اسلام
۱۳۱	ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو	۱۰۷	عورتوں کے لئے آپ کا فرمان
۱۳۲	شرک کی تعریف اور اقسام	۱۰۹	انسان کو سرکشی زیب نہیں دیتی
۱۳۳	وہ بدترین گناہ جن کے ارتکاب کے وقت ایمان باقی نہیں رہتا	۱۱۰	زمانے کو براہ راست کہو
۱۳۳	منافق کی علامتیں	۱۱۰	اللہ تعالیٰ کا صبر و تحمل
۱۳۵	نفاق کی قسمیں	۱۱۱	توحید کی اہمیت
۱۳۶	منافق بنانے والی چار باتیں	۱۱۱	دوزخ سے رہائی
۱۳۶	منافق کی مثال	۱۱۲	خاتمہ بالا ایمان جنت کی ضمانت ہے
۱۳۸	وہ تین باتیں جو ایمان کی جڑ ہیں	۱۱۳	نجات کا دار و مدار کس بات پر ہے
۱۳۹	ارتکابِ زنا کے وقت ایمان باہر آجاتا ہے	۱۱۳	قبولِ اسلام سے سب گناہ مٹ جاتے ہیں
۱۴۰	حضرت معاذؓ کو دس باتوں کی وصیت	۱۱۵	ارکانِ دین
۱۴۱	اب کفر ہے یا ایمان؟	۱۱۶	ایمان کامل کیا ہے؟
۱۴۲	وسوسہ کا بیان	۱۱۷	سب سے افضل عمل کیا ہے؟
۱۴۲	وسوسہ کی قسمیں	۱۱۷	سچا مؤمن کون ہے؟
۱۴۲	وسوسوں کی معافی	۱۱۸	امانت و ایفاء عہد کی اہمیت
۱۴۳	وسوسہ کو برا سمجھنا ایمان کی علامت ہے	۱۱۸	ابدی نجات کی ضمانت
۱۴۳	شیطان وسوسہ پیدا کرے تو اللہ کی پناہ مانگو	۱۱۹	توحید کی اہمیت
۱۴۴	ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے	۱۱۹	جنت اور دوزخ کو واجب کرنے والی باتیں
۱۴۴	شیطان انسان کی رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے	۱۱۹	عقیدہ توحید پر قائم رہنے والوں کے لئے جنت کی بشارت
۱۴۵	ولادت کے وقت بچہ کا روحنا شیطانی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے	۱۲۲	جنت کی کنجی
۱۴۵	میاں بیوی کے درمیان شیطان کا پسندیدہ کام	۱۲۲	کلمہ توحید نجات کا ذریعہ
		۱۲۳	پوری دنیا میں کلمہ توحید پہنچنے کی پیشین گوئی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۷۷	موزوں پر مسح کرنے کا بیان	۱۳۶	جزیرۃ العرب میں توحید کی مضبوط بنیاد سے شیطان مایوسی کا شکار
۳۸۳	تیمم کا بیان	۱۳۷	شیطانی وسوسہ سے محفوظ رہنے پر اللہ کا شکر ادا کرو
۳۹۲	غسل مسنون کا بیان	۱۳۷	اپنے اندر نیکی کی تحریک پر اللہ کا شکر اور شیطانی وسوسہ کے وقت اللہ کی پناہ چاہو
۳۹۶	حیض کا بیان	۱۳۸	وسوسے پیدا ہوں تو شیطان کو دھتکار دو اور اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو
۴۰۳	مستحاضہ کا بیان	۱۳۸	شیطانی وسوسوں سے چوکنار ہو
۴۰۹	کتاب الطلوة	۱۳۸	نماز کے دوران شیطان کی غلط اندازگی
۴۰۹	نماز کا بیان	۱۳۹	وہم اور وسوسہ کو نظر انداز کر کے اپنی نماز جاری رکھو
۴۱۹	اوقات نماز کا بیان	۱۵۰	نقدیر پر ایمان لانے کا بیان
۴۲۵	جلدی نماز پڑھنے کا بیان	۱۷۹	عذاب قبر کے ثبوت کا بیان
۴۳۲	فضائل نماز کا بیان	۱۹۰	کتاب و سنت پر اعتماد کا بیان
۴۵۱	اذان کا بیان	۲۲۵	کتاب العلم
۴۶۰	جواب اذان کی فضیلت کا بیان	۲۲۵	علم کی فضیلت کا بیان
۴۷۲	احکام اذان کا بیان	۲۶۷	کتاب الطہارۃ
۴۷۸	مساجد اور مقامات نماز کا بیان	۲۶۷	پاکیزگی کا بیان
۵۰۹	سترہ ڈھانکنے کا بیان	۲۷۹	وضو کے واجب کرنے والی چیزوں کا بیان
۵۱۲	سترہ کا بیان	۲۹۱	پاخانہ کے آداب کا بیان
۵۱۲	سترہ کے بارہ میں آپ صہا معمول	۳۱۱	مسواک کرنے کا بیان
۵۱۷	سترہ کے سامنے سے گزرنے کا حکم	۳۱۹	وضو کی سنتوں کا بیان
۵۱۷	سواری کے جانور اور کچھ کی کھلی نکلوی کو سترہ بنا کر نماز پڑھنا	۳۳۷	نہانے کا بیان
۵۱۸	نماز کے آگے سے گزرنا بہت بڑا گناہ ہے	۳۳۹	جنبی کے احکام کا بیان
۵۱۸	سترہ اور نماز کے درمیان سے گزرنے والے کو روکنے کا حکم	۳۵۸	پاکی کے احکام کا بیان
۵۱۹	سترہ نماز کی محافظت کرتا ہے	۳۶۸	نجاستوں کے پاک کرنے کا بیان
۵۱۹	نماز کے آگے سے گزرنا نماز کو باطل نہیں کرتا		
۵۱۹	عورت، گدھے اور کتے کی تخصیص کی وجہ		
۵۲۰	نماز کے آگے عورت کے آجانے سے نماز باطل نہیں ہوتی		
	نماز کے آگے سے گدھے وغیرہ کا گزرنا نماز کو باطل نہیں		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳۶	عکبر تحریمہ سے پہلے ہاتھ اٹھانے چاہئیں	۵۲۰	کرتا
۵۳۶	سجدہ کی تکمیل زمین پر ناک اور پیشانی ہر دو رکعتوں سے ہوتی ہے	۵۲۰	عصا کو سترہ کے طور پر گاڑنے کے بجائے سامنے رکھ لینے میں
۵۳۶	سہاگہ کی تحقیق		علماء کا اختلاف
۵۳۶	عکبر تحریمہ اور ہاتھ اٹھانے کا طریقہ	۵۲۱	سترہ کے لئے کوئی چیز نہ ہونے کی شکل میں سامنے صرف لکیر
۵۳۶	ہاتھ باندھنے کا طریقہ		کھینچنے میں علماء کا اختلاف ہے
۵۳۷	تعدیل ارکان کی تعلیم	۵۲۱	سترہ کو قریب کھڑا کرنا چاہئے
۵۳۷	نماز کے بعد دعا مانگنی چاہئے	۵۲۲	سترہ پیشانی کے سامنے نہ کھڑا کرنا چاہئے
۵۳۸	امام عکبریات ہاؤز بلند کہے	۵۲۲	نمازی کے سامنے سے کتے اور گدھے کا گذر نماز کو باطل
۵۳۹	رفع یدین صرف عکبر تحریمہ کے وقت ہے		نہیں کرتا
۵۴۰	آنحضرت کا اپنے پیچھے کی چیزوں کو معجزہ کے طور پر دیکھنا	۵۲۲	نمازی کے سامنے سے کسی کے گزرنے سے نماز باطل نہیں
۵۴۱	عکبر تحریمہ کے بعد پڑھی جانے والی چیزوں کا بیان		ہوتی
۵۴۱	عکبر تحریمہ اور قراءت کے درمیان آنحضرت کی دعا	۵۲۳	نمازی کے آگے سے گزرنے والے جرم عظیم ہے
۵۴۲	آنحضرت ﷺ کس کس موقع پر کون کون سی دعائیں پڑھتے تھے؟	۵۲۳	نمازی کے آگے سے کتنی دوری پر گزرنے چاہئے
۵۴۳	عکبر تحریمہ کے بعد کی دعا	۵۲۴	صفت نماز کا بیان
۵۴۶	آنحضرت نماز میں دو جگہ خاموشی اختیار کرتے تھے	۵۲۴	نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ
۵۴۶	عکبر تحریمہ کے بعد کی دعا	۵۲۵	رکوع، سجود وغیرہ میں طہانیت واجب ہے یا فرض؟
۵۴۷	نماز میں قرأت کا بیان	۵۲۵	آنحضرت کی نماز کا طریقہ
۵۴۷	کتنی رکعتوں میں قرأت فرض ہے؟	۵۲۶	تعدہ میں بیٹھے کا طریقہ اور اس میں ائمہ کا اختلاف
۵۴۸	نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا بیان	۵۲۶	امام عظیم کے مسلک کی دلیل
۵۴۸	نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے میں ائمہ کے مسلک	۵۲۶	عقبہ شیطان کا مطلب
۵۴۸	سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ناقص ادا ہوتی ہے	۵۲۷	عکبر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے
۵۴۹	بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جزو نہیں	۵۲۸	رفع یدین
۵۴۹	مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟	۵۲۹	رفع یدین کے مسلک میں حنفیہ کی مستدل احادیث و آثار
۵۵۰	امام محمد کے مسلک کی تحقیق	۵۳۲	جلسہ استراحت کا مسلک
۵۵۱	بسم اللہ ہاؤز بلند پڑھنی چاہئے یا آہستہ؟	۵۳۲	جلسہ استراحت سنت ہے یا نہیں؟
۵۵۲	آمین کہنے کا حکم	۵۳۲	عکبر تحریمہ کے بعد ہاتھ کہاں اور کس طرح رکھے چاہئیں؟
		۵۳۳	افضل نماز کون سی ہے؟
		۵۳۳	نماز میں قیام افضل ہے یا سجود؟
		۵۳۳	آنحضرت کی نماز کا طریقہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۷۲	رکوع کا بیان	۵۵۲	مقتدی کی نماز کا طریقہ
۵۷۲	رکوع و سجود ٹھیک طریقہ سے کرنا چاہئے	۵۵۲	نماز میں قرأت کا طریقہ
۵۷۳	آنحضرت کا قنومہ و جلسہ	۵۵۳	پہلی رکعت کو طویل کرنے کا مسئلہ
۵۷۳	رکوع و سجود میں قرأت پڑھنے کی ممانعت	۵۵۳	نماز میں آنحضرت کی قیام کی مقدار
۵۷۵	قنومہ کی دعا	۵۵۵	آخری رکعتوں میں قرأت کا مسئلہ
۵۷۶	تعدیل ارکان کا حکم اور ائمہ کا مسلک	۵۵۵	ظہر کی نماز میں قرأت، مغرب کی نماز کی قرأت
۵۷۶	رکوع و سجود کی تسبیحات	۵۵۶	فقہاء کرام کی جانب سے نمازوں میں تعین قرأت کی دلیل
۵۷۹	سجدہ کی کیفیت اور فضیلت کا بیان	۵۵۷	فرض نماز پڑھنے والے کو نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟
۵۷۹	اعضاء سجدہ	۵۵۸	امام کو مقتدیوں کی رعایت کرنی چاہئے
۵۸۰	سجدہ میں طمانیت کا حکم	۵۵۸	نماز عشاء کی قرأت
۵۸۰	سجدہ میں ہاتھوں اور کہنیوں کو رکھنے کا طریقہ	۵۵۸	نماز فجر کی قرأت
۵۸۱	سجدہ میں آنحضرت کی دعا	۵۵۹	جمعہ کے روز نماز فجر کی قرأت
۵۸۲	سجدہ پروردگار سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے	۵۶۱	نماز فجر کی سنت کی قرأت
۵۸۲	سجدہ تلاوت کے وقت شیطان کی آواز بکاہ	۵۶۱	ابتداء نماز میں بسم اللہ پڑھنا
۵۸۳	کثرت سجدہ جنت میں آنحضرت کی رفاقت کا ذریعہ ہے	۵۶۲	آمین باوازی بلند کی جائے یا آہستہ؟
۵۸۳	سجدہ کرنے کا طریقہ	۵۶۲	آمین کی برکت
۵۸۶	دونوں سجدوں کے درمیان آنحضرت کی دعا	۵۶۳	آپ مغرب میں طویل قرأت بھی کرتے تھے
۵۸۶	جلدی جلدی سجدہ کرنے کی ممانعت	۵۶۳	معوذتین کی فضیلت
۵۸۷	دونوں سجدوں کے درمیان اثناء ممنوع ہے	۵۶۳	جمعہ کے روز نماز مغرب کی قرأت
۵۸۷	اقعاء کی تحقیق	۵۶۶	امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا
۵۸۷	رکوع و سجود میں کمر سیدھی کرنا چاہئے	۵۶۷	امام کی متابعت ضروری ہے
۵۸۸	دونوں ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں	۵۶۷	سورہ فاتحہ کی قرأت میں ائمہ کے مسلک
۵۸۸	سجدہ میں دونوں ہاتھ کہاں رکھے جائیں؟	۵۶۸	جو شخص قرأت پر قادر نہ ہو وہ کیا پڑھے؟
۵۸۸	تشہید کا بیان	۵۶۹	احکام الہی پر آپ کے عمل کی ایک مثال
۵۸۸	التحیات میں ہاتھوں کو رکھنے کا طریقہ	۵۶۹	نماز میں کن آیتوں کی قرأت کے بعد کیا کہنا چاہئے؟
۵۸۹	خفیہ کے نزدیک شہادت کی انگلی اٹھانے کا طریقہ	۵۷۰	دونوں رکعتوں میں ایک سورہ پڑھنا
۵۹۳	اشارہ کے وقت شہادت کی انگلی کو متحرک نہ رکھنا چاہئے	۵۷۱	حضرت عثمانؓ نماز فجر میں سورہ یوسف کثرت سے پڑھتے تھے
۵۹۳	اشارہ صرف ایک انگلی سے کرنا چاہئے		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۱۱	نماز کے بعد کن چیزوں سے پناہ مانگنی چاہئے؟	۵۹۳	قعدہ میں ہاتھوں پر نیک لگا کر نہ بیٹھنا چاہئے
۶۱۱	تہجد و درود کے بعد کی دعا	۵۹۳	قعدوں کی مقدار میں فرق
۶۱۲	سلام پھیرنے کا بیان	۵۹۵	شہادت کی انگلی شیطان کے لئے باعث تکلیف ہے
۶۱۲	نماز کے بعد امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے	۵۹۶	التحیات آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے
۶۱۳	نماز کے بعد کی دعا	۵۹۶	آنحضرتؐ پر درود بھیجنے کی فضیلت کا بیان
۶۱۳	نماز کے بعد مقتدیوں کو امام سے پہلے اٹھ جانا غیر مستحب ہے	۵۹۶	التحیات میں درود پڑھنا سنت ہے یا فرض؟
۶۱۵	نماز کے بعد کی دعا	۵۹۶	صلوٰۃ و سلام کے الفاظ کا استعمال غیر انبیاء پر جائز ہے یا نہیں؟
۶۱۵	سلام پھیرنے کا طریقہ	۵۹۶	صلوٰۃ و سلام کے الفاظ کا استعمال غیر انبیاء پر جائز ہے یا نہیں؟
۶۱۶	آپؐ نماز کے بعد اکثر بائیں طرف پھر کر بیٹھتے تھے	۵۹۷	التحیات میں درود پڑھنے کا طریقہ
۶۱۶	فرض کے بعد سنتیں پڑھنے کے لئے جگہ بدلتی چاہئے	۵۹۸	آل کی تریف و تحقیر
۶۱۷	آپؐ کی تہجد کے بعد کی دعا	۵۹۹	درود بھیجنے کی فضیلت
۶۱۸	آپؐ کا سلام پھیرنے کا طریقہ	۵۹۹	امت کا سلام فرشتے آپؐ تک پہنچاتے ہیں
۶۱۹	سلام پھیرتے وقت جواب کی نیت	۶۰۰	آپؐ سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں
۶۱۹	نماز کے بعد ذکر کا بیان	۶۰۱	گھروں کو قبر نہ بنایا جائے
۶۲۰	نماز کے اختتام پر اللہ اکبر کہنا	۶۰۲	درود نہ بھیجنے پر وعید
۶۲۱	فرض کے بعد آپؐ کے بیٹھنے کی مقدار	۶۰۳	درود و سلام کی فضیلت
۶۲۲	فرض نماز کے بعد کی دعا	۶۰۳	درود و سلام کی کوئی حد مقرر نہیں
۶۲۳	نماز کے بعد کن چیزوں سے پناہ مانگنی چاہئے	۶۰۳	درود کے بعد مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے
۶۲۳	نماز کے بعد کی تسبیحات اور ان کی فضیلت	۶۰۵	انہی کی تحقیق
۶۲۵	شکر کرنے والا امیر صبر کرنے والے غریب سے افضل ہے	۶۰۶	درود نہ بھیجنے والا بخیل ہے
۶۲۶	قبولیت دعا کا وقت	۶۰۶	درود آنحضرتؐ کے پاس پہنچتے ہیں
۶۲۶	ہر نماز کے بعد معوذات پڑھنے کا حکم	۶۰۷	درود کی فضیلت
۶۲۶	طلوع آفتاب تک ذکر میں مشغول رہنے کی فضیلت	۶۰۸	قبولیت دعا درود پر موقوف ہوتی ہے
۶۲۷	دو نمازوں کے درمیان وقفہ کرنا چاہئے	۶۰۸	تہجد میں دعا پڑھنے کا بیان
۶۲۸	نماز کے بعد کی تسبیح	۶۰۹	تہجد میں آنحضرتؐ کی دعا
۶۲۹	آیت الکرسی کی فضیلت	۶۰۹	دجال کو سب کیوں کہتے ہیں؟
۶۳۰	نماز فجر و مغرب کے بعد ذکر کی فضیلت	۶۰۹	حضرتؑ مہدیؑ کو سب کیوں کہتے ہیں؟
۶۳۰	نماز فجر کے بعد ذکر کی فضیلت	۶۱۰	قرض سے پناہ مانگنے کی وجہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۳۳	نماز میں کن انگلیوں سے ادھر ادھر دیکھنا مکروہ ہے	۱۳۱	نماز میں جائز اور ناجائز چیزوں کا بیان
۱۳۳	نماز میں شیطانی اثرات	۱۳۱	نماز میں چھینک کے جواب میں یہ حکم اللہ کہنا مفید نماز ہے
۱۳۳	رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی	۱۳۳	کاہن کی تعریف
۱۳۳	نماز میں کنکریاں نہ ہٹانے کا حکم	۱۳۳	عراف کس کو کہتے ہیں؟
۱۳۵	عبد کی جگہ صاف کرنے کے لئے چھونک نہ ماری جائے	۱۳۳	عمل رمل
۱۳۵	کوکھ پر ہاتھ رکھنا دوزخیوں کے آرام لینے کی صورت ہے	۱۳۳	غلام میں سلام کا جواب دینا حرام ہے
۱۳۵	نماز میں سانپ بچھو کو مارنے کا مسئلہ	۱۳۳	سریا ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دینا مفید نماز نہیں ہے
۱۳۶	آنحضرتؐ نماز کی حالت میں دروازہ کھولتے تھے	۱۳۳	نماز میں زمین کو برابر کرنے کا مسئلہ
۱۳۶	نماز میں وضو ٹوٹ جانے کا مسئلہ	۱۳۵	نماز میں خصر ممنوع ہے
۱۳۸	آنحضرتؐ کا ایک واقعہ	۱۳۵	خصری تعریف
۱۳۸	عبد کی جگہ کو گری سے بچانے کے لئے حضرت جابرؓ کا طریقہ	۱۳۵	نماز میں خصر کیوں ممنوع ہے؟
۱۳۹	نماز میں آنحضرتؐ کے ساتھ شیطان کا ایک عجیب معاملہ	۱۳۶	نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے؟
۱۳۹	نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینے کا مسئلہ	۱۳۶	نماز میں دعا کے وقت نگاہ آسمان کی طرف نہ اٹھانی چاہئے
۱۵۰	عبد سہو کا بیان	۱۳۷	آنحضرتؐ کا نماز میں اپنی نوا کی کوکاندھے پر اٹھانا
۱۵۰	رکعتوں کی تعداد بھول جانے کی صورت میں عبد سہو کا حکم	۱۳۷	ایک اشکال اور اس کا جواب
۱۵۵	عبد سہو سلام پھیر کر کرنا چاہئے یا اس کے بغیر	۱۳۷	نماز میں جمائی کے وقت منہ بند کر لینا چاہئے
۱۵۵	دروید کا عبد سہو سے پہلے پڑھنا چاہئے یا بعد؟	۱۳۸	آنحضرتؐ کا جن کے ساتھ ایک واقعہ
۱۵۷	نماز میں کسی کا شک واقع ہو جانے کی صورت میں کیا کیا جائے	۱۳۸	نماز میں کسی خاص موقع پر اشارہ کیا جاسکتا ہے
۱۵۷	آنحضرتؐ سے نماز میں کتنی جگہوں پر سہو ہوا تھا؟	۱۳۹	نماز میں سلام کا جواب نہ دینا چاہئے
۱۵۸	عبد سہو کے وقت کے بارہ میں ائمہ کے مسلک	۱۳۹	نماز میں اشارے سے سلام کا جواب دینے کا مسئلہ
۱۵۸	قرآن کے سجدوں کا بیان	۱۴۰	نماز میں سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دینا مکروہ ہے
۱۵۹	سورۃ نجم کا سجدہ	۱۴۰	نماز میں چھینکنے کے بعد حمد کرنا
۱۵۹	سورۃ الشقاق اور سورۃ علق کے سجدے	۱۴۱	جمائی شیطانی اثر ہے
۱۶۰	عبد عطاوت واجب ہے	۱۴۱	نماز کے راستہ میں انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرنے کا حکم
۱۶۰	آنحضرتؐ کا سورۃ نجم میں سجدہ نہ کرنا	۱۴۱	تشبیک کیا ہے؟
۱۶۱	سورۃ میں کا سجدہ	۱۴۲	نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے
۱۶۱	قرآن میں کل کتنے سجدے ہیں؟	۱۴۲	نماز میں نظر سجدہ کی جگہ رکھنی چاہئے
۱۶۳	ائمہ کے یہاں سجدوں کی تعداد	۱۴۲	نماز میں ادھر ادھر دیکھنے پر وعید

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۸۰	ترک جماعت کے عذر	۶۶۳	نماز میں سجدہ تلاوت کرنا چاہئے
۶۸۱	جماعت کی نماز کا ثواب	۶۶۵	نماز میں آخر سورۃ میں سجدہ کی آیت آجانے کا مسئلہ
۶۸۲	ترک جماعت پر وعید	۶۶۵	دو سجدوں کی وجہ سے سورۃ حج کی فضیلت
۶۸۲	نابینا شخص کو بھی جماعت میں شریک ہونے کی تاکید	۶۶۶	سجدہ تلاوت قاری اور سامع دونوں پر واجب ہوتا ہے
۶۸۳	سخت سردی و بارش کی وجہ سے جماعت چھوڑ دینا جائز ہے	۶۶۶	صرف سجدہ کے وقت تکبیر کہنی چاہئے
۶۸۳	کھانا سامنے آجائے تو کھانے سے فارغ ہو کر نماز پڑھنی چاہئے	۶۶۷	آنحضرتؐ کا منقول سورتوں میں سجدہ نہ کرنا
۶۸۳	بول و براز کی حادثہ کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے	۶۶۷	ابو ہریرہؓ کی حدیث سے تعارض
۶۸۳	فرض نماز کی تکبیر ہو جانے پر دوسری نماز نہیں پڑھنی چاہئے	۶۶۸	سجدہ تلاوت کی شیعہ
۶۸۵	عورت کو مسجد میں جانے کی اجازت	۶۶۹	سورۃ وانجم کا سجدہ
۶۸۵	عورتیں خوشبو لگا کر مسجد میں نہ جائیں	۶۶۹	سورۃ یس کا سجدہ
۶۸۶	عورتوں کو گھر میں ہی نماز پڑھنا بہتر ہے	۶۶۹	جن اوقات میں نماز پڑھنا ممنوع ہے لکن بیان
۶۸۶	عورت کو کس جگہ نماز پڑھنا افضل ہے؟	۶۷۰	طلوع و غروب کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے
۶۸۶	خوشبو لگا کر مسجد میں جانے والی عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی	۶۷۱	شیطان کے دو سنگوں کے درمیان آفتاب نکلنے کا مطلب
۶۸۶	خوشبو لگا کر باہر نکلنے والی عورتوں کے بارے میں وعید	۶۷۱	وہ تین اوقات جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے
۶۸۷	فیجر اور عشاء کی نمازوں کی فضیلت	۶۷۱	فیجر عصر کے بعد کوئی نماز نہ پڑھنی چاہئے
۶۸۸	جماعت سے نماز پڑھنے والوں پر شیطان غالب نہیں ہوتا	۶۷۱	نماز کے اوقات
۶۸۸	بغیر عذر جماعت میں شریک نہ ہونے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی	۶۷۲	آنحضرتؐ کا عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا
۶۸۹	جماعت کمزری ہو جائے اور استیجاب کی حاجت ہو تو پہلے استیجاب سے فارغ ہونا چاہئے	۶۷۲	فیجر کی سنتوں کی قضا کا مسئلہ
۶۸۹	تین چیزوں کی ممانعت	۶۷۳	خانہ کعبہ کا طواف ہر وقت کیا جاسکتا ہے
۶۸۹	کھانے کی وجہ سے نماز میں تاخیر کی ممانعت	۶۷۳	خانہ کعبہ میں ہر وقت نماز پڑھنے کا مسئلہ
۶۹۰	جماعت سے نماز پڑھنے کی تاکید	۶۷۴	جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کا مسئلہ
۶۹۱	آنحضرتؐ کے افعال کی قسمیں	۶۷۴	اوقات مکروہہ
۶۹۱	جماعت چھوڑنے والا سخت گناہ گار ہوتا ہے	۶۷۴	نماز عصر کے بعد کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں
۶۹۲	اذان ہو جانے کے بعد بغیر نماز پڑھے مسجد سے نہ نکلے کا حکم	۶۷۴	عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کی ممانعت
	زبان و عمل سے اذان کا جواب نہ دینے والے کی نماز قبول	۶۷۸	جماعت کی فضیلت کا بیان
		۶۷۹	جماعت فرض واجب ہے یا سنت؟
		۶۷۹	جماعت کے احکام و مسائل
		۶۷۹	جماعت کی حکمتیں اور فائدے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۰۳	اگر دو آدمیوں کی جماعت ہو تو دونوں کس طرح کھڑے ہوں؟	۶۹۲	نہیں ہوتی
۷۰۳	تین آدمیوں کی جماعت	۶۹۳	ناپیدا شخص کو بھی جماعت نہ چھوڑنی چاہئے
۷۰۵	مقتدی مرد و عورت کس طرح کھڑے ہوں؟	۶۹۳	غیر کی نماز جماعت سے پڑھنا رات بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے
۷۰۶	تین آدمیوں کی جماعت ہو تو ان میں سے ایک امام بن جائے	۶۹۳	دو آدمیوں کی جماعت ہو جاتی ہے
۷۰۶	امام کے لئے تنہا بلند جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ ہے	۶۹۳	عورتوں کے مسجد جانے کا مسئلہ
۷۰۷	اگر امام نیچے اور مقتدی بلند جگہ پر ہوں تو کیا حکم ہے	۶۹۵	جماعت کے بعض مسائل
۷۰۸	تعلیم کے لئے امام تنہا اونچی جگہ کھڑا ہو سکتا ہے	۶۹۶	صفوں کے برابر کرنے کا بیان
۷۰۸	احکاف میں آپ کی امامت	۶۹۶	صف برابر رکھنے کا حکم
۷۰۹	صف بندی کا طریقہ	۶۹۷	جب تک ایک صف پوری نہ ہو جائے دوسری صف قائم نہ کی جائے
۷۱۰	امامت کا بیان	۶۹۷	صف برابر رکھنا نماز کی تکمیل میں سے ہے
۷۱۱	امامت کا مستحق کون ہے؟	۶۹۸	صف برابر نہ رکھنے سے قلوب میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے
۷۱۳	ناپیدائی کی امامت جائز ہے	۶۹۸	صف کی ترتیب
۷۱۳	ناپسندیدہ امام کی نماز قبول نہیں ہوتی	۶۹۸	مساجد میں شور و غل نہ مچانا چاہئے
۷۱۳	تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی	۶۹۹	صفیں برابر اور پوری رکھنی چاہئیں
۷۱۵	امامت سے گریز قیامت کی علامت ہے	۶۹۹	مرد اور عورت کی بہترین صف کونسی ہے؟
۷۱۵	فاسق کی امامت جائز ہے	۷۰۰	صفوں میں غلام نہ رکھنا چاہئے
۷۱۶	ناپالغ کی امامت کا مسئلہ	۷۰۰	صفیں پوری کرو
۷۱۷	آراؤ کردہ غلام کی امامت	۷۰۰	پہلی صف کی فضیلت
۷۱۸	وہ لوگ جن کی نماز قبول نہیں ہوتی	۷۰۱	صف میں دائیں طرف کھڑا ہونا افضل ہے
۷۱۸	امام پر لازم چیزوں کا بیان	۷۰۱	آپ صفوں کو برابر کرنے کے بعد نماز شروع کرتے تھے
۷۱۸	نماز کو بھاری نہ بنانا چاہئے	۷۰۱	نماز میں نرم مونڈھے والے بہتر ہیں
۷۲۰	غلط نماز پڑھانے والا امام اپنی غلطی کا خمیازہ خود بھگتے گا	۷۰۲	پہلی صف کے مقابلہ میں دوسری صف کی فضیلت کم ہے
۷۲۱	پوڑھے اور بیمار مقتدیوں کی رعایت امام کے لئے ضروری ہے	۷۰۳	امام کو بیچ میں کھڑا ہونا چاہئے
۷۲۲	مقتدی کے لئے امام کی تابعداری کے لزوم اور	۷۰۳	پہلی صف میں شمولیت کی کوشش نہ کرنے پر وعید
۷۲۲	مسیبوق کے حکم کا بیان	۷۰۳	صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونے والے کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟
۷۲۲	امام کی متابعت	۷۰۳	امام اور مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ کا بیان
۷۲۳	مقتدی امام سے پہلے کوئی رکن ادا نہ کریں		
۷۲۳	امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں یا		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۳۱	فرض مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا حکم	۷۲۳	کھڑے ہو کر؟
۷۳۱	جمعہ کے بعد چار رکعت سنتیں پڑھنی چاہئیں	۷۲۳	آنحضرتؐ کی علالت اور حضرت ابو بکرؓ کی امامت کا واقعہ
۷۳۱	ظہر کی سنتیں پڑھنے کی فضیلت	۷۲۵	کیا نماز کے دوران امامت میں تغیر جائز ہے
۷۳۲	ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھنے کی فضیلت	۷۲۶	امام سے پہلے سر اٹھانے پر وعید
۷۳۲	نماز فی الزوال کی فضیلت	۷۲۶	صبح صورت کی ایک عبرتناک مثال
۷۳۳	عصر کی سنتیں	۷۲۷	امام کی موافقت کرنے کا حکم
۷۳۳	عصر کی سنتیں دو رکعت ہیں یا چار رکعت؟	۷۲۸	رکوع میں شریک ہو جانے والے کی رکعت پوری ہو جاتی ہے
۷۳۳	صلوٰۃ الاوائین کی فضیلت	۷۲۸	چالیس روز تک تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنے
۷۳۳	صلوٰۃ الاوائین کی انتہائی تعداد میں رکعت ہے		والے کے لئے بشارت
۷۳۳	عشاء کی سنتیں	۷۲۹	نفاق سے نجات کا مطلب
۷۳۵	ارشاد ربانی "ادبار النجوم" اور "ادبار السجود" سے مغرب کی	۷۲۹	جماعت کی نیت سے مسجد میں جانے والے کی جماعت نہ ملنے کی
	سنتیں مراد ہیں		صورت میں بھی ثواب ملتا ہے
۷۳۶	ظہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھنے کا ثواب	۷۲۹	جماعت کی فضیلت
۷۳۶	عصر کے بعد دو رکعت نماز	۷۳۰	آپؐ کی مرض وفات میں حضرت ابو بکرؓ کی امامت کا واقعہ
۷۳۶	غروب آفتاب کے بعد اور نماز مغرب سے نفل نماز کا مسئلہ	۷۳۲	امام پر چہل کرنے کی وعید
۷۳۸	نوافل گھروں میں ادا کئے جائیں	۷۳۲	دو مرتبہ نماز پڑھنے والے کا بیان
۷۳۹	مغرب کی سنتوں میں طویل قرات	۷۳۲	حضرت معاذؓ کے دو مرتبہ نماز پڑھنے کی حقیقت
۷۳۹	مغرب کے بعد نفل نماز پڑھنے کی فضیلت	۷۳۳	جماعت کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھنے کی حقیقت
۷۵۰	علیین کیا ہے؟	۷۳۴	دوبارہ نماز پڑھنا باعث ثواب ہے
۷۵۰	فرض و نوافل کے درمیان فرق کرنا چاہئے	۷۳۵	دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم
۷۵۲	فقہ حنفی میں سنتوں کی تفصیلی تعداد	۷۳۶	ایک نماز کو دوبارہ نہ پڑھنے کا حکم
۷۵۳	رات کی نماز کا بیان	۷۳۶	دوبارہ نماز نہ پڑھنے کی تطبیق گذشتہ احادیث سے
۷۵۳	آپؐ رات میں عشاء و فجر کے درمیان اکثر گیارہ رکعت نماز	۷۳۶	وہ اوقات جن میں دوبارہ نماز پڑھنا منوع ہے
	پڑھتے تھے	۷۳۷	سنتوں کی فضیلتوں کا بیان
۷۵۳	فجر کی فرض نماز اور سنتوں کے درمیان بات چیت کرنے کا	۷۳۷	سنتوں کی تعداد اور ان کے پڑھنے کی فضیلت
	مسک		جمعہ کی سنتیں
۷۵۵	آپؐ فجر کی سنتوں سے فارغ ہو کر استراحت فرماتے تھے	۷۳۹	آنحضرتؐ کے نوافل کی تعداد
۷۵۶	رات میں آپؐ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟	۷۳۹	فجر کی سنتوں کی تاکید
۷۵۶	آپؐ تہجد میں ابتدا کی دو رکعت ہلکی پڑھتے تھے	۷۴۰	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۷۲	رات میں عبادت خداوندی کے لئے تہاٹھنے والے کی برائی	۷۵۶	آنحضرتؐ کی نماز کا ذکر
۷۷۲	عورتوں کے لئے نماز تہجد کا ذکر	۷۵۸	وتر کی تین رکعتیں ہیں
۷۷۲	عورتوں کے لئے وعید	۷۵۸	آنحضرتؐ کی نماز تہجد کی کیفیت
۷۷۳	رحمت خداوندی کے نزول و قبولیت دعا کا وقت	۷۵۹	آنحضرتؐ آخر عمر میں نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے
۷۷۳	ہر رات میں قبولیت کی ایک ساعت آتی ہے	۷۵۹	نماز تہجد میں آپؐ کون کون کی سورتیں پڑھتے تھے؟
۷۷۵	حضرت داؤدؑ کی نماز اور ان کے روزے	۷۶۰	قرآن پڑھنے کی ترتیب
۷۷۵	رات میں عبادت کے سلسلے میں آپؐ کا معمول	۷۶۰	پہلی رکعت میں سورہ والناس پڑھ لینے کا مسئلہ
۷۷۶	نماز تہجد پڑھنے کی تاکید و فضیلت	۷۶۰	آپؐ کی نماز تہجد کی کیفیت
۷۷۷	نماز تہجد پڑھنے والوں کی خوش بختی	۷۶۱	نماز تہجد میں زیادہ قیام کی فضیلت
۷۷۷	آخری شب میں ذکر کی فضیلت	۷۶۲	نماز تہجد میں آپؐ کی قرأت کا طریقہ
۷۷۸	شہر و دیوی دونوں عبادت کے سلسلہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں	۷۶۳	تہجد کی قرأت کے سلسلے میں ابو بکرؓ و عمرؓ کا طریقہ اور آپؐ کی راہنمائی
۷۷۹	قبولیت دعا کا وقت	۷۶۳	آپؐ ایک آیت پڑھتے پڑھتے تمام رات کھڑے رہے
۷۷۹	اعمال صالحہ کرنے والوں کے لئے بشارت	۷۶۳	غیر کی سنتیں پڑھ کر دہائی کروٹ پر لیٹ جانا چاہئے
۷۸۰	نماز تہجد کے معمول کو ترک کرنے کی ممانعت	۷۶۳	مداومت عمل
۷۸۰	رات میں حضرت داؤدؑ کی عبادت اور ساعت قبولیت	۷۶۵	آپؐ کے رات کے معمول
۷۸۱	نماز تہجد کی فضیلت	۷۶۶	آپؐ رات کی نماز میں جو کچھ پڑھتے تھے اس کا بیان
۷۸۲	تہجد کی نماز برائی سے روکتی ہے	۷۶۶	نماز تہجد میں آپؐ کی دعا
۷۸۲	اہل خانہ کے ہمراہ تہجد پڑھنے کی فضیلت	۷۶۷	خیند سے بیدار ہونے کی بعد کی تسبیح اور اس کی فضیلت
۷۸۳	امت کے بلند مرتبہ کون لوگ ہیں؟	۷۶۸	جاگنے کے وقت آپؐ کی دعا
۷۸۳	رات کی عبادت کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا معمول	۷۶۸	رات میں بیداری کے بعد ذکر اللہ کی فضیلت
۷۸۳	اعمال میں میانہ روی اختیار کرنے کا بیان	۷۶۹	نماز تہجد سے پہلے آپؐ کی تسبیح و دعا
۷۸۵	مداومت عمل کی فضیلت	۷۷۰	رات کے قیام پر رغبت دلانے کا بیان
۷۸۵	بساط سے باہر عبادت نہ کرنی چاہئے	۷۷۰	رات میں عبادت خداوندی سے روکنے کے لئے شیطان کی مکاریاں
۷۸۵	اس وقت تک عبادت کرنی چاہئے جب تک اس میں دل لگے	۷۷۱	آپؐ کی کثرت عبادات اور اسے شکر کے لئے ہوتی تھی
۷۸۶	اونٹن کی حالت میں نماز نہ پڑھنی چاہئے	۷۷۱	عبادت کے بارہ میں حضرت علیؓ کا مقولہ
۷۸۷	دین آسان چیز ہے اسے اپنے عمل سے سخت اور ہیبت ناک نہ بناؤ		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۰۳	نماز وتر کے سلام کے بعد کی تسبیح	۷۸۷	رات کے یقینہ اور اذو ظائف کو دن میں پڑھ لینا چاہئے
۸۰۳	مستقل طور پر کسی خاص دعائے قنوت کو مقرر کر لینے کا مسئلہ	۷۸۸	معذوری کی حالت میں بیٹھ کر اور لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم
۸۰۳	حضرت معاویہؓ کا ایک رکعت وتر پڑھنا	۷۸۸	بغیر عذر بیٹھ کر نفل نماز پڑھنے والے کو اذہا ثواب ملتا ہے
۸۰۵	وتر پڑھنے کی تاکید	۷۸۹	بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں
۸۰۵	نماز وتر واجب ہے یا سنت؟	۷۸۹	نیند آنے تک با وضو ذکر اللہ میں مشغول رہنے والے کی فضیلت
۸۰۶	نماز وتر کی قرأت	۷۸۹	وہ دو خوش نصیب جن سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے
۸۰۶	حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ	۷۹۱	نماز میں راحت و سکون
۸۰۶	بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ایک اور طریقہ	۷۹۲	نماز وتر کا بیان
۸۰۷	وتر کے بعد کی دو رکعتیں	۷۹۲	نماز وتر واجب ہے یا سنت؟
۸۰۷	وتر کے بعد دو رکعتوں کی فضیلت	۷۹۲	نماز وتر کی ایک رکعت ہے یا تین رکعتیں
۸۰۷	وتر کے بعد کی دونوں رکعتوں کی قرأت	۷۹۲	نماز وتر کا طریقہ
۸۰۸	قنوت کا بیان	۷۹۲	نماز وتر کی رکعتوں کا مسئلہ
۸۰۸	رحمت عالم کو بددعا کی ممانعت	۷۹۳	ایک قہقہہ کے ساتھ پانچ رکعت پڑھنے کا مسئلہ
۸۱۰	کسی آفت کے وقت دعائے قنوت فرض نمازوں میں پڑھنی چاہئے	۷۹۳	آنحضرتؐ کی نماز تہجد و نماز وتر
۸۱۰	دعاء قنوت پڑھنے کا وقت	۷۹۵	وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا مسئلہ
۸۱۰	قراء سبعون کی شہادت کا واقعہ	۷۹۶	وتر رات کی آخری نماز ہونی چاہئے
۸۱۱	دعاء قنوت کس وقت پڑھی جائے	۷۹۷	وتر کے اوقات
۸۱۲	آخری نصف رمضان میں اور رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھنے کا مسئلہ	۷۹۷	آنحضرتؐ کی طرف سے حضرت ابو ہریرہؓ کو تین باتوں کی وصیت
۸۱۳	ماہ رمضان میں قیام کا بیان	۷۹۸	آنحضرتؐ شروع رات میں بھی وتر پڑھتے تھے اور آخری رات میں بھی
۸۱۳	نماز تراویح	۷۹۸	نماز تہجد و وتر کی رکعتوں کی تعداد
۸۱۳	باجماعت نماز تراویح سنت ہے	۷۹۹	نماز وتر واجب ہے
۸۱۶	رمضان کی راتوں میں عبادت کرنے کی فضیلت	۸۰۰	وتر کی فضیلت
۸۱۶	سنت و نفل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت اور اس کے اثرات	۸۰۰	وتر کی قضاء کا حکم
۸۱۷	رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں میں آنحضرتؐ کی عبادت	۸۰۱	آنحضرتؐ وتر میں کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے
۸۱۸	ماہ شعبان کی پندرھویں شب کی فضیلت	۸۰۱	وتر میں پڑھی جانے والی دعا
۸۱۹	نفل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت	۸۰۲	دعاء قنوت کے مسئلہ میں ائمہ کے یہاں مختلف فیہ چیزیں
۸۱۹	نماز تراویح گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں؟	۸۰۳	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۲۶	تختہ الوضو کی فضیلت	۸۲۰	حضرت عمرؓ کا نماز تراویح کے لئے جماعت مقرر کرنا
۸۲۷	نماز حاجت	۸۲۰	تراویح کی رکعتوں کی تعداد
۸۲۸	نماز تسبیح کا بیان	۸۲۱	نفل نماز میں سہارا لینا جائز ہے
۸۲۸	نماز تسبیح پڑھنے کا طریقہ	۸۲۲	نماز تراویح کا انتہائی وقت
۸۲۹	نماز تسبیح کی فضیلت	۸۲۲	پندرہویں شعبان کی شب میں بنی آدم کی پیدائش و موت لکھی جاتی ہے
۸۳۱	قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کی پرسش ہوگی	۸۲۳	شب برأت میں کینہ توڑ اور مشرک پروردگار کی رحمت سے محروم ہوتا ہے
۸۳۲	نماز سفر کا بیان	۸۲۳	پندرہویں شعبان کے روزے اور شب برأت کی عبادت کا حکم
۸۳۲	مسافت قصر	۸۲۵	پندرہویں شعبان کی شب میں نماز الفیہ پڑھنے کی حقیقت
۸۳۲	مدت قصر	۸۲۶	کسی بھی عمل کے وقت چراغاں کرنا مستحب نہیں ہے
۸۳۳	قصر کے کچھ مسائل	۸۲۶	تراویح کی ختم رات میں نمائشی اجتماع بدعت ہے
۸۳۳	آپؐ کی نماز قصر	۸۲۶	نماز ضحیٰ کا بیان
۸۳۳	آیت قصر میں خوف کی قید اور اس کی وضاحت	۸۲۶	ضحیٰ کی دو نمازیں ہیں نماز اشراق اور نماز چاشت
۸۳۵	مدت اقامت	۸۲۶	نماز چاشت کی آٹھ رکعتیں
۸۳۶	مسافر حالت سفر میں اگر نفل نماز پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں	۸۲۷	نماز ضحیٰ میں آپؐ کی نماز کی رکعتوں کی تعداد
۸۳۶	جمع بین الصلوٰتین	۸۲۸	نماز ضحیٰ کی فضیلت
۸۳۷	سواری پر نماز پڑھنے کا مسئلہ	۸۲۸	نماز چاشت کا بہتر وقت
۸۵۱	حضرت عثمانؓ کا نئی میں قصر نہ کرنا	۸۲۹	نماز چاشت کی برکت
۸۵۲	قصر رخصت سے زیادہ عزیمت ہے	۸۳۰	نماز اشراق کی فضیلت
۸۵۳	قصر خدا کا حکم ہے	۸۳۱	حضرت عائشہؓ اور نماز ضحیٰ
۸۵۳	قصر قرآن و سنت سے ثابت ہے	۸۳۱	نماز ضحیٰ کے بارہ میں آپؐ کا معمول
۸۵۴	مسافت قصر کی حد	۸۳۲	نفل نماز کا بیان
۸۵۵	سفر میں نفل نماز پڑھنے کا بیان	۸۳۳	تختہ الوضو کی فضیلت
۸۵۵	جمعہ کا بیان	۸۳۳	استحارہ کی نماز و دعا
۸۵۶	نماز جمعہ کی فرضیت	۸۳۵	نماز توبہ کا طریقہ
۸۵۹	جمعہ کے دن ساعت قبولیت	۸۳۶	مصیبت کے وقت نماز نفل
۸۶۰	جمعہ کے دن ساعت قبولیت کب آتی ہے		
۸۶۲	جمعہ کی فضیلت اور ساعت قبولیت		
۸۶۳	فضائل جمعہ		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۷۹	خطبہ کے وقت بیٹھنے کا ایک ممنوع طریقہ	۸۶۵	جمعہ کی فضیلت
۸۷۹	اونگھ آنے کی صورت میں جگہ بدل دینی چاہئے	۸۶۶	جمعہ کی وجہ تسمیہ
۸۸۰	کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھاؤ	۸۶۷	جمعہ کے دن آپ پر کثرت سے درود بھیجنا چاہئے
۸۸۰	آداب جمعہ کی رعایت کرنے والے کے لئے بشارت	۸۶۸	جمعہ کو مرنے والے مؤمن کے لئے بشارت
۸۸۱	خطبہ کے وقت بات چیت کرنے والوں کے لئے وعید	۸۶۸	جمعہ مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے
۸۸۱	خطبہ کے وقت آنحضرتؐ کا کلام اور اس کی وضاحت	۸۶۹	جمعہ کی رات روشن رات اور جمعہ کا دن چمکتا دن ہے
۸۸۱	مسلمانوں کے لئے جمعہ عید ہے	۸۶۹	جمعہ کے واجب ہونے کا بیان
۸۸۲	جمعہ کے دن غسل کرنے اور خوشبو لگانے کی اہمیت	۸۷۰	نماز جمعہ ترک کرنے کی وعید
۸۸۲	خطبہ اور جمعہ کی نماز کا بیان	۸۷۰	جمعہ کی اذان سننے والے پر نماز جمعہ واجب ہے
۸۸۳	نماز جمعہ کا وقت	۸۷۱	وہ لوگ جن پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے
۸۸۳	آنحضرتؐ کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان نہیں ہوتی تھی	۸۷۱	نماز جمعہ کے لئے جماعت فرض ہے
۸۸۳	آنحضرتؐ دو خطبے پڑھتے تھے اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھتے تھے	۸۷۱	مذکورہ لوگوں پر جمعہ کیوں واجب نہیں
۸۸۳	مختصر مگر تاثیر خیز خطبہ خطیب کی دانائی کی علامت ہے	۸۷۲	تارک جمعہ کے لئے وعید
۸۸۵	خطبہ ارشاد فرماتے وقت آنحضرتؐ کی کیفیت	۸۷۲	نماز جمعہ چھوڑنے والا کچھ اپنا ہی کھوتا ہے
۸۸۶	خطبہ میں آنحضرتؐ قرآن کی آیتیں پڑھا کرتے تھے	۸۷۳	پاک حاصل کرنے اور جمعہ کے لئے سویرے
۸۸۶	علماء باندھ کر خطبہ پڑھنا		جانے کا بیان
۸۸۷	خطبہ کے وقت تجزیۃ المسجد پڑھنے کا مسئلہ	۸۷۳	جمعہ کی نماز کے آداب
۸۸۸	جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی اس نے پوری نماز پائی	۸۷۵	جمعہ میں اول وقت آنے والے کی فضیلت
۸۸۸	آپؐ کے خطبہ پڑھنے کا طریقہ	۸۷۵	خطبہ کے وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ممنوع ہے
۸۸۹	خطبہ کے وقت نمازی خطیب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں	۸۷۵	خطبہ کے وقت خاموشی اختیار کرنے کا مسئلہ
۸۹۰	آنحضرتؐ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے	۸۷۶	خطبہ کے وقت کے آداب
۸۹۰	خطبہ اور جمعہ کے اوقات	۸۷۶	مسجد میں کسی کو اس کی جگہ سے نہ ہٹانا چاہئے
۸۹۱	خطبہ کے وقت ہاتھوں کو بلند نہ کرنا چاہئے	۸۷۷	جمعہ کے روز عمدہ لباس زیب تن کرنا چاہئے
۸۹۱	آنحضرتؐ کا خطبہ کے وقت منبر پر کھڑے ہو کر ابن مسعودؓ کو مسجد میں بلانا	۸۷۷	جامع مسجد پیدل جانا افضل ہے
۸۹۲	جمعہ کی نماز نہ ملنے کی صورت میں ظہر کی نماز پڑھ لینے کا مسئلہ	۸۷۸	جمعہ کے لئے بطور خاص اچھے کپڑے بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں
		۸۷۸	امام کے قریب بیٹھ کر خطبہ سنو
		۸۷۹	گردنوں کو پھلاتنے کی وعید

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۱۵	چاند کی شہادت زوال کے بعد آئے تو نماز عید دوسرے دن پڑھنی چاہئے	۸۹۲	نماز خوف کا بیان
۹۱۵	عیدین کی نماز میں اذان و تکبیر نہیں ہے	۸۹۳	دشمن کے مقابل ہونے کی صورت میں آنحضرت کی نماز اور جماعت
۹۱۶	عیدین میں خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے	۸۹۳	نماز خوف کا ایک اور طریقہ
۹۱۷	عیدین کی نماز کا طریقہ	۸۹۵	آنحضرت کا حکم
۹۱۸	قربانی کا بیان	۸۹۶	نماز خوف کا ایک اور طریقہ
۹۱۸	قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہئے	۸۹۸	نماز خوف کا آنحضرت کے ساتھ ایک مختص طریقہ
۹۱۸	قربانی کے ذبیحہ کی صفات	۸۹۹	عیدین کی نماز
۹۱۹	کس عمر کے جانور کی قربانی کرنی چاہئے	۹۰۰	عیدین کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے
۹۱۹	کبریٰ کے بچہ کی قربانی	۹۰۰	عیدین کی نماز کے لئے اذان و تکبیر مشروع نہیں ہے
۹۲۰	عید گاہ میں قربانی افضل ہے	۹۰۱	نماز عیدین سے پہلے یا بعد میں نفل نماز پڑھنے کا مسئلہ
۹۲۰	قربانی کے حصے	۹۰۱	عید گاہ میں عورتوں کے جانے کا مسئلہ
۹۲۰	قربانی کرنے والے کے لئے کچھ ہدایتیں	۹۰۲	ذبح جانے کا مسئلہ
۹۲۰	عشرہ ذی الحجہ کے نیک اعمال کی فضیلت	۹۰۳	حدیث سے اہل سماع کا غلط استدلال
۹۲۱	قربانی کے وقت کی دعا	۹۰۳	سماع کی حرمت و کراہت
۹۲۲	میت کی طرف سے قربانی جائز ہے	۹۰۸	آنحضرت عید گاہ جانے سے پہلے کھجور تناول فرماتے تھے
۹۲۲	عیب دار جانور کی قربانی نہ کرنا چاہئے	۹۰۸	آنحضرت عید گاہ جاتے وقت ایک راستہ سے جاتے اور دوسرے راستہ سے واپس آتے تھے
۹۲۳	خفیہ کے نزدیک کیسے جانور کی قربانی جائز نہیں	۹۰۹	قربانی کا وقت
۹۲۳	فریہ جانور کی قربانی بہتر ہے	۹۰۹	قربانی واجب ہے یا سنت؟
۹۲۳	جذع کی قربانی کا حکم	۹۱۰	آنحضرت عید گاہ میں قربانی کیا کرتے تھے
۹۲۵	قربانی میں شرکت	۹۱۰	مسلمانوں کے لئے خوشی کے دو دن
۹۲۵	قربانی کی فضیلت	۹۱۱	عید میں نماز سے پہلے اور بقر عید میں نماز کے بعد کھانا پینا چاہئے
۹۲۵	عشرہ ذی الحجہ کی عبادتوں کی فضیلت	۹۱۲	تکبیرات عیدین
۹۲۶	بقر عید کی نماز سے پہلے قربانی درست نہیں	۹۱۳	اہم خطبہ دینے وقت عصا وغیرہ کا سہارا لے لے
۹۲۶	ایام قربانی	۹۱۳	عید گاہ جانے کا طریقہ
۹۲۶	آنحضرت ہمیشہ قربانی کرتے تھے	۹۱۳	عذر کی وجہ سے عیدین کی نماز شہر کی مسجد میں پڑھی جاسکتی ہے
۹۲۷	قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے	۹۱۳	عید کی نماز تاخیر سے اور بقر عید کی نماز جلدی پڑھ لی جاتی ہے
۹۲۷	عتیرہ کا بیان		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۳۳	بارش کی دعا	۹۲۷	فرع اور عتیرہ کی ممانعت کرنا
۹۳۵	وسیلہ سے بارش کے لئے دعا	۹۲۷	عتیرہ کے کہتے ہیں؟
۹۳۵	استسقاء کے سلسلہ میں ایک نبی علیہ السلام کا واقعہ	۹۲۸	نگ دست پر قربانی واجب نہیں
۹۳۶	ہواؤں کا بیان	۹۲۹	نماز خسوف کا بیان
۹۳۶	ہوا رحمت بھی ہے عذاب بھی	۹۲۹	سورج گرہن کے وقت آنحضرت کی نماز
۹۳۶	ابر وہوا کو دیکھ کر آپ کی کیفیت	۹۳۰	نماز خسوف کی قرأت
۹۳۷	تیز ہوا کے وقت آنحضرت کی دعا	۹۳۰	سورج گرہن کا حقیقی سبب
۹۳۸	غیب کے پانچ خزانے	۹۳۲	گرہن کے وقت آنحضرت کی کیفیت
۹۳۸	خت خط کیا ہے؟	۹۳۲	نماز کسوف میں آنحضرت کے رکوع و سجود کی تعداد
۹۳۸	ہوا کو برا کہنے کی ممانعت	۹۳۳	سورج گرہن کے وقت آنحضرت کا طریقہ
۹۳۹	تیز ہوا کے وقت آپ کی دعا	۹۳۳	سورج گرہن میں غلام آزاد کرنا چاہئے
۹۵۰	ابر کے وقت کی دعا	۹۳۴	نماز کسوف کی قرأت باواز بلند ہو یا آہستہ آواز سے؟
۹۵۰	گرج کے وقت کی دعا	۹۳۴	کرشمہ خداوندی کے ظہور کے وقت سجدہ
		۹۳۵	نماز کسوف کے رکوع و سجدہ اور قرأت
		۹۳۶	حنفیہ کی مستدل حدیث
		۹۳۶	سجدہ شکر کا بیان
		۹۳۷	خوشی کے وقت آنحضرت کا سجدہ شکر
		۹۳۸	کسی جتنا بلا کو دیکھ کر اپنی عافیت پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے
		۹۳۸	امت کے حق میں آنحضرت کی شفقت
		۹۳۹	نماز استسقاء کا بیان
		۹۳۹	آنحضرت کی نماز استسقاء
		۹۴۰	نماز استسقاء کے بارے میں حنفیہ کا مسلک
		۹۴۱	دعا کے وقت ہاتھوں کی بیست
		۹۴۱	بارش کے وقت آنحضرت کی دعا
		۹۴۱	بارش کے وقت آنحضرت کا عمل
		۹۴۲	استسقاء میں چادر پھیرنے کا طریقہ
		۹۴۳	استسقاء کے وقت آنحضرت خشوع و خضوع اور تضرع اختیار کرتے تھے

تمت بالخیر

مقدمہ

از

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاضی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ علم حدیث کی باضابطہ تدوین عہد نبوی ﷺ میں نہیں ہوئی حالانکہ اس کے برخلاف قرآن کریم کی باضابطہ تدوین و کتابت عہد نبوت میں خود آنحضرت ﷺ کے حکم سے ہوتی رہی ہے۔ جس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ قرآن کریم اپنے الفاظ و معانی ہر دو کے اعتبار سے حق تعالیٰ جل شانہ کا نازل فرمودہ ہے، آپ کے اس کی کتابت پر بطور خاص توجہ فرمانے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کے اعجازی الفاظ کا متبادل یا مترادف لانا طاقت بشری سے خارج ہے۔ ارشاد ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿۱﴾ (الشعراء: ۱۹۳-۱۹۴)

”اس (قرآن کی) امانت وافرشتہ ”جبرئیل“ لے کر آیا ہے آپ کے قلب پر تاکہ آپ (بھی) منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں۔“
یا ارشاد فرمایا گیا:

إِنَّا عَلَيْنَا جَمْعُهُ وَقُرْآنَهُ ﴿۲﴾ فَإِذَا قُرِئَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿۳﴾ ثُمَّ إِنَّا عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿۴﴾ (القیامہ: ۵۵-۵۷: ۱۹۳)

”ہمارے ذمہ (آپ کے قلب میں) اس کا جمع کرو دینا اور آپ کی زبان سے اس کا پڑھنا (یا) جب یہ ہمارے ذمہ ہے (تو جب ہم اسے پڑھنے لگا کریں) (یعنی ہمارے فرشتے پڑھنے لگا کرے) تو آپ اس کے تابع ہو جائیے پھر اس کا بیان کروادینا (بھی) ہمارا ذمہ ہے۔“

اور حدیث کلام رسول ہے اگرچہ معانی کے اعتبار سے وہ بھی ملہم من اللہ ہیں جیسا کہ خود نص صریح اس پر شاہد ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿۱﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿۲﴾ (النجم: ۵۳-۵۴)

”اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بتاتے ہیں۔ ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔“

یا حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نبوت کے لب گویا سے جو چیز بھی سنتا تھا اس کو فوراً لکھ لیا کرتا تھا اور یہ لکھنا پڑھنے ہی کے لئے ہوتا تھا۔ لیکن مجھے بعض قریشیوں نے اس سے روکا اور کہا رسول اللہ ﷺ بشر ہیں، آپ بہت سی باتیں بحالت رضا، اور بہت سی باتیں بحالت غضب بھی فرماتے ہیں لیکن کل یہ سب کچھ دین شمار ہونے لگے گا اس لئے لکھنا مناسب نہیں، ابن عمروؓ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے لکھنا بند کر دیا اور اس بات کا ذکر بارگاہ نبوت میں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے دہان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، کہ ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اس منہ سے کوئی بات کسی حال میں خلاف حق نہیں نکل سکتی۔“

دوسری چیز یہ بھی تھی کہ عرب قوم اپنی ذکاوت و ذہانت کے لحاظ سے جس عالمگیر امتیازی حال تھی اس میں ان کی برابری کی کوئی قوم و عویدار بھی پیدا نہیں ہوئی۔ ہر چیز سن کر جسے محفوظ کر لینا چونکہ نسلوں سے چلا آ رہا تھا اس لیے قوت حفظ، فصاحت و بلاغت اور انتقال ذہنی غیر معمولی بڑھ گیا تھا اس لئے اگر اس دور کے لحاظ سے قوت حافظہ پر اعتماد کو آج کے حفظ کی بے اعتمادی پر قیاس کیا جائے تو یہ قرین دانش نہیں کہلا سکتا۔

اسی وجہ سے قرون اولیٰ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کی تاحد نہایت تحقیق و تجسس علم مجلسی کارکن اسامی بن گیا تھانیز

روایت حدیث کا حال عہد صحابہ و تابعین میں جس قدر خود رواۃ کے اہل شہر کو معلوم ہوتا تھا، دوسروں کو اس درجہ واقفیت کے وسائل فراہم نہیں تھے۔ پھر راویوں میں حجازی بھی تھے، شامی بھی تھے، عراقی بھی تھے اور مصری بھی تھے لیکن اختلاف مسکن کے باوجود ان میں سے ہر ایک کا شمار اعیان میں ہی ہوتا تھا۔

اس باب میں محدثین کے یہاں حجازی اسناد کو جس اہمیت اور اعتماد کا حامل سمجھا گیا ہے وہ ہر لحاظ دوسری اسناد سے ممتاز ہے امام مالکؒ نے جو سب سے پہلے حجازی اسناد کو بنیادی اہمیت دیتے ہوئے احکام شرعیہ پر مشتمل احادیث کو تدوین و ترتیب کے ساتھ جمع فرمایا جو ”موطا امام مالک“ کے نام سے معروف و متداول ہے۔

پھر امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری کا دور آیا تو انہوں نے اپنی کڑی شرائط کی کسوٹی پر پرکھ کر نہ صرف حجازی عراقی اور شامی اسناد کی تمام روایات ہی کو لے کر علم حدیث کے دامن کو غیر معمولی وسعت بخشی بلکہ اخلاقیات، عقائد، عبادات، معاملات، عقوبات، تعبیر خواب، تفسیر، قرأت وغیرہ کے ہر موضوع پر فراہم شدہ روایات کو اپنی جامع کے لئے وجہ امتیاز بنایا اور تمام عنوانات کے لئے مستقل ابواب قائم فرمائے اور آج یہ ہی کتاب اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بجا طور پر کہلاتی ہے۔

امام مسلمؒ بھی امام بخاریؒ کے نقش قدم پر چلے، البتہ شرائط قبول میں امام بخاریؒ کے مقابلے پر فی الجملہ تسہیل اور تکرار احادیث کو حذف کر کے مختلف اسناد کو یکجا جمع کر دیا، یہ حسن ترتیب اس درجہ مقبول ہوئی کہ بعض حضرات نے اس حسن ترتیب ہی کی وجہ سے مسلمؒ کو بخاریؒ پر ترجیح دی ہے لیکن واقعہ یہی ہے کہ صحت اسناد اور متنوع عنوانات و جامعیت کے لحاظ سے بخاریؒ مسلمؒ پر فائق تر ہے۔

تیسرے دور میں علم حدیث کے ممتاز حاملین میں ابو داؤد سجستانیؒ، ابو عیسیٰ ترمذیؒ اور ابو عبد الرحمن نسائیؒ صنف اعلیٰ نظر آتے ہیں البتہ ان حضرات کے یہاں بخاریؒ و مسلمؒ کی نسبت تنقید و اسناد میں تشدد بہت کم ہے لیکن اس کے باوجود ان میں سے کسی نے کسی متروک العمل حدیث کو اپنی مصنفات میں ہرگز نہیں لیا۔

یہ چھ کتب ہیں یعنی صحیح بخاریؒ، صحیح مسلمؒ، ترمذیؒ، ابو داؤدؒ، موطا امام مالکؒ اور نسائیؒ کہ جو علم حدیث کی بنیادی اور اصل کتب ہیں شمار ہوتی ہیں اور طبقات اہل علم میں ”صحاح ستہ“ کے نام سے معروف ہیں۔

صاحب مشکوٰۃ علامہ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد ابن عبد اللہ الخطیب التبریزی نے ۷۷۳ھ میں صحاح ستہ اور دیگر مشہور کتب حدیث میں جو احادیث قابل استناد اور قابل اعتماد سمجھی گئی ہیں ان کو اپنی کتاب میں جمع فرما کر امت کو ایک بہترین ہدیہ علمی سے استفادہ کا موقع دیا، ”مشکوٰۃ المصابیح“ کا ابتدائے عہد سے لے کر آج تک مقبول اور متداول رہنا مصنف علامہ کے حسن اخلاص پر ایک بین دلیل ہے۔ حدود ہند میں ایک طویل وقت وہ بھی گزرا ہے کہ یہاں مدار علم حدیث صرف مشکوٰۃ المصابیح اور مشارق الانوار سمجھی جاتی رہی ہیں۔ حجۃ الاسلام مولانا شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جب علم حدیث کی اشاعت پر توجہ صرف فرمائی اور ارباب علم کو دیگر عظیم کتب حدیث پر اطلاع ہوئی تب سے صحاح ستہ کے بعد مشکوٰۃ کا ثانوی مقام پیدا ہوا لیکن اس کے باوجود اس کی دوری اہمیت سے کبھی صرف نظر نہیں کیا گیا، آج بھی جب کہ صحاح ستہ اور دیگر لاتعداد علم حدیث کی کتابیں سرزمین وطن پر عام ہیں، مشکوٰۃ کی افادیت ناقابل انکار ہے اسی افادہ عامہ نے ہر دور کے ارباب علم کو اس کتاب کی خدمت پر مجبور کیا۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ نے ”مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح“ شیخ عبدالحق دہلویؒ نے ”شرح مشکوٰۃ فارسی“ اور ”لمعات شرح مشکوٰۃ عربی“ علامہ حسین ابن محمد بن عبد اللہ الطبریؒ نے ”طبیبی شرح مشکوٰۃ“ اور ”مظاہر شرح مشکوٰۃ“ (اردو) کے مؤلف نواب قطب الدین خان دہلوی تلمیذ شاہ محمد الحق صاحب دہلویؒ نواسہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ نے متن مشکوٰۃ مع ترجمہ لکھ کر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شرح مشکوٰۃ کا خلاصہ اردو زبان میں تحریر فرمایا جس کی اردو خواں حضرات کے لئے افادیت اس وقت سے آج تک ناقابل انکار رہی ہے، زبان و بیان کی قدامت بھی بسا اوقات افادیت کو مضل بنا دیتی ہے اور آج جبکہ دین اور علم دین سے برکشتگی کے دوائی اپنی قہرمانی قوتوں کے ساتھ مسلط ہیں، تو اہل نظر کی نظر میں ایسی خدمتوں کی اہمیت دو چند ہو جایا

کرتی ہے اور وہ اس کوشش میں لگ جاتے ہیں کہ حقائق دین کو وقت کے ان وسائل کے ذریعہ امت کے ذہن سے قریب تر کر دیں کہ جن کو کسی درجہ بھی عوامی ذہن نے اپنا رکھا ہے اور حقیقتاً خدا م دین کے اکی جذبے نے حالات و وقت کے برخلاف ان سے ناقابل انکار اور قابل صد ہزار تعجب عظیم خدمات انجام دلا دی ہیں۔

یہ امر باعث مسرت ہے کہ نوجوان عزیز مولانا عبد اللہ جاوید غازی پوری فاضل دیوبند نے ایک بڑی اور عوامی علمی اور دینی خدمت کے احساس کے تحت ”مظاہر حق“ ترجمہ و شرح مشکوٰۃ کو وقت کی صاف و سلیس زبان میں پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے عزم و ہمت میں برکت عطا فرمائے اور ان کی اس خدمت کو قبول و مقبول فرمائے۔ آمین!

احقر

محمد سالم

مدرس دارالعلوم و ناظم ادارۃ تاج المعارف دیوبند

مؤرخہ

۸ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۶۰ء یوم پنجشنبہ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

(مصنف مظاہر حق کا دیباچہ حصول برکت کے لئے ان ہی کی زبان میں پیش کیا جا رہا ہے)

الحمد لله الذي ارسل رسوله الكريم ليهدينا الى الصراط المستقيم
وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ط

بعد اس کے مسکین محمد قطب الدین شاہ جہاں آبادی عرض کرتا ہے کہ کتاب مشکوٰۃ شریف علم حدیث میں عجب نافع کتاب ہے، کہ ہر مضمون کی حدیثیں اس میں مندرج ہیں اس کا ترجمہ عدیم النظیر میرے استاد بزرگوار مولانا محمد مناکر مناکر حضرت حاجی محمد اسحاق نواسہ حضرت شیخ عبدالعزیزؒ کے نے سچ زبان ہندی کے میں السطور میں لکھا تھا لیکن کاتبوں سے اس کی صحت میں فرق آنے لگا۔ مرضی جناب موصوف کی ایسی پالی کہ اگر یہ بطور شرح کے لکھا جاوے بہتر ہے اس لئے اس نے محمد ان کے ترجمہ اس کا عبارت عربی سے علیحدہ کر کر لکھا اور قائدے مختصر مناسب مقام کے شروع مشکوٰۃ وغیرہ سے مثل مرقاۃ شرح ملا علی قاری اور ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق اور حاشیہ جمال الدینؒ کے اور سوائے ان کے سے زیادہ کر کے خدمت عالی میں عرض کی اور جناب مدوح نے بھی کچھ قائدے لکھے تھے تیر کا اس میں درج کیے اور نام اس کا ”مظاہر حق“ رکھا گیا کہ اس میں تاریخ اس کی نکلتی ہے۔ یا اللہ اس کو قبول فرما اور ہم سب کو اس سے دارین میں قائدہ مند کر اور سند اس کتاب مستطاب کی یہ ہے کہ کتاب اضعاف العباد محمد قطب الدین بن محی الدین احراری دہلوی غفر اللہ لہما نے حضرت بخاریؒ معظمی مکرئی مولوی محمد اسحاقؒ سے، اور انہوں نے پڑھی حضرت شیخ عبدالعزیزؒ سے اور ان کو اجازت ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے اور ان کو شیخ ابو طاهر مدنی رحمہ اللہ سے اور ان کو شیخ ابراہیم کردیؒ سے اور ان کو شیخ احمد قشاشیؒ سے اور ان کو شیخ احمد بن عبد القدوس شادیؒ سے اور ان کو سید غفر بن سید جعفر نہروانیؒ سے اور ان کو شیخ محمد سعید معروف بمیرکلاںؒ سے کہ اپنے وقت میں شیخ مکہ کے تھے اور ان کو سید نسیم الدین میرک شاہؒ سے اور ان کو اپنے والد بزرگوار سید جمال الدین عطاء اللہ بن سید غیاث الدین فضل اللہ بن سید عبد الرحمنؒ سے اور ان کو اپنے عم عالی مقدار سید اصیل الدین عبد اللہ بن عبد الرحمن بن عبد اللطیف بن جلال الدین کبلی شیرازی الحسنیؒ سے اور ان کو مسند وقت اور محدث عصر شرف الدین عبد الرحیم الجرجنی الصدیقیؒ سے اور ان کو علامہ عصر امام الدین مبارک شاہ سادجی صدیقیؒ سے اور ان کو مؤلف کتاب ولی الدین محمد عبد اللہ الخطیب التبریزیؒ سے۔

(یا اللہ مجھ کو اور ان سب کو بخش اور خطائیں ہماری معاف فرما)۔

حسبنا اللہ ونعم الوکیل علی اللہ تو کلنا لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ط اللہم صل علی سیدنا محمد
والہ واصحابہ صلوة تنجنا بہا من جمیع الہوال والافات و تقضی لنا بہا من جمیع الحاجات و تطہرنا بہا من
جمیع السیئات و ترفعنا بہا عندک اعلی الدرجات و تبلغنا بہا اقصى الغایات من جمیع البخیرات فی الحیوۃ
وبعد الممات ط انک علی کل شیء قدیّر ط

حدیث کی دینی و تشریعی حیثیت و اہمیت

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے آخری پیغمبر اور رسول ہیں جنہوں نے خدائے تعالیٰ کے حکم سے دنیا والوں کو توحید، خدا پرستی اور ایمان و ایقان کی راہ سے روشناس کرایا۔ آپ کی بعثت مبارک ایسے وقت میں ہوئی جب کہ دنیا سے خدا پرستی اٹھ چکی تھی اور بت پرستی کا بول بالا تھا، خدا بے وحدہ لاشریک کی پرستش کے بجائے پتھروں کے تراشے ہوئے فانی بتوں کے آگے انسان کی باعظمت پیشانی جھک رہی تھی، اچھی باتوں کو چھوڑ کر لوگ فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ حسن اخلاق اور بھلائی کی جگہ ظلم و تشدد اور فتنہ و فساد کا دور دورہ تھا، سلوک و احسان، بہیمیت و بربریت کے آگے گھٹنے ٹیک چکے تھے۔

ایسے نازک اور سخت وقت میں خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی کتاب ”قرآن مجید“ دے کر دنیا والوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا، آپ ﷺ نے قرآن کی لافانی روشنی سے دنیا کو صحیح راستہ دکھایا۔ اس کی ابدی تعلیمات سے کفر و شرک کی اکڑی ہوئی گردنوں کو خدائے واحد کے سامنے لاجھکایا فسق و فجور میں گم انسانوں کو اخلاق و احسان کے شعور سے نوازا۔ ظلم و تشدد کے عادی حیوان نما انسانوں کو لازوال امن و آشتی اور محبت و موانست کے لالہ زار میں لاکھڑا کیا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے اس دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔ ایسا انقلاب جو تمام عالم کے لئے باعث رحمت و راحت تھا اور ایک عالمگیر دین اس سرزمین پر پھیلا یا۔ ایسا دین جو پوری انسانی برادری کے عین فطرت اور عین مزاج تھا۔ وہ دین کیا تھا؟ قرآن کریم اور اس کی عظیم ہدایت اور وہ ”عظیم انقلاب“ تھا۔ آپ کی پاک تعلیمات اور آپ ﷺ کا مقدس اسوہ! جس کو ”حدیث“ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

پوری اہمیت اس پر مشفق ہے کہ قرآن ایک جامع اور کامل ہدایت ہے جس میں اسلامی احکام و ہدایات اور شریعت اصولی و اسالی طور پر مذکور ہیں، نیز جس طرح ”قرآن“ اسلام کا اصولی رہنما اور دین کا دستور اسالی ہے اسی طرح وہ ظاہر اور معنی ایک معجزہ بھی ہے۔

مطلب یہ کہ جس طرح ظاہر قرآن کی فصاحت و بلاغت و زبان و بیان کا اعجاز، الفاظ کی نشست و برخاست، جملوں کی ترکیب و ساخت نے قُلْ فَاتَّقُوا بِسُورَةِ مَن مِّنْهُ ثَلَاثَ جُزْءٍ کے چیلنج کے سامنے دنیا والوں کی عقل و فہم کی جولانیوں کو ناکارہ اور فصاحت و بلاغت کو نکما کر دیا کہ قرآن کی ایک سورت یا ایک جملہ کی بھی کوئی مثال پیش نہ کر سکا اور نہ ہی دنیا تک کوئی پیش کر سکتا ہے، اسی طرح اس کی معنوی وسعتوں اور ہمہ گیر گہرائیوں کے سامنے بھی انسانی ذہن و فکر عاجز ہے کہ قرآن جیسی جامع علوم و معارف اور حاوی احکام و اصول کتاب یا اس کے کسی جز جیسا کوئی جز بھی نہ کوئی پیش کر سکا اور نہ کوئی پیش کر سکتا ہے۔

یہ قرآن کا اعجاز ہی ہے کہ اس کی ایک ایک آیت اور ایک ایک حرف میں علوم و معارف کے بیکراں دریا کھپے ہوئے ہیں جن کی وسعتوں اور گہرائیوں کا یہ عالم ہے کہ مسلسل چودہ صدی سے علوم و معارف اور حکمت و نکات کے بے پناہ ذخیرے مسلسل نکلتے چلے آ رہے ہیں اور ہنوز ان کی تہ اور گہرائی کا کوئی پتہ نہیں۔ جس کی جامعیت کا یہ حال ہے کہ اس کے ایک لفظ لفظ سے بے شمار مسائل و احکام کا استنباط ہر دور میں کیا جاتا ہے پھر بھی اس کی ہمہ گیری شان، مزید چھان بین اور تحقیق و تدقیق کی متقاضی رہتی ہے۔

ظاہر ہے کہ اتنے بے شمار اور لفظ لفظ میں سموئے ہوئے علوم و معارف کا نکال لانا، آیتوں کے اجمال کی تفصیل کرنا، عموم میں تنقید کرنا، مراد کو واضح کرنا اور ایہام کو دور کرنا، ارکان و شرائط اور اسباب و موانع کی تفصیلات بیان کرنا، ہر باب کے غیر متناہی جزئیات کا تعین کرنا، فراغ و واجبات اور مستحبات و منہن کی تمام تفصیلات اور ان کے احکام بیان کرنا یہ تمام امور جو قرآن کی تفصیل و تشریح اور اس کی توضیح کے لئے ضروری تھے، عوام الناس کے ناقص فہم سے بلند و بالا تھے جہاں تک ان کی رسائی ناممکن تھی۔

اگر تمام دنیا کے انسان قُلْ فَاتَّقُوا بِسُورَةِ مَن مِّنْهُ کا چیلنج کا جواب اس لئے نہیں دے سکے اور قرآن جیسا کلام یا اس کے علوم جیسے

معارف اس لئے مثال کے طور پر بھی پیش نہیں کر سکے کہ ان کے محدود ذہن و ذکاؤ اور علم و عقل میں وہ وسعت و گہرائی اور ہمہ گیری نہیں کہ قرآن جیسے معجزانہ کلام کا ان سے صدور ہو سکے، تو ان کی تنگی فہم اور ذہن و فکر کی محدودیت اس قابل بھی نہیں ہو سکتی کہ وہ قرآن کے معجزانہ بنیادی اور اصولی جملوں سے نکلنے ہوئے حقائق و معارف کا ادراک اور وجود معانی میں سے مراد و غیر مراد کا تعین محض اپنے فہم کے بل بوتہ پر کر سکیں۔

معلوم ہوا کہ جب قرآن کے اجمال کی تفصیل اور اس کے اصول کی تشریح عام انسان کی عقل و فہم سے بعید ہے تو لامحالہ قرآن کے معنی و مطالب اور اس کی مراد حاصل کرنے کے لئے رسول ﷺ کی توضیح و تشریح اور آپ کے ارشادات کا محتاج ہونا نیز انہیں اپنے لئے قرآنی فہم کے لئے رہبر ماننا ضروری ہو گا کیونکہ اگر قرآن کی حیثیت اس درجہ کی ہوتی کہ ہر گس و ناکس اس کے معنی و مقصود کو بغیر کسی رہنمائی اور روشنی کے حاصل کر سکتا تو رسول ﷺ کی بعثت نعوذ باللہ ایک حد تک غیر ضروری قرار پا جاتی، بلکہ یہ ہوتا کہ قرآن کریم سرچشمہ ہدایت براہ راست دنیا میں اتار دیا جاتا اور ہدایت چاہنے والے اس سے خود استفادہ کر لیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی ہدایت کے لئے رسول کی بعثت ایک لازمی اور ضروری چیز ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ بغیر رسول کی رہنمائی اور واسطہ کے کتاب اللہ سمجھی جاسکے اور ہدایت کا مقصد حاصل ہو سکے، اسی لئے خداوند قدوس جب اپنی کتاب کو رسول پر نازل کرتا ہے تو پہلے اس کے مقاصد و مطالب فرشتہ کے ذریعے اس پر واضح کر دیتا ہے اور اس کے رموز و کنایات اور حکمت کو بذریعہ وحی منکشف کر دیتا ہے۔ پھر رسول اس پر مامور کیا جاتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی مخلوق کو کتاب کی تعلیم دے اور اس کی تشریح و توضیح کر کے ہدایت کو عام کرے، امام اور داعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسان بن عطیہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:

كان الوحي ينزل على رسول الله صلى الله عليه وسلم ويحضره جبريل بالسنة التي تفسر ذلك۔

(ترجمان السنۃ ۱/۱۲۳)

”آنحضرت ﷺ پر وحی آیا کرتی تھی اور جبریل آپ کے پاس وہ سنت لے کر آیا کرتے تھے جو اس کی تفسیر کرتی تھی۔“

خود قرآن کریم سے ثابت ہے کہ آنحضور ﷺ کی بعثت کا بڑا مقصد یہ ہے کہ کلام اللہ کی پہلے خود تلاوت کریں پھر اس کی تعلیمات سے دنیا والوں کو روشناس کرائیں اور اس کے معنی و مطالب دنیا پر واضح کریں۔ ارشاد باری ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ (آل عمران آیت ۱۶۴)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان و کرم کیا جب کہ ان میں انہیں میں سے پیغمبر بھیج دیا جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و عقل کی باتیں سکھاتا ہے۔“

گویا آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں کلام اللہ کی تلاوت اور اس کی تعلیم و تعلیم ہی ایک عظیم مقصد ہے۔ نہ صرف یہ مقصد ہے بلکہ حاصل نبوت ہے اس لئے کہ نبی اُمت کی ہدایت کتاب کی تعلیم کی روشنی ہی میں کر سکتا ہے۔ بارگاہ الوہیت سے جو فرمان اور جو احکام بذریعہ وحی کتاب کی شکل میں آتے ہیں اسی کو اُمت تک پہنچانا اور اس پر پہلے خود عمل کر کے دنیا والوں کو عمل کرانے کی اصل نبی کا فریضہ ہے۔ مصلح اور ہادی کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ قوم کی ہدایت کرے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے اس تعلیم خود عمل کرے جس کے ذریعہ وہ اپنا فریضہ ادا کر رہا ہے پھر دوسروں کو عمل کرنے کی دعوت دے۔ اسی کو باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی یہ شان ہے کہ ہماری جانب سے جب کوئی حکم یا فرمان پہنچتا ہے تو حضور ﷺ پہلے اس کو پڑھتے ہیں، اس کو سمجھتے ہیں، مرادات خداوندی کو حاصل کرتے ہیں اور اس پر پہلے خود عمل پیرا ہوتے ہیں، پھر اس تعلیم کو اُمت کے سامنے رکھتے ہیں۔ خدا کی جانب سے آئے ہوئے احکام کو

پہنچاتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ پہنچاتے ہیں بلکہ تشریح و توضیح، اور اس کی تفصیل اپنے عمل سے اپنے فعل سے، اپنے قول سے کرتے ہیں تاکہ قوم کو اس پر عمل کرنا آسان و سہل ہو جائے۔

اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ رسول قرآن کی تشریح کرے اور اس کے مطالب و مفہوم کو بیان کر کے مراد و مقصد کا تعین کرے بلکہ صرف عام انسانی عقل و فہم پر اسے چھوڑ دیا جاتا تو یقیناً وہ لوگ جن کی ہدایت کر لئے قرآن نازل کیا گیا تھا زندگی بھر اس کی مراد کو نہ پاسکتے اور نہ اس کے مطالب و مقاصد حاصل کر سکتے اور قرآن کریم جو سرچشمہ ہدایت ہے اور صرف عمل کے لئے نازل کیا گیا تھا محدود انسانی ذہن و فکر کے لئے دماغی کدو کاوش کا مشغلہ بن کر رہ جاتا جس کے نتیجہ میں نسل انسانی ان مدارج اور ترقیات سے پیش کے لئے محروم ہو جاتی جو قرآن کی ہدایت کے ذریعہ ان کے لئے مقدر ہو چکی تھیں۔

چنانچہ آیت بالا سے یہی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں ایمان والوں پر یہ احسان کیا کہ ایمان جیسی دولت اور قرآن جیسی ہدایت سے نوازا، وہیں یہ بھی انعام فرمایا کہ خود انہیں اپنی منزل کی راہ تلاش کرنے کی ذمہ داری نہیں سونپی بلکہ ان میں سے ایک رسول بھیج دیا، جس نے منزل تک ان کی رہنمائی کی اور پھر قرآن نازل کر کے اس کے مراد کے تعین اور اس کے مقاصد کی وضاحت کا بار بھی انسان کے ضعیف عقل و فہم پر نہیں ڈالا بلکہ عالم کے سب سے بڑے معلم کو ان کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ قرآن کی تعلیم دے۔ اور اس کے معنی و مطالب اور مقاصد سے دنیا والوں کو آگاہ کرے۔ حدیث کا قرآن کی شرح اور اس کا بیان ہو نا قرآن اور زیادہ وضاحت سے ثابت کر رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَنزَلْنَا لَكَ الذِّكْرَ لَتَبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔ (النحل ۱۱۶)

”ہم نے قرآن آپ پر اس لئے اتارا کہ آپ لوگوں کے لئے اس کتاب کے معنی و مطالب بیان فرمائیں کہ جو ان کی ہدایت کے لئے اتاری گئی تاکہ لوگ اس میں غور و فکر کر سکیں۔“

یعنی اے محمد ﷺ! ہم نے یہ کتاب جو آپ پر اتاری ہے وہ جس طرح تمام انبیاء کرام کے صحیفوں کی اجمالی یادداشت ہے اسی طرح وہ شریعت اسلامی کا دستور اسامی ہے جس میں دین و شریعت کے احکام و مسائل اور علوم و معارف اعجازی شان سے اس کے ایک ایک لفظ اور سطر میں سموائے ہوئے ہیں چونکہ ہر شخص ان کی گہرائی اور حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا اس لئے اس کے بیان و تفصیل اور تشریح کی ذمہ داری بھی آپ ﷺ ہی کو سونپی جا رہی ہے اس لئے کہ آپ پر اس کے تمام رموز و نکات اور اسرار و حکم بذریعہ وحی منکشف کر دیئے جاتے ہیں اور ہم نے آپ ﷺ کو حقیقت شناسی اور جزوری کی وہی طاقت و قوت دی ہے جو اس کے شارح کو ملنی چاہئے، نیز چونکہ آپ کے ذہن و فکر اور عقل و فہم کی تربیت ہم نے بطور خاص اسی لئے کی ہے۔ لہذا آپ ﷺ اس کے مشکلات کی شرح اس کے علوم کی تفسیر اس کے مرادات کا تعین، اس کے مسائل و احکام کا استنباط کیجئے اور مرادات خداوندی کا اظہار فرما کر عمل کی راہ پیدا کیجئے۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن عرب میں نازل کیا گیا تھا جہاں کی مادری زبان ہی عربی تھی لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ”جب قرآن کے اصل مخاطب عرب تھے اور قرآن جن کے سامنے اپنی دعوت پہلے پیش کر رہا تھا وہ باعتبار زبان و لسان کے فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر تھے تو ان کو قرآن کی تشریح و توضیح یا اس کی تفصیل کرنے کے لئے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں تھی“ نا صحیحی کی بات ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی نا سمجھ شخص یہ کہہ دے کہ جب آئین سازوں نے اصولی طور پر ایک دستور اسامی مرتب و منظور کر کے ملک پر لاگو کر دیا ہے تو پھر اس دستور کے ہوتے ہوئے قانون ساز اداروں کے ان ذیلی قوانین اور سربراہ مملکت کے جاری کردہ ان فرامین و ہدایات کی کوئی ضرورت نہیں ہے جن سے حکومت کی مشینری چل رہی ہے اور جو مستقل الگ کوئی قانون نہیں ہوتے۔ بلکہ اسی دستور اسامی کی تشریح و توضیح اور اس کی تفصیل ہوتے ہیں، ظاہر ہے اس طرح کی بات اس شخص کے دماغ میں آ سکتی ہے جو نہ صرف یہ کہ علم و عقل سے کوسوں دور، بلکہ ماحول اور حالات سے قطعاً نا آشنا بھی ہو اور پھر یہ تو مادی اور انسانی قانون ہے جو انسانی دماغ کا اختراع ہوتے ہیں

لیکن یہ آسانی دستور اسامی یعنی قرآن تو خدائے تعالیٰ کا براہ راست اتارا ہوا نظام حیات اور قانون ہے جس کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ کتاب نہ صرف الفاظ کے اعتبار سے اعجازی حیثیت رکھتی ہے بلکہ معنوی حیثیت سے بھی معجزہ ہی معجزہ ہے جس کے ایک ایک لفظ کی گہرائی میں علوم و معارف اور احکام و مسائل کے وہ گراں بہا خزانے پوشیدہ ہیں جن تک انسانی ذہن و فہم کی رسائی ناممکن ہے۔ حدیث کی اسی صفت بیان و توضیح کے پیش نظر امام مکیول "کا قول امام اوزاعی" سے منقول ہے کہ:

الكتاب احوج الى السنة من السنة الى الكتاب - (ترجمان السنة ۱/۱۲۲)

"کتاب اللہ سنت کی طرف زیادہ محتاج ہے بہ نسبت سنت کے کتاب اللہ کی طرف۔"

حافظ ابو عمر اس مقولہ کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ:

يريد انها تقضي عليه وتبين المراد منه -

"اس کا مطلب یہ ہے کہ سنت قرآن کی مراد بیان کرتی ہے۔"

امام شاطبی بھی اس قول کی توضیح کرتے ہوئے آخر میں یہی لکھتے ہیں کہ:

فكان السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعاني احكام الكتاب - (ترجمان السنة ۱/۱۲۲)

"گویا سنت کتاب اللہ کے احکام کے لئے بمنزلہ تفسیر اور شرح کے ہے۔"

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن کی تفصیل و تشریح جو حدیث و سنت کی صورت میں ہے، وہ منجانب اللہ ایک فریضہ تھا جس پر آنحضور ﷺ کو مامور کیا گیا تھا جس سے آپ ﷺ ذمہ دارانہ طور پر عہدہ برآ ہوئے، لہذا نبی کریم ﷺ کی اسی تفصیل و تشریح کا نام خواہ بصورت قولی یا فعلی، یا بصورت تقریر، قرآن کی اصطلاح میں "بیان" ہے جو لتین للناس من مانزل اليهم سے مستنبط ہوتا ہے اور خود آنحضرت ﷺ کی اصطلاح میں "حدیث" اور "سنت" ہے جو آنحضور کے ارشاد حد ثوا عنی الخ اور علیکم بسنتی الخ سے مفہوم ہوتا ہے۔

نیز قرآن اور مذکورہ بالا اقوال سے یہ ثابت ہو گیا کہ حدیث و اصل قرآن کی شارح ہے کیونکہ قرآن اگر متن ہے تو حدیث اس کی شرح قرآن اگر اصول ہے تو حدیث اس کی تفصیل، لہذا یہ کہا جائے گا کہ حدیث مبہات قرآنی کے لئے ایضاح ہے، فجملات قرآنی کے لئے تفصیل ہے مشکلات قرآنی کے لئے تفسیر ہے اور مخفیات قرآنی کے لئے اظہار ہے۔ گویا حدیث کے بغیر یہ ناممکن ہے کہ عام ذہن و فکر کی رسائی قرآن حکیم کے مضمرات، مرادات اور رموز و کنایات تک ہو جائے، اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ:

"جس طرح نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس تمام دنیا کے لئے میارہ نور اور آپ ﷺ کا وجود پورے عالم کے لئے زمت ہے اسی طرح

آپ ﷺ کی حدیث، آپ ﷺ کی سنت، آپ ﷺ کا مقدس اسوہ، امت کے لئے مشعل ہدایت ہے اور آپ ﷺ کے اقوال و ارشادات پر عمل، آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی پیروی باعث سعادت اور کلید جنت ہے۔"

حدیث کی حیثیت: "ایمان باللہ" اور "ایمان بالرسول" شریعت اسلامی کی بنیاد کے یہ دو ستون ہیں یعنی مؤمن و مسلمان بننے کے لئے جس طرح خدا کی وحدانیت اور اس کی الوہیت پر یقین کامل اور اس کی تمام صفات پر اعتقاد راسخ ضروری ہے اسی طرح رسول پر ایمان لانا اور اس کی رسالت و نبوت کی صدق دل سے تصدیق کرنا بھی لازم ہے۔

رسول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اعتقاد و یقین ہو کہ رسول خدا کا برگزیدہ اور سب سے محبوب بندہ ہے جس کو خدائے

انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنی کتاب دے کر اس دنیا میں مبعوث کیا ہے۔ نیز تکمیل ایمان کے لیے اس اعتقاد و یقین کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ رسول کی پوری پوری اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔ وہ جو حکم دے اس کو بلا چون و چرا مانا جائے۔ وہ جو فیصلہ کرے اس پر سر تسلیم خم کر دیا جائے اور اس کی بتائی ہوئی تعلیمات اور اس کے لائے ہوئے اسوہ پر بلا شک و شبہ عمل کرنا اور حجات مانا جائے۔

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (الحشر ۵۹:۷)

”رسول (ﷺ) نے جو کچھ تمہیں دیا ہے، پکڑے رہو اور جس سے انہوں نے روکا ہے رک جاؤ۔“

قرآن میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، وہیں رسالت پر ایمان لانے کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝۱۔ (النساء ۴:۳۶)

”اے ایمان والو! ایمان لاؤ (یعنی اپنے ایمان پر مضبوطی سے قائم رہو) اللہ اور اس رسول (ﷺ) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری (اور یاد رکھو کہ) جو انکار کرے گا اللہ تعالیٰ کا اور ملائکہ کا اور اس کی کتابوں کا اور اس رسولوں کا اور یوم آخرت کا تو وہ دور کی گمراہی میں پڑے گا۔“

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَمْ يَفْقُرُوا بَيْنَ أَخِيهِمْ فَوَالَّذِينَ سَوَّفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورُهُمْ ط۔ (النساء ۴:۵۵)

”اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر اور ان میں کوئی تفریق نہ کی، وہی لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اجر دے گا۔“

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ۔ (الحجرات ۴۹:۱۵)

”مؤمن بس وہی ہیں جو یقین رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر۔“

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا۔ (الفتح ۴۸:۱۳)

”اور جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے ان منکروں کے لئے دہشتناک آگ تیار کر رکھی ہے۔“

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا الْكُفْرُ۔ (النساء ۴:۷۰)

”اے لوگو! ابے شک تمہارے پاس حق کے ساتھ رسول آیا، پس اس پر ایمان لاؤ (کیونکہ) انہی میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔“

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جس طرح خدا تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اس کے رسول اور اس کی بھیجی ہوئی کتاب پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق کرنا بھی لازم ہے اور جو لوگ خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے یا رسول کی تصدیق نہیں کرتے وہ کافرو منکر ہیں جن کے لئے خدا کی جانب سے سخت عذاب اور دائمی خسران و نقصان کی وعید ہے۔

نیز جس طرح آنحضرت ﷺ کی رسالت کی تصدیق اور آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کی قرآن نے پر زور دعوت دی ہے اسی طرح آنحضور ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کی بھی تاکید کی ہے اور آپ ﷺ کے ہر فیصلہ و حکم کو ماننا ایمان کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تَبْغُلُوا أَعْمَالَكُمْ۔ (محمد ۷:۳۳)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔“

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۸﴾ (الانفال: ۱۰۸)

”اور اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا حکم مانو، اگر تم ایمان والے ہو۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَتَتَّبِعُوا أَهْلَ الْبَيْتِ (الانفال: ۲۰۸)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا اور منہ نہ پھيرو اس سے در انحالیکہ تم سنتے ہو۔“

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: ۸۰)

”جس نے رسول کا حکم مانا تو بلاشبہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ -

(النساء: ۵۹)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا اور حکم مانو اور اس کے رسول کا اور اپنے میں سے حاکموں کا پس اگر جھگڑو تم کسی بات میں تو رجوع کرو اللہ (تعالیٰ)

اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف۔“

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَزَنًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا

تَسْلِيمًا - (النساء: ۶۵)

”پس قسم ہے آپ کے پروردگار کی کہ وہ مؤمن نہیں ہو سکتے تا وقتیکہ وہ اپنے آپس کے نزاع میں آپ کو حکم نہ بنائیں (اگر وہ آپ کو حکم بنائیں تو

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں گے اور اس کو پورا پورا تسلیم کر لیں گے۔“

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا - (الاحزاب: ۳۶)

”کسی ایمان والے مرد اور عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کوئی حکم دے دیں تو ان کو اپنے معاملہ کا اختیار باقی

رہے اور جو نافرمانی کرے گا اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی تو وہ بلاشبہ گمراہ ہو گیا۔“

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایمان کے بارے میں تین چیزوں کو ضروری قرار دے رہے ہیں۔

① خدا کی ذات اور اس کے ملائکہ اور کتاب پر ایمان لانے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے رسول کی رسالت اور نبوت پر پورا

پورا ایمان لایا جائے۔ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لاتا یا آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق نہیں کرتا تو وہ مؤمن نہیں ہے۔

② خدائے تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری ضروری ہے اگر

کوئی شخص نبی کریم ﷺ کے احکام مان رہا ہے یا آپ ﷺ کی اطاعت کرتا ہے تو گویا وہ خدا تعالیٰ کی بھی اطاعت و فرمانبرداری کر رہا ہے اگر

کوئی آنحضور ﷺ کی اطاعت نہیں کرتا اور آپ ﷺ کے احکام سے روگردانی کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خدا تعالیٰ کی

اطاعت نہیں کر رہا ہے اور خدائے تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کر رہا ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص خدا کے احکام کو نہیں مانتا یا اس کی

اطاعت نہیں کرتا وہ ضلالت و گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

③ اگر آپس میں جھگڑا ہو یا باہمی نزاع کی شکل ہو تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ اور خدا تعالیٰ کے رسول کی طرف رجوع کریں،

خدا کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی روشنی میں اپنے جھگڑوں کا تصفیہ کریں، رسول کی طرف رجوع کے یہ معنی ہوں گے

کہ رسول کو اپنا حکم بتائیں اور رسول جو کچھ فیصلہ کرے اس کو تسلیم کریں اور رسول کے فیصلہ کے بعد کسی کو چوں و چرا کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ایمان کی علامت یہی ہے کہ اپنے جملہ نزاعات اور اپنے اختلاف میں نبی کریم ﷺ کو ایسا حکم اور فیصلہ کن قرار دے کہ آپ ﷺ کے فیصلہ کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے اور اس فیصلہ پہ اپنے دل میں کوئی شک محسوس نہ کرے۔

لہذا اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ تکمیل ایمان کے لئے خدا کی ذات اور اس کے ملائکہ و کتاب پر ایمان لانے کے ساتھ رسول کی رسالت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے وہیں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جس طرح کتب الہیہ جو خدا کی جانب سے بندوں کی ہدایت کے لئے رسول پر نازل کی جاتی ہیں، اور ملائکہ اللہ کی وحی جو خدا کا پیغام پیغمبروں تک پہنچاتی ہے شریعت میں حجت ہے اسی طرح انبیائے کرام کے ارشادات بھی قطعاً حجت ہیں۔ کیونکہ جس شے پر ایمان لانا ضروری اور لازم قرار دیا جا رہا ہو وہ حجت ہوگی، اسی طرح نبی کے فیصلے اور احکام بھی حجت ہوں گے کیونکہ خدا نے تعالیٰ کا بندوں کو بار بار حکم دینا کہ تم اپنے تمام نزاعات اور اختلافات میں رسول کو حکم بناؤ اور ان کے فیصلوں کو تسلیم کرو اور وہ جو حکم دیں ان پر عمل کرو خود ان کی حجت کو ثابت کر رہا ہے۔

اگر آنحضرت ﷺ کے اقوال، افعال اور احکام حجت نہ ہوتے تو نہ تو رسول کی رسالت پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیا جاتا اور نہ ان کے احکام کی پیروی کو ایمان کی علامت بتایا جاتا اور یہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ ایمان اسی شے پر لایا جاسکتا ہے جو حجت قاطعہ ہو اور اطاعت و فرمانبرداری اسی چیز کی کی جاسکتی ہے جو واجب التسلیم ہو، اگر وہ شے جس پر ایمان لایا جا رہا ہے یا جس کی پیروی کی جا رہی ہے حجت قاطعہ اور واجب التسلیم نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر ایمان لانے یا اس کی پیروی کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں ہوتے۔

نیز اگر یہ مان لیا جائے کہ نبی کا افعال و اقوال جن کے مجموعہ کا نام ”حدیث“ ہے شریعت اسلام میں حجت نہیں ہیں تو وہ لوگ جو نبی کو نہیں مانتے یا نبی کے اقوال و افعال کی پیروی نہیں کرتے ان کو کافر نہیں کہنا چاہیے اس لئے کہ جو چیز حجت نہیں ہے اور جس کا واجب التسلیم ہونا یقینی نہیں ہے، ان کے انکار کو کفر کیسے مستلزم ہو سکتا ہے حالانکہ آیات قرآنی میں ان لوگوں کو صفائی کے ساتھ کافر اور گمراہ کہا جا رہا ہے جو نبی کے احکام کی پیروی نہیں کرتے یا اس کے فیصلوں کو جو اقوال کی شکل میں ہوتے ہیں واجب التسلیم نہیں مانتے۔

پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے ساتھ نبی کے بتائے ہوئے احکام، ان کی تعلیمات و ہدایات اور ان کے ارشادات جن کو ”حدیث“ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے شریعت میں مستقل حجت ہے، لہذا اس کو ماننا اور اس کو واجب التسلیم جان کر اس پر عمل کرنا جزو ایمان ہے اور اس سے اعراض کرنا یا اس کی حجت سے انکار کرنا یا اس کو قاتل رد جاننا کفر و نفاق اور ضلالت کو مستلزم ہے جس کے بارے میں خداوند کریم اعلان کر رہا ہے۔

فَإِنَّا نَعْتَذِرُكَ لِلْكَافِرِينَ سُبْحَانَ اللَّهِ - (القرآن العظیم)

”ہم نے ان منکروں کے لئے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔“

حدیث کی تدوین و کتابت: اگر تاریخ و سیر کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حدیث کی کتابت اور اس کی تدوین و ترتیب نبی کریم ﷺ کی حیات مبارک ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ آپ ﷺ کے اقوال و ارشادات صحابہ قلمبند کیا کرتے تھے اور احادیث مبارکہ کو لکھ کر ان کو حفاظت سے اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ جو درس گاہ نبوت کے جلیل القدر طالب علم اور بارگاہ رسالت میں ہمہ وقت کے حاضر باش خادم تھے آنحضرت ﷺ کی احادیث کثرت سے روایت کرتے ہیں ان کے پاس احادیث نبوی کا سرمایہ سب سے زیادہ تھا اور وہ خود بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ میں عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس مجھ سے زیادہ نبی کریم ﷺ کی احادیث محفوظ نہیں ہیں۔ اور اس کی وجہ حضرت ابو ہریرہؓ کی بیان کرتے ہیں کہ۔

فانہکان یکتب ولا اکتب۔ (بخاری ۱۵/۲۲)

وہ احادیث کو لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ ہی کے بارہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کا ایک دوسرا بیان ہے کہ:

فانی کنت اعی بقلبی وکان یعی بقلبہ ویکتب بیدہ۔ (طحاوی ۲۶/۳۸۳)

عبداللہ بن عمروؓ (آنحضرت ﷺ) کی احادیث لکھا بھی کرتے تھے اور ان کو حفظ بھی کیا کرتے تھے اور میں صرف یاد ہی کر لیا کرتا تھا، لکھتا نہ تھا۔

پھر روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ کا حدیث کی کتابت کرنا از خود نہ تھا بلکہ آنحضرت ﷺ سے انہوں نے باقاعدہ کتابت حدیث کی اجازت لی تھی جب بارگاہ رسالت سے اجازت مل گئی اور آپ ﷺ کا ایما ہوا تو آپ ﷺ کے ارشادات کو صحابہؓ لکھنے لگے چنانچہ ابو ہریرہؓ کی اسی روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں:

استاذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک فاذن لہ۔

انہوں نے (یعنی حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے) کتابت حدیث کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی تھی۔ اسی طرح خود عبداللہ بن عمروؓ سے منقول ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قید العلم قلت وما تقییدہ؟ قال الکتابۃ۔ (صحیح الزوائد ۱۵/۲۱)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ علم کو مقید کرو۔ میں نے عرض کیا کہ علم کو مقید کس طرح کیا جاسکتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو لکھ کر (محفوظ کر لیا جائے)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کتابت حدیث کے سلسلہ میں خود اپنا واقعہ بیان فرما رہے ہیں کہ:

کنت اکتب کل شئی اسمعه من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارید حفظہ ففہنتی قریش وقالوا اتکتب کل شئی تسمعه ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشریتکلم فی الغضب والرضاء فامسکت من الکتابۃ۔ فذکرت ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاوما باصبعہ الی فیہ فقال اکتب فواللہی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا الحق۔ (البرذون ۱۵/۱۵)

”میں جتنی باتیں آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سنتا تھا یاد رکھنے کے لئے ان کو لکھ لیا کرتا تھا میرے اس طرز عمل کی جب قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے مجھے منع کیا اور کہا کہ تم ہر چیز کو جو رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہو لکھ لیا کرتے ہو۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ آدمی ہیں، آپ ﷺ غصہ کی حالت میں بھی ہوتے ہیں اور خوشی کی حالت میں بھی، لہذا میں لکھنے سے رک گیا اور اس کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ لکھو اور اپنے دہان مبارک کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا ”خدا کی قسم اس سے کسی حالت میں بھی ناحق اور غلط بات نہیں نکل سکتی“۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے علاوہ دوسرے صحابہؓ نے بھی جب آنحضرت ﷺ سے کتابت حدیث کی اجازت لی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ ایک صحابی حضرت رافع بن خدیجؓ کا بیان ہے کہ ہم نے بارگاہ نبوت میں درخواست پیش کی کہ یا رسول اللہ! ہم آپ ﷺ کی زبان مقدس سے بہت سی چیزیں سنتے ہیں اور اس کو قلب بند کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے اس عمل کے بارہ میں آپ ﷺ کی کیا رائے ہے؟ یعنی ہم آپ ﷺ کے ارشادات کو لکھتے رہیں یا نہیں؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اكتبوا ولا حرج۔ (کنز العمال ۵۶: ۲۲۳)

”لکھتے رہو اس میں کوئی حرج نہیں۔“

نیز حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ:

ایک شخص دربار رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے آپ ﷺ کی احادیث یاد نہیں رہیں تو آنحضرت ﷺ نے اس کو حکم دیا:

استعن بيمينك۔ (مجمع الزوائد ۵: ۲۶)

”اپنے ہاتھ سے مدد لو یعنی لکھ لیا کرو۔“

بہر حال ان منقولات کی روشنی میں یہ بات صاف ہو گئی کہ آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں حدیث کی کتابت شروع ہو گئی تھی اور آپ ﷺ کے ارشادات مبارکہ و احادیث مقدسہ کی حفاظت کے لئے متعدد صحابہ نے ان کو قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا اور آپ ﷺ جو کچھ فرماتے یا جو احکام دیتے صحابہ ان کو لکھ کر محفوظ کر لیا کرتے تھے۔

یہ تو خیر صحابہ کا عمل اور ان کا طریقہ تھا، خود نبی کریم ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے مسائل و احکام پر مشتمل کچھ مجموعے تیار کر کر اپنے عمال کو اور دوسری جگہوں پر بھیجے کا حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے ترمذی میں روایت ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے عاملوں کے پاس بھیجے کے لئے ایک کتاب الصدقہ لکھوائی تھی جس میں جانوروں کی زکوٰۃ سے متعلق احادیث تھیں لیکن ابھی عاملوں کے پاس پہنچنے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ آپ ﷺ کی وفات کا سانحہ پیش آگیا۔ جب حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے جانشین ہوئے تو انہوں نے اس پر عمل کیا۔“ (۵: ۹۹)

نیز حضرت عبداللہ بن عکیمؓ سے منقول ہے کہ:

انا کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تنتفعوا من المیتۃ باہاب ولا عصب۔ (ترمذی ۵: ۲۰۶)

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آپ کا ایک نوشتہ مبارک ہمارے (قبیلہ کے) پاس پہنچا جس میں یہ حدیث بھی تھی کہ مردار جانوروں کی (بے پکائی ہوئی) کھال اور شے کو کام میں مت لاؤ۔

طحاوی شریف کی ایک روایت ہے کہ:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی اهل الیمن بکتاب فیہ الفرائض والسنن والذیات وبعث بہ مع

عمرو بن حزم۔ (۲/۳۱۷)

آنحضرت ﷺ نے ایک صحیفہ لکھوا کر عمرو بن حزمؓ کے ہاتھ اہل الیمن کے پاس بھیجا تھا، اس نوشتہ میں فرائض و سنن اور خون پیمائے مسائل تھے۔

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد جب صحابہ کا دور آیا تو اس وقت حدیث کی کتاب اور تدوین کا کام باقاعدہ شروع ہو گیا چنانچہ صحابہؓ نے آپ ﷺ کے ارشادات کو جمع کرنے اور ان کی حفاظت کرنے میں پورے انہماک کا ثبوت دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بارہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ انہوں نے آنحضور ﷺ کی زندگی میں حدیث کی کتابت نہیں کی لیکن آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے تمام ارشادات اور احادیث کی حفاظت کے لئے ان کو انہوں نے لکھ کر یاد دہانہ سے لکھوا کر ایک نوشتہ میں محفوظ کر لیا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ:

تحدث عبدی ہریرۃ بحدیث فاخذ بیدی الی بیتہ فارانا کتبا من حدیث للنبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال ہذا ہو مکتوب عندی۔ (فتح الباری ۱/۱۳۸)

”ابو ہریرہؓ سے حدیث کے بارے میں گفتگو ہوئی تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور حدیث نبویؐ کی کئی کتابیں دکھا کر فرمایا کہ دیکھو یہ میرے پاس لکھی ہوئی موجود ہیں۔“

حضرت ابو ہریرہؓ کی جمع کی ہوئی احادیث کی کتابوں کے بارے میں بشیر ابن نہیک کی بھی شہادت ہے کہ:

كنت اخذ الكتب من ابی ہریرۃ فاكتبها فاذا فرغت قرأتها علیہ فاقول الذی قرأته علیک اسمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقول نعم۔ (طحاوی ۲/۳۸۵)

”میں حضرت ابو ہریرہؓ سے احادیث کی کتاب عاریتاً لے کے نقل کرتا تھا۔ نقل سے فارغ ہو کر ابو ہریرہؓ کو سب سنا دیتا تھا اور عرض کیا کرتا تھا کہ میں نے آپؓ کو جو کچھ سنایا ہے وہ سب آپؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ہاں۔“

حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ ان کے پاس چند صحیفے تھے جن میں آنحضور ﷺ کی احادیث لکھی ہوئی تھیں چنانچہ حضرت عکرمہؓ سے ایک روایت ترمذی میں ہے کہ:

ان نفوا قد موعا علی ابن عباس من اهل الطائف بكتاب من كتبه فجعل يقرأ عليهم فيقدم ويؤخر فقال انی بلیت لہذہ المصیبة فاقرأوا علی فان قرأتی بہ کفرأتی علیکم۔ (طحاوی ۲/۳۳۸)

”طائف کے کچھ لوگ حضرت ابن عباسؓ کے پاس ان کے چند صحیفے لے کر حاضر ہوئے (جن میں حدیثیں لکھی ہوئی تھیں اور کہا کہ آپ ہمیں سنا دیں) حضرت ابن عباسؓ نے پڑھنا شروع کیا لیکن (ان کی نگاہ کمزور ہو چکی تھی) اس لئے وہ پڑھ نہ سکے اور فرمایا کہ تم لوگ خود سناؤ، تمہارا سناؤ اور میرا پڑھنا جو از روایت کے حق میں دونوں برابر ہیں۔“

حضرت عبداللہ بن محمد عقیل راوی ہیں کہ:

کنا ناتی جابر بن عبد اللہ فسالہ عن سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنکتبہا۔ (طحاوی ۲/۳۸۳)

ہم لوگ حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے اور ان سے آنحضرت ﷺ کی حدیثوں کو پوچھ پوچھ کر لکھا کرتے تھے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایتیں منقول ہیں جن سے متعدد صحابہ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات احادیث نبویؐ کی کتابت کیا کرتے تھے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے براہ راست اکتساب فیض فرما کر علوم و معارف کے جو گراں بہا موتی ارشادات و احادیث کی شکل میں حاصل کئے تھے، آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد اس سرمایہ کو اپنے سینہ سے سفینہ میں منتقل کرتے رہے۔

صحابہؓ کے بعد جب حضرات تابعین کا دور آیا تو حدیث کی کتابت و تدوین اور زیادہ اہتمام و انصرام سے کی جانے لگی، حضرات تابعین رحمہم اللہ نے احادیث نبویؐ کے ذخیرہ کو جمع کرنے اور ان کی تدوین و کتابت میں بہت زیادہ دل جمعی سے کام لے کر اس سلسلہ کو اعلیٰ پیمانہ پر انجام دیا۔ تذکرۃ الحفاظ میں ابو الزناد (تابعی) سے منقول ہے کہ:

کنا نطوف مع الزہری علی العلماء ومعہ الالواح والصحف بکتب کلمما سمع۔ (ابن ماجہ ۱/۱۰۳)

”ہم زہریؒ کے ساتھ علماء کے پاس حدیثیں سننے کے لئے جایا کرتے تھے۔ زہریؒ اپنے ساتھ تختیاں اور کاغذ رکھتے تھے جو کچھ سنتے تھے، سب

لکھ لیا کرتے تھے۔“

امام زہریؒ کے بارہ میں صالح بن کیسان (تابعی) کا بیان ہے کہ:

اجتمعنا انا والزہری ونحن نطلب العلم فقال لی تعال حتی نكتب السنن فكتبنا ما جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تراجمال ۵۵، ۲۳۸)

”زمانہ طالب علمی میں میرا اور زہریؒ کا ساتھ تھا، زہریؒ نے مجھ سے کہا کہ آؤ احادیث لکھیں۔ چنانچہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی احادیث لکھیں۔“

ترمذی کی ایک روایت ہے کہ:

قال رجل للحسن عندی بعض حدیثک اریہ عنک فقال نعم۔ (۲۳۹، ۲۴۰)

ایک شخص حسن بصریؒ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے پاس آپ کی بیان کردہ کچھ حدیثیں لکھی ہوئی ہیں، میں ان کی روایت آپ سے کر سکتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ ہاں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حدیث کی ترتیب و تدوین اور اس کی کتابت کے سلسلہ میں ایک مستقل لائحہ عمل تیار کیا اور حدود خلافت میں تمام گورنروں اور قاضیوں کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں حدیث کی ترتیب و تدوین اور ان کو جمع کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ چنانچہ فتح الباری کی روایت ہے کہ:

كتب عمر بن عبدالعزیز الی الافاق انظروا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجمعوه۔ (۱۵، ۱۴)

”حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام اطراف سلطنت میں یہ فرمان بھیجا کہ نبی کریم ﷺ کی تمام احادیث تلاش و جستجو کے بعد جمع کر لی جائیں۔“

چنانچہ ابوبکر بن حزمؒ (جو اس وقت خلافت کی جانب سے مدینہ کے امیر و قاضی تھے) کے پاس یہ فرمان پہنچا، تو انہوں نے احادیث کو جمع کرنا شروع کیا اس طرح ترتیب و تدوین کے بعد ان احادیث کے کئی مجموعے ان کے پاس تیار ہو گئے مگر ابھی دربار خلافت میں ان کو بھیجے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا انتقال ہو گیا۔

تابعین کے زمانہ کے بعد تبع تابعین کے دور کو دیکھ لیجئے یہ وہ دور ہے کہ حدیث کی ترتیب و تدوین اور اس کی کتابت کا سلسلہ اپنے عروج پر تھا اور محدثین کثرت سے کتابت حدیث کے مقدس فریضہ میں مشغول تھے اور آنحضور ﷺ کے ارشادات و احادیث کو جمع کرنے کا کام بڑے انہماک سے جاری تھا اور ان حضرات کے پاس احادیث کا ایک بہت بڑا سرمایہ جمع ہو گیا۔

عبدالرزاق کا بیان ہے کہ:

کتبت من معمر عشرة آلاف حدیث۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱۵، ۱۶)

”میں نے معمر سے دس ہزار حدیثیں سن کر لکھی ہیں۔“

تذکرہ الحفاظ ہی میں حضرت ابن المبارکؒ کے متعلق منقول ہے کہ:

وكانت کتبه النبی حدث بها نحو من عشرين الف حدیث۔ (۱۵، ۱۶)

”انہوں نے اپنی لکھی ہوئی جن حدیثوں کی روایت کی اور لوگوں کو سنایا ان کی تعداد بیس ہزار تھی۔“

عبدالسلام بن حرب کے بارہ میں ابوحاتم رازی کا بیان ہے کہ:

کتب عنہ ابو نعیم الوفا من الحدیث۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱۷ ص ۲۳۶)

”ابو نعیم نے ان سے کئی ہزار حدیثیں سن کر لکھی ہیں۔“

اس دور میں کتابت حدیث کا اہتمام کس قدر تھا؟ اس کا اندازہ ذیل کی روایت سے ہوتا ہے:

قال ابراہیم بن موسیٰ قدم النوری الی الیمن فقال اطلبونی کتابا سریع الخط۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱۷ ص ۲۳۱)

ابراہیم بن موسیٰ راوی ہیں کہ امام ثوریؒ جب یمن گئے تو (حدیث کی کتابت کے لئے انہیں ایک کاتب کی ضرورت تھی) انہوں نے وہاں کہا کہ میرے لئے ایک زود نویس کاتب کو تلاش کرو۔

چنانچہ اسی وقت ہشام بن یوسف سریع الخط اور زود نویس تھے ان کا بیان ہے کہ لوگوں نے مجھے امام ثوریؒ کی خدمت میں پیش کیا تو میں نے ان کی جمع کردہ احادیث کو قلمبند کیا۔

ایسے ہی تذکرۃ الحفاظ میں ابو داؤد کی روایت ہے کہ:

لم یکن لحماد بن سلمۃ کتاب الا کتاب قیس بن سعد۔ (۱۸ ص ۱۸۳)

حماد بن سلمہ کے پاس قیس بن سعد کی کتاب تھی (جس میں ان کی جمع کی ہوئی احادیث تھیں)۔

بہر حال ان روایات سے معلوم ہوا کہ کتابت حدیث اور اس کی ترتیب و تدوین کا وہ سلسلہ جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک سے شروع ہوا تھا، بتدریج تابعین کے دور میں اپنی تکمیل کو پہنچ گیا تھا اور کثرت نے علماء و محدثین کام میں مصروف تھے۔ چنانچہ احادیث کی کتابوں کی تصنیف و تالیف بھی اسی دور میں باقاعدہ شروع ہوئی اور مختلف علماء نے آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ کے متفرق گوشوں پر کتابیں تصنیف کیں۔

چنانچہ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق کے بارہ میں منقول ہے کہ ان بزرگوں نے اسی دور میں غزوات اور سیرت نبوی ﷺ کے موضوع پر اپنی کتابیں تصنیف کیں، ان کے بعد ۱۵ھ اور ۱۸۸ھ کے درمیانی عرصہ میں امام اوزاعی، امام ابن المبارک، امام سفیان ثوری، حماد بن سلمہ اور جریر بن عبد الحمید نے احادیث کی عظیم الشان کتابیں تصنیف کیں۔

اور تقریباً اسی زمانہ ہے جب کہ امام مالکؒ نے اپنی شہرہ آفاق اور فن حدیث کی عظیم کتاب ”موطا“ کی تالیف کی۔ تذکرۃ الحفاظ ہی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں معانی ابن عمران موصلی نے اپنی مہتمم بالشان تصانیف کتاب السنن، کتاب الزہد، کتاب الادب، کتاب الفقہ وغیرہ لکھیں۔

اور امام یوسفؒ کی تصانیف کتاب الآثار، کتاب الحج، کتاب الخراج اور امام محمدؒ کی تصانیف کتاب الآثار، کتاب الحج وغیرہ اسی وقت معرض وجود میں آئیں۔

اس کے بعد پھر بتدریج احادیث کی کتابوں کی تصنیف جاری رہی اور محدثین نے جانفشانی اور محنت سے احادیث نبوی کو جمع کیا اور ان کی ترتیب و تدوین کر کے وہ اہم اور عظیم الشان کتب تصنیف کیں جو آج ہمارے درمیان علم و عرفان کا مینارہ نور بنی ہوئی ہیں جن سے طالبان حدیث اکتساب فیض کرتے ہیں اور اپنے دامن علم کو احادیث نبوی ﷺ کے گراں قدر موتیوں سے مالامال کرتے ہیں۔



مشکوٰۃ شریف

کی خصوصیت و اہمیت

مشکوٰۃ المصابیح کے نام سے احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا جو مجموعہ اب سے صدیوں پیشتر مرتب ہوا تھا اس کی شادابی و تازگی میں اب تک کوئی فرق نہیں آیا۔

لیوں تو خود ”حدیث“ ایک ایسا مقدس فن ہے اور اس کی نسبت ایک ایسی زندہ جاوید شخصیت کی طرف ہے کہ جب تک اس کرۂ ارضی پر انسان نامی ایک مخلوق موجود ہے اور اس میں زندگی کا اثر اور شعور و احسان کا نشوونما پایا جاتا ہے اس وقت یہ فن ایسی تابندگی و شادابی کے ساتھ باقی رہے گا، پھر احادیث میں جیسا کہ معلوم ہے، مصنفات اور کتابوں کے درجات میں ہر محدث نے اپنے مخصوص نقطہ نظر کے لحاظ سے کتاب کو ترتیب دیا ہے۔ مثلاً امام بخاریؒ حدیث کی روایت کے پہلو بہ پہلو اپنی قوت فکری کا مجتہدانہ مظاہرہ کرتے ہیں۔ امام مسلمؒ ایک حدیث کے متعدد طرق کو جمع کر دیتے ہیں۔ امام احمدؒ اپنی مسند میں ایک باب میں جس قدر بھی احادیث مروی ہیں ان سب کو جمع فرما دیتے ہیں اسی طرح بقیہ کتب احادیث کی امتیازی خصوصیات ہیں اور ہر ایک کے کچھ انفرادی فوائد ہیں۔

لیکن ”مشکوٰۃ المصابیح“ کے نام سے احادیث کا جو گلدستہ ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ نہ صرف صحاح ستہ بلکہ دیگر موثق پہا کتب احادیث مثلاً شعب الایمان بیہقیؒ، مسند زرینؒ وغیرہ وغیرہ کا وافر ذخیرہ اس میں موجود ہے۔

پھر دوسری خوبی جو بیک نظر سامنے آ جاتی ہے یہ ہے کہ اس کتاب میں ان احادیث کو جمع کرنے کا التزام نہیں کیا گیا کہ جن کے سمجھنے میں ایک عام قاری کو دشواری ہو بلکہ بعض لوگ تو اس طرف گئے ہیں کہ یہ مجموعہ ابتدائی تعارف یا ایک مشغول زندگی کے لئے احادیث نبویہ سے علمی و عملی تعلق پیدا کرنے کی غرض سے معرض وجود میں لایا گیا تھا۔ چنانچہ آج بھی عربی مدارس میں اس کو صحاح ستہ سے مقدم کر کے پڑھایا جاتا ہے اور اس کا یہی سبب ہے کہ تعارف کا ابتدائی اور اولین مرحلہ ایک ایسی کتاب کے ذریعے طے پائے کہ جس میں نہ اتنا اطناب ہو کہ جس سے صرف متنبی ہی فائدہ اٹھا سکیں اور نہ اتنا ایجاز ہو کہ جس سے عام ذہن مکر رہ کر رہ جائے۔

ایک دوسری حیثیت سے بھی اس پر نظر ڈالئے۔ اگر صحیح بخاریؒ کو یہ فخر حاصل ہے کہ مشکلات میں اس کا ختم کرایا جاتا ہے تو مشکوٰۃ کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ صوفیہ کے حلقہ میں زیر درس رہی ہے۔ اکابر صوفیہ نے اپنی اذکار و اشغال سے معمور زندگی میں حدیث کے اس مجموعہ کو اس وجہ سے سامنے رکھا ہے کہ اس میں فن کی دوسری کتابوں کی طرح ایجاز و اطناب نہیں ہے۔

دور جانے کی ضرورت نہیں، ہندوستان کے شمال میں آزادی کی جو اولین کوشش کی گئی ہے اور جس کی سربراہی خانوادہ محمدی کے ایک گل سرسید حضرت سید احمد بریلویؒ بروز اللہ مضجع کر رہے تھے ان کا اپنے مجاہدین کے سلسلہ میں یہ معمول تھا کہ مشکوٰۃ شریف کا التزام درس ہوا کرتا تھا۔ درس کی حقیقی ذمہ داری تو شاہ اسماعیل شہید کے سر تھی لیکن نکات و حکمت کا اظہار خود سید مرحوم بھی فرمایا کرتے تھے۔

حجۃ اللہ البالغہ جو علوم اسرار الہیہ اور حکمت شرعیہ کے موضوع پر عدیم الظہیر کتاب ہے اس کے متعلق اہل نظر کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ دراصل مشکوٰۃ کی شرح ہے۔ جن لوگوں نے ترتیب کتاب سے ہٹ کر استخراج حدیث کے انداز پر گہری نظر رکھی ہے وہ جانتے ہیں کہ شاہ صاحب بالعموم مشکوٰۃ شریف ہی کی احادیث کو سامنے رکھ کر اپنے جواہر ریزے اُمت کے سامنے رکھتے ہیں۔

پھر اس کتاب پر حواشی تقریباً بخاری و مسلم کے بعد سب سے زیادہ لکھے گئے ہیں بعض شارحین نے تو صرف اس لئے مشکوٰۃ کو اختیار کیا کہ اس میں وہ جامعیت ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا۔

مشکوٰۃ شریف کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ حلقے جو بظاہر اس کے مرتب اور مدون کے مسلک کے خلاف مسلک رکھتے ہیں اس کتاب کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور آج سے نہیں بلکہ جب سے یہ کتاب منصہ شہود پر آئی تھی اس کی خوبی کا یہی عالم رہا ہے۔

مشکوٰۃ کا کتاب الفتن کے نام سے جو حصہ ہے وہ تو برابر اہل نظر کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتا رہا ہے اگر لوگوں نے خالص اس موضوع پر کچھ لکھا ہے تو غالب گمان یہ ہے کہ مشکوٰۃ کی کتاب الفتن کو سامنے رکھ کر لکھا ہے چنانچہ اس باب میں کثرت کے ساتھ آثار صحابہ و تابعین منقول ہیں۔

عنوان یعنی عملی زندگی کے سلسلہ میں آپ دیکھیں گے کہ وہ باب نہایت تفصیلی ہیں جن کی ہمیشہ شبانہ روز ضرورت پیش آتی رہتی ہیں مثلاً دعا و استغفار، اعتصام بالکتاب و السنۃ، اسماء اللہ اور اس قسم کے دوسرے ابواب۔

مشکوٰۃ شریف دراصل ”مصانح السنۃ“ کی مکمل و مدون شکل ہے جس میں امام محی السنۃ، قاضی البدیع ابو محمد حسن بن مسعود الفراء، البغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتب فقہ کے ابواب کی ترتیب پر اہم اور عظیم الشان احادیث کا ذخیرہ جمع کیا تھا۔

امام بغویؒ نے مصانح کی ترتیب دو فصلوں پر قائم کی تھی۔ پہلی فصل میں انہوں نے شیخین یعنی بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی روایت کردہ احادیث کو نقل کیا تھا اور دوسری فصل میں دیگر ائمہ و محدثین مثلاً امام ابو داؤد و امام ترمذیؒ سے مروی احادیث کو جمع کیا تھا۔ نیز انہوں نے صرف احادیث کے نقل پر اکتفا کیا، نہ تو کتاب کے حوالے دیئے تھے اور نہ راوی کے نام ذکر کیئے۔

لہذا آٹھویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم اور رفیع المرتبت محدث ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزیؒ نے اس کتاب کو از سر نو ترتیب و تدوین کے لئے اختیار کیا۔

آپ نے سب سے پہلے تو اس کتاب میں ایک تیسری فصل کا اضافہ کیا اور اس میں نہ صرف یہ کہ دوسرے ائمہ اور محدثین کی احادیث کو نقل کیا بلکہ خود شیخین یعنی بخاری و مسلمؒ کی ان احادیث کا بھی اضافہ فرمایا جنہیں اصل کتاب مصانح میں امام محی السنۃ نے چھوڑ دیا تھا۔

دوسرے آپ نے ہر حدیث کے بعد اس کتاب یا محدث کا حوالہ دیا جن سے وہ حدیث نقل کی گئی تھی۔

تیسرے حدیث سے پہلے راوی کا نام ذکر کیا جن سے وہ حدیث روایت کی گئی تھی۔

اس طرح کتاب کی اہمیت زمین سے آسمان پر پہنچ گئی۔

مشکوٰۃ شریف کو جو عظمت و رفعت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس وقت سے یہ معرض وجود میں آئی ہے جب سے اور آج تک عربی مدارس، اسلامی درس گاہیں اپنے نصاب درس میں اس کو شامل کرنا ضروری سمجھتی رہی ہیں چنانچہ آج بھی تمام عربی مدارس میں یہ کتاب صحاح ستہ سے مقدم کر کے پڑھائی جاتی ہے۔

اصل کتاب ”مصانح السنۃ“ میں چار ہزار چار سو چونتیس (۴۴۳۴) حدیثیں نقل کی گئی تھیں۔ بعد میں علامہ خطیب تبریزیؒ نے جن احادیث کا اضافہ کیا ہے ان کی تعداد ایک ہزار پانچ سو گیارہ (۱۵۱۱) ہے اس طرح مشکوٰۃ شریف کی تمام احادیث کی تعداد ۵۹۴۵ ہوئی۔



صاحب مظاہر حق اور ان کا سلسلہ تلمذ

”خاندان ولی اللہی“ اسلامیان ہند کی علمی تاریخ کا وہ تابناک باب ہے جس کی شعاعوں نے صحیح معنوں میں سب سے پہلے ہندوستان کی سرزمین پر ”علم حدیث“ کی جوت چمائی اور جس کے افراد آسمان علم و معرفت پر آفتاب و منتاب بن کر چمکے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ جن کی ذات گرامی ہندوستان کے محدثین کے لئے مدار سند ہے اور آپ کے قابل صد فخر صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ نے ”خاندان ولی اللہ“ کی علمی عظمت کو چار چاند لگائے۔ اور حضرت شاہ اسحقؒ جو شاہ عبدالعزیزؒ کی مسند درس کے صدر نشین اور ان کے جانشین قرار پائے۔ اس عظیم خاندان کی وہ ہستیاں ہیں جن کے تذکرے ہندوستان میں ”خدمت حدیث“ کے ہر سلسلہ کا پہلی عنوان بنتے ہیں۔ نیز ”مظاہر حق“ کے مولف مولانا نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کا سلسلہ تلمذ بھی یہی ہے۔ اس مناسبت سے ان عظیم ہستیوں کے مختصر احوال پیش کئے جا رہے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۳ شوال ۱۱۱۳ھ چار شنبہ کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم حضرت شیخ عبدالرحیمؒ نے بچپن کے وقت کے ایک جلیل القدر عالم اور زبردست صوفی تھے، آپ کی تربیت اپنے مخصوص انداز میں فرمائی۔ سب سے پہلے آپ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل کیے گئے جہاں آپ نے قرآن شریف کی تعلیم شروع کی۔ چونکہ آپ فطری طور پر علم سے دلچسپی رکھتے تھے اور روز ازل سے آپ کے فطری جوہر ربانی قابلیتوں سے آراستہ و درخشاں ہو چکے تھے اس لئے آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کر لیا۔ ادھر والد محترم کی مخصوص تربیت نے یہ جوہر دکھایا کہ آپ نے اس چھوٹی سی عمر میں آداب اخلاق کی منزلیں طے کر لیں جہاں تک بڑی بڑی عمریں بھی نہیں پہنچتیں، رہن، رہن، نشست و برخاست اور گفتگو کے آداب و طریقے کم ہی کی حالت میں حاصل ہو گئے تھے۔ آپ کا عام قاعدہ تھا کہ اس عمر میں بھی جب کسی بڑے سے بات کرتے خواہ وہ کسی مرتبہ و درجہ کا آدمی کیوں نہ ہوتا احساس ادب سے نگاہیں نیچے جھکی ہوئی ہوتیں۔ سوالات کا جواب نہایت باوقار اور متین لہجہ میں دیتے۔ دوستوں اور ساتھیوں سے بھی گفتگو تہذیب و شائستگی کے حدود سے تجاوز نہ کرتی تھی۔

عمر کی ساتویں منزل میں پہنچے تو فارسی کی درسی کتابیں شروع کرائی گئیں اور چند ہی روز میں تمام کتابیں ختم کر ڈالیں، ایک سال کے قلیل عرصہ میں فارسی کے علوم میں رسوخ حاصل کر لیا۔ فارسی کی درسی کتب سے فراغت کے بعد صرف و نحو کی ابتدائی کتابوں پر عبور حاصل کیا دس سال کی عمر میں آپ شرح ملا پڑھنے لگے تھے۔

آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ دس سال کی عمر میں آپ صرف و نحو کے علوم پر اس طرح حاوی ہو گئے تھے کہ بڑے بڑے صوفی اور نحوی جو اپنے علم و فضل کی بناء پر عظمت و توقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے آپ سے ان فنون کے مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے جھپکتے تھے۔ اس کے بعد معقولات کی کتابیں شروع کیں۔ یہاں پہلے ہی طبیعت خدا دہائی گئی۔ چنانچہ جودت ذہن اور ذکاوت طبع نے اس مرحلہ کو بھی تھوڑے ہی عرصہ میں طے کر دیا۔

چودہ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہو گئی لیکن اس کے باوجود تحصیل علم کا سلسلہ اسی شغف سے جاری رہا۔ چنانچہ شادی ہی کے سال آپ نے تفسیر بیضاوی اپنے والد محترم سے پڑھی اور اس کے ساتھ ان علوم میں بھی کامل دستگاہ حاصل کی جو ان دنوں ہندوستان میں مقبول اور علماء دہلی کے زیر درس تھے اسی سال والد بزرگوار سے بیعت بھی ہو گئے اور مشائخ نقشبندیہ کے سلسلہ و خانقہ میں مشغول

ہوئے۔ علم تصوف پر آپ نے باقاعدہ تحقیق کی اور اس میں بھی مہارت تامہ کے بعد وہ رموز و نکات اور حکمت پیدائیں کہ بڑے بڑے مشائخ، صلحاء اور علماء اس کس صوفی کے سامنے اپنی جبین عقیدت جھکانے لگے۔

جب چودہ سال کی عمر میں تمام علوم، تصارف و متداولہ سے فراغت حاصل کر لی۔ اور ہر سلوک و طریقت کی منزلوں کے بھی مراحل طے کر لئے تو والد بزرگوار حضرت شیخ عبدالرحیمؒ نے ایک دعوت عام کی جس میں اہل شہر اور بڑے بڑے علماء فضلاء اور قضاۃ بطور خاص مدعو کئے گئے اور اسی دعوت میں والد بزرگوار نے اپنے اس ہونہار اور لائق بیٹے کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور درس کی عام اجازت مرحمت فرمائی۔

والد محترمؒ کے انتقال کے بعد آپ ان کی مسند درس کے صدر نشین قرار پائے اور دینیات و معقولات کی کتب کا درس دینا شروع کیا تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے درس کا شہرہ ہو گیا اور دور دور سے طالبان علم آپ کے پاس آکر علم کی دولت سے اپنا دامن بھرنے لگے۔ ہندوستان میں علم حدیث کی بنیاد اگرچہ شیخ عبدالحق دہلویؒ نے ڈالی اور اسی لئے مؤرخین اولیت کا سہرا بھی انہیں کے سر باندھتے ہیں مگر صغیر میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کا اصل سہرا خاندان ولی اللہ کے سر ہے اگر ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے اور اس وقت کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس وقت پورے ہندوستان پر جہالت و ضلالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے علم نبویؐ کو بالکل ترک کر دیا تھا یہاں تک کہ اسلام بھی ان میں برائے نام باقی رہ گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شیخ عبدالحقؒ نے اس بحول میں حدیث و قرآن کے علوم کی ترویج کی تا بعد انتہا جہد و جہد کی۔ لیکن حالات اتنے بگڑ چکے تھے کہ شیخ اس خرابی و تاریکی کو دور نہ کر سکے جو صدیوں سے مسلمانوں کے دلوں میں جم گئی تھی اور انجام کار وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن چونکہ ہندوستان کی سرزمین کو علم حدیث کی مقدس شعاعوں سے منور ہونا تھا اس لئے ان کے انتقال کے بعد خدا نے اس عمارت کا معمار ایک اور کھڑا کر دیا جس کی بنیاد حضرت شیخ عبدالحقؒ نے ڈالی تھی۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ کے والد محترم حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے پرانی دہلی میں اس مقام پر جو آج کل ”مہندپوں“ کے نام سے مشہور ہے ایک مدرسہ کی بنیاد ”مدرسہ رحیمہ“ کے نام سے ڈالی جس میں علم حدیث کی مضابطہ تعلیم شروع ہوئی۔ طلبہ اچھی خاصی تعداد میں حدیث پڑھنے کے لئے آئے لگے۔ اور لوگوں میں علم حدیث سے کافی دلچسپی بھی پیدا ہو گئی مگر حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے ”حدیث“ کو پھیلانے کی جتنی زیادہ سعی و کوشش کی اتنی کامیابی ان کو نصیب نہیں ہوئی۔

آخر کار شاہ ولی اللہؒ نے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد مدرسہ رحیمہ میں جس کی بنیاد خود ان کے والد ماجد شیخ عبدالرحیمؒ ڈال گئے تھے، طلبہ کو درس دینا شروع کیا اور بارہ سال تک پورے انہماک اور ذوق و شوق کے ساتھ علم نبوی کے چشمہ فیوض سے نہ صرف یہ کہ ہندوستان بلکہ عرب و عجم کے طلبہ کو سیراب فرمایا۔

اگرچہ بارہ سال کے اس طویل عرصہ میں آپ کا علمی کمال عروج کو پہنچ چکا تھا اور دینی و عقلی علوم میں حیرت انگیز حد تک ملکہ پیدا ہو گیا تھا جس کے سامنے وقت کے بڑے بڑے علماء عقیدت سے سر جھکاتے تھے لیکن علم کی جو باطنیت نے بس نہیں کی اور علم حدیث کی مزید تحصیل کے لئے دیار مقدس کے لئے رخت سفر باندھا اور مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

۱۱۴۳ھ میں آپ حرمین شریفین کی زیارت سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد کابل ایک سال تک حرم محترم اور حرم نبوی کی تجاورت کر کے روحانی فیوض و برکات حاصل کرتے رہے اور پھر تحصیل علم کے لئے علماء و صلحاء کی طرف متوجہ ہوئے، سب سے پہلے آپ شیخ محمد وقد اللہ ابن شیخ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنے وقت کے حلیل القدر محدث اور حرمین میں استاذ العلماء مانے جاتے تھے۔ استاذ نے بڑی عزت و احترام کے ساتھ خوش آمدید کہا اور شیخ صاحبؒ نے موطائعی بن یحییٰ پوری سنا کر اس کی اور شیخ محمد بن محمد ابن سلیمان کی تمام روایت کی اجازت حاصل کی۔

اس کے بعد آپ شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کر دی مدنی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ، فصاحت و بلاغت

جیسی صفات کی بنا پر اہل عرب میں بڑی عظمت کے مالک مانے جاتے تھے اور علم حدیث میں اپنا امتیازی مقام رکھتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان سے نہ صرف یہ کہ علم حدیث حاصل کیا اور علمی مذاکرے کر کے مزید اکتساب فیض کیا بلکہ تصوف و سلوک کے اعلیٰ منازل بھی طے کئے۔ چنانچہ وہاں سے فراغت کے بعد جب آپ رخصت ہونے لگے تو استادؒ نے احادیث کی اجازت دی اور خرقہ خلافت اپنے ہاتھ سے پہنا کر پریم آنکھیوں سے گرانقدر نصائح کے ساتھ رخصت کیا۔

اسی سلسلہ میں آپ شیخ تاج الدین قلعی حنفی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بخاری شریف کے علاوہ احادیث کی دیگر موثوق پہا کتب کی بھی اجازت لی۔

حرمین کے جلیل القدر محدثین اور علماء کے فیوض روحانی سے بہرہ ور ہو کر ان کے چشمہ علم سے پوری طرح فیض یاب ہو کر آپ ۱۱۳۲ھ میں دوبارہ حج کی نعمت سے مشرف ہوئے۔ اور ۱۱۳۵ھ کے ابتدا میں وطن کی مراجعت فرما ہوئے اور ۱۳۵ھ جب ۱۱۳۵ھ یوم جمعہ کو دہلی رونق افروز ہوئے۔

حرمین سے واپسی کے بعد آپ کے درس حدیث نے ایک نئی شکل اختیار کر لی یا یوں کہا جائے کہ علم حدیث کی جس روشنی سے آپ کا قلب و دماغ پوری تابانی کے ساتھ منور ہو چکا تھا اس کی شعاعیں دہلی کے مدرسہ رحیمہ سے پھوٹ پھوٹ کر اطراف عالم کو منور کرنے لگیں۔ اس طرح شاہ صاحبؒ نے پوری شان و شوکت اور عزت و عظمت کے ساتھ حدیث کے مسند درس پر بیٹھ کر حدیث نبویؐ کے علوم و معارف کو پورے ہندوستان میں پھیلایا اور باقاعدہ اس کی اشاعت کی جس کی تنویریں آج تک ہندوستان کو پر نور بنا رہی ہیں۔

کل نفس ذائقة الموت کے تحت جب آپ کا بھی پیمانہ حیات لبریز ہو گیا تو بھر ۶۳ سال ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی اور دہلی میں سپرد خاک کئے گئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے چار مشہور اور جلیل القدر مجدد تھے شاہ عبدالعزیزؒ شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالغنیؒ۔ اگرچہ یہ چاروں حضرات علم و فضل، فہم و فراست، قوت تقریر، نصاحت تقریر، تقویٰ و تقصیر، امانت و دیانت میں یکساں اور لاثانی سمجھے جاتے ہیں لیکن ان سب میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ عظمت و منزلت اور علم و فضل کے لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں۔ اور یہی وہ ذات گرامی ہے جس نے اپنے خاندان کو تمام علمی دنیا میں روشناس کرایا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر اس عظیم خاندان میں شاہ عبدالعزیزؒ کا وجود نہ ہوتا تو یہ خاندان گمنامی کے دائرہ سے نکل کر عزت و عظمت اور شہرت و ناموری کے اس مرتبہ کو کبھی نہیں پہنچ سکتا تھا اور جو تاریخی شہرت آج اسے حاصل ہے کبھی حاصل نہ ہوتی۔

آپ کی مبارک پیدائش ۱۱۵۹ھ میں ہوئی اور شاہ ولی اللہؒ جیسے عظیم باپ اور مقدس ہستی کے زیر سایہ نشوونما کے ابتدائی مراحل طے ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل کئے گئے اور قرآن شریف کی تعلیم شروع ہوئی چونکہ آپ نہ صرف نسبی طور پر بلکہ فطری طور پر نہایت ذہین، سلیم الطبع، خوش فہم اور بے حد طباع تھے اس لئے بہت ہی کم سنی میں قرآن کریم کی تعلیم پوری کر لی۔ قرآن کی تعلیم کے بعد فارسی کی ابتدائی تعلیم مکمل کی اور اس کے بعد دو تین سال کے مختصر عرصہ میں صرف و نحو کی کتابیں ختم کر ڈالیں۔ اس کے بعد آپ کی باقاعدہ تعلیم شاہ ولی اللہؒ کے ایک قابل خلیفہ کے زیر نگرانی شروع ہوئی۔ تقریباً دو سال کے عرصہ میں آپ نے عربی کے مختلف فنون میں حیرت انگیز ترقی اور کامیابی حاصل کر لی۔

تیرہ سال کی عمر میں آپ معمولی درسی تعلیم کے علاوہ صرف و نحو، فقہ، اصول، منطق، کلام، عقائد، ہندسہ، ہیئت، ریاضی جیسے عظیم الشان فنون سے فراغت حاصل کر چکے تھے۔ ان علوم سے فراغت کے بعد آپ اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ کے حلقہ درس میں شامل ہو

گئے اور حدیث کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ دو سال کے عرصہ میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تمام حدیث کی کتابیں اپنے والد بزرگوار سے پڑھ لیں، آپ کی عمر مشکل سے پندرہ سال کی ہوگی کہ تمام علوم و فنون کی تکمیل کر ڈالی۔

چونکہ آپ کے خاندان میں علوم عقلیہ کے علاوہ علوم عقلیہ کا بھی رواج تھا اور شاہ ولی اللہؒ کی درس گاہ میں جہاد حدیث و تفسیر کے علوم پورے شغف و انہماک سے پڑھائے جاتے تھے وہاں منطق، ریاضی کی تعلیم بھی اعلیٰ پیمانہ پر دی جاتی تھی اس لئے شاہ عبدالعزیزؒ اس چھوٹی سی عمر میں ایک لائق ریاضی دان اور قابل منطقی بھی بن گئے تھے اور تاریخ و جغرافیہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔

شاہ عبدالعزیزؒ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل اور باطنی کمالات کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ دارالبقاء کو سدھار گئے۔ شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ان کی مسند درس کے جانشین شاہ عبدالعزیز صاحبؒ قرار پائے۔ گو شاہ ولی اللہؒ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر صرف سترہ برس تھی لیکن آپ علمی تبحر، علمی کمالات اور باطنی رسوخ کی بناء پر بڑے بڑے علماء آپ کے وروست کی جہیں سائی کیا کرتے تھے اور کثرت سے طلبہ اطراف عالم سے آکر آپ کے چشمہ علوم سے اپنی علمی تشنگی کی سیرابی کیا کرتے تھے۔

آپ کے بارہ میں صاحب اتحاف النبلاء کی شہادت ہے کہ درحقیقت علم حدیث کا بیج ہندوستان کی بجز اور سخت زمین میں آپ کے والد بزرگوار جناب شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بویا اور آپ نے اس کی اپنے خون جگر سے آبیاری کر کے اسے نہایت خوشنما اور نو نہال پودا بنا دیا جو چند دنوں میں سرسبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگا اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں دور دور کے لوگ اس کے پھول و پھل سے دامن لبریز کر کے جانے لگے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اپنے دوسرے علمی کمالات کے علاوہ فن خطابت میں خدا زاد ملکہ رکھتے تھے، آپ کی سحر آمیز خطابت موافق و مخالف دونوں کے قلوب کو مسخر کر لیا کرتی تھی، اس کے ساتھ ہی آپ کا حافظہ گویا لوح تقدیر کا انمے نسخہ تھا کہ جو کتاب پڑھ لی یا جو بات سن لی، جوں کی توں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی۔

بہر حال آپ کی ذات والا صفات خاندان ولی اللہ کے معدن علم کا وہ گہوارہ تھی جس کی تیوریں آج تک اسلامیان ہند کے قلوب کو ضیاء پاش کر رہی ہیں اور اس کے ساتھ ہی آپ کی بیش بہا تصانیف علم و فضل کے ان گراں بہا موتیوں سے مزین ہیں جن کی آب و تاب تمام عالم کی نظروں کو خیرہ کر رہی ہیں۔

علم و فضل، زہد و تقویٰ، شان و شوکت، عزت و عظمت سے بھرپور آپ کی زندگی نے اپنے ایام حیات بڑی شان سے پورے کئے اور سات شوال ۱۲۳۸ھ یوم یکشنبہ کو صبح کے وقت اپنی شاندار علمی تاریخ کے ساتھ اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحق صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ آپ کے تین صاحبزادیاں تھیں، دوسری صاحبزادی کا عقد شیخ محمد افضل صاحبؒ سے ہوا تھا ان ہی کے بطن سے حضرت مولانا محمد اسحق صاحب پیدا ہوئے۔

مولانا محمد اسحق صاحبؒ کی تاریخ ولادت ۱۲۶۱ھ ذی الحجہ ۱۱۹۷ھ ہے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے چونکہ کوئی لڑکا نہیں تھا اس لئے آپ کی تمام تر توجہات مولانا محمد اسحقؒ پر صرف ہوتی تھیں اور ان کی تربیت بھی آپ نے اپنے اسی انداز سے کی جس طرح خاندان ولی اللہ کے دوسرے افراد کی گئی۔

آپ ابتدائی تعلیم کے بعد علم حدیث کی تعلیم کے لئے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے، تعلیم سے مکمل فراغت کے بعد مسند درس کو اپنی تمکین سے اعزاز بخشا اور مسلسل بیس برس تک شاہ صاحبؒ کے سامنے ہی جدید ذہن و فکر کے حامل طلبہ کو حدیث

کا درس اپنے مخصوص انداز میں دیتے رہے۔

سنت نبوی کا اتباع اور رسول اللہ ﷺ سے کمال محبت آپ کی زندگی کا مایہ الامتياز مقام تھا۔ چنانچہ آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ آپ سے نادانستہ بھی کبھی خلاف سنت کاموں کا صدور نہیں ہوا کرتا تھا، چونکہ فیاضی قدرت نے حسن سیرت کے علاوہ حسن صورت کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا اس لئے چہرہ کی شگفتگی آپ کی نجابت اور شرافت کی غمازی کیا کرتی تھیں۔ اور آپ کا چہرہ دیکھ کر لوگوں کو یقین ہوا کرتا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی صحبت کا فیض جن مقدس ہستیوں نے پایا ہے وہ یقیناً اسی صورت و سیرت کے ہوں گے۔

جب حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے سفر آخرت قبول فرمایا تو مخلوق خدا نے خاندان ولی اللہ کی سیادت کا عمامہ آپ کے سر پر رکھا اور شاہ صاحبؒ کے جانشین قرار دیے گئے۔ تمام معتقدین اور شاگردوں نے آپ کی طرف رجوع کیا اور آپ کے چشمہ علوم سے اکتساب فیض کرنے لگے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے جانشین ہونے کی وجہ سے آپ کو وہی عزت و عظمت حاصل ہوئی جو اس عظیم خاندان کے دوسرے پیشواؤں کو حاصل تھی لیکن اس شان و شوکت، ثروت و رفعت اور جاہ و جلال کی موجودگی کے باوجود محض خدا نے تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا جوئی کے لئے آپ نے دیار مقدس کی طرف سفر ہجرت کا ارادہ فرمایا اور مع اہل و عیال حجاز تشریف لے گئے وہاں آپ نے فرائض حج ادا کئے مگر کچھ دنوں کے بعد ہندوستان تشریف لے آئے۔

یہاں پہنچتے ہی مخلوق خدا نے گھیر لیا اور آپ اپنے وعظ و نصائح کے ذریعہ ان کی روحانی تربیت فرماتے رہے لیکن جب ہندوستان کی پوری فضا پر رسوم و بدعات اور ضلالت و گمراہی کی تاریکی چھائی اور اسلامی شعائر و بد کرداری کی بھیئت چڑھنے لگے تو آپ بالکل ہی دل برداشتہ ہو گئے اور یہاں سے ہجرت کا مصمم ارادہ فرمایا۔ گو شہرے تمام باشندے اور خود سلطان وقت نے یہ منت و سماجت کوشش کی کہ آپ ہندوستان سے تشریف نہ لے جائیں مگر آپ نہ مانے اور تمام اہل و عیال اور لواحقین کے پورے قافلہ کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہیں اقامت اختیار فرمائی اور وہیں ۱۲۶۲ھ میں انتقال فرمایا۔

مظاہر حق کے مؤلف حضرت علامہ نواب محمد قطب الدین خاں دہلوی رحمہ اللہ

آپ دہلی کے ایک صاحب حیثیت اور باوجاہت خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے اجداد ہمیشہ سے بارگاہ سلطان کے مقرب رہے اور اپنی خدمات جلیلہ کے صلہ میں بڑے بڑے مناصب اور عہدے حاصل کئے۔ مولانا بھی دربار دہلی میں بڑی عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور بادشاہ وقت کی نظروں میں آپ کی بڑی وقعت تھی۔

آپ کی پیدائش ۱۲۱۹ھ کی ہے ابتدائی تربیت کے بعد حصول علم کے لئے حضرت مولانا شاہ محمد اسحاقؒ محدث دہلوی کی خدمت میں دئے گئے اور ان سے اکتساب فیض کیا اور علم حدیث میں کمال حاصل کیا، ان کے علاوہ حرمین شریفین کے علماء کے چشمہ علوم سے بھی مستفیض ہوئے۔

شریعت کا اتباع آپ کی زندگی کا امتیازی مقام تھا وضع قطع میں اپنے استاد کے سچے پیرو تھے اور ان سے اتنے مشابہ کہ جس نے حضرت مولانا اسحاقؒ کو نہیں دیکھا تھا آپ کو دیکھ کر سکون حاصل کرتا تھا۔ علم و فضل کے اعلیٰ مرتبہ پر ہونے کے علاوہ تواضع و انکسار، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور اخلاق و علم کے اعلیٰ اوصاف کے حامل تھے۔

آپ کی علمی زندگی کا سب سے شاندار کارنامہ مشکوٰۃ شریف کا اردو ترجمہ اور شرح ”مظاہر حق“ ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے جو آپ کے علم و فضل کی شاہکار ہیں۔ آخر میں آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہیں ۱۲۸۹ھ میں وفات پائی۔

صاحب مصابح السنۃ

امام محی السنۃ قاضی البدعۃ حضرت ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بغشور کے رہنے والے تھے جو خراسان میں ہرات و مرو کے درمیان ایک گاؤں ہے اسی بنا پر آپ بغوی کی نسبت سے مشہور ہیں امام محی السنۃ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے ایک جلیل القدر عالم، فقیہ المذاہب محدث اور قاضی الشان مفسر تھے، فقہ، حدیث اور تفسیر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، اسی بنا پر اس وقت کے تمام محدثین و مفسرین اور علماء آپ کو اپنا پیشوا اور امام سمجھتے تھے۔ نیز اس وقت ”مفتی اعظم“ کے عظیم منصب پر بھی آپ مقرر تھے۔

ان علوم کے علاوہ فن قرأت میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے اور ایک باکمال و صاحب فن مجود و قاری تسلیم کیے جاتے تھے۔ آپ کے علم و فضل کے اس عظیم منصب پر فائز ہونے کے باوجود اور اپنے تمام ترویجی و دنیاوی جاہ و جلال کے باوصف، مزاج میں انہماک و جدہ کی سادگی بے تکلفی اور انکسار رکھتے تھے۔

زہد و تقویٰ کے اعلیٰ مراتب کے حامل تھے۔ قلب میں خشیت الہی اور خوف آخرت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ عشق نبوی سے زندگی کا ہر گوشہ منور تھا۔ دنیا کے عیش و راحت سے کوسوں دور رہتے تھے۔ حالانکہ دنیاوی طور پر بھی جاہ و شہرت کا جو مقام آپ کو حاصل تھا اس کی بنا پر اگر آپ چاہتے تو دنیا کی تمام نعمتیں اور راحتیں آپ کے قدموں میں ہوتیں لیکن زہد و استغناء کا یہ عالم تھا کہ آپ نے ہمیشہ خشک روٹی کھا کر زندگی کے ایام پورے کئے، آپ کے کمال زہد و استغناء کی اس کیفیت کو دیکھ کر جب شاگردوں نے عرض کیا کہ آپ خشک روٹی کھاتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے آپ کے قلب و دماغ اور اعصاب پر ضعف کا غلبہ ہو جائے اور دین و اسلام کی جو خدمت آپ انجام دے رہے ہیں اس میں عدم قوت اور ضعف کی وجہ سے اضطلال پیدا ہو جائے تو اس کے بعد آپ نے صرف اتنی تبدیلی کی کہ خشک روٹی روغن زیتون سے لگا کر کھالیا کرتے تھے۔

”محی السنۃ“ کا عظیم لقب آپ کو براہ راست بارگاہ رسالت سے ملا تھا۔ مؤرخین و محدثین لکھتے ہیں کہ آپ جب اپنی مشہور کتاب ”شرح السنۃ“ کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو ایک روز خواب میں سرکارِ دو عالم نبی کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت حضور ﷺ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ دعائیہ جملہ ارشاد فرمایا ”جس طرح تم نے میری سنت کو اپنی تصنیف کے ذریعہ زندہ کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ ہمیں زندہ رکھے“۔ جب ہی سے آپ ”محی السنۃ“ کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

آپ کی زندگی کا سب سے مشہور کارنامہ آپ کی مشہور تصنیف ”مصباح السنۃ“ ہے جو مشکوٰۃ شریف کی بنیاد اور متن ہے۔ آپ نے صحاح ستہ اور دیگر مستند و معتبر کتابوں سے احادیث کے اس ذخیرہ کو جمع کر کے کتب فقہ کے ابواب پر مرتب فرمایا، آپ کی دوسری عظیم تصنیف تفسیر معالم التنزیل ہے جو قرآن کی تفاسیر میں ایک وسیع درجہ رکھتی ہے۔ آپ کی وفات ۵۱۶ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔



صاحب مشکوٰۃ المصابیح

علامہ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری التبریزیؒ

آپ کا نام نامی ”محمد“ ہے۔ بعض حضرات نے ”محمود“ لکھا ہے لیکن زیادہ صحیح اور مشہور ”محمد“ ہی ہے، کنیت ابو عبد اللہ اور لقب ”ولی الدین“ ہے۔ والد ماجد کا نام عبد اللہ ہے۔ نسباً ”عمری“ ہیں اور ”خطیب تبریزی“ سے مشہور ہیں۔ آپ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم، بلند پایہ محدث، فصاحت و بلاغت کے امام، زہد و تقویٰ سے متصف اور اعلیٰ اخلاق و عادات کے حامل تھے۔ اپنے زمانہ کے یگانہ روزگار شیوخ اور اساتذہ سے اکتساب علم کیا اور جن بے شمار لائق و فائق تلامذہ کو اپنے علم و عرفان سے مستفید کیا ان میں مبارک شاہ سادیؒ سرفہرست ہیں۔

آپ کے علم و فضل کا سب سے بڑا شاہکار ”مشکوٰۃ المصابیح“ ہے جو مشکوٰۃ کے نام سے مشہور ہے اور حدیث کی بنیادی کتاب مانی جاتی ہے۔ آپ کی اس عظیم کتاب کو دنیا نے اسلام میں اعتبار و قبولیت کا جو مقام نصیب ہوا اس کا ایک اندازہ مشکوٰۃ کے تراجم، شروح اور حواشی کا اس طویل فہرست سے لگایا جاسکتا ہے: مثلاً ① الکاشف عن حقائق السنن ② از علامہ حسن بن محمد الطیبیؒ۔ ③ ”شرح مشکوٰۃ“ از ابوالحسن علی بن محمد علم الدین بخاریؒ۔ ④ ”منہاج المشکوٰۃ“ از شیخ عبدالعزیز ابہریؒ۔ ⑤ ”مرقاۃ شرح مشکوٰۃ“ از شیخ نور الدین علی بن سلطان محمد ہروی معروف بہ ملا علی قاریؒ۔ ⑥ ”شرح مشکوٰۃ“ از شیخ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن علی بن جوینیؒ۔ ⑦ ”حاشیہ مشکوٰۃ“ از سید شریف علی بن محمد جرجانیؒ۔ ⑧ ”حاشیہ مشکوٰۃ“ از شیخ محمد سعید بن المجید الف نائیؒ۔ ⑨ ”ہدایۃ المرواۃ الی تحریج المصابیح و مشکوٰۃ“ از شیخ ابوالفضل احمد بن علی معروف بہ ابن حجر عسقلانیؒ۔ ⑩ ”لمعات النبیج“ (عربی) اور ⑪ ”اشعۃ اللمعات“ (فارسی) از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ⑫ ”تعلیق الصبیح“ از مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔ ⑬ ”مرعاۃ المفاتیح“ از مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوریؒ۔ ⑭ ”ازلیۃ النجاة شرح مشکوٰۃ“ از شیخ عبدالنبی عماد الدین محمد شطاریؒ۔ ⑮ ”زنیۃ النکات فی شرح مشکوٰۃ“ از سید محمد ابوالمجد محبوب عالم احمد آبادیؒ۔ ⑯ ”مظاہر حق“ (اردو) از علامہ نواب محمد قطب الدین خاں دہلویؒ۔ ⑰ ”ترجمہ مشکوٰۃ“ (جلد اول) از مولانا کرامت علی جونپوریؒ۔

صاحب مشکوٰۃ خطیب تبریزی کا سال وفات تحقیق سے معلوم نہ ہو سکا۔ تاہم یہ یقینی ہے کہ آپ کی وفات ۷۷۳ھ کے بعد ہوئی ہے کیونکہ بروز جمعہ ۱۰ رمضان ۷۷۳ھ اس کتاب کی تالیف سے فراغت ہوئی۔ لہذا اس کے بعد ہی کسی سال آپ کی وفات ہوئی ہوگی۔ بعض حضرات نے اندازہ سے ۷۷۸ھ سال وفات ذکر کیا ہے اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ۷۸۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔



ائمہ حدیث

مشکوٰۃ شریف میں جن ائمہ حدیث کی کتابوں کی منتخب احادیث جمع کی گئی ہیں وہ خصوصیت سے تیرہ ہیں۔ یعنی: امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ترمذی، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام دارقطنی، امام بیہقی، امام رزین ابن معاویہ۔ ان کے علاوہ امام نووی اور امام ابن جوزی کا ذکر بھی اس فہرست میں آتا ہے۔ ان تمام ائمہ حدیث کے احوال مختصر طور پر نقل کئے جا رہے ہیں۔

مصباح السنۃ یا مشکوٰۃ شریف کی کسی حدیث کی روایت یا نقل کا کوئی تعلق اگرچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے نہیں ہے اور اس لئے مذکورہ بالا فہرست میں ان کا نام شامل نہیں ہے لیکن ائمہ دین اور محدثین عظام کے ذکر جمیل کا کوئی بھی سلسلہ ہمارے نزدیک اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا تذکرہ اس میں شامل نہ ہو اس لئے ائمہ حدیث کی اس فہرست کے آخر میں ان کا اجمالی تذکرہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام بخاریؒ کا اصل نام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ ہے اور باختلاف روایت ۱۳ یا ۱۲ شوال ۱۹۴ھ جمعہ کے روز بعد نماز عصر پیدا ہوئے۔ آپ جعفری قوم سے مشہور ہیں کیونکہ آپ کے پردادا مغیرہ جن بزرگ کے ہاتھ پر اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے تھے وہ جعفری قوم میں سے تھے اور ان کا نام ایمان جعفری تھا، ایمان جعفری اس زمانہ میں بخارا کے سردار تھے اس لئے جو کوئی ان کے ہاتھ پر ایمان لاتا تھا انہی کی قوم کی طرف اپنا انتساب کرتا تھا اس لئے حضرت امام بخاریؒ بھی جعفری مشہور ہوئے۔

حضرت امام بخاریؒ کی بیانی بچپن ہی میں جاتی رہی تھی جس سے ان کی والدہ بہت زیادہ غمگین اور پریشان رہا کرتی تھیں۔ ایک دن اسی حالت حزن و ملال میں ان کی والدہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں "خوش ہو کہ خدا نے تیری آہ و زاری اور گریہ و بکا پر رحم کیا اور تیری دعا قبول ہوئی یعنی تیرے بیٹے کی بیانی واپس کر دی"۔ ان کی والدہ صبح اٹھیں تو ان کو اپنے لاڈلے کی آنکھیں روشن ملیں۔ دس برس کی عمر میں جب کہ آپ مکتب میں پڑھتے تھے اسی وقت سے یہ کیفیت تھی کہ جہاں حدیث سنتے آئے فورا یاد کر لیتے۔ چنانچہ اسی وقت سے انہوں نے حدیثیں یاد کرنی شروع کر دی تھیں۔

جب مکتب کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا کہ بخارا میں ایک محدث اور عالم داغلیؒ بہت شہرت رکھتے ہیں، امام بخاریؒ ان کے پاس جانے لگے۔ ان ہی دنوں داغلیؒ اپنی کتاب جو حدیث کے فن میں تھی اور جس میں حدیثیں لکھی ہوئی تھیں لوگوں کے سامنے پڑھا کرتے تھے ایک دن داغلیؒ لوگوں کے درمیان بیٹھے احادیث رسول اللہ ﷺ سنارہے تھے اور حدیث کا بیان کرتے وقت جب انہوں نے سند شروع کی تو کہا: سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم فورا امام بخاریؒ نے ٹوکا اور بولے کہ ابو زبیر، ابراہیم سے روایت نہیں کرتے۔ داغلیؒ اس نو عمر بچہ کی زبان سے یہ سن کر شش و پنج میں پڑ گئے پھر گھر میں گئے اور کتاب اٹھا کر لائے اور کہا کہ واقعی مجھ سے غلط ہو گئی۔ اب تم بتاؤ کہ یہ سند کس طرح ہے؟ امام بخاریؒ نے کہا کہ اصل اس طرح ہے، سفیان عن ابی الزبیر عن عدی عن ابراہیم داغلیؒ نے کتاب دیکھی اور کہا کہ واقعی تم سچ کہتے ہو۔ یہ سند اسی طرح ہے۔ اس وقت حضرت امام بخاریؒ کی عمر صرف گیارہ برس کی تھی، داغلیؒ کی حیرت کی انتہا نہیں تھی کہ یہ چھوٹی سی عمر کا لڑکا کس قدر قوی الحافظہ اور ذہین ہے تاہم وہ خوش بھی بہت ہوئے اور امام بخاریؒ کی بہت تعریف و تحسین بھی کی۔

سولہ برس کی عمر میں ابن مبارکؒ اور کعب کی کتابیں یاد کر ڈالیں اور اپنی والدہ اور اپنے بھائی احمد کے ہمراہ حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ حج سے فراغت کے بعد والدہ اور بھائی تو واپس آ گئے لیکن آپ حصول حدیث کے سلسلہ میں حجاز ٹھہر گئے، اٹھارہ برس کی عمر میں آپ نے کتابیں تصنیف کرنی شروع کر دی تھیں۔ جب ہی آپ نے ایک کتاب صحابہؓ و تابعینؓ کے عظیم کارناموں اور واقعات اور ان کے اقوال و احوال پر مشتمل تصنیف کی جس کا نام کتاب التاريخ رکھا، آپ نے اس کتاب کا مسودہ تیار کیا پھر اس کو مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کے روضہ مبارک کے قریب چاندنی راتوں میں صاف کیا۔

حامد بن اسحاقؒ جو اپنے زمانہ کے رفیع المرتبت محدث تھے ان کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں امام بخاریؒ حدیث حاصل کرنے کے لئے اپنے اساتذہ کے پاس جایا کرتے تھے میں بھی ان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ امام بخاریؒ کا دستور تھا کہ وہ اپنے ہمراہ قلم و دوات نہیں رکھتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ تم حدیث حاصل کرنے کے لئے اساتذہ کے پاس اس وقت ذوق و شوق سے جلتے ہو لیکن قلم و دوات اپنے پاس نہیں رکھتے ہو تو اس سے فائدہ کیا ہو گا کیونکہ جب تک حدیثیں تم لکھو گے نہیں، یاد نہیں ہوں گی۔ اگر تم حدیثوں کو یاد رکھنا چاہتے ہو تو ان کو لکھنا چاہئے۔ حامد بن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ سولہ روز کے بعد امام بخاریؒ نے مجھ سے کہا کہ اس عرصہ میں تم نے جتنی حدیثیں لکھی ہیں، سب میرے پاس لاؤ اور پھر اپنی لکھی ہوئی حدیثوں کا میرے ذہن میں محفوظ حدیثوں سے مقابلہ کرو۔ حامدؒ نے اس عرصہ پندرہ ہزار حدیثیں لکھ لی تھیں، بخاریؒ نے وہ سب حدیثیں اپنے حافظے میں پڑھنی شروع کیں، حامد بن اسحاقؒ کہتے ہیں: ہوتا تو یہ چاہئے تھا کہ امام بخاریؒ اپنی یاد کی ہوئی احادیث کو ہماری لکھی ہوئی حدیثوں سے درست کرتے لیکن ہوا یہ کہ ہم نے اپنی لکھی ہوئی حدیثیں ان کے حافظے اور یادداشت کی حدیثوں سے صحیح کیں۔ اور وہ پندرہ ہزار حدیثیں بغیر ایک لفظ کے فرق کے سنا گئے۔ حدیثیں سنانے کے بعد امام بخاریؒ فرمانے لگے کہ تم لوگ سمجھتے تھے کہ میں اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں اور خواہ مخواہ اتنی محنت کرتا ہوں۔ احمد بن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ مجھے اس دن یقین ہو گیا تھا کہ یہ شیخ بہت ہونہار اور با فضیلت ہے اس کی برابری کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

”بخاری شریف“ جو امام بخاریؒ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے اور جو کتاب اللہ (قرآن شریف) کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب مانی گئی ہے اس کی تالیف کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن امام بخاریؒ اپنے استاد اسحاق بن راہویہؒ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسحاق بن راہویہؒ کے شاگردوں نے آپس میں کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو ایک ایسی کتاب تصنیف کرنے کی توفیق دیدے کہ جس میں مختصر طریقہ پر حدیثیں جمع کر دی گئی ہوں اور حدیثیں باعتبار اپنی صحت و اعتماد کے اعلیٰ درجہ کی ہوں تو کیا ہی اچھا ہو۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ تمام صحیح اور معتبر مستند حدیثیں ایک جگہ جمع ہو جائیں گی۔ دوسرے طالب حدیث بلا کسی شبہ اور کھٹک کے ان کو حاصل کر سکتا ہے۔ اور ان پر عمل کر سکتا ہے۔ نیز اسے کسی حدیث کے بارہ میں کسی عالم یا محدث سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ مجلس تو برخاست ہو گئی، سب لوگ چلے گئے لیکن بخاریؒ کے دل میں خواہش چھلنے لگی اور انہوں نے اس اہم اور عظیم کام کو کرنے کا ارادہ کر لیا اور کتاب کی تصنیف شروع کر دی۔

اس وقت آپ کے پاس محفوظ احادیث کا سرمایہ تقریباً چھ لاکھ کی تعداد میں تھا چنانچہ ان میں سے ان احادیث کو جو باعتبار صحت و سند کے اعلیٰ درجہ کی تھیں، آپ نے اپنی کتاب میں جمع کیا اور جو احادیث آپ کے معیار صحت پر پوری نہ اتر سکیں ان کو ترک کر دیا۔ اس طرح ابن راہویہؒ کی مجلس میں امام بخاریؒ کے ساتھیوں کی مقدس خواہش کا نتیجہ ”جامع بخاری“ کی شکل میں معرض وجود میں آیا۔

حضرت امام بخاریؒ کا اس کتاب کی تالیف کے وقت یہ معمول تھا کہ آپ پہلے غسل کرتے پھر دو رکعت نفل پڑھتے پھر اس کے بعد ایک حدیث کو نقل کرتے۔ اس طرح بخاری شریف میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے جس کو نقل کرنے سے پہلے امام بخاریؒ نے غسل نہ کیا ہو اور دو رکعت نفل نماز نہ پڑھی ہو۔ سولہ سال کی مدت میں آپ اس عظیم تصنیف سے فارغ ہوئے۔ آپ کی زندگی میں تقریباً نوے ہزار لوگوں نے بلا واسطہ آپ سے حدیثیں حاصل کرنے کا شرف پایا۔

اُس زمانہ میں بخارا کا حاکم خالد بن احمد زعلی تھا اس نے حضرت امام بخاریؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرے گھر تشریف لا کر میرے لڑکوں کو اپنی کتاب بخاری اور دیگر تصانیف مثلاً کتاب التاریخ وغیرہ پڑھایا کریں۔ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ یہ علم حدیث ہے۔ میں یہ چیز حدیث کی عظمت کے خلاف سمجھتا ہوں کہ تمہارے گھر حدیث پڑھانے آؤں۔ اگر تمہیں ایسا ہی شوق ہے تو اپنے لڑکوں کو میری مجلس میں بھیجا کرو تاکہ وہ دوسروں کی طرح وہاں بیٹھ کر حدیث کا درس حاصل کریں۔ حاکم بخارا کے لئے امام بخاریؒ کا یہ جواب تازیانہ سے کم نہیں تھا، تاہم اس نے پہلا بھیجا کہ میں اس پر تیار ہوں لیکن یہ خیال رہے کہ جس وقت میرے لڑکے آپ کے پاس حاضر ہوں اس وقت کوئی دوسرا آپ کے پاس نہ آسکے۔ بلکہ دروازہ پر باقاعدہ سنتی کا پیرہ ہو کہ وہ دوسروں کو اس وقت درس میں آنے سے روکے۔ یہ بات میرے لئے بالکل ناقابل برداشت ہے کہ جس مجلس میں میرے لڑکے ہوں، اسی مجلس میں عوام اور دوسرے کم حیثیت لوگ آکر ان کے برابر بیٹھیں۔ امام بخاریؒ نے حاکم کو روکی یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا۔ اور یہ فرمایا کہ یہ علم پیغمبر ﷺ کی میراث ہے اس میں پوری اہمیت برابر کی شریک ہے اس کو حاصل کرنے میں کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ حاکم بخارا امام بخاریؒ کا یہ جواب پاکر سخت مشتعل ہوا اور اس نے غلے کر لیا کہ جس طرح بھی ہو اس ”خود سر“ عالم کو مزہ چکھا کر چھوڑنا ہے۔

ایسے علماء کی کسی زمانہ میں کمی نہیں رہی ہے جو دولت و جاہ اور شہرت حاصل کرنے کے لئے اپنے ضمیر کو حکومت وقت کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں اور محض اپنے ذاتی فائدہ اور نفسانی اغراض کی خاطر نہ صرف یہ کہ اپنی جبین علم کو حکومت کی ذیل چوکھٹ پر ٹیک دیتے ہیں بلکہ اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے دوسرے علماء حق کی پگڑیاں اچھالنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہی حال امام بخاریؒ کے ساتھ بھی ہوا۔ ایسے علماء جو بظاہر امام کے رفیق کار اور ہم درو تھے لیکن سردار بخارا کی دولت کی جھٹکار پر سب کچھ کرنے کے لئے تیار تھے اور ان کو سردار نے اپنے ساتھ لے کر امام بخاریؒ کے علم و فضل پر طعن و تشنیع شروع کی اور امام بخاریؒ کے مسلک اور اجتہاد پر تنقیدیں کرنے لگا آخر کار ان ہی علماء کی مدد سے ایک فہرست الزام تیار کی گئی جس کی بناء پر امام بخاریؒ کو بخارا سے شہر بدر کر دیا گیا۔

امام بخاریؒ جس وقت شہر سے باہر ہو رہے تھے تو آپ نے صرف اتنا فرمایا کہ ”خداوند! میں یہ معاملہ تیرے سپرد کرتا ہوں“ چنانچہ ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ وہی سردار خالد بن احمد خلیفہ وقت کے حکم سے معزول کر دیا گیا، نہ صرف یہ بلکہ خلیفہ کا حکم ہوا کہ اس کو گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں اس کو تشہیر کرو۔ چنانچہ اس کا انجام یہ ہوا۔

اسی طرح ایک عالم حریت بن ورقہ جو امام بخاریؒ کے خلاف سازش میں حاکم کا ساتھی تھا وہ بہت بری طرح ذلیل و خوار ہوا۔ ایک اور دوسرا عالم بھی اس سازش میں شریک تھا اس کا انجام بھی یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کے قہر نے شکل آفت و بلا اس کو اپنی گرفت میں لے لیا، اور اس کے تمام بچے مر گئے۔

امام بخاریؒ بخارا سے نکل کر نیشاپور پہنچے، آپ کی خودداری اور استغناء نے نیشاپور کے حاکم کو بھی ناراض کر دیا اس لئے نیشاپور بھی چھوڑنا پڑا اور آخر کار آپ نے سمرقند سے چھ کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں خرنگ میں اقامت اختیار کی، اسی جگہ آپ کا بیاناہ حیات بھی لبریز ہو گیا۔ اور رمضان کی آخری تاریخ عید کی رات ۲۵۶ھ میں بصرہ ۶۲ سال آپ واصل تھی ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے اساتذہ کی تعداد کثیر ہے، بڑے اور طویل القدر اساتذہ میں خصوصیت کے ساتھ اسحق بن راہویہ، علی بن مدینی، احمد بن حنبل، اور یحییٰ بن معین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسماء ذکر کئے جاتے ہیں۔

خطیب البوکر بغدادی نے اپنی مسند کے حوالے سے عبد الواحد طراوی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا۔ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! آپ یہاں کس کے انتظار میں کھڑے ہیں؟ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم محمد بن اسماعیل کا انتظار کر رہے ہیں، عبد الواحد کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد امام بخاریؒ کے وصال کی خبر مجھے ملی اور جب میں نے غور کیا تو معلوم ہوا

کہ عین اسی وقت امام بخاریؒ کا انتقال ہوا تھا جب کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں امام بخاریؒ کا منظر پایا تھا۔
حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے اپنے ترجمہ میں اس خواب کو لکھتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ جس وقت امام بخاریؒ کو دفن کیا گیا تو ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور وہی خوشبو بہت عرصہ تک قبر مبارک کی مٹی سے آتی رہی۔

بہت سے حضرات نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے بخاری شریف کو اپنی جانب منسوب فرمایا ہے چنانچہ محمد بن احمد مروزی ایک روز رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان سو رہے تھے۔ خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں ”اے ابوزید! تو کتاب شافعی کا درس کب تک دے گا، آخر میری کتاب کا درس کیوں نہیں دیتا“ یہ ڈرے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ پر قربان! آپ کی کون سی کتاب ہے کہ جس کا درس مجھے دینا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جامع محمد بن اسماعیل (یعنی بخاری شریف)“ امام الحرمین سے بھی اسی قسم کا خواب نقل کیا جاتا ہے۔

امام بخاریؒ کی تصنیفات کئی ہیں ان میں سب سے عظیم اور جلیل القدر تصنیف توحیح بخاری شریف ہے جس کو تمام دنیائے اسلام میں شہرت و اہم حاصل ہے دوسری کتاب التاريخ ہے۔ تیسری کتاب الادب ہے، چوتھی کتاب رفع یدین، اسی طرح اور بھی بہت سی کتابیں امام بخاریؒ کی تصنیف کی ہوئی ہیں جو آپ کے علم و فضل کا شاہکار ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی مسلم بن حجاج ہے اور کنیت ابو الحسین ہے، قشیری قوم سے ہیں اور نیشاپور آپ کا وطن ہے آپ ۲۰۴ھ یا ۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ بھی جلیل القدر محدث تھے اور فن حدیث کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں، ابو حاتم رازی، ترمذی اور ابو بکر بن خزیمہ آپ کے مایہ ناز شاگردوں میں ہیں۔ ابو حاتم رازی نے امام مسلمؒ کو انتقال کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے ان کے حالات دریافت کئے امام مسلمؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نوازر کھا ہے، مجھ پر جنت کے دروازے کھول دیے گئے ہیں اور جنت کی وسعتیں میرے لئے وقف ہیں جہاں چاہتا ہوں رہتا ہوں۔

ابو علی زائنی نے امام مسلمؒ کی وفات کے بعد ایک معتبر اور متقی شخص کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہاری نجات کس چیز کی بنا پر ہوئی انہوں نے اپنے ہاتھ میں کچھ اوراق لے رکھے تھے اے آگے کرتے ہوئے اور دکھاتے ہوئے کہا کہ اس چیز کی وجہ سے یہ صحیح مسلم شریف کے اجزاء تھے۔

کتاب تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دن امام مسلمؒ کی مجلس میں ایک حدیث کا ذکر ہوا لوگوں نے امام مسلمؒ سے اس حدیث کے بارہ میں دریافت کیا۔ امام مسلمؒ کو اس وقت وہ حدیث یاد نہیں تھی وہاں سے اٹھ کر مکان میں تشریف لائے۔ ایک لوکر اکھجوروں کا بھر کر اپنے پاس رکھ لیا اور حدیث تلاش کرنے لگے۔ اس میں سے آپ ایک ایک اکھجور کھاتے رہے اور حدیث تلاش کرتے رہے آخر کار وہ حدیث مل گئی لیکن اس اثناء میں پورا لوکر اکھجوروں کا ختم کر گئے۔ تلاش حدیث میں اتنا مستغرق ہوئے کہ اس کا بھی دھیان نہ رہا کہ اتنی اکھجوریں کہاں بھڑھیں گی۔ آخر کار آپ کے انتقال کا یہی سبب ہوا۔ چنانچہ ۲۶۱ھ / ۲۴۲ھ بروز اتوار اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور واصل بحق ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امام مسلمؒ کا سب سے اہم اور عظیم کارنامہ جامع صحیح مسلم شریف ہے جو حدیث کی ایک عظیم اور بخاری کی طرح سب سے صحیح کتاب ہے اس کے علاوہ بھی آپ کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں مثلاً مسند کبیر، جامع کبیر، کتاب العلل، کتاب ادہام محدثین، کتاب تمیز، کتاب من لیس لہ الا راہ واحد، کتاب طبقات مخضربین، کتاب الاسماء والکنی، کتاب الودعان، کتاب حدیث عمرو بن شعیب، کتاب مشائخ مالک، کتاب مشائخ ثوری وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں ہیں جو آپ نے تصنیف کی ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی مالک ہے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے مالک بن انس بن مالک بن ابوعامر بن عامر بن الحارث بن غیمان بن فضیل الخ آپ کے پردادا ابوعامر کو رسول اللہ ﷺ کی محبت کا شرف حاصل تھا لیکن محدث ذہبی نے تجرید الصحابہ میں ان کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ میں نے یہ کہیں منقول نہیں پایا کہ ابوعامر صحابی تھے مگر اتنا ثابت ہے کہ ان کی پیدائش آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔

ابوعامر کے لڑکے مالک تابعی ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ سے ان کی منقول روایتیں آتی ہیں، شیخ محمد ابراہیم بن غلیل نے شرح مختصر ظلیل میں ابوعامر کے بارے میں لکھا ہے کہ امام مالک کے پردادا ابوعامر صحابی ہیں اور بدر کے علاوہ تمام غزوات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ حضرت امام مالکؒ اصبحی قوم میں سے ہیں، آپ کی پیدائش ۹۳ھ میں ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام مالکؒ دو یا تین برس حالت حمل میں رہے ہیں۔

امام مالکؒ علم حدیث کے حاصل کرنے میں بہت حریص تھے اور اتباع سنت پیغمبر ﷺ ان کی زندگی کا ماہیہ الامتیاز مقام تھا۔ شروع میں جب علم حدیث کے طلب کا شوق بہت زیادہ تھا اور گھر میں اتنی وسعت نہیں تھی کہ باقاعدہ تعلیم حاصل کر سکیں تو امام مالکؒ نے اپنے گھر کی کڑیاں بیچ دیں اور ان کے پیسوں سے کتابیں خریدیں، بعد میں حضرت امام مالکؒ کا ستارہ شہرت جب عروج پر پہنچا اور مخلوق خدا نے ان کو اپنا مرجع بنایا تو زندگی کی ہر آسائش و راحت قدموں میں نچھاور ہونے لگی۔ حضرت امام موصوفؒ کا حافظہ بہت تیز اور قوی تھا۔ خود فرماتے تھے کہ جس چیز کو میں ایک مرتبہ یاد کر لیتا ہوں پھر زندگی بھر اسے نہیں بھولتا۔

حضرت امام مالکؒ نے صرف سترہ برس کی عمر میں حدیث کا درس دینا شروع فرما دیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام موصوفؒ کے درس حدیث کے ابتدائی ایام میں ہی مدینہ کی ایک شریف و نیک اور معزز عورت کا انتقال ہوا۔ میت کو غسل دیا جانے لگا اور دوران غسل جب غسلہ کا ہاتھ میت کی شرمگاہ پر پہنچا تو اس کم بخت نے کہا کہ یہ عورت زانیہ تھی اور اپنی زندگی میں حرام کاری کیا کرتی تھی، جوں ہی اس نے یہ کہا اس کا وہ ہاتھ میت کی شرمگاہ پر چپک کر رہ گیا۔ غسلہ بہت پریشان ہوئی۔ اس نے لاکھ چاہا کہ ہاتھ ہٹائے لیکن اس کا ہاتھ وہاں سے علیحدہ نہیں ہوا۔ یہ بڑا عجیب واقعہ تھا لوگوں نے علماء وقت سے رجوع کیا اور تدریس دریافت کی۔ لیکن کوئی بھی کچھ نہیں بتا سکا۔ آخر کار امام مالکؒ کی خدمت میں لوگ حاضر ہوئے اور صورت حال بیان کی۔ امام مالکؒ کی زبان سے فوراً علاج تجویز کیا۔ آپ نے فرمایا کہ چونکہ اس غسلہ نے ایک نیک اور پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائی ہے جس پر عذاب خداوندی اس شکل میں ظاہر ہوا۔ اب اس کا علاج یہی ہے کہ اس پر حد تہمت جاری کی جائے۔

چنانچہ جب حد تہمت کے طور پر اس کو اسی کوڑے مارے گئے تو اس کا ہاتھ وہاں سے علیحدہ ہوا۔ اس وقت سے لوگ حضرت امام کے علم و فضل کے قائل ہو گئے اور آپ کے کمال و فضل کا ذکر چاروں طرف پہنچنے لگا۔

حضرت امام مالکؒ نے اپنے ہاتھ سے ایک ہزار حدیثیں لکھی تھیں جو تمام محدثین میں صرف آپ کا طرہ امتیاز ہے۔ کمال ادب کی بناء پر حضرت امام موصوفؒ نے حرم مدینہ میں کبھی استنجاء نہیں کیا۔ قضاء حاجت کے لئے ہمیشہ باہر تشریف لے جاتے تھے، البتہ حالت بیماری میں جب بہت مجبور ہوتے تھے تو وہیں استنجاء فرما لیا کرتے تھے۔

حدیث میں آپ کی مایہ ناز کتاب ”موطا“ کو تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے آپ سے سنا ہے اور حدیث میں آپ سے سند لی ہے آپ کے وصال کے بعد بھی اس کتاب کو دنیا نے اسلام میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی اور اہل علم اس سے فیض یاب ہوئے، اور پورے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی محمد اور کنیت ابو عبد اللہ ہے، شافعی کے نام سے مشہور ہیں، آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے محمد بن اور یس بن عباس ابن عثمان شافعی بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف القریشی المطلبی۔ شافعی کو مطلبی کہتے ہیں کیونکہ ان کے جد اعلیٰ کا نام مطلب تھا جو ہاشم بن عبد مناف کے بھائی تھے۔ چنانچہ وہ ہاشم جو مطلب کے لڑکے ہیں ان کی اولاد میں حضرت امام شافعیؒ ہیں اور وہ ہاشم جو عبد مناف کے لڑکے اور مطلب کے بھائی ہیں نبی کریم ﷺ کے جد اعلیٰ ہیں۔ اس طرح نبی کریم ﷺ اور حضرت امام شافعیؒ کے سلسلہ نسب عبد مناف پر جا کر مل جاتے ہیں۔

شافعیؒ نے جو امام شافعیؒ کے جد اعلیٰ ہیں حضرت رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا تھا اور ان کے باپ سائب بھی نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھے بلکہ بدر میں جب حق و باطل کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا تو قریش (کفار) کی جانب سے بنی ہاشم کے علم برداری سائب تھے جنگ بدر میں جب کفار کو شکست ہوئی اور بے شمار لوگ اسیر بنائے گئے تو ان قیدیوں میں سائب بھی تھے پھر بعد میں فدیہ ادا کر کے رہا ہوئے اور اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے۔

حضرت امام شافعیؒ کی پیدائش مبارک ۱۵۰ھ میں غزہ کے مقام پر ہوئی۔ بعض کے نزدیک آپ کی پیدائش عسقلان میں ہوئی ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ مثنیٰ میں آپ کی پیدائش کے قائل ہیں پھر مکہ لے جائے گئے جہاں آپ کی پرورش ہوئی اور یہاں کے مقدس ماحول میں آپ کا نشوونما ہوا۔ سات برس کی عمر میں آپ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا اور دس برس کی عمر میں موطا امام مالک کو یاد کر لیا۔ فقہ کی تعلیم آپ نے مسلم بن خالد سے حاصل کی جو اس زمانہ میں مفتی تھے۔ پندرہ برس کی عمر میں آپ کو وقت کے مشاہیر علماء اور مشائخ سے فتویٰ نویسی کی اجازت حاصل ہو گئی تھی۔ بعد میں تحصیل علم کے شوق میں مدینہ منورہ کی طرف رخ اختیار فرمایا اور وہاں امام مالکؒ کی خدمت میں علم کے حصول میں منہمک ہو گئے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ابتداءً عمر میں مجھے شعر و شاعری کا بہت شوق تھا اور بہت زیادہ اشعار ذہن میں محفوظ ہو گئے تھے جن کو ہر وقت پڑھا کرتا تھا اسی زمانہ میں ایک دن کعبہ مکرمہ کے سایہ میں بالکل تنہا بیٹھا تھا کہ اچانک پیچھے سے ایک ندا آئی، امام صاحبؒ فرماتے ہیں۔ میں نے بہت غور سے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے:

یا محمد علیک بالثقہ ودع الشعر۔

”اے محمد اس چیز کو اختیار کرو جو حق و مستحکم ہے، شعر و شاعری چھوڑو۔“

اسی طرح امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بالغ ہونے سے پہلے میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ مجھے آواز دے رہے ہیں۔ میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ حضور ﷺ نے سوال فرمایا کہ تم کس قبیلہ سے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ﷺ ہی کے قبیلہ سے ہوں۔ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک آؤ اور اپنا منہ کھولو۔ میں فوراً آنحضرت ﷺ کے پاس گیا اور اپنے منہ کھول دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے ذہن مبارک کا لعاب مقدس میرے منہ میں ڈالا اور فرمایا کہ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت و سعادت سے نوازے۔ حضرت امام شافعیؒ اس مبارک خواب کا اثر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر مجھ سے علم حدیث اور عربی ادب میں کبھی کوئی غلطی واقع نہیں ہوئی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں امام مالکؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو امام مالکؒ نے میری گفتگو اور قیامیہ سے شناخت کرنے کے بعد سوال فرمایا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرا نام محمد ہے۔ اس کے بعد امام مالکؒ نے ارشاد فرمایا کہ اے محمد تقویٰ اختیار کرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور گناہوں سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ اُمت محمدیہؐ میں تمہیں بڑی شان و عظمت کا مالک بنائے گا۔

بہر حال میں امام مالکؒ کی خدمت میں بہت عرصہ تک تحصیل علم میں مشغول رہا، حصول علم سے فراغت کے بعد جب واپس ہونے لگا اور امام مالکؒ سے واپسی کی اجازت چاہی تو امام موصوف نے رخصت کے وقت مجھے کو نصیحت فرمائی کہ:

”اے نوجوانو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں نور ڈالا ہے لہذا تم پر واجب ہے کہ اس نور کی حفاظت کرو، وکیو کہیں ایسا نہ ہو کہ گناہ کی تار کی اس نور کو ڈھانک لے اور وہ جاتا رہے۔“

امام مالکؒ سے رخصت ہو کر آپ بغداد پہنچے اور وہاں کے عالموں سے حدیث و فقہ کی مزید تعلیم حاصل کی، وہاں سے مکہ آئے اور مکہ سے پھر دوبارہ بغداد تشریف لے گئے، کچھ عرصہ کے بعد مصر چلے گئے، جہاں ورس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور وہاں آپ نے مہتمم بالشان تصانیف کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ آپ نے اصول دین پر چودہ کتابیں تصنیف فرمائیں اور فروع دین کے بحث میں تقریباً ایک سو سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: کہ میں حدیث میں ناسخ و منسوخ، خاص و عام اور مفصل و مجمل کا علم نہ رکھتا تھا مگر جب امام شافعیؒ کی صحبت اختیار کی تو مجھے ان چیزوں کا پتہ چلا۔

حضرت امام اعظمؒ کے شاگرد رشید حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے مجھ سے حضرت امام اعظمؒ کی تصنیف ”کتاب اوسط“ عاری ثانی اور پوری کتاب کو ایک رات اور ایک دن میں یاد کر لیا۔ حضرت امام شافعیؒ کی وفات آخر ربیع ۲۰۴ھ جو کہ دن مصر میں ہوئی اور اسی دن سپرد خاک کئے گئے، ان کی ۱۴ تصانیف میں سے ”کتاب الام“ خاص اہمیت رکھتی ہے۔

آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں حضرت امام مالکؒ اور سفیان بن عیینہؒ وغیرہ زیادہ مشہور ہیں ان کے علاوہ اور بھی اساتذہ ہیں جن سے امام موصوف نے حدیث کا علم حاصل کیا ہے۔ شاگردوں میں امام احمد بن حنبلؒ، ابوسفیان ثوریؒ اور عزنیؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں ان کے علاوہ تلامذہ کی ایک بہت بڑی تعداد نے امام صاحب سے کتاب فیض کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور اسم مبارک ”احمد“ ہے، سلسلہ نسب یہ ہے: احمد بن حنبل بن حلال بن اسد اور یس بن عبد اللہ ابن حبان اسد بن ربیعہ بن نزار بن سعد بن عدنان الخ۔

آپ کے علم و فضل کے بارہ میں اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اپنے وقت میں حدیث و فقہ کے پیشوا اور مقتدا تسلیم کئے جاتے تھے بے حد عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے۔ آپ کی عبادت میں خشوع و خضوع بہت ہوتا تھا، بغداد میں آپ کی پرورش ہوئی اور وہیں طلب علم اور تحصیل حدیث کے مراحل طے کئے اس کے بعد حدیث کی سماعت اور ان کے حاصل کرنے کی غرض سے کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن اور شام و دیگر جزائر کا طویل سفر اختیار فرمایا اور ہر جگہ کے مشہور علماء و محدثین سے احادیث کی سند حاصل فرمائی۔

آپ کے اساتذہ میں یزید بن ہارون، یحییٰ بن سعید قطان، سفیان بن عیینہ اور امام شافعیؒ ہیں جن سے آپ نے احادیث روایت فرمائی امام احمد بن حنبلؒ کے مخصوص تلامذہ امام بخاری، مسلم بن حجاج قشیری، ابوزرعمہ اور ابوداؤد سجستانی ہیں، ان حضرات نے آپ سے احادیث نقل کی ہیں۔

حضرت اسحاق بن راہویہؒ کی آپ کے بارے میں رائے تھی کہ امام احمد بن حنبلؒ خدا اور بندوں کے درمیان حجت یعنی دلیل ہیں۔ امام شافعیؒ کی شہادت تھی کہ میں نے بغداد میں پرہیزگاری، تقویٰ اور علم میں امام احمد بن حنبلؒ سے زیادہ کسی دوسرے کو نہیں پایا۔

احمد بن سعید داری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پیغمبر خدا ﷺ کی احادیث کو زیادہ یاد رکھنے والا امام احمد بن حنبلؒ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو نہیں دیکھا۔

حضرت ابو داؤد جستانیؒ سے منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ کی صحبت میں بیٹھنا آخرت کی صحبت اختیار کرنے کے مترادف ہے کیونکہ ان کی مجلس میں سوائے امور دین کے ذکر اور گفتگو کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

ذکر کیا جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے کمال فقر اختیار کیا اور شربس تک استغناء و توکل کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے باوجود اپنی جلالت شان اور عظمت کے کبھی عیش و آرام کی تمنا نہیں کی اور نہ کبھی کسی سے کچھ قبول کیا۔

محمد بن موسیٰ ناقل ہیں کہ اہل مصر نے حسن بن عبدالعزیز کے واسطے ایک لاکھ اشرفیاں سونے کی بطور میراث کے کئی جانوروں پر لاؤ کر بغداد بھیجیں حسن بن عبدالعزیز نے ان میں سے کئی تھیلیاں ایک ایک ہزار اشرفی کی امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں بھیجیں اور عرض کیا کہ یہ مال مجھ کو حلال طریقہ پر میراث میں ملا ہے اس میں کچھ حصہ آپ بھی قبول فرمائیے اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات میں صرف فرمائیے امام احمد بن حنبلؒ نے انکار فرمادیا اور ان میں سے ایک اشرفی بھی قبول نہیں کی اور فرمایا کہ مجھے اس کی قطعاً حاجت نہیں ہے۔ اسی طرح بہت سے واقعات نقل کئے گئے ہیں جن سے آپ کے صبر و توکل، استغناء و تقویٰ اور پرہیزگاری کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی پیدائش مبارک ۱۶۳ھ میں بغداد میں ہوئی۔ اور ۲۴۱ھ میں جمعہ کے روز بغداد ہی میں وصال فرمایا اور اسی روز عصر کے بعد سپرد خاک کر دیے گئے۔

آپ کی تصانیف میں مشہور کتاب ”مسند“ ہے جو محدثین کے نزدیک ایک بہت اہم تصنیف ہے جس میں آپ نے تیس ہزار سے زائد احادیث نقل کی ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو عیسیٰ اور اسم گرامی محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ ضحاک ترمذی ہے۔ شہر ترمذ کی طرف نسبت کی وجہ سے ترمذی کے نام سے مشہور ہیں۔ امام ترمذیؒ بڑے پایہ کے محدث ہیں۔ آپ کی جلالت اور رفعت شان کا اندازہ حدیث کی مشہور و مستند کتاب ترمذی شریف سے لگایا جاسکتا ہے جس کے آپ مصنف ہیں۔ ترمذی شریف محدثین کے نزدیک حدیث کی ایک اہم اور با عظمت کتاب ہے اور مندرجہ ذیل خصوصیات کی بنا پر صحاح ستہ کی دیگر کتب پر فوقیت رکھتی ہے۔

اول تو یہ کہ آپ نے احادیث کو نقل کرتے ہوئے ان راویوں کے نام ضرور لکھے ہیں جن سے وہ احادیث ان کو حاصل ہوئی ہیں، تاکہ احادیث کی حیثیت باعتبار مشہور متواتر اور احاد کے روشن ہو جاوے۔

دوسرے یہ کہ حدیث کو نقل کرنے کے ساتھ اس سے اخذ شدہ مسئلہ میں علماء کا اختلاف اور ان کے مذاہب بھی نقل کئے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہر موقع پر راوی کے احوال بھی لکھے ہیں کہ یہ راوی ضعیف ہے اور یہ قوی ہے، اسی طرح حدیث کا حال بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے، اور غریب ہے یا منکر ہے، روایت حدیث کے سلسلے میں امام موصوف اور نبی کریم ﷺ کے درمیان جو واسطے ہیں وہ کم سے کم تین ہیں اور زیادہ سے زیادہ دس ہیں، چنانچہ ایک حدیث ایسی ہے جس میں صرف تین واسطے ہیں۔ جس حدیث کو روایت کرتے وقت نبی کریم ﷺ تک درمیان میں تین واسطے ہوں اس حدیث کو ثلاثی کہتے ہیں۔

جن محدثین سے آپ نے احادیث روایت فرمائی ہیں ان میں قتیبہ بن سعید، محمود بن غیلان، محمد بن بشار، احمد بن منیع اور محمد بن غنی بطور خاص ذکر کئے جاتے ہیں ان کے علاوہ دوسرے علماء اور محدثین بھی ہیں جن سے آپ نے احادیث نقل کی ہیں۔

آپ کے علاوہ کی تعداد بھی کافی ہے جن میں سے محمد بن احمد اور حیثم بن کلیب خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ آپ نے اپنی ”جامع ترمذی شریف“ تصنیف فرما کر حجاز، عراق اور خراسان کے علماء کی خدمت میں بھجوائی جہاں وقعت و احترام اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی۔

آپ کی ایک تصنیف شامل نبوی ﷺ بھی ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی سیرت مقدسہ اور حلیہ مبارکہ بیان کیا گیا ہے آپ کی پیدائش مبارکہ ۲۰۹ھ میں ہوئی اور ۲۷۹ھ میں وصال فرمایا۔

امام ابو داؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو داؤد اور اسم مبارک سلیمان بن اشعث بن الخثعم بن بشر ہے۔ چونکہ آپ علاقہ سجستان کے رہنے والے تھے اس لئے اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے، آپ نے طلب علم اور حصول حدیث کے شوق میں وطن سے نکل کر بہت سے ممالک کا سفر کیا۔ عراق، خراسان، شام، مصر اور حجاز کے علماء و محدثین کے ہاں حاضر ہوئے اور احادیث سن کر ان سے روایت کی اجازت لی۔ آپ نے بڑے جلیل القدر علماء اور محدثین سے احادیث روایت کی ہیں جیسے مسلم بن ابراہیم، سلیمان بن حرب، یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل، آپ سے روایت کرنے والے حضرات میں ابو عبد الرحمن نسائی اور احمد بن محمد کا نام خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے۔

امام ابو داؤد کا اصل وطن بصرہ ہے، بعد میں بغداد بھی تشریف لے گئے اور وہیں اپنی عظیم کتاب ”سنن ابو داؤد“ تصنیف فرمائی، وہاں کے لوگوں نے جب سنن ابو داؤد کو امام موصوف کی سند کے ساتھ امام احمد بن حنبل کو سنایا تو انہوں نے بہت زیادہ پسندیدگی کا اظہار فرمایا، خود امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ کی پانچ لاکھ احادیث میں نے علماء و محدثین سے نقل کی ہیں، ان میں سے وہ ایک ہزار چھ سو احادیث جو اپنی صحت کے اعتبار سے سب سے معتبر اور مستند تھیں اپنی کتاب میں جمع کیں اور ان میں سے بھی چار احادیث ایسی ہیں جو تمام احادیث کے برابر ہیں یعنی دین و شریعت کی تمام باتیں اور حکمتیں مجملات چار حدیثوں میں آگئی ہیں۔

۱) اتما الاعمال بالنیات۔

۲) من حسن اسلام المرأة ترکہ ما لا یعنیہ۔

۳) لا یكون المؤمن مؤمنًا حتى رضی لایحیہ ما یرضی لنفسہ۔

۴) ان الحلال بین و ان الحرام بین و بینہما مشتبہات۔

ابوبکر غلالؓ کی شہادت آپ کے بارے میں یہ تھی کہ امام ابو داؤد اپنے زمانہ میں پیشوا تھے اور نہایت ہی منصف مزاج و پرہیزگار تھے۔ نیز فن حدیث میں بہت زیادہ بصیرت اور کمال و مہارت رکھتے تھے اور فن حدیث میں ان کی کتاب بہت جلیل القدر مرتبہ کی ہے یہاں تک کہ بخاری و مسلم کے بعد ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ امام ابو داؤد کی پیدائش ۲۰۲ھ کی ہے اور آپ کا وصال ۲۷۹ھ کو ہوا۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو عبد الرحمن اور اسم گرامی احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سان ہے چونکہ آپ خراسان کے ایک شہر ”نسا“ کے رہنے والے تھے اس لئے نسائی کے نام سے مشہور ہیں آپ کی پیدائش ۲۱۳ھ یا ۲۱۵ھ میں ہوئی۔

آپ نے بھی حصول علم کی خاطر بہت ممالک کا سفر اختیار فرمایا اور اپنے وقت کے مشہور اور جلیل القدر علماء و محدثین کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حدیث کی دولت سے مالا مال ہوئے اس سلسلہ میں آپ خراسان، حجاز، عراق، جزیرہ شام اور مصر گئے اور وہاں کے علماء سے تحصیل علم کیا۔

جب سب سے پہلے آپ طلب علم اور حصول حدیث کے لئے قتیبہ بن سعید کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اس وقت آپ کی عمر

صرف پندرہ برس کی تھی۔ قتیب بن سعید کے یہاں ایک برس دو مہینے رہ کر ان سے اکتساب فضل کیا۔ امام نسائی رحمہ اللہ شافعی المذہب تھے جیسا کہ ان کی تصنیف مناسک الحج سے معلوم ہوتا ہے۔

آپ ہمیشہ صوم داؤدی رکھتے تھے صوم داؤد اس کو کہتے ہیں کہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن نہ رکھے، باوجود اسے زیادہ روزے رکھنے کے آپ بے انتہا قوت کے مالک تھے چنانچہ چار عورتیں آپ کے نکاح میں تھیں اور ہر عورت کے پاس ایک رات رہا کرتے تھے، ان کے علاوہ باندیاں بھی تھیں۔

امام نسائی جب اپنی تصنیف سنن کبریٰ سے فارغ ہوئے تو ایک دن ان کے یہاں کے ایک امیر نے ان سے سوال کیا کہ آپ نے جو یہ کتاب تصنیف کی ہے اس میں تمام احادیث صحیح ہیں؟ امام موصوف نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ بعض صحیح ہیں اور بعض حسن۔ اس امیر نے آپ سے درخواست کی کہ ان تمام احادیث میں جو حدیثیں نہایت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہوں ان کو آپ میرے لئے الگ نقل کر دیجئے چنانچہ آپ نے اسی سلسلہ میں سنن مجتبیٰ تصنیف فرمائی۔

آپ کی وفات بڑے مظلومانہ اور درد انگیز طریقہ پر ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے آپ کے زمانہ میں بنی امیہ کی سلطنت تھی جو حضرت علیؑ کے خلاف تھے آپ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس میں حضرت علیؑ کے اوصاف و مناقب اور ان کے مبارک احوال بیان کیے گئے تھے کتاب کی تصنیف سے فراغت کے بعد آپ نے جمعہ کے روز جامع دمشق میں وہاں کے لوگوں کے سامنے اس کتاب کو پڑھنے کا ارادہ کیا، تاکہ اس سے عوام کے ذہن و فکر کی اصلاح ہو سکے اور حضرت علیؑ کے متعلق جو غلط اور گمراہ کن خیالات لوگوں کے ذہن میں سلطنت بنی امیہ کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے، وہ دور ہو سکیں۔

چنانچہ ایک دن مسجد میں مجمع کے سامنے آپ نے وہ کتاب پڑھنی شروع کی۔ ابھی تھوڑی سی پڑھ پائے تھے کہ ایک آدمی درمیان مجمع سے اٹھا اور سوال کیا کہ آپ نے علیؑ کے اوصاف و مناقب تو اس کتاب میں لکھ دیے مگر یہ تو بتائیے کہ حضرت معاویہؓ کے مناقب بھی لکھے ہیں یا نہیں؟۔

امام نسائی نے جواب دیا کہ مجھے امام معاویہؓ کی عظمت و فضیلت بھی تسلیم ہے اور ان کی نجات سے انکار نہیں لیکن ان کے مناقب حضرت علیؑ کے مقابلہ میں اتنی اہمیت نہیں رکھتے کہ میں ان کو لکھوں، بعض حضرات نے امام نسائیؒ کا جواب اس طرح بھی نقل کیا ہے کہ امام موصوف نے فرمایا: حضرت معاویہؓ کے فضائل و مناقب میرے نزدیک صحیح نہیں ہیں۔

امام نسائیؒ کا یہ کہنا تھا کہ پورا مجمع برا فروختہ اور شعلہ بد اماں ہو گیا اور آپ پر لوٹ پڑا۔ اور آپ کو اتنا زور دیا کہ اٹھنے کی بھی سکت باقی نہ رہی آخر کار ان کے خدام اٹھا کر مکان پر لائے۔ مکان پر پہنچنے ہی آپ نے کہا کہ مجھے اسی وقت مکہ لے چلو تاکہ میری موت اسی دیار مقدس میں یا اس کے راستہ میں ہو۔ چنانچہ آپ کو مکہ لے جایا گیا اور وہیں ۱۳ صفر ۴۰۳ھ بروز دوشنبہ شہادت کا مرتبہ پا کر وصال فرمایا اور صفا و مروہ کے درمیان سپرد خاک کئے گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور اسم گرامی محمد بن یزید بن ماجہ ہے آپ قزوین کے رہنے والے تھے جو عراق و فارس کے درمیان ایک شہر ہے اور ریجی قبیلہ سے تھے جو ریجہ بالولائی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے آپ فن حدیث کے مقتدا اور پیشوا مانے جاتے تھے اور حافظ حدیث تسلیم کئے جاتے ہیں۔ امام مالکؒ کے تلامذہ سے آپ نے حدیث کا علم حاصل کیا اور اس سلسلہ میں بہت سے ممالک کا سفر اختیار فرمایا۔

آپ کی مایہ ناز تصنیف ”ابن ماجہ“ نصاب حدیث کی ایک اہم کتاب مانی جاتی ہے۔ ابن ماجہ شریف کو بھی بعض محدثین و علماء نے

صحاح ستہ میں شمار کیا ہے اس کتاب میں آپ سے ثلاثی احادیث بھی کافی تعداد میں منقول ہیں۔ چونکہ ابن ماجہ میں ایک حدیث منکر بلکہ موضوع نقل کی گئی ہے اس لئے بعض حضرات اس کو صحاح ستہ میں شمار نہیں کرتے۔
آپ کے وطن قزوین کی فضیلت میں بعض لوگوں نے بہت زیادہ حدیثیں نقل کی ہیں لیکن محققین و محدثین کے نزدیک وہ سب موضوع ہیں آپ کی پیدائش ۳۰۹ھ میں ہوئی اور ۲ رمضان ۷۲۷ھ بروز دوشنبہ انتقال فرمایا۔ واللہ اعلم۔

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو محمد اور اسم گرامی عبداللہ بن عبدالرحمن بن فضل سرقندی الدارمی ہے۔ سرقندی نسبت ہے شہر سرقند کی طرف جہاں کے آپ رہنے والے تھے اور دارمی قبیلہ کی نسبت ہے۔
آپ بھی ایک جلیل القدر محدث اور عالم تھے۔ تقویٰ و تقدس اور زہد و قناعت کے اوصاف جلیلہ سے مزین تھے، آپ تصنیف کی بھی احادیث کی کتابوں میں ایک ممتاز مقام کی مالک ہے۔
آپ کے اساتذہ میں ابن ماجہ، حبان بن ہلال، نصر بن شمیل اور حیو بن شریح ہیں، آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے جن میں امام مسلم، امام ترمذی جیسے جلیل القدر محدثین بھی ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۸۱ھ کی ہے اور وفات ۲۵۵ھ نبوی میں ہوئی۔
الحق بن احمد بن خلیفہ سے منقول ہے کہ میں حضرت امام بخاریؒ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی کے انتقال کی خبر پہنچی۔ امام بخاری نے غم و اندوہ سے سر نیچے جھکا لیا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ امام بخاریؒ پر اتنا اثر تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو نکل کر رخسار پر بننے لگے۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوالحسن اور اسم گرامی علی بن عمرو دارقطنی ہے۔ آپ بھی علم حدیث میں جلیل القدر شخصیت اور صاحب فضل و کمال شمار کئے جاتے ہیں۔ خصوصیت سے حدیث کی علت اور راویوں کے احوال کی معرفت میں یکتا تھے آپ کی مشہور تصنیف "دارقطنی" ہے جو فن حدیث کی معتبر و مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ اپنی تصنیف میں ایک حدیث کو کئی کئی سندوں سے بیان کرتے ہیں۔

آپ نے بھی طلب علم کے سلسلہ میں دور دراز جگہوں کا سفر اختیار فرمایا چنانچہ کوفہ، بصرہ، شام، واسط، مصر اور اسلام کے دیگر شہروں میں تشریف لے گئے جہاں کے مشہور علماء سے احادیث حاصل کیں۔

دارقطنی بغداد کے ایک محلہ کا نام ہے جس کے آپ باشندہ تھے اسی لئے دارقطنی سے مشہور ہیں، عربی میں قطن روئی کو کہتے ہیں چونکہ یہ محلہ روئی کی منڈی تھا اس لئے دارقطنی کہلاتا تھا۔

آپ کے تلامذہ میں ابو نعیم، ابوبکر، برقانی، جوہری، قاضی ابوالطیب طبری، حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری وغیرہ مشہور حضرات ہیں آپ کی پیدائش بغداد میں ۳۰۵ھ یا ۳۰۶ھ میں ہوئی ہے اور وفات بھی بغداد ہی میں ۲۲ ذیقعدہ ۳۵۰ھ کو ہوئی، بعض روایت میں آپ کی تاریخ وفات ۸ ذیقعدہ یوم جمعرات ہے۔ واللہ اعلم۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوبکر ہے اور اسم شریف احمد بن حنبل بن ہبلی ہے آپ بھی علماء و محدثین کے نزدیک ایک امام و مقتدا کی حیثیت رکھتے ہیں

آپ کی مرتبہ اور فضل و کمال اہل علم کے یہاں مسلم ہے۔

آپ کی تصانیف کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہوئی ہے۔ چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا کہ آپ نے سات ہزار رسالے دین و شریعت کے مختلف گوشوں پر تحریر فرمائے ہیں جن سے آپ کی وسعت علمی، تجربہ اور فضل کمال کا اندازہ ہوتا ہے، آپ کی مشہور تصانیف میں خاص کتابیں یہ ہیں: کتاب مبسوط، کتاب السنن، کتاب دلائل النبوة، کتاب معرفت علوم حدیث، کتاب بحث والنشر، کتاب آداب، کتاب فضائل صحابہ، کتاب فضائل اوقات، کتاب شعب الایمان اور کتاب اخلاقیات وغیرہ۔

آپ کی پیدائش مبارک ماہ شعبان ۳۸۴ھ میں ہوئی اور وفات ۴۵۶ھ میں بمقام نیشاپور ہوئی۔

امام رزین بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو الحسن اور نام رزین بن معاویہ العبدری ہے۔ قریش کا ایک مشہور قبیلہ عبدالدار تھا۔ رزین چونکہ اسی قبیلہ سے تھے، اس لئے اس کی طرف نسبت کی وجہ سے عبدری کہے جاتے تھے۔

یہ بھی ایک جلیل القدر محدث اور صاحب فضل و کمال عالم تھے ان کی وفات ۵۳۰ھ میں ہوئی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو زکریا اور اسم گرامی یحییٰ بن اشرف حزامی ہے۔ آپ کا لقب محی الدین ہے، حزام آپ کے اجداد میں سے کسی کا نام تھا۔ اسی نسبت سے آپ کے خاندان والے حزامی کہلاتے تھے ”نووی“ دمشق کے قریب شام میں ایک مقام ہے جہاں کے آپ رہنے والے تھے۔

اس نسبت سے آپ کو نووی کہا جاتا ہے۔

آپ اپنے وطن نووی میں اول عشرہ محرم ۶۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲ رجب ۶۷۷ھ یوم چہار شنبہ میں وصال فرمایا۔

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابو الفرج، اسم گرامی عبدالرحمن بن علی حنبلی صدیقی ہے اور ابن جوزی کے نام سے مشہور ہیں جو ایک مقام فرضہ الجوزی طرف منسوب ہے۔

آپ ایک جلیل القدر عالم، صاحب فضل فقیہ اور با کمال محدث تھے، آپ کے فضل و کمال اور وسعت علم پر علماء کا اتفاق ہے، حدیث تفسیر فقہ، سیر اخبار مواعظ میں بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں اور ان تمام علوم و فنون میں اپنے وقت کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں، نیز اہل علم کے نزدیک آپ کی فصاحت و بلاغت مسلم ہے۔

”موضوعات حدیث“ پر آپ نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں آپ نے موضوع احادیث جمع کی ہیں، اسی طرح آپ کی ایک تصنیف ”تلبیس ابلیس“ ہے جس میں بدعت اور خلاف سنت اعمال پر بحث کی گئی ہے اور ان کا رد کیا گیا ہے نیز اس کتاب میں ”اقوام شیطانی“ کا دلچسپ بیان بھی ہے اور صوفیاء کے منکرین، جہد عین اور ضالین کا زبردست رد کیا گیا ہے۔

امام ابن جوزی بے حد ذہین اور ذکی تھے آپ کی ذہانت و ذکاوت کے واقعات سے سیر و توارخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، آپ ذہانت کا ایک واقعہ سیر کی کتابوں میں منقول ہے کہ ایک دن ایک سنی اور شیعہ میں جھگڑا ہوا، سنی کا دعویٰ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ زیادہ افضل تھے، شیعہ حضرت علیؓ کی تفضیل ثابت کر رہا تھا، معاملہ بحث و مباحثہ اور اختلاف رائے سے گزر کر محاصرت کی شکل اختیار کر گیا۔ آخر کار فریقین اس

پر تیار ہو گئے کہ ابن جوزی کو حکم بنایا جائے اور وہ جو فیصلہ کریں، اس کو حق تسلیم کیا جائے۔ چنانچہ ایک دن جب کہ ابن جوزی منبر و عطا پر پند و نصائح فرما رہے تھے درمیان سے فریقین میں کا ایک شخص کھڑا ہوا اور ان سے دریافت کیا کہ: من افضل الصحابة؟ (یعنی صحابہ میں زیادہ فضیلت والا کون ہے؟)۔

ابن جوزی کا معاملہ شناس ذہن سوال کی نزاکت سمجھ گیا، چونکہ اس وقت حکومت شیعوں کی تھی اس لئے ابن جوزی نے جواب اس انداز سے دیا کہ نہ تو کسی کے خلاف ہو کہ حق کی مخالفت لازم آئے اور نہ شیعہ سمجھے کہ جواب میرے خلاف ہے اور اس کے نتیجے میں ایذا رسانی یا فتنہ و فساد کی نوبت آجائے۔ ابن جوزی نے نہایت حکیمانہ اور مدبرانہ جواب دیا ارشاد فرمایا کہ:

افضل صحابة رسول الله الذي بنته في بيته۔

”یعنی صحابہ رسول اللہ ﷺ میں زیادہ الفضیلت والا وہ ہے کہ اس کی بیٹی اس کے گھر میں تھی۔“

امام ابن جوزی صرف یہ کہہ کہ فوراً چلے گئے تاکہ اس جملہ کی تشریح نہ کرنی پڑے، اور ہر فریق اپنی جگہ خوش اور مطمئن، کہ فیصلہ میرے عقیدہ کے موافق ہوا۔ یعنی سنی یہ سمجھا کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ افضل وہ ہے جس کی بیٹی نبی کریم ﷺ کے گھر میں تھی، چونکہ حضرت ابو بکرؓ کی دختر حضرت عائشہ صدیقہؓ نبی کریم ﷺ کے گھر میں تھیں۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ افضل ہیں، شیعہ نے اس جملہ سے یہ مطلب اخذ کیا کہ زیادہ افضل وہ ہے جس کے گھر میں نبی کریم ﷺ کی دختر تھیں اور چونکہ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ کے نکاح میں تھیں اس لئے حضرت علیؓ زیادہ افضل ہوئے۔

بہر حال ابن جوزی کے ذہن نے اس جملہ میں ضمائر سے کام لے کر اس سوال کا بلیغانہ جواب دیا جس سے فتنہ و فساد تک پہنچنے والی یہ بحث خوشگوار نتیجہ پر ختم ہو گئی اور خطرناک نتیجہ پر پہنچنے والا یہ شر وہیں رفع ہو گیا، آپ کی پیدائش ۵۱۷ھ میں ہوئی، اور وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام ”نعمان“ ہے، ابو حنیفہ کنیت ہے اور ”امام اعظم“ لقب ہے۔ والد کا نام ”ثابت“ اور دادا کا نام ”زوطی“ ہے۔ زوطی ملک فارس (ایران) کے رہنے والے تھے اور مذہب زیدی تھا۔ اسلام کی روشنی جب عرب کی حدود سے نکل کر عجم پہنچی، اور اس کی کرنوں نے سرزمین فارس کو منور کیا، تو دوسرے بہت سے اہل فارس کے ساتھ زوطی نے بھی اسلام قبول کر لیا، اسلام لانے کے بعد جب خاندان کے کچھ افراد نے پریشان و ہراساں کیا اور دین پر عمل کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے لگے تو زوطی نے ہجرت کی نیت سے ترک وطن کیا اور اپنا ملک فارس چھوڑ کر بیوی اور کچھ نقد اسانہ کے ساتھ مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور کوفہ شہر دار الخلافہ کی حیثیت سے اسلام کی عظمت و جلالت کا گوارہ بنا ہوا تھا۔ زوطی اپنے سفر ہجرت کے دوران کوفہ پہنچے، تو مکہ معظمہ کا ارادہ موقوف کر کے یمن کی مستقل سکونت اختیار کر لی اور گزر اوقات کے لئے کپڑے کی تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

۳۰ھ کے اوائل میں زوطی کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام باپ نے ثابت رکھا۔ ثابت کے عنوان شباب میں زوطی انتقال کر گئے اور پھر ثابت کے یہاں ۸۰ھ میں ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام والدین نے ”نعمان“ رکھا، آگے چل کر اس بچہ نے، ابو حنیفہ کے کنیت اختیار کی۔ اور ”امام اعظم“ کے لقب سے مشہور ہوا۔ امام ابو حنیفہ جب اس دنیا میں تشریف لائے تو آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے تشریف لے گئے ہوئے ستر سال کے قریب ہو چکے تھے اور اگرچہ اکثر صحابہ کرامؓ بھی اس دنیا سے رخت سفر باندھ چکے تھے مگر تین صحابی

① حضرت انس بن مالکؓ خادم رسول اللہ ﷺ، ② حضرت سہیل بن سعد انصاریؓ، ③ حضرت ابو طفیل عامر بن وائلؓ حیات تھے۔ حضرت امام اعظمؒ نے ان میں سے دو صحابیوں حضرت انسؓ اور حضرت ابو طفیل عامرؓ سے ملاقات کی اور ان کی صحبت کا شرف حاصل کر کے مرتبہ تابعیت سے سرفراز ہوئے جو ائمہ اربعہ میں تنہا آپ کا امتیاز ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کی۔ جب کچھ ہوشیار ہوئے تو والد نے تجارت کے مشغلہ میں لگا دیا، ابھی سولہ سال کی عمر تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا اور تمام تجارتی کاروبار سنبھالنے کی ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر آگئی۔ چونکہ طبیعت کے بہت ذہین اور محنتی تھے اس لئے بہت جلد کاروبار میں نمایاں ترقی کی، دکان کے ساتھ کپڑے کا ایک کارخانہ بھی قائم کر لیا اور زندگی بڑے آرام وترف کے ساتھ گزرنے لگی۔

بیس سال کی عمر کے بعد باضابطہ تحصیل علم کا شوق ابھرا اور جب کہ آپ کسی کام کو جا رہے تھے، راستہ میں کوفہ کے مشہور عالم اور قاضی علامہ شعبیؒ سے ملاقات ہو گئی۔ علامہ نے پوچھا: میاں صاحبزادے! تم کس سے پڑھتے ہو؟ ابو حنیفہؒ نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ میں کسی سے نہیں پڑھتا ہوں۔ علامہ شعبیؒ نے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا، مجھ کو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو، اس نصیحت نے امام ابو حنیفہؒ کے دل پر گہرا اثر کیا، گھر آئے، والدہ سے تمام ماجرا بیان کیا اور تحصیل علم کے لئے کسی مدرسہ میں جانے کی اجازت مانگی، والدہ پہلے سے ہی علم اور اہل علم کی ولہادہ تھیں۔ یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور اجازت دے دی۔ امام صاحب جو ابتداء مذہبی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کر چکے تھے، حدیث و فقہ کا علم حاصل کرنے کے لئے استاد کی تلاش میں لگ گئے۔ اور بخت و وقت نے ان کو کوفہ کے سب سے مشہور عالم اور استاد وقت حضرت حمادؒ کے حلقہ شاگردی میں داخل کر دیا۔ قابل استاد نے لائق شاگرد کے فطری جوہر پہچان کر خصوصی توجہ مبذول کی اور امام ابو حنیفہؒ نے کمال و دیہد تک حضرت حمادؒ کے درس میں شامل رہ کر فقہ کی مکمل تعلیم حاصل کی۔ اس مختصر زمانہ میں امام صاحبؒ نے اپنی غیر معمولی ذہانت و طبع کے باعث نہ صرف یہ کہ فقہ میں کمال و درک حاصل کر لیا بلکہ اپنی اجتہادی قابلیت کا مظاہرہ بھی شروع کر دیا تھا۔ آپ نے فقہ کی تعلیم کے ساتھ حدیث پڑھنے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا کیونکہ آپ خوب جانتے تھے کہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق حدیث کی تکمیل کے بغیر ناممکن ہے چنانچہ آپ کوفہ کے محدثین کی طرف متوجہ ہوئے اور علم نبوت کے اس عظیم مرکز کا کوئی محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے آپ نے زانوئے شاگردی نہ نہ کیا ہو۔ محدثین کوفہ میں خصوصیت سے امام شعبیؒ، سلمہ بن کہیلؒ، محارب بن دثارؒ، ابو اسحق سبیعیؒ، عون بن عبد اللہؒ، سہیل بن حربؒ، ابراہیم ابن محمدؒ، عدی بن ثابتؒ، اور موسیٰ بن ابی عائشہؒ کے نام بہت مشہور ہیں جن سے امام ابو حنیفہؒ نے علم حدیث حاصل کیا۔ کوفہ کے بعد آپ بصرہ تشریف لے گئے جہاں مشہور امام حدیث اور تابعی حضرت قتادہؒ اور امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت شعبہؒ کے درس میں شامل ہو کر ان کے فیض صحبت سے بہت بڑا فائدہ اٹھایا، بصرہ کے محدثین میں ان دونوں حضرات کے علاوہ آپ کے استادوں میں عبد الکریم بن امیہؒ اور عامر بن سلیمانؒ کے نام بھی پائے جاتے ہیں۔ کوفہ اور بصرہ سے فارغ ہو کر امام ابو حنیفہؒ نے حرمین کے لئے رخت سفر باندھا اس وقت آپ کی عمر ۳۴ سال کے لگ بھگ تھی۔ پہلے آپ مکہ مکرمہ پہنچے اور حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کے درس میں شریک ہوئے، مکہ مکرمہ میں حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کا حلقہ درس بہت وسیع اور مشہور تھا اور ان کی خصوصی عظمت و شہرت اس اعتبار سے تھی کہ ان کو دو سو حضرات صحابہؓ کے علاوہ مکہ مکرمہ میں اور بھی حضرات محدثین سے حدیث کی سند حاصل کی۔ جن میں حضرت عکرمہؒ کا نام بہت نمایاں ہے۔ مکہ مکرمہ سے فارغ ہو کر آپ نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا اور جناب رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں شرف حاضری سے بہرہ ور ہو کر مدینہ کے علماء و شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بالخصوص حضرت امام باقرؒ اور ان کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادقؒ کے درس و مجالس سے آپ نے زیادہ اکتساب علم و فیض کیا۔ اور حضرت سالم بن عبد اللہؒ اور حضرت سلیمانؒ سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ حدیث میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اساتذہ و شیوخ کی فہرست بہت وسیع ہے اور بعض حضرات نے چار ہزار تک تعداد بیان کی ہے۔

بعض طبقتوں میں یہ بات مشہور ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی فن حدیث میں کوئی تصنیف نہیں ہے اور یہ کہ وہ "اہل الرائے" تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث سے ان کو تعلق کم تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ شہرت بے بنیاد ہے اور دانستہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ فی الواقع امام اعظم ابو حنیفہؒ کو علم حدیث میں جو رتبہ حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس کثرت سے ان کی مسندیں لکھی گئی ہیں کسی کی نہیں لکھی گئیں، اور ان ائمہ وقت اور حفاظ حدیث نے لکھیں جو خود اس قائل تھے کہ ان کی مسندیں لکھی جائیں۔ اس خصوصیت میں اگر کوئی شخص امام ابو حنیفہؒ کا ہمسرہ ہو سکتا ہے تو صرف امام مالکؒ ہیں۔ یہ سب مسندیں کتاب الآثار کے علاوہ ہیں جو علم حدیث میں امام اعظمؒ کی مشہور اور نہایت پایہ کی تصنیف ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات سب کو تسلیم ہے کہ "مجتہد و ہی شخص ہو سکتا ہے جو قرآن، حدیث، آثار، تاریخ لغت اور قیاس ان پانچ چیزوں پر کامل عبور رکھتا ہو" ظاہر ہے کہ امام اعظمؒ کا مجتہد مطلق ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس پر امت کا اجماع ہے۔ ایسی صورت میں ان پر قلت حدیث کا طعن ناواری کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

حافظ ذہبیؒ نے امام اعظمؒ کے رفیق درس مسعر بن کرام کا قول نقل کیا ہے کہ "میں نے اور امام ابو حنیفہؒ نے ساتھ ساتھ علم حدیث حاصل کیا، وہ ہم پر غالب رہے اور زہد میں بھی وہ ہم پر فائق رہے" امام جرح و تعدیل حضرت یحییٰ بن سعید قطانؒ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم! امام ابو حنیفہؒ اس امت میں اس علم کے سب سے بڑے عالم ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول سے وارد ہوا ہے۔ "سکّی بن ابراہیم" نے امام ابو حنیفہؒ کو اعلیٰ زمانہ بتایا ہے "ابوالحسن شافعی" نے اپنی کتاب کے ایک باب میں امام صاحبؒ کی روایت حدیث کی کثرت اور ان کا اعیان حفاظ حدیث میں ہونا بیان کیا ہے۔ یہ چند ائمہ حدیث کے اقوال ہیں جن سے حدیث میں حضرت امام اعظمؒ کی بلند پایہ حیثیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت امام صاحبؒ ۱۲۳ھ میں بغداد تشریف لائے اور تیسرے عباسی خلیفہ منصور نے آپ کی خدمت میں عہدہ قضا پیش کیا۔ ابتدا میں آپ نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر منصور کی طرف سے زیادہ جبر کیے جانے پر آپ نے اس جلیل القدر عہدہ کو قبول کر لیا اور پھر پہلے ہی دن دارالقضاء سے اٹھ کر سیدھے منصور کے پاس آئے اور اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہوگا۔ منصور کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی اور اس نے اسی وقت آپ کو قید خانہ بھجوا دیا۔ مسلسل چار سال آپ قید خانہ میں رہے۔ اور اس قید کے دوران منصور نے رجب ۱۵۰ھ میں آپ کو زہر دلوا دیا۔ جب آپ نے زہر کا اثر محسوس کر لیا تو فوراً سجدہ میں گر گئے، اور اسی حالت میں انتقال فرما گئے۔

تاریخ اشغال ۱۵ رجب ۱۵۰ھ ہے۔ مزار مبارک آج بھی بغداد میں مرجع خلافت ہے۔



اصطلاحات حدیث اور ان کی تعریفات

حدیث کی تعریف

سب سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ حدیث کی تعریف کیا ہے یعنی علماء کے نزدیک ”حدیث“ کسے کہتے ہیں؟ علماء و محدثین کی اصطلاح میں نبی کریم ﷺ کے قول، فعل، سیرت احوال اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔
 قول و فعل کے معنی ظاہر ہیں یعنی نبی کریم ﷺ کے ارشادات مبارکہ اور آپ کے افعال مقدسہ۔
 سیرت یعنی نبی کریم ﷺ کے خصائل اور عادتیں یا آپ کی شکل و صورت کی تفصیل۔
 احوال یعنی آنحضور ﷺ کی زندگی کے حالات و واقعات۔

تقریر اسے کہتے ہیں کہ کسی صحابی نے آنحضرت ﷺ کے سامنے گوئی کام کیا کوئی بات کہی تو نبی کریم ﷺ نے اس پر سکوت فرمایا یعنی آپ ﷺ نے نہ تو صحابی کے اس قول و فعل کی تردید فرمائی اور نہ اس کی توثیق فرمائی، اصطلاح محدثین میں اس کو ”تقریر“ کہا جاتا ہے۔ ان تمام چیزوں کے مجموعہ کو ”حدیث“ کہا جاتا ہے اور حدیث کی تمام کتابوں میں انہیں چیزوں پر مشتمل روایتیں ہوتی ہیں بعض علماء و محدثین کے نزدیک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے قول و فعل اور تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں۔

صحابی: اس خوش نصیب انسان کو صحابی کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں نبی کریم ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہو اور ایمان ہی کی حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو۔

تابعی: اس خوش قسمت شخص کو تابعی کہتے ہیں جس کو بحالت ایمان کسی صحابی سے شرف ملاقات حاصل ہوا ہو اور ایمان ہی پر خاتمہ ہوا ہو۔

تابع تابعی: ان حضرات کو کہتے ہیں جنہوں نے بحالت ایمان کسی تابعی سے ملاقات کی ہو اور ایمان ہی پر فوت ہوئے ہوں۔
 حدیث باعتبار الفاظ کے دو چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ سند یا اسناد اور متن۔

سند یا اسناد: متن حدیث کے سلسلہ روایات یعنی نبی کریم ﷺ سے لے کر صاحب کتاب تک حدیث کو روایت کرنے والوں کے سلسلہ کو سند یا اسناد کہتے ہیں۔

متن: حدیث کے ان الفاظ کو متن کہتے ہیں جو نبی کریم ﷺ سے اب تک بحسنہ نقل ہوتے چلے آئے ہیں مثلاً:

حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعيب قال حدثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال والذي نفسي بيده لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من والده وولده۔

اس حدیث میں ”حدثنا“ سے ”ابی ہریرہ“ تک اسناد ہے اور اس کے بعد سے آخر تک کے حصہ کو متن کہیں گے۔
 لحاظ اسناد حدیث کی تین قسمیں ہیں۔ مرفوع، موقوف، مقطوع۔

مرفوع: جس حدیث کی روایت کا سلسلہ نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے اسے حدیث مرفوع کہتے ہیں جیسے کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، نبی کریم ﷺ نے یہ کام کیا، نبی کریم ﷺ نے اس قول و فعل پر تقریر فرمائی۔ یعنی سکوت فرمایا۔ یہ کہا جائے ”کہ یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً ثابت ہے، یا حضرت ابن عباسؓ نے اس حدیث کو رفع کیا“ تو اس حدیث کو جس کی سند نبی کریم ﷺ پر جا کر

موقوف ہو، حدیث مرفوع کہا جائے گا۔

موقوف: جس حدیث کی روایت کا سلسلہ صحابی پر پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اسے حدیث موقوف کہتے ہیں مثلاً اس طرح کہیں کہ ”ابن عباسؓ نے فرمایا، ابن عباسؓ نے اس طرح کیا۔“ یا ایسے ہی کہا جائے کہ ”یہ حدیث ابن عباسؓ پر موقوف ہے۔“

مقطوع: اسی طرح جس حدیث کی سند تابعی تک پہنچ کر ختم ہو جائے اسے حدیث مقطوع کہتے ہیں، بعض حضرات کے نزدیک ”موقوف اور مقطوع“ کو اثر بھی کہتے ہیں یعنی اس طرح ”حدیث“ کا اطلاق تو صرف نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریر پر ہوگا اور صحابی و تابعی کے اقوال، افعال اور تقریر کو ”اثر“ کہا جائے گا۔

روایات کے اعتبار سے حدیث کی پانچ قسمیں ہیں: ① متصل، ② منقطع، ③ معضل، ④ معلق، ⑤ مرسل۔

حدیث متصل: اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کے راوی شروع سے آخر تک پورے ہوں اور درمیان میں سے کوئی راوی چھوٹ نہ گیا ہو۔

حدیث منقطع: اس حدیث کو کہیں گے جس کی اسناد سے ایک یا متعدد راوی متفرق مقام سے ساقط ہو گئے ہوں۔

حدیث معضل: اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی اسناد سے دو یا دو سے زائد راوی ایک ہی مقام سے تصرف یا بلا تصرف مصنف ساقط ہوں۔

حدیث معلق: وہ حدیث ہے جس کی اوائل سند سے تصرف مصنف ایک یا متعدد راوی ساقط ہوں۔

حدیث مرسل: اس حدیث کو کہیں گے جس کی اخیر سند سے تابعی کے بعد کوئی راوی ساقط ہو جیسے کوئی تابعی حدیث روایت کرتے ہوئے کہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔

مرتبہ اور درجہ کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں:

① صحیح، جو اعلیٰ مرتبہ کی حدیث ہوتی ہے۔

② حسن، جو اوسط مرتبہ کی ہوتی ہے۔

③ ضعیف، جو ادنیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔

حدیث صحیح: وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی مصنف کتاب سے لے کر آنحضرت ﷺ تک سب کے سب صاحب عدالت اور صاحب ضبط ہوں، نیز حدیث کی روایت کے وقت مسلمان عاقل بالغ ہوں۔

”صاحب عدالت“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ صاحب تقویٰ و تقدر ہو، جھوٹ نہ بولتا ہو، گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو اور اگر بغضائے بشریت کبھی گناہ کبیرہ صادر ہو گیا ہو تو اس سے توبہ کر لی ہو، گناہ صغیرہ سے حتی الامکان اجتناب کرتا ہو اور ان پر دوام نہ کرتا ہو، اسباب فسق و فجور سے پرہیز کرتا ہو، صاحب مروءت ہو یعنی ایسے کام نہ کرتا ہو جو اسلامی معاشرہ میں معیوب سمجھے جاتے ہوں۔ مثلاً بازار میں سنگے سر گھومتا، سر راہ سب کے سامنے بیٹھ کر پیشاب کرتا، راستہ چلتے ہوئے پیار مرزا رکھنے ہو کر کھانا پینا وغیرہ۔

”صاحب ضبط“ کے معنی یہ ہیں کہ وہ نہایت ہوشیار و سمجدار ہو، قوی حافظہ رکھتا ہو تاکہ حدیث کے الفاظ بحسن یاد رکھ سکے۔ اور روایت حدیث کے وقت کسی قسم کی بھول چوک اور شک و شبہ کی گنجائش نہ رہ سکے۔

مصنف کتاب سے لے کر آنحضرت ﷺ تک جتنے راوی ہیں اگر ان صفات و خصوصیات کے معیار پر پورے اترتے ہوں تو ان کی روایت کردہ حدیث ”صحیح“ کہلائے گی۔

اب اگر یہ تمام صفات راوی میں پوری پوری پائی جائیں گی تو اس کی روایت کردہ حدیث کو ”صحیح لذاتہ“ کہیں گے لیکن راوی میں اگر ان صفات میں سے کسی شق سے کوئی کمی یا قصور ہو اور وہ کمی اور قصور کثرت طرق سے پوری ہو جاتی ہو تو اس کی روایت کردہ حدیث کو ”صحیح

لغیرہ کہیں گے۔

حدیث حسن: مصنف کتاب سے لے کر آنحضرت ﷺ تک راویوں میں سے کسی ایک راوی میں ان مذکورہ بالا صفات میں سے کوئی کی یا قصور ہو اور وہ کثرت طرق سے پوری بھی نہ ہوتی ہو تو اس کی روایت کردہ حدیث کو ”حدیث حسن“ کہا جاتا ہے۔

حدیث ضعیف: حدیث صحیح اور حدیث حسن کی مذکورہ بالا شرائط میں سے ایک یا زیادہ شرائط اگر راوی میں مفقود ہوں مثلاً حدیث کا راوی صاحب عدالت نہیں ہے یا صاحب ضبط نہیں ہے تو اس کی روایت کردہ حدیث ”ضعیف“ کہلائے گی۔
بایں حیثیت کہ ہم تک پہنچی، حدیث کی چار قسمیں ہیں۔ متواتر، مشہور، عزیز، غریب۔

متواتر: وہ حدیث ہے جس کا ابتداء سے انتہا تک یکساں بلا تفتین عدد اسمائید شیعہ سے اتنے راویوں نے روایت کیا ہو کہ جن کا جھوٹ پر متفق ہونا یا ان سے اتفاقہ بھی جھوٹ کا صادر ہونا عقلاً محال ہو۔

مشہور: وہ حدیث غیر متواتر جس کے راوی ہر طبقہ میں کم از کم تین یا تین سے زیادہ ہوں، بعض محدثین کے نزدیک ”مشہور“ کو مستفیض بھی کہتے ہیں۔

عزیز: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں کم از کم دو ضرور ہوں۔

غریب: وہ حدیث ہے جس کی اسناد میں کسی جگہ صرف ایک ہی راوی ہو جس کا کوئی شریک نہ ہو، غریب کو ”فرد“ بھی کہتے ہیں۔
باعتبار اختلاف کے حدیث کی چار قسمیں ہیں، شاذ، محفوظ، منکر، معروف۔

شاذ: وہ حدیث ہے جس کا راوی تو ثقہ ہو مگر وہ کسی ایسے ثقہ راوی کی حدیث کے خلاف ہو جو ضبط و غیرہ وجوہ ترجیح میں بڑھا ہوا ہو۔
محفوظ: وہ حدیث ہے جس کا راوی اوثق ہو مگر وہ ایسے راوی کی حدیث کے خلاف ہو جو ضبط و غیرہ وجوہ ترجیح میں اس سے کم تر ہو۔
منکر: وہ حدیث ہے جس کا راوی ضعیف ہو اور وہ ایسے راوی کی حدیث کے خلاف ہو جو قوی راوی ہے۔

معروف: وہ حدیث ہے جس کا راوی قوی ہو اور وہ ایسے راوی کی حدیث کے خلاف ہو جو ضعیف ہے۔

اصطلاحات حدیث کا یہ اجمالی تعارف ہے، یوں تو حدیث کی اصطلاحات بہت زیادہ ہیں جو حدیث کی مختلف تقسیم پر مبنی ہیں لیکن ان سب کا یہاں ذکر کرنا طوالت کا باعث ہو گا اور دوسرے یہ کہ صرف ان ہی اصطلاحات پر اکتفا کر لیا جائے تو اس کتاب کے سمجھنے اور حدیث کی حقیقت کو جاننے کے لئے کافی ہو گا نیز دوسری تمام اصطلاحات کا سمجھنا بھی عوام کے لئے بہت مشکل ہو گا اس لئے یہاں ان ہی اصطلاحات کی تعریف پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

صحاح ستہ: فن حدیث کی وہ چھ کتابیں جو باعتبار نقل حدیث کے اعلیٰ درجہ کی ہیں اور جن کی نقل کردہ احادیث محدثین کی تحقیق اور نقد و نظر کی کسوٹی پر سب سے اعلیٰ اور صحیح مرتبہ کی ثابت ہوئی ہیں ”صحاح ستہ“ کہلائی ہیں، بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف اور ابن ماجہ شریف صحاح ستہ میں شامل ہیں۔

بعض حضرات بجائے ابن ماجہ شریف کے موطا امام مالک ”کو صحاح ستہ میں شمار کرتے ہیں، بخاری اور مسلم کے علاوہ صحاح ستہ کی دیگر کتب میں صحیح حسن، ضعیف تینوں درجے کی احادیث ہیں جن کی تشریح و توضیح ہر ایک صاحب کتاب نے اپنی اپنی جگہ کر دی ہے۔

دیباچہ مشکوٰۃ شریف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ

”تمام تعریفیں اللہ ہی کو زیبا ہیں، ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد کے طالب اور بخشش کے خواستگار ہیں۔“

تشریح: خداوند قدوس کی تعریف اور اس کی توصیف جیسی کہ اس کی شان کے مناسب اور لائق ہے کسی بندہ سے ادا نہیں ہو سکتی اسی لئے مصنف خداوند تعالیٰ سے مدد کا طالب ہے کہ اس کی زبان و بیان کو اتنی طاقت و قوت ملے جس سے وہ اپنے پروردگار کی حقیقی تعریف و توصیف کر سکے۔ نیز اگر بقاضائے بشریت اس کی تعریف و توصیف میں کچھ کوتاہی و لغزش ہو جائے جو شان الوہیت کے منافی ہو تو اس سے مصنف بخشش اور معافی کا خواستگار ہے۔

وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرٍ اَنْفُسِنَا وَمِنْ مَّيِّنَاتٍ اَعْمَالِنَا

”اور ہم اپنے نفس کی برائیوں اور اپنی بد اعمالیوں سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔“

تشریح: یعنی یہ کہ ہماری یہ حمد و تعریف جو محض خالصہ اللہ اور حصول سعادت کے لئے ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں نفس کی شرارت سے ریا کا دخل ہو جائے۔ اسی طرح وہ برے اعمال جو بقاضائے بشریت صادر ہوتے رہتے ہیں، جیسے کلام باطل، برسی باتیں، اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت، طاعات و عبادات میں سستی، حرام و مکروہ افعال کا صدور، تو ان تمام چیزوں سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلِّهٖ فَلَا هَادِيَ لَهُ

”جس کو اللہ نے سیدھا راستہ دکھا دیا اس کو کوئی بھٹکانے والا نہیں ہے۔ اور جس کو اللہ نے بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا اس کو سیدھا راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے۔“

وَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ شَهِادَةٌ تَكُوْنُ لِلنَّجَاةِ وَ سَبِيْلَةً وَ لِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ كَفِيْلَةً وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ الَّذِي بَعَثَهُ وَ ظَلَمْنَا الْاِيْمَانِ قَدْ عَلِمْتَ اَنْ اَرْاَهَا وَ حَبَبْتَ اَنْ اَوْاْزَهَا وَ هُنْتُ اَرْكَانَهَا وَ جُهِلْتُ مَكَانَهَا

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ گواہی جو نجات کے لئے وسیلہ اور بلند کی درجات کی ضامن ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنا رسول بنا کر بھیجا جب ایمان کی راہوں کے نشان مٹ چکے تھے، اس کی روشنیاں بجھ چکی تھیں، اس کے آثار بھٹکے پڑ گئے تھے اور اس کی بتائی ہوئی منزل نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔“

تشریح: ”ایمان کے راستہ سے مراد انبیاء کرام اور ان کے قبیعین و پیروکار یعنی علماء و صلحاء ہیں۔ اس کی روشنیاں بجھ جانے“ اور ”اس کے آثار بھٹکے پڑ جانے“ سے مراد یہ ہے کہ ایمان و دین کی روشنی پھیلانے والی وہ تمام تعلیمات و ہدایات جو انبیاء کرام اس دنیا میں لے کر آئے تھے، فراموش کر دی گئی تھیں، ان سچی تعلیمات و ہدایات کے حامل علماء و صلحاء کا وجود ناپید سا ہو گیا تھا، جو کوئی گنا چننا عالم و نیک انسان کہیں پایا جاتا تو سماج و معاشرہ میں اس کو اہمیت نہیں دی جاتی تھی، وہ لوگوں کو نیکی و بھلائی کی جو تعلیمیں کرتا اور اچھے کام اور اچھی باتوں کی جو تعلیم دیتا اس کو کوئی سننے تک کار و ادرار نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح دین و ایمان سے تفرگنا و معصیت کی کثرت اور ظلم و جہالت کا اندھیرا

پوری کائنات انسانی پر اس طرح پھیل گیا تھا کہ دنیاوی فلاح و سعادت اور اخروی نجات و سرفرازی کی وہ منزل ہی عام نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گئی تھی جو تخلیق بنی نوع انسان کا مقصد اور دین و ایمان کا مہتمم ہے۔

فَشَيْدَ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ مِنْ مَعَالِمِهَا مَا عَفَا وَشَفَى مِنَ الْعَلِيلِ فِي تَأْيِيدِ كَلِمَةِ التَّوْحِيدِ مَنْ كَانَ عَلَى شَفَا۔

”پس نبی کریم ﷺ نے ان مٹے ہوئے نشانوں کو از سر نو نمایاں کیا اور کلمہ توحید سے اس بیمار کو شفاء پہنچائی جو ہلاکت کے کنارے پہنچ چکا تھا۔“

تشریح: یعنی پوری انسانیت کفر و شرک کی معصیت اور بد اعمالیوں کے گناہ میں مبتلا ہو کر روحانی طور پر بیمار ہو چکی تھی اور قریب تھی کہ ہلاکت کی کھائی ”دوزخ“ میں چلی جائے کہ نبی کریم ﷺ نے ایمان و توحید کی تعلیم کے ذریعہ اس کو مکمل تباہی سے بچالیا اور فلاح و نجات کے راستہ پر لگادیا۔

وَأَوْضَحَ سَبِيلَ الْهُدَايَةِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْلُكَهَا وَأَظْهَرَ كُنُوزَ السَّعَادَةِ لِمَنْ قَصَدَ أَنْ يَمْلِكَهَا۔

”اور اس شخص کے لئے ہدایت کے راستہ کو روشن کیا جو اس پر چلنے کا ارادہ کرے اور اس شخص کے واسطے نیک بختی کے خزانے ظاہر کرے جو اس کے مالک ہونے کا قصد کرے۔“

تشریح: ”نیک بختی کے خزانے“ سے مراد ایمان نیک اعمال، عبادات اور معارف ہیں جو آخرت کے لئے جمع کرنا مایہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ جو کوئی اس خزانہ کو حاصل کر لیتا ہے وہ اس کی دولت سے سرفراز ہو جاتا ہے اور اس کے بدلے میں آخرت کی ابدی سعادت یعنی رضائے مولیٰ اور جنت کا حقدار ہوتا ہے۔

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ التَّمَشُّكَ بِهَذِهِ لَا يَسْتَتِبُ إِلَّا بِإِلَافٍ قِيفَاءٍ لِمَا صَدَرَ مِنْ مَشْكُوتِهِ وَالْإِعْتِصَامَ بِحَبْلِ اللَّهِ لَا يَتِمُّ إِلَّا بِبَيَانِ كَشْفِهِ۔

بعد ازاں جانا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے اسوہ کو اختیار کرنا اسی وقت معتبر ہو سکتا ہے کہ اس چیز کا کامل اتباع کیا جائے جو آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے ظاہر ہوئی تھی یعنی آپ ﷺ کے ارشادات و احکام، اسی طرح خدا کی رسی یعنی قرآن کریم پر اعتماد اور اس پر عمل جب ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ اس کی تشریح و توضیح احادیث نبوی سے ہو۔

تشریح: نبی کریم ﷺ کی سنت اور آپ کے راستہ پر لگنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ آپ ﷺ کے احکام و ہدایات کی پیروی نہ کی جائے اور آپ ﷺ کی احادیث پر پوری طرح عمل نہ ہو اس لئے کہ جب آپ ﷺ کے احکام کی پیروی نہ ہوگی، آپ ﷺ کے ارشادات پر عمل نہ ہوگا، آپ ﷺ کے نقش قدم کو اختیار نہیں کیا جائے گا تو آپ ﷺ کے راستہ پر چلنا کیسے نصیب ہوگا اور جو شخص آپ ﷺ کے راستہ پر چل ہی نہیں پائے گا اس کو سنت نبوی ﷺ اور اسوہ رسول ﷺ کے اتباع کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا اسی طرح قرآن کریم کی تعلیمات اور اس کے احکام و فرمان پر عمل اور ان کا بھنا جب ہی ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے احکام و فرمان کی جو تشریح و توضیح اپنے اقوال و افعال اور کردار سے فرمائی ہے پہلے اس کو سمجھا اور جانا جائے۔ چونکہ قرآن کریم میں احکامات اجمالی اور اصولی طریقہ پر بیان کیے گئے ہیں اور اس اجمال کی تفصیل اور اصول کی تشریح یا مرادات خداوندی کا بیان نبی کریم ﷺ ہی کر سکتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ پہلے حدیث کا علم حاصل کیا جائے اور پھر اس کے ذریعہ قرآن کی تعلیمات سے استفادہ اور ان پر عمل کیا جائے۔

وَكَانَ كِتَابُ الْمَصَابِيحِ الَّذِي صَنَّفَهُ الْإِمَامُ مُنْخِي الشُّعْبَةِ قَامِعُ الْبِدْعَةِ أَبُو مُحَمَّدٍ الْحُسَيْنِ ابْنُ مَسْعُودٍ الْقُرَءَةُ الْبُغْوِيُّ رَفَعَ اللَّهُ دَرَجَتَهُ أَجْمَعَ كِتَابَ صُنَّفَ فِي بَابِهِ وَأَصْبَحَ لِشَوَارِدِ الْأَحَادِيثِ وَأَوَابِدِهَا۔

”امام محی السنۃ (سنت کو زندہ کرنے والے) جامع البدعہ (بدعت کو دور کرنے والے) ابو محمد حسین الفراء بغوی (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے) نے جو کتاب (مصاحح تالیف فرمائی تھی وہ اپنے فن کی ایک جامع کتاب تھی جس میں امام موصوف نے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ منتشر اور متفرق احادیث کو جمع فرمایا تھا۔“

تشریح: شوار و شار و کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں بھاگنے والا اونٹ۔ ایسے ہی اوابد کے معنی وحشی جانور کے ہیں یہاں ان الفاظ کو بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ شوار سے مراد وہ احادیث ہیں جو اصول کی کتابوں میں نقل تھیں۔ چونکہ ان کتابوں تک ہر ایک طالب علم حدیث کی رسائی مشکل ہوتی تھی اس لئے کسی حدیث کے بارہ میں یہ معلوم کرنا کہ کس کتاب میں اور کس جگہ نقل ہے، بڑا شوار تھا۔ گویا وہ احادیث طالب حدیث کی نظر سے بھاگی ہوئی یعنی پوشیدہ تھیں، اس لئے انکو ”شوار“ کے لفظ سے تعبیر کیا ایسے ہی ”اوابد“ سے مراد وہ احادیث ہیں جن کے معنی و مقصود طالب حدیث کے فہم سے بہت بالا تھے اور جن کا سمجھنا طالب علم کے لئے مشکل تھا، اس لئے ان احادیث کو ”اوابد“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

یہ مشکلات طالب حدیث کے لئے بہت دقت طلب اور پریشان کن تھیں اور ان کی وجہ سے حدیث کو حاصل کر لینا ہر شخص کے بس کی بات نہیں تھی اس لئے امام محی السنۃ نے ان متفرق احادیث کو جمع کیا اور اپنی کتاب مصاحح میں جس باب کے مناسب جو حدیث تھی وہاں نقل کر دیا، تاکہ ایک طالب علم حدیث کو کسی حدیث کی تلاش میں اصول کی بڑی بڑی کتابوں میں سرگرداں نہ ہونا پڑے اور ان کے معنی و مطالب سمجھنے میں اس کو آسانی ہو جائے۔

وَلَمَّا سَلَكَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ طَرِيقَ الْإِخْتِصَارِ وَحَذَفَ الْأَسَانِيدَ تَكَلَّمَ فِيهِ بَعْضُ الثَّقَاتِ۔

”اور جب مصنف نے (نقل حدیث کے وقت) اختصار کے طریقہ کو اختیار کیا اور اسناد کو حذف کر دیا تو اس پر بعض محدثین و ناقدین نے اعتراض کیا۔“

تشریح: اسناد سے مراد یہ ہے کہ جب حدیث بیان کی جاتی ہے یا نقل کی جاتی ہے تو حدیث سے پہلے اس صحابی کا نام ذکر کیا جاتا ہے جس نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، اسی طرح صحابی سے لے کر مصنف کتاب تک جتنے روایت کرنے والے ہوتے ہیں ان کے سلسلہ کو بھی سند و اسناد کہا جاتا ہے چونکہ مصنف مصاحح نے اپنی تالیف میں حدیث جمع کر کے وقت اختصار سے کام لیا تھا اور صرف نقل حدیث پر اکتفا کرتے ہوئے سند کے ذکر کو ترک کر دیا تھا اس لئے محدثین کی جانب سے اعتراض ہوا، کیونکہ کسی حدیث کی حیثیت کو جاننے اور پہنچانے کا مدار صرف سند پر ہوتا ہے جب تک یہ سند نہ دیکھ لی جائے کہ یہ حدیث کس راوی نے روایت کی ہے اس وقت تک حدیث کے بارہ میں یہ حکم لگانا کہ یہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف بہت مشکل ہے۔

وَأِنْ كَانَ نَقْلُهُ وَإِنَّهُ مِنَ الثَّقَاتِ كَمَا لَأَسْنَدٌ لَكِنْ لَيْسَ مَافِيهِ إِعْلَامٌ كَمَا لَأَعْقَالٌ فَاسْتَحْزَنَ اللَّهُ تَعَالَى وَاسْتَوْفَقَتْ مِنْهُ فَأَوْدَعَتْ كُلَّ حَدِيثٍ مِنْهُ فِي مَقَرِّهِ فَأَغْلَمَتْ مَا أَغْلَمَهُ كَمَا زَوَاهُ الْأَنْبِيَاءُ السُّنَنُونَ وَالثَّقَاتُ الرَّاسِخُونَ مِثْلَ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِيِّ وَأَبِي الْحُسَيْنِ مُسْلِمِ بْنِ الْحَجَّاجِ الْقُشَيْرِيِّ وَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ الْأَمَلِيِّ وَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدِ بْنِ إِدْرِيسَ الشَّافِعِيِّ وَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ الشَّيْبَانِيَّ وَأَبِي عِيْسَى مُحَمَّدَ بْنَ عِيْسَى التِّرْمِذِيَّ وَأَبِي دَاوُدَ سُلَيْمَانَ بْنَ الْأَشْعَثِ السَّجِسْتَانِيَّ وَأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَحْمَدَ بْنَ شُعَيْبٍ النَّسَائِيَّ وَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدَ بْنَ يَزِيدَ ابْنَ مَاجَةَ الْقُرُونِيَّ وَأَبِي مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيَّ وَأَبِي الْحَسَنِ عَلِيَّ بْنَ غُسْنِ الدَّارِ قُطَيْبِيَّ وَأَبِي بَكْرٍ أَحْمَدَ بْنَ الْحُسَيْنِ الْبَيْهَقِيَّ وَأَبِي الْحَسَنِ رَزِينَ بْنَ مُعَاوِيَةَ الْعَبْدَرِيَّ وَغَيْرِهِمْ وَقَلِيلٌ مِمَّنْ۔

”اگرچہ مصنف کا حدیث کو بغیر سند کے نقل کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سند کے ساتھ نقل کیا ہو، کیونکہ وہ نقل حدیث کے معاملہ میں ثقہ اور محمد محدثین میں شمار کیے جاتے ہیں لیکن پھر بھی جو چیز بے نشان ہو وہ نشان والی چیز کے درجہ میں نہیں ہو سکتی۔ اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی اور اس کی توفیق کا طلب گار ہوا۔ میں نے ہر حدیث کو جس باب سے اس کا تعلق تھا اسی باب میں نقل کیا اور علماء و محدثین نے بس طرح اس کو روایت کیا اسی طرح میں نے بھی مع سند اور حوالہ کتاب کے اس کو ذکر کیا، مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام دارمی، امام دارقطنی، امام بیہقی، امام رزین بن معاویہ عبدری۔ ان ائمہ اور محدثین نے جس طرح اپنی کتابوں میں حدیث کو نقل کیا ہے اسی طرح میں نے ان کی کتابوں سے حدیث کو لئے کر اس کتاب میں جمع کر دیا۔ ان ائمہ اور محدثین کے علاوہ کچھ دوسرے محدثین بھی ہیں جن کی کتابوں سے احادیث نقل کی گئی ہیں مگر ان کی تعداد بہت کم ہے۔“

تشریح: جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ صاحب مصابح نے جب اپنی کتاب میں حدیث کو جمع کرتے وقت ان کی سند اور حوالہ کتاب کے ذکر کو چھوڑ دیا تو اس پر محض محدثین اور ناقدین نے اعتراض کیا اس لئے صاحب مشکوٰۃ نے جب مصابح میں دیگر حدیثوں کا اضافہ کیا تو انہوں نے ساتھ ہی یہ التزام بھی رکھا کہ ہر حدیث کی سند ضرور لکھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کتاب کا حوالہ بھی دیا جس سے حدیث لی گئی تھی اور طریق وی اختیار کیا جو ان کتابوں کے مصنفین مثلاً امام بخاری، امام مسلم وغیرہ نے اختیار کیا تھا، اس طرح نئی ترغیب و تدوین کے ساتھ یہ کتاب معرض وجود میں آئی جو مشکوٰۃ کی موجودہ شکل میں موجود ہے۔

وَإِنِّي إِذَا تَسَنَّيْتُ الْحَدِيثَ إِلَيْهِمْ كَأَنِّي أَسْنَدْتُ إِلَى السَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَهْمُ قَدْ فَرَّغُوا مِنْهُ وَاعْتَوْنَا عَنْهُ

”اور حقیقت یہ ہے کہ جب میں نے نسبت کر دی ان احادیث کی ان ائمہ و محدثین کی طرف تو گویا اس کی سند پہنچادی نبی کریم ﷺ تک، کیونکہ ان ائمہ نے (اپنی کتابوں میں) سند ذکر کر کے ہم کو اس سے مستفی کر دیا ہے۔“

تشریح: یہاں شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ محدثین و ناقدین نے صاحب مصابح پر اعتراض ہی یہ کیا تھا کہ انہوں نے نقل حدیث کے وقت تمام سند کے ذکر کا التزام نہیں کیا۔ تو اب بھی وہ بات باقی رہ گئی کیونکہ صاحب مشکوٰۃ نے بھی صرف صحابی اور کتاب کے حوالہ کے ذکر کو کافی جانا تمام سند نہیں ذکر کی، اسی کا جواب مصنف نے دیا ہے کہ جن ائمہ و محدثین سے یہ احادیث لی گئی ہیں انہوں نے خود ہی سند کے سلسلہ میں تلاش و جستجو اور نقد و نظر کے بعد اس مرحلہ کو طے کر لیا تھا اور ان حضرات نے اپنی کتابوں میں چونکہ اسناد ذکر کر دی ہیں اس لئے ان کی ذکر کردہ سند کو کافی سمجھتے ہوئے اب ہمیں تمام اسناد ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

وَسَوَدْتُ الْكُتُبَ وَالْأَبْوَابَ كَمَا سَوَدَهَا وَافْتَقَيْتُ أَثَرَهُ فِيهَا

”اور میں نے اس کتاب کی ترتیب وہی رکھی جو صاحب مصابح نے رکھی تھی اور اس سلسلہ میں ان ہی کے نقش قدم کی پیروی کی ہے۔“

تشریح: عام طریقہ یہ ہے کہ جس کتاب میں مختلف موضوعات و مباحث سے متعلق مضامین ہوتے ہیں ان کو ان موضوعات و مباحث کے اعتبار سے کتاب و ابواب میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ لفظ ”کتاب“ کے ذریعہ جو عنوان قائم کیا جاتا ہے، اس کے تحت وہ مختلف ابواب ہوتے ہیں جو اگرچہ ایک ہی موضوع سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے مضامین و مباحث کی نوعیت و تفصیل الگ الگ ہوتی ہے۔ مثلاً ”طہارت“ ایک موضوع ہے اور اس موضوع سے متعلق مختلف النوع صورتیں اور ان کے احکام و مسائل ہیں جیسے وضو، غسل، تیمم وغیرہ، تو سب سے پہلے ”کتاب الطہارۃ“ کا عنوان قائم ہوتا ہے اور پھر اس کے تحت ان مختلف النوع صورتوں اور ان کے احکام و مسائل پر مشتمل مضامین کو نقل کرنے کے لئے ابواب قائم کیے جاتے ہیں جیسے ”باب الوضو“، ”باب الغسل“ اور باب التیمم وغیرہ۔

لہذا صاحب مصابح نے اپنی تصنیف میں جس ترتیب کے ساتھ کتاب اور ابواب کے عنوان قائم کیے تھے اسی ترتیب سے صاحب

مشکوٰۃ نے بھی کتاب اور ابواب کے عنوان قائم کیے ہیں۔

وَقَسَمْتُ كُلَّ بَابٍ غَالِيًا عَلَى فُضُولِ ثَلَاثَةِ أَوْ لَهَا مَآ أَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ أَوْ أَحَدُهُمَا وَاکْتَفَيْتُ بِهِمَا وَإِنْ اشْتَرَكَ فِيهِ الْغَيْرُ لَعَلَّوْا دَرَجَتَهُمَا فِي الزَّوَايَا۔

”اور میں نے ہر باب کو تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی فصل میں ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جن کو شیخین یعنی بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے یا ان دونوں میں سے کسی ایک نے روایت کیا ہے اگرچہ ان حدیثوں میں بعض ایسی بھی ہیں جن کو دوسرے محدثوں نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس فصل میں میں نے صرف شیخین کے ذکر پر اکتفا کیا ہے کیونکہ شیخین کا درجہ تمام محدثین سے بلند ہے۔“

تشریح: مشکوٰۃ میں ”محقق علیہ“ کی اصطلاح اس حدیث کے لئے ہے جو ایک ہی صحابی سے بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے۔ اگر صحابی کا اختلاف ہو یعنی بخاری میں تو ایک صحابی سے منقول ہے اور مسلم میں دوسرے صحابی سے تو اس روایت کو متفق علیہ نہیں کہیں گے، اگرچہ حدیث ایک ہی ہو۔

وَالثَّانِيهَا مَا أُورِدَهُ غَيْرُهُمَا مِنَ الْأَيْمَةِ الْمَذْكُورِينَ وَالثَّلَاثُهُمَا اشْتَمَلَتْ عَلَى مَعْنَى الْبَابِ مِنْ مُلْحَقَاتٍ مُنَاسِبَةٍ مَعَ مُحَافَظَةِ عَلَى الشَّرِيطَةِ وَإِنْ كَانَ مَا أُورِدَ عَنْ السَّلَفِ وَالْخَلْفِ۔

اور دوسری فصل میں وہ احادیث نقل کی ہیں جن کو شیخین یعنی بخاری و مسلم کے علاوہ دوسرے مذکورہ ائمہ میں سے کسی اور نے روایت کیا ہے اور تیسری فصل میں احادیث کے علاوہ صحابہ و تابعین کے ان اقوال و آثار کو بھی جمع کیا گیا ہے جو باب کے مناسب اور لائق تھے لیکن آثار و خبر کو شامل کرتے ہوئے شرائط حدیث کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

تشریح: مصباح میں دو ہی فصلیں تھیں لیکن تیسری فصل صاحب مشکوٰۃ نے بڑھائی ہے۔ صاحب مصباح نے احادیث جمع کرتے وقت یہ ترتیب اختیار کی تھی کہ پہلی فصل میں انہوں نے صحاح کی احادیث جمع کی تھیں۔ اور ”صحاح“ ان کے نزدیک وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں مذکور ہو۔ دوسری فصل میں انہوں نے حسان احادیث نقل کی ہیں، ان کی اصطلاح میں ”حسان“ وہ احادیث ہیں جن کو بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر مستند اور معتبر اور ثقہ ائمہ نے روایت کیا ہو جیسے ترمذی، ابو داؤد اور نسائی وغیرہ۔ احادیث کی یہ اصطلاح صرف صاحب مصباح کے یہاں ہیں۔ دیگر محدثین اور علماء کے یہاں یہ اصطلاح نہیں پائی جاتی۔

تیسری فصل صاحب مشکوٰۃ نے بڑھائی ہے اس فصل میں صاحب مشکوٰۃ نے اس کا التزام نہیں کیا ہے کہ حدیث مرفوعہ حضرت ﷺ ہی نقل کی جائیں، بلکہ صحابہ و تابعین کے ایسے اقوال و افعال اور تقریر بھی اس فصل میں نقل کی ہیں جو باب کے مناسب ہیں لیکن صاحب مشکوٰۃ نے اس فصل میں بھی یہ التزام کیا ہے کہ پہلے راوی کا نام ضرور لکھا ہے خواہ صحابی ہو یا تابعی، اسی طرح آخر میں کتاب کا حوالہ دیا ہے، کہ کس کتاب سے یہ حدیث لی گئی ہے۔

ثُمَّ إِنَّكَ إِنْ فَقَدْتَ حَدِيثَنَا فِي بَابٍ فَقَدْ لَكَ عَنْ فَكْرِنَا اسْقِطَةٌ۔

”پھر تحقیق اگر کسی باب میں کوئی حدیث نہ پائی جائے تو سمجھا جائے کہ اسے میں نے نگرانی وجہ سے نقل نہیں کیا ہے۔“

تشریح: یعنی اگر ایسا ہو کہ ایک حدیث مصباح کے ایک باب میں تو موجود ہے لیکن مشکوٰۃ کے اسی باب میں نہیں ہے تو یہ اس لئے، کہ صاحب مشکوٰۃ نے وہ حدیث کسی دوسرے باب میں ہونے کی وجہ سے یہاں نقل نہیں کی۔

وَإِنْ وَجَدْتَ أَخْرَجَ بَعْضَهُ مَشْرُوكًا عَلَى اخْتِصَارِهِ أَوْ مَضْمُونًا إِلَيْهِ تَمَامَهُ فَعَنْ ذَا عَيْنِ اهْتِمَامٍ أَتْرَكُهُ وَالْحَقُّ۔

”اور اگر پاؤں تم ایک حدیث کہ اس کا بعض حصہ اختصار کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے یا اس میں بقیہ حصہ اس حدیث کا ملا دیا گیا ہے تو یہ

حذف کرنا اور ملانا خاص مقصد کے تحت ہے۔"

تشریح: مطلب یہ کہ کسی خاص مقصد کے تحت اگر کسی جگہ حذف و الحاق ضروری سمجھا گیا تو وہاں ایسا کیا گیا۔ مثلاً ایک بڑی حدیث ہے جس کا کچھ حصہ تو ایسا ہے جو باب کے مناسب ہے تو اسے وہاں نقل کر دیا گیا اور بعض حصہ ایسا ہے جو مناسب باب نہیں ہے تو اسے ترک کر دیا گیا ہے۔ یا حدیث کا ایک ٹکڑا اس باب کے مناسب ہے اور دوسرا ٹکڑا کسی دوسرے باب سے متعلق ہے تو ایسی شکل میں وہاں حدیث کو اختصار کے ساتھ جو باب سے متعلق تھی بیان کیا گیا ہے۔ اس حالت میں بھی پیروی صاحب مصابیح کی گئی ہے لیکن جہاں ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں ہے تو پوری حدیث نقل کر دی گئی ہے اگرچہ وہاں صاحب مصابیح نے اختصار سے کام لیا ہو۔

وَإِنْ عَثَرْتَ عَلَى اخْتِلَافٍ فِي الْفُضْلَيْنِ مِنْ ذِكْرِ غَيْرِ الشَّيْخَيْنِ فِي الْأَوَّلِ وَذِكْرُ هُمَا فِي الثَّانِي فَاعْلَمْ أَنِّي بَعْدَ تَتَبُّعِي كِتَابِي النِّجْمِ بَيْنَ الصَّحِيحَيْنِ لِلتَّحْمِيدِي وَجَامِعِ الْأَصُولِ اعْتَمَدْتُ عَلَى صَحِيحِي الشَّيْخَيْنِ وَمُتَّبِعِيهِمَا۔

"اور اگر دونوں فصلوں میں اختلاف نظر آئے یعنی غیر شیخین کی احادیث تو فصل اول میں ذکر کی گئی ہوں اور شیخین کی احادیث کو فصل ثانی میں نقل کیا گیا ہو تو سمجھنا چاہیے کہ یہ اختلاف غلطی یا غفلت کی وجہ سے نہیں ہوا ہے بلکہ یہ میں نے حمیدی کی کتاب جمع بین الصحیحین اور کتاب جامع الاصول میں بسیار تلاش و تحقیق اور تتبع کے بعد کیا ہے اور اس سلسلہ میں میں نے بخاری و مسلم کے اصل نسخوں اور ان کے متن پر اعتماد کیا ہے۔

تشریح: صاحب مصابیح نے تو یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ فصل اول میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو شیخین یعنی امام بخاری و مسلم سے ان کی کتاب میں روایت کی گئی ہیں اور فصل ثانی میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو شیخین کے علاوہ دوسرے ائمہ سے مذکور ہیں لیکن مشکوٰۃ میں بعض جگہ ایسا بھی ہے کہ فصل اول میں وہ احادیث جن کو صاحب مصابیح نے شیخین کی طرف نسبت کرتے ہوئے نقل کیا ہے صاحب مشکوٰۃ نے ان کو دوسرے ائمہ کی طرف منسوب کر کے نقل کیا ہے جیسے باب سنن و ضوکی فصل اول میں یا باب فضائل قرآن میں، اسی طرح بعض جگہ فصل ثانی کی احادیث کو شیخین کی طرف منسوب کیا ہے جیسے باب ما یقر بعد التکبیر یا باب الموقوف وغیرہ میں، تو اس رد و بدل اور فرق کے بارہ میں صاحب مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ یہ میری غلطی یا سہو کی بنا پر نہیں ہوا بلکہ میں نے کتاب جمع بین الصحیحین اور کتاب جامع الاصول نیز بخاری و مسلم کے اصل نسخوں اور ان کے متنوں میں کافی تلاش و تحقیق کی، چنانچہ ان کتابوں میں جن احادیث کو شیخین کی طرف منسوب نہیں کیا گیا ہے اور انہیں صاحب مصابیح نے فصل اول میں شیخین کی طرف منسوب کیا ہے تو میں نے ان احادیث کو مشکوٰۃ میں شیخین کی طرف منسوب کرنے کے بجائے ان کے اصل راوی و ناقل کی طرف منسوب کیا ہے۔ ایسے ہی جن احادیث کو صاحب مصابیح نے شیخین کے علاوہ دوسرے ائمہ کی طرف منسوب کر کے فصل ثانی میں نقل کیا تھا اور وہ حدیث مجھے ان کتب مذکورہ میں شیخین کی طرف منسوب ملیں تو میں نے ان کو شیخین کی طرف منسوب کر دیا اور چونکہ مجھے اپنی تحقیق و جستجو پر اعتماد تھا اس لئے میں نے یہ سوچ کر مصابیح کی نقل کے خلاف ایسا کیا ہے کہ وہ کتاب ہے کہ صاحب مصابیح سے نقل حدیث کے وقت سہو ہو گیا ہو۔

وَإِنْ رَأَيْتَ اخْتِلَافًا فِي نَفْسِ الْحَدِيثِ فَلْيَلِكْ مِنْ تَشَعُّبِ طُرُقِ الْأَحَادِيثِ۔

"اور اگر اختلاف اصل حدیث میں نظر آئے تو یہ احادیث کی اسناد میں اختلاف کی وجہ سے ہوگا۔"

تشریح: یعنی صاحب مصابیح نے ایک حدیث روایت کی اور وہی حدیث جب صاحب مشکوٰۃ نے نقل کی تو دونوں کے الفاظ میں فرق نکالا یعنی صاحب مصابیح کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ کچھ اور ہیں اور صاحب مشکوٰۃ کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ دوسرے ہیں تو اس بارہ میں صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ یہ فرق دراصل سندوں کے اختلاف کی بنا پر ہوا ہے، یعنی صاحب مصابیح کو وہ روایت جس سند سے پہنچی ہے اس میں وہ الفاظ ہیں جن کو انہوں نے نقل کیا ہے اور مجھے اس سند سے یہ روایت پہنچی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں، جو میں نقل کر رہا ہوں۔

وَلَعَلَّنِي مَا أَظْلَعْتُ عَلَى تِلْكَ الزَّوَايَةِ الَّتِي سَلَكَهَا الشَّيْخُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَقَلِيلًا مَا تَجِدُ أَقُولُ مَا وَجَدْتُ هَذِهِ الزَّوَايَةَ فِي كُتُبِ الْأَصُولِ أَوْ وَجَدْتُ خِلَافَهَا فَإِذَا وَقَفْتُ عَلَيْهِ فَالْيَسْبِ الْقُصُورَ إِلَى لِقَاءِ الْبِزَايَةِ لَا إِلَى جَنَابِ الشَّيْخِ رَفَعَ اللَّهُ قَدْرَهُ فِي الدَّارَيْنِ خَاشَا لِلَّهِ مِنْ ذَلِكَ۔

”اور ہو سکتا ہے کہ جس روایت کو شیخؒ نے نقل کیا ہے وہ مجھے نہ ملی ہو مگر ایسا کم ہوگا کہ وہ روایت مجھے نہ ملی ہو یا مجھے اصول کی کتابوں میں شیخؒ کی نقل کردہ روایت کے خلاف وہ روایت ملی ہو لیکن یہ اختلاف اگر معلوم ہو تو خطا و قصور کی نسبت میری کوتاہی علم کی بنا پر میری طرف کی جائے اور شیخؒ کو غلطی سے منزه سمجھا جائے اس سے خدا تعالیٰ کے لئے پاکی ہے۔“

تشریح: اصول کی کتابوں سے مراد وہی مذکورہ کتب یعنی بخاری و مسلم ہیں یعنی اگر ایسا ہو کہ جس روایت کو صاحب مصابیح نے نقل کیا ہے، مجھے وہ روایت نہ ملی ہو یا ان کی نقل کردہ روایت اور میری نقل کردہ روایت میں کوئی اختلاف نظر آئے تو اس میں غلطی اور قصور کی نسبت میری ہی جانب کی جائے۔ صاحب مصابیح کو غلطی اور خطا کا مرتکب قرار نہ دیا جائے اور صاحب مشکوٰۃ کا یہ کہنا کہ غلطی اور قصور کی نسبت میری جانب کی جائے، خلوص نیت اور اعتراف حقیقت کی بنا پر ہے اس میں ریا و غیرہ کا دخل نہیں ہے جیسا کہ خاشا لِلَّهِ مِنْ ذَلِكَ سے اشارہ کر دیا ہے۔

رَحِمَ اللَّهُ مَنْ إِذَا وَقَفَ عَلَى ذَلِكَ تَبَهَّتَا عَلَيْهِ وَآرَشَدَا طَرِيقَ الصَّوَابِ۔

”خدا کی رحمت ہو اس شخص پر جسے وہ روایت معلوم ہو اور ہمیں مطلع کر کے راہ حق بتائے۔“

تشریح: یعنی اگر کسی شخص کو وہ روایت معلوم ہو جو صاحب مصابیح نے نقل کی ہے اور مجھے نہیں معلوم ہوئی ہے تو اس کو چاہیے کہ اگر ہماری زندگی میں اسے معلوم ہو تو ہمیں بتا دے اور مرنے کے بعد ہماری کتب میں اس کا اضافہ کر دے۔

وَلَمْ أَلْ جُهِدْ فِي التَّقْيِيرِ وَالتَّفْنِيشِ بِقَدْرِ الْوُسْعِ وَالطَّافَةِ وَنَقَلْتُ ذَلِكَ إِلَّا خِلَافَ كَمَا وَجَدْتُ۔

”میں نے اپنی تحقیق و تدقیق اور تلاش و جستجو میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا اور اپنی وسعت و طاقت کے مطابق پوری چھان بین کی اور یہ اختلاف میں نے جیسا پایا ویسا ہی نقل کر دیا۔“

تشریح: یعنی میں نے اصول کی کتابوں میں جیسا پایا اور جس طرح نقل دیکھا، شیخؒ کی تقلید محض سے ہٹ کر ویسا ہی یہاں ذکر کر دیا، اگر کوئی یہ اعتراض کر بیٹھے کہ اگر صاحب مشکوٰۃ زیادہ تتبع کرتے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ان کو وہ روایتیں نہ ملتیں، تو اس کا جواب خود صاحب مشکوٰۃ نے دے دیا کہ جہاں تک میری رسائی اور ہمت و طاقت تھی میں نے اس سے بڑھ کر تحقیق و تلاش کی اور اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی۔

وَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنْ غَرِيبٍ أَوْ ضَعِيفٍ أَوْ غَيْرِ هُمَا يَنْتِ وَجْهَهُ غَالِبًا وَمَا لَمْ يُشِرْ إِلَيْهِ مِمَّا فِي الْأَصُولِ فَقَدْ قَفَيْتُهُ فِي تَرْكِهِ إِلَّا فِي مَوَاضِعَ يَغْرُضُ۔

”اور جن احادیث پر شیخؒ نے ضعیف یا غریب وغیرہ کا حکم لگایا ہے میں نے ان کا سبب بیان کر دیا ہے اور جن احادیث و اصولی امور کی جانب شیخؒ نے کوئی اشارہ نہیں کیا تو میں نے بھی شیخؒ کی پیروی کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا ہے مگر بعض مقامات پر مجبوری کی بنا پر میں نے توضیح کر دی ہے۔“

تشریح: یعنی صاحب مصابیح نے بعض احادیث کے بارہ میں نقل کیا تھا کہ فلاں غریب ہے اور فلاں ضعیف ہے یا شاذ و منکر کا حکم لگا دیا تھا تو صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ میں اس کی توضیح کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ حدیث غریب کیوں ہے یا ضعیف کیوں ہے اور ان احادیث کو شاذ و

مگر کیوں کہا گیا اور کچھ ایسی احادیث بھی تھیں جن کو صاحب مصابح نے نہ تو ضعیف و غریب کہا تھا اور نہ ہی شاذ و منکر، بلکہ انہیں ایسا ہی چھوڑ دیا تھا تو صاحب مشکوٰۃ نے بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے ان کی کوئی توجیح نہیں کی بلکہ انہیں ہی طرح نقل کر دیا۔ البتہ بعض مجبور یوں کی بنا پر کچھ ایسے مقامات پر بھی صاحب مشکوٰۃ نے توجیح کر دی ہے جہاں صاحب مصابح نے سکوت اختیار کیا ہے مثلاً بعض لوگوں نے طعن و کلام کیا کہ فلاں حدیث موضوع ہے یا باطل ہے تو مجبوراً صاحب مشکوٰۃ نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے ان کی تشریح و توجیح ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے کی کہ یہ حدیث صحیح یا حسن ہے اور یہ ضعیف یا غریب ہے۔

وَزَيْمًا تَجِدُ مَوَاضِعَ مُهْمَلَةً وَذَلِكَ حَيْثُ لَمْ أَظْلِعْ عَلَى رَاوِيهِ فَتَرَكْتُ التَّبَاضُ فَإِنْ عَثَرْتَ عَلَيْهِ فَالْحَقُّ بِهِ أَحْسَنُ
اللَّهُ جَزَاءُكَ۔

”اور کچھ ایسے مقام بھی ملیں گے کہ وہاں حدیث کے بعد میں نے کتاب کا حوالہ نہیں دیا کیونکہ باوجود تحقیق و تلاش کے میں راوی کے نام سے واقف نہیں ہو سکا لہذا وہ جگہ میں نے چھوڑ دی ہے پس اگر تمہیں راوی کے نام کا علم ہو تو اس جگہ اس کا حوالہ دے دینا اس کے لئے اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائیں گے۔“

وَسَمَّيْتُ الْكِتَابَ بِمَشْكُوَةِ الْمَصَابِيحِ۔

”اور اس کتاب کا نام میں نے مشکوٰۃ المصابیح رکھا ہے۔“

تشریح: مصابح مصباح کی جمع ہے جس کے معنی چراغ کے ہیں اور مشکوٰۃ کے معنی طاقت ہے۔ جس طرح طاقت میں چراغ رکھا جاتا ہے اسی طرح کتاب مصابح، مشکوٰۃ میں رکھی ہوئی ہے۔

وَأَسْأَلُ اللَّهَ التَّوْفِيقَ وَالْإِعَانَةَ وَالْهُدَايَةَ وَالصِّيَانَةَ وَتَبْسِئُ مَا أَقْصَدُهُ۔

”اس کتاب کی تصنیف کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے نیک توفیق، اس کی مدد اور ہدایت کا طلبگار ہوں اور اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے خطا و قصور سے حفاظت اور مشکلات کی آسانیوں کے لئے دعا کرتا ہوں۔“

وَأَنْ يَتَفَعَّلَ فِي الْخَيْرِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ وَجَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ۔

”اور دعا کرتا ہوں کہ خداوند قدوس اس زندگی میں اور مرنے کے بعد مجھے بھی اور ہر مسلمان مرد و عورت کو نفع پہنچائے اور اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی اور بہتر کار ساز ہے اور برائی سے بچنے کی طاقت اور نیک کام کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے جو تمام امور پر غالب اور حکمت والا ہے۔“

تشریح: زندگی میں نفع تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کتاب کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور ان احادیث پر عمل کرنے کی توفیق دے اور مرنے کے بعد کافع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی برکت سے مغفرت و بخشش اور جنت کی نعمت سے نوازے اور اپنے پیہ پایاں رحمت کے دروازے کھول دے۔



مشکوٰۃ شریف کی پہلی حدیث

① عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَانُؤِي فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِيَ حِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ أَوْ نِسْوَةٍ فَمِثْلُهَا فَهِيَ حِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔ (متن علیا)

”حضرت عمرؓ بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام کاموں کا مدار نیت پر ہے (یعنی عمل کا ثمر و نیت پر مرتب ہوتا ہے) لہذا جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے (بہ نسبت خالص) ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول ہی کے لئے ہوگی اور جس شخص نے دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لئے ہوگی جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مشکوٰۃ شریف کے مصنفؒ اس حدیث کو باب سے پہلے لائے ہیں جس سے ان کا مقصد اس کی طرف اشارہ ہے کہ طالب کو چاہئے کہ اس علم (حدیث شریف) کو حاصل کرنے کے لئے اپنی نیت کو پہلے خالص اللہ کے لئے پھر اس کے حصول میں منہمک ہو، اس حدیث کی فضیلت و اہمیت پر محدثین کا اتفاق ہے بلکہ بعض علماء نے تو اس حدیث کو نصف علم کا درجہ دیا ہے۔ ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لئے دارالکفر کے اپنے وطن کو ترک کر کے دارالاسلام کو اپنا وطن بنائے اور وہاں جا کر بس جائے، پس اگرچہ ہجرت کرنے والا شخص اپنی نیت میں مخلص ہے اور اس کی ہجرت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے تو ثواب پائے گا اور اس کا یہ عمل عند اللہ مقبول ہوگا لیکن اگر نیت میں کھوٹ ہے اور ہجرت (یعنی ترک وطن) سے اس کا مقصد طلب دنیا یا حصول جاہ و زر ہے تو یقیناً وہ ثواب سے محروم رہے گا، لیکن اگر طلب دنیا اور خواہش نفس کے ساتھ رضائے حق کی نیت بھی کر لیتا ہے تو ثواب ملے گا۔

اس حدیث میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، ایک شخص مدینہ میں ایک عورت سے نکاح کرنے کی غرض سے ہجرت کر کے آیا تھا۔ اس عورت کا نام اُم قیس تھا۔ اسی مناسبت سے وہ شخص مہاجر قیس کہا جاتا تھا، جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اُم قیس نامی عورت کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ اُم قیس نے اس شرط پر منظور کیا کہ وہ مدینہ ہجرت کر کے آجائے، تب شادی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ ہجرت کر کے مدینہ آگیا اور اُم قیس سے شادی کی، اس کے بعد سے وہ شخص مہاجر اُم قیس کے نام سے مشہور ہو گیا۔

اس حدیث میں لفظی اختلاف ہیں جو متعدد نسخوں میں کئی طرح سے وارد ہیں۔ بعض جگہ انما الاعمال بالنیات ہے اور انما الاعمال بالنیۃ اور العمل بالنیۃ بھی مروی ہے، ہر حال یہ اختلاف لفظی ہے جس کا اثر معنی اور مفہوم پر کچھ نہیں پڑتا۔

حدیث کے پہلے دونوں جملوں کا ایک ہی مطلب ہے دراصل انما لامرئی مانوی سے تاکید کی جا رہی ہے، پہلے جملہ کی حکم بغیر نیت کے معتبر نہیں ہوگا یعنی جو شخص جیسی نیت کرے گا ویسا ہی اس کا اجر پائے گا، چنانچہ ایک عمل میں جتنی نیت کرے گا، اتنے ہی ثواب اسے حاصل ہوں گے۔ مثلاً:

۱۔ آپ کا اہم مبارک عمر، کنیت ابو حفص اور لقب فاروق اعظم ہے۔ آپ قریش کی شاخ عدی کے قبیلہ سے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر فاروق کے سلسلہ نسب کعب بن لؤی پر جا کر ملتے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آپ کو معتقد طور پر دوسرا خلیفہ منتخب کیا گیا۔ ہجرت کے تیسویں سال ۶۷۲ ذی الحجہ کو مدینہ کے دن آپ مسجد نبوی میں فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک بد بخت نصرانی ابو لؤلؤ نے آپ پر فحشے حملہ کیا اور آپ نے شہادت پائی۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۶۳ برس تھی۔

① ایک شخص کا کوئی عزیز قریبی غریب و مفلس ہے اس غریب کی وہ مدد اس نیت سے کرتا ہے کہ ایک غریب کی لوجہ اللہ مدد کرنا کا ثواب ہے تو اس کو اسی کا ثواب ملے گا لیکن اگر وہ اس کے ساتھ ہی صلہ رحمی کی بھی نیت کرتا ہے کہ اس کی لوجہ اللہ مدد کرنا کا ثواب ہے ہی مگر اس سے میرے ایک عزیز کی پریشانیوں بھی دور ہو جائیں گی تو اب محض یہ نیت کرنے سے اس کو دو ثواب ملیں گے۔

② اسی طرح مسجد میں جانے کی کئی نیتیں ہو سکتی ہیں اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ثواب ملتا ہے مثلاً ایک شخص مسجد میں جاتا ہے تو وہ نیت کرے کہ چونکہ فرمایا گیا ہے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، جہاں آنے والا گویا اللہ تعالیٰ کی زیارت کو آتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کریم ہے اور کریم کے لئے مہمان کی ضیافت ضروری ہوتی ہے لہذا میں بھی اس کا امیدوار ہوں تو اس کو یہ ثواب حاصل ہو جائے گا۔

اور نیت کرے جماعت کے انتظار کا، چونکہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص جماعت کا انتظار کر رہا ہے وہ گویا حالت نماز میں ہے، پس اس نیت سے اس کا ثواب مل جائے گا۔

اور نیت کرے کہ کان و آنکھ اور تمام اعضاء بازار و سڑک میں گناہ میں گرفتار ہوتے اور یہاں مسجد میں آکر محفوظ ہو جائیں گے، مسجد میں آتے ہی اعتکاف کی نیت کر لے کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو چاہئے کہ اعتکاف کی نیت کر لیا کرے اور جن علماء کے نزدیک اعتکاف کی مدت کم سے کم ایک ساعت ہے ان کے یہاں وہ اعتکاف معتبر ہو گا تو یہ ثواب بھی نہیں نہیں گیا (مسجد میں دخول کے وقت اعتکاف کی نیت کرنا اور پھر اس پر ثواب ملنا اور حقیقت خداوند قدوس کی جانب سے مسلمانوں کے لئے ایک نعمت ہے کہ جو بغیر محنت کئے ہوئے حاصل ہوتی ہے مگر افسوس کہ مسلمان اس سے غافل ہیں ایسا ہی طرح جانتا ہے کہ مسجد میں آتے وقت اور مسجد سے نکلنے وقت مسنون دعائیں پڑھنا یا نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا سعادت کا باعث ہے تو اگر دخول مسجد کے وقت اس کی بھی نیت کر لے تو اس کا بھی ثواب ملے گا۔

اور نیت کرے کہ مسجد میں تنہائی اور سکون نصیب ہوتا ہے جہاں ذکر اللہ، تلاوت قرآن یا وعظ و نصیحت باطمینان کیا جاسکتا ہے تو اس کا ثواب بھی ملے گا کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص صبح مسجد میں ذکر و وعظ کے لئے جاتا ہے تو گویا وہ مجاہد فی سبیل اللہ کے مرتبہ کا ہوتا ہے یا کوئی جماعت مسجد میں بیٹھ کر تلاوت قرآن میں مشغول ہو اور آپس میں تذکیر و نصیحت کرتے رہیں تو اس جماعت کو ملائکہ ڈھانک لیتے ہیں اور رحمت خداوندی کا ان پر سایہ ہوتا ہے۔

اسی طرح نیت کرے کہ وضو کر کے مسجد میں نماز کے لئے جانے سے حج اور عمرہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اور نیت کرے کہ مسجد میں لوگوں کے اجتماع سے افادہ و استفادہ باطعم اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مواقع میسر آتے ہیں، نیت کرے وہاں مسلمان بھائیوں سے ملاقات کی اور ان پر سلام و رحمت پہنچانے کی۔

اور نیت کرے محاسبہ نفس اور تفکر فی الآخرات اور اپنے گناہوں سے استغفار کی کیونکہ مسجد میں سکون اور دل جمعی سے یہ کام ہو سکتا ہے جو دوسری جگہ مشکل ہے۔

بہر حال مسجد میں آنے کا عمل ایک ہے لیکن چونکہ ختمیں الگ الگ ہو کر بہت زیادہ ہیں اس لئے ثواب ان سب نیتوں کا ملے گا گویا عمل ایک اور بہ سبب نیت ثواب اتنے زیادہ۔

اور پھر مسجد تو عبادت کی جگہ ہے اور ان امور کا تعلق بھی عبادت اور آخرت سے ہے لہذا ان پر ثواب تو ملتا ہی ہے لیکن اگر ان چیزوں میں بھی نیک نیت کر لے جن کا تعلق زینت جسمانی یا دنیاوی امور سے ہے تو خدا کی بے پایاں رحمت سے وہاں بھی ثواب ملتا ہے۔ مثلاً جمعہ کو یا عام طور پر خوشبو لگانے کا اور اس کے ساتھ یہ بھی نیت کر لے کہ چونکہ نبی کریم ﷺ خوشبو کو بہت پسند فرماتے تھے اس لئے میں بھی خوشبو لگاتا ہوں۔

اور نیت کرے اس خوشبو کے لگانے سے کہ اس سے مسجد کی تعظیم بھی ہوگی۔

اور نیت کرے کہ جو شخص میرے پاس بیٹھے گا خوشبو پا کر خوش ہوگا۔
اور نیت کرے کہ کوئی شخص شخص میرے خوشبو لگانے کے سبب بدبو کی وجہ سے میری غیبت کرے گا اور میں خوشبو لگا کر اس کی غیبت کے گناہ سے باز رکھتا ہوں۔

اور نیت کرے کہ تازہ خوشبو سے دماغ کے معالجہ کی خوشبو سے میرا دماغ تروتازہ ہوگا اور میں جس مجلس و عطا نصیحت میں بیٹھوں گا اس کی وجہ سے کام کی باتیں اچھی ذہن نشین ہوں گی۔

یہاں بھی خوشبو لگانے کا عمل ایک ہی ہے اور جس کا تعلق محض انسانی جذبہ و خواہش اور دنیاوی امور سے ہے لیکن اگر اس کے ساتھ یہ تمام نیک نیتیں کر لی جائیں تو ان پر بھی الگ الگ ثواب کا حق ہوگا، اسی طرح ہر عمل میں مختلف نیتیں ہو سکتی ہیں جن پر بے شمار ثواب کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔

اور اگر کوئی عمل محض لذت جسمانی اور خواہش نفسانی کے لئے کرتا ہے تو ثواب کی دولت سے تو محروم رہے ہی گا بلکہ مستحق عتاب و عقاب بھی ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ عمل کا مدار یعنی اس پر ثواب ملنا صرف نیت کے اوپر ہے جیسی نیت کرے گا ویسا ہی اس پر ثمرہ مرتب ہوگا۔

نیت کے مسائل

مسئلہ: اس حدیث میں جن اعمال کے بارے میں نیت کو ضروری قرار دیا گیا ہے ان سے اعمال مقصودہ مراد ہیں یعنی ایسے عمل جن کا کرنا شریعت میں مطلوب اور مقصود ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ پس اس قسم کے عمل بغیر نیت کے معتبر نہیں ہوں گے اور نہ خدا کے نزدیک مقبول و صحیح ہوں گے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز بغیر نیت کے پڑھتا ہے تو نہ تو اس کی نماز صحیح ہوگی اور نہ عند اللہ مقبول ہوگی اور اسی طرح نہ بغیر نیت کے زکوٰۃ ادا ہوگی اور نہ بغیر نیت کے روزہ و حج صحیح ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ نیت کی ضرورت اور احتیاج اعمال مقصودہ میں ہوگی کیونکہ بغیر نیت کے اعمال کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

اعمال مقصودہ کے مقابلہ میں اعمال غیر مقصودہ ہیں یعنی ایسے اعمال جن کا کرنا مقصد نہ ہو بلکہ ان کا کرنا کسی خارجی امر کی بنا پر ضروری ہے جیسے غسل اور وضو کہ یہ فی نفسہ اور بذاتہ مقصود نہیں ہوتے بلکہ غسل کی ضرورت پاکی کے لئے ہوتی ہے اور وضو کی ضرورت نماز کے لئے۔

اب علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ان اعمال غیر مقصودہ یعنی غسل اور وضو میں نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ کے نزدیک وضو اور غسل میں نیت ضروری ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ فرض ہے لہذا اگر غسل یا وضو بغیر نیت کے ہوا تو وہ قابل اعتبار نہیں ہوگا۔ امام اعظمؒ کے نزدیک غسل اور وضو بغیر نیت کے معتبر ہوں گے کیونکہ ان کے نزدیک نیت فرض نہیں ہے بلکہ سنت اور مستحب ہے لہذا اگر وضو یا غسل بغیر نیت کے کیا گیا تو ادا ہو جائے گا۔

شریعت میں نیت سے مراد تقرب الی اللہ کا قصد کرنا ہے یعنی جو کام کرے صرف اللہ کے لئے کرے اور اس کے حکم کی بجا آوری اور اس کی رضا کی طلب کے لئے کرے۔

نیت کے معنی دل سے قصد کرنے کے ہیں، نیت میں صرف دل سے قصد کرنا کافی ہوتا ہے زبان سے کہنا شرط نہیں، عبادات میں اگر محض زبان سے کہا اور دل میں نیت کی تو عبادت معتبر نہ ہوگی چنانچہ کتاب جمع میں لکھا ہے کہ صرف زبان سے کہنے کا اعتبار نہیں ہوگا، اب علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ دل سے قصد اور نیت کرنے کے ساتھ زبان سے کہنا سنت ہے یا مستحب یا مکروہ ہے۔

چنانچہ اس میں تین قول ہیں، فتح القدیر میں ہے کہ نیت کا زبان سے کہنا نہ تو نبی ﷺ سے منقول ہے اور نہ صحابہ کرام سے، اور اس کا

ذکر نہ کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے اور نہ حدیث ضعیف سے اور نہ چاروں امام اس کا قائل ہیں۔

کتاب مفید نے نقل کیا ہے کہ بعض مشائخ نے اس کو مکروہ کہا ہے اور بعض نے مستحب، سو جنہوں نے مستحب کہا ہے ان کے نزدیک بھی صرف اسی قدر کہنا مستحب ہے کہ اللہم انی ارید صلوة کذا فی سبیلہا لی و تقبیلہا منی مگر اس قسم کی عبارت بھی حدیث شریف میں صرف حج کی نیت کے لئے منقول ہے، دیگر عبادات کے ثابت اور منقول نہیں ہے۔

بہر حال نیت کا یہ مقدمہ اور بیان کتابہ اشباہ میں مفصل لکھا ہے، اس سلسلہ میں مترجم کی تحقیق یہ ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ عظام رضوان اللہ علیہم اور ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے نماز یا روزہ میں نیت یا زبان سے کہنا منقول نہیں ہے اور بعد میں علماء کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا یہ سنت ہے یا مستحب اور یا مکروہ اور یا بدعت ہے تو فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کے سنت یا بدعت ہونے میں علماء کا اختلاف ہو یعنی بعض یہ کہیں کہ یہ بدعت ہے اور بعض کہیں کہ سنت ہے تو احتیاط اس جگہ یہ ہے کہ ایسی چیز کو ترک کر دینا ہی مناسب ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں بھی ایسا ہی نقل کیا گیا ہے اسی طرح اگر سنت و مستحب ہونے میں بھی اختلاف ہو تو ترک کر دینا ہی اولیٰ ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے ترجمہ مشکوٰۃ میں فرمایا ہے کہ علماء اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ نماز میں نیت کا پکار کر کہنا مشروع نہیں ہے۔ نیز حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ محدثین نے کہا ہے کہ حدیث کی کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ نے نیت زبان سے کہی ہو۔

لہذا آنحضرت ﷺ کی سنت کا اتباع اسی میں ہے کہ نیت دل سے کرے اور اسی پر اکتفا کرے کیونکہ جس طرح رسول خدا ﷺ کے کیے ہوئے فعل کا اتباع کرنا اطاعت رسول ہے اسی طرح یہ بھی نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے کہ جس فعل کو نبی کریم ﷺ نے کبھی نیک یا ہوس پر عمل نیک یا جاوے اور چاہئے کہ اس پر دوام اصرار نہ کیا جاوے جو شارع سے ثابت نہیں ہے۔

مسئلہ: نیت کا اثر عبادات میں مرتب ہوتا ہے، حرام کام میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا اور نہ اس کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔ اگر کسی مباح چیز میں عبادت کی نیت کر لے یا اس چیز میں نیت کر لے جو عبادت کے لئے وسیلہ ہوتی ہے اور اس پر نیت کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے اور ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ: وضو میں نیت کرنا سنت ہے اب اس میں اختلاف ہے کہ وضو کے لئے نیت کب کرے چنانچہ بعض علماء کے نزدیک منہ کے دھونے کے وقت نیت کرنی چاہئے لیکن بہتر یہ ہے کہ شروع وضو میں ہاتھ دھونے کے وقت نیت کر لی جائے تاکہ منہ دھونے سے پہلے بھی سنت کا ثواب حاصل ہو جائے۔ غسل میں بھی نیت سنت ہے مناسب یہ ہے کہ وضو شروع کرنے کے وقت غسل میں نیت کرے، تیمم میں نیت کرنا فرض ہے۔ جس وقت تیمم کے لئے ہاتھ مٹی پر رکھے اس وقت نیت کر لینی چاہیے اس کے بعد ہاتھ کو منہ اور ہاتھوں پر پھیر لے۔

مسئلہ: نیت کے لئے کئی چیزیں شرط ہیں۔ ① اسلام۔ کیونکہ مسلمانوں کی عبادت مقبول ہوتی ہے، کافر کی عبادت نہ تو صحیح ہوتی ہے اور نہ مقبول ہوتی ہے۔ ② تمیز۔ یعنی اتنی عقل رکھتا ہو کہ عبادت اور غیر عبادت میں فرق سمجھتا ہو اسی لئے دیوانے اور تیز نہ کرنے والے لڑکے کی عبادت معتبر نہیں ہوتی۔ ③ علم۔ یعنی جس چیز کو کر رہا ہے اس کی حقیقت اور اہمیت جانتا ہو چنانچہ ایک شخص نماز کی اہمیت اور اس کی فرضیت سے لاعلم ہے اگرچہ نیت کرتا ہے لیکن اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی اور ④ چوتھی چیز یہ کہ نیت کے منافی کوئی چیز نہ کرے۔ مثلاً کوئی اسلام لائے اور عبادت کرنے کے بعد معاذ اللہ مرتد ہو گیا تو اس کا سب علم اور عبادت ضائع ہو جائے گا اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے نماز شروع کی یا روزہ رکھا لیکن ذر میان میں توڑ ڈالا تو نماز اور روزہ دونوں باطل ہو جائیں گے، کیونکہ عبادت کے درمیان سے بغیر مکمل کیے ہوئے ختم کر دینا نیت کے منافی ہے۔

مسئلہ: فرض نماز میں نیت چار چیزوں کی ہوتی ہے، ایک نماز پڑھنے کی، دوسرے فرض نماز پڑھنے کی، تیسری تعین وقت مثلاً ظہر کی یا عصر یا مغرب کی، چوتھے اگر مقتدی ہو تو اقتدا کی، ان چار چیزوں کو نماز شروع کرنے کے وقت دل میں رکھے اور نیت کرے، اگر ان چاروں میں سے کسی ایک کا بھی دھیان دل میں نہ رہا تو نماز نہیں ہوگی۔

مسئلہ: عبادت واجبہ میں نیت کا حکم فرض کی طرح ہے یعنی واجب کا متعین کرنا ضروری ہے جیسے فرض کا تعین کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: سنت مطلق نماز کی نیت سے اور نفل کی نیت سے صحیح ہو جاتی ہے خواہ سنت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ، اس میں دونوں برابر ہیں۔

مسئلہ: رمضان کے روزہ میں خواہ نیت نفل کی کی گئی ہو یا واجب کی یا مطلقاً نیت نہیں کی۔ ہر حال میں روزہ رمضان ہی کا ادا ہو گا یعنی ایک تو یہ کہ رمضان کا روزہ ہے اور نیت بھی رمضان ہی کے روزہ کی ہے اس میں تو ادا اے روزہ میں کوئی اشکال ہیں نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے کہ روزہ تو رمضان کے مہینہ میں رکھ رہا ہے لیکن نیت اس نے نفل روزہ کی کر لی یا کسی واجب جیسے نذر وغیرہ کی نیت کی، یا یہ کہ مطلقاً نیت ہی نہیں کی تو ایسی شکل میں بھی فقہاء لکھتے ہیں کہ روزہ رمضان ہی کا مانا جائے گا اور رمضان کا روزہ ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ: رمضان کے روزہ کی نیت بھی رات میں بھی کر سکتا ہے اور صبح بھی دوپہر تک یعنی نصف النہار سے پہلے پہلے نیت کی جاسکتی ہے۔ شرع میں دن کی ابتدا طلوع صبح صادق سے اور انتہاء غروب آفتاب پر ہوتی ہے لہذا نیت دن کے پہلے نصف حصہ میں کر سکتا ہے، ایسی طرح نفل اور نذر معین کے روزے کی نیت بھی رات میں اور دن میں نصف النہار سے پہلے پہلے کی جاسکتی ہے۔ لیکن رمضان کے قضاء نذر مطلق اور کفار کے روزوں کی نیت صرف رات میں کرنی چاہئے ان روزوں کی نیت دن میں معتبر نہ ہوگی۔

نذر معین کی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی خاص دن کو روزے کے لیے متعین کرے یعنی یہ ارادہ کرے کہ فلاں جمعہ کو یا فلاں پیر، اور فلاں تاریخ کو میں روزہ رکھوں گا گویا اس نے ایک دن تعین کر کے روزے کو اپنے اوپر لازم اور واجب کر لیا ہے تو یہ صورت نذر معین کہلاتی ہے۔

نذر مطلق کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص پر ایک یا کئی روزے واجب ہوں، یا یہ کہے کہ اگر میرا فلاں عزیز اچھا ہو گیا تو میں روزہ رکھوں گا تو اس شکل میں وہ جب چاہے روزہ رکھ سکتا ہے۔ چونکہ اس میں کسی دن کا تعین نہیں ہوتا لہذا اسے نذر مطلق کہتے ہیں۔

مسئلہ: زکوٰۃ کی نیت کی دو شکلیں ہیں ایک تو یہ کہ جب زکوٰۃ کی رقم دیے لگے تو اس وقت ادا لے زکوٰۃ کی نیت کرے دوسری شکل یہ ہے کہ اپنے مال میں سے زکوٰۃ کے لئے ایک حصہ الگ نکالتا ہے کہ اس میں سے زکوٰۃ دیتا رہوں گا تو اس صورت میں مال کو الگ نکالتے وقت ادا لے زکوٰۃ کی نیت کرنی چاہئے، زکوٰۃ کا مال دیتے وقت نیت ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ: کسی نے ایک مستحق کو زکوٰۃ کا مال دیا لیکن دیتے وقت اس نے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تھی تو اب بعد میں اگر وہ زکوٰۃ کی نیت کرتا ہے تو وہ نیت اسی وقت معتبر ہوگی جب کہ اس مستحق کے پاس وہ مال موجود ہو اور اس نے اسے صرف نہ کیا ہو لیکن اگر مستحق کے پاس صرف ہو گیا ہے اور اس کے پاس موجود نہیں ہے تو پھر بعد میں زکوٰۃ کی نیت معتبر نہ ہوگی اور زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

مسئلہ: صدقہ فطر باعتبار مصرف اور نیت کے زکوٰۃ ہی کی طرح ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ صدقہ ذمی یا کافر کو دیا جاسکتا ہے مگر زکوٰۃ ذمی کافر کو دینا درست نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک عبادت کے درمیان دوسری عبادت کی نیت کرنا درست ہے مثلاً ایک شخص فرض یا نفل پڑھ رہا ہے اور نماز پڑھنے کے دوران اس نے روزہ کی نیت بھی کر لی تو یہ نیت معتبر ہوگی اور نماز فاسد نہیں ہوگی۔

۱۔ ذمی اس کافر کو کہتے ہیں جو حج (پیس) ادا کرے اور اسلامی ریاست کا وفادار شہری ہو۔

مسئلہ: عبادت مثل نماز وغیرہ میں صرف شروع نیت کرنی چاہیے اس کے ہر ہر جز اور رکن کے لئے نیت ضروری نہیں۔ کیونکہ اس سے نماز میں خلل پڑ سکتا ہے۔

مسئلہ: ایک شخص نے فرض نماز شروع کی، درمیان میں اسے خیال ہوا کہ یہ نفل ہے اور پھر نیت کر کے نفل نماز پوری کی، تو اس صورت میں اس کی نماز فرض ادا ہوگی کیونکہ درمیان نماز میں شبہ کا واقع ہونا مستبر نہیں ہوتا ہے چنانچہ اس کے بارے میں کتاب اشباہ میں نہایہ سے ایسا ہی منقول ہے۔

مسئلہ: بعض عبادتیں ایسی ہیں کہ ان میں صرف دل سے نیت کرنا کافی نہیں ہوتا جب تک زبان سے بھی نہ کہے مثلاً نذر ہے کہ اگر ایک شخص نذر کی نماز پڑھتا ہے یا روزہ رکھتا ہے اور نیت صرف دل سے کرتا ہے تو اس طرح نذر ادا نہیں ہوتی جب کہ زبان سے نہ کہے کہ اتنی نمازیں نذر کی میرے ذمہ ہیں یا اتنے روزے نذر کے مجھے رکھنے ہیں یا اتنے نمازیوں کو کھانا کھانا ہے یا مثلاً اسی طرح وقف ہے کوئی شخص بھی اپنی کسی ملکیت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کرتا ہے تو اگر وہ صرف دل میں نیت کرے کہ میں نے فلاں چیز خدا کی راہ میں وقف کی تو یہ وقف معتبر نہ ہوگا جب تک کہ وہ زبان سے ادا نہ کرے کہ میں یہ چیز خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر رہا ہوں۔

عبادت کے علاوہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں دل سے نیت کرنے کا سرے سے اعتبار ہی نہیں ہوتا بلکہ ان میں زبان سے کہنا ہی ضروری اور کافی ہوتا ہے مثلاً طلاق اور عتاق۔ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے لیکن زبان سے نہیں کہتا صرف دل میں نیت کر لیتا ہے کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرتا ہے مگر زبان سے کچھ نہیں کہتا صرف دل میں عتاق کی نیت کرتا ہے تو اس طرح نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ عتاق جب تک زبان سے یہ نہ کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی یا میں نے تجھے آزاد کیا تو اس طرح یہاں صرف زبان سے کہنے کا اعتبار کیا جاوے گا اور محض زبان سے کہنا کافی ضروری ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے کوئی چیز اپنے استعمال کے لئے خریدی مثلاً لونڈی اپنی خدمت کے لئے خریدی یا کپڑا اپنے پہننے کے واسطے خریدا یا اپنے پڑھنے کے لئے کتاب خریدی یا اسی طرح جانور خریدا اپنی سواری کے لئے تو ان چیزوں کو اپنے استعمال کے لئے خریدتا ہے اور دل میں یہ بھی خیال ہے کہ اگر ان چیزوں کی قیمت زیادہ ملی اور نفع ہوا تو میں اس کو بیچ دوں گا تو ایسی صورت میں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

مسئلہ: ایک شخص کو رمضان کے چاند ہونے کی تحقیق نہیں ہو سکی، صبح ہونے پر اسے تردد ہوا کہ خبر نہیں آج رمضان کا دن ہے یا نہیں، اب وہ نیت کرتا ہے کہ اگر آج رمضان کا پہلا دن ہو تو میرا روزہ ہے اور اگر شعبان کا آخری دن ہو تو روزہ نہیں ہے تو روزہ کے لئے اس کی یہ نیت درست نہیں ہوگی ہاں اگر اسے روزہ کے وصف میں شک ہو یعنی وہ اس طرح نیت کرے کہ اگر آج شعبان کا دن ہے تو نفل کے روزہ کی نیت کرتا ہوں اور اگر رمضان کا دن ہے تو فرض روزہ کی نیت کرتا ہوں تو اس طرح کی نیت معتبر اور درست ہوگی، اگر وہ دن رمضان کا ہو تو اس کا فرض روزہ ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ: کسی امر مباح کا وصف باعتبار نیت اور قصد کے مختلف ہوتا ہے اگر کسی مباح کو اطاعت کی نیت سے کیا جائے تو وہ مباح بھی اطاعت میں شامل ہے۔ مثلاً، کھانا، سونا، حلال مال کی کمائی، یا اپنی بیوی سے محبت، مگر ان امور میں جو امر مباح ہیں ان کے کرنے کے وقت عبادت اور خدا تعالیٰ کی اطاعت و رضا کی نیت کر لی جائے تو یہی مباح چیزیں عبادت ہو جاتی ہیں اور ان پر ثواب ملتا ہے لیکن اگر امر مباح میں اطاعت و رضا نے الہی کی نیت نہیں کرتا تو پھر اس پر کوئی ثواب نہیں ملتا۔

مسئلہ: ایک شخص اپنی بیوی کو کنایہ کے الفاظ کے ذریعہ طلاق دیتا ہے تو اس میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا یعنی اگر اس کی نیت طلاق کی تھی تو طلاق پڑ جائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہیں تھی تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر بصراحت طلاق کے الفاظ ادا کر رہا ہے تو پھر اس میں

نیت کی ضرورت نہیں ہوگی اور طلاق بغیر نیت کے واقع ہو جائے گی۔

مسئلہ: حالت جنابت میں قرآن شریف کا قرأت کے ارادہ کے بغیر صرف ذکر کی نیت سے پڑھنا درست ہے لیکن بارادہ قرأت بغیر نیت ذکر پڑھنا درست نہیں ہے بلکہ یہ حرام ہے۔

مسئلہ: اگر تجارت کی نیت ایسے ماحول میں کی ہو جو زمین کی پیداوار ہے خواہ وہ زمین عشری ہو یا خراجی اور یا کرایہ کی ہو، یا عاریہ ہو تو ایسے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

مسئلہ: تجارت کی نیت اگر کوئی شخص ایسی جنس میں کرتا ہے جو اسے کسی ماحول کے عوض کے بغیر ملی ہو مثلاً کسی نے اسے بہہ کیا ہو یا صدقہ دیا ہو یا اسے قطع اور مہر کے ذریعے حاصل ہوا ہو یا ایسے ہی کسی وصیت کے سلسلہ میں اسے کچھ مال ملا ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اگرچہ اس پر ایک سال کیوں نہ گزر جائے مگر جب وہ مال فروخت ہو گا اور اس کے عوض میں جو چیز حاصل ہوگی، خواہ وہ بصورت نقد ہو یا بصورت جنس تو اس پر ایک سال گزر جانے کے بعد زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

مسئلہ: ایک شخص کی ملکیت میں کچھ ایسے جانور ہیں جو سال کے اکثر حصے جنگل میں چرتے ہیں، اگر ان جانوروں سے اس کا مقصد دودھ یا بیجے حاصل کرنا ہے تو اس میں جانوروں کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر اس نے ان سے تجارت کی نیت کی ہو تو اس میں تجارت کی زکوٰۃ ہوگی۔ بشرطیکہ جب اس نے ان جانوروں کو خریدا تھا تو اس وقت بھی اس کی نیت تجارت ہی کی رہی ہو کیونکہ اگر ان جانوروں کے خریدنے کے وقت اس کی نیت سواری یا بار برداری کی رہی ہو تو پھر ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص خوشی سے زکوٰۃ نہیں دیتا ہے تو زکوٰۃ وصول کرنے والے کو جو اہم وقت کی طرف سے مقرر ہے اس سے زبردستی زکوٰۃ حاصل کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اگر اس نے زبردستی زکوٰۃ وصول کر لی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ میں اختیار شرط ہے۔ ہاں اس شخص کو جو خود سے زکوٰۃ نہیں دیتا ہے زکوٰۃ وصول کرنے والا قید کر سکتا ہے تاکہ وہ زکوٰۃ دینے پر راضی ہو جائے اور زکوٰۃ خود بخود ادا کرے۔

بعض ایسی روایتیں بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حاکم زبردستی زکوٰۃ وصول کرے اور اس کو زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے لیکن ایسی روایتیں ضعیف ہیں۔ معتمد اور معتبر روایت یہی ہے کہ زبردستی زکوٰۃ وصول کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

مسئلہ: جمعہ کے خطبہ کے لئے نیت ضروری ہے۔ اگر ایک شخص خطبہ کے لئے منبر پر کھڑا ہو اور کھڑے ہونے کے بعد اسے چھینک آئی۔ اس نے الحمد للہ کہا، تو چونکہ یہ الحمد للہ اس نے چھینک کے لئے کہا ہے اور خطبہ کی نیت نہیں کی ہے۔ اس لئے اس کا خطبہ میں شمار نہیں ہوگا۔

اسی طرح عیدین کے خطبہ میں بھی نیت ضروری ہے۔ اگر عیدین میں منبر پر کھڑے ہو کر بغیر نیت کے الحمد للہ کی حمد و ثناء کی تو خطبہ ادا نہیں ہوگا جب تک کہ خطبہ کی نیت نہ کرے۔

مسئلہ: ایک شخص انگور کے رس کی تجارت کرتا ہے جس سے شراب بنائی جاتی ہے۔ اگر اس کی نیت محض تجارت کی ہے اور اس کا مقصد اس تجارت سے یہ نہیں ہے کہ اس سے شراب بنائی جائے تو یہ تجارت صحیح ہوگی اور اگر اس کی تجارت ہی یہ ہے کہ اس سے شراب بنائی جائے تو یہ تجارت حرام ہوگی۔

اسی طرح اگر ایک شخص انگور کا درخت لگاتا ہے اور اس کی نیت یہ ہے کہ لوگ انگور کھائیں گے یا انگور کی تجارت کروں گا تو یہ صحیح ہے اور اگر وہ انگور کا درخت اس نیت سے لگاتا ہے کہ اس سے شراب بنائی جائے گی تو یہ حرام ہوگا۔

ایسے ہی انگور کا شیرہ سرکہ بنانے کی نیت سے نکالنے کو صحیح ہے اور اگر شراب بنانے کی غرض سے انگور کا شیرہ نکالا جائے گا تو یہ حرام ہوگا۔

ایک شخص کسی مسلمان سے کسی ناراضگی یا لڑائی کی بنا پر ملاقات نہ کرے تو یہ اس کے حق میں حرام ہے ہاں اگر اس کا ملاقات نہ کرنا اس بنا پر نہ ہو تو اگر بہت عرصہ تک بھی ملاقات نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک عورت اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسری میت کے موقع پر اگر تین دن سے زیادہ بناؤ سنگار اور زیب و زینت محض سوگ منانے یا ماتم داری کے لئے چھوڑتی ہے تو یہ حرام ہے۔ ہاں اگر یہ مقصد نہیں ہے بلکہ ایسے ہی اضطراب و ازیب و زینت ترک کیے ہوئے ہے تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: کسی میت کے موقع پر مہاج چرس ترک کر دینا مثلاً اچار نہ ڈالنا، چرخہ نہ کاٹنا، وال نہ دھونی، چارپائی پر نہ سونا، سویاں نہ بنانی پکانی اور نہ بھونی یا اسی طرح چلم یا ششماہی تک شادی، نکاح، عقیقہ، ختنہ نہ کرنا یہ سب رسم محض ہیں جو حرام ہیں۔

البتہ ان کے ترک کرنے میں اگر یہ نیت نہیں ہے بلکہ کسی امر خارجی کی بنا پر یا یونہی ان سے اجتناب کیا جائے تو حرج نہیں ہے لیکن شادی و نکاح میں کسی طرح بھی تاخیر مناسب نہیں کیونکہ یہ سنت ہے اور سنت جتنی جلدی ادا ہو اتنا ہی اچھا ہے اور باعث ثواب ہے۔

مسئلہ: نماز جنازہ کی نیت اس طرح ہوتی ہے ”میں نماز جنازہ پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ کے واسطے اور دعا اس میت کے واسطے“۔

مسئلہ: سجدہ تلاوت میں قیمن کرنا کہ فلاں تلاوت کا سجدہ ہے ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ: مقتدی کی نماز امام کی اقتداء کی نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتی لیکن امامت بغیر نیت امامت کے صحیح ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ امام کی اقتداء کی نیت کرے اس کے بغیر اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی لیکن امام کے لئے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ مقتدی کی امامت کی نیت کرے۔ ہاں اگر امام کو معلوم ہے کہ پیچھے عورتیں بھی میری اقتداء میں نماز پڑھیں گی تو جب اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ عورتوں کی امامت کی نیت کرے۔ اگر امام نے عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کی، تو عورتوں کی نماز نہیں ہوگی۔

بعض علماء نے جمعہ اور عیدین کی نماز کو اس حکم سے مستثنیٰ رکھا ہے یعنی اگر امام جمعہ و عیدین کی نماز میں عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے تو عورتوں کی اقتداء درست ہے اور ان کی نماز ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں کسی کی امامت نہیں کروں گا اس نے نماز شروع کی پیچھے سے ایک شخص آکر اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے لگا تو اس کی یہ اقتداء ٹھیک ہے اور نماز ہو جائے گی، اب رہا سوال قسم کا کہ وہ ٹوٹی یا نہیں؟ تو اس کی قسم قضاء تو ٹوٹ گئی لیکن دیانۃً نہیں ٹوٹی، یعنی قاضی اس کی قسم کے ٹوٹ جانے کا حکم لگا دے گا لیکن عند اللہ وہ گنہگار نہیں ہوگا اور اگر اس شخص نے نماز سے پہلے کسی کو اپنی قسم کا گواہ بنالیا تو پھر قضاء بھی نہیں ٹوٹے گی۔

اگر وہ قسم کھانے والا شخص جمعہ کی نماز میں لوگوں کا امام بنا تو نماز صحیح ہو جائے گی لیکن قضاء اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اگر ایسے شخص نے جنازہ کی نماز کی امامت کی قسم بالکل نہیں ٹوٹے گی اسی طرح سجدہ تلاوت میں بھی نہیں ٹوٹے گی۔

ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کا امام نہیں بنوں گا، نماز میں دوسرے لوگوں کی امامت کی اور نیت یہی ہے کہ اس شخص کا امام نہیں ہوں بلکہ دوسرے لوگوں کا امام ہوں لیکن اس شخص نے اس کی لاعلمی میں آکر اس کے اقتداء کر لی تو اس امام کی قسم ٹوٹ جائے گی اگرچہ اس نے اقتداء اس کی لاعلمی ہی میں کی ہو۔

مسئلہ: جبہ کے لئے نیت شرط نہیں ہے اگر ایک شخص نے کسی کو کوئی چیز ازراہ مذاق بخش دی تو وہ اس کی ملکیت ہو جائے گی اور جبہ صحیح

ہوگا۔

کسی نے ایک لاعلم شخص کو بخشش کے الفاظ سکھلا دیے اس کو معلوم نہیں تھا کہ ان الفاظ سے بہہ ہو جاتا ہے پس اگر وہ شخص ان الفاظ کا تلفظ کرتا ہے تو اس طرح بہہ نہیں ہوگا لیکن یہ بہہ کا صحیح نہ ہونا اس لئے نہیں ہے کہ یہاں نیت نہیں پائی گئی بلکہ اس لئے کہ یہاں بہہ کی شرط مقفود ہے اور جب شرط نہیں پائی گئی تو بہہ بھی صحیح نہیں ہوگا اور بہہ کی شرط رضامندی اور خوشی ہے۔

اگر کوئی شخص کسی سے زبردستی کر رہا ہے کہ فلاں چیز مجھے دے دے اور زبردستی اس سے لے بھی لی تو یہ بہہ صحیح نہیں ہوگا بخلاف طلاق اور عتاق کے کہ حالت زبردستی میں بھی طلاق اور عتاق واقع ہو جاتے ہیں یعنی اگر کسی سے زبردستی طلاق لی جائے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

مسئلہ: نماز جنازہ میں اگر مقتدی ذکر کی نیت سے سورہ فاتحہ بارودہ قرائت پڑھتا ہے تو یہ حرام نہیں اگرچہ امام اعظم کے نزدیک امام کے پیچھے مقتدی کو قرائت کرنا حرام ہے لیکن چونکہ یہاں وہ سورہ فاتحہ بارودہ قرائت نہیں پڑھ رہا ہے بلکہ بہ نیت ذکر پڑھ رہا ہے اس لئے اس کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی پر یہ مسئلہ بھی جہی ہے کہ اگر جنبی مرد یا عورت یا حیض و نفاس والی عورت قرآن کی آیت بارودہ ذکر اور دعا کے لئے پڑھے تو درست ہے اور اگر بارودہ قرائت قرآن کے پڑھے تو یہ درست نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک شخص کوئی چیز خریدنے کسی دکان پر آیا۔ دکاندار نے اپنا سامان مثلاً کپڑے کا تھان یا غلہ کی پوری وغیرہ اس کے سامنے کھولی اور گاہک کو رغبت دلانے کی خاطر اپنے سامان کو دیکھ دیکھ کر سبحان اللہ کہنے لگیا اور دوسلام پڑھنے لگا تو یہ مکروہ ہے۔

مسئلہ: ایک شخص معمول کی خوراک سے بھی زیادہ کھانا کھاتا ہے اگر اس زیادتی کی وجہ محض خواہش نفسانی ہے تو یہ مناسب نہیں ہے۔ ہاں اگر اس سے اس کی نیت یہ ہے کہ کل روزہ رکھوں گا یا اس کا مقصد یہ ہے کہ میرے ساتھ جو مہمان کھانا کھا رہا ہے وہ بھی میری طرح زیادہ کھائے اور بھوکا نہ رہے تو یہ مستحب ہے۔

مسئلہ: ایک مسلمان کو کسی کافر نے اپنی ڈھال بنا کر آگے کھڑا کر لیا، کوئی دوسرا مسلمان جو کافر کے مقابل ہے اور تیر چلاتا ہے تو اس سے اگر اس کا ارادہ مسلمان کا قتل ہے تو یہ حرام ہے اور اگر اس کا مقصد اس تیر کے چلانے سے کافر کو ہلاک کرنا ہے تو یہ حرام نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک شخص کو کوئی چیز راستہ میں پڑی ہوئی ملی اگر وہ شخص اس چیز کو اس نیت سے اٹھاتا ہے کہ اس کے مالک کو ڈھونڈ کر یہ چیز اس کے حوالہ کر دوں گا تو یہ جائز ہے اور اگر اس نیت سے اٹھاتا ہے کہ اس کے مالک کو نہیں دوں گا بلکہ اپنے پاس رکھوں گا تو یہ ناجائز ہے اور یہ شخص وہ چیز اٹھا کر غاصب اور گنہگار ہوگا۔

مسئلہ: اگر کتاب کو حفاظت کی نیت سے تکیہ بناتا ہے تو یہ مکروہ نہیں ہے اور اگر حفاظت کی نیت نہیں ہے تو یہ مکروہ ہے۔

مسئلہ: ایک شخص خربٹ پر بیٹھ گیا جس میں قرآن شریف تھا اگر وہ قرآن شریف کی حفاظت کی غرض سے اس پر بیٹھا ہے تو مکروہ نہیں ہے اور اگر حفاظت کی نیت سے نہیں بیٹھا تو یہ مکروہ ہے۔

مسئلہ: ایک شخص کھانا چھوڑ دیتا ہے اس کا یہ کھانا چھوڑنا اگر پرہیز اور دوا کی وجہ سے ہے، یا یہ کہ اس کو خواہش اور بھوک نہیں اس لئے کھانا چھوڑے ہوئے ہے تو ان صورتوں میں مستحق ثواب نہیں ہوگا۔ ہاں اگر وہ بارودہ روزہ کھانا ترک کیے ہوئے ہے تو اس پر ثواب ملے گا۔

۱۔ خربٹ اس تیلے کو کہتے ہیں جس میں غلہ وغیرہ ڈال کر گھوڑے اور ٹنڈ وغیرہ پر لاتے ہیں

مسئلہ: کوئی شخص مسجد میں محض آرام کرنے کے لئے بیٹھا ہے تو اس پر کوئی ثواب نہیں اور اگر نماز کے انتظار کی نیت یا اعتکاف کی نیت سے بیٹھا ہے تو اس پر ثواب کا مستحق ہوگا۔

مسئلہ: کسی جانور کو ایک تو محض کھانے کی نیت سے ذبح کیا جائے تو یہ مباح ہوگا لیکن اسی جانور کو ذبح کرنا عبادت کی غرض سے ہو مثلاً قربانی تو یہی ثواب کا باعث ہوگا۔ یا جانور ذبح کرے کسی مردہ یا زندہ شخص کی تعظیم اور چڑھاوے کی غرض سے تو یہ حرام بلکہ ایک قول کے مطابق کفر ہوگا۔

مسئلہ: نماز میں رکعت کی تعداد اور سجدوں کی تعداد کی نیت ضروری نہیں ہے اور نہ اس نیت کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً ایک شخص ظہر کی نماز پڑھتا ہے اور نیت کرتا ہے کہ ”میں نماز پڑھتا ہوں ظہر کی تین رکعت“ تو اس کی نماز ظہر کی صحیح ہو جائے گی اور تین رکعت کی نیت لغو ہو جائے گی۔

مسئلہ: ایک شخص نے کسی متعین امام کے اقتداء کی نیت کی لیکن بعد میں اسے معلوم ہوا کہ جس امام کی نیت کی تھی یہ وہ امام نہیں ہے بلکہ دوسرا امام ہے تو نماز صحیح ہو جائے گی اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے امام کو دیکھا اور اقتداء کی نیت کی کہ میں اس امام کے پیچھے کہ اس کا نام زید ہے نماز پڑھتا ہوں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ زید نہیں ہے تو جب بھی نماز درست ہو جائے گی۔

اسی طرح مقتدی امام سے بہت دور ہے کہ امام کو نہیں دیکھ سکتا اور نیت اسی طرح کی کہ امام کے پیچھے کہ اس کا نام زید ہے نماز پڑھتا ہوں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ زید نہیں ہے تو جب بھی نماز درست ہو جائے گی۔

کسی شخص نے نیت کی کہ میں نماز پڑھتا ہوں پیچھے اس شاب یعنی جو ان کے لیکن اتفاق سے وہ شیخ یعنی بوڑھا نکلا تو نماز درست نہیں ہوگی۔ البتہ اگر اس کا ٹکس ہو کہ نیت تو کرے شیخ یعنی بوڑھے کی اور ہو شاب یعنی جو ان تو نماز درست ہو جائے گی کیونکہ شاب کو بھی باعتبار اس کے علم اور فضل اور بزرگی کے شیخ کہا جاتا ہے بخلاف شیخ کے کہ اس کے لئے شاب کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا۔

مسئلہ: ایک شخص نے خالصہ اللہ نماز شروع کی درمیان میں ریا کا خیال پیدا ہو گیا تو نماز اس کی پہلی نیت کی معتبر ہوگی۔ ریا یہ ہے کہ اگر تنہا ہو تو نماز پڑھے اور اگر لوگوں کے ساتھ ہو تو نماز پڑھے۔

یا اسی طرح اگر تنہا نماز پڑھتا ہے تو اچھی طرح نہیں پڑھتا اور اگر چند آدمیوں کے ساتھ پڑھتا ہے تو اچھی طرح پڑھتا ہے۔ بہر حال اس کو اصل نماز کا ثواب ملے گا ہاں حسن نماز کا ثواب نہ ملے گا۔

مسئلہ: اگر کسی کو نماز کے بارے میں شک ہو کہ نماز پڑھی ہے یا نہیں تو اس کو وقت کے اندر دوبارہ نماز پڑھنی چاہئے اور اگر شک واقع ہوا کہ رکوع یا سجدہ کیا یا نہیں؟ اور وہ حالت نماز ہی میں ہے تو اس کو چاہیے کہ رکوع یا سجدہ دوبارہ کر لے اور اگر یہ شک نماز کے بعد واقع ہوا تو دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

یا اسی طرح شک ہوا کہ خبر نہیں تکبیر تحریمہ کہی یا نہیں یا وضو ہوا ہے یا نہیں یا شک ہوا کہ کپڑے پر نجاست لگی ہے یا نہیں یا ایسے ہی تردد ہوا کہ سر پر مسح کیا ہے یا نہیں؟ تو ان سب صورتوں میں یہ دیکھا جائے گا کہ یہ شک کا واقع ہونا پہلی مرتبہ ہے یا بار بار ایسا ہی شک واقع ہوتا رہتا ہے۔ اگر پہلی مرتبہ یہ شک واقع ہوا ہے تو نماز از سر نو پڑھے اور اگر اکثر ایسا ہی شک برابر ہوتا رہتا ہے تو دوبارہ از سر نو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مسئلہ: کسی معصیت اور گناہ کا محض قلب میں خیال آنے کے پانچ درجے ہیں:

اول ہاجس۔ یعنی دل میں کسی گناہ کے خیال کا اضطراب آ جاتا۔

دوم خاطر۔ یعنی دل میں کسی گناہ کا خیال (قصداً) لانا۔

سوم حدیث نفس۔ یعنی کسی گناہ کے بارے میں تردد ہونا کہ آیا یہ گناہ کیا جائے یا نہیں۔

چہارم ”ہم“۔ یعنی اس تردد میں کسی ایک جانب کو ترجیح دینا۔

پنجم۔ عزم۔ یعنی قصد گناہ کو تقویت دینا۔

تو شریعت میں ہا جس، خاطر، حدیث نفس، ان تینوں پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور نہ ان پر کوئی عذاب ملے گا۔ ہا جس پر تو مواخذہ اس لئے نہیں ہوتا کہ دل میں خیل کا آنا یا قلب میں وسوسہ کا پیدا ہونا کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اس معاملہ میں انسان مجبور ہے لہذا اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

”خاطر اور حدیث نفس“ پر مواخذہ نہ ہونا اُمت محمدیہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ یعنی اس اُمت پر جہاں خدا تعالیٰ کے اور بہت سے فضل و کرم ہیں وہیں یہ بھی ایک بڑا فضل ہے کہ اس اُمت سے ان دونوں پر مواخذہ کو ختم کر دیا گیا ہے۔

”ہم“ میں فرق ہو گا یعنی اگر جانب خیر کو ترجیح دے رہا ہے تو اس پر ایک نیکی لکھی جائے گی۔ اگر برائی کو ترجیح دے رہا ہے تو اس پر مواخذہ نہیں ہو گا۔ یہ بھی اس اُمت پر خدا تعالیٰ کا احسان ہے البتہ عزم کے بارے میں محققین علماء کا قول ہے کہ اس پر مواخذہ ہوتا ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب الایمان

ایمان کے ابواب

ایمان کا مطلب: ”ایمان“ کے معنی ہیں، یقین کرنا، تصدیق کرنا، مان لینا۔ اصطلاح شریعت میں ”ایمان“ کا مطلب ہوتا ہے، اس حقیقت کو تسلیم کرنا اور ماننا کہ اللہ ایک ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود اور پروردگار نہیں، اس کے تمام ذاتی و صفاتی کمالات برحق ہیں۔ محمد (ﷺ) اللہ کے آخری رسول اور نبی ہیں، ان کی ذات صادق و مصدوق ہے اور یہ کہ آپ ﷺ کتاب و سنت کی صورت میں اللہ کا جو آخری دین و شریعت لے کر اس دنیا میں آئے اس کی حقانیت و صداقت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

تکمیل ایمان: محدثین کے نزدیک ”ایمان“ کے تین اجزاء ہیں: ”تصدیق بالقلب“ یعنی اللہ کی وحدانیت، رسول ﷺ کی رسالت اور دین کی حقانیت میں دل سے یقین رکھنا اور اس یقین و اعتماد پر دل و دماغ کا مطمئن رہنا۔ ”اقرار باللسان“ یعنی اس دلی یقین و اعتقاد کا زبان سے اظہار، اعتراف اور اقرار کرنا۔ ”اعمال بالجوارح“ یعنی دین و شریعت کے احکام و ہدایات کی جسمانی بجا آوری کے ذریعہ اس دلی یقین و اعتقاد کا عملی مظاہرہ کرنا۔ ان تینوں اجزاء سے مل کر ”ایمان“ کی تکمیل ہوتی ہے اور جو شخص اس ایمان کا حامل ہوتا ہے اس کو ”مومن و مسلمان“ کہا جاتا ہے۔

ایمان اور اسلام: کیا ایمان اور اسلام میں کوئی فرق ہے یا یہ دونوں لفظ یکساں مفہوم کو ادا کرتے ہیں؟ اس سوال کا تفصیلی جواب تفصیلی بحث کا مستحق ہے جس کا یہاں موقع نہیں ہے۔ خلاصہ کے طور پر انتخاب کرنا کافی ہے کہ ظاہری مفہوم و مصداق کے اعتبار سے تو یہ دونوں لفظ تقریباً یکساں مفہوم کے لئے استعمال ہوتے ہیں لیکن اس اعتبار سے ان دونوں کے درمیان فرق ہے کہ ”ایمان“ سے عام طور پر تصدیق قلبی اور احوال باطنی مراد ہوتے ہیں جب کہ ”اسلام“ سے اکثر و بیشتر ظاہری اطاعت و فرمانبرداری مراد لی جاتی ہے اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ”وحدانیت، رسالت اور شریعت کو ماننے اور تسلیم کرنے“ کا جو باطنی تعلق دل و دماغ سے قائم ہوتا ہے اس کو ”ایمان“ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس باطنی تعلق کا جو اظہار عمل جوارح کے ذریعہ ظاہری احوال سے ہوتا ہے اس کو ”اسلام“ سے تعبیر کرتے ہیں، ایک محقق کا قول ہے تصدیق قلبی جب پھوٹ کر جوارح ”اعضاء“ پر نمودار ہو جائے تو اس کا نام ”اسلام“ ہے اور اسلام جب دل میں اتر جائے تو ”ایمان“ کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ حقیقت ایک ہے مومن کے اعتبار سے اس کو کبھی ”ایمان“ کہا جاتا ہے اور کبھی ”اسلام“ اسی لئے ایمان اور اسلام ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہیں، نہ تو ایمان کے بغیر اسلام معتبر ہوگا اور نہ اسلام کے بغیر ایمان کی تکمیل ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص پانچوں وقت کی نماز بھی پڑھے، ہر سال زکوٰۃ بھی ادا کرے، استطاعت ہو تو حج بھی کر ڈالے اور اسی طرح دوسرے نیک کام کر کے اپنی ظاہری زندگی کو ”اسلام“ کا مظہر بنائے ہوئے ہو مگر اس کا باطن ”قلبی تصدیق و انقیاد“ سے یکسر خالی ہو اور کفر و انکار سے بھرا ہوا ہو تو اس کے یہ سارے اعمال بیکار محض قرار پائیں گے اسی طرح اگر کوئی شخص ایمان یعنی قلبی تصدیق و انقیاد تو رکھتا ہے مگر عملی زندگی میں اسلام کا مظہر ہونے کے بجائے سرکشی و نافرمانی کا پیکر اور کافرانہ و مشرکانہ اعمال کا مجسمہ بنا ہوا ہے تو اس کا ایمان بار

آور نہیں ہوگا۔

بعض اہل نظر نے ”ایمان اور اسلام“ کی مثال ”شہادتین“ سے دی ہے یعنی جیسے کلمہ شہادت میں دیکھا جائے تو شہادت وحدانیت الگ ہے اور شہادت رسالت الگ ہے۔ لیکن ان دونوں کا ارتباط و اتحاد اس درجہ کا ہے کہ شہادت رسالت کے بغیر شہادت وحدانیت کارآمد نہیں، اور شہادت وحدانیت کے بغیر شہادت رسالت کا اعتبار نہیں۔ ٹھیک اسی طرح ”ایمان“ اور ”اسلام“ کے درمیان دیکھا جائے تو بعض اعتبار سے فرق محسوس ہوتا ہے لیکن ان دونوں کا ارتباط و اتحاد اس درجہ کا ہے کہ اعتقاد باطنی (یعنی ایمان) کے بغیر صرف اعمال ظاہرہ (اسلام) کھلا ہوا اتفاق ہیں اور اعمال ظاہرہ کے بغیر اعتقاد باطن کفر کی ایک صورت ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں کے مجموعہ کا نام ”دین“ ہے۔

ایمان کا مدار ”جاننے“ پر نہیں ”ماننے“ پر ہے: ایمان کے بارے میں اس اہم حقیقت کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ تصدیق یعنی ماننے کا نام ایمان ہے نہ کہ محض علم یا معرفت یعنی جاننے کا۔ مطلب یہ کہ ایک شخص جانتا ہے کہ ”اللہ“ ہے اور یکتا ہے وہی پروردگار اور معبود ہے، محمد (ﷺ) اللہ کے سچے بندے اور اس کے رسول ہیں، آپ (ﷺ) نے جس دین و شریعت اور تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، وہ نبی بر حقیقت و صداقت ہے۔ مگر وہ شخص دل سے ان باتوں کو نہیں مانتا، ان پر اعتقاد نہیں رکھتا، اس کا قلب ان باتوں کے اذعان و قبول سے خالی ہے تو اس شخص میں ”ایمان“ کا وجود نہیں مانا جائے گا اس کو مؤمن نہیں کہا جائے گا۔ مؤمن تو وہی شخص ہو سکتا ہے جو ان باتوں کو سچ اور حق بھی جانے اور دل سے ماننے اور تسلیم بھی کرے۔ جب داعی حق (ﷺ) نے اسلام کی دعوت پیش کی تو تمام اہل عرب بالخصوص اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) الوہیت کے بھی قائل تھے اور یہ بات بھی خوب جانتے تھے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے سچے اور آخری رسول ہیں اور جو دین و شریعت پیش کر رہے ہیں وہ حق اور سچ ہے۔ مگر ان میں سے جو لوگ حسد و عناد رکھنے کے سبب ان حقائق کو ماننے اور تسلیم نہیں کرتے تھے ان کے دل و دماغ میں ایمان کا نور داخل نہیں ہو سکا اور وہ کافر کے کافر ہی رہے، ان حقائق کا ”جاننا“ ان کے کوئی کام نہ آیا۔

بعض صورتوں میں ”اقرار باللسان“ کی قید ضروری ہے: جن حقائق کو ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کا زبان سے اقرار کرنا گودود ایمان کے لئے ضروری ہے لیکن بعض حالتوں میں یہ زبانی اقرار (اقرار باللسان) ضروری نہیں رہتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص گونگا ہے اور اس کے قلب میں تصدیق تو موجود ہے لیکن زبان سے کوئی لفظ ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو ایسے شخص کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کا ایمان زبانی اقرار کے بغیر بھی معتبر مانا جائے گا، اسی طرح کوئی شخص جانی خوف یا کسی واقعی مجبوری کی بنا پر زبان سے اپنے ایمان کا اقرار نہیں کر سکتا تو اس کا ایمان بھی زبانی اقرار کے بغیر معتبر ہوگا۔

”اعمال“ کی حیثیت: وجود ایمان کی تکمیل کے لئے ”اعمال“ بھی لازمی شرط ہیں کیونکہ تصدیق قلب اور زبانی اقرار کی واقعیت و صداقت کا ثبوت ”اعمال“ ہی ہیں۔ یہی عملی ثبوت ظاہری زندگی میں اس فیصلہ کی بنیاد بنتا ہے کہ اس کو مؤمن و مسلمان کہا جائے اسی بنا پر یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص دعوائے ایمان و اسلام کے باوجود ایسے اعمال کرتا ہے جو مخالفہ کفر کی علامت اور ایمان و اسلام کے منافی ہیں، یا جن کو اختیار کرنے والے پر کافر ہونے کا یقین ہوتا ہے تو وہ شخص کافر ہی شمار ہوگا اور ایمان و اسلام کا دعویٰ غیر معتبر مانا جائے گا۔

الفصل الاول

حدیث جبریل

① عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ يَنْشَأُ نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ

عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدٌ بِبَاضِ الْقِيَابِ شَدِيدٌ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَكْثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَى الشَّيْخِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَدْرَكَتْهُ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا قَالَ صَدَقْتَ فَعَجَبْنَا لَهُ نِسَالَهُ وَيُصَدِّقُهُ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ آخِرَتِهَا قَالَ أَنْ تَلِدَ الْأُمَةُ رَجُلًا وَأَنْ تَرَى الْخَفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّيْءِ يَنْظُرُونَ فِي الْبُيُوتِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مِنَ السَّائِلِ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهُ جَبْرِيْلُ أَتَاكُمْ يَعْلَمُكُمْ وَيُنَكِّمُ زَوْأَهُ مُسْلِمٌ وَزَوْأَهُ أَبُوهُرَيْرَةُ مَعَ اخْتِلَافٍ وَفِيهِ وَإِذَا زَايَتِ الْخَفَاةَ الْعُرَاةَ الصُّمُّ الْبِكْمُ مُلُوكُ الْأَرْضِ فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ قَرَأَ أَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الْآيَةَ۔ (متفق علیہ)

”حضرت عمر بن الخطابؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن (ام صحابہ) رسول خدا ﷺ کی مجلس مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص ہمارے درمیان آیا جس کا لباس نہایت صاف ستھرے اور سفید کپڑوں پر مشتمل تھا اور جس کے بال نہایت سیاہ (اور چمکدار) تھے، اس شخص پر نہ تو سفر کی کوئی علامت تھی کہ اس کو کہیں سے سفر کر کے آیا ہو کوئی اجنبی شخص سمجھا جاتا، اور نہ ہم سے کوئی اس کو پہچانتا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کوئی مقامی شخص یا کسی کامیاب شخص بھی نہیں تھا، بہر حال وہ شخص نبی کریم ﷺ کے اتنے قریب آکر بیٹھا کہ آپ ﷺ کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملائے اور پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر رکھ لئے (جیسے ایک سعادت مند شاگرد اپنے جلیل القدر استاد کے سامنے باادب بیٹھتا ہے اور استاد کی باتیں سننے کے لئے ہمہ تن متوجہ ہو جاتا ہے) اس کے بعد اس نے عرض کیا اے محمد (ﷺ)! مجھ کو اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرمائیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اس حقیقت کا اعتراف کرو اور گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور پھر تم پابندی سے نماز پڑھو (اگر صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور زاد راہ میسر ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔ اس شخص نے یہ سن کر کہا آپ ﷺ نے حج فرمایا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس (تضاد) پر ہمیں تعجب ہوا کہ یہ شخص (ایک لاعلم آدمی کی طرح پہلے تو) آپ ﷺ سے دریافت کرتا ہے اور پھر آپ ﷺ کے جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے (جیسے اس کو ان باتوں کا پہلے سے علم ہوا) پھر وہ شخص بولا اے محمد (ﷺ)! اب ایمان کی حقیقت بیان فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا (ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو اور قیامت کے دن کو دل مانو اور اس بات میں یقین رکھو کہ برا بھلا جو کچھ پیش آتا ہے وہ نوشتہ تقدیر کے مطابق ہے۔ اس شخص نے (یہ سن کر) کہا آپ ﷺ نے حج فرمایا۔ پھر بولا اچھا اب مجھے یہ بتائیے کہ احسان کیا ہے آنحضرت نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبارت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو (یعنی اتنا حضور قلب میسر نہ ہو سکے) تو پھر (یہ بیان میں رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پھر اس شخص نے عرض کیا قیامت کے بارے میں مجھے بتائیے (کہ کب آئے گی) آپ ﷺ نے فرمایا اس بارے میں جواب دینے والا، سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا (یعنی قیامت کے متعلق کہ کب آئے گی، میرا علم تم سے زیادہ نہیں جتنا تم جانتے ہو اتنا ہی مجھ کو معلوم ہے) اس کے بعد اس شخص نے کہا اچھا (اس قیامت) کی کچھ نشانیاں ہی مجھے بتادیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا لو نذی اپنے آقا یا مالک کو جنے گی اور برہنہ پا، برہنہ جسم مفلس و فقیر اور بکریاں چرانے والوں کو تم عالی شان مکانات و عمارت میں فخر و غرور کی زندگی بسر کرتے دیکھو گے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ شخص چلا گیا اور میں نے (اس کے بارے میں) آپ سے فورا دریافت نہیں کیا (بلکہ) کچھ دیر توقف کیا، پھر آپ ﷺ نے خود ہی مجھ سے پوچھا عمر! لے نائی کی روایت ہے کہ پھر اس نے اپنے ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوئے مبارک پر رکھے۔

جانتے ہو سوالات کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی بہتر جانتے ہیں، آپ (ﷺ) نے فرمایا یہ جبرئیل (علیہ السلام) تھے جو (اس طریقہ سے) تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ (مسلم) اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ نے چند الفاظ کے اختلاف و فرق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی روایت کے آخری الفاظ یوں ہیں۔ (آنحضرت ﷺ) نے قیامت کی نشانیوں کے بارے میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جب تم برہنہ پا رہے ہو اور بہرے گوئے لوگوں کو زمین پر حکمرانی کرتے دیکھو (تو سمجھ لینا کی قیامت قریب ہے) اور قیامت تو ان پانچ چیزوں میں سے ایک ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں رکھتا۔ اور پھر آپ (ﷺ) نے یہ آیت اِنَّ اللہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیَنْزِلُ الْغَیْثَ اٰخِرَ تَکِیْمٍ (جس کا ترجمہ یہ ہے: اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور بارش کا گلاب برسائے گا اور وہی (حاملہ) کے پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے) (کہ لڑکا ہے یا لڑکی) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کسی شخص کو نہیں معلوم کہ کس زمین میں اسے موت آئے گی۔ بیشک اللہ ہی جانتے والا اور خبردار ہے۔)۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث جبرئیل کہلاتی ہے کیونکہ یہ حدیث اس سوال و جواب (انٹرویو) پر مشتمل ہے جس کے ذریعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بڑی خوبی کے ساتھ اسلام و ایمان کی حقیقت اور دین کی اساسی باتوں کا تعارفی خاکہ پیغمبر اسلام (ﷺ) کی زبان مبارک سے دنیا والوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

حدیث میں سب سے پہلے ایمان اور اسلام کی حقیقت بیان ہوئی ہے جس سے ایمان اور اسلام کے درمیان یہ فرق بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ ایمان کا تعلق تو باطن یعنی قلبی تصدیق و اعتقاد سے ہے اور اسلام کا تعلق ظاہر یعنی اعمال اور جسمانی اطاعت و فرمانبرداری سے ہے۔ ”اللہ کو ماننے“ کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ اس کی ذات اور اس کی صفات برحق ہیں، عبادت و پرستش کی سزاوار صرف اسی کی ذات ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی اس کا ہمسرو شریک نہیں۔

”فرشتوں کو ماننے“ کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ”فرشتوں“ کے نام سے موجود ہے یہ فرشتے لطیف اور نورانی اجسام ہیں، ان کا کام ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی تعمیل کرنا ہے۔

”کتابوں کو ماننے“ کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں اور وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبروں پر جو کتابیں نازل فرمائی ہیں اور جن کی تعداد ایک سو چار ہے۔ وہ سب کلام خداوندی اور احکام و فرائض الہی کا مجموعہ ہیں اور ان میں چار کتابیں تورات، انجیل، زبور، اور قرآن مجید سب سے اعلیٰ و افضل ہیں اور پھر ان چاروں میں سب سے اعلیٰ و افضل ”قرآن مجید“ ہے۔

”رسولوں کو ماننے“ کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ اول الانبیاء حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) تک تمام نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کے سب سے بچے، سب سے پیارے اور سب سے افضل بندے ہیں جن کو اس نے اپنے احکام و ہدایات دے کر مختلف زمانوں، مختلف علاقوں اور مختلف قوموں میں مبعوث کیا اور انہوں نے ان خدائی احکام و ہدایات کے تحت دنیا والوں کو ابدی صداقت و نجات کا راستہ دکھانے اور نیکی و بھلائی پھیلانے کا اپنا فریضہ پورے طور پر ادا کیا اور یہ کہ ان تمام نبیوں اور رسولوں کے سردار پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) ہیں جو کسی خاص زمانہ، کسی خاص علاقہ اور کسی خاص قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے، بلکہ اللہ کا ابدی دین ”اسلام“ لے کر تمام دنیا اور پوری کائنات کی طرف مبعوث ہوئے اور تا قیامت ان ہی کی نبوت اور انہی کی شریعت جاری و نافذ رہے گی۔

”یوم آخرت یعنی قیامت کے دن“ سے مراد وہ عرصہ ہے جو مرنے کے بعد سے قیامت قائم ہونے اور پھر جنت میں داخل ہونے تک پر مشتمل ہے۔ ”قیامت کے دن کو ماننے“ کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ شریعت اور شارع نے مابعد الموت اور آخرت کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے یعنی موت کے بعد پیش آنے والے احوال مثلاً قبر اور برزخ کے احوال، قیامت، حشر و نشر، حساب و کتاب اور پھر جزاء و سزا کا فیصلہ اور جنت و دوزخ یہ سب اہل حقائق ہیں اور جن کا واقعہ زیر ہونا اور پیش آنا لازمی امر ہے۔ اس میں شک

اور شبہ نہیں۔

”تقدیر میں یقین رکھنے“ کا مطلب اس حقیقت کو دل سے تسلیم کرنا ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب نوشتہ تقدیر کے مطابق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوتا ہے، آج جو بھی علم سرزد ہوتا ہے خواہ وہ نیکی کا ہو یا بدی کا، خالق کائنات کے علم اور تقدیر میں وہ ازل سے موجود ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ مجبور و مضطر ہے۔ کاتب تقدیر نے انسان کو ”مختار“ بنایا ہے۔ یعنی اس کے سامنے نیکی و بدی کے دونوں راستے کھول کر اس کو اختیار دے دیا ہے کہ چاہے وہ نیکی کے راستے پر چلے، چاہے بدی کے راستے پر، اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ نیکی کے راستے پر چلو گے تو جزاء و انعام سے نوازے جاؤ گے جو اللہ کا فضل و کرم ہو گا اور اگر بدی کے راستے پر چلو گے تو سزا اور عذاب کے مستوجب بنو گے اور روزِ خ میں ڈالے جاؤ گے جو عذابِ خداوندی کے عین مطابق ہو گا۔

”احسان“ سے مراد وہ جوہر (اخلاص) ہے جس سے ایمان و اسلام کی ظاہری صورت یعنی عبادت الہی کا صحیح معیار اور حسن قائم ہوتا ہے اور عبادت کا یہی صحیح معیار اور حسن در حقیقت بندہ کو معبود کا کامل تقرب اور عبدیت کا حقیقی مقام عطا کرتا ہے۔ بندہ اپنی عبادتوں کو اس جوہر سے کس طرح آراستہ و مزین کر سکتا ہے؟ اس کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو تو اس طرح کرو جس طرح کوئی نوکر یا غلام اپنے آقا اور مالک کی خدمت اس کو اپنے سامنے دیکھ کر کرتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے کہ اگر شفیق آقا نظر کے سامنے ہو اور غلام اس کو دیکھ رہا ہے تو اس کے فرض کی انجام دہی کی کیفیت ہی دوسری ہوتی ہے اس وقت غلام نہ صرف یہ کہ پوری طرح چاق و چوبند، مؤدب اور پابند ہوتا ہے بلکہ کام کرنے کا اس کا انداز بھی پوری طرح والہانہ اور مخلصانہ ہوتا ہے اس کے برخلاف اگر آقا نظر کے سامنے نہ ہو تو غلام اگرچہ موقوفہ خدمت انجام ضرور دیتا ہے مگر اس صورت میں نہ تو وہ اتنا چاق و چوبند، مؤدب اور پابند ہوتا ہے اور نہ اس کے کام کرنے کے انداز میں اس قدر والہانہ اور مخلصانہ کیفیت ہوتی ہے۔ پس اسی نکتہ کے پیش نظر اگر بندہ عبادت کے وقت ایسی کیفیت و حالات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ تو خشوع و خضوع اور تضرع کی تمام تر کیفیات خود بخود اس کی عبادت میں پیدا ہو جائیں گی اور اس طرح اس کی عبادت حقیقی عبادت کا درجہ پائے گی اور اس عبادت کا بنیادی مقصد بھی حاصل ہو گا۔ عبادت کے اس مرتبہ کو ”حقیقی احسان“ کہا گیا ہے جس کو ارباب تصوف ”مشاہدہ و استغراق“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عبادت کا یہ سب سے اونچا مرتبہ و مقام ہے جہاں تک رسائی اتنی آسان نہیں ہے اس لئے نسبتاً آسان طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم عبادت کرو تو یہ دھیان میں رکھو کہ جس ذات کی عبادت تم کر رہے ہو اس کے سامنے تم کھڑے ہو اور اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے تمہاری ایک ایک بات پر اس کی نظر ہے اور تمہاری تمام حرکات و سکنات میں سے کچھ بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے، اس یقین و اعتقاد سے بھی تمہاری عبادت میں خشوع و خضوع اور تضرع بڑی حد تک پیدا ہو جائے گا اور عبادت کا حق ادا ہو گا۔ حدیث میں عبادت کی اسی کیفیت کو ”احسان“ سے تعبیر کیا گیا ہے جو حقیقی احسان یعنی مشاہدہ و استغراق کا ثانوی درجہ ہے۔

حدیث میں ان چاروں فرائض کا بھی ذکر ہے جو ہر مسلمان و مؤمن پر اس تفصیل کے ساتھ عائد ہوتا ہے کہ نماز اور روزہ تو وہ دو بدنی فرض عبادتیں ہیں جن کا تعلق ہر عاقل و بالغ مسلمان سے ہے جو بھی شخص ایمان اور اسلام سے متصف ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اس پر فرض ہے کہ وہ پانچوں وقت کی نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کرے اور جب رمضان آئے تو اس مہینے کے پورے روزے رکھے۔ باقی دو فرض عبادتیں یعنی زکوٰۃ اور حج وہ مالی عبادتیں ہیں جن کا تعلق صرف اس مؤمن و مسلمان سے ہے جو ان کے بقدر مالی استطاعت و حیثیت رکھتا ہو۔ مثلاً زکوٰۃ اس مسلمان پر فرض ہوگی جو صاحب نصاب ہو۔ اور حج اس مسلمان پر فرض ہوگا جو صاحب نصاب ہی نہیں بلکہ اپنی تمام ضروریات زندگی سے فراغت کے بعد اتنا سرمایہ رکھتا ہو کہ بغیر کسی تنگی و پریشانی کے آمد و رفت اور سفر کے دوسرے تمام اخراجات برداشت کر سکتا ہو۔ علاوہ ازیں سفر حج کی پوری مدت کے لئے اپنے اہل و عیال اور لواحقین کے تمام ضروری اخراجات کے بقدر رقم یا سامان و اسباب ان کو دے کر جاسکتا ہو۔ زادِ راہ اور فریضت حج کی اس طرح کی دوسری شرائط پوری ہو جائیں تو باقی دشواریاں جیسے سفر کا طویل اور پر

صعوبت ہونا، درمیان میں سمندر یا دریا کا حائل ہونا وغیرہ، حج کی فرضیت کو ساقط نہیں کر سکتیں۔

قیامت کی کچھ اہم نشانیاں بتائی گئی ہیں کہ جب یہ آثار ظاہر ہونے لگیں اور یہ علامتیں دیکھ لی جائیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس عالم کے خاتمہ کا وقت قریب آگیا ہے اور یہ دنیا اپنے وجود کے آخری دور سے گزر رہی ہے۔ پہلی علامت یا نشانی تو یہ بتائی گئی ہے کہ ”لوئڈی اپنے آقا یا مالک کو جننے گی“ اس کا ایک مطلب تو غلامی کے زمانہ اور رواج کے سیاق میں لیا جاسکتا ہے کہ لوگ کثرت سے باندیاں رکھیں گے اور ان باندیوں سے اولاد بھی بہت جنمائیں گے، پھر انہی اولاد میں سے جو لوگ بڑے ہو کر مال و جائیداد اور حکومت و طاقت کے مالک بنیں گے وہ لاعلمی میں اپنی انہی ماؤں کو جنہوں نے ان کو جنم دیا ہوگا، باندیوں کے طور پر خریدیں گے۔ اور اپنی خدمت میں رکھیں گے۔ اس جملہ کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب معاشرہ میں جیسی بے راہ روی عام ہو جائے، مردوزن تمام اخلاقی اور انسانی پابندیوں کو توڑ کر بے محابہ ناجائز تعلقات پیدا کریں اور اس کے نتیجہ میں ایسے ناجائز بچے کثرت سے پیدا ہونے لگیں جن کو نہ اپنے باپ کی خبر ہو اور نہ اپنی ماں کو جانتے ہوں اور پھر وہی بچے بڑے ہو کر لاعلمی میں اپنی انہی ماؤں کو ملازمہ اور نوکرانی بنائیں جن کو انہوں نے جانتا تھا تو سمجھو کہ قیامت قریب آگئی ہے۔ دوسری علامت ”برہنہ پا، برہنہ جسم، مفلس و فقیر اور بکریاں چرانے والوں کا ایوان حکومت اور عالی شان مکانات و محلات کا مالک ہونا“ بتایا گیا ہے۔ اس کے مطلب یہ ہے کہ جب تم دیکھو کہ شریف نسل، عالی خاندان اور مہذب و معزز لوگ انقلاب عالم کا شکار ہو کر غربت و افلاس اور بے روزگاری و پریشانی حالی کے بھنور میں گھسنے پڑتے ہیں، اپنی حیثیت و وقعت کھو چکے ہیں اور معاشرتی و سماجی سطح پر کسی اثر و سرور کے حامل نہیں رہ گئے ہیں اور ان کے مقابلہ پر وہ لوگ کہ جو کل تک حسب و نسب، شرافت و نجابت، نسل و خاندان اور تہذیب و شانگی کے اعتبار سے نہایت بے حیثیت و بے وقعت تھے، تعلیمی و اخلاقی طور پر کم تر و پست سماندہ سمجھے جاتے تھے۔ غیر منصفانہ سیاست و انقلاب کی بدولت حکومت و اقتدار کے مالک بن گئے۔ دغا و فریب کے ذریعہ مال و دولت اور بڑی بڑی جائیدادوں پر قابض اور عالی شان مکانات و محلات کے مکین ہو گئے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ طاقت و حکومت، مال و دولت اور پریش زندگانی نے ان کو گھمنڈی شخی خوار بنا دیا ہے، حقیقی شرافت و نجابت رکھنے والے غریب و مفلس لوگوں کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کو ذلیل کرتے ہیں اور ان کی تباہی اور سوائی کے بد سے بدتر حالات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو سمجھنا کہ اب اس دنیا کے خاتمہ کا وقت قریب آگیا ہے۔ اسی تفصیل کو علامہ ”طیبی“ نے چند جملوں میں اس طرح بیان کیا ہے کہ قیامت کی علامتیں بتانے والے حدیث کے یہ دونوں جملے دراصل انقلاب حالات سے کنایہ ہیں یعنی جب اتنا انقلاب رونما ہو جائے کہ اپنی اولاد اپنا آقا اور حاکم بن جائے۔ اور شرفاء کی جگہ کسترو ذلیل لے لیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب تمام عالم پر ایک عظیم انقلاب کا وقت قریب آگیا ہے جسے قیامت کہا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ: اس حدیث میں شریعت محمدی ﷺ کی اساس اور دین کی بنیادی باتوں کو بتایا گیا ہے یعنی ”ایمان“ کی تعریف بیان کی گئی کہ یہ ان عقائد و نظریات سے تعبیر ہے جن کو جاننے اور ماننے کے بعد کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے اور مؤمن بنتا ہے ”اسلام“ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس سے وہ عملی ذمہ داریاں (فرائض) مراد ہیں جو مؤمن پر عائد ہوتے ہیں اور ان عملی ذمہ داریوں یعنی فرائض کی انجام دہی ہی پھر وہ اسلام یعنی مسلمان بناتی ہے۔ اس کے بعد ”احسان“ کی وضاحت کی گئی جس کو ”اخلاص“ سے (یا تصوف سے بھی) تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس کیفیت کا نام ہے جو صحیح عقائد و نظریات سے وابستگی اور شریعت کی اتباع و فرمانبرداری کے بعد توجہ الی اللہ کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے۔ اور بندہ کو اپنے معبود کا تقرب عطا کرتی ہے۔ درحقیقت یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں، اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی خوشنودی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اللہ اور اللہ کے رسول کے جاری و نافذ کئے ہوئے احکام و ہدایات پر پوری طرح عمل نہ کیا جائے اور ”عمل“ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اس وقت تک ”حسن قبول“ کا درجہ نہیں پا سکتے جب تک اللہ کی طرف کامل توجہ نہ ہو اور پورے داخلی و خارجی وجود پر خوف و خشیت الہی اور حضور قلب کی کیفیت طاری نہ ہو اور ان دونوں کا اس وقت تک کوئی اعتبار نہیں ہوگا جب تک فکر و عقیدہ صحیح نہ ہو۔ اور دل و دماغ ایمان و یقین سے روشن نہ ہوں۔ پس

کامل مؤمن یا کامل مسلمان وہی شخص مانا جائے گا جس کے دل و دماغ میں ایمان یعنی صحیح اسلامی عقائد و نظریات کا نور موجود ہو، پھر وہ ان فرائض کو پوری طرح ادا کرے اور ان احکام و ہدایات کی کامل اطاعت کرے جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ جاری و نافذ کئے ہیں اور پھر ریاضت و مجاہدہ یعنی ذکر و شغل اور اورو وظائف کے ذریعہ اخلاص، توجہ الی اللہ اور رضاء مولیٰ کے حصول کی جدوجہد کرے جس سے ایمان و اسلام میں حسن و کمال اور بلند قدری ملتی ہے۔

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے

② وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِىَّ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةٌ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اول اس بات کا دل سے اقرار کرنا اور گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، دوم پابندی کے ساتھ نماز پڑھنا، سوم زکوٰۃ دینا، چارم حج کرنا، پنجم رمضان کے روزے رکھنا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”اسلام“ کی تشبیہ ”عمارت“ سے دی جاسکتی ہے کہ جس طرح کوئی بلند و بالا اور خوشنما عمارت اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتی جب تک کہ اس کے نیچے بنیادی ستون نہ ہوں، اسی طرح اسلام کے بھی پانچ بنیادی ستون ہیں جن کے بغیر کوئی شخص اپنے اسلام کو جو دو ٹھانی نہیں دے سکتا، ان ہی پانچ ستونوں کو اس حدیث میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور وہ ہیں: عقیدہ توحید و رسالت، نماز، زکوٰۃ، حج اور روزہ۔ جو شخص خود کو مؤمن و مسلمان بنانا اور قائم رکھنا چاہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی اعتقادی و فکری اور عملی و اخلاقی زندگی کی اساس ان پانچ ستونوں کو قرار دے۔ پھر جس طرح کسی عمارت کی شان و شوکت اور دیدہ زیبی و خوشنمائی درود یوار کے نقش و نگار اور طاق و محراب کی آرائش و زیبائش پر منحصر ہوتی ہے اسی طرح اسلام کے حسن و کمال کا انحصار بھی ان اعمال پر ہے جن کو واجبات و مستحبات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں حدیث میں چونکہ اسلام کی بنیادی چیزوں کا ذکر مقصود تھا اس لئے اس موقع پر ان واجبات و مستحبات کا ذکر نہیں کیا گیا۔

ایمان کی شاخیں

③ وَعَنِ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَذْنَاهَا إِصَافَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ایمان کی شاخیں ستر سے کچھ اوپر ہیں ان میں سب سے اعلیٰ درجہ کی شاخ زبان و دل سے اس بات کا اقرار و اعتراف ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب سے کم درجہ کی شاخ کسی تکلیف دینے والی چیز کا راستہ سے ہٹا دینا ہے نیز شرم و حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ایمان کے شعبوں اور شاخوں کی تعداد بتائی گئی ہے یعنی وہ چیزیں مل کر کسی کو ایمان و اسلام کا مکمل پیکر اور خوشنما مظہر بناتی ہیں۔ یہاں تو صرف ان شعبوں اور شاخوں کی تعداد بتائی گئی ہے لیکن بعض احادیث میں ان کی تفصیل بھی منقول ہے اور وہ اس

طے آپ اسلام کے دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں آپ کی پیدائش سال نبوت سے ایک سال پہلے مکہ معظمہ میں ہوئی تھی ۳ یا ۴ء میں وصال فرمایا۔
آپ کا اصل نام عبدالرحمن بن صخر ہے کنیت ابو ہریرہؓ ہے۔ ۵۵ء یا ۵۸ء میں آپ نے مدینہ میں وصال فرمایا۔

طرح ہے:

پہلی چیز تو بنیادی ہے یعنی اس حقیقت کا دل و دماغ میں اعتقاد و یقین اور زبان سے اقرار و اظہار کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کی ذات و صفات برحق ہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، بقاء اور دوام صرف اسی کی ذات کے لئے ہے جب کہ کائنات کی تمام چیزیں فنا ہو جانے والی ہیں، ایسے ہی اللہ کے رسولوں، اس کی کتابوں اور فرشتوں کے بارے میں اچھا اعتقاد اور حسن یقین رکھنا اور ان کو برحق جاننا، آخرت کا عقیدہ رکھنا کہ مرنے کے بعد قبر میں برے اور گنہگار لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اور اچھے اور نیک بندوں پر اس کا انعام و اکرام ہوتا ہے۔ قیامت آئے گی اور اس کے بعد حساب و کتاب کا مرحلہ ضرور آئے گا، اس وقت ہر ایک کے اعمال ترازو میں تولے جائیں گے جن کے زیادہ اعمال اچھے اور نیک ہوں گے ان کو پروانہ جنت دیا جائے گا، جن کے زیادہ اعمال برے ہوں گے، ان کی فرد جرم ان کے بائیں ہاتھ میں تھادی جائے گی۔ تمام لوگ بل صراط پر سے گزریں گے۔ مؤمنین صالحین ذات باری تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ نیک اور اچھے لوگ بہشت میں پہنچائے جائیں گے اور گنہگاروں کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔ جس طرح جنتی (مؤمن) بندے جنت میں ہمیشہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام اور اس کی خوشنودی سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اسی طرح دوزخی لوگ (کفار) ہمیشہ ہمیشہ اللہ کے مصلط کئے ہوئے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

ایمان کے شعبوں اور شاخوں میں سے یہ ہے کہ اللہ سے ہر وقت لولگائے رہے اور اس سے محبت رکھے اگر کسی غیر اللہ سے محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے یا کسی سے دشمنی رکھے تو اللہ کے لئے رکھے۔ نبی کریم ﷺ سے کامل محبت اور آپ ﷺ کی عظمت و برتری، اور افضلیت میں پورا یقین رکھے۔ آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرنا، آپ کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنا اور آپ ﷺ کے ارشادات، آپ ﷺ کی تعلیمات کو روانہ دینا اور پھیلانا بھی آپ ﷺ سے محبت رکھنے کی دلیل ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی علامت اس طرح رچ بس جائے کہ اس محبت کے مقابلہ میں دنیا کی کسی بھی چیز اور کسی بھی رشتہ کی محبت کوئی اہمیت نہ رکھے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی علامت اتباع شریعت ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کی تعمیل کرتا ہے اور شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے اللہ، اور رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے لیکن جو شخص اللہ اور رسول کے احکام و فرمان کی تابعداری نہ کرتا ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ اس کا دل اللہ و رسول کی پاک محبت سے بالکل خالی ہے۔

یہ بھی ایمان کی ایک شاخ ہے کہ جو بھی عمل لیا جائے خواہ وہ بدنی ہو یا مالی، قولی ہو یا فعلی اور یا اخلاقی وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے ہو، نام و نمود یا کسی دنیاوی غرض سے نہ ہو پس جہاں تک ہو سکے اعمال میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ نفاق اور ریا کا اثر عمل کے حسن و کمال اور تاثیر کو ختم کر دے گا۔

مؤمن کا دل ہمہ وقت خوف خدا اور خشیت الہی سے بھرا ہوا ہو اور اس کے فضل و کرم اور رحمت کی امیدوں سے معمور رہنا چاہیے، اگر تقاضائے بشریت کوئی بری بات یا گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر فوراً خلوص دل سے توبہ کے بعد آئندہ کے لئے گناہوں سے اجتناب کا عہد کرے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتا رہے اور اپنے اچھے عمل اور نیک کام میں اللہ کی رحمت اور اس کے انعام و اکرام سے آس لگائے رہے۔ درحقیقت یہ ایمان کا ایک بڑا تقاضہ ہے کہ جب بھی کوئی گناہ دانستہ یا نادانستہ سرزد ہو جائے تو فوراً احساس ندامت و شرمندگی کے ساتھ خدا کے حضور اپنے گناہ سے توبہ کرے اور معافی و بخشش کا طلبگار ہو، اس لئے کہ ارتکاب گناہ کے بعد توبہ کرنا شرعاً ضروری اور لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے اگر اللہ نے اولاد عنایت فرمائی تو فوراً عقیدہ کرے، اگر نکاح کیا تو ولیہ کرے، اگر قرآن مجید حفظ یا ناظرہ ختم کیا تو خوشی و مسرت کا اظہار کرے، اللہ نے اگر مال دیا ہے تو زکوٰۃ ادا کرے۔ عید کی تقریب میں صدقۃ الفطر

دے اور بقرعید میں قربانی کرے۔

یہ بھی ایمان کا تقاضہ ہے کہ وعدہ کرے تو اسے پورا کرے، مصیبت پر صبر کرے، اطاعت و فرمانبرداری کے لئے ہر مشقت برداشت کرے، گناہوں سے بچتا رہے۔ تقدیر اور اللہ کی مرضی پر راضی رہے، اللہ پر توکل کرے، بڑوں اور بزرگوں کی تعظیم و احترام، چھوٹوں اور بچوں سے شفقت و محبت کا معاملہ کرے اور کبر و غرور، نخوت و تکبر کو چھوڑ کر کسر نفسی و تواضع اور علم و بردباری اختیار کرے۔

”حسن اسلام“ اور ”تکمیل ایمان“ کے مدارج میں سے یہ بھی ہے کہ برابر کلمہ توحید و شہادت کا ورد رکھے۔ قرآن شریف پڑھے اگر جاہل ہو تو عالم سے علم کی دولت حاصل کرے اگر عالم ہو تو جاہلوں کو تعلیم دے، اپنے مقاصد میں کامیابی کے لئے خدا سے مدد کا طلب گار ہو اور دعا مانگے اور اس کا ذکر کرتا رہے، اپنے گناہوں سے استغفار اور بخش باتوں سے بچتا رہے، ہر وقت ظاہری و باطنی گناہوں سے پاک رہے۔

نمازوں کا پڑھنا خواہ فرض ہوں یا نفل، اور وقت پر ادا کرنا۔ روزہ رکھنا، چاہے نفل ہو یا فرض، ستر کا چھپانا، صدقہ دینا خواہ نفل ہو یا لازمی، غلاموں کو آزاد کرنا، سخاوت و ضیافت کرنا، اعتکاف میں بیٹھنا، شب قدر اور شب برات میں عبادت کرنا، حج و عمرہ کرنا، طواف کرنا۔ دارالحرب یا ایسے ملک سے جہاں فسق و فجور، فحش و بے حیائی اور منکرات و بدعات کا زور ہو، دارالاسلام کی طرف ہجرت کر جانا، بدعتوں سے بچنا اپنے دین کو بری باتوں سے محفوظ رکھنا۔ نذروں کا پورا کرنا۔ کفاروں کا ادا کرنا، حرام کاری سے بچنے کے لئے نکاح کرنا۔ اہل و عیال کے حقوق پورے طور پر ادا کرنا، والدین کی خدمت کرنا، اور ہر طرح ان کی مدد و کرنا اور خبر گیری رکھنا، اپنی اولاد کی شریعت کے مطابق تربیت کرنا، اپنے ماتحتوں سے حسن سلوک کرنا، اپنے حاکموں، افسروں اور مسلمان سرداروں کی تابعداری کرنا اور بشرطیکہ خلاف شرع چیزوں کا وہ حکم نہ دیں۔ غلام اور باندی سے نرمی اور بھلائی سے پیش آنا۔ اگر صاحب اقتدار اور حاکم و جج ہو تو انصاف کرنا، لوگوں میں باہم صلح صفائی کرنا، اسلام سے بغاوت کرنے والوں اور دین سے پھرنے والوں سے قتل و قاتل کرنا، اچھی باتوں کی تبلیغ کرنا، بری باتوں سے لوگوں کو روکنا، اللہ کی جانب سے مقرر کی ہوئی سزاؤں کا جاری کرنا، دین و اسلام میں غلط باتیں پیدا کرنے والوں اور اللہ و رسول کا انکار کرنے والوں سے حسب قوت و استطاعت خواہ ہتھیار سے خواہ قلم و زبان سے جہاد کرنا، اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کرنا، امانت کا ادا کرنا، مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کرنا، وعدہ کا مطابق فرض پورا کرنا، پڑوسی کی دیکھ بھال کرنا اور اس کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آنا، لوگوں کے سات بہترین معاملہ کرنا، حلال طریقہ سے مال کمانا اور اس کی حفاظت کرنا، مال و دولت کو بہترین مصرف میں اور اچھی جگہ خرچ کرنا۔ فضول خرچی نہ کرنا، سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا، جب کسی کو چھینک آئے تو ”یرحمک اللہ“ کہنا، خلاف تہذیب کھیل کود اور برے تماشوں سے اجتناب کرنا، لوگوں کو تکلیف نہ پہنچانا اور راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹا دینا تاکہ راہ گیروں کو تکلیف و نقصان نہ پہنچے، یہ سب ایمان کے شعبوں اور اس کی شاخیں ہیں۔

راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کے ہٹانے کا یہ مطلب ہے کہ اگر راستہ میں پتھر یا کاسٹے پڑے ہوں جس سے راہ گیر کو تکلیف پہنچتی ہو یا نجات و غلاظت پڑی ہو یا ایسی کوئی بھی چیز پڑی ہو جس سے راستہ چلنے والوں کو نقصان پہنچے تو مؤمن کا یہ فرض ہے کہ انسانی و اخلاقی ہمدردی کے ناسے اس کو ہٹا دے اور راستہ صاف کر دے۔ اور اسی طرح خود بھی ایسی کوئی چیز راستہ میں نہ ڈالے جو راستہ چلنے والوں کے لئے تکلیف کا باعث ہو اور عارفین کی رمز شائیں نگاہوں نے تو اس سے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ انسان اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے صاف کر لے جو توجہ الی اللہ اور معرفت کے راستہ کی رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں اور اپنے قلب سے برائی و مصیبت کے خیال تک کو کھرچ کر پھینک دے۔

بہر حال یہ تمام باتیں ایمان کے شعبے ہیں جن چیزوں کو عمل کرنا نہایت ضروری ہے اس لئے کہ ایمان کی تکمیل اور اسلام کا حسن ان ہی چیزوں سے پیدا ہوتا ہے اگر کوئی شخص ان باتوں سے خالی ہے اور اس کی زندگی ان کی شاعوں سے منور نہیں ہے تو سمجھنا چاہیے کہ اس کے ایمان کی تکمیل نہیں ہوئی اس کو چاہیے کہ اللہ کی مدد اور اس کی توفیق چاہ کر ان اہم باتوں کو اختیار کرے۔

مؤمن اور مسلم کا مفہوم

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ هَذَا لَفْظُ التَّبَعَارُجِيِّ وَلِلْمُسْلِمِ قَالَ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْمُسْلِمِينَ خَيْرٌ؟ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ۔

”اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ”کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایذا) سے مسلمان محفوظ رہیں اور اصل مہاجر وہ ہے جس نے ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔“ یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور مسلم نے اس روایت کے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ مسلمانوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ (کے ضرر) سے مسلمان محفوظ رہیں۔“

تشریح: حدیث کے پہلے جزء میں اس طرف اشارہ ہے کہ ”مؤمن اور مسلمان“ محض اس کا نام نہیں ہے کہ کوئی شخص محض کلمہ پڑھ لے اور کچھ متعین اعمال و ارکان ادا کرنے بلکہ اسلامی شریعت اپنے پیروؤں سے ایسا ایسی بھرپور زندگی کا تقاضا کرتی ہے جس کا حامل ایک طرف عقائد و اعمال کے لحاظ سے اللہ کا ”حقیقی بندہ“ کہلانے کا مستحق ہو تو دوسری طرف وہ انسانیت کے تعلق سے پوری طرح امن و امانی کا نمونہ اور محبت و مروت کا مظہر ہو، امن و امانت، اخلاق و رواداری، بھروسہ و خیر سگالی کا اپنی عملی زندگی میں اس طرح اظہار کرے کہ دنیا کا ہر انسان اس سے خوف زدہ رہنے کے بجائے اس کو اپنا بھروسہ، بھائی خواہ اور مشفق سمجھے، اور کیا مال کیا جان و آبرو، ہر معاملہ میں اس کو پورا اعتماد اور اطمینان رکھے۔

اس حدیث میں ہاتھ اور زبان کی تخصیص اس لئے ہے کہ عام طور پر ایذا رسانی کے یکتا دوزر یعنی ہیں ورنہ یہاں ہر وہ چیز مراد ہے جس سے تکلیف پہنچ سکتی ہے خواہ وہ ہاتھ ہوں یا زبان یا کوئی دوسری چیز۔

حدیث کے دوسرے جزء میں ”حقیقی مہاجر“ کی تعریف کی گئی ہے یوں تو مہاجر ہر اس شخص کو کہیں گے جس نے خدا کی راہ میں اپنا وطن، اپنا گھر اور اپنا ملک چھوڑ کر دارالاسلام کو اپنا وطن بنا لیا ہو، یہ قربانی اسلام عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کے لئے بے شمار جزاء و انعام کا حقدار ماقا ہے لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس ہجرت کے علاوہ ایک ہجرت اور ہے جس کا زندگی کے ساتھ دوامی تعلق رہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے مؤمن ان سے پرہیز کرتا رہے اور اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نفسانی خواہشات کو بالکل ترک کر کے پاکیزہ نفسی اختیار کرے ایسا شخص حقیقی مہاجر کہلانے کا مستحق ہوگا۔

درجات محبت

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں بن سکتا جب

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ طویل القدر صحابی، رفیع المرتبت عالم، بلند پایہ مجاہد اور بڑے مرتبہ کے متقی و عابد تھے آپ مہاجر ہیں۔ آپ کے سن وفات میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ تذکرۃ الحفاظ کی روایت کے مطابق مصر میں ۷۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

۲۔ حضرت انسؓ بن مالک بن نضرؓ انصاری ہیں اور مدینہ کے اصل باشندہ تھے۔ آپ کی عمر جب دس سال کی تھی تو آپ کی والدہ ام سلیم بنت طحان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ ۹۶ھ میں انتقال فرمایا۔

تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "محبت" ایک تو طبعی ہوتی ہے جیسے اولاد کو باپ کی یا باپ کو اولاد کی محبت۔ اس محبت کی بنیاد طبعی وابستگی و پسند اور فطری تقاضہ ہوتا ہے۔ اس میں عقلی یا خارجی ضرورت اور دباؤ کا دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف ایک محبت عقلی ہوتی ہے جو کسی طبعی و فطری وابستگی اور تقاضے کے تحت نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی عقلی ضرورت و مناسبت اور خارجی وابستگی کے تحت کی جاتی ہے۔ اس کی مثال مریض اور دوا ہے یعنی بیمار شخص دوا کو اس لئے پسند نہیں کرتا کہ دوا لینا اس کا طبعی اور فطری تقاضہ ہے بلکہ یہ دراصل عقل کا تقاضا ہوتا ہے کہ اگر بیماری ختم کرنا ہے اور صحت عزیز ہے تو دوا استعمال کرنی ہوگی خواہ اس دوا کی تلخی اور کڑواہٹ طبیعت پر کتنا ہی بار کیوں نہ ہو، اسی طرح اگر کسی شخص کے جسم کا کوئی حصہ پھوڑے پھنسی کے فاسد مادہ سے بھر گیا ہو تو وہ آپریشن کے لئے اپنے آپ کو کسی ماہر جراح اور سرجن کے حوالہ اس لئے نہیں کرتا کہ اس کی نظر میں آلات جراحی کی چمک دمک اچھی لگتی ہے یا اس کی طبیعت اپنے جسم کے اس حصہ پر نشتر زنی کو پسند کرتی ہے بلکہ یہ عقل و دانائی کا تقاضا ہوتا ہے کہ اگر جسم کو فاسد مادہ سے صاف کرنا ہے تو خود کو اس جراح یا سرجن کے حوالہ کر دینا ضروری ہے کسی چیز کو عقلی طور پر چاہنے اور پسند کرنے کی وہ کیفیت جس کو "عقلی محبت" سے تعبیر کرتے ہیں، بعض حالات میں اتنی شدید، اتنی گہری اور اتنی اہم بن جاتی ہے کہ بڑی سے بڑی طبعی محبت اور بڑے سے بڑے فطری تقاضے پر بھی غالب آجاتی ہے۔ پس یہ حدیث ذات رسالت سے جس محبت اور وابستگی کا مطالبہ کر رہی ہے وہ علماء و محدثین کے نزدیک یہی "عقلی محبت" ہے لیکن کمال ایمان و یقین کی بنا پر یہ "عقلی محبت" اتنی پراثر، اتنی بھرپور اور اس کی قدر جذباتی وابستگی کے ساتھ ہو کہ "طبعی محبت" پر غالب آجائے۔ اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کی کسی ہدایت اور کسی شرعی حکم کی تعمیل میں کوئی خونی رشتہ جیسے باپ کی محبت، اولاد کا پیار یا کوئی بھی اور طبعی تعلق رکاوٹ ڈالے تو اس ہدایت رسول اور شرعی حکم کو پورا کرنے کے لئے اس خون کے رشتے اور طبعی تقاضا و محبت کو یکسر نظر انداز کر دینا چاہیے، ایمانیات اور شریعت کے نقطہ نظر سے یہ بہت بڑا مقام ہے اور یہ مقام اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب ایمان و اسلام اور حب رسول ﷺ کا دعویٰ کرنے والا اپنے نفس کو احکام شریعت اور ذات رسالت میں فنا کر دے، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضا و خوشنودی کے علاوہ اس کا اور کوئی مقصد حیات نہ ہو۔ مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ کا فرمان جاری ہوتا ہے کہ اہل ایمان جہاد کے لئے نکلیں، اس حکم کی تعمیل میں اہل ایمان، دشمنان دین سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں پہنچتے ہیں۔ جب دونوں طرف سے صف آرائی ہوتی ہے اور حریف فوجیں آمنے سامنے آتی ہیں تو کسی مسلمان کو اپنا لڑکا دشمن کی صف میں نظر آتا ہے اور کسی کو اپنا باپ۔ اب ایک طرف تو وہ طبعی محبت ہے، جو کیسے گوارا کر لے کہ اپنی تلوار اپنے باپ یا اپنی ہی اولاد کے خون سے رنگ جائے، دوسری طرف حکم رسول ہے کہ دشمن کا کوئی بھی فرد تلوار کی زد سے امان نہ پائے چاہے وہ اپنا باپ یا بیٹا کیوں نہ ہو، تاریخ کی ناقابل تردید صداقت گواہی دیتی ہے کہ ایسے نازک موقع پر اہل ایمان پل بھر کے لئے بھی ذہنی کشمکش میں مبتلا نہیں ہوتے، ان کو یہ فیصلہ کر لینے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی کہ حکم رسول ﷺ کے سامنے نہ باپ کی محبت کوئی معنی رکھتی ہے نہ اولاد کی۔ اور پھر میدان جنگ میں باپ کی تلوار بے دریغ اپنی اولاد کا خون بہاتی نظر آتی ہے اور بیٹا اپنے باپ کو موقع نہیں دیتا کہ بچ کر نکل جائے۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تکمیل ایمان کا مدار حب رسول پر ہے جس شخص میں ذات رسالت سے اس درجہ کی محبت نہ ہو کہ اس کے مقابلہ پر دنیا کے بڑے سے بڑے رشتے، بڑے سے بڑے تعلق اور بڑی سے بڑی چیز کی محبت و چاہت بھی بے معنی ہو، وہ کامل مسلمان نہیں ہو سکتا، اگرچہ زبان اور قول سے وہ اپنے ایمان و اسلام کا کتنا ہی بڑا دعویٰ کرے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے بارہ میں مقول ہے کہ انہوں نے جب یہ حدیث سنی تو عرض کیا "یا رسول اللہ! دنیا میں صرف اپنی جان کا علاوہ آپ ﷺ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں" یعنی دنیا کے اور تمام رشتوں اور چیزوں سے زیادہ میں آپ ﷺ کی محبت رکھتا ہوں مگر اپنی جان سے زیادہ نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اب بھی کامل مؤمن نہیں ہوئے

اس لئے کہ یہ مرتبہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ میں تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا ہو جاؤں۔ ان الفاظ نبوت نے جیسے آن واحد میں حضرت عمرؓ کے دل و دماغ کی دنیا اٹھل پٹھل کر دی ہو، وہ بے اختیار پورے۔ ”یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر میری جان قربان آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں، نبی کریم ﷺ نے پھر ان کو بشارت سنائی کہ اے عمر! اب تمہارا ایمان کامل ہوا اور تم کے مومن ہو گئے۔“

اور صرف عمر فاروقؓ ہی نہیں، تمام صحابہؓ اسی کیفیت سے معمور اور حب رسول سے سرشار تھے، ان کی زندگیوں کا مقصد ہی آپ ﷺ کے ایک اشارہ اور پر اپنی جانوں کو بچھاور کر دینا تھا، بلاشبہ دنیا کا کوئی مذہب اپنے راہنما اور پیروؤں کے باہمی تعلق اور محبت کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس بلاشبہ صحابہؓ کے لئے شمع سی تھی جس پر وہ پروانہ دار بچھاور ہو ناہی اپنی سعادت و خوش بختی تصور کیا کرتے تھے۔ اسلام کے اس دور کی شاندار تاریخ اپنے دامن میں بے شمار ایسے واقعات چھپائے ہوئے ہے جو رسول اکرم ﷺ سے صحابہ کرامؓ اجمعین کی جذباتی وابستگی اور وہابانہ محبت و تعلق کی شاندار غمازی کرتے ہیں۔

غزوہ احد کا واقعہ ہے۔ میدان جنگ میں جب معرکہ کارزار گرم ہو اور حق کی مٹھی بھر جماعت پر باطل کے لشکر جزار نے پوری قہرمانی طاقت سے حملہ کیا تو دیکھا گیا ہے کہ ایک انصاری عورت کے شوہر، باپ اور بھائی تینوں نے جام شہادت پیا اور رسول اکرم ﷺ کی ذات پر دیوانہ وار فدا ہو گئے، یہ دل گداز خبر اس عورت کو بھی پہنچائی گئی مگر اللہ ہر ایمان کی جنگی اور رسول اکرم ﷺ کی محبت کا اثر کہ بجائے اس کہ وہ عورت اپنے لواحقین کی شہادت پر نالہ و شیون اور ماتم و فریاد کرتی اس نے سب سے پہلے یہ سوال کیا:

”خدا ارٹھئے یہ بتاؤ کہ میرے آقا اور سردار رسول اللہ ﷺ (آپ ﷺ پر میری جان قربان) تو بخیر ہیں؟“

لوگوں نے کہا۔ ہاں۔ آپ ﷺ سلامت ہیں۔ مگر اس سے اسکی تسکین نہ ہوئی اور بے تابانہ کہنے لگی:

”اچھا چلو! میں اپنی آنکھوں سے دیدار کر لوں تو یقین ہوگا“ اور جب اس نے اپنی آنکھوں سے چہرہ انور کی زیارت کر لی تو بولی:

کل مصیبة بعدك جليل۔۔۔ ”جب آپ زندہ سلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے۔“

ایک مرتبہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ ﷺ مجھے اپنے اہل و عیال اور مال سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ مجھے آپ ﷺ کی یاد آتی ہے تو مہر نہیں آتا جب تک کہ یہاں آکر آپ ﷺ کے روئے انور کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی نہیں کر لیتا۔ مگر اب تو یہی غم کھائے جاتا ہے کہ وفات کے بعد آپ ﷺ تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے، وہاں میری آنکھیں آپ ﷺ کا دیدار کیسے کر سکیں گی۔ جب ہی یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا۔ (النساء: ۶۹)

”جو لوگ اللہ و رسول کا کہنا سنتے ہیں وہ (آخرت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام ہیں یعنی نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی صحبت بڑی غنیمت ہے۔“

آپ ﷺ نے ان صحابی کو یہ بشارت سنائی۔

عبداللہ بن زید بن عبد ربہؓ جو صاحب اذان کے لقب سے مشہور تھے اپنے باغ میں کام کر رہے تھے کہ اسی حالت میں ان کے صاحبزادہ نے آکر یہ اندوہ ناک خبر سنائی کہ سرور دو عالم ﷺ وصال فرما گئے۔ عشق نبوی سے سرشار اور محبت رسول سے سرمست، یہ صحابی اس جان گداز خبر کی تاب ضبط نہ لاسکے، بے تابانہ ہاتھ فضا میں بلند ہوئے اور زبان سے یہ حسرت ناک الفاظ نکلے: خداوند اب مجھے

بینائی کی دولت سے محروم کر دے تاکہ یہ آنکھیں جو سرکارِ دو عالم ﷺ کے دیدار سے مشرف و منور ہوا کرتی تھیں اب کسی دوسرے کو نہ دیکھ سکیں (ترجمہ السنہ)۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نبی کریم ﷺ سے محبت و تعلق کا وہی مقام حاصل تھا جو اس حدیث کا منشاء ہے اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ ایمان کی سلامتی اور اپنے اسلام میں مضبوطی پیدا کرنا چاہتا ہے تو نبی کریم ﷺ کی محبت و عقیدت سے اپنے دل کو معمور کرے اور آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے ہی کو مدارِ نجات جانے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کا معیار اتباعِ شریعت اور اتباعِ رسول ہے جو شخص شریعت پر عمل نہیں کرتا اور آپ ﷺ کی تعلیمات پر نہیں چلتا، وہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ نعوذ باللہ اسے حضور ﷺ سے محبت نہیں ہے۔

ایمان کی لذت

① وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ خَلَاوَةَ الْإِيمَانِ مَنْ كَانِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَمَنْ يَكْزُرُهُ أَنْ يَتَّعِزَّ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ كَمَا يَكْزُرُهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت انس راوی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس شخص میں یہ تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حقیقی لذت سے لطف اندوز ہوگا، اول یہ کہ اسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ کسی بندہ سے اس کی محبت محض اللہ (کی خوشنودی) کے لئے ہو۔ تیسرے یہ کہ جب اسے اللہ نے کفر کے اندھیرے سے نکال کر ایمان و اسلام کی روشنی سے نواز دیا تو اب وہ اسلام سے پھر جانے کو اتنا ہی برا جانے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مؤمن کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس درجہ رُجح پس جائے کہ ان کے مابواہتمام دنیا اس کے سامنے بیچ ہو۔

اسی طرح یہ شان بھی مؤمن کا مل ہی کی ہو سکتی ہے کہ اگر وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو محض اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور اگر کسی سے بغض و عداوت رکھتا ہے تو وہ بھی اللہ کی راہ میں غرض کہ اس کا جو بھی عمل ہو صرف اللہ کے لئے ہو اور اس کے حکم کی تکمیل میں ہو۔

ایسے ہی ایمان کا پختگی کے ساتھ دل میں بیٹھ جانا اور اسلام پر پختگی کے ساتھ قائم رہنا اور کفر و شرک سے اس درجہ بیزاری و نفرت رکھنا کہ اس کے تصور و خیال کی گندگی سے بھی دل پاک و صاف رہے، ایمان کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔

اسی لئے اس حدیث میں فرمایا گیا کہ ایمان کی حقیقی دولت کا مالک اور اس پر جزاء و انعام کا مستحق تو وہی شخص ہے جو ان تینوں اوصاف سے پوری طرح متصف ہو اور ایمان کی حقیقی لذت کا ذائقہ بھی چکھ سکتا ہے جس کا دل ان چیزوں کی روشنی سے منور ہو۔

ایمان کا لطف

② وَعَنْ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو اپنے پروردگار، اسلام کو اپنا دین اور

۱۔ آپ حضرت عبد المطلب کے صاحبزادے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ بارہ رجب ۳۲ھ جمعہ کے دن آپ کا انتقال ہوا۔

محمد ﷺ کو اپنا رسول خوشی سے مان لیا تو سمجھو کہ اس نے ایمان کا لائقہ چکھ لیا۔ (مسلم)

تشریح: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی ذات و صفات پر ایمان محمد عربی ﷺ کی رسالت و نبوت میں یقین و اعتقاد، دین و شریعت کی حقانیت و صداقت پر کامل اعتماد اور اسلامی تعلیمات و احکام کی پیروی، اس کیفیت کے ساتھ ہونی چاہیے کہ دل و دماغ کے کسی گوشہ میں کوئی دباؤ، کوئی ٹھٹھن، کوئی تکدر اور کوئی ناگواری ذرہ برابر محسوس نہ ہوتی ہو۔ رضا اور غبت، اطمینان خاطر اور دماغی و ذہنی سکون کی وہ لہر پورے داخلی و خارجی وجود میں سرایت کئے ہوئے ہو، جو کسی انمول چیز کے حاصل ہو جانے پر دل و دماغ اور جسم کے پورے وجود کو مسرت و شادمانی اور احساس سرفرازی سے سرشار کر دیتی ہے۔ یہ بہت اہم بات ہے اس کو ہر حالت میں مد نظر رکھنا چاہئے۔ اس ایمان و یقین اور عمل آوری میں اگر کسی طرح کا کوئی انقباض اور تکدر پیدا ہوا تو سمجھو کہ ایمان کی روح رخصت ہوئی، ایسے شخص پر اگرچہ ظاہری طور سے ایمان و اسلام کے احکام نافذ ہوں گے مگر ”غلاص“ سے خالی ہونے کے سبب نہ اس کا ایمان کامل سمجھا جائے گا اور نہ اس کو ”حسن اسلام“ نصیب ہوگا اور نہ ایمان و یقین کی حقیقی لذت سے وہ لطف اندوز ہو سکے گا۔

اسلام ہی مدارِ نجات ہے

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَمَةِ يَهُودِيٍّ وَلَا نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ أَوْ سَلَّطَ بِهِ الْأَكْثَانُ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے اس امت میں سے جو شخص بھی خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، میری نبوت کی خبر پائے اور میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے بغیر مر جائے، وہ دوزخی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اسلام ایک آفاقی مذہب ہے جس کے دائرہ اطاعت میں آنا تمام کائنات کے لئے ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجا ہوا ایک ایسا بین الاقوامی قانون ہے جس کی پیروی دنیا کے ہر شخص پر لازم ہے، اسی طرح پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت اور آپ ﷺ کی نبوت بھی چونکہ عالمگیر اور بین الاقوامی ہے۔ ہر دور کے لئے، ہر قوم کے لئے اور ہر طبقہ کے لئے، اس میں کسی کا استثناء نہیں ہے اس لئے آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنا سب پر یکساں فرض ہے، خواہ کوئی کسی قوم کسی ملک اور کسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔

اس حدیث میں یہودی اور نصرانی یعنی عیسائی کا ذکر اس بنا پر کیا گیا ہے کہ یہ دونوں قومیں خود اپنا ایک دین اور ایک شریعت رکھتی تھیں ان کی اپنی اپنی آسمانی کتابیں تھیں جن کو مدارِ عمل و نجات ماننے کا ان کو خدائی حکم تھا، اس لئے ان کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ قومیں جو خود اپنے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت اور اللہ کی جانب سے بھیجی ہوئی کتابوں کی تابع ہیں اور جن کا دین بھی آسمانی دین ہے، جو اللہ تعالیٰ ہی کا ائدہا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ کے آخری دین اسلام کے نفاذ اور قائم رہنے کی ہمہ گیر بعثت کے بعد جب ان قوموں کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں اور شریعت اسلام کے دائرہ میں آئے بغیر ان کی نجات ممکن نہیں تو پھر وہی قومیں پیغمبر اسلام اور شریعت اسلام پر ایمان و عمل کے بغیر ابدی نجات کیسے پا سکتی ہیں جو کسی آسمانی دین کی پابند بھی نہیں ہیں جن کے پاس کسی پیغمبر کی لائی ہوئی کوئی کتاب بھی نہیں ہے اور جو اللہ کے بھیجے ہوئے کسی نئی درِ رسول کی پیروی بھی نہیں ہیں۔

ایک بات اور بھی ہے۔ یہودی اور عیسائی کہا کرتے تھے کہ اللہ برگزیدہ پیغمبر موسیٰ اور عیسیٰ کے پیروکار اور اللہ کی اتاری ہوئی کتاب شریعت تورات و انجیل کے قمع ہونے کی وجہ سے ہم تو خود ”نجات یافتہ“ ہیں۔ جنت تو ہمارا پیدا کنشی حق ہے، ہمیں کیا ضرورت ہے کہ محمد ﷺ کو اپنا رسول مانیں اور اسلام کو اپنا دین، اس حدیث کے ذریعہ ان کے اس غلط عقیدہ و خیال کی بھی تردید کی گئی ہے اور ان پر

واضح کر دیا گیا کہ پیغمبر اسلام کی بعثت کے بعد تو نجات ان ہی لوگوں کی ہوگی جو دین اسلام کو مانیں گے اور اس پر عمل کریں گے کیونکہ محمد عربیؐ کی بعثت کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ سابقہ شریعتیں منسوخ ہو جائیں، تمام مذاہب کا عدم ہو جائیں اور تمام کائنات کو صرف ایک مذہب ”دین اسلام“ کے دائرہ میں لایا جائے جو اللہ کا سب سے آخری اور سب سے جامع و مکمل دین ہے۔

دوہرا اجر پانے والے

⑨ وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوكُ إِذَا آدَىٰ حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوْلَانِهِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَةٌ يَطَّأُهَا فَادَّبَهَا فَأَحْسَنَ قَادِبِيهَا وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمِهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کو دو دو اجر ملیں گے۔ اس اہل کتاب (یہودی یا عیسائی) کو جو (پہلے) اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا پھر محمد ﷺ پر ایمان لایا۔ اس غلام کو جو اللہ کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنے آقاؤں کے حق کو بھی ادا کرتا رہے۔ اس شخص کو جسکی کوئی باندی تھی اور وہ اس سے صحبت کرتا تھا۔ پہلے اس کو اچھا بندہ بنادینا پھر اس کو خوب اچھی طرح تعلیم دی اور پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تو یہ بھی دوہرے اجر کا حقدار ہوگا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مقصد ان تین طرح کے لوگوں کو بشارت دینا ہے جن کو اوروں کے مقابلہ پر نیک عمل کا دوہرا اجر ملتا ہے۔ ان میں پہلی قسم کے لوگ وہ اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) ہیں جو پہلے تو اپنے دین میں تھے اور پھر دعوت اسلام پا کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ان کو دوہرے اجر کی بشارت اس بنا پر دی گئی ہے کہ ان کا پہلے اپنے نبی کو پختہ دل سے ماننا، اس نبی کی لائی ہوئی کتاب و شریعت پر عمل کرنا اور اس نبی سے اعتقادی وابستگی و تعلق رکھنا اور پھر خاتم النبیین ﷺ کی رسالت و نبوت اور اللہ کے آخری دین اسلام کی دعوت پا کر صدق دل سے اس کا حلقہ بگوش ہو جانا، نہ صرف یہ کہ ان کے کمال انقیاد و اطاعت اور ان کی فکری و ذہنی سلامت زوی کی علامت ہے بلکہ اس معنی میں ان کے قلبی و عملی ایثار کا غماز بھی ہے کہ اپنے سابقہ نبی اور سابقہ دین سے عقیدت و تعلق اور زبردست جذباتی لگاؤ کے باوجود انہوں نے دعوت اسلام پا کر اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں اپنی زندگی کا دھارا اکدم موڑ دیا اور اب اپنے اعتقاد کی باگ ڈور دین اسلام کے سپرد کر دی، جب تک ان کے سامنے اسلام کی دعوت نہیں آئی تھی وہ اپنے دین ہی کو اللہ کا دین سمجھ کر اس کے حلقہ بگوش رہے اور جب اسلام کی دعوت ان کے سامنے آئی تو انہوں نے اس کو اللہ کا آخری دین جان کر اپنے پچھلے دین کو چھوڑنے میں کسی ضد، ہٹ دھرمی اور تعصب سے کام نہیں لیا بلکہ فطرت سلیم کی آواز پر لبیک کہہ کر محمد ﷺ عربی کے غلاموں میں شامل ہو گئے، لہذا اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعام کے طور پر ان کو ہر نیک عمل پر دوہرے اجر کا حق قرار دیا، ایک اجر تو اپنے پہلے نبی پر ایمان رکھنے کے سبب اور دوسرا اجر پیغمبر آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کا۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں یہ خصوصیت اور امتیاز صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ وہ اپنے تصورات و اعتقادات اور اپنی تعلیمات کی بنیاد ”انکار“ پر نہیں ”اقرار“ پر رکھتا ہے یعنی وہ آسمانی دینوں میں کسی رقابت یا رسولوں میں کسی تفریق کی ظنیج حائل نہیں کرتا وہ تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق پر زور دیتا ہے اور اللہ کی جانب سے بھیجے گئے تمام رسولوں کی رسالت پر ایمان لانے کی تاکید کرتا ہے، اسلام کے برخلاف دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے اعتقادات و نظریات کو دیکھا جائے تو یہ بات جاننے میں دیر نہیں لگتی کہ ان کے یہاں کوئی شخص اس وقت تک مذہب کا سچا پیرو اور حقیقی تابعدار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس کے ماسوا دوسرے مذاہب کے اعتقاد و تصورات کی بنیادوں کو بالکل ہی سہار نہ کر دے اور دوسرے رسولوں و پیغمبروں کی رسالت کا سرے سے انکار نہ

کر دے، اسلام تو ایمان و اعتقاد کے پہلے ہی مرحلہ میں اپنے پیروؤں سے اس بات کا اقرار کراتا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی رسول ﷺ، اللہ کی جانب سے مخلوق کی ہدایت کے لئے آئے ان میں کسی قسم کی تفریق نہ کی جائے گی، ان کی لائی ہوئی شریعتوں کو اپنے اپنے زمانہ کے لئے حق اور واجب تسلیم مانا جائے گا، وہ اپنے متبعین کو احساس صداقت کا یہ شعور بخشتا ہے کہ آسمانی مذاہب میں کوئی پارٹی بندی نہیں ہے سب ایک ہی صداقت کی کڑیاں ہیں نیز وہ اپنے ماننے والوں کو واضح طور پر آگاہ کر دیتا ہے کہ ایمان کی تکمیل جب ہی ہوگی کہ دوسرے آسمانی مذاہب کی تصدیق بھی کی جائے اور سابقہ تمام انبیاء کی صداقت کو مانا جائے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اگر کوئی یہودی یا عیسائی ایمان لائے اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت کا صدق دل سے اقرار کرے۔ تو اپنے نبی پر لایا ہوا اس کا پہلا ایمان رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ وہ اس پر اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا جائے گا لیکن وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت کی اگر تصدیق نہیں کرتا اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان نہیں لاتا تو نہ صرف یہ کہ وہ کفر و انکار کی بنا پر دائمی عذاب کا مستوجب گردانا جائے گا بلکہ اس کا اپنے نبی پر لایا ہوا ایمان بھی رائیگاں اور بیکار سمجھا جائے گا اور اس پر کسی قسم کے اجر و ثواب کا استحقاق پیدا نہیں ہوگا کیونکہ جس طرح تمام انبیاء پر ایمان لانا اور ان کی رسالت کی تصدیق کرنا لازم ہے اسی طرح عمل اور پیروی پیغمبر اسلام ﷺ کی شریعت پر ضروری ہے اور مدار نجات صرف اسلام کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔

دوسرے شخص کے لئے دوہرے اجر کی بشارت کا سبب بھی واضح ہے یعنی یہ کہ ایک غلام کے لئے نہ صرف سماجی روایتی اور دنیاوی حیثیت سے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مالک و آقا کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور اس کے احکام کی پوری پوری تعمیل کرے بلکہ اسلامی تعلیم کا تقاضا بھی یہ ہے کہ وہ مالک و آقا کے عائد شدہ حقوق کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی یا سستی نہ کرے، لہذا ایک غلام جب اپنے آقا کے حقوق کی پوری نگہداشت کرتا ہے اور حقوق کی ادائیگی کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے حقیقی مالک اور پروردگار اللہ رب العالمین کے احکام کی بجا آوری بھی پورے حقوق کے ساتھ کرتا ہے اور اس کے عائد کئے ہوئے تمام فرائض کی تکمیل میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا تو وہ دوہرے اجر کا استحقاق پیدا کر لیتا ہے۔

اب رہ گیا تیسرا شخص تو اس کو بھی دوہرے اجر کا مستحق اس بنا پر قرار دیا گیا ہے کہ اول تو اس نے ایک باندی کو آزاد کیا جو نہ صرف یہ کہ انسانیت اور فطرت کے اعتبار کے تقاضا کو پورا کرنا ہے بلکہ اسلامی اخلاق کے اعلیٰ اصول و قواعد پر عمل کرنا بھی ہے، دوسرے یہ کہ اس باندی کو آزاد کر کے اور پھر اس سے شادی کر کے اس نے انسانی ہمدردی، اسلامی مساوات، اور بلند اخلاقی کا اس طرح اعلیٰ ثبوت دیا کہ ایسی عورت کو جو سماجی حیثیت سے ایک کمتر، بے وقعت اور ذلیل بن کر رہ گئی تھی، اعلیٰ تربیت، اعلیٰ تعلیم اور پھر آزادی و شادی کی گرانقدر دولت سے نواز کر دنیا کی باعزت اور سوسائٹی و معاشرہ کی شریف و معزز عورتوں کے برابر بھی لاکھڑا کیا، اس طرح اس نے اگر ایک طرف انسانیت اور اخلاق کے تقاضے کو پورا کیا، تو دوسری طرف اسلامی تعلیم کی روح کو بھی اجاگر کیا پس اس کے اس ایثار کی بناء پر شریعت نے اس کو بھی دوہرے اجر کا استحقاق عطا کیا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے دوہرے اجر کے بارے میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کے نامہ اعمال میں جزاء اور ثواب کی یہ دو گنی اضافت اس طرح ہوگی کہ ان کو ہر عمل پر دو سروسوں کے مقابلہ میں دو ہزار ثواب ملے گا، مثلاً اگر کوئی دوسرا شخص نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے یا کوئی اور نیک کام کرتا ہے تو اس کو عمومی بشارت کے تحت دس ثواب ملیں گے لیکن یہی عمل تینوں کریں گے تو ان کو ہر ایک عمل پر بیس بیس ثواب ملیں گے۔

کفار سے جنگ کا حکم

①۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ غَصَصُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ

الاسلام وحسابہم علی اللہ۔ متفق علیہ الا ان مسلماً لم یذکر الا بحق الاسلام۔

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیا گیا ہے کہ میں (دین دشمن) لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ (اللہ کے بھیجے ہوئے) رسول ہیں نیز نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور پھر جب وہ ایسا کرنے لگیں تو انہوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچالیا، ہاں جو بازار پر اس اسلامی ضابطہ کے تحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی اس کے بعد ان کے باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے (وہ جانے کہ ان کا اسلام صدق دل سے تھا یا محض اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے دکھلاوے کا تھا) (بخاری و مسلم) مسلم کی روایت میں ”الا بحق الاسلام“ کے الفاظ نہیں ہیں۔“

تشریح: یہ دنیا اللہ کی حقیقی ملکیت ہے وہی اس زمین کا شہنشاہ اور تمام کائنات کا حاکم مطلق ہے اس کی زمین پر رہنے کا حق اسی کو حاصل ہے جو اس کی حاکمیت کو تسلیم کر کے اس کے قوانین کی پیروی کرتا ہے اس کے احکام کی تابعداری کرتا ہے، اس کے اتارے ہوئے نظام و شریعت کے تحت زندگی گزارتا ہے اور اس کے بھیجے ہوئے رسول اور پیغمبر کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے۔ اس دنیا میں پیغمبروں کی بعثت کا اصل مقصد روئے زمین پر حقیقی شہنشاہ اور حاکم مطلق (اللہ تعالیٰ) کی حاکمیت کا نفاذ کرنا ہوتا ہے، پیغمبر کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ دین و شریعت کی صورت میں حاکمیت الہ کا جویشن لے کر آیا ہے اس کو ہر ممکن جدوجہد کے ذریعہ پھیلانے لوگوں کو اپنے دین دائرہ میں لانے کی پوری پوری سعی کرے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ اس کی اس جدوجہد اور سعی کے نتیجہ میں جو معاشرہ بن گیا ہے اس پر دنیا کے کسی غیر دینی روایت و قانون اور کسی شخصی و گروہی بالادستی کی حکمرانی قائم نہ ہونے پائے بلکہ صرف خدائی حکمرانی یعنی دین و شریعت کی حکومت قائم ہو اور پھر کسی کو اس بات کی اجازت نہ ہو کہ وہ دین و شریعت کا دشمن و معاند بن کر اس معاشرہ (اسلامی ریاست) میں رہ سکے جو لوگ تہر دو سرکشی اختیار کریں اور خدائی حکمرانوں کے تحت آنے سے منکر ہوں ان کے خلاف وہی کارروائی کی جائے جو کسی بھی معاشرہ میں آئین و حکومت کے باغیوں کے خلاف ہوتی ہے، اسی حقیقت کو آنحضرت نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں خدائی حکمرانی باغیوں اور دین و شریعت کے دشمنوں کے خلاف اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک وہ اپنی سرکشی اور دشمنی کو ترک کر کے ہمارے معاشرہ یعنی (اسلامی ریاست) میں رہنے کے حقوق حاصل نہ کر لیں اور انہیں یہ حقوق ملنے کی ایک تو یہی صورت ہے کہ وہ کفر و عناد کے بجائے ایمان و اسلام اختیار کر لیں یعنی صدق دل سے اس بات کا اقرار اور زبان سے اظہار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد ﷺ (اللہ کے رسول ہیں، پھر اپنے عمل سے ثابت کریں کہ ان کا یہ اقرار اور زبان سے اظہار مخلصانہ ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کے تمام احکام کی پیروی کریں، خصوصاً پابندی سے نماز پڑھیں، زکوٰۃ ادا کریں، اور دوسرے فرائض پر عمل کریں۔ دوسری صورت (جس کا ذکر اس حدیث میں تو نہیں ہے لیکن دوسرے مقام پر ثابت ہے) یہ ہے کہ اگر وہ لوگ ایمان و اسلام کے دائرہ میں نہیں آتا چاہتے مگر اسلامی ریاست میں اپنی وطنیت اور بود و باش کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دینی وفد ہی طور پر نہ سہی مگر سماجی و معاشرتی طور پر اسلامی ریاست کے تابعدار اور امن پسند باشندہ رہنے کا اقرار کریں جس کی علامت اس ٹیکس کی پابندی سے ادائیگی ہے جس کو اصطلاح میں ”جزیہ“ کہا جاتا ہے اس ٹیکس کی ادائیگی اسلامی ریاست میں کسی غیر مسلم کے تمام انسانی، سماجی اور شہری حقوق کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ اگر کوئی شخص جزیہ نہ دینا چاہے تو اس کا متبادل یہ ہے کہ وہ اپنی حکومت و مظلومیت کا اقرار کر کے کسی خاص معاہدہ کے تحت سربراہ ریاست (رسول) سے صلح کر لے اور پناہ لے کر اسلامی ریاست میں رہے، اسلامی قانون اپنے مخصوص رحم و کرم کی بناء پر اس کے جان و مال اور عزت کے تحفظ کی ذمہ داری لے لے گا۔

بہر حال حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص ایمان و اسلام کے دائرہ میں داخل ہو جائے یا جزیہ ادا کر کے اور پناہ لے کر اسلامی ریاست کا باشندہ ہو اس کے جان و مال اور عزت کے تحفظ کی ذمہ داری ریاست کے اوپر ہوگی۔ اور ریاست اپنے اسلامی قانون کے تحت

اس کے تمام انسانی، سماجی اور شہری حقوق کی نگہداشت کرے گی لیکن جہاں تک قانونی جرائم، سماجی بے اعتدالیوں اور بشری خطاؤں کا تعلق ہے ان پر ہر حال میں مواخذہ ہو گا خواہ ان کا مرتکب کوئی مسلمان ہو یا ذی کفر، اس معاملہ میں کسی کے ساتھ رعایت و چشم پوشی نہیں ہوگی، مثلاً اگر کوئی مسلمان یا ذی کسی کو ناحق قتل کر دیتا ہے تو اس کو قصاص (سزا) میں قتل کر دیا جائے گا یا ایسے ہی کوئی زنا کرے گا تو اس پر حد جاری کی جائے گی اور اس کو پوری سزا دی جائے گی یا کسی نے کسی کا مال زبردستی ہڑپ کر لیا تو اس سے اس کا مال مالک کو واپس دلایا جائے گا، گویا قانون کی عملداری ہر حال میں قائم کی جائے گی جو شخص بھی خلاف ورزی کرے گا اس کو ضرور سزا دی جائے گی اسلامی حقوق اور قوانین کے نفاذ کے معاملہ میں کسی شخص سے اور رعایت کا سوال پیدا نہیں ہوگا۔

حدیث کے آخر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ شریعت اپنے قانون کے نفاذ میں ظاہری حیثیت پر حکم لگاتی ہے، اور باطنی حالت کو اللہ کے سپرد کرتی ہے یعنی اگر کوئی شخص جان و مال کی حفاظت یا کسی غرض کے تحت مظاہر مسلمان بن جاتا ہے اور دل میں کفر و نفاق ہے تو اسلامی قانون اس کو مسلمان ہی تسلیم کرے گا، دل کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے گا، اگر واقعی اس کے دل میں کھوت ہو گا تو آخرت میں اس کو نفاق کی سزا عیناً ملے گی، وہاں مواخذہ خداوندی سے نہ بچ سکے گا۔

یہ حدیث اس مسئلہ کی بھی دلیل ہے کہ طہدوں اور زندیقوں کی توبہ قبول کی جاسکتی ہے یعنی اگر کوئی طہد و زندیق اگر یہ کہے کہ میں الحاد و زندقہ سے توبہ کرتا ہوں تو اس کی توبہ قبول کر کے اس کی جان لینے سے اجتناب کیا جائے گا۔

ویسے اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں، ان میں سے ظاہر تر قول یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے الحاد کا اظہار کیا اور اپنی زبان سے ایسے الفاظ نکالے جن سے اس کا منکر خدا اور منکر دین ہونا معلوم ہوتا ہو پھر جلد ہی اس نے الحاد و زندقہ سے برأت کی اور برضا و رغبت توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول ہوگی اور اگر اس کی توبہ محض جان بچانے کے لئے اور اسلامی قانون کی سزا سے بچنے کے لئے ہو تو پھر اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

مسلمان کون ہے؟

⑪ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَآكَلَ ذَيْبَ حَتَّتَا فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ فَلَا تُخْفَرُوا اللَّهَ فِي ذِمَّتِهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے اور ہمارے ذبیحوں کو کھائے وہ مسلمان ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول کے عہد و امان میں ہے۔ پس جو شخص اللہ کے عہد و امان میں ہے تم اس کے ساتھ عہد شکنی مت کرو۔“ (بخاری)

تشریح: اصل ایمان اگرچہ ”تصدیق قلبی“ کا نام ہے لیکن یہ ایک اندرونی کیفیت اور قلبی صفت ہے جس کا تعلق باطن سے ہے، اسی طرح ”اقرار“ اگرچہ زبان سے متعلق ہے مگر وہ بھی ایک قیمتی چیز ہے لہذا دو دینوں میں کھلا ہوا امتیاز ان کے علیحدہ علیحدہ شعاری کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اسلامی معاشرہ میں نماز پڑھنا اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے عبادت کرنا اہل کتاب کے مقابلہ پر سب سے زیادہ امتیازی عمل ہے، اسی طرح معاشرتی لحاظ سے جس عمل اور طریقہ میں اہل کتاب مسلمانوں سے کھلا ہوا احتراز کرتے تھے وہ ان کا ذبیحہ تھا کہ مسلمانوں کا ذبیحہ کیا ہوا گوشت اہل کتاب نہیں کھاتے تھے لہذا اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اگر عبادت میں وہ ہماری طرح قبلہ کی طرف رخ کرنے لگیں اور معاشرتی لحاظ سے وہ ہم سے وفاق و اقارب آجائیں کہ ہمارے ساتھ کا ذبیحہ کھانے لگیں تو یہ اس بات کی کھلی ہوئی شہادت ہوگی کہ وہ ہمارا دین پورے یقین کے ساتھ قبول کر چکے ہیں اور ایمان ان کے قلب کی گہرائیوں تک پہنچ گیا ہے جس کا اظہار نہ صرف یہ کہ زبان سے بلکہ ان کے عمل سے بھی ہو رہا ہے تو اب مسلمانوں کو چاہیے کہ دُعا و اسلام میں پوری طرح داخل ہو گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور

اللہ کے رسول کے ساتھ ان کا عہد و اقرار ہو گیا ہے ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ اللہ اور اللہ کے رسول نے لے لیا ہے اس لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کے ساتھ کسی قسم کی بد معاہلی یا بر سلوک نہ کریں، نہ ان کو ستائیں نہ تکلیف دیں اور نہ ان کے ساتھ ایسا طور طریقہ رکھیں جس سے ان میں کسی قسم کا خوف و ہراس یا دل شکنی پیدا ہو، ان کے ساتھ کسی بھی طرح کی بد معاہلی اور بد سلوکی اور حقیقت اللہ کے عہد کو توڑنے اور اس عہد شکنی کا الزام اللہ پر عائد کرنے کے مترادف ہوگی۔

جنت لے جانے والے اعمال

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دُلِّيْ عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمَلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَقَالَ تَعْبُدُ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا أَرِيْدُ عَلَى هَذَا شَيْئًا وَلَا أَنْقُضَ مِنْهُ فَلَمَّا وَلِيَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ”یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں“۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، فرض نماز پڑھو فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو“۔ یہ سن کر دیہاتی نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نہ تو اس پر کچھ زیادہ کروں گا اور نہ اس میں سے کچھ کم کروں گا، جب وہ دیہاتی چلا گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنے کی سعادت اور مسرت حاصل کرنا چاہے وہ اس شخص کو دیکھ لے“۔ (بخاری)

تشریح: یہاں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس دیہاتی کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ فرمایا مگر شہادتین کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ بغیر شہادتین کے جنت میں داخل ہونا ناممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو وہ دیہاتی یقیناً مسلمان ہو گا جو ایمان لانے کے بعد جنت میں داخل کرنے والے عمل کے بارے میں سوال کر رہا تھا دوسرے یہ کہ سب ہی جانتے ہیں کہ بغیر شہادتین کے تمام اعمال بیکار ہیں اور اس کے بغیر جنت میں دخول ہی ممکن نہیں اس لئے شہادتین کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

یہاں صرف تین فرائض ذکر کئے گئے ہیں، بقیہ فرائض کا ذکر نہیں کیا گیا؟ تو ہو سکتا ہے کہ جس وقت اس دیہاتی نے سوال کیا تھا اس وقت تک یہی تین چیزیں فرض ہوئی ہوں گی اور بقیہ فرائض بعد میں مشروع ہوئے ہوں گے، زیادتی اور کمی نہ کرنے کا عہد در حقیقت اس دیہاتی کے اعتقاد کی پختگی اور قلبی تصدیق کے مضبوط ہونے کی دلیل تھا گویا اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے دل میں ایمان و اسلام کی لذت اور اس کی حقانیت و صداقت کی کیفیت اور آپ ﷺ کے احکام و فرمان کی بجا آوری کا داعیہ اس مضبوطی اور پختگی کے ساتھ ہے کہ نہ تو اس سوال پر کسی قسم کی زیادتی کی حاجت ہے اور نہ جواب کی مانعیت و جامعیت اور اس کی اہمیت کسی قسم کی کمی کی روادار ہے! چنانچہ اس دیہاتی کے یقین کی اسی کیفیت اور اس کی اسی پختگی و گرویدگی اور احکام و شریعت کے تئیں اس کے اسی جذبہ اطاعت کو دیکھ کر لسان نبوت نے اس مخلص انسان کے جنتی ہونے کی بشارت سنائی اور اعلان فرمایا کہ اگر کسی شخص کو تمنا ہو کہ جنتی آدمی کو دیکھے اور کسی جنتی کو دیکھنے کی مسرت اور سعادت حاصل کرنا چاہے تو اس شخص کو دیکھ لے۔

ایمان کامل

(۱۳) وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ وَفِي رِوَايَةٍ غَيْرِكَ قَالَ قُلْ أَهْنَتْ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت سفیان بن عبد اللہ الشعمیؒ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ کو اسلام کی کوئی ایسی بات بتادیجئے کہ آپ کے بعد پھر مجھ کو کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت باقی نہ رہے اور ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ”آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے“ آپ ﷺ نے فرمایا ”زبانِ دل سے اس بات کا اقرار کرو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس اعتراف و اقرار پر قائم رہو۔“ (مسلم)

تشریح: یعنی سب سے پہلے مرتبہ تو یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت اور اس کی الوہیت کی گواہی دو اور اس کی ذات اور تمام صفات پر صدق دل سے اعتراف و اعتقاد کے ساتھ ایمان لاؤ، یہ ایمان باللہ کی اعتقادی صورت ہے اور اس کی عملی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ جو شریعت اتاری ہے اس کی صداقت و حقانیت میں کامل یقین رکھو اور اس کو قبول کر کے احکام رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرو، اللہ اور اللہ کا رسول جس چیز کے کرنے کا حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ پھر یہ کہ اعتقاد و اطاعت کوئی وقتی و عارضی چیز نہ ہو بلکہ ان پر پختگی کے ساتھ قائم و دائم رہو اور زندگی کے کسی بھی لمحہ میں ان سے انحراف نہ کرو۔

فرائض اسلام

(۱۲) وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَابِرِ الزَّوْاسِ نَسْمُغٌ دَوِيٌّ صَوْبُهُ وَلَا تَفْقَهُ مَا يَقُولُ حَتَّى ذُكِرَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ يُسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُمُسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطُوعُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ شَهْرٍ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطُوعُ قَالَ وَذِكْرُ لَهْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطُوعُ قَالَ فَأَذْكَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ وَاللَّهِ لَا أَرِيدُ عَلَى هَذَا وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ الرَّجُلُ إِنْ صَدَقَ - (مشق علیہ)

”اور حضرت طلحہ بن عبید اللہؒ فرماتے ہیں اہل نجد میں سے ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جس کے سر کے بال پریشان تھے، ہم اس کی آواز کی گنگناہٹ تو سن رہے تھے لیکن (فاصلہ پر ہونے کی وجہ سے) یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ آپ ﷺ سے کیا کہہ رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گیا تو ہم نے سنا کہ وہ اسلام کے (فرائض) کے بارہ میں سوالات کر رہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے (اس کے جواب میں) فرمایا ”رات دن کی پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔“ (یہ سن کر) اس شخص نے کہا ”کیا ان نمازوں کے سوا مجھ پر کچھ اور نمازیں بھی فرض ہیں“ آپ نے فرمایا نہیں! ”مگر نفل نمازیں تمہیں پڑھنے کا اختیار ہے“ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اور ماہ رمضان کے روزے (فرض) ہیں۔“ اس شخص نے کہا ”کیا ان روزوں کے سوا کچھ اور روزے مجھ پر فرض ہیں“ آپ نے فرمایا ”نہیں! مگر نفل روزے کا تمہیں اختیار ہے“ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد زکوٰۃ کا ذکر فرمایا، اس نے عرض کیا، ”اس کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی صدقہ فرض ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں! مگر نفل صدقہ کا تمہیں اختیار ہے“ اس کے بعد وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ خدا کی قسم! میں نہ تو اس پر کچھ زیادتی کروں گا اور نہ اس میں سے کچھ کی کروں گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”اگر اس شخص نے سچ کہا ہے تو نجات پا گیا ہے اور کامیاب ہو گیا۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: جیسا کہ پہلے ایک حدیث کی تشریح میں گزرا، یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ جس وقت اس شخص نے سوال کیا تھا اس وقت تک اتنے ہی فرائض مشروع ہوئے ہوں گے اسی طرح نماز و ترو عیدین وغیرہ بھی واجب نہ ہوئی ہوں گی اسی واسطے اس شخص نے اس میں

۱۔ آپ کی کنیت ابو عمر ہے۔

۲۔ آپ کی کنیت ابو محمد قریشی تھی اور لقب طلحہ اخیر ہے۔ ۶۳ سال کی عمر میں ۵۳۶ھ میں وفات پائی۔

زیادتی اور کمی نہ کرنے کا وعدہ کیا یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ شخص کسی قوم کا نمائندہ اور اچھی بن کر اسلام کی حقیقت اور فرائض جاننے آیا تھا تاکہ واپس جا کر اپنی قوم کو بھی اسلامی تعلیمات اور فرائض سے آگاہ کرے اسی لئے اس نے واپسی کے وقت کہا کہ نہ تو میں اس میں زیادتی کروں گا اور نہ کمی کروں گا۔ یعنی آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے یا جو احکام و فرمان دیے ہیں وہ اسی طرح اپنی قوم تک پہنچا دوں گا، ان میں نہ تو اپنی طرف سے کوئی زیادتی کروں گا اور نہ کوئی کمی۔

اسلام میں مبلغ کا مقام

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْقَوْمِ أَوْ مِنَ الْوَفْدِ قَالُوا رُبْعَةً قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَائِنًا وَلَا تَدَامِي قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ وَنَتَنَاوَيْشَكَ هَذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارٍ مُضِرٍّ فَمَنْ نَابَهُمْ فَفُضِّلَ نُحْبِزُ بِهِ مَنْ وَرَاءَهُ نَا وَنَدْخُلُ بِهِ الْحِجَّةَ وَسَالِفُوهَ عَنِ الْأَشْرَةِ فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَحَدِّهِ قَالَ اتَّذَرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَحَدِّهِ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَاقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَاةَ الزَّكَاةَ وَصِيَامَ رَمَضَانَ وَأَنْ تَعْطُوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمْسَ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ عَنِ الْحَنَنْتِ وَالذَّبَابِ وَالنَّقِيرِ وَالْمَرْفُوفِ وَقَالَ احْفَظُوا هُنَّ وَاخْبِرُوا بِهِنَّ مَنْ وَرَاءَهُنَّ كُمْ۔ (بخاری ولفظ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب وفد عبد القیس نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں مدینہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں یا یوں پوچھا کہ یہ کس قبیلہ کا وفد ہے؟ (راوی کو شک ہوا کہ آپ ﷺ نے یہاں، قوم کا لفظ فرمایا وفد کا) لوگوں نے جواب دیا کہ ”قبیلہ ربیعہ کے افراد ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا خوش آمدید اور (چونکہ تم لوگ خوشی سے مسلمان ہو کر آئے اس لئے) نہ دنیا میں تمہارے لئے رسوائی ہے اور نہ آخرت کی شرمندگی، اہل وفد نے عرض کیا: یا رسول اللہ! چونکہ ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان ”کفار مضر“ کا (مشہور جنگ جو) قبیلہ پڑتا ہے اس لئے ہم آپ کی خدمت میں جلد جلد حاضر نہیں ہو سکتے صرف ان مہینوں میں آ سکتے ہیں جن میں لڑنا حرام ہے لہذا آپ ﷺ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے ایسے احکام ہمیں عطا فرمادیجئے جن پر ہم خود بھی عمل کریں اور ان لوگوں کو (بھی) ہم اس سے آگاہ کر دیں جن کو اپنے پیچھے (وطن و قوم میں) چھوڑ آئے ہیں اور اس پر عمل کرنے سے ہم جنت میں داخل ہو جائیں (اور اسی کے ساتھ) انہوں نے (ان) برتنوں کی بابت بھی پوچھا (جن میں نمیز بنائی جاتی تھی کہ کون سے استعمال میں لائے جاسکتے ہیں، اور کون سے نہیں) آپ ﷺ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے منع کیا اول اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کا حکم دیا اور فرمایا جانتے ہو اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے کے مطلب کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: (اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانا) اس حقیقت کی شہادت دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، پابندی سے نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا (ان چار باتوں کے علاوہ بعد میں آپ ﷺ نے مال غنیمت میں سے پانچویں حصے کے دینے کا حکم بھی فرمایا۔ اور ان چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا: لاکھ کئے ہوئے برتنوں سے، کہ وہ تو نبیوں سے درخت کی کھوکھلی جڑوں سے بنائے ہوئے برتنوں سے، رال کئے ہوئے برتنوں سے، اور فرمایا: ان باتوں کو اچھی طرح یاد کرو اور جن مسلمانوں کو اپنے پیچھے (وطن میں) چھوڑ آئے ہو ان کو بھی ان باتوں سے آگاہ کر دو۔“ (بخاری و مسلم، الفاظ بخاری کے ہیں)

تشریح: اسلام کی آواز جب مکہ اور مدینہ کی چار دیواریوں سے نکل کر دوسرے علاقوں میں پہنچی تو مختلف مقامات کے قبیلوں اور قوموں کے افراد وفد کی شکل میں اسلامی تعلیمات کی حقیقت اور پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت کی صداقت کو جاننے اور سمجھنے کے لئے دربار رسالت

لے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا حضرت عباسؓ کے صاحبزادے ہیں جو خیرالامت کے لقب سے مشہور ہیں، سرسری کی عمر میں بمقام طائف وفات پائی۔

میں حاضر ہونے لگے۔ یہ وفود دینی تعلیمات اور اسلامی فرائض کو نبی کریم ﷺ سے حاصل کرتے اور اپنے علاقوں اور قبیلوں میں واپس جا کر اسلام کی تبلیغ کرتے۔

احادیث میں ایسے بہت سے وفود کا ذکر آتا ہے جو اس سلسلہ میں دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام کی آواز کو دور دراز کے علاقوں اور قبیلوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنے، ایسا ہی ایک وفد عبدالقیس ہے جس کا تذکرہ اس حدیث میں کیا جا رہا ہے۔ عبدالقیس دراصل سربراہ وفد کا نام تھا انبی کی نسبت سے یہ وفد مشہور ہوا۔ یہ لوگ بحرن کے باشندہ تھے۔ اور آپ ﷺ کی خدمت میں دو مرتبہ حاضر ہوئے پہلی مرتبہ فتح مکہ سے پہلے ۵ھ میں، اس وقت ان کی تعداد ۳۳ یا ۳۴ تھی۔ دوسری مرتبہ ۸ھ یا ۹ھ میں جب ان کی تعداد چالیس تھی یہی وہ وفد ہے جس کے قبیلہ کی مسجد میں اسلام میں مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے جمعہ قائم ہوا ہے چنانچہ بخاری کی روایت ہے:

اول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم في مسجد عبدالقيس بجواثي من البحرين۔

”مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ بحرن کے مقام جواثی میں عبدالقیس کی مسجد میں قائم ہوا ہے۔“

اس وفد کی آمد کے سلسلہ میں یہ منقول ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ تمہارے پاس ابھی ایک ایسا قافلہ آنے والا ہے جو اہل مشرق میں سب سے بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ ان کو دیکھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو انہیں تیرہ آدمیوں کا ایک قافلہ آتا ہوا نظر پڑا، جب قافلہ قریب آیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو آنحضرت ﷺ کی بشارت سنائی اور قافلہ کے ساتھ ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوئے، اہل قافلہ کی نظر جوں ہی روئے انور ﷺ پر پڑی سب کے سب تائبانہ آپ ﷺ کی طرف دوڑ پڑے اور فرط اشتیاق سے اپنا سامان اسی طرح چھوڑ کر دیوانہ وار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کے دست مبارک چومنے لگے، حضرت عبدالقیس جو امیر قافلہ تھے اگرچہ نو عمر تھے لیکن سب سے پیچھے رہ گئے تھے، انہوں نے پہلے سب کے اونٹ باندھے پھر اپنا کس کھولا، سفر کے کپڑے اتارے اور دوسرا لباس تبدیل کیا پھر سکون و وقار کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دیا آدمی بد شکل تھے۔ جب آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھائی تو انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آدمی کی محبت صرف اس کے ڈھانچہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس کی قدر و قیمت اس کے دو چھوٹے اعضاء بتاتے ہیں اور وہ ”زبان و دل“ ہیں، ”آپ ﷺ نے فرمایا، تم میں دو فصلتیں ہیں جن کو اللہ و رسول پسند کرتے ہیں یعنی دانائی اور بردباری۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ فصلتیں مجھ میں پیدا کئی ہیں یا کسی؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”پیدا کئی۔“

اس قبیلہ کے افراد کو اپنے وطن سے مدینہ آنے کے لئے ”کفار مضر“ کے قبیلہ کے پاس سے گزرنا پڑتا تھا اس قبیلہ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ بہت زیادہ جنگ جو تھا۔ ان کی آبادی کے قریب سے جو بھی گزرتا تھا ان سے جنگ ہونی ضرور تھی اسی لئے اس وفد نے کہا چونکہ ہمارے لئے عام دنوں میں آنا بہت مشکل ہے، اس لئے بار بار نہیں آسکتے، صرف ان ہی مہینوں میں آسکتے ہیں جو عرب میں اشہر حرام سمجھے جاتے ہیں۔ اہل وفد کو جن چیزوں کی تعلیم دی گئی وہ چار ہیں:

① اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ ② نماز۔ ③ روزہ۔ ④ زکوٰۃ۔ حج کا ذکر نہیں کیا گیا لیکن بعض محدثین نے اس حدیث میں ”حج البیت“ کے الفاظ ذکر کئے ہیں جس کو حافظ ابن حجرؒ نے شاذ قرار دیا ہے۔

ان لوگوں کو ایک حکم بعد میں جو بطور خاص دیا گیا وہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ ادا کرنے کا تھا اور ان کو یہ حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ یہ لوگ اکثر جہاد کیا کرتے تھے اور کفار سے مقابلہ آرا کی کے نتیجہ میں مال غنیمت حاصل کرتے تھے۔

جن چار چیزوں سے ان لوگوں کو منع کیا گیا وہ چار برتن تھے جن کے استعمال کی ان دنوں ممانعت تھی اصل میں یہ مخصوص قسم کے برتن ہوتے تھے جو اہل عرب کے ہاں شراب بنانے اور شراب رکھنے کے کام میں آتے تھے۔ چونکہ شراب حرام ہو چکی تھی اس لئے ان برتنوں

کے استعمال سے بھی منع فرمایا گیا تاکہ اس سے شراب کی موجودگی یا شراب کے استعمال کا شبہ نہ ہو سکے مگر جب بعد میں شراب کی حرمت مسلمانوں کے دلوں میں پختگی کے ساتھ بیٹھ گئی اور ان برتنوں کے بارہ میں بھی یہ احتمال نہ رہا کہ یہ برتن خاص طور پر شراب ہی کے لئے بنائے جاتے ہیں تو ان کا استعمال مباح قرار دیا گیا، لہذا اب یہ حکم منسوخ مانا جائے گا۔

احکامات اسلام

(۱۱) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَوْلَهُ عَصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ يَابِغُونَنِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ فَتُزَوَّغَ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْحَلُكُمْ وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ فَهُوَ إِلَى اللَّهِ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذَلِكَ۔ (بخاری علیہ)

”اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی اس جماعت کو جو آپ ﷺ کے گرد بیٹھی ہوئی تھی (مخاطب کر کے) فرمایا۔ مجھ سے ان باتوں پر بیعت (عہد و اقرار) کرو کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے (افلاس کے ڈر سے) اپنے بچوں کو قتل نہ کرو گے، جان بوجھ کر کسی پر بہتان تراشی نہ کر دے اور شریعت کے مطابق تمہیں جو احکام دیے گئے اس کی نافرمانی نہیں کرو گے جس قسم میں سے جو شخص اس عہد و اقرار کو پورا کرے گا اس کا اجر خدا کے ذمہ ہے (کہ آخرت میں اپنے انعامات سے نوازے گا) اور جو شخص (سوائے شرک کے) ان میں سے کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے اور پھر دنیا میں اس کو اس گناہ کی سزا بھی مل جائے (جیسے حد وغیرہ جاری ہو) تو یہ سزا اس کے گناہ کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرنے والے کے گناہ کی سزا پوش فرمائی (اور دنیا میں اسے سزا نہ ملی) تو اب یہ خدا کی مرضی پر منحصر ہو گا کہ چاہے تو وہ (ازراہ کرم) آخرت میں بھی درگزر فرمائے اور چاہے اسے عذاب دے (راوی کہتے ہیں کہ ہم نے ان سب شرطوں پر) آپ ﷺ سے بیعت کی۔“ (بخاری و مسلم)

عورتوں کے لئے آپ ﷺ کا فرمان

(۱۲) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَصْحَابِي أَوْ فُطِرَ إِلَى الْمَضَلِيِّ فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنَّ أَرْبَتَكُمْ أَكْثَرُ أَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ تَكْثُرُ اللَّعْنُ وَتَكْفُرُونَ الْعَشِيرَ مَا زِلْتُمْ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلِ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِبَلِّ الرَّجُلِ الْحَاظِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ قُلْنَ وَمَا نَقَصَانِ دِينِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلُ نَصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلَى قَالَ فَذَلِكَ مِنْ نَقْصَانِ عَقْلِهَا قَالِ أَلَيْسَ إِذَا حَاصَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تُصُمْ قُلْنَ بَلَى قَالَ فَذَلِكَ مِنْ نَقْصَانِ دِينِهَا۔ (بخاری علیہ)

”اور ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) عید یا بقر عید کی نماز کے لئے عید گاہ تشریف لائے تو عورتوں کی ایک جماعت کے پاس بھی تشریف لے گئے۔ (جو نماز کے لئے ایک الگ گوشہ میں جمع تھیں) اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا ”اے عورتوں کی جماعت اتم صدقہ و خیرات کرو کیونکہ میں نے تم سے اکثر کو دوزخ میں دیکھا ہے“ (یہ سن کر) ان عورتوں نے کہا، یا رسول اللہ! اس کا سبب؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تم لعن و طعن بہت کرتی ہو اور اپنے شوہروں کو نافرمانی دنا شکری کرتی رہتی ہو اور میں نے عقل و دین میں

۱۔ مشہور انصاری صحابہ میں سے ہیں جو بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ میں شریک تھے اہل صفہ کے معلم تھے، آپ نے ۷۲ سال کی عمر پر ۲۳ میں وفات پائی۔
۲۔ آپ کا اصل نام سعد بن مالک بن شیبان ہے، ابو سعید آپ کی کنیت ہے اور خدری کی نسبت سے مشہور ہیں۔ ۷۲ میں جمعہ کے روز ۸۳ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

کمزور ہونے کے باوجود ہوشیار مرد کو بے وقوف بنا دینے میں تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا" (یہ سن کر) ان عورتوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہماری مثل اور ہمارے دین میں کیا کمی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا ایک عورت کی گواہی آدھے مرد کی گواہی کے برابر نہیں ہے (یعنی کیا ایسا نہیں ہے کہ شریعت میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر سمجھی جاتی ہے) انہوں نے کہا، جی ہاں ایسا ہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس کی وجہ عورت کی عقل کی کمزوری ہے اور کیا ایسا نہیں ہے کہ جس وقت عورت حیض کی حالت میں ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے، انہوں نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ اس کے دین میں نقصان کی وجہ ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اسلام کے ابتدائی زمانہ میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ ہی مسجد میں نماز ادا کرتی تھیں اس لئے عید یا بقر عید کی نماز کے لئے بھی عورتیں عید گاہ آتی تھیں اور چونکہ وہ الگ ایک کونہ میں بیٹھی ہوتی تھیں اور خطبہ کی آواز ان تک نہیں پہنچتی تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ احکام اور دینی ضروریات کی باتیں ان تک پہنچائی جائیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو وعظ و نصیحت سے مشرف فرمایا۔

اکثر عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ جہاں ایک دو مل کر بیٹھیں، کسی تقریب یا عورتوں کے مجمع میں پہنچیں بس ایک دوسرے کی غیبت کرنا، دنیا بھر کی برائی و بھلائی بیان کرنا اور لعن و طعن کی پوچھا کرنا شروع کر دیتی ہیں اور پھر ان کا زیادہ تر وقت ان خرافاتی باتوں میں گزرتا ہے۔ اسی طرح یہ بڑا روگ بھی ان عورتوں میں پایا جاتا ہے کہ ان کا شوہر ان کی آسائش اور ان کے راحت و آرام کے لئے کتنے ہی پاپڑ بیٹے، کتنی ہی مشقت و محنت کر کے ان کی ضروریات کی تکمیل کرے۔ اور ان کو خوش رکھنے کے لئے کتنی ہی مصیبتیں اٹھائے مگر ان کی زبان سے کبھی بھی شوہروں کا شکر ادا نہیں ہوتا، ہمیشہ ناشکری ہی کے الفاظ ان کی زبان سے نکلتے ہیں، رہی شوہروں کی نافرمانی کی بات تو یہ برائی بھی عورتوں میں کچھ کم نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں عورتوں کے ایک بہت بڑے عیب کی غمازی کرتی ہیں۔ جس سے ان کی آخرت تباہ ہوتی ہے اور جو ان کو اللہ کے عذاب کا مستوجب بناتا ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ان کے اس خاص عیب کی نشان دہی فرمائی اور ان سے فرمایا کہ تمہارے اندر اس قسم کی جو باتیں ہیں ان کو ہلکامت جانو، بلکہ یہ وہ گناہ ہیں جن کی وجہ سے اللہ کا عذاب تم پر ہوگا اور تم قہر خداوندی میں گرفتار ہو کر دوزخ میں دھکیل دی جاؤ گی اور تمہاری ان ہی باتوں کے سبب دوزخ میں تم عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت زیادہ ہوگی، لہذا تم صدقہ و خیرات کرتی رہا کرو تاکہ ایک طرف تو اس کی برکت سے تمہارے اندر ان باتوں کی کمی آئے اور یہ عیب جاتا رہے دوسری طرف اللہ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہو اور تمہارے گناہوں کی بخشش ہو۔

لعن (طعن) کے معنی ہیں، اللہ کی رحمت سے دور کرنا۔ حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کسی کو لعن طعن کرنا انتہائی بری حرکت ہے چنانچہ شریعت کا حکم ہے کہ کسی شخص کو متعین کر کے اس پر لعنت نہ بھیجی جائے چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ کسی متعین کافر پر بھی لعنت بھیجی کی ممانعت اس بنا پر ہے کہ نہیں کہا سکتا کہ کب اس کو ایمان و اسلام کی توفیق ہو جائے اور وہ کفر و شرک کی لعنت سے نکل کر اللہ کی رحمت کے سایہ میں آجائے۔ ہاں جو شخص کفر کی حالت میں مر گیا ہو اور اس کا کفر پر مرنے کا یقینی طور پر معلوم ہو تو اس پر لعنت بھیجی جاسکتی ہے اسی طرح نفس برائی پر لعنت بھیجی جاسکتی ہے یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ کفر پر اللہ کی لعنت یا یہ کہ کافروں پر اللہ کی لعنت۔

عورتوں میں "عقل کی کمی" یا ان کے "دینی نقصان" کا اظہار عورتوں کی تحقیر کے لئے ہرگز نہیں ہے بلکہ قدرت کے اس تخلیقی توازن کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے جو مردوں اور عورتوں کے درمیان جسمانی و طبعی فرق صنفیت کی بنیاد ہے اور یہ فرق صنفیت دراصل فطرت کا تقاضا ہے جس کے بغیر نوع انسانی کا ذاتی و معاشرتی نظام زندگی برسر اعتدال نہیں رہ سکتا، خالق کائنات نے جسمانی، طبعی، عقلی اور دینی طور پر مرد کو عورت کی بہ نسبت جو برتر درجہ دیا ہے اور جس کا ثبوت اس حدیث سے واضح ہے وہ انسانی معاشرہ کے اعتدال و توازن کی برقراری کے لئے ہے نہ کہ شرف انسانیت میں کسی فرق کے اظہار کے لئے، اس شرف میں مرد و عورت دونوں کی یکساں حیثیت ہے اور دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔

انسان کو سرکشی زیب نہیں دیتی

①۸ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِنِّي فَقَوْلُهُ لَنْ يُعْبَدَنِي كَمَا بَدَأْنِي وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِنِّي فَقَوْلُهُ اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا..... وَأَنَا الْأَخْذُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفْهُوا أَحَدًا وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِنِّي فَقَوْلُهُ لَنْ يُولَدَ وَسُبْحَانِي أَنْ اتَّخَذَ صَاحِبَةً أَوْ وَلَدًا۔ (رواه البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم (انسان) مجھ کو جھٹلاتا ہے اور یہ بات اس کے شایان نہیں اور میرے بارے میں بدگوئی کرتا ہے حالانکہ یہ اس کے مناسب نہیں ہے، اس کا مجھ کو جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اللہ نے مجھ کو (اس دنیا میں) پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح وہ (آخرت میں) مجھ کو دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کر سکتا حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں مشکل نہیں ہے۔ اور اس کا میرے بارے میں بدگوئی کرنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے، اللہ نے اپنا بیٹا بنایا ہے حالانکہ میں تنہا اور بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ مجھ کو کسی نے جنا اور نہ کوئی میرا ہمسرہ ہے اور ابن عباس کی روایت میں اس طرح ہے ”اور اس (انسان) کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کا بیٹا ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی یا بیٹا بناؤں۔“ (بخاری)

تشریح: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی اور یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک مرتبہ پیدا ہو کر مر جانے والوں اھاس دنیا سے اپنا وجود ختم کر دینے والوں کو دوبارہ حیات ملے اور نئی دنیا (آخرت) کے لئے ان کا وجود پھر نکل میں آئے یا اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے ”بیٹا“ ثابت کرتے ہیں اور اس کا عقیدہ رکھتے ہیں جیسے عیسائیوں کا کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، یا یہودیوں کا کہنا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کی اولاد ہیں، درحقیقت فکر و عقیدہ کی بے راہ روی ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا اور اس کی ذات پر بہتان باندھنا ہے۔ جھوٹ کی نسبت تو اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جی کتابوں اور اپنے سچے پیغمبروں کے ذریعہ قیامت کی واضح خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ ہر ذی روح کو مرنا ہے اور پھر آخرت میں دوبارہ زندہ ہو کر ایک نئی حیات پانا ہے جو ابدی ہوگی، اب اگر کوئی شخص قیامت کا انکار کرتا ہے یا حیات بعد الموت کو ناممکن سمجھتا ہے تو دراصل وہ ظاہر کرتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ جھوٹا ہے جس نے یہ غلط باتوں کی ہمیں خبر دی ہے اسی طرح یہ تصور قائم کرنا اور کہنا کہ جو شخص ایک مرتبہ پیدا ہو کر نیست و نابود ہو چکا ہے وہ دوبارہ وجود نہیں پاسکتا، درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت قادریت و خالقیت کا انکار کرنا ہے۔ ان نادانوں کی عقل میں یہ موٹی بات نہیں آتی کہ جو خالق کسی چیز کو عدم سے نکال کر وجود کا لباس پہنا سکتا ہے وہ اسی چیز کو جبکہ وہ لوٹ پھوٹ کر اپنا قلب کھو چکی ہو، دوبارہ قالب اور وجود عطا کیوں نہیں کر سکتا، محدود قدرت رکھنے والا انسان بھی کسی چیز کی تخلیق میں اگر کوئی دقت اور مشکل محسوس کرتا ہے تو پہلی مرتبہ کی تخلیق میں محسوس کرتا ہے جب کہ اسی چیز کو دوبارہ بنانا اس کے لئے چنداں مشکل نہیں ہوتا، پھر لامحدود طاقت و قدرت رکھنے والے خالق عالم کو اپنی کسی تخلیق کے دوبارہ وجود دینے میں بھلا کیا دقت ہو سکتی ہے۔ واضح ہو کہ ”پہلی مرتبہ“ اور ”دوسری مرتبہ“ کی یہ تفصیل انسان کے اعتبار سے اور محض سمجھانے کے لئے ہے اس کا تعلق حق تعالیٰ کی ذات سے ہرگز نہیں ہے وہ تو قادر مطلق ہے، کسی چیز کو پیدا کرنا نہ اس کے لئے پہلی مرتبہ مشکل ہے اور نہ دوسری مرتبہ۔

اللہ کے بارے میں بدگوئی کے ذریعہ اس کی ذات پر بہتان باندھنا اس اعتبار سے ہے کہ جب اس نے واضح طور پر بتایا ہے کہ وہ تنہا، بے نیاز اور بے کفو ہے اور یہ کہ نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ اس نے کسی کو جنا تو پھر کسی کو اس کا بیٹا بنانا یا اس کو کسی کا باپ بنانا اس کی ذات پر بہتان تراشی نہیں تو اور کیا ہے، یہ انسان کی ذہنی پستی اور فکر و خیال کی گراوٹ کی بات ہے کہ وہ اپنے خالق اور اپنے پروردگار کی طرف

ایسی چیزوں کی نسبت کرے جس سے اس کی ذات پاک ہے، بے نیاز ہے۔

زمانہ کو برامت کہو

(۱۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ يُؤَذِّنُنِي ابْنَ آدَمَ يَسُبُّ اللَّهَ هُوَ وَأَنَا اللَّهُ هُوَ يَسُبُّنِي الْأَمْرَ أَقْلِبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ابن آدم (انسان) مجھے تکلیف دیتا ہے (اس طرح کہ) کہ وہ زمانہ کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانہ (کچھ نہیں وہ) تو میں ہی ہوں، سب تصرفات میرے قبضہ میں ہیں اور شب و روز کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: جاہلوں کی عادت ہے کہ وہ انسانوں کی اپنی پیدا کی ہوئی پریشانیوں اور مصیبتوں کو برائی کی صورت میں زمانہ اور وقت کے سر تھوپ دیتے ہیں اور اپنی زبان سے اس طرح کے الفاظ نکالتے ہیں ”زمانہ خراب ہے، بہت برا وقت ہے“ اس طرح وقت اور زمانہ کو برا کہنا نہایت غلط ہے کیونکہ زمانہ اور وقت تو کچھ بھی نہیں ہے، اصل متصرف حق تعالیٰ کی ذات ہے جس کے قبضہ میں لیل و نہار کی گردش ہے اور اسی گردش لیل و نہار کا نام زمانہ اور وقت ہے، اگر زمانہ اور وقت کو متصرف سمجھ کر برا کہا جاتا ہے تو متصرف چونکہ حق تعالیٰ ہے اس لئے وہ برائی حق تعالیٰ کی طرف جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا صبر و تحمل

(۲۰) وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَخَذَ صَبْرٌ عَلَى أَدْنَى يَسْتَفْعِدُ مِنَ اللَّهِ يَدْعُونَ لَهُ الْوَلَدَ ثُمَّ يُعَاذِيهِمْ وَيَزُورُهُمْ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰ اشعرئؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا تکلیف دہ کلمات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر و تحمل کرنے والا کوئی نہیں، لوگ اس کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہیں وہ اس پر بھی (ان سے انتقام نہیں لیتا بلکہ) ان کو عافیت بخشا ہے اور روزی پہنچاتا ہے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: خداوند قدوس کی ذات اس سے پاک اور بالاتر ہے کہ کوئی انسان اگر اپنے قول و فعل سے اس کو تکلیف پہنچانا چاہے، تو وہ کامیاب ہو جائے یا کوئی شخص اس کو نقصان پہنچانا چاہے تو اسے نقصان پہنچ جائے اس لئے یہاں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ واقعی اس کو انسان کے قول و فعل سے تکلیف پہنچتی ہے اور وہ صبر و تحمل کرتا ہے اور نہ اس حدیث کا مقصد اس بات کو ظاہر کرتا ہے۔ اصل منشاء انسانی دل و دماغ کو جھنجھوڑنا اور عقل و شعور کو بیدار کرنا ہے کہ جب اللہ کی اپنی بنائی ہوئی مخلوق اسی کے پیدا کئے ہوئے انسان اسی کے خزانہ قدرت سے مستفید ہونے والے لوگ اپنے قول و فعل سے اللہ کو ایذا پہنچانے کے سامان تیار کرتے ہیں اس کو تکلیف دینے کا ارادہ کرتے ہیں جیسے اس کی نافرمانی کرنا اس کے احکام و ہدایات اور اس کے دین کا مذاق اڑانا اور اس کی طرف ان چیزوں کی نسبت کرنا جن سے اس کی ذات بالکل پاک اور منزہ ہے مثلاً کسی کو اس کا بیٹا بتانا، کسی کو اس کا جوڑا قرار دینا تو یہ ایسی باتیں ہیں کہ جن پر اس کا غضب اگر بھڑک اٹھے تو نہ صرف ان لوگوں کا تمام نظام زندگی تہ و بالا کر کے رکھ دے بلکہ پوری کائنات کو پل بھر میں نیست و نابود کر ڈالے۔ مگر اس کے برداشت و تحمل کو دیکھو کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے کے بجائے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کرتا، کسی کی روئی روزی بند نہیں کرتا، کسی کو زندگی کے وسائل و ذرائع سے محروم نہیں کرتا، جس طرح اس کے نیک اور اطاعت گزار بندے اس کے فضل و کرم کے سایہ میں ہیں اسی طرح بدکار اور سرکش بندے بھی اس کے خزانہ رحمت سے پل رہے ہیں اس کی نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔

توحید کی اہمیت

②۱ وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ كُنْتُ رَدَفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حِمَارٍ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا مَوْجِرَةُ الزَّخْلِ فَقَالَ يَا مُعَاذُ هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَغْبِطُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا يُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَا تَبَشِّرُهُمْ فَيَتَكَلَّمُوا (بخاری علیہ)

”اور حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ (ایک سفر کے دوران سواری کے) گدھے پر میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، میرے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان کجاوے کا چھلکا نہ رہا تھا، آنحضور ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا معاذؓ اجاتے ہو بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ پر بندوں کا یہ حق ہے کہ جس نے کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرایا، اسے عذاب لے دے (یہ سن کر) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں یہ خوشخبری لوگوں کو سنا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سناؤ کیونکہ وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے (اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: عرب کے گدھے ہماری طرف کے گھوڑوں سے بھی زیادہ تیز اور طاقتور ہوتے ہیں اس لئے وہاں سواری کے لئے گدھے بھی استعمال کئے جاتے تھے اور ان پر سواری کی جاتی تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے اللہ کو ایک مان لیا اس کی الوہیت و ربوبیت اور اس کی بھیجی ہوئی رسالت پر ایمان لے آیا اور اس کی عبادت و پرستش میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تو اس پر اللہ کا عذاب نہیں ہوگا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آیا اور شرک کا مرتکب نہیں ہوا تو اس پر دوزخ کی آگ بالکل حرام ہو جائے گی۔ اگرچہ وہ کتنا ہی بد عمل اور بدکار ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین اور کفار کی طرح اس پر عذاب کے لئے عذاب مستط نہیں کیا جائے گا اور نہ وہ ہمیشہ ہی دوزخ میں رہے گا بلکہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر آخر کار جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

دوزخ سے رہائی

②۲ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذٌ وَذَيْفَةُ عَلَى الزَّخْلِ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَيْتَنِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدُنِكَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدُنِكَ ثَلَاثًا قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ إِلَّا حَرَمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا أَخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبَشِرُوا قَالَ إِذَا يَتَكَلَّمُوا فَخَبِّرْ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأْتُمُّهَا (بخاری علیہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے اس وقت جب کہ (سفر کے دوران) سواری پر تھے اور آپ ﷺ کے پیچھے معاذؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا ”اے معاذؓ انہوں نے کہا ”حاضر ہوں یا رسول اللہ“ آنحضور ﷺ نے پھر فرمایا ”اے معاذؓ معاذؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ حاضر ہوں“ آپ ﷺ نے پھر تیسری مرتبہ مخاطب فرمایا ”اے معاذؓ معاذؓ نے پھر کہا ”یا رسول اللہ حاضر ہوں“ آنحضور ﷺ نے اسی طرح تین مرتبہ معاذؓ کو مخاطب کرنے کے بعد فرمایا ”اللہ کا جو بندہ سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے“ (یہ سن کر) معاذؓ نے عرض کیا

لے آپ کی کنیت ابو عبد الرحمن ہے لیکن معاذ بن جبل کے نام سے معروف ہیں انسانی صحابی ہیں۔ ۳۸ سال کی عمر میں ۱۸ھ میں وفات پائی۔

چوری اور زنا کے مرتکب کیوں نہ ہوا ہو اور خواہ ابوذرؓ کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ (راوی کہتے ہیں کہ) جب بھی حضرت ابوذرؓ یہ حدیث بیان کرتے (بطور فخر) اس آخری فقرہ ”خواہ ابوذرؓ کو کتنا ہی ناگوار گزرے“ ضرور نقل کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے اور اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اس کے فضل و کرم سے کوئی بعید نہیں کہ وہ اس شخص کو جنت میں داخل کر دے جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا تھا مگر مرتے وقت اس کا دل ایمان و یقین کی روشنی سے منور تھا تاہم محدثین اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس کی بخشش و مغفرت اس کے ایمان کی بنا پر تو ہر حال میں ہوگی یعنی اس کو ابدی نجات سے سرفراز کیا جائے گا مگر دنیا میں اس نے جو گناہ کئے ہوں گے اور جن بد اعمالیوں کا مرتکب ہوا ہوگا پہلے ان کی سزا اس کو بھگتنی ہوگی۔ چنانچہ ابوذرؓ غفاریؓ کو اسی لئے تعجب ہو رہا تھا اور وہ بار بار پوچھ رہے تھے کہ کیا کوئی شخص محض اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت پر ایمان و اقرار کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا خواہ اس نے شریعت کی اطاعت نہ کی ہو اور بڑے بڑے گناہوں کا مرتکب رہا ہو؟ مگر حقیقت میں نگاہ نبوت اللہ کی وسیع و بیکراں رحمت کو دیکھ رہی تھی کہ بڑے بڑے سرکش اور بدکار انسان جنہوں نے پوری زندگی اللہ و رسول کے احکام سے سرکشی میں گزاری، جن کی عمر کا کوئی حصہ شریعت کی اطاعت میں نہیں گزرا انہوں نے جب آخر میں توبہ و شرمندگی اور خلوص دل سے توبہ کر لی اور مرتے وقت ان کا دل ایمان و یقین کے نور سے منور ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت نے اس توبہ و انابت اور ایمان و یقین کی بدولت جس نے سچائی اور اخلاص کے ساتھ ان کے اندر کی دنیا میں اکدم انقلاب برپا کر دیا تھا ان کی پوری زندگی کی سرکشی اور بدکاریوں کو معاف کر دیا اور اپنے فضل و احسان کے سایہ میں لے کر ان کو ابدی نجات سے سرفراز کر دیا۔

نجات کا دار و مدار کس پر ہے

(۳۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّ عِيسَى عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ وَأَنَّ مَرْيَمُ وَذُرِّيَّتُهَا عَلَى اللَّهِ حَتَّىٰ آذَخَلَهُ اللَّهُ الْخَلْقَ عَلَىٰ مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ - (متفق علیہ)

”اور عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس بات کی گواہی دے (یعنی زبان سے اقرار کرے اور دل سے سچ جائے) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور کوئی اس کا شریک نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ بلاشبہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور (اس بات کی بھی شہادت دے کہ) عیسیٰ علیہ السلام (بھی) اللہ کے بندے اور رسول اور اللہ کی لونڈی (مریم) کے بیٹے اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی جانب ڈالا تھا اور اللہ کی بھیجی ہوئی روح ہیں اور یہ کہ جنت و دوزخ حق (اور واقعی چیزیں) ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں ضرور داخل کرے گا خواہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہی ہے کہ ابدی نجات کا دار و مدار ایمان و عقائد کی اصلاح پر ہے اس میں کسی قسم کی کوتاہی قابل معافی نہیں ہو سکتی، ہاں اعمال کی کمزوریاں رحمت خداوندی سے معاف ہو سکتی ہیں۔

ایمان کی بنیاد چونکہ توحید کو ماننا اور اس کی شہادت دینا اس لئے سب سے پہلے اسے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اللہ کی وحدانیت اور اس کی الوہیت و ربوبیت پر صدق دل سے اعتقاد رکھا جائے پھر اس کے بعد رسالت کا درجہ ہے تو ضروری ہے کہ رسول کی رسالت ایمان لایا جائے اسی طرح تمام رسولوں کی رسالت پر ایمان رکھنا بھی نجات کے لئے ضروری ہے۔ یہاں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر علامت کے طور پر بھی ہے اور ایک خاص وجہ سے بھی دراصل ان کے بارے میں ایک گروہ (یعنی عیسائیوں) کا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ امین اللہ ہیں۔ اس باطل عقیدہ کی تردید کے لئے ان کا ذکر کیا گیا اور وضاحت کر دی گئی کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ تو اللہ کے بیٹے ہیں اور نہ اللہ ان کے اندر حلول کئے ہوئے ہے بلکہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں جسے اس نے اپنی ایک باندی مریم علیہا السلام کے پیٹ سے پیدا کیا

اسی لئے ان کو ”کلمہ اللہ“ کہا جاتا ہے کہ ان کی پیدائش بغیر آپ کے صرف اللہ کے حکم ”کلمہ کن“ سے ہوئی۔ ”روح اللہ“ ان کو اس لئے نہیں کہا گیا کہ ان کے اندر اللہ کا کوئی جزویہ اللہ کی روح شامل ہے بلکہ ”روح اللہ“ آپ کا لقب اس لئے قرار دیا گیا کہ آپ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے اور مٹی کی چیزیں بنا کر اور ان میں جان ڈال کر اڑا دیا کرتے تھے۔ عقیدہ توحید و رسالت کے بعد تصور آخرت کا عقیدہ بھی بنیادی ہے یعنی اس بات پر ایمان و یقین رکھنا کہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا برحق ہے اور جنت و دوزخ واقعی چیزیں ہیں، یہ وہ عقائد ہیں جن کو ماننا، صدق دل سے ان پر ایمان رکھنا اور خلوص نیت سے ان کو تسلیم کرنا ابدی نجات کا ضامن ہے۔ ان عقائد کو ماننے ہوئے اگر اعمال کی کوتاہیاں بھی ہوں تو اس صورت میں بھی اس حدیث نے جنت کی بشارت دی ہے۔ لیکن جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے یہ بات طے ہے کہ جو عملی کوتاہیاں اور بد اعمالیاں رحمت خداوندی سے معاف نہیں ہوں گی ان پر سزا ضرور ملے گی مگر سزا پوری ہونے کے بعد اس کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ لہذا اس حدیث کو اس مفہوم میں لینا چاہیے کہ اگر ان عقائد کے ماننے کے بعد کسی نے اعمال بھی اچھے کئے، شریعت کی پیروی کرتے ہوئے تمام احکام بجالایا اور خلاف شرع کوئی کام نہیں کیا تو بغیر کسی عذاب و سزا کے اسے جنت میں داخل کیا جائے گا اور اگر کسی نے ان عقائد کو ماننے کے بعد اعمال اچھے نہ کئے شریعت کی پابندی نہیں کی، اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کی فرمانبرداری نہیں کی تو وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتے گا مگر آخر کار اسے بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

قبول اسلام سے سابقہ گناہ مٹ جاتے ہیں

(۲۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ أَتُبْسِطُ يَمِينَكَ فَلَا تُبَايِعُكَ فَبَسَطَ يَمِينَهُ فَقَبَضْتُ يَدِي فَقَالَ مَا لَكَ يَا عَمْرُو قُلْتُ أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ قَالَ فَشَرِطْ مَاذَا؟ قُلْتُ أَنْ يُغْفَرَ لِي قَالَ أَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ زَوَّاهُ مُسْلِمًا وَالْحَدِيثَانِ الْمَرْوِيَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنَا أَغْنِي الشُّرَكَاءَ عَنِ الشُّرْكِ وَالْأَخْرَجَ الْكُفْرَ يَأْزِدُ آتِي سَنَدَهُ كُتُوبُهُ فِي بَابِ الزَّيْنَاءِ وَالْكِبْرِ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی روشنی سے میرے قلب و دماغ کو منور کیا تو میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا ”یا رسول اللہ! ایسے اپنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ ﷺ سے اسلام کی بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے (یہ) سن کر اپنا ہاتھ (جب) بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپ ﷺ نے (حیرت سے) فرمایا عمرو یہ کیا؟ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! میں کچھ شرط کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا (میں چاہتا ہوں) کہ میرے (ان) تمام گناہوں کو معاف کر دیا جائے (جو میں نے اسلام سے پہلے کئے تھے) آپ ﷺ نے فرمایا اے عمرو! کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام ان تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو قبول اسلام سے قبل کئے گئے ہوں، ہجرت ان تمام گناہوں کو دور کر دیتی ہے جو اس (ہجرت) سے پہلے کئے گئے ہوں اور حج ان تمام گناہوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے جو اس حج سے پہلے کئے گئے ہوں (مسلم) اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ دونوں حدیثیں یعنی ”قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنَا أَغْنِي الشُّرَكَاءَ عَنِ الشُّرْكِ الْخ“ اور ”الْكِبْرِ يَأْزِدُ الْخ“ رِیاء اور کبر کے باب میں نقل کی جائیں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔“

تشریح: ایک شخص اگر اپنی زندگی کا ایک اچھا خاصہ حصہ کفر و شرک میں گزار کر بعد میں اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوتا ہے، تو کیا اس کے زمانہ اسلام سے پہلے کے اعمال پر مواخذہ ہوگا؟ یعنی کفر و شرک اور گناہ و معصیت جو اس سے پہلے صادر ہوئے رہے ہیں ان پر عذاب ہوگا یا نہیں؟ اس حدیث نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ اسلام کی روشنی پہلی تمام تاریکی کو خواہ وہ کفر و شرک کا اندھیرا ہو یا گناہ و معصیت کی

لے آپ مشہور معروف قریشی صحابی ہیں آپ کی کنیت ابو عبد اللہ یا ابو محمد بیان کی گئی ہے آپ کا سن وفات ۴۳ھ بیان کیا جاتا ہے۔

ظلمت، آن واحد میں ختم کر ڈالتی ہے اور صرف ایک کلمہ کی بدولت جو غلوس دل سے نکلا ہو، انسان کا قلب و دماغ بالکل غلبی ہو جاتا ہے، نہ وہاں شرک کی ظلمتوں کا کوئی نشان رہ جاتا ہے اور نہ گناہ و معصیت پر عذاب کا کوئی خدشہ، لیکن اتنی بات جان لینی چاہیے کہ بخشش اور مغفرت کا تعلق ذنوب اور گناہوں سے ہے، ان حقوق کے ساتھ نہیں ہے جو قرض، امانت، عاریت اور خرید و فروخت کے سلسلے میں اس کے ذمہ ابھی باقی ہیں کیونکہ اسلام ان مطالبات کی ادائیگی کو معطل نہیں کرتا جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے بلکہ اسلام لانے کے بعد بھی اس پر لازم رہے گا کہ وہ ان مطالبات کی ادائیگی کرے جو اس کے اوپر اسلام لانے سے پہلے واجب ہوئے تھے، البتہ اس حدیث کے تحت ایسے حقوق العباد آسکتے ہیں جو زنا، چوری اور قتل وغیرہ کی صورت میں زمانہ اسلام سے قبل ناحق ضائع کر دیئے گئے تھے، اسلام کے بعد ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

اسلام کی دولت سے مستفیض ہونے کے بعد بھی چونکہ ایک مسلمان سے بقا ضائع بشریت گناہ مرزد ہو سکتے ہیں اس لئے ان کے کفارہ کے لئے اس حدیث نے حج اور ہجرت دو ایسے عمل بتا دیے کہ اگر یہ دونوں کام اپنی تمام شرائط کے ساتھ پورے کئے جائیں تو یہ حقوق اللہ کے لئے کفارہ بن جائیں گے بلکہ حج کے بارے میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے یہ حقوق العباد کے لئے بھی کفارہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنے خزانہ قدرت سے صاحب حقوق کو اس کے حقوق دے کر اس بندہ کو ان حقوق سے دستبرداری و داد دے اور اسے معاف کر دے۔ (ترجمان السنہ)

الْفَصْلُ الثَّانِي

ارکان دین

(۲۶) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيَسَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ أَمْرٍ عَظِيمٍ وَإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلَى مَنْ يَشْرُوهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ تَقَبُّدُ اللَّهِ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى أَبْوَابِ الْخَيْرِ الصَّوْمُ جَنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُظْفِقُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُظْفِقُ الْمَاءُ النَّارَ وَصَلَاةُ الرَّجُلِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ تَلَا (تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ) حَتَّى بَلَغَ يَغْمُزُونَ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ وَعُمُودِهِ وَذُرْوَةِ سَنَابِهِ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعُمُودُهُ الصَّلَاةُ وَذُرْوَةُ سَنَابِهِ الْجِهَادُ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَخْبِرُكَ بِمِلَاكِ ذَلِكَ كُلِّهِ قُلْتُ بَلَى يَا نَبِيَّ اللَّهِ فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ وَقَالَ كَفَّ عَلَيْكَ هَذَا فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ وَإِنَّا لَمَوْأخَذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ قَالَ نِكَلْتُكَ أَمَّا يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُفُّ النَّاسُ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَاحِيرِهِمْ إِلَّا خَصَّائِدُ السَّيِّئِينَ۔ (رواه احمد والترمذی وابن ماجہ)

”حضرت معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی عمل ایسا بتا دیجئے جو مجھ کو جنت میں لے جائے اور دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے، آپ ﷺ نے فرمایا ”حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے ایک بہت بڑی چیز کا سوال کیا ہے لیکن جس پر اللہ تعالیٰ آسان کر دے اس کے لئے یہ بہت آسان بھی ہے“ پھر فرمایا ”اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز پابندی کے ساتھ ادا کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور خانہ کعبہ کاج کر دو، پھر اس کے بعد فرمایا اسے معاذ آ کیا تمہیں خیر و بھلائی کے دروازوں تک نہ پہنچا دوں (تو سنو) روزہ (ایک ایسی) ذوال ہے (جو گناہ سے بچاتی ہے اور دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھتی ہے) اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے (اور اسی طرح ارات (تہجد) میں مومن کا نماز پڑھنا گناہ کو ختم کر دیتا ہے) پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (جس میں تہجد گزار کو رات میں اللہ کی عبادت کرنے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس پوری آیت کا ترجمہ ہے): ان

(مؤمنین صالحین) کے پہلو (رات میں) بستر سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف و امید سے پکارتے اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ (خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان (مؤمنین صالحین) کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے یہ ان کے اعمال کا صلہ (انعام) ہے جو وہ کرتے تھے، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں اس چیز (یعنی دین) کا سر اور اس کے ستون اور اس کے کوہان کی بلندی نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! ضرور بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس چیز (دین) کا سر اسلام ہے، اس کے ستون نماز ہے اور اس کوہان کی بلندی جہاد ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں ان تمام چیزوں کی جڑ نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا ہاں اللہ کے نبی ﷺ ضرور بتائیے آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور (اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: اس کو بند رکھو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! ہم اپنی زبان سے جو بھی لفظ نکالتے ہیں ان سب پر مواخذہ ہوگا، آپ نے فرمایا: معاذ! شکلتک امیک! (تمہاری ماں تمہیں گم کر دے اچھی طرح جان لو کہ) لوگوں کو ان کے منہ کے بل یا پیشانی کے بل دوزخ میں گرانی والی اسی زبان (کبری) باتیں ہوں گی۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث میں ”دین“ کی تصویر بڑے نفسیاتی انداز میں اجاگر کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح کسی جسمانی وجود کا مدار ”سر“ پر ہوتا ہے کہ اگر سر کو اڑا دیا جائے تو جسمانی وجود بھی باقی نہیں رہے گا، اسی طرح ”ایمان و اسلام“ یعنی عقیدہ توحید و رسالت دین کے لئے بمنزلہ سر کے ہیں کہ اگر توحید و رسالت کے اعتقاد کو ہٹا دیا جائے تو دین کا وجود بھی باقی نہیں رہے گا، پھر جس طرح کسی جسمانی وجود کو برقرار رکھنے اور کارآمد بنانے کے لئے ”ستون“ اولین اہمیت کا حامل ہوتا ہے اسی طرح دین کا ستون نماز ہے۔ نماز ہی وہ بنیادی طاقت ہے جو دین کے وجود کو وابستہ اور قائم رکھتی ہے اگر نماز کو ہٹا دیا جائے تو دین کا وجود اپنی اصلی حالت کی برقراری سے محروم ہو جائے۔ اور پھر جس طرح کسی جسمانی وجود کو با عظمت بنانے اور اس کی شوکت بڑھانے کے کسی امتیازی اور منفرد وصف و خصوصیت کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح جہاد وہ ضرورت ہے جس پر دین کی عظمت و شوکت اور ترقی و وسعت کا انحصار ہے اگر جہاد کو (خواہ وہ قلم سے ہو یا زبان سے) اور خواہ تلوار سے ہو یا تبلیغی جدوجہد سے) اہل اسلام کے ملی وصف سے خارج کر دیا جائے تو دین ایک بے شکوہ اور بے اثر ڈھانچہ بن کر رہ جائے۔ حدیث کا آخری حصہ ”زبان“ سے متعلق اس ہدایت پر مشتمل ہے جو دین کو اضمحلال اور دینی زندگی کو گھٹن سے بچانے کے لئے ایک بڑے نفسیاتی نکتہ کی غماز ہے۔ مطلب یہ کہ دین کے وجود، دین کے بقا اور دین کی عظمت و شوکت کو بچانے کی جڑ زبان ہے زبان کو قابو میں رکھنا دین و دنیا کی فلاح و نجات کا پیش خیمہ ہے اور زبان کو قابو چھوڑ دینا خود کو دین و دنیا کی تباہی کی طرف دھکیل دینا ہے لہذا لازم ہے کہ زبان بند رکھی جائے یعنی منہ سے ایسے الفاظ نہ نکالے جائیں جو برائی فاشی اور بدکلامی کے حامل ہوں، وہ برے کلام جو کفر آمیز یا گناہ اور فحاشی کے ہوں، یا کسی کی غیبت کرنا، جھوٹ بولنا اور یا الزام تراشی کرنا ایسی برائیاں ہیں جن سے زبان و دین کی حفاظت نہ کی گئی تو سمجھ لو دوزخ کا عذاب سامنے ہے۔ دین و دنیا کی بھلائی چاہنے والے اور ابدی نجات و سعادت کے طلب گار اسی لئے اپنی زبان پر قابو رکھتے ہیں کہ نہ معلوم کب اس سے کوئی ایسا لفظ و کلام نکل جائے جس سے کفر بکنا یا گناہ و معصیت کی بات کہنا لازم آجائے اور پھر اس کی پاداش میں اللہ کا عذاب بھگتنا پڑے۔ درحقیقت ”زبان“ بہت بڑی وجہ سعادت بنتی ہے جب اس سے نیک کلام اچھی باتیں، خیر و بھلائی کے الفاظ اور وعظ و نصیحت کے جملے نکلتے ہیں، دنیا و آخرت میں اسی انسان کا رتبہ بلند مانتا جاتا ہے جو ”زبان“ کی عظمت و تقدیس کو ہر حال میں ملحوظ رکھے۔ بدکلامی اور بری باتوں سے بہر صورت اجتناب کرتا ہو۔

ایمان کامل کیا ہے؟

(۲۷) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَتَعَ لِلَّهِ فَقَدْ

۱۔ یہ ایک عبادہ ہے جو عربی زبان میں اظہار تعجب کے لئے بولا جاتا ہے۔

اِسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ زَوَاهُ الْبُؤْدُؤُورُ وَزَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ مَعَ تَقْدِيمِهِ وَتَأْخِيرِهِ فِيهِ فَقَدْ اِسْتَكْمَلَ اِيْمَانَهُ۔
 ”اور حضرت ابی امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اللہ ہی کے لئے محبت کرے اور اللہ ہی کے لئے بغض وعداوت رکھے اور اللہ ہی کے لئے خرچ کرے اور اللہ ہی کے لئے خرچ نہ کرے تو یقیناً اس نے ایمان کو کامل کیا“ (ابوداؤد) اور ترمذی نے اس روایت کو معاذ بن انسؓ سے کسی قدر تقدیم و تاخیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں ”تو یقیناً اس نے اپنے ایمان کو کامل کیا۔“

تشریح: مطلب یہ کہ بندہ جو کام بھی کرے محض اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرے، اس کا کوئی بھی فعل و عمل کسی غرض فاسد، جذبہ نام و نمود اور نمائش و ریا کے تحت نہ ہو۔ مثلاً اگر وہ کسی سے محبت و تعلق رکھتا ہے یا کسی سے دشمنی وعداوت رکھتا ہے تو اس کی بنیاد محض نفس کی خواہش یا کسی دنیاوی مقصد و غرض پر نہ ہو بلکہ یہ دیکھے کہ کس شخص سے محبت رکھنا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور کس سے نفرت و دشمنی رکھنا اللہ کو مطلوب ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے نیک و صالح اور فرمانبردار بندوں سے محبت کرنا چونکہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اس لئے وہ اس شخص سے محبت و تعلق رکھے جو نیک، صالح، اطاعت گزار اور مخلص مؤمن و مسلمان ہو اور چونکہ ایسے شخص سے بغض وعداوت رکھنا ہی اللہ کو مطلوب ہے جو سرکش و نافرمانبردار ہو اس لئے اس سے بغض وعداوت رکھے اور اس سے محبت کا تعلق قائم نہ کرے۔ اسی طرح اپنا مال خرچ کرنے اور خرچ نہ کرنے کے بارے میں بھی اللہ ہی کی رضا و خوشنودی کو سامنے رکھے یعنی اگر خرچ کرے تو ایسی جگہ اور ایسے مصارف میں خرچ کرے جہاں خرچ کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اور جن مصارف میں خرچ کرنا اللہ کو مطلوب و پسندیدہ ہے، جہاں خرچ کرنا نہ صرف یہ کہ کوئی ثواب کا کام نہیں ہے بلکہ گناہ کو لازم کرتا ہے وہاں خرچ کرنے سے اجتناب کرے اور کسی ایسے شخص یا جماعت کے ساتھ مالی امداد و معاونت نہ کرے جو اللہ کی نظر میں مقبول و پسندیدہ نہ ہو بلکہ وہ چیز ہے جس کو تکمیل ایمان کا باعث قرار دیا گیا ہے۔

سب سے افضل عمل کیا ہے

②۸ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالتَّبْغِضُ فِي اللَّهِ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”(باطنی) اعمال میں سب سے افضل مرتبہ اس عمل کا ہے کہ اللہ ہی کے لئے (کسی سے) محبت ہو اور اللہ ہی کے لئے (کسی سے) بغض وعداوت رکھی جائے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اگر بندہ کا احساس اتنا لطیف اور اس کا جذبہ اتنا پاکیزہ ہو جائے تو ظاہر ہے کہ قدم قدم پر یہی روشنی اس کی راہنمائی کرتی رہے گی جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ بری باتوں اور گناہوں سے بچتا رہے گا اور اچھی باتیں اور نیک کام کرتا رہے گا اسی لئے اس جذبہ کو بہترین عمل قرار دیا گیا ہے۔

سچا مؤمن کون ہے

②۹ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ آمَنَ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَهْوَالِهِمْ زَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَزَادَ التَّيْهَقِيُّ فِي شُعْبِ الْإِيْمَانِ بِرِوَايَةٍ فَضَالَةٍ وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللَّهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوبَ۔

اصل نام صدی بن بکھان بن حارث ہے مگر ابی کنیت ابو امامہ سے مشہور ہیں، آپ قبیلہ ہلہ کی ایک شاخ ہم سے تعلق رکھتے تھے اس لئے آپ ”ہللی“ سہمی“ کہلاتے تھے آپ کی وفات ۸۱ھ میں بیان کی گئی ہے۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کامل اور سچا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایمان سے) مسلمان محفوظ رہیں اور (پکا و صادق) مؤمن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و اپنے مال کو مومن سمجھیں (ترمدی و نسائی) اور شعب الایمان میں تینبی نے فضائل سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ بھی آئے اور (حقیقی) مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی اطاعت و عبادت میں اپنے نفس سے جہاد کیا اور (اصل) مجاہد وہ ہے جس نے تمام چھوٹے اور بڑے گناہوں کو ترک کر دیا۔“

تشریح: صحیح معنی میں مؤمن وہی ہے جس کا وجود مخلوق خدا کے لئے باعث اطمینان و راحت ہو، لوگوں کو اس پر پورا پورا اعتماد و بھروسہ ہو۔ اس کی امانت و دیانت، عدالت و صداقت اور اخلاق و پاکیزگی اس طرح نمایاں ہو کہ نہ تو کسی کو اپنے مال کے ہڑپ کر لئے جانے کا خوف ہو اور نہ کسی کو اس کی طرف سے اپنی جان و آبرو کے نقصان کا خدشہ، اور نہ کسی کے دل میں اس کی جانب سے کسی اور طرح کا خوف و ہراس ہو۔

حقیقی مجاہد بھی وہ نہیں ہے جو دشمنوں سے جنگ کرتا ہے بلکہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس امارہ سے جہاد کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی خاطر نفس کی تمام خواہشات کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ ایسے ہی حقیقی مجاہد بھی وہ ہے جس نے ان تمام چیزوں کو ترک کر دیا ہے جن سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے منع کر رکھا ہو اس لئے کہ ہجرت کی حکمت یہی ہے کہ مؤمن طاعت الہی میں بغیر کسی رکاوٹ کے مصروف رہے اور اللہ نے جن چیزوں سے منع کر دیا ہے ان سے بچتا رہے۔ مجاہد کی حقیقی شان یہی ہے۔

امانت اور ایفاء عہد کی اہمیت

(۳۰) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قُلَّمَا حَظَبْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا قَالَ لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةٌ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ. رَوَاهُ التَّبِيعِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ.

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا خطبہ کم دیا ہو گا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس شخص میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی کچھ نہیں اور جس میں ایفاء عہد نہیں اس کا دین بھی کچھ نہیں۔“ (شعب الایمان)

تشریح: امانت و دیانت اور ایفاء عہد وہ اعلیٰ اوصاف ہیں جن کا ہر مسلمان و مؤمن میں ہونا ضروری ہے ان اوصاف کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بھی وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے یا خطبہ دیا کرتے تھے، تو امانت و دیانت اور ایفاء عہد کے بارے میں ضرور تاکید فرماتا کرتے تھے اس لئے مؤمن کی فطرت ہی امانت و دیانت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے اندر ان اوصاف کے جوہر فطری طور پر ہوتے ہیں جو زندگی کے ہر موڑ پر نیکی و بھلائی کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ اسی طرح ایفاء عہد بھی فطرت سلیم اور ایمان کا خاصہ ہے اسی لئے فرمایا گیا کہ جس شخص کے اندر یہ اوصاف نہیں ہوں گے وہ دین و ایمان کی حقیقی لذت سے بھی لطف اندوز نہیں ہو سکے گا، تاہم اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا ایمان بالکل ہی ختم ہو جائے گا بلکہ ان اوصاف کی اہمیت و عظمت کی بنا پر مبالغہ سے کام لیا گیا اور تاکید اس طرح فرمایا گیا تاکہ ان کی اہمیت و ولوں میں بیٹھ جائے۔

الفصل الثالث

ابدی نجات کی ضمانت

(۳۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ

مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جس شخص نے (سچے دل سے) اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ (اپنے فضل و کرم سے) اس پر روزِ آخر کی آگ حرام کر دے گا۔“ (مسلم)

توحید کی اہمیت

(۳۲) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَّاتٍ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عثمان بن عفانؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔ ”جس شخص نے اس (پختہ) اعتقاد پر وفات پائی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ جنتی ہے۔“ (مسلم)

جنت اور روزِ آخر کو واجب کرنے والی باتیں

(۳۳) وَعَنْ جَابِرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَانِ مُزَجَّجَتَانِ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا الْمُزَجَّجَتَانِ قَالَ مَنْ مَّاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَمَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ”دو باتیں (جنت اور روزِ آخر کو) واجب کرنے والی ہیں، ”ایک صحابیؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ (جنت و روزِ آخر کو) واجب کرنے والی وہ دو باتیں کونسی ہیں؟“ آپؐ نے فرمایا ”پہلی بات تو یہ کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا تھا تو وہ روزِ آخر میں ڈال دیا جائے گا (اور دوسری بات یہ کہ) جس شخص کی وفات اس حال میں ہوئی کہ اس نے کسی کو اللہ کا شریک نہ کیا تھا تو وہ جنت میں جائے گا۔“ (مسلم)

تشریح: ان احادیث کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لایا اور اللہ کی وحدانیت اور اس کے ساتھ ساتھ رسول کی رسالت کا عہد و اقرار کیا اور پھر اس عہد و اقرار کے تمام تقاضوں کو پورا کیا یعنی شریعت و دین کی پوری پیروی کی اور پھر اسی اعتقاد و اطاعت پر اس کی موت آئی تو یہ یقیناً جنتی ہے۔ اس کی نجات میں بظاہر کوئی شبہ نہیں ہو گا لیکن اگر ایمان و اسلام کے بعد اس سے عمل کی کوتاہیاں سرزد ہوئیں یا شریعت پر عمل نہیں کیا مگر غامتہ اس کا بھی ایمان پر ہوا تو اس کی بھی ابدی نجات تو یقیناً ہوگی لیکن اس سے دنیا میں جو کچھ بد اعمالیاں ہوئیں یا گناہ سرزد ہوئے ان پر اس کو آخرت کی سزا جھگٹنی ہوگی، سزا کے بعد پھر ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابدی نجات کا دار و مدار ایمان پر ہے اگر ایمان صحیح ہے اور اسی حالت میں موت واقع ہوئی ہے تو ابدی نجات میں کوئی شک نہیں۔ اور اگر کسی نے شریعت پر عمل نہیں کیا، احکام خداوندی و احکام رسول کی پیروی نہیں کی تو اس پر سزا کا ہونا بھی یقینی ہے مگر اس سزا کا تعلق بھی ایک محد و مدت سے ہوگا، سزا پوری کرنے کے بعد وہ بھی ابدی نجات کی سعادت سے نوازا جائے گا۔

عقیدہ توحید پر قائم رہنے والوں کے لئے جنت کی بشارت

(۳۴) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا قَعُوْذًا حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا اَبُوْ بَكْرٍ وَعُثْمَانُ فَبَقِيَ فَقَامَ رَسُوْلُ

ﷺ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے خلیفہ اور مشہور و معروف صحابی ہیں، حضورؐ کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آپ کے عقد میں آئیں اکی وجہ سے آپ کا لقب ذوالنورین ہے۔ وادی کے بیان کے مطابق ۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں بروز جمعہ آپ کو بائیسوں نے مدینہ منورہ میں شہید کیا۔ معروف انصاری صحابی ہیں آپ کے والد کا نام عبداللہ اور آپ کی کنیت ابو عبد اللہ بیان کی گئی ہے۔ ۹۳ سال کی عمر میں ۶۳ھ میں وفات پائی۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بین اظهرنا فابظاً علينا وخشيتنا ان يفتنظع دوننا وفرغنا فقمنا فكننت اول من فرغ
فخرجت ابغني رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى اتيت حائطاً للأنصار بيني التجار فذرت به هل أجدة نا بانا
فلما أجدة فاذا ربيع يدخل في جوف حائط من بئر خارجة. والربيع الجدول قال فاحتفرت فدخلت على رسول
الله صلى الله عليه وسلم فقال أبو هريرة؟ فقلت نعم يا رسول الله قال ما شئت قلت كنت بين أظهرنا فقمنا
فانطأت علينا فخشيتنا ان يفتنظع دوننا ففرغنا فكننت اول من فرغ فأتيت هذا الحائط فاحتفرت كما يحتفر
الثعلب وهؤلاء الناس ورأيهم فقال يا أبا هريرة وأعطاني نعليه فقال اذهب بنعلي هاتين فمن لقيك من وراء هذا
الحائط يشهد ان لا اله الا الله مستيقناً بها قلبه فبشيرة بالجنة فكان اول من لقيت عمر فقال ما هاتان الثعلبان يا
أبا هريرة فقلت هاتان ثعلبان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعثنى بهما من لقيت يشهد ان لا اله الا الله مستيقناً
بها قلبه بشيرته بالجنة فضرب عمر بين ثديي ضرباً خفيفاً فقال ارجع يا أبا هريرة فخرجت الى رسول الله
صلى الله عليه وسلم فاجهشت بالكاء وركبتي عمر واذا هو على اثرى فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم
مالك يا أبا هريرة قلت لقيت عمر فاجهرته بالذي يعثنى به فضرب بين ثديي ضرباً خفيفاً فقال ارجع
فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا عمر ما حملك على ما فعلت فقال يا رسول الله يا بني انت وامني ابغضت
أبا هريرة بنعليك من لقي يشهد ان لا اله الا الله مستيقناً بها قلبه فبشيرة بالجنة قال نعم قال فلا تفعل فاني أخشى
ان يتكلم الناس عليها فخلعهم يعملون فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فخلعهم۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) چند صحابہ رسول اللہ ﷺ کے گرد بیٹھے تھے اور ہمارے ساتھ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ
بھی تھے کہ رسول اللہ ﷺ اچانک ہمارے درمیان سے اٹھے اور کہیں باہر تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ کو گئے ہوئے بہت دیر ہو گئی
(اور واپس تشریف نہیں لائے) تو ہمیں سخت تشویش ہوئی کہ کہیں ہماری غیر موجودگی میں کسی دشمن کی جانب سے آپ ﷺ کو کوئی ایذا نہ
پہنچ جائے (اس خیال سے) ہم گہرا کئے اور اٹھ کھڑے ہوئے، چونکہ سب سے پہلا شخص میں تھا جو گہرا اٹھا اس لئے (سب سے پہلے) میں
رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں باہر نکلا اور ڈھونڈتا ہوا قبیلہ بنی بخار کے ایک انصاری کے باغ کے قریب پہنچ گیا (اس خیال سے کہ شاید
آپ ﷺ اس باغ کے اندر ہوں) میں نے (اندر جانے کے لئے) چاروں طرف دروازہ تلاش کیا مگر (خطر اب اور گہرا ہٹ میں) دروازہ
نظر نہیں آیا۔ اچانک ایک تالی نظر آئی جو باہر کے کوئٹوں سے باغ کے اندر جا رہی تھی لہذا میں سمٹ سکر کر اس تالی میں داخل ہوا اور اس کے
ذریعہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے (اس طرح اچانک اپنے سامنے مجھے دیکھ کر حیرت سے) فرمایا
ابو ہریرہ تم؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ ہمارے
درمیان تشریف فرما تھے پھر آپ ﷺ اٹھے اور چل دیے۔ جب بہت دیر ہو گئی اور واپس نہیں ہوئے تو ہم گہرا گئے کہ کہیں ہماری عدم
موجودگی میں (خدا نخواستہ) آپ ﷺ کسی حادثہ سے دوچار نہ ہو جائیں اور سب سے پہلے گہرا ہٹ مجھ پر طاری ہوئی چنانچہ آپ ﷺ کو
ڈھونڈتا ہوا اس باغ تک آ نکلا (یہاں دروازہ نظر نہیں آیا) تو لومڑی کی طرح سکر کر (تالی کے راستہ سے) اندر گھس آیا، بقیہ لوگ بھی میرے
پچھے آ رہے ہوں گے (یہ سن کر) آپ ﷺ نے اپنی دونوں جوتیاں نکال کر مجھے دیں اور فرمایا ”اے ابو ہریرہ! جاؤ اور ان جوتیوں کو اپنے
ساتھ لے جاؤ (تاکہ لوگ جان لیں کہ تم میرے پاس سے آئے ہو) اور باغ کے باہر جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد سے یہ گواہی دیتا ہو
تمہیں ملے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو اس کو جنت کی بشارت دے دو“ (حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس پیغام
کو لے کر میں باہر نکلا تو سب سے پہلے حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے پوچھا ابو ہریرہ! یہ جوتیاں کسی ہیں؟ میں نے کہا یہ جوتیاں
رسول اللہ ﷺ کی ہیں آپ نے مجھے یہ جوتیاں (نشانی کے طور پر) دے کر اس لئے بھیجا ہے کہ جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ

یہ گواہی دیتا ہوا ملے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو میں اس کو جنت کی بشارت دے دوں (یہ سنتے ہی) عمرؓ نے میرے سینے پر اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ میں سرین کے تل پیچے گر پڑا اور پھر انہوں نے کہا ابو ہریرہؓ جاؤ واپس جاؤ۔ چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس لوٹ آیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ادھر عمرؓ کا خوف مجھ پر سواری تھا اب کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آئیے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے (یہ حالت دیکھ کر) فرمایا۔ ”ابو ہریرہؓ! کیا ہوا؟“ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (میں آپ ﷺ کا پیغام لے کر باہر نکلا تو) سب سے پہلے میری ملاقات عمرؓ سے ہوئی۔ میں نے آپ ﷺ کا وہ پیغام ان تک پہنچایا (انہوں نے اس کو سنتے ہی) میرے سینے پر اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ میں سرین کے تل زمین پر آڑا اور پھر انہوں نے کہا کہ واپس چلے جاؤ، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے (حضرت عمرؓ سے) پوچھا ”عمرؓ تم نے ایسا کیوں کیا؟“ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان، کیا واقعی آپ ﷺ نے ابو ہریرہؓ کو اپنی جیتیاں دے کر اس لئے بھیجا تھا کہ جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ لا ایلہ الا اللہ کہتا ہو اے اس کو یہ جنت کی بشارت دے دیں؟ آنحضرت نے فرمایا ہاں! عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسا نہ کیجئے، مجھے ڈر ہے کہ لوگ کہیں اسی بشارت پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں (اور عمل کرنا ہی چھوڑ دیں) اس لئے آپ ﷺ انہیں (زیادہ سے زیادہ) عمل میں لگا رہنے دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اگر تمہارا یہی مشورہ ہے) تو پھر لوگوں کو عمل میں لگا رہنے دو۔ (اسلم)

تشریح: آنحضرت نے جنت کی جو بشارت حضرت ابو ہریرہؓ کے ذریعہ لوگوں تک پہنچانا چاہی تھی اس کا تعلق عقیدہ توحید اور ایمان باللہ میں اخلاص اور پختگی کے ساتھ تھا، مطلب یہ کہ جس شخص نے اس کیفیت کے ساتھ اللہ کو ایک اور اپنا معبود پروردگار مان لیا اور اسی عقیدہ پر آخر تک قائم رہا کہ نہ تو وہ اپنے دل و دماغ میں کسی قسم کی کوئی گرائی، ٹھگی اور دباؤ محسوس کرتا ہے اور نہ اس عقیدہ کے تئیں کسی شک و شبہ کا شکار ہوتا ہے بلکہ اس کے قلب و ذہن اور احساس و فکر کی دنیا و اعتماد اور اطمینان و مسرت سے سرشار رہتی ہے، کسی دنیاوی غرض و مفاد و ریاء و نمائش اور نفاق کے بجائے خلوص و لہیت اور رخصائے الہی کا جذبہ اور تقاضا ہی اس کے ایمان اور عقیدہ کی بنیاد ہے تو ایسا شخص یقیناً جنت کی ابدی سعادتوں کا حقدار ہوگا۔

رہا سوال حضرت عمر فاروقؓ کے رویہ کا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے قاصد حضرت ابو ہریرہؓ کو اس بشارت کی اشاعت سے کیوں روک دیا اور یہ کہ ان کا رویہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں رکاوٹ ڈالنے اور ذات رسالت پناہ کی عظمت و حرمت کے منافی طرز عمل اختیار کرنے کے مترادف تھا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں یہ دیکھنا چاہیے کہ اس بشارت کا تعلق دین و شریعت کے کسی حکم و مسئلہ کے نفاذ و اشاعت سے تھا یا کسی خاص جذبہ و احساس کے اظہار سے۔ ظاہر ہے وہ کسی مسئلہ کی مشروعیت کی بات نہیں تھی کسی حلال یا حرام کا حکم بیان کرنا نہیں تھا، کسی فرض یا واجب کو نافذ کرنا نہیں تھا بلکہ وہ تو محض رحمتِ دو عالم ﷺ کی نہایت شفقت و محبت کا ایک جذبہ تھا جو اہل ایمان کے تئیں بے اختیار امنڈ آیا تھا اور اس (بشارت) کی صورت میں ایک ایک صاحب ایمان تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ یہ بشارت جب حضرت عمرؓ تک پہنچی اور انہوں نے فوری طور پر محسوس کیا کہ گویہ بشارت اپنی جگہ ایک اہم حقیقت ہے لیکن مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس ابتدائی مرحلہ میں اس کو عام مسلمانوں تک نہ پہنچنے دیا جائے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اس مصلحت و حکمت کا اظہار کر دیا جائے جس پر رحمتِ عالم ﷺ کی نہایت محبت و شفقت کا شدید جذبہ غالب آگیا ہے، لہذا انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو واپس کر دیا اور پھر فوراً آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، صورت حال کی تحقیق کے بعد جب یہ اطمینان ہو گیا کہ ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مامور تھے اور آپ ﷺ ہی نے یہ بشارت عطا فرمائی تھی تو انہوں نے اپنے محسن اور رسول کے مشن کی کامیابی اور مقاصد کی تعمیل کے لئے ایک مخلص اور بیدار مغز خادم کی حیثیت سے اپنا مشورہ بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ پھر یہ ہوا کہ جوں ہی حضرت عمرؓ نے اپنے مشورے میں اس مصلحت کی طرف توجہ دلائی خود آنحضرت ﷺ کا ذہن بھی ادھر متقل ہو گیا اور آپ ﷺ خود بھی فرمایا چکے تھے کہ اگر اس طرح کی بشارت عام مسلمانوں تک پہنچ گئی تو وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور عمل

کرنا چھوڑ دیں گے (دیکھئے اسی باب کی حدیث ۳۱) لہذا آپ ﷺ نے اپنے ایک صائب الرائے مشیر اور قلم خادم کے مشورے کی قدر دانی فرمائی اور اس بشارت کی اشاعت کا حکم واپس لے لیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر اس بشارت کی جگہ کسی شرعی حکم کی اشاعت کا معاملہ ہوتا یا کسی فرض و واجب چیز کے نفاذ کی بات ہوتی تو خود حضرت عمرؓ کو اس میں رکاوٹ ڈالنے کی نہ جرأت ہوتی۔ اور نہ وہ حضرت ابو ہریرہؓ کو واپس کر کے اس اشاعت کو روک دیتے بلکہ ایک سچے و قلمس مؤمن اور فرمانبردار خادم کی حیثیت سے سب سے پہلے اس کو قبول کرتے اور اس فرمان رسالت کی اشاعت میں خود لگ جاتے اور بغرض محال حضرت عمرؓ اگر ایسے معاملہ میں بھی وہی رویہ اختیار کرتے تو پھر بارگاہ رسالت میں نہ ان کے اس رویہ سے چشم پوشی ہوتی، اور نہ ان کے کسی مشورے اور رائے کو اہمیت اور قبولیت کا درجہ ملتا۔ کیونکہ دینی احکام اور شرعی ہدایات میں نہ کسی مشورے اور رائے کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ کسی کی رائے اور مشورہ کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے۔ پس یہ بات کہ بارگاہ رسالت میں حضرت عمرؓ کی رائے کو اہمیت دی گئی اور ان کا مشورہ قبول ہوا، خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے مذکورہ رویہ سے نہ ان کی شان صحابیت پر کوئی فرق پڑا اور نہ رسول اللہ کی حکم عدولی ہوئی لہذا اس حدیث سے اگر کوئی شخص اس طرح کی بات ثابت کرتا ہے تو اس کی اپنی نادانی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس حدیث سے اگر ایک طرف اللہ کی بے پایاں رحمت اور اُمت کے تیس رسول اللہ ﷺ کی انتہائی محبت و شفقت کا اظہار ہوتا ہے تو دوسری طرف حضرت عمرؓ کی اصابت رائے، فہم و فراست، بصیرت و دانائی اور امر حق میں ان کی صاف گوئی اور اظہار خیال کی جرأت پر بھی روشنی پڑتی ہے جو ان کا خصوصی وصف کمال ہے۔

جنت کی کنجی

(۳۵) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔

(رواہ احمد)

”اور حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے مجھ سے فرمایا (سچے دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جنت کی کنجیاں (حاصل کرنا) ہے۔“ (احمد)

کلمہ توحید نجات کا ذریعہ

(۳۶) وَعَنْ عُمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئَ تَوْفَى حَزَنُوا عَلَيْهِ حَتَّى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوسِسُ قَالَ عُمَانُ وَكُنْتُ بَعْضَهُمْ فَبَيْنَا أَنَا جَالِسٌ مَعَ عَلِيٍّ عَمْرُو وَسَلَّمَ فَلَمَّ أَشْعُرُهُ فَأَشْتَكِي عَمْرُو إِلَى أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ أَقْبَلَ حَتَّى سَلَّمَ عَلَيَّ جَمِيعًا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ مَا حَمَلَكَ عَلَى أَنْ لَا تُرَدَّ عَلَى أَخِيكَ عَمْرُو سَلَامَةً قُلْتُ مَا فَعَلْتُ فَقَالَ عَمْرُو بَلَى وَاللَّهِ لَقَدْ فَعَلْتُ قَالَ قُلْتُ وَاللَّهِ مَا هَعَزْتُ أَنْتَكَ مَرَدْتُ وَلَا سَلَّمْتُ قَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقَ عُمَانُ قَدْ شَعَلَكَ عَنْ ذَلِكَ أَمْرٌ فَقُلْتُ أَجَلٌ قَالَ مَا هُوَ قُلْتُ تَوْفَى اللَّهُ تَعَالَى نَبِيَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ تُسْأَلَ عَنْ نَجَاةٍ هَذَا الْأَمْرُ قَالَ أَبُو بَكْرٍ قَدْ سَأَلْتَهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَضَيْتُ إِلَيْهِ وَقُلْتُ لَهُ يَا بَنِي أَنْتَ وَأَبِي أَنْتَ أَحَقُّ بِهَا قَالَ أَبُو بَكْرٍ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا نَجَاةٌ هَذَا الْأَمْرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَبِلَ مَعْنَى الْكَلِمَةِ الَّتِي عَرَضْتُ عَلَى عَمْرُو فَرَدَّهَا فَهِيَ لَهُ نَجَاةٌ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت عثمانؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو صحابہؓ کی ایک جماعت پر رنج و حزن کا اتنا غلبہ تھا کہ ان میں بعض لوگوں کے بارہ میں تو یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ہمیں شک و شبہ میں گرفتار نہ ہو جائیں (یعنی اس واہمہ کا شکار ہو جائیں) کہ جب رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو دین و شریعت کا قلعہ بھی تمام ہو گیا (حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں سے ایک میں بھی

تھا۔ چنانچہ (اس عظیم حادثہ سے سخت پریشان خیال اور غم و اندوہ کا بیت بنا) میں بیٹھا تھا کہ (اسی حالت میں) حضرت عمر میرے پاس سے گزرے اور مجھ کو سلام کیا، (حواس باختہ ہونے کی وجہ سے) مجھے پتہ نہیں چلا کہ وہ کب میرے پاس سے گزرے اور کب سلام کیا، حضرت عمر نے اس بات کی شکایت حضرت ابوبکرؓ سے کی، حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ میرے پاس آئے اور دونوں نے مجھے سلام کیا، حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے پوچھا، تم نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے کہا، ایسا نہیں ہوا۔ (یعنی مجھے اس کا علم نہیں کہ عمرؓ نے اگر مجھے سلام کیا ہو اور میں نے جواب نہ دیا ہو) حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا، ابجد مجھے قطعاً اس کا احساں نہیں کہ آپ میرے پاس آئے تھے اور نہ ہی آپ نے سلام کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا عثمانؓ سچ کہتے ہیں، (لیکن معلوم ہوتا ہے کہ) کسی خاص وجہ نے تمہیں اس سے باز رکھا کہ نہ تو عمرؓ کے آنے کی تمہیں خبر ہوئی اور نہ تم ان کے سلام کا جواب دے سکے) میں نے کہا، ہاں ہو سکتا ہے، انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا، سرکارِ دو عالم ﷺ کی وفات ہی کیا کم مبر آزماتھی کہ اب یہ غم بھی کھائے لیتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے لیکن ہم آپ ﷺ سے یہ دریافت نہ کر سکے کہ اس معاملہ یعنی عبادت میں دوسو سال کا پیدا ہونا، شیطان کا بہکانا، یا دوزخ کی آگ (اسے نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ ابوبکرؓ نے فرمایا) (تم غم نہ کھاؤ) میں اس بارہ میں آں حضور ﷺ سے پہلے پوچھ چکا ہوں، حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں (بے اختیار) کھڑا ہو گیا اور بولا: آپ پر میرے ماں باپ قربان، واقعی آپ ہی (آنحضور سے کمال رکھنے اور حصول علم کے غلبہ شوق کی وجہ سے) اس بارہ میں سوال کرنے کے لئے لائق تر تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں نے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! اس معاملہ میں نجات کی کیا صورت ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس شخص نے (خلوص دل کے ساتھ) ہم سے وہ کلمہ توحید قبول کر لیا جسے میں نے چچا ابوطالب کے سامنے پیش کیا تھا اور انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا تھا تو وہ کلمہ اس شخص کی نجات کا ضامن ہو گا۔ (احمد)

تشریح: گویا کلمہ توحید کے یہ فضائل و برکات ہیں کہ جس شخص نے اس کلمہ کو صدق دل سے اور پختہ اعتقاد کے ساتھ قبول کر لیا اور اس کے تقاضوں کو پورا کر کے دین کے فرائض پر عمل کیا تو وہ کلمہ آخرت میں اس کی نجات کا ضامن ہو گا اور کلمہ گو اس کی برکتوں سے وہاں کی سعادتوں سے نوازا جائے گا اور اگر اس کلمہ کا ورد رکھا جائے اور اس کو اکثر پڑھا جاتا رہے اور لگاؤ ذکر پابندی سے رہے تو دنیا میں بھی اس کی برکت اس طرح ظاہر ہوگی کہ اس کلمہ کی بدولت فکر و خیال اور عمل پر شیطان کو تسلط حاصل نہیں ہو پائے گا کہ نہ واسطے اور دوسرے پیدا ہوں گے، نہ نماز و عبادت کے دوران خیالات بھٹکتے پھریں گے اور نہ دل و دماغ شکوک و شبہات کی آماجگاہ بنیں گے بلکہ اس مبارک ورد و ذکر سے ذات الہی کی معرفت حاصل ہوگی، آخرت سے لگاؤ ہو گا اور رسول برحق ﷺ سے محبت و تعلق کی خاص کیفیت پیدا ہوگی۔

پوری دنیا میں کلمہ توحید پہنچنے کی پیشگوئی

(۳۷) وَعَنْ الْمُقَدَّادِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَبْقَى عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ يَسْتَعْدُوا وَلَا يَبْرَأُونَ إِلَّا أَذْخَلَهُ اللَّهُ كَلِمَةَ الْإِسْلَامِ يَعْرِضُ عَزْرِي وَذَلِ ذَلِيلٌ إِمَّا يَعْرِضُهُمُ اللَّهُ فَجَعَلَهُمْ مِنْ أَهْلِهَا أَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَذْنُونُ لَهَا قُلْتُ فَيَكُونُ الْيَسِيرُ كُلَّهُ لِلَّهِ - (رواه احمد)

”اور حضرت مقدادؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا از میں کے اوپر کوئی گھر، خواہ وہ مٹی کا ہو یا خیمہ کا، ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کے کلمہ کو معرزی کی عزت کے ساتھ اور ذلیل کی رسوائی کے ساتھ داخل نہ کرے (چنانچہ جو لوگ اس کلمہ کو بخوشی اور صدق دل سے قبول کر لیں گے) ان کو اللہ تعالیٰ معزز و متقرب بنائے گا اور اس کلمہ کا اہلِ قرودے گا اور (جو لوگ بخوشی قبول

لے آپ مقداد بن اسود کندی کے نام سے مشہور ہیں اور قدیم الاسلام ہیں، مدینہ سے یمن میل کے فاصلے پر مقام جرف میں بھرے سال انتقال ہوا، غرض مبارک وہاں سے مدینہ منورہ لائی گئی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

نہیں کریں گے) ان کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے گا اور وہ لوگ اس کلمہ کے قطع و فرمانبرداری ہونے پر مجبور ہوں گے (بایں طور کہ وہ جزیہ ادا کر کے ہی اسلامی ریاست میں رہ سکیں گے) میں نے (یہ سن کر) کہا: پھر تو چاروں طرف اللہ ہی کا دین ہو گا۔ (احمد)

تشریح: ”زمین“ سے مراد ”جزیرۃ العرب“ ہے، اسی طرح مٹی اور خیمہ کے گھر سے مراد جزیرۃ العرب کے شہر اور گاؤں ہیں یعنی پورے عرب میں صرف ایک دین ”اسلام“ کا بول بالا ہو گا اور صرف اسی کے پیرو تبیین سرزمین عرب پر ہوں گے کوئی مکان خواہ اس شہر کا ہو یا دیہات کا ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ نہ پہنچا دے گا اگر کوئی بخوشی اور رغبت ایمان لے آئے گا اور اسلام قبول کر لے گا تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کا مرتبہ بلند ہو جائے گا اور خدا کے تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں جگہ اس کو عزت و سرفرازی سے نوازیں گے، لیکن جو لوگ غرور و سرکشی اختیار کریں گے یعنی اس کلمہ کو قبول کر کے دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوں گے اور رضادور غبت کے ساتھ دین کے تابع اور نہیں ہوں گے وہ ذلت کا طوق خود اپنے گلے میں ڈالیں گے بایں طور پر کہ جب تمام جزیرۃ العرب پر دین اسلام کی عملداری ہو جائے گی تو وہ کافرو سرکش لوگ جزیہ کی ادائیگی کی صورت میں اسلامی نظام حکومت کا تابع اور بننے پر مجبور ہوں گے اور اس طرح نہ صرف اس دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کو بے وقعت اور کم تر بنا دے گا بلکہ آخرت میں بھی ان کو اپنی رحمت سے دور رکھے گا اور سخت عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل و رسوا کرے گا۔

جنت کی کنجی

③۸ وَعَنْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ قِيلَ لَهُ أَلَيْسَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ قَالَ بَلَىٰ وَلَكِنْ لَيْسَ مِفْتَاحُ الْإِلَهِ وَلَا أَسْتَأْذِنُ فَيَأْتِي جَنَّتْ بِمِفْتَاحٍ لَهُ أَسْتَأْذِنُ فَتُفْتَحُ لَكَ وَالْأَلَمُ يُفْتَحُ لَكَ۔ (رواہ البخاری فی ترجمہ باب)

”اور حضرت وہب بن منبہؒ سے روایت ہے کہ کسی نے ان سے سوال کیا، کیا لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں ہے؟ وہبؒ نے کہا بے شک، لیکن کنجی میں دندانے بھی ضروری ہیں پس اگر تم ایسی کنجی لے کر آئے جس میں دندانے موجود ہیں تو (یقیناً) اس سے جنت کے دروازے کھل جائیں گے ورنہ تمہارے جنت کے دروازے نہیں کھلیں گے۔“ (بخاری ترجمہ الباب)

تشریح: حضرت وہب بن منبہؒ اپنی مجلس و عظ و نصیحت میں لوگوں کو عمل کی اہمیت بتا رہے تھے اور اس کے ترک پر تنبیہ کر رہے تھے کسی نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک (حدیث ۳۵) کا سہارا لے کر کہا کہ آپ تو عمل کے بارے میں اس شد و دھ کے ساتھ متنبہ فرما رہے ہیں حالانکہ لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی ہے یعنی جس نے صدق دل سے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کر لیا وہ جنت کا حقدار ہو گیا خواہ اس کی عملی زندگی وہ سری نیکوں اور صالح اعمال سے بھرپور ہو یا نہ ہو۔

اس پر وہب بن منبہؒ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی ہے، لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ کنجی اس وقت کام کرتی ہے جب کہ اس میں دندانے بھی ہوں۔ اگر کسی کنجی میں دندانے نہیں ہیں تو ظاہر ہے اس سے قفل نہیں کھل سکتا، اسی طرح لا الہ الا اللہ اگر جنت کی کنجی ہے تو اس کنجی کے دندانے شریعت کے احکام و فرائض ہیں۔ پس جو شخص شریعت کے احکام و قوانین پر عمل نہیں کرے گا تو گویا وہ آخرت میں ایسی کنجی لے کر آئے گا جس میں دندانے نہیں ہوں گے اور جب اس کی کنجی میں دندانے نہیں ہوں گے تو وہ جنت کا دروازہ کھول نہیں پائے گا۔ جنت کا دروازہ اسی صورت میں کھلے گا جب کلمہ توحید کی صداقت کا ایمان موجود ہو، زبان سے اس ایمان کا اقرار ہو اور عمل زندگی اس ایمان کی مظہر ہو بایں طور کہ دین و شریعت کی اتباع اور فرمانبرداری ایک ایک عمل سے ظاہر ہو۔

یا پھر دندانوں سے مراد نیک اعمال ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ جب تک اعمال نیک نہ ہوں گے، جنت کے دروازے ابتدا میں نہیں کھل سکتے، ہاں بعد میں جب بد اعمالیوں کی سزا مل جائے گی اور گناہ و معصیت کے دھبے دھل جائیں گے تو جنت کے دروازے

کھول دیے جائیں گے۔

نیکی کا اجر

(۳۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْسَنْتُمْ إِسْلَامَكُمْ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَفْعَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَفْعَلُهَا تُكْتَبُ بِمِثْلِهَا حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص (صدقہ دل اور اخلاص نیت کی بنا پر) اپنے ایمان کو اچھا بنالیتا ہے تو وہ بھی جو نیک عمل کرتا ہے اس پر اس کے اعمال نامہ میں اس جیسی دس سے لے کر سات سو تک نیکیوں کا زائد اجر لکھا جاتا ہے اور وہ جو برا عمل کرتا ہے اس پر اس کے نامہ اعمال میں اس ایک ہی عمل کا گناہ لکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ سے ملاقات کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس اُمت کو اللہ نے اپنے فضل و کرم اور خصوصی احسان کے تحت جن خاص انعامات سے نوازا ہے ان میں سے ایک بہت بڑا انعام یہ بھی دیا ہے کہ جب کوئی شخص مخلص اور صادق مؤمن نیک عمل کرتا ہے تو خدا تعالیٰ رحمت بے حساب اس کا اجر صرف اسی ایک عمل کے برابر دینے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ اس جیسے دس عمل کا ثواب اس کو دیا جاتا ہے اور اس پر بھی بس نہیں ہوتا بلکہ جوں جوں ایمان میں صدق و استقامت اور عمل میں خلوص و نیک نیتی بڑھتی جاتی ہے اسی قدر اجر و انعامات بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک ہی نیک عمل پر سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ اجر عنایت فرمائے جاتے ہیں، بلکہ بعض حالات میں تو یہ اضافہ سینکڑوں اور ہزاروں کی حد سے بھی تجاوز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اگر حرم پاک میں کوئی نیک عمل کیا جائے تو اس مقدس جگہ کی عظمت و فضیلت کے طفیل میں اس پر ایک لاکھ اجر لکھے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر مؤمن سے بتقصائے بشریت کوئی برائی سرزد ہو جاتی ہے تو اس کا گناہ اضافہ کے ساتھ نہیں لکھا جاتا بلکہ جیسی برائی سرزد ہوتی ہے ویسا ہی یا اتنا ہی گناہ لکھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس احسان کرم کا جتنا بھی شکر اور کیا جائے کم ہے۔

ایمان کی عظمت

(۴۰) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْإِيمَانُ قَالَ إِذَا سَرَّكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَ ثَنُكَ سَتَيْتُكَ فَانْتَ مُؤْمِنٌ قَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ فَمَا الْإِيمَانُ قَالَ إِذَا حَالَ فِي نَفْسِكَ شَيْئٌ فَذَعْنُ - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو امامہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: (یا رسول اللہ) ایمان کی سلامتی کی علامت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تمہاری نیکی تمہیں بھلی لگے۔ اور تمہاری برائی تمہیں بُری لگے تو (بھوکہ) تم (بچے) مؤمن ہو، پھر اس شخص نے پوچھا، یا رسول اللہ! گناہ (کی علامت) کیا ہے؟ آنحضور نے فرمایا: جب کوئی بات تمہارے دل میں کھٹک اور تردد پیدا کرے (تو بھوکہ وہ گناہ ہے) لہذا اس کو چھوڑ دو۔“ (احمد)

تشریح: سوال کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسی واضح علامت بتادی جائے جس کے ذریعہ ایمان کی سلامتی و استقامت کا اندازہ کیا جاسکے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اپنے اندر یہ کیفیت پاؤ کہ جب کوئی اچھا کام کرتے تو تمہارا قلب و دماغ اس کام کی بھلائی کو خود محسوس کرتا ہے اور ایک خاص قسم کی طہانیت اور آسودگی پاتا ہے۔ احساس و شعور کی دنیا اللہ کی طرف سے نیکی کی توفیق اور مدد پانے پر فرحان و شادیاں اور رب کریم کی خوشنودی و قربت کی طلب گاری و امیدواری سے معمور ہو جاتی ہے۔ یا یہ کہ جب بتقصائے بشریت تم سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جاتا ہے جو واضح طور پر گناہ و معصیت کا کام سمجھا جاتا ہے تو فوراً تمہارا دل اللہ کے خوف سے بھر جاتا ہے اور

پروردگار کی ناراضگی کا احساس کر کے شرمسار و نادم ہو جانا تو سمجھ لو کہ ایمان تمہارے دل و دماغ میں رچ بس گیا ہے اور تم کے مؤمن ہونے ہو۔ کیونکہ اور بدی کے درمیان امتیاز کرنا اور ثواب اور گناہ کا احساس و شعور پیدا کرنا صرف ایمان کے خاصہ ہے۔ اخروی جزا اور سزا کا اعتقاد جو قلب مؤمن میں ہوتا ہے، وہ غیر مؤمن کے قلب میں نہیں ہوتا۔

دوسرے سوال کا مطلب دراصل یہ تھا کہ مؤمن کو اپنی روزمرہ زندگی میں بعض ایسی چیزوں سے واسطہ پڑ جاتا ہے جن کے بارے میں واضح طور پر علم نہیں ہوتا کہ آیا یہ چیز شرعی نقطہ نظر سے برائی کے حکم میں ہے اور اس سے کوئی گناہ لازم آتا ہے یا اس کو اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے تو ایسے مشتبہ عمل کی برائی یا بھلائی کو پہچاننے کی علامت کیا ہے؟ اس کے جواب میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ سچے اور پاکباز مؤمن کا قلب دراصل فطرت کی ایسی پاکیزہ لوح ہے جس پر صرف اسلامی اطاعت و فرمانبرداری اور نیکی و بھلائی ہی کے نقوش ابھر سکتے ہیں، اگر گناہ و معصیت کا ہلکا سا جذبہ بھی وہاں پہنچتا ہے تو اس کو کوئی جگہ نہیں ملتی اور وہ کھٹک و تردی صورت میں منڈلاتا پھرتا ہے پس کسی بھی عمل اور چیز کے بارے میں اگر یہ کیفیت ظاہر ہو کہ فطرتِ سلیم اس کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتی، قلب اس کا بوجھ محسوس کرتا ہے اور دماغ میں غش و تردید اہو گیا ہے تو جانو کہ وہ عمل برائی کا حامل ہے اور گناہ و معصیت کو لازم کرنے والا ہے، اور نجات و فلاح ابی میں ہے کہ اس چیز کو فوراً چھوڑ دیا جائے یہی وجہ ہے کہ اربابِ باطن اور اولیاء اللہ قلب و دماغ کی صفائی اور پاکیزگی کی بنا پر کسی عمل کی پوشیدہ ترین برائی کو بھی پہچان لیتے ہیں اور کسی بھی ایسی چیز کو اپنے قریب نہیں آنے دیتے جو گناہ و معصیت کا ہلکا سا شائبہ بھی رکھتا ہو۔ ان کے ہاں ”مشتبہ عمل“ سے بھی اسی درجہ کا اجتناب برتا جاتا ہے، جتنا اجتناب وہ کھلے ہوئے برے اعمال سے کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا دل و دماغ برائی کے شائبہ کو بھی بھانپ لیتا ہے اور ان کو اطمینانِ قلب اور عمل کا سرور صرف اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب ان کا کوئی قدم راہِ مستقیم سے ہٹا ہوا نہیں ہوتا اور ان کا کوئی کام دین و شریعت کی روح کے منافی نہیں ہوتا۔

ایمان و اسلام کی باتیں

(۴۱) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْسَةَ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ مَعَكَ عَلَى هَذَا الْأَمْرِ قَالَ خَيْرٌ وَعَبْدٌ قُلْتُ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ طَيْبُ الْكَلَامِ وَاطْعَامُ الطَّعَامِ قُلْتُ مَا الْإِيمَانُ قَالَ الصَّبْرُ وَالشَّحَاحَةُ قُلْتُ قُلْتُ أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لَسَانِهِ وَبِيَدِهِ قُلْتُ أَيُّ الْإِيمَانِ أَفْضَلُ قَالَ خُلِقَ حَسَنٌ قُلْتُ قُلْتُ أَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ قَالَ طُلُوعُ الْفُتُوتِ قُلْتُ أَيُّ الْهَجْرَةِ أَفْضَلُ قَالَ أَنْ تَهْجُرَ مَا كَرِهَ رَبُّكَ قُلْتُ قُلْتُ أَيُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ عَقِرَ جَوَادُهُ وَأَهْرَيْقَ دُمُهُ قُلْتُ أَيُّ السَّاعَاتِ أَفْضَلُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْآخِرُ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت عمرو بن عبسہؓ راوی ہیں کہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! دعوتِ اسلام کے آغاز میں، اس دین (اسلام) پر آپ ﷺ کے ساتھ کون تھا؟ آپ نے فرمایا ایک آزاد (ابوبکرؓ) اور ایک غلام (بلالؓ)۔ میں نے عرض کیا اسلام کی علامت کیا ہے؟ فرمایا پاکیزہ کلامی اور (مساکین کو) کھانا کھانا، میں نے عرض کیا ایمان کی باتیں کیا ہیں؟ فرمایا ”صبر اور شحاحوت“ (یعنی بری باتوں سے باز رہنا اور طاعت فرمانبرداری پر مستعد ہونا) میں نے کہا کون سا مسلمان بہتر ہے؟ فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ (کی اذیاء) سے مسلمان محفوظ رہیں، میں نے کہا ایمان میں بہتر چیز کیا ہے؟ فرمایا ”اچھے اخلاق“ میں نے کہا ”نماز میں کون کی چیز بہتر ہے؟“ فرمایا ”یر تک کھڑے رہنا، میں نے کہا کون سی ہجرت بہتر ہے؟“ فرمایا ”یہ کہ تم اس چیز کو چھوڑ دو جس سے تمہارا پروردگار ناخوش ہوتا ہے میں نے کہا جہاد میں افضل کون ہے؟“ فرمایا وہ شخص افضل ہے جس کا گھوڑا مارا جائے اور خود بھی شہید ہو جائے۔ میں نے کہا سب سے افضل کون سا وقت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نصف شب کا آخری حصہ۔“ (احمد)

۱۔ آپ کا نام عمرو بن عبسہؓ کے بیٹے ہیں اور ابوبکرؓ آپ کی کنیت ہے۔ اور حضرت علیؓ کے دور خلافت میں انتقال فرمایا۔

ایمان اور اسلام پر مرنے والا جتنی ہے

(۳۲) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ لَقِيَ اللَّهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَيُصَلِّيَ الْخُمُسَ وَيَصُومُ مَضَانِ غُفْرَ لَهُ قُلْتُ أَفَلَا أَبَشِّرُهُمْ يَارَسُولَ اللَّهِ قَالَ دَعُهُمْ يَفْعَلُوا - (رواہ احمد)

”اور حضرت معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس شخص نے اللہ کی طرف اس حال میں کوچ کیا کہ اس نے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرا رکھا تھا۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا تھا اور رمضان کے روزے رکھتا تھا تو وہ بخش دیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو خوش خبری سنا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور عمل میں لگا رہنے دو۔“ (احمد)

تشریح: اس بخشش کا تعلق گناہ صغیرہ سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے اس کی بھی امید ہے کہ اگر وہ چاہے گا تو کبیرہ گناہ بھی بخش دے گا۔ ویسے گناہ کبیرہ کی سزا بھگتنے کے بعد ہی بخشش اور جنت کا استحقاق ملے گا۔ اسی لئے جب حضرت معاذ بن جبل نے اس بشارت کو عام کرنے کی اجازت چاہی تو آنحضرت ﷺ نے منع فرمادیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اسی بشارت پر بھروسہ کر بیٹھیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں یا بد اعمالی میں مبتلا ہو جائیں اور گناہ و معصیت کا ارتکاب کرنے لگیں اور پھر عذاب کے مستوجب بن جائیں۔ اس حدیث میں حج اور زکوٰۃ کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ ان فرائض کا تعلق خاص طور پر صاحب استطاعت اور مالدار لوگوں سے ہے چونکہ عمومی طور پر ہر شخص زکوٰۃ و حج کی ادائیگی کی استطاعت نہیں رکھتا اس لئے صرف ان فرائض کو ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق بلا تخصیص امیر و غریب ہر شخص سے ہے جیسے نماز روزہ کہ اس میں امیر و غریب کسی کی تخصیص نہیں ہے یہ سب پر فرض ہیں۔

(۳۳) وَعَنْهُ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَفْضَلِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُحِبَّ لِلَّهِ وَتُبْغِضَ لِلَّهِ وَتَعْمَلَ لِسَانَكَ فِي ذِكْرِ اللَّهِ قَالَ وَمَاذَا يَارَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَأَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهُ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ - (رواہ احمد)

”اور حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ ایمان کی اعلیٰ باتیں کیا ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (کسی سے) تمہاری محبت بھی اللہ کے لئے ہو اور بغض و عداوت بھی اللہ ہی کے لئے ہو اور تم اپنی زبان کو (خلوص دل سے) خدا کے ذکر میں مشغول رکھو، انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کے علاوہ اور کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا دوسروں کے لئے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ اور جس چیز کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اس کو دوسروں کیلئے بھی ناپسند کرو۔“ (احمد)

تشریح: ایمان کی بہترین باتیں یہی ہیں کہ ہر حالت میں اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا کا حصول مد نظر ہو۔ یعنی جو کام کیا جائے خواہ وہ مالی ہو یا بدنی اور یا اخلاقی۔ محض خدا کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔ علاوہ ازیں مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاق و انسانیت کی اعلیٰ اقدار کا حامل ہو جائے کہ ہر ایک کا خیر خواہ بنے اور پوری برادری کی بھلائی و بہتری کو ایسا ہی اچھا جانے جیسا کہ اپنی ذات کی بھلائی کو اور دوسروں کے لئے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اسی طرح جس چیز کو اپنے لئے مضر سمجھتا ہو اور اسے ناپسند کرتا ہو دوسروں کے لئے بھی اس کو ناپسند کرے اور ان کے لئے مضر جانے۔

باب الکبائر و علامات النفاق

گناہ کبیرہ اور نفاق کی علامتوں کا بیان

”گناہ کبیرہ“ کے معنی ہیں۔ بڑے گناہ! چنانچہ اصطلاح شریعت میں ”گناہ کبیرہ“ اس بڑے فعل کو کہتے ہیں جس کا ارتکاب کرنے والا

حد یعنی شریعت کی متعین کردہ سزا کا مستوجب ہوتا ہے، یا جس کے ارتکاب پر قرآن وحدیث میں سخت وعید و تنبیہ مذکور ہو، یا جس کے ارتکاب کو شریعت نے بطور مبالغہ ارتکاب کفر سے تعبیر کیا ہو (جیسے قصہ نماز ترک کرنے پر حدیث میں یہ وعید آئی ہے عَنْ تَوْلِكَ الصَّلَاةُ مُتَعَصِدًا لِّقَدْ كُفِّرَ یعنی جس شخص نے نماز قصداً ترک کر دی وہ کافر ہو گیا) یا جس کا فساد و نقصان گناہ کبیرہ کے فساد و نقصان کے برابر یا اس سے زیادہ ہو، یا جس کی ممانعت دلیل قطعی کے ساتھ ثابت ہو اور جس کا اختیار کرنا حرمت دین کی ہنگام موجب ہو پس جس فعل اور بات میں ان میں سے کوئی بھی چیز پائی جائے گی اس کو گناہ کبیرہ یعنی بڑا گناہ کہیں گے اور جس فعل یا بات میں ان میں سے کوئی چیز نہیں پائی جائے گی اور وہ اسلامی تعلیمات اور دینی تقاضا کے خلاف ہوگی اس کو گناہ صغیرہ یعنی چھوٹا گناہ کہا جائے گا یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بعض اعتبار سے اگرچہ گناہ کبیرہ کے مختلف درجات ہیں کہ بعض کبیرہ گناہ تو بہت ہی برے اور نہایت ہی قابل نفرت ہیں اور بعض گناہ نسبتاً کچھ ہلکے درجہ کے ہیں لیکن شریعت کی نظر میں قابل مواخذہ و گرفت اور موجب عذاب ہونے کے اعتبار سے سب یکساں نوعیت رکھتے ہیں۔

احادیث میں ایک جگہ تمام کبیرہ گناہوں کا تعین اور تفصیل کے ساتھ ذکر موجود نہیں ہے، بلکہ موقع محل کی مناسبت یا کسی سائل کو جواب میں آنحضور کی طرف سے بیان کردہ کبیرہ گناہ کچھ تو جابجا احادیث و روایت میں منقول ہیں اور کچھ دوسرے مواقع پر مذکور ہیں۔ بعض علماء مثلاً مولانا جلال الدین دوانی نے کبیرہ گناہوں کی جو فہرست مرتب کی ہے وہ مختصر ایوں ہے۔

① اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا یعنی کسی کو اس کی عبادت یا اس کی صفات میں شریک کرنا مثلاً استعانت (مدد چاہنے) میں، علم میں، قدرت میں، تصرف میں، تخلیق میں، پیکار میں، نام رکھنے میں، ذبح کرنے میں، نذر ماننے میں اور لوگوں سے امور سوچنے میں کسی کو بھی وہ درجہ اور حیثیت دینا جو صرف اللہ تعالیٰ کی سزاوار ہے۔ ② گناہ پر اصرار و دوام کی نیت رکھنا۔ ③ ناحق کسی کو قتل کرنا۔ ④ زنا کرنا۔ ⑤ لواطت کرنا۔ ⑥ چوری کرنا۔ ⑦ جادو سیکھنا اور جادو کرنا۔ ⑧ شراب پینا اور نشہ آور اشیاء کا استعمال کرنا۔ ⑨ محارم یعنی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، نانی اور خالہ وغیرہ سے نکاح کرنا۔ ⑩ جوا سیکھنا اور جوا کھیلنا۔ ⑪ دارالحرب سے ہجرت نہ کرنا۔ ⑫ دشمنان دین سے ناروا دوستی اور تعلق رکھنا۔ ⑬ طاقت و قوت اور غالب حیثیت رکھنے کے باوجود دشمنان دین سے جہاد نہ کرنا۔ ⑭ سود کھانا۔ ⑮ خنزیر اور مردار کے گوشت کا استعمال کرنا۔ ⑯ نجوی اور کافران کی تصدیق کرنا۔ ⑰ ناحق کسی کا مال ہرب کر لینا۔ ⑱ پاکباز مرد یا کدھن عورت پر زنا کی تہمت دھرنا۔ ⑲ جھوٹی گواہی دینا۔ ⑳ کسی عذر شرعی کے بغیر قصداً رمضان کا روزہ نہ رکھنا یا روزہ توڑنا۔ ㉑ جھوٹی قسم کھانا۔ ㉒ قطع تعلق کرنا۔ ㉓ ماں باپ کو ستانا اور ان کی نافرمانی کرنا۔ ㉔ جنگ کے موقع پر دشمنان دین کے مقابلہ سے فرار اختیار کرنا۔ ㉕ قیدیوں کا مال ناحق کھانا۔ ㉖ ناپ تول میں خیانت کرنا۔ ㉗ نماز کو وقت پر نہ پڑھنا۔ ㉘ مسلمانوں سے ناحق لڑنا جھگڑنا۔ ㉙ ذات رسالت آب ﷺ پر جھوٹا الزام لگانا۔ ㉚ رسول و کتاب اللہ اور فرشتوں کا انکار کرنا یا ان کا مذاق اڑانا۔ ㉛ احکام دین اور مسائل شریعت کا انکار کرنا۔ ㉜ فرائض پر عمل نہ کرنا یعنی نماز نہ پڑھنا، زکوٰۃ ادا نہ کرنا، رمضان کے روزے نہ رکھنا اور استطاعت کا باوجود حج نہ کرنا۔ ㉝ صحابہؓ یا کسی صحابیؓ کو برا کہنا۔ ㉞ بلا عذر کتمان شہادت کرنا۔ ㉟ رشوت لینا۔ ㊱ میاں بیوی کے درمیان نفاق ڈالنا۔ ㊲ حاکم کے سامنے کسی کی چغل خوری کرنا۔ ㊳ غیبت کرنا۔ ㊴ اسراف میں مبتلا ہونا۔ ㊵ رجزی کا ارتکاب کرنا۔ ㊶ دین کے نام پر یا کسی دنیوی غرض کے تحت روئے زمین پر فتنہ و فساد پھیلانا۔ ㊷ گناہ صغیرہ پر اصرار و دوام اختیار کرنا۔ ㊸ کسی کو گناہ کی طرف راغب کرنا یا گناہ کے ارتکاب میں مدد دینا۔ ㊹ ہار مونیم، طبلہ، اور دوسرے ممنوع باجوں کے ساتھ گانا۔ ㊺ نہاتے وقت دوسروں کے سامنے ستر کھولنا۔ ㊻ مالی مطالبات و واجبات کی ادائیگی میں بخل کرنا۔ ㊼ خودکشی کرنا۔ ㊽ اپنے اعضاء بدن میں سے کسی عضو کو ضائع کرنا اور تلف کر دینا۔ ㊾ منی اور پیشاب کی گندگی سے صفائی اور پاک حاصل نہ کرنا۔ ㊿ تقدیر کو جھٹلانا۔ ۱۰۱ اپنے سردار اور حاکم سے عہد شکنی کرنا۔ ۱۰۲ کسی کی ذات اور نسب میں طعنہ زنی کرنا۔ ۱۰۳ غرور اور تکبر کے تحت پانیچے لگانا۔ ۱۰۴ لوگوں کو گمراہی کی طرف بلانا۔ ۱۰۵ میت پر نوحہ کرنا۔ ۱۰۶ برے طریقے اور بیہودہ رسمیں رائج کرنا۔ ۱۰۷ دھاردار آلہ سے کسی مسلمان کی طرف اشارہ کرنا۔ ۱۰۸ کسی کو فضی کر دینا۔

(۵۹) اپنے بدن کے کسی حصہ کو کاٹنا۔ مثلاً داڑھی منڈانا یا ناک وغیرہ تھوڑی سی کاٹ ڈالنا۔ (۶۰) اپنے محسن سے احسان فراموشی کرنا۔ (۶۱) حدود حرم میں ان کاموں کو کرنا جن کی ممانعت ہے۔ (۶۲) حدود حرم میں جاسوسی کرنا۔ (۶۳) نزد کھیلنا یا ایسا کوئی بھی کھیل کھیلنا جو بلا اتفاق حرام ہو۔ (۶۴) کسی مسلمان کو کافر کہنا یا اس کو کسی ایسے الفاظ سے مخاطب کرنا جو صرف کافر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (۶۵) اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان باری میں عدل نہ کرنا۔ (۶۶) جلق کرنا (مشت زنی کرنا)۔ (۶۷) غلہ وغیرہ کی گرانی سے خوش ہونا۔ (۶۸) جانوروں کے ساتھ بد فعلی کرنا۔ (۶۹) عالم کا اپنے علم پر عمل نہ کرنا۔ (۷۰) دنیا کی محبت میں مبتلا ہونا۔ (۷۱) احمد پر پری نظر رکھنا۔ (۷۲) دوسروں کے گھر میں جھانکنا۔ (۷۳) صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اس کے گھر کے اندر داخل ہونا۔ (۷۴) دیوثی اور قرم سائی کرنا۔ (۷۵) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یعنی اچھے کاموں کی تبلیغ و تلقین اور برے کاموں سے روکنے) کا فریضہ باوجود قدرت کے انجام نہ دینا۔ (۷۶) پڑھنے کے بعد قرآن مجید کو بھلا دینا۔ (۷۷) جانوروں کو آگ میں جلانا۔ (۷۸) عورت کا بغیر عذر شرعی اپنے شوہر کی نافرمانی کرنا۔ (۷۹) مرد کا عورت پر ظلم کرنا۔ (۸۰) اللہ کی رحمت و مغفرت سے ناامید ہونا۔ (۸۱) اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا۔ (۸۲) علماء اور حفاظ کی توہین و تحقیر کرنا۔ (۸۳) بیوی سے ظہار کرنا، بعض علمائے کبار کی فہرست میں کچھ اور گناہوں کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہاں اختصار کے پیش نظر اسی فہرست پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

الفصل الاول

سب سے بڑے گناہ

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْبَرُ الذُّنُوبِ عِنْدَ اللَّهِ قَالَ أَنْ تَدْعُو لِلَّهِ نِدَاءً وَهُوَ خَلَقَكَ قَالَ ثُمَّ أَيْ قَالَ أَنْ تَقْتُلَ وَلِلَّهِ خَشْيَةٌ أَنْ يَنْقَطِعَ مَعَكَ قَالَ ثُمَّ أَيْ قَالَ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ فَاتَّقِ اللَّهَ تَصَدِّقُهَا (وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ الْإِبِلَ حَقًّا وَلَا يُزْنُونَ الْآيَةَ)

(الفرقان ۶۸، تفسیر علی)

”حضرت عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا، یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ جس اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ تم کسی کو اس کا شریک ٹھہراؤ پھر اس شخص نے پوچھا! اس کے بعد سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آنحضرت نے فرمایا! یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خیال سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔ پھر اس نے پوچھا، اس کے بعد سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! یہ کہ تم اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرو (حضرت عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ) سرکار ﷺ کے اسی ارشاد کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی (جس کا ترجمہ ہے) وہی بند گان خاص ہیں جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود نہیں ٹھہراتے، اور جس جاندار کو قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں (اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ گناہ کے وبال میں پڑے گا)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں چند ایسی باتوں کی نشان دہی کی گئی جو اخلاق و انسانیت کے اعتبار سے بھی نہایت ہستی اور گراؤ کی علامت ہیں اور شریعت نے بھی ان کو سب سے بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے اور جن کا ارتکاب کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کا مستوجب قرار پاتا ہے۔ سب سے بڑا گناہ جس بات کو بتایا گیا ہے وہ کسی کو اپنے خالق اور پروردگار کا شریک ٹھہرانا ہے اور ان تدعو اللہ اند کی تشریح

لے ہم گرامی عبد اللہ بن مسعود اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔ آپ کو حضور نے جنت کی بشارت دی ہے آپ نے ۲۳ھ ہجری کچھ اوپر ساٹھ سال بمقام مدینہ میں انتقال فرمایا۔

میں علماء نے لکھا ہے کہ شریک ٹھہرانے کا مطلب ذات و صفات اور عبادت میں کسی کو اللہ کا ہمسرو ہمہ جانب بنانا ہے مثلاً عبادت و بندگی اور اظہار عبدیت کے جو طریقے اور جو افعال صرف ذات باری تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں۔ وہ طریقے اور افعال اللہ کے سوا کسی اور کے لئے بھی اختیار کرنا یا جس طرح اللہ کو "یا اللہ" کہہ کر یاد کیا جاتا ہے، اسی طرح کسی غیر اللہ کو پکارنا اور یاد کرنا، اور یا جس طرح اللہ تعالیٰ حاجتوں کو پورا کرنے والا ہے اسی طرح کسی اور کو بھی حاجت روا مان کر یوں فریاد رسی کرنا کہ اے قلال میری یہ حاجت پوری کر، میری مدد کر دو، وغیرہ وغیرہ۔

دوسرا بڑا گناہ یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنی اولاد کو اس خوف سے موت کے گھاٹ اتار دے کہ وہ میرے سر کا بوجھ بنے گی، اس کو کھانا پلانا پڑے گا، اور اس کی پرورش و تربیت کی معاشی ذمہ داریاں برداشت کرنا پڑیں گی، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ظالمانہ طریقہ رائج تھا کہ لوگ افلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔

تیسرا بڑا گناہ یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے۔ یوں تو مطلقاً زنا ایک بڑا گناہ ہے اور اس پر سخت سزا مقرر ہے۔ لیکن بڑی سی بیوی سے زنا کرنا تو بہت ہی بڑا گناہ ہے جس طرح کہ مطلقاً ناحق قتل کرنا ایک بڑا گناہ ہے، لیکن اپنی اولاد کو قتل کر دینا نہایت ہی بڑا گناہ ہے۔

والدین کی نافرمانی اور جھوٹی قسم کھانا

(۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَفَّارُ الْأَشْرَكُ بِاللَّهِ وَعَقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِينِ الْغَمُوسُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةِ الْأَنْسِبِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ بَدَلُ الْيَمِينِ الْغَمُوسُ - (فتح علیہ)

"اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا یا کسی کو مار ڈالنا اور جھوٹی قسم کھانا بڑے گناہ ہیں (بخاری) اور حضرت انسؓ کی روایت میں "جھوٹی قسم کھانا" کے بجائے "جھوٹی گواہی دینا" کے الفاظ ہیں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "عقوق" کے ایک معنی ایذا پہنچانے کے بھی آتے ہیں۔ لہذا شریعت نے نہ صرف یہ کہ والدین کی نافرمانی کو بڑا گناہ قرار دیا ہے بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ مسلمان ماں باپ کو نہ کوئی اذیت پہنچائی جائے اور نہ ان کو ناحق ستایا جائے، ویسے کافراں باپ کو بھی اذیت پہنچانے سے روکا گیا ہے، لیکن ان کو کفر کی لعنت سے لگائے اور قبول اسلام پر آمادہ کرنے کے لئے ان کے ساتھ تھوڑے بہت سخت برتاؤ کی اجازت ہے، بشرطیکہ وہ سخت برتاؤ قطعی طور پر ناگزیر ہو اور اخلاق و انسانیت سے گرا ہوا نہ ہو۔

تفسیر عزیزی میں ارشاد ربانی وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا حکم بطور خاص تین باتوں کو شامل ہے، اور یہ کہ ان کو کسی قسم کی اذیت نہ پہنچائے خواہ ہاتھ سے ہو یا زبان وغیرہ سے، یعنی نہ تو ان کو مار پیٹ کر تکلیف پہنچائے اور نہ ان کے ساتھ بدزبانی و بدکلامی کرے، دوسرے یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے جان و مال دونوں طرح سے ان کی خدمت کرے، اور تیسرے یہ کہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور وہ جس وقت اور جس ضرورت سے بلائیں فورا ان کے پاس حاضر ہو جائے۔ تاہم علماء نے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ والدین کی خدمت کا حکم اس شرط کے ساتھ ہے کہ اگر ماں باپ اولاد کے محتاج ہوں اور اولاد اتنی قوت و استطاعت رکھتی ہو کہ ان کی ہر طرح کی خدمت کر سکے تو ان کی خدمت کرنا اس پر واجب ہے اور اگر یہ صورت ہو کہ نہ تو والدین اس کے محتاج ہوں اور نہ اولاد اس پر قادر ہے تو اس پر ان کی خدمت واجب نہیں ہے اسی طرح والدین کی حکم برداری کا مسئلہ بھی اس وضاحت کے ساتھ ہے کہ اگر وہ اچھے کام کا حکم دیں یا خلاف شرع چیزوں سے روکیں یا شرع کے خلاف حکم نہ دیں تو ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے لیکن اگر وہ خلاف شرع چیزوں کا حکم دیں مثلاً واجبات کو ترک کرنے کے لئے کہیں یا فرض حج کرنے سے روک

دیں اور منع کریں تو ان چیزوں میں ان کی اطاعت نہ کرنی چاہیے اگر سنت مؤکدہ کو چھوڑنے کے لئے کہیں مثلاً نماز کی جماعت میں شریک ہونے سے روکیں، یا عرفہ کے روزہ کو منع کریں تو اس میں زیادہ صحیح قول یہ ہے اس طرح کا حکم دو ایک مرتبہ مان لینے اور ان کی اطاعت میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن ان چیزوں کی اگر وہ عادت بنی ڈالو ادنیٰ یا بیشع کر تے رہیں تو ان کا حکم نہ مانے۔ ہاں اگر وہ کسی نقلی عبادت سے روکیں اور کہیں کہ اس کی بجائے ہماری خدمت میں رہو تو ان کی حکم برداری کرنی چاہئے۔

”یمین غموس“ اس جھوٹی قسم کو کہتے ہیں جس کا تعلق گزشتہ چیز سے ہو، مثلاً کوئی شخص کسی فعل کے بارہ میں اس طرح قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں نے فلاں کام نہیں کیا ہے۔ در آنحالیکہ واقع میں اس نے وہ کام کیا ہے تو یہ ”یمین غموس“ کہلائے گی اس کی سخت ممانعت ہے کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اسی طرح جھوٹی گواہی دینا بھی ایک بہت بڑا گناہ ہے جو اللہ کے سخت عذاب کا مستوجب بناتا ہے۔

ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُفْضِلَاتِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا هُنَّ قَالَ الشُّرُكُ بِاللَّهِ وَالنِّسْخُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَآكُلُ الرِّبَا وَآكُلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَالتَّقَوُّلُ يَوْمَ الرَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْفَافِلَاتِ - (متن یہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (لوگو!) سات ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو، پوچھا گیا یا رسول اللہ! وہ سات ہلاک کرنے والی باتیں کون سی ہیں؟ فرمایا کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا۔ ② جادو کرنا۔ ③ جس جان کو مار ڈالنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا۔ ④ یتیم کا مال کھانا۔ ⑤ جہاد کے دن دشمن کو پیٹھ دکھانا۔ ⑥ پاکدامن ایمان والی اور بے خبر عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اسلامی اعتقادات و نظریات اور بدیہی مسلمات کو دل سے ماننا، زبان سے اقرار کرنا اور عامہ شدہ فرائض پر عمل کرنا ایمان ہے اور ان پر بدیہی مسلمات میں سے کسی ایک بات کا انکار کرنا کفر ہے اب اگر اس کلیہ کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ایمان کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ دین کے بدیہی مسلمات زبان و دل سے مان لئے جائیں اور اس پر عمل پیرا ہو جائے۔ برخلاف اس کے کہ کفر کی صورتیں کئی ہیں اور دین کی بدیہیات میں سے اگر کسی ایک بات کا بھی انکار کر دیا جائے خواہ بقیہ سب کا اقرار موجود ہے تو بھی کفر عامہ ہو جاتا ہے پھر علماء کی تصریح ہے کہ کفر صرف قول ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بعض افعال بھی موجب کفر ہو سکتے ہیں، چنانچہ فقہاء ایسے افعال پر بھی کفر کا حکم لگاتے ہیں جو قلبی و اعتقادی کفر کے صحیح ترجمان سمجھے جاتے ہیں۔

یوں تو کفر کی ہر قسم انسانیت کے دامن پر سب سے بد نما داغ ہے لیکن اس کی جو قسم سب سے بدتر ہے وہ شرک ہے یعنی خدا تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کی عبادات اور اس کی حدود و عظمت میں کسی کو شریک بنالینا نہ صرف اعتقادی حیثیت سے ایمان و اسلام سے صریح بیزاری کا اظہار ہے، بلکہ فطرت پر ایک بہت بڑا ظلم اور عقل و دانش سے سب سے بڑی بغاوت بھی ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کر کے اس کی فطرت کو کفر و شرک کی ہر قسم کی آلودگی سے پاک و صاف رکھا ہے، اب اگر انسان اپنی فطرت کو شرک کی نجاست سے ملوث کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی فطرت اور اپنے ضمیر کی صداقت آمیز آواز کا گلا گھونٹ کر مذہب و انسانیت دونوں حیثیت سے تباہی و بربادی کے غار میں گرتا ہے۔

اس لئے پروردگار عالم کا اہل فیصلہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں ہر کوتاہی و لغزش قابل معافی ہو سکتی ہے۔ مگر شرک کا جرم ہرگز معافی نہیں ہو گا جس کی سخت سزا شرک کو بھگتنی ہوگی۔ اور خدا تعالیٰ کی پاک جنت میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونِ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ - (القرآن حکیم، النساء، ۴۸)

کی محبت کے لئے ٹوٹ کرے شرک ہے گویا یہ گناہ اپنے مہلک اثرات کی بنا پر شرک کی طرح ہیں اس لئے ان کا اجتناب بھی اتنا ہی ضروری ہے، جتنا شرک ہے۔

اسی طرح وہ افعال جو اگرچہ شرک حقیقی یعنی کفر کے دائرے میں تو نہ آتے ہوں لیکن مشرکین اور بت پرستوں کے افعال و اعمال کے مشابہ اور ان کے ہم مثل سمجھے جاتے ہیں تو ان سے بھی شرک ہی کی طرح پرہیز ضروری ہے، جیسے علماء اور بادشاہ کے آگے جبین سائی کرنا یا ان کے سامنے آکر زمین کو چوسنا یا ان کو سجدہ تعظیم کرنا۔ چونکہ یہ افعال حرام اور گناہ کبیرہ ہیں اس لئے ان کا ارتکاب کرنے والا بھی گناہ گار اور مستوجب عذاب ہوگا، اور جو لوگ اس طرح کے افعال سے خوش ہوں گے اور قدرت کے باوجود ان افعال کے ارتکاب کو روکنے کی کوشش نہیں کریں گے وہ بھی گناہ گار ہوں گے، یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اگر علماء یا بادشاہ پیروں کے آگے جبین سائی کرنا اور زمین کو بوسہ دینا عبادت و تعظیم کی نیت سے ہوگا تو اس کو صریحاً کفر کہا جائے گا اگر عبادت و تعظیم کی نیت سے نہیں بلکہ محض اظہار ادب کے لئے ہوگا تو اس پر کفر کا اطلاق نہیں ہوگا لیکن گناہ کبیرہ ضرور کہلائے گا۔

اس حدیث میں دوسرا ہلاکت خیز فعل بھی بتایا گیا ہے۔ سحر کے بارہ میں علماء کہتے ہیں کہ جس طرح سحر اور جادو کو حرام اور ہلاکت خیز چیز ہے اسی طرح جادو سیکھنا اور سحر کا علم حاصل کرنا بھی حرام ہے، جو آخرت میں ہلاکت کا موجب بنے گا، شرح عقائد کے حاشیہ "خیالی" میں لکھا ہے کہ سحر کرنا کفر ہے، اور صحابہؓ وغیرہ کی ایک جماعت تو اس پر متفق ہے کہ ساحر کو فوجا مار ڈالنا چاہیے۔ جب کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ اگر ساحر اس طرح کا ہو جس سے کفر لازم آتا ہو اور ساحر اس سے توبہ نہ کرے تو اس کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہئے۔ اسی طرح نجوم، کہانت رمل اور شعبدہ بازی کی تعلیم حاصل کرنا، ان چیزوں کو اختیار کرنا اور ان سے روزی اور پیسہ کمانا اور نجومی و کاہن وغیرہ سے سوالات کرنا اور ان کی بتائی ہوئی باتوں پر اعتقاد رکھنا بھی حرام ہے۔

حدیث میں دشمن کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کرنے کے مذموم فعل کو بھی ہلاکت کا موجب بتایا گیا ہے اس لئے کہ جس شخص نے اتنی بزدلی اور پست ہمتی دکھائی کہ عین اس موقع پر جب کہ اس کو ایمانی شجاعت و دلیری کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا، دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑا ہوا وہ دراصل اپنی اس مذموم حرکت کے ذریعہ اہل اسلام کی رسوائی کا سبب بنا لہذا اس کو آخرت کے عذاب اور ہلاکت کا مستوجب گردانا جائے گا۔ اس سلسلہ میں جہاں تک تفصیلی مسئلہ کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان کے مقابلہ میں دو کافر ہوں تو اس کو ان کے مقابلے سے راہ فرار اختیار کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ ہاں اگر مقابلہ پر دشمن دو سے زیادہ کی تعداد میں ہوں تو پھر بھاگنا حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہے مگر اس میں اولیٰ اور بہتری کی ہے کہ وہ اس صورت میں بھی پیٹھ نہ دکھائے بلکہ مقابلہ کرے خواہ جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔

وہ بدترین گناہ جن کے ارتکاب کے وقت ایمان باقی نہیں رہتا

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُزْنِي الزَّانِي حِينَ يُزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهَبُ نَهْيَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهَا أَنْصَارَ هُمْ حِينَ يَنْتَهَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَقْتُلُ قَتْلًا حِينَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَمَّا كُنْتُمْ الْإِنَّاكُم - فَتَقَفَ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَا يَقْتُلُ حِينَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ عِكْرِمَةُ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ كَيْفَ يَنْزِعُ الْإِيمَانُ مِنْهُ قَالَ هَكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ثُمَّ أَخْرَجَهَا فَإِنْ قَابَ عَادَ إِلَيْهِ هَكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ وَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ لَا يَكُونُ هَذَا مُؤْمِنًا نَاقًا وَلَا يَكُونُ لَهُ نَوْزُ الْإِيمَانِ - (هذا لفظ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ازنائے کرنے والا جب زنا کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، اور چھینا چھینی کرتا ہے اور لوگ اس کو کھلم کھلا چھینا چھینی کرتے

ہوئے دیکھتے ہیں (لیکن خوف و وحشت کے مارے بے بس ہو جاتے ہیں اور چیخ و پکار کے علاوہ اس کا کچھ نہیں لگا رہتے) تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا پس تم (ان گناہوں سے) بچو۔ (بخاری و مسلم) اور ابن عباسؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اقل کرنے والا جب ناحق قتل کرتا ہے تو اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ عکرمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ حدیث سن کر پوچھا کہ اس سے ایمان علیحدہ کس طرح کر لیا جاتا ہے، تو انہوں نے کہا اس طرح (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کیں اور پھر ان انگلیوں کو ایک دوسری سے علیحدہ کر لیا اس کے بعد انہوں نے فرمایا اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو ایمان اس طرح واپس آ جاتا ہے، اور (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنی انگلیوں کو پھر ایک دوسری میں داخل کر لیا۔ نیز ابو عبد اللہ (یعنی امام بخاریؒ) نے کہا ہے کہ (اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ) وہ شخص اگر تکاب معصیت کے وقت مؤمن کامل نہیں رہتا اور اس میں سے ایمان کا نور نکل جاتا ہے (بخاری)۔

تشریح: جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا، مؤمن کا قلب ایک ایسے حساس اور پاکیزہ ظرف کی مانند ہے جس میں صرف ایمان کا نور ٹھہر سکتا ہے، ایمان کے منافی کوئی بھی چیز درانداز ہونے کی کوشش کرتی ہے تو نہ قلب مؤمن اس کا رد و ادا کرتا ہے اور نہ نور ایمان اس کو برداشت کرتا ہے، چنانچہ وہ بدترین اور سنگین گناہ جس کا حدیث بالا میں ذکر ہوا، ایسی منافی ایمان باتیں ہیں جن کا نکل نور ایمان کسی حالت میں نہیں کر سکتا، اور انسان ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب شروع کرتا ہے کہ ادھر نور ایمان اس کے قلب سے رخصت ہو جاتا ہے اور پھر جب تک کہ اس گناہ پر نادم و شرمندہ ہو کر آئندہ کے لئے خلوص دل سے توبہ نہیں کر لیتا ایمان کی وہ نورانی کیفیت جو ارتکاب گناہ سے قبل اس کو حاصل تھی، اس کے قلب میں واپس نہیں آتی۔ اسی صورت حال کو حضرت ابن عباسؓ نے اپنی انگلیوں کی مثال کے ذریعہ واضح کیا، انہوں نے پہلے اپنے ایک ہاتھ کے پنجے کو دوسرے ہاتھ کے پنجے میں داخل کیا اور دکھایا کہ یہ گویا ارتکاب معصیت سے قبل کی حالت ہے کہ نور ایمان مؤمن کے قلب میں جاگزیں ہے پھر انہوں نے دونوں پنجوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے بتلایا کہ جس طرح یہ پنجے دوسرے پنجے سے الگ ہو گیا ہے، اسی طرح ارتکاب معصیت کے وقت نور ایمان مؤمن کے قلب سے علیحدہ ہو جاتا ہے، اور پھر انہوں نے دوسرے پنجوں کو ایک دوسرے میں داخل کر دیا اور کہا کہ جس طرح یہ پنجے پھر ایک دوسرے میں داخل ہو گئے ہیں اسی طرح اگر مؤمن ارتکاب معصیت کے بعد توبہ کر لیتا ہے تو اس کا نور ایمان پہلے کی طرح اپنی جگہ واپس آ جاتا ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ نے لکھا ہے کہ ارتکاب معصیت کے وقت ایمان کے باقی نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ مرتکب معصیت کامل مؤمن نہیں رہ جاتا اس کا ایمان ناقص ہو جاتا ہے (ترجمان السنۃ) اور یہی حاصل امام بخاریؒ کے قول کا ہے جو روایت کے آخری فقرہ سے معلوم ہوا۔

منافق کی علامتیں

⑤ وَ هُنَّ ابْنُ هُرَيْرَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ الْمُنَافِقُ ثَلَاثٌ زَادَ مُسْلِمًا وَإِنْ ضَامَ وَضَعِي وَ زَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ ثُمَّ اتَّفَقَا إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا التَّمَنَّى خَانَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا منافق کی تین علامتیں ہیں، اس کے بعد مسلم نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ کیا ”اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرے“ اس کے بعد بخاری و مسلم دونوں متفق ہیں (وہ تین علامتیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔“ (متفق علیہ)

تشریح: جب بھی کوئی اصلاحی تحریک انقلابی رفتار سے آگے بڑھنے لگتی ہے اور معاشرہ پر اس کا تسلط پھیلتا جاتا ہے تو اس کے متفقین اور مخالفین کے درمیان ایک تیسرا طبقہ بھی پیدا ہو جاتا ہے، یعنی ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس تحریک کے مکمل ہمنوا بن جاتے ہیں اور کامل ذہنی و جسمانی وابستگی کے ساتھ اس کے دائرہ اثر و اطاعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کے مقابلہ پر دوسرا طبقہ مخالفین کا ہوتا ہے جو

تحریک کی کھلم کھلا مخالفت کرتا ہے اور اپنی پوری طاقت اور تمام تر وسائل کے ساتھ علانیہ طور پر تحریک کے داعیوں اور حامیوں کے مد مقابل رہتا ہے، اور ان دونوں کے درمیان جو تیسرا طبقہ پیدا ہوتا ہے وہ ان رو باصفت لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جو نہ اس تحریک کے دل سے حامی بنتے ہیں اور نہ کھلم کھلا مخالفت پر خود کو قادر پاتے ہیں اس طرح کے لوگ اپنی ذہنی و قلبی وابستگی اپنے سابقہ عقائد و نظریات ہی کے تئیں رکھتے ہیں لیکن جسمانی طور پر حامیان تحریک کی صفوں میں شامل ہو جاتے ہیں، یہی صورت حال اسلام کو بھی پیش آئی پیغمبر اسلام کی زندگی کے بعد جب مدنی زندگی کا آغاز ہوا اور اسی کے ساتھ دعوت اسلام کی تحریک انقلابی رفتار سے آگے بڑھنے لگی اور اہل اسلام کو بھی طاقت و شوکت میسر آنے لگی تو یہ تیسرا طبقہ پیدا ہو گیا۔ پہلے مکہ میں ایک طرف تو وہ خوش نصیب لوگ تھے جنہوں نے کامل صدق و اخلاص کے ساتھ دعوت اسلام کو قبول کیا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے فداکار خادم بنے۔ یہ خوش نصیب تعداد میں بھی کم تھے اور مادی وسائل و ذرائع سے محروم بھی تھے، ان کے مقابلہ پر اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے دعوت اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور اس پر بس نہ کر کے دعوت اسلام کی بھرپور مخالفت پر کمر بستہ تھے، ان لوگوں کو طاقت و شوکت بھی حاصل تھی اور تمام تر مادی وسائل و ذرائع کی پشت پناہی بھی۔ چنانچہ یہاں ان کو اسلام کی کھلم کھلا دشمنی سے کوئی امر مانع نہیں تھا اور اہل اسلام کی مخالفت ساقی طور پر کسی خطرہ یا نقصان کا باعث بھی نہیں تھی۔ لیکن اب مدینہ آنے کے بعد دعوت اسلام کا ماحول دوسرا ہو گیا، تحریک کامیابی سے آگے بڑھتی رہی، متقیین اور ہمنواؤں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ طاقت و شوکت بھی بڑھنے لگی اور ساقی طور پر اہل اسلام کو غلبہ بھی ملنے لگا۔ لہذا اب اسلام کے مخالفین اور معاندین کو بھی عدوت کی شکل بدل دینی پڑی۔ انہوں نے یہ مستقل پالیسی بنائی کہ بظاہر تو اسلام کے نام لیوا بن جاؤ اور مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگو۔ مگر اندرونی طور پر مخالفین اسلام یعنی کافروں کے ہمنوار ہو اور خفیہ معاندانہ کارروائیوں کے ذریعہ دعوت اسلام کی راہ میں کانٹے بچھاتے رہو، چنانچہ یہی سے ”نفاق“ کی بنیاد قائم ہوئی اور اس طرح کے لوگوں کو اسلام میں ”منافق“ کہا گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح کسی بھی تحریک کے لئے ”نفاق“ سب سے بڑا گھن ثابت ہوتا ہے اسی طرح اسلام کے حق میں یہ طبقہ منافقین سب سے زیادہ نقصان رسا ثابت ہوا، ابتدا میں تو ان منافقین کا مکروہ چہرہ مسلمانوں کے سامنے چھپا رہا، جب ان کی منافقانہ پالیسی اور عیارانہ کارروائیوں نے اسلام اور مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچانا شروع کیا اور اسلام کے خلاف ان کی خفیہ نقل و حرکت کا علم ہونے لگا تو ان کی شخصیتیں سامنے آنے لگیں اور پھر تو اس طبقہ کی اتنی اہمیت محسوس کی گئی کہ ان کے نام پر مستقل ایک سورت ”المنافقین“ نازل کی گئی، اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں جا بجا منافقوں سے خبردار کیا گیا اور ان کی ریشہ دوانیوں اور تباہ کاریوں سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا۔

نفاق کی قسمیں

جس طرح ایمان اور کفر کی مختلف قسمیں اور صورتیں ہیں اسی طرح ”نفاق“ کی بھی کئی قسمیں ہیں ایک تو اعتقادی نفاق ہے اور دوسری حقیقی نفاق ہے یعنی بظاہر اللہ کی توحید، رسالت، فرشتے، اور حشر و نشر کے اعتقاد رکھنے کا دعویٰ کرنا مگر اندر ان تمام اعتقادی مسلمات کا پورا پورا انکار و انحراف مضمر ہونا۔ یہی وہ نفاق ہے جو آنحضرت ﷺ کے دور میں تھا۔ اسی نفاق کو قرآن مجید نے کفر بھی کہا ہے اور اسی نفاق کے بارہ میں یہ وعید آئی ہے کہ دوزخ میں منافقین کا ٹھکانا کافروں سے بھی نیچے ہوگا، پھر یہ ہوا کہ ان منافقین کے جو عادات و خصائل اور طور طریقے تھے ان پر بھی نفاق کا اطلاق کیا جانے لگا۔ کیونکہ ان میں سے اکثر باتیں وہی ہیں جو انسان کی اخلاقی اور عملی زندگی کو عیب دار بنا دیتی ہیں جو اسلام کی تعلیمات، اعلیٰ انسانی اقدار اور امانت و دیانت کے صریح منافی ہونے کے سبب ایمان و اسلام سے ذرا بھی میل نہیں کھاتیں۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی دینی زندگی میں انحطاط کا دور آیا اور انہوں نے ان باتوں کو اختیار کرنا شروع کر دیا جو منافقین اسلام کا خاصہ تھیں تو ارباب اصطلاح نے نفاق کی ایک اور قسم متعین کی اور اس کا نام ”عملی نفاق“ رکھا۔

پس حدیث بالا میں جس چیز کے خلاف تنبیہ کرنا مقصود ہے اس سے یہی ”عملی نفاق“ مراد ہے۔ مطلب یہ کہ بات چیت میں دروغ

گوئی اختیار کرنا، وعدہ کا پورا کرنا، اور امانتوں میں خیانت کرنا ان بری عادتوں میں سے ہیں جو ایک منافق میں تو پائی جاتی ہیں لیکن کسی مؤمن میں ان کا پایا جانا عجوبہ سے کم نہیں۔ لہذا اگر مسلمان دانستہ یا نادانستہ طور پر ان میں سے کسی بری عادت کا شکار ہے تو اس کو فوراً اپنا احتساب کرنا چاہیے اور اس بری عادت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے ورنہ آخرت میں سخت عذاب بھگتنا ہوگا۔

منافق بنانے والی چار باتیں

① وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خِصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خِصْلَةٌ مِنَ الْإِثْقَانِ حَتَّى يَدْخُلَهَا إِذَا اتَّخَمَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص میں چار باتیں ہوں گی وہ پورا منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جائے گی (تو سمجھ لو) اس میں نفاق کی ایک خصلت پیدا ہوئی تاوقتیکہ اس کو چھوڑ نہ دے (اور وہ چار باتیں یہ ہیں) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب قول و اقرار کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب جھگڑے تو گالیاں بکے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہاں بھی نفاق سے مراد ”عملی نفاق“ ہے یعنی اگر کوئی مؤمن و مسلمان ان چار بری باتوں کا شکار ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ پورے طور پر عملی نفاق میں مبتلا ہے اور عملاً منافق بن گیا ہے اور اگر ان چاروں میں سے کوئی ایک خصلت و عادت اس کے اندر پیدا ہو جائے تو جانو کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت پیدا ہو گئی ہے، لہذا متنبہ کیا جاتا ہے کہ جس کے اندر خواہ یہ تمام خصلتیں جمع ہو گئی ہوں یا ایک خصلت ہو وہ جان لے کہ اب اس کا نقشہ زندگی منافق کے مطابق ہوتا جا رہا ہے۔ اگر وہ ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے اندر ان خصلتوں کا ہونا مناسب نہیں ہے اور اگر وہ اپنی دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ان باتوں کو فوراً چھوڑ دے۔

منافق کی مثال

② وَعَنْ بِنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ الْعَايِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ يُعِيرُ إِلَى هَذِهِ مَرَّةً وَإِلَى هَذِهِ مَرَّةً۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان (ماری ماری) پھرتی ہے کہ (اپنے زر کی تلاش میں) کبھی اس طرف نکل ہو جاتی ہے اور کبھی اس طرف۔“ (مسلم)

تشریح: منافق کی مثال اس بکری سے دی گئی ہے جو اپنے زر کی تلاش میں ادھر ادھر ماری ماری پھرتی ہے اسی طرح منافق کی حالت ہوتی ہے کہ اس کے سامنے چونکہ صرف دنیا کا لالچ اور مال و جاں کی حفاظت کا مقصد ہوتا ہے اس لئے وہ مادہ صفت بن کر کبھی تو مسلمانوں کی آغوش میں آکر پناہ لیتا ہے اور کبھی کافروں کے گروہ میں جا کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے، نفاق سے نفرت پیدا کرنے کے لئے ظاہر ہے کہ یہ تشبیہ بہت مؤثر ہے۔

الفصل الثانی

③ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ يَهْوَ دِيَّ لِصَاحِبِهِ إِذْ هَبَّ بِنَا إِلَى هَذَا النَّبِيِّ فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ إِنَّهُ لَا يَسْمَعُ لَكَ إِنَّ أَرْبَعًا عَيْنٍ فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنْ تِسْعِ آيَاتٍ بَيَّنَّتْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوا إِلَى دِي
سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَكُمْ وَلَا تَعْبُدُوا الزُّنَا وَلَا تَقْعُدُوا مَحْصَنَةً وَلَا تُولُوا لِلْفِرَارِ يَوْمَ الرِّخْفِ وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةٌ
الْيَهُودَ أَنْ لَا تَعْتَدُوا فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبِلَا يَدَيْهِ وَرَجَلَيْهِ وَقَالَ تَشْهَدُ أَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ فَمَا يَمْنَعُكُمْ أَنْ تَسْبِغُونِي؟ قَالَ إِنَّ
دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامَ دَعَا رَبَّهُ أَنْ لَا يَزَالَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ نَبِيٌّ وَإِنَّا نَخَافُ أَنْ يُقْتَلَنَا الْيَهُودُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی)

”حضرت صفوان بن عسالؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک یہودی نے اپنے ایک (یہودی) ساتھی سے کہا کہ آؤ اس نبی ﷺ کے پاس چلیں! اس کے ساتھی نے کہا! انہیں نبی نہ کہو، کیونکہ اگر انہوں نے من لیا (کہ یہودی بھی مجھے نبی کہتے ہیں) تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی خوشی سے پھولے نہیں سائیں گے)، بہر حال وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے نودائیں احکام کے بارہ میں سوال کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، جس جان کو مار ڈالنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو، کسی بے گناہ کو قتل کرانے کے لئے (اس پر غلط الزام عائد کر کے) احکام کے پاس مت لے جاؤ، جاؤ نہ کرو، سود نہ کھاؤ، پاک و امن عورت کو (زنا کی) تہمت نہ لگاؤ، میدان جنگ میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤ اور اسے یہودیو! تمہارے لئے خاص طور پر واجب ہے کہ یوم شنبہ کے معاملہ میں (عہم الہی سے) تجاوز نہ کرو، راوی کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) دونوں یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پیرچوم لئے اور بولے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ واقعی نبی ہیں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا، (جب تمہیں میری رسالت پر یقین ہے تو میری اتباع سے تم کو کون سا امر مانع ہے؟ انہوں نے کہا: حقیقت یہ ہے کہ داؤد نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد اٹھیں، ہمیشہ نبی ہوا کرے لہذا آگے دیکھیں اگر آپ ﷺ کی پیروی کریں تو یہودی ہمیں مار ڈالیں گے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے اللہ کی جانب سے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ نبوت کی دلیل کے طور پر ان کو جو بڑے معجزے عطا کئے گئے تھے ان میں ایک عصا تھا ”عصا“ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا معجزہ تھا جس کے ذریعہ وہ بڑے بڑے کام انجام دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب فرعون کی جانب سے ان کے اور اس زمانہ کے مشہور ساحروں اور جادو گروں کے درمیان مقابلہ ہوا تو خدا نے ان کو عصا ہی کے ذریعے اس طرح کامیابی عنایت فرمائی کہ ان جادو گروں نے جب اپنے محرو جادو کے بل بوتہ پر رسیوں کو سانپ بنا کر زمین پر ڈالا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جس نے دیکھتے دیکھتے ایک عظیم اور ہبت ناک اثر دے کر اوپ دھار کر تمام سانپوں کو نگل لیا۔ اس طرح ان کا وہ سرا بڑا معجزہ ”ید بیضا“ تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا دست مبارک بعل میں ڈال کر باہر نکالتے تو وہ آفتاب کی مانند شعاعیں نکھیرنے لگتا تھا۔ اتنے بڑے معجزوں کے باوجود جب ان کی قوم راہ راست پر نہیں آئی تو خدا نے ان کو بلائے عام میں اس طرح مبتلا کر دیا کہ ان پر قحط مسلط کر دیا، اور ان کے پھلوں کی پیداوار میں کمی کر دی پھر بعد میں جب ان کی سرکشی اور نافرمانیاں اور زیادہ بڑھیں تو ان پر مختلف قسم کے عذاب بھیجے جانے لگے۔ مثلاً بارش اتنی کثرت سے بر سادی گئی کہ طوفان نے ان کو آگھیرا، ان کے کھیتوں پر مٹی یاں بھیج دی گئیں جس کی وجہ سے ان کی تیار فصل تباہ و برباد ہونے لگی، یا ان کے غلوں میں گھن کا کیزہ لگا دیا جس نے ان کے غلوں کے انبار کو ختم کرنا شروع کر دیا، ان پر میٹھک کا عذاب بھیج دیا گیا کہ ان کی ہر چیز میں خواہ کھانے کی ہو یا پینے کی میٹھک ہی میٹھک ہو گئے اور پھر ان کا پانی خون کر دیا گیا کہ جب بھی وہ پانی پیتے وہ خون کی شکل اختیار کر لیتا۔ بہر حال یہ نو چیزیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے اور ان کی نبوت کی خاص نشانیاں تھیں۔

اس حدیث میں ان دونوں یہودیوں نے جن نودائیں احکام کے بارے میں سوال کیا، ان سے یا تو وہی احکام مراد تھے جو آنحضرت ﷺ نے ان سے ارشاد فرمائے یا پھر ان کی مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انہی نو معجزات اور نشانیوں کے بارہ میں سرکارِ دو

۱۔ صفوان بن عسالؓ مرادی کی نسبت سے مشہور ہیں حضرت علیؓ کے دور خلافت میں آپ کا انتقال ہوا۔

عالم ﷺ کی زبان مقدس سے آگاہی اور توثیق حاصل کرنا تھی اس صورت میں کہا جائے گا کہ یا تو خود آنحضرت ﷺ نے ان کا ذکر اس لئے ہی کیا کہ یہ قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں اور جو ضروری احکام تھے ان کا حکم ان کو بتادیا، یا یہ کہ ان کے سوال کے جواب میں ان کو چیزوں کا ذکر فرما کر پھر ان کو اپنی طرف سے یہ احکام دیے اور راوی نے ان کے مشہور ہونے کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کیا۔ رہی اس خاص حکم کی بات جو آنحضرت نے مذکورہ نو احکام کے علاوہ خاص طور پر یہودیوں کو دیا تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح تمام قوموں کے لئے ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لئے مخصوص تھا اسی طرح یہودیوں کے لئے بھی شنبہ کا دن عبادت کے لئے متعین کر دیا گیا تھا اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس دن خدا کی عبادت میں مشغول رہا کریں چونکہ یہ قوم شکار کا خاص ذوق اور شغف رکھتی تھی اس لئے ان کو اس دن شکار سے بھی منع کر دیا گیا، لیکن اس قوم نے اس حکم کو کوئی اہمیت نہیں دی اور سخت ممانعت کے باوجود اس دن مچھلی وغیرہ کا شکار کرنے لگے، خدا کی جانب سے ان کو بار بار متنبہ کیا گیا لیکن جب انہیں مانے تو آخر کار ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا گیا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں کو اس کے بارہ میں بطور خاص تاکید کی کہ تم اس معاملہ میں خدا کی قائم کی ہوئی حد سے تجاوز نہ کرو اور چونکہ ہمیں اس دن شکار کھیلنے سے منع کر دیا گیا ہے اس لئے اس ممانعت پر عمل کرو اور اس حکم کی نافرمانی مت کرو۔

ان یہودیوں کا آنحضرت ﷺ سے احکام سن کر آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا بطور قبول ہو کر صدق دل سے نہیں تھا بلکہ اپنے علم کے اظہار اور اعتراف کے طور پر تھا۔ مطلب یہ کہ یہودیوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا نبی مرسل ہونا پڑھ لیا تھا اور وہ خوب جانتے تھے کہ محمد واقعہ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی اور رسول ہیں۔ مگر یہ ان کی بد بختی تھی کہ اس صحیح علم کے باوجود ان کو قبول اسلام کی توفیق نہیں ہوتی تھی اور تعصب و ہست و ہری نے ان کو اتنا اندھا کر دیا تھا کہ ان کو بالکل سامنے کی راہ حق نظر نہیں آتی تھی۔ چنانچہ ان دونوں یہودیوں نے بھی اس موقع پر بس اتنا ہی کیا کہ اپنے علم کا اعتراف کر لیا اور گواہی دی کہ آپ ﷺ واقعہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ ظاہر ہے کہ محض علم ہونا یا اپنے علم کا اعتراف کرنا وجود ایمان کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔ رہا ان دونوں یہودیوں کا یہ کہنا کہ حضرت داؤد نے یہ دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ ایک نبی ہوا کرے اور ان کی یہ دعا چونکہ یقیناً قبول ہوئی ہوگی اس لئے ان کی اولاد میں سے کسی کا نبی ہونا بھی یقینی ہے اور جب وہ نبی ظاہر ہوگا اور تمام یہودی اس نبی کے تابع و مطیع ہو کر شوکت و غلبہ پائیں گے تو پھر ہماری شامت آجائے گی۔ یعنی تمام یہودی ہمیں اس جرم میں مار ڈالیں گے کہ ہم نے آپ کا دین کیوں قبول کیا۔ اس خوف سے ہم آپ ﷺ پر ایمان نہیں لارہے ہیں۔ ظاہر ہے یہ ان دونوں یہودیوں کا حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف ایک غلط بات کی نسبت کرنا اور یقینی طور پر کہ ایک مفروضہ اور راہ تھ۔ حضرت داؤد نے ہر گز یہ دعا نہیں کی تھی اور وہ اس طرح کی دعا کرتے بھی کیسے، انہوں نے تو خود تورات اور زبور میں پڑھ رکھا تھا کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں اور ان کا دین تمام دینوں کا ناسخ ہے۔

وہ تین باتیں جو ایمان کی جڑ ہیں

⑨ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِنْ أَصْلِ الْإِيمَانِ الْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا تُكْفِرُهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجُهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِعَمَلٍ وَالْجِهَادُ مَا ضَى مُذْبَعْنَتِي اللَّهُ إِلَيَّ أَنْ يُقَاتِلَ أَخِي هَذِهِ الْأُمَّةُ الدَّجَالُ لَا يُبْطِلُهُ جُزْ جَائِرٌ وَلَا عَدْلٌ عَادِلٌ وَالْإِيمَانُ بِالْأَقْدَارِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین باتیں ایمان کی جڑیں ① جو شخص لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لے اس سے جنگ و محاسمت ختم کر دینا، اب کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہو اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اس پر اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ لگاؤ ② جب سے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے جہاد ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ اس امت کے آخر میں ایک شخص آکر دجال سے جنگ کرے گا۔ کسی عادل (بادشاہ) کے عدل یا کسی ظالم کے ظلم کا یہانہ لے کر جہاد ختم نہیں کیا جاسکتا ③ اور تقدیر پر ایمان

۷۷- (ابوداؤد)

تشریح: کسی مسلمان کو کافر کہنے کی ممانعت اس حدیث نے واضح طور پر ثابت کر دی ہے، مطلب یہ کہ جس طرح اچھے کام کرنے والے کافر کو مسلمان کہنا منع ہے تاؤ فتیکہ وہ توحید و رسالت کا اقرار نہ کرے اسی طرح کسی مسلمان کو صرف اس کی بد اعمالیوں کی بنا پر کافر کہنا بھی سخت جرم ہے جب تک کہ وہ عقیدہ کفریہ کا اعلان نہ کرے پس لَا تُكْفِرُوهُ بِذَنْبٍ (کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہو) کے الفاظ میں تو "خارجیوں" کی تردید ہے۔ جن کا کہنا ہے کہ مؤمن اگر گناہ کا مرتکب ہو جائے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور وَلَا تُخْرِجُوهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِعَمَلٍ (اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اسے خارج اسلام قرار دو) کے الفاظ میں (معتزلہ) کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے خارج از اسلام ہو جاتا ہے اگرچہ کافر نہیں ہوتا۔ مرتکب گناہ کبیرہ کے لئے وہ ایک درمیانی درجہ مانتے ہیں، یعنی نہ تو اس کو مسلمان کہتے ہیں اور نہ کافر۔ بہر حال خارجیوں اور معتزلہ سے قطع نظر موجودہ دور کے ان مسلمانوں کو بھی اس حدیث کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھنا چاہیے جو کفر سازی کے کارخانے چلاتے ہیں اور اپنے مکتب فکر کے علاوہ دوسرے تمام مسلمانوں کو بے دریغ کافر قرار دیتے ہیں۔ یہ شقی القلب محض ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کے تحت نہ صرف عام مسلمانوں کو بلکہ علماء حق اور اولیاء اللہ تک کو کافر کہنے سے ڈار نہیں جھمکتے۔ ان لوگوں کو ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنا چاہئے کہ جب لسان نبوت نے عاصی مسلمان کو بھی کافر کہنے سے سخت منع فرمایا ہے تو پھر ان بزرگان دین اور پیشوا اسلام کا کافر کہنا کہ جن کی زندگیوں کا تمام حصہ مذہب کی خدمت و اشاعت میں گزرتا ہے اور جو ان کو کافر نہ کہے اس کو بھی کافر کہنا احکام شریعت اور فرمان رسالت سے کتنا محکمہ خیر معاملہ ہے جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ عذاب خداوندی اور خسران آخرت کے علاوہ اور کچھ نہیں نکل سکتا۔

حدیث میں جن باتوں کو ایمان کی جز فرمایا گیا ہے ان میں سے پہلی بات تو وہی ہے جس کی وضاحت اوپر ہوئی۔ دوسری بات "جہاد" ہے، اس بارہ میں ارشاد نبوت کا مطلب یہ ہے کہ اب روئے زمین پر دین حق (جو اللہ کا آخری اور کامل دین ہے) کے ظاہر ہو جانے اور رسول خدا کی رسالت کا اعلان ہو جانے کے بعد سے اس وقت تک کہ آخر میں قیامت کے قریب دجال مارا نہ جائے، یا جوج ماجوج ظاہر ہو کر فنا کے گھاٹ نہ اتر جائیں اور یہ روئے زمین دین کے ایک ایک دشمن اور منکر سے پاک نہ ہو جائے، جہاد برابر جاری رہے گا۔ جہاد کی فرضیت اور اہمیت اس صورت میں بھی ختم نہیں ہوگی جب کہ کوئی اسلامی سربراہ مملکت ظالم و جابر ہو۔ اگر دشمنان دین کے خلاف وہ جہاد کا اعلان کر دے تو اس کو ماننا اور اس کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا شرعی طور پر ضروری ہوگا۔ یہ نہیں کہ اس کے ظلم و جبر کا پہانہ لے کر جہاد میں شریک اور مددگار بننے سے انکار کر دیا جائے اسی طرح اگر کسی دشمن دین قوم کا سربراہ اور بادشاہ اتفاق سے عادل اور منصف مزاج ہو تو ہر چند کہ بادشاہ کا عدل امن و انصاف کا باعث ہوتا ہے، لیکن اسلام کی شوکت بڑھانے اور دین کا بول بالا کرنے کے لئے اس عادل بادشاہ کی قوم کے خلاف بھی جہاد کو غیر ضروری قرار نہیں دیا جاسکتا۔ تیسری بات تقدیر پر اعتقاد و یقین رکھنا ہے یعنی ایمان کی سلامتی کے لئے یہ یقین رکھنا اشد ضروری ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو بھی حادثات و واقعات پیش آتے ہیں وہ سب قضا و قدر الہی کے تحت ہے۔

ارتکاب زنا کے وقت ایمان باہر آ جاتا ہے

(۱۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا زَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِيمَانُ فَكَانَ فَوْقَ رَأْسِهِ كَالظُّلَّةِ فَإِذَا خَرَجَ مِنْ ذَلِكَ الْعَمَلِ رَجَعَ إِلَيْهِ الْإِيمَانُ۔ (رواہ السنن والابوداؤد)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے سر پر سابان کی طرح معلق ہو جاتا ہے اور پھر جب وہ اس معصیت سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔" (ترمذی۔ ابوداؤد)

تشریح: حافظ ابن تیمیہؒ نے اس موقع پر بڑی اچھی مثال دی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک گناہ گار کی مثال ایسی ہے۔ جیسی آنکھیں بند کرنے کے بعد ایک بینا شخص اپنی آنکھیں بند کرے تو اسے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اور اس لحاظ سے یہ بینا اور ایک نابینا دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔ نہ یہ دیکھتا ہے نہ وہ، لیکن فرق یہ ہے کہ نابینا آنکھوں کی روشنی ہی نہیں رکھتا اور بینا اگرچہ روشنی تو رکھتا ہے مگر غلاف چشم کی وجہ سے وہ روشنی کام نہیں کرتی اسی طرح ایک مؤمن کے نور بصیرت پر جب بے حیثیت و ضلالت کا حجاب پڑ جاتا ہے تو وہ بھی کافر کی طرح معصیت اور طاعت کا فرق نہیں پہنچاتا۔

اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ مؤمن جس حالت میں زنا کرتا ہے اس کا نور ایمانی بے حیثیت و معصیت کی تاریکی سے ایسا دم پڑ جاتا ہے کہ اسے بھی معصیت کرنے میں کوئی باق نہیں رہتا اور جب بندہ اس معصیت کے بعد صدق دل سے توبہ کر لیتا ہے تو یہ حجاب بے حیثیت پر چاک ہو جاتا ہے، اور نور ایمانی پھر جگمگانے لگتا ہے۔ (ترجمان السنہ)

الفصل الثالث

حضرت معاذؓ کو دس باتوں کی وصیت

① عَنْ مُعَاذٍ قَالَ أَوْصَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ وَخُزِفَتْ وَلَا تَغْفَنَّ وَالِدَيْكَ وَإِنْ أَمَرَكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ وَلَا تَتَزَكَّنْ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَبِدًا فَإِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَبِدًا فَقَدْ بَرَأَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَإِنَّهُ زَأْسٌ كُلِّ فَاجِسَةٍ وَإِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَإِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطِ اللَّهِ وَإِيَّاكَ وَالْفِرَازَ مِنَ الرَّحْفِ وَإِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَإِذَا أَصَابَ النَّاسُ مَوْتُ وَأَنْتَ فِيهِمْ فَأَثْبِتْ وَاتَّقِ عَلَى غِيَابِكَ مِنْ ظُلْمِكَ وَلَا تَوَفَّعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدْبَاوْ أَخْفَهُمْ فِي اللَّهِ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، چنانچہ فرمایا: ① اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہیں جان سے مار ڈالا جائے اور جلادیا جائے ② اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو اگرچہ وہ تمہیں اپنے اہل اور مال چھوڑ دیں ③ جان بوجھ کر کوئی فرض نماز نہ چھوڑو کیونکہ جو شخص عہد نماز چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں ④ شراب مت پیو کیونکہ شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے ⑤ اللہ کی نافرمانی اور گناہ سے بچو کیونکہ نافرمانی کرنے سے اللہ کا غصہ اتر آتا ہے۔ ⑥ جہاد میں دشمنوں کو ہرگز پیچھے نہ دکھلاؤ اگرچہ تمہارے ساتھ کے تمام لوگ ہلاک ہو جائیں۔ ⑦ جب لوگوں میں موت (وباء کی صورت میں) پھیل جائے اور تم ان میں موجود ہو تو ثابت قدم رہو یعنی ان کے درمیان سے بھاگو مت۔ ⑧ اپنے اہل و عیال پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرتے رہو۔ ⑨ تادیب اپناؤ نیز ان سے نہ ہٹاؤ۔ ⑩ اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انہیں ڈراتے رہو یعنی اہل و عیال میں سے کسی کو سزا یا تادیب کچھ مارنا یا نہ ضروری ہو تو اس سے پہلو تھیں نہ کرو اور ان کو اچھی اچھی باتوں کی نصیحت و تلقین کرتے رہا کرو اور دین کے احکام و مسائل کی تعلیم دیا کرو اور ان کو بری باتوں سے بچانے کی کوشش کرو۔“ (احمد)

تشریح: شرک اپنی برائی کے اعتبار سے کس قدر خطرناک ہے اور اخروی حیثیت سے کتنی ہلاکت خیزی رکھتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو وصیت فرمائی کہ اگر تمہیں جان سے مار ڈالے جانے کا بھی خطرہ ہو یا تمہیں آگ میں ڈالا جا رہا ہو تو بھی تم توحید کے معاملہ میں اپنے عقیدہ سے ایک انچ نیچے مت اترنا بلکہ موت کی پروا کے بغیر اپنے اعتقاد پر چنگی کے ساتھ قائم رہنا، تاہم جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے تو کہا جاتا ہے کہ حضرت معاذؓ چونکہ اپنی فطرت کے اعتبار سے شریعت کی پیروی میں انتہائی سخت تھے اور کسی بھی مسئلہ کا اسی پہلو کو اختیار کرتے تھے جو اولیٰ ہوتا تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے مزاج اور ذوق کے

مطابق اس قدر اہمیت کے ساتھ ان کو حکم دیا، ورنہ ایسے موقع پر جب کہ اپنے ایمان و اسلام کا اظہار اپنی موت کو دعوت دینے والا اور کفر و شرک کا کلمہ زبان سے ادا کئے بغیر جان نہ بچتی ہو تو اس کی اجازت ہے کہ کفر و شرک کا کوئی کلمہ زبان سے ادا کرے بشرطیکہ دل میں ایمان پوری طرح موجود رہے۔ ”والدین کی اطاعت و فرمانبرداری“ کی بھی اہمیت و تاکید ہی کو ظاہر کرنے کے لئے بطور مبالغہ فرمایا گیا کہ اگر ماں باپ تمہیں تمہارے اہل و عیال سے الگ ہو جانے یا تمہیں تمہارے مال و اسباب اور املاک و جائیداد سے دستبردار ہو جانے کا بھی حکم دیں تو اس حکم کی اطاعت کرو، اس بارے میں بھی اصل مسئلہ یہ ہے کہ ماں باپ کا یہ حکم ماننا واجب نہیں ہے تاکہ حرج و نقصان میں مبتلا ہونا لازم نہ آئے۔ ”فرض نماز“ کی اہمیت جتانے کے لئے فرمایا گیا کہ اگر تم جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑ دو گے تو پھر اپنے آپ کو دنیا اور آخرت میں خدا کی ذمہ داری سے باہر سمجھو، دنیا میں تم اس اعتبار سے کہ اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کے قانون کے تحت جس تعزیر کے مستوجب قرار پاؤ گے اس میں اللہ کی طرف سے کوئی امن و عافیت تمہیں نہیں ملے گی اور آخرت میں اس اعتبار سے کہ وہاں ترک نماز کے سبب خود اللہ تمہیں عذاب میں گرفتار کرے گا۔ ”دشمن کو پیٹھ دکھانے“ کے بارے میں ”جیسا کہ پہلے بھی گزرا“ یہ مسئلہ ہے کہ اگر دشمن دو تہائی تک بھی زائد ہوں یعنی ایک مسلمان کے مقابلہ پر دو دشمن دین ہوں تو اس صورت میں مقابلہ سے ہٹ جانا اور راہ فرار اختیار کرنا کسی مسلمان کو ہرگز جائز نہیں ہے ہاں اگر ایک کے مقابلہ میں دو سے زائد ہوں تو پھر تباہی کا خطرہ دیکھ کر مقابلہ سے ہٹ جانا اور جان بچانے کے لئے راہ فرار اختیار کر لینا جائز ہو گا۔ پس آنحضرت ﷺ نے معاذؓ کو یہ حکم مبالغہ کے طو پر دیا کہ تم کسی بھی صورت میں اپنے دشمن کو پیٹھ مت دکھانا خواہ تمہارے تمام ساتھی شہید ہو جائیں اور دشمن کے مقابلہ پر تم تباہی کیوں نہ رہ جاؤ اس حدیث میں ایک اعتقادی کمزوری کی بھی نشان دہی کی گئی ہے اور اس کے خلاف حضرت معاذؓ کو متنبہ کیا گیا۔ یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی آبادی میں کوئی وبا پھیل جاتی ہے اور موتیں کثرت سے واقع ہونے لگتی ہیں تو عوام دہشت زدہ ہو کر اپنے گھربار چھوڑ دیتے ہیں اور اس آبادی سے نکل بھاگتے ہیں۔ اس بارے میں بھی اصل مسئلہ یوں ہے کہ جو لوگ اس آبادی میں پہلے سے مقیم نہ ہوں بلکہ دوسری جگہوں پر ہوں تو ان کے لئے جائز ہے کہ وہ اس آبادی سے دور رہیں اور وہاں نہ آئیں لیکن جو لوگ پہلے ہی سے آبادی میں مقیم ہوں ان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ موت کے خوف سے اس آبادی کو چھوڑ دیں اور وہاں سے نکل بھاگیں، کیونکہ وہاں آبادی سے نکل بھاگنا ایسا ہی گناہ ہے جیسا دشمن کے مقابلہ سے بھاگ کھڑا ہونے کا بلکہ جو شخص اس اعتقاد سے بھاگے گا کہ اگر یہاں رہا تو مر جاؤں گا اور یہاں سے نکل بھاگنے پر موت سے بچ جاؤں گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اب کفر ہے یا ایمان

(۱۲) وَعَنْ حَذِيفَةَ قَالَ إِنَّمَا التَّفَاقُ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا الْيَوْمَ فَإِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ وَالْإِيمَانُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ تفاق کا حکم آنحضرت ﷺ کے عہد پر ختم ہو گیا لہذا اب تو (وہی صورتیں ہوں گی کہ) کفر ہو گیا ایمان۔“

(بخاری)

تشریح: عہد رسالت میں بعض مصلحتوں کی بنا پر منافقین کو مسلمانوں ہی کے حکم میں رکھا جاتا تھا اور ان کی ریشہ دوانیوں و سازشوں سے چشم پوشی کی جاتا کرتی تھی، لیکن اب یہ حکم باقی نہیں رہا، فرض کرو اگر کسی مسلمان کے بارے میں یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ شخص مؤمن نہیں ہے بلکہ حقیقی منافق ہے تو اس پر کفر و ارتداد کا حکم لاگو ہو گا اور اسلامی حکومت اس کو سزائے موت دے دے گی۔

لے آپ کا ہم گرامی حذیفہ بن یمان ہے اور کثیر العہد اللہ عسی ہے۔ آپ کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد چالیسویں دن ۳۶ھ میں ہوئی۔

بَابُ فِي الْوَسْوَسةِ

یہ باب وسوسہ کے بیان میں ہے

”وسوسہ“ گناہ یا کفر سے متعلق اس خیال کو کہتے ہیں جو دل میں گزرے یا بطن دل و دماغ میں ڈالے اس کے مقابلہ پر ”الہام“ اس اچھے اور نیک خیال کو کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے دل و دماغ میں ڈالا جاتا ہے۔

وسوسہ کی قسمیں

وسوسہ کی مختلف صورتیں اور ٹوٹتیں ہوتی ہیں اور اسی اعتبار سے علماء نے اس کی الگ الگ قسمیں متعین کی ہیں چنانچہ وسوسہ کی ایک قسم تو ”ضروری یعنی اضطراری“ ہے اور دوسری قسم ”اختیاری“ ہے۔ ضروری یا اضطراری وسوسہ اس کو کہتے ہیں کہ کسی گناہ کا یا ایمان و یقین کے منافی کسی بات کا خیال اچانک اور بے اختیار دل و دماغ میں گزر جائے اس کو اصطلاحی طور پر ”ہاجس“ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس (ہاجس) کی معافی گزشتہ امتوں میں بھی رہی ہے اور اس اُمت میں بھی ہے اور اگر وہی برا خیال دل و دماغ میں ٹھہر جائے اور غلبائی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس کو ”خاطر“ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ (خاطر) بھی اُمت سے معاف ہے۔ ”اختیاری وسوسہ“ اس کو کہتے ہیں کہ کسی گناہ یا ایمان و یقین کے منافی کسی بات کا خیال دل و دماغ میں پیدا ہو، ٹھہر رہے، لگا تار رہے، مستقل غلبان کرتا رہے، طبیعت کی خواہش بھی اس کے کرنے کی ہو اور ایک گونہ لذت و محبت بھی اس کے تئیں محسوس ہو۔ اختیاری وسوسہ کی یہ صورت ”ہم“ کہلاتی ہے اور یہ بھی صرف اس اُمت سے معاف ہے، اس پر کوئی مواخذہ نہیں اور جب تک یہ عقلی صورت اختیار نہ کرے اس پر کوئی گناہ نامہ اعمال میں نہیں لکھا جاتا۔ بلکہ اگر عمل کا قصد ہو جائے اور پھر اپنے آپ کو عمل سے باز رکھے تو اس کے عوض نیکی لکھی جاتی ہے۔ ”ہم“ کے مقابلہ پر اختیاری وسوسہ کی دوسری صورت کا نام عزم ہے یعنی انسانی طبیعت اور نفس کا کسی برے خیال اور بری بات کو اپنے اندر کرنا اور جمالینا اور نہ صرف یہ کہ اس خیال سے نفرت و کراہیت نہ ہو بلکہ اس پر عمل کرنے کا ایسا پختہ ارادہ کر لینا کہ اگر کوئی خارجی مانع نہ ہو اور اسباب و ذرائع مہیا ہوں تو وہ یقینی طور پر عقلی صورت اختیار کر لے وسوسہ کی یہ صورت ایسی ہے جو قابل مواخذہ ہے لیکن اس مواخذہ کی نوعیت عقلی طور پر ہونے والے مواخذہ سے ہلکی ہوگی، مطلب یہ کہ وسوسہ جب تک اندر رہے گا اس پر کم گناہ ہوگا اور جب اندر سے نکل کر عملی صورت اختیار کرے گا تو گناہ زیادہ ہوگا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ وسوسہ کی مذکورہ بالا تقسیم ان افعال و اعمال کی نسبت سے ہے جن کے وقوع اور صدور کا تعلق ظاہری اعضاء جسم سے ہے جیسے زنا اور چوری وغیرہ وغیرہ جو باتیں دل و دماغ کا فعل کہلاتی ہیں جیسے برا عقیدہ اور حسد وغیرہ تو وہ اس تقسیم میں داخل نہیں ہیں ان کے ہمیشہ استمرار پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

وسوسوں کی معافی

① وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا وَصَّوَسَتْ بِهِ ضُدُّوْهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ أَوْ تَتَكَلَّمْ۔ (متفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ا حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے لوگوں کے ان وسوسوں کو

معاف کر دیا ہے جو ان کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں جب تک کہ وہ ان وسوسوں پر عمل نہ کریں اور ان کو زبان پر نہ لائیں۔ ”(بخاری و مسلم)

وسوسہ کو برا سمجھنا ایمان کی علامت ہے

② وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوهُ إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاطَى أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ قَالَ أَوْ قَدْ وَجَدْتُمْوه قَالُوا نَعَمْ قَالَ ذَلِكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ کے چند صحابی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اپنے دلوں میں بعض ایسی باتیں (یعنی وسوسے) پاتے ہیں جس کا زبان پر لانا بھی ہم پر اچھتے ہیں۔ سرکار نے پوچھا کیا تم واقعی ایسا پاتے ہو۔ (کہ جب کوئی ایسا وسوسہ تمہارے اندر پیدا ہوتا ہے تو خود تمہارا دل اس کو پسند کرتا ہے اور اس کا زبان پر لانا بھی تم پر اچھتے ہو؟) صحابہ نے عرض کیا جی ہاں تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کھلا ہوا ایمان ہے۔ ”(مسلم)

شیطان وسوسے پیدا کرے تو اللہ کی پناہ مانگو

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتَّى يَقُولَ مَنْ خَلَقَ ذَنْبَكَ؟ فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَلْيَسْتَعِذْ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بعض آدمیوں کے پاس شیطان آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ فلاں فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا اور اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ تاکہ پھر وہ یوں کہتا ہے کہ تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب نوبت یہاں تک آجائے تو اس کو چاہیے کہ اللہ سے پناہ مانگے اور اس سلسلہ کو ختم کر دے۔ ”(بخاری و مسلم)

تشریح: شیطان انسان کے روحانی ارتقاء کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کا بنیادی نصب العین ہی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو، جو اللہ کی ذات و صفات پر ایمان و یقین رکھتے ہیں، ورغائے اور بہکانے میں لگا رہے، یہی نہیں کہ وہ فریب کاری کے ذریعہ انسان کے نیک عمل اور اچھے کاموں میں رکاوٹ اور قطل پیدا کرنے کی سعی کرتا رہے بلکہ اس زبردست قدرت کے بل پر کہ جو حق تعالیٰ نے تکوینی مصلحت کے تحت اس کو دی ہے۔ وسوسہ اندازی کے ذریعہ انسان کی سوچ، فکر اور خیالات کی دنیا میں مختلف انداز کے شبہات اور برائی بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جن لوگوں کی سوچ، فکر اور خیالات کے سرچشموں پر ایمان و یقین کی مضبوط گرفت ہوتی ہے وہ اپنے ایمان کی فکری اور شعوری طاقت سے شیطان کے وسوسوں کو ناکارہ بنا دیتے ہیں، چنانچہ اس حدیث میں جہاں بعض شیطانی وسوسوں کی نشان دہی کی گئی ہے وہیں اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جو ان وسوسوں کو غیر مؤثر اور ناکارہ بنانے سے تعلق رکھتا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ پہلے تو شیطان اللہ کی مخلوقات اور موجودات کے بارہ میں وسوسہ اندازی کرتا ہے، مثلاً فکر و خیال میں یہ بات ڈالتا ہے کہ انسان کا وجود کس نے بنایا، یہ زمین و آسمان کی تخلیق کس کا کارنامہ ہے، چونکہ اللہ کی ذات و صفات پر ایمان رکھنے والوں کی عقل سلیم کائنات کی تمام مخلوقات و موجودات کی تخلیقی و تکوینی نوعیت کا بدیہی شعور و ادراک رکھتی ہے اس لئے مخلوقات کی حد تک شیطان کی وسوسہ اندازی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن معاملہ وہاں تازک ہو جاتا ہے جب یہ سلسلہ تازک ہو کر ذات باری تعالیٰ تک پہنچ جائے اور وسوسہ شیطانی دل و دماغ سے سوال کرے جب یہ زمین و آسمان اور ساری مخلوقات اللہ کی پیدا کردہ ہیں تو پھر خود اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا گیا کہ جوں ہی یہ وسوسہ پیدا ہو اپنے اللہ سے پناہ مانگو اور اپنے ذہن سے اس فاسد خیال کو فوراً جھٹک دو تاکہ وسوسہ شیطانی کا سلسلہ منقطع ہو جائے اللہ کی پناہ چاہنے کا مطلب محض زبان سے چند الفاظ ادا کر لینا نہیں ہے بلکہ یہ کہ ایک طرف تو اپنے فکر و خیال کو یکسو کر کے اس عقیدہ و یقین کی گرفت میں دے دو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے، وہ واجب الوجود ہے اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور

دوسری طرف ریاضت و مجاہدہ اور ذات باری تعالیٰ کے ذکر و استغراق کے ذریعہ اپنے نفس کے تزکیہ اور ذہن و فکر کے تحفظ اور سلامتی کی طرف متوجہ رہے۔ دوسرے کی راہ روکنے کا ایک فوری مؤثر طریقہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ مجلس بدل دی جائے۔ یعنی جس جگہ بیٹھنے یا لیٹے ہوئے اس طرح کا دوسرے پیدا ہو وہاں سے فوراً ہٹ جائے اور کسی دوسری جگہ جا کر کسی کام اور مشغلہ میں لگ جائے اس طرح دھیان فوری طور پر ہٹ جائے گا اور دوسرے کی راہ ماری جائے گی۔

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يَقَالَ هَذَا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ أَمْنْتُ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ۔ (تفصیل علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگ ہمیشہ اپنے دل میں مخلوقات وغیرہ کے بارے میں خیالات پکارتے رہیں گے، یہاں تک کہ کہا جائے گا (یعنی دماغ میں یہ دوسرے آئے گا) کہ اس تمام مخلوق کو خدا نے پیدا کیا ہے (تو خدا کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس شخص کے دل و دماغ میں اس قسم کا کوئی خیال اور دوسرے پیدا ہو تو وہ یہ کہے کہ میں خدا تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: شیطان کی دوسرے اندازی اور گمراہ کن خیالات کی پورش سے بچنے کے لئے ایک طریقہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایسے موقع پر (میں اللہ پر اس کے رسول پر ایمان لایا) پھنسا چاہیے، اس کلمہ کے ورد کے ذریعہ زبان یہ اقرار و اعتراف کرے گی کہ میں اللہ کی ذات پر اور اس کے سچے رسول پر ایمان رکھتا ہوں جس نے ہمیں آگاہ کیا ہے کہ اس کی ذات واجب الوجود ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا بلکہ تمام جہاں کا اور تمام چیزوں کا وہی خالق ہے وہی دل و دماغ میں ان باتوں کی صحت و صداقت کا یقین راسخ ہو گا اور ذہن و فکر کو برے خیالات سے تحفظ و سلامتی حاصل ہوگی جس کے سبب شیطان اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے

⑤ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وَكَّلَ بِهِ قَرِينٌ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِينُهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ قَالُوا وَإِنَّكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَإِنَّمَا وَلِيُّنَا اللَّهُ فَأَعَانِنِي عَلَيْهِ فَاسْلَمْ فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ ایک ہزار جنوں (شیطان) میں سے اور ایک ہزار فرشتوں میں سے مقرر نہ کیا گیا ہو، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی لیکن خدا نے مجھ کو اس (جن موکل) سے مقابلہ کرنے میں مدد دے رکھی ہے اس لئے میں اس (کے کمزور فرب اور اس کی گمراہی) سے محفوظ رہتا ہوں، بلکہ یہاں تک کہ وہ بھی مجھے بھلائی کا مشورہ دیتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے ساتھ موکل ہوتے ہیں ان میں سے ایک تو فرشتہ ہے جو نیکی و بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور انسان کو اچھی باتیں دینے کا کام سکھاتا ہے اور اس کے قلب میں خیر و بھلائی کی چیزیں ڈال رہا ہے، اس کو ”ملہم“ کہتے ہیں، دوسرا ایک جن (شیطان) ہوتا ہے، جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کو برائی کے راستہ پر ڈالتا رہے۔ چنانچہ وہ گناہ و معصیت کی باتیں بتاتا ہے اور دل میں برے خیالات و غلط سوچ پیدا کرتا رہتا ہے اس کا نام ”وسواس“ ہے۔

شیطان انسان کی رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے

⑥ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِّ۔ (تفصیل علیہ)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان کے اندر شیطان اس طرح دوڑتا پھرتا ہے جیسے رگوں میں خون گردش کرتا

رہتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ شیطان انسان کو بہکانے کی کامل قدرت رکھتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ مختلف ظاہری صورتوں میں اچھے انسانوں اور نیک بندوں کو نیکی و بھلائی کے راستہ پر چلنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے بلکہ انسان کی داخلی کائنات میں گھس کر اس کے ذہن و فکر اور اس کے قلب و دماغ کو پرانندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ولادت کے وقت بچہ کا رونا شیطانی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ بَنِي آدَمَ مَوْلُودٌ إِلَّا يَمْسُهُ الشَّيْطَانُ حِينَ يُولَدُ فَيَسْتَهْلِكُ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ غَيْرَ مَزِيدٍ وَانْهَاهَا - (متن علیہ)

"اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی آدم کے یہاں جو بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان اس کو چھوتا ہے جس کی وجہ سے بچہ چیخ اٹھتا ہے لیکن ابن مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اور ان کی ماں کو شیطان نے نہیں چھوا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: شیطان کے چھونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ولادت کے وقت بچہ کی کوکھ میں اپنی انگلیاں اس طرح مارتا ہے کہ بچہ تکلیف محسوس کرتا ہے اور چلا چلا کر رونے لگتا ہے۔ اس شیطانی ایذا کا شکار ہر بچہ ہوتا ہے۔ صرف حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شیطانی عمل سے محفوظ رہے تھے ان دونوں کا محفوظ رہنا بظاہر اس دعا کی مقبولیت کا نتیجہ تھا جو حضرت مریم کی والدہ نے کی تھی اور جس کو قرآن نے یوں نقل کیا ہے۔

إِنِّي أَعِيزُكَ هَابِلَكَ وَذُرِّيَّتَهُمَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ - (ال عمران ۳۶)

"(اے خدا) میں اس مریم کو اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔"

حدیث میں مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا ہے کہ ان کی والدہ سے صراحۃً دعا منقول ہے اس لئے حضور ﷺ نے بھی صراحۃً اس کے قبول ہونے کو ظاہر فرمادیا ہے۔ لہذا یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے انبیاء کو شیطان نے بوقت ولادت چھوا ہو اور ان کو تکلیف پہنچائی ہو۔

یہاں یہ اشکال بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اگر شیطان کو اتنی قدرت ہو تو وہ سب کو ہلاک کر دے۔ کیونکہ شیطان کو صرف اتنی ہی قدرت دی گئی ہے وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا اور نہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ کسی کو اس سے زیادہ تکلیف پہنچا کر ہلاک کر دے، دوسرے شیطان کے مقابلہ میں ملائکہ بھی تو ہوتے ہیں جو نگہبانی کرتے ہیں اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کو جتنی قدرت دی گئی ہے اس سے تجاوز کر جائے اور اپنے کسی مہلک ارادہ میں کامیاب ہو جائے۔

⑦ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَبَاخُ الْمَوْلُودِ حِينَ يَقَعُ نَزَاغَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ - (متن علیہ)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ولادت کے وقت بچہ اس لئے چلاتا ہے کہ شیطان اس کو کچھ کے لگاتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

میاں بیوی کے درمیان شیطان کا پسندیدہ کام

⑧ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ ابْلِيسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ يَتَّبِعُ سَرَايَاهُ يَفْتِنُونَ النَّاسَ فَأَذْنَاهُمْ مِنْهُ مَثْرَلَةٌ أَكْظَمُهُمْ فِتْنَةً يَجْعَلُ أَخَذَهُمْ فَيَقُولُ فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا فَيَقُولُ مَا صَنَعْتَ شَيْئًا قَالَ ثُمَّ يَجْعَلُ أَخَذَهُمْ فَيَقُولُ مَا تَرَكْتُهُ حَتَّى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ قَالَ فَيَذِيبُهُ مِنْهُ وَيَقُولُ نَعَمْ أَنْتَ قَالَ الْأَعْمَشُ أَرَاهُ قَالَ

فیلنڈم (روا مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابلیس اپنا تخت حکومت پانی (یعنی سمندر) پر رکھتا ہے۔ پھر وہاں سے اپنی فوجوں کو روانہ کرتا ہے تاکہ لوگوں کو فتنہ اور گمراہی میں مبتلا کریں۔ اس کی فوجوں میں ابلیس کا سب سے بڑا مقرب وہ ہے جو سب سے بڑا فتنہ انداز ہو۔ ان میں سے ایک ابلیس آکر کہتا ہے۔ میں نے فلاں فلاں فتنے پیدا کئے ہیں، ابلیس اس کے جواب میں کہتا ہے: تو نے کچھ نہیں کیا، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے! میں نے (ایک بندہ کو گمراہ کرنا شروع کیا اور اس وقت تک اس شخص کا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی نہ ڈلوادی۔ آنحضرت فرماتے ہیں کہ ابلیس (یہ سن کر) اس کو اپنے قریب بٹھالیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو نے اچھا کام کیا (حدیث کے ایک راوی) اعمشؒ کہتے ہیں میرا خیال ہے جابرؓ نے بجائے مفید نیہ کے (فیلنڈم) ابلیس اس کو گلے لگالیتا ہے (کے الفاظ نقل کئے تھے۔)“ (مسلم)

تشریح: جدائی ڈلوانے سے مراد لڑائی جھگڑے کے ذریعہ مرد کی زبان سے ناجحی میں ایسے الفاظ ادا کر دینا ہے جن سے اس کی بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے۔ طلاق بائن میں عورت اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے، اس سے شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مرد اپنی جہالت کے سبب اس عورت کو اپنے نکاح میں داخل سمجھتے ہوئے اس سے صحبت کرتا رہے جو دراصل حرام کاری ہوتی ہے اور اس طرح کے لوگوں کی حرام کاری کے نتیجہ میں ناجائز اولاد پیدا ہوتی رہے، جس سے روئے زمین پر ناجائز اولاد کی تعداد بڑھتی رہے اور وہ ناجائز پیدا ہونے والے لوگ دنیا میں فسق و فجور اور گناہ و معصیت زیادہ سے زیادہ پھیلاتے رہیں۔

جزیرۃ العرب میں توحید کی مضبوط بنیاد سے شیطان مایوسی کا شکار

⑩ وَعَلَنَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ مِنْ أَنْ يَغْنَبَهُ الْمُفْضَلُونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَلَكِنْ فِي التَّخَرُّشِ يَنْتَهِمُ۔ (روا مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں مصلیٰ (یعنی مسلمان) اس کی پرستش کریں لیکن ان کے درمیان فتنہ و فساد پھیلانے سے مایوس نہیں ہوا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ جزیرۃ العرب میں ایمان و اسلام کی جڑیں اتنی مضبوط ہو گئیں ہیں اور توحید کا کلمہ یہاں کے لوگوں کے دل و دماغ میں اس طرح جم گیا ہے کہ اب اس خطہ ارض میں بت پرستی جیسی لعنت کبھی نظر نہیں آئے گی چنانچہ اس بارہ میں شیطان نے بھی اپنی شکست تسلیم کر لی ہے اور وہ اس بات سے قطعاً مایوس ہو گیا ہے کہ یہاں کے مؤمن و مسلمان اس کے بہکاوے میں آکر بت پرستی اور دوسری کھلی ہوئی مشرکانہ حرکتوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں، لیکن ہر صورت بہکانا اور درغلانا چونکہ شیطان کی فطرت ہے اس لئے اس نے جزیرۃ العرب کے لوگوں میں اپنا شمن ختم نہیں کیا ہے اور اس بات میں پر امید ہے کہ ان کے درمیان طرح طرح جذبات ابھار کر ان کو ابلیس میں لڑایا جاسکتا ہے۔ ان کو افتراق و انتشار کے فتوں میں مبتلا کیا جاسکتا ہے۔

اس حدیث کے پس منظر میں یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ زمانہ رسالت سے لے کر آج تک کبھی بھی جزیرۃ العرب میں بت پرستی نہیں ہوئی۔ کھلے ہوئے مشرکانہ اعمال کا کبھی مظاہرہ نہیں ہوا۔ یہ دوسری بات ہے کہ شیطان کمزور عقیدہ لوگوں کو ایمان و اسلام سے منحرف کرنے میں کامیاب ہو گیا، کچھ لوگ مرتد ہو گئے ہوں لیکن ان میں سے بھی کوئی بت پرست ہو گیا ہو ایسا ہرگز نہیں ہوا۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

شیطانی وسوسہ سے محفوظ رہنے پر اللہ کا شکر ادا کرو

⑪ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنِّي أَخَذْتُ نَفْسِي بِالشَّيْءِ لِأَنِّي أَكُونُ حُمْصَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمُ بِهِ قَالَ أَخَذْتُ لِلَّهِ الَّذِي أَمَرَهُ إِلَى التَّوَسُّلِ سَبْعَةً (رواه البراءة)

”حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابیؓ نے حاضر ہو کر عرض کیا (یا رسول اللہ) میں اپنے اندر ایسا (برا) خیال پاتا ہوں کہ زبان سے اس کے اظہار کے بجائے جل کر کوئلہ ہو جانا مجھ کو زیادہ پسند ہے۔ آنحضرت ﷺ نے (یہ) سن کر فرمایا! اللہ کا شکر ادا کرو جس نے اس خیال کو وسوسہ کی حد تک رکھا۔“ (البراءة)

تشریح: شیطان نے ان صحابی کے اندر کوئی برا خیال ڈال دیا ہو گا جس سے ان کے ایمان کی حیاتی کیفیت بے چین ہو گئی ہوگی اور وہ بھگتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے، آنحضرت ﷺ نے ان کو تسلی دی کہ اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، یہ تو اللہ کا بڑا فضل ہے کہ تمہارا ایمانی احساس و شعور پوری طرح بیدار ہے اور اس پر بے خیال کو خود تمہارے دل و دماغ نے قبول نہیں کیا اور وہ ”وسوسہ“ کی حد سے آگے بڑھنے نہیں پایا۔ اس طرح کے وسوسہ پر نہ کوئی مواخذہ ہے اور نہ کسی نقصان کا خدشہ، اس کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف قرار دیا ہے، ہاں اگر وہ برا خیال وسوسہ کی حد سے آگے بڑھ کر تمہاری زبان یا عمل سے ظاہر ہو جاتا تو پھر تمہارے لئے خطرہ کی بات تھی۔

اپنے اندر نیکی کی تحریک پر اللہ کا شکر ادا کرو اور شیطان کی وسوسہ اندازی کے وقت اللہ کی پناہ چاہو

⑫ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَثَةً بَيْنَ اذْمٍ وَلِلْمَلَكِ لَمَثَةً فَأَمَّا لَمَثَةُ الشَّيْطَانِ فَيَا بُعَادَ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيبَ الْحَقِّ وَأَمَّا لَمَثَةُ الْمَلَكِ فَيَا بُعَادَ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيقَ الْحَقِّ فَمَنْ وَجَدَ ذَلِكَ فَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ مِنَ اللَّهِ فَلْيَحْمَدِ اللَّهَ وَمَنْ وَجَدَ الْآخَرَ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ثُمَّ قَرَأَ الشَّيْطَانُ يَبْعَثُكُمْ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ (البقرة ۲۶۸) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان پر ایک تصرف تو شیطان کا ہوا کرتا ہے اور ایک تصرف فرشتہ کا شیطان کا تصرف تو یہ ہے کہ وہ برائی پر ابھارتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے اور فرشتہ کا تصرف یہ ہے کہ وہ نیکی پر ابھارتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے لہذا جو شخص (نیکی پر فرشتہ کے ابھارنے کی) یہ کیفیت اپنے اندر پائے تو اس کو بھٹکا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے (ہدایت) ہے اس پر اس کو اللہ کا شکر بجالانا چاہیے اور جو شخص دوسری کیفیت (یعنی شیطان کی وسوسہ اندازی) اپنے اندر پائے تو اس کو چاہیے کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرے پھر آپ ﷺ نے یہ قرآنی آیت پڑھی (جس کا ترجمہ ہے) شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور گناہ کے لئے اکساتا ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: فرشتہ کے ابھارنے کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ نیکی کی اہمیت اور نیکی پر ملنے والے اجر و انعام کی کشش ظاہر کرتا ہے اور انسان کے احساس و شعور میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اللہ کا سچا دین ہی انسانیت کی بقا و ترقی کا ضامن ہے اللہ کے رسول جو شریعت لے کر آئے ہیں اسی میں بنی آدم کی بنیادی اور آخری نجات پوشیدہ ہے۔ اگر اپنی فلاح و نجات چاہتے ہو تو برائی کے راستہ سے بچو اور نیکی کے راستہ کو اختیار کرو۔ شیطان کا ابھارنا یہ ہوتا ہے کہ وہ راہِ حق کو تاریک کر کے دکھاتا ہے وسوسہ اندازی کے ذریعہ دین کی بنیادی باتوں مثلاً توحید، نبوت

آخرت اور دوسرے مستقدمات میں تردد و تشکیک پیدا کرتا ہے۔ نیکی کو بد نما صورت میں اور بدی کو اچھی شکل و صورت میں پیش کرتا ہے، انسانی دماغ میں یہ بات بٹھانے کی سعی کرتا ہے کہ اگر ان چیزوں کو اختیار کرو گے جو نیکی سے تعبیر کی جاتی ہیں تو پریشانیوں اٹھاؤ گے، تکلیفیں برداشت کرو گے، مثلاً توکل و قناعت کی زندگی اختیار کرو گے اور اپنے اوقات کو دنیا سازی میں صرف کرنے کی بجائے اللہ کی عبادت اور دین کی خدمت میں لگاؤ گے تو تم نہ مال و دولت حاصل کر پاؤ گے اور نہ دنیا کی کوئی آسائش و راحت اٹھا پاؤ گے، اگلے فقر و محتاجی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

وسوسے پیدا ہوں تو شیطان کو تھکار دو اور اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو

(۱۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يَقَالَ هَذَا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ فَإِذَا قَالُوا ذَلِكَ فَقُولُوا اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ثُمَّ لِيَسْتَفْلِ عَنْ بَسَائِرِهِ ثَلَاثًا وَلِيَسْتَعِذَّ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَسَنَدُ كُتُبِ حَدِيثِ عُمَرُو بْنِ الْأَخْوَصِ فِي بَابِ خُطْبَةِ يَوْمِ النَّحْرِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا لوگ (پہلے تو مخلوقات وغیرہ کے بارے میں) پوچھا پوچھی کریں گے۔ اور پھر آخر میں یہ سوال کھڑا کیا جائے گا کہ ساری مخلوقات کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو خود اللہ کس نے پیدا کیا ہے؟ جب یہ سوال کھڑا کیا جائے تو تم کہو اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جتا ہے اور نہ کسی نے اس کو جتا ہے۔ اور کوئی اس کا مسر (یعنی جوڑا نہیں ہے) پھر اپنی بائیں طرف تین بار تھکار دو۔ اور شیطان (مردود سے اللہ کی پناہ مانگو۔) (ابوداؤد اور (صاحب مشکوٰۃ کہتے ہیں) کہ عمرو ابن اخوص کی روایت (جس کو صاحب مصابیح نے یہاں نقل کیا تھا) ہم اس کو (خطبہ یوم النحر کے باب میں نقل کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ) (کیونکہ وہ روایت اسی باب کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

شیطانی وسوسوں سے چوکنار ہو

(۱۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَبْتَغِيَ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يَقُولُوا هَذَا اللَّهُ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَلِمُسْلِمٍ قَالَ قَالَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ إِنَّ أَمْتَكَ لَا يَزَالُونَ يَقُولُونَ مَا كَذَبْنَا مَا كَذَبْنَا حَتَّى يَقُولُوا هَذَا اللَّهُ خَلَقَ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ۔

”حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ آپس میں پوچھا پوچھی کرتے رہیں گے (یعنی شیطانی وسوسوں کی صورت میں ان کے اندر اس طرح کے خیالات پیدا ہوتے رہیں گے) کہ جب ہر چیز کو خدا نے پیدا کیا (تو خدا کے بزرگ و برتر کو کس نے پیدا کیا؟) (بخاری و مسلم کی روایت میں یوں ہے! انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ ﷺ کی امت کے لوگ (اگر شیطان کے وسوسہ اندازی سے چوکنار نہ رہے تو پہلے ایوں کہیں گے کہ یہ کیا ہے؟ اور یہ کیسے ہوا؟) (یعنی مخلوقات کے بارے میں حقیق و تجسس کریں گے) اور پھر آخر میں یہ کہیں گے کہ تمام چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو خدا کے بزرگ و برتر کو کس نے پیدا کیا ہے؟۔“

نہات کے دوران شیطان کی خلل اندازی

(۱۵) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ خَالَ بَيْنِي وَبَيْنَ صَلَاتِي وَتَيْنَ قِرَاءَتِي

يَلْبِسُهَا عَلَيَّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ شَيْطَانٌ يَقَالُ خَيْرٌ فَإِذَا أَحْسَنْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْهُ وَانْقُلْ عَلَيَّ يَسَارِكَ ثَلَاثًا فَقَعَلْتُ ذَلِكَ فَأَذْهَبَ اللَّهُ عَنِّي - (رواه مسلم)

”اور حضرت عثمان ابن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے اور میری نماز اور میری قرأت کے درمیان شیطان جاگن ہو جاتا ہے اور ان چیزوں میں شبہ ڈالتا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ شیطان ہے جس کو خیر تر کہا جاتا ہے نہ جس کو جیب نہیں اس کا احساس ہو کہ شیطان وسوسا و شبہات میں مبتلا کرے گا تو تم اس (شیطان مردود) سے خدا کی پناہ مانگو اور بائیں طرف تین دفعہ تھکار دو۔ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق) میں نے اسی طرح کیا تو خدا تعالیٰ نے مجھے اس کے وسوسا و شبہات سے محفوظ رکھا۔“ (مسلم)

وہم اور وسوسہ کو نظر انداز کر کے اپنی نماز جاری رکھو

(۱۶) وَعَنْ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ فَقَالَ إِنِّي أَهَمُّ فِي صَلَاتِي فَيَكْثُرُ ذَلِكَ عَلَيَّ فَقَالَ لَهُ اِمْنُصْ فِي صَلَاتِكَ فَإِنَّهُ لَنْ يَذْهَبَ ذَلِكَ عَنْكَ حَتَّى تَنْصَرِفَ وَأَنْتَ تَقُولُ مَا أَتَمَمْتُ صَلَاتِي - (رواه مالك)

”اور حضرت قاسم بن محمدؓ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے اپنی نماز میں وہم ہوتا رہتا ہے (یعنی کبھی تو یہ شک ہوتا ہے کہ میری نماز درست اور انیس ہوئی کبھی یہ وہم ہو جاتا ہے کہ ایک رکعت پڑھنے سے رہ گئی ہے) اس کی وجہ سے مجھے گرائی ہوتی ہے؟ انہوں نے فرمایا (تم اس طرح کے خیال پر دھیان نہ دو اور اپنی نماز پوری کرو، اس لئے کہ وہ (شیطان) تم سے جب ہی دور ہو گا کہ تم اپنی نماز پوری کر لو اور کہو کہ ہاں میں نے اپنی نماز پوری نہیں کی۔“ (مالک)

تشریح: نمازی وہ سب سے اہم عبادت ہے جس میں اللہ کے نیک بندوں کو بہکانے اور ورغلانے کے لئے شیطان اپنی سعی و کوشش سب سے زیادہ صرف کرتا ہے۔ یہ شیطان کی تخریب کاری ہوتی ہے۔ جو عام لوگوں کو نماز کے دوران پوری ذہنی یکسوئی سے محروم رکھتی ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نماز کی نیت باندھے ہی دل و دماغ میں دنیا بھر کے خیالات کا اجتماع ہونا شروع ہو جاتا ہے، وہ باتیں جو سمجھی یا نہیں آتیں نمازی کے دوران ذہن میں گلبلانے لگتی ہیں۔ شیطان طرح طرح کے دوسرے اور خیالات پیدا کرتا رہتا ہے، کبھی تو یہ پھونک دیتا ہے کہ نماز مکمل نہیں ہوئی ہے بلکہ ایک رکعت یا دو رکعت چھوٹ گئی ہے، کبھی یہ وہم گزار دیتا ہے کہ نماز صحیح نہیں ہوئی ہے۔ فلاں رکن ترک ہو گیا ہے۔ قرأت میں فلاں آیت چھوٹ گئی ہے۔ اس وسوسہ اندازی سے شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نمازی اپنی نماز کا سلسلہ منقطع کر دے اور نیت توڑ دے۔ شیطان کی اس تخریب کاری سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب شیطانی اثر سے اس طرح کے واہے اور شکوک پیدا ہوں تو اپنی نماز کا سلسلہ منقطع نہ کرو، نیت نہ توڑو، بلکہ نماز پوری کرو اور شیطان سے کہو کہ ہاں میں غلطی کر رہا ہوں، نماز میری درست نہیں ہو رہی ہے لیکن میں نماز پڑھوں گا اور تیرے کہنے پر عمل نہیں کروں گا۔ علما لکھتے ہیں کہ یہ طریقہ شیطانی اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے بہت ہی کارگر ہے۔ اس لئے کہ اس طرح شیطان نمازی سے مایوس ہو جاتا ہے اور جب وہ یہ جان لیتا ہے کہ یہ میرے قبضے

سے عثمان بن ابی العاصؓ کی کتبت ابو عبد اللہ ہے قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے ہیں اسی لئے لفظی کہلاتے ہیں آپ اپنے قبیلہ ثقیف کے وفد کے ہمراہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کر کے ہدایت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد آنحضرت نے ان کو اپنے قبیلہ کا امیر مقرر کر دیا تھا وفات نبوی کے بعد جب اہل طائف ارتداد کی طرف مائل ہونے لگے تو عثمانؓ ابی العاصؓ کی ذات تھی جس نے ان کو ارتداد سے باز رکھا آپ نے بصرہ میں ۵۱ھ میں وفات پائی۔

۱۱۱ھ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہوتے اور محمد بن ابوبکرؓ کے صاحب زادے ہیں، مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک آپ بھی ہیں اکابر اور عظیم القدر تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے یحییٰ بن سعید کا قول ہے کہ ہم نے مدینہ میں قاسم بن محمدؓ سے زیادہ افضل کسی کو نہیں پایا پھر ۱۰۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

میں آنے والا نہیں ہے تو اس کے پاس سے ہٹ جاتا ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ نمازی کو یقین ہے کہ میں نماز ٹھیک پڑھ رہا ہوں، نماز کے ارکان و افعال اور قرأت میں کوئی کوتاہی یا غلطی واقع نہیں ہو رہی ہے اور اگر واقعی اس کی نماز میں کوئی کوتاہی واقع ہو رہی ہے یا ارکان کی ادائیگی میں غلطی ہو رہی ہے اور اس کا احساس ہو رہا ہے تو اس غلطی کو کوتاہی کو دور کرنا اور نماز کی صحت و درستی کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔

دراصل اس حکم کہ شیطانی خلل اندازی سے صرف نظر کر کے اپنی نماز پوری کرے، کا بنیادی مقصد اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ شیطان سے چوکنار ہو۔ اس کو اثر انداز ہونے کا موقع نہ دے، اپنے دل و دماغ کو اتنا پاکیزہ اور محلی رکھو کہ شیطانی وسوسوں اور واہموں کو راہ نہ ملے۔ نماز اس قدر ذہنی یکہ و یک توجہ اور حضور قلب کے ساتھ پڑھو کہ شیطان تمہارے پاس آنے کا ارادہ ہی نہ کرے اس حکم کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ غیر درست عمل کو درست نہ کرو اور سہل انگاری دکھاؤ۔

بَابُ الْإِيمَانِ بِالْقَدَرِ تقدیر پر ایمان لانے کا بیان

تقدیر پر ایمان لانا فرض اور لازم ہے یعنی وجود ایمان کے لئے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ بندوں کے تمام اعمال خواہ وہ نیک ہوں یا بد، ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھ دیے گئے ہیں، بندہ سے جو عمل بھی سرزد ہوتا ہے وہ خدا کے علم و اندازہ کے مطابق ہوتا ہے، لیکن خدا نے انسان کو عقل و دانش کی دولت سے نوازا کہ اس کے سامنے نیکی اور بدی دونوں راستے واضح کر دیے ہیں اور ان پر چلنے کا اختیار دے دیا اور بتا دیا کہ اگر نیکی کے (راستہ کو) اختیار کرو گے تو خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہو گا جس پر جزا و انعام سے نوازا جائے گا اور اگر بدی کے راستہ کو اختیار کرو گے تو یہ خدا کے غضب اور اس کی ناراضگی کا باعث ہو گا جس کی وجہ سے سزا اور عذاب کے مستحق گردانے جاؤ گے۔

اب اس واضح اور صاف ہدایت کے بعد جو شخص نیکی و بھلائی کے راستہ کو اختیار کرتا ہے تو وہ ازراہ فضل و کرم خدا کی رحمت سے نوازا جائے گا اور اس پر خدا کی جانب سے فلاح و سعادت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اگر کوئی عقل کا اندھا اپنے کسب و اختیار سے برائی کے راستہ کو اختیار کرتا ہے تو وہ ازراہ عدل مزا کا مستوجب ہو گا اور اسے عذاب و تباہی کے غار و زرخ میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ تقدیر کا مسئلہ عقل و فکر کی دہرائی سے باہر ہے کیونکہ یہ خدا کا ایسا ایک راز ہے جس کا انسانی عقل میں آنا تو دور کتنا راستہ نہ تو کسی مقرب فرشتہ پر ظاہر کیا گیا ہے اور نہ ہی اس کا بھید کسی پیغمبر اور رسول کو معلوم ہے۔ اس لئے اس مسئلہ میں زیادہ غور و فکر کرنا اور اس میدان میں عقل کے گھوڑے دوڑانا جائز نہیں ہے بلکہ تحقیق و جستجو کے تمام راستوں سے ہٹ کر صرف یہ اعتقاد رکھنا ہی فلاح و سعادت کا ضامن ہے کہ خدا نے یہ مخلوق پیدا کر کے ان کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے، ایک گروہ وہ ہے جو اچھے اعمال اور نیک کام کرنے کی بنا پر خدا کی جنت اور اس کی نعمتوں کا مستحق ہو گا جو محض اس کا فضل و کرم ہو گا۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جو برے اعمال کے کرنے کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا جو عین عدل ہو گا۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تضا و قدر کے بارہ میں سوال کیا، حضرت علیؑ نے فرمایا ”یہ ایک بڑا راستہ ہے اس پر نہ چلو“ اس شخص نے ”پھر یہی سوال کیا“ ”انہوں نے فرمایا“ ”یہ ایک گہرا دریا ہے، اس میں نہ اترو دے“ شخص نہ مانتا اور اس نے پھر سوال کیا۔ آخر میں حضرت علیؑ نے فرمایا، ”یہ خدا کا ایک راز ہے جو تم سے پوشیدہ ہے اس لئے اس کی تفتیش و تحقیق میں مت پرد“۔

لہذا اخروی سعادت اسی میں ہے کہ اس مسئلہ کے بارہ میں خدا اور خدا کے رسول نے جو کچھ بتایا ہے اور جن اعتقادات کو ماننے کے

لے کہا ہے اس پر عمل پیرا ہو جائے، ورنہ اپنی عقل کے تیر چٹانوں اور حقیقت گمراہی کا راستہ اختیار کرنا اور تباہی و بربادی کی راہ پر لگنا ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى السَّمَاءِ - (رداء مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیروں کو لکھا ہے۔ اور ”فرمایا“ (اس وقت) اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔“ (مسلم)

تشریح: ظاہر ہے کہ اللہ کی ذات اجسام ظاہری اور مادیات کی نشاوت سے پاک ہے اس لئے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ خدا نے خود اپنے ہاتھ سے تقدیریں لکھ دی تھیں، بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ خدا نے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہی ان کی تقدیریں قلم کو جاری ہونے کا حکم دے کر اس کے ذریعہ لوح محفوظ میں ثبت کر دی تھیں، یا یہ کہ فرشتوں کو حکم دے کر ان سے تقدیریں لکھوا دی تھیں۔

یہاں پچاس ہزار برس کی مدت تحدید کے لئے نہیں ہے بلکہ اس سے کثرت مدت مراد ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے بہت پہلے ان سب کی تقدیریں لوح محفوظ میں لکھ دی گئی ہیں۔

منقول ہے کہ زمین و آسمان اور تمام مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے تمام پانی ہی پانی تھا اور کہا جاتا ہے کہ پانی کا استقرار ہوا پر تھا اور ہوا خدا کی قدرت پر قائم تھی۔ اس لئے فرمایا گیا کہ اس عالم میں ازل سے لے کر اب تک ہونے والے تمام واقعات و اعمال اسی وقت خدا کے علم میں تھے۔ جب کہ یہ زمین و آسمان بھی پیدا نہیں ہوئے تھے اور اس کا عرش پانی پر تھا جس کے درمیان کوئی دوسری چیز حاصل نہیں تھی۔

② وَعَنِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ شَيْءٍ بِقَدْرِ حَتَّى الْعَجُزُ وَالْكَيْسُ - (رداء مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر چیز تقدیر سے ہوتی ہے، یہاں تک کہ دانائی اور نادانی۔“ (مسلم)

③ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى عِنْدَ رَبِّهِمَا فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى قَالَ مُوسَى أَنْتَ آدَمُ الَّذِي خَلَقَكَ اللَّهُ بِصَدِّهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتُهُ وَأَسْكَنَكَ فِي جَنَّتِهِ ثُمَّ أَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيئَتِكَ إِلَى الْأَرْضِ قَالَ آدَمُ أَنْتَ مُوسَى الَّذِي أَصْطَفَاكَ اللَّهُ بِرِسَالَتِهِ وَبِكَلَامِهِ وَأَعْطَاكَ الْأَلْوَابَ فِيهَا بَيْنَانُ كُلِّ شَيْءٍ وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا فَبِكُمْ وَجَدَّتْ اللَّهُ كَتَبَ التَّوْرَةَ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ قَالَ مُوسَى يَا رَبِّعَيْنِ عَمَّا قَالَ آدَمُ فَهَلْ وَجَدْتَ فِيهَا وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَقَوِي قَالَ نَعَمْ قَالَ أَفَتَلَوْنِي عَلَى أَنْ عَمِلْتُ عَمَلًا كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيَّ أَنْ أَعْمَلَهُ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي يَا رَبِّعَيْنِ سَنَةَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى - (رداء مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (عالم ارواح میں) آدم و موسیٰ علیہما السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے مناظرہ کیا اور حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ وہی آدم ہیں جن کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا آپ میں اپنی روح پھونکی تھی، فرشتوں سے آپ کو مجیدہ کرایا تھا، اور اپنی جنت میں آپ کو رکھا تھا اور پھر آپ نے اپنی فطرت سے لوگوں کو زمین پر اتروادیا تھا یعنی اگر آپ خطانہ کرتے تو یہاں زمین پر نہ اتارے جاتے اور آپ کی اولاد اس دنیا میں نہ پھیلی بلکہ جنت میں رہتی) آدم علیہ السلام نے کہا تم وہی موسیٰ تو ہو جن کو خدا نے اپنے منصب رسالت سے نواز کر برگزیدہ کیا

اس کے عمل اس کی موت (کا وقت) اس کے رزق (کی مقدار) اور اس کا بد بخت و نیک بخت ہونا خدا کے حکم سے اس کی تقدیر میں لکھ دیتا ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تم میں سے ایک آدمی جنتوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا ہوا آگے آتا ہے۔ اور وہ دوزخیوں کے سے کام کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے، اور تم میں ایک آدمی دوزخیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا ہوا آگے آتا ہے اور وہ جنتوں کے سے کام کرنے لگتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: ایسا کم ہوتا ہے کہ لوگ بھلائی کے راستہ کو چھوڑ کر برائی کا راستہ اختیار کرتے ہوں لیکن خدا کی رحمت کاملہ کے صدقے اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو لوگ بد بختی و برائی کے راستہ کو اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں وہ بھلائی کی طرف آجاتے ہیں اور نیکی کے راستہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔

اس حدیث نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ ابدی نجات و عذاب کا دار و مدار خاتمہ پر ہے، اگر کسی کی پوری زندگی گناہ و معصیت یا کفر و شرک میں گزری لیکن اس نے آخر وقت میں صدق دل سے اپنی بد اعمالیوں اور گمراہی پر توبہ و شرمسار ہو کر نیک بختی و سعادت کے راستہ کو اختیار کر لیا تو وہ نجات پا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص تمام عمر نیکی و بھلائی کرتا رہا اور اس کی تمام زندگی خدا اور خدا کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزری لیکن آخر وقت میں وہ شیطان کی گمراہی یا اپنے نفس کی شرارت سے گمراہ ہو گیا اور اس نے اپنی حیات کے آخری لمحوں کو برائی و بد بختی کی بھیشت چڑھا دیا تو وہ اپنی زندگی بھری نیکیوں کے باوجود عذاب خداوندی میں مبتلا کیا جائے گا۔

لہذا اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ بھلائی و بہتری اور اخروی نجات اسی میں ہے کہ بندہ ہمیشہ اطاعت الہی اور فرمان نبوی ﷺ کی بجا آوری میں مصروف رہے، اس کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی حدود و شریعت سے تجاوز کرنے نہ پائے اور ہر آنے والے لمحہ کو یہ سوچ کر کہ شاید میری زندگی کا یہ آخری لمحہ ہو نیکی و بھلائی میں صرف کرتا رہے تاکہ خاتمہ بالآخر کی سعادت سے نواز جائے۔

اس موقع پر اتنی بات اور بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جو لوگ قضا و قدر کے مسئلوں کو دیکھ کر یہ نظریہ قائم کر بیٹھے ہیں کہ جب نجات و عذاب، نیک بختی و بد بختی اور جنت و دوزخ کا ملنا تقدیری چیز ہے تو عمل کی کیا ضرورت ہے؟ وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں چنانچہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی جو اس مسئلہ کی حقیقت کو نہیں سمجھ پائے تھے سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے اس قسم کی بات کہی تو آنحضرت نے فرمایا کہ تم عمل کئے جاؤ کیونکہ جس کے مقدر میں جو کچھ لکھا ہے اس پر اس کو اختیار بھی دیا گیا ہے۔

یعنی قضا و قدر پر بھروسہ کر کے تمہارا عمل میں توقف کرنا یا عمل سے انکار کرنا کوئی کار آمد نہیں ہوگا اس لئے کہ احکام شارع کی جانب سے وارد ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی تم کو سوچنے سمجھنے کی قابلیت اور نیکی و بدی میں امتیاز کرنے کی صلاحیت بھی دی گئی ہے، نیز تمہارے اندر قصد و جہد کا مادہ بھی پیدا کیا گیا ہے تاکہ تم ان اسباب کے ذریعہ عمل کر سکو، لہذا اب اگر تم قضا و قدر کا سہارا لے کر اسباب سے قطع نظر کر دے اور اعمال کو چھوڑ دو گے تو تباہی و بربادی کے غار میں جا گرو گے۔ ہاں یہ خدا کی یقیناً کوئی مصلحت ہوگی جس کی حقیقت و حکمت کو تو وہی جانتا ہے کہ ایک طرف تو اس نے قضا و قدر کے مسئلہ کو سامنے کر دیا دوسری طرف اعمال و افعال کے کرنے کا حکم دیا اور پھر اس مسئلہ میں تحقیق و تفتیش کرنے سے بھی منع فرما دیا، اور پھر قضا و قدر کے سہارے اعمال کی ضرورت سے انکار کر دیا جائے تو اس کا کیا جواب ہوگا کہ خدا کی جانب سے شریعت کا اتارنا، احکام بھیجنا اور رسولوں کی بعثت جن کا مقصد احکام خداوندی پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہوتا تھا بلا وجہ ہوئی کیونکہ جب محض تقدیر پر بھروسہ ہوگا کہ جس کے مقدر میں جنت میں جانا لکھا ہو گا وہ جنت میں یقیناً جائے گا اور جس کے مقدر میں دوزخ لکھی ہوگی اور دوزخ میں یقیناً جائے گا تو ان رسولوں کی بعثت اور احکام و اعمال کی بجا آوری کی تاکید کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے

گی، لہذا اس حیثیت سے بھی دیکھا جائے تو یہ خیال غلط ثابت ہوگا۔

بہر حال جس طرح اور بہت سے اسرار الہی ہیں کہ ان کی بندوں کو خبر نہیں ہے اسی طرح یہ بھی ایک راز ہے جو بندوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے، اس لئے کسی کے ظاہری عمل کو دیکھ کر اس کے جتنی یا دوزخی ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا بلکہ یہ خدا کی مرضی پر موقوف ہے کہ **يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ** (یعنی وہ جس کو چاہے (بد اعمالیوں کی بنا پر) عذاب میں مبتلا کر دے اور جس کو چاہے اپنے فضل و کرم سے بخش دے)۔

⑤ **وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلًا أَهْلُ النَّارِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلًا أَهْلُ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَأَمَّا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ۔** (متفق علیہ)

”اور حضرت سہل بن سعدؓ راوی ہیں کہ آگائے نامدار ﷺ نے فرمایا، بندہ دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے لیکن وہ جنتی ہوتا ہے اور جنتیوں کے سے کام کرتا ہے لیکن وہ دوزخی ہوتا ہے کیونکہ (نجات و عذاب کا دار و مدار خاتمہ کے عمل پر ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث نے پہلی حدیث کی توثیق کر دی ہے کہ اعمال سابق کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ ان اعمال کا اعتبار ہوگا جس پر خاتمہ ہوا ہے اس لئے کسی کی نجات و عذاب کا دار و مدار اس کے خاتمہ پر ہوگا، خاتمہ بالآخر ہوگا تو خدا کی نعمتوں اور اس کی جنت کی سعادت سے نوازا جائے گا اور اگر خدا نخواستہ خاتمہ خیر پر نہیں ہوا تو پھر عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

چنانچہ اس حدیث نے صراحت یہ بات واضح کر دی کہ بندہ کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کا ایک لمحہ اطاعت الہی میں مصروف رہے اور ہر وقت معاصی و گناہ سے بچتا رہے اس لئے کہ نامعلوم اس کا وقت آخر کب آجائے، اور وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو کہ اچانک موت کا زبردست چبھ اس کا گاد بوج لے اور اسے توبہ کی بھی مہلت نہ ملے جس کے نتیجہ میں وہاں کے دائمی خسار و عذاب میں گرفتار ہو جائے۔

⑥ **وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دُعِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى جَنَازَةٍ صَبِيٍّ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ طُوبَى لِهَذَا عَصْفُورٍ مِنْ عَصَائِفِ الْجَنَّةِ لَمْ يَعْمَلِ الشُّوءَ وَلَمْ يُذْرِكْهُ فَقَالَ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَضْلَابِ آبَائِهِمْ۔** (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک انصاری بچہ کے جنازہ پر سرکارِ دو عالم ﷺ کو بلایا گیا، میں نے کہا، یا رسول اللہ! اس بچہ کو خوشخبری ہو، یہ تو جنت کی چڑیوں میں کی ایک چڑیا ہے، جس نے کوئی برا کام نہیں کیا اور نہ برائی کی حد تک پہنچا۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ”عائشہ! کیا اس کے سوا کچھ اور ہوگا؟ یعنی اس کے بچتی ہونے کا جزم و یقین نہ کرو کیونکہ خدا نے جنت کے لئے حتیٰ لوگوں کو پیدا کیا ہے جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے اور دوزخ کے لئے بھی حتیٰ لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے۔“ (مسلم)

تشریح: بظاہر تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جنت اور دوزخ میں داخل ہونا نیک و بد عمل پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ تقدیری معاملہ ہے خدا نے ایک جماعت کے لئے ازل ہی سے جنت لکھ دی ہے اس لئے وہ جنت میں جائے گی خواہ وہ نیک اعمال کریں یا نہ کریں، اسی طرح ایک گروہ دوزخ کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو دوزخ میں یقیناً جائے گا خواہ اس کے اعمال بد ہوں یا نہ ہوں۔ لہذا یہ لڑکا اگر دوزخ کے

بل سہل بن سعد بن مالکؓ کا پہلا نام حزن تھا لیکن بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل رکھا، کنیت ابو العباس اور بعض نے ابو یحییٰ بھی لکھی ہے مدینہ میں ۸۸ھ میں ہجرت ۹۹ سال آپ کا انتقال ہوا ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زلی شان صاحبزادی اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیہنی اور محبوبہ زوجہ مطہرہ ہیں جن کا لقب صدیقہ ہے۔ آپ کی وفات کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر صرف اسی سال تھی۔ ۵۷ھ، ۵۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے اور جنت البقیع میں مدفون ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

لئے پیدا کیا گیا تھا تو وہ دوزخ میں یقیناً جائے گا اگرچہ اس سے اب تک اعمال بد صادر نہیں ہوئے ہیں۔

لیکن اس کے برخلاف اکثر آیات و احادیث اور علماء کے متفق علیہ اقوال ایسے ہیں جن سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مسلمان بچہ اگر کسی کی حالت میں انتقال کر جائے تو وہ یقیناً جنتی ہے بلکہ کفار و مشرکین کے کہن بچوں کے بارہ میں بھی صحیح یہی مسئلہ ہے کہ وہ بھی جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

لہذا اب اس حدیث کی توجیح یہی کی جائے گی کہ چونکہ حضرت عائشہؓ نے اس کے جنتی ہونے پر اس عزم و یقین کے ساتھ حکم لگایا تھا کہ گویا انہیں غیب کا علم ہے اور خدا کی مصلحت و مرضی کی راہروان ہیں، اس لئے سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کے اس جزم و یقین پر یہ تفسیر فرمائی کہ تم اپنے اس وثوق کی بنیاد پر گویا غیب دانی کا اقرار کر رہی ہو، جو کسی بندہ کے لئے مناسب نہیں ہے یا زیادہ صحیح توجیہ اس حدیث کی یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد اس وقت تک ہو گا جب تک بچوں کے جنتی ہونے کا حکم وحی کے ذریعہ معلوم نہیں ہوا تھا (اللہ اعلم)۔

(۷) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا تَنْكُلُ عَلَى كِتَابِنَا وَتَدْعُ الْعَمَلُ قَالَ أَعْمَلُوا أَفْكَلْ مُبَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ أَهْلًا مِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَأَهْلًا مِنَ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى فَسَنِيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى (آلۃ) (متفق علیہ)

”اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے ہر شخص کی جگہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ میں لکھ دی ہے۔ (یعنی یہ معین ہو گیا کہ کون لوگ جنتی ہیں اور کون لوگ دوزخی ہیں) صحابہؓ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! کیا تم اپنے نوشتہ تقدیر پر بھروسہ کر بیٹھیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم عمل کرو اس لئے کہ جو شخص جس چیز کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس پر اسے آسانی اور توفیق دی جاتی ہے لہذا جو شخص نیک جنتی کا اہل ہوتا ہے خدا اس کو نیک جنتی کے اعمال کی توفیق دیتا ہے اور جو شخص بد جنتی کا اہل ہوتا ہے اس کو بد جنتی کے اعمال کا موقع دیا جاتا ہے اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) ”جس نے خدا کی راہ میں دیا، پرہیزگاری کی اور اچھی بات (دین و اسلام) کو چمکا، اس کے لئے ہم آسانی کی جگہ (جنت) آسان کر دیں گے لیکن جس نے بخل کیا اور (خواہشات نفسانی و دنیاوی) چمک دمک میں پھنس کر آخرت کی نعمتوں سے بے پروائی کی، نیز عمدہ بات (دین و اسلام) کو جھٹلایا تو اس کے لئے ہم مشکل جگہ (دوزخ کی راہ) آسان کر دیں گے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے جواب کا منشاء یہ تھا کہ تم لوگ تقدیر پر بھروسہ کر کے عمل چھوڑنے کو جو کہتے ہو وہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ جنت و دوزخ کا پہلے مقدر میں لکھا جاتا اور ہر ایک کے بارہ میں معین ہو جاتا کہ کون نیک جنت ہے اور کون بد جنت، اعمال کو ترک کرنے کا باعث نہیں ہے اس لئے کہ خدا نے اپنی ربوبیت والوہیت کے اظہار کے طور پر جو کچھ احکام دیے ہیں اور جو فرائض بندوں پر عائد کئے ہیں اس پر عمل کرنا اور احکام کی پیروی کرنا مقتضائے عبودیت بندوں پر لازم و ضروری ہے کیونکہ عمل ہی کو نیک جنتی و بد جنتی کا نشان قرار دیا گیا ہے کہ جو کوئی عمل کرے گا اس کو نیک جنت سمجھا جائے گا اور جو عمل نہیں کرے گا اس کو بد جنت سمجھا جائے گا اور پھر یہ بھی تقدیری معاملہ ہے کہ خدا نے جس کے مقدر میں نیک جنت ہونا لکھ دیا ہے وہ یقیناً اعمال کو پورا کرے گا اور جس کے مقدر میں بد جنت ہونا لکھا گیا ہے وہ اعمال کو چھوڑ کر گمراہی میں جا پڑے گا۔

جہاں تک ثواب و عذاب کا معاملہ ہے وہ خدا کی مرضی اور اس کی مصلحت پر موقوف ہے وہ جو بھی معاملہ کرے گا اس پر اسے اختیار

امیر المؤمنین حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی، آپ کی سب سے لاڈلی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر اور چچے خلیفہ راشد ہیں ان کی کنیت ابو الحسن اور ابو تراب ہے آخر عمر وہ مفلح ۳۰ھ میں آپ نے انتقال فرمایا اور شہادت کا درجہ پایا، اس وقت آپ کی عمر واقعہ کی تحقیق کے مطابق ۳۳ برس کی تھی تین دن کم باقی سال تک آپ خلیفہ رہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ہو گا اس میں کسی کے جبر و اکراہ کو دخل نہیں ہوگا۔

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَقَّهُ مِنَ الزَّنا أَدْرَكَ ذَلِكَ لَا مُحَالَاةَ فَرْنَا الْعَيْنَ النَّظْرَ وَزْنَا اللِّسَانَ الْمَنْطِقَ وَتَشْتَهَى وَالْفَرْجَ يُصَدِّقُ ذَلِكَ وَيَكْذِبُهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَصِيئَتُهُ مِنَ الزَّنا مَذْرُوكُ ذَلِكَ لَا مُحَالَاةَ الْعَيْنَانِ زَنَا هُمَا النَّظْرُ وَالْأَذْنَانِ زَنَا هُمَا الْإِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زَنَا الْكَلَامُ وَالْيَدُ زَنَا الْبُطْشُ وَالرِّجْلُ زَنَا الْخُطَا وَالْقَلْبُ يَهْوَى وَيَتَمَنَّى وَيُصَدِّقُ ذَلِكَ الْفَرْجُ وَيَكْذِبُهُ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”خدا نے انسان کی تقدیر میں جتنا حصہ زنا کا لکھ دیا ہے وہ ضرور اس سے عمل میں آئے گا، آنکھوں کا زنا تو نامحرم کی طرف دیکھنا ہے اور زبان کا زنا نامحرم عورتوں سے شہوت انگیز باتیں کرنا، اور نفس آرزو خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس آرزو کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب۔ (بخاری و مسلم) کی ایک روایت ہے کہ ”آدی کی تقدیر میں زنا کا جتنا حصہ لکھ دیا گیا ہے اس کو وہ ضرور عمل میں لائے گا۔ آنکھوں کا زنا (نامحرم کی طرف) دیکھنا ہے، کانوں کا زنا (نامحرم عورت سے شہوت انگیز باتیں سننا) ہے اور زبان کا زنا نامحرم عورت سے شہوت انگیز باتیں کرنا ہے اور ہاتھوں کا زنا (نامحرم عورت کو برے ارادہ سے) چھونا ہے اور پاؤں کا زنا (بدکاری کی طرف) جانا ہے اور دل خواہش و آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔“

تشریح: اصل زنا تو یہی ہے کہ کسی نامحرم عورت سے بدکاری میں مبتلا ہو، لیکن اصطلاح شریعت میں ان حرکات و اعمال کو بھی مجازاً زنا کہا جاتا ہے جو حقیقی زنا کے لئے اسبابِ کارِ جہر رکھتے ہیں یا جو اس تک پہنچاتے ہیں، مثلاً کسی نامحرم عورت سے شہوت انگیز باتیں کرنا، یا بری نظر سے اس کی طرف دیکھنا، یا گندے خیال کے ساتھ اس کی باتیں سننا، یا برے ارادہ سے اس کا ہاتھ چھونا، یا اسی طرح گندے خیالات کے ساتھ کسی نامحرم عورت کے پاس جانا، یہ سب چیزیں چونکہ حقیقی زنا کی محرک بنتی ہیں جو آگے چل کر بدکاری میں مبتلا کر دیتی ہیں اس لئے ان کو بھی مجازاً زنا کہا جاتا ہے، تاکہ ان حرکات و اسباب کی نفرت و کراہت دلوں میں بیٹھ جائے اور لوگ ان سے بھی بچنے لگیں۔

بہر حال حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے مقدر میں زنا کا جتنا حصہ لکھ دیا جاتا ہے وہ اسے عمل میں لاتا ہے، اب چاہے تو اس کے مقدر میں محض مجازی زنا لکھا ہو یا حقیقی زنا، لیکن خدا جن کو ان قبیح افعال سے محفوظ رکھتا ہے وہ ان سے باز رہتے ہیں اور وہ ان چیزوں سے بھی پرہیز کرتے رہتے ہیں جن کی موجودگی میں کسی معصیت و گناہ کے خیال کا بھی شائبہ پایا جاتا ہو جو گناہ و معصیت کی طرف لے جانے کا سبب بنتے ہوں۔

”شرمگاہ کی تصدیق و تکذیب“ کا مطلب یہ ہے کہ جب نفس انسانی ہوا و ہوس کا غلام بن جاتا ہے اور وہ غلط و حرام فعل کی خواہش کرتا ہے تو اگر شرمگاہ اس کے اس غلط و ناجائز خواہش پر عمل کرتی ہے اور زنا میں مبتلا ہو جاتی ہے تو یہی اس کی تصدیق ہوتی ہے، یا اگر کسی احساس و شعور اور ضمیرِ خدا کے عذاب سے لرزاں اور اس کے خوف سے بھرا ہوا ہوتا ہے تو شرمگاہ نفس کی خواہش کی تکمیل سے انکار کر دیتی ہے اور وہ بدکاری میں مبتلا نہیں ہوتا یہ اس کی تکذیب ہوتی ہے۔

⑨ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلَيْنِ مِنَ مُزَيْنَةَ قَالَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ مَا يَفْعَلُ النَّاسُ الْيَوْمَ وَيَكْذِبُونَ فِيهِ أَشْيَاءَ قَبِيضٍ عَلَيْهِمْ وَمَضَى فِيهِمْ مِنْ قَدَرٍ سَبَقَ أَوْ فِيمَا يَسْتَقْبِلُونَ بِهِ وَمِمَّا آتَاهُمْ بِهِ نَيْبُهُمْ وَتَبَسَّتِ الْحُجَّةُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لَا بَلْ شَيْءٌ قَبِيضٌ عَلَيْهِمْ وَمَضَى فِيهِمْ وَتَصَدِّقُ ذَلِكَ لِي كِتَابُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَنَفْسِي وَمَا سَوَّاهَا فَالْتَمَمَهَا فُجُوزَهَا وَتَقَوَّاهَا۔ (المسند ۸۰۷، رواہ مسلم)

”اور حضرت عمران بن حصینؓ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ قبیلہ مزینہ کے دو شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ!

”آپ کا ام گرامی عمران ابن حصین اور کنیت ابو نعیدہ ہے آپ فتح خیبر کے سال اسلام کی نعمت سے شرف ہوئے تھے بمقامِ بصرہ ۵۵ھ میں وفات پائی۔

ہمیں یہ بتائیے کہ آج (دنیا میں) لوگ عمل کرتے ہیں اور اعمال کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ کیا یہ وہی شے ہے جس کا حکم ہو چکا ہے اور نوشتہ تقدیر بن چکا ہے یا یہ عمل ان احکام کے موافق ہیں جو آئندہ ہونے والے ہیں جن کو اس کا نبی ﷺ لایا ہے اور جن پر دلیل قائم ہو چکی ہے ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”نہیں یہ وہی شے ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور نوشتہ تقدیر بن چکا ہے اور اس کی تصدیق کتاب اللہ کی اس آیت سے ہوتی ہے وَنَفْسٌ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (القرآن العظیم)۔ (ترجمہ) ”نفس ہے (انسان کی) جان کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو بنایا پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں کا) القاء کیا۔“ (مسلم)

تشریح: سوال یہ تھا کہ یا رسول اللہ! ہمیں یہ بتلا دیجئے کہ دنیا میں لوگ جتنے اعمال کرتے ہیں خواہ وہ اعمال خیر ہوں یا اعمال بد کیا یہ وہی ہیں جو ان کے لئے ازل ہی میں مقدر ہو چکے تھے اور اب وقت پر وقوع پذیر ہوتے ہیں یا یہ وہ چیزیں ہیں جو ازل میں تو ان کے لئے نوشتہ تقدیر نہیں بنی تھیں بلکہ اب جب رسول آئے اور انہوں نے خدا کی جانب سے دیئے گئے معجزات کے ذریعہ اپنی صداقت کا اعلان اور ان احکام و اعمال کے کرنے کا حکم دیا تو یہ اعمال وقوع پذیر ہونے لگے تو ایسی شکل میں کیا یہ کہا جائے گا کہ یہ اعمال بندوں کے مقدر میں پہلے سے نہیں لکھے ہوئے تھے بلکہ اپنے اختیار سے یہ اعمال کرتے ہیں چاہے وہ اچھے اعمال ہوں یا برے اعمال؟۔ بارگاہ رسالت سے جواب دیا گیا کہ یہ اعمال وہی ہیں جو ازل ہی سے بندوں کے مقدر میں لکھ دیئے گئے ہیں اور اب اسی نوشتہ تقدیر کے مطابق اپنے اپنے وقت پر صادر ہوتے رہتے ہیں۔

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي زَجَلْتُ شَاثًا وَأَنَا أَخَافُ عَلَى نَفْسِي الْعَنَتَ وَلَا أَجِدُ مَا أَتَزَوَّجُ بِهِ النِّسَاءَ كَأَنَّهُ يَنْتَازِلُنِي فِي الْإِخْتِصَاءِ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّي ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذَلِكَ فَسَكَتَ عَنِّي ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذَلِكَ فَسَكَتَ عَنِّي ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذَلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا أَنْتَ لَا تَقِي فَأَخْتَصِمَ عَلَى ذَلِكَ أَوْ ذَرَوْهُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا، ”یا رسول اللہ! میں ایک جوان مرد ہوں اور میں اپنے نفس سے ڈرتا ہوں کہ بدکاری کی طرف مائل نہ ہو جائے اور میرے اندر اتنی استطاعت نہیں ہے کہ کسی عورت سے شادی کر لوں“ گویا ابو ہریرہؓ اپنے اندر سے قوتِ مردی ختم کر دینے کی اجازت مانگتے تھے ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ سن کر سکوت فرمایا، میں نے دوبارہ یہی کہا تو آپ ﷺ پھر خاموش رہے، میں نے پھر عرض کیا اس مرتبہ بھی آپ ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا میں نے پھر اسی طرح عرض کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ابو ہریرہؓ! جو کچھ ہوتا ہے (اسے تمہارے مقدر میں لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے لہذا تمہیں اختیار ہے کہ قوتِ مردی ختم کر دینا نہ کرو۔“ (بخاری)

تشریح: سرکارِ دو عالم ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے مقدر میں جو کچھ ہونا لکھا ہے وہ پورا ہوگا، اگر خدا نخواستہ کسی بدکاری میں مبتلا ہوتا تمہارے لئے نوشتہ تقدیر بن چکا ہے تو یہ قبیح فعلِ ختم سے ضرور صادر ہوگا، اور اگر قضا و قدر نے تمہاری پاکدامنی اور معصیت سے حفاظت لی ہے تو چاہے تم اپنی قوتِ مردی ختم کر کے نامرد بن جاؤ، یا اس فعل سے باز رہو، تمہارا نفس تمہیں نہیں بہکا سکتا اور تم پاک دامن رہو گے اسی طرف جفّ القلم کہہ کر اشارہ فرمایا گیا۔

اس حدیث میں اصل میں اس طرف تنبیہ اور تہدید مقصود ہے کہ اسباب و تدبیر کو تقدیر کے مقابلہ پر لانا اور نوشتہ تقدیر سے لاپرواہ ہو کر اس سے بھاگنا جائز نہیں ہے۔

⑪ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اصْطِعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّخْمَنِ كَقَلْبٍ وَاجِلٍ يُصَرِّفُهُ كَيْفَ يَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ مُصَرِّفِ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”تمام انسانوں کے دل خدا کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان اس طرح ہیں جیسے ایک انسان کا دل ہے اور وہ (اپنی انگلیوں سے) جس طرح چاہتا ہے قلوب کو گردش میں لاتا ہے“ اس کے بعد اس حضور ﷺ نے دعا کے طور پر یہ فرمایا۔ ”اے دلوں کو گردش میں لانے والے خدا اہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے خدا کے کمال قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ وہ تمام چیزوں پر قادر ہے اور سب پر تصرف ہے یہاں تک کہ قلوب کے رخ اور دل کی حرکتیں تک بھی اسی کے اختیار میں ہیں۔ خداوند تعالیٰ کے لئے انگلیوں کا استعمال یہاں مجازاً ہوا ہے کیونکہ اسی کی پاک و صاف ذات مادیات اور اجسام کی صفات سے پاک ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمام قلوب خدا کے قبضہ و تصرف میں ہیں، وہ جس طرف چاہتا ہے دلوں کو پھیر دیتا ہے کسی قلب کو گناہ و معصیت اور بدکاری کی طرف مائل کر دیتا بھی اسی کی صفت ہے اور کسی قلب کو عصیان و سرکشی کے جال سے نکال کر اطاعت و فرمانبرداری اور نیکو کاری کے راستہ پر بھی اسی کا کام ہے وہ جس طرح چاہتا ہے گمراہی و ضلالت کے اندھیرے میں پھینک دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت و راستی کے مرغزاروں میں چھوڑ دیتا ہے۔

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُتَّبَعُ النَّهْيَمَةُ نَهْيَمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحْشَوْنَ لِنَهْيَمَةٍ مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ يَقُولُ فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ۔ (الروم ۳۰۔ متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے (یعنی امر حق کو قبول کرنے کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں جس طرح ایک چارپایہ جانور پورا چارپایہ بچہ دیتا ہے، کیا تم اس میں کوئی کمی پاتے ہو“ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (ترجمہ) یہ اللہ تعالیٰ کی اس بنائی کے موافق ہے جس پر اللہ نے آدمیوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا یہ دینِ محکم ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: خدا تعالیٰ نے انسان کی تخلیق فطرت پر کی ہے اور فطرت صرف امر حق یعنی ایمان و اسلام کو قبول کر سکتی ہے۔ لہذا جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس فطرت پر ہوتا ہے لیکن خارجی اثر سے وہ فطرت کے تقاضوں سے دور ہو جاتا ہے اور خلاف اصول و فطرت طریقوں پر چلنے لگتا ہے یعنی اگر اس کے ماں باپ مجوسی ہوتے ہیں تو وہ بھی ان کے مذہب میں رنگ جاتا ہے۔

چنانچہ مثال کے طور پر فرمایا کہ جس طرح کسی جانور کے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی اصلی حالت میں پیدا ہوتا ہے اس کے اندر کسی قسم کی کوئی کمی یا کوئی نقصان نہیں ہوتا، ہاں اگر خارجی طور پر کوئی اس کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے یا اس کے جسم میں کوئی عیب پیدا کر دے تو وہ اپنی اصلی اور حقیقی حالت کھو دیتا ہے، اسی طرح انسان پیدا ہونے کے وقت اپنی اصلی فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا ماحول، اس کی سوسائٹی یعنی ماں باپ وغیرہ اس کے احساسات و شعور اور اس کے عقائد پر اپنے مذہب کا رنگ چڑھا کر اس کے ذہن و فکر اور قلب و دماغ کو غلط راستہ پر موڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنی اصلی اور حقیقی فطرت پر قائم نہیں رہتا بلکہ کافر ہو جاتا ہے، اہاں اگر ایسا نہیں ہوتا اور اس کے ماں باپ مسلمان ہوتے ہیں تو وہ بھی مسلمان رہتا ہے۔

(۱۳) وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَامَ فِينَارُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَتِمُّ وَلَا يَتَّبِعُنِي لَهُ أَنْ يَتِمَّ بِخَفِضِ الْقِسْطِ وَيَرْفَعَهُ يَرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ حِجَابَةُ التَّوَرُّ لَوْ كَشَفَهُ لَا خَرَفَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا أَتَتْهُ إِلَهِيَّةُ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ نے خطبہ دیا اور پانچ باتیں ارشاد فرمائیں۔ خدا تعالیٰ سوتا نہیں ہے، اور سوتا اس کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ وہ ترازو کو بلند و پست کرتا ہے، دن کے عمل سے پہلے رات کے عمل اور رات کے عمل سے پہلے دن کے عمل اس کے پاس پہنچا دیے جاتے ہیں اور اس کا حجاب نور ہے جسے اگر وہ اٹھا دے تو اس کی ذات پاک کا نور مخلوقات کی تاحہ نگاہ تمام چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دے۔“ (مسلم)

تشریح: ترازو کو بلند و پست کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خداوند قدوس کسی بندہ پر رزق کی وسعت کرتا ہے اور اسے مال و زر کی فراوانی سے نوازتا ہے اور کس پر اسبابِ معیشت اور رزق کے دروازے تنگ کر کے اسے محتاجی و تنگدستی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسی طرح کسی بندہ کو وہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور نیکو کاری کی بدولت عزت و عظمت اور شرف و فضیلت سے نوازتا ہے اور کسی گناہ گار بندہ کو اس کی سرکشی و نافرمانی اور بدکاری کی بنا پر اسے ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور اسے تباہی و بربادی کے غار میں ڈال دیتا ہے۔

ایسے ہی ”دن کے عمل سے پہلے رات کے عمل سے پہلے دن کے عمل اس کے پاس پہنچا دیے جاتے“ کا مطلب یہ ہے کہ بندہ سے جو کوئی عمل سرزد ہوتا ہے وہ فوراً بلا تاخیر مدگاہِ الوہیت تک پہنچ جاتا ہے یعنی ابھی سورج بھی نہیں نکلنا اور کوئی عمل صادر ہونے بھی نہیں پاتا کہ رات کے عمل جو بندہ سے سرزد ہوئے ہیں اوپر پہنچ چکے ہوتے ہیں، اسی طرح رات شروع بھی نہیں ہوتی کہ دن کے عمل وہاں پہنچ جاتے ہیں، اب جو نیک عمل اور اچھا ہوتا ہے اسے قبولیت کے شرف سے نواز کر اس پر جزاء و انعام کا پروانہ صادر کر دیا جاتا ہے اور اس پر عذاب و سزا کا حکم دے دیا جاتا ہے۔

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذُلُّ اللَّهُ مَلَائِكًا لَا يَغْنِصُهَا نَفَقَةُ سَخَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مَنْ خَلَقَ السَّخَاءَ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَغْنِصْ مَا فِي يَدَيْهِ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ وَيَبْدُوهُ الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ مُنْتَقِطٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ يَمِينُ اللَّهُ مَلَائِكًا لَا يَغْنِصُهَا شَيْءٌ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ (یعنی اس کا خزانہ) بھرا ہوا ہے، دن اور رات ہر وقت خرچ کرتا بھی اس میں کمی پیدا نہیں کرتا، کیا تم نہیں دیکھتے؟ کہ جب سے کہ اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور جب کہ اس کا عرش (بھی) پانی پر تھا، کتنا خرچ کیا ہے، لیکن (اتنا زیادہ) خرچ کرنے کے باوجود جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے (یعنی اس کا خزانہ) اس میں کمی نہیں ہوئی ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں ترازو ہے جسے وہ بلند و پست کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت ہے ”خدا کا دانا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔“ اور ابن نمیرؒ کی روایت میں ہے (خدا کا ہاتھ بھرا ہوا، اور ہمیشہ دینے والا ہے، رات اور دن خرچ کرنے کے باوجود اس میں کوئی چیز کمی نہیں کرتی۔“

تشریح: ابن نمیرؒ حضرت امام مسلمؒ کے استاد ہیں، ان کی سند سے جو حدیث ہے اس میں بجائے مَلَائِكًا کے مَلَائِكًا کا لفظ ہے اور ان الفاظ میں کچھ تقدیم و تاخیر بھی ہے ویسے از روئے لغت مَلَائِكًا ہی صحیح ہے اور یہی الفاظ مناسب ہے۔

(۱۵) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَرَارَى الْمُشْرِكِينَ قَالَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ۔

(متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کی اولاد کے بارہ میں پوچھا گیا کہ مرنے کے بعد دوزخ میں جائیں گے یا جنت میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے (اگر زندہ رہتے تو وہ کیا عمل کرتے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یعنی یہ تو خدا ہی کو معلوم ہے کہ اگر وہ اس صغیر کی حالت میں نہ مرتے اور زندہ رہتے تو بڑے ہو کر کیا عمل کرتے، لہذا اب ان

کے ساتھ جو معاملہ ہوگا اسی کے مطابق ہوگا اور یہ کہ خدای کو معلوم ہے کہ آیا وہ جنت میں جاتے ہیں یا دوزخ میں، وہاں کی حالت کسی بندہ کو کیا معلوم!۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ اس وقت فرمایا ہوگا جب کہ ابھی تک مشرکوں کی اولاد کے بارہ میں وحی کے ذریعہ کچھ معلوم نہیں ہوا تھا۔

اس مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں لیکن صحیح اور اولیٰ یہی ہے کہ اس بارہ میں توقف کرنا چاہیے یعنی نہ تو ان کو دوزخی کہا جائے اور نہ جنتی۔

الفصل الثانی

(۱۶) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَهُ اكْتُبْ قَالَ مَا اكْتُبُ قَالَ اكْتُبِ الْقَدَرَ لَكُنْتُ مَا كُنْتُ وَمَا هُوَ كَأَنِّي إِلَى الْآبِدِ - وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ -

”حضرت عبادہ بن صامتؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا خدا نے سب سے پہلے جس چیز کو پیدا کیا وہ قلم تھا، پھر اس (قلم) کو لکھنے کا حکم دیا۔ قلم نے کہا، ”اے العالمین! کیا لکھوں“ بارگاہِ الوہیت سے جواب ملا ”تقدیر لکھو“ لہذا اس قلم نے ان چیزوں کو لکھا جو (اب تک) ہو چکی ہیں اور ان چیزوں کو لکھا جو آئندہ ہونے والی ہیں۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے غریب ہے۔“

(۱۷) وَعَنْ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ أَلَا تَعْلَمُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْمَلُ عَنْهَا فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ بِبَيْضِهِ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةَ أَهْلِ النَّارِ وَيَعْمَلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ يَعْمَلُونَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ بِبَيْضِهِ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةَ أَهْلِ الْجَنَّةِ هَؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَيَعْمَلُ أَهْلُ النَّارِ يَتَعَمَّلُونَ فَقَالَ رَجُلٌ فَيَتِمُّ الْعَمَلُ بِنَارِ رَسُولِ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ إِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلْجَنَّةِ اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَمُوتَ عَلَى عَمَلٍ مِنْ أَعْمَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُدْخِلُهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَإِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى يَمُوتَ عَلَى عَمَلٍ مِنْ أَعْمَالِ أَهْلِ النَّارِ فَيُدْخِلُهُ بِهِ النَّارَ - (رواه مالك والترمذی والبیہقی والدارقطنی والاعراب ۱۷۲)

”اور حضرت مسلم بن یسارؓ راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ سے اس آیت (وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ۝) (الاعراف ۱۷۲) ”ترجمہ“ اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور (سب کچھ سمجھ عطا کر کے) ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں! ہم سب (اس واقعہ کے) گواہ بنے ہیں۔ تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس (توحید سے محض بے خبر تھے) کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ جب اس آیت کے بارے میں سرکارِ دو عالم ﷺ سے سوال کیا گیا تو میں نے آپ ﷺ کو فرماتے سنا کہ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا پھر ان کی پیٹھ پر دھابنا تھا پھر اس میں سے ان کی اولاد نکالی اور فرمایا کہ میں نے ان کی اولاد نکالی اور فرمایا کہ میں نے ان کو دوزخ کے لئے اور دوزخیوں کے سے کام کرنے کے لئے جو وہ کریں گے پیدا کیا ہے۔ یہ سن کر ایک شخص نے کہا ”یا رسول اللہ! پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتیوں ہی کے سے عمل کراتا ہے یہاں تک کہ اس (بندہ) کی وفات

جستیوں جیسے اعمال پر ہو جاتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ان اعمال کی بنا پر اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے دوزخیوں کے سے اعمال صادر کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اہل دوزخ جیسے اعمال پر مرجاتا ہے لہذا اسے ان اعمال کی بناء پر دوزخ میں ڈال دیتا ہے۔ (مولانا ابوالکلام آزاد، ترمذی، ابو داؤد)

تشریح: یہ عہد یشاق عالم ارواح میں ہوا تھا جیسا کہ دیگر احادیث میں آتا ہے کہ خداوند قدوس نے تمام روحوں کو جو ازل سے لے کر اب تک دنیا میں آنے والی تھیں ننھی ننھی چوہنیوں کی شکل میں جمع کیا اور پھر ان کو محفل و درانی بھی عنایت فرمائی اور اپنی ربوبیت والوہیت کا سب سے اقرار کرایا۔

اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ ازل سے اب تک دنیا میں جتنے بھی انسان پیدا ہوں گے سب کی پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی تھی مثلاً آنحضرت ﷺ کی پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی اور ان کی پشت سے ان کی اولاد اسی طرح قیامت تک جتنے انسان پیدا کئے جائیں گے سب کی پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی۔

دائے ہاتھ کے پھرنے کے معنی یہ ہیں کہ خداوند قدوس نے فرشتہ کو داہنا ہاتھ پھرنے کا حکم دیا تھا اور نہ خدا تعالیٰ کی نورانی ذات ہاتھ پیر کی ظاہری ثنات سے پاک و صاف ہے۔ یا پھر یہ کہا جائے کہ اس سے اپنی قوت و قدرت کا اظہار مقصود ہے۔

(۱۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي يَدَيْهِ كِتَابَانِ فَقَالَ أَقْدَرُونَ مَا هَذَانِ الْكِتَابَانِ قُلْنَا لَا يَأْتِيَنَّ رَسُولُ اللَّهِ إِلَّا أَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِي فِي يَدِهِ الْيُسْطَىٰ هَذَا كِتَابٌ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِينَ فِيهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ أُجْمِلُ عَلَىٰ آخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقُصُ مِنْهُمْ أَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِي فِي يَدِهِ شِمَالِهِ هَذَا كِتَابٌ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِينَ فِيهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ النَّارِ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ أُجْمِلُ عَلَىٰ آخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقُصُ مِنْهُمْ أَبَدًا فَقَالَ أَصْحَابَةُ الْفَقِيمِ يَأْتِيَنَّ رَسُولُ اللَّهِ إِنْ كَانَ أَمْرٌ قَدْ فُتِحَ مِنْهُ فَقَالَ سَدِّدُوا وَقَارِبُوا فَإِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ عَمِلَ آئِي عَمَلٍ وَإِنْ صَاحِبُ النَّارِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ وَإِنْ عَمِلَ آئِي عَمَلٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْدِيهِ فَنَبِّهُمَا ثُمَّ قَالَ فَرَّغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادَةِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي الشَّعِيرِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ باہر تشریف لائے آپ ﷺ کے ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں اور (صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا جانتے ہو یہ دونوں کتابیں کیا ہیں ”ہم نے عرض کیا“ یا رسول اللہ! ہمیں کیا معلوم آپ ﷺ ہی بتا دیجئے (یہ کتابیں کیا ہیں) آپ ﷺ نے اس کتاب کے بارہ میں فرمایا جو داہنے ہاتھ میں تھی کہ یہ خدا کی جانب سے ہے جس میں اہل جنت ان کے باپ اور ان کے قبیلوں کے نام لکھے ہوئے ہیں پھر آخر میں جمع ہنگامہ کر دی گئی ہے لہذا اس میں کی بیشی نہیں ہوتی، اس کے بعد بائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا کہ یہ خدا کی جانب سے ایک ایسی کتاب ہے جس پر اہل دوزخ ان کے باپ اور ان کے قبیلوں کے نام لکھے ہیں پھر آخر میں جمع بندی کر دی گئی ہے۔ لہذا اب نہ تو اس میں کی ہوتی ہے اور نہ زیادتی۔ یہ (سن کر) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگرچہ یہ چیز پہلے سے ہی طے ہو چکی ہے (کہ جنت و دوزخ کا نذر نوشتہ تقدیر پر ہے تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا (دین و شریعت کے مطابق اپنے اعمال کو) اچھی طرح مضبوط کرو اور (حق تعالیٰ کا) تقرب حاصل کرو، اس لئے کہ جنتی کا خاتمہ اہل جنت کے اعمال پر ہوتا ہے خواہ (زندگی میں) اس نے کیسے ہی (نیک یا بد) عمل کئے ہوں اور دوزخی کا خاتمہ اہل دوزخ کے عمل پر ہوتا ہے خواہ اس کے اعمال جیسے بھی رہے ہوں، پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا اور کتابوں کو دکھا دیا یعنی پیچھے ڈال دیں اور فرمایا ”تمہارا پروردگار بندوں کے بارے میں یہ پہلے سے طے کر چکا ہے کہ ایک جماعت جنتی ہے اور ایک جماعت دوزخی ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: کتابوں کو پیچھے ڈال دینا ابانت کے طور پر نہیں تھا بلکہ اس طرف اشارہ مقصود تھا کہ بارگاہ الوہیت سے اس معاملہ میں کہ دوزخ

و جنتی کون کون لوگ ہیں ازل ہی میں حکم ہو چکا ہے اور جو نوشتہ تقدیر بن چکا ہے۔

ظاہری طور پر تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے دست مبارک میں واقعی کتنا ہیں تھیں جن کو آپ ﷺ نے صحابہ کو دکھلا بھی دیا تھا۔ لیکن ان کے اندر جو مضمون لکھے ہوتے تھے وہ نہیں دکھلائے تھے، لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حقیقت میں کتنا ہیں نہیں تھیں بلکہ آپ ﷺ نے مثال کے طور پر اس انداز سے فرمایا تاکہ یہ مسئلہ صحابہ کے ذہن نشین ہو جائے۔

(۱۹) وَعَنْ أَبِي خُزَّامَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ رُفِي نَسْرَتُهَا وَدَوَّاءُ تَدَاوَى بِهِ وَنَقَّاءُ نَقَّيْهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ شَيْئًا قَالَ هِيَ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ۔ (رواہ احمد و ترمذی و ابن ماجہ)

”اور ابی خزائمہؓ اپنے والدِ کرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ عملیات جن کو ہم (شفاء کے لئے) پڑھواتے ہیں اور وہ دواؤں جن کو ہم (محصولِ صحت کے لئے) استعمال کرتے ہیں اور وہ ہر چیز جن سے ہم حفاظت حاصل کرتے ہیں (مثلاً وحال اور زرہ وغیرہ ان کے بارے میں مجھے بتائیے کہ کیا یہ سب چیزیں نوشتہ تقدیر میں کچھ اثر انداز ہو جاتی ہیں؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ یہ چیزیں بھی نوشتہ تقدیر ہی کے مطابق ہیں۔“ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: جواب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بیماری وغیرہ امرِ مقدر ہیں، اسی طرح ان کا علاج اور ان سے حفاظت کے اسباب بھی نوشتہ تقدیر ہی کے مطابق ہوتے ہیں۔ یعنی جس طرح کسی شخص کے مقدر میں کوئی بیماری لکھ دی گئی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی نوشتہ تقدیر میں چکا ہے کہ یہ بیمار فلاں وقت میں اپنی بیماری کا علاج کرے گا اور یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ اس علاج و معالجہ سے اسے فائدہ ہو گا یا نہیں، اگر فائدہ ہونا لکھا ہے تو فائدہ ہو جائے گا اور فائدہ ہونا نہیں لکھا ہے تو نہیں ہو گا، اس لئے اگر کسی بیمار نے اپنی بیماری کا علاج کیا اور اسے فائدہ نہیں ہوا تو اسے سمجھنا چاہیے کہ تقدیر میں شفا نہیں لکھی تھی لہذا معلوم ہوا کہ بیماری میں علاج کرنا، یا اپنی حفاظت کے لئے خارجی اسباب کا سہارا لینا نوشتہ تقدیر کے خلاف نہیں ہے۔

تعوذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کا مسئلہ یہ ہے کہ تعویذ گناہ ہے اگر قرآن کی آیتوں اور احادیث کی دعاؤں کے مطابق ہوں یا جھاڑنا، پھونکنا اور دم کرنا اگر اسماء و صفات الہی اور قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ نیز ان کو مؤثر حقیقی سمجھنے کا عقیدہ بھی نہ ہو۔ یعنی یہ یقین نہ رکھتا ہو کہ ان چیزوں سے یقیناً فائدہ ہو گا خواہ مرضی الہی ہو یا نہ ہو بلکہ یہ عقیدہ ہو کہ شفا و صحت کا عطا کرنے والا تو خدا ہے یہ صرف اسباب و تبرک کے درجہ میں ہیں تو ایسی شکل میں یہ چیزیں جائز ہوں گی، اگر اس کے برخلاف ہو کہ جھاڑنا پھونکنا اور تعویذ گنڈے غیر شرعی ہوں یعنی اس میں غیر اللہ کی مدد لی جاتی ہو تو یہ حرام ہو گا۔

(۲۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدْرِ فَقَضَيْتُ حَتَّى إِخْمَرْتُ وَجْهَهُ حَتَّى كُنَّا نَمُتُّ فُفْيَ فِينِ وَجْتَنِيهِ حَبُّ الزُّمَانِ فَقَالَ أَبِئْهَذَا أَمِزْتُمْ أَمْ بِئْهَذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ أَلَمْ تَهْلِكْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِينَ تَنَازَعُوا فِي هَذَا الْأَمْرِ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَنَازَعُوا فِينِ وَوَاهِ الْبَرِّ مِلْدِي وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ عَنْ عُمَرُو بْنِ مَغْلَبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک دن) ہم قضا و قدر کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ تشریف لے آئے (ہمیں اس مسئلہ میں الجھا ہوا دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرہ انور غصہ کی وجہ سے سرخ ہو گا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اتار کے دانے آپ ﷺ کے رخسار مبارک پر نمودار ہو گئے ہیں (ایسی حالت میں) آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں اس چیز کا حکم دیا گیا ہے اور میں اسی لئے تمہارے پاس (رسول بنا کر) بھیجا گیا ہوں؟ جان لو اُم سے پہلے کے لوگ اس لئے ہلاکت کی وادی میں پھینک دیئے گئے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں الجھا اپنا مشغلہ بنالیا تھا، لہذا میں تمہیں اس بات کی قسم دیتا ہوں (اور پھر دوبار قسم دیتا ہوں کہ تم اس مسئلہ پر بحث نہ کیا کرو (ترمذی) اور ابن

ابی خزائمہؓ جیسی ہیں ان کے والد کا نام عمیر ہے جو صحابی ہیں اور جن سے ابو خزائمہؓ روایت کرتے ہیں ابی خزائمہؓ سے زہریؓ روایت کرتے ہیں۔

ماجد نے اسی طرح کی روایت عمرو بن شعیب سے نقل کی ہے جو انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔

تشریح: صحابہ آپس میں تقدیر کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے بعض صحابہ تو یہ کہہ رہے تھے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے نوشتہ تقدیر کے مطابق ہیں تو پھر ثواب و عذاب کا ترتیب کیوں ہوتا ہے؟ جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے اور کچھ حضرات یہ کہہ رہے تھے کہ اس میں خدا کی مصلحت و حکمت ہے کہ بعض انسانوں کو توحید کے لئے پیدا کیا اور بعض انسانوں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے؟ کچھ صحابہ نے اس کا جواب دیا کہ یہ اس لئے ہے کہ انسانوں کو کچھ اختیارات بھی اعمال کے کرنے اور نہ کرنے کا دے دیا ہے، کچھ نے کہا یہ اختیار کس نے دیا؟۔

بہر حال اس قسم کی گفتگو ہو رہی تھی اور اپنی عقل و دانش کے بل بوتہ پر خدا کے اس راز و مصلحت کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی جارہی تھی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب ان کو اس بحث مباحثہ میں مشغول پایا تو غصہ و غضب سے چہرہ مقدس سرخ ہو گیا اس لئے صحابہ کو بتلادیا گیا کہ یہ تقدیر کا مسئلہ خدا کا ایک راز و عہد ہے جو کسی پر ظاہر نہیں کیا گیا ہے لہذا اس میں اپنی عقل لڑانا اور غور و تحقیق مگر اسی کی راہ اختیار کرنا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس لئے دنیا میں نہیں بھیجا گیا ہوں کہ تقدیر کے بارہ میں بتاؤں اور تم اس میں بحث و مباحثہ کرو، میری بعثت کا مقصد صرف یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام تم لوگوں تک پہنچا دوں اور اطاعت فرمانبرداری کی راہ پر تمہیں لگاؤں۔ دین و شریعت کے فرائض و اعمال کے کرنے کا تمہیں حکم دوں، لہذا ایک سچے و قلمص ہونے کے ناطے پر صرف اتنا ہی فرض ہے کہ تم ان احکام و فرائض پر عمل کرو اور جن اعمال کے کرنے کا تمہیں حکم دوں اس کی بجا آوری میں لگے رہو، تم اس تقدیر کے مسئلہ میں مت پڑو پس اتنا ہی اعتقاد تمہارے لئے کافی ہے کہ یہ خدا کا ایک راز ہے جس کی حقیقت و مصلحت وہی جانتا ہے، اس کو اسی کی مرضی پر چھوڑ دو۔

آخر حدیث میں صاحب مشکوٰۃ نے ابن ماجہ کی اسی طرح کی روایت کردہ حدیث کی سند کا ذکر کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث شعیب نے اپنے دادا سے نقل کی ہے جو عبد اللہ بن عمرو بن العاص ہیں اور شعیب سے ان کے صاحبزادے عمرو روایت کرتے ہیں اس طرح ”ابن ابیہ“ کی ضمیر عمرو بن شعیب کی طرف راجع ہوگی اور ”ابن جدہ“ کی ضمیر شعیب کی طرف راجع ہوگی اس لئے کہ عمر اپنے دادا سے روایت نہیں کرتے ہیں کیونکہ ان کے دادا محمد بن عبد اللہ سے وہ روایت منقول نہیں ہے، یہ سلسلہ نسب اس طرح ہے عمر بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ۔

اس کی تشریح اس لئے یہاں ضروری ہے کہ دوسری احادیث میں اس طرح کی عبارات میں ”ابن جدہ“ کی ضمیر عمرو ابن شعیب کی طرف راجع ہوتی ہے لیکن یہاں اس کے برخلاف ہے۔

② وَعَنْ أَبِي مُؤَسَّى قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةِ قَبْضِهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلَى قَدْرِ الْأَرْضِ مِنْهُمْ الْأَخْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذَلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْحَبِيبُ وَالْقَلِيبُ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ایک مٹی (مٹی) سے کی جو ہر جگہ کی زمین سے لی گئی تھی لہذا آدم کی اولاد (انہیں) زمین کے موافق پیدا ہوئی چنانچہ (انسانوں میں) بعض سرخ، بعض سفید، بعض کالے، بعض درمیانہ رنگ کے، بعض نرم مزاج، بعض تند مزاج بعض پاک اور بعض ناپاک ہیں۔“

(احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: حضرت آدم کی تخلیق کے وقت ایک فرشتہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ ایک مٹی بھر کے مٹی لے آئیں چنانچہ وہ تمام روئے زمین سے ہر خطہ و ہر جگہ کی تھوڑی تھوڑی مٹی اپنی مٹی میں بھرا لائے اسی سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی اسی لئے آدم

کی اولاد میں مختلف رنگ و نسل اور مختلف طبائع کے انسان پیدا ہوتے ہیں کوئی کالا ہوتا ہے تو کوئی گورا اور کسی کا رنگ گندمی ہوتا ہے اسی طرح کچھ انسان اپنی طبیعت و مزاج کے اعتبار سے نرم خو، خوش اخلاق اور مٹھی زبان کے ہوتے ہیں کچھ لوگوں کی طبیعت سخت و تیز اور غیر معتدل ہوتی ہے، بعض انسان فطرتاً پاک و صاف ہوتے ہیں اور بعض گندمی و نجاست سے ملوث رہتے ہیں اور یہ فرق و اختلاف اسی بنیادی مادہ کی وجہ سے ہے جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی تھی۔

(۲۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظِلْمَةٍ فَأَلْقَى عَلَيْهِمْ مِنْ نُورِهِ فَمِنْ أَصَابَهُ مِنْ ذَلِكَ النُّورِ اهْتَدَى وَمَنْ أَخْطَأَهُ ضَلَّ فَلِلَّذِي أَقْبَلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلَى عِلْمِ اللَّهِ۔

(رواہ احمد و الترمذی)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق (جن و انس) کو اندھیرے میں پیدا کیا اور پھر ان پر اپنے نور کا پرتو ڈالا، لہذا جس کو اس نور کی روشنی میسر گئی وہ راہِ راست پر لگ گیا اور جو اس کی مقدس شباہوں سے محروم رہا وہ گمراہی میں پڑا رہا، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ تقدیر الہی پر قلم خشک ہو چکا ہے (کہ اب تقدیر میں تغیر و تبدل ممکن نہیں)۔“ (احمد، ترمذی)

تشریح: اندھیرے سے مراد نفسِ امارہ کی ظلمت ہے کہ انسان کی جبلت میں خواہشات نفسانی اور غفلت کا مادہ رکھا تھا لہذا جس کا قلب و دماغ ایمان و احسان کی روشنی سے منور ہو گیا اور اس نے طاعتِ الہی سے خدا کی ذات کا عرفان حاصل کر لیا تو وہ نفسِ امارہ کے مکرو فریب اور اس کی ظلمت سے نکل کر خدا پرستی و نیکو کاری کے لالہ زار میں آگیا اور جو اپنے نفس کے مکرو فریب میں پھنس کر طاعتِ الہی کے نور سے محروم رہا وہ گمراہی میں پڑا رہ گیا۔

(۲۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْثُرُ أَنْ يَقُولَ يَا مَقْلِبِ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ امْثُلْكَ وَمَا جِئْتُ بِهِ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا قَالَ نَعَمْ إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ اِصْطِعْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللَّهِ يَقْلِبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اکثر و بیشتر بطور دعا کے یہ فرمایا کرتے تھے۔ اے قلوب کو پھرنے والے امیرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ اے میں نے کہا یا رسول اللہ! تم آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کے لئے ہوتے دین و شریعت پر بھی ایمان لائے تو کیا اب بھی ہمارے بارہ میں آپ ﷺ ڈرتے ہیں (کہ کہیں ہم گمراہ نہ ہو جائیں) آپ ﷺ نے فرمایا بے شک قلوب اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں (یعنی اس کے تصرف و اختیار میں ہیں اور وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو گردش میں لاتا رہتا ہے)۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: حضرت انسؓ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ تو بالکل معصوم اور محفوظ ہیں۔ نعوذ باللہ کسی گمراہی کا شائبہ نہ بھی آپ ﷺ کے اندر نہیں آسکتا ظاہر ہے کہ یہ دعا آپ ﷺ ہمارے لئے ہی کرتے ہوں گے کہ کہیں ہم دنیا کی چمک دمک میں پھنس کر اپنے دین و ایمان سے گمراہ نہ ہو جائیں تو کیا ایسی شکل میں جب کہ آپ ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں اور ہم آپ ﷺ کی رسالت اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی صداقت کا اعتقاد رکھتے ہیں، نیز ہمارے قلوب ایمان و اتقان کی حقیقی کیفیت سے سرشار ہیں ہمارے گمراہ ہونے کا کیا خدشہ ہو سکتا ہے اس پر سرکارِ دو عالم ﷺ نے جواب دیا کہ قلوب کے رخ خدا کے ہاتھ میں ہیں اور جس طرح چاہتا ہے ان کو پھیرتا رہتا ہے، نہ معلوم کس کے قلب کا رخ گمراہی کی طرف کب ہو جائے اس لئے دعا مانگنی چاہیے کہ خدا تعالیٰ دل کو ہمیشہ سلامتی کی راہ پر لگائے رہے اور گمراہی کی طرف نہ مڑنے دے۔

(۲۴) وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْقَلْبِ كَرِيشَةٍ بَارِضٍ فَلَا يَغْلِبُهَا الزَّيَاحُ ظَهْرًا لِبَظَنٍ - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دل کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی ٹرکسی میدان میں پڑا ہو اور ہوائیں اس کی پیٹھ سے پیٹ اور پیٹ سے پیٹھ کی طرف پھرتی رہتی ہیں۔“ (احمد)

تشریح: اسی طرح دلوں کا حال ہے کہ کبھی وہ برائی سے بھلائی کی طرف رخ کر لیتے ہیں اور کبھی بھلائی سے برائی کے راستہ پر جا لگتے ہیں۔
(۲۵) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُؤْمِنَ بِأَرْبَعٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ بَعَثَ بِالْحَقِّ وَيُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَبِالنَّبِيِّ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ - (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ چار چیزوں پر ایمان نہ لائے۔ ① اس بات کی گواہی دے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ② اور میں بلاشبہ خدا کی جانب سے بھیجا ہوا رسول ہوں اور حق (دین اسلام) لے کر اس دنیا میں آیا ہوں۔ ③ موت اور مرنے کے بعد (میدانِ حشر میں) اٹھنے پر ایمان لانا۔ ④ اور تقدیر پر ایمان لانا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: موت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کو یقینی جانے کہ اس دنیا کی تمام زندگی عارضی اور فانی ہے جو اپنے وقت پر ختم ہو جائے گی۔ اور اس دنیا میں جو کچھ ہے سب ایک دن فنا کے گھاٹ اتر جائے گا یا اس سے یہ مراد ہے کہ اس بات پر صدق دل سے یقین و اعتقاد رکھا جائے کہ موت کا ایک دن مقرر ہے اور وہ خداوند کے حکم سے آتی ہے کوئی بیماری، حادثہ یا تکلیف موت کا حقیقی سبب نہیں ہے بلکہ یہ چیزیں بادی النظر میں ظاہری اسباب ہوتے ہیں کسی انسان کی زندگی اور موت کلیہ خدا کے ہاتھ میں ہے جب تک اس کا حکم ہوتا ہے زندگی رہتی ہے اور جب وہ چاہتا ہے موت بھیج کر زندگی ختم کر دیتا ہے۔

(۲۶) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنَ الْمُتَنَبِّئِينَ لَيْسَ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيبٌ الْمُرْجِيُّ وَالْقَدَرِيَّةُ وَآلُ الْتَزْمِيزِ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ -

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میری امت میں دو فرقے ایسے ہیں جن کو اسلام کا کچھ بھی حصہ نصیب نہیں ہے اور وہ ”مرجیہ و قدریہ“ ہیں، ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: اسلام میں ایک گروہ ”مرجیہ“ کے نام سے مشہور ہے، یہ فرقہ اعمال کے سلسلہ میں اسباب کا قائل نہیں ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ کسی عمل اور فعل کی نسبت بندہ کی جانب ایسی ہی ہے جیسے کس فعل کی نسبت جمادات کی طرف کر دی جائے یعنی جس طرح ایک ٹکڑی پتھر، روزہ ہے کہ اس کو جس طرف پھینک دیجئے یا جدھر کو لڑھکا دیجئے وہ لڑھکا چلا جائے گا اس کو اپنے پھینکے جانے اور لڑھکانے جانے میں کوئی دخل و اختیار نہیں ہے، بلکہ وہ پھینکنے والے اور لڑھکانے والے کے قبضہ و قدرت میں ہے، اسی طرح ایک بندہ ہے کہ اس کو اپنے کسی عمل اور فعل میں کوئی دخل اور اختیار نہیں ہے بلکہ وہ محض اور بے اختیار ہے، قدرت اس سے جیسے عمل صادر کرائی ہے وہ کرتا ہے وہ نہ کسی عمل کے از خود کرنے پر قادر ہے اور نہ کسی عمل سے باز رہنا اس کے اختیار میں ہے۔

اس کے مقابل ایک دوسرا فرقہ ”قدریہ“ ہے جو سرے سے تقدیر ہی کا منکر ہے، اس جماعت کا مسلک یہ ہے کہ بندہ کے اعمال میں تقدیر الہی کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ بندہ خود اپنے اعمال کا خالق اور اپنے افعال میں مختار و قادر ہے۔ وہ جو کچھ عمل کرتا ہے اپنی قدرت و اختیار کی بنا پر کرتا ہے۔ یہی مسلک ”معتزلہ اور رد افض“ کا بھی ہے۔

یہ دونوں فرقے اسلامی نقطہ نظر سے اپنے اپنے مسلک میں راہ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں اس لئے کہ اگر مرجیہ کے اعتقادات کو

مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب بندہ سے اختیار و قدرت اور ارادہ و مشیت کی نفی کر کے اسے اینٹ پتھر اور لکڑی اور غیر ذی ارادہ مخلوق کی طرح مان لیا گیا اور بندہ کے ہر فعل میں اختیار و قدرت کلیہ خدا کا مانا گیا یا صاف لفظوں میں یہ کہا جائے کہ گویا صفات خالق کو سامنے رکھ کر صفات عبد سے انکار کر دیا گیا تو قدرتی طور پر یہ بات مانی پڑے گی کہ بندہ سے سرزد شدہ افعال خود بندہ کے نہیں کہلائے جائیں گے بلکہ ان کو خدا کے افعال کہا جائے گا خواہ وہ فعل کسی قسم کا ہو اور کسی بھی عضو سے صادر ہو یا ہولہذا جب بندہ دیکھے گا تو کہا جائے گا کہ وہ نہیں دیکھ رہا ہے بلکہ خدا دیکھ رہا ہے جب بندہ کھائے گا تو مانا پڑے گا کہ وہ نہیں کھا رہا ہے، بندہ جب سنے گا تو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ نہیں سن رہا ہے بلکہ خدا سن رہا ہے، بندہ جب سونے گا تو یہی کہا جائے گا کہ وہ نہیں سو رہا ہے بلکہ خدا سو رہا ہے تو گویا بندہ سے کوئی فعل بھی جب سرزد ہوگا تو یہی کہا ہوگا کہ وہ اس بندہ سے نہیں بلکہ درحقیقت خدا سے سرزد ہو رہا ہے۔ اور چونکہ یہ سب وجود کے آثار ہیں جن سے غافل کے موجود ہونے کا پتہ چلتا ہے تو خلاصہ یہ نکلے گا کہ بندہ اگرچہ موجود ہے لیکن حقیقت میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے، بلکہ وہ خالق اور افعال کے درمیان ایک ایسا ذریعہ ہے جو ان افعال کے اظہار کے لئے واسطہ بن رہا ہے بلکہ موجود تو صرف خدا کی ذات ہے ورنہ تمام کا تمام کالعدم ہے۔

لہذا یہ ساری حجت و وحدۃ الوجود اور کثرت موجودات کی نفی پر آکر ختم ہو جائے گی جس کو بعض جاہل صوفیاء کی اصطلاح میں ”ہمہ اوست“ کہتے ہیں جس کا حاصل کثرت موجودات اور اعیان ثابت کا برملا انکار اور ساری کثرتوں کو ایک فرضی اور وقتی کارخانہ تصور کر لینا نکل آتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ گویا اس کائنات میں ہر چیز موجود ہو کر بھی کالعدم اور معدوم ہی ہے، موجود صرف ذات واحد ہی ہے اور کوئی نہیں اس کا نتیجہ اصطلاحی الفاظ میں یہ ہے کہ دائرہ وجود میں وجود کی صرف ایک ہی نوع رہ جائے جسے واجب الوجود کہتے ہیں اور ممکن الوجود کا کوئی نشان و پتہ ہی نہ رہے بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے معدوم محض ہو کر رہ جائے۔

اب ظاہر ہے کہ ایجاد خداوندی یا فیضان وجود جسے تخلیق کہتے ہیں ممکن ہی ہو سکتا ہے اس لئے کہ اسی میں قبول وجود کی صلاحیت ہے لیکن چونکہ وہ معنی معدوم محض ہو گیا ہے جس پر آثار وجود اور آثار زندگی ظاہر نہیں ہو سکتے، تو اب ایجاد کس پر واقع ہو اور تخلیق کس چیز کی عمل میں آئے؟ نیز ایجاد کے بعد ابقاء خداوندی یعنی تدبیر و تصرف اور ربوبیت وغیرہ ایسی وہ تمام صفات حق جن کا تعلق مخلوق سے تھا کس پر واقع ہوں گی؟ اور کہاں اپنی تجلیات دکھائیں گی؟ جب کہ ذات خداوندی کے سوا کسی غیر کا پتہ نہیں کہ وہ ان صفات کا سرور و مظہر بن سکے، لہذا اس شکل میں ماننا پڑے گا کہ ایجاد و ابقاء کی تمام صفات معاذ اللہ معطل و بیکار ثابت ہو گئیں ہیں اور تعطل اگر عدم نہیں تو کالعدم ضرور ہے، یا الفاظ دیگر افعال باری کا عدم ہے جو انتہائی نقص ہے۔

اور جب کہ یہ تمام فعلی کمالات صفات وجود کے آثار تھے جو ذات حق سے منتفی ہو گئے تو بلاشبہ وجود خداوندی ان کی نفی سے ناقص ٹھہرا اور خدا کی بے عیب ذات کتنے ہی کمالات مثلاً ظہور صفات اور افعال سے کوری رہ گئی جن پر معبودیت کا کارخانہ قائم تھا اور ظاہر ہے کہ نقص صفات اور نقص افعال کے ساتھ خدا کی جمع نہیں ہو سکتی، تو ایسی ناقص ذات کو خدا نہیں کہہ سکتے، نتیجہ یہ نکلا کہ نہ خالق رہا اور نہ مخلوق رہی۔

غور کیجئے کہ مرجحہ کے نظریات نے بندہ کو مجبور محض اور بے اختیار تصور کیا اور اس کے تمام افعال و اعمال کی ذمہ داری تقدیر الہی کے سر ڈال دی، نتیجہ یہ نکلا کہ اگر انہوں نے بندہ کے اختیار و قدرت کا انکار کیا تھا تو انجام کار خدا کی صفات افعال ایجاد، تزیین اور قیومیت و تدبیر وغیرہ سے ہاتھ دھو نا پڑا۔

اب ذرا ”قدریہ“ کے مسلک کی کھج بھی کر لیجئے اس جماعت نے مرجحہ کا رد عمل کرتے ہوئے اس سلسلہ میں محض صفات عبد کو سامنے رکھا، اور صفات معبود سے صرف نظر کر لیا، یعنی بندہ کے اختیارات و قدرت، ارادہ و مشیت اور فعل و عمل کو اس درجہ میں مستقل اور آزاد بتلایا کہ اس میں خدا کے ارادہ و قدرت اور اختیار و فعل کو دخل ہی نہیں حتیٰ کہ بعض غالی قدریہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ خدا کو بندہ

کے افعال کا علم بھی اس وقت ہوتا ہے جب بندہ اسے کر لیتا ہے، گویا بندہ کے استعمال اختیار کی حد تک نہ خدا میں ارادہ ہے، نہ قدرت کو اختیار ہے نہ مشیت، حتیٰ کہ نہ سابق علم نہ خبر۔

لہذا امریہ نے تو تقدیر سے مثلاً صفات خالق ارادہ، علم، قدرت، اختیار وغیرہ کو خدا سے وابستہ کر کے بندے کو ان سے کورمان لیا اور تقدیر نے ان صفات کو بندہ سے مستقلاً وابستہ کر کے خدا کو ان سے خالی مان لیا۔

غور کیجئے! اس کا بھی نتیجہ وہی (نعوذ باللہ) عدم محض، تعطل خالص، اور خدائی ذات میں زبردست نقصان اور اس کی صفات میں کوتاہی نکلا۔ اس لئے کہ اتنی بات تو ظاہر ہے کہ بندہ منہ بھر میں سینکڑوں اچھے برے افعال اور حرکات و سکنات مختلف اندازوں سے کر گزرتا ہے جس کے عمر بھر کے افعال و حرکات کی گنتی ناممکن ہے، پھر انسانی تصرفات کی حدود اسی عالم تک نہیں ہیں، اس لئے کہ بعض ایسے متعدی افعال بھی ہیں جن میں انسان دوسری اشیاء کا عات کو مفعول بناتا ہے ظاہر ہے ان اشیاء عالم میں جو اس کے تسخیر و تصرف میں آتی ہیں، زمین سے لے کر آسمان تک ساری ہی مخلوقات داخل ہیں۔

لہذا سارے انسانوں کے یہ تمام افعال جو سارے ہی عالموں میں پھیلے ہوئے ہیں اور بقول تقدیر یہ انسانوں کی ایسی مخلوقات ہیں جن کی ایجاد و تخلیق میں خدا کا کل تو کیا ہوتا ان پر اس کا نہ زور چل سکتا ہے اور نہ ہی اسے ان کی پیدائش سے پہلے ان کا علم ہی ہوتا ہے گویا انسان جو خود اپنی تخلیق میں بے بس ہے اسے تو ان کی تخلیق کا ارادہ کرتے وقت علم ہو جاتا ہے کہ اسے کیا اور کب پیدا کرنا ہے، مگر نعوذ باللہ خدا اتنا بے خبر اور لاعلم کہ اسے یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ کون سی چیز کب پیدا ہوئی اور کون سا فعل کب صادر ہوا۔

اس صورت میں یقیناً انسان کی تخلیق کا شمار خدا کی مخلوقات کے شمار سے بڑھ جائے گا، اس لئے کہ خدا تو انسان کا خالق ہے اور انسان تمام افعال و اشیاء کا خالق ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کی نسبت سے ان کا افعال بلاشبہ کروڑوں گنا زیادہ ہیں، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ انسانی مخلوقات خدا کی مخلوقات سے زیادہ نہ ہو جائے اور پھر مخلوقات بھی ایسی کہ خدا کی سرحد سے بالکل خارج جس پر اس کا کوئی بس نہ ہو بلکہ علم قدیم بھی نہ ہو پس اس معاملہ میں کہنا چاہئے گا کہ خدا تو بے بس ہو گیا اور انسان مختار کل ہو گیا، بندہ تو خدائی حدود میں آگیا اور خدا بندوں کی صف میں جا بیٹھا، یعنی بندہ کا زور تو خدا کی خدائی پر چل گیا کہ اس نے افعال و اشیاء کی تخلیقات کر ڈالیں اور خدا کا بس اپنی خدائی پر بھی نہ رہا کہ اسے ان مخلوقات کے وجود میں آنے کا علم بھی نہ ہو سکا اور اس مقام پر آکر اس کا ارادہ، قدرت، مشیت اور اختیار وغیرہ سب بے کار اور معطل ہو کر رہ گئے۔ (ماخوذ از مسند تقدیر مصنف حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ)

یہ ہے ان دونوں فرقوں کے مسلک کی حقیقت اور اس کا انجام ظاہر ہے کہ یہ دونوں نظریے اپنی اپنی جگہ اسلامی نقطہ نظر سے نہ صرف یہ کہ حد اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں بلکہ گمراہی کی طرف بڑھے ہوئے بھی ہیں جس کا نتیجہ عذاب خداوندی اور خسران آخرت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔

ان دونوں کے مقابلے میں اہل سنت و الجماعت کا مسلک بالکل صاف اور صحیح ہے علماء حق کہتے ہیں کہ تمام افعال و اعمال کا خالق خداوند قدوس ہے اور کاسب بندہ ہے یعنی دنیا میں جتنی چیزیں و قوتیں پذیر ہوئی ہیں یا ہونے والی ہیں وہ سب خدا کے حکم اور اس کے ارادہ و علم سے ہوتی ہیں، اسی طرح بندوں سے جو کچھ افعال سرزد ہوتے ہیں خواہ وہ افعال نیک ہوں یا افعال بد سب نوشہہ تقدیر کے مطابق بروقت و قوت پذیر ہوتے ہیں لیکن بندہ کو محض ودائش، فہم و فراست اور نیک و بد میں امتیاز پیدا کرنے کی صلاحیت عطا فرما کر اس کے سامنے دونوں راستے واضح کر دیے ہیں اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا کہ اگر نیک و بھلائی کے راستے کو اختیار کرو گے تو سعادت و نیک بختی سے نوازے جاؤ گے اور اگر کوئی برائی و بدی کے راستے کو اختیار کرو گے تو عذاب خداوندی میں گرفتار کئے جاؤ گے لہذا بندہ اسباب کسب کے اعتبار سے اپنے ہر عمل و فعل میں مختار ہے۔

گویا اہل سنت و الجماعت بندہ کو بیک وقت مختار بھی کہتے ہیں اور مجبور بھی مگر اس درمیانی انداز سے کہ اسے نہ مختار مطلق جانتے ہیں نہ

مجبور محض یعنی ایک طرف سے اسے مختار مان کر زنجیر تقدیر سے پابستہ بھی کہتے ہیں اور دوسری طرف اسے مجبور کہہ کر اینٹ و پتھر کی طرح بے حس بھی تسلیم نہیں کرتے۔

بہر حال اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فرقتے یعنی مرجیہ اور قدریہ کافر ہیں لیکن حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تحقیق کے مطابق علماء کا قول مختاریہ ہے کہ یہ دونوں فرقتے کافر نہیں ہیں البتہ فاسق ہیں کیوں کہ یہ فرقتے بھی قرآن و حدیث ہی سے تمسک کرتے ہیں اور اپنے نظریات میں تاویل و توجیع کر کے کفر کے دائرہ سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔ لہذا اس حدیث کے بارہ میں کہا جائے گا کہ اس سے ان فرقوں کی زجر و ملامت مقصود ہے اور ان کے غلط عقائد کی گمراہی کو واضح کرنا ہے جس میں اس شدت و سختی کے ساتھ ان کے مذہب کا رد کیا جا رہا ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث کی صحت میں بھی کلام کیا ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل کی تحقیق اس کے برخلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ علماء محققین ان فرقوں پر کفر کا حکم لگاتے ہیں اور ان کو خارج الاسلام مانتے ہیں لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ان کا کفر آیا تاویلی ہے یا ارتدادی۔

(۷۷) وَعَنْ ابْنِ عُثْمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَكُونُ لِي فِي أُتَيْتِي خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَذَلِكُ لِي الْمَكْدُيبِينَ بِالْقَدْرِ - ذَوَاهُ أَبُو ذَاوُدَ وَزَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ.

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ میری اُمت میں (خدا کے دردناک عذاب) زمین میں دھنس جانا اور صورتوں کا مسخ ہو جانا بھی ہو گا اور یہ عذاب ان لوگوں پر ہو گا جو تقدیر کے منکر ہیں (ابوداؤد) امام ترمذی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔“

تشریح: زمین میں دھنس جانا اور صورتوں کا مسخ ہو جانا خدا تعالیٰ کی جانب سے بہت سخت عذاب ہیں جو اس اُمت سے پہلے دوسری امتوں پر ان کی سرکشی اور حد سے زیادہ نافرمانی کی بنا پر ہو چکے ہیں، اس اُمت میں بھی آخر زمانہ میں خدا سے تہرود سرکشی اور بغاوت و نافرمانی حد سے زیادہ بڑھ جائے گی تو ان فرقوں پر یہ عذاب ہو سکتا ہے۔

لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسخ و خسف جیسے دردناک عذاب میری اُمت پر ہوئے تو ان دونوں فرقوں پر ہوں گے۔

(۷۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَدَرُ نُهُ مَجْهُوزٌ هَذِهِ الْأُمَّةُ إِنْ مَرَّ ضَوْؤُهُمْ فَلَا تَعُوذُ لَهُمْ وَإِنْ مَاتُوا فَلَا تَسْهَدُ لَهُمْ - (رواہ احمد والبوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، فرقہ قدریہ اس اُمت کے مجوس ہیں لہذا اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت کے لئے نہ جاؤ اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شریک مت ہونا۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے قدریہ کی صریح گمراہی اور ان کی ضلالت واضح ہے کہ ان کو اس اُمت کا مجوس قرار دیا گیا مجوس ایک آتش پرست قوم ہے جو خود امانتی ہے ایک وہ خدا جو نیکی و بھلائی کا پیدا کرنے والا ہے، اس کو زیور داں کہتے ہیں۔ دوسرا وہ خدا جو برائی و بدی کا پیدا کرنے والا ہے، اس کو اہرمن یعنی شیطان کہتے ہیں۔

لہذا جس طرح مجوسی تعددِ الہ کے قائل ہیں اسی طرح قدریہ بھی بے انتہا خالقوں کے قائل ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک ہر بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اسی طرح جتنے بندے ہوں گے اتنے بھی خالق ہی ہوں گے، نیز جس طرح قدریہ خالقِ خیر الگ اور خالقِ شر الگ مانتے ہیں اسی طرح قدریہ بھی کہتے ہیں کہ خیر و بھلائی کا پیدا کرنے والا تو خدا ہے اور شر و برائی کا پیدا کرنے والا شیطان اور انسانی نفس ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اس فرقہ سے کلیۃً اجتناب کرنا ضروری ہے اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت کے لئے

نہیں جانا چاہیے اگر وہ مرجائیں تو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہونا چاہیے گویا غمی خوشی کسی موقع پر بھی ان کے ساتھ نہ رہنا چاہیے اور نہ ان کے ساتھ کسی قسم کا معاشرتی میل جول رکھنا جائز ہے۔

چنانچہ وہ حضرات جو اس جماعت کو کافروں کے زمرہ میں داخل کرتے ہیں اس حدیث کو اپنے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہیں یعنی مسلمانوں کو ان کے ساتھ میل جول رکھنے سے منع کرتے ہیں۔

اور جو حضرات ان کو کافر نہیں بلکہ فاسق کہتے ہیں وہ اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس حدیث کا مقصد اس جماعت کی گمراہی و ضلالت کو بیان کرنا اور ان کی زجر و ملامت میں شدت کا اظہار کرنا ہے۔

لیکن حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ فرماتے ہیں کہ محققین کا قول یہی ہے کہ نہ تو ان کی عبادت میں جائے اور نہ ان کے جنازہ میں شریک ہو اور جہاں تک ہو سکے ان سے قطع تعلق رکھے۔

(۲۹) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجَالِسُوا أَهْلَ الْقُدْرِ وَلَا تَقَاتِبُوا هُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قدریہ کی ہم نشینی اختیار نہ کرو اور نہ ان کو اپنا حکم (ثالث) بناؤ۔“

(ابوداؤد)

تشریح: قدریہ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، ان سے مجالست کرنا اور ان کی ہم نشینی اختیار کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ان کی مجلسوں میں شریک ہونے سے یہ ظاہر ہو گا کہ ان سے محبت و موانست ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے مناسب نہیں ہے کہ کسی گمراہ جماعت سے تعلق قائم کریں اور ان سے انس و محبت بکرباؤ کریں۔

اس لئے کہ جب ان کے ساتھ رہنا سہنا ہو گا اور ان کی ہم نشینی اختیار کی جائے گی تو ان کے غلط نظریات اور گمراہ اعتقادات کا اثر ان پاس بیٹھنے والوں پر بھی ہو گا اور ان کی گمراہی اہل مجلس کے اعتقاد و اعمال پر بھی اثر انداز ہوگی۔ اور ہو سکتا ہے کوئی شیطانی مکر و فریب میں آکر ان کے اعتقادات کو تسلیم کرے، اس لئے بنیادی طور پر ان کی مجالست و موانست سے بھی منع فرما دیا گیا ہے۔

اسی طرح حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے کسی تنازعہ میں اہل قدر کو حاکم نہ بنائیں اور نہ ان کو اپنا ثالث مقرر کریں لافقا تھوگم کے معنی بعض حضرات یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو نہ پہلے سلام کرو اور نہ از خود ان سے بات چیت شروع کرو۔ واللہ اعلم۔

(۳۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّةٌ لَعْنَتُهُمْ وَلَعْنَهُمُ اللَّهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ يُحِبُّ الزَّائِدَ فِي

كِتَابِ اللَّهِ وَالْمُكَذِّبُ بِقَدْرِ اللَّهِ وَالْمُسْتَبْطِلُ بِالْحَبِزِ زَيْتٍ يُعْزَمُ مَنْ أَذْلَهُ اللَّهُ وَيُذِلُّ مَنْ أَعَزَّهُ اللَّهُ وَالْمُسْتَحِلُّ لِحُرْمِ اللَّهِ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عَمْرَتَيْنِ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِي زَوَاهِ السَّيِّئَةِ فِي الْمَذْخَلِ وَرَزِينٌ فِي كِتَابِهِ۔ (بخاری، رزین)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ چھ شخص ایسے ہیں جن پر میں لعنت بھیجتا ہوں اور خدا نے بھی ان کو ملعون قرار دیا ہے اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے۔ (پہلا) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا (دوسرا) تقدیر الہی کو چھلانے والا۔ (تیسرا) وہ شخص جو زبردستی غلبہ پانے کی بنا پر ایسے شخص کو معزز بنائے جس کو اللہ نے ذلیل کر رکھا ہو اور اس شخص کو ذلیل کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت و عظمت کی دولت سے نوازا رکھا ہو۔ (چوتھا) وہ شخص جو (حدود اللہ سے تجاوز کر کے) اس چیز کو حلال جانے جسے اللہ نے حرام کیا ہو۔ (پانچواں) وہ جو میری اولاد سے وہ چیز قتل (حلال) جانے جو اللہ نے حرام کی ہے۔ اور (چھٹا) وہ شخص جو میری سنت کو چھوڑ دے۔“

(بخاری، رزین)

تشریح: حدیث میں جن اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے وہ اپنے ان غلط عقائد اور گمراہ کن اعمال کی بنا پر شریعت کی نظر میں اتنے مجرم ہیں کہ سرکارِ دو

عالم ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی ہے اور نہ صرف یہ کہ دربار رسالت سے ان پر پھونکار برسائی گئی ہے بلکہ وہ بارگاہ الوہیت سے بھی راندہ درگاہ کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ کسی شخص نے آپ ﷺ سے سوال کیا ہوگا کہ آپ ﷺ ان لوگوں پر لعنت کیوں بھیجتے ہیں؟ تو اس پر آپ ﷺ نے یہ جواب دیا کہ چونکہ خداوند قدوس نے ان کو اپنے اعمال کی بنا پر ملعون قرار دیا ہے اس لئے یہ اسی کے مستحق ہیں کہ رسول بھی ان کو ملعون قرار دے اور ظاہر ہے نبی کے لسان مقدس سے نکلی ہوئی ہر دعا اور ہر بد و عذاب قبولیت تک پہنچ کر رہتی ہے اس لئے جس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم لعنت بھیجیں اس کی دنیا بھی برباد ہوگی اور دین بھی تباہ ہو جائے گا اسی طرف کل نبی بجا بکہہ کر اشارہ فرمایا گیا ہے۔

ویسے تو اس حدیث میں جس ترکیب کے اعتبار سے یہ جملہ معترضہ واقع ہو رہا ہے اور اس کے مقصد لعنت میں شدت ہے۔ پہلا شخص جسے ملعون قرار دیا جا رہا ہے وہ قرآن میں زیادتی کرنے والا ہے، خواہ وہ قرآن میں الفاظ کی زیادتی کرے یا قرآن کی آیتوں کے ایسے معنی بیان کرے جو کتاب اللہ کے مفہوم کے خلاف اور منشاء الہی کے برعکس ہوں۔

تیسرا شخص وہ ہے جو زبردستی غلبہ حاصل کرے اور اپنی ظاہری شان و شوکت کے بل بوتہ پر ان لوگوں کو معزز کرے جو خدا کی نظروں میں ذلیل ہیں اور ان لوگوں کو ذلیل کرے جو خدا کے یہاں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں اور اس تیسرے شخص سے مراد ایسے بادشاہ اور ظالم حاکم ہیں جو اپنے اغراض و مقاصد کی بنا پر حکومت و دولت کے نشر میں خدا کے ان صالح و نیک بندوں اور مسلمانوں کو ذلیل خوار کرتے ہیں جو خدا کے نزدیک بڑی عزت و عظمت کے مالک ہوتے ہیں اور ایسے کافروں، جاہلوں اور بدکار لوگوں کو عزیز رکھتے ہیں جو خدا کی نظر میں خست ذلیل ہوتے ہیں۔

چوتھا شخص وہ ہے جو خدا کی قائم کی ہوئی حدود سے تجاوز کرتا ہے یعنی ان چیزوں کو حلال سمجھتا ہے جو خدا کی جانب سے حرام کر دی گئی ہیں مثلاً بیت اللہ مکہ میں جن باتوں کو خدا نے ممنوع قرار دیا ہے جیسے کسی جانور کا شکار کرنا، درخت وغیرہ کا ٹہنا، یا بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا، ان کو وہ حلال سمجھتا ہو، ایسے ہی سرکار دو عالم ﷺ کی اولاد کے بارہ میں جن چیزوں کو خدا نے حرام کیا ہے ان کو ہلال کرتا ہو یعنی آنحضرت کی اولاد کی عزت و تعظیم کو نا ضروری ہے لیکن کوئی شخص نہ کرنے کو جابر سمجھے یا ان کو تکلیف پہنچانا حرام قرار دیا گیا ہے ان کو تکلیف پہنچانا حلال جانے تو اس پر بھی لعنت فرمائی گئی۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص میری اولاد میں سے ہونے کے باوجود ان افعال کو حلال جان کر کرتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس طرح اس کا مقصد سیدوں کو تنبیہ کرنا ہے کہ یہ لوگ سرکار دو عالم ﷺ کی اولاد میں ہونے کے ناطے گناہ و معصیت سے بچتے رہیں، اس لئے کہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں اس قوم کو گناہ و معصیت زیادہ برائی و تباہی کا باعث ہیں کیونکہ ان کا نسبى تعلق براہ راست آنحضرت ﷺ سے ہے۔

اسی طرح پانچواں ملعون وہ شخص قرار دیا گیا ہے جو ان چیزوں کو حرام سمجھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو۔

چھٹا ملعون اس شخص کو قرار دیا گیا ہے جو سنت نبوی کو ترک کرتا ہو۔

اس کا مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص سستی اور کسل کی بنا پر سنت کو ترک کرتا ہو وہ گناہ گار ہے اور جو شخص سنت کو نعوذ باللہ ناقابل اعتناء سمجھ کر چھوڑتا ہو تو وہ کافر ہے لیکن اس لعنت میں دونوں شریک ہیں۔ مگر یہ کہا جائے گا کہ جو شخص ازراہ کسل و سستی سنت چھوڑتا ہے اس پر لعنت کرنا جبر و توجہ کے لئے ہے اور جو شخص ناقابل اعتناء سمجھ کر سنت کو ترک کرتا ہے اس پر حقیقہ لعنت ہوگی ہاں اگر کوئی شخص کسی وجہ سے کسی وقت سنت کو ترک کر دے تو اس پر گناہ نہیں ہوگا لیکن یہ بھی مناسب نہیں ہے۔

حضرت شاہ محمد اعلیٰ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ وعید سنت مؤکدہ کے ترک کرنے پر ہے۔

(۳۱) وَعَنْ مَطَرِ بْنِ عِكَاظٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَضَى اللَّهُ لِعَبْدٍ أَنْ يَمُوتَ بِأَرْضٍ جَعَلَ لَهُ

إِلَيْهَا حَاجَةٌ - (رواہ احمد و الترمذی)

”اور حضرت مطہر بن عکاسؒ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کی موت کو کسی زمین میں مقدر کر دیتا ہے تو اس زمین کی طرف اس کی حاجت کو بھی پورا کر دیتا ہے تاکہ وہاں جانے پر مجبور ہو اور وہاں جا کر موت کا شکار ہو۔“ (ترمذی)

(۳۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ذَرَانِي الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَ مِنْ أَبَائِهِمْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَلَا عَمَلٍ قَالَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ قُلْتُ فَذَرَانِي الْمُشْرِكِينَ؟ قَالَ مِنْ أَبَائِهِمْ قُلْتُ بَلَا عَمَلٍ قَالَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ (جنت و دوزخ کے سلسلہ میں) مسلمان بچوں کو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے تابع ہیں یعنی وہ اپنے باپوں کے ساتھ جنت میں ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ بغیر کسی عمل کے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ بچے جو کچھ کرنے والے تھے، میں نے پھر پوچھا اچھا مشرکوں کی اولاد کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ بھی اپنے باپوں کے تابع ہیں۔ میں نے (تعب سے) پوچھا، بغیر کسی عمل کے؟ آپ نے فرمایا خدا ہی بہتر جانتا ہے وہ بچے جو کچھ کرنے والے تھے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہؓ کا منشاء ان مؤمنین اور مشرک بچوں کے بارہ میں معلوم کرنا تھا جو حالت کسنی میں اس دنیا سے کوچ کر گئے تھے اور جن سے کوئی عمل خیر یا عمل بد صادر نہیں ہوا تھا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کے جواب کے بعد حضرت عائشہؓ کو تعجب ہوا کہ مسلمان بچے بغیر کسی عمل کے بہشت میں کس طرح داخل ہو جائیں گے تو اس پر آنحضرت ﷺ نے واللہ اعلم بما کانوا عَامِلِينَ (یعنی خدا خوب جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے) کہہ کر قضا و قدر کی طرف اشارہ فرمادیا کہ وہ جو کچھ عمل کرنے والے تھے وہ نوشہ تقدیر میں محفوظ ہو چکا ہے، گو اس وقت بالفعل ان سے عمل سرزد نہیں ہوئے ہیں لیکن جو کچھ عمل وہ زندگی کی حالت میں کرتے وہ خدا کے علم میں ہوں گے اس لئے ان کے جتنی ہونے پر تعجب نہ کرو۔

مشرک بچوں کے بارے میں علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں سرکارِ دو عالم ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے باپوں کے تابع ہیں، آخرت کا معاملہ خدا کے سپرد ہے اور وہی جانتا ہے کہ وہاں ان کے ساتھ کیسا برتاؤ ہو گا اس لئے ان کے بارہ میں کوئی حکم یقین کے ساتھ نہیں لگایا جاسکتا۔

(۳۳) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْوَالِدَةُ وَالْمَوْتَءُ وَذَةُ الْفَرْجِ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ زندہ بچہ کو گھڑنے والی (عورت) اور وہ جس کو گھڑا گیا دونوں دوزخ میں ہیں۔“ (ابو داؤد)

تشریح: زمانہ جاہلیت میں زندہ بچوں کو دفن کر دینے کا دردناک طریقہ جاری تھا، خصوصاً لڑکی کو تو پیدا ہوتے ہی منوں مٹی کے نیچے اندر دہ ناک طریقہ پر دبا دیا جاتا تھا جب اسلام کی مقدس روشنی نے ظلم و جہل کی تمام تاریکیوں کو دور کیا تو یہ غیر انسانی طریقہ بھی ختم کر دیا گیا، اس کے بارے میں یہ حدیث دعیہ ہے اور زندہ بچوں کو دفن کر دینے والوں کو دوزخی قرار دے رہی ہے۔

”گھڑنے والی“ سے مراد وہ عورت ہے جس نے بچہ کو زمین میں دفن کیا مثلاً دانی یا نوکرانی وغیرہ اور مَوْتَءُ، جس کو گھڑا گیا، سے مراد وہ عورت ہے جس نے اسے جنا ہے یعنی اس بچہ کی ماں جس کے حکم سے اس کو زمین میں دفن کیا گیا ہو۔

یا اس سے مراد وہی بچی ہے جس کو گھڑ دیا گیا ہے کہ جس طرح اس کے والدین دوزخی ہیں اسی طرح جب وہ بھی کسنی کی حالت میں اس

لے مطہر بن عکاسؒ السلی کا شمار کو فیوں میں ہوتا ہے ان سے صرف یہی ایک حدیث منقول ہے، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔

دنیا سے ختم کر دی گئی تو اپنے باپ کی طرح دوزخی ہوئی جیسا کہ اس سے پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت کسبی میں جو بچہ اس دنیا سے چلا جاتا ہے وہ اپنے باپ کے تابع ہوتا ہے۔

الفصل الثالث

(۳۴) عَنْ أَبِي الدُّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فَرَّغَ إِلَى كُلِّ غَنَدٍ مِنْ خَلْقِهِ مِنْ تَحْفِظٍ مِنْ أَجَلِهِ وَعَمَلِهِ وَمَصْنُوعِهِ وَأَثَرِهِ وَرِزْقِهِ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو الدرداءؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے ہر ایک بندے کے متعلق پانچ باتوں سے (تقدیر لکھ کر) فارغ ہو گیا۔ ① اس کی موت (کہ کب آئے گی)۔ ② اس کے (نیک و بد) اعمال۔ ③ اس کے رہنے کی جگہ۔ ④ اس کی دایہ کی جگہ۔ ⑤ اور اس کا رزق۔“ (احمد)

تشریح: ہر انسان کی پیدائش سے بھی پہلے ازل ہی میں اس کے مقدر میں پانچ چیزیں لکھ دی گئی ہیں جن میں اب نہ کمی بیشی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی تغیر و تبدل ممکن ہے چنانچہ ہر انسان کی تقدیر میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ اس کی عمر کتنی ہے اور موت کب آئے گی اب جو وقت اور جو لمحہ موت کا لکھ دیا ہے اس میں ایک سیکنڈ اور ایک پل بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی، اسی طرح انسان کے نیک و بد اعمال بھی اس کی پیدائش سے پہلے ہی نوشتہ تقدیر ہو چکے ہوتے ہیں، کہ اس سے اعمال کیسے صادر ہوں ہوں گے، جتنے نیک اعمال لکھ دیئے گئے ہیں وہ یقیناً صادر ہوں گے اور جتنے بد اعمال لکھ دیئے گئے ہیں وہ بھی اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوں گے۔

ہر انسان کے قیام کی جگہ اور اس کے حرکات و سکنات کا مقام بھی پہلے سے متعین ہو چکا ہوتا ہے کہ کس زمین اور کس خطہ میں اس کا وجود و قیام ہو گا اور کس روئے زمین پر اس کی زندگی کے اعمال و افعال صادر ہوں گے، انسان کا رزق بھی اس کی نوشتہ تقدیر کے مطابق ہی حصہ میں آتا ہے جس کے مقدر میں جتنا اور جس قسم کا رزق لکھ دیا گیا ہے وہ ضرور اس تک پہنچے گا اگر تھوڑا ہی رزق لکھا ہے تو کم ہی ملے گا اور زیادہ لکھ دیا گیا ہے تو زیادہ ملے گا اسی طرح اگر کسی کے مقدر میں حلال رزق لکھا گیا ہے تو وہ حلال رزق ہی کھائے گا اور اگر حرام رزق لکھ دیا گیا ہے تو وہ حرام رزق کھائے گا۔ یا رزق سے مراد یہ ہے کہ بندہ کو اس کی زندگی میں جو کچھ منافع و آسائیاں اور راحت و آرام سے پہنچنے والے ہیں سب اس کی تقدیر میں پہلے ہی لکھ دیئے گئے ہیں۔

(۳۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ تَكَلَّمَ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقَدَرِ يُسْتَنْتَلِ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيهِ لَمْ يُسْتَنْتَلِ عَنْهُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جو شخص تقدیر کے مسئلہ میں بحث و مباحثہ کرے گا قیامت میں اس سے باز پرس ہوگی اور جو شخص اس پر ایمان لا کر خاموشی اختیار کرے گا وہ اس مواخذہ سے بچ جائے گا۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کا مقصد تقدیر کے مسئلہ میں غورو فکر اور تحقیق و تجسس سے منع کرنا ہے کہ خدا کے اس راز میں جو بندوں پر ظاہر نہ کرنا ہی مصلحتِ خداوندی ہے زیادہ بحث و مباحثہ کرنا اپنی عقل کی پیروی کرنا آخرت کے لئے کوئی کارآمد نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ میں کسی قسم کا غورو فکر یا تحقیق و تجسس خسرانِ آخرت اور قیامت میں باز پرس کا باعث ہے اس لئے فلاح و سعادت اسی میں ہے کہ تقدیر پر ایمان لایا جائے اور خاموشی اختیار کر کے عمل میں مصروف رہے۔

۱۔ آپ کا نام عومیر ہے لیکن اس میں بہت اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے اصل نام عامر ابن مالک ہے اور عومیر لقب ہے لیکن یہ اپنی کنیت ابو الدرداء سے مشہور ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے دو سال قبل دمشق میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔

(۳۶) وَعَنْ ابْنِ الدِّينَالِيِّ قَالَ أَتَيْتُ ابْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ لَهُ قَدْ وَقَعَ لِي نَفْسِي شَيْءٌ مِنَ الْقَدْرِ فَحَدِّثْنِي لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُذْهِبَهُ مِنْ قَلْبِي فَقَالَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ عَذَّبَ أَهْلَ سَمَوَاتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ عَذَابَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرَ لَهُمْ مِنْ أَعْمَالِهِمْ وَلَوْ أَلْفَقْتُ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا لِي سَبِيلَ اللَّهِ مَا قَبِلَهُ اللَّهُ مِنْكَ حَتَّى تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ وَتَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَأَنَّ مَا خَطَاكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ وَلَوْ مِتُّ عَلَى غَيْرِ هَذَا لَدَخَلْتُ النَّارَ قَالَ ثُمَّ أَتَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ فَقَالَ مِثْلَ ذَلِكَ قَالَ ثُمَّ أَتَيْتُ حَذِيفَةَ بْنَ الِیْمَانِ فَقَالَ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ أَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَنِي عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذَلِكَ۔ (رواه احمد والبوداؤد وابن ماجه)

”اور حضرت ابن دہلی رحمہ اللہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابی بن کعبؓ (صحابی) کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے دل میں تقدیر کے بارے میں کچھ شبہات پیدا ہو رہے ہیں (کہ جب تمام چیزیں نوشہرہ تقدیر کے مطابق ہیں تو پھر یہ ثواب یا عذاب کیسا؟) اس لئے آپ کوئی حدیث بیان کیجئے تاکہ (اس کی وجہ سے) شاید اللہ تعالیٰ میرے دل کو اس شبہ (کی گندگی) سے پاک کر دے۔ (یہ سن کر) انہوں نے فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ آسمان والوں اور زمین والوں کو عذاب میں مبتلا کرے تو وہ ان پر کسی طرح کا ظلم کرنے والا نہیں ہے (یعنی وہ اہل زمین اور اہل آسمان کو کتنا ہی عذاب دے اسے ظلم نہیں کہا جائے گا) اور اگر وہ ان کو اپنی رحمت سے نواز دے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے یقیناً بہتر ہوگی، اور اگر تم خدا کی راہ میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو تمہارا یہ عمل خیر خدا کے نزدیک اس وقت تک قبول نہیں ہوگا جب تک کہ تم تقدیر پر کامل اعتقاد و ایمان نہ رکھو اور یہ سمجھ لو کہ جو کچھ تم کو پہنچا ہے وہ (رکے) اور خطا کرنے والا نہ تھا اور جو چیز رک گئی اور تمہیں نہیں پہنچی تو سمجھو کہ وہ تمہارے مقدر میں نہیں تھی، اور اگر تم اس حالت میں مرنے جاؤ کہ اس کے خلاف عقیدہ ہو (یعنی تقدیر پر کامل ایمان نہ ہو) تو یقیناً روزِ آخر میں جاؤ گے، ابن دہلی کہتے ہیں کہ ابی بن کعب کا یہ بیان سن کر میں عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے بھی یہی بیان کیا پھر حفصہ بن یمانؓ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی یہی کہا اور پھر میں زید بن ثابتؓ کے پاس پہنچا انہوں نے اس قسم کی حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا۔“ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: حدیث کے الفاظ اَنْ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو کچھ حاصل ہوا اس کے بارے میں یہ نہ کہو کہ اسے میں نے اپنی سعی و کوشش سے حاصل کیا ہے اور اگر کوئی چیز تمہیں نہ ملے تو یہ مت کہو کہ اگر یہ کوشش اور جدوجہد کہ تا کو ضرور اسے حاصل کر لیتا اس لئے کہ جو کچھ تم تک پہنچا ہے اس میں تمہاری سعی و کوشش کو دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ نوشہرہ تقدیر کے مطابق پہنچتا ہے اور جو چیز تمہیں نہیں ملی وہ چونکہ تمہارے مقدر میں نہیں تھی اس لئے وہ تمہاری کوشش سے بھی نہیں ملتی اس لئے یہ جان لینا چاہیے کہ کسی چیز کا حاصل ہونا اور نہ ملنا سب تقدیر الہی کے مطابق ہے۔

(۳۷) وَعَنْ ثَابِتٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ إِنَّ فَلَانًا يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ فَقَالَ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّهُ قَدْ أَخَذْتُ فَإِنْ كَانَ قَدْ أَخَذْتُ فَلَا تَقْرَأْهُ مِنِّي السَّلَامَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَكُونُ فِي أُمَّتِي فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ خُسْفٌ وَمَسْخٌ أَوْ قَذْفٌ فِي أَهْلِ الْقَدْرِ زَوَاهِ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ثابٹؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس شخص نے دین میں (کوئی) نئی بات نکالی ہے اگر واقعی اس نے دین میں (کوئی) نئی بات پیدا

کی حضرت ابن دہلی رحمہ اللہ علیہ تابعی ہیں آئم گرامی ضحاک بن یزید دہلی ہے آپ کا شمار یمن کے تابعین میں ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت ابی بن کعبؓ انصاری و خزرجی ہیں کنیت ابی ہند ہے جو سرکارِ دو عالم ﷺ نے رکھی تھی آپ کی وفات حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔

۳۔ حضرت ثابٹؓ تابعی کا شمار یمن میں ہوتا ہے ۱۱۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

کی ہے۔ تو میری طرف سے (جواب میں) اسے سلام نہ پہنچاؤ، اس لئے کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری اُمت میں سے پایہ فرمایا کہ اس اُمت میں سے (خدا کے درونِ ناک عذابِ زمین میں دھنک جاتا، اور صورت کا رخ ہو جانا سنگساری اہلِ قدر) (یعنی تقدیر کا انکار کرنے والوں) پر ہوگا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح و غریب ہے۔

تشریح: آنے والے نے حضرت ابن عمرؓ تک جس شخص کا سلام پہنچایا تھا اس کے بارہ میں حضرت ابن عمرؓ کو معلوم ہوا ہوگا کہ اس نے اپنی طرف سے دین میں نئی باتیں پیدا کی ہیں یعنی وہ تقدیر کا انکار کرتا ہے۔ لہذا حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے سلام کے جواب میں میرا سلام اس تک نہ پہنچانا کیونکہ ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم ایسے لوگوں سے سلام کلام نہ کریں اور نہ ان سے تعلقات قائم کریں جو بدعتی ہوں اور خدا، خدا کے رسول کی قیادت کی ہوئی حدود سے تجاوز کرتے ہوں۔

چنانچہ علماء اہل حدیث کی بنا پر اس بات کا حکم لگاتے ہیں کہ فاسق و فاجر و اہل بدعت کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے بلکہ سنت بھی نہیں ہے اور چونکہ ان کے ساتھ یہ معاملہ ان کی تعبیر کے لئے ہے اس لئے ان سے ترک ملاقات بھی جائز ہے۔

(۱۸) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ خَدِيجَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الَّذِينَ مَاتُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمْ فِي النَّارِ قَالَ فَلَمَّا زَايَ الْكَرَاهَةَ فِي وَجْهِهَا قَالَ لَوْ زَايْتُ مَكَانَهُمْ لَمْ أَبْغُضْهُمْ مَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَوْلِي مِنْكَ قَالَ فِي الْجَنَّةِ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُؤْمِنِينَ وَأَوْلَادَهُمْ فِي الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمُشْرِكِينَ وَأَوْلَادَهُمْ فِي النَّارِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ۔

(رواہ احمد)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ حضرت خدیجہؓ نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے اپنے دونوں بچوں کے بارہ میں پوچھا جو زمانہ جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) مر گئے تھے (کہ وہ جنتی ہیں یا دوزخی) سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ وہ دونوں (بچے) دوزخ میں ہیں، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے چہرہ کا رنگ (اپنے بچوں کے بارہ میں یہ سن کر) بدلا ہوا (یعنی ان کو رنجیدہ) دیکھا تو فرمایا اگر تم ان (بچوں) کے ٹھکانے اور ان کا حال دیکھو کہ وہ کس طرح خدا کی رحمت سے دور ہیں تو تم کو ان (بچوں) سے نفرت ہو جائے، پھر حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اچھا میری وہ اولاد جو آپ ﷺ سے پیدا ہوئی ہے (ہاں اور عبد اللہ) آپ نے فرمایا وہ جنت میں ہیں، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ مؤمنین اور ان کی اولاد جنت میں ہیں اور مشرکین کی اولاد دوزخ میں ہیں، اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (القرآن) ”ترجمہ“ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کی اطاعت کی (تو ہم ان کی اولاد کو) جنت میں) انہیں کے ساتھ رکھیں گے۔“ (احمد)

(۱۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهُ فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهِ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّيَّتِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَجَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَبَيْنَا مِنْ نُورِهِمْ عَرَضُهُمْ عَلَى آدَمَ فَقَالَ أَيْنَ رَبِّ مَنْ هَؤُلَاءِ فَقَالَ ذُرِّيَّتُكَ فَرَأَى رَجُلًا مِنْهُمْ فَأَعْجَبَهُ وَبَيَّضَ مَائِينَ عَيْنَيْهِ قَالَ أَيْنَ رَبِّ مَنْ هَذَا قَالَ دَاوُدُ فَقَالَ أَيْنَ رَبِّ كَيْفَ جَعَلْتَ عُمُرَهُ قَالَ مِائَتَيْنِ سَنَةً قَالَ رَبِّ زِدْهُ مِنْ عُمُرِي أَوْ بَعِثْ سَنَةً قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا انْقَضَى عُمُرُ آدَمَ إِلَّا أَرْبَعِينَ جَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ فَقَالَ آدَمُ أَوَلَمْ يَبْقَ مِنْ عُمُرِي أَرْبَعُونَ سَنَةً قَالَ أَوَلَمْ تُعْطِهَا ابْنُكَ دَاوُدَ فَجَحَدَ آدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ وَنَسِيَ آدَمُ فَاكُلَ مِنَ الشَّجَرَةِ فَتَسَيَّتْ ذُرِّيَّتُهُ وَخَطَأَ آدَمُ وَخَطَأَتْ

لہذا امام المؤمنین حضرت خدیجہؓ اکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا خدیجہ بنت خویلد قریشیہ اور بعد یہ ہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی زوجہ مطہرہ ہیں، حضرت خدیجہؓ کا سب سے بڑا اعتباری شرف یہ ہے کہ آپ تمام مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے اسلام لائیں ہیں۔ آپ کا انتقال ہجرت سے تین سال پہلے مکہ مکرمہ رمضان کے مہینہ میں ۶۵ سال کی عمر میں ہوا۔

اپنے رہنے ہاتھ کی مٹھی میں ایک جماعت لی اور فرمایا کہ یہ (دو اپنے ہاتھ کی جماعت) جنت کے لئے ہے اور بائیں ہاتھ کی جماعت دوزخ کے لئے ہے اور مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے، یہ کہہ کر ابو عبد اللہ نے فرمایا، میں نہیں جانتا کہ میں کس مٹھی میں ہوں (یعنی دائیں مٹھی میں ہوں یا بائیں مٹھی میں ہوں)۔ (احمد)

تشریح: حضرت ابو عبد اللہ صحابی بیمار ہوئے ان کے کچھ دوست و احباب مزاج پری کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں، ان لوگوں نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا کہ آپ کو تو سرکارِ دو عالم ﷺ کی صحابیت کا شرف حاصل ہے اور پھر مزید یہ کہ آنحضرت ﷺ نے آپ سے یہ فرمایا تھا کہ تم اپنی مونچھوں کو پست ہلکی کر اترتے رہنا اور اسی پر قائم رہنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر یا جنت میں مجھ سے تم ملاقات کرو تو کوئی آپ کو جنت میں سرکارِ دو عالم ﷺ سے ملاقات کی بشارت دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ جنت میں داخل ہونا اور اس عظیم سعادت سے بہرہ ور ہونا بغیر اسلام کے ہو نہیں سکتا، تو معلوم ہوا کہ آپ کا خاتمہ باخیر ہوگا اور آپ ایمان و اسلام کے ساتھ اس دنیا سے کوچ کریں گے، لہذا پھر رونائیں؟ اور یہ غروم کیسا؟ اس کا جواب مرد حق آگاہ نے یہ دیا کہ صحیح اور بجا ہے اور اس بشارت کی صداقت کا اعتقاد بھی ہے لیکن پروردگارِ عالم بے نیاز ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کی مرضی میں کسی کا دخل نہیں ہے اور پھر خدا تعالیٰ نے خود یہ فرمایا ہے کہ میں جس کو چاہوں جنت کی سعادت سے نواز دوں اور جس کو چاہوں دوزخ کے حوالہ کر دوں اور مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ تو مجھے بھی یہ خوف کھانے جارہا ہے کہ نامعلوم میرا کیا حشر ہو؟ اور دل اس خوف سے لرزاں اور آنکھیں ڈر سے اشک بار ہیں کہ نہ جانے خدا نے میرے مقدر میں کیا لکھ رکھا ہے۔

یہ ان کے جواب کا حاصل تھا، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخرت کے تصور اور خوفِ خدا کے غلبہ سے اس بشارت کو بھول گئے ہوں اور انہیں اس کا احساس نہ رہا ہو کہ دانِ نبوت نے مجھے اس بشارت جیسی عظیم سعادت سے بھی نوازا رکھا ہے۔

علامہ طیبی علیہ الرحمۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مونچھیں ہلکی کرانا سنتِ موکدہ ہے اور اس عمل پر قائم رہنا اور ہمیشہ اس کو کرتے رہنا جنت میں دخول اور وہاں سرکارِ دو عالم ﷺ کے زیر سایہ ہونے کا ذریعہ ہے۔

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اس ایک سنت کو ترک کرنے سے یعنی مونچھیں پست و ہلکی نہ کرانے سے ایسی عظیم سعادت اور اتنی بڑی فلاح ہاتھ سے جاتی ہے چہ جائیکہ سنت کو ہمیشہ ترک کرتا رہے، اس لئے کہ ترکِ سنت پر اصرار، الحاد و زندقہ تک پہنچاتا ہے۔ (نعموز باللہ)۔

(۴۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَخَذَ اللَّهُ الْبَيْتَاقَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بِنِعْمَانٍ نَعْنِي عَرْفَةَ فَأَخْرَجَ مِنْ صَلْبِهِ كُلَّ ذُرِّيَّةٍ ذُرَاهَا فَتَنَزَّوْهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالَّذِينَ تَمَّ كَلَمَهُمْ قَبْلًا قَالَ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ۔ (رواہ احمد، الاعراف ۱۷۳)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے میدانِ عرفہ کے قریب مقامِ نعمان میں آدم علیہ السلام کی اس اولاد سے جو ان کی پشت سے نکلی تھی عہد لیا چنانچہ آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ساری اولاد کو نکالا جن کو (ازل سے ابد تک) پیدا کرتا تھا اور ان سب کو جیونہیوں کی طرح آدم علیہ السلام کے سامنے پھیلا دیا پھر خدا نے ان سے رو برو گفتگو کی، فرمایا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ آدم کی اولاد نے کہا، بے شک آپ ہمارے رب ہیں پھر خدا نے فرمایا، یہ شہادت میں نے تم سے اس لئے لی ہے کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے غافل و نادان تھے یا تم یہ نہ کہہ دو کہ ہمارے باپ داوا نے ہم سے پہلے شرک کیا تھا اور ہم ان کی اولاد تھے ہم نے ان کی اطاعت کی تھی، کیا تو باطل پرستوں کے اعمال کے سبب ہلاک کرتا ہے۔“ (احمد)

تشریح: خدا نے تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم قیامت میں یہ دلیل نہیں دے سکتے کہ چونکہ ہمارے باپ داوا نے شرک کیا تھا

اس لئے ہم بھی انہیں کے ساتھ رہے، یا ہم تو اپنے باپ دادا کے پیروکار اور ان کے تابع ہیں انہوں نے جو راستہ اختیار کیا ہوا تھا ہم بھی اسی پر چل رہے تھے لہذا اس کفر و شرک کے اصل ذمہ دار ہمارے باپ دادا ہیں جنہوں نے ہمیں اس راستہ پر ڈالا اس اعتبار سے مورد الزام وہ ٹھہر سکتے ہیں، ہم ان کی وجہ سے عذاب و دوزخ کے مستحق نہیں ہو سکتے اس لئے کہ عذاب کے حقیقی مستحق تو وہی لوگ ہیں جو اس راہ کے پیش رو تھے۔

پس اسے شرک و کفر کرنے والو! جان لو کہ قیامت کے دن یہ حجت تمہارے لئے کارآمد نہیں ہو سکے گی کیونکہ اسی لئے ہم نے تم سے اپنی توحید کا اقرار پہلے ہی کر لیا ہے اور تم اس پر شہادت دے چکے ہو، نیز اسی عہد و اقرار کی توثیق اور اس کی یاد دہانی کے لئے ہر دور میں دنیا کے تمام حصوں اور تمام طبقوں میں انبیاء علیہم السلام تشریف لائے تاکہ وہ بنی نوع انسان کو اس کا اپنا عہد و اقرار یاد دلائیں اور ان کو صحیح راستہ پر لگائیں۔

(۳۳) وَعَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ وَإِذَا أَخَذْنَا مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ قَالَتْ جَمْعُهُمْ فَجَعَلَهُمْ أَزْوَاجًا ثُمَّ صَوَّرَهُمْ فَمَنْتَنَظَقَهُمْ فَكَتَلُمُوا ثُمَّ أَخَذَ عَلَيْهِمُ الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ «الْأَسْبَاطُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى» قَالَتْ إِنِّي أَشْهَدُ عَلَيْكُمْ السَّمَوَاتِ السَّبْعَ وَالْأَرْضِينَ السَّبْعَ وَأَشْهَدُ عَلَيْكُمْ آبَاكُمْ آدَمَ أَنْ يَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَمْ نَعْلَمْ بِهَذَا إِنْ لَمْ نَعْلَمْ أَنَّ لَا إِلَهَ غَيْرِي وَلَا رَبَّ غَيْرِي وَلَا تُشْرِكُوا بِي شَيْئًا إِنِّي سَأَرْسِلُ إِلَيْكُمْ رَسُولِي يَذْكُرُونَكُمْ عَهْدِي وَمِيثَاقِي وَأَنْزِلَ عَلَيْكُمْ كُتُبِي قَالُوا شَهِدْنَا بِأَنَّكَ رَبُّنَا وَالْهَذَا لَارَبُّ لَنَا غَيْرُكَ وَلَا إِلَهَ لَنَا غَيْرُكَ فَأَقْرَأُوا بِذَلِكَ وَرَفَعَ عَلَيْهِمْ آدَمُ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ فَرَأَى الْغَنَى وَالْفَقِيرَ وَحَسَنَ الصُّورَةِ وَذَوْنَ ذَلِكَ فَقَالَ رَبِّ لَوْلَا سَوِّتُ بَيْنَ عِبَادِكَ قَالَ إِنِّي اخْتَبَيْتُ أَنْ أَشْكُرَ وَرَأَى الْأَنْبِيَاءَ فِيهِمْ مِثْلَ الشُّجْرِ عَلَيْهِمُ الثُّورُ خُصُوصًا بِمِيثَاقِي أَخْرَجَنِي الرِّسَالَةَ وَالْثُبُورَ وَهُوَ قَوْلُهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ إِلَى قَوْلِهِ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ كَانَ فِي تِلْكَ الْأَزْوَاجِ فَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مَرْيَمَ عَلَيْهَا السَّلَامَ فَخَبَّرَتْ عَنْ أَبِي آدَمَ دَخَلَ مِنْ فِيْهَا - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابی بن کعبؓ اس آیت: وَإِذَا أَخَذْنَا مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ترجمہ: (جب تمہارے پروردگار نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ خدا نے (اولاد آدم کو) جمع کیا اور ان کو طرح طرح کا اقرار دیا (یعنی کسی کو مالدار کسی کو غریب کرنے کا ارادہ کیا پھر ان کو شکل و صورت عطا کی اور پھر گویائی بخشی، اور انہوں نے باتیں کیں پھر ان سے عہد و پیمان کیا اور پھر ان کو اپنے اوپر گواہ قرار دے کر پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اولاد آدم نے کہا، بے شک! (آپ ہمارے رب ہیں) خدا نے تعالیٰ نے فرمایا، میں سات آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو تمہارے سامنے گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو بھی شاہد قرار دیتا ہوں اس لئے کہ قیامت کے دن کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے ناواقف تھے (اس وقت) تم اچھی طرح جان لو کہ نہ تو میرے سوا کوئی معبود ہے اور نہ میرے سوا کوئی پروردگار ہے، (اور خبردار) کسی کو میرا شریک قرار نہ دینا، میں تمہارے پاس عقرب اپنے رسول بھیجوں گا، جو تمہیں میرا عہد و پیمان یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا (یہ سن کر) اولاد آدم نے کہا، ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب ہے اور تو ہی ہمارا معبود ہے، تیرے سوا تو ہمارا کوئی پروردگار ہے اور نہ تیرے علاوہ ہمارا کوئی معبود ہے، چنانچہ آدم علیہ السلام کی ساری اولاد نے اس کا اقرار کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے اوپر بلند کر دیا گیا وہ (اپنی نگاہیں بلند کئے ہوئے) اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی اولاد امیر بھی ہیں اور فقیر بھی اور خوبصورت بھی ہیں اور بد صورت بھی (یہ دیکھ کر انہوں نے عرض کیا، پروردگار اپنے تمام بندوں کو تو نے یکساں کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ”میں اسے پسند کرتا ہوں کہ میرے بندے میرا شکر ادا کرتے رہیں“ پھر آدم علیہ السلام نے انبیاء کو دیکھا جو چراغوں کی مانند روشن تھے اور نور ان کے اوپر جلوہ گر تھا ان سے خصوصیت کے ساتھ رسالت و نبوت کے لئے عہد و پیمان لئے گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ

وَهُؤُلَاسِي وَعَيْسَى بْنِ مَرْيَمَ (قرآن حکیم) ترجمہ: اور جب ہم نے پیغمبروں سے ان کا عہد و پیمان لیا اور آپ محمد (ﷺ) سے اور نوح (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) سے اور موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) بن مریم سے (بھی) عہد و پیمان لیا، ان روحوں کے درمیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے چنانچہ ان کی روح کو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیج دیا، حضرت ابی بیان کرتے ہیں کہ یہ روح حضرت مریم علیہا السلام کے منہ کی طرف سے ان کے جسم میں داخل ہو گئی۔ " (احمد)

تشریح: حضرت آدم علیہ السلام نے جب ان ارواح میں فرق دیکھا کہ انہیں کی اولاد میں سے کوئی تو سرمایہ دار اور صاحب دولت ہے اور کوئی غریب و مفلس تو انہیں حیرت ہوئی اور انہوں نے بارگاہ الوہیت میں عرض کیا کہ الہ العظیم! اس میری اولاد میں سے ہیں اور یہ سبھی تیرے بندے ہیں پھر ان میں یہ فرق کیوں؟ کوئی صاحب حیثیت ہے اور کوئی لاچار، کسی کو عزت و دولت دے رکھی ہے اور کسی کو غربت و مفلسی!۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان میں فرق پیدا کرنے کی ایک حکمت ہے اور اس میں ایک مصلحت ہے اور وہ یہ کہ اگر میں سب کو یکساں پیدا کر دیتا تو یہ شکر ادا نہ کرتے اور جب ایک انسان میں وہ صفات و خصائل پیدا کر دیے جائیں گے جو دوسرے انسانوں میں نہیں ہوں گے تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر شکر ادا کیا کریں گے مثلاً تنگدست اور مفلس میں تقویٰ، اطاعت الہی کا مادہ، سکون قلب و دماغ اور دنیا سے بے فکری ہوتی ہے، جو کسی غنی اور مالدار میں نہیں ہوتی اسی طرح غنی و مالدار کو دولت کی فراوانی اور اسباب معیشت کی آسانیاں حاصل ہوتی ہیں جو غریب و محتاج کو میسر نہیں۔

لہذا جس کے اندر جو خصائل ہوں گے اور وہ ان کی لذت سے نا آشنا ہوگا، دوسرے کے اندر اس کا فقدان دیکھ کر اس نعمت پر شکر گزار ہوگا جس کی بناء پر خدا کی رحمت کا مستحق قرار دیا جائے گا۔

(۳۳) وَعَنْ أَبِي الدُّرْدَاءِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَذَاكَرُ مَا يَكُونُ إِذَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَكَانِهِ فَصَدَّقُوهُ وَإِذَا سَمِعْتُمْ بِوَجَلٍ تَغَيَّرَ عَنْ خُلُقِهِ فَلَا تُصَدِّقُوهُ بِهِ فَإِنَّهُ يُصَيِّرُ إِلَى مَا جَبَلٌ عَلَيْهِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ ہم سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے آئندہ وقوع پذیر ہونے والی باتوں پر گفتگو کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے (ہماری باتوں کو سن کر فرمایا۔ جب تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے سرک گیا ہے تو اسے سچ مان لو لیکن جب تم یہ سنو کہ کسی شخص کی خلقت بدل گئی ہے تو اس کا اعتبار نہ کرو اس لئے کہ انسان اسی چیز کی طرف جاتا ہے جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے۔" (احمد)

تشریح: صحابہ آپس میں بیٹھے ہوئے یہ بحث کر رہے تھے کہ جو چیز آئندہ پیدا ہونے والی یا جو باتیں وقوع پذیر ہونے والی ہیں، کیا وہ نوشتہ تقدیر کے مطابق ہوتی ہیں یا از خود بغیر قضاء قدر کے واقع ہوتی ہیں، سرکارِ دو عالم ﷺ بھی اس مجلس میں تشریف فرما تھے آپ ﷺ نے ان کی بحث سن کر فرمایا کہ ہر چیز نوشتہ تقدیر کے مطابق بروقت وقوع پذیر ہوتی ہے اور مثال کے طور پر فرمایا کہ ایک انسان اپنی جس جبلت اور خلقت پر پیدا ہوتا ہے اسی پر پیش قدمی قائم رہتا ہے اور اسی کی طرف اس کا حقیقی میلان رہتا ہے۔ مثلاً جس کو خدا نے عقلمند و دانایا پیدا کیا اور اس کی سرشت و فطرت میں عقل و دانش کا مادہ و دیعت فرمایا اور اس کی تقدیر میں فہم و فراست کے جوہر رکھ دیئے گئے تو وہ کبھی بے وقوف و احمق نہیں ہو سکتا، اسی طرح جس شخص کی جبلت و حماقت کے سانچے میں ڈھلی ہو اور جس کو فطرتاً ہی بے وقوف و بلید پیدا کیا گیا ہو وہ عقل مند و دانشور نہیں ہو سکتا۔

ہاں ایسے افراد جو اپنی ریاضت و مشقت اور ذاتی محنت و کوشش کی بنا پر عقل کی دولت حاصل کر لیتے ہیں یا اصحاب عقل و دانش کی صحبت اختیار کر کے ان اوصاف کے حامل ہو جاتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، اس لئے کہ یہاں بحث، جبلت اور خلقت کی ہے کہ جس انسان کو جس خلقت و فطرت پر پیدا کر دیا گیا وہ اس سے الگ نہیں رہ سکتا اور نہ اس جبلت و خلقت میں تغیر و تبدل ممکن ہے۔ رہا اپنی ذاتی محنت و

کوشش یا اصحاب عقل و فہم کی محبت، تو یہ ایک دوسری چیز ہے کیونکہ یہ بھی نوشتہ تقدیر کے مطابق ہی ہے یعنی جس شخص کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے کہ یہ اپنی محنت و کوشش یا کسی عقل مند و دانشور کی محبت و قربت کی بنا پر صاحب عقل بنے گا وہ یقیناً اس وصف کو حاصل کر لے گا لیکن جس کی تقدیر میں ہے وقوف رہنا ہی لکھ دیا گیا ہے یا جس کی جبلت میں حماقت رکھ دی گئی ہے اس میں نہ اپنی محنت و کوشش کام کرتی ہے اور نہ کسی عقل مند کی قربت و محبت۔

(۴۵) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللهِ لَا يَزَالُ يُصِيبُكَ فِي كُلِّ عَامٍ وَجَعٌ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُومَةِ الَّتِي أَكَلْتَ قَالَ مَا صَابَنِي شَيْءٌ مِنْهَا إِلَّا وَهُوَ مَكْتُوبٌ عَلَيَّ وَأَذَمُّ لِي طَبِيعَةً۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے جو ہر آلود بکری کھائی تھی (جو خیر میں ایک یہودیہ نے کھائی تھی) ہر سال اس کی وجہ سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا جو چیز (یعنی اذیت و تکلیف یا بیماری) مجھ کو پہنچتی ہے وہ میرے لئے اسی وقت لکھی گئی تھی جب کہ آدم مٹی کے اندر تھے (یعنی میری تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا)۔“ (ابن ماجہ)

بَابُ اثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ

عذاب قبر کے ثبوت کا بیان

عذاب قبر قرآن و احادیث سے ثابت ہے اس میں کوئی شبہ اور کلام نہیں، یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہاں قبر سے مراد محض ڈھبہ دو گز کا گڑھا نہیں ہے بلکہ قبر کا مطلب عالم برزخ ہے جو آخرت اور دنیا کے درمیان ایک عالم ہے اور یہ عالم ہر جگہ ہو سکتا ہے جیسے بعض لوگ ڈوب جاتے ہیں، جلادے جاتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو ان پر بھی عذاب مسلط کیا جاتا ہے یہ نہیں ہے کہ جن لوگوں کو زمین میں دفن کیا جاتا ہے صرف ان پر ہی عذاب ہوتا ہے اور جو لوگ دوسرے طریقے اختیار کرتے ہیں وہ عذاب سے بچ جاتے ہیں۔ عذاب قبر کی تصدیق کے درجات میں صحیح اور اولیٰ مرتبہ اس بات کا اعتقاد و یقین رکھنا ضروری ہے کہ قبر میں دفن کرنے کے بعد خدا کے نیک بندوں پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور جو لوگ بدکار و گناہ گار ہوتے ہیں ان پر خدا کا سخت عذاب نازل کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں منکر نکیر، عذاب دینے والے فرشتے اور سانپ و چھو جو بد کردار لوگوں پر مسلط کئے جاتے ہیں اور جن کا وجود احادیث سے ثابت ہے۔ یہ سب صحیح اور واقعی چیزیں ہیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

یہ جان لینا چاہئے کہ کسی چیز کو دیکھ لینا اور اس کا مشاہدہ میں آجانا ہی اس کی صداقت کی دلیل نہیں ہوتا، اس لئے ان چیزوں کے بارہ میں یہ بات دل میں جاگزیں کر لینا کہ جب ان چیزوں کو آنکھ سے دیکھا نہیں جاتا اور یہ مشاہدہ میں نہیں آتیں تو ان کا اعتبار کیسے کیا جائے؟ بالکل غلط اور خلاف عقل ہے، اس لئے کہ اتنی بات تو ظاہر ہے کہ عالم بالا کی چیزوں کا مشاہدہ کر لینا، عالم ملکوت کو چشم دیکھ لینا ان ظاہری آنکھوں کے بس کی بات نہیں ہے، ان کو مشاہدہ کرنے کے لئے چشم حقیقت کی ضرورت ہے ہاں یہ بات بھی ناممکن نہیں ہے کہ اگر خدا چاہے تو ان دونوں ظاہری آنکھوں سے بھی عالم ملکوت کو دکھلا سکتا ہے۔

پھر دوسرے یہ کہ اسی دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کو ہم بظاہر دیکھ نہیں پاتے اور نہ آنکھیں ان کا مشاہدہ کرتی ہیں، لیکن اس کے باوجود اس کا اور اک بھی ہوتا ہے اور اس کی حقیقت بھی تسلیم ہوتی ہے مثلاً ایک شخص عالم خواب میں دنیا بھر کی چیزیں دیکھ اور سن لیتا ہے، ہر طرح کے غم و مصیبت اور لذت و آرام محسوس کرتا ہے لیکن دوسرا اسے نہیں دیکھ سکتا، یا اسی طرح کسی شخص کو کوئی

۱۔ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قریشیہ اور مخزومیہ ہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں، ۵۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

تکلیف پہنچتی ہے یا اسے لذت حاصل ہوتی ہے یا وہ کسی غم و چین کا احساس کرتا ہے لیکن اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا ایک دوسرا شخص اس سے بے خبر رہتا ہے اور وہ اس کا اور اک ذوالاحساس نہیں کر سکتا۔

نیز زمانہ نبوت میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس وحی آتی تھی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے لیکن وہیں مجلس میں بیٹھے ہوئے صحابہ نہیں دیکھتے تھے اور نہ ان کی ظاہری آنکھیں حضرت جبرئیل کا مشاہدہ کرتی تھیں، لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام ان پر ایمان لاتے تھے۔

ٹھیک اسی طرح عذابِ قبر کا معاملہ ہے، وہاں جو کچھ بندے کے ساتھ ہوتا ہے اس دنیا میں اس کا اور اک کیا جاسکتا ہے اور نہ ان آنکھوں سے اسے دیکھا جاسکتا ہے، پس یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ عذابِ قبر کے بارہ میں خدا اور خدا کے رسول نے جو کچھ بتایا ہے وہ سب مبنی بر حقیقت اور یقینی چیزیں ہیں۔

الفصل الاول

① عَنْ النَّبِيِّ عَزَّابٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ إِذَا سَبَلَ فِي الْقَبْرِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ وَآلُ مُحَمَّدٍ أَرْسَلُوا اللَّهَ فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى يُنَبِّئُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْأُخْرَةِ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُنَبِّئُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ تَرَلَّتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ يُقَالُ لَهُ مَنْ رُبُّكَ فَيَقُولُ رَبِّي اللَّهُ وَنَبِيِّ مُحَمَّدٍ (مفق علیہ)

”حضرت براہ بن عازبؓ راوی ہیں کہ سرکارِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس وقت قبر میں مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور انکی مطلب ہے اس ارشادِ ربانی کا یُنَبِّئُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْأُخْرَةِ (القرآن) ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ثابت و قائم رکھتا ہے جو ایمان لاتے ہیں مضبوط و محکم طریقہ پر ثابت رکھنا دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ آیت یُنَبِّئُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ عذابِ قبر کے بیان میں نازل ہوئی ہے (چنانچہ قبر میں مردہ سے) سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آیت مذکورہ میں بالقول الثابت سے مراد کلمہ شہادت ہے یعنی جب مومن سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا پروردگار کون ہے، اور تیرا پیغمبر کون ہے اور تیرا دین کیا تو ان تینوں سوالوں کا جواب اسی کلمہ شہادت میں ہے۔

آیت کے دوسرے جز کا مطلب یہ ہے جو لوگ ایمان و یقین کی روشنی سے اپنے قلوب کو منور کر لیتے ہیں اور جن کے دل میں ایمان و اسلام کی حقانیت راسخ اور پختہ ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دونوں جگہ ان پر رحمت خداوندی کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

دنیاوی زندگی میں اس کا افضل ثواب یہ ہے کہ وہ اپنے ان نیک بندوں کو کلمہ اسلام کی حقانیت کے اعتقاد پر قائم رکھتا ہے اور ان کے دل میں ایمان و اسلام کی وہ روح اور طاقت بھردیتا ہے کہ دنیاوی امتحان و آزمائش کے سخت سے سخت موقع پر بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی وہ اپنی جانوں کو قربان کر دینا اور آگ میں ڈالے جانا پسند کرتے ہیں لیکن اپنے ایمان و اعتقاد میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کرنا گوارہ نہیں کرتے۔

۱۔ ام گرائی براہ بن عازب اور کنیت ابو عمارہ ہے مدینہ کے باشندہ اور انصاری ہیں جنگ بدر میں آپ شریک نہیں ہو سکے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفرائی کی وجہ سے روک دیا تھا سب سے پہلے غزوہ احد میں شریک ہو سکے ہیں۔

آخری زندگی میں اس کی رحمت اس طرح ہوتی ہے کہ وہ خدا کی بے شمار نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں اور عالم برزخ میں جب قبر کے اندر ان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ ٹھیک ٹھیک جواب دیتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ کی نجات اور اکرام خداوندی کے مستحق قرار دے دیے جاتے ہیں۔

﴿۲﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وَضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ وَرَأَتْهُ لَيْسَمَعُ قَبْرَهُ نَعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيَقْعِدَانِهِ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ لِمُحَمَّدٍ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ وَرَسُولَهُ فَيَقَالُ لَهُ أَنْظِرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ أَبْذَلْتَ اللَّهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا وَأَمَّا الْكَافِرُ فَيَقَالُ لَهُ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ فَيَقَالُ لَهُ لَا ذَرْبَ وَلَا تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمِطْرَاقٍ مِنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً فَيَصْبِيحُ صَبِيحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ غَيْرُ الثَّقَلَيْنِ - (متفق علیہ ولفظ البخاری)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اعزاء احباب واپس آتے ہیں تو وہ (مردہ) ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اور اس کے پاس (قبر میں) دو فرشتے آتے ہیں اور ان کو بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص محمد ﷺ کے بارہ میں کیا کہتے تھے؟ اس کے جواب میں بندہ مؤمن کہتا ہے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ (محمد ﷺ) بلاشبہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس بندہ سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھو جس کو خدا نے بدل دیا ہے اور اس کے بدلے میں تمہیں جنت میں جگہ دی گئی ہے۔ چنانچہ وہ مردہ دونوں مقامات (جنت و دوزخ) کو دیکھتا ہے۔ اور جو مردہ منافق یا کافر ہوتا ہے اس سے بھی ایسی سوال کیا جاتا ہے کہ اس شخص (یعنی محمد ﷺ) کے بارہ میں تو کیا کہتا تھا؟ وہ اس کے جواب میں کہتا کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو لوگ (مؤمن) کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا اس سے کہا جاتا ہے نہ تو نے عقل سے پہچانا اور نہ تو نے قرآن شریف پڑھا؟ یہ کہہ کر اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے کہ اس کے پیچھے اور چلانے کی آواز سوائے جنوں اور انسانوں کے قریب کی تمام چیزیں سنتی ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

(الفاظ بخاری کے ہیں)

تشریح: جب انسان اس دنیا کی عارضی زندگی ختم کر کے دوسری دنیا میں پہنچتا ہے تو اس کی سب سے پہلی منزل قبر ہوتی ہے، جسے علم برزخ بھی کہا جاتا ہے، مردہ کو قبر میں اتارنے کے بعد جب اس کے عزیز و اقارب واپس لوٹتے ہیں تو اس میں خدا کی جانب سے وہ قوت سماعت دیدی جاتی ہے جس کے ذریعہ وہ ان لوٹنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا رہتا ہے اس کے بعد منکر نکیر قبر میں آتے ہیں اور اس سے دوسرے سوالات کے علاوہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے بارہ میں پوچھتے ہیں کہ ان کے متعلق تمہارا اعتقاد کیا ہے، اگر مردہ مؤمن صادق ہوتا ہے تو وہ صحیح جواب دے دیتا ہے اور اگر وہ کافر ہے تو جواب نہیں دے پاتا بعد میں نتیجہ سنا دیا جاتا ہے کہ صحیح جواب دینے والا خدا کی رحمت اور اس کی نعمتوں کا مستحق قرار دے دیا گیا ہے چنانچہ اس کی آخری منزل جنت کی طرف اس کی راہنمائی کر دی جاتی ہے، غلط جواب دینے والا خدا کے غضب کا مستحق قرار دے دیا جاتا ہے اور اسے اس کی آخری منزل دوزخ کی راہ دکھادی جاتی ہے۔

حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ مردہ سے پوچھتے ہیں کہ ”تم اس شخص محمد ﷺ کے بارہ میں کیا کہتے تھے؟“ تو اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی شہرت کی وجہ سے آپ ﷺ کی طرف معنوی اشارہ ہوتا ہے یا پھر یہ اس وقت سرکارِ دو عالم ﷺ کو مثالی صورت میں مردہ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ ایک مؤمن کے لئے موت کی آرزو سب سے بڑی نعمت ہوگی اس لئے کہ وہ اس کی وجہ سے اس عظیم سعادت سے بہرہ ور ہوگا اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے دیدار سے منور و مشرف ہوگا اور حقیقت تو یہ ہے کہ عاشقانِ رسول کے بے تاب و بے چین قلوب کے لئے اس کے اندر ایک زبردست بشارت ہے۔ بقول شاعر :-

شب عاشقان بیدل چہ قدر دراز باشد تو بیا کہ اول شب در صبح باز باشد

”ترجمہ“ عشاق کی شب بھر کس قدر طویل ہوتی ہے۔ تو جلدی آتی ہے۔ یہ اول شب ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ صبح ہو جائے۔

اس سوال و جواب کے بعد کامیاب مردہ یعنی مسلمانوں کو دونوں جگہیں یعنی جنت و دوزخ دکھائی جاتی ہیں اور وہ دونوں مقامات دیکھتا ہے تاکہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اگر خدا کی رحمت اس کے شامل حال نہ ہوتی اور وہ اہل دوزخ میں سے ہوتا تو اس دوزخ میں ڈال دیا جاتا جہاں خدا کے دردناک عذاب میں مبتلا ہوتا لیکن اس نے دنیا میں چونکہ نیک کام کئے اور سچا مخلص مومن بن کر رہا اس کے نتیجے میں خدا کے فضل و کرم سے اسے جنت کی نعمت عظمیٰ سے نوازا جا رہا ہے نیز ایک طرف تو وہ دوزخ اور اس کے ہیبت ناک منظر کی طرف دیکھے گا دوسری طرف جنت اور اس کی خوشگوار و مسرور کن فضا کی طرف نظر اٹھائے گا تاکہ اس کے دل میں جنت کی نعمت کی قدر ہو۔

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب قبر میں معذب مردہ پر عذاب نازل کیا جاتا ہے یعنی فرشتے لوہے کے گرزوں سے اس کو مارتے ہیں تو اس کے چیخنے چلانے کی آواز انسان نہیں سن پاتے، اس کی حکمت یہ ہے کہ جن و انس غیب کی چیزوں پر ایمان لانے کے مکلف ہیں اگر ان کو آواز سنائی دے، یا وہاں کے حالات کا علم اس دنیا میں ہو جائے تو پھر ایمان بالغیب جاتا رہے گا۔ نیز اگر قبر کے حالات کا احساس انسانوں کو ہونے لگے تو خوف و ہیبت ناک کی وجہ سے دنیا کے کاروبار میں بچل بچل رہے گی اور سلسلہ معیشت منقطع ہو جائے گا۔

صحیح احادیث میں مومنین کی نجات اور کافروں و منافقین کے عذاب کے بارہ میں یکی ذکر کیا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس نجات کا تعلق مومنین صالحین سے ہے لیکن فاسق و گناہ گار مومنین کے بارہ میں احادیث میں کچھ مذکور نہیں ہے کہ آیا ان پر عذاب کیا جاتا یا ان کی بھی نجات ہو جاتی ہے، البتہ علماء کہتے ہیں کہ فاسق مومن جواب میں تو مومن صالحین کا شریک ہے لیکن نعمتوں کی بشارت، جنت کے دروازے کھلنے وغیرہ میں ان کا شریک نہیں ہے یا اگر ان چیزوں میں بھی ان کا شریک ہو تو پھر مرتبہ و درجہ میں ان سے کم تر ہو گا بلکہ اس پر تھوڑا بہت عذاب بھی ہو سکتا ہے۔ ہاں جس فاسق و گناہ گار کو اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے بخش دے اور اس کی مغفرت کر دے۔

(۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخَذَكُمْ إِذَا مَاتَ عَرْضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْعَدَاةِ وَالْعَشِيِّ إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ فَيُقَالُ هَذَا مَقْعَدُهُ حَتَّى يَبْعَثَكَ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (متفق علیہ)

”اور عبد اللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو (قبر کے اندر) صبح اور شام اس کا ٹھکانہ اس کے سامنے لایا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہوتا ہے تو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانہ اس کا انتظار کر، یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اٹھا کر وہاں بھیجے۔“ (بخاری و مسلم)

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ يَهُودِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَتْ لَهَا أَعَاذُكَ اللَّهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَا زَايْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ صَلَاةِ الْإِسْتِغَاثَةِ بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی اور اس نے قبر کے عذاب کا ذکر کیا اور پھر اس نے حضرت عائشہؓ سے کہا ”عائشہ! اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سے محفوظ رکھے!“ حضرت عائشہؓ نے سرکار دو عالم ﷺ سے عذاب قبر کا حال پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں قبر کا عذاب حق ہے! حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے کوئی نماز پڑھی ہو اور قبر کے عذاب سے پناہ نہ مانگی ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہؓ کو عذاب قبر کا حال معلوم نہیں ہو گا چنانچہ جب اس یہودی عورت نے ان سے اس کا تذکرہ کیا تو وہ بڑی حیران ہوئیں اور سرکار دو عالم ﷺ سے اس کے بارہ میں سوال کیا جس کا جواب دیا گیا کہ قبر کا عذاب حق اور یقینی ہے، یعنی اس بات کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ قبر میں گناہ گار لوگوں پر خدا کی جانب سے طرح طرح کے عذاب مسلط کئے جاتے ہیں اور اس کا احساس و ادراک

عذاب قبر کی شدت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری آنکھیں اس کا مشاہدہ کر لیں اور تمہارے کان اس کو سن لیں تو تم اپنی عقل و دماغ سے ہاتھ دھو بیٹھو اور تم اس کی شدت و سختی کا محض احساس ہی کر کے بے ہوش ہو جاؤ گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اس خوف و ہراس کی وجہ سے مردوں کو دفن کرنا بھی چھوڑ دو گے اگر مجھے اس کا خدشہ نہ ہوتا تو میں یقیناً تمہیں اس عذاب کا مشاہدہ بھی کرا دیتا اور تمہیں سنوا بھی دیتا۔

الفصل الثانی

① وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْبِرَ الْمَيِّتَ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَوْزَقَانِ يَقُولَانِ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَالْأُخَرُ النَّكِيرُ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا فَيَقُولُ هُوَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هَذَا ثُمَّ يَنْفُسُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَيُسَبِّحُنَّ فِيهِ ثُمَّ يَقُولُ لَهُ فِيهِ ثُمَّ يَقُولُ أَزَجَعْتَ إِلَى أَهْلِي فَأُخْبِرُوا هُمْ فَيَقُولَانِ نَمْ كَتُمْنَا الْعَرُوسَ الَّذِي لَا يُؤْقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ حَتَّى يَتَّبِعَهُ اللَّهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ قَوْلًا فَقُلْتُ مِثْلَهُ لَا أَدْرِي فَيَقُولَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ ذَلِكَ فَيَقَالُ لِلْأَرْضِ التَّيْمِي عَلَيْهِ فَتُخْسِمُ عَلَيْهِ فَتُخْتَلِفُ أَصْلَاعُهُ فَلَا يَزَالُ فِيهَا مُعَذِّبًا حَتَّى يَتَّبِعَهُ اللَّهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذَلِكَ۔ (رواه الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب مردہ کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس کالی کیری آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں وہ دونوں اس مردہ سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص یعنی محمد ﷺ کی نسبت کیا کہتے تھے؟ اگر وہ شخص مؤمن ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے پیچھے ہوئے (رسول) ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، (یہ سن کر) وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں۔ ہم جانتے تھے کہ تو یقیناً یہی کہے گا، اس کے بعد اس کی قبر کی لمبائی اور چوڑائی میں تشریح کر کشا دے کر دی جاتی ہے اور اس مردہ سے کہا جاتا ہے کہ (سو جاؤ) مردہ کہتا ہے (میں چاہتا ہوں) کہ اپنے اہل و عیال میں واپس چلا جاؤں تاکہ ان کو (اپنے اس حال سے) باخبر کر دوں۔ فرشتے اس سے کہتے ہیں تو اس دو لمبا کی طرح سو جا جس کو صرف وہی شخص جگا سکتا ہے جو اس کے نزدیک سب سے محبوب ہو یعنی ہر کسی کا جگانا اچھا نہیں لگتا کیونکہ اس سے وحشت ہوتی ہے البتہ جب محبوب جگاتا ہے تو اچھا لگتا ہے، یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اس کو اس جگہ سے اٹائے۔ اور اگر وہ مردہ منافق ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے سنا تھا وہی میں کہتا تھا لیکن میں (اس کی حقیقت کو) نہیں جانتا (منافق کا یہ جواب سن کر) فرشتے کہتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ یقیناً تو یہی کہے گا، (اس کے بعد) زمین کو مل جانے کا حکم دیا جاتا ہے، چنانچہ زمین اس مردہ کو اس طرح دباتی ہے کہ اس کی دائیں پسلیاں بائیں اور بائیں پسلیاں دائیں شکل آتی ہیں اور اسی طرح ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس جگہ سے اٹھائے۔“ (ترمذی)

تشریح: قبر میں فرشتے بیٹ ناک اور خوفناک شکل میں آتے ہیں تاکہ ان کے خوف اور شکل کی وجہ سے کافروں پر ہیبت طاری ہو جائے اور وہ جواب دینے میں بدحواس ہو جائیں لیکن یہ مؤمنوں کے لئے آزمائش و امتحان ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان کو ثابت قدم رکھتا ہے اور وہ نڈر ہو کر صحیح جواب دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کامیاب ہو جاتے ہیں اس لئے کہ وہ دنیا میں خدا سے ڈرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قبر میں ہر قسم کے خوف و ہراس سے نڈر ہو جاتے ہیں۔

مردہ کے جواب میں فرشتوں کا یہ کہنا کہ ”ہم جانتے ہیں کہ تو یقیناً یہی کہے گا“ یا تو اس بناء پر ہوگا کہ پروردگار عالم کی جانب سے ان کو خبر دی جاتی ہوگی کہ فلاں مردہ یہ جواب دے گا اور فلاں مردہ وہ جواب دے گا، یا وہ مردہ کی پیشانی اور اس کے آثار سے یہ معلوم کر لیتے ہیں

کہ مؤمن کی پیشانی پر نور ایمانی کی چمک اور سعادت و نیک بختی کا نشان ہوتا ہے اور کافر و منافق کے چہرہ پر پھلکار برسی ہے۔
مؤمن جب صحیح جواب دے دیتا ہے اور اس پر خدا کی رحمت اور اس کی نعمتوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں تو اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو اس اچھے معاملہ اور عظیم نعمت کی خبر دے دے جیسا کہ جب کوئی مسافر کسی جگہ راحت و سکون پاتا ہے اور وہاں عیش و آرام کے سامان اسے ملتے ہیں تو اس کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ کاش اس وقت میں اپنے اہل و عیال اور اعزاء و اقرباء کے پاس جاتا تاکہ انہیں اپنے اس آرام و راحت سے اور جہنم و سکون سے مطلع کر دیتا۔ اس لئے مؤمن مردہ اپنے اہل و عیال کے پاس واپس جانے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔

④ وَعَنْ النَّبِيِّ عَزَبَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيَجْلِسَانِيهِ فَيَقُولَانِ لَهُ مَنْ رَزَقَكَ فَيَقُولُ رَبِّي اللَّهُ فَيَقُولَانِ لَهُ مَا دَيْتَكَ فَيَقُولُ دِينِي الْإِسْلَامَ فَيَقُولَانِ لَهُ مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بَعَثَ فِيكُمْ فَيَقُولُ هُوَ رَسُولُ اللَّهِ فَيَقُولَانِ لَهُ وَمَا يَذْكُرُكَ فَيَقُولُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللَّهِ فَأَمَنْتُ بِهِ وَصَدَقْتُ فَذَلِكَ قَوْلُهُ يَنْبِئُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الْآيَةُ قَالَ فَيَنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ صَدَقَ عَبْدِي فَأَفْرَشُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَالْبُسُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ فَيَفْشَحُ لَهُ قَالَ فَيَأْتِيهِ مِنْ رُوحِهَا وَطَبِيعِهَا وَيَفْشَحُ لَهُ فِيهَا مَدَّ بَصَرِهِ وَأَمَّا الْكَافِرُ فَذَكَرَ مَوْتَهُ قَالَ وَيُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيَجْلِسَانِيهِ فَيَقُولَانِ لَهُ مَنْ رَزَقَكَ فَيَقُولُ هَاهُ هَاهُ لَا أَذْرِي فَيَقُولَانِ لَهُ مَا دَيْتَكَ فَيَقُولُ هَاهُ هَاهُ لَا أَذْرِي فَيَقُولَانِ لَهُ مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بَعَثَ فِيكُمْ فَيَقُولُ هَاهُ هَاهُ لَا أَذْرِي فَيَنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ كَذَبَ فَأَفْرَشُوهُ مِنَ النَّارِ وَالْبُسُوهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ قَالَ فَيَأْتِيهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَفْوَ مِهَا قَالَ وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَتْرُهُ حَتَّى تَخْتَلِفَ فِيهِ أَضْلَاغُهُ ثُمَّ يُفَيِّضُ لَهُ أَعْمَى أَصَمُّ مَعَهُ مَرْزُوقَةٌ مِنْ حَدِيدٍ لَوْ ضَرَبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تَرَابًا فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً يُسْمِعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيرُ تَرَابًا ثُمَّ يُعَادُ فِيهِ الرُّوحُ۔ (رواہ احمد والبخاری)

”اور حضرت براء بن عازبؓ راوی ہیں آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ ﷺ نے فرمایا (قبر میں) مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ ”تیرا رب کون ہے؟“ وہ جواب دیتا ہے ”میرا رب اللہ ہے“ پھر فرشتے پوچھتے ہیں ”تیرا دین کیا ہے؟“ وہ جواب میں کہتا ہے، ”میرا دین اسلام ہے“ پھر فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں، جو شخص (خدا کی طرف سے) تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ کون ہے؟ وہ کہتا ہے ”وہ خدا کے رسول ہیں“ پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں یہ تجھے کس نے بتایا وہ کہتا ہے میں نے خدا کی کتاب چمچی اور اس پر ایمان لایا اور اس کو سچ جانا، (یعنی جو کلام اللہ پر ایمان لائے گا وہ رسول اللہ ﷺ پر پہلے ایمان لائے گا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا۔ یَنْبِئُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (الایۃ) یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ثابت قدم رکھتا ہے جو ثابت بات پر ایمان لائے (اخیر آیت تک) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ آسمان سے پکارنے والا (یعنی اللہ تعالیٰ یا اس کے حکم سے فرشتے) پکار کر کہتا ہے میرے بندے نے سچ کہا لہذا اس کے لئے جنت کا فرش بچھاؤ اور اس کو جنت کی پوشاک پہناؤ، اور اس کے واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (اس جنت کے دروازہ سے) اس کے پاس جنت کی ہوا کی اور خوشبو کی آتی ہیں اور حد نظر تک اس قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے اب رہا کافرا تو آنحضرت ﷺ نے اس کی موت کا ذکر کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ، پھر اس کی روح اس کے جسم میں ڈالی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھا کر پوچھتے ہیں، ”تیرا رب کون ہے؟“ وہ کہتا ہے، ہا ہا میں نہیں جانتا، پھر وہ پوچھتے ہیں ”تیرا دین کیا ہے؟“ وہ کہتا ہے، ہا ہا میں نہیں جانتا، پھر وہ پوچھتے ہیں، یہ شخص کون ہے (جو خدا کی جانب سے) تم میں بھیجا گیا تھا وہ کہتا ہے ”ہا ہا میں نہیں جانتا“ پھر آسمان سے ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا، یہ جھوٹا ہے اس کے لئے آگ کا فرش بچھاؤ، آگ کا لباس اسے پہناؤ اور اس کے واسطے ایک دروازہ دوزخ کی طرف کھول دو آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ

دورخ سے اس کے پاس گرم ہوائیں اور لوئیں آتی ہیں، اور فرمایا اور اس کی قبر اس کے لئے تنگ کر دی جاتی ہے، یہاں تک کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی پسلیاں ادھر نکل آتی ہیں، پھر اس پر ایک اندھا اور بہرافرشتہ مقرر کیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا ایسا گرز ہوتا ہے کہ اس کو اگر پہاڑ پر مارا جائے تو وہ پہاڑ مٹی ہو جائے اور وہ فرشتہ اس کو اس گرز سے اس طرح مارتا ہے کہ (اس کے چیخنے چلانے کی آواز) مشرق سے مغرب تک تمام مخلوقات سنتی ہے مگر جن و انسان نہیں سنتے اور اس مارنے سے وہ مردہ مٹی ہو جاتا ہے اس کے بعد پھر اس کے اندر روح ڈالی جاتی ہے۔ (احمد و ابوداؤد)

تشریح: باہاہ ایک لفظ ہے جو عربی میں دہشت زدہ اور متحیر شخص بولتا ہے جیسے اردو میں حیرت و دہشت کے وقت آہ، ہائے اور وائے دائے بولا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس وقت کافر اتنا خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ اس کی زبان سے میریت ناک سے خوف و حسرت کے الفاظ نکلتے ہیں اور وہ صحیح جواب نہیں دے پاتا اور وہ کہتا ہے کہ ”میں نہیں جانتا“ اس کے اس جواب پر ندائے غیب سے اس کو جھوٹا قرار دیا جاتا ہے، اس لئے کہ دین اسلام کی آواز مشرق سے لے کر مغرب تک پہنچی اور پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنا مشن چار دانگ عالم میں پھیلایا اور تمام دنیا اس آفاقی و آسمانی مذہب سے باخبر تھی، اسکے باوجود اس کا یہ کہنا کہ میں کچھ نہیں جانتا مجھے کچھ معلوم نہیں ہوا، سراسر کذب اور جھوٹ ہے۔ قبر میں عذاب کے جو فرشتے مقرر کئے جاتے ہیں وہ اندھے اور بہرے ہوتے ہیں، اس کی حکمت یہ ہے کہ وہ نہ تو مردہ کے چیخنے چلانے کی آواز سن سکیں اور نہ اس کے حال کو دیکھ سکیں تاکہ رحم نہ آ سکے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معذب مردہ کے جسم میں بار بار روح ڈالی جاتی ہے تاکہ اس پر عذاب شدید سے شدید ہو سکے اور یہ اس چیز کا انجام ہے کہ وہ دنیا میں عذاب قبر کا انکار کیا کرتا تھا اور اس کو جھٹلایا کرتا تھا۔ (نحوذ باللہ)۔

⑧ وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ إِذَا وَقَفَ عَلَى قَبْرِ بَكِيِّ حَتَّى يَبْلُغَ لَيْعِيْنَهُ فَقِيلَ لَهُ تَذَكَّرِ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْكِي وَتَبْكِي مِنْ هَذَا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنَ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ فَإِنْ نَجَّاهُ مِنْهُ بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زِلْتُ أَنْظُرُ أَقْطَعُ الْوَقْفَ مِنْهُ زَوَاهِ الْقَبْرِ مِلْدِي وَأَبْنُ حَاجَةٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا أَحَدِيْثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت عثمانؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو (خوف خدا سے) اس قدر روتے کہ ان کی ڈاڑھی (آنسوؤں) سے تر ہو جاتی، ان سے کہا گیا کہ آپ جب جنت اور دورخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور اس جگہ کھڑے ہو کر روتے ہیں (اس کے جواب میں) انہوں نے کہا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے، آخرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے لہذا جس نے اس منزل سے نجات پائی اس کو اس کے بعد آسانی ہے اور جس نے اس منزل سے نجات نہیں پائی اس کو اس کے بعد سخت دشواری ہے۔ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”کہ میں نے کبھی کوئی منظر قبر سے زیادہ سخت نہیں دیکھا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔)

تشریح: یعنی قبر پر کھڑے ہو کر انسان عیش و عشرت کو بھول جاتا ہے اور دنیا کی بے ثباتی پر اس کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خوف خدا سے اپنے قلب کو لرزاں پاتا ہے اور آخرت سے لگاؤ محسوس کرتا ہے نیز قبر عیش و عشرت سے متفرگ کرتی ہے اور محنت و مشقت اور یاد الہی میں مصروف رکھتی ہے۔ اسی کو فرمایا گیا ہے سب سے زیادہ سخت جگہ قبر ہے۔

⑨ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فُغِيَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لِأَجْنِحَتِكُمْ ثُمَّ سَلُّوا إِلَهُ بِالتَّسْبِيَةِ فَإِنَّهُ لَا يَنْسَأُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو کر (لوگوں سے) فرماتے

اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو، یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت اس کو ثابت قدم رکھے اس لئے کہ اس وقت اس سے سوال کیا جاتا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندوں کی طرف سے مردہ کے لئے دعائے استغفار کارآمد اور مفید ہے چنانچہ اہل سنت و الجماعت کا یہی مسلک ہے۔

یہ دعائیں مردہ کی استقامت و اثبات کے لئے دعا، تلقین میت کے علاوہ ہیں جو دفن کرنے کے بعد کرتے ہیں تلقین میت کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ تلقین اکثر خفیہ کے یہاں ثابت نہیں ہے لیکن اکثر شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے، چنانچہ دفن کرنے کے بعد تلقین میت کے سلسلے میں ایک حدیث ابو امامہ صحابیؓ سے وارد ہوئی ہے جسے علامہ سیوطیؒ نے جمع الجوامع میں طبرانی سے ذکر کیا ہے اور ابن نجار، ابن عساکر اور دیلمی نے بھی ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی انتقال کر جائے اور اسے دفن کر چکو تو ایک شخص قبر کے سرہانے کھڑا ہو اور کہے ”اے فلاں ابن فلاں“ مردہ یہ الفاظ سنتا ہے لیکن جواب نہیں دیتا، وہ شخص پھر کہے ”اے فلاں ابن فلاں“ اس مرتبہ مردہ کہتا ہے خدا آپ پر رحم کرے، ارشاد فرمائیے، لیکن تم اسے نہیں سنتے۔ اس کے بعد اس شخص کو کہنا چاہئے، اے فلاں! اس کلمہ کو یاد کرو جس پر تم اس دنیا سے سدھارے اور وہ لا الہ الا اللہ وان محمدًا عبدہ ورسولہ کی شہادت ہے نیز تم اس پر راضی ہوئے کہ خدا تمہارا پروردگار ہے محمد ﷺ تمہارے ساتھی پیغمبر ہیں، اسلام تمہارا دین ہے اور قرآن تمہارا راہبر امام ہے جب یہ کہا جاتا ہے تو منکر و نکیر میں سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے کہ چلو اس بندہ کے سامنے سے باہر نکلو اس سے ہمیں کیا سروکار کیونکہ حق تعالیٰ کی جانب سے اس کو تلقین کی جارہی ہے۔

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ہم میت کی ماں کا نام نہ جانتے ہوں تو کیا کہیں اور اس کی نسبت کس طرف کریں؟ آنحضرت نے فرمایا، حوا کی طرف نسبت کرو اس لئے کہ وہ سب کی ماں ہیں۔

نیز تلقین میت کے سلسلہ میں اس کے علاوہ قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر سورہ بقرہ کا ”مظہون“ اور آمین الرسول سے آخر سورت تک پڑھنا بھی منقول ہے اور اگر قرآن شریف پورا پڑھا جائے تو یہ سب سے افضل و بہتر ہے بعض علماء نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر وہاں کسی بھی مسئلہ کا ذکر کیا جائے تو یہ بھی فضیلت کا باعث اور رحمت خداوندی کے نزول کا سبب ہوگا۔

⑩ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ لَكَ عَلَى الْكَافِرِ فِي قَبْرِهِ تِسْعَةٌ وَتَسْعُونَ تَبِيْثًا تَنْهَسُهُ وَتَلْدَغُهُ حَتَّى تَقُوْمَ السَّاعَةُ لَوْ أَنَّ تَبِيْثًا مِنْهَا نَفَعَ فِي الْأَرْضِ مَا أَتَيْتُ خَضِرًا - زَوَاة الدَّارِمِيِّ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ وَقَالَ سِتْعُونَ بَدَلَ تِسْعَةٍ وَتَسْعُونَ -

”اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، کافر کے اوپر اس کی قبر میں ننانوے اڑدہاں مسلط کئے جاتے ہیں جو اس کو قیامت تک کاٹتے اور ڈتے ہیں اور وہ اڑدہاں ایسے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک اڑدہاں زمین پر پھنکار مارے تو زمین سبزہ اگانے سے محروم ہو جائے، واریؓ اور ترمذیؓ سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے لیکن اس میں بجائے ننانوے کے ستر کا عدد ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑪ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ حِينَ تُوْفِيَ فَلَمَّا صَلَّى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَضَعَ فِي قَبْرِهِ وَسَوَّى عَلَيْهِ سَبَّحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّحْنَا طَوِيلًا ثُمَّ كَثُرَ فَكَثَرْنَا فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَثُرْتَ فَقَالَ لَقَدْ تَضَائِقُ عَلَى هَذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهُ حَتَّى فَرَّجَهُ اللَّهُ عَنْهُ -

”حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ حضرت سعد بن معاذؓ کی وفات کے بعد ہم آنحضرت ﷺ کے ہمراہ ان کے جنازہ پر گئے، جب آنحضرت ﷺ جنازہ کی نماز پڑھ چکے اور حضرت سعدؓ کو قبر میں اتار کر قبر کی مٹی برابر کر دی گئی تو سرکارِ دو عالم ﷺ تسبیح (یعنی سبحان اللہ) پڑھتے رہے پھر آپ ﷺ نے تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کی ہم نے بھی تکبیر کی، پھر آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ آپ ﷺ نے تسبیح کیوں پڑھی اور پھر تکبیر کیوں کی؟ فرمایا اس بندہ صالحؓ پر اس کی قبر تک ہو گئی تھی پھر خدا نے تسبیح و تکبیر کی وجہ سے اسے کشادہ کر دیا۔“ (احمد)

تشریح: تسبیح و تکبیر سے خدا کا غضب رحمت میں اور اس کا غمہ شفقت میں بدل جاتا ہے اور وہاں مقدس کلموں کی بدولت اپنی رحمت و نعمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

چنانچہ اسی لئے خوف و دہشت کے موقع پر یا کسی خوفناک چیز کو دیکھ کر تکبیر کہنی مستحب ہے۔ تسبیح و تکبیر کا جتنا دور رکھا جائے گا اتنا ہی خدا کی رحمت سے قریب ہوتا جائے گا اور دنیاوی آفات و بلا نیز غضب خداوندی سے دور ہوتا جائے گا۔

(۱۲) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا الَّذِي تَحَوَّلَ لَهُ الْغَوْضُ وَفِيهِ حَتُّ لُهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَشَهَادَةُ سُبْحَانَ الْقَائِمِ الْمَلَائِكَةُ لَقَدْ ضَمَّ ضَمَّةً ثُمَّ فَرَّجَ عَنْهُ. (رواہ النسائی)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ (یعنی سعد ابن معاذؓ) وہ شخص ہیں جن کے لئے عرش نے حرکت کی (یعنی اس کی جب پاک روح آسمان پر پہنچی تو اہل عرش نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا) اور ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے گئے اور ان کے جنازے پر ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے اور ان کی قبر تک گئی۔ پھر نہنگی دور ہوئی اور آنحضرت ﷺ کی برکت سے ان کی قبر کشادہ ہو گئی۔“

(۱۳) وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطْبِنَا فَذَكَرَ قَبْرَ فَتْنَةِ الْقَبْرِ الَّتِي يُفْتَنُ فِيهَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَكَرَ ذَلِكَ صَحَّ الْمُسْلِمُونَ صَاحَةً رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ هَكَذَا وَزَادَ النَّسَائِيُّ خَالَتْ بَيْنِي وَبَيْنَ أَنْ أَفْهَمَ كَلَامَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَكَنْتُ صَجَّحْتُهُمْ قُلْتُ لَوْ جَلَّ قَرِيبٌ مِنِّي أَيْ نَارُكَ اللَّهُ فَبَكَرْتُ مَاذَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَحْرَ قَوْلِهِ قَالَ قَالَ قَدْ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ قَرِيبًا مِنْ فَتْنَةِ الدَّجَالِ۔

”اور حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ راوی ہیں کہ ایک دن سرکارِ دو عالم ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور قبر کے قند کا ذکر فرمایا جس میں انسانوں کو جتنا کیا جاتا ہے چنانچہ اس ذکر سے مسلمان (خوف زدہ ہو کر روتے) اور چلاتے رہے، یہ روایت بخاری کی ہے اور نسائی نے اتنا اور زیادہ بیان کیا ہے کہ (خوف و دہشت کی وجہ سے) مسلمانوں کے چیخے اور چلانے کے سبب میں آنحضرت ﷺ کے الفاظ کو نہ سن سکی، جب یہ چیخنا چلانا بند ہوا تو میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا، خدا تمہیں برکت عطا فرمائے (یعنی تمہارے علم و علم میں زیادتی ہو، آخر میں آنحضرت ﷺ نے کیا فرمایا؟) اس شخص نے کہا آپ ﷺ نے فرمایا، مجھ پر یہ وحی آئی ہے کہ تم قبروں کے اندر قند میں ڈالے جاؤ گے یعنی تم کو آزمایا جائے گا اور یہ آزمائش و امتحان قند و جال کے قریب قریب ہو گا۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح قند و جال، اپنی تباہی و بربادی اور نقصان و خسران کی بناء پر سخت ہلاکت آفریں اور تباہ کن ہو گا، اسی طرح قند قبر بھی ہول و دہشت اور اپنی شدت و سختی کی بناء پر بہت زیادہ خوفناک ہو گا، لہذا خدا تعالیٰ سے دعا مانگنی چاہئے کہ وہ ایسے سخت و نازک وقت میں اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور اس امتحان و آزمائش میں ثابت قدم رکھے۔

(۱۴) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أُذْخِلَ الْعَبْدُ الْقَبْرَ مُنْقَلَبًا لُهُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوبِهَا فَيَتَجَلَّسُ

لے آپ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی ذی شان صاحبزادی حضرت زہیر بن عوام کی زوجہ مطہرہ اور حضرت عبداللہ بن زہیر کی والدہ محترمہ ہیں آپ اپنی بہن عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔ مکہ معظمہ میں آپ اسلام لائیں تھیں۔ آپ نے مکہ میں ہجرت ۱۱ سال انتقال فرمایا۔

يَفْسُخُ عَيْنَيْهِ وَيَقُولُ دَعُونِي أَصْلَيْنِ - (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب مردہ (مومن) کو قبر کے اندر دفن کروایا جاتا ہے تو اس کے سامنے غروبِ آفتاب کا وقت پیش کیا جاتا ہے، چنانچہ وہ مردہ ہاتھوں سے آنکھوں کو ملتا ہوا اٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے چھوڑ دو تاکہ میں نماز پڑھ لوں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: باہل مومن مردہ جس وقت قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو وہ جس طرح دنیا میں ایمان و اسلام پر قائم رہا اور فرائض اسلام کی ادائیگی سے کبھی غافل نہ رہا، اسی طرح قبر میں بھی اسے سب سے پہلے نماز ہی یاد آتی ہے چنانچہ جب منکر و نکیر اس کے پاس قبر میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ سوال و جواب سے پہلے نماز ادا کرنے کے لئے کہتا ہے کہ پہلے میں نماز پڑھ لوں اس کے بعد تمہیں جو کچھ کہنا سننا ہو کہو سنو یا سوال و جواب کے بعد وہ یہ الفاظ کہتا ہے اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ میں اپنے گھروالوں کے درمیان بیٹھا ہوں، اس کے شعور و احساس میں سب سے پہلے نماز ہی آتی ہے۔ یہ حالت اس کی رعایتِ حال پر دلالت کرتی ہے کہ گویا وہ هنوز دنیا میں ہی ہے اور سو کر ابھی اٹھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو بندہ دنیا میں پکا نمازی ہوگا، اور جس کی نماز بھی قضا نہیں ہوتی ہوگی، قبر میں بھی حسبِ عادت اسے پہلے نماز ہی یاد آئے گی۔

دفن کے بعد مردہ کے سامنے غروبِ آفتاب کا وقت پیش کرنا اس کی حالتِ مسافر اور تنہائی کی مناسبت کی وجہ سے ہے چنانچہ جب کوئی مسافر کسی شہر میں شام کو پہنچتا ہے تو وہ حیرانی و پریشانی کے عالم میں چاروں طرف دیکھتا ہے کہ کہاں جاؤں اور کیا کروں؟ جیسا کہ شامِ غریباں مشہور ہے۔

توزلف را کشا دی و تاریک شد جہاں اکوں قناد شامِ غریباں کجا روند

اور ۔

نمازِ شامِ غریباں چو گریہ آغازم پہلے ہائے غریبانہ گر بہ پردازم

(۱۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ الْمَيِّتَ بَصُرَ إِلَى الْقَبْرِ فَيَجْلِسُ الرَّجُلُ فِي قَبْرِهِ مِنْ غَيْرِ فَرَعٍ وَلَا مَشْغُوبٍ لَمْ يَقَالَ لَهُ فِيمَ كُنْتَ فَيَقُولُ كُنْتُ فِي الْإِسْلَامِ فَيَقَالَ مَا هَذَا الرَّجُلُ فَيَقُولُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَصَدَّقْنَاهُ فَيَقَالَ لَهُ هَلْ رَأَيْتَ اللَّهَ فَيَقُولُ مَا يَتَّبِعُنِي لَا أَحَدًا يَرَى اللَّهَ فَيَفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قَبِيلِ النَّارِ فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيَقَالَ لَهُ أَنْظِرْ إِلَى مَا وَفَكَ اللَّهُ لَمْ يَفْرَجْ لَهُ فُرْجَةٌ قَبِيلِ الْجَنَّةِ فَيَنْظُرُ إِلَى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيهَا فَيَقَالَ لَهُ هَذَا مَقْعَدُكَ عَلَى الْيَقِينِ كُنْتَ وَعَلَيْهِ مِتَّ وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَيُجْلِسُ الرَّجُلُ الشَّوْءَ فِي قَبْرِهِ فَرَعًا مَشْغُوبًا فَيَقَالَ لَهُ فِيمَ كُنْتَ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي فَيَقَالَ لَهُ مَا هَذَا الرَّجُلُ فَيَقُولُ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ قَوْلًا فَقُلْتُ فَيَفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قَبِيلِ الْجَنَّةِ فَيَنْظُرُ إِلَى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيهَا فَيَقَالَ لَهُ أَنْظِرْ إِلَى مَا صَرَفَ اللَّهُ عَنْكَ لَمْ يَفْرَجْ لَهُ فُرْجَةٌ إِلَى النَّارِ فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيَقَالَ هَذَا مَقْعَدُكَ عَلَى الشَّكِّ كُنْتَ وَعَلَيْهِ مِتَّ وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى - (رواہ ابن ماجہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جب مردہ قبر کے اندر پہنچتا ہے (یعنی اسے دفن کر دیا جاتا ہے) تو (نیک) بندہ قبر کے اندر اس طرح اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے کہ نہ تو وہ لمحہ بھر خوفزدہ ہوتا اور نہ گھبرایا ہوا، پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ ”تم کس دین میں تھے؟“ وہ کہتا ہے میں دین اسلام میں تھا! پھر اس سے پوچھا جاتا ہے ”یہ شخص محمد ﷺ کون ہیں؟“ وہ کہتا ہے محمد (ﷺ) خدا کے رسول ہیں جو خدا کے پاس سے ہمارے لئے کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے اور ہم نے ان کی تصدیق کی۔ پھر اس سے سوال کیا جاتا

ہے کہ کیا تم نے اللہ کو دیکھا ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ، خدا تعالیٰ کو تو کوئی نہیں دیکھ سکتا! اس کے بعد اس کے لئے ایک روشن دان دوزخ کی طرف کھولا جاتا ہے اور وہ ادھر دیکھتا ہے اور آگ کے شعلوں کو اس طرح بھڑکتا ہوا پاتا ہے گویا اس کی لپٹیں ایک دوسرے کو کھا رہی ہیں اور اس سے کہا جاتا ہے، اس چیز کو دیکھو جس سے اللہ نے تجھے بچایا ہے، پھر اس کے لئے ایک کھڑکی جنت کی طرف کھول دی جاتی ہے، وہ جنت کی تروتازگی اور اس کی چیزوں کو دیکھتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے، یہ تمہارا ٹھکانہ ہے کیونکہ (تمہارا) اعتقاد مضبوط اور اس پر تمہیں کامل یقین تھا اور اسی (یقین و اعتقاد) کی حالت میں تمہاری وفات ہوئی اور اسی حالت میں تمہیں (قیامت کے دن) اٹھایا جائے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ اور بدکار بندہ اپنی قبر میں خوف زدہ اور گھبرایا ہوا اٹھ کر بیٹھتا ہے پس اس سے پوچھا جاتا ہے تو کس دین میں تھا؟ وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا، پھر اس سے پوچھا جاتا ہے ”یہ شخص (محمد ﷺ) کون تھے“ وہ کہتا ہے، میں لوگوں کو جو کچھ کہتے سنتا تھا وہی میں کہتا تھا، اس کے بعد اس کے لئے بہشت کی طرف ایک روشن دان کھولا جاتا ہے جس سے وہ بہشت کی تروتازگی اور اس کی چیزوں کو دیکھتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے، اس چیز کی طرف دیکھ جسے خدا نے تجھ سے پھر لیا ہے پھر اس کے لئے دوزخ کی طرف ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ آگ کے تیز شعلے ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں۔ اور اس سے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے اس شک کے سبب جس میں تو مبتلا تھا اور جس پر تو مرا اور اسی پر تو اٹھایا جائے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔“ (ابن ماجہ)

بَابُ الْإِعْتَصَامِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ کتاب و سنت پر اعتماد کرنے کا بیان

کتاب سے مراد کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے اور سنت سے مراد آنحضرت ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال ہیں جن کے مجموعہ کا نام حدیث ہے ان کو شریعت، طریقت، حقیقت کہتے ہیں۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَخَذَتْ فِيَّ أَمْرًا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ زَوْدٌ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مومن و مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اعتقاد و ایمان پختہ اور کامل ہو کہ قرآن و سنت نے جو راستہ بتا دیا ہے اس پر پورے یقین کے ساتھ چلنا اور شریعت نے جو حدود قائم کر دی ہیں ان کے اندر پورے اعتقاد کے ساتھ رہنا ہی عین فلاح و سعادت سمجھے، اپنی طرف سے ایسے راستے پیدا کرنا جو سراسر منشاء شریعت کے خلاف ہوں، یا ایسے طریقے اختیار کرنا جو قرآن و سنت کے صحیح راستے سے الگ ہوں نہ صرف یہ کہ ایمان و اعتقاد کی سب سے بڑی کمزوری ہے بلکہ دعویٰ اسلام کے برخلاف بھی ہے۔

چنانچہ اس حدیث میں ان لوگوں کو مردود قرار دیا جا رہا ہے جو محض اپنی نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض کی بنا پر دین و شریعت میں نئے نئے طریقے رائج کرتے ہیں اور ایسی غلط باتوں کا انتساب شریعت کی طرف کرتے ہیں جن کا اسلام میں سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی شخص اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتا ہے اور اپنی فہم کے مطابق اسلام میں کئی چیزیں پیدا کرتا ہے جس کا ثبوت نہ تو قرآن و سنت سے ظاہر ہے اور نہ معنا اور نہ اس کی سند کسی اسلامی نظریہ سے مستنبط ہے تو اسے مردود قرار دیا جائے گا۔ ہاں حدیث کے الفاظ بالیس منہ نے

اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ ایسی چیزیں پیدا کرنا، یا ایسے نظریے قائم کرنا جو کتاب سنت کی منشاء کے خلاف اور ان کے برعکس نہ ہوں ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور نہ ان پر کوئی تکیہ قائم کی جاسکتی ہے۔

(۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُخَذَّاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ بعد ازاں جانا چاہئے کہ بے شک سب سے بہتر بات خدا کی کتاب ہے، سب سے بہترین راستہ محمد (ﷺ) کا راستہ ہے اور سب سے بدترین چیز وہ ہے جس کو (دین میں) نیا نکالا گیا ہو اور ہر بدعت (اپنی طرف سے دین میں پیدا کی ہوئی نئی بات) گمراہی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے ہوں گے، چنانچہ سب سے پہلے آپ ﷺ نے خدا کی حمد و تعریف کی ہوگی پھر ابا بعد یعنی بعد ازاں کہہ کر یہ حدیث اس طرح ارشاد فرمائی۔

بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کا وجود آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں نہ رہا بلکہ آپ ﷺ کے بعد مختلف زمانوں میں پیدا ہوئی رہی ہیں۔ بدعت کی دو قسمیں ہیں ”بدعت حسنہ“ اور ”بدعت سیئہ“ یعنی اگر ایسی چیزیں نکالی گئی ہیں جو اسلامی اصول و قواعد کے مطابق ہوں اور قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہوں تو ان کو بدعت حسنہ کہتے ہیں، اور جو چیزیں منشاء شریعت کے برعکس اور قرآن و حدیث کے برخلاف ہوں ان کو بدعت سیئہ کہتے ہیں اور یہی بدعت گمراہی و ضلالت اور خداوند کے رسول کی ناراضگی کا باعث ہے، چنانچہ حدیث میں کحل بدعت ضلالہ سے مراد یہی بدعت سیئہ ہے ایسی بدعت سے اجتناب ضروری ہے۔

جاننا چاہئے کہ بعض بدعت ایسی ہیں جو واجب بھی ہیں مثلاً علم نحو کی تعلیم کہ اس کے بغیر کلام اللہ سمجھنا ناممکن ہے اس لئے قرآنی علوم و معارف کو سمجھنے کے لئے علم نحو حاصل کرنا ضروری ہے۔

اس کے برخلاف بعض بدعات حرام ہیں مثلاً قدیریہ و جبریہ کے مذاہب اور ان کے افکار و نظریات جو قرآن و سنت کے بالکل برخلاف ہیں بلکہ ان کے مذاہب کا رد کرنا بدعت واجبہ ہے۔

بعض بدعات مستحب ہیں جیسے خانقاہیں قائم کرنا اور وہاں معرفت الی اللہ کے لئے لوگوں کے قلوب کو راہ حق پر لگانا، یا مدرسے قائم کرنا جہاں مسلمان بچوں کو دینی تعلیم و تربیت دینا، یا اسی طرح ایسے تمام کار خیر اور اچھی چیزیں جن کی فی الوقت ضرورت مسلم ہو اور وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود نہ رہی ہوں۔

کچھ بدعت مکروہ بھی ہیں مثلاً کلام اللہ اور مساجد پر نقش و نگار بنانا اور ان کی تزئین و آرائش کے لئے غیر مسنون طریقے اختیار کرنا، بعض بدعت منہج بھی ہیں، جیسے صبح کے بعد مصافحہ کرنا لیکن یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے حنفیہ کے یہاں صبح کے بعد کا مصافحہ کرنا مکروہ ہے۔

بدعت کے سلسلہ میں امام شافعیؒ نے بڑا اچھا تجزیہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں جو نئی بات پیدا کی جائے یعنی بدعت اگر وہ کتاب کے مخالف صحابہ کے اقوال کے منافی اور اجماع امت کے برعکس ہو تو وہ ضلالت و گمراہی ہے اور جو چیزیں ایسی نہ ہوں ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْغِضُ النَّاسَ إِلَى اللَّهِ فَلَانَةً مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِي الْأَسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُظْلَبٌ ذِمَّ أَمْرِي وَمُسْلِمٌ يَغْتَرِبُ حَقِّي لِيَهْرَيْقَ ذِمَّتَهُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مفضوب (وہ لوگ جن سے خدا سخت ناراض ہے) تین ہیں۔ ① حرم میں کھروی کرنے والا۔ ② اسلام میں ایام جاہلیت کے طریقوں کو ڈھونڈنے والا۔ ③ کسی مسلمان کے خون ناحق کا طلب گار تاکہ اس کے خون کو پیائے۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں تین آدمیوں کو خدا کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مغضوب قرار دیا جا رہا ہے، پہلا شخص تو وہ ہے جسے خدا نے اپنے گھر یعنی بیت اللہ میں حاضری کی سعادت بخشی مگر وہ بیت اللہ کی نہ تو عظمت کرتا ہے اور نہ حدود حرم میں ممنوع چیزوں سے پرہیز کرتا ہے بلکہ وہ حرم میں کجروی کرتا ہے یعنی ایسی چیزیں اختیار کرتا ہے جو ایک طرف تو اس مقدس جگہ کی شان عظمت کے منافی ہیں اور دوسری طرف احکام شریعت کی کھلی خلاف ورزی کے مترادف ہیں مثلاً وہاں لڑائی جھگڑا کرنا، شکار کرنا، یا کوئی بھی مطلق گناہ اور قانون شریعت کی خلاف ورزی کرنا۔

دوسرا شخص وہ ہے جس کو خدا نے ایمان و اسلام کی دولت سے نوازا اور اس کے قلب کو یقین و اعتقاد کی روشنی سے منور کیا مگر وہ اسلام میں ان چیزوں کو اختیار کرتا ہے جو خالص زمانہ جاہلیت کا طریقہ اور غیر اسلامی رسمیں تھیں جیسے نوحہ کرنا، یا مصائب و تکالیف کے وقت چاک گریبان ہونا، برے شکون لینا، اور نوروز کرنا، یا ایسی رسمیں کرنا جو خالص کفر کی علامت ہوں (جیسے اولیاء اللہ کے مزار پر عرس کرنا، وہاں چراغاں کرنا، قبروں پر روشنی کا انتظام کرنا، غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز کرنا محرم و شب برات میں غلطیوں اور کثرت و غیرہ وغیرہ)۔ تیسرا شخص وہ ہے جو کسی مسلمان کا ناحق خون پہانے کا طلب گار ہو یعنی کسی مسلمان کو قتل کرنے کا مقصد محض خون ریزی ہو اور کوئی دوسرا مقصد نہ ہو، اگرچہ محض قتل ہی کوئی چھوٹا جرم نہیں ہے اس پر بھی بڑی وعید ہے مگر جب مقصد صرف خون ریزی ہو تو یہ جرم شریعت کی نظر میں اور زیادہ قابل نفیس ہو جاتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب محض خون ریزی کی خواہش اور طلب ہی اتنا بڑا جرم ہے تو اس جرم کو کر گزرنے والی یعنی واقعہ کسی کا ناحق خون پہا دینا کتنا بڑا جرم ہوگا اور اس کی تہمت سزا ہوگی؟

(۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ امْتَنِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَلِي قِتْلٍ وَمَنْ أَلِي قَاتِلٍ مَنْ أَطَاعَنِي يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَلِي (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میری امت جنت میں داخل ہوگی مگر وہ شخص جس نے انکار کیا اور سرکشی کی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، پھر پوچھا گیا ”وہ کون شخص ہے جس نے انکار کیا اور سرکشی کی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے میری اطاعت و فرمانبرداری کی وہ جنت میں داخل ہوا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا اور سرکشی کی۔“ (بخاری)

تشریح: صحابہؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ قبول کرنے والا اور سرکشی اختیار کرنے والا کون ہے؟ آنحضرت ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ جس نے میری اطاعت نہیں کی اور میرے احکام و فرمان سے روگردانی کی وہ سرکش ہے جو جنت کا مستحق نہیں ہوگا بلکہ اپنی سرکشی اور نافرمانی کی بناء پر خدا کے عذاب کا مستوجب گردانا جائے گا۔

(۵) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَتْ مَلَائِكَةُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ فَقَالُوا إِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هَذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوا لَهُ مَثَلًا قَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبُ يَقْظَانُ فَقَالُوا مَثَلُهُ كَمَثَلِ بَنِي دَاوُدَ وَجَعَلُوا فِيهَا مَادَّةً وَبَعَثُوا دَاعِيًا فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَآكَلَ مِنَ الْمَادَّةِ وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَادَّةِ فَقَالُوا أَوَلَوْ هَا لَهُ يَنْفَعُهَا قَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبُ يَقْظَانُ فَقَالُوا الدَّارُ الْحِجَّةُ وَالْدَّاعِيَ مُحَمَّدٌ فَقَدْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَمُحَمَّدٌ فَرَقَ بَيْنَ النَّاسِ (رواہ البخاری)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ (کچھ) فرشتے آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ ﷺ سو رہے تھے فرشتوں نے آپس میں کہا۔ تمہارے اس دوست یعنی آنحضرت ﷺ کے متعلق ایک مثال ہے اس کو ان کے سامنے بیان کرو، دوسرے فرشتوں نے کہا، وہ سوئے ہوئے ہیں (لہذا بیان کرنے سے کیا فائدہ) ان میں سے بعض نے کہا، بے شک آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے، پھر اس نے

کہا، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے گھربنایا اور لوگوں کے کھانا کھانے کے لئے دسترخوان چنا اور پھر لوگوں کو بلا لے کے لئے آدمی بھیجا لہذا جس نے بلا لے والے کی بات کو مان لیا وہ گھر میں داخل ہو گا اور کھانا کھائے گا اور جس نے بلا لے والے کی بات کو قبول نہ کیا وہ نہ گھر میں داخل ہو گا اور نہ کھانا کھائے گا یہ سن کر فرشتوں نے آپس میں کہا، اس کو (وضاحت کے ساتھ) بیان کرو تاکہ یہ اسے سمجھ لیں، بعض فرشتوں نے کہا بیان کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ وہ تو سوتے ہوئے ہیں۔ دوسروں نے کہا، بے شک آنکھیں سوری ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے اور پھر کہا، گھر سے مراد تو جنت ہے اور بلا لے والے سے مراد محمد ﷺ ہیں جس نے محمد ﷺ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: اس شخص سے مراد جس نے گھربنایا اور دسترخوان چنا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی طرح دسترخوان اور کھانے سے مراد بہشت کی نعمتیں ہیں چونکہ یہ ظاہری طور پر مفہوم ہو رہے ہیں اس لئے ان کی وضاحت نہیں کی گئی آخر میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی لوگوں کے درمیان فرق کرنے والی ہے یعنی کافرو مؤمن حق و باطل اور صالح و فاسق میں آپ ﷺ فرق کرنے والے ہیں۔

① وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ ثَلَاثَةٌ رَفِطُوا إِلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا لَحِظُوا بِهَا كَانَتْهُمْ تَفَالُوهَا فَقَالُوا آئِنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ فَقَالَ أَحَدُهُمْ أَمَّا أَنَا فَأَصْلَى اللَّيْلِ أَبْدًا وَقَالَ الْآخَرُ أَنَا أَصُومُ النَّهَارَ أَبْدًا وَلَا أَفْطِرُ وَقَالَ الْآخَرُ أَنَا أَعْتَرِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبْدًا فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَنْتُمْ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذًّا وَكَذًّا أَمَّا وَاللَّهِ إِنِّي لَا أَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَاتَّقَاكُمْ لَهُ لِكَيْتِي أَصُومُ وَأَفْطِرُ وَأَصْلِي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ شَيْئِي فَلَيْسَ مِنِّي۔

(بخاری)

”حضرت انسؓ راوی ہیں کہ تین شخص آنحضرت ﷺ کی بیویوں کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ان سے آنحضرت ﷺ کی عبادت کا حال دریافت کریں، جب ان لوگوں کو آپ ﷺ کی عبادت کا حال بتایا گیا تو انہوں نے آپ کی عبادت کو کم خیال کر کے آپس میں کہا۔ آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں ہم کیا چیز ہیں اللہ تعالیٰ نے تو ان کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے ہیں، ان میں سے ایک نے کہا، اب میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا، اور میں دن کو ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور کبھی افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا، ان میں آپس میں یہ گفتگو ہوئی رہی تھی کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا، تم لوگوں نے ایسا ویسا کہا ہے، خبردار! میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں، اور تم سے زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہوں (لیکن اس کے باوجود) میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں میں (رات میں) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں (یعنی میرا طریقہ ہے لہذا جو شخص میرے طریقہ سے انحراف کرے گا وہ مجھ سے نہیں (یعنی میری جماعت سے خارج ہے)۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: تین صحابی یعنی حضرت علی، حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ازواج مطہرات کی خدمت میں آنحضرت ﷺ کی عبادت کا حال معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئے جب ان لوگوں کو آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم ہوا تو اسے انہوں نے کم خیال کرتے ہوئے کہا کہ کہاں کہاں ہم اور کہاں رسول اللہ ﷺ؟ یعنی عبادت کے مقابلہ میں ہمیں سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذات اقدس سے کیا نسبت؟ اس لئے کہ آپ ﷺ کو تو اتنی بھی عبادت کی حاجت نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ سراپا معصوم اور مغفور ہیں آپ ﷺ کے اگلے پچھلے تمام گناہ بارگاہ الوہیت میں سے پہلے ہی بخش دیے گئے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔

”تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دے۔“

چنانچہ ان تینوں نے حسب طبیعت ایک ایک چیز کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور یہ خیال کیا کہ عبادت میں اتنی زیادتی عرفان حق کا باعث اور تقرب الی اللہ کا واحد ذریعہ ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں اس سے منع فرمایا اس لئے کہ عبادت وہی معتبر اور قابل تحسین ہوگی جو خدا اور خدا کے رسول کی قائم کردہ حدود کے اندر ہو اور جتنی عبادت کے لئے بندہ کو مکلف کیا گیا ہے اتنی عبادت ہی تقرب الی اللہ کا باعث ہوگی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ ڈرتا ہوں، تقویٰ تم سے زیادہ اختیار کئے ہوئے ہوں، خوف خدا میرے دل میں تم سے زیادہ ہے لیکن اس کے باوجود بھی میری عبادت اور میری ریاضت ان ہی حدود کے اندر ہے جو خدا نے قائم کر دی ہے، اسی لئے میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سونے کے وقت سوتا بھی ہوں اور بقضائے فطرت عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔

چنانچہ کمال انسانیت یہی ہے کہ بندہ علاق سے تعلق رکھے، عورتوں سے نکاح بھی کرے لیکن اس شان کے ساتھ کہ ایک طرف تو ان کے حقوق میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہو اور دوسری طرف حقوق اللہ میں بھی فرق نہ آئے اور نہ توکل کا دامن ہاتھ سے چھوئے، اسی چیز کو آنحضرت ﷺ نے پورے کمال کے ساتھ عملی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کر دیا تاکہ امت بھی اسی طریقہ پر چلتی رہے۔

اور پھر آخر میں آپ ﷺ نے صاف طور پر اعلان فرمادیا کہ یہ میرا طریقہ ہے اور یہی میری سنت، اب جو شخص میری سنت سے انحراف کرتا ہے، میری بتائی ہوئی حدود سے تجاوز کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ میری سنت اور میرے طریقہ سے بیزاری دے رہی ہے کر رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسا شخص میری جماعت سے خارج ہے اے مجھ سے اور میری جماعت سے کوئی نسبت نہیں۔

اس ارشاد نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ علاق دنیا سے بالکل منہ موڑ لینا اور رہبانیت کا طریق اختیار کر لینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ انسانی زندگی کا شیرازہ بکھر جائے گا بلکہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں بھی کوتاہی ہوگی اور عبادت کا جو اصلی حق ہے وہ ادا نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحاقؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استنباط کیا ہے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو بدعت حسنہ کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ تینوں صحابہؓ نے جن چیزوں کو اپنے اوپر لازم کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ عبادت ہی کی قسم سے تھیں لیکن چونکہ یہ سنت کے طریقہ کے خلاف اور اس سے زیادہ تھیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو پسند نہیں فرمایا اور اس سے منع فرمایا، لہذا اولیٰ یہی ہے کہ جو عبادت آل حضرت ﷺ سے منقول ہو، اور جس طرح ثابت ہو اسی طرح ادا کرے اس میں اپنی طرف سے کمی زیادتی نہ کرے۔

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَنَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَرَحَّضَ فِيهِ فِتْنَةً عَنْهُ قَوْمٌ فَلَبِغَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ فَمَحَمَّدَ اللَّهُ ثُمَّ قَالَ قَابَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ فَوَاللَّهِ إِنِّي لَا أَعْلَمُهُمْ بِاللَّهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً۔ (بخاری و مسلم)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک کام کیا اور اس کی اجازت دے دی لیکن کچھ لوگوں نے اس سے پرہیز کیا جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر ملی تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور خدا کی حمد و تعریف کے بعد فرمایا: لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ اس چیز سے پرہیز کرتے ہیں جسے میں کرتا ہوں۔ خدا کی قسم! میں اللہ تعالیٰ کی مرضی و نامرضی کو ان سے زیادہ جانتا ہوں اور ان سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: روزہ میں آنحضرت ﷺ نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا ہو گا یا سفر میں روزہ نہ رکھا ہو گا چونکہ ان چیزوں کی اجازت ہے اور شریعت نے اس کی رخصت دی ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے خود بھی اس پر عمل فرمایا اور لوگوں کو بھی اس کی اجازت دے دی کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں لیکن کچھ لوگوں نے ازراہ احتیاط ان کو جائز نہ سمجھا ہو گا جب آنحضرت ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ اس کے باوجود کہ میں لوگوں سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور کمال اخلاق میرے اندر موجود ہے لیکن میں شریعت کی طرف سے دی گئی آسانی اور رخصت پر عمل کرتا ہوں تو وہ لوگ کون ہوئے ہیں جو اس رخصت و اجازت پر عمل نہ کریں۔

اگر معنوی حیثیت سے ان آسانیوں اور رخصت کی حقیقت پر غور کیا جائے جو شریعت نے ایسے مواقع پر دے رکھی ہیں تو اس میں بڑی عجیب حکمتیں نظر آئیں گی۔ مثلاً یہ کہ ایسے مواقع پر دراصل بندہ کے مجزونا چارگی اور ضعف بشریت نیز فاقیت نفس کا اظہار ہوتا ہے جو خدا کے نزدیک بہت محبوب شے ہے اسی لئے سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ اسے پسند کرتا ہے کہ رخصتوں یعنی آسانیوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ عزیمتوں یعنی اولی چیزوں پر عمل کئے جانے کو پسند کرتا ہے۔

⑧ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُؤْتِرُونَ التَّخْلُ فَقَالَ مَا تَصْنَعُونَ قَالُوا كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالُوا لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوا لَكُنَّا خَيْرًا أَفَرَكُوهَ فَتَقَصَّ قَالُوا فَذَكِّرُوا ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ أَمْرِ دِينِكُمْ فَخَلُّوا بِهِ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ زَانِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت رافع بن خدیجؓ بیان کرتے ہیں کہ (جب) سرکارِ دو عالم ﷺ مدینہ تشریف لائے اس وقت مدینہ کے لوگ کھجور کے درختوں میں تاثیر کیا کرتے تھے آنحضرت ﷺ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا تم یہ کیا کرتے ہو؟ اہل مدینہ نے عرض کیا ہم ایسا ہی کرتے رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تم ایسا نہ کرو تو شاید بہتر ہو، چنانچہ لوگوں نے آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر اسے چھوڑ دیا اور اس سال پھل کم آیا، راوی کہتے ہیں کہ اس کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا، میں بھی ایک آدمی ہوں لہذا جب میں تمہیں کسی ایسی چیز کا حکم دوں جو تمہارے دین کی ہو تو اسے قبول کر لو، اور جب میں کوئی بات اپنی عقل سے تمہیں بتاؤں تو سمجھ لو کہ میں بھی انسان ہوں۔“

(مسلم)

تشریح: کھجور کے درختوں میں ایک درخت نہ ہوتا ہے اور دوسرے مادہ ہوتے ہیں۔ مدینہ والے یہ کیا کرتے تھے کہ زبردخت کا پھول مادہ درختوں پر جھارتے یا ان میں لگا دیتے تھے اس سے ان کا خیال تھا کہ پھل زیادہ آتے ہیں اسی کو تاثیر کرنا کہا جاتا ہے، آخر حدیث میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا معنی یہ ہے کہ میں بھی ایک انسان ہوں دنیاوی اسباب کے سلسلہ میں مجھ سے خطا بھی واقع ہو سکتی اور صواب بھی ہو سکتی ہے دنیاوی معاملہ میں اپنی کسی ایسی اجتہادی رائے کا اظہار کروں جو وحی کے زیرِ حکم نہ ہو تو اس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے چنانچہ اس معاملہ میں آپ ﷺ نے جب دیکھا کہ یہ چیز امورِ جاہلیت میں سے ہے اور اس کی تاثیر پھلوں کی کمی و زیادتی میں کچھ معقول نظر نہیں آتی اور اس کا خیال نہیں فرمایا کہ شاید اس کی تاثیر کچھ مخناب اللہ ہی سے ہوتی ہو اس لئے آپ ﷺ نے اس کو ترک کر دینے کے لئے فرمایا لیکن حکم نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ اگر یہ عمل نہ کرو تو بہتر ہو گا۔

جب تجربہ کے بعد آپ ﷺ نے یہ دیکھ لیا کہ یہ تو ایک قدرتی چیز ہے کہ جب زبردخت کے پھلوں کو مادہ درخت میں لگا دیتے ہیں تو اس سے پھل کثرت سے آتے ہیں اور اس عمل کے خلاف خدا کی جانب سے کوئی وعید نہیں آئی ہے تو آپ ﷺ نے سکوت فرمایا۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دنیا کی طرف التفات نہ تھا اور نہ آپ کی غرض دنیا تھی بلکہ امورِ آخرت کے مسائل و احکام اور دینی معاملات میں آپ ﷺ کو زیادہ اہتمام تھا۔

۱۔ حضرت رافع بن خدیجؓ انصاری اوسکی ہیں جس وقت حق و باطل کے درمیان جنگ بدر ہوئی اس وقت یہ بہت کم سن تھے ۳۲ء میں ہجری ۵۶ء سال اشغال فرمایا۔

(اسد الغابہ)

بعض دوسری احادیث میں اس واقع کے بیان کے سلسلہ میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا انتم اعلم بامور دنیا کم یعنی تم اپنی دنیا کے امور کو خوب جانتے ہو! اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ دنیاوی امور کی طرف مجھے التفات نہیں ہے ورنہ جہاں تک رائے و عقل کا معاملہ ہے اس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے آنحضرت ﷺ دینی اور دنیاوی دونوں معاملات میں سب سے زیادہ عقل مند و صاحب الرائے تھے۔

⑨ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ آتَى قَوْمًا فَقَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي زَأَيْتُ الْجَنِيْشَ بِعَيْنِي وَإِنِّي أَنَا التَّذْيِيزُ الْعُزْبَانُ فَالْتَّجَاءُ التَّجَاءُ فَأَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِّنْ قَوْمِهِ فَأَذْلَحُوا فَأَنْظَلُّوْا عَلَى مَهْلِكِهِمْ فَتَجَعُوا وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ فَأَصْبَحُوا مَكَانَهُمْ فَصَبَّحَهُمُ الْجَنِيْشُ فَأَهْلَكَهُمْ وَاجْتَأَحَهُمْ فَذَاكَ مَثَلٌ مِّنْ أَطَاعَنِي فَاتَّبَعُوا مَا جِئْتُ بِهِ وَمَثَلٌ مِّنْ عَصَانِي وَكَذَّبُوا مَا جِئْتُ بِهِ مِنَ الْحَقِّ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری اور اس چیز کی مثال جسے دے کر خدا نے مجھے بھیجا ہے (یعنی دین و شریعت) اس شخص کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور کہا، اے قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں سنا (یعنی بے غرض) اُڑانے والا ہوں، لہذا تم اپنی نجات کو تلاش کرو، چنانچہ اس کی قوم کی ایک جماعت نے اس کی فرمانبرداری کی اور راتوں رات آہستہ آہستہ نکل گئی اور نجات پائی ان میں سے ایک گروہ نے اس کو جھٹلایا اور صبح تک اپنے گھروں میں رہا جس کو لشکر نے ڈر ان کو پکڑ لیا اور ہلاک کر ڈالا (یہاں تک کہ) ان کی جڑیں کھود ڈالیں یعنی ان کی نسل تک کا خاتمہ کر دیا، چنانچہ یہی مثال ہے اس شخص کی جس نے میری فرمانبرداری کی اور جو (احکام) میں لایا ہوں ان کی پیروی کی، اور اس شخص کی بھی یہی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق بات (یعنی دین و شریعت) میں لے کر آیا ہوں اس کی تکذیب کی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: نگاہ ڈالنے والے کی اصل یہ ہے کہ عرب میں قاعدہ تھا کہ جب کوئی شخص کسی لشکر کو اپنی قوم پر حملہ کے لئے آتا ہوا دیکھتا تو کپڑے اتار کر سر پر رکھ لیتا اور بالکل نگاہوں کو چلاتا ہوا اپنی قوم کی طرف آتا کہ لوگ خبردار ہو جائیں اور دشمن کی اچانک آمد سے بچاؤ کی شکل پیدا کر سکیں۔ اسی کو نگاہ ڈالنے والا کہا جاتا تھا، اس کے بعد سے یہ کسی ناگہانی اور خوفناک حادثہ کے پیش آنے میں صرف ایک ضرب النمل بن گیا۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ پر یہ مثال بالکل صحیح و صادق تھی کہ آپ ﷺ فرمانبردار اور اطاعت گزار کو جنت اور رضاءِ مولیٰ کی بشارت اور نافرمانبردار و سرکش جماعت کو خدا کے عذاب و غضب کی خبر دینے میں بالکل سچے تھے۔

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَّاشُ وَهَذِهِ الدُّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيْهَا وَجَعَلَ يَخْجُزُهُنَّ وَيَغْلِيْنَهُ فَيَتَفَحَّمْنَ فِيْهَا فَأَنَّا أَحْبَدُ بِخُجْزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ تَفَحَّمُونَ فِيْهَا (هَذِهِ رِوَايَةُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهَا وَقَالَ فِيْ آخِرِهَا قَالَ فَذَاكَ مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ أَنَا أَحْبَدُ بِخُجْزِكُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِيْوُنِي تَفَحَّمُونَ فِيْهَا) - (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میری مثال اس شخص کی مانند ہے جس نے آگ روشن کی چنانچہ جب آگ نے چاروں طرف روشنی پھیلادی تو ہر دانے اور دوسرے وہ جانور جو آگ میں گرتے ہیں اگر آگ میں گرنے لگے آگ روشن کرنے والے شخص نے ان کو روکنا شروع کیا لیکن وہ (نہیں رکھتے بلکہ) اس کی کوششوں پر غالب رہتے ہیں اور آگ میں گر پڑتے ہیں اسی طرح میں بھی تمہاری کرسی پکڑ کر تمہیں آگ میں گرنے سے روکتا ہوں اور تم آگ میں گرتے ہو۔

یہ روایت بخاری کی ہے اور مسلم میں بھی ایسی ہی روایت ہے البتہ مسلم کی روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بالکل ایسی ہی مثال میری اور تمہاری ہے میں تمہاری کرسی پکڑتے ہوں کہ تمہیں آگ سے بچاؤں اور یہ کہتا ہوں کہ دوزخ سے بچو میری

طرف آؤ، دوزخ سے بچو میری طرف آؤ لیکن مجھ پر تم غالب آتے ہو اور آگ میں گر پڑتے ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں نے حرام اور ممنوع چیزوں کو تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے لیکن جس طرح کوئی شخص آگ جلائے اور اس شخص کے روکنے کے باوجود پروانے آگ میں گرتے ہیں وغیرہ۔ اسی طرح باوجودیکہ میں تمہیں برے راستہ سے ہٹاتا ہوں اور برے کام سے روکتا ہوں لیکن تم اسی ممنوع اور غیر پسندیدہ چیزوں کو کرتے ہو اسی طرح دوزخ کی آگ میں گرنے کی کوشش کرتے ہو۔

⑪ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْفَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ فَبَلَبَتِ الْمَاءَ فَأَنْشَبَتِ الْكَلَّا وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَفَضَّعَ اللَّهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا وَأَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةٌ أُخْرَى إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلًّا فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقَهُ فِي دِينِ اللَّهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلِمَ وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَزَلْ يَفْعُ بِذَلِكَ زَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللَّهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اس چرکی مثال جسے خدا نے مجھے دے کر بھیجا ہے یعنی علم اور ہدایت کثیر بارش کی مانند ہے جو زمین پر ہوئی چنانچہ زمین کے اچھے ٹکڑے نے اسے قبول کر لیا یعنی اپنے اندر جذب کر لیا، اور اس سے بہت زیادہ خشک و ہری گھاس پیدا ہوئی اور زمین کا ایک ٹکڑا ایسا سخت تھا کہ اس کے اوپر پانی جمع ہو گیا اللہ نے اس سے بھی لوگوں کو نفع پہنچایا اور لوگوں نے اسے پیا اور پلایا اور کھیتی کو میرا ب کیا اور یہ (بارش کا پانی) زمین کے ایسے ٹکڑے پر بھی (پہنچا) جو چمیل سخت میدان تھا نہ تو اس نے پانی کو روکا اور نہ گھاس کو اگایا لہذا یہ سب (مذکورہ مثالیں) اس شخص کی مثال ہے جس نے خدا کے دین کو سمجھا اور جو چیز خدا تعالیٰ نے میری وساطت سے بھیجی تھی اس نے اس سے نفع اٹھایا پس اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا، اور اس شخص کی مثال ہے جس نے خدا کے دین کو سمجھنے کے لئے فکر کی وجہ سے سر نہیں اٹھایا اور خدا تعالیٰ کی ہدایت کو جو میرے ذریعہ بھیجی گئی تھی قبول نہیں کیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس میں دو قسم کے آدمی ذکر کئے گئے ہیں ایک تو دین سے فائدہ اٹھانے والے اور دوسرے دین سے فائدہ نہ اٹھانے والے، اسی طرح مثال مذکورہ میں زمین دو قسم کی بیان کی گئی ہے، زمین کی ایک قسم تو وہ ہے جو پانی سے فائدہ اٹھاتی ہے، دوسرے وہ جو پانی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتی پھر فائدہ اٹھانے والی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اگانے والی اور دوسری نہ اگانے والی۔

ٹھیک اسی طرح علم دین سے بھی فائدہ اٹھانے والے دو طرح کے ہوتے ہیں، پہلا وہ شخص جو عالم بھی ہو اور عابد و فقیہ اور معلم بھی۔ اس پر زمین کے اس ٹکڑے کی مثال صادق آتی ہے جس نے پانی کو اپنے اندر جذب کر لیا، خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی نفع پہنچایا نیز گھاس بھی اگائی۔ اسی طرح اس شخص نے بھی علم دین سے خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی اپنے علم سے مستفیض کیا۔ دوسرا وہ شخص ہے جو عالم و معلم ہو مگر عابد و فقیہ نہ ہو، نہ تو وہ نوافل وغیرہ میں مشغول ہوا اور نہ اس نے اپنے علم میں ثقہ یعنی سمجھ بوجھ پیدا کی، اس کی مثال زمین کے اس حصہ کی مانند ہے جس میں پانی جمع ہو گیا اور لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ یا پھر زمین کا وہ حصہ جس نے پانی کو جذب بھی کیا اور گھاس بھی اگائی وہ مجتہدین کی مثال ہے کہ جنہوں نے علم حاصل کیا، پھر بہت سے مسائل کا استنباط کیا اس سے خود بھی شفع ہوئے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا۔

اور زمین کے اس حصہ کی مثال جس میں پانی جمع ہوا، محدثین ہیں کہ انہوں نے علم حدیث حاصل کیا اور اس علم کو بعینہ دوسرے لوگوں تک پہنچا دیا، ان دونوں کے مقابلہ میں تیسرا شخص وہ ہے جس نے ازراہ غرور و تکبر خدا کے دین کے سامنے اپنی گردن نہیں جھکائی، نہ اس نے علم دین کی طرف کوئی توجہ و التفات کی اور نہ اس نے خدا و خدا کے رسول کے پیغام کو سنا اور نہ اس پر عمل کیا اور نہ اس نے علم کی روشنی دو سروں تک پہنچائی، اب چاہے یہ دین محمدی میں داخل ہو یا نہ ہو اور یا کافر ہو، اس کی مثال نین شور کی ہے کہ جس نے نہ پانی کو قبول کر کے

اپنے اندر جذب کیا، نہ پانی کو جمع کیا اور نہ کچھا گیا۔

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ" وَقَرَأَ إِلَى "وَمَا يَذْكُرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ" قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَإِذَا زَأَيْتِ - وَعِنْدَ مُسْلِمٍ زَأَيْتُمْ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَخَّاهُمْ اللَّهُ فَاحْذَرُوهُمْ" (متفق علیہ، ال عمران ۷۰)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ" ترجمہ: یہ وہ (خدا) ہے جس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل کی کہ جس کی بعض آیات محکم ہیں۔ اور آخر آیت "وَمَا يَذْكُرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ" (ال عمران ۷۰) اور نہیں فصاحت پڑتے مگر صاحب عقل، عین پرچی، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ آیت پڑھ کر، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جس وقت تو دیکھے اور مسلم کی روایت میں ہے "جب تم دیکھو" کہ لوگ ان آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں جو متشابہ ہیں تو (تم سمجھو کہ یہ) وہ لوگ ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے (کج رویا گمراہ) رکھا ہے لہذا ان لوگوں سے بچتے رہو۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: آیت کا بقیہ حصہ یہ ہے:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالزَّاسِحُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذْكُرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ - (ال عمران ۷: ۳)

"اور وہی (آیات محکمات) اصل کتاب ہیں اور بعض آیات متشابہ ہیں۔ ایسے لوگ کہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں، حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور فصاحت تو عقلمندی قبول کرتے ہیں۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ آیات متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور ان کی اصل مراد کو پانے کے لئے اپنی عقل کے تیر چلاتے ہیں ان کو خدا نے کج رویا گمراہ کہا ہے جیسا کہ آیت بالا فَاَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ سے معلوم ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم میں دو طرح کی آیتیں ہیں اول "آیات محکمات" یہ وہ آیتیں ہیں جس کے معنی و مطلب ظاہر ہوتے ہیں ان میں اخفاء و ابہام نہیں ہوتا، دوسری آیات متشابہات ہیں یعنی جن کے معنی ظاہر نہیں ہوتے بلکہ ان کی حقیقی مراد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے جیسے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيعُوْا اللّٰهَ فَرِيقًا وَاطِيعُوْا الرَّسُوْلَ فَرِيقًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَرِيقًا وَغَيْرَ۔

لہذا جو لوگ نیک اور صالح ہوتے ہیں اور جن کے قلوب ایمان و ایقان کی روشنی سے پوری طرح منور ہوتے ہیں وہ آیات محکمات کے معنی و مطالب کو سمجھتے بھی ہیں اور ان پر ایمان بھی لاتے ہیں اور آیات متشابہات پر پوری رسوخ و ایقان کے ساتھ ایمان لا کر ان کے معنی و مطالب اور حقیقی مراد کا علم اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں کہ وہی بہتر جاننے والا ہے۔

لیکن جن لوگوں کے قلوب میں کجی ہوتی ہے اور جن کے ذہن گمراہ ہوتے ہیں وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور ان میں اپنی طرف سے غلط تاویلیں کر کے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اس حدیث اور مذکورہ بالا آیات شریفہ کا یہی خلاصہ اور مطلب ہے۔

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ هَجَرْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَالَ فَسَمِعَ أَصْوَاتَ رَجُلَيْنِ اخْتَلَفَا فِي آيَةٍ فَحَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَرِّفُ فِي وَجْهِهِ الْغَضَبُ فَقَالَ إِنَّمَا هَٰذَاكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ يَخْتَلَفُ فِي الْكِتَابِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو ایک (مقتابہ) آیت میں اختلاف کر رہے تھے یعنی اس کے معنی میں جھگڑ رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے کے لوگ کتاب (الہی) میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں۔“ (اسلم)

تشریح: اس سے مراد وہ اختلاف ہے جس کی وجہ سے قلوب شک میں گرفتار ہوں، یا ایمان میں کمزوری پیدا ہو اور آپس میں فتنہ و فساد اور دشمنی کا سبب بن کر فروع و بدعت کا باعث بنیں، جیسے نفس قرآن میں اختلاف کرنا، اس کے معنی و مطالب میں فرق پیدا کرنا، ظاہر ہے کہ ان چیزوں میں نہ تو اجتہاد جائز ہے اور نہ اختلاف کرنا صحیح ہے، ہاں علمائے مجتہدین کے اختلاف صحیح ہیں جو خدا کی رحمت کا باعث اور دین و شریعت میں وسعت کا ذریعہ ہیں، چنانچہ صحابہؓ سے اس طرح کا اجتہادی اختلاف جو فائدہ مند ہے، منقول ہے جو جائز تھا اور جس کی وجہ سے بے شمار مسائل کا استنباط ہوا اور امت ان سے منتفع ہوئی۔

(۱۴) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَكْثَرَ الْمُسْلِمِينَ فِي الْمُسْلِمِينَ جُزْءًا مِنْ سَأَلٍ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُخَوِّمْ عَلَى النَّاسِ فَخَوِّمْ مِنْ أَجْلِ مُسْأَلَتِهِ۔ (متن علیہ)

”اور سعد بن ابی وقاصؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں میں سب سے بڑا گناہ گار وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کا سوال کیا جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے سے وہ حرام ہو گئی ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ وعید آپ ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمائی جو آپ ﷺ سے ازراہ سرکشی سوالات کرتے تھے یا ان کا سوال کرنا محض نصیحت کی وجہ سے ہوتا تھا جیسا کہ بنی اسرائیل نے بقبر کے بارے میں حضرت موسیٰ سے سوال کیا تھا۔ ہاں جن لوگوں کا سوال کرنا واقعہ علم حاصل کرنے یا کسی ضرورت کی بنا پر ہوتا تھا وہ اس میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان کو تو اپنے صحیح سوالات کی بنا پر ثواب ملتا تھا۔

(۱۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ ذَجَالُونَ كَذَّابُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ يَمَالَهُمْ تَسْمَعُوا أَنَّهُمْ وَلَا آيَاؤُكُمْ فَيَأْتِيَاكُمْ وَيَأْتَاهُمْ لَا يُصَلُّونَكُمْ وَلَا يُغْتَنُونَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: آخری زمانہ میں ایسے فریب دینے والے اور جھوٹے لوگ ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جنہیں نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے باپوں نے سنا ہوگا لہذا ان سے بچو اور ان کو اپنے آپ سے بچاؤ تاکہ وہ تمہیں نہ گمراہ کریں اور نہ فتنہ میں ڈالیں۔“ (اسلم)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زہد و تقدس کا پڑ فریب لبادہ اوزھ کر لوگوں کو بہکائیں گے، عوام سے کہیں گے کہ ہم علماء اور مشائخ میں سے ہیں اور انہیں خدا کے دین کی طرف بلا تے ہیں، نیز جھوٹی حدیث اپنی طرف سے وضع کر کے لوگوں کے سامنے بیان کریں گے، یا پچھلے بزرگوں کی طرف غلط باتیں منسوب کر کے لوگوں کو دھوکا دیں گے، باطل احکام بتلائیں گے اور غلط عقیدوں کا بیج لوگوں میں بویں گے۔

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اگر وہ ایسے لوگوں کو پائیں تو ان سے بچیں، ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے مکرو فریب سے نیک لوگوں کو فتنہ میں ڈال دیں یعنی شرک و بدعت میں مبتلا کر دیں۔

اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ دین کے حاصل کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے، نیز بدعتی اور ایسے لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہئے جو ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کی بنا پر دین و مذہب کے نام پر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں اور ان سے ربط و ضبط نہ رکھنا چاہئے۔

چوں بسا ابلیس آدم روئے بہت پس بہر دستے نہاید داد دست

(۱۶) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَفْرَؤُنَ التَّوْرَةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيَقْسُرُونَ بِهَا عَلَى أَهْلِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا الْآيَةَ - (رواه البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب توراة کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے (جو یہودیوں کی زبان ہے) اور مسلمانوں کے لئے اس کی تفسیر عربی زبان میں کیا کرتے تھے سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کا یہ عمل دیکھ کر صحابہ سے فرمایا۔ تم اہل کتاب کو نہ تو سچا جانو اور نہ ان کو جھٹلاؤ (صرف) یہ کہو کہ ہم اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم پر نازل کی گئی، ایمان لائے (آخر آیت تک)۔“ (بخاری)

تشریح: پوری آیت یہ ہے:

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى الْبَرِئِينَ وَالْأَسْمَاعِلِ وَالْمَغْرِبِ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَى عِيسَى وَمَا أُنْزِلَ إِلَى النَّبِيِّينَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا تَفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ - (سورہ بقرہ ۱۳۶)

”مسلمانو! کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو کتاب (ہم پر اتری) اس پر اور جو (صحیفہ) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو عطا ہوئی ان پر اور جو اور غیروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان (سب پر ایمان لائے) ہم ان غیروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (خدا کے واحد) کے فرمانبردار ہیں۔“

آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے سامنے اہل کتاب (یعنی یہودی) توراة کی کسی عبارت کا ترجمہ و تفسیر کریں تو ان کو نہ جھٹلاؤ اور نہ ان کو سچ جانو بلکہ یہ آیت کریمہ پڑھو اور ان کو سچا اس لئے نہ جانو کہ یہ لوگ کتاب الہی میں تحریف کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ تمہارے سامنے جس عبارت کا ترجمہ و تفسیر کر رہے ہیں، اس کو انہوں نے بدل دیا ہو، اور ان کو جھٹلاؤ اس لئے نہیں کہ اگرچہ انہوں نے توراة میں تغیر و تبدل کر رکھا ہے لیکن پھر بھی وہ کتاب الہی ہے اور حق ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ شاید وہ سچ اور صحیح عبارت نقل کر رہے ہوں۔

(۱۷) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَى بِالْمُزْمَرِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، انسان کے جھوٹ بولنے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جس بات کو سنے (بغیر تحقیق کے) اسے نقل کر دے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی جھوٹ نہ بولتا ہو لیکن اس کی عادت یہ ہے کہ جو کچھ سنے بغیر تحقیق و تفتیش کے اسے نقل کر دیتا ہے اور لوگوں میں اسے مشہور کر دیتا ہے تو جھوٹ بولنے کے لئے یہی بہت ہے، کیونکہ سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر لینا اور بغیر تحقیق کے اس کو پھیلا دینا جھوٹ کا پہلا ذریعہ ہے، جو شخص ایسی عادت میں مبتلا ہو گا وہ یقیناً جھوٹ کی لعنت میں بھی گرفتار ہو گا کیونکہ وہ جو کچھ سنتا ہے اس میں سب سچ نہیں ہوتا کچھ جھوٹ بھی ہوتا ہے اور جب وہ سچ کے ساتھ جھوٹ کو نقل کرتا ہے تو وہ بھی جھوٹ ہوتا ہے۔

در اصل اس کا مقصد اس بات سے منع کرنا ہے کہ جس چیز کی حقیقت معلوم نہ ہو اور اس کی صداقت کا علم نہ ہو تو اسے بیان کرنا یا اس کی تشہیر کرنا نہیں چاہئے۔

(۱۸) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ فِي أُمَّتِهِ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِثُونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَ يَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْقٍ - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ مجھ سے پہلے کسی قوم میں خدا نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کے مددگار اور دوست اسی قوم سے نہ ہوں جو اس (نبی) کے طریقہ کو اختیار کرتے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے پھر ان (دوست و مددگار) کے بعد ایسے ناخلف (نالائق) لوگ پیدا ہوتے جو لوگوں سے ایسی بات کہتے جس کو خود نہ کرتے اور وہ کام کرتے جن کا انہیں حکم نہیں ملتا تھا (جیسا کہ علماء سوء اور امراء و سرداروں کا طریقہ ہے) لہذا تم سے)۔ جو خاص ان لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو شخص ان لوگوں سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو شخص ان لوگوں سے اپنے دل سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور اس کے علاوہ جو شخص ان کے خلاف اتنا بھی نہ کر سکے اس میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ہاتھ سے جہاد کا مطلب تو ظاہر ہے، زبان سے جہاد کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے غلط عقائد و اعمال کی بنا پر ان کو تنبیہ کرے اور ان کو اس سے منع کرے اور ان کی برائی بیان کرتا رہے اسی طرح دل سے جہاد کے معنی یہ ہیں کہ ایسی غلط چیزوں کو برا جانے جو دین و شریعت کے خلاف ہوں اور دل میں ان کے کرنے والوں سے بغض و نفرت رکھے۔

آخر میں فرمایا گیا کہ جس شخص کا احساس اتنا مردہ ہو جائے کہ وہ غلط چیزوں کو دل سے بھی برا نہ جانے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اس کے دل میں ایمان کی ہلکی سی روشنی بھی موجود نہیں ہے اس لئے کہ کسی غلط عقیدہ و عمل کو برا نہ جانتا گویا اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ اس بری بات سے راضی اور خوش ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کفر کا خاصہ ہے۔

(۱۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا إِلَى هَذِهِ كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ إِثْمِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ إِثْمِهِمْ شَيْئًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص نے (کسی کو) ہدایت کی طرف بلایا اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس کو جو اس کی پیروی اختیار کرے، اور اس (پیروی کرنے والے) کے ثواب میں کچھ بھی کم نہ ہوگا۔ اور جو (کسی کو) گمراہی کی طرف بلائے اس کو اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا کہ اس کو جو اس کی اطاعت کریں اور ان کے گناہ میں کچھ بھی کم نہ ہوگا۔“ (مسلم)

تشریح: یعنی جو شخص کسی بھلائی کا باعث اور ذریعہ ہوگا اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس بھلائی پر عمل کرنے والے کو، لیکن ہدایت و راستی کی طرف بلانے والے کو جو ثواب ملے گا اس کی وجہ سے اس کی پیروی کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی، کیونکہ اطاعت کرنے والوں کو جو ثواب ملے گا اور ان کے عمل صالح کی بنا پر ہوگا اور جو ثواب و بھلائی کی طرف بلانے والے کو ہوگا وہ اس کی دعوت و تبلیغ کی بنا پر ہوگا۔ یہی حال ان لوگوں کے گناہ کا ہے جو لوگوں کو غلط عقائد و اعمال کی طرف بلاتے ہیں اور خلاف شرع طریقہ پر عوام کو چلاتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ أَفْطُوْنِي لِلْغُرَبَاءِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اسلام غربت میں شروع ہوا اور آخر میں بھی ایسا ہی ہو جائے گا۔ لہذا غریب کے لئے خوشخبری ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اسلام کی ابتداء غریبوں سے ہوئی اور آخر میں بھی اسلام غریبوں میں ہی رہ جائے گا۔ یعنی ابتداء اسلام میں مسلمان غریب اور کم تھے جس کی وجہ سے انہیں اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں کی طرف ہجرت کرنی پڑی، اسی طرح آخر میں بھی ایسا ہی ہوگا کہ اسلام غریبوں ہی کی طرف لوٹ آئے گا، لہذا ان غریب کے لئے جن کے قلوب ایمان و اسلام کی روشنی سے پوری طرح منور ہوں گے خوش بختی و سعادت ہے۔ اس لئے کہ آخر زمانہ میں یہی بے چارے اسلام پر ثابت قدم رہیں گے اور کتاب و سنت کے علوم و معارف

سے اپنی زندگیوں کو منور کریں گے۔

﴿۲۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْإِيمَانَ لَيَأْتِي زِلْزَالًا إِلَى الْمَدِينَةِ كَمَا يَأْتِي زِلْزَالُ الْحَيَةِ إِلَى جُحْرِهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَسَنَدُهُ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ «ذُرُو فِي مَاتَرِ كُتُكُم» فِي كِتَابِ الْمَنَاسِكِ وَحَدِيثِي مُعَاوِيَةَ وَجَابِرِ (الْإِزَالِ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي) فِي بَابِ ثَوَابِ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَنْشَأَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ایمان مدینہ کی طرف اس طرح سٹ آئے گا جس طرح سانپ تل کی طرف سٹتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ذرونی ماتر کتکم ہم کتاب مناسک (حج) میں ذکر کریں گے، نیز حضرت معاویہؓ و جابرؓ کی دونوں حدیثیں لایزال من امتی الخ اور لایزال طائفة من امتی۔ بھی اس آیت کے ثواب کے باب میں ذکر کریں گے انشاء اللہ: یعنی یہ حدیثیں صاحب مصابح نے اسی باب میں ذکر کی تھیں لیکن ہم نے ان کو ان بابوں میں ذکر کیا ہے۔“

تشریح: دشمنان اسلام کے مصائب اور مظالم سے اہل ایمان کے بھاگنے اور ایمان پر ثابت قدم رہنے کی مثال آنحضرت ﷺ نے سانپ سے دی ہے اس لئے کہ دوسرے جانوروں کے مقابلہ میں سانپ تیز بھاگتا ہے اور بہت سٹ کر تل میں جاتا ہے اور پھر مشکل ہی سے وہ تل سے نکالا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی یا تو ابتدائے ہجرت کے وقت کے لئے تھی یا پھر آخر زمانہ کے بارہ میں جب مسلمان بہت کم رہ جائیں گے اور سب سٹ سٹا کر مدینہ چلے جائیں گے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

﴿۲۲﴾ وَعَنْ رِبْعَةَ الْعُجْرَشِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَتَى نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيلَ لَهُ لَقِيتُمْ عَيْنَكُمْ وَلَقِيتُمْ أَذُنَكُمْ وَلَقِيتُمْ قَلْبَكُمْ قَالَ فَتَأَمَّنْتُ عَيْنَايَ وَسَمِعْتُ أَذُنَايَ وَعَقَّلْتُ قَلْبِي قَالَ فَقِيلَ لِي سَيِّدُ نَبِيِّ دَارًا فَصْنَعْتُ فِيهَا مَأْدُبَةً وَأَرْسَلْتُ دَاعِيًا فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَآكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَرَضِيَ عَنْهُ الشَّيْءُ وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَسَخَطَ عَلَيْهِ الشَّيْءُ قَالَ فَاللَّهُ الشَّيْءُ وَمُحَمَّدٌ الدَّاعِيَ وَالدَّارُ الْإِسْلَامُ وَالْمَأْدُبَةُ الْجَنَّةُ۔

(رواہ الدارمی)

”حضرت ربیعہؓ الخرجیؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو خواب میں فرشتے دکھائے گئے اور آپ ﷺ سے کہا گیا (یعنی فرشتوں نے کہا) چاہئے کہ آپ کی آنکھیں سوئیں، آپ (ﷺ) کے کان سنیں اور آپ (ﷺ) کا دل سمجھے، آپ (ﷺ) نے فرمایا، تو میری آنکھیں سوئیں، میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے سمجھا، پھر آپ نے فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا (یعنی مثال کے طور پر فرشتوں نے میرے سامنے بیان کیا) کہ ایک سردار نے گھرنایا اور کھانا تیار کیا پھر ایک بلانے والے کو بھیجا (تاکہ وہ لوگوں کو بلائے) لہذا جس نے بلائے والے کی دعوت کو قبول کیا وہ گھر میں داخل ہوا اور کھانے میں سے کھایا اور سردار اس سے خوش ہوا اور جس نے بلائے والے کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ گھر میں داخل ہوا اور نہ کھانے میں سے کھایا اور نہ ہی اس سے سردار خوش ہوا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اس مثال میں سردار سے مراد خدا ہے، بلانے والے سے مراد محمد (ﷺ) ہیں، گھر سے مراد اسلام ہے اور کھانے سے مراد جنت ہے۔“ (دارمی)

تشریح: چاہئے کہ آپ (ﷺ) کی آنکھیں سوئیں یعنی اپنی آنکھوں سے اور کچھ نہ دیکھے، نہ کسی بات پر کان رکھے اور نہ دل میں کوئی دوسرا سوال جمائے فرشتوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ خوب غور و خوض اور حضور دل کے ساتھ اس مثال کو سنئے جو ہم بیان کرنے والے ہیں تاکہ یہ خوب اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے، اس پر آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ فنا مت عینای یعنی میری آنکھیں سوئیں الخ، اسی

آپ کا ہم گرامی ربیعہ بن التمار ہے کچھ لوگوں نے انہیں ربیعہ بن عمرو بھی لکھا ہے ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے خرج راہط کے دن انتقال ہوا تھا۔

مضمون کی وہ حدیث جو پہلی فصل میں گزری اس کی مذکورہ مثال میں گھر سے جنت اور کھانے سے بہشت کی نعمتیں مراد لی گئی تھیں، اس حدیث میں گھر سے مراد اسلام لیا گیا ہے اور کھانے سے جنت مراد لی گئی ہے اس لئے کہ مکان بہشت میں داخل ہونے کا سبب اور ذریعہ ہے اس لئے اسے گھر کی تمثیل دی گئی ہے ہادیہ کے معنی مہمان کے کھانے کے ہیں، دونوں حدیث میں اس سے مراد جنت کی نعمتیں ہیں۔

(۲۳) وَعَنْ أَبِي زَائِعٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَلْفَيْتُ أَحَدًا كُنْهَ فَتَكْنَأُ عَلَيَّ أَوْ يَكْنِبُنِي بِأَتِيهِ الْآخِرُ مِنْ أَمْرِي مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُولُ لَا أَذْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ اتَّبِعْنَاهُ۔

(رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ و التیجانی فی دلائل النبوة)

”اور حضرت ابو زائعؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے چھپر کھٹ (مسہری) پر تکیہ لگائے ہوئے ہو اور میرے ان احکام میں سے جن کا میں نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے کوئی حکم اس کے پاس پیچھے اور وہ (اسے سن کر) یہ کہہ دے کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو کچھ ہمیں خدا کی کتاب میں ملائے ہے اس کی اطاعت کی۔“

(احمد، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، التیجانی)

تشریح: چھپر کھٹ پر لگائے ہوئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ازراہ غرور و تکبر بے فکر ہو کر بیٹھتا رہے اور نہ طلب علم و حصول حدیث میں کوتاہی کرے اور نہ دینی علوم کو ترک کرے اور ازراہ جہالت و نادانی میرے کسی ایسے حکم کے بارے میں جو قرآن میں صراحت کے ساتھ موجود نہ ہو یہ نہ کہنے لگے کہ کتاب اللہ کے علاوہ میں اور کچھ نہیں جانتا اور نہ اس کے سوا کسی دوسری چیز کی پیروی کرتا ہوں اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ان جاہل اور متکبر و بے فکرے لوگوں کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی ہے جو ان احکام پر عمل کرنے میں شک و شبہ کا اظہار کریں گے یا ان کی اطاعت میں کسل و سستی کا اظہار کریں گے جو صراحت کے ساتھ قرآن میں موجود نہ ہوں گے اور ان کی ظاہرین نظرس قرآنی علوم کے اسرار و معانی کی حقیقت تک پہنچنے سے قاصر رہیں گی۔

چنانچہ وہ لوگ یہ خیال کریں گے کہ دین و شریعت کے احکام و مسائل صرف قرآن ہی میں مخصوص و کور ہیں حالانکہ وہ عقل کے اندھے یہ نہیں جانتے کہ بہت سے مسائل و احکام قرآن مجید میں موجود نہیں ہیں وہ صرف حدیث میں صراحت کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، اسی لئے علماء اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح احکام شرائع کے لئے قرآن دلیل و حجت ہے اسی طرح حدیث بھی دلیل و حجت ہے کیونکہ جس طرح قرآن آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا ہے، اسی طرح احادیث کے علوم و معارف بھی بارگاہ الوہیت ہی سے نازل ہوئے ہیں اور دونوں وحی ہیں۔

(۲۴) وَعَنْ الْمُقَدَّمِ بْنِ مَعْدِيكَرِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِنْهُ مَعَهُ، أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَيْعَانٌ عَلَى أَنْ يَكْنِبَهُ يَقُولُ: عَلَيْنَا بِهَذَا الْقُرْآنِ، فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَاجْلُؤْهُ وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَاحْزَمْوْهُ. وَإِنْ مَا حَزَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا حَزَمَ اللَّهُ أَلَا لَا يَجِلُّ لَكُمْ الْجَمَارُ الْأَهْلِيُّ وَلَا كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ وَلَا لَقِظَةٌ مُعَاهِدٌ إِلَّا أَنْ يَسْتَغْنِي عَنْهَا صَاحِبُهَا. وَمَنْ تَرَلَّ بِقَوْمٍ، فَعَلَيْهِمْ أَنْ يَقْرَؤُوا فَإِنْ لَمْ يَقْرَؤُوا فَلَهُ أَنْ يَغْفِبَهُمْ بِمِثْلِ قَرَاءَةٍ» رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ نَحْوَهُ، وَكَذَا ابْنُ مَاجَةَ إِلَى قَوْلِهِ: «كَمَا حَزَمَ اللَّهُ»۔

”اور حضرت مقدم بن معدیکربؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، آگاہ رہو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا شعل، خبردار، عنقریب اپنے چھپر کھٹ پر پڑا ایک پیٹ بھرا شخص کہے گا کہ بس اس قرآن کو اپنے اوپر لازم جانو (یعنی فقط قرآن ہی کو سمجھو اور اس پر

لے آپ کا ام گرائی ظلم ہے ابو داؤد کی کتبت ہے یہ جگہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے علامہ سیوطی کے قول کے مطابق حضرت علی کے دور خلافت میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

لے ام گرائی مقدم بن معدیکربؓ اور کتبت بھی معدیکربؓ ہے، آپ صحابی ہیں شام میں ۸۷ھ میں بصرہ سال آپ کا انتقال ہوا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عمل کرو) اور جو چیز تم قرآن میں حلال پاؤ اس کو حلال جانو اور جس چیز کو تم قرآن میں حرام پاؤ اسے حرام جانو حالانکہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے حرام فرمایا ہے وہ اس کے مانند ہے جسے خدا نے حرام کیا، خبردار تمہارے لئے نہ (بلی) گھریلو) گدھا حلال کیا اور نہ چکلی رکھنے والے درندے، اور نہ تمہارے لئے معاہدہ یعنی وہ قوم جس سے معاہدہ کیا گیا ہو کالقبہ حلال کیا ہے مگر وہ لفظ حلال ہے جس کی پرواہ اس کے مالک کو نہ ہو، اور جو شخص کسی قوم کا مہمان ہو اس قوم پر لازم ہے کہ اس کی مہمانی کریں۔ اگر وہ مہمانی نہ کریں تو اس شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ مہمانی کے مانند ان سے حاصل کرے۔ (ابوداؤد) داری نے بھی ایسی روایت نقل کی ہے اور اسی طرح حدیث بھی مجھے بارگاہ الوہیت سے عطا ہوئی ہے۔“

تشریح: ”قرآن کا مثل“ حدیث ہے یعنی جس طرح قرآن مجید مجھ پر نازل کیا گیا ہے اسی طرح حدیث بھی مجھے بارگاہ الوہیت ہی سے عطا ہوئی ہے لیکن فرق یہی ہے کہ قرآن وحی ظاہر ہے اور حدیث وحی پوشیدہ۔ لہذا واجب العمل دونوں ہیں الا لا یحیل سے بطور مثال کے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان چیزوں کی حرمت قرآن میں کہیں مذکور نہیں ہے میں نے ہی ان کی حرمت بیان کی ہے جس پر عمل کرنا واجب و ضروری ہے۔

اصلی گدھا اسے کہتے ہیں جو گھر میں رہتا ہے یہ حرام ہے گدھا وحشی جسے گود خر کہتے ہیں۔ ان سب کی حرمت احادیث ہی سے ثابت ہے معاہدہ اس کافر کو کہتے ہیں جس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ صلح و امان ہوا ہو، خواہ وہ کافر ہی ہو یا غیر ذی، اس کے بارہ میں فرمایا کہ اس کا لفظ حلال نہیں ہے، ہاں اگر لفظ ایسی چیز ہے جس سے اس کا مالک بے نیاز و بے پرواہ ہو جیسے کھلی، چھلکے، گاجر، مولیٰ یا ایسی ہی کوئی حقیر چیز تو اس کے لئے لینا جائز ہے لفظ اس چیز کو کہتے ہیں جو راستہ میں گری پڑی پائی جائے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص کسی کے یہاں مہمان جائے تو میزبان پر اس کی مہمانداری لازم ہے علماء کہتے ہیں کہ یہ حکم فرض نہیں ہے بلکہ ایسا کرنا مستحب و اولیٰ ہے، اسی طرح یہ حکم دینا کہ اگر میزبان مہمان نوازی نہ کر سکے تو میزبان کے لئے جائز ہے کہ وہ اس میزبان سے مہمانداری کا عوض وصول کر لے یعنی اس سے روپیہ پیسہ لے لے۔

اس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ یا تو ایسی شکل میں جائز ہو گا جب کہ مہمان ایسا مضطرب و لاچار ہو کہ اگر میزبان سے وہ کچھ نہ لے تو اس کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہو۔ یا پھر یہ کہا جائے گا کہ جواز کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا لیکن اب منسوخ ہے۔

(۲۵) وَعَنِ الْعُرَيْنِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «إِنِّي حَسِبْتُ أَحَدَكُمْ مَثَكُنًا عَلَيَّ أَرْنَكُمُ يَنْظُرُونَ أَنَّ اللَّهَ لَمْ يُخَرِّمْ شَيْئًا إِلَّا مَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ؟ أَلَا وَإِنِّي وَاللَّهِ قَدْ أَمَرْتُ وَوَعَّظْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ أَشْيَاءَ إِنَّهَا لِمِثْلُ الْقُرْآنِ أَوْ أَكْثَرُ. وَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَحِلِّ لَكُمْ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتَ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا بِإِذْنٍ وَلَا ضَرْبَ نِسَاءِهِمْ وَلَا أَكْحَلَ نِسَائِهِمْ إِذَا عَظَلَكُمْ الَّذِي عَلَيْهِمْ» رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَفِي إِسْنَادِهِ اشْعَثُ بْنُ شُعْبَةَ الْمَصْنَعِيُّ قَدْ نَكَلِمَهُ فِينَا۔

”اور حضرت عریض بن ساریہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ (خطبہ کے لئے) کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے پیچھے کھٹ پر تکیہ لگائے ہوئے یہ خیال رکھتا ہے کہ خدا نے وہی چیزیں حرام کی ہیں جو قرآن میں ذکر کی گئی ہیں، خبردار! خدا کی قسم ابلا شک میں نے حکم دیا، میں نے نصیحت کی اور میں نے منع کیا چند چیزوں سے جو مثل قرآن کے ہیں بلکہ زیادہ ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ حلال نہیں کیا کہ تم اہل کتاب کے گھروں میں اجازت حاصل کے بغیر چلے جاؤ اور نہ تمہارے لئے ان عورتوں کو مارنا حلال ہے اور نہ تمہارے لئے ان کے پھلوں کا کھانا جائز کیا ہے جب کہ وہ اپنا مطالبہ ادا کر دیں جو ان کے ذمہ تھا۔ (ابوداؤد) اور ان کی سند میں اشعث بن شعبہ مصیعی ہیں جن کے بارے میں گلام کیا گیا ہے کہ وہ ثقہ ہیں یا نہیں؟“

۱۔ حضرت عریض ابن ساریہؓ کی کثرت الوحج ہے اور سہمی ہیں آپ اہل صفہ سے تھے۔ ان سے تابعین کی ایک بڑی جماعت روایت حدیث کرتی ہے ۵۷۵ میں آپ کا اشغال ہوا ہے۔

تشریح: اِن اللہ لم یحل سے آخر تک آنحضرت ﷺ نے چند احکام دیے ہیں وہ یہ کہ اہل کتاب کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر داخل ہو کر ان کو نہ ستاؤ اور نہ ان کو پریشان کرو اور نہ ان کے گھروالوں کو ستاؤ اور نہ تکلیف پہنچاؤ اسی طرح ان کے مال کو نہ لو جب کہ وہ جزیہ ادا کریں۔

ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ یہ احکام قرآن میں مذکور نہیں ہیں بلکہ میں نے دیے ہیں اور ان چیزوں سے میں نے منع کیا ہے اور ان پر عمل کرنا واجب و ضروری ہے۔ ان احکام سے یہ کہہ کر اعراض نہیں کیا جاسکتا کہ یہ قرآن میں چونکہ موجود نہیں ہیں اس لئے واجب العمل بھی نہیں ہیں۔

آخر روایت میں لفظ رواہ کے بعد مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں جگہ خالی ہے اس لئے کہ صاحب مشکوٰۃ کو اس حدیث کے راوی کا علم نہ ہوا ہوگا۔ لیکن بعد میں میرک شاہ نے مذکورہ عبارت لکھ دی ہے۔

(۳۶) وَعَنْهُ قَالَ: صَلَّى بِنَارِ سُؤْلِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بَوَّاحًا مُوَعِّظًا مُبَلِّغًا، ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ، وَوَجَلَّتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَأَنَّ هَذِهِ مُوَعِّظَةٌ مُوَدِّعٌ فَأَوْصِنَا فَقَالَ: (أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدٌ حَبِشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ تَقِشَ مِنْكُمْ بَغْدِيٍّ فَتَسْبِيْ أَخِيًّا لَهَا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَصُوا عَلَيْهَا بِالتَّوَّاجِدِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعٌ، وَكُلُّ بَدْعٍ ضَلَالَةٌ) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَّا أَنَّهُمَا لَمْ يَذْكُرَا الصَّلَاةَ.

”اور حضرت عراض بن ساریہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے اور ہم کو نہایت موثر انداز میں نصیحت کی کہ ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دلوں میں خوف پیدا ہو گیا، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا نصیحت کرنے والے کی یہ (آخری نصیحت ہے) لہذا ہم کو وصیت فرما دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا، میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرتے رہو، اور تم کو مسلمان سردار جو کہے سننے اور بجالانے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ وہ (سردار) حبشی غلام ہو تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ اختلاف بھی دیکھے گا ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ میرے اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کو لازم جانو اور اسی طریقہ پر بھروسہ رکھو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور تم (دین میں) نئی نئی باتیں پیدا کرنے سے بچو اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) مگر اس روایت میں ترمذی اور ابن ماجہ نے نماز پڑھنے کا ذکر نہیں کیا ہے یعنی ان کی روایت میں حدیث کے الفاظ صَلَّى بِنَارِ سُؤْلِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مذکور نہیں ہیں بلکہ حدیث وعظنا موعدة سے شروع ہوتی ہے۔“

تشریح: راوی کے قول كَأَنَّ هَذِهِ مُوَعِّظَةٌ مُوَدِّعٌ (گویا کہ رخصت کرنے والے کی آخری نصیحت ہے) کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص کوچ کرنے والا ہوتا ہے تو ہر وقت رخصت وعظ و نصیحت کے بیان میں کمال کوشش کرتا ہے تاکہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بھی اس وقت اس انداز سے وعظ و نصیحت بیان فرمائی ہے گویا آپ کا وقت رحلت قریب ہے لہذا اس سے پہلے کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے جائیں ہمیں ایسی وصیتیں فرما دیجئے جو دین و دنیا دونوں جگہ ہمارے لئے رہبر ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ مسلمان سردار و حاکم کی اطاعت و فرمانبرداری ہر حال میں ضروری ہے، الایہ کہ خلاف شریعت باتوں کا حکم نہ دے چنانچہ بطور مبالغہ فرمایا کہ اگرچہ مسلمان سردار حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اس کی اطاعت و فرمانبرداری ضروری ہے۔ دانتوں سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو پورے عزم و یقین اور چنگی کے ساتھ اپنے اوپر لازم کر لیا جائے۔

(۳۷) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: خَطَّ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ: (هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ) ثُمَّ خَطَّ

خُطُّوْطًا عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَقَالَ ((هَذِهِ سُبُلٌ عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ)) وَقَرَأَ: ((وَأَنْ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ)) الْآيَةَ۔ (رواہ احمد والنسائی والدارمی)

”اور حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (ہمیں سمجھانے کے لئے) ایک (سیدھا) خط کھینچا اور فرمایا۔ یہ اللہ کا راستہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس خط کے دائیں اور بائیں کی (چھوٹے اور بڑھے) خطوط کھینچے اور فرمایا۔ یہ بھی راستے ہیں جن میں سے ہر ایک راستہ پر شیطان (بیٹھا ہوا) ہے جو اپنے راستے کی طرف بلاتا ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَأَنْ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ترجمہ: اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے لہذا اس کی پیروی کرو اور (دوسرے) راستے کی پیروی نہ کرو تاکہ اس میں کے راستے ہمیں منتشر نہ کریں۔“ (احمد، نسائی، دارمی)

تشریح: خط مستقیم جو آنحضرت ﷺ نے پہلے کھینچا تھا وہ راہ خدا کی مثال ہے جس سے صحیح عقائد اور نیک و صالح اعمال مراد ہیں اور دوسرے چھوٹے و بڑھے خطوط راہ شیطان کی مثال ہیں جن سے گمراہی و ضلالت کے راستے مراد ہیں۔

(۲۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَؤُلَاءِ ثَعْلَابًا جُمْتُ بِهِ)) رَوَاهُ فِي شَرْحِ الشُّعْبَةِ قَالَ التَّوَوُّيُّ فِي ((أَرْبَعِيْنِهِ)) هَذَا حَدِيثٌ صَحِيْحٌ رَوَيْنَاهُ فِي ((كِتَابِ الْحُجَّةِ)) بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

”اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس چیز (دین و شریعت) کی تابع نہیں ہوتیں جس کو میں (خدا کی جانب سے) لایا ہوں یہ حدیث شرح السنۃ میں روایت کی گئی ہے اور امام نوویؒ نے اپنی ”چمل حدیث“ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جس کو ہم نے کتاب الحجۃ میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔“

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کامل اس شخص کا ہوتا ہے جو دین و شریعت کا پوری طرح پیرو اور ان کی صداقت و حقانیت کا ایمان و اعتقاد پورے رسوخ کے ساتھ رکھتا ہو، نیز اس کی زندگی کے ہر پہلو میں خواہ اعتقادات و عبادات ہوں یا اعمال و عادات سب میں کمال رضادرغبت اور بخوشی دین و شریعت اور فرماہوں اور ظاہر ہے کہ روحانی پاکیزگی و لطافت اور عرفانی عروج کا یہ مرتبہ اس شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جس کا قلب و دماغ خواہشات نفسانی کی تمام گزند و ثقات سے پاک و صاف ہو کر نور الہی کی مقدس روشنی سے جگمگا اٹھے، چنانچہ اولیاء اللہ اور صالحین حقیقت و معرفت کے اسی عظیم مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔

(۲۹) وَعَنْ بِلَالِ بْنِ حَارِثِ الْمُزَنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((مَنْ أَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَنِي فَقَدْ أَمِنَتْ بَعْدِي فَإِنَّ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ أُجُورِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةٌ لَا يَرْضَاهَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ كَانَ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلَ إِنْثَامٍ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ۔

”اور حضرت بلال بن حارث مزنؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا (یعنی رائج کیا) جو میرے بعد چھوڑ دی گئی تھی تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس سنت پر عمل کرنے والوں کو ملے گا بغیر اس کے کہ اس (سنت) پر عمل کرنے والوں کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے۔ اور جس شخص نے گمراہی کی کوئی ایسی نئی بات (بدعت) نکالی جس سے اللہ اور اس کا

رسول گمراہی بلال بن حارث اور کنیت ابو عبدالرحمن ہے۔ آخر میں آپ نے بصرہ میں حکومت اختیار فرمائی تھی حضرت معاویہؓ کے آخر زمانہ میں ۹۰ھ ہجری سال میں انتقال ہوا۔

رسول خوش نہیں ہوتا تو اس کو اتنا ہی گناہ ہو گا جتنا کہ اس بدعت پر عمل کرنے والوں کو گناہ ہو گا بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی کی جائے۔ (ترمذی) اور اس روایت کو ابن ماجہؒ نے کثیر بن عبد اللہ بن عمرؓ سے اور عمرؓ نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ سنت پر عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور سنت کو رائج کرنے والے کو بھی اس کے برابر ثواب ملتا ہے، اسی طرح بدعت پر عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں ہوتی اور بدعت پیدا کرنے والے کے نامہ اعمال میں اس کے برابر گناہ لکھا جاتا ہے۔

یہاں سنت سے مراد مطلق دین کی بات ہے خواہ وہ فرض ہو یا واجب وغیرہ جیسے کہ نماز جو کہ لوگوں نے اسے چھوڑ رکھا ہو اور اسے تبلیغ و ارشاد کے ذریعہ قائم کیا جائے یا ایسے ہی مصالحوں اور دیگر مسنون چیزیں جو موقوف العمل ہو چکی ہوں، ان سب کو رائج نہ کرنا بے شمار حسنات کا موجب ہے۔

(٣٥) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ الدِّينَ لَيَأْتِي إِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْتِي الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا وَلَيُعْقِلَنَّ الدِّينَ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرْوِيَةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرْبًا وَسَيَمُودُ كَمَا بَدَأَ فُطُونِي لِلْغُرَبَاءِ، وَهُمْ الَّذِينَ يُضْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي» (رواه الترمذي)

”اور حضرت عمر بن عوفؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بلاشبہ دین (اسلام) حجاز (مکہ و مدینہ اور اس کے متعلقات) کی طرف اس طرح سمت آئے گا جس طرح کہ سانپ اپنے بل کی طرف سمت آتا ہے، اور دین حجاز میں اس طرح جگہ پکڑے گا جیسے کہ بکری پہاڑ کی چوٹی پر جگہ پکڑ لیتی ہے اور دین ابتدا میں غریب پیدا ہوا تھا اور آخر میں ایسا ہی ہو جائے گا جیسا کہ ابتدا میں تھا، چنانچہ خوشخبری ہو غریبوں کو وہی اس چیز (یعنی میری سنت) کو دور ست کر دیں گے جس کو میرے بعد لوگوں نے خراب کر دیا ہو گا۔“ (ترمذی)

(٣١) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَنَاتِي عَلَى أُمَّتِي كَمَا أَنِي عَلَى بَنِي إِسْرَآئِيلَ خَذُوا التَّعْلِيلَ بِالتَّعْلِيلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَنَى أُمَّةً عَلَيْهِ لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يُصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنْ بَنِي إِسْرَآئِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِثْلَةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِثْلَةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِثْلَةً وَاحِدَةً قَالُوا مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ «مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي» رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي رِوَايَةِ أَحْمَدَ وَابْنِ دَاوُدَ عَنْ مُعَاوِيَةَ ثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي الثَّارِ وَوَاحِدَةً فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَإِنَّهُ سَيُخْرَجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَنْجَازِي بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَنْجَازِي الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ لَا يَبْقَى مِنْهُ عِزٌّ وَلَا مُفْصِلٌ إِلَّا دَخَلَهُ

”اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ میری امت پر (ایک ایسا زمانہ آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا اور دونوں میں ایسی مماثلت ہوگی) جیسا کہ دونوں جو تے بالکل برابر اور ٹھیک ہوتے ہیں یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بد فعلی کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو ایسا ہی کریں گے اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے میری امت تتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی پھر وہ تمام فرقے دوزخی ہوں گے ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ (جنتی فرقہ کون سا ہوگا؟) آپ ﷺ نے فرمایا: جس میں میں اور میرے اصحاب ہوں گے۔ (ترمذیؒ) اور احمد والہوداؤد نے جو روایت معاویہؓ سے نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ بہتر گروہ دوزخ میں جائیں گے اور ایک گروہ جنت میں جائے گا اور وہ جنتی گروہ ”جماعت“ ہے اور میری امت میں کئی قومیں پیدا ہوں گی جن میں خواہشات یعنی عقائد و اعمال میں بدعات اسی طرح سرایت کر جائیں گی جس طرح ہزک والے میں ہزک سرایت کر جاتی ہے کہ کوئی رنگ اور کوئی جوڑا اس سے باقی نہیں رہتا۔“

مصر سرایت کر جائیں گی۔ اہل مصر ہرک والے ہیں ہرک سرایت کر جائی ہے کہ کوئی رک اور کوئی پوزاں سے ہانپ لیں رہیں۔

تشریح: بنی اسرائیل اور اس امت کی مماثلت کو جو توں کی برابری سے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح بنی اسرائیل کے لوگ اپنے زمانہ میں بد اعمالیوں میں مبتلا تھے اسی طرح ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ جب اس امت کے لوگ بھی بالکل بنی اسرائیل کی طرح ہو جائیں گے اور ان کے عقائد و اعمال میں ان سے بالکل مطابقت ہو جائے گی۔

یہاں ماں سے حقیقی ماں مراد نہیں بلکہ باپ کی بیوی یعنی سوتیلی ماں مراد ہے اس لئے کہ حقیقی ماں سے اس قسم کا معاملہ بالکل بعید ہے کیونکہ اس میں شرعی رکاوٹ کے ساتھ طبعی رکاوٹ بھی ہوتی ہے۔

اسی طرح ”اعسی“ سے مراد اہل قبلہ ہیں یعنی جو مسلمان سمجھے جاتے ہیں۔ اس شکل میں کُلُّہُمْ فِی النَّارِ یعنی وہ تمام فرقے دوزخ میں ہوں گے کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ سب اپنے غلط عقائد اور بد اعمالیوں کی بنا پر دوزخ میں داخل کئے جائیں گے، لہذا جس کے عقائد و اعمال اس حد تک مضبوط ہوں گے کہ وہ دائرہ کفر میں آتے ہوں تو اللہ کی رحمت سے وہ اپنی مدت سزا کے بعد دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔ آخر حدیث میں جنتی گروہ کو ”جماعت“ کہا گیا ہے اور اس سے مراد اہل علم و معرفت اور صاحب فقہ حضرات ہیں ان کو ”جماعت“ کے نام سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ یہ حضرات کلمہ حق پر جمع ہیں اور دین و شریعت پر متفق ہیں، اس موقع پر مناسب ہے کہ حدیث میں مذکور تفسر فرقوں کی تفصیل کر دی جائے۔

اہل اسلام میں بڑے گروہ آٹھ ہیں۔ ① معتزلہ۔ ② شیعہ۔ ③ خوارج۔ ④ مرجیہ۔ ⑤ بخاریہ۔ ⑥ جبریہ۔ ⑦ مشبہہ۔ ⑧ ناجیہ، پھر یہ آٹھوں گروہ چھوٹے چھوٹے فرقوں پر اس طرح منقسم ہیں۔

① معتزلہ کے بیس فرقے ہیں۔ ② شیعہ کے بائیس فرقے ہیں۔ ③ خوارج کے بیس فرقے ہیں۔ ④ مرجیہ کے پانچ فرقے ہیں۔ ⑤ بخاریہ کے تین فرقے ہیں اور ⑥ جبریہ۔ ⑦ مشبہہ صرف ایک ایک ہی فرقے ہیں ان میں کئی فرقے نہیں ہیں اور آٹھواں فرقہ ناجیہ بھی صرف ایک ہے اور وہ اہل سنت و الجماعت ہیں جو جنتی ہیں۔ اس موقع پر ان فرقوں کے عقائد بھی اجمالی طور پر سن لیجئے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے تمام اعمال کا خالق ہے کاسب نہیں ہے نیز ان کا عقیدہ ہے کہ بندہ صالح کو ثواب دینا اور بدکار بندہ کو عذاب دینا خدا پر واجب اور ضروری ہے اسی طرح اس فرقہ کے لوگ باری تعالیٰ کے دیدار کا انکار کرتے ہیں، مرجیہ کا عقیدہ ہے کہ جس طرح کافر کے لئے اس کے صالح اور نیک اعمال کارآمد نہیں ہیں اسی طرح مومن کو اس کے اعمال بد کچھ نقصان و ضرر نہیں پہنچاتے اور نہ اس کے ایمان میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے، بخاریہ اللہ تعالیٰ کے تمام صفات کمال کا انکار کرتے ہیں اور کلام الہی کو حادثات مانتے ہیں۔ جبریہ کا عقیدہ ہے کہ بندہ مجبور محض ہے اسے اپنے کسی عمل پر کوئی اختیار نہیں ہے، مشبہہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو مخلوق کے مشابہ کرتے ہیں اور ذات باری تعالیٰ کی جسمیت کے قائل ہیں، نیز ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں حلول کرتا ہے، اور شیعہ اور خوارج کے عقائد مشہور ہی ہیں، یعنی شیعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تفصیل کے قائل ہیں، اب ان میں بھی کئی فرقے ہیں، شیعہ کے بعض فرقے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمرؓ پر فضیلت و فوقیت دیتے ہیں لیکن شیخین کی تکفیر نہیں کرتے مگر دوسرے فرقے حضرت ابوبکر و عمرؓ کی تکفیر کے بھی قائل ہیں۔ (نعوذ باللہ) نیز بعض شیعہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرآن اپنی مکمل صورت میں موجود نہیں ہے بلکہ اس کی بعض وہ آیتیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں تھیں، حذف کر دی گئی ہیں، خوارج حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دشمن جماعت کو کہتے ہیں یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تکفیر کے قائل ہیں (نعوذ باللہ)۔

اس موقع پر ایک خاص اشکال کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے:

ایک ایسا شخص جو جاہل تھا اسلام کی دولت سے مشرف ہوا، اس کے سامنے اہل سنت و الجماعت بھی ہیں اور شیعہ کی جماعت بھی ہے دونوں اس کے سامنے اپنے حق پر ہونے کے دلائل قرآن و سنت سے پیش کرتے ہیں، وہ تو مسلم حیران ہے کہ وہ دونوں میں سے کسے حق جانے اور کس کے دلائل کی تصدیق کرے جب کہ وہ علم سے بالکل بے بہرہ ہے، اس کا سیدھا حل یہ ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو

صراحت کے ساتھ اہل سنت و الجماعت کے حق ہونے کی دلیلیں پیش کرتی ہیں اور وہ چیزیں ایسی صاف اور ظاہر ہیں کہ ان کا مشاہدہ عام لوگوں کو بھی ہوا کرتا ہے لہذا وہ ان میں غور کرے تو اس کے سامنے اہل سنت کی حقانیت آشکار ہو جائے گی۔

مثلاً ایک سب سے بڑی کھلی نشانی جو آج سب کے سامنے مشاہدہ ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے اور وہ اہل سنت و الجماعت ہی کے حصہ میں ہے یعنی قرآن کریم کے جتنے بھی حافظ ہوتے ہیں وہ سنی ہوتے ہیں آج تک کسی شیعہ کو حافظ نہیں دیکھا گیا اس لئے کہ ان کی قسمت میں اس عظیم نعمت سے محرومی لکھی ہوئی ہے، ہو سکتا ہے کہ لاکھوں میں کوئی ایک شیعہ حافظ نکل آئے تو یہ نادر ہے جس کا اثر کلیہ پر نہیں پڑتا کیونکہ النادر کالعدم نادر نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔

دوسرے یہ بھی ایک کھلی ہوئی بات ہیں کہ دین محمدی اور شریعت مصطفویٰ کے ائمہ اور رکن دین جتنے علماء اور اولیاء تھے وہ سب سنی تھے اور ان میں سے بعض ائمہ و علماء کے شیعہ بھی معقد ہیں۔ اگر مسلک اہل سنت و الجماعت میں کوئی کجی یا نقص ہو تو وہ حضرات یقیناً اس مسلک کو اختیار کئے ہوتے نہ ہوتے۔

تیسرے اسلامی شعار مثلاً جہد، جماعت عیدین وغیرہ علی الاعلان اور کھلے بندوں صرف سنی ہی ادا کرتے ہیں اور شیعہ ان نعمتوں سے محروم و بے نصیب ہیں۔

چوتھے مکہ و مدینہ جو دین اسلام کا مہم اور مرکز ہے اور وہاں کے باشندے اپنی بزرگی و عظمت کے لحاظ سے ضرب المثل ہیں وہاں کے لوگ بھی اسی مسلک کے پابند ہیں اگر شیعہ مسلک اچھا ہوتا تو وہ لوگ یقیناً سنی نہ ہوتے بلکہ شیعہ مسلک کے پابند ہوتے۔

اسی طرح دوسرے فرقے بھی اپنی حقانیت کے دعوے کرتے ہیں لیکن ان کا جواب یہی ہے کہ کسی کی حقانیت و بطلان پر محض دعویٰ کوئی حقیقت نہیں رکھتا جب تک اس دعویٰ کی قوی دلیل نہ ہو۔

اہل سنت و الجماعت کی حقانیت کی دلیل یہ ہے کہ یہ دین اسلام جو ہم تک پہنچا ہے وہ نقل کے ساتھ پہنچا ہے اس میں محض عقل کافی نہیں ہے لہذا اتوار اخبار اور احادیث و آثار میں تلاش و جستجو اور تنقیح کے بعد یہ بات متیقن ہو گئی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام رحمہم اللہ اسی مسلک و اعتقاد پر تھے، دوسرے باطل فرقے سب بعد میں پیدا ہوئے، نہ تو صحابہ ان باطل فرقوں کے مسلک کے پابند تھے اور نہ دیگر نیک و صالح لوگ ان فرقوں کے ساتھ تھے اگر صحابہ اور تابعین کے زمانوں میں ان میں سے بعض باطل فرقے پیدا ہوئے تو ان لوگوں نے ان سے اپنی انتہائی نفرت و بیزاری کا اظہار کیا یہاں تک کہ ایسے غلط عقائد و مسلک کے لوگوں سے ان حضرات نے تمام تعلق و رابطے منقطع کر ڈالے، نیز صحاح ستہ کے حضرات مصنفین و دیگر محدثین علمائے ربانین اور اولیائے کاملین تمام کے تمام اہل سنت و الجماعت کے عقائد و مسلک کے پابند تھے۔

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر اہل سنت و الجماعت کا مسلک حق نہ ہوتا اور ان کے عقیدے صحیح نہ ہوتے تو کور و زہاد پام ہادیم لوگ اس مسلک حق کے پابند نہ ہوتے جن میں صحابہ بھی تھے اور تابعین بھی، بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی تھے اور علمائے محدثین بھی، عقلاء و دانش مند بھی تھے اور عوام بھی۔

بہر حال مسلک اہل سنت و الجماعت کے حق ہونے کی چند مثالیں ہیں ان کے علاوہ بھی بے شمار مثالیں ہیں جو اہل سنت و الجماعت کی حقانیت پر شاہد عادل ہیں، اگر نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض سے الگ ہٹ کر تلاش حق کے حقیقی جذبہ سے اہل حق کی اس جماعت کے عقائد کو دیکھا جائے تو ان کی حقانیت عیاں ہو جائے گی ورنہ بقول شاعر۔

ہیار کو اک حرف نصیحت ہے کافی ناداں کو کافی نہیں دفتر نہ رسالہ

اس حدیث کے ان تمام فرق باطلہ کے لوگوں کو ہڑک والوں سے مشابہت دی گئی ہے اس لئے کہ جس طرح ہڑک والے پر ہڑک غالب ہوتی ہے اور پانی سے بھاگتا ہے نتیجہ میں وہ پیاسا ہو جاتا ہے اسی طرح جھوٹے مذاہب اور باطل مسلک والوں پر بھی خواہشات

نفسانی کا غلبہ ہوتا ہے وہ علم و معرفت کے لالہ زاروں سے بھاگ کر جہل و گمراہی کی وادیوں میں جاگرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی روحانی موت واقع ہو جاتی ہے اور وہ دین و دنیا دونوں جگہ خدا کی رحمت سے محروم رہتے ہیں۔

(۳۲) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي - أَوْ قَالَ أُمَّةً مُحَمَّدٍ عَلَى ضَلَالَةٍ، وَيُذِلُّ اللَّهَ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ)) (رواه الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میری امت کو یا (بچائے میری امت کے) یہ فرمایا کہ امت محمدیہ کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو شخص جماعت سے الگ ہے وہ جنتیوں کی جماعت سے الگ کر کے تہادوزخ میں ڈالا جائے گا۔“ (ترمذی)

تشریح: ”اللہ کے ہاتھ“ سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی جانب سے توفیق و تائید اور حفاظت و مدد جماعت پر ہوتی ہے اس امت مرحومہ پر خدا کی جانب سے جہاں بہت سے احسانات ہیں وہیں اس کا یہ بھی بڑا کرم ہے کہ امت کے تمام لوگ کبھی ناحق اور غلط باتوں پر جمع نہیں ہوتے یہ جب بھی کسی چیز پر اتفاق کرتے ہیں وہ حق بات ہوتی ہے۔

(۳۳) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((اتَّبِعُوا لِسَوَادِ الْأَعْظَمِ فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ وَابْنِ عَصِيمٍ فِي كِتَابِ الشُّبَّةِ))

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بڑی جماعت کی پیروی کرو اس لئے کہ جو جماعت سے الگ ہو وہ تنہا آگ میں ڈالا جائے گا ابن ماجہ نے یہ حدیث کتاب السنۃ سے حدیث انس و ابن عاصم سے روایت کی ہے۔“

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ انہی اعتقادات کی پیروی کرنی چاہئے جو اکثر علماء کے نزدیک حق ہوں اسی طرح ایسے اقوال و افعال کو قبول کرنا چاہئے جو جمہور علماء سے ثابت ہوں۔ اس حدیث میں لفظ رواہ کے بعد اصل مشکوٰۃ میں جگہ خالی تھی اس لئے کہ صاحب مشکوٰۃ کو اس کتاب کا نام معلوم نہیں ہوا تھا جس سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے بعد میں میرک شاہ نے مذکورہ عبارت نقل کی ہے۔

(۳۴) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((يَا بَنِيَّ إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِي قَلْبِكَ غَشٌّ لَأَحَدٍ فَأَفْعَلْ)) ثُمَّ قَالَ ((يَا بَنِيَّ وَذَلِكَ مِنْ سُنَّتِي وَمَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ))

(رواه الترمذی)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ اے میرے بیٹے! اگر تم اس پر قدرت رکھتے ہو کہ صبح سے لے کر شام تک اس حال میں بسر کرو کہ تمہارے دل میں کسی سے کینہ نہ ہو تو ایسا ہی کرو! پھر فرمایا، اے میرے بیٹے! ایسی میری سنت ہے لہذا جس شخص نے میری سنت کو محبوب رکھا اس نے مجھ کو محبوب رکھا اور جس نے مجھ کو محبوب رکھا وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔“

(ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے طریقہ کو پسند کرنا اور اسے محبوب رکھنا آنحضرت ﷺ سے محبت رکھنے کا سبب اور جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت جیسی نعمت عظیم کے حصول کا ذریعہ ہے۔ لہذا یہ سوچنے کی بات ہے کہ جب آپ ﷺ کی سنت کو پسند کرنے پر یہ خوشخبری ہے تو سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنا کتنی بڑی سعادت و خوش بخشی کی بات ہوگی۔ ذرا غور کرنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی سنت کو پسند کرنے والوں کا کتابِ اُمرتہ ہے وہ یہ ہے کہ انہیں جنت میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت و معیت کا شرف حاصل ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ دونوں جہان کی تمام نعمتیں اگر ایک طرف ہوں اور دوسری طرف یہ نعمت ہو تو یقیناً سعادت و خوشی کے اعتبار سے یہ نعمت بڑھ جائے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کی مقدس سنت کو محبوب رکھنے اور اس پر عمل

کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم سب اس نعمت سے بہرہ ور ہو سکیں۔ (آمین)۔

(۳۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «مَنْ تَمَسَّكَ بِشَيْئٍ عِنْدَ فُسَادِ أَمْنِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ» رَوَاهُ النَّبَهِيُّ فِي كِتَابِ الزُّهْدِ لَهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری اُمت کے بگڑنے کے وقت جس شخص نے میری سنت کو دلیل بنایا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ تو بیہقی نے یہ روایت اپنی کتاب زہد میں ابن عباس سے نقل کی ہے۔“

تشریح: ایسے عظیم اجر کے ملنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ایک شہید دین اسلام کو زندہ رکھنے اور اس کی شان و شوکت کو بڑھانے کی خاطر دنیا کی تمام مصیبتیں بھیتا ہے یہاں تک کہ اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے، اسی طرح جب کہ دین میں رخنہ اندازی ہونے لگے اور فتنہ فساد کا دور دورہ ہو تو سنت کو رائج کرنے اور علوم نبوی کو پھیلانے میں بے شمار مصائب و تکالیف کا سامنا ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات اس سے بھی زیادہ مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں اس لئے اس عظیم اجر کی بشارت دی جا رہی ہے اس حدیث میں بھی لفظ رواہ کے بعد مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں جگہ خالی ہے مگر مذکورہ عبارت میرک شاہؒ نے بڑھادی ہے۔

(۳۶) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ آتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ: إِنَّا نَسْمَعُ أَحَادِيثَ مِنْ يَهُودَ نَعْبُحُنَا أَفْتَرَى أَنْ تَكْتُبَ بَعْضُهَا؟ فَقَالَ: أَمْتَهُوْ كُنْ أَنْتُمْ كَمَا تَهَوُّوْا الْيَهُودَ وَالتَّصَارِي؟ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَفِيَّةً وَلَوْ كَانَ مُؤَسَّى حَيَاتًا وَسَعَةً إِلَّا اتَّبَاعِي۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتَّبَهِيُّ فِي كِتَابِ شُعَبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت جابرؓ، آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں حضرت عمرؓ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم یہودی حدیثیں سنتے ہیں اور وہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہوتی ہیں کیا آپ ﷺ اجازت دیتے ہیں کہ ہم ان میں سے بعض کو لکھ لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم بھی اسی طرح حیران ہو جس طرح یہودی اور نصاریٰ حیران ہیں۔ (جان لو کہ) بلاشبہ میں تمہارے پاس صاف و روشن شریعت لایا ہوں، اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو وہ بھی میری پیروی پر مجبور ہوتے۔“ (احمد، بیہقی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہودی و نصاریٰ حیران ہیں کہ انہوں نے خدا کی کتاب کو اور اپنے پیغمبر کی حقیقی تعلیم کو چھوڑ دیا ہے اور اپنے خود غرض و لاپرواہی علماء کی خواہشات کے مطیع ہو گئے ہیں، کیا اسی طرح تم بھی تمہارے دین کو ناقص و نامکمل سمجھ کر دوسروں کے دین و شریعت کے محتاج ہو رہے ہو، حالانکہ میری لائی ہوئی شریعت اتنی مکمل اور واضح ہے کہ اگر آج موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی میری شریعت کے پابند اور میرے احکام کے مطیع ہوتے۔

(۳۷) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «مَنْ أَكَلَ طَيْبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَآمَنَ النَّاسُ بِوَأَقْفَةٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ» فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ هَذَا الْيَوْمَ لَكِنَّزٌ فِي النَّاسِ؟ قَالَ: وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص نے حلال (رزق) کھایا، سنت کے طریقہ پر عمل کیا اور اس کی زیادتوں سے لوگ امن میں رہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسے لوگ تو آج کل بہت ہیں! آپ نے فرمایا، اور میرے بعد بھی ایسے لوگ ہوں گے۔“ (ترمذی)

تشریح: حلال رزق کا مطلب یہ ہے کہ خواہ تجارت ہو یا ملازمت یا کوئی دوسرا ذریعہ معاش، ہر جگہ ایماندار و زیانت کے دامن کو پکڑے رہے، اور حدود و شریعت سے تجاوز نہ کرے نیز ایسی کوئی صورت اختیار نہ کرے جس سے اس کی کمائی حرام ہو جائے جیسے اگر کوئی شخص تجارت میں خرید و فروخت کے وقت میں ایسے طریقے اختیار کرتا ہے جو شریعت کی نظر میں جائز نہیں ہیں تو اس کا کمایا ہوا مال پاک و حلال

نہیں رہے گا۔ ہاں اگر اس کا طرز عمل خلاف شریعت نہیں ہوتا تو اس کی کمائی حلال ہوگی۔

شرعی نقطہ نظر سے تجارت میں حلال کمائی کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی مال کو فروخت کرتے وقت نہ تو عقد بیع سے پہلے نہ عقد بیع کے وقت اور عقد بیع کے بعد کوئی ایسی شکل اختیار کرے جو شرعی طور پر مفید بیع ہو تو اس کا کمایا ہوا مال حلال و طیب ہوگا اور اگر اس کے برخلاف عمل کیا تو اس کی کمائی حلال نہیں ہوگی۔ مثلاً کسی تاجر نے کسی چیز کو فروخت کرنے کا ارادہ کیا اور عقد بیع سے پہلے دھوکہ اور فریب دینے کا خیال کیا۔ جیسے جس چیز کو فروخت کر رہا ہے اس میں کوئی عیب ہے لیکن اس نے اس کو نہ ظاہر کرنے کا ارادہ کیا تو اگرچہ عقد بیع کے وقت ایجاب و قبول شرعی طور پر ہوا ہو مگر اس کی اس فاسد نیت کی وجہ سے اس کا کمایا ہوا مال حلال نہیں ہوگا۔ یا اسی طرح فروخت کے وقت جب کہ عقد بیع واقع ہو رہا تھا یا عقد بیع کے بعد تاجر نے کوئی فاسد شرط لگا دی جو جائز نہیں ہے تو اس صورت میں بھی اس کا کمایا ہوا مال حلال نہیں ہوگا جیسے دکاندار نے کسی چیز کو فروخت کیا اور خریدار سے کہا کہ بیع ہوگی لیکن شرط یہ ہے کہ ایک بوتل شراب مجھے دیا کرنا تو چونکہ یہ شرعی طور پر جائز نہیں ہے اس لئے اس کا حاصل کیا ہوا مال حلال نہیں ہوگا۔

بہر حال مطلب یہ ہے کہ خرید و فروخت کے سلسلہ میں ان تینوں اوقات میں ایسا طریقہ اختیار نہ کرنا چاہئے جو خلاف شریعت ہو تاکہ اس کا کمایا ہوا مال حلال رہے۔ پھر یہ تجارت ہی پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ اسی طرح ملازمت اور زراعت وغیرہ کا معاملہ بھی ہے کہ وہاں ایسے طریقے اختیار نہ کئے جائیں جو حلال رزق کے حصول میں رکاوٹ بنیں۔

حدیث میں دخول جہشت کے لئے دو سرا و صف یہ قرار دیا گیا ہے کہ سنت کی پوری پوری پیروی ہو یعنی جو بھی کام کیا جائے یا جو بھی بات کہی جائے وہ سنت نبوی کے مطابق ہو۔ گویا انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو ہو خواہ وہ عبادات کا ہو یا معاملات یا معاشرت کا، سب میں سنت نبوی کی جھلک اور اتباع رسول کا جذبہ موجود ہو۔

چنانچہ جن اعمال کے بارہ میں احادیث وارد ہوئی ہیں ان کے مطابق ہی عمل کیا جائے یہاں تک کہ بیت الخلاء جانے اور راستہ کو کسی تکلیف دہ چیز سے صاف کرنے کے بارہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں یا جو سنت منقول ہے اس پر عمل کرے اور اللہ کے احکام کو بجا لائے۔

آخر حدیث میں صحابی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں تو ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جو نہ کوہ اوصاف سے متصف ہونے کی وجہ سے اس بشارت کے مستحق ہیں لیکن ہمارے بعد ایسے لوگ پائے جائیں گے یا نہیں؟ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے بعد بھی ایسے لوگ ہوں گے یعنی اس اُمت سے خیر و بھلائی بالکل ختم نہیں ہو جائے گی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آخر زمانہ میں جب کہ فتنہ فساد کا دور دورہ ہوگا، ایسے لوگوں کی کمی ہو جائے گی لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ ایسے اللہ والے لوگ اس دنیا میں رہیں گے جو حدیث و سنت کے طریقہ پر اپنی زندگی گزاریں گے اور ایمان و دین پر پورے یقین کے ساتھ قائم و دائم رہیں گے۔

(۳۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّكُمْ فِي زَمَانٍ مَن تَرَكَ مِنْكُمْ عَشْرَ مَا أَمَرَ بِهِ هَلَكَ ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ مَن عَمِلَ مِنْهُمْ بِعَشْرٍ مَا أَمَرَ بِهِ نَجَا» (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، تم ایسے زمانہ میں ہو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص ان احکام کا دو سوواں حصہ بھی چھوڑ دے جو دیے گئے ہیں تو وہ ہلاک ہو جائے گا لیکن ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اگر کوئی شخص ان احکام کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرے گا تو نجات پا جائے گا۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے عہد رسالت اور مابعد کے فرق کا پتہ چلتا ہے، عہد نبوی ﷺ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا چرچا اتنی شدت اور کثرت کے ساتھ تھا کہ ذرا سی لغزش بھی ہلاکت و تباہی کا باعث بن سکتی تھی لیکن زمانہ آخر میں جب کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں

اضطلال پیدا ہو جائے گا تو اس وقت اتنا فرق ہو جائے گا کہ اگر کوئی شخص احکام کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرے تو یہ اس کی نجات کے لئے کافی ہوگا۔

(۳۹) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَاضِلٌ قَوْمٌ بَعْدَ هَذِي كَانُوا عَلَيْهِ إِلَّا أَوْثُوا الْجَدِلَ» ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الْآيَةَ: «مَاضِرٌ بَوْدُكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ»

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو امامہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہدایت پانے اور ہدایت پر قائم رہنے کے بعد کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی مگر اس وقت جب کہ اس میں جھگڑا پیدا ہوا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی مَاضِرٌ بَوْدُكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ (قرآن ترجمہ: وہ تمہارے لئے نہیں بیان کرتے مثال مگر جھگڑنے کے لئے بلکہ وہ جھگڑا لوم قوم ہی ہے۔“ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات اور شرعی مسائل میں جھگڑنا نہیں چاہئے اور نہ ہر کس و ناکس کو ان میں اپنی عقل کے تیر چلانے چاہیں کیونکہ زمانہ باسحق میں ہدایت یافتہ اقوام کی گمراہی کا بیشتر سبب یہی ہوتا تھا کہ لوگ دینی معاملات میں جھگڑتے رہتے تھے اور یہ حرکت علماء سوء اور نفسانی خواہشات کے تابع لوگ کیا کرتے تھے اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دینی معاملات میں تفرقہ پیدا ہو اور لوگ آپس میں لڑنے جھگڑنے لگیں تاکہ غلط عقائد اور باطل مذاہب کو فروغ دیں اور حق کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکیں۔

آپ ﷺ نے جو آیت تلاوت فرمائی اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب آیت اِنكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ یعنی (اے مشرکین) تم اور وہ غیر اللہ جنہیں تم پوجتے ہو دوزخ کے ایڈمن ہیں، نازل ہوئی تو مشرکین بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جتنے غیر اللہ معبود ہیں وہ سب دوزخ میں جائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نصاریٰ کے معبود ہیں جن کو وہ عبادت کرتے ہیں لہذا وہ بھی اس آیت کے مطابق دوزخ میں جائیں گے اور ہمارے بت حضرت عیسیٰ سے بہر حال بہتر نہیں ہیں اس لئے ہم اس پر راضی ہیں کہ ہمارے بت بھی حضرت عیسیٰ کے ساتھ دوزخ میں جائیں۔

مشرکین کے اس غلط نظریہ کے رد میں آیت مذکورہ مَاضِرٌ بَوْدُكَ إِلَّا جَدَلًا نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ ابے محمد ﷺ یہ مشرک لوگ اس آیت کو سن کر تم سے جو بحث کرتے ہیں اور اپنی طرف سے غلط معنی مراد لے رہے ہیں وہ محض ان کی ہشامری اور ضد ہے اور یہ حماست و مجاہدت کے طور پر ایسی غلط بات کہہ رہے ہیں حالانکہ یہ صاحب زبان ہیں اور عربی زبان کے اصول و قواعد انہیں معلوم ہیں اور وہ بھی جانتے ہیں کہ ماتعدون سے پتھر وغیرہ کے بت مراد ہیں اس لئے کہ لفظ ماتعدون اس پر دل ہے کہ یہ حکم غیر ذوی العقول معبودوں یعنی پتھروں وغیرہ کے بتوں کے بارے میں ہے نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خدا کے دیگر نیک بندے اس میں شامل ہیں۔

(۴۰) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ لَا تَشْدُوا عَلَيَّ أَنْفُسِكُمْ فَيَشْدُو اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَإِنَّ قَوْمًا شَدُّوا عَلَيَّ أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ فَبَلَكَ بَقَايَا هُمْ فِي الصُّوَامِعِ وَالْدِيَارِ (رَهْبَانِيَّةٌ اتَّقُوا عُوَهَا مَا كُنْتُمْ هَا عَلَيْهِمْ) (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ فرمایا کرتے تھے، تم اپنے نفس پر سختی نہ کرو اس لئے کہ پھر خدا بھی تم پر سختی کرے گا، ایک قوم (یعنی بنی اسرائیل) نے اپنے نفس پر سختی کی تھی چنانچہ اللہ نے بھی اس پر سختی کی۔ پس آج جو لوگ صوموں اور دیار میں پائے جاتے ہیں یہ انہیں لوگوں نے پیدا کیا ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اپنی جانوں کو خواہ مخواہ زیادہ محنت و مشقت میں مبتلا نہ کرو یعنی ریاضت و مجاہدہ میں ایسے طریقے اختیار نہ کرو جن کو تمہارے قوی برداشت کرنے کے اہل نہ ہوں اور نہ تمہارا نفس اتنی محنت و مشقت برداشت کر سکا ہو اور اسی طرح ایسی چیزوں کو

اپنے اوپر حرام نہ کرو جو خدا نے تمہارے لئے مباح قرار دی ہیں اس لئے کہ اگر تم اپنی طرف سے اپنی جانوں پر سختی کرو گے اور زیادہ محنت و مشقت میں پڑو گے تو خدا انہیں چیزوں کو تمہارے اوپر فرض کرے گا لیکن تمہارے اندر اتنی طاقت نہیں ہوگی کہ تم ان کے حقوق ادا کر سکو، نتیجہ میں آخرت کی تباہی و ہلاکت اپنے ذمہ لے لو گے۔

صومہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں عیسائی عبادت کیا کرتے ہیں جسے گر جا کہا جاتا ہے اور دیارِ یہود کے عبادت کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں اسی طرح رہبانیت اسے کہتے ہیں کہ عبادت و ریاضت بہت زیادہ کی جائے اپنے نفس کو مشقتوں اور تکلیفوں میں ڈالا جائے دنیا سے بالکل بے تعلق ہو جائے تمام لوگوں سے اپنے کو منقطع کر لے ٹاٹ کے پیراہن استعمال کرے، گردن میں زنجیر باندھ لے قوت مردانگی کو ختم کرنے کے لئے نفسانی خواہشات کو مار ڈالنے کے لئے بالکل غیر فطری طور پر جنسی محرکات کو منقطع کر ڈالے اور دنیاوی زندگی کو یکسر چھوڑ کر جنگل و پہاڑ پر جا کر بے سارا ڈال لے، جیسا کہ رہبانیت اہل کتاب نے اپنے اوپر ضروری کر رکھی تھی اور ان کے عابد و زاہد لوگ ایسا کیا کرتے تھے لیکن چونکہ رہبانیت اسلام کے فطری اصولوں سے بالکل جدا اور الگ ہے اس لئے شریعت نے کبھی اس کو جائز قرار نہیں دیا۔

لہذا آنحضرت ﷺ نے رہبانیت اسلام میں ناجائز قرار دی ہے اور فرمایا ہے لا رہبانیۃ فی الاسلام یعنی اسلام میں رہبانیت جائز نہیں ہے، بلکہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رہبانیت کسی بھی آسانی دین میں ضروری نہیں بلکہ خود اس دین کے ماننے والے رہبانیت کو اپنی دینی و دنیاوی فلاح و کامیابی کا ذریعہ سمجھتے تھے، چنانچہ یہود و نصاریٰ میں بھی لوگوں نے خود ہی ان چیزوں کا اختراع کیا تھا اور ایسی مشقتیں و تکلیفیں اپنے اوپر لازم کر لی تھیں جو شریعت کی جانب سے ان پر فرض نہ کی گئی تھیں لیکن یہ قومیں چونکہ فطریاً غیر مستقل مزاج، خواہشات نفسانی کی پابند اور آزاد طبع واقع ہوئی ہیں اس لئے وہ اپنے اوپر خود فرض کی ہوئی چیزوں کو بھی پورا نہ کر سکیں ان کے ذہن و قوی نہ ان کے حقوق ادا کر سکے اور نہ وہ ان پر مستقل مزاجی سے قائم رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں اپنے دین سے بھی ہاتھ دھونا پڑا چنانچہ اکثر عیسائی اپنے دین سے منحرف ہو گئے اور انہوں نے یہودی مذہب قبول کر لیا بہت سے یہودی رہبانیت کو چھوڑ چھاڑ کر نصرانیت کی طرف مائل ہو گئے کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے دین پر قائم رہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا اور آپ ﷺ پر ایمان لائے۔

بہر حال آنحضور کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اسی طرح تم رہبانیت کو اختیار نہ کرو اور نہ غیر شرعی فطری مشقتوں میں اپنی جانوں کو مبتلا کرو بلکہ شریعت نے جو حدود متعین کر دی ہیں انہیں کے اندر اپنی زندگی گزارو اور خداوند کے رسول نے جو فرائض بتائے ہیں وہی ادا کرتے رہو۔

(۴۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «اتَّقُوا الْقُرْآنَ عَلَى خَمْسَةِ أَوْجِهٍ خَلَالَ وَحَرَامٍ وَمُحْكَمٍ وَمُتَشَابِهٍ وَأَمْثَالٍ فَاجْلُوا الْخَلَالَ وَحَرِّمُوا الْحَرَامَ وَاعْمَلُوا بِالْمُحْكَمِ وَامْنُوا بِالْمُتَشَابِهِ وَاعْتَبِرُوا بِالْأَمْثَالِ» هَذَا لَفْظُ الْمَصَابِيحِ وَرَوَى النَّبَهِيُّ فِي «شُعَبِ الْإِيمَانِ» وَلَفْظُهُ: «فَاعْمَلُوا بِالْخَلَالَ وَاجْتَنِبُوا الْحَرَامَ وَاتَّبِعُوا الْمُحْكَمَ»۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن کریم پانچ صورتوں پر نازل ہوا ہے۔ ① حلال۔ ② حرام۔ ③ محکم۔ ④ متشابہ۔ ⑤ امثال۔ لہذا تم حلال کو حلال جانو، حرام کو حرام جانو، محکم پر عمل کرو، متشابہ پر ایمان لاؤ اور امثال (قصوں) سے عبرت حاصل کرو، یہ الفاظ مصابیح کے ہیں اور نبیؐ نے جو روایت شعب الایمان میں نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ لہذا حلال پر عمل کرو، حرام سے بچو اور محکم کی پیروی کرو۔“

تشریح: قرآن شریف اپنے اسلوب و بیان کے اعتبار سے پانچ طرح کی آیتوں پر مشتمل ہے۔ ① ایسی آیتیں جن میں حلال کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے احکام بتائے گئے ہیں۔ ② ایسی آیتیں جن میں حرام کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے احکام بتائے گئے ہیں۔ ③ ایسی آیتیں جن کے معنی و مطالب میں کوئی ابہام و اشتباہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنے مقصد و مراد کو صاف واضح کرتی ہیں جیسے اقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (یعنی

نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو) اس حدیث میں ایسی ہی آیتوں کو محکم کہا گیا ہے۔ (۴) ایسی آیتیں جن کی مراد واضح نہیں ہے اور نہ ان کے معنی و مطالب کسی پر ظاہر کئے گئے ہیں جیسے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰتُوْا زَكٰتَکُمْ عَلٰی رِءُوْسِکُمْ (یعنی اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) حدیث میں ایسی ہی آیتوں کو متشابہ کہا گیا ہے ان کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ ایسی آیتوں کے معنی و مطالب کے کھوج کر یہ میں نہ لگوں بلکہ ان پر صرف ایمان (لاؤ اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے جو معنی مراد ہیں وہی حق اور صحیح ہیں اگرچہ ہماری رسائی ان تک نہیں ہے۔ (۵) ایسی آیتیں جن میں پچھلی آیتوں کے حالات و واقعات کا ذکر کیا گیا ہے یعنی نیک اقوام کی فلاح و کامرانی اور بد اقوام کی تباہی و بربادی کے واقعات بتائے گئے ہیں ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان واقعات سے تم عبرت پکڑو اور دیکھو کہ خدا نے اپنے نیک و صالح بندوں پر اپنی رحمتوں و نعمتوں کی کیسی بارش کی اور بد کار و سرکش قوموں کو تباہی و بربادی اور ہلاکت کی وادیوں میں کس عبرت ناک طریقہ سے پھینک دیا۔

(۴۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((الْأَمْرُ ثَلَاثَةٌ: أَمْرُ بَيْنَ رُشْدِهِ فَاتَّبِعْهُ وَأَمْرُ بَيْنَ عَيْتِهِ فَاجْتَنِبْهُ وَأَمْرٌ أُخْتَلِفَ فِيهِ فَكُلُّهُ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ)) (رواه احمد)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، امر تین طرح کے ہیں۔ ① وہ امر جس کی ہدایت ظاہر ہے اس کی پیروی کرو۔ ② وہ امر جس کی گمراہی ظاہر ہے اس سے بچو۔ ③ وہ امر جو مختلف فیہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو۔“ (احمد)

تشریح: وہ امر جس کی ہدایت ظاہر ہے ایسی چیزیں ہیں جن کا حق و صحیح ہونا واضح طور پر آیات و احادیث سے ثابت ہو جیسے نماز روزہ، زکوٰۃ و حج، وغیرہ کا فرض و واجب ہونا، ان کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی پیروی کرو، اسی طرح وہ امر جس کی گمراہی ظاہر ہے ایسی چیزیں ہیں جن کا باطل و فاسد ہونا واضح طور پر معلوم ہو جیسے کفار کی رسموں اور ان کے طور طریقوں پر عمل کرنا، ان سے بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

تیسرا امر مختلف فیہ ہے یعنی ایسی چیزیں جن کا حکم واضح طور پر کچھ ثابت نہ ہو بلکہ پوشیدہ اور مشتبہ ہو، بعض لوگوں نے اس کی تعریف یہ کی ہے امر مختلف فیہ وہ چیزیں ہیں جن کے احکام خدا اور خدا کے رسول نے نہ بتائے ہوں بلکہ لوگ اس کے تعین میں اختلاف کرتے ہوں جیسے آیات متشابہات یا وقت قیامت کا تعین وغیرہ، اس کے بارہ میں حکم دیا گیا ہے کہ ایسی چیزوں میں اپنی طرف سے کچھ نہ کہو بلکہ ان کے حقیقی مراد و مفہوم کا تعین خدا کے سپرد کرو وہی بہتر جاننے والا ہے۔

الفصل الثالث

(۴۳) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنَّ الشَّيْطَانَ دُثِبَ الْإِنْسَانَ كَذِئْبِ الْقَتَمِ يَأْخُذُ الشَّاذِلَةَ وَالْقَاصِصَةَ وَالتَّاجِيَةَ وَيَأْكُمُ وَالشُّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ)) (رواه أحمد)

”حضرت معاذ بن جبلؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: شیطان آدمی کا بھیڑیا ہے جس طرح بکری کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ اس بکری کو اٹھا کر لے جاتا ہے جو ریوڑ سے بھاگ نکلی ہو یا ریوڑ سے دوڑ چکی ہو یا ریوڑ کے کنارے پر ہو اور تم یہاں کی گھاسیوں (یعنی گمراہی) سے بچو نیز جماعت اور مجمع کا ساتھ پکڑے رہو۔“ (احمد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح بھیڑا جب کسی ایسی اکیلی بکری کو پالیتا ہے جو ریلوے الگ ہو گئی ہو تو وہ اس پر بہت دلیر ہو جاتا ہے اور اسے اٹھا کر لے جاتا ہے اسی طرح جب کوئی شخص علماء دین کی جماعت اور ان کے گروہ سے انحراف کر کے الگ ہو جاتا ہے اور اپنی عقل و فہم کے بل بوتے پر نئے نئے مذاہب نکالتا ہے اور نت نئے مسلک پیدا کرتا ہے تو اس پر شیطان کو پوری طرح اختیار و تسلط ہو جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص شیطان کے چنگل میں پوری طرح آکر گر رہی کی انتہائی گہری گھاٹیوں پر جا گرتا ہے۔

اس لئے آخر حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ یہاں کی گھائیوں سے بچو یعنی اسلام کی صاف و سیدھی راہ کو چھوڑ کر ایسی گھائیوں میں نہ جاؤ جو

ضلالت و گمراہی سے بھری ہوئی ہوں۔

(۳۴) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ فَازَ إِلَى الْجَمَاعَةِ شَبِيرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ» (رواہ احمد والبوداذی)

”اور حضرت ابو ذرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جماعت سے باشت بھر بھی (یعنی ایک ساعت کے لئے بھی) جدا ہوا، اس نے اسلام کا پٹ اپنی گردن سے نکال دیا۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: یعنی جو شخص کسی مرحلہ پر بھی جماعت سے الگ ہوا ہو گا تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ اب اسلام کی قیود اور احکام کی پابندی سے بھی آزاد ہو جائے گا اور اپنی ذہنی و فکری اور عملی طاقتوں کو ایسے رخ پر موڑ دے گا جہاں نہ کوئی قید ہوگی اور نہ کسی کی پابندی بلکہ وہ خود روا، آزاد اور دین شریعت کا غیر پابند بن جائے گا۔

(۳۵) وَعَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، مُزَسَّلًا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمَا بِهِمَا: كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ» (رواہ ابی الموطا)

”اور حضرت مالک بن انسؓ مرسلہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے۔ وہ کتاب اللہ (قرآن مجید) اور سنت رسول اللہ (احادیث) ہیں۔“ (الموطا)

(۳۶) وَعَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ الثَّمَالِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا أَخَذْتُ قَوْمًا بِدَعَاةٍ إِلَّا زُفِعَ مِنْهَا مِنَ الشَّنَةِ فَتَمَسَّكْتُ بِشَنَةِ خَيْرٍ مِنْ أَخَذَاتِ بَدْعَةٍ» (رواہ احمد)

”اور حضرت غضیف بن حارث ثمالیؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب کوئی قوم (دین میں) نئی بات نکالتی ہے (یعنی ایسی بدعت جو سنت کے مزاحم ہو) تو اس کے مثل ایک سنت اٹھالی جاتی ہے۔ لہذا سنت کو مضبوط پکڑنا نئی بات نکالنے (بدعت) سے بہتر ہے۔“

(احمد)

تشریح: سنت پر عمل کرنا اگرچہ وہ معمولی درجہ کی ہو بدعت پیدا کرنے اور بدعت پر عمل کرنے سے بہتر ہے اگرچہ وہ بدعت حسنہ ہو اس لئے کہ سنت نبویؐ کے اتباع و پیروی سے روح میں جلا پیدا ہوتا ہے جس کے نور سے قلب و دماغ منور ہوتے ہیں اس کے برخلاف بدعت ظلمت و گمراہی کا سبب ہے مثلاً بیعت الخلاء میں آداب سنت و شرع کے مطابق جانا، سران میں بنانے اور مدر سے قائم کرنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص ان آداب کی رعایت کرتا ہو بیعت الخلاء جاتا ہے جو حدیث سے منقول ہیں تو وہ سنت پر عمل کرنے والا کہلائے گا۔ برخلاف اس کے کہ اگرچہ مدر سے قائم کرنا اور خانقاہ میں بنانا بہت بڑا کام ہے۔ لیکن چونکہ وہ بدعت حسنہ ہے، اس لئے اس معمولی سی سنت پر عمل کرنے والا اتنے بڑے کام کرنے والے سے افضل ہوگا اس لئے کہ آداب سنت کا خیال کرنے والا اور سنت کی پیروی کرنے والا مقام عروج اور قرب الہی کی طرف ترقی کرتا ہے مگر سنت کو ترک کرنے والا مقام علیا سے نیچے گرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی چیزیں جو افضل و اعلیٰ ہوتی ہیں وہ انہیں ترک کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک مقام آجاتا ہے کہ وہ قسادت قلبی کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے جسے رائے اور طبع کہتے ہیں۔

سید جمال الدینؒ سے بھی یہی منقول ہے نیز وہ لکھتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ جس نے آداب سنت کی رعایت کی مثلاً اس کا بیعت الخلاء جانا بھی آداب سنت کے مطابق ہے تو خدا کی جانب سے یہ توفیق دی جاتی ہے کہ وہ اس سے اعلیٰ سنت پر عمل کرے۔ چنانچہ توفیق الہی کا وہی تور اعلیٰ مقامات کی طرف اس کی راہ نمائی کرتا رہتا ہے آخر کار وہ منزل مقصود تک جا پہنچتا ہے۔ اور جو شخص کسی معمولی سنت کو بھی

ترک کرتا ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر یہ خالی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دوسری اعلیٰ و افضل چیزوں کو بھی ترک کرنا رہتا ہے اور اس کی سلامتی قلب ترک شکت کی عظمت میں پھنس کر تنزل کرتی رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ مقام زمین و طبع تک جا گرتا ہے۔

مناظر علی قاریؒ نے اس موقع پر بڑی اچھی بات کہی ہے کہ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ کسل و سستی کی وجہ سے شکت کو ترک کرنا لامنت و عتاب کا باعث ہے اور شکت کو ناقابل اعتناء سمجھ کر اس پر عمل کرنا محضیت اور غلاب خداوندی کا سبب ہے اور شکت کا انکار بدعتی ہونے کا اظہار ہے لیکن اگر کسی بدعت کو خواہ وہ بدعت حسنہ کیوں نہ ہو ترک کر دیا جائے تو یہ تمام باتیں لازم نہیں آتیں۔

گویا شکت کو ترک کرنا بے شمار نقصان و فساد کا باعث ہے مگر بدعت کو ترک کرنا کوئی اثر نہیں ڈالتا اس لئے اس سے معلوم ہوا کہ شکت پر عمل کرنا خواہ وہ کتنی ہی معمولی ہو، فلاح و سعادت اور بہتری کا باعث ہے اور بدعت پر عمل کرنا خواہ وہ حسنہ ہو اس کے مقابلہ میں بہتر نہیں ہے۔

(۴۷) وَعَنْ حَسَّانٍ قَالَ: مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بَذْعَةً فِي دِينِهِمْ إِلَّا لَرَعَ اللَّهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ وَمِنْهَا لَمْ لَا يُعْبَدُهَا إِلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ الداری)

”اور حضرت حسانؒ فرماتے ہیں، کہ جب کوئی قوم اپنے دین میں نئی بات (یعنی ایسی بدعت سیئہ جو شکت کے مزام ہو) نکالتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی شکت میں سے اس کا شل نکال لیتا ہے (یعنی جب کوئی بدعت سیئہ پیدا ہوتی ہے تو اس کے شل شکت و سنا سے اٹھالی جاتی ہے) اور پھر وہ شکت قیامت تک اس کی طرف واپس نہیں کی جاتی۔“ (دراری)

(۴۸) وَعَنْ ابْنِ أَبِيهِمْ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ وَفَّرَ صَاحِبَ بَذْعَةٍ فَقَدْ أَغْنَىٰ عَلَىٰ هَذِهِ الْإِسْلَامِ» رَوَاهُ التَّيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ مَوْسِلًا۔ (رواہ التیہقی)

”اور حضرت ابن ابیہم بن میسرہؒ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے ستون کو گرا دینے میں مدد کی۔“ (تیہقی)

تشریح: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی بدعتی کی توقیر و عزت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں اسے شکت کی عزت و احترام کا کوئی خیال نہیں ہے اس طرح وہ شکت کی تحقیر کا باعث ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ شکت کی تحقیر اسلام کی عمارت کو اجاڑنا ہے اسی پر اہل شکت کی تحقیر کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پابند شرع و شکت کی توہین کرتا ہے تو وہ دین و شکت کی عمارت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص بدعتی کی تحقیر و تذلیل کرے تو یہ اس بات کا اظہار ہوگا کہ اسے شکت سے محبت ہے جو دین اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کا سبب ہے جس پر اسے بے شمار حسنات کا مستحق قرار دیا جائے گا۔

(۴۹) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللَّهِ ثُمَّ اتَّبَعَ مَا فِيهِ هَذَا اللَّهُ مِنَ الضَّلَالَةِ فِي الدُّنْيَا وَوَقَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَوْءَ الْحِسَابِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ: مَنْ اقْتَضَىٰ بِكِتَابِ اللَّهِ لَا يَبْصُلُ فِي الدُّنْيَا وَلَا يَشْفَىٰ فِي الْآخِرَةِ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ: «فَمَنْ اتَّبَعَ هَذَا فَلَا يَبْصُلُ وَلَا يَشْفَىٰ» (رواہ ابن زین)

”اور حضرت ابن عباسؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کتاب اللہ کا علم حاصل کیا اور پھر اس چیز کی پیروی کی جو اس (کتاب اللہ) کے اندر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں گمراہی سے ہٹا کر راہ ہدایت پر لگائے گا (یعنی اس کو ہدایت کے راستہ پر ثابت قدم رکھے گا اور گمراہی سے بچائے گا) اور قیامت کے دن اس کو برے حساب سے بچائے گا (یعنی اس سے مواخذہ نہیں ہوگا) اور ایک روایت میں ہے جس شخص نے کتاب اللہ کی

لے ام گرامی حسان ابن ثابتؓ ہے اور کنیت ابوالولید ہے انصاری اور خزرجی ہیں بعض حضرات نے کہا ہے کہ کنیت ابوالحسام ہے حضرت حسانؓ کی وفات حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں ۴۰ھ میں ہوئی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ وفات پچاس ہجری میں ہوئی ہے۔

پیروی کی تونہ وہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بدبخت ہوگا (یعنی اسے عذاب نہیں دیا جائے گا) اس کے بعد ابن عباسؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَمَنْ اتَّبَعَ هَذَايَ فَلَا يَصِلُ وَلَا يَشْفَى ترجمہ: جس شخص نے میری ہدایت (یعنی قرآن) کی پیروی کی نہ وہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) بدبخت ہوگا۔ (زرین)

تشریح: چونکہ قرآن کریم کا پڑھنا باعث سعادت اور اس پر عمل کرنا زریعہ نجات ہے اس لئے جو شخص قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھے اور قرآن کو سمجھنے کی جو شرائط ہیں ان کے مطابق اس کے علوم و معارف کو حاصل کرے اور پھر قرآن کریم نے جو احکام بتائے ہیں ان پر عمل کرے اور ہدایت کا جو راستہ متعین کر دیا ہے اس پر چلتا رہے تو اس کے لئے دین و دنیا دونوں جگہ سعادت و رحمت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ دنیا میں اس پر خدا کی جانب سے رحمت ہوگی کہ وہ چونکہ قرآن کو اپنا راہبر بنا رکھے گا اس لئے گناہ و معصیت سے بچتا رہے گا برائی کے راستے کو چھوڑ دے گا جس کا نتیجہ آخرت میں یہ ہوگا کہ وہاں اس پر خدا کی بے شمار رحمتوں کا سایہ ہوگا نہ تو حساب و کتاب کی سختی ہوگی اور نہ عذاب میں مبتلا ہوگا اور یہی بندہ کے حق میں سب سے بڑی فلاح و سعادت ہے۔

⑤۰ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ «ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا وَعَنْ جَنَّتَيْهِ الصِّرَاطِ سَوْرَانِ فَبَيْنَهُمَا أَبْوَابٌ مُفْتَحَةٌ وَعَلَى الْأَبْوَابِ سُورَةُ مَرْحَاةٍ وَعِنْدَ رَأْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَقُولُ اسْتَقِيمُوا عَلَى الصِّرَاطِ وَلَا تَعْوِجُوا وَفَوْقَ ذَلِكَ دَاعٍ يَدْعُو كُلَّمَا هَمَّ عَبْدٌ أَنْ يَفْتَحَ شَيْئًا مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ قَالَ: وَيَحْكُ لَا تَفْتَحْهُ فَإِنَّكَ إِنْ تَفْتَحْهُ تَلْجُئُهُ» ثُمَّ فُسِّرَهُ فَأَخْبَرَ «أَنَّ الصِّرَاطَ هُوَ الْإِسْلَامُ وَأَنَّ الْأَبْوَابَ الْمَفْتَحَةُ مَحَارِمُ اللَّهِ وَأَنَّ السُّورَ الْمَرْحَاةَ خُذُودُ اللَّهِ وَأَنَّ الدَّاعِيَ عَلَى رَأْسِ الصِّرَاطِ هُوَ الْقُرْآنُ وَأَنَّ الدَّاعِيَ مِنْ فَوْقِهِ هُوَ وَاعِظُ اللَّهِ فِي قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ» رَوَاهُ زَيْدٌ وَأَحْمَدُ وَابْنُ أَبِي حَتْمٍ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ وَكَذَا التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ إِلَّا أَنَّهُ ذَكَرَ اخْتِصَارَ مِنْهُ.

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے (وہ یہ کہ) ایک سیدھا راستہ ہے اور اس کے دونوں طرف دیواریں ہیں۔ ان دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور راستہ کے سر پر پکارنے والا کھڑا ہے جو پکار پکار کر کہتا ہے، سیدھے راستے پر چلے آؤ، غلط راستے پر نہ لگو! اس پکارنے والے کے اوپر (یعنی اس کے آگے کھڑا ہوا) ایک دوسرا پکارنے والا ہے، جب کوئی بندہ ان دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھولنا چاہتا ہے تو وہ (دوسرا پکارنے والا) پکار کر کہتا ہے، تجھ پر افسوس ہے! اس کو نہ کھول اگر تو اسے کھولے گا تو اس کے اندر داخل ہو جائے گا (اور وہاں سخت تکلیف میں ہوگا) پھر آنحضرت ﷺ نے اس مثال کی وضاحت کی اور فرمایا، سیدھا راستہ سے مراد اسلام ہے (جس کو اختیار کر کے جنت میں پہنچتے ہیں) اور کھلے ہوئے دروازوں سے مراد وہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے (جس کو اختیار کرنا تکمیل اسلام کے منافی ہے) اور (دروازوں پر) پڑے ہوئے پردوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود ہیں اور راستہ کے سرے پر جو پکارنے والا کھڑا ہے اس سے مراد قرآن کریم ہے اور وہ دوسرا پکارنے والا جو پہلے پکارنے والے کے آگے کھڑا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت کرنے والا فرشتہ ہے جو ہر مومن کے دل میں ہے۔ زرین، احمد اور بیہقی نے اس روایت کو شعب الایمان میں نواس بن سمان سے نقل کیا ہے اور ترمذی نے بھی انہیں سے روایت کی ہے مگر ترمذی نے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔“

تشریح: شرعی احکام زیادہ تر دینی قسموں سے متعلق ہیں یعنی حلال و حرام اور ان دونوں کو شریعت نے وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے جو چیزیں حلال ہیں ان کے بارے میں بھی اعلان کر دیا گیا ہے اور جو چیزیں حرام ہیں ان کی بھی تصریح کر دی گئی ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ جس طرح حلال چیزوں پر عمل کر کے خدا کی خوشنودی و رضا کے مستحق ہو گے اسی طرح حرام چیزوں کو اختیار کر کے سزا کے مستوجب گردانے جاؤ گے جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں ان کے اور بندوں کے درمیان خدا نے اپنے احکام سے حدیں قائم کر دی ہیں تاکہ بندے اس سے تجاوز

کر کے محرمات کے ارتکاب کے مجرم نہ ہوں، انہی حرام چیزوں اور حدود کو جو احکام الہی ہیں اس مثال میں دروازوں اور پردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اسی طرح مثال مذکورہ میں فرمایا گیا ہے کہ ہر مؤمن کے دل پر ایک فرشتہ ہوتا ہے جو قلب کا محافظ ہوتا ہے جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ بندہ کو نیکی کے راستے پر لگانے کی سعی کرے اس کو تائید الہی اور توفیق خداوندی کہتے ہیں اگر کسی بندے کے ساتھ تائید الہی و توفیق خداوندی نہ ہو تو انسان کتنا بھی چاہے ہدایت کے راستے پر نہیں لگ سکتا۔ چنانچہ مثال میں قرآن کو راہبر بتایا گیا ہے مگر اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ قرآن کی ہدایت بھی اسی وقت کارآمد ہوتی ہے جب کہ بندہ کے ساتھ تائید الہی اور توفیق خداوندی بھی شامل ہو۔ قرآن تو راستہ بتا دیتا ہے اور سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے مگر اس سے نصیحت حاصل کرنا اور اس راہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچنا اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب بندہ کے دل میں خدا کی جانب سے ہدایت ڈال دی جائے۔

⑤۱ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: مَنْ كَانَ مُسْتَشْفِعًا فَلْيَسْتَعِزَّ بِمَنْ قَدَّمَاتِ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُوْمَلُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا أَفْضَلَ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَنْزَلَهَا قُلُوبًا وَأَعَمَّقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اخْتَارَهُمُ اللَّهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ وَلَا قَامَةَ دِينِهِ فَاعْرِضُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوهُمْ عَلَى أَمْرِهِمْ وَتَمَسَّكُوا بِمَا اسْتَظَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَعْلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ۔ (رواہ زرین)

”اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی طریقہ کی پیروی کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ ان لوگوں کی راہ اختیار کرے جو مرگے ہیں کیونکہ زندہ آدمی (دین میں) فتنہ سے محفوظ نہیں ہوتا اور وہ لوگ جو مر گئے ہیں (اور جن کی پیروی کرنی چاہئے) آنحضرت ﷺ کے اصحاب ہیں، جو اس اُمت کے بہترین لوگ تھے، دلوں کے اعتبار سے انتہا درجہ کے نیک، علم کے اعتبار سے انتہائی کامل اور بہت کم تکلف کرنے والے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے منتخب کیا تھا لہذا تم ان کی بزرگی کو پہچانو اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے آداب و اخلاق کو اختیار کرتے رہو (اس لئے کہ) وہی لوگ ہدایت کے سیدھے راستے پر تھے۔“ (زرین)

تشریح: مرے ہوئے لوگوں سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اور زندوں سے ابن مسعودؓ کے زمانہ کے لوگ اور تابعین مراد ہیں حضرت ابن مسعودؓ نے یہ ارشاد تابعین کے سامنے ازراہ نصیحت فرمایا تھا اور ہو سکتا ہے کہ اس دور میں چونکہ باطل فریقے جنم لینے لگے تھے جو صحابہ کرام کی ذات اقدس کے پاک دامن پر گندگی و غلاظت کے چھینٹے ڈالتے تھے جیسا کہ رافضی اور ملحدین کے گروہ اس ناپاک مشغلہ میں لگے ہوئے تھے اس لئے ابن مسعودؓ نے ان کے غلط الزامات اور صحابہؓ پر باندھے گئے، بہتان کی رد میں صحابہؓ کی عظمت و بزرگی اور ان کی فضیلت کا اظہار فرمایا۔

چنانچہ ابن مسعودؓ شہادت دے رہے ہیں کہ صحابہؓ اُمت کے بہترین اور انتہا درجہ کے نیک لوگ تھے۔ یعنی ان کے قلوب ایمان و اسلام کی روشنی سے پوری طرح منور تھے خلوص و استقامت کے اوصاف سے متصف تھے ایمان کامل کی دولت سے مشرف تھے اور زہد و تقدس و خشیت الہی سے ان کی زندگیاں معمور تھیں۔

پھر دوسری بات یہ کہ یہی وہ مقدس جماعت تھی جس نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا اور خدا کے دین کو پھیلانے میں یحییٰ و مددگار رہے، جس کے نتیجے میں انہیں جن جانا کا بیوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا وہ ظلم و ستم اور تشدد و بربریت کے جس دور سے گزرے اور انہوں نے اسلام کی اشاعت و بقاء کے سلسلہ میں جو قربانیاں دیں وہ اسلامی تاریخ کا سب سے تابناک باب ہے۔

چنانچہ اسلامی تاریخ کے جاننے والے جانتے ہیں کہ ان مقدس حضرات کو رسول خدا ﷺ کی معاونت اور رفاقت اور دین و اسلام

کی تبلیغ و اشاعت کے صلہ میں کتنی سختیوں اور مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، زندگی کی کوئی ایسی تکلیف نہ تھی جس میں یہ مبتلا نہ کئے گئے ہوں، کوئی ایسی آزمائش نہ تھی جس سے انہیں سابقہ نہ پڑا ہو اور یہ سب خدا کی جانب سے محض اس لئے تھا کہ ان کے قلوب کو خوب جانچ، پرکھ لیا جائے اور دیکھ لیا جائے کہ جس عظیم مشن کے چلانے کے لئے ان کو منتخب کیا جا رہا ہے اور جس رسول کی رفاقت جیسے عظیم منصب کے لئے ان کو پسند کیا جا رہا ہے ان کے ذہن و فکر اور دل و دماغ اس کے اہل ہیں یا نہیں، ان کے قلوب سختیوں کو برداشت کرنے کے قابل اور مشکلات پر صبر و شکر کرنے والے ہیں یا نہیں، چنانچہ ان کو امتحان میں ڈالا گیا ہے، آزمائش کی گئی اور وہ حضرات امتحان و آزمائش کے ہر مرحلہ سے کامیاب گزرے اور مصیبت و سختی کی ہر بھی سے کندن ہو کر نکلے، ان کے مہرورضا کا جب امتحان لیا گیا تو ایسے صابر و شاکر نکلے کہ بڑی سے بڑی سختی اور سخت سے سخت مصیبت پر بھی ان کے قدم میں لغزش آنے کی بجائے اور استقامت پیدا ہوئی اور وہ اپنے ایمان و اسلام پر پورے اقیان و اعتماد کے ساتھ قائم و مضبوط رہے ان کے اکی عظیم وصف کی شہادت قرآن نے اس طرح دی ہے کہ:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ۔ (الحجرات ۳)

”یہ صحابہؓ وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کے واسطے جانچ لیا ہے۔“

اگر علم و فضل کی کسوٹی پر ان سختیوں کو پرکھا جائے تو بلا مبالغہ نتیجہ یہی قائم کرنا پڑے گا کہ ہر صحابی علم و معرفت، فہم و فراست، تدبر و تفکر، عقل و دانش کا مینار نور تھا جن سے دنیا نے ظلم و جہل کے اس ماحول میں تعلیم و ترقی و تہذیب و شرافت اور انسانیت کی روشنی حاصل کی۔ چنانچہ کوئی حدیث و تفسیر میں یکتا تھا تو کوئی فقہ و قرأت کا امام کسی کے اندر تصوف و فرائض کا علم پورے کمال کے ساتھ تھا تو کسی کے اندر معانی و ادب کا بحر بیکراں موجزن تھا، غرض کہ ہر ایک اپنی جگہ علمی حیثیت سے بھی کامل و اکمل تھا۔ اور پھر یہ آنحضرت ﷺ کے شرف و صحبت کا اثر اور آپ ﷺ کی نگاہ کرشمہ ساز کا کمال تھا کہ نہ صرف مرد صحابی بلکہ عورت صحابیہ بھی اپنی اپنی جگہ علم و معرفت کے آفتاب ہدایت تھے جن سے بڑے بڑے صحابی روشنی حاصل کرتے تھے۔

روحانی و اخروی عظمت و سعادت کے اس عظیم مرتبہ پر ہوتے ہوئے ان مقدس حضرات کی بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ علمی دنیا میں بھی دولت و ثروت، اقتدار و حکمرانی اور ملک و وجاہت کے باوجود انہیں نیچے پاؤں پھرنے میں عار تھا اور نہ زمین و فرش پر نماز پڑھنے، لینے بیٹھنے میں کوئی شرم محسوس ہوتی تھی۔ سادگی کی حد تھی کہ مٹی لکڑی کے برتن و باسن میں انہیں کھالے پینے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا تھا، دوسرے لوگوں کا جھوٹا کھانا اور پینا ان کے نزدیک کوئی معیوب چیز نہ تھی، آداب گفتگو کی یہ کیفیت تھی کہ ہر ایک کی نجی بات چیت نے بھی شرافت و تہذیب کا دامن نہیں چھوڑا، بیکار گفتگو، لالچی باتیں، لغو باتوں سے کوسوں دور رہتے کلام و گفتگو ہی کرتے جو ضروری اور بامقصد ہو صاف گوئی اس درجہ کی تھی کہ جو مسئلہ انہیں معلوم نہ ہوتا نہایت صفائی سے کہہ دیتے کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہے آج کل کی طرح خواہ مخواہ تکلف کر کے لچھے دار تقریریں کر کے مسئلہ کو غلط سلط بیان نہیں کرتے تھے بلکہ وہ جسے اپنے سے افضل سمجھتے تھے نہایت خلوص کے ساتھ سائل کو ان کے پاس بھیج دیتے کہ ان سے دریافت کر لو، حصول علم کا اتنا شوق تھا کہ جس کو وہ علم میں اپنے سے بڑا سمجھتے، خواہ وہ عمر میں کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، استفادہ کے لئے اس کے پاس جانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا تھا۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ ان کے یہاں زندگی کے کسی بھی شعبہ میں تصنع و بناوٹ نام کو بھی نہیں ہوتی تھی یہاں تک کہ وہ لوگ اگر قرآن پڑھتے تو وہ بھی کسی تصنع و بناوٹ کے بغیر اس کے پورے حقوق و آداب کو ملحوظ رکھ کر خالص عربی لہجہ میں پڑھتے تھے یہ نہیں تھا کہ خواہ مخواہ آواز بنا کر راگ و سر کے ساتھ پڑھتے ہوں۔

یہی حال ان کے باطن کا تھا چونکہ انہیں براہ راست سرکار دو عالم ﷺ سے قرب و صحبت کا شرف حاصل تھا اس لئے ان کے قلوب پوری طرح مجلی و مصفا ہو کر ہمہ وقت یاد الہی اور ذکر اللہ میں مصروف رہتے تھے ان کے افکار عرفان و حقیقت کی انتہائی بلندیوں پر تھے،

آج کل کے جاہل صوفیاء اور پیروں کی طرح وہ دکھانے کے لئے حال میں آکر رقص نہ کرتے تھے نہ ہوا کا شور و شغب کرتے تھے اور نہ وہ اپنے قلوب کی صفائی کے لئے ہار مہنیم کے ساز پر، طبلہ کی تھاپ پر اور قوالی کی تان پر حصول معرفت کا دعویٰ کرتے تھے جیسا کہ آج کے دور میں اہل اللہ کے مزارات پر ان لغویات سے تصوف و طریقت کے نام پر سرور کیف حاصل کیا جاتا ہے اور نہ وہ کسی انسکیم و عظیم کے باعث حلقہ وغیرہ بنا کر مسجد و گھر میں ذکر جبر کرتے تھے بلکہ نہایت سادگی کے ساتھ جسے جہاں موقع مل جاتا وہیں یاد الہی میں نہایت صبر و سکون کے ساتھ مشغول ہو جاتا ان کی اسی سادگی اور خلوص کی وجہ سے بظاہر تو ان کے اجسام فرش پر نظر آتے مگر ان کی روحیں عرش پر سر کرتی ہوتیں، ان کے ظاہری بدن لوگوں کے ساتھ ہوتے مگر ان کے قلوب مقام قرب کی انتہائی بلندیوں پر ہوتے۔

صحابہؓ کا طرز معاشرت بھی تصنع و بناوٹ اور تکلف سے بالکل پاک و صاف تھا، انہیں جو میسر آتا وہی کھا لیتے جو مل جاتا وہی پہن لیتے، موٹا چھوٹا کپڑا ہو وہ پہن لیا، عمدہ ملا اسے استعمال کر لیا، یہ نہیں تھا کہ دنیا کو دکھانے کے لئے یا اپنے زہد و تقدس کا رعب جمانے کے لئے حرقہ، گزری یا ایسے ہی لباس اپنے اوپر لازم کر رکھے ہوں، ہاں جسے یہی لباس میسر ہوتا وہ اسے بھی استعمال کرتا، کھانے پینے میں یہ تامل تھا کہ حلال رزق جیسا بھی ہوتا تھا کھاتے تھے، مزیدار اور لذیذ چیزیں مثلاً گوشت دودھ اور میوہ وغیرہ خدا کی نعمتیں اگر میسر ہوتیں تو انہیں بھی نہایت ذوق و شوق سے کھاتے اور اگر روکھا سو کھا دال دلیا ہی خدا سے دیتا تو اسے بھی نہایت صبر و شکر سے کھا لیتے۔

بہر حال عبادات ہوں یا معاملات، اخلاق و عادات ہوں، یا معیشت و معاشرت، زندگی کے ہر پہلو میں ان کے یہاں خلوص اور بے تکلفی و سادگی تھی اور انہوں نے اپنے نظام حیات کو ایسے سانچے میں ڈھال رکھا تھا جو خالص اسلامی دینی اور اخلاقی تھا اور یہ سب نگاہ نبوتؐ کی کرشمہ سازی اور اس ذات اقدس کی صحبت کا اثر تھا جو خود اپنے قول اور نبی ربی فاضل تاجی (یعنی خداوند تعالیٰ) نے مجھے اوبہ سکھایا اور اوبہ کے انتہائی درجہ پر پہنچانے کے مطابق ادب و اخلاق اور تہذیب و شرافت کے تمام جواہر ازل ہی سے اپنے اندر سموئے ہوئے تھے کہ جو قوم دنیا کی سب سے زیادہ غیر مہذب، غیر متہذبن، اور غیر ترقی یافتہ تھی، اصلاح و تربیت کے ذریعہ اسے تہذیب و تمدن اور اخلاق و احسان کے اس مقام رفیع تک پہنچادیا جہاں نہ صرف یہ کہ وہ خود ایک کامل اور عظیم قوم ثابت ہوئی بلکہ دنیا کی دوسری قوموں نے اس کے نقش قدم کو اپنے لئے جاوہ منزل بنا کر تہذیب و تمدن کی انتہائی بلندیوں پر بسیرا کیا۔

چنانچہ اس حدیث میں ابن مسعودؓ کو یہی ہدایت فرما رہے ہیں کہ اگر تم ہدایت کا راستہ چاہتے ہو، فلاں کی منزل کے خواہش مند ہو، عرفان الہی اور حب رسولؐ کے انتہائی مقام پر پہنچنا چاہتے ہو تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ اسی مقدس جماعت کے راستہ کو اختیار کرو، انہی کے اخلاق و عادات کو اپنے لئے جاوہ منزل جانو، انہی کی متابعت و پیروی کو کامیابی و کامرانی کا ذریعہ سمجھو اور ان کی عقیدت و محبت سے زندگی کے ہر گوشہ کو منور کرو۔

اس جگہ اتنی بات اور سمجھ لینی چاہئے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے ارشاد سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو صحابہؓ انتقال فرما گئے ہیں انہیں کی پیروی و اطاعت کرنی چاہئے۔ حالانکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ پیروی کے لائق صحابہؓ کی جماعت ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں مردوں کی تخصیص صرف اس لئے کی گئی ہے کہ اکثر صحابہؓ اس وقت انتقال فرما چکے تھے ورنہ یہاں زندہ اور مردہ دونوں مراد ہیں۔

اس حدیث سے صحابہؓ کی انتہائی عظمت اور فضل و کمال کا اظہار ہوتا ہے چونکہ تمام مخلوق اور تمام انسانوں میں یہ سب سے افضل تھے اور حق و صداقت کے قبول کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم ان میں موجود تھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی رفاقت کے لئے منتخب فرمایا اور قرآن میں باری طور پر ان کے فضل و کمال کی شہادت دی کہ:

وَالَّذِينَ هُمْ كَلِمَةُ النُّصْحِ وَكَانُوا إِخْوَةً رِّبًّا وَاهْلًا هَٰؤُلَاءِ (النح ۳۲)

”اور ان (صحابہؓ) کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ اس کے سچے اور اہل تھے۔“

بعض آثار میں آیا ہے کہ پروردگار عالم نے تمام بندوں کے قلوب پر نظر فرمائی چنانچہ آنحضرت ﷺ کا قلب مبارک سب سے زیادہ منور و روشن اور پاک و صاف تھا تو نور نبوت اس میں ودیعت فرمایا اور صحابہ کے قلوب بھی بہت زیادہ پاک و صاف اور اہل ولاق تھے تو ان کو اپنے نبی کی رفاقت کے لئے پسند فرمایا۔

اور اتنی بات تو ہم آج خود جانتے ہیں کہ ایک شخص جب کسی پیر حق کا مرید ہوتا ہے تو باوجودیکہ وہ پہلے سے بالکل خالی اور کور ہوتا ہے مگر پیر کی محبت اور اس کی خدمت و اطاعت گزاری کی وجہ سے وہ کتنے اعلیٰ مقام حاصل کر لیتا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ صحابہ کرام اپنی زندگیاں آنحضرت ﷺ کی محبت میں اور اپنی عمریں آپ ﷺ کی خدمت میں صرف کر دیں اور فضل و کمال حاصل نہ کریں۔

(۵۲) وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشُحْبَةٍ مِنَ التَّوْرَةِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَذِهِ شُحْبَةٌ مِنَ التَّوْرَةِ فَسَكَّتْ فَجَعَلَ يَقْرَأُ وَوَجْهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَغَيَّرُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِكَلِّكَ التَّوَالِي مَا تَرَى مَا يُوْجِهُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَتَنَظَّرَ عُمَرُ إِلَى وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَعُوْذُ بِاللَّهِ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ رَضِينَا بِاللَّهِ وَتَابُوا بِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ بَدَلْتُ الْكُفْرَ مُوسَى فَاتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ عَنِ سَوَاءِ السَّبِيلِ وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَادْرَكَ ثَبُوتِي لَا تَبْعُنِي) (رواه الدارمی)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت عمر ابن خطابؓ سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس تورات کا ایک نسخہ لائے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ تورات کا نسخہ ہے، آنحضرت ﷺ خاموش رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے (تورات کو) پڑھنا شروع کر دیا۔ اور غصہ سے آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہونے لگا (یہ دیکھ کر) حضرت ابو بکرؓ نے کہا عمر! تم کرنے والیاں تمہیں گم کریں۔ کیا تم آنحضرت ﷺ کے چہرہ اقدس (کے تغیر) کو نہیں دیکھتے۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے چہرہ منور کی طرف نظر ڈالی اور (غصہ کے آثار دیکھ کر کہا) میں اللہ کے غضب اور اس کے رسول کے غصہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر، اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، قسم ہے ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر موسیٰ تمہارے درمیان ظاہر ہوتے تو تم ان کی پیروی کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے (جس کے نتیجہ میں) تم سیدھے راستہ سے بھٹک کر گمراہ ہو جاتے اور (حالانکہ) اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میرا ثبوت نبوت پاتے تو وہ (بھی) یقیناً میری (پیروی) کرتے۔“ (دارمی)

تشریح: جملہ نکلتک التوالی (گم کرنے والیاں تمہیں گم کریں) اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے موت کے لئے بدو عابہ ہے لیکن یہ ایک اہل عرب کا محاورہ ہے جو اپنے اصل معنی و مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ ایسے مواقع پر بولا جاتا ہے جب اپنے کسی بے تکلف دوست سے کسی کو تعجب کا اظہار مقصود ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے بے تکلف مخاطب سے ایسے موقع پر جب کہ وہ کسی ظاہری بات کو بھی نہیں سمجھ رہا ہوتا یہ کہے کہ مجھے بڑا تعجب ہے کہ یہ کھلی ہوئی بات بھی تم نہیں سمجھ رہے ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب و سنت کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ اور حکماء اور فلاسفہ کی کتابوں کی طرف بے ضرورت رجوع کرنا اور ان کی طرف التفات کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ یہ گمراہی کی بات ہے۔

(۵۳) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كَلَامِي لَا يَنْسَخُ كَلَامَ اللَّهِ وَكَلَامُ اللَّهِ يَنْسَخُ كَلَامِي وَكَلَامُ اللَّهِ يَنْسَخُ بَعْضُهُ بَعْضًا»

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میرا کلام، کلام اللہ کو منسوخ نہیں کرتا اور کلام اللہ میرے کلام کو منسوخ کر دیتا ہے اور کلام اللہ کا بعض حصہ بعض حصہ منسوخ کرتا ہے۔“

تشریح: نسخ کے منی لغت میں کسی شے کو مٹانے یا نقل و تحویل کے آتے ہیں جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ نسخۃ الریح اثار القوم۔ کہ ہوا نے لوگوں کے پاؤں کے نشان مٹا دیے یا اسی طرح بولتے ہیں نسخۃ الكتاب الہی کتاب کہ ایک جگہ سے کتاب کو دوسری طرف نقل کیا۔ علماء کی اصطلاح میں نسخ اسے کہتے ہیں کہ کسی حکم شرعی کا اصلاح دین کی خاطر کسی دوسرے حکم کے ذریعہ تغیر و تبدل کیا جائے۔ یا کسی حکم کو نافذ کرنا کہ جس کے اور اس سے پیشتر کا حکم جو مقدم تھا اٹھ جائے اور حکم کو منسوخ اور دوسرے حکم کو ناسخ کہتے ہیں۔

نسخ کی چار قسمیں ہیں۔ ① کتاب اللہ کا نسخ کتاب اللہ کے ساتھ۔ ② حدیث کا نسخ حدیث کے ساتھ۔ ③ کتاب اللہ کا نسخ حدیث کے ساتھ۔ ④ حدیث کا نسخ کتاب اللہ کے ساتھ۔

اس کی توجیح یہ ہے کہ مثلاً پہلے کوئی حکم قرآن میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتارا گیا لیکن بعد میں کسی خاص مصلحت کی وجہ سے قرآن کی کسی دوسری آیت نے آکر اس حکم کو منسوخ کر دیا، اب اس کی بھی دو شکلیں ہوں گی، یا تو وہ آیت قرآن میں باقی رہے اور صرف تلاوت کی جاتی رہے مگر اس کا حکم کالعدم قرار دیا گیا۔ یا یہ کہ حکم کے ساتھ آیت بھی منسوخ کر دی گئی اور اسی طرح نسخ کی دوسری شکل یہ ہے کہ حدیث کے کسی حکم کو حدیث ہی کے ذریعہ منسوخ کر دیا گیا ہو، تیسری شکل نسخ کی یہ ہے کہ قرآن کے کسی حکم کو حدیث کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے منسوخ فرمایا ہو، لیکن اس میں کسی قسم کا یہ اشکال پیدا نہیں ہو سکتا کہ حکم الہی کو رسول جو ایک انسان ہوتا ہے کس طرح کالعدم قرار دے سکتا ہے یہ اشکال وہیں رفع ہو گیا ہے جہاں یہ بتا دیا گیا ہے کہ حدیث بظاہر تو رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے مجموعہ کا نام ہے لیکن حقیقت میں حدیث بھی وحی من اللہ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن ایسی وحی ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی اور جس کا مضمون براہ راست بارگاہ الوہیت سے اترتا ہے لیکن الفاظ رسول کے ہوتے ہیں اس صورت میں یہ حدیث متعارض نظر آئے گی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث قرآن کے حکم کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ لہذا اس کا جواب یہی ہو گا کہ حدیث میں لفظ کلامی سے مراد آنحضرت ﷺ کا وہ ارشاد ہے جو خود آنحضرت کی ذاتی رائے اور اجتہاد کے طریقہ پر وارد ہو، نہ کہ وہ ارشاد جو بطور وحی آپ ﷺ کے قلب پر القاء فرمایا گیا ہے اس تاویل کے بعد یہ تعارض رفع ہو جائے گا۔ یا پھر یہ تاویل کی جائے گی کہ یہ حدیث خود منسوخ ہے لہذا اس سے اس کلیہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

چوتھی شکل نسخ کی یہ ہے کہ حدیث کے کسی حکم کو کتاب اللہ کے ذریعہ منسوخ قرار دے دیا گیا ہو، یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ کسی قانون میں تبدیلی یا کسی حکم کی منسوخی دو وجہ سے ہوتی ہے اول تو یہ کہ قانون بناتے وقت بانی قانون سے کوئی فرد گزاشت یا غلطی ہو گئی جس کی وجہ سے بعد میں اس قانون میں تبدیلی اور منسوخی ضروری قرار دی گئی۔

ظاہر ہے کہ کلام اللہ میں یہ محال ہے اس لئے کہ خدا کی عظیم و خیر ذات کسی قسم کی غلطی، بھول چوک یا فروگزاشت سے بالکل منزہ و پاک و صاف ہے اس لئے جو بھی قانون بنائے گا یا جو بھی حکم دے گا وہ بالکل صحیح و کامل ہو گا اس میں کسی غلطی کا امکان بھی نہیں ہو سکتا اسی طرح رسول کے بتائے ہوئے احکام میں بھی یہ چیز نہیں ہو سکتی کیونکہ ایسے احکام جن کا تعلق دینی امور سے ہوتا ہے وہ براہ راست بارگاہ الوہیت سے نازل ہوئے ہیں اور دربار رسالت سے ان کا انعقاد عمل میں آتا ہے گویا وہ خود بھی احکام اللہ کے مرتبہ کے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جس طرح قرآن کے احکام پر عمل کرنا فرض ہے اسی طرح حدیث کے احکام کی پیروی کرنا بھی ضروری اور لازم ہے لہذا حدیث کے احکام میں بھی کسی حکم کی تبدیلی کا سبب یہ نہیں ہو سکتا کسی قانون و حکم کی تبدیلی و منسوخی کی دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ محکوم کی حالت بدلنے سے مصلحت بھی بدل گئی اس لئے قانون بھی بدل گیا جیسے کہ مریض کی حالت بدل جانے پر نسخہ بھی بدل دیا جاتا ہے۔

مثلاً ایک قانون بنایا گیا کوئی حکم دیا گیا اس وقت ماحول اس قسم کے قانون کا متقاضی تھا، یا محکوم کے ذہن و مزاج اسی حکم کے لائق تھے مگر بعد میں جب ماحول میں تبدیلی آگئی، محکوم کے ذہن و مزاج بھی دوسرا رخ اختیار کر گئے تو اب بانی قانون کی مصلحت بھی بدل گئی لہذا اس نے محکوم اور ماحول کی بھلائی اور اصلاح کی خاطر اس سے پہلے قانون کو بدل دیا اور اس جگہ کسی دوسرے قانون کو لاگو کر دیا ظاہر ہے کہ ایسا

صحیح اور جائز ہوگا اس میں کسی قسم کا کوئی عقلی و قلبی اشکال پیدا نہیں ہو سکتا اور یہی تبدیلی و تفسیر اور فتح قرآن و احادیث کے احکام میں ہوتے ہیں لہذا ان میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

۵۴) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ أَحَادِيثَنَا يَنْسَخُ بَعْضُهَا بَعْضًا كَنْسَخِ الْقُرْآنِ»

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہماری (بعض) احادیث بعض کو اس طرح منسوخ کرتی ہیں جیسا کہ قرآن کے بعض حصہ کو قرآن منسوخ کرتا ہے۔“

۵۵) وَعَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُسَيْنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللَّهَ فَوْضَ فَوْاضٍ فَلَا تُضَيِّعُوهَا وَحَرَّمَ خُرْمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا وَسَكَّتْ عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا» زَوَى الْأَحَادِيثِ الثَّلَاثَةُ الدَّارُ الْقُطْنِيَّةُ۔

”اور حضرت ابو ثعلبہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے چند فرائض کو فرض کیا ہے لہذا تم ان کو ضائع نہ کرو (یعنی ان کو نہ چھوڑ دیا ان کے شرائط و ارکان کو ترک نہ کرو، یاد رکھو کہ ان فرائض میں نمائش و زیارت، شک و شبہ اور غرور و تکبر نہ کرو) اور چند چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں (یعنی ان کو اختیار کرنا گناہ قرار دیا ہے) لہذا تم ان کے نزدیک بھی مت جاؤ، اور چند حدود مقرر کی ہیں (مثلاً قصاص وغیرہ) لہذا تم ان سے تجاوز نہ کرو (یعنی ان میں اپنی طرف سے کمی و زیادتی نہ کرو) اور چند چیزوں کے بارہ میں بھول کر نہیں (بلکہ دانستہ) اختیار کیا ہے (یعنی کتنی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارہ میں وضاحت نہیں کی گئی کہ وہ حرام ہیں یا حلال اور یا واجب ہیں، لہذا ان چیزوں میں تم اپنی طرف سے بحث نہ کرو۔ مذکورہ تینوں حدیثیں دار قطنی نے روایت کی ہیں۔



۱۔ آپ کے نام میں بہت زیادہ اختلاف ہے بعض نے جرہم بن ثابت کہا ہے اور بعض نے جرثوم بن ثابت اور عمر ابن جرثوم لکھا ہے، بہر حال یہ اپنی کیفیت ابو ثعلبہ سے مشہور ہیں، ۷۵ھ میں بعد عبداللہ بن مروان ان کا انتقال ہوا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کتاب العلم علم اور اس کی فضیلت کا بیان

علم کیا ہے؟ یہ وہ عظیم وصف ہے جو انسان کو نہ صرف یہ کہ شرافت و تہذیب کا سرمایہ بخشتا ہے عزت و عظمت کی دولت سے نوازتا ہے، اخلاق و عادات میں جلا پیدا کرتا ہے اور انسانیت کو انتہائی بلند یوں پر پہنچاتا ہے، بلکہ قلب انسانی کو عرفان الہی کی مقدس روشنی سے منور کرتا ہے، ذہن و فکر کو صحیح عقیدے کی معراج بخشتا ہے اور دل و دماغ کو خدا پرستی و اطاعت گزاری کی راہ مستقیم پر لگاتا ہے۔ اسلام! جو انسان کے لئے ترقی و عظمت کی راہ میں سب سے عظیم ہمارے نور ہے، وہ اس عظیم وصف کو انسانی برادری کے لئے ضروری قرار دیتا ہے اور اس کے حصول کو دینی و دنیوی ترقی و کامیابی کا زینہ بناتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام ہر اس علم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو اسلامی عقیدہ و عمل سے مزاحم ہوئے بغیر انسانی معراج کا ضامن ہو، اسلام کسی بھی علم کے حصول کو منع نہیں کرتا۔ لیکن ایسے علم سے وہ بیزاری کا اظہار بھی کرتا ہے جو ذہن و فکر کو گمراہی کی طرف موڑ دے یا انسان کو خدا کے رسول سے نا آشنا کر دے ہریت کے راستہ پر لگا دے۔

یہاں (کتاب العلم) کا عنوان قائم کر کے جس علم کی ضرورت و فضیلت پر مشتمل، احادیث بیان کی جا رہی ہیں وہ ”علم دین ہے“ جو شریعت کی نظر میں بنیادی اور ضروری حیثیت رکھتا ہے۔ دینی علم دوسرے علوم کے مقابلے میں اسلام کی نظر میں سب سے مقدم اور ضروری ہے جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد منقول ہے۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ

”علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

ظاہر ہے کہ اسلام جس زندگی کا تقاضا کرتا ہے اور انسان کو عبودیت کی معراج پر دیکھنا چاہتا ہے وہ علم دین ہی پر موقوف ہے علم دین کی بنا پر انسان، انسان بناتا ہے اور بندہ اپنی حقیقت کو پہچان کر ذات حق کا عرفان حاصل کرتا ہے، نیز عقیدہ و عمل کی تمام راہیں اسی سے نکلتی ہیں جس پر چل کر بندہ اپنے پروردگار کا حقیقی اطاعت گزار، رسول کا فرماں بردار اور دین و شریعت کا پابند بناتا ہے۔

(علم دین) جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر مشتمل ہے۔ اس کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ اول (مبادی) یعنی وسائل، دوم (مقاصد) مبادی۔ اس علم کو کچھ ہیں جس کے حصول پر کتاب و سنت کی معرفت موقوف ہے، یعنی جب تک یہ علم حاصل نہ کیا جائے قرآن و حدیث کے علوم و معارف کا عرفان حاصل نہیں ہو سکتا مثلاً لغت، صرف و نحو وغیرہ کے علوم کہ جب تک ان کو حاصل نہ کیا جائے اور ان پر نظر نہ ہو کتاب و سنت کا علم صحیح طور پر نہیں آسکتا اور نہ ان کے حقیقی منشا، و مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

مقاصد۔ وہ علم ہے جو عقائد، اعمال اور اخلاق سے متعلق ہے۔ یعنی یہی وہ علم ہے جو مقصود بالذات اور فی نفسہ ضروری ہے اور اسی کو حاصل کر کے دین و شریعت کی پابندی کا سیدھا راستہ سامنے آتا ہے۔ ”ان سب کو علم معاملات“ بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک ”علم مکاشفہ“ بھی ہوتا ہے۔ یہ دراصل وہ نور ہوتا ہے جو علم پر عمل کرنے سے قلب میں پیدا ہوتا ہے جس کی مقدس روشنی سے ہر چیز کی حقیقت واضح و آشکار ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور احوال کی معرفت پیدا ہوتی ہے اس علم مکاشفہ کو علم حقیقت اور علم وراثت بھی کہتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَزَقَهُ اللَّهُ مَالَهُ يَغْلُمَ۔

”جو شخص علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز کا علم نصیب کرتا ہے جو نہ جانا جاتا ہے اور نہ پڑھا جاتا ہے۔“

بہر حال، علم ظاہر و علم باطن کی جو اقسام مشہور ہیں وہ یہی ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اور ان دونوں میں بدن و روح اور پوست و مغز کی نسبت ہے۔ نیز علم کی فضیلت میں جو آیتیں وارد ہیں، یا جو احادیث منقول ہیں وہ ان تمام اقسام کو مراتب و درجات کے تفاوت کے ساتھ شامل ہیں۔

الفصل الأول

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَا: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (ابْلَغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً وَحَدِّثُوا عَنْ نَبِيِّ إِسْرَآئِيلَ وَلَا تَحْزَنْ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلَيْسَ بِنَبِيٍّ مُتَّبَعٍ) (رواه البخاری)

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ اور بنی اسرائیل سے جو قصے سنو لوگوں کے سامنے بیان کرو یہ گناہ نہیں ہے اور جو شخص قصہ امیری طرف جھوٹ بات منسوب کرے اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈ لے۔“ (بخاری)

تشریح: آیت سے مراد وہ حدیث ہے جو بظاہر چھوٹی چھوٹی ہیں لیکن افادیت کے اعتبار سے علوم و معارف کے بحرِ بیکراں اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتی ہیں جیسے ایک چھوٹی سی حدیث ہے کہ مَنْ صَمَتَ نَجَا یعنی جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ یا اسی طرح دوسری مختصر مگر جامع احادیث گویا اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ تم میری کسی ایسی حدیث کو پاؤ جو باعتبارِ جملہ الفاظ کے بہت چھوٹی اور مختصر ہو مگر اس کو دوسروں تک ضرور پہنچاؤ اور اس کی افادیت سے دوسروں کو روشناس کرو۔ علماء لکھتے ہیں اس حدیث کا اصل مقصد علم کو پھیلانے اور دوسروں کو علم کی روشنی سے منور کرنے کی ترغیب دلانا ہے کہ جہاں تک ہو سکے علم کو پھیلانے اور دین کی بات کو پہنچانے میں سعی و کوشش کرنی چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ تم جس بات کو دوسروں تک پہنچا رہے ہو اگرچہ وہ بہت مختصر ہے مگر کیا تعجب کہ اسی سے اس کی دنیا بھی سنو جائے اور دین بھی بن جائے اور وہ راہ ہدایت کو پالے جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ ایک شخص کی ہدایت ہوگی اور وہ راہِ راست پر لگ جائے گا بلکہ اس کی وجہ سے تمہیں بھی اجر ملے گا اور بے شمار حسنات سے نوازے جاؤ گے۔

حدیث میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ اگر بنی اسرائیل سے کوئی قصہ سنو یا تمہیں ان سے کوئی واقعہ معلوم ہو تو تم اس کو لوگوں سے بیان کر سکتے ہو مگر ان کے احکام و غیرہ کو نقل کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ گذشتہ احادیث میں گزر چکا ہے۔ اس لئے کہ کسی واقعہ یا قصہ کو محض خبر کے طور پر بیان کر دینا شرعی امور میں کوئی نقصان پیدا نہیں کرتا مگر ان کے احکام کو نقل کرنا یا ان کی تبلیغ کرنا شریعت محمدی کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے کیونکہ جب اس دنیا میں شریعت محمدی کا قیام ہو گیا ہے تو اب تمام دوسری شریعتیں منسوخ اور کالعدم قرار دے دی گئی ہیں۔ لہذا شریعت محمدی کو چھوڑ کر دوسری شریعت کے احکام و اعمال کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ آخر حدیث میں

آنحضرت ﷺ کی طرف کسی غلط بات کو منسوب کرنے پر نہایت سخت الفاظ میں زجر و توبخ فرمائی گئی ہے۔

چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص میری طرف کسی غلط بات کا انتساب کرتا ہے اور مجھ پر بہتان باندھتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ جہنم کی آگ میں جلنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اس لئے کہ ایسا بد بخت جو دنیا کی سب سے بڑے صادق و مصدوق ہستی پر بہتان باندھتا ہے وہ اسی سزا کا مستحق ہے کہ اسے جہنم کے شعلوں کے حوالے کر دیا جائے۔

اس بارہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے علماء متفقہ طور پر یہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کی طرف کسی ایسی بات یا ایسے عمل کی نسبت کرنا جو واقعہ میں آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور ایسا کاذب انسان خدا کے سخت عذاب میں گرفتار کیا جائے گا اور بعض علماء مثلاً امام محمد جوینیؒ نے تو اس جرم کو اتنا قابل نفرت اور سخت خیال کیا ہے کہ وہ ایسے شخص کے بارے میں کفر کا حکم لگاتے ہیں۔

حدیث ”من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار“ یعنی جو شخص قصداً میری طرف جھوٹ بات کی نسبت کرے اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔“ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بڑے پایہ اور اونچے درجہ کی حدیث ہے اور اس کا شمار متواترات میں ہوتا ہے بلکہ دوسری متواتر حدیثیں اس کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی ہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث کو صحابہؓ کی ایک بہت بڑی جماعت نقل کرتی ہے چنانچہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو بائیس صحابہؓ نے روایت کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

② وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ وَالْمُعِيزَةِ بِنِ شُعْبَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ حَدَّثَ عَنِّي بِحَدِيثٍ يُرَى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَخَذَ الْكَذِبَ بَيْنَ يَدَيْهِ)۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت سمرہ بن جندب اور معیذہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص میری طرف منسوب کرے کوئی ایسی حدیث بیان کرے جس کے بارے میں اس کا یہ خیال ہو کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ جھوٹے آدمیوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی حدیث کو لوگوں کے سامنے بیان کرے اور اس کی اشاعت کرے جو واقعہ میری حدیث نہیں ہے اور پھر اس کو یہ معلوم بھی ہو کہ میں جو حدیث بیان کر رہا ہوں وہ حقیقت میں آنحضرت ﷺ کی حدیث نہیں ہے بلکہ وضع کی گئی ہے تو وہ شخص جس نے یہ جھوٹی حدیث وضع کی ہے اس لئے جھوٹا ہے کہ اس نے ذات رسالت کی طرف غلط اور جھوٹ بات کی نسبت کی ہے تو یہ شخص بھی جو اس حدیث کو بیان کر رہا ہے اس لئے جھوٹا اور کذاب ہے کہ وہ اشاعت کر کے اور یہ جان کر بھی کہ یہ غلط حدیث ہے دوسروں تک پہنچا کر اس شخص کی مدد کر رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرح جھوٹی حدیث بنانے والا خدا کے عذاب میں گرفتار ہو گا اسی طرح اس کو بیان کرنے والے سے بھی آخرت میں مواخذہ کیا جائے گا اور اسے سخت سزا دی جائے گی۔

③ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ يُرِدُ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِينِي) (مشق علیہ)

”اور حضرت معاویہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص کے لئے خدا تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور میں (علم کی) تقسیم کرنے والا ہوں عطا کرنے والا تو خدا ہی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

۱۔ ام گرامی سمرہ ابن جندب اور کنیت ابو سعد ہے ۵۸ھ ۵۹ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ (اسد الغابہ)

۲۔ ام گرامی معیذہ بن شعبہ ہے کنیت ابو عبد اللہ اور بعض حضرات کے قول کے مطابق ابو یحییٰ ہے ۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ (اسد الغابہ)

تشریح: اس حدیث سے علم اور عالم کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے کہ جس شخص کو خداوند تعالیٰ خیر و بھلائی کے راستہ پر لگانا چاہتا ہے اسے علم کی دولت عنایت فرماتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ خدا کی بہت بڑی نعمت ہے کہ وہ کسی شخص کو دینی امور یعنی احکام شریعت اور راہ طریقت و حقیقت کی سمجھ عنایت فرمادے جو ہدایت و راستی اور خیر و بھلائی کی سب سے بڑی شاہراہ ہے۔

حدیث کے دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ علم کا مبداء حقیقی تو باری تعالیٰ کی ذات ہے میرا کام تو صرف یہ ہے کہ میں دینی مسائل اور شرعی احکام لوگوں تک پہنچا دوں اور حدیث بیان کر دوں۔ اب آگے خدا تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ جسے جتنا چاہے ان پر عمل کرنے کی توفیق اور غور و فکر کی صلاحیت عنایت فرمائے۔

(۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((النَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِصَّةُ حَيَاةُ هُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ حَيَاةُ هُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَفَهُوا)) (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ آدمی کان ہیں جس طرح سونے اور چاندی کی کان ہوتی ہے جو لوگ ایمانِ جاہلیت میں بہتر تھے وہ زمانہ اسلام میں بھی بہترین اگر وہ سمجھیں۔“ (مسلم)

تشریح: انسان کو معدن یعنی کان سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ تشبیہ نیک اخلاقی و عبادات اور صفات و کمالات کی استعداد و صلاحیت کے تفاوت میں دی گئی ہے کہ جس طرح ایک کان میں لعل و یاقوت پیدا ہوتے ہیں تو دوسری کان میں سونا، چاندی اور بعض کان میں چونا، سرمہ، پتھر وغیرہ ہی پیدا ہوتے ہیں اسی طرح انسان کی ذات ہے کہ بعض تو اپنے اخلاق و عبادات اور صفات و کمالات کی بنا پر با عظمت اور باشوکت ہوتے ہیں بعض ان سے کچھ کم درجہ کے ہوتے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان صفات میں انتہائی کمزور و بے وقعت ہوتے ہیں۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لانے سے پہلے حالت کفر میں بہترین خصائل و عبادات کے مالک تھے مثلاً سخاوت و شجاعت، اخلاق و دیانتداری اور محبت و مروت کی بہترین صفات سے متصف تھے تو وہ اسلام لانے کے بعد بھی ان صفات کی بناء پر بہترین قرار دیئے گئے ہیں۔

ٹھیک ایسے ہی جیسے کہ سونا اور چاندی جب تک کان میں پڑے رہتے ہیں کہ وہ خاک میں پڑے رہنے کی وجہ سے اپنی اصلی حالت میں نہیں ہوتے جب انھیں کان سے نکال لیا جاتا ہے اور بھی میں ڈال کر تیار کیا جاتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی اصلی صورت میں آجاتے ہیں بلکہ ان کی آب و تاب میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب تک کوئی شخص کفر کی ظلمت میں چھپا رہتا ہے تو خواہ وہ کتنا ہی باوقار ہو اور اس کے اندر کتنی ہی سخاوت ہو، کتنی ہی شجاعت ہو اسے برتری حاصل نہیں ہوتی، مگر جب کفر کے تمام پردوں کو چاک کر کے ظلم سے باہر نکلتا ہے اور ایمان و اسلام کو قبول کر کے علم دین میں کمال حاصل کر لیتا ہے اور پھر اپنے آپ کو ریاضت و مجاہدہ اور دینی محنت و مشقت کی بھینوں کے حوالہ کر دیتا ہے تو اس کے بعد نہ صرف یہ کہ وہ اپنی اصل حالت میں آجاتا ہے بلکہ علم و معرفت کی روشنی سے اس کا قلب و دماغ منور ہو جاتا ہے اور وہ عزت کی انتہائی بلندیوں پر جا پہنچتا ہے۔

(۵) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((الْأَحْسَدُ الْأَفَى الْاِتِّبَنِ زَجُلٌ اَنَاهُ اللَّهُ مَا لَا فَسْلَظَةُ عَلَى هَلَكِهِ فِي الْحَقِّ وَ زَجُلٌ اَنَاهُ اللَّهُ الْحَكْمَةُ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيَعْلَمُهَا)) (تحقیق علیہ)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ دو شخصوں کے بارے میں حسد کرنا ٹھیک ہے ایک تو وہ شخص جسے خدا نے مال دیا اور پھر اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ دوسرا وہ شخص جسے خدا نے علم دیا چنانچہ وہ اس علم کے مطابق حکم کرتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حسد اسے کہتے ہیں کہ "کسی دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ آرزو کی جائے کہ یہ نعمت میرے پاس آجائے اور اس کے پاس سے ختم ہو جائے۔" ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بڑی خصلت اور انتہائی ذلت نفس کی بات ہے۔ اسلام جو اخلاق پاکیزگی کا سب سے بڑا علمبردار ہے اس غیر اخلاقی اور ذلیل خصلت کو پسند نہیں کرتا اور اس سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ حسد کے مقابلہ میں غبطہ ہے۔ غبطہ اسے کہتے ہیں کہ کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ آرزو کی جائے کہ جیسی نعمت اس کے پاس ہے خدا اس نعمت سے مجھے بھی سرفراز فرمائے۔ شریعت اس کو جائز قرار دیتی ہے مگر یہ بھی اچھی باتوں مثلاً نیک اخلاق و عادات، بہترین خصائل اور فضل و کمال کے بارے میں جائز ہے چنانچہ اس حدیث میں جس حسد کے بارے میں فرمایا گیا ہے وہ غبطہ ہے۔

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ أَشْيَاءٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَنْذَعُ لَهُ. (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کے ثواب کا سلسلہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کے ثواب کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ ① صدقہ جاریہ ② علم جس سے نفع حاصل کیا جائے ③ صالح اولاد جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرے۔" (مسلم)

تشریح: ایسے اعمال جن کا تعلق دنیاوی زندگی سے ہوتا ہے ان کے اثرات مرنے کے بعد دنیا ہی میں ختم ہو جاتے ہیں مثلاً نماز، روزہ وغیرہ ایسے اعمال ہیں جو انسان کی زندگی میں ادا ہوتے تھے گو کہ ان کا ثواب باقی طور پر رہتا ہے کہ وہ ذخیرہ آخرت ہو جاتے ہیں اور مرنے کے بعد اس پر جزاء ملتی ہے مگر ان کا سلسلہ مرنے کے بعد آئندہ جاری نہیں رہتا۔ کیونکہ زندگی میں جب تک یہ اعمال ہوتے تھے اس کا ثواب ملتا رہتا تھا جب زندگی ختم ہو گئی تو یہ اعمال بھی ختم ہو گئے اور جب یہ اعمال ختم ہو گئے تو اس پر جزاء سزا کا ترتیب بھی ختم ہو گیا۔ لیکن کچھ اعمال ایسے بھی ہیں جن کے ثواب کا سلسلہ نہ صرف یہ کہ زندگی میں ملتا ہے بلکہ مرنے کے بعد باقی و جاری رہتا ہے۔ ایسے ہی اعمال کے بارے میں اس حدیث میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تین اعمال ایسے ہیں کہ زندگی ختم ہو جانے کے بعد بھی ان کے ثواب کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور مرنے والا برابر اس سے متعلق ہوتا رہتا ہے۔

پہلی چیز صدقہ جاریہ ہے، یعنی اگر کوئی شخص خدا کی راہ میں زمین و وقف کر گیا ہے یا کنواں و تالاب بنوا گیا ہے یا ایسے ہی مخلوق خدا کے فائدہ کی خاطر کوئی دوسری چیز اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے تو جب تک یہ چیزیں قائم رہیں گی اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کو برابر ثواب ملتا رہے گا۔

دوسری چیز علم نافع ہے یعنی کسی ایسے عالم نے وفات پائی جو اپنی زندگی میں لوگوں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتا رہا اور پھر اپنے علوم و معارف کو کسی کتاب کے ذریعہ محفوظ کر گیا جو ہمیشہ لوگوں کے لئے فائدہ مند اور رشد و ہدایت کا سبب بنی ہے یا کسی ایسے شخص کو اپنا شاگرد بنا گیا جو اس کے علم کا صحیح وارث ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو زندگی ختم ہونے کے بعد اس کے لئے سرمایہ و سعادت ثابت ہوں گی اور جن کا ثواب اسے وہاں برابر ملتا رہے گا۔

تیسری چیز اولاد صالح، ہے ظاہر ہے کہ کسی انسان کے لئے سب سے بڑی سعادت اور وجہ افتخار اس کی اولاد صالح ہی ہوتی ہے اس لئے کہ صالح اولاد نہ صرف یہ کہ ماں باپ کے لئے دنیا میں سکون و راحت کا باعث بنتی ہے بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے وسیلہ نجات اور ذریعہ قلاخ بھی بنتی ہے اور وہ اس طرح سے کہ لائق و نیک لڑکا اپنے والدین کی قبروں پر جاتا ہے وہاں فاتحہ پڑھتا ہے دعائے مغفرت کرتا ہے، قرآن پڑھ کر ان کو بخشا ہے اور ان کی طرف سے خیرات و صدقات کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں مردہ کے لئے ثواب کا باعث ہیں جن سے وہ اخروی زندگی میں کامیاب ہوتا ہے۔

⑤ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «مَنْ نَفَسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُزْبَةً مِنْ كُزْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُزْبَةً

مَنْ كُتِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسِّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَذَكَّرُونَ أَسْمَاءَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ وَخَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا مِنْ كُلِّ ثَلَاثٍ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص دنیا کی سختیوں میں سے کسی مسلمان کی کوئی سختی اور تنگی دور کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن وہاں کی سختیاں اس سے دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندوں کی مدد کرتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی مسلمان کی مدد کرتا رہتا ہے اور جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کے راستہ کو آسان کر دیتا ہے اور جب کوئی جماعت خدا کے گھر (مسجد یا مدرسہ) میں قرآن پڑھتی پڑھاتی ہے تو اس پر (خدا کی جانب سے) تسکین نازل ہوتی ہے۔ رحمت خداوندی اس کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے اور فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ اس جماعت کا ذکر ان (فرشتوں) میں کرتا ہے جو اس کے پاس رہتے ہیں اور جس نے عمل میں تاخیر کی آخرت میں اس کا نسب کام نہیں آئے گا۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی عظمت و برتری کا پتہ چلتا ہے، اسلام اپنی تعلیمات کے ذریعہ پوری انسانی برادری کے درمیان محبت و مروت، انسانی ہمدردی و رواداری، امداد و معاونت اور حسن سلوک کی اعلیٰ روح پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ انسان اخلاق و محبت کی ایک کڑی میں منسلک ہو کر پورے امن و سکون اور چین و راحت کے ساتھ حقوقِ عہدیت ادا کر سکیں۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم قیامت کے دن کی سختی سے بچنا چاہتے ہو تو تم اپنے اس بھائی کی خبر گیری کرو جو دنیا کی سختی میں پھنسا ہوا ہے، اگر اس پر کوئی سخت وقت آپڑا ہے تو اس کی مدد کرو۔ اگر وہ زندگی کی کسی الجھن میں پھنسا ہوا ہے تو اسے چھٹکارا دلاؤ۔ اگر وہ مصائب و تکلیف میں مبتلا ہے تو ان کو اس سے دور کرو۔ اس لئے کہ حسن سلوک کا یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر تم آخرت کی سختیوں سے نہایت آسانی کے ساتھ گزر جاؤ گے۔

اعلان کیا جا رہا ہے کہ اگر تم دین و دنیا دونوں جگہ کی آسانیاں چاہتے ہو، اگر تم اس کے متمنی ہو کہ دنیا کی کامیابی و کامرانی تمہارے قدم چومے اور آخرت کی فلاح و سعادت تمہارے حصہ میں آئے تو اپنے اس بھائی کی مدد کرو جو جھگڑے میں ہے۔ مفلسی و قلاشی کے جال میں پھنسا ہوا ہے، بے روزگاری و تباہ حالی کی چکی میں پس رہا ہے، مثلاً اگر وہ مقروض ہے اور خدا نے تمہیں وسعت دی ہے تو اس کا قرض ادا کر دو۔ اگر کوئی خود تمہارا مقروض ہے اور تم جانتے ہو کہ وہ قرض ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو تم اس کا قرض معاف کر دو، اگر کوئی انتہائی تباہ حال و پریشان ہے تو اس کی مدد کر کے جھگڑے سے اسے چھٹکارا دلاؤ۔ اگر کوئی اپنی ناداری و مفلسی کی بناء پر اپنی کسی سخت ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا تو تم اس کی اس ضرورت کو پورا کر دو اور پھر دیکھو خدا کی رحمت کسی طرح بڑھ کر تمہیں اپنے دامن میں چھپاتی ہے۔ دنیا کی عزت و عظمت تمہارے قدموں میں کھینچی نظر آئے گی اور زندگی کی ہر آسانی تمہارے لئے مہیا ہوگی اور نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی خدا کی رحمت تمہارے ساتھ ہوگی، وہاں کی ہر سختی اور ہر آزمائش میں تمہارا ہی حسن سلوک مددگار و معاون ہوگا اور تم وہاں کے ہر امتحان میں کامیاب رہو گے۔ اسی طرح فرمایا گیا ہے کہ اگر تم دنیا و آخرت میں اپنے عیوب کی پردہ پوشی چاہتے ہو تو تم دنیا میں اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرو۔ یعنی کسی کے عیب کو لوگوں کے سامنے بیان کر کے اسے رسوا اور ذلیل نہ کرو۔ یا اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اسے لوگوں کے سامنے ظاہر کر کے اور برسرِ عام اچھال کر اسے شرمندہ نہ کرو کیونکہ یہ خدا کا معاملہ ہے وہ اگر چاہے گا تو اسے دنیا ہی میں یا آخرت میں سزا دے دے گا ورنہ اپنی رحمت سے اسے معاف کر دے گا۔

یا پردہ پوشی کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی ناداری و مفلسی کی بناء پر لباس کی نعمت سے محروم ہے اور اتنا جھگڑے و غریب ہے کہ اپنے

ستر کو بھی نہیں چھپا سکتا تو چاہئے کہ اپنے اس نادار بھائی کی ستر پوشی کرے اس لئے کہ جو اپنے بھائی کی ستر پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا میں اور قیامت میں اس کے عیوب اور گناہوں کی پردہ پوشی فرمائے گا اور آخر میں عمومی طور پر یہ کلیہ بتا دیا گیا ہے کہ جب تک کوئی بندہ اپنے کسی بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے اور خدا کی مخلوق کی خبر گیری میں مصروف رہتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت رہتی ہے۔

حدیث میں طلب علم اور طالب علم کی فضیلت بھی ظاہر فرمائی جا رہی ہے، چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے کہ جو شخص علم دین کے حصول کے لئے اپنے وطن و شہر کو چھوڑ کر عزیز و اقارب سے جدا ہو کر آرام و عیش و آرام پر لات مار کر حصول علم کے جذبہ سے باہر نکلتا ہے اور تلاش علم کے لئے راہ مسافرت پر گامزن ہوتا ہے تو خداوند اقدس اس کی ریاضت و مشقت اور جان کا ہی و پریشانی کی وجہ سے اس پر بہشت کی راہ آسان کر دیتا ہے یعنی طالب علم کی کوششوں کے صلہ میں اسے جنت میں داخل کیا جائے گا یا یہ کہ اسے خداوند کی جانب سے اس عظیم سعادت کی توفیق ہوگی کہ اس نے جس علم کی تلاش میں اتنی مصیبتوں اور پریشانیوں کو برداشت کیا اس پر وہ نیک عمل بھی کرے جو جنت میں داخل ہونے کا سبب اور باعث ہے۔

اسی طرح جو لوگ مساجد و مدارس میں حصول علم میں منہمک ہوتے ہیں اور قرآن کے علوم و معارف سے استفادہ کرنے اور دوسروں کو پڑھانے میں مشغول ہوتے ہیں ان پر خدا کی جانب سے بے پایاں رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان پر خدا کی جانب سے تسکین کا نزول ہوتا ہے یعنی طلب علم کے سلسلہ میں ان کے اندر خاطر جمعی اور دل بستگی و دیعت فرمائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کے قلوب دنیا کے عیش و عشرت، راحت و آرام اور غیر اللہ کے خوف و ڈر سے پاک و صاف ہو کر ہر وقت خدا کی طرف لو لگائے رہتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل نور الہی کی مقدس روشنی سے جگمگا اٹھتے ہیں نیز فرشتے ان کی عزت و توقیر کرتے ہیں اور فرط عقیدت سے ان لوگوں کو گھیرے رہتے ہیں اور پھر خداوند قدوس اس مقدس جماعت کا تذکرہ جو درس و تدریس میں مشغول ہوتی ہے اپنے ان فرشتوں کے درمیان کرتا ہے جو اس کے پاس ہوتے ہیں، یہ اس جماعت کی انتہائی عظمت و فضیلت کی دلیل ہے۔

آخر حدیث میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی کامیابی و کامرانی اور فلاح و سعادت کا دار و مدار عمل پر ہے۔ اگر دنیا میں عمل خیر میں کوتاہی نہیں تو آخرت میں عزت و عظمت کا حقدار ہوگا اور دنیا میں کسی نے عمل میں کوتاہی کی اگرچہ وہ دنیا میں کتنا ہی باقبال و باعظمت کیوں نہ رہا ہو اور کتنا ہی بڑا حسب و نسب والا کیوں نہ ہو آخرت میں اس سے باز پرس ہوگی اور وہاں دنیا کی عیسیٰ اور وجاہت کچھ کام نہیں دے گی۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جاہی کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

(یعنی اے جاہی) جب تم اسیر عشق ہو گئے تو حسب و نسب کے چکر میں نہ پڑو کیونکہ اس راہ میں فلاں ابن فلاں کوئی چیز نہیں ہے۔

⑧ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضَىٰ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ أَسْهَدَ فَأَتَىٰ بِهِ فَعَرَفَهُ نِعْمَةً فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى أَسْهَدْتُكَ قَالَ كَذَبْتُ وَلَكِنَّكَ قَاتَلْتُ لَأَنْ يُقَالَ جَرِي فَقَدْ قُتِلَ ثُمَّ أَمَرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَيَّ وَجْهِهُ حَتَّى أَلْقَىٰ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ فَأَتَىٰ بِهِ فَعَرَفَهُ نِعْمَةً فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ قَالَ كَذَبْتُ وَلَكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ إِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ إِنَّكَ قَارِئٌ فَقَدْ قُتِلَ ثُمَّ أَمَرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَيَّ وَجْهِهُ حَتَّى أَلْقَىٰ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ فَأَتَىٰ بِهِ فَعَرَفَهُ نِعْمَةً فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُجِبُّ أَنْ يَنْتَفِقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتُ وَلَكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قُتِلَ ثُمَّ أَمَرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَيَّ وَجْهِهُ ثُمَّ أَلْقَىٰ فِي النَّارِ) (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن پہلا شخص جس پر (خلوص نیت کو ترک کر دینے کا)

علم لگایا جائے گا وہ ہوگا جسے (دنیا میں) شہید کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ (میدانِ حشر میں) وہ پیش کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی (دی ہوئی) نعمتیں یاد دلانے کا جو اسے یاد آجائیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا کام کیا؟ یعنی اللہ اسے اپنی نعمتیں جتا کر الٹا فرمائے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے شکرانہ میں کیا اعمال کئے؟ وہ کہے گا میں تیری راہ میں لڑا یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے کیونکہ تو اس لئے لڑا تھا تاکہ تجھے بہادر کہا جائے چنانچہ تجھے (بہادر کہا گیا) اور تیرا اصل مقصد مخلوق سے حاصل ہوا اب مجھ سے کیا چاہتا ہے، پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل کھینچا جائے، یہاں تک کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا، پھر (دوسرا) وہ شخص ہوگا جس نے علم حاصل کیا، دوسروں کو تعلیم دی اور قرآن کو پڑھا چنانچہ اسے بھی (خدا کے حضور میں) لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی عطیہ کی ہوئی) نعمتیں یاد دلانے کا جو اسے یاد آجائیں گی پھر خدا پوچھے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا اعمال کئے؟ وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور تیرے ہی لئے قرآن پڑھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے تو علم محض اس لئے حاصل کیا تھا تاکہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لئے پڑھا تھا تاکہ تجھے لوگ قاری کہیں، چنانچہ تجھے (عالم و قاری) کہا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل کھینچا جائے یہاں تک کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر (تیسرا) وہ شخص ہوگا جس کو اللہ نے (معبثت میں) وسعت دی اور ہر قسم کا مال عطا فرمایا۔ اس کو بھی خدا کے حضور میں لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی عطیہ کی ہوئی) نعمتیں یاد دلانے کا جو اسے یاد آجائیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا اعمال کئے؟ وہ کہے گا میں نے کوئی ایسی راہ نہیں چھوڑی جس میں تو خرچ کرنا پسند کرتا ہو اور تیری خوشنودی کے لئے میں نے اس میں خرچ نہ کیا ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، تو نے خرچ اس لئے کیا تاکہ تجھے (بخی) کہا جائے اور تجھے (بخی) کہا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل کھینچا جائے یہاں تک کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔“

”اور حضرت شقیقؒ راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر جمعرات کے روز لوگوں کے سامنے وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے (ایک روز) ایک شخص نے عرض کیا۔ اے ابو عبد الرحمن! میری خواہش ہے کہ آپ ہمارے درمیان روزانہ وعظ و نصیحت کیا کریں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں ایسا اس لئے نہیں کرتا کہ اس سے تم لوگ تنگ ہو جاؤ گے، میں نصیحت کے معاملہ میں تمہاری خبر گیری اس طرح کرتا ہوں جیسا کہ ہماری نصیحت کے معاملہ میں آنحضرت ﷺ ہماری خبر گیری کیا کرتے تھے اور ہمارے اکتا جانے کا خیال رکھتے تھے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ کے معاملہ میں اعتدال سے کام لینا چاہئے۔ ہر وقت اور ہر موقع پر وعظ و نصیحت نہیں کرنی چاہئے اس لئے کہ اس سے لوگوں کے دل اچاٹ ہو جاتے ہیں اور وہ اکتا جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی بات دل جمعی و سکون خاطر سے نہیں سنتے اس لئے ان پر کوئی اچھا اثر بھی مرتب نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس معاملہ میں ڈانٹ و پٹ، لعنت پھینکاؤ اور بد مزاجی و بد اخلاقی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے مخاطب کے ذہن پر برا اثر پڑتا ہے جس سے بجائے اس کے کہ وہ اس کا کوئی نیک اثر قبول کرے اور زیادہ منحرف ہو جاتا ہے۔

جو نصیحت اپنے وقت پر اور نہایت اخلاق و مناسبت اور انتہائی محبت و شفقت سے کی جاتی ہے دراصل وہی مخاطب کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کا بہترین ثمرہ ہوتا ہے۔

⑪ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتَّى تَفْهَمَ عَنْهُ وَإِذَا أَلْفَى عَلَى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَامٌ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب کوئی بات کہتے تو اس کو تین مرتبہ فرماتے یہاں تک کہ لوگ اسے اچھی طرح سمجھ لیتے اور جب آپ ﷺ کسی جماعت کے پاس آتے اور سلام کرنے کا ارادہ فرماتے تو تین مرتبہ سلام کرتے۔“ (بخاری)

تشریح: اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ ہر گفتگو کے موقع پر ایسا عمل اختیار فرماتے ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کوئی بہت اہم بات فرماتے ہوں گے یا کسی خاص مسئلہ کی وضاحت مقصود ہوتی ہوگی، یا کوئی دینی حکم بیان کرنا ہوتا ہوگا اور یہ ارادہ ہوتا ہو کہ اس بات کو بطور خاص بیان کرنا ہے یا یہ خیال گزرتا ہو کہ لوگوں نے بات اچھی طرح سنی نہ ہوگی تو آپ ﷺ تین مرتبہ اعادہ فرماتے اور اس بات کو بار بار کہتے تاکہ لوگ خوب سن لیں اور اچھی طرح سمجھ لیں۔

ایسے ہی تین مرتبہ سلام اس طرح کرتے تھے کہ ایک سلام تو آپ ﷺ اس وقت کرتے تھے جب مکان میں اندر جانے کی اجازت طلب فرماتے تھے، دوسرا سلام تحیت کرتے تھے (یہ سلام ملاقات کے وقت کیا جاتا ہے) اور تیسرا سلام رخصت کے وقت کرتے تھے۔

⑫ وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّهُ أَبَدَعَ بَنِي فَأَخْبَلْنِي فَقَالَ مَا عِنْدِي فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا أَذْهَلُ عَلَى مَنْ يَحْمِلُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((مَنْ ذَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ وَمَنْ أَجْرُ فَأَعْلَمُ)) (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ راوی ہیں کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری سواری چلنے سے عاجز ہو گئی ہے آپ ﷺ مجھے سواری عنایت فرما دیجئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے (کہ تمہیں دے دوں) ایک

لے شقیق ابن مسلم نام اور کنیت ابوواکل ہے۔ آپ تابعی ہیں حجاج کے زمانہ میں وفات ہوئی بعض کہتے ہیں کہ ۹۹ھ میں وفات پائی ہے۔
۲۔ آپ کا ام گرامی عقبہ ابن عمرو ہے مگر یہ بھی کنیت ابو مسعود انصاری سے مشہور ہیں۔ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال ہوا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں ہوئی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

شخص نے عرض کیا رسول اللہ! میں اسے ایسا شخص بتاتا ہوں جو اسے سواری دے دے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی بھلائی کی طرف راہ نمائی کرے تو اسے بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس بھلائی پر عمل کرنے والے کو۔ (مسلم)

(۱۳) وَعَنْ جَرِيرٍ قَالَ كُنَّا فِي صَدْرِ النَّهَارِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ قَوْمٌ غَوَاةٌ مُخْطَبِي الثَّمَارِ أَوِ الْعَبَاءِ مُتَقَلِّدِي الشُّيُوفِ عَامَّتُهُمْ مِنْ مُضَرٍ بَلْ كَلَّهْمُ مِنْ مُضَرٍ فَتَمَعَّرَ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا رَأَى بِهِمْ مِنَ الْفَاقَةِ فَدَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ وَأَقَامَ فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ (يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ) إِلَى آخِرِ الْآيَةِ (إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا) وَالْآيَةُ الَّتِي فِي الْحَشْرِ اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مِمَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ تَصَدَّقُ رَجُلٌ مِنْ دِينَارِهِ مِنْ دِرْهَمِهِ مِنْ تَوْبَةٍ مِنْ صَاعِ بُرِّهِ مِنْ صَاعِ تَمْرِهِ حَتَّى قَالَ وَلَوْ بَشَقَ تَمْرَةً قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بِصُرَّةٍ كَادَتْ كَفَّهُ تَعْبِجُ عَنْهَا بِلٌ فَدَعَجَزَتْ ثُمَّ تَتَابَعَ النَّاسُ حَتَّى رَأَيْتُ كَوْمِينَ مِنْ طَعَامٍ وَثِيَابٍ حَتَّى رَأَيْتُ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَهَلَّلُ كَأَنَّهُ مُذْهَبَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ شَيْئًا حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجْوَرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ شَيْئًا سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت جریرؓ راوی ہیں کہ (ایک روز) ہم دن کے ابتدائی حصہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک قوم آپ ﷺ کی خدمت میں آئی جو ننگے بدن تھی اور عبا یا کپڑے پہنے ہوئے تھی اور گلے میں تلواریں لٹکی ہوئی تھیں۔ ان میں سے اکثر بلکہ سب کے سب قبیلہ مضر کے لوگ تھے۔ ان پر فائدہ کا اثر دیکھ کر آنحضرت ﷺ کا چہرہ خفیر ہو گیا آپ ﷺ (ان کے لئے کھانے کی تلاش میں) گھر میں تشریف لے گئے اور (جب گھر میں کچھ نہ ملا) تو وہاں تشریف لائے اور حضرت بلالؓ کو (اذان کہنے کا) حکم دیا، حضرت بلالؓ نے اذان کہی اور تکبیر پڑھی اور جمعہ کی یا ظہر کی نماز پڑھی گئی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا اور یہ آیت پڑھی (يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ) الْآيَةِ ترجمہ ”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا ہے۔“ پوری آیت تلاوت کی جس کا آخری حصہ یہ ہے۔ ”البتہ اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان ہے۔“ اور پھر یہ آیت آپ ﷺ نے پڑھی جو سورہ حشر میں ہے وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مِمَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ الْآيَةِ ترجمہ ”(اے ایمان والو!) اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے۔“ پھر آپ ﷺ سے فرمایا۔ ”خیرات کرے آدمی اپنے دینار میں سے، اپنے درہم میں سے، اپنے کپڑے میں سے، اپنے گھوڑوں کے پٹانے میں سے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا خیرات کرے اگرچہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ ایک انصاری شخص دینار یا درہم سے بھری ہوئی ایک تھیلی لایا جس کے وزن سے اس کا ہاتھ جھٹکنے کے قریب تھا بلکہ تھک گیا تھا۔ پھر لوگوں نے بے درپے چیزوں کا لانا شروع کر دیا یہاں تک کہ میں نے دو تولے غلہ اور کپڑے کے (جمع شدہ) دیکھے پھر میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کا چہرہ اقدس (اخوشی کی وجہ سے) کندھن کی طرح چمک رہا تھا، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اسلام میں کسی نیک طریقہ کو رائج کرے تو اسے اس کا بھی ثواب ملے گا اور اس کا ثواب بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے لیکن عمل کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس شخص نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو رائج کیا تو اسے اس کا بھی گناہ ہوگا اور اس شخص کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا۔ لیکن عمل کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے جو پہلی آیت تلاوت فرمائی وہ سورہ نساء میں ہے، اس آیت میں خیرات کرنے اور قربات داروں سے حسن

لے آپ کا ہم گرامی جریر بن عبد اللہ ہے اور کنیت ابو عمرو یا ابو عبد اللہ ہے قبیلہ بھیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف چالیس دن قبل اسلام کا شرف ہوئے تھے اور مقام قرینیا میں ۵۱ یا ۵۲ میں وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو خیرات کرنے اور آنے والی جماعت کی امداد و اعانت پر ترغیب دلائی۔

شروع حدیث میں راوی کا بیان ہے کہ آنے والی جماعت کبل یا عبالینے ہوئے تھی۔ راوی کا اشتباہ ہے کہ یا تو حدیث میں لفظ التمار ہے یا العباء ہے۔ بہر حال دونوں کبل کی قسمیں ہیں اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔

(۱۷) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْ نَفْسَ ظَلَمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا الْأَوَّلُ مَنْ سَبَّ الْقَتْلَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَتَدْنِيكَ حَدِيثٌ مُعَاوِيَةَ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي فِي بَابِ ثَوَابِ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

”اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص ظلم کے طریقہ پر قتل کیا جاتا ہے تو اس کے خون کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے قابیل پر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ نکالا۔ (بخاری و مسلم) اور معاویہ کی وہ حدیث جس کی ابتداء یہ ہے ”لایزال امتی“ ہم انشاء اللہ ”باب ثواب هذه الامة“ میں بیان کریں گے۔“

تشریح: انسانی ظلم و ستم کی تاریخ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے قابیل کی زندگی سے شروع ہوتی ہے جس نے اپنی ایک انتہائی معمولی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور انسانی تاریخ کا یہ سب سے پہلا خونِ واقعہ تھا جس نے ناحق خون بہانے کی بنیاد ڈالی۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جب کوئی نیک طریقہ رائج کرتا ہے تو اسے اس نیک کام کا ثواب بھی ملتا ہے، اسی طرح برا طریقہ رائج کرنے والے کو خود اس عمل کا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والے کا بھی گناہ ملتا ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ جب بھی کوئی شخص ظلم کے طریقہ پر قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کے خون کا ایک حصہ قابیل پر بھی ہوتا ہے اس لئے کہ ناحق خون بہانے اور ظلم و ستم کے ساتھ قتل کا اول موجد وہی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

(۱۸) عَنْ كَثِيرِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدٍ مَشْقُوقٍ فَجَاءَ زُجُلٌ فَقَالَ يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ إِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَدِينَةِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الْحَدِيثُ بِلُغَتِي) أَنْتَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ قَالَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَتَطَلَّبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا مِنَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنَحَتَهَا رِضَى لَطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ الْعَالِمَ لَنَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالْجِبْتَانِ فِي جُوفِ الْمَاءِ وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يَبْرُكُوا إِلَّا بِتَارُوا لَدَرِهِمْ وَأَتَمَّوْا زُلُومًا الْعِلْمُ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحِطَّةٍ وَافِرٍ وَافٍ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَسَمَاءُ التِّرْمِذِيُّ قَيْسُ بْنُ كَثِيرٍ۔

”حضرت کثیر ابن قیس کہتے ہیں کہ میں (ایک صحابی) حضرت ابودرداء کے پاس دمشق (شام) کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے شہر سے آپ کے پاس ایک حدیث کے لئے آیا ہوں جس کے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسے آپ سرکارِ دو عالم ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ آپ کے پاس میرے آنے کی اس کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں ہے (یہ سن کر) حضرت ابودرداء نے فرمایا۔ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے یہ سنا کہ جو شخص کسی راستہ کو (خواہ وہ لمبا ہو یا مختصر) علم دین حاصل کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہشت کے راستہ پر چلا تا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لئے اپنے پردوں کو بچھاتے ہیں اور

عالم کے لئے ہر وہ چیز جو آسمانوں کے اندر ہے (یعنی فرشتے) اور جو زمین کے اوپر ہے (یعنی جن وانس) اور مچھلیاں جو پانی کے اندر ہیں دعائے مغفرت کرتی ہیں اور عابد پر عالم کو ایسی ہی فضیلت ہے جیسے کہ چودھویں کا چاند تمام ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے اور عالم انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء و رشتہ میں دینار و درہم نہیں چھوڑ گئے ہیں، ان کا ورثہ علم ہے لہذا جس نے علم حاصل کیا اس نے کامل حصہ پایا۔ احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی اور ترمذی نے راوی کا نام قیس ابن کثیر ذکر کیا ہے (لیکن صحیح کثیر بن قیس ہی ہے جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ نے نقل کیا ہے۔“

تشریح: صحابی کی خدمت میں آنے والے کی علمی طلب اور حصول دین کے حقیقی جذبہ کا اظہار ہوتا ہے کہ اس نے آتے ہی سب سے پہلے یہی کہا تھا کہ آپ کے پاس آنے سے میری غرض کوئی دنیوی منفعت یا محض ملاقات نہیں ہے بلکہ میں تو علم دین کے حصول کا حقیقی اور پر خلوص جذبہ لے کر آیا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آپ کی زبان سے سرکارِ دو عالم ﷺ کی مقدس حدیث سن کر اپنے قلب و دماغ کو علوم نبوی کی ایک روشنی سے منور کروں۔

ہو سکتا ہے کہ طالب مذکور نے جس حدیث کے سننے کی طلب کی تھی وہ حدیث انھوں نے اجمالی طور پر سنی ہو اب ان کی خواہش یہ تھی کہ اس کو تفصیلی طور پر سن لیں یا یہ کہ وہ حدیث انھوں نے تفصیل کے ساتھ ہی (کسی دوسرے سے) سن رکھی ہو مگر اس جذبہ کے ساتھ حضرت ابودرداء کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حدیث کو بلا واسطہ صحابی سے سنیں۔

ابودرداء نے سائل کے جواب میں جو حدیث بیان فرمائی ہو سکتا ہے کہ وہ یہی حدیث ہو اور یہی حدیث اس کا مطلوب ہو، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث جو یہاں نقل کی گئی ہے وہ طالب کا مطلوب نہ ہو بلکہ چونکہ طالب نہایت مشقت و پریشانی برداشت کر کے اور دور دراز کا سفر طے کر کے طلب علم اور حصول حدیث کی خاطر آیا تھا۔ اس لئے اس کی سعادت و خوش بختی کے اظہار کے طور پر اس کا ثواب بیان کیا اور اس کی مطلوبہ حدیث انھوں نے بیان کی وہ چونکہ اس باب کے مناسب نہیں تھی اس لئے مصنف کتاب نے اسے یہاں نقل نہیں کیا۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب طالب علم، علم کی خاطر اپنے گھر سے نکلتا ہے اور راہِ مسافت اختیار کرتا ہے تو فرشتے اس کی رضامندی کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اس کی تشریح میں کہا جاتا ہے کہ یا تو واقعی طالب علم کے شرف و عزت کی خاطر فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں یا پھر طالب علم کی عظمت اور اس کی طرف رحمت خداوندی کے نزول کے لئے یہ کنایہ ہے۔

نیز فرمایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں خدا کی جتنی بھی مخلوق ہے سب کی سب عالم کی مغفرت کے لئے دعا کرتی ہے۔ اس کے بعد پھر صراحت کی گئی کہ پانی کے اندر رہنے والی مچھلیاں بھی اس کے لئے استغفار کرتی ہیں ظاہر ہے کہ زمین کی مخلوق میں مچھلیاں بھی شامل ہیں ان کو بظاہر الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی مگر اس میں نکتہ یہ ہے کہ اس سے دراصل عالم کی انتہائی فضیلت و عظمت کا اظہار مقصود ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ پانی کا ہر سا جو رحمت خداوندی کی نشانی اور نعمت الہی کی علامت ہے اور دنیا کی اکثر آسانیاں و راحتیں جو اسی سے حاصل ہوتی ہیں اور تمام خیر و بھلائی جو اس کے علاوہ ہیں سب کی سب عالم ہی کی برکت سے ہیں یہاں تک کہ مچھلیوں کا پانی کے اندر زندہ رہنا جو خود قدرت خداوندی کی ایک نشانی ہے، علماء ہی کی برکت کی بنا پر ہے۔

اس حدیث میں عالم اور عابد کے فرق کو بھی ظاہر کرتے ہوئے عابد پر عالم کو فوقیت اور برتری دی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم کا فائدہ متعدد ہے یعنی اس کا فیضان صرف اس کی اپنی ذات تک محدود نہیں ہے اس کے لئے عالم اور عابد کو چاند ستاروں سے مشابہت دی گئی ہے کہ جس طرح چودھویں کا چاند جب اپنی پوری تابانی اور جلوہ ریزی کے ساتھ آسمان پر نمودار ہوتا ہے تو دنیا کی تمام مخلوق اس سے مستفید ہوتی ہے اور اس کی روشنی تمام جگہ پہنچتی ہے جس سے دنیا فائدہ اٹھاتی ہے مگر ستارہ خود اپنی جگہ تو روشن و منور ہوتا ہے مگر اس کا فیضان اتنا عام نہیں ہوتا کہ اس کی روشنی تمام جگہ پھیل سکے اور سب کو فائدہ پہنچا سکے۔

اگر کوئی یہ اشکال کر بیٹھے کہ عالم اور عابد میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ اگر کوئی عالم محض علم پر بھروسہ کر بیٹھے اور علم پر نہ عمل کرے تو ظاہر ہے کہ اس کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اسی طرح عابد بغیر علم کے عابد نہیں ہو سکتا کیونکہ عبادت کی حقیقی اور اصلی روح علم ہی میں پوشیدہ ہے اس لئے عبادت بغیر علم کے صحیح طور پر ادا نہیں ہو سکتی۔ لہذا معلوم ہوا کہ جو عالم بالکل باعمل ہو گا وہی عابد بھی ہو گا اور جو عابد ہو گا وہی عالم باعمل بھی ہو گا۔ اس لئے دونوں میں فرق کیا ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عالم سے مراد وہ شخص ہے جو تحصیل علم کے بعد عبادات ضروریہ مثلاً فراغ نض و اجابات اور سنن و مستحبات پر اکتفا کر کے اپنے اوقات کا بقیہ حصہ درس و تدریس میں مشغول رکھتا ہے یعنی اس کا کام درس و تدریس، دعوت و تبلیغ اور دین کی ترویج و اشاعت ہوتا ہے۔ اور عابد سے مراد وہ شخص ہے جو تحصیل علم کے بعد اپنی زندگی کا تمام حصہ صرف عبادت ہی میں صرف کرتا ہے، نہ اسے علم کی اشاعت سے دلچسپی ہوتی ہے اور نہ تعلیم و تعلم اس کا مقصد ہوتا ہے بلکہ وہ ہمہ وقت عبادت ہی میں مشغول رہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر علم کی اشاعت اور تعلیم و تعلم کی فضیلت کا گہرا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ عمل اقاویت کے اعتبار سے سب سے بلند مقام رکھتا ہے اور جو ہر حال میں عبادت پر افضل ہے جیسا کہ اکثر احادیث سے بھی ثابت ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ عالم اور عابد میں اس اعتبار سے فرق ہے اور عابد پر عالم کو فوقیت حاصل ہے۔

شرح السنہ میں حضرت سفیان ثوریؒ کا قول منقول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں آج طالب علم سے افضل کوئی دوسری چیز نہیں جانتا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا لوگوں کے خلوص نیت میں فضیلت نہیں ہے۔ انھوں نے فرمایا طلب علم خود نیت کا سبب ہے یعنی نیت اس سے اپنے آپ ہی سنور جاتی ہے۔

چنانچہ بعض علماء کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ انھوں نے کہا ہم نے علم غیر اللہ کے لئے حاصل کیا مگر بعد میں وہ اللہ ہی کے لئے ہو گیا، یعنی ہماری نیت پہلے مخلص اور صاف نہیں تھی مگر جب طلب علم کا حقیقی جذبہ پیدا ہوا اور علم کی روشنی نے قلب کو منور کیا تو نیت مخلص اور صحیح ہو گئی۔

علم کی فضیلت کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں علم کا طلب کرنا نماز نفل سے افضل ہے کیونکہ وہ علم جسے طلب کیا جا رہا ہے یا تو وہ فرض عین ہو گا یا فرض کفایہ ہو گا اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں نفل سے بہر حال افضل ہیں۔

(۱۶) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ ذَكَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا: أَحَدَهُمَا عَابِدٌ وَالْآخَرُ عَالِمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَّلْتُ الْعَالِمَ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَذْنَانِي ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتَّى الثَّمَلَةِ فِي جُحُورِهَا وَحَتَّى الْخُثُوفُ يُصَلُّونَ عَلَى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ مَكْحُولٍ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرْ رَجُلَانِ وَقَالَ فَضَّلْتُ الْعَالِمَ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَذْنَانِي ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ (أَتَمَّائِي خَشِيَ اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ) وَسَوَدَ الْحَدِيثُ إِلَى آخِرِهِ - (ترمذی)

”اور حضرت ابی امامہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جس میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم (یعنی آپ سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں افضل کون ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ میری فضیلت اس شخص پر جو تم میں سے ادنیٰ درجہ کا ہو۔ پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور آسمانوں و زمین کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ حیو نیاں اپنے بلوں میں بیٹھ جائیں اس شخص کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی (یعنی علم دین) سکھاتا ہے ترمذی اور دارمی نے اس روایت کو مکحول سے مرسل طریقہ پر نقل کیا ہے جس میں لفظ رجُلان کا ذکر نہیں ہے اور کہا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عابد پر عالم کو ایسی ہی فضیلت ہے جیسی مجھے تمہارے میں سے ادنیٰ آدمی پر ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اَتَمَّائِي خَشِيَ اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ترجمہ: ”خدا کے بندوں میں علماء ہی خدا سے ڈرتے ہیں۔“ اور پھر پوری حدیث آخر تک اسی

طرح بیان کی ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کو بہت زیادہ عظمت و فضیلت حاصل ہوتی ہے اور اسے عابد پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے عابد اور عالم دونوں میں یہ فرق ظاہر کیا ہے کہ جس طرح میں تم میں سے اس شخص پر فضیلت رکھتا ہوں جو تم میں سے سب سے ادنیٰ درجہ کا ہو اسی طرح ایک عالم بھی عابد پر فضیلت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ایک ادنیٰ شخص پر جو فضیلت حاصل ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اب اس کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ ایک عالم کو عابد پر فضیلت کس مرتبہ اور درجہ کی ہوگی۔

آخر حدیث میں کہا گیا ہے کہ اسی حدیث کو داریؒ نے مکحول سے بطریق مرسل نقل کیا ہے اور اس میں اس حدیث کے ابتدائی الفاظ درجلاں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے یعنی ان کی روایت میں یہ الفاظ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جس میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم بلکہ ان کی روایت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوتی ہے۔

(۱۷) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبِعٌ وَإِنَّ رِجَالًا يَأْتُونَكُمْ مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ يَتَفَقَّهُونَ فِي الدِّينِ فَإِذَا أَتَوْكُمْ فَاسْتَوْصُوا بِهِمْ خَيْرًا۔ (رد المحتار)

”اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لوگ تمہارے (یعنی صحابہؓ کے) تابع ہیں اور بہت سے لوگ علم دین بخیرے اطرافِ عالم سے تمہارے پاس آئیں گے۔ لہذا جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا۔“ (ترمذی)

تشریح: اس ارشاد کا مقصد صحابہؓ کو یہ بتانا ہے کہ میرے بعد چونکہ تمہاری ہی ذات دنیا کے لئے راہِ برور اہم ہوگی اور تم ہی لوگوں کے پیشوا و امام بنو گئے اس لئے تمام دنیا کے لوگ تمہارے پاس علم دین طلب کرنے اور میری احادیث حاصل کرنے آئیں گے۔ لہذا تمہیں چاہئے کہ وہ آئیں تو تم ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو، ان کی نگہداشت اور تربیت میں کوتاہی نہ کرو، اور ان کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کرو، نیز ان کے قلوب کو علم دین کی اس مقدس روشنی سے جس سے تمہارے قلوب براہِ راست فیضیاب ہو چکے ہیں منور کرو۔

(۱۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَلِمَةُ الْحَكْمَةُ ضَالَّةُ الْحَكِيمِ فَخَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا زَوَاهُ النَّبِيِّ وَابْنُ مَاجَةٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ الْقُضَيْلِ الزَّوَاوِيُّ يَضَعُفُ فِي الْحَدِيثِ۔

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ (دین میں) فائدہ دینے والی بات دانش مند آدمی کا مطلوب ہے لہذا وہ جہاں اسے پائے اس کا متحق ہے۔ اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس حدیث میں ایک راوی ابراہیم بن قضاہی ہیں جن کو (روایت حدیث میں) ضعیف خیال کیا جاتا ہے۔“ (ترمذی و ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث دانشمندی اور صاحبِ فہم انسان کو یہ احساس و شعور بخش رہی ہے کہ جب کسی سے دین کی کوئی فائدہ مند بات سنی جائے تو عقل کا یہ تقاضہ ہونا چاہئے کہ فوراً اسے قبول کر کے اس پر عمل کیا جائے اس لئے کہ عقل و خرد کا یہی تقاضا انسان کی معراج کا ضامن ہوتا ہے۔ یہ انتہائی بے وقوفی اور کم ظرفی کی بات ہے کہ اگر کوئی مفید اور بہتر بات کسی ایسے شخص سے سنی جائے جو اپنے سے کمتر و کم مرتبہ ہو تو اس کو اس لئے ناقابلِ اعتناء اور ناقابلِ عمل قرار دے دیا جائے کہ وہ بڑی بات اور چھوٹا مانہ ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اس بہتر و حق بات کو تو قابلِ قبول عمل جانے جو حضرت باذیہ بطنائیؒ جیسے صاحبِ عقل و تقدس ہستی سے منقول ہو۔ مگر جب دینی بات اپنی کسی کثیر اور لوندی سے سنے تو اسے ناقابلِ اعتناء سمجھے تو وہ شخص مغرور و متکبر کہلائے گا۔

مرد باہر کہ گیرد اندر گوش گر نوشت ست پند برد یوار

(۱۹) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبِيهُ وَاجِدْ أَشَدَّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْفِ عَابِدٍ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ایک فقیہ (یعنی عالمِ دین) شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔“ (ترمذی وابن ماجہ)

تشریح: مقابلہ کا یہ مسلم اصول ہے کہ کامیابی اس شخص کے حصہ میں آتی ہے جو اپنے مد مقابل کے داؤ پیچ سے بخوبی واقف ہو اور اس کا توڑ جانتا ہو۔

چنانچہ ہم خود دیکھتے ہیں کہ مقابلہ کے اکھاڑہ میں وہ شخص جو اپنے ظاہری قوی اور جسم کے اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا اپنے اس مقابل کو پچھاڑ دیتا ہے جو جسم و بدن کے اعتبار سے اس سے کئی گنا زیادہ طاقت ور ہوتا ہے کیونکہ وہ جب مقابلہ میں آتا ہے تو اس کا دماغ بنیادی طور پر مقابل کے ہر وار سے بچاؤ کی شکل اور اس کے ہر داؤ کا جواب اپنے خزانہ میں رکھتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کامیابی اسی ہی سے ہوتی ہے۔

دنیا میں باطنی طور پر انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے جو اپنے مکرو و فریب کی طاقت سے لوگوں کو گمراہی کی وادی میں پھینک کر رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو شیطان کے مکرو و فریب سے واقف نہیں ہوتے اور اس کی طاقت و قوت کا جواب نہیں رکھتے وہ گمراہ ہو جاتے ہیں مگر ایسے لوگ جو اس کے ہر داؤ کا جواب رکھتے ہیں اور اس کی طاقت و قوت کی شدہ رگ پر ان کا ہاتھ ہوتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ خود اس کی گمراہی سے محفوظ رہتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی محفوظ رکھتے ہیں اور یہ لوگ وہی عالم ہوتے ہیں جن کے قلب و دماغ نورِ الہی کی مقدس روشنی سے منور اور ان کے ذہن و فکر علم و معرفت کی طاقت سے بھر پور ہوتے ہیں۔

اسی لئے اس حدیث میں فرمایا جا رہا ہے کہ شیطان کے مقابلہ میں ایک ہزار عابد جتنی طاقت رکھتے ہیں اتنی طاقت تنہا ایک عالم کے پاس ہوتی ہے کیونکہ جب شیطان لوگوں پر اپنے مکرو و فریب کا جال ڈالتا ہے اور انھیں خواہشات نفسانی میں پھنسا کر گمراہی کے راستہ پر لگا دیتا چاہتا ہے تو عالم اس کی چال سمجھ لیتا ہے چنانچہ وہ لوگوں پر شیطان کی گمراہی کو ظاہر کرتا ہے اور ایسی تدابیر انھیں بتا دیتا ہے جن پر عمل کرنے سے وہ شیطان کے ہر حملے سے محفوظ رہتے ہیں۔

برخلاف اس کے وہ عابد جو صرف عبادتِ الہی عبادت کرنا جانتا ہے اور علم و معرفت سے کوسوں دور ہوتا ہے وہ تو محض اپنی ریاضت و مجاہدہ اور عبادت میں مشغول رہتا ہے اسے یہ خبر بھی نہیں ہونے پاتی کہ شیطان کس چور و رازے سے اس کی عبادت میں خلل ڈال رہا ہے اور اس کی تمام سعی و کوشش کو ملیا میٹ کر رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر وہ عبادت میں مشغول رہتا ہے، مگر لاعلم ہونے کی وجہ سے وہ شیطان کے مکرو و فریب میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اس لئے نہ وہ خود شیطان کی گمراہی سے محفوظ رہتا ہے اور نہ دوسروں کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔

(۲۰) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبَ الْعِلْمَ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ أَهْلِهِ كَمَقْلَبِ الْخَنَازِيرِ الْخُزْمَرِ وَالْوَلْوَلِ وَالذَّهَبِ زَوَاهِلُ مَاحِجَةٍ وَزَوَى الْبَيْهَقِيِّ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ إِلَى قَوْلِهِ مُسْلِمٌ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ مُتَّفَقٌ مَشْهُورٌ وَاسْتِزَادَهُ ضَعِيفٌ وَقَدْ رَوَى مِنْ أَزْجِهِ كُلِّهَا ضَعِيفٌ۔

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور نا اہل کو علم سکھانا ایسا سب سے کوئی شخص سوار کے گلے میں جواہرات، موتیوں اور سونے کا ہار ڈال دے۔ (ابن ماجہ) اور بیہقی نے اس روایت کو شعب الایمان میں لفظ ”مسلم“ تک نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا متن مشہور ہے اور اسناد ضعیف ہیں اور یہ حدیث مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے اور وہ سب ضعیف ہیں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے علم کی اہمیت و عظمت اور اس کی ضرورت واضح ہوتی ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ انسان جس مقصد کے لئے خلیفۃ اللہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا گیا ہے وہ بغیر علم کے پورا نہیں ہو سکتا۔ انسان بغیر علم کے نہ خدا کی ذات کو پہنچاتا ہے اور نہ اسے اپنی حقیقت کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ یہاں علم سے مراد ”علم دین“ ہے جس کی ضرورت زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ میں پڑتی ہے، مثلاً جب آدمی مسلمان ہوتا ہے یا احلس و شعور کی منزل کو پہنچتا ہے تو اسے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت حاصل کرے اور عرفان الہی کی مقدس روشنی سے قلب و دماغ کی ہر غلٹ و کجروی کو ختم کرے۔ اسی طرح رسول کی نبوت و رسالت کا جاننا ایسی چیزوں کا علم حاصل کرنا جن پر ایمان و اسلام کی بنیاد ہے اس کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

پھر جب عملی زندگی سے اسے واسطہ پڑتا ہے تو اسے ضرورت ہوتی ہے کہ اعمال کے احکام کا علم ہو۔ یعنی جب نماز کا وقت آئے گا تو اس پر نماز کے احکام و مسائل سکھنا واجب ہوگا۔ جب رمضان آئے گا تو روزے کے احکام معلوم کرنا اس کے لئے ضروری ہوگا۔ اگر خدا نے اسے مالی وسعت دی ہے اور صاحب نصاب ہے تو زکوٰۃ کے مسائل جاننا ضروری ہوگا، جب شادی کی تو بیوی کو گھر میں لایا تو حیض و نفاس کے مسائل طلاق وغیرہ اور ایسی چیزیں جن کا تعلق میاں بیوی کی باہمی زندگی اور ان کے تعلقات سے ہے ان کا علم حاصل کرنا واجب ہوگا۔

اسی طرح تجارت و زراعت اور خرید و فروخت کے احکام و مسائل سکھنا بھی واجب ہوگا گویا زندگی کا کوئی شعبہ ہو خواہ اعتقادات ہوں یا عبادات، معاملات ہوں یا تعلقات، تمام چیزوں کی بصیرت حاصل کرنا اور ان کو جاننا سکھنا اس پر فرض ہوگا، اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کی وجہ سے وہ ہر جگہ حدود شریعت سے تجاوز کرتا رہے گا اور دینی احکام و مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر اس کا ہر فعل و عمل خلاف شریعت ہوگا جس کی وجہ سے وہ سخت گناہ گار ہوگا۔

بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں علم سے مراد علم اخلاص اور آفات نفس کی معرفت ہے۔ یعنی ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ نفس کی تمام برائیوں مثلاً حسد، بغض، کینہ اور کدورت کو پہنچائیں اور ان چیزوں کا علم حاصل کریں جو اعمال خیر کو فاسد کرتی ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم کی مقدس روشنی تو انھیں کے نصیب میں ہوتی ہے جو اس کے اہل ہوتے ہیں اور جن کی صلاحیت طبع کا میلان اس طرف ہوتا ہے نیز جس کی جتنی استعداد و صلاحیت ہوتی ہے اسے علم سے اتنا ہی حصہ ملتا ہے۔ لہذا علم سکھانے میں اس بات کا خیال بطور خاص رکھنا چاہئے کہ جس کی جتنی استعداد ہو اور وہ جس معیار کی صلاحیت رکھتا ہو اسی اعتبار سے اسے علم سکھایا جائے۔ یہ نہ ہونا چاہئے کہ کسی شخص کی استعداد و صلاحیت تو انتہائی کم درجہ کی ہے مگر علم اسے انتہائی اعلیٰ و ارفع سکھایا جا رہا ہو اسی طرح ہر علم کے سکھانے کا موقع و محل ہوتا ہے۔ جو علم جس موقع پر ضروری ہو اور جس علم کا جو محل ہو اس کے مطابق سکھایا جائے۔ مثلاً اگر کوئی شخص عوام اور جہلاء کے سامنے یکبارگی تصوف کے اسرار و معانی اور اس کی باریکیاں بیان کرنے لگے تو انھیں اس سے فائدہ ہوتا تو الگ رہا اور زیادہ گمراہ ہو جائیں گے۔

(۲۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِيهِ مُنَافِقٌ حَسَنٌ سَمِيحٌ وَلَا

فَقَّهٌ فِي الدِّينِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ دو خصلتیں ایسی ہیں جو منافق میں جمع نہیں ہوتیں۔ ایک تو خلق نیک

دوسری دینی سمجھ۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں اس بات کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ یہ دو وصف چونکہ ایسے ہیں جو مخلص مومن ہی کا حصہ ہیں اس لئے ہر

مسلمان کو چاہئے کہ وہ دونوں خصلتوں کو اپنے اندر پیدا کر دے یعنی نیک عادتیں، اچھے اخلاق اور بہترین اوصاف کے جوہر اپنے اندر سمونے اور علم حاصل کر کے دینی سمجھ پیدا کرے۔

علامہ توربشتیؒ فرماتے ہیں کہ ثقہ فی الدین یعنی دینی سمجھ کی حقیقت یہ ہے کہ دل میں دین کی معرفت جاگزیں ہو پھر زبان سے اس کا اظہار ہو اور اس کے مطابق عمل کرے جس کے سبب سے خوف خدا اور تقویٰ حاصل ہو۔

(۲۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ فِي ظَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّى يَرْجِعَ۔

(رواہ الترمذی والدارقطنی)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص گھر سے علم حاصل کرنے کے لئے نکلا تو وہ جب تک کہ (گھر) واپس نہ آجائے خدا کی راہ میں ہے۔“ (ترمذی، دارقطنی)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر ماں باپ کی محبت و شفقت سے منہ پھیر کر اور اپنے گھریلو تمام راجحیں ترک کر کے علم دین حاصل کرنے کے لئے اپنے وطن و شہر سے نکلتا ہے خواہ وہ علم فرض عین ہو یا فرض کفایہ یعنی ضرورت و حاجت سے زیادہ، تو وہ طالب علم مجاہد فی سبیل اللہ کے مرتبہ کا ہوتا ہے جو ثواب خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کو ہوتا ہے وہی ثواب اس طالب کو بھی ملتا ہے، اس لئے کہ جس طرح ایک مجاہد سر کفن باندھ کر محض اس جذبہ سے میدان جنگ میں پہنچتا ہے کہ وہ خدا کے دین کو سربلند کرے اور خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے نام کا بول بالا کرے اسی طرح طالب علم محض اس مقصد کے لئے علم دین حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے تاکہ وہ اپنے نفس کی تمام خواہشات کو ختم کر کے اور کس نفسی اختیار کر کے علم الہی کی مقدس روشنی سے ظلم و جہل کی تمام تاریکیوں کو دور کر دے، خدا کے دین کو تمام عالم میں پھیلانے اور شیطان کے مکر و فریب سے لوگوں کو محفوظ رکھ کر شیطان کو ذلیل و خوار کرے۔ لہذا یہ جب تک علم حاصل کر کے اپنے گھر واپس نہیں آجاتا برابر میدان جہاد کا ثواب حاصل کرتا رہتا ہے۔

پھر اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جب طالب علم حصول علم سے فارغ ہو کر اپنے گھر واپس آجاتا ہے تو اس سے بھی زیادہ مرتبہ اور درجہ پاتا ہے کیونکہ جب وہ تعلیم کو مکمل کر کے لوٹتا ہے تو دنیا میں علم و معرفت کی روشنی پھیلانے، لوگوں کو تعلیم دینے اور انسانی زندگی کو علم و عمل سے کامل کرنے کے لئے ایک مصلح اور معلم کی حیثیت میں آتا ہے جس کی وجہ سے وہ وارث انبیاء کے معزز و مقدس لقب سے نوازا جاتا ہے۔

(۲۳) وَعَنْ سَخْبَوَةَ الْأَزْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ظَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضَى زَوَاةُ التَّوْبَةِ مِثْلُ الْوَادِيَّةِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ ضَعِيفٌ الْإِسْنَادُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالرَّائِزِيُّ يُضَعِّفُ۔

”اور حضرت سخرہ ازدیؒ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص علم طلب کرتا ہے تو وہ اس کے گزرے ہوئے (صغیرہ) گناہوں کے لئے کفارہ ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی ابو داؤد (روایت حدیث میں) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔“

(۲۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ يَسْمَعُهُ حَتَّى يَكُونَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ مومن بھلائی (یعنی علم) سے سیر نہیں ہوتا وہ اس کو سنتا (یعنی حاصل کرتا) ہے یہاں تک کہ اس کی انتہا جنت ہوتی ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: طلب علم، ایمان کا خواہہ ہے چونکہ ایمان نور ہی نور ہے اس لئے وہ علم کو جو نظر الہی ہے پوری طرح سے اپنے اندر جذب کر لینا چاہتا

لے آگم گرای سخرہؒ اور کنیت ابو عبد اللہ ہے آپ ازدی ہیں بعض اسدی بتاتے ہیں

ہے۔ اسی لئے فرمایا جا رہا ہے کہ جب انسان کا قلب و دماغ ایمان کی روشنی سے منور ہو جاتا ہے تو وہ علم و معرفت کے نور سے انسانی معراج کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ جاتا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مومن کا پیٹ علم سے کبھی نہیں بھرتا وہ جوں جوں علم کی بلندیوں پر پہنچتا رہتا ہے اس کی خواہش و تمنا بڑھتی رہتی ہے کہ وہ اس منزل کی آخری حدود تک پہنچ جائے اگرچہ علم کا میدان چونکہ اتنا وسیع ہے کہ اگر انسان اپنی بڑی سے بڑی زندگی کے ساتھ بھی ایک لمحہ گزارے بغیر اس میں دوڑتا رہے تو وہ اس کی انتہائی حدود کو نہیں پہنچ سکتا، مگر اس کے باوجود مومن تمام عمر علم کی تلاش میں رہتا ہے اور وہ عمر کے آخری حصے تک علم کے دامن کو چھوڑنا نہیں چاہتا یہاں تک کہ اس کی زندگی اپنے مقررہ وقت پر آکر ختم ہو جاتی ہے اور وہ علم اس صادق طلب اور بچی دھن کے عوض جس میں وہ زندگی بھر مصروف رہا جنت کی ابدی سعادتوں سے نوازا جاتا ہے۔

در حقیقت اس حدیث میں طالب علم اور اہل علم کے لئے بڑی عظیم بشارت ہے کہ یہ لوگ اس دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوتے ہیں اور رضائے مولیٰ سے ان کا دامن پر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر اہل اللہ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک حصول علم میں منہمک رہے ہیں باوجودیکہ ان کی علمی فضیلت و عظمت انتہائی درجہ کی ہوتی تھی مگر وہ اس سعادت کے حصول کی خاطر طلب علم میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔

اس سلسلہ میں اتنی بات بھی ذہن میں رکھ لینی چاہئے کہ علم کا دائرہ بہت وسیع ہے اور یہ اپنے بہت سے گوشوں پر حاوی ہے اس لئے وہ حضرات جو تصنیف و تالیف اور تعلیم و تعلم میں مشغول رہتے ہیں وہ بھی دراصل طالب علم میں ہی مشغول ہوتے ہیں اس لئے ان کو بھی طلب علم اور تکمیل علم کا ثواب ملتا ہے اور وہ اسی زمرہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

(۲۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شِئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أَلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ وَآخِذٌ بِأُذُنَيْهِ وَآخِذٌ بِأُذُنَيْهِ - (رواہ ابن ماجہ عن انس)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی گئی جو اسے معلوم تھی مگر اس نے چھپایا (یعنی بتایا نہیں) تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔ ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔“ (ابو داؤد، ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں ایسے عالم کے بارے میں وعید بیان کی جا رہی ہے جو نبی باتیں معلوم ہونے کے باوجود لوگوں کو نہیں بتاتا اور سائل کو جواب نہیں دیتا۔ مگر یہ وعید ایسے علم کے بارے میں ہے جس کی تعلیم ضروری اور واجب ہو۔ مثلاً کوئی شخص اسلام لانے کا ارادہ کرے اور کسی عالم سے کہے کہ اسلامی تعلیمات سے مجھے آگاہ کرو اور بتاؤ کہ اسلام کیا چیز ہے یا وہ نماز کے وقت عالم سے پوچھتا ہے کہ نماز کے جو احکام و مسائل ہیں ان سے مجھے آگاہ کرو، یا کسی حلال و حرام چیز کا کوئی فتویٰ معلوم کرنا چاہتا ہے تو ان سب چیزوں کا جواب دینا اور جہاں تک اسے معلوم ہوں صحیح صحیح بات بتانا عالم کے لئے ضروری اور واجب ہے۔ البتہ نوافل و مباح چیزوں کے بارے میں یہ حکم نہیں ہوگا۔

(۲۶) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُشَارِيَ بِهِ الشُّفَهَاءَ أَوْ لِيُصْرِفَ بِهِ وَجْهَهُ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ وَآخِذٌ بِأُذُنَيْهِ وَآخِذٌ بِأُذُنَيْهِ حَاجَّةٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ -

”اور حضرت کعب ابن مالکؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے علم کو اس غرض سے حاصل کیا کہ اس کے ذریعے علماء پر فخر کرے، بیوقوفوں سے جھگڑے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ میں داخل کرے گا۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: علم اپنی لطافت اور نورانیت کے سبب ریاکاری، خود نمائی، غرور و تکبر اور بے جا فخر و مباہات کی غلاظتوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ جب علم کی اولین کرن لگی چاہتی ہے کہ وہ انسان کے دل و دماغ سے ظلم و جہل کی ہر تار کی کو دور کر دے تو یہ کیسے برداشت کیا جاسکتا ہے کہ ایک عالم جس کے دماغ میں علم کی مقدس روشنی بھری ہو، ان غیر اسلامی و غیر اخلاقی چیزوں کا مظاہرہ کرے۔ علم کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایک انسان تہذیب و شرافت اور تعلیم و ترقی کی انتہائی بلندیوں پر ہونے کے باوجود بھی سراپا انکسار متواضع بنائے، ریاکاری و خود نمائی سے الگ رہے اور اخلاق و احسان کی زندگی اختیار کئے رہے۔

اس لئے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی علم محض دنیوی منفعت اور ذاتی وجاہت و عزت کی خاطر حاصل کرتا ہے۔ اگر اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ علم حاصل کرنے کے بعد لوگ ہماری طرف متوجہ ہوں، عوام پر اپنی علم دانی کا سکھ جھاکر ان سے مال و دولت حاصل کیا جائے علم کو دنیا کے کاروبار اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے آلہ کار بنایا جائے اور نہ صرف یہ بلکہ علم حاصل کرنے کے بعد وہ علماء حق کے ساتھ غرور و تکبر کا معاملہ کرتا ہے، جاہلوں سے خواہ مخواہ الجھتا رہتا ہے، لوگوں کے سامنے بے جا فخر و مباہات کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تو ایسے عالم کو کان کھول کر سن لینا چاہئے کہ چاہے وہ دنیاوی اعتبار سے اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائے اور تقدیر الہی اس کی خواہشات اور اغراض کی تکمیل کر دے مگر آخرت میں اس کی نیت کے اس کھوٹ کی وجہ سے اس سے سخت باز پرس ہوگی وہاں نہ اس کا علم کام آئے گا اور نہ اس کی سیادت و وجاہت بلکہ اس کو اس عدم اخلاص کی سزایں بطور بھگتی ہوگی کہ اسے جہنم کے شعلوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔

ہاں، ایسا شخص جو پہلے اپنی نیت میں مخلص تھا، اس کے ارادہ میں کسی قسم کا کوئی کھوٹ نہیں تھا اور اس کا مقصد حاصل کرنے سے محض اعلاء کلمۃ اللہ اور رضائے مولیٰ تھا مگر بعد میں بتقصاضائے فطرت و انسانی جبلت اس کی نیت میں کھوٹ پیدا ہو گیا اور اس میں نمود و نمائش اور ریاکاری کا اثر ہو گیا تو وہ اس حکم میں داخل نہیں ہو گا کیونکہ اس معاملہ میں بہر حال وہ معذور ہے۔

(۲۷) وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يَنْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللَّهِ لَا يَتَغَلَّضْهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْنِي رِجْحَهَا۔ (رواہ احمد والبوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس نے اس علم کو جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کی جاتی ہے، اس غرض سے سیکھا کہ وہ اس کے ذریعہ دنیا کی متاع حاصل کرے تو قیامت کے دن سے اسے جنت کی خوشبو بھی میسر نہیں ہوگی۔“

(احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: جو کوئی علم دین محض اس لئے حاصل کرے کہ اس کے ذریعہ دنیا کی دولت و عزت سمیٹے اور اسے حصول دنیا کے لئے وسیلہ بنائے تو اس کے لئے یہ وعید بیان فرمائی جا رہی ہے۔

ہاں اگر علم دینی نہ ہو دنیاوی ہو تو اس کو اس مقصد کے لئے کہ اسے حصول دنیا کے لئے وسیلہ اور ذریعہ معاش بنالیا جائے گا حاصل کرنا کوئی برا نہیں ہے لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ وہ علم ایسا نہ ہو جس کے حصول کو شریعت درست قرار نہیں دیتی۔ مثلاً علم نجوم وغیرہ یا دوسرے ایسے علوم جو عقیدہ و عمل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں یہ کہنا کہ ایسا عالم جس کی نیت حصول علم کے سلسلہ میں خالصانہ نہ ہو اسے جنت کی خوشبو بھی میسر نہیں آئے گی، یہ کہنا یہ ہے بہشت میں عدم دخول سے اور مبالغہ ہے محرومی جنت میں اور اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص مخلص اور مقرب بندوں کے ہمراہ، بغیر عذاب کے جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(۲۸) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَاتِي فَحَفِظَهَا وَوَعَاَهَا وَأَدَّاهَا فَوَبَّ حَامِلٌ فَقِيهٌ وَوَبَّ حَامِلٌ فَقِيهٌ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ۔ ثَلَاثٌ لَا يَغْلُ عَلَيْهِمْ قَلْبُ مُسْلِمٍ، إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلَّهِ وَالتَّصِيحَةُ لِلْمُسْلِمِينَ وَلِزُومِ جَمَاعَتِهِمْ فَإِنْ دَعَوْهُمْ تُحِيطُ مِنْ وَرَائِهِمْ زَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالتَّبَهُّقِيُّ فِي

الْمَذْخَلُ وَزَوَّاهُ أَحْمَدُ وَالتَّزْمِذِيُّ وَأَبُو ذَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ إِلَّا أَنَّ التَّزْمِذِيَّ وَأَبَا ذَاوُدَ لَمْ يَذْكُرَا ثَلَاثَ لَا يَفْعَلُ عَلَيْهِنَّ إِلَى الْخَبَرِ۔

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس بندہ کو تازہ رکھے (یعنی اس کی قدر و منزلت بہت کافی ہو اور اسے دین و دنیا کی خوشی و مسرت کے ساتھ رکھے) جس نے میری کوئی بات سنی اور اسے یاد رکھا اور ہمیشہ یاد رکھا اور اس کو جیسا سنا ہو ہو لوگوں تک پہنچایا۔ کیونکہ بعض حاملِ نقد (یعنی علمِ دین کے حامل) فقیہ (یعنی سمجھ دار) نہیں ہوتے اور بعض حاملِ نقد ان لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ (سمجھ دار) ہوتے ہیں۔ اور تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا۔ ایک تو عملِ خاص طور پر خدا کے لئے کرنا، دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنا اور تیسرے مسلمانوں کی جماعت کو لازمِ پکڑنا۔ اس لئے کہ جماعت کی دعا ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔“ (شافعی، بیہقی، رد مدخل)

تشریح: مطلب یہ کہ حدیث کو محفوظ اور یاد رکھنے والے بعض تو ایسے ہوتے ہیں جو خود زیادہ سمجھ دار نہیں ہوتے اور بعض سمجھ رکھتے ہیں لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ جس کے سامنے حدیث بیان کرتے ہیں وہ ان سے زیادہ سمجھ رکھتا ہے لہذا چاہئے کہ حدیث جس طرح سنی جائے اسی طرح دوسروں تک اسے پہنچایا جائے تاکہ جس کو حدیث پہنچانی جارہی ہے اور جس کے سامنے بیان کی جارہی ہے وہ حدیث کا مطلب بخوبی سمجھ لے۔ اس حدیث کس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ راویان حدیث کو چاہئے کہ وہ حدیث کو جن الفاظ میں سنیں بعینہ انہیں الفاظ میں نقل کریں۔

”یَعْلَمُ“ اگر یاء کے زیر اور غین کے زیر کے ساتھ ہو تو اس کے معنی حقد یعنی کینہ کے ہوتے ہیں اور اگر یاء کے پیش اور غین کے زیر کے ساتھ ہو یا حرفِ یاء کے زیر اور غین کے پیش کے ساتھ ہو تو اس کے معنی خیانت کے ہو جاتے ہیں چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ مؤمن ان تین چیزوں میں خیانت نہیں کرتا یعنی مؤمن کے اندر یہ تینوں چیزیں ضرور پائی جاتی ہیں اور جب مؤمن سے یہ تینوں اعمال صادر ہوتے ہیں تو اس میں کینہ داخل نہیں ہوتا کہ وہ اسے ان چیزوں سے منحرف کر دے۔

”خلوص عمل“ کا مطلب اور اس کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ بندہ جو عمل کرے وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضاء کے لئے کرے۔ اس کے علاوہ اس کا مقصد کوئی دوسرا نہ ہو، نہ کوئی دنیوی غرض ہو اور نہ کوئی اخروی منفعت صرف رضائے مولائی سامنے ہو اور وہی حاصل مقصد پھر اس میں بھی دو درجے ہو جاتے ہیں۔ عام لوگوں کا جو خلوص عمل ہوتا ہے وہ خاص یعنی اہل اللہ کے خلوص عمل سے کمتر درجہ کا ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی ریاضت و مجاہدہ اور تعلق مع اللہ کی بنا پر خلوص کی انتہائی بلندیوں تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کا طریقہ یہ ہے کہ حق المقدور اپنے دوسرے بھائیوں کو خیر و بھلائی کی نصیحت کرتا رہے اور انھیں سیدھی راہ پر لگانے کی کوشش کرتا رہے، نیز دنیاوی اعتبار سے ان کی امداد و اعانت کرے اور ان کی ہر مشکل میں خبر گیری رکھے۔

”مسلمانوں کی جماعت کو لازمِ پکڑنے“ کے معنی یہ ہیں کہ زندگی کے ہر مرحلہ پر اجتماعیت کے اصول پر کار بند رہے اور اپنے آپ کو کبھی انفرادیت کی راہ پر نہ ڈالے، علماء دین اور علمائے اُمت کے متفقہ عقائد صحیحہ اور اعمالِ صالحہ کی موافقت کرتا رہے اور ان کے ساتھ رہے۔ مثلاً نماز جمعہ اور جماعت وغیرہ میں ان لوگوں کے ہمراہ رہ کر اجتماعیت کو فروغ دے تاکہ اسلامی طاقت و قوت میں بھی اضافہ ہو اور رحمتِ خداوندی کے نزول کا سبب بھی ہو کیونکہ جماعت پر خدا کی رحمت ہوتی ہے۔

لفظِ مِنْ وَرَائِهِمْ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں میم کے زیر کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں زیر کے ساتھ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کے لئے جماعت کو مسلمانوں کی دعا گھیرے ہوئے ہے جس کی بنا پر وہ شیطان کی گمراہی سے بچتے ہیں۔ اس میں اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ جو کوئی علمائے دین اور صلحاء اُمت کی جماعت سے اپنے آپ کو الگ کر لیتا ہے اس کو نہ جماعت کی برکت میسر ہوتی ہے اور نہ مسلمانوں کی دعا حاصل ہوتی ہے۔

(۲۹) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ نَصَرَ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مِنْ شَيْئَانِ فَلْيَلْغُهُ كَمَا سَمِعَهُ فَوَثَّ مَبْلَغٌ أَوْغَى لَهُ مِنْ سَامِعٍ زَوَاهُ التَّزْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ۔

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تازہ رکھے (یعنی خوش اور باعزت رکھے) جس نے مجھ سے کوئی بات سنی اور جس طرح سنی تھی اسی طرح اس کو پہنچا دیا چنانچہ اکثر وہ لوگ جنہیں پہنچا دیا جاتا ہے سنے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ (ترمذیؒ ابن ماجہؒ) اور دارمیؒ نے اس حدیث کو ابوداؤد سے روایت کیا ہے۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ کی مقدس احادیث کو سننا، ان کے احکام پر عمل کرنا اور ان احادیث کو دوسرے لوگوں تک پہنچانا سعادت و برکت اور دین و دنیا میں فلاح و کامیابی کا ذریعہ ہے اس پر پوری اُمت کا عقیدہ و ایمان ہے کہ احادیث نبویؐ کی تعلیم و تعلم دونوں جہان کی خوش نصیبی اور رضائے الہی کا سبب ہے لیکن اس کے باوجود علماء لکھتے ہیں کہ اگر حدیث کے حاصل کرنے، اس کے یاد رکھنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے میں اگر بغرض محال کوئی فائدہ نہ ہوتا تو احادیث کی عظمت و رفعت کی بنا پر دین و دنیا دونوں جگہ حصول برکت و رحمت کے لئے آنحضرت ﷺ کی یہ مقدس دعائی کافی ہوتی۔

(۳۰) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الْحَدِيثَ عَنِّي الْأَمَّا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَدًّا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ زَوَاهُ التَّزْمِذِيُّ وَزَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ وَجَابِرٍ وَلَمْ يَذْكُرْ اتَّقُوا الْحَدِيثَ عَنِّي الْأَمَّا عَلِمْتُمْ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میری جانب سے حدیث بیان کرنے سے بچو مگر اس حدیث کو بیان کر دیجے تم (ج) جانو۔ چنانچہ جس شخص نے (جان کر) مجھ پر جھوٹ بولا اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔ (ترمذیؒ) اور ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے اور (حدیث کے پہلے جزء) میری جانب سے حدیث بیان کرنے سے بچو تم جانو کا ذکر نہیں کیا ہے۔“

تشریح: مقصد یہ ہے کہ حدیث کے بیان کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے اور جس حدیث کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو کہ واقعی یہ حدیث آپ ﷺ ہی کی ہے اسے لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہئے۔ انہی احادیث کو بیان کرنا چاہئے جن کے بارے میں یقین یا ظن غالب کے ساتھ یہ معلوم ہو کہ وہ آپ ﷺ ہی کی حدیث ہے تاکہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کی طرف غلط حدیث کی نسبت نہ ہو اور نہ آپ ﷺ کی جانب جھوٹ بات کا انتساب ہو جس پر خدا کی جانب سے سخت عذاب کی قید ہے۔

(۳۱) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بَرَأَيْهِ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بَغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ الترمذیؒ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے قرآن کے اندر اپنی عقل سے کچھ کہا اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا آگ میں تلاش کرے اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جس شخص نے بغیر علم کے قرآن میں کچھ کہا اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔“ (ترمذیؒ)

تشریح: جس طرح حدیث بیان کرنے میں احتیاط سے کام لینے کی ہدایت کی گئی ہے اسی طرح قرآن کا ترجمہ کرنے اور اس کی تفسیر بیان کرنے کے بارے میں بھی اسی احتیاط سے کام لینے کی ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ آیات کی وہی تفسیر بیان کی جائے جو احادیث سے ثابت اور علماء اُمت سے منقول ہوا ہو اور جس پر نقلاً سند موجود ہو۔ یہ نہ ہونا چاہئے کہ آیتوں کی تفسیر اور ان کے مطالب و مقاصد بیان کرنے میں اپنی عقل اور رائے کو دخل دیا جائے کیونکہ اس طرح قرآن کے معنی و مضمون میں فرق پیدا ہو جاتا ہے جو عذاب خداوندی کا موجب ہے۔

(۳۱) وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَاصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ.

(رواہ الترمذی والبوداؤی)

”اور حضرت جندبؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور وہ حقیقت و واقع کے مطابق بھی ہو تو اس نے تب بھی غلطی کی۔“ (ترمذی والبوداؤی)

تشریح: یعنی کسی شخص نے قرآن کی کسی آیت کی ایسی تفسیر بیان کی جو نہ تو احادیث سے ثابت تھی اور نہ علمائے اُمت سے منقول بلکہ محض اپنی عقل و رائے پر بھروسہ کر کے آیت کی تفسیر بیان کر دی مگر اتفاق سے اس کی بیان کردہ تفسیر صحیح اور حقیقت و واقعہ کے بالکل مطابق ہوئی کہ اس سے آیت کے معنی و مطالب میں کوئی غلطی نہیں ہوئی تو اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ بھی اس نے غلطی کی کیونکہ تفسیرِ گو صحیح ہوئی مگر چونکہ اس نے قصداً اپنی عقل اور رائے کو قرآن کی تفسیر میں دخل دیا اور تفسیر کا جو شرعی قاعدہ و طریقہ ہے اس سے انحراف کیا اس لئے وہ بھی خطا کار کے حکم میں شامل کیا جائے گا۔ مجتہد کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ اگر مجتہد اپنے اجتہاد میں غلطی بھی کر جائے تو اس پر نہ صرف یہ کہ کوئی مواخذہ نہیں بلکہ اسے ثواب بھی ملتا ہے۔

”تفسیر“ اسے کہتے ہیں کہ آیت کے جو معنی و مطالب بیان کئے جائیں اس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ آیت کی مراد اور اس کا حقیقی مطلب یہی ہے اور یہ بات سوائے اہل تفسیر کی نقل کے جس کی سند آنحضرت ﷺ تک پہنچی ہو درست نہیں ہے یعنی ایسا یقین اور اطمینان اسی تفسیر پر صحیح ہو گا جو اجلہ علماء اور مستند مفسرین سے منقول ہو کیونکہ انھوں نے وہی معنی و مطالب بیان کئے ہیں جو براہِ راست سرکارِ دو عالم ﷺ سے منقول ہیں اور جو واسطہ بالواسطہ ان تک پہنچے ہیں۔

”تاویل“ اسے کہتے ہیں کہ کسی آیت کے معنی و مطالب بیان کرتے ہوئے بطریقِ احتمال کے یہ کہا جائے کہ میں جو معنی بیان کر رہا ہوں اور آیت کی جو تفسیر کر رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ مراد اصلی یہی ہو۔ یہ چیز درست اور صحیح ہے لیکن یہ بھی جب ہی صحیح ہوگی کہ بیان کردہ تفسیر قواعد عربی اور شرع کے مطابق ہو۔

(۳۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَوَازُ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ۔ (رواہ ابو داؤد و احمد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قرآن میں جھگڑنا کفر ہے۔“ (احمد والبوداؤی)

تشریح: ان لوگوں کا دائرہ کفر کے قریب کر دیا گیا ہے جو قرآن کے معنی و مطالب اور مقاصد و مراود کے تعین میں جھگڑتے رہتے ہیں اور جس کی عقل میں جو آتا ہے اس کو حق اور صحیح سمجھتے ہوئے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نیز ایسے کم فہم لوگوں کو جب ظاہری طور پر قرآن کی آیتوں میں معنی و مقصد کے لحاظ سے فرق نظر آتا ہے تو وہ ان میں سے ایک آیت کو ناقابلِ اعتناء، ناقابلِ قبول اور ناقابلِ استشاد قرار دے کر دوسری آیت کو راجح قرار دے دیتے ہیں۔ گویا اس طرح وہ قرآن ہی کی ایک آیت سے دوسری آیت کو ساقط کر دیتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایسا کرنا شرعی نقطہ نظر سے انتہائی جرم ہے بلکہ ایسی شکل میں جبکہ دو آیتوں میں باہم اختلاف و تضاد نظر آئے تو حتی الامکان دونوں میں تطابق اور توافق پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر کسی کے لئے یہ ممکن نہ ہو تو اسے یہ اعتقاد کر لینا چاہئے کہ یہ میری کم علمی اور بد فہمی کی بنا پر ہے اور حقیقی مفہوم و مراد کا علم اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سونپ دے کہ وہی بہتر جانے والے ہیں۔

مثلاً اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ خیر اور شر سب خدا ہی کی جانب سے ہے اور وہ اپنے اس عقیدہ کی بنیاد اس آیت پر رکھتے ہیں کہ ارشادِ باری ہے۔

لہ آپ کا ہم گرامی جندب ابن عبد اللہ ابن سفیان بجلی غلطی ہے حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ اور زید کے حامیوں میں جو جنگ چل رہی تھی اس وقت یہ جات تھے اس فتنہ کے چاروں بعد آپ کا انتقال ہوا ہے۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ۔

”یعنی (اے محمد ﷺ) فرما دیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔“

اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ اور ان کی دلیل بالکل صحیح اور صاف واضح ہے۔ لیکن اہل قدر اس کی تردید کرتے ہیں اور اس کے برخلاف اپنا عقیدہ یہ قائم کئے ہوئے ہیں کہ خیر کا خالق خدا ہے اور شر کا خالق خدا نہیں ہے اور شر کا خالق خود انسان ہے اور اپنے عقیدہ کی بنیاد اس آیت پر رکھتے ہیں جو بظاہر پہلی آیت کے متضاد ہے یعنی ارشاد ربانی ہے۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ۔

”جو کچھ از قسم نیکی تمہیں پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ از قسم برائی تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی جانب سے ہے۔“

بہر حال اس قسم کے اختلافات اور آیتوں میں تضاد پیدا کرنا منع ہے بلکہ یہ چاہئے کہ اس قسم کی آیتوں میں ایسی آیت پر عمل کیا جائے جس پر مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہو اور دوسری آیت میں ایسی تاویل کی جائے جو شرع کے مطابق ہو، جیسا کہ انھیں دونوں مذکورہ بالا آیت میں دیکھا جائے کہ پہلی آیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ خیر و شر تمام اللہ ہی کی جانب سے ہے اور ہر چیز تقدیر الہی کے مطابق ہی ہوتی ہے اس پر عمل کیا جائے۔

اور دوسری آیت کی یہ تاویل کی جائے کہ دراصل اس آیت کا تعلق ماقبل کی آیت سے ہے کہ اس میں منافقین کی برائی اور ان کا عقیدہ بیان کیا جا رہا ہے کہ ان منافقوں کو کیا ہوا ہے جو کہ اس چیز کو جو صحیح اور واضح ہے نہیں سمجھتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ نیکی و بھلائی تو خدا کی طرف سے ہے اور برائی خود بندہ کے نفس کی جانب سے ہے۔ گویا اس طرح دونوں آیتوں میں تطبیق ہو جائے گی۔ اس طرح دیگر آیتوں میں بھی مطابقت پیدا کی جائے۔

(۳۲) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا يَتَذَارَوْنَ فِي الْقُرْآنِ فَقَالَ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهَذَا۔ ضَرَبُوا كِتَابَ اللَّهِ بَعْضُهُ بِبَعْضٍ وَاتَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللَّهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا فَلَا تُكَلِّبُوا بَعْضُهُ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُولُوا وَمَا جَهِلْتُمْ فَكُلُّوهُ إِلَىٰ عَالِمِهِ۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ)

”حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک جماعت کے بارے میں سنا کہ وہ آپس میں قرآن کے بارے میں بحث کر رہے ہیں اور جھگڑ رہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک تم سے پہلے کے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے انھوں نے کتاب اللہ کے بعض حصہ کو بعض پر مارا (یعنی آیات میں تضاد اور اختلاف ثابت کیا کہ فلاں آیت فلاں آیت کے مخالف ہے اور یہ آیت فلاں آیت کے مخالف ہے) اور بے شک کتاب اللہ کا بعض حصہ بعض کی تصدیق کرتا ہے لہذا تم قرآن کے بعض حصہ کو بعض سے نہ جھٹلاؤ، اور اس کے بارے میں جتنا تم جانتے ہو اس کو بیان کرو اور جو نہیں جانتے ہو اسے جاننے والوں کی طرف

”سوچ دو۔“ (احمد و ابن ماجہ)

تشریح: جیسا کہ اس سے پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ جن لوگوں کا علم ناقص ہوتا ہے اور جن کے ایمان و عقیدہ میں کمزوری اور ذہن و فکر میں کمی ہوتی ہے وہ آیات میں باہم اختلاف پیدا کرتے رہتے ہیں اور آیت کے حقیقی مفہوم و مراد سے ہٹ کر ان کے ناقص ذہن و فکر میں جو مفہوم آتا ہے اسے بیان کرتے ہیں اور پھر اسی طرز پر اپنے نظریات و اعتقادات کی بنیاد بھی رکھ دیتے ہیں جس کی مثال ماقبل کی حدیث میں بیان کی جا چکی ہے۔

اس کے بارے میں یہاں بھی فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں کچھ آیتوں میں اختلاف نظر آئے تو ان میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ

ساقط نہ کرو اور نہ اس کی تکذیب کرو بلکہ جہاں تک تمہارا علم مدد کر سکے ان میں تطبیق پیدا کرو، اگر ایسا نہ کر سکو تو پھر تم بجائے اس کے کہ اس میں اپنی عقل و سمجھ کے تیر چلاؤ اس کے حقیقی معنی و مفہوم کا علم اللہ اور اللہ کے رسول کی جانب سونپ دو، یا پھر ایسے علماء و صلحاء جو علم کے اعتبار سے تم سے اعلیٰ و افضل ہوں اور تم پر فوقیت رکھتے ہیں ان سے رجوع کرو۔

(۳۵) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنزَلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْزَابٍ لِكُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهَرٌ وَبُظُنٌّ وَلِكُلِّ حَدِيثٍ مُطْلَعٌ (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قرآن کریم سات طرح پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے ہر آیت ظاہر ہے اور باطن ہے، اور ہر حد کے واسطے ایک جگہ خبردار ہونے کی ہے۔“ (شرح السنہ)

تشریح: دنیا کی ہر زبان میں فصاحت و بلاغت اور لب و لہجہ کے اعتبار سے مختلف اسلوب اور مختلف لغات ہوتی ہیں۔ اسی طرح عربی زبان کی بھی سات لغات عرب میں مشہور تھیں، اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ قرآن کریم سات طرح یعنی سات لغات پر نازل ہوا ہے۔ اس سات لغات کی تفصیل اس طرح ہے۔ لغت قریش، لغت طے، لغت ہوازن، لغت اہل یمن، لغت ثقیف، لغت ہزئل اور لغت بنی تمیم۔

قرآن کریم سب سے پہلے قریش کی لغت کے مطابق نازل ہوا تھا جو سرکارِ دو عالم ﷺ کی لغت تھی لیکن جب تمام عرب میں اس لغت کے مطابق قرآن کا پڑھا جانا اس لئے دشوار و مشکل ہوا کہ ہر قبیلہ اور ہر قوم کی اپنی ایک مستقل لغت اور زبان کے لب و لہجہ کا الگ الگ انداز تھا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے بارگاہ الوہیت میں درخواست پیش کی کہ اس سلسلہ میں وسعت بخش جائے تو حکم دے دیا گیا کہ ہر شخص قرآن کو اپنی لغت کے مطابق پڑھ سکتا ہے چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ تک اسی طرح چلتا رہا اور لوگ اپنی اپنی لغت کے اعتبار سے قرآن پڑھتے رہے۔

لیکن جب حضرت عثمانؓ نے کلام اللہ کو جمع کیا اور اس کی کتابت کر کر اسلامی سلطنت کے ہر خطہ میں اسے بھیجا تو انہوں نے اسی لغت کو مستقل قرار دیا جس پر حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم اور حضرت عمر فاروقؓ کے مشورہ سے قرآن کو جمع کیا تھا اور وہ لغت قریش تھی، حضرت عثمانؓ نے یہ حکم بھی فرمایا کہ تمام لغات منسوخ کر دی جائیں صرف اکی ایک لغت کو باقی رکھا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے حکم کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ قرآن صرف ایک لغت میں جمع ہو گیا جس سے دنیا کے ہر خطہ کے لوگوں کے لئے آسانیاں ہو گئیں بلکہ اس کی وجہ سے ایک بڑے فتنہ کی بڑ بھی ختم کر دی گئی اور فتنہ یہ تھا کہ لغات کے اختلافات کی وجہ سے مسلمان آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے تھے اور نوبت بانجھار سید کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنی لغت کے خلاف قرآن پڑھتا دیکھتا تو یہ سمجھ کر کہ صرف میرے قبیلہ ہی کی لغت صحیح ہے اسے کافر کہہ دیا کرتا تھا، چنانچہ لغت قریش کے علاوہ جس پر قرآن نازل ہوا تھا بقیہ تمام لغات ختم کر دی گئیں اور اگر کوئی لغت باقی بھی رہی تو وہی رہی جس پر صحابہ کا اتفاق رہا اور جو سند متصل اور تواتر کے ساتھ آخر میں قراء سبعہ تک پہنچی اس کے علاوہ لغت میں کمر یعنی مالہ وادغام وغیرہ کا اختلاف بھی باقی رہا جو آج تک قراء سبعہ میں موجود ہے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ قرآن سات طرح پر نازل ہوا ہے تو سات طرح سے مراد وہ سات قراءتیں ہیں جو قراء سبعہ پڑھتے ہیں، پھر علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگرچہ قراءتیں سات سے زیادہ ہیں لیکن یہاں سات کی تحدید اس لئے کی گئی ہے کہ اختلاف کی بھی سات ہی قسمیں ہیں جن کی طرف یہ سات قراءتیں راجع ہیں۔ جیسے ① کلمہ کی ذات میں اختلاف یعنی کلمہ میں کمی و زیادتی میں۔ ② جمع اور مفرد کا اختلاف ③ مذکر اور مؤنث کا اختلاف ④ صرفی اختلاف یعنی تخفیف و تشدید اور فتح و کسر وغیرہ کا اختلاف جیسے مَبْتُت اور مَبْتٌ، يَغْنُظُ اور يَغْنُظُ ⑤ اعراب کا اختلاف ⑥ حروف کا اختلاف جیسے لَكِنَّ الشَّيْطَانِ میں لون کی تشدید اور تخفیف ⑦ اور اسکی لغات کا اختلاف جیسے تفخیم اور امالہ وغیرہ۔

حدیث کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ ہر آیت کا ظاہر ہے اور باطن ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر آیت کے ایک ظاہری معنی ہیں جو تمام اہل زبان سمجھتے ہیں اور ایک باطنی معنی ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے وہی بندگان خاص سمجھتے ہیں جن کے قلب و دماغ معرفت کی روشنی سے بھرپور ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا گیا ہے کہ ہر حد کے واسطے ایک جگہ ضرور ہونے کی ہے حد کے معنی طرف اور نہایت کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہر ایک ظاہر اور باطن کی ایک حد اور نہایت ہے اور حد و نہایت کے لئے ایک مطلع یعنی ایسا مقام ہے جس پر پہنچنے اور اس کے حاصل کرنے کے بعد آدمی اس حد اور نہایت پر مطلع ہوتا ہے۔

چنانچہ ظاہر کا مطلع یعنی وہ مقام جس پر پہنچ کر حد اور نہایت معلوم ہوتی ہے، یہ ہے کہ عربی زبان اور اس کے اصول و قواعد سیکھے جائیں، علم صرف و نحو حاصل کیا جائے کہ قرآن کے ظاہری معنی انہیں سے متعلق ہیں، نیز ہر آیت کا شان نزول اور ناخ و منسوخ کا علم حاصل کرے، یا اسی طرح وہ دوسری چیزیں ہیں جن پر قرآن کے ظاہری معنی کے سمجھنے کا انحصار ہے۔

باطن کا مطلع یہ ہے کہ ریاضت و مجاہدہ کیا جائے، قرآن کے ظاہری معنی اور ان کے احکام کا اتباع اور ان پر عمل کیا جائے نفس کو تمام برائی اور گناہ و معصیت سے پاک و صاف کیا جائے دل کو عبادت خداوندی اور رضائے الہی کے نور سے جلا بخشی جائے وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے حصول کے بعد قرآن کے باطنی علوم اور اس کے اصرار و معارف کا قلب انسان پر انکشاف ہوتا ہے۔

امام محی السنۃ نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ حدیث کے الفاظ ”ظہر“ سے مراد قرآن کے الفاظ ہیں اور ”بطن“ سے مراد الفاظ کی تاویل ہے۔ ”مطلع“ سے مراد فہم یعنی وہ سمجھ ہے جس کی وجہ سے قرآن کے اندر غور و فکر کرنے والے پر قرآن کے جن علوم و معنی اور تاویل کا انکشاف ہوتا ہے وہ دوسروں پر نہیں ہوتا۔

(۳۱) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْعَلِمَ فَلَانَّةُ آيَةٍ مُحْكَمَةٌ أَوْ سَنَّةُ قَائِمَةٍ أَوْ فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَا كَانَ يَسُوعَى ذَلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ - (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

”حضرت عبد اللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ علم تین ہیں ① آیت محکم (یعنی مضبوط)۔ ② سنت قائمہ ③ فریضہ عادلہ۔ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زائد ہے۔“ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دین کے علم تین ہیں، یا یہ کہ علم دین کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ ”آیت محکم“ وہ آیتیں ہیں جو مضبوط اور غیر منسوخ ہیں، اس سے کتاب اللہ کی طرف اشارہ ہے جو کہ اصل قرآن آیات محکمات ہی ہیں اس لئے یہاں صرف انہیں کو ذکر کیا گیا ہے اور وہ دوسرے علوم جو اس کے لئے وسیلہ ہیں وہ بھی اس کے ساتھ متعلق ہیں۔ ”سنت قائمہ“ یعنی وہ حدیث جو متن اور اسناد کی مخالفت کے ساتھ ثابت ہیں۔

”فریضہ عادلہ“ سے اشارہ ہے قیاس اور اجماع کی طرف جو کتاب و سنت سے مستنبط ہوتا ہے۔ اس کو فریضہ اس لئے کہا گیا ہے قیاس و اجماع پر بھی عمل کرنا اسی طرح واجب ہے جس طرح کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ پر چنانچہ ”عادلہ“ کے معنی یہ ہیں کہ ایسا فریضہ جو کتاب و سنت کے مثل اور عدیل ہے۔

بہر حال حدیث کی توضیح یہ ہوئی کہ دین کے اصول چار ہیں جس پر دین و شریعت کی پوری بنیاد ہے۔ ① کتاب یعنی قرآن مجید ② سنت یعنی احادیث ③ اجماع ④ قیاس اور اس کے علاوہ جو بھی علم ہو گا وہ زائد اور دینی حیثیت سے بے معنی ہو گا۔

(۳۲) وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْضَى إِلَّا أَمِيرٌ أَوْ مَاثُورٌ أَوْ مُخْتَالٌ - زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ زَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ وَ فِي رِوَايَةٍ أَوْ مَرَأٍ بَدَلٍ أَوْ مُخْتَالٍ -

”اور حضرت عوف بن مالک اشجیؓ راوی ہیں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین آدمی قصہ بیان کریں گے، حاکم یا محکوم یا تکبر کرنے والا۔ اور داریؓ نے اس حدیث کو عمرو بن شعیبؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے اور داریؓ کی روایت میں لفظ ”مختال“ یعنی تکبر کرنے والا کی بجائے ”او مرءاء“ (یار یا کار) ہے۔“

تشریح: قصہ بیان کرنے سے مراد وعظ و نصیحت کرنا اور حکایات و قصص بیان کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وعظ و تقریر عموماً تین آدمی کرتے ہیں ان میں سے دو حق پر ہیں یعنی حاکم و محکوم۔ ان ہی لوگوں کو وعظ بیان کرنا چاہئے۔ تیسرا شخص متکبر ہے اس کو وعظ نہیں کہنا چاہئے کیونکہ وہ وعظ کہنے کا اہل نہیں ہے۔

گویا حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ وعظ کہنا اولیٰ تو امیر یعنی حاکم کا حق ہے کیونکہ وہ رعیت پر سب سے زیادہ مہربان ہوتا ہے۔ اور رعایا کی اصلاح کے امور کو بخوبی جانتا ہے۔ اگر حاکم خود وعظ نہ کہے تو علماء میں سے جو عالم تقویٰ و تقدس میں سب سے افضل و اعلیٰ ہو اور دنیاوی طمع نہ رکھتا ہو، وہ اسے مقرر کرے گا تاکہ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتا رہے، لہذا ”مامور“ سے مراد ایک تو وہ عالم ہو گا جس کو حاکم وقت نے رعایا کی اصلاح کے لئے مقرر کیا ہو یا مامور سے مراد دوسرا وہ شخص ہے جو سناخدا اللہ مخلوق کی ہدایت اور اصلاح کے لئے مامور کیا گیا ہو، جیسے علماء اور اولیاء اللہ جو لوگوں کے سامنے وعظ بیان کیا کرتے ہیں اور مخلوق خدا کی اصلاح و ہدایت میں لگے رہتے ہیں۔ لہذا اس حدیث سے ایسے لوگوں پر زبرد تو بیخ مقصود ہے جو طلب جاہ اور دولت کی خاطر وعظ بیان کیا کرتے ہیں حالانکہ نہ وہ علمی حیثیت سے اس عظیم منصب کے اہل ہوتے ہیں اور نہ عملی طور پر وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ لوگوں کی اصلاح کر سکیں۔ وعظ بیان کرنا صرف انہی دو آدمیوں کا حصہ ہے اور ان کی اس کے مستحق اور اہل ہیں۔ ان کے علاوہ جو وعظ بیان کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ ازراہ فخر و تکبر اور حصول جاہ و منفعت کی خاطر یہ کام کر رہا ہے جو عذاب خداوندی کا باعث ہے۔

(۲۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ الْإِمْنَةُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ وَمَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِأَمْرٍ نَعَلِمُ أَنَّ الرُّشْدَ بَيْنَ غَيْرِهِ فَقَدْ خَانَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا ہو گا تو اس کا گناہ اس شخص پر ہو گا جس نے اس کو (غلط) فتویٰ دیا ہے اور جس شخص نے اپنے بھائی کو کسی ایسے کام کے بارے میں مشورہ دیا جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ اس کی بھلائی اس میں نہیں ہے تو اس نے خیانت کی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مثلاً ایک جاہل آدمی کسی عالم کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آیا عالم نے سائل کو اس کے سوال کا صحیح جواب نہیں دیا بلکہ کم علمی یا کسی دوسری وجہ سے غلط مسئلہ بتا دیا۔ اس جاہل نے یہ نہ جانتے ہوئے کہ یہ مسئلہ غلط ہے۔ اس پر عمل کر لیا تو اس کا گناہ اس جاہل آدمی پر نہیں ہو گا بلکہ اس عالم پر ہو گا جس نے اسے غلط مسئلہ بتا کر غلط عمل کرنے پر مجبور کیا لیکن شرط یہ ہے کہ عالم نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی ہو۔

حدیث کے دوسرے جز کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے کسی بھائی کی بدخواہی اس طرح چاہی کہ اسے اس چیز کا مشورہ دیا جس کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ اس کی بھلائی اس میں نہیں ہے بلکہ دوسرے امر میں ہے تو یہ اس کی خیانت ہے وہ اپنے غیر اخلاقی و غیر شرعی عمل کی بنا پر خائن کہلائے گا۔

(۲۹) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْأَغْلُوْطَاتِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”امام گرامی عوف بن مالک اشجیؓ نے کثرت ابوجہر الرحمن سے روایت کی ہے۔ بعض حضرات نے ابوجہد اور بعض نے عمرو بھی لکھا ہے۔ دمشق میں ۷۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔ (اسد الغابہ)

”اور حضرت امیر معاویہؓ کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مغالطہ دینے سے منع فرمایا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس ارشاد کا مقصد اس چیز پر تنبیہ ہے کہ علماء سے ایسے مسائل نہ پوچھے جائیں جو مشکل اور پیچیدہ ہونے کی وجہ سے انھیں مغالطہ میں ڈال دیں یا جن سے مسائل کا مقصد ہی علماء کو پریشان کرنا اور ان کو مغالطہ میں ڈالنا ہو اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض حضرات جن کے قلب و دماغ علماء کی عزت و عظمت سے خالی ہوتے ہیں وہ انھیں آزمائش میں ڈالنے یا لوگوں کے سامنے ان کی ہتک کرانے کے لئے ان کے سامنے ایسے مسائل بنانا کر پیش کرتے ہیں جن میں وہ چکرا جاتے ہیں اور مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ابتداءً ایسا سوال کیا تو یہ حرام ہے کیونکہ اس سے ایک مؤمن کی انذار سانی اور ذہنی تکلیف کا سامان فراہم ہوتا ہے، نیز یہ فتنہ و فساد اور عداوت و نفرت کا سبب ہے، دوسرے یہ کہ ایسے مواقع پر ازراہ فخر و تکبر اپنی فضیلت و تقابلیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزیں حرام ہیں۔

لیکن اگر ایسی شکل ہے کہ دوسرے نے اس سے ایسا سوال کیا اور اس نے اس کے جواب میں الزامات ایسا ہی سوال کیا تو یہ حرام نہیں ہے۔

(۴۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَاعْلَمُوا النَّاسَ فَإِنَّهُ مَقْبُورٌ حَقٌّ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم قرآن (یعنی فرض چیریں یا علم قرآن) اور قرآن کریم سیکھ لو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ اس لئے کہ میں قبض کیا جاؤں گا (یعنی اس عالم سے اٹھایا جاؤں گا)۔“ (ترمذی)

(۴۱) وَعَنْ أَبِي الدُّدَّا قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَخَّصَ بِنَصْرِهِ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ هَذَا أَوَّانٌ يُخْتَلَسُ فِيهِ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتَّى لَا يَقْدِرُوا عَلَيْهِ عَلَى شَيْءٍ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو دودہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ آپ ﷺ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا۔ یہ وقت ہے کہ علم آدمیوں میں سے جاتا رہے گا، یہاں تک کہ وہ علم کے ذریعہ کسی چیز پر قدرت نہ رکھیں گے۔“ (ترمذی)

تشریح: یہاں علم سے مراد وحی ہے اور اشارہ ہے اپنی وفات کی طرف یعنی آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی گویا آپ ﷺ وحی کے منظر تھے۔ چنانچہ بارگاہ الوہیت سے وحی نازل ہوئی اور خبر دے دی گئی کہ اب آپ ﷺ کی اجل آگئی ہے اور آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو کر دامنِ حق ہونے والے ہیں اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ وقت آگیا ہے کہ اس دنیا سے وحی منقطع ہو جائے گی۔

(۴۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَوَاهُ أَبُو يُونُسَ أَنَّ النَّاسَ أَكْبَادُ الْإِبِلِ يَطْلُبُونَ الْعِلْمَ فَلَا يَجِدُونَ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْ عَلَامِ الْمَدِينَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي جَامِعِهِ قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ أَنَّهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَمِثْلُهُ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَقَالَ اسْحَقُ بْنُ مُوسَى وَسَمِعْتُ ابْنَ عُيَيْنَةَ أَنَّهُ قَالَ هُوَ الْعَصْرُ الرَّاهِدُ وَاسْمُهُ عَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایہ منقول ہے کہ وہ زمانہ قریب ہے جبکہ لوگ علم حاصل کرنے کے لئے اونٹوں کے جگر کو پھاڑا لیں گے لیکن مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم کسی کو نہیں پائیں گے۔“ (ترمذی) اور جامع ترمذی میں ابن عیینہؒ سے منقول ہے کہ مدینہ کے وہ عالم مالک ابن انسؒ ہیں اور عبد الرزاقؒ نے بھی یہی لکھا ہے اور اسحق ابن موسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے ابن عیینہؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مدینہ کا وہ عالم عمری زہد ہے (یعنی وہ حضرت عمر فاروقؓ کے خاندان سے ہے جن کا نام عبد العزیز بن عبد اللہ ہے)۔“ (ترمذی)

تشریح: ”روایہ منقول“ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے تو یہ حدیث آنحضرت ﷺ سے مرفوعاً ہی روایت کی ہے۔ لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد کو حضرت ابو ہریرہؓ کے الفاظ چونکہ یاد نہیں رہے اس لئے انھوں نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا۔

”اونٹوں کے جگر کو پھانسنے“ کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگوں کے درمیان علم کا چرچہ بڑھے گا اور حصول علم کا شوق افزوں ہو گا تو لوگ دور دراز کا سفر کریں گے اور علم کی خاطر دنیا بھر کی خاک چھانٹتے پھریں گے، ایسا کہ در علم تک جلد پہنچ جانے کے لئے اونٹوں کو تیزی سے چلائیں گے اور تیز گامی کے ساتھ علم کی منزل مقصود تک پہنچیں گے۔

حدیث کے الفاظ کے مصداق میں کلام ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ مدینہ کے عالم سے زیادہ کوئی بڑا عالم نہیں ملے گا تو مدینہ کے عالم سے کون مراد ہے؟

حضرت سفیان بن عیینہ جو حضرت امام مالکؒ کے اصحاب اور حضرت امام شافعیؒ کے شیوخ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے مراد حضرت امام مالکؒ کی ذات محترمہ ہے۔ اسی طرح حضرت عبدالرزاق جو حدیث کے جلیل القدر اور مشہور امام ہیں یہی فرماتے ہیں کہ حدیث میں جس ”عالم مدینہ“ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد حضرت امام مالکؒ ہی ہیں۔

لیکن حضرت ابن عیینہ کے ایک شاگرد حضرت اسحاق بن موسیٰؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عیینہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”عالم مدینہ سے مراد حضرت عمری زاہد ہیں۔“ جن کا ام گرامی عبدالعزیز بن عبداللہ ہے۔ چونکہ یہ حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہیں اس لئے عمری کہا جاتا ہے اور ”زاہد“ ان کی صفت ہے اس لئے کہ یہ اپنے زمانہ میں مدینہ کے ایک جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے پائے کے زاہد و متقی شخص تھے ان کا نسب اس طرح ہے۔ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمرو بن حفص بن عاصم بن عمر فاروقؓ۔

بہر حال امام ترمذیؒ نے یحییٰ کے واسطے سے ابن عیینہ کا جو قول نقل کیا ہے وہ اس قول کے مخالف ہے جو ابن عیینہ سے اسحاق بن موسیٰ نقل کرتے ہیں اس طرح حضرت ابن عیینہ کے اقوال میں اختلاف ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے عیینہ سے جو قول نقل کیا ہے وہ باعتبار ظن کے ہے یقینی اور حتمی طور پر ان لوگوں نے نقل نہیں کیا ہے۔

یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد صحابہ اور تابعین کے دور کے اعتبار سے ہے کہ ان کے زمانوں میں مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم کسی دوسری جگہ نہیں ہو گا۔ کیونکہ صحابہ اور تابعین کے بعد جب علم کی مقدس روشنی مدینہ سے نکل کر اطراف عالم میں پھیلی تو اس کے نتیجہ میں دیگر ممالک اور دوسرے شہروں میں ایسے ایسے عالم و فاضل پیدا ہوئے جو اپنے علم و فضل اور دینی فہم و فراست کے اعتبار سے مدینہ کے عالموں سے بڑھے ہوئے تھے۔

اس حدیث کے ظاہری معنی جو ارشاد نبوی ﷺ سے زیادہ قریب اور انسب ہیں یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا مقصد اس ارشاد سے اس بات کی خبر دینا ہے کہ آخر زمانہ میں علم اپنی وسعت و فروغی کے باوجود صرف مدینہ منورہ میں منحصر ہو جائے گا جیسا کہ دیگر احادیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۶) وَعَنْهُ فِيهَا أَغْلَمَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ

مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ دِينَهَا فِيهَا (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابودریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس امت کے نفع کے واسطے ہر سو برس پر ایک شخص کو بھیجتا ہے جو اس کے دین کو تازہ کرتا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اکثر علماء نے اس حدیث سے یہ مفہوم مراد لیا ہے کہ ہر زمانہ میں امت کے اندر اپنے علم و فضل کے اعتبار سے سب میں ممتاز ایک ایسا شخص موجود ہوتا ہے جو دین کو نکھارتا اور تجدید کرتا ہے جسے مجدد کہا جاتا ہے۔ مجدد اپنے زمانہ میں دین کے اندر ہر پیدائشی والی برائی اور خرابی کو دور کرتا ہے۔ بدعت اور رسم و رواج کے جو گہرے پردے دین کی حقیقت پر بڑھ جاتے ہیں وہ اپنے علم و معرفت کی قوت سے انھیں چاک کرتا ہے اور امت کے سامنے پورے دین کو نکھار کر اور صاف و ستھرا کر کے اس کی اپنی اصلی شکل میں پیش کر دیتا ہے۔

چنانچہ بعض حضرات نے تعین بھی کیا ہے کہ فلاں صدی میں فلاں مجدد پیدا ہوا تھا اور فلاں صدی میں فلاں مجدد موجود تھا۔ بعض علماء نے حدیث کے معنی کو عمومیت پر محمول کیا ہے، یعنی خواہ دین کی تجدید کرنے والا کوئی ایک شخص واحد ہو خواہ کوئی جماعت ہو جو دین میں پیدا کی گئی برائیوں اور خرابیوں کو ختم کرے۔

(۳۳) وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعَدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْمِلُ هَذَا الْعِلْمُ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عَبْدُؤَلُوهُ يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُتَبَطِّلِينَ وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ زَوَاهِ الْبَيْهَقِيِّ وَسَنَدُ كَثْرَ حَدِيثِ جَابِرٍ فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعَمَى الشُّوَالُ فِي بَابِ التَّحْمِيمِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔ (رواہ)

”اور حضرت ابراہیم بن عبد الرحمن عدری راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہر آئندہ آنے والی جماعت میں سے اس کے نیک (یعنی اللہ اور محتسب) لوگ اس علم (کتاب و سنت) کو حاصل کریں گے اور وہی لوگ اس (علم) کے ذریعہ (آیات و احادیث میں) حد سے گزرنے والوں کی تحریف کو باطلوں کی افتراء پر دھاری کو اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کریں گے، (اس حدیث کو نبیؐ نے اپنی کتاب ”درغل“ میں حدیث بقیہ بن ولید سے نقل کیا ہے اور انھوں نے معان بن مرقاعہ سے اور انھوں نے ابراہیم بن عبد الرحمن عدری سے نقل کیا ہے) اور حضرت جابرؓ کی روایت (جس کی ابتداء یہ ہے) فانما شفاء العی السوال (سوال ہم باب تیمم میں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ)۔“

الفصل الثالث

(۳۵) عَنْ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُخْبِي بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْتُهُ وَبَيْنَ التَّيْتِينَ ذَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ۔ (رواہ الدارمی)

”حضرت حسن بصریؒ سے بطریق مرسل روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص کی موت اس حال میں آئے کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو اور (وہ علم) اس غرض سے (حاصل کر رہا ہو) کہ وہ اس کے ذریعہ اسلام کو رائج کرے گا تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا اور وہ مرتبہ نبوت ہے۔“ (دارمی)

(۳۶) وَعَنْهُ مُرْسَلًا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِي بَيْتِي إِسْرَائِيلَ أَحَدُهُمَا كَانَ عَالِمًا يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ، وَالْآخَرُ يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ أَتَيْتُهُمَا أَفْضَلَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ هَذَا الْعَالِمِ الَّذِي يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ كَفَضْلِي عَلَى أَذْنَابِكُمْ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت حسن بصریؒ سے بطریق مرسل روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کے بارے میں سوال کیا گیا، ان میں سے ایک تو عالم تھا جو فرض نماز پڑھتا تھا پھر بیٹھ کر لوگوں کو علم سکھاتا تھا۔ اور دوسرا شخص وہ تھا جو دن کو توردزے رکھتا تھا اور تمام رات عبادت کیا کرتا تھا (چنانچہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا) کہ ان دونوں میں بہتر کون ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اس عالم کو جو فرض نماز پڑھتا ہے اور بیٹھ کر لوگوں کو علم سکھاتا ہے اس عابد پر جو دن کو توردزے رکھتا ہے اور رات میں عبادت کرتا ہے ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی کہ مجھے تمہارے میں سے ایک ادنیٰ آدمی پر فضیلت حاصل ہے۔“ (دارمی)

تشریح: بنی اسرائیل کے مذکورہ دونوں عالم یوں تو اپنے علم و فضل کے اعتبار سے ہمہ تن تھے مگر فرق یہ تھا کہ ایک عالم نے تو اپنی زندگی کا

۱۔ حضرت حسن بصریؒ تاہی ہیں آپ کی پیدائش مدینہ میں ہوئی تھی۔ ۱۱۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

مقصد صرف عبادت خداوندی بنالیا تھا چنانچہ وہ دن رات ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہا کرتا تھا بندگان خدا کی اصلاح و تعلیم سے اسے غرض نہیں تھی، مگر دوسرا عالم فرض عبادت بھی پوری طرح ادا کرتا تھا اور اپنے اوقات کا بقیہ حصہ لوگوں کی اصلاح و تعلیم میں بھی صرف کیا کرتا تھا۔ لہذا دونوں میں افضل اسی شخص کو قرار دیا گیا ہے جو خود بھی اپنے علم پر عمل کرتا تھا اور دوسروں کو بھی علم سکھلا کر انھیں راہ ہدایت پر لگاتا تھا۔

(۷۷) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ رِضَى اللَّهِ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ الْفَقِيهَ فِي الدِّينِ ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ النَّبِيُّ نَفَعَ وَإِنْ اسْتَغْنَى عَنْهُ أَغْنَى نَفْسَهُ۔ (رواہ زرین)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بہتر شخص وہ ہے جو دین کی سمجھ رکھتا ہو۔ اگر اس کے پاس کوئی حاجت لائی گئی تو اس نے نفع پہنچایا اور اگر اس سے بے پروائی برتی گئی تو اس نے بھی اپنے نفس کو بے پروا رکھا۔“ (زرین)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک عالم کی یہ شان ہونی چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو لوگوں کا محتاج کر کے اپنی حیثیت کو کمتر نہ کرے، نیز غلط اغراض و مقاصد کی خاطر عوام کی مصاحبت کی طرف میلان نہ رکھے اور نہ ان سے کسی دنیاوی غرض منافع کی توقع کرے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ اپنے آپ کو عوام سے بالکل بے تعلق کر لیا جائے اور اپنے علم سے مخلوق خدا کو محروم رکھا جائے۔ بلکہ اگر عوام دینی ضروریات کے سلسلے میں صرف اسی کے محتاج ہوں اور اس کے علاوہ کسی دوسرے عالم کے نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کا رجوع اس کی طرف ہو تو اس چاہئے کہ وہ لوگوں کے درمیان جائے اور ان کی دینی و اسلامی ضروریات کو پورا کرے انہیں نفع پہنچائے۔ ہاں اگر عوام خود اس سے لاپرواہی برتیں کہ نہ انھیں اس سے فائدہ اٹھانے کی خواہش ہو اور نہ وہ اس کے محتاج ہوں تو چاہئے کہ وہ بھی ان سے بے پروائی برتے اور ان سے ترک تعلق کر کے اپنے اوقات کو عبادت خداوندی میں مشغول رکھے یا پھر خدمتِ علم دین کی خاطر دینی کتابوں کے مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں مہمک ہو کر اس ذریعہ سے علم کی روشنی پھیلانے۔

(۷۸) وَعَنْ عِكْرَمَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنْ آيَتْ فَمَرَّتَيْنِ فَإِنْ أَكْثَرَتْ فَلثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلَا تُمَلِّ النَّاسَ هَذَا الْقُرْآنَ وَلَا الْفَيْسَلُكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِهِمْ فَنَقُصُّ عَلَيْهِمْ فَنَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيثَهُمْ فَنَمْلُكُهُمْ وَلَكِنْ أَنْصِتْ فَإِذَا أَمْرُكَ فَمَحْدَثُهُمْ وَهُمْ يَسْتَهْوُونَ وَالنَّصْرُ السَّجْعُ مِنَ الذَّعَاءِ فَاجْتَنِبْهُ فَإِنَّ عَهْدَتَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ لَا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے عمرہؓ سے فرمایا۔ تم ہر جمعہ کو ایک بار لوگوں کے سامنے حدیث بیان کرو۔ اگر اسے قبول نہ کرو (یعنی ہفتہ میں ایک بار وعظ و نصیحت کو کافی نہ جانا تو ہفتہ میں دو بار اور بہت کر دو) ہفتہ میں تین بار وعظ و نصیحت کر سکتے ہو اور تم لوگوں کو اس قرآن سے تنگ نہ کرو (یعنی ہفتہ میں تین بار سے زیادہ وعظ و نصیحت بیان کر کے لوگوں کو ملول نہ کرو) اور میں تمہیں اس حالت میں نہ پاؤں کہ تم کسی قوم کے پاس جاؤ اور وہ اپنی باتوں میں مشغول ہوں اور تم ان کی باتوں کو منقطع کر کے ان کے سامنے وعظ و نصیحت شروع کر دو اور (اس طرح) تم ان کو کبیدہ خاطر کرو۔ ایسے موقع پر تمہیں چاہئے کہ تم خاموش رہو البتہ وہ اگر تم سے وعظ و نصیحت کی فرمائش کریں تو جب تک اس کے خواہش مند ہوں تم ان کے سامنے حدیث بیان کرو اور تم دعائیں مفتی عبارت سے صرف نظر کرو اور اس سے بچو، چنانچہ میں نے معلوم کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب ایسا نہیں کرتے تھے (یعنی دعائیں مفتی عبارت استعمال نہیں کرتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے اس حدیث میں بھی اسی پر زور دیا جا رہا ہے کہ وعظ و نصیحت کے معاملہ میں اعتدال اور موقع و ماحول کی رعایت ضروری ہے اور اثر اندازی کے اعتبار سے دعوت و تبلیغ کا یہ بنیادی پتھر ہے جس پر تبلیغ کی کامیابی کا پورا دار و مدار ہے۔

اس سلسلہ میں خاص طور پر یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر کچھ لوگ کسی بات چیت اور آپس کی گفتگو میں مشغول ہوں تو ایسے موقع پر پہنچ کر وعظ و نصیحت شروع نہیں کرونی چاہئے، چاہے ان کی بات چیت دنیاوی امور سے متعلق ہو یا دینی باتوں پر مشتمل ہو۔ اگر وہ دین کی بات میں مشغول ہیں تو ظاہر ہے کہ بدرجہ اولیٰ ان کی بات کو منقطع کرنا اور اس میں خلل انداز ہونا خواہ وہ تبلیغ الہی کی خاطر کیوں نہ ہو مناسب نہیں ہوگا۔ اگر بات چیت کا موضوع خالص دنیا بھی ہو تو ایسا کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ جب ایک آدمی اپنی کسی ضروری گفتگو میں مشغول ہو اور وہاں پہنچ کر وعظ و نصیحت شروع کر دی جائے تو گفتگو میں خلل پڑنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ وہ بتقصائے بشریت اسے گوارہ نہ کرے اور وہ ایسے موقع پر قرآن وحدیث کی باتیں سننا پسند نہ کرے جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ وہ خواہ مخواہ گناہ میں مبتلا ہو گا بلکہ اس کے قلب پر دین کی عظمت و اہمیت کا نقش بھی قائم نہ ہوگا۔

ہاں اگر مصلحت کا تقاضا ہی یہ ہو کہ انھیں اس گفتگو سے باز رکھا جائے تو پھر ایسا انداز اور طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس سے انھیں ناگواری بھی نہ ہو اور وہ اس کلام و گفتگو سے رک بھی جائیں، غرض کہ نظر مصلحت ضرورت وقت پر رکھنی چاہئے۔
یہی جہاں تک ابن عباسؓ کے قول کا تعلق ہے اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ ان کا کرمہ کو ختم دینا اکثر کے اعتبار سے تھا یعنی یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ اکثر و بیشتر لوگ محض دنیاوی باتوں ہی میں مشغول رہا کرتے تھے۔

”دعا میں متقی عبارت“ کا مطلب یہ ہے کہ دعائیں تاثیر کے اعتبار سے وہی بہتر ہوتی ہے جو بغیر تصنع و بناوٹ کے سیدھی سادھی ہو اور دل کی گہرائیوں سے نکلی ہو۔ اس لئے دعا کی عبارت کو شعر و شاعری کا رنگ دینا، الفاظ میں قافیہ اور تکلف نہیں کرنا چاہئے۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی ان دعاؤں پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ جو متقی و مسجع ثابت ہیں اور جن میں قافیہ بندی بھی ہے۔ اس لئے یہ چیزیں تو آنحضرت ﷺ سے بے تکلف اور از خود صادر ہوتی تھیں ان میں آپ ﷺ کے تکلف اور کوشش کو دخل نہیں ہوتا تھا۔

(۴۹) وَعَنْ إِثْلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَأَذْرَكَ كَأَنَّهُ كَيْفَلَانٌ مِنَ الْأَجْرِ فَإِنَّ لَمْ يَذْرِكْهُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكْفُلْ مِنْ الْأَجْرِ۔ (رواہ الدارمی)

”حضرت اثلہ بن اسقع سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص علم کا طالب ہو اور اسے علم حاصل بھی ہو گیا تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا اور اگر اسے علم حاصل نہ ہو تو اس کو ایک حصہ ثواب ملے گا۔“ (دارمی)

تشریح: دو ثواب اس طرح ملیں گے کہ ایک ثواب تو طلب علم اور اس کی مشقت و محنت کا ہو گا جو اس نے حصول علم کے سلسلے میں اٹھائی ہیں اور دوسرا ثواب علم کے حاصل ہونے کا اور پھر دوسروں کو علم سکھانے کا ہو گا یا دوسرا ثواب عمل کا ہو گا جو اس نے علم پر کیا ہے۔ ہاں اس شخص کو جسے اس کی طلب اور کوشش کے باوجود علم حاصل نہیں ہوا صرف ایک ثواب اس کی محنت و مشقت ہی کا ملے گا۔
بہر حال اتنی بات تو ملے ہے کہ بہر تقدیر طلب علم میں لگے رہنا چاہئے۔ اگر علم حاصل ہو گیا تو نور علی نور کہ اسے دو، دو ثواب ملیں گے اور اگر علم حاصل نہ ہوا تو یہی کیا کم ہے کہ طلب علم میں مرجانا بھی سعادت ہے۔

گرچہ نہ تو اں بد دست رہ برون شرط یاری ست در طلب مردن

(۵۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مَقَاتِلَ حَقِّ الْمُؤْمِنِ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عِلْمُهُ وَنَشْرُهُ وَلَدًا ضَالًّا تَوَكُّهُ أَوْ مُضْطَرًّا وَرَثَتُهُ أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي حَبَاتِهِ تَلَحُّقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ۔ (رواہ ابن ماجہ و اسنی فی شعب الایمان)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ مومن کو اس کے جس عمل یا جن نیکیوں کا مرنے کے بعد ثواب پہنچتا ہے اس میں ایک تو علم ہے جس کو اس نے سکھنا اور رواج دینا تھا، دوسرے نیک اولاد ہے جن کو اپنے بعد چھوڑا، تیسرے قرآن ہے جو

دارتوں کے لئے چھوڑا ہو۔ چوتھے مسجد ہے جس کو اپنی زندگی میں بنالیا گیا ہو، پانچویں مسافر خانہ ہے جس کو اس نے تعمیر کیا ہو، چھٹے نہر ہے جس کو اس نے جاری کیا ہے اور ساتویں وہ خیرات ہے جس کو اس نے اپنی اپنی تدرستی اور زندگی میں اپنے مال سے نکالا ہو، ان تمام چیزوں کا ثواب اس کے مرنے کے بعد اس کو پہنچتا ہے۔“ (ابن ماجہ، بیہقی)

تشریح: قرآن کے حکم میں شرعی کتابیں بھی داخل ہیں، اس طرح مسجد کے حکم میں علماء کے قائم کردہ مدرسے اور خانقاہیں جو ذکر اللہ و تزکیہ نفس کے لئے ہوں شامل ہیں یعنی ان سب کا ثواب بھی مرنے کے بعد برابر پہنچتا رہتا ہے۔

(۵۱) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَوْحَى إِلَيَّ أَنَّهُ مَنْ سَلَكَ مَسْلُكًا فِيهِ غَلَبَ الْعِلْمُ سَهَّلْتُ لَهُ طَرِيقَ الْجَنَّةِ وَمَنْ سَلَكَ كَرِهْتُهُ أَثْبَتَهُ عَلَيْهِمَا الْجَنَّةَ وَفُضِّلَ فِي عِلْمٍ خَيْرٌ مِنْ فَضْلِ فِي عِبَادَةٍ وَمِلَاكُ الدِّينِ الْوَرَعُ۔ (رواہ ابیہقی فی شعب الامران)

”حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی (خفی) بھیجی ہے کہ جو طلب علم کے لئے راستہ اختیار کرے تو میں اس پر جنت کے راستے کو آسان کر دوں گا اور جس شخص کی میں نے دونوں آنکھیں پھینکی ہوں (یعنی کوئی شخص تاجینا ہو گیا ہو تو اس دنیاوی نعمت سے محرومی اور اس پر صبر و شکر کی بناء پر میں اس کا بدلہ اسے جنت دوں گا اور علم کے اندر زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے اور دین کی جزیرہیزگاری ہے۔“ (بیہقی)

تشریح: ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص علم دین کے حصول کے لئے کسی راستہ کو اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کی راہ آسان کر دے گا یعنی دنیا میں معرفت و حقیقت کی دولت سے نوازا جائے گا اور عبادت خداوندی کی توفیق عنایت فرمائی جائے گی تاکہ وہ اس کے سبب جنت میں داخل ہو سکے، یا اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسے شخص پر آخرت میں جنت کے دروازے کا راستہ اور جنت میں جو محل اہل علم کے لئے مخصوص ہے اس کی راہ آسان کر دی جائے گی۔

گو اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں علم کی جو راہ ہے وہی آخرت میں جنت کی بھی راہ ہے اور علم کے دروازوں کے علاوہ جنت کی تمام راہیں بند ہیں یعنی بغیر علم کے جنت میں داخل ہونا مشکل ہے مگر شرط یہی ہے کہ علم خلوص نیت اور لہیت کے جذبہ سے حاصل کیا گیا ہو اور پھر اس عمل کی توفیق بھی ہوتی ہو ورنہ علم بغیر خلوص اور بغیر عمل کے کوئی حقیقت نہیں رکھے گا اور اس کا مصداق ہوگا کہ

چار پایہ بروکتا بے چند

آخر حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دین کی اصل اور جزو راع (یعنی پرہیزگاری) ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حرام، منکرات اور طمع سے بچنا چاہئے تاکہ عبادت میں ریا اور عدم اخلاص پیدا نہ ہو۔

(۵۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَدَارَسُ الْعِلْمُ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِنْ اخْتِائِلِهَا۔ (رواہ الداری)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ رات میں تھوڑی دیر علم کا درس دینا کی تمام رات کو زندہ رکھنے سے بہتر ہے۔“ (داری)

تشریح: یعنی تمام رات نماز پڑھنے اور عبادت خداوندی میں مشغول رہنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ تھوڑی دیر تک آپس میں تعلیم و معلم اور درس و تدریس کا مشغلہ رکھا جائے اسی حکم میں حصول مقصد کے لئے علم کا لکھنا یعنی تصنیف و تالیف اور دینی و علمی کتابوں کا مطالعہ کرنا بھی داخل ہے۔

(۵۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِي مَسْجِدِهِ فَقَالَ كَلَاهُمَا عَلَى خَيْرٍ وَأَخَذَهُمَا أَفْضَلُ مِنْ حَاجِبِهِ أَمَا هَؤُلَاءِ فَيَذَعُونَ اللَّهَ وَيَتَرَعَّبُونَ إِلَيْهِ فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَأَمَّا

هُؤُلَاءِ فَيَسْتَعْلَمُونَ الْفِقْهَ أَوِ الْعِلْمَ وَيَعْلَمُونَ الْجَاهِلَ فَهُمْ أَفْضَلُ وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا لِمَنْ جَلَسَ فِيهِمْ - (رواہ الدارمی)

”اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ کا گزر دو مجلسوں پر ہوا، جو مسجد نبویؐ میں منعقد تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دونوں بھلائی پر ہیں لیکن ان میں سے ایک (نیکی میں) دوسرے سے بہتر ہے۔ ایک جماعت عبادت میں مصروف ہے، خدا سے دعا کر رہی ہے اور اس سے اپنی رغبت کا اظہار کر رہی ہے (یعنی حصول مقصد کے لئے خدا کی طرف امید ہے اور حصول مقصد خواہش الہی پر متوقف ہے) لہذا اگر خدا چاہے تو انہیں دے اور اگر چاہے نہ دے۔ اور دوسری جماعت فقہ یا علم حاصل کر رہی ہے اور جاہلوں کو علم سکھا رہی ہے، چنانچہ یہ لوگ بہتر ہیں اور میں بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آنحضرت ﷺ خود بھی ان میں بیٹھ گئے۔“

(اداری)

تشریح: ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ مسجد نبویؐ میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ صحابہ کی دو جماعتیں الگ الگ بیٹھی ہوئی ہیں ایک جماعت تو ذکر و دعا میں مشغول تھی اور دوسری جماعت مذاکرہ علم میں مشغول تھی آپ ﷺ نے ان دونوں میں سے اس جماعت کو بہتر قرار دیا جو مذاکرہ علم میں مشغول تھی اور پھر نہ صرف یہ کہ زبان ہی سے ان کی فضیلت کا اظہار فرمایا بلکہ خود بھی اس جماعت میں بیٹھ کر علماء کی مجلس کو مزید عزت و شرف کی دولت بخشی۔

علم اور عالموں کی اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ سردارِ انبیاء ﷺ نے عابدوں کی مجلس کو چھوڑ کر عالموں ہی کی ہم نشینی اختیار فرمائی ہے اور اپنے آپ کو ان ہی میں سے شمار کیا۔

کہ ایمان را ازیں معنی خبر نیست کہ سلطان جہاں باماست امروز

⑤۳ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا خُذَ الْعِلْمَ الَّذِي إِذَا بَلَغَهُ الرَّجُلُ كَانَ فَقِيهًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي آذِينَ حَذِينَ فِي أَمْرِ دِينِهَا بَعَثَهُ اللَّهُ فَقِيهًا وَكُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَشَهِيدًا۔

”اور حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ علم کی مقدار کیا ہے کہ جب انسان اتنا علم حاصل کرے تو فقیہ (عالم) ہو جائے اور آخرت میں اس کا شمار مرہ علماء میں ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص میری امت کو فائدہ پہنچانے کے لئے امر و نہی کی چالیس حدیثیں یاد کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت میں فقیہ اٹھائے گا اور قیامت کے دن میں اس کا شفاعت کرنے والا اور (اس کی اطاعت پر) گواہ بنوں گا۔“

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ اس سے مراد چالیس حدیثوں کا دوسرے لوگوں تک پہنچانا ہے اگرچہ وہ یاد نہ ہوں چنانچہ اس حدیث کے پیش نظر بہت سے علماء نے چالیس احادیث جمع کر کے لوگوں تک پہنچائی ہیں اور اس طرح وہ قیامت میں آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور گواہی کے امیدوار ہو گئے ہیں۔

⑤⑤ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَذَرُونَ مَنْ أَجْوَدُ جُودًا قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ اللَّهُ أَجْوَدُ جُودًا ثُمَّ أَنَا أَجْوَدُ بَيْنِي أَدَمَ وَأَجْوَدُ هُمْ مِنْ بَعْدِي رَجُلٌ عَلِمَ عَلَمًا فَتَشْرُفُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمِيرًا وَحَدَّةً أَوْ قَالَ أَمَّةً وَاجِدَةً۔

”اور حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے (صحابہ) کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ سخاوت کے معاملہ میں سب سے بڑا کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سخاوت کرنے میں اللہ تعالیٰ سب سے بڑا کون ہے اور نبی آدم میں سب سے بڑا کون میں ہوں، پھر لوگوں میں میرے بعد سب سے بڑا کون وہ شخص ہو چاہے جس نے علم سیکھا

اور اسے پھیلا یا۔ وہ شخص قیامت کے دن ایک امیر یا فرمایا کہ ایک گروہ کی طرح آئے گا۔

تشریح: آخر روایت میں راوی کو شک ہو گیا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے امیرِ واحدہ فرمایا امتِ واحدہ فرمایا یعنی ایسا شخص جس نے علم سیکھا اور اس کو لوگوں کے درمیان پھیلا یا تو اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ آخرت میں ایک امیر کی مانند آئے گا کہ وہ کسی کے تابع نہیں ہوگا بلکہ اس کے ساتھ تابع اور خدام ہوں گے یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ وہ تنہا شخص ایک گروہ و جماعت کی مانند ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مخلوقِ خدا کے درمیان معزز و مکرّم ہوگا اور آخرت میں بعدِ شوکت و حشمت آئے گا۔

(۵۶) وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْهُمْ مَنْ لَا يَشْتَبِعَانِ مِنْهُمْ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْتَبِعُ مِنْهُ وَمِنْهُمْ مَنْ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْتَبِعُ مِنْهُمْ وَرَوَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ وَقَالَ قَالَ الْأَمَامُ أَحْمَدُ فِي حَدِيثِ أَبِي الدَّرْدَاءِ هَذَا مِنْهُمْ مَنْهُمْ فِيمَا بَيْنَ النَّاسِ وَلَيْسَ لَهُ إِسْنَادٌ صَحِيحٌ۔

”اور حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حرص کرنے والے دو شخص ہیں جن کا پیت نہیں بھرتا۔ ایک علم میں حرص کرنے والا کہ اس کا پیت کبھی علم سے نہیں بھرتا، اور دوسرا دنیا کی حرص کرنے والا کہ اس کا پیت دنیا سے کبھی نہیں بھرتا۔ مذکورہ بالا تین حدیثیں بیہقی نے شعبِ ایمان میں روایت کی ہیں۔ حضرت امام احمدؒ نے حضرت ابو الدرداءؓ کی حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کا متن لوگوں میں مشہور ہے مگر اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔“

تشریح: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کے طرق متعدد ہیں جن میں بعض کو دوسرے بعض کی بنا پر تقویت ملی ہے لیکن ویسے بھی یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال کے سلسلہ میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔

(۵۷) وَعَنْ عَوْنٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ مَسْعُودٍ مِنْهُمْ مَنْ لَا يَشْتَبِعَانِ صَاحِبُ الْعِلْمِ وَصَاحِبُ الدُّنْيَا وَلَا يَسْتَوِيَانِ أَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَيُزَادُ رِضًى لِلرَّحْمَنِ وَأَمَّا صَاحِبُ الدُّنْيَا فَيَسْتَمَارَى فِي الطُّغْيَانِ ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللَّهِ كَلَامًا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَآفٍ كَذَّابٌ وَقَالَ الْآخِرُ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت عونؓ راوی ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: دو حریص ہیں جن کا پیت کبھی نہیں بھرتا، ایک عالم اور دوسرا دنیا دار لیکن یہ (دو جہ میں) برابر نہیں ہیں کیونکہ عالم تو خدا کی خوشنودی و رضامندی کو زیادہ کرتا ہے اور دنیا دار سرکشی میں زیادتی کرتا ہے۔ پھر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے دنیا دار کے حق میں (دلیل کے طور پر) یہ آیت پڑھی۔ (آیت کا ترجمہ) خبردار! انسان البتہ سرکشی کرتا ہے جب کہ وہ اپنے آپ کو (کثرتِ مال کی بنا پر) لوگوں سے غنی دیکھتا ہے حضرت عونؓ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے دوسرے یعنی عالم کے حق میں یہ آیت پڑھی۔ (آیت کا ترجمہ) خدا کے بندوں میں عالمِ خداست ڈرتے ہیں۔“ (دارمی)

(۵۸) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَنَا شَأْنٌ أَمْتَنِي سَيَتَفَقَّهُونَ فِي الدِّينِ وَيَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ يَقُولُونَ نَأْتِي الْأَمْرَاءَ فَتَصِيبُ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَنَعْتَزُّ لَهُمْ بِدِينِنَا وَلَا يَكُونُ ذَلِكَ كَمَا لَا يُجْتَنَى مِنَ الْقَتَادِ إِلَّا الشُّوْكَ كَذَلِكَ لَا يُجْتَنَى مِنْ قُرْبِهِمْ إِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ كَأَنَّهُ يَعْنِي الْخَطَايَا۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں بہت سے لوگ دین میں سمجھ یعنی دین کا علم حاصل کریں گے اور قرآن پڑھیں گے اور کہیں گے کہ ہم امراء کے پاس جا کر ان کی دنیا اور (دولت) میں سے اپنا حصہ حاصل کریں گے اور اپنے دین کو ان سے یکسو کر دیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا (کہ دین و دنیا ایک جگہ جمع ہو جائیں اور امراء کی صحبت میں کج فائدہ کے نقصان ہوتا ہے) جیسا کہ جس طرح خار و درخت سے صرف کاٹنا ہی حاصل ہو سکتا ہے اسی طرح امراء کی صحبت سے نہیں حاصل ہوتا مگر حضرت محمد ابن صباحؓ کہتے ہیں کہ گویا آنحضرت ﷺ کی مراد (لفظ الا کے بعد) خطایا تھی۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے الّا کے بعد کسی لفظ کا تکلم نہیں فرمایا چنانچہ حضرت محمد بن صباح جو ایک جلیل القدر محدث اور حضرت امام بخاریؒ و امام مسلمؒ جیسے ائمہ حدیث کے استاد ہیں۔ اس کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مراد لفظ الّا کے بعد خطایا ہے۔ مگر آپ ﷺ نے اسے حذف فرمایا اور اس کا تکلم نہیں کیا۔ اس طرح حدیث کے آخری الفاظ اب اس طرح ہو جائیں گے لا یجتنی من قریبہم الا الخطایا یعنی امراء کی صحبت سے حاصل نہیں ہوتا مگر گناہ۔

اب رہا سوال یہ کہ آپ ﷺ نے لفظ خطایا کو حذف کیوں فرمایا۔ تو اس میں ایک نکتہ ہے اور وہ یہ کہ اس میں اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ امراء کی صحبت کا نقصان اتنا زیادہ ہے کہ اسے زبان سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس اُمت میں ایسے بھی عالم پیدا ہوں گے جن کا مقصد حصول علم سے محض یہ ہو گا کہ وہ علم حاصل کر کے اور قرآن پڑھ کر امراء کے پاس جائیں اور ان کے سامنے اپنی بزرگی و فضیلت کا اظہار کر کے ان سے مال و دولت حاصل کریں اور علم کا جو حقیقی منشاء و مدعا ہو گا یعنی مخلوق خدا کی ہدایت اور عوام الناس کی بغیر کسی لالچ اور طمع کے دینی راہبری اس سے انھیں قطعاً کوئی مطلب نہ ہو گا۔ اور جب ان سے کہا جائے گا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ بیک وقت تفقہ فی الدین اور امراء کی قربت و صحبت جمع ہو جائے؟ تو وہ جواب میں یہ کہیں گے کہ ہم ان سے مال و دولت تو حاصل کریں گے مگر اپنے دین کو ان سے بچائیں گے اور اس کی حفاظت کریں گے حالانکہ یہ امر محال ہے۔

⑤۹ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَوْ أَنَّ أَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوا الْعِلْمَ وَوَضَعُوهُ عِنْدَ أَهْلِهِ لَسَادُوا بِهٖ أَهْلٌ زَمَانِهِمْ وَلَكِنَّهُمْ بَدَلُوهُ لِأَهْلِ الدُّنْيَا لِيَتَأَلَّوْا بِهِ مِنْ دُنْيَاهُمْ فَهَانُوا عَلَيْهِمْ سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ جَعَلَ الْهَمُومَ هِمًّا وَاحِدًا هَمَّ أَحْزَنَ كَفَاهُ اللَّهُ هَمَّ دُنْيَا وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهَمُومُ (فِي) أَحْوَالِ الدُّنْيَا لَمْ يَبَالِ اللَّهُ فِي آتِي أَوْدِيَّتِهَا هَلْكَ زَوْاؤُهُ ابْنُ مَاجَةَ وَزَوْاؤُهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ عَنِ ابْنِ عُثْمَرَ مَنْ قَوْلُهُ مَنْ جَعَلَ الْهَمُومَ إِلَى آخِرِهِ۔

”اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا اگر اہل علم (یعنی علماء) علم کی حفاظت کریں اور علم کو اس کے اہل ہی (یعنی قدر دانوں) کے سامنے رکھیں تو وہ بے شک اپنے علم کے سبب دنیا والوں کے سردار بن جائیں لیکن (علماء) نے اگر ایسا نہیں کیا بلکہ انہوں نے علم کو دنیا داروں پر خرچ کیا تاکہ اس کے ذریعہ وہ دنیا (یعنی جاہ و جلال) کو حاصل کریں اور علم کا حقیقی مقصد یعنی دنیا والوں کی ہدایت و نصیحت کو موقوف کر دیں تو وہ دنیا والوں کی نظر میں ذلیل ہوتے۔ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اپنے مقاصد میں سے صرف ایک مقصد یعنی آخرت کے مقصد کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیاوی مقصد کو پورا کر دیتا ہے اور جس شخص کے مقاصد پر گندہ ہوں جیسے کہ دنیا کے حالات ہیں تو پھر اللہ کو پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ خواہ کسی جنگل (یعنی دنیا کی کسی حالت) میں بلاک ہو۔ (ابن ماجہ، تہذیبی نے اس حدیث کو شعب الایمان میں ابن عمرؓ سے قول ”من جعل الهموم“ سے آخر تک روایت کیا ہے۔“ (ابن ماجہ، تہذیبی)

تشریح: یہ حدیث علماء کو احساس و شعور کی ایک دولت بخش رہی ہے اور علم کے سب سے اعلیٰ و بلند مقام کی نشاندہی کر رہی ہے چنانچہ ابن مسعودؓ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ علماء اپنا مرتبہ و مقام پہچانیں اور وہ جس عرفانی مقام پر فائز ہیں اس کی اہمیت و نزاکت کا احساس کریں۔ اس لئے کہ علم دین جن بلند و اعلیٰ احساسات کا حامل ہے اسی طرح وہ اپنا ظرف بھی بلند و اعلیٰ چاہتا ہے۔ علم کی شان عظمت ہی یہ ہے کہ وہ قدر دانوں اور باشعور اشخاص کے پاس رہے۔ اگر حصول جاہ و جلال کی خاطر علم کو دنیا دار سرداروں اور ظالموں کی چوکھٹ کا سجدہ ریز بنایا جاتا ہے تو یہ علم کی سب سے بڑی توہین اور عالم کی سب سے بڑی ذلت ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ ایک بات اس سے بڑی فرما رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیاوی اعتبار سے سرداری، شوکت و شہرت اور عزت و عظمت کوئی بڑی چیز نہیں ہے بلکہ اصل اور حقیقی سرداری و امارت تو وہ ہے جو فضل و کمال اور بزرگی کے اعتبار سے ہو، جو ایک وجہ ہے کہ علماء کی

یہ شان نہیں ہوا کرتی کہ وہ بادشاہ و امیر نہیں یا حاکم و سردار ہوں، وہ تو علم و فضل اور بزرگی کی طاقت سے دنیا کے روحانی تاجدار ہوتے ہیں اور لوگوں کے دل و دماغ پر حکمران ہوتے ہیں اور ان کے ماسواۃ ان کے زیر قدم، زیر قلم اور ان کی عقل و احکام کے تابع دار ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن شاہد ہے:

يُؤْفِقُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ذَوِّ حَاتِبٍ۔ (البقرہ: ۵۸)

”یعنی اللہ تعالیٰ تم میں سے ان کے جو ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا اور جات بلند کرتا ہے۔“

آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ بندہ کا احساس اور اس کا شعور اتنا پاکیزہ اور لطیف ہو جانا چاہئے کہ اس کے دل و دماغ کے ایک ایک گوشہ میں صرف ایک ہی مقصد کی روشنی ہو اور وہ مقصد آخرت ہے۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی مقصد نہ ہو اور کوئی غرض نہ ہو تو پھر خدا کی جانب سے اس پر دنیاوی وسعت کے دروازے بھی خود بخود کھول دیئے جاتے ہیں۔

لیکن بندہ کا دل و دماغ اگر اتنا پرانہ ہو کہ وہ ہمہ وقت دنیا کی چیزوں میں تو لگا رہے اور دنیا کے تفکرات میں مستغرق رہے تو خدا کی جانب سے اس کے ساتھ کوئی اچھا معاملہ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ خدا اس سے اتنا بے تعلق ہو جاتا ہے کہ اگر وہ بندہ دنیا کی کسی تکلیف اور کسی بھی مصیبت میں ہلاک ہو جائے تو خدا کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی اور نہ دنیاوی اعتبار سے اور نہ دینی اعتبار سے رحمت خداوندی کی نظر کرم اس کی طرف ہوتی ہے۔ اس طرح وہ دنیا و آخرت دونوں جگہ کے خسران و نقصان میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

﴿۶۰﴾ وَعَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَقَّ الْعُلَمَاءُ التَّسْنِئَاتِ وَأَضَاعَتْهُ أَنْ تُعْذَرَتْ بِهِ غَيْرُ أَهْلِهَا زَوَاهِ الدَّارِ مِثْلُ مُزْسَلَةٍ۔

”اور حضرت اعش راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا علم کی آفت بھولتا ہے اور علم کا ضائع کرتا ہے کہ اس کو تامل کے سامنے بیان کیا جائے۔“ (داری نے بطریق ارسال کیا ہے)

تشریح: علم کے حاصل ہونے سے پہلے تو بہت سی آفات اور مصیبتیں ہوتی ہیں لکل شئی افقہ وللعلم افات یعنی ہر چیز کی ایک ہی آفت ہوتی ہے مگر علم کے لئے بہت سے آفات ہیں۔ لیکن حصول علم کے بعد ایک ہی آفت ہے اور وہ نسیان یعنی بھولتا ہے اور یقیناً کسی چیز کا حاصل ہو جانے کے بعد زائل ہو جانا اور ذہن میں آکر پھر محو ہو جانا زبردست روحانی اذیت ہے۔

دراصل اس حدیث سے اس پر تنبیہ مقصود ہے کہ طالب علم اور اہل علم کو چاہئے کہ وہ ایسی باتوں سے اجتناب کریں جو نسیان کا سبب ہیں یعنی گناہ و مصیبت سے بچیں اور ان چیزوں میں دل نہ لگائیں جو ذہن و فکر کو غافل کر دیتی ہیں جیسے دنیا کی سحر آفرینیوں اور خواہشات نفسانی میں دلچسپی لینا چنانچہ حضرت امام شافعیؒ نے اسی مضمون کو اس شعر میں ادا کیا ہے۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی

ترجمہ: ”میں نے اپنے استاد کوچ سے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے ترک مصیبت کی نصیحت کی۔“

فان العلم فضل من الله وفضل الله لا يعطى لعاص

ترجمہ: ”کیونکہ علم تو خدا کا ایک فضل ہے اور خدا کا فضل گناہ کار کے حصہ میں نہیں آتا۔“

آخر حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ علم کو اس کے نائل اور ناقدر دان کے سامنے پیش کرنا دراصل علم کو ضائع کرنا ہے اور نائل وہ شخص ہے جو نہ تو علم کو سمجھتا ہے اور نہ علم کی قدر جانتا ہے لہذا جب اس کے سامنے علم پیش کیا جائے گا تو علم ضائع ہوگا۔ اس لئے علم انہی کو سکھانا چاہئے جو اس کے اہل اور قدر دان ہوں، یعنی وہ علم سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ بھی ان کے اندر موجود

ہو۔

۶۱) وَعَنْ سُفْيَانَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لِكُفِّ عَنْ أَزْيَابِ الْعِلْمِ؟ قَالَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ بِمَا يَعْلَمُونَ قَالَ فَمَا أَخْرَجَ الْعِلْمُ مِنْ قُلُوبِ الْعُلَمَاءِ قَالَ الْقَطْعُ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت سفیان راوی ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت کعبؓ سے فرمایا کہ (تمہارے نزدیک) صاحب علم کون ہے حضرت کعبؓ نے جواب دیا وہ لوگ جو اپنے علم کے موافق عمل کریں، پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کون سی چیز عالموں کے دلوں سے علم کو نکال لیتی ہے؟ حضرت کعبؓ نے جواب دیا۔ ”لائی“۔ ”داری“

تشریح: حضرت عمرؓ کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ علماء کے دلوں سے نور علم اور علم کی عظمت و برکت کو نکالنے والی کوئی چیز ہے اور وہ کیا شے ہے جس کی موجودگی علم کے منافی ہے؟ حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ ”لائی“۔ ”وہ بری خصلت ہے جو علم کے نور کو عالم کے دل سے ضائع کر دیتی ہے۔ کیونکہ جب کسی عالم کے اندر جاہ و جلال کی محبت اور لالچ اور دنیاوی اسباب عیش و عشرت کی طمع پیدا ہو جائے گی تو پھر علم کا نور اور علم کی برکت اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور عالم کے دل و دماغ علم کی حقیقی روشنی سے منور نہ رہ سکیں گے۔

۶۲) وَعَنِ الْأَخْوَصِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشَّرِّ فَقَالَ لَا تَسْتَلْزِمْنِي عَنِ الشَّرِّ وَتَسْتَلْزِمْنِي عَنِ الْخَيْرِ يَقُولُهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ أَلَا إِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شَرُّ أَوَّلِ الْعُلَمَاءِ وَإِنْ خَيْرُ الْخَيْرِ خَيْرُ خِيَارِ الْعُلَمَاءِ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت اخوص بن حکیم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے ”برائی“ کے بارے میں سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے برائی کے بارے میں مت پوچھو بلکہ بھلائی کے بارے میں سوال کرو۔ اور ان جملوں کو آپ ﷺ نے تین بار ادا فرمایا۔ خبردار! بد لوگوں میں بدترین برے عالم ہیں اور بھلے لوگوں میں سب سے بہتر بھلے علماء ہیں۔“ (داری)

تشریح: صحابی کے سوال کا مقصد یا تو نفسِ برائی کے بارے میں دریافت کرنا تھا جیسا کہ ترجمہ سے معلوم ہوا یا وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ بدترین آدمی کون ہے؟ اور جواب کو دیکھتے ہوئے یہی مقصد زیادہ واضح ہے۔ آپ ﷺ نے اس طرح کے سوال سے منع فرمایا، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ چونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ اقدس سرہا رحمت اور سراپا خیر ہے اس لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ آپ ﷺ سے محض بدی اور برائی ہی کا سوال کیا جاتا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے برائی اور بھلائی دونوں کے بارے میں جواب دے کر اسی طرف اشارہ فرمایا۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ علماء کی ذات چونکہ عوام کے اندر ایک معیار اور نمونہ ہوتی ہے اور لوگ ان کے تابع و معتقد ہوتے ہیں، لہذا عالم کی ہر صفت اس کی اپنی ذات تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اثرات دوسروں تک بھی پہنچتے ہیں، عالم اگر نیک اخلاق و عادات اور اچھے خصال کا ہوتا ہے تو اس کے ماننے والے اور اس کا اتباع کرنے والے بھی نیک اخلاق و عادات کے مالک ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ عالمِ بد اخلاق، بد کردار ہو جائے تو پھر اس کے جراثیم دوسرے تک پہنچتے ہیں اور اس کے ماننے والے بھی اسی کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

۶۳) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَثَرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَا يَنْتَفِعُ بِعِلْمِهِ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن خدا کے نزدیک مرتبہ میں سب سے بدتر وہ عالم ہے جس نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا۔“ (داری)

تشریح: یا تو اس سے مراد وہ عالم ہے جس نے ایسا علم سیکھا جو فائدہ پہنچانے والا نہیں ہے۔ یعنی غیر شرعی علوم اس نے حاصل کئے جو نفع بخش نہیں ہیں یا پھر وہ عالم مراد ہے جس نے علم تو شرعی اور دینی حاصل کیا مگر اس پر عمل نہیں کیا۔

لہذا ایسے عالم کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ قیامت کے روز مرتبہ کے اعتبار سے وہ خدا کے نزدیک سب سے بدتر ہو گا۔ یعنی یہ جاہل سے بھی زیادہ برا ہو گا کیونکہ وہ ہے کہ اس پر جو عذاب ہو گا وہ جاہل کے عذاب سے سخت ہو گا، جیسا کہ منقول ہے۔

وَلِلْجَاهِلِ مَرَّةٌ وَوَلِلْغَالِمِ سَبْعٌ مَرَاتٍ۔

یعنی جاہل کے لئے ایک مرتبہ بربادی ہے اور عالم کے لئے سات مرتبہ بربادی ہے، نیز یہ وارد ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ اور سب سے شدید عذاب جس پر ہو گا وہ ایسا عالم ہے کہ جسے اللہ نے علم دیا اور اس نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔

(۶۳) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ حُذَيْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِي عُمَرُو بْنُ الْهَاشِمِ قَالَ لَمْ يَهْدِهِمُ الْإِسْلَامَ قُلْتُ لَا قَالَ يَهْدِيهِمْ زَلَّةُ الْعَالَمِ وَجَذَالُ الْمَنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْأَيْمَةِ الْمُضَلِّينَ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت زید بن حذیفہ بن حارثہ نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اسلام کی عمارت کو ڈھانے والی کیا چیز ہے؟ میں نے کہا مجھے نہیں معلوم حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ عالم کا پھسلنا (یعنی کسی مسئلہ میں عالم کا غلطی کرنا اور اس کا گناہ کرنا، منافق کا کتاب اللہ میں جھگڑنا اور گمراہ سرداروں کا حکم جاری کرنا اسلام (کی عمارت) کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔“ (دارمی)

تشریح: اسلام کی عمارت کو ڈھانے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے جو بانی بنیادی اصول ہیں، یعنی کلمہ، توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ وہ بیکار محض ہو کر رہ جائیں، چنانچہ جب عالم اپنے حقیقی فرائض یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی کو اپنی خواہشات نفسانی کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے تو ان چیزوں میں سستی اور فساد واقع ہو جاتا ہے۔

اسی طرح منافق یعنی وہ شخص جو بظاہر تو اسلام کا دم بھرتا ہے مگر اندرونی طور پر وہ کفر و بدعت کا پوری طرح ہمنوا ہوتا ہے۔ جب قرآن میں جھگڑتا ہے یا اس طور پر وہ قرآن کے معنی و مفہوم کی غلط تاویلات کر کے احکام شریعیہ کو رد کرتا ہے تو اس سے ارکان اسلام میں سستی اور دین میں فساد پیدا ہوتا ہے۔

اسی زمرہ میں وہ روافض اور خوارج نیز دیگر باطل عقائد کے لوگ بھی داخل ہیں جو اپنی خواہشات نفسانی اور ذاتی اغراض کی خاطر غلط سلط تاویل کر کے دین و شریعت میں شک و شبہ کا بیج بوتے ہیں۔

(۶۵) وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ الْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذَاكَ الْعِلْمُ الثَّاقِفُ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذَاكَ حُجَّةُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى ابْنِ آدَمَ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ علم جو دل کے اندر ہوتا ہے یہ علم تو فہم دیتا ہے اور دوسرا وہ علم ہے جو زبان کے اوپر ہوتا ہے یہ علم آدمی پر خدائے عز و جل کی دلیل و حجت ہے۔“ (دارمی)

تشریح: حضرت حسن بصریؒ نے علم کی جو دو قسمیں کی ہیں ان میں سے پہلے کو علم باطن کہا جاتا ہے اور دوسرے کو علم ظاہر چنانچہ جب تک ظاہر کی اصلاح نہیں ہوتی علم باطن سے کچھ میسر نہیں آتا، اسی طرح جب تک باطن کی اصلاح نہیں ہو جاتی علم ظاہر کی تکمیل نہیں ہوتی۔

ابو طالب کی فرماتے ہیں کہ یہ دونوں علم اصل اور بنیادی ہیں اور ان دونوں میں اس درجہ کا ارتباط و تعلق ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا، جس طرح ایمان و اسلام کہ ایک دوسرے کے بغیر صحیح نہیں ہوتے یا جیسے دل و جسم کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے، ٹھیک اسی طرح ان دونوں علوم کا آپس میں ارتباط و تعلق ہے۔ (ماقاری)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ نفع دینے والا علم وہ ہوتا ہے کہ جب اس کی روشنی سے دل منور ہو جاتا ہے تو دل کے وہ پردے اٹھ جاتے ہیں جو حقائق اشیاء کی معرفت و فہم کے لئے مانع ہیں۔

علم نافع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو علم معاملہ جو عمل کا باعث ہوتا ہے اور دوسرا علم مکاشفہ جو عمل کا اثر ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے دل میں یہ نور علم ڈال دیتا ہے اور حضرت حسن بصریؒ نے جس علم کو نافع قرار دیا ہے وہ یہی علم ہے اور جو علم زبان کے اوپر ہوتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جو نہ تو تاثیر رکھتا ہے اور نہ دل میں نورانیت پیدا کرتا ہے۔

علم چوں بر دل زند یاری شود علم چوں بر تن زند ماری شود

چنانچہ اسی علم کو کہا جا رہا ہے کہ یہ بندوں پر خدا کی جانب سے حجت اور دلیل ہے کہ خدا بندوں کو الزام دیتے ہوئے فرمائے گا کہ میں نے تو تمہیں علم دیا تھا تم نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ جاہل کے لئے ایک بار بریادی ہے اور عالم کے لئے سات بار کیونکہ یہ دیدہ و دانستہ گمراہ ہوا۔

(۶۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَائِينَ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَشَّرَنِي بِكُمْ وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَشَّرَنِي قَطَعَ هَذَا الْبَلْعُومُ يَنْعِي مَجْرَى الطَّعَامِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے دو باتیں (یعنی دو طرح کے علم) یاد رکھے ہیں، ان میں سے ایک کو تمہارے درمیان میں نے پھیلا دیا ہے اور دوسرا علم وہ ہے کہ اگر میں اسے بیان کر لوں تو میرا یہ گلا کاٹ ڈالا جائے۔“ (بخاری)

تشریح: پہلے علم سے مراد تو علم ظاہر ہے جس کا تعلق احکام و اخلاق وغیرہ سے ہے۔ دوسرے علم کے دو مفہوم لئے جاسکتے ہیں اول تو یہی کہ اس سے مراد وہ علم باطن ہے جس کے اسرار و معانی عوام سے ان کے ناقص فہم کی بنا پر پوشیدہ ہیں اور وہ علم خواص علماء عارفین کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو آنحضرت ﷺ نے بتایا تھا کہ میرے بعد ایک جماعت کی طرف سے ایک زبردست فتنہ اٹھے گا جس سے بدعات کی بنیاد پڑ جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو اس قوم اور اس قوم کے افراد کے ناموں کا بھی علم تھا چنانچہ ہو سکتا ہے کہ اس سے حضرت ابو ہریرہؓ کی مراد یہی علم ہو جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اگر میں اسے لوگوں کے سامنے بیان کر دوں گا تو میری جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

(۶۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَايَاهَا النَّاسُ مِنْ عِلْمٍ شَيْئًا فَلْيَقُلْ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلْ اللَّهُ أَعْلَمُ فَإِنَّ الْعِلْمَ أَنْ تَقُولَ لِمَا لَا تَعْلَمُ اللَّهُ أَعْلَمُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِيَبَيِّنَ قُلُ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ۔ (شق علیہ، سورہ ص ۸۶)

”اور مروی ہے کہ حضرت عبد اللہؓ نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا) اے لوگو! جو شخص کسی بات کو جانتا ہو تو چاہئے کہ وہ اسے بیان کر دے، اور جو نہ جانتا ہو تو چاہئے کہ وہ کہے کہ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے اس لئے کہ جس چیز کا اسے علم نہیں ہے، اس کے بارے میں اللہ زیادہ جانتا ہے۔ کہنا بھی علم کی ایک قسم ہے (یعنی معلوم کا غیر معلوم سے تیز کرنا بھی علم کی ایک قسم ہے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے واسطے فرمایا ہے کہ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ۔ (سورہ ص ۸۶) ترجمہ: ”یعنی اے محمد ﷺ کہہ دیجئے کہ میں اس قرآن پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔“ (بخاری)

تشریح: اس آیت کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ خدا نے جو کچھ علم مجھے دیا اور جتنا مجھے سکھا دیا اور پھر اس کو پھیلانے اور لوگوں کو سکھانے کا حکم دیا اسی کو لوگوں تک پہنچاتا اور انہیں سکھاتا ہوں، اس کے علاوہ میں کسی دوسری چیز کا دعویٰ اپنی طرف سے نہیں کرتا اور نہ ان چیزوں سے بحث کرتا ہوں جو مشکل اور سخت ہونے کی وجہ سے عوام کے فہم سے بلند و بالا ہیں کیونکہ ایسا کرنا خواہ مخواہ کا تکلف کرنا ہے۔

(۶۳) وَعَنْ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ إِنَّ هَذَا الْعِلْمَ دِينٌ فَانْظُرُوا عَمَلَكُمْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ یہ علم (یعنی کتاب و سنت کا علم) دین ہے۔ لہذا جب تم اس کو حاصل کرو تو یہ دیکھ لو کہ اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔“ (مسلم)

تشریح: اس ارشاد سے دراصل اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ جب علم حاصل کرنے کا ارادہ کرو یا حدیث حاصل کرو تو اس بات کو خوب اچھی طرح جانچ کر رکھ لو کہ تم جس سے علم حاصل کر رہے ہو وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ آیا وہ قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ جب تمہیں اس عالم برادری کے حالات کا پوری طرح علم ہو جائے اور سمجھ لو واقعی وہ دیندار، پرہیزگار اور قوی الحافظ ہے تو اس سے علم حاصل کرو۔ اس طرح کس و ناکس کو اپنا استاد نہ بناؤ اور ہر شخص سے حدیث کی روایت نہ کرو خصوصاً اہل بدعت، نفسانی خواہشات کے غلام اور غیر دینداروں سے اس معاملہ میں اجتناب برتو۔

(۹۹) وَعَنْ خُذَيْفَةَ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْقُرَاءِ اسْتَقْبِلُوا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيدًا وَإِنْ أَخَذْتُمْ بِمِثْنَا وَسِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا۔ (رواہ البخاری)

”اور مروی ہے کہ حضرت خذیفہؓ نے قاریوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے قاریوں کی جماعت سیدھے رہو اس لئے کہ تم سبقت لے گئے ہو دور کی سبقت اگر تم (سیدھے راستہ سے ہٹ کر) ادھر ادھر ہو گئے تو البتہ بڑی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔“ (بخاری)

تشریح: یہ ان صحابہ کرامؓ سے خطاب ہے جو ابتداء ہی میں اسلام کی دولت سے مشرف ہو گئے تھے۔ چونکہ ان لوگوں نے شروع ہی میں کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ اس لئے یہ اپنے فضل و کمال کی بنا پر ان لوگوں سے سبقت لے گئے ہیں جو بعد میں مسلمان ہوئے ہوں گے اگرچہ ان کے اعمال بھی ان ہی جیسے ہوں گے لیکن بعد کے لوگ پہلے والوں کے مرتبہ و درجہ کو ان کے سبقت اسلام کی بناء پر نہیں پہنچ سکتے۔

بہر حال انہیں مقدس حضرات کو حضرت خذیفہؓ مخاطب فرما رہے ہیں کہ تم لوگ شریعت، طریقت اور حقیقت کی راہ پر مستقیم رہو اس لئے کہ استقامت کرامت سے بہتر ہے۔

استقامت کے معنی یہ ہیں کہ اچھے عقیدے پر مضبوطی سے قائم رہا جائے، نفع دینے والے علم اور عمل صالح پر مداومت اختیار کی جائے، اغلاص غلصہ رکھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمام چیزوں سے دھیان ہٹا کر حق تعالیٰ کے ساتھ لگا کر رہے۔

(۱۰۰) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ قَالَ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمَ كُلَّ يَوْمٍ أَرْبَعٍ مِائَةِ مَرَّةٍ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَنْ يَدْخُلُهَا قَالَ الْقُرَاءُ الْمُرَاءُونَ بِأَعْمَالِهِمْ زَوَاهِ التَّيْمِذِيُّ وَكَذَلِكَ ابْنُ مَاجَةَ زَادَ فِيهِ وَإِنْ مِنْ أَيْقُضِ الْقُرَاءِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى الَّذِينَ يُؤْزُونَ الْأُمَرَاءَ قَالَ الْمُبَارِيقِيُّ يُعْنِي الْجَوْرَةَ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ تم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو جب الحزن یعنی غم کے کنویں سے صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! تم کا کنواں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ دوزخ میں ایک تالہ ہے جس سے دوزخ دن میں چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس میں کون داخل ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ قرآن پڑھنے والے جو اپنے اعمال کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ) اور ابن ماجہؒ کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں خدا کے نزدیک مبعوض ترین وہ قاری ہیں جو سرداروں سے ملاقات کرتے ہیں اس حدیث کے راوی حارثی نے کہا ہے کہ سرداروں سے مراد ظالم سردار ہیں۔“

(ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: ”جب الحزن“ دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے جو بہت گہری ہے اور کنوئیں کے مشابہ ہے یہ اتنی زیادہ ہیبت ناک اور وحشت ناک ہے کہ دوزخی تو الگ رہے خود دوزخ دن میں چار سو مرتبہ اس سے پناہ مانگتی ہے چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ وہ قاری جو اپنا عمل یعنی قرآن پڑھنا محض دکھاوے و ریا کے لئے کرتے ہیں اسی وحشت ناک وادی میں دھکیل دیئے جائیں گے۔ اسی حکم میں ریاکار عالم اور عابد بھی داخل

ہیں۔ کیونکہ علم کی اصل بنیاد تو قرآن ہی ہے اسی طرح عبادت بھی قرآنی احکام ہی کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے عالم اور عابد جو یادگار ہیں وہ بھی انھیں قاریوں کے ہمراہ اسی کنواں کا لقمہ بنیں گے۔

”سرداروں سے ملاقات“ کا مطلب یہ ہے کہ جو قاری سرداروں سے محض حب جاہ و مال اور دنیاوی طمع و لالچ کی خاطر ملتا ہے وہ خدا کے نزدیک مبغوض ترین ہے۔ ہاں اگر سرداروں سے ملنا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے ہو یا بطریق جبر اور ان کے شر کے دفعیہ کے لئے ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

نیز یہاں سرداروں سے بھی وہی سردار مراد ہیں جو ظالم اور جابر ہوں، نیک بخت سردار یا عادل امیر و حاکم کا یہ حکم نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے امراء و سردار جو خدا کے نیک بندے ہوں ان سے ملاقات کرنا عبادت میں داخل ہے۔

(۱) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رِسْمُهُ مَسَاجِدُهُمْ غَامِزَةٌ وَهِيَ خِرَابٌ مِنَ الْهَدْيِ غُلَمَاءُ هُمْ شَرُّ مَنْ تَخْتِ أَدِيمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْجُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيهِمْ تَغْوُذُ۔ (رواہ ابی بنی علی شعب الایمان)

”اور حضرت علیؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عترتِ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اسلام میں سے صرف اس کا نام باقی رہ جائے گا اور قرآن میں سے صرف اس کے نقوش باقی رہیں گے۔ ان کی مسجدیں (بظاہر تو) آباد ہوں گی مگر حقیقت میں ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے کی مخلوق میں سے سب سے بدتر ہوں گے۔ انھیں سے (ظالموں کی حمایت و مدد کی وجہ سے) دین میں فتنہ پیدا ہوگا اور انھیں میں لوٹ آئے گا (یعنی انھیں پر ظالم) مسلط کر دیے جائیں گے۔“ (یعنی)

تشریح: یہ حدیث اس زمان کی نشان دہی کر رہی ہے جب عالم میں اسلام تو موجود رہے گا مگر مسلمانوں کے دل اسلام کی حقیقی روح سے خالی ہوں گے، کہنے کے لئے تو وہ مسلمان کہلائیں گے مگر اسلام کا جو حقیقی مدعا اور منشاء ہے اس سے کوسوں دور ہوں گے۔ قرآن جو مسلمانوں کے لئے ایک مستقل ضابطہ حیات اور نظام عمل ہے اور اس کا ایک ایک لفظ مسلمانوں کی دینی و دنیاوی زندگی کے لئے راہ نما ہے۔ صرف برکت کے لئے پڑھنے کی ایک کتاب ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ یہاں ”ترم قرآن“ سے مراد یہی ہے کہ تجوید و قرأت سے قرآن پڑھا جائے گا، مگر اس کے معنی و مفہوم سے ذہن قطعاً نا آشنا ہوں گے، اس کے ادا و مروا ہی پر عمل بھی ہوگا مگر قلوب اخلاص کی دولت سے محروم ہوں گے۔

مسجدیں کثرت سے ہوں گی اور آباد بھی ہوں گی مگر وہ آباد اس شکل سے ہوں گی کہ مسلمان مسجدوں میں آئیں گے اور جمع ہوں گے لیکن عبادت خداوندی، ذکر اللہ اور درس و تدریس جو بناء مسجد کا اصل مقصد ہے وہ پوری طرح حاصل نہیں ہوگا۔ اسی طرح وہ علماء جو اپنے آپ کو روحانی اور دینی پیشوا کہلائیں گے۔ اپنے فرائض انھیں سے ہٹ کر مذہب کے نام پر امت میں تفریق پیدا کریں گے، ظالموں اور جابروں کی مدد و حمایت کریں گے۔ اس طرح دین میں فتنہ و فساد کا بیج بکرا اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل کریں گے۔

(۲) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي عَدِيٍّ قَالَ ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَقَالَ ذَلِكَ عِنْدَ أَنْ ذَهَابَ الْعِلْمُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ وَخُذْ نَفْرًا الْقُرْآنَ وَنَفْرًا أَتْنَاءَ نَا وَنَفْرًا أَتْنَاءَ نَا أَتْنَاءَ هُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَقَالَ لِكُلِّكَ أَمْلَكَ زَيْدًا إِنَّ كُنْتَ لَا زَالَكَ مِنْ أَفْقِهِ وَجَلَّ بِالْمَدِينَةِ أَوْ لَيْسَ هَذِهِ الْيَهُودُ وَالتَّصَاوِي يَفْرَؤُونَ التَّوْرَةَ وَالْأَنْجِيلَ لَا يَعْمَلُونَ بِشَيْءٍ وَمِمَّا فِيهِمَا۔ وَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ نَحْوُهُ وَكَذَا الدَّارِمِيُّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ۔

(رواہ احمد و ابن ماجہ)

”اور حضرت زید بن ابی عدیؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے کسی چیز (یعنی فتنہ اور ابتلاء) کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا یہ اس وقت ہوگا جبکہ علم جاتا

رہے گا۔ (یہ سن کر) میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! علم کس طرح جاتا رہے گا؟ حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی پڑھائیں گے۔ ہمارے بچے اپنے بچوں کو پڑھائیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ زیاد! تمہیں تمہاری ماں گم کر دے! میں تو تمہیں مدینے کے لوگوں میں بڑا سمجھ دار سمجھتا تھا کیا یہود و نصاریٰ توریت و انجیل کو نہیں پڑھتے ہیں۔ لیکن ان کی کتابوں کے اندر جو کچھ ہے (یعنی احکام) اس میں سے وہ کسی چیز پر عمل نہیں کرتے۔ (احمد، ابن ماجہ) اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی ہی روایت زیاد سے اور اسی طرح داری نے ابی امامہؓ سے نقل کی ہے۔ ”(احمد، ابن ماجہ، ترمذی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حضرت زیاد کو تنبیہ فرمائی کہ تم نے میرے کلام کا منشاء جانے بغیر یہ خیال کر لیا کہ صرف قرآن کا پڑھ لینا اور اس کا علم حاصل کر لینا ہی کافی ہے یعنی جس نے قرآن پڑھ لیا اور اس کا علم حاصل کر لیا تو اس نے اس پر عمل بھی کر لیا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ محض قرآن کو پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اصل چیز تو اس کا اتباع اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہے اور یہی چیز اس وقت مقصود ہوگی، چنانچہ قرآن کو مسلمان پڑھیں گے اور اس کا علم بھی حاصل کریں گے مگر ان کا عمل قرآن کے مطابق نہیں ہوگا جس طرح کہ یہود و نصاریٰ کہ وہ بھی اپنی کتابوں یعنی توریت و انجیل کو پڑھتے ہیں اور اس کا علم بھی حاصل کرتے ہیں لیکن ان کے احکام پر ذرہ برابر بھی عمل نہیں کرتے۔

(۴۳) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ فَاتَى امْرَأَةً مَثْبُوحَةً وَالْعِلْمُ سَيَقْبِضُ وَتُظْهِرُ الْفِتْنُ حَتَّى يَخْتَلِفَ أَقْنَانُ فِي فَرِيقَةٍ لَا يَجِدَانِ أَحَدًا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا۔ (رواه الدارمی والدارقطنی)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ علم کو سیکھو اور سکھاؤ، علم فراغت (یا فرض احکام) کو سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ (اسی طرح) قرآن کو سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ۔ اس لئے کہ بے شک میں ایک شخص ہوں جو اٹھایا جاؤں گا اور علم بھی اٹھایا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو شخص ایک فرض چیز میں اختلاف کریں گے اور کسی کو ایسا نہ پائیں گے جو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرے (یعنی علم کے کم ہو جانے اور فتنوں کے بڑھ جانے) سے یہ حال ہو جائے گا۔“ (دارمی، دارقطنی)

(۴۴) وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ عِلْمٍ لَا يَنْتَفِعُ بِهِ كَمَثَلِ كَثِيرٍ لَا يَنْفِقُ مِنْهُ فَمَنْ سَبَّحَ اللَّهَ۔ (رواه احمد والداری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس علم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے (یعنی نہ دوسروں کو پڑھایا جائے اور نہ اس پر عمل کیا جائے) اس خزانہ کی مانند ہے جس میں سے خدا کی راہ میں کچھ خرچ نہ کیا جائے۔“ (احمد، دارمی)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب الطہارۃ پاکیزگی کا بیان

لغت میں ”طہارۃ“ کے معنی نظافت اور پاک کی آتے ہیں جو نجاست کی ضد ہے ”طہور“ بضم طاء مصدر ہے اور ان چیزوں کو بھی طہور کہتے ہیں جو پاک کرتی ہیں جیسے پانی اور مٹی طہور، بفتح طاء بھی مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔
اصطلاح شریعت میں ”طہارت“ کا مفہوم ہے نجاست حکمی یعنی حدث سے اور نجاست حقیقی یعنی خبث سے پاکیزگی حاصل کرنا۔

الفصل الاول

① عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطُّهُورُ شَرْطُ الْإِيمَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأَانِ أَوْ تَمْلَأُ مَائَتِينَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالصَّلَاةُ نُورٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَالصَّبْرُ صَبَاءٌ وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوا فَبْنِيعٍ نَفْسَهُ فَمَنْعَتْهَا أَوْ مَوْبِقَهَا رَوْاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْثَرُ تَمْلَأَانِ مَائَتَيْنِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَمْ أَجِدْ هَذِهِ الرِّوَايَةَ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَلَا فِي كِتَابِ الْحَمِيدِيِّ وَلَا فِي الْجَامِعِ وَلَكِنْ ذَكَرَهَا الدَّارِمِيُّ بِذَلِكَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ۔

”حضرت ابی مالک اشعریؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا ”پاک رہنا آدھا ایمان ہے اور الحمد للہ کہنا (اعمال کی) ترازو کو بھردیتا ہے اور سبحان اللہ والحمد للہ بھردیتے ہیں یا فرمایا ہر ایک کلمہ بھردیتا ہے اس چیز کو جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے نماز نور ہے صدقہ دلیل ہے، صبر کاروشی ہے اور قرآن تمہارے لئے یا تمہارے اوپر دلیل ہے ہر شخص (جب) صبح کرتا ہے (یعنی سوکر اٹھتا ہے) تو اپنی جان کو (اپنے کاموں میں بیچتا ہے) (یعنی لگاتا) ہے لہذا وہ اپنی جان کو آزاد کرتا ہے یا ہلاک کرتا ہے۔ (مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ لا الہ الا اللہ اکبر بھردیتے ہیں اس چیز کو جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔“ (صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس روایت کو نہ بخاری میں پایا ہے نہ مسلم میں اور نہ ہی کتاب حمیدی و کتاب جامع الاصول میں مجھے یہ روایت ملی ہے البتہ داری نے اس روایت کو بجائے سبحان اللہ والحمد للہ کے ذکر کیا ہے۔“ (الہذا صاحب مصابح کا اس روایت کو فصل اول میں نقل کرنا درست نہیں ہوا۔“

تشریح: اس حدیث میں پاکیزگی و طہارت کی انتہائی عظمت و فضیلت کا اظہار ہوتا ہے کہ اسلام میں طہارت کو کیا مقام حاصل ہے چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ پاک رہنا آدھا ایمان ہے اور وجہ ظاہر ہے کہ ایمان سے چھوٹے اور بڑے سب عی گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور وضو

لہ آپ کے نام میں اختلاف ہے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ کا نام کعب بن مالک ہے اور بعض کعب بن عامر کہتے ہیں، عبیدہ، حارث اور عمرو بھی بیان کیے جاتے ہیں، کنیت ابومالک ہے، مشہور صحابی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

سے صرف چھوٹے گناہ ہی بخشے جاتے ہیں اس لئے طہارت کو آدمی ایمان کا درجہ حاصل ہے۔

درمیان روایت میں راوی کو شک ہو رہا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے لفظ تملاء مفرد فرمایا یا تعملان تنسیہ کے ساتھ فرمایا ہے اس لئے انہوں نے دونوں کو نقل کر دیا ہے، اس جملہ کا مطلب ہے کہ سبحان اللہ والحمد للہ پڑھنا اور ان کا ورد رکھنا اتنی فضیلت کی بات ہے اور اس کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر ان دونوں کلموں کو ایک جسم فرض کر لیا جائے تو اتنے عظیم ہیں کہ آسمان اور زمین کے درمیانی حصہ کو بھردیں۔

نماز کو نور فرمایا گیا ہے اس لئے کہ نمازی وہ چیز ہے جو قبر کے اندر چلے اور قیامت کی ظلمت میں روشنی کی مانند ہے جو مومن کو گناہوں اور بری باتوں سے بچاتی ہے اور نیکی و بھلائی اور ثواب کے کاموں کی طرف راہنمائی کرتی ہے پھر نماز کو نور اس لئے کہا گیا ہے کہ مومن کے قلب کو ذاتِ خداوندی کے عرفان کی روشنی سے منور کرتی ہے اور عبارتِ خداوندی کی اداسنی و اطاعت الہی کی بنا پر نماز پڑھنے والے کے چہرہ پر سعادت و نیک بخشی کی چمک پیدا کرتی ہے۔

صدق یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو دلیل اس لئے کہا گیا ہے کہ مومن کے دعویٰ ایمان کی صداقت اور پروردگارِ عالم سے محبت پر دلالت کرتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ جب قیامت میں مالدار سے خدا سوال کرے گا کہ ہم نے تمہیں مال و دولت میں اتنی وسعت بخشی تھی تو تم نے اس مال و دولت کو کہاں خرچ کیا؟ اور اس کا مصرف کیا تھا؟ یعنی تم نے ہماری بخشی ہوئی اس نعمت کو اچھی راہ میں خرچ کیا یا بُرے راستہ میں لٹا دیا؟ تو اس کے جواب میں صدقہ بطور دلیل پیش ہو گا کہ خداوندِ قدوس تیرا دیا ہوا مال برے راستہ میں نہیں لٹایا گیا ہے بلکہ اسے تیری ہی راہ میں اور تیری ہی خوشنودی کے لئے خرچ کیا گیا ہے۔

صبر اس کو کہتے ہیں کہ گناہوں سے بچا جائے، طاعات پر مستعد رہا جائے اور کسی مصیبت و تکلیف کے موقع پر آہ بکا اور جزع و فرع نہ کیا جائے چنانچہ اس کے بارہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ کامل روشنی کا سبب ہے اس لئے کہ صابر کا قلب و دماغ ایمانی عزم و یقین کی روشنی سے ہمیشہ منور رہتا ہے اور وہ دین و دنیا کے ہر مرحلہ پر کامیاب ہوتا ہے۔

”قرآن کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ تمہارے لئے یا تمہارے اوپر دلیل ہے یعنی تم قرآن پڑھو گے اور اس پر اگر عمل کرو گے تو قرآن تمہیں نفع بخشے گا اور اگر عمل نہ کرو گے تو تمہارے لئے ضرر کا باعث ہو گا۔

”جان کو بچنے“ کے معنی یہ ہیں کہ جس کام کی طرف آدمی متوجہ ہو اس میں اپنی ذات کو کھپا دے، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص سو کر اٹھتا ہے تو اپنے کام میں لگسکتا ہے اور دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے، لہذا اب اس نے اگر اس کام کے بدلے آخرت خرید لی ہاں طور کہ اس کام پر آخرت کو ترجیح دی تو اس نے اپنے نفس کو عذابِ آخرت سے آزاد کر لیا، اور اگر خدا نخواستہ اس نے دنیا اور دنیا کے اس کام کو آخرت کے بدلے خرید لیا یا اس طور کہ اس کام کو آخرت پر ترجیح دی تو اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا اور اپنے نفس کو عذاب میں ڈال دیا۔

بدنیا تو انی کہ عقبہ خری بخران من درند حسرت بری

(۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَدْلُكُمْ عَلَى مَا يَمْتَصُّهُ اللَّهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ اسْتَبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَى إِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَذَلِكَ الْوُضُوءُ وَفِي حَدِيثٍ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فَلِذَلِكَ الْوُضُوءُ فَذَلِكَ الْوُضُوءُ وَذَكَرَ مَرَّتَيْنِ زَوَاهِ مُسْلِمٌ وَفِي الرَّوَاةِ التِّرْمِذِيُّ لَفْلَاحًا۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے (صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا ”کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دوں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو دور کر دے اور جس کے سبب (جنت میں) تمہارے درجات کو بلند کرے؟“ صحابہؓ نے عرض کیا ”ہاں یا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشقت کے وقت (یعنی بیماری یا سخت جائزے میں) وضو کو پورا کرنا، مسجد کی طرف انحراف سے دور ہونے کی وجہ سے اکثریت سے قدموں کا رکھنا اور (ایک) نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا پس یہ رباط ہے اور مالک بن انس کی حدیث میں ”پس یہ رباط ہے، پس یہ رباط ہے“ دو مرتبہ ہے اور ترمذی کی روایت میں تین مرتبہ ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے خداوند قدوس اپنے بندوں پر اس طرح فضل و کرم فرماتا ہے کہ ان کے نامہ اعمال سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور جنت میں ان کے مراتب و درجات میں ترقی عطا فرماتا ہے چنانچہ سب سے پہلی چیز ”وضو“ ہے۔ یوں تو وضو نماز کے لئے شرط اور ضروری ہے لہذا جو نماز پڑھے گا وہ وضو بھی کرے گا خواہ کیسا ہی وقت اور کیسا ہی موسم ہو مگر اس جگہ ایک خاص بات کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی سخت وقت میں مثلاً کسی بیماری کی حالت میں یا شدید سردی کے موسم میں عموماً وضو کے معاملہ میں بڑی تساہلی برتی جاتی ہے اور اول تو زبردستی اور صحت کے منافی طریقوں کو اختیار کر کے دو اور تین وقت وضو کو باقی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے یا پھر اگر وضو کیا جاتا ہے تو ایسے طریقے سے کہ نہ تو اس میں وضو کے آداب اور اس کے سنن و مستحبات کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ وضو پورے طریقہ سے مکمل کیا جاتا ہے۔

ایسے ہی مواقع کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ ایسے سخت اور شدید وقت میں اگر وضو پورے آداب و طریقے طوط رکھ کے اور تمام سنن و مستحبات کا خیال کر کے کیا جائے اور تمام اعضاء وضو پر پانی اچھی طرح پہنچایا جائے اور ان کو تین تین مرتبہ دھویا جائے تو یہ فضل خداوندی کا سبب ہوگا۔

دوسری چیز مسجد کی طرف کثرت سے قدموں کا رکھنا ہے، یعنی ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جانا جو گھر سے دور ہو اس لئے کہ جتنے زیادہ قدم مسجد کی طرف اٹھیں گے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔

”نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار“ یہ ہے کہ مسجد میں ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے یا اگر مسجد سے نکلے بھی تو دل وہیں دوسری نماز میں لگا رہے اس کی بہت زیادہ فضیلت و عظمت بیان فرمائی جا رہی ہے چنانچہ اس کو ”رباط کہا گیا ہے۔“

”رباط اسے کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان اسلامی مملکت کی سرحد پر دشمنان اسلام کے مقابلہ پر نگہبانی کی خاطر بیٹھے تاکہ دشمن سرحد پار کر کے اسلامی ملک میں داخل نہ ہو جائیں اس کا ثواب ہے اور بڑی فضیلت ہے جو خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم بھی فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَاصْبِرُوا

”اے ایمان والو! تکلیف پر اخذ صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو۔“ (ال عمران ۲۰۰:۳)

چنانچہ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ نماز کے انتظار میں بیٹھنا اصل رباط ہے کہ جیسے وہاں تو کفار مقابلہ میں بیٹھے ہیں یہاں شیطان کے مقابلہ میں بیٹھے ہیں جو دین کا سب سے بڑا دشمن ہے اس لئے جیسی فضیلت و سعادت رباط میں ہے ویسی ہی فضیلت و سعادت نماز کے انتظار میں بیٹھنے کی ہے اس حدیث میں چونکہ ”وضو“ کا ذکر آگیا ہے اس لئے اس کے متعلقات کا یہاں بیان کر دینا مناسب ہے۔

وضو میں چار چیزیں فرض ہیں ① تمام منہ کا دھونا ② ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا ③ چوتھائی سر کا مسح کرنا ④ پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا وضو میں پورے چہرے کا دھونا فرض ہے اور اسی میں ڈاڑھی بھی شامل ہے، البتہ ڈاڑھی کے تقصین میں تھوڑا بہت اختلاف ہے چنانچہ متون میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی کے ان بالوں کا مسح کرنا جو منہ کی جلد سے ملے ہوئے ہیں فرض ہے قنوی عالمگیری اور در مختار میں صحیح اور متقی بہ قول یہ لکھا ہے کہ ڈاڑھی کے ان بالوں کا مسح کرنا جو منہ کی جلد سے ملے ہوئے ہیں فرض ہے اور لنگی ہوئی کا دھونا فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے واللہ تعالیٰ اعلم وضو میں سنت یہ چیزیں ہیں ① ہاتھوں کا پہنچوں تک دھونا ② ابتدائے وضو میں بسم اللہ کہنا ③ مسواک کرنا ④ کلی کرنا ⑤ ناک میں پانی دینا ⑥ ڈاڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا ⑦ ہر عضو کو تین بار دھونا ⑧ نیت کرنا ⑨ اسی ترتیب سے وضو کرنا جس ترتیب سے

قرآن میں مذکور ہے ⑩ تمام سر کا مسح کرنا ⑪ اعضاء وضو کو پے در پے دھونا ⑫ سر کے پانی کے ساتھ ہی کانوں کا مسح کرنا (یعنی ہاتھ پر پانی ڈال کر جب سر پر مسح کیا جائے تو اسی ہاتھ سے کانوں کا مسح کیا جائے، کانوں کے مسح کے لئے الگ سے پانی کی ضرورت نہیں۔

وضو کے مستحبات یہ ہیں ① اعضاء وضو کو دھونے کے لئے دائیں طرف سے شروع کرنا (مثلاً پہلے دایاں ہاتھ دھویا جائے پھر دایاں) ② گردن کا مسح کرنا ③ وضو کے لئے قبلہ رخ بیٹھنا ④ اعضاء کا (دھوتے وقت) پہلی بار ملنا ⑤ غیر معذور کا وقت سے پہلے وضو کر لینا ⑥ دھلی انگوٹھی کو گھمانا پھر اسی طرح غسل میں قرط یعنی بالی کو گھمانا پھر انا، لیکن اس کے بارہ میں اتنی بات یاد رکھ لینی چاہئے کہ اگر غسل اور وضو کے وقت ان چیزوں کے متعلق یہ خیال ہو کہ ان کے نیچے بدن پر پانی پہنچ رہا ہے تو پھر یہ عمل مستحب ہو گا اور اگر یہ جانے کے پانی ان کے نیچے نہیں پہنچتا تو پھر ان کو بلا لینا فرض ہو گا ⑦ خود وضو کرنا مستحب ہے کسی دوسرے سے وضو نہ کرایا جائے ⑧ وضو کے وقت کوئی دیناوی گفتگو نہ کرنا چاہئے ہاں اگر کوئی مجبوری ہو کہ بغیر کلام و گفتگو کے مقصد اور حاجت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو کر سکتا ہے ⑨ ہر عضو کو دھونے کے وقت اور مسح کرتے وقت بسم اللہ پڑھے ⑩ ان دعاؤں کا پڑھنا جو عضو کے دھونے کے وقت پڑھنے کے لئے منقول ہیں ⑪ وضو مکمل کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ پر درود و سلام بھیجنا، مگر کتاب ”تریلعی“ میں لکھا ہے کہ ہر عضو کو دھونے کے بعد درود و سلام بھیجنا مستحب ہے ⑫ وضو کے بعد شہادتین اور وہ دعائیں جو حدیث میں وارد ہیں پڑھنا (آگے حدیث میں یہ دعائیں آ رہی ہیں) ⑬ وضو کا قیہ پانی قبلہ رخ ٹھکے ہو کر یا بیٹھ کر پینا ⑭ بھوؤں اور مونچھوں کے نیچے، گوشہ چشم پر اور پاؤں کے کونجوں پر پانی پہنچانے کے لئے تعابہ یعنی خبر گیری کرنا کہ یہ صے خشک نہ رہ جائیں۔

مکروہات وضویہ ہیں: ① منہ پر زور سے پانی مارنا ② اسراف کرنا ضرورت اور حاجت سے زیادہ پانی بہانا ③ اعضاء کو تین تین مرتبہ سے زیادہ دھونا ④ نئے پانی سے تین مرتبہ مسح کرنا۔

اور منہیات وضویہ ہیں: ① عورت کے وضو کے نیچے ہونے پانی سے وضو نہ کرنا چاہئے ② نجس جگہ وضو نہ کرنا چاہئے تاکہ وضو کے پانی کی بے حرمتی نہ ہو، ③ مسجد میں وضو نہ کرنا چاہئے البتہ کسی برتن میں یا اس جگہ جو وضو کے لئے خاص طور پر مقرر ہے وضو کرنا درست ہے ④ تھوک اور ریشہ وغیرہ وضو کے پانی میں نہ ڈالنا چاہئے۔

③ وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ التَّوَضُّعَ خَرَجَتْ

خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهِ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص وضو کرے“ اور اچھی طرح کرے (یعنی اس کے سنن و مستحبات کی رعایت کے ساتھ) تو اس کے (صغیرہ) گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں بھی وضو کی فضیلت اور طہارت کی بڑائی بیان کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وضو کرنا درحقیقت اپنے گناہوں کو اپنے جسم سے دھونا ہے جو جتنا زیادہ جتنی اچھی طرح وضو کرے گا اس کے اتنے ہی گناہ ختم کر دیئے جائیں گے اور پھر بطور مبالغہ کے فرمایا گیا ہے کہ وضو کرنے والے کے ناخنوں کے نیچے کے گناہ بھی وضو کرنے سے نکل جاتے ہیں یعنی وضو کرنے کے بعد اس کو نہ صرف یہ کہ ظاہری پاکی اور طہارت حاصل ہوتی ہے بلکہ وہ گناہوں سے بھی خوب پاک ہو جاتا ہے، یہ جملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ہمارے یہاں یہ عبادہ بولا جاتا ہے کہ تہا کی بھی ناک کی راہ نکال دیں گے۔

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوْ الْمُؤْمِنُ فَعَسَلَ وَجْهَهُ

خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بَعَيْنُهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ

كَانَ يَنْظُرُهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ

اَخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذَّنُوبِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جب کوئی بندہ مسلمان یا فرمایا مومن وضو کا ارادہ کرتا ہے اور اپنے منہ کو دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے وہ تمام گناہ جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کے منہ سے نکل جاتے ہیں (یعنی جو گناہ آنکھوں سے ہوئے ہیں) جھڑ جاتے ہیں) پھر جب دونوں ہاتھوں کو دھوتا ہے تو ہاتھوں کے تمام گناہ جن کو اس کے ہاتھ نے پکڑا تھا پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے ہاتھوں سے خارج ہو جاتے ہیں (یعنی جو گناہ ہاتھ سے ہوئے ہیں) جھڑ جاتے ہیں) پھر جب وہ دونوں پاؤں کو دھوتا ہے تو اس کے وہ تمام گناہ جن کی طرف وہ پاؤں سے چلا تھا پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔“ (مسلم)

⑤ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ امْرِئٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوبَةٌ فَيُخْبِسُ وَضْوءَهُ هَا وَخَشَوْعَهَا وَلَا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلُهَا مِنَ الذَّنُوبِ مَا لَمْ يُوْتِ كَبِيرَةٌ وَذَلِكَ اللَّهُ هُوَ كُلُّهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جو مسلمان فرض نماز کا وقت آنے پر اچھی طرح وضو کرے اور نماز میں خشوع و رکوع کرے تو اس کی یہ نماز ان گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے جو اس نے نماز سے پہلے کئے تھے، بشرطیکہ وہ گناہ کبیرہ نہ ہوں اور ایسا بیٹہ ہوتا رہتا ہے (یعنی وہ نماز جو گناہوں کا کفارہ ہے کسی زمانہ میں مخصوص نہیں ہے یہ فضیلت ہر زمانہ میں قائم رہتی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: نماز کی اصل روح خشوع اور خضوع ہے اس لئے کہ نماز ہی وہ عبادت ہے جو بندہ کی انتہائی بے چارگی اور اس کے عمر کو ظاہر کرتی ہے لہذا نماز کے اندر جتنا زیادہ خشوع و خضوع ہوگا اتنے ہی اعلیٰ درجہ تک اس کی رسائی ہوگی نماز میں خشوع کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص نماز پڑھے تو نماز کے جتنے ظاہری و باطنی آداب ہیں سب کو بجالائے اور سب کی رعایت کرے تاکہ دل ترساں رہے جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو نہایت سکون کے ساتھ رہے نظر سجدہ کی جگہ پر ہو، سوائے نماز کے کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو اپنا دھیان نماز ہی میں رکھے کسی دوسری طرف دھیان نہ دے، بدن کپڑے اور ڈاڑھی وغیرہ سے کھیلے نہیں، دائیں بائیں طرف دیکھے نہیں اور آنکھ نہ بند کرے، یہ تمام چیزیں اگر نماز میں حاصل ہو جائیں تو پھر انشاء اللہ حضور قلب کی دولت بھی میسر آجائے گی جو عند اللہ نماز کی مقبولیت کا سبب ہے۔ حدیث میں صرف رکوع کا ذکر کیا گیا ہے سجدہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رکوع صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کی نماز میں شروع ہے یہود و نصاریٰ کی نماز و عبادت میں علی العموم رکوع نہیں ہوتا اس لئے اس کو بیان کر کے اس کی امتیازی حیثیت کو اجاگر کیا گیا ہے، آخر میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ ایسی نماز صرف صغیرہ گناہوں کے لئے کفارہ ہوتی ہے اور صغیرہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہے، کبیرہ گناہوں کا کفارہ نہیں ہوتی۔

⑥ وَعَنْهُ أَنَّهُ تَوَضَّأَ فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ تَمَضَّمْضَ وَاسْتَنْشَرُ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرَى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى ثَلَاثًا ثُمَّ الْيُسْرَى ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ تَحْوُ وَضُوءِي هَذَا ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ تَحْوُ وَضُوءِي هَذَا ثُمَّ يَصَلِّي رَكَعَتَيْنِ لَا يَحْدِثُ نَفْسَهُ فِيهِمَا مَابَشِيئَةٍ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ۔

”اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ”انہوں نے ایک مرتبہ وضو کیا“ چنانچہ انہوں نے پہلے اپنے ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا پھر تین مرتبہ کلی کی اور ناک جھاری (یعنی ناک میں پانی دینے کے بعد ناک سن کی پھر تین مرتبہ منہ دھویا، پھر تین مرتبہ اپنا دھنا ہاتھ کہنی تک دھویا (یعنی کہنی سمیت دھویا) پھر تین مرتبہ اپنا بایاں ہاتھ کہنی تک دھویا، پھر اپنے سر کا کچ کیا، پھر اپنا دایاں پر تین مرتبہ دھویا، پھر بایاں پر تین مرتبہ دھویا اور پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے جس طرح اب میں نے

وضو کیا ہے " پھر فرمایا جو شخص میرے اس وضو کی مانند وضو کرے (یعنی فرائض و سنن اور مستحبات و آداب کی رعایت کے ساتھ) پھر دو رکعت نماز پڑھے اور نماز کے اندر اپنے دل سے کچھ باتیں نہ کرے (یعنی پورے دھیان سے نماز پڑھے تو اس کے تمام پچھلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم) اس روایت کے الفاظ بخاری کے ہیں۔"

تشریح: اعضاء وضو کا تین مرتبہ سے زائد دھونا تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پورے عضو تین مرتبہ دھو چکا ہے تو اب اس پر زیادتی نہ کرے یعنی تین بار سے زائد نہ دھوے اگر ایسی شکل ہے کہ ایک چلو سے آدھا عضو دھویا اور پھر دوسرے چلو سے آدھا دھویا تو یہ ایک مرتبہ ہی کہلائے گا مثلاً اسی طرح کسی عضو کو چھ چلوں سے دھو کر تین بار کو پورا کیا تو یہ زیادتی نہ ہوگی بلکہ تین مرتبہ ہی ہوگا وضو کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا انتہائی درجہ نہیں ہے بلکہ ادنیٰ درجہ ہے اگر زیادہ بھی پڑھے تو افضل ہے بہر حال یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وضو کے بعد نماز یعنی تحیۃ الوضو پڑھنی مستحب ہے اگر فرض یا سنت موکدہ ہی پڑھے تو یہ بھی کافی ہے۔

آخر حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ نماز میں حضور قلب اور خشوع و خضوع بہت زیادہ مطلوب ہے چنانچہ آخری جملہ کا یہ مطلب ہے کہ جب نماز شروع کرے تو پھر اپنے دل کو نماز میں لگانے کی خیالات نماز سے باہر کہیں دوسری جگہ بٹھکنے نہ پائیں اور قلب میں دنیا کے خیالات اور ایسے تفکرات کو جو نماز کے متافی ہیں جگہ نہ دے خیال اللہ ہی کی طرف لگائے رکھے اگر خطرات و دوسواں دل میں آئیں تو ان کو دفع کر لے ہاں اگر دل میں ایسے خطرات پیدا ہوتے ہیں جو نماز میں حضور قلب کے متافی نہیں پھر کچھ مضر نہیں۔

⑥ وَعَنْ عَقْبَةَ بْنِ غَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وَضْوءَهُ ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّيُ بِكَتِفَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ إِلَّا وَجَّهَتْ لَهُ الْجَنَّةَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عقبہ بن عامرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو مسلمان وضو کرے اور اچھا وضو کرے پھر کھڑا ہو اور دو رکعت نماز پڑھے دل اور منہ سے متوجہ ہو کر (یعنی ظاہر و باطن کے ساتھ متوجہ ہو کر) تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔" (مسلم)

تشریح: فرمایا گیا ہے کہ جب اچھی طرح وضو کرے تو کھڑا ہو اور دو رکعت نماز پڑھے تو یہ کھڑا ہونا یا حقیقہ ہو یعنی واقعی کھڑا ہو کر نماز پڑھے یا کھڑا ہونا حکماً ہو مثلاً بیٹھ کر پڑھے خصوصاً جب اس کو کوئی عذر اور مجبوری ہو کہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا یہ دونوں شکلیں مراد ہیں۔

⑦ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُصَلِّيُ أَوْ قَسِيغُ الْوُضْوءَ ثُمَّ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَفِي رِوَايَةٍ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ هَكَذَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِي صَحِيحِهِ وَالْحَمِيدِيُّ فِي أَقْوَادِ مُسْلِمٍ وَكَذَا ابْنُ الْأَثِيرِ فِي جَامِعِ الْأُصُولِ وَذَكَرَ الشَّيْخُ مُعْجَى الدِّينِ التَّوَوُّيُّ فِي آخِرِ حَدِيثِ مُسْلِمٍ عَلَى مَا رَوَيْنَاهُ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ وَالْحَدِيثُ الَّذِي رَوَاهُ الْمُعْجَى السُّنَّةُ فِي الصَّحَاحِ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَخْسَنَ الْوُضْوءَ إِلَى آخِرِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ فِي جَامِعِهِ بِغَيْبِهِ الْأَكْلَمَةُ أَشْهَدُ قَبْلَ أَنْ مُحَمَّدًا۔

"اور حضرت عمر بن الخطابؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "تم میں جو شخص وضو کرے اور (اس کی خوبیوں) کو انجام پر پہنچا دے یا آپ ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے کہ اور پورا وضو کرے پھر کہے أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ (یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور محمد ﷺ خدا کے بندے اور خدا کے رسول ہیں اور

لہذا تم گواہی عجب اچھی ہے کثرت میں بہت زیادہ اختلاف ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو حمادؓ نے بعض نے ابولیدؓ ابو عمروؓ وغیرہ بھی کہا ہے مصر میں انتقال ہوا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اس طرح کہے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ یعنی میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی خدائے واحد کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور شہادت دیتا ہوں اس بات کی کہ محمد ﷺ خدا کے بندے اور خدا کے رسول ہیں، تو اس کے لئے جنت کے انھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس دروازے میں سے اس کا جی چاہے جنت میں داخل ہو (مسلم عمیدی جامع الاصول) اور امام نوویؒ نے مسلم کی حدیث کے آخر میں جس کو ہم نے روایت کیا ہے یہ ذکر کیا ہے کہ ترمذی نے (شہادتیں پر اس دعا کے) یہ الفاظ زیادہ لکھے ہیں ”اے اللہ امجھ کو توبہ کرنے والوں میں سے بنا اور پاکیزگی کرنے والوں میں شامل کر (یعنی مسلم کی روایت جس طرح ہم نے ذکر کی ہے وہی روایت امام نوویؒ نے مسلم کی شرح میں نقل کی ہے اور اس کے آخر میں رواہ الترمذی اس کی عبارت بڑھادی ہے) اور وہ حدیث جس کو امام محی السنۃ نے صحاح میں روایت کی ہے یعنی مَنْ تَوَضَّأَ فَحَسَنَ التَّوَضُّعَ الْخ (جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا) آخر تک اس کو امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں بعینہ اسی طرح نقل کیا ہے اَنْ مُحَمَّدًا سے پہلے اَشْهَدُ کا ذکر نہیں کیا ہے۔“

تشریح: مراتب اور درجات کے اعتبار سے جنت کے اٹھ حصے ہیں چنانچہ اس حدیث میں ”انھوں دروازوں“ کا جو ذکر کیا گیا ہے ان سے حقیقہ دروازے مراد نہیں بلکہ ان اٹھ حصوں کو ایک ہی اعتبار کیا ہے اور ہر ایک کو دروازے سے تعبیر کیا ہے کبھی ایک کو بھی بہشت کہتے ہیں، اس حساب سے ”بہشت بہشت“ ہوتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي الْخ یعنی ”اے اللہ امجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا“ کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا ہمیں تو اس کی توفیق عنایت فرما کہ جب ہم سے بھی بھٹا خدائے بشریت کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور ہم سے کوئی لغزش ہو جائے تو ہم اس سے فورا توبہ کر لیں اور اپنے عیوب سے رجوع کر لیں۔

اس دعا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم سے گناہ زیادہ واقع ہوں بلکہ یہاں یہ مراد ہے کہ جب گناہ سرزد ہو جائے تو ہمارے دلوں میں توبہ کرنے کا داعیہ پیدا کر دے خواہ گناہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں تاکہ اس آیت کے مطابق تیرے پسندیدہ اور محبوب بندوں کی جماعت میں شامل ہو سکیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ۔

”یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

یعنی خدا اپنے ان بندوں کو پسند کرتا ہے جو بارگاہ الوہیت سے منہ نہیں پھرتے اور کسی موقع پر خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے دعا کے آخری جملہ ”اور پاکیزگی کرنے والوں میں شامل کر“ کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں باطنی پاکیزگی کی دولت سے نواز دے اور ہمارے اندر جتنے برے اخلاق اور بد خصلتیں ہیں سب سے ہمیں پاک و صاف کر دے چنانچہ اس طرف اشارہ ہے کہ جسم اور اعضاء ظاہری کی طہارت و صفائی ہمارے اختیار میں تھی اس کو ہم نے پورا کر لیا، اب باطنی احوال کی طہارت اور اندرونی صفائی تیرے ہاتھوں میں ہے لہذا اپنے فضل و کرم سے باطنی پاکیزگی بھی عنایت فرماوے۔

(رباعی)

اے درختم چو گان تو دل ہم چو گوے بیرون نہ فرمان تو جاں یک سرموے

”اے اکہ تیرے خم چو گان میں ہمارا دل ایک گیند کی طرح ہے، ہم تیرے فرمان سے ایک موئے بدن بھی باہر نہیں ہیں۔“

ظاہر کہ بدست ماست شستیم تمام باطن کہ بدست تست آن راہ تو بشوئے

”ظاہر جو ہمارے قبضہ میں تھا ہم اسے دھو چکے ہیں۔ باطن جو تیرے قبضہ میں ہے اسے تو ہی دھو سکتا ہے۔“

آخر میں مشکوٰۃ کے مؤلف صاحب مصباح پر ایک اعتراض فرما رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ صاحب مصباح نے جو حدیث فاحسن الوضوء ثم قال اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له و اشهد ان محمدا عبده ورسوله اللهم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین فتحت له ثمانية ابواب الجنة يدخل من ايها شاء کو صحاح میں نقل کیا ہے حالانکہ اس حدیث کو صحاح میں نقل کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ہے بلکہ یہ روایت جامع ترمذی کی ہے، لہذا یہ روایت صحاح کے بجائے حسان میں نقل کرنی چاہئے تھی، پھر دوسری بات یہ ہے کہ ترمذی نے بھی اپنی روایت میں ان محمدا سے پہلے اشہد کالفظ ذکر نہیں کیا ہے۔

دینی بات اور جان لیسی چاہئے کہ جزوی نے حصین میں ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، اور ابن سنی کے حوالہ سے شہادتین کے بعد لفظ ثلاث مرات کا ذکر کیا ہے، یعنی شہادتین تین مرتبہ پڑھنی چاہئے اور نسائی و حاکم کی روایت میں اللهم اجعلنی الخ کے بعد یہ بھی منقول ہے سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ لہذا اولی اور بہتر ہے کہ جتنی دعائیں منقول ہیں وضوء کے بعد سب ملا کر پڑھی جائیں نیز نہانے والے کے لئے بھی یہ دعائیں پڑھنا مستحب ہے۔

(۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَمْتِي يَذُوعُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مَخْلُوبِينَ مِنْ آثَارِ الْوَضُوءِ فَمَنْ اسْتَظَّاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ۔ (متن ملہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”قیامت کے روز میری امت اس حال میں پکاری جائے گی کہ وضوء کے سبب سے ان کی پیشانیاں روشن ہوں گی اور اعضا چمکتے ہوں گے لہذا تم میں سے جو شخص چاہے کہ وہ اپنی پیشانی کی روشنی کو بڑھائے تو اسے چاہئے کہ وہ ایسا ہی کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: غُرَّتُ جتن ہے اَعْرُج کی جس کے معنی ہیں سفید چہرہ اور غُل اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے ہاتھ پاؤں سفید ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز وضوء کے اثر سے یہ تمام اعضا روشن ہوں گے اور جب محشر میں نمازیوں کو جنت میں جانے کے لئے پکارا جائے گا تو وہ لوگوں کے درمیان سے اس طرح اٹھیں گے کہ ان کے اعضا وضوء و نور و روشن و چمک دار ہوں گے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جس شخص کی خواہش ہو کہ قیامت کے روز اس کی پیشانی چمک اور اس کے اعضا کی سفیدی دراز ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس عمل اور فعل کے کرنے میں پوری احتیاط سے کام لے جو اس سعادت کا سبب ہو گا یعنی وضوء پوری رعایت سے کرے، چہرہ کو پیشانی کے اوپر سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک خوب اچھی طرح دھوئے۔

تجیل کی درازگی یہ ہے کہ پاؤں کو خوب اچھی طرح اور نگوں کے اوپر تک دھوئے یہاں تجیل کی درازگی کا ذکر نہیں فرمایا گیا ہے اس لئے کہ یہ دونوں یعنی غراور تجیل آپس میں لازم اور ملزوم ہیں جب ایک کی درازگی کا ذکر فرمادیا تو دوسرا خود بخود مفہوم ہو جائے گا۔

(۱۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبْلُغُ الْجَلْبِيَّةُ مِنَ الْمُنْمُونِ حَيْثُ تَبْلُغُ الْوَضُوءُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا (جنت میں) مومن کو زیور (وہاں تک) پہنچے گا جہاں تک وضوء کا پانی پہنچے گا۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ وضوء کا پانی جن اعضا پر پہنچتا ہے یعنی جو اعضا وضوء میں دھوئے جاتے ہیں جنت میں ان سب اعضا کی زیورات سے زیب و زینت کی جائے گی، اسی طرح جس کا وضوء جتنا زیادہ بہتر اور مکمل یعنی سنت کے مطابق ہو گا جنت میں اس کے اعضا و شوکی آرائش اتنے ہی اعلیٰ پیمانہ پر ہوگی۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

(۱۱) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقِيمُوا وَلَنْ تُخْصُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ خَيْرَ أَعْمَالِكُمُ الصَّلَاةُ وَلَا يَخَافُ عَلَى الْوُضُوءِ الْإِيمَانُ - (رواه مالک و احمد و ابن ماجہ و الدارمی)

”حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”سیدھے رہو اور سیدھے رہنے کی ہر گز طاقت نہ رکھ سکو گے، اور جان لو کہ تمہارے اعمال میں بہترین چیز نماز ہے اور وضو کی حفاظت مؤمن ہی کرتا ہے۔“ (مالک، احمد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: سیدھے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال پر مستقیم رہو اور ہمیشہ سیدھی راہ پر چلتے رہو، ادھر ادھر برے راستوں کی طرح میلان نہ کرو، اور چونکہ یہ امر مشکل تھا اس لئے آگے فرمایا کہ لَنْ تُخْصُوا یعنی پورے کمال اور رسوخ کے ساتھ تم استقامت اختیار نہیں کر سکتے اور جب یہ فرمایا گیا کہ استقامت کی طاقت نہیں رکھ سکتے اور اعمال و افعال میں استقامت کے جو حقوق ہیں وہ پوری طرح ادا نہیں ہو سکتے تو آگے ایک نہایت آسان اور سہل راہ کی طرح رہنمائی کر دی گئی یعنی عبادت کی بڑی اور خلاصہ نماز پر آگاہ کر دیا کہ اگر صرف اسی ایک عمل اور ایک عبادت یعنی نماز میں استقامت اختیار کر لو گے تو تمام تقصیرات کا تدارک ہو جائے گا لہذا چاہئے کہ نماز پر مداومت اختیار کرو، اس کے جو شرائط و آداب ہوں ان کا خیال رکھو اور اس کے جو حقوق ہیں ان کو پوری طرح سے ادا کرو۔

بعد میں نماز کے مقدمہ اور شرط یعنی وضو اور طہارت کی طرف اشارہ فرمادیا ہے جس کو نصف ایمان کہا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا کہ وضو کی محافظت تو مؤمن کا خاصہ ہے اس لئے کہ وہ مؤمن کامل کا قلب و دماغ توجہ الی اللہ کی شعاعوں سے ہر وقت منور رہتا ہے وہ اپنے قلب و بدن دونوں کے ساتھ یعنی ظاہر و باطن، ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ بارگاہ الوہیت میں حاضری بغیر ظاہر و باطن کی صفائی و پاکیزگی اور بدون طہارت کے ادب کے منافی چیز ہے اور شان عبودیت کے خلاف بھی ہے اس لئے مؤمن وضو کی محافظت کرتا ہے اور وضو کے جو آداب و شرائط اور سنن و مستحبات ہیں ان سب کی رعایت کرتا ہے۔

(۱۲) وَعَنْ ابْنِ عُثْمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَوَّضًا عَلَى ظَهْرٍ كَتَبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ -

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جو شخص وضو کے اوپر وضو کرے تو اس کے واسطے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔“ (ترمذی)

تشریح: ایک تو مطلقاً وضو کرنے کا ثواب و اجر مقرر ہے وہ تو ملنا ہی ہے لیکن جو شخص وضو پر وضو کرے تو اس کے واسطے اس مقررہ اجر و ثواب کے علاوہ مزید دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اس سلسلہ میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ اجر و ثواب اس وقت ملتا ہے جب کے پہلے وضو کے بعد فرض یا نفل نماز پڑھ چکا ہو، اور اس کے بعد پھر وضو کرے۔

شرح السنۃ میں منقول ہے کہ تجدید وضو اس وقت مستحب ہے جب کہ پہلے وضو سے کوئی نماز پڑھ چکا ہو اور بعض علماء کے نزدیک اگر پہلے وضو کے بعد نماز نہ پڑھی ہو تو وضو کرنا مکروہ ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلَاةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطَّهْرُ - (رواہ احمد)

”حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو ہے۔“ (احمد)

لے ام گرامی ثوبان ابن بجد ہے کنیت ابو عبد اللہ ہے بعض حضرات نے ابو عبد الرحمن بھی لکھی ہے آپ نے حصص میں ۵۴ میں وفات پائی۔

تشریح: جیسے کہ متقل دروازہ بغیر کھنچی کے نہیں کھل سکتا اسی طرح بغیر وضو کے نماز نہیں ہو سکتی اور بغیر نماز کے جنت میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث میں محافظت نماز کی اہمیت کو بطور نمونہ بیان کیا گیا ہے، کہ گویا نماز حکم ایمان میں ہے کہ بغیر اس کے جنت میں جانا میر نہیں ہو گا لہذا چاہئے کہ نماز خوب اچھی طرح ادا کی جائے اور کبھی نماز ترک و قضا نہ کی جائے کہ دخول جنت کا سبب یہی ہے۔

(۱۴) وَعَنْ شَيْبِ بْنِ أَبِي ذَوْجٍ عَنْ زُجَلٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الزُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلَّى قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يُصَلُّونَ مَعْنًا لَا يُحْسِنُونَ الظُّهُورَ وَإِنَّمَا يَلْتَبَسُ عَلَيْهِمْ قُرْآنٌ أَوَّلُكَ - (رواہ النسائی)

”اور حضرت شیب بن ابی ذوج نے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے (ایک مرتبہ صبح کی نماز پڑھی اور اس کے اندر سورہ روم کو پڑھا) (ثناء نماز میں) آپ ﷺ کو تشابہ ہوا چنانچہ جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تو فرمایا ”لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ہمارے ساتھ پڑھتے ہیں اور اچھی طرح وضو نہیں کرتے اور اس وجہ سے یہ لوگ ہم پر قرآن میں تشابہ ڈالتے ہیں۔“ (نسائی)

تشریح: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی عمل اور کسی عبادت کے جو سنن و آداب ہوتے ہیں وہ واجب کو کامل کرتے ہیں اور برکت کا سبب ہوتے ہیں، اسی برکت کا اثر نہ صرف یہ کہ عامل ہی کی ذات تک محدود رہتا ہے، بلکہ وہ برکت دوسروں میں بھی سرایت کرتی ہے جیسے کہ کوتاہی اور قصور عامل کی ذات کے علاوہ دوسرے کے ضرر کا بھی باعث ہوتے ہیں نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنن و آداب پر عمل نہ کرنے سے فتوحات غیبیہ کا دروازہ بند ہوتا ہے۔

یہ حدیث درحقیقت ان سببے بصیرت لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو محبت کی تاثیر کے منکر اور اس سے غافل ہیں لہذا ایسے لوگوں کے لئے غور کرنے کا مقام ہے کہ سرکارِ دو عالم، سید المرسلین ﷺ پر باوجود اس رتبہ کے اور قرآن پڑھنے کی حالت میں جو تقرب الی اللہ کا وقت ہے ایک ادنیٰ اتنی کی محبت نے اثر کیا جس سے وضو کے آداب و سنن میں کوئی کوتاہی یا قصور ہو گیا تھا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو قرات میں تشابہ لگا تو ایسے لوگوں کا کیا حشر ہو گا جو شب و روز اہل فسق اور اہل بدعت کی محبت کو اختیار کرتے رہتے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ بھلائی اور بہتری اسی میں ہے کہ اہل فسق اور اہل بدعت کی محبت و ہم نشینی کو بالکل ترک کر کے علماء حق، صوفیائے کرام اور خدا کے نیک بندوں کی محبت اختیار کی جائے تاکہ ان کی ہم نشینی اور صحبت کے اثرات و برکات اپنے اندر پیدا ہوں جو دین و دنیا دونوں جگہ کی بھلائی کے لئے ضامن ہیں۔

ابتداء روایت میں راوی نے اس صحابی کا نام ذکر نہیں کیا ہے جس سے یہ حدیث حاصل کی گئی ہے مگر حضرت میرک شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ وہ صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ ہیں۔

(۱۵) وَعَنْ زُجَلٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ قَالَ عَدَّهَنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَدَيْهِ أَوْفَى يَدَيْهِ قَالَ التَّسْبِيحُ نِصْفُ الْمِيزَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ يَمْلَأُ وَالتَّكْبِيرُ يَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالصُّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ وَالظُّهُورُ نِصْفُ الْإِيمَانِ - وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ -

”اور قبیلہ بنی سلیم کے ایک شخص راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ہاتھوں کو (جو آگے مذکور ہیں) میرے ہاتھ پر یا اپنے ہاتھ پر شمار کیا (چنانچہ) آپ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ کہنا (یعنی اس کا ثواب) آدمی ترازو بھرتا ہے اور الحمد للہ (سبحان اللہ کے ساتھ) کہنا یا انشاء الحمد للہ کہنا ہی پوری ترازو کو بھرتا ہے اور اللہ اکبر کہنا بھرتا ہے اس چیز کو جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے اور روزہ آدھا میر ہے اور پاک رہنا آدھا ایمان ہے۔“ (ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے)

تشریح: حدیث کو بیان کرتے وقت راوی کو شک ہو گیا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان باتوں کو میرے ہاتھ پر شمار کیا ہے یا اپنے ہاتھ پر شمار کیا ہے، بہر حال ان کو شمار اس طرح کیا کہ یا تو آپ نے ان صحابی کی انگلی پکڑی اور ان کو پھلی پر بند کر کے ان پانچ باتوں کو شمار کیا۔ حدیث میں روزے کو آدھا صبر فرمایا گیا ہے، اس لئے کہ پورا صبر تو یہ ہے کہ نفس کو طاعت پر روکے یعنی احکام کو بجالائے اور گناہوں سے روکے یعنی ممنوع چیزوں کو نہ کرے اور روزہ نام ہے صرف نفس کو طاعت پر روکنے یعنی حکم الہی کو بجالانے کا لہذا اس اعتبار سے روزہ آدھا صبر ہوا۔

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ الصَّنَابِجِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ فَمَضْمَضَ غَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ فِيهِ وَإِذَا اسْتَنْشَرَ غَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ أَنْفِهِ فَإِذَا غَسَلَ وَجْهَهُ غَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ وَجْهِهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَشْفَارِ عَيْنَيْهِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ غَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ يَدَيْهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِ يَدَيْهِ فَإِذَا مَسَحَ بِرَأْسِهِ غَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رَأْسِهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ أذُنَيْهِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ غَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رِجْلَيْهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِ رِجْلَيْهِ ثُمَّ كَانَ مَشْيُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ وَصَلَاتُهُ نَافِلَةً لَهُ. (رواه مالك و الترمذی)

”اور حضرت عبداللہ صناعیؒ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب بندہ مؤمن وضو کا ارادہ کرتا ہے اور کلی کرتا ہے تو گناہ اس کے منہ سے خارج ہو جاتے ہیں اور جب ناک بھارتا ہے تو گناہ اس کی ناک سے خارج ہو جاتے ہیں اور جب اپنا منہ دھوتا ہے تو گناہ اس کے منہ سے خارج ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں اور جب اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو گناہ اس کے ہاتھوں سے خارج ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس کے دونوں ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں اور جب اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو گناہ اس کے سر سے خارج ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس کے دونوں کانوں سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں، اور جب اپنے دونوں پاؤں دھوتا ہے تو گناہ اس کے دونوں پاؤں سے خارج ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس کے پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں، پھر مسجد کی طرف اس کا چلنا ہوتا ہے اور اس کی نماز اس کے واسطے (اعمال میں) زیادتی ہے۔“ (مالک و ترمذی)

تشریح: جیسا کہ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ وضو کرنے والا اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو گناہ اس کے سر سے خارج ہوتے ہیں پھر آگے فرمایا گیا ہے کہ ”یہاں تک کہ اس کے دونوں کانوں سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں“ اس جملہ سے اس بات کی وضاحت ہو گئی کہ کان سر میں داخل ہیں بائیں طور کہ جو حکم سر کا ہو گا وہی حکم کان کا ہو گا چنانچہ حنفی مسلک یہی ہے اس لئے یہ مسئلہ ہے کہ جب مسح کے لئے پانی لیا جائے تو اس پانی سے کانوں کا مسح بھی کر لیا جائے کانوں کے مسح کے لئے الگ سے پانی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

آخر حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ”اس کی نماز اس کے واسطے (اعمال میں) زیادتی ہے یعنی جب یہ وضو سے فارغ ہوا تو گناہوں سے وضو کی وجہ سے پاک و صاف ہو چکا تھا اب نماز زائد ہے جو پکی اور جاتا کا سبب ہوگی۔“

(۱۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى الْمُتَّقِينَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ ذَا قَوْمٌ مُؤْمِنِينَ وَأَنَا ابْنُ شَاءَ اللَّهُ بَكُمْ لَا جَفْوَنَ وَذِدْتُ أَنَا قَدْرَ أَيْتَا إِخْوَانَنَا قَالُوا أَوْلَسْنَا إِخْوَانَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَنْتُمْ أَصْحَابِي وَإِخْوَانُنَا الَّذِينَ لَمْ يَأْتُوا بَعْدَ فَقَالُوا كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ يَأْتِ بَعْدَ مِنْ أَمَّتِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ أَوْعَيْتُ أَنَّ زَجَلًا لَهُ خَيْلٌ غَوَّ مَحْجَلَةٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنِ خَيْلٍ ذُهُبٍ بَهْمٍ أَلَا تَعْرِفُ خَيْلَهُ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَأَنَّهُمْ يَأْتُونَ غَرًّا مُحَجَّلِينَ مِنَ الْوُضُوءِ وَأَنَا فَرَطُظْهُمْ عَلَى الْخَوْضِ. (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ مقبرہ (یعنی جنت البقیع) میں (دعاء مغفرت کے لئے) تشریف لائے، چنانچہ (وہاں پہنچ کر) آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے مومنین کی جماعت! تم پر سلامتی ہو (یعنی آپ ﷺ نے اہل قبور کو سلام کیا اور فرمایا) ہم

لے ان کے صحابی ہوئے اور نام میں اختلاف ہے مگر ان میں کقول تو یہی ہے کہ ان کا نام عبداللہ یا ابو عبداللہ بیان کیا جاتا ہے۔“

بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں اور میں اس بات کی تائید کرتا ہوں کہ ہم اپنے بھائیوں کو کیسے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم میرے دوست ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی (دنیا میں) نہیں آئے صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ آپ ﷺ کی امت میں سے جو لوگ ابھی نہیں آئے انہیں آپ ﷺ (قیامت میں کس طرح پہچانیں گے؟) آپ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر کسی شخص کے پاس سفید پیشانی اور سفید ہاتھ اور پیر والے گھوڑے ہوں اور وہ نہایت سیاہ گھوڑوں میں ملے ہوئے ہوں تو کیا وہ اپنے گھوڑے کو پہچان لے گا؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں (یا رسول اللہ! ان امتیازی اوصاف کی بنا پر تو وہ یقیناً پہچان لے گا) آپ نے فرمایا "وہ (قیامت میں) اوضہ کے اثر سے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں کے ساتھ آئیں گے (لہذا اس علامت سے میں انہیں پہچان لوں گا) اور میں حوض کوثر پر ان کا میرا سامان ہوں گا۔" (اسلم)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ اور ان کے بعد ہونے والے مسلمانوں میں نہ صرف یہ کہ بڑا دلچسپ اور لطیف فرق بیان فرمایا ہے بلکہ صحابہ کو امتیازی شان بھی بخش دی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم میرے دوست ہو اور بعد میں پیدا ہونے والے مؤمنین میرے بھائی ہیں، یعنی تمہارے ساتھ تعلقات کی دو نوعیتیں ہیں ایک تو یہ کہ تم میرے بھائی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ رفیق خاص بھی اور جو بعد میں آنے والے ہیں یعنی تابعین وغیرہ ان کے ساتھ ایک ہی تعلق ہے کہ وہ صرف میرے اسلامی بھائی ہیں۔

"میرا سامان" کا مطلب یہ ہے کہ میں ان لوگوں سے پہلے ہی خدا کے یہاں جا کر ان کی مغفرت و بخشش اور بلندی اور درجات کے اسباب درست کروں گا۔

(۱۸) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَوَّلُ مَنْ يُؤْذَنُ لَهُ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ فَإِنِّي نَظَرُ إِلَى مَا بَيْنَ يَدَيَّ فَأَعْرِفُ أَهْلِي مِنَ الْأُمَمِ وَمَنْ خَلْفِي مِثْلَ ذَلِكَ وَعَنْ يَسِينِ مِثْلَ ذَلِكَ وَعَنْ شِمَالِي مِثْلَ ذَلِكَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ تَعْرِفُ أَهْلَكَ مِنَ الْأُمَمِ فِيمَا بَيْنَ نُوحٍ إِلَى أُمَّتِكَ قَالَ هُمْ عَرُوفٌ مَحْجَلُونَ مِنْ أَمْرِ الْوَضُوءِ لَيْسَ أَحَدٌ كَذَلِكَ عَتَرَهُمْ وَأَعْرِفُهُمْ أَنَّهُمْ يُؤْتُونَ كَتَمَهُمْ بِأَيْمَانِهِمْ وَأَعْرِفُهُمْ تَسْمِيَتَيْنِ أَيْدِيهِمْ ذُرِّيَّتُهُمْ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن ان لوگوں میں سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جن کو سجدہ کی اجازت دی جائے گی اور پھر ان لوگوں میں سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جن کو سجدہ سے سرائی کے کی اجازت دی جائے گی چنانچہ میں اس چیز کی طرف دیکھوں گا جو میرے آگے ہوگی یعنی مخلوق کا مجمع اور میں امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا، پھر میں اپنے پیچھے کی طرف اسی طرح اور اپنے دائیں طرف اور بائیں طرف (بھی) اسی طرح دیکھوں گا (یعنی چاروں طرف ازہام خلق دیکھوں گا اور میں اپنی امت کو پہچان لوں گا) ایک صحابی نے عرض کیا "یا رسول اللہ! اپنی امت سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام کی امت تک کی تمام امتوں میں آپ ﷺ اپنی امت کو کیونکر پہچان لیں گے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "میری امت کے لوگ وضو کے اثر سے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں کے ہوں گے اس امت کے علاوہ کوئی دوسری امت اس طرح (امتیازی وصف کے ساتھ) نہیں ہوگی اور میں اپنی امت کو اس طرح بھی پہچان لوں گا کہ (میری امت کے لوگوں کو ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے، نیز اس وجہ سے شناخت کر لوں گا کہ ان کی (خورد سال) اولاد ان کے آگے دوڑتی ہوگی۔" (احمد)

تشریح: محشر میں جب سرکارِ دو عالم ﷺ بارگاہِ صمدیت میں حاضر ہوں گے تو شفاعت کے لئے سجدہ میں جائیں گے اور بمقدار ایک ہفتہ سجدہ میں رہیں گے پھر بعد میں بارگاہِ الوہیت سے حکم ہوگا کہ اسے محمد (ﷺ)! اپنا سر مبارک اٹھائیے اور اے میرے محبوب مانگتے کیا مانگتے ہیں؟ ہم آپ (ﷺ) کی درخواست کو شرف قبولیت بخشیں گے اس کے بعد شافع محشر آقائے نامدار، سرو رکائات، فخر موجودات جناب رسول اللہ ﷺ (فداہ رومی) مخلوق خدا کی شفاعت کے لئے اپنی لسان مبارک سے بارگاہِ خداوندی میں درخواست پیش فرمائیں

گئے، حدیث کے ابتدائی حصہ میں ہی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

اس حدیث میں میدان حشر میں اُمت محمدیہ کی کثرت و زیادتی اور ان کے مراتب میں تفاوت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے چنانچہ فانظر الی ما بین یدی (یعنی میں اس چیز کی طرف دیکھوں گا جو میرے آگے ہوگی ایسے ہی عن شمالی مثل ذلک (یعنی اور بائیں طرف اس طرح دیکھوں گا) تک یہی مراد ہے کہ میرے چاروں طرف میری ہی اُمت پھیلی ہوگی اور پھر ان میں مختلف مراتب و درجات کے لوگ ہوں گے۔

صحابی کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے آج تک ایک بڑی لمبی مدت ہے اور ایک بڑا طویل زمانہ ہے اس دوران میں ایک دو نہیں بہت زیادہ اُمتیں گزری ہیں، پھر تعداد شمار کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بے انتہاء مخلوق خدا اس زمانہ میں پیدا ہوئی اور مری ہے تو اتنے ازہام اور اتنی امتوں میں آپ ﷺ اپنی اُمت کو کس طرح پہچان لیں گے، اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے اس امتیازی صفت کا ذکر فرمایا جس سے اُمت محمدیہ کے افراد متصف ہوں گے اور تمام امتوں میں ممتاز ہوں گے۔

اس سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا نام بطور خاص لینے کی وجہ یہی ہے کہ اول تو اس زمانہ کا طویل مراد ہے دوسرے چونکہ یہ تمام نبیوں میں بہت زیادہ مشہور ہیں اس لئے ان کا نام لیا۔

بَاب مَا يُؤْجِبُ الْوُضُوءَ

وضو کو واجب کرنے والی چیزوں کا بیان

اس باب میں ان چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو وضو کو توڑتی ہیں چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ان چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

① پاخانہ اور پیشاب کے راستہ سے نکلنے والی ہر چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسے پاخانہ، پیشاب اور ریح وغیرہ مگر جو ہوا مرد یا عورت کے آگے کے سرے سے نکلتی ہے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

② اس چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جو نجس ہو (جیسے خون اور پیپ وغیرہ) اور بدن میں خود بخود نکل کر اس حصہ تک پہنچ جائے جس کو غسل یا وضو میں دھونا لازم ہو، یعنی اگر ناک کے بانے اور آنکھ کے اندر رہے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ ان کا دھونا لازم نہیں ہے۔

③ نئے کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے منہ بھر قے کرنے میں خواہ اناج نکلے، پانی نکلے، جما ہوا خون یعنی سودا نکلے ان سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اگر بلغم نکلے تو وضو نہیں ٹوٹتا، اگر پتے خون یا پیپ کی قے ہو تو اس میں منہ بھرنے کی شرط نہیں بلکہ تھوک کے برابر ہو یا تھوک پر غالب ہو جائے تب بھی وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر لم ہو گا تو نہیں ٹوٹے گا اگر ایک ہی متلی میں تھوڑی قے اتنی مقدار میں ہوئی کہ اگر اسے جمع کیا جائے تو منہ بھر جائے تو اس سے وضو جاتا ہے جس چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے وہ نجس نہیں ہوتی مثلاً تھوڑی سے قے کی بیلین سے خون اس طرح نکلا کہ وہ جسم پر بہا نہیں تو یہ ناپاک نہیں ہے۔

④ وضو ٹوٹ جاتا ہے دیوانہ ہونے سے۔

⑤ نٹے سے۔

⑥ بے ہوش ہو جانے سے۔

⑦ اور بالغ کے قبضے سے اس نماز میں جو رکوع و سجود والی ہو۔

⑧ مباشرہ فاحشہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، مباشرت فاحشہ اسے کہتے ہیں کہ انتشار اور جنسی پہچان کے ساتھ مرد کا سر عورت کے سر سے

اور عورت کا ستر مرد کے ستر سے مل جائے یا دو عورتوں یا مردوں کے ستر مل جائیں۔

۹ لیٹ کر اپنے بدن پر یا دیوار وغیرہ پر تکیہ لگا کر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن یہ سونا اس طرح ہو کہ اگر تکیہ کی وہ چیز جس پر ٹیک لگا کر سویا ہوا ہے ہٹائی جائے تو گر پڑے۔

۱۰ اگر اس طرح سو جائے کہ مقعد زمین سے اٹھ جائے یعنی پہلو پر یا کولہوں پر یا پت یا منہ کے بل، یا کولہ سے کودیوار سے لگا کر یا پیٹ پاؤں پر لگا کر جھکا ہوا سو جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر کھڑا کھڑا سو جائے یا رکوع اور سجدہ کی حالت میں سو جائے تو وضو نہیں ٹوٹا مگر شرط یہ ہے کہ رکوع و سجود ہیئت مسنونہ پر ہوں، اگر زخم میں کپڑے لٹکیں یا گوشت کٹ کر گر جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔

۱۱ اگر چونک لگائی جائے اور وہ خون پی کر بھر گئی یا بڑی چیز کی نے ہیٹ بھر خون پیا تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔

۱۲ اگر کسی کی آنکھ دکھنے آتی ہے اور آنسو نکلتے ہیں تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس سلسلہ میں اکثر لوگ غافل ہیں اس کا خیال نہیں کرتے اس لئے اس کا خیال رکھنا چاہئے ہاں اگر کوئی شخص ایسا ہے جس کی آنکھیں ہمیشہ جاری رہتی ہیں تو وہ صاحب عذر ہو جاتا ہے۔

۱۳ اگر کان رکھتا ہے اور اس سے پیپ یا کچھ بہو نکلے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر بغیر درد کان پیپ وغیرہ کان سے نکلے تو اس سے وضو نہیں جاتا یہ تمام چیزیں جن کا ذکر کیا گیا ہے سب ناقض وضو ہیں ان سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان میں سے دو چیزیں یعنی پیشاب اور پاخانہ کے راستہ سے نکلنے والی چیزوں اور نیند پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ چیزیں ناقض وضو ہیں باقی چیزیں مختلف فیہ ہیں۔

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْبَلُ صَلَاةٌ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَتَوَضَّأَ (متفق علیہ)

الفصل الاول

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”بے وضو کی نماز قبول نہیں کی جاتی جب تک کہ وضو نہ کرے۔“ (بخاری مسلم) تشریح: اس کا تعلق اس شخص سے ہے جو پانی رکھتا ہو اور اس کے استعمال کی قدرت بھی اس کے اندر ہو یعنی جس شخص کے پاس پانی اور اس پانی کے استعمال کرنے میں اس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو تو اس کو نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے اگر اس نے وضو نہیں کیا تو اس کی نماز ادا نہیں ہوگی۔

اگر کوئی شخص پانی نہ پائے یا اس کے استعمال کی قدرت رکھتا ہو تو وہ بجائے وضو کے پاک و صاف مٹی سے تیمم کرے ایسا شخص جو نہ تو پانی پائے اور نہ پاک و صاف مٹی ہی اسے ملے اور نہ وہ ان کے استعمال کی قدرت رکھتا ہو تو ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں فاقد الطہورین کہتے ہیں اس شخص کے بارے میں یہ حکم ہے کہ وہ نماز نہ پڑھے، ہاں جب پانی وغیرہ پائے تو وضو کر کے نماز پڑھے۔

اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا مسلک دوسرا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص یعنی ”فاقد الطہورین“ کو چاہئے کہ اس شکل میں بھی وقت نماز کے احترام میں بغیر وضو اور تیمم ہی کے نماز پڑھے جب اسے پانی یا مٹی دستیاب ہو جائے تو وضو یا تیمم کر کے قضا کر لے۔

ہمارے علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قصداً بغیر طہارت کے نماز پڑھے لے اور پھر یہ کہ اس سے اس کا مقصد احترام وقت بھی نہ ہو تو یہ شخص کافر ہو جائے یا اگر لوگوں کی شرم کی وجہ سے محض دکھانے کے لئے بھی بغیر طہارت کے نماز پڑھے تو بھی کافر ہو جاتا ہے کیونکہ ان دونوں شکلوں میں اس نے شرع کی تحقیر کی ہے اس لئے ایسا شخص جو اپنے قول سے یا فعل سے شریعت کی تحقیر کا سبب بنتا ہے وہ اس قابل نہیں ہے کہ دائرہ اسلام اور ایمان میں رہ سکے۔

② وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طَهْوَرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُولٍ۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”بغیر طہارت نماز قبول نہیں کی جاتی اور مال حرام کی خیرات قبول نہیں کی

جائی۔" (مسلم)

تشریح: حرام مال میں صدقہ خیرات کرنا چونکہ صدقہ و خیرات کی توہین و تحقیر ہے اس لئے اس کو بہت زیادہ قابل نفرت شمار کیا گیا ہے چنانچہ ہمارے علماء نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو شخص مال حرام میں سے صدقہ و خیرات کرتا ہے اور پھر اس کی امید بھی رکھتا ہے کہ اس سے ثواب ملے گا تو کافر ہو جاتا ہے۔

(۳) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَكُنْتُ أَسْتَحْيِي أَنْ أَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْتِهَامِ قَامَرَتِ الْمَيْقَدِ إِذْ فَسَلَهُ فَقَالَ يَغْسِلُ ذِكْرَهُ وَيَتَوَضَّأُ. (مسلم علیہ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرائد فرماتے ہیں کہ "مجھے مذی بہت زیادہ آتی تھی چونکہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی (حضرت فاطمہؓ) میرے نکاح میں تھی اس لئے میں آپ ﷺ سے اس کا حکم دریافت کرتے ہوئے شرماتا تھا کہ آیا اس سے غسل واجب ہوتا ہے یا وضو اس لئے میں نے (اس مسئلہ کو آنحضرت ﷺ سے دریافت کرنے کے لئے حضرت مقدادؓ کو مامور کیا، چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا (اس طرح سے کہ ایک شخص ایسا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے) تو آپ نے فرمایا کہ (مذی نکلنے پر) پیشاب گاہ کو دھو لے اور وضو کرے۔"

(بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث ایک اخلاقی معاملہ میں بڑی لطیف تنبیہ کر رہی ہے کہ داماد کو اپنے سر سے شہوت کی باتوں کا ذکر کرنا، ایسی چیزوں کا تذکرہ کرنا جن کا تعلق مباشرت عورت سے ہو یا جن کا بیان اخلاق و تہذیب اور شرم و حیا کے منافی ہو مناسب نہیں۔

(۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ تَوَضَّؤْ أَمَّا مَسَّتِ الشَّوْءُ. (رواہ مسلم)
قَالَ الشَّيْخُ الْإِسْلَامُ الْأَحْمَدُ مَجِيئُ الشَّوْءِ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى هَذَا مُتَشَبِّهٌ بِحَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. (مسلم علیہ)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جس چیز کو آگ نے پکایا ہو اس کے کھانے کے بعد وضو کرو۔" (مسلم)

"انام محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث سے منسوخ ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے بکری کا شاة کھایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: پہلے حکم کی منسوخی تو حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ حدیث سے ہو گئی لیکن اس سلسلہ میں اس حدیث کی ایک دوسری تاویل اور کی جاتی ہے وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کے اس حکم کی کہ "آگ کی پکی ہوئی چیز کو کھانے کے بعد وضو کرو" سے مراد یہ ہے کہ جب تم کوئی کچی ہوئی چیز کھاؤ تو چکنائی وغیرہ دور کرنے کے لئے ہاتھ منہ دھو لیا کرو، کیونکہ نہ صرف یہ کہ نظافت و صفائی کا یہی تقاضا ہے بلکہ یہ سنت بھی ہے چنانچہ اسی کو وضو طعام بھی کہا جاتا ہے، اس صورت میں حدیث کو منسوخ کہنے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

(۵) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقَوْا مِنْ لَحْمٍ قَالَ إِنْ شِئْتَ فَتَوَضَّأْ وَإِنْ شِئْتَ فَلَا تَتَوَضَّأْ قَالَ اتَّقَوْا مِنْ لَحْمٍ الْإِبِلِ قَالَ نَعَمْ فَتَوَضَّأْ مِنْ لَحْمٍ الْإِبِلِ قَالَ أَصْلَبِي فِي مَرَابِضِ الْعَنَمِ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَصْلَبِي فِي مَرَابِضِ الْإِبِلِ قَالَ لَا. (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر بن سمرةؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا کہ "کیا ہم بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو کریں"

کہ ام گرامی جابر بن سمرة اور کنیت ابو عبد اللہ عامری ہے سن وفات میں اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ۳۱ ھ میں انہوں نے وفات پائی کچھ حضرات کی تحقیق ہے کہ ان کا سن وفات ۳۷ ھ ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا اگر تمہارا بی چاہے تو وضو کرو اور نہ چاہے تو نہ کرو۔ پھر اس شخص نے پوچھا کیا اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرو۔ پھر اس شخص نے سوال کیا کیا بکریوں کے رہنے کی جگہ میں نماز پڑھ لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! پھر اس شخص نے دریافت کیا کیا اونٹوں کے بندھے کی جگہ نماز پڑھوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔۔۔ مسلم

تشریح: حضرت امام ضہل چونکہ ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں اس لئے انہوں نے تو یہ حدیث دیکھ کر حکم لگا دیا کہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنا چاہئے کیونکہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ لیکن حضرت امام اعظم، حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے کہ یہ حضرات اس حدیث کا محمل وضو کے لغوی معنی "ہاتھ منہ دھونے" کو قرار دیتے ہیں یعنی یہ حضرات فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ اونٹ کے گوشت میں بسانہ اور چکنائی زیادہ ہوتی ہے اس لئے اس کو کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھولینا چاہئے چونکہ بکری کے گوشت میں بسانہ اور چکنائی کم ہوتی ہے اس لئے اس کے بارے میں فرمایا کہ اگر طبیعت چاہے اور نظافت کا تقاضا ہو تو ہاتھ منہ دھولیا کرو اور اگر طبیعت نہ چاہے تو کوئی ضروری نہیں ہے۔

اونٹوں کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھنے سے منع فرمانا بھی تنزیہی کے طور پر ہے اور منع اس لئے فرمایا کہ وہاں نماز پڑھنے میں سکون و اطمینان اور خاطرِ رنجی نہیں رہتی۔ اونٹوں کے جھگ جانے یا آلاتِ واردینہ اور تھیلے پہنچانے کا خدشہ رہتا ہے بخلاف بکریوں کے چونکہ وہ بچاری سیدھی ساڑھی اور بے ضرر ہوتی ہیں اس لئے ان کے رہنے کی جگہ نماز پڑھ لینے کی اجازت دے دی۔ اتنی بات اور سمجھ لینی چاہئے کہ نماز پڑھنے کے سلسلہ میں یہ جواز اور عدم جواز اس صورت میں ہے جب کہ مراضی (بکریوں کے رہنے کی جگہ) اور مبارک (اونٹوں کے بندھے کی جگہ) نجاست و گندگی سے خالی ہوں اگر وہاں نجاست ہوگی تو پھر مراضی میں بھی نماز پڑھنی مکروہ ہوگی۔

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي نَظْفِهِ شَيْئًا فَاشْكُلْ عَلَيْهِ أَخْرَجَ مِنْهُ شَيْئًا أَمْ لَا فَلَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا (رد المحتار)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ فرمادے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ کے اندر کچھ پائے (یعنی قراقر) اور اس پر یہ بات مشتبہ ہو کہ کوئی چیز خارج ہوئی یا نہیں تو اس وقت تک وضو کے لئے مسجد سے باہر نہ نکلے جب تک آواز کو نہ سنے یا بونہ پائے۔" مسلم

تشریح: "جب تک کوئی آواز نہ سنے یا بونہ پائے" یہ غالب کے اعتبار سے ہے ورنہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جب ریاچ کا خارج ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جائے خواہ آواز نہ سنے یا نہ سنے ہو یا نہ معلوم ہو تو سمجھ لے کہ وضو ٹوٹ گیا ہے۔

③ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ إِنْ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرْبَ لَبَنٍ أَوْ مَضْمَضٍ وَقَالَ إِنَّ لَدُنَّ سَمًا - اتفق عليه

"اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ نے دودھ پیا (اس کے بعد) کلی کی اور فرمایا دودھ میں چکناہٹ ہوتی ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چکنی چیز کھانے کی بعد کلی کرنا مستحب ہے، اس لئے کہ اگر کلی نہ کی جائے تو ہو سکتا ہے کہ جو چیز کھائی گئی چکناہٹ کی وجہ سے اس کا کچھ حصہ منہ میں لگا رہ جائے، جب نماز پڑھی جائے تو حالت نماز میں پیٹ میں پہنچ جائے اس پر ہر اس چیز کو

قیاس کیا جاتا ہے جو منہ میں لگی ہو اور حالت نماز میں اس کے پیٹ میں پہنچ جانے کا خوف ہو تو اس سے بھی کلی کرنا مستحب ہے۔
اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے صفائی اور ستھرائی کے لئے ہاتھوں کو دھو لینا چاہئے، ہاں اگر ہاتھ پہلے ہی سے صاف ستھرے ہیں اور نجاست و میل نہیں لگی ہے تو پھر ہاتھوں کا دھونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح کھانا کھانے کے بعد بھی ہاتھوں کو دھونا چاہئے اگر کھانا خشک ہونے کی وجہ سے یا چھچھو وغیرہ سے کھانے کی وجہ سے ہاتھ میں کچھ نہ لگے تو پھر ہاتھوں کا دھونا ضروری نہیں ہے۔

آخر میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ بظاہر تو اس باب سے اس حدیث کی کچھ مناسبت نظر نہیں آتی ہے اس لئے یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ مصنف مشکوٰۃ نے اس حدیث کو اس باب میں کیوں ذکر کیا؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ چونکہ اس حدیث میں کلی کا ذکر کیا گیا ہے وہ متعلقات وضو سے ہے اس لئے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا گیا ہے۔

⑧ وَعَنْ بُوَيْدَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الصَّلَاةَ يَوْمَ الْفَتْحِ بَوَاضِعًا وَوَاحِدًا وَمَسَحَ عَلَى خُفَيْهِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُو لَقَدْ صَنَعْتَ الْيَوْمَ شَيْئًا لَمْ تَكُنْ تَصْنَعُهُ فَقَالَ عُمَرُو صَنَعْتُهُ يَا عُمَرُو۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت بویڈہؓ فرماتے ہیں کہ ”فتح مکہ کے دن سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک وضو کی نماز پڑھیں (یعنی ایک ہی وضو سے پانچوں نماز پڑھیں) اور سوزوں پر مسح کیا (یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ”آپ ﷺ نے آج وہ چیز کی ہے جس کو آپ ﷺ نے کبھی نہیں کیا“ آپ ﷺ نے فرمایا ”عمر! میں نے ایسا تصد کیا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت عمرؓ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ پہلے تو آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے تھے، مگر آج آپ ﷺ نے خلاف معمول ایک وقت وضو کر لیا پھر اسی وضو سے آپ ﷺ نے پانچوں نماز ادا فرمائی اور پھر ایک نئی چیز کی کہ سوزوں پر مسح بھی فرمایا حالانکہ آپ ﷺ ایسا کبھی نہیں کرتے تھے۔
اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا عمل کسی دوسری وجہ سے نہیں بلکہ میں نے تصد کیا ہے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں اور دوسرے بھی ایسا کر سکتے ہیں۔

⑨ وَعَنْ سُوَيْدِ بْنِ الثُّعْمَانِ أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَامَ خَيْبَرَ حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالصُّهْبَاءِ وَهِيَ مِنْ أَذْنَى خَيْبَرَ صَلَّى الْغُصْرُ ثُمَّ دَعَى بِالْأَزْوَاجِ فَلَمْ يَنْوُتْ إِلَّا بِالسُّبُوقِ فَأَمْرٌ بِهِ فَتَزَيَّ فَأَكَلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاکْتَلْنَا ثُمَّ قَامَ إِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت سويد بن ثعمانؓ راوی ہیں کہ وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہمراہ خیبر (کے فتح) کے سال سفرِ رمے جب صہباء کے مقام پر پہنچے جو خیبر کے نزدیک ہے، عصر کی نماز پڑھی اور پھر آپ ﷺ نے توشہ (زار اور اہمگو یا، چنانچہ ستو کے علاوہ کچھ نہ تھا جو حاضر کیا گیا اور آپ ﷺ کے حکم سے اس کو گھولا گیا، پھر آنحضرت ﷺ نے اور ہم نے اس کو کھایا اور پھر مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے آپ ﷺ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی اور وضو نہیں کیا۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث نے اس مسئلہ کی وضاحت کر دی کہ آگ سے کچی ہوئی چیز کو کھانے سے وضو نہیں لوفنا، اس لئے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ستو کھایا جو آگ ہی سے تیار کیا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف کلی کر کے مغرب کی نماز پڑھ لی اور وضو نہیں کیا۔

لہذا ہم گرامی ربیعہ بن حبیب سے اس کی کسبت جو مشہور ہے وہ ابو عبد اللہ ہے، یہ مدینہ کے باشندہ تھے مقام مرد میں بزناہ بن معاویہ ۶۳ھ میں انتقال فرمایا۔
لہذا ہم گرامی حضرت سويد ابن ثعمان سے آپ کا شمار اہل مدینہ میں ہے۔

الفصل الثانی

(۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَضُوءَ إِلَّا مِنْ صَوْبٍ أَوْ رَيْحٍ۔ (رواہ احمد و الترمذی)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”وضو کرنا آواز یا بوسے واجب ہوتا ہے۔“ (احمد، ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ وضو شک سے نہیں ٹوٹتا، جب تک یقین نہ ہو جائے وضو باقی رہتا ہے یعنی پیٹ میں اگر محض قراقرم ہو تو اس شبہ سے کہ شاید ریاخ کا اخراج ہو گیا ہو وضو نہیں ٹوٹے گا ہاں جب آواز کے نکلنے یا بوسے یقین ہو جائے کہ ریاخ خارج ہو گئی ہے تو جب وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۱۱) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ رِضَى اللَّهِ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذْيِ فَقَالَ مِنَ الْمَذْيِ الْوَضُوءُ وَمِنْ الْمَذْيِ الْغُسْلُ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مقدادؓ کے واسطے سے سرکارِ دو عالم ﷺ سے مذی کے بارہ میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مذی نکلنے سے وضو لازم آتا ہے اور منی نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے۔“ (ترمذی)

(۱۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطَّهُورُ وَخَوْرِئُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ۔ زَوَاهُ: يُؤَدِّوْنَ الْبِرَّ مَذْيً وَالدَّائِمِيَّ وَزَوَاهُ: إِنَّ مَحَاجَةَ عَنْهُ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ۔

”اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”نماز کی کنجی وضو ہے“ نماز کی تحریم تکبیر (یعنی اللہ اکبر کہنا) ہے اور نماز کی تحلیل تسلیم سلام پھیرنا۔ (ابوداؤد، ترمذی، وداری اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت علیؓ اور حضرت ابی سعیدؓ سے روایت کیا ہے)

تشریح: تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے سے نماز شروع ہو جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کھانا پینا اور جیتنے کا ہم نماز کے منافی ہیں اب سب حرام ہو گئے ہیں اور سلام پھیرنے سے نماز ختم ہو جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نماز شروع کر دینے سے جتنی چیزیں حرام کر لی گئی تھیں اب وہ سب حلال ہو گئی ہیں اسی کو فرمایا گیا ہے کہ نماز کی تحریم تکبیر اور اس کی تحلیل سلام پھیرنا ہے۔

(۱۳) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ خُلُقٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَعْمَاجِهِنَّ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت علی بن خلیفہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب تم میں سے کوئی حدیث کرے (یعنی بغیر آواز کے) ہوا خارج ہو تو اسے وضو کرنا چاہئے، اور تم عورتوں سے (خلاف فطرت) ان کی مقعد (یعنی پاخانہ کی جگہ) میں جماع نہ کرو۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

(۱۴) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا الْغَيْثَانِ وَكَأَنَّ الشَّيْءَ فَإِذَا نَامَتِ الْغَيْثُ اسْتَظْلَقَ الْوُكَّاءُ۔ (رواہ الدارمی)

”اور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”آنکھیں سرین کا سر بند ہیں چنانچہ آنکھ سو جاتی ہے تو سر بند کھل جائیگا۔“ (دارمی)

تشریح: جب انسان جاگتا رہتا ہے تو گویا اس کے مقعد پر بند لگا رہتا ہے جس کی وجہ سے ہوا خارج نہیں ہوتی بلکہ رک رہتی ہے اور اگر خارج ہوتی ہے تو اس کا احساس ہوتا ہے اور جب سو جاتا ہے تو چونکہ وہ بے اختیار ہو جاتا ہے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں تو ہوا کے خارج ہونے کا گمان رہتا ہے جس کا اسے یقینی احساس نہیں ہو سکتا اسی لئے نیند کو ناقض وضو کہا جاتا ہے۔

(۱۵) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَأَنَّ الشَّيْبَةَ الْغَيْنَانِ فَمَنْ نَامَ فَلَيْتَوْضَأَ۔

(رواہ ابو داؤد)

وَقَالَ الشَّيْبَةُ الْإِقَامُ مَجِيئُ الشَّيْءِ رَحِمَهُ اللَّهُ هَذَا فِي غَيْرِ السَّاعِدِ لِمَا صَحَّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَظِرُونَ الْعِشَاءَ حَتَّى تَحْفَظَ رُؤُوسُهُمْ ثُمَّ يَصَلُّونَ وَلَا يَتَوَضَّأُونَ زَوْادًا أَبُودَاوُدَ وَالْبُزْطَمَلِيُّ إِلَّا أَنَّهُ ذَكَرَ فِيهِ نِيَامُونَ بَدَلًا يَنْتَظِرُونَ الْعِشَاءَ حَتَّى تَحْفَظَ رُؤُوسُهُمْ۔

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”سرن کا سر بند آنکھیں ہیں لہذا جو شخص سو جائے اسے چاہئے کہ وضو کرے۔“ (ابو داؤد)

”اور حضرت امام محی السنۃ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اسی شخص کے واسطے ہے جو بیٹھنا نہ ہو بلکہ لیٹ کر سویا ہو اس لئے کہ حضرت انسؓ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ کے اصحاب عشاء کی نماز بیٹھے ہوئے انتظار کیا کرتے تھے یہاں تک کہ نیند کے سبب سے ان کے سر جھک جاتے تھے، اس حالت میں وہ اٹھ کر نماز پڑھ لیتے تھے وضو نہ کرتے تھے۔ (ابو داؤد ترمذی) مگر ترمذی نے اپنی روایت میں یَنْتَظِرُونَ الْعِشَاءَ حَتَّى تَحْفَظَ رُؤُوسُهُمْ کے بجائے لَفْظَ ظَلَمُونَ ذکر کیا ہے۔

تشریح: حضرت امام محی السنۃ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کا حکم سونے والوں کے بارہ میں نہیں ہے بلکہ ایسے شخص کے بارہ میں ہے جو لیٹ کر سو جائے، کیونکہ لیٹ کر سونے سے تمام اعضاء ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور اپنے اوپر پوری طرح اختیار نہیں رہتا اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس حالت میں ریاح خارج ہو جائے اور اس کا احساس بھی نہ ہو۔

ہاں جو شخص لیٹ کر نہیں بلکہ بیٹھا بیٹھا اس طرح سو جائے کہ اس کی مقعد زمین پر رکھی رہے اور پھر جب وہ جاگے تو مقعد اسی طرح زمین پر ٹھیری ہوئی ہو تو وضو نہیں لوثا چاہے وہ جتنا بھی سوئے، چنانچہ حضرت انسؓ کی مذکورہ حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بیٹھے ہوئے سونے سے وضو نہیں لوثا، بیٹھنے کی اقسام فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں، جن کو قیاس یا دیگر احادیث سے ثابت کیا گیا ہے۔

(۱۶) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ التَّوَضُّعَ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَظًّا جَعْلًا فَإِنَّهُ إِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَقَاصِلُهُ۔ (رواہ ابوترذی و ابو داؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”وضو اس شخص پر لازم ہوتا ہے جو لیٹ کر سو جائے اس لئے کہ جس وقت آدمی لیٹتا ہے تو اس کے (بدن کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں) اور پھر ہوا خارج ہونے کا قصہ رہتا ہے۔“ (ترمذی ابو داؤد)

تشریح: حضرت میرک شاہ نے فرمایا ہے کہ حدیث منکر ہے کیونکہ اس کے راویوں میں ایک راوی نے یہ دالائی بھی ہے جو کہ کثیر الخطاء اور فاش الوبہم اور نقیصہ کے مخالف ہے۔

(۱۷) وَعَنْ بُسْرِةَ بِنْتِ صَفْوَانَ بْنِ زَوْفٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَسَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأَ۔

(رواہ مالک و احمد و ابو داؤد و ابوترذی و انسائی و ابن ماجہ و اللاری)

”اور حضرت بسرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”تم میں سے جو شخص اپنے ذکر (عضو خالص) کو ہاتھ لگائے تو اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے۔“ (مالک، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، دارمی)

تشریح: پیشاب گاہ کو چھونے سے وضو لوث جانے میں اختلاف ہے، بلکہ اس مسئلہ میں خود صحابہؓ میں بھی اختلاف تھا چنانچہ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے ذکر کو شنی تھیلی سے چھو دیا تو اس کا وضو لوث جائے گا، ان کی دلیل یہی مذکور حدیث ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ذکر کو چھودینے سے وضو نہیں لوثا، ان کی دلیل بایں حدیث ہے جو قیس بن علی کی روایت

کے ساتھ جسے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے، مسند ابی حنیفہ میں مذکور ہے اس کے علاوہ امام اعظمؒ کی دلیل میں اور بہت سی حدیثیں وارد ہیں اس سلسلہ میں مزید تفسیر کے لئے شرح طاعلی قاری اور مشکوٰۃ کا ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق دہلوی دیکھا جاسکتا ہے۔

حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں یعنی بسرہ کی یہ حدیث جو شوافع کی دلیل ہے اور طلق بن علی کی حدیث جو آری ہے اور حنفیہ کی دلیل ہے، درجہ حسن سے باہر نہیں ہیں لیکن حضرت طلق بن علی کی حدیث کو حضرت بسرہ کی حدیث پر ترجیح ہوگی اس لئے کہ حضرت بسرہ عورت اور حضرت طلق بن علیؒ مرد ہیں اور ظاہر ہے کہ عورت کے مقابلے میں مرد کی حدیث قوی ہوتی ہے کیونکہ وہ عورت کی نسبت علم اور حدیث کو خوب اچھی طرح یاد رکھتے ہیں اور ان کی قوت حافظہ عورتوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے۔

(۱۸) وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَسْرِ بْنِ الرَّجُلِ ذِكْرَهُ بَعْدَ مَا يَتَوَضَّأُ قَالَ وَهَلْ هُوَ إِلَّا بَضْعَةٌ مِنْهُ زَوَاهُ أَبُو ذَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَانِئِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ وَقَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُجِئُ الشَّيْءِ هَذَا مُتَشَوِّحٌ لِأَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَسْلَمَ بَعْدَ قَدْ زُومَ طَلْقٌ وَقَدْ رَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَقْضَيْ أَحَدُكُمْ بَيْنَهُ إِلَى ذِكْرِهِ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ فَلْيَتَوَضَّأْ زَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالدَّارِ قُطَيْبِيُّ وَرَوَاهُ التَّسَانِئِيُّ عَنْ بُسْرَةَ الْأَنْهَلِمِ يَذْكُرُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ

”اور حضرت طلق بن علیؒ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ اسرار دو عالم ﷺ سے پوچھا گیا کہ وضو کرنے کے بعد اگر کوئی شخص اپنے ذکر کو چھوئے (تو کیا حکم ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ بھی تو آدمی کے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے البود و داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے“ امام محی السنۃ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مسوٰخ ہے اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت طلق بن علیؒ کے آنے کے بعد اسلام لائے ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ سے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث منقول ہے کہ جب تم میں سے کسی کا ہاتھ اپنے ذکر پر پہنچ جائے اور ہاتھ ذکر کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وضو کرے۔“ (اشافی دار قطنی اور نسائی نے بسرہ سے یہ روایت نقل کی ہے جس میں لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ کے الفاظ مذکور ہیں۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بدن کے گوشت کے دیگر ٹکڑے مثلاً ہاتھ پاؤں کان ناک وغیرہ ہیں اسی طرح ذکر بھی بندہ کے گوشت ہی کا ایک ٹکڑا ہے اور جب ان دوسرے ٹکڑوں اور حصوں کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو پھر ذکر کے چھو جانے سے کیوں وضو ٹوٹے گا لہذا اس سے معلوم ہوا کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے۔

امام محی السنۃ کا قول دراصل حضرات شوافع کی ترجمانی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ طلق بن علیؒ کے بہت بعد اسلام لائے ہیں، کیونکہ حضرت طلقؒ ہجرت کے فورا بعد جب کہ مسجد نبویؐ کی تعمیر ہو رہی تھی ان حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ سن ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر اسلام لائے ہیں اس لئے حضرت طلق بن علیؒ کا آنحضرت ﷺ سے حدیث سنا پہلے ہوا اور حضرت ابو ہریرہؓ کا سنا بعد میں ہوا ہوگا، لہذا حضرت طلقؒ کی حدیث مسوٰخ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ناسخ ہوئی۔

حنفیہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت طلقؒ کے اسلام لانے کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ کے اسلام لانے سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث کہی بھی بعد میں ہو شوافع کا یہ دعویٰ کو جب صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ثابت ہو کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے اسلام لانے سے پہلے ہی حضرت طلقؒ انتقال فرما چکے تھے یا یہ کہ اپنے وطن کو چلے گئے تھے کہ پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی کبھی حاضر نہیں ہوئے، اس لئے کہ اگر حضرت طلقؒ حضرت ابو ہریرہؓ کے اسلام لانے پہلے انتقال فرما جاتے ہیں یا اپنے وطن کو واپس لوٹ جاتے تو پھر حضرت ابو ہریرہؓ کے اسلام لانے کے بعد کچھ نہیں سن سکتے تھے مگر اب تو یہ ممکن ہے کہ حضرت طلقؒ نے یہ حدیث ابو ہریرہؓ

لے آکر اسی طلق بن علی اور کثرت ابوی علی ہے ان کی حدیثیں ان کے بیٹے قیس سے مروی ہیں۔

کے اسلام لانے کے بعد ہی بنی ہو لہذا اشواغ کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔

حضرت مظہرؒ نے ایک اچھی اور فیصلہ کن بات کہہ دی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہو گیا ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ مس ذکر ناقض وضو ہے اور حضرت طلقؓ کی حدیث مس ذکر کو ناقض وضو نہیں کہتی لہذا اس تعارض کی شکل میں ہمیں چاہئے کہ ہم دوسرے صحابہؓ کے اقوال کی طرف رجوع کریں چنانچہ بہت سے صحابہؓ مثلاً حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابو درداءؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت عمرؓ کے یہ اقوال ثابت ہیں کہ ذکر چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حنفی ہی کا مسلک صحیح ہے کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱۹) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ بَعْضُ أَزْوَاجِهِ ثُمَّ يَصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ زَوْاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّشَائِيَّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يَصِحُّ عِنْدَ أَصْحَابِنَا بِحَدِيثِ اسْنَادٍ غَرِوَةٌ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنُ مَاجَةَ التَّيْمِيُّ عَنْهَا وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ هَذَا مُرْسَلٌ وَابْنُ أَبِي هَيْمٍ التَّيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ عَنْ عَائِشَةَ۔

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اپنی بعض بیویوں کا بوسہ لیتے تھے اور بغیر وضو کے (پہلے ہی وضو سے) نماز پڑھ لیتے تھے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی نے کہا ہے کہ ہمارے علماء کے نزدیک کسی حال میں عروہ کی سند حضرت عائشہؓ سے نیز ابراہیم تیمیمی کی بھی سند حضرت عائشہؓ سے صحیح نہیں ہے اور ابوداؤد نے کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اس لئے کہ ابراہیم تیمیمی نے حضرت عائشہؓ سے نہیں سنا ہے۔“

تشریح: اس مسئلہ میں بھی علماء کا اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک غیر محرم عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ غیر محرم عورت کو اگر شہوت کے ساتھ چھوئے تو وضو ٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں ٹوٹے گا ہمارے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا، ان کی دلیل یہی حدیث ہے، نیز حضرت عائشہؓ کی ایک دوسری حدیث بھی جو بخاری و مسلم میں مذکور ہے حضرت امام اعظمؒ کی دلیل ہے جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ”آنحضرت ﷺ جب رات میں تہجد پڑھنے کے لئے بیدار ہوتے تو میں سوئی رہتی اور میرے دونوں پاؤں آنحضرت ﷺ کے سجدہ کی جگہ پڑھ رہے تھے چنانچہ آپ ﷺ سجدہ کے وقت میرے پیروں میں ٹھونکا دیتے تھے تو میں اپنے پیر سیٹھ لیتی تھی“ لہذا اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، امام ترمذی کا یہ کہنا عروہ کی ساعت حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں ہے ”بالکل صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح میں (بخاری و مسلم) میں اکثر احادیث میں حضرت عائشہؓ سے حضرت عروہ کی ساعت ثابت ہے معلوم ہوتا ہے کہ ترمذی کے اس قول کو نقل کرنے میں مصنف مشکوٰۃ سے کچھ چوک ہو گئی ہے کیونکہ ترمذی کے اس قول کا یہ مطلب نہیں لیا جاتا جو مصنف مشکوٰۃ نے اخذ کیا ہے۔

ابوداؤد کا یہ کہنا کہ ”یہ حدیث یعنی مرسل کی ایک قسم منقطع ہے“ دراصل حنفیہ کی اس دلیل کو کمزور کرتا ہے کہ جب یہ حدیث مرسل ہے تو حنفیہ کا اس کو اپنی دلیل میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہمارے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہوتی ہے اور نہ صرف ہمارے نزدیک بلکہ جمہور علماء بھی مرسل حدیث کی حجت کو تسلیم کرتے ہیں، لہذا اس حدیث کو مرسل کہہ کر اسے ناقابل استدلال قرار نہیں دیا جاسکتا۔

(۲۰) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفًا ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ بِمَسْحٍ كَانَ تَحْتَهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى۔ (رواہ ابوداؤد، ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے بکری کا شازہ (یعنی بکری یا بکال کے شازہ گوشت) کھایا، پھر اپنا ہاتھ مات سے پونچھ لیا جو آپ ﷺ کے نیچے بچھا ہوتا تھا اور پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ارشاد گرامی ”اگر تم خاموش رہتے تو مجھ کو دست پر دست دیئے چلے جاتے جب تک کہ تم چپ رہتے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم چپ رہتے اور میں جس طرح مانگتا جا رہا تھا تم اسی طرح اٹھا اٹھا کر دیتے رہتے تو تم دیکھ لیتے کی خداوند کریم اپنی قدرت سے معجزہ کے طور پر بے حد حساب دست مہیا فرماتا، لیکن چونکہ تمہاری نظر صرف ظاہر پر تھی اور تم نے یہ سوچ کر کہ بکری کے صرف دو ہی دست ہوتے ہیں اب کہاں سے لا کر دوں گا اپنا ہاتھ کھینچ لیا، اور جب تم نے خود ہی ہاتھ کھینچ لیا اور یہ جواب دے دیا تو ادھر سے بھی انداز نہیں کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واقعی سب دست ختم ہو گئے یہاں ایک ہلکا سا ظہان واقع ہو سکتا ہے کہ جب باری تعالیٰ کی جانب سے آنحضرت ﷺ کی خواہش کی تکمیل کی خاطر یہی طور پر بکری کے دست کا انتظام کیا جا رہا تھا تو محض البورافع کے جواب دے دینے سے وہ سلسلہ رک کہیں گیا اور پھر دست ظاہر کیوں نہیں فرمائے گئے۔ جواب یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی جانب سے تمام اعزاز و کرامات اور فضل و عنایات محض خالص نیت اور توجہ الی اللہ کی بناء پر ہوتی ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی توجہ الی اللہ اور خدا کی جانب سے حضوری قلب میں البورافع کے جواب سے کچھ فرق آگیا ہو اس لئے آپ ان کے جواب کے رد کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، چنانچہ ادھر سے بھی ہاتھ روک لیا گیا اور دست ختم ہو گئے۔

(۲۴) وَعَنِ النَّسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنْتُ أَنَا وَأَبِي ظَلَمْنَا جُلُوسًا فَأَكَلْنَا لَحْمًا وَخَبَزْنَا لَمْ دَعَوْتُ بِوَضُوءٍ فَقَالَ لِمَ تَتَوَضَّأُ فَقُلْتُ لِهَذَا الطَّعَامِ الَّذِي أَكَلْنَا فَقَالَ أَتَوَضَّأُ مِنَ الظَّيْبَاتِ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں، ابی بن کعبؓ اور ابو طلحہؓ بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے گوشت ردی کھائی (کھانے سے خارج ہو کر) میں نے وضو کے لئے پانی منگوایا ابی بن کعبؓ اور طلحہؓ نے کہا ”تم وضو کیوں کرتے ہو“ میں نے کہا ”اس کھانے کی وجہ سے جو میں نے ابھی کھایا ہے ان دونوں نے کہا ”کیا تم پاک چیزوں کے کھانے سے وضو کرتے ہو ان چیزوں کو کھا کر اس شخص نے وضو نہیں کیا جو تم سے بہتر ہیں“ (یعنی آنحضرت ﷺ)۔“ (احمد)

(۲۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا كَانَ يَقُولُ قَبْلَهُ الرَّجُلُ اغْزَاةً وَجَسَّهَا يَبْدُوهُ مِنَ الْفَلَاحَةِ وَمَنْ قَبْلُ اغْزَاةً أَوْ جَسَّهَا يَبْدُوهُ مِنَ الْفُضُولَةِ۔ (رواہ مالک و الشافعی)

”اور حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ”مرد کا اپنی عورت سے بوسہ لینا یا اس کو اپنے ہاتھ سے چومنا یہ بھی ملامت ہے اور جس شخص نے اپنی عورت کا بوسہ لیا یا اس کو ہاتھ سے چھوا تو اس پر وضو واجب ہے۔“ (مالک و الشافعی)

تشریح: قرآن میں جس جگہ ان چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو وضو کو توڑنے والی ہیں انہیں ایک چیز ناقض وضو یہ بھی بتائی گئی ہے کہ:

أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ۔ ”یعنی تم عورت سے ملاست کرو۔“

”ملاست“ کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ اور اس کا محمل کیا ہے؟ اسی میں اختلاف ہو رہا ہے، امام شافعیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ ملاست کے معنی عورت کو ہاتھ لگانا، تو گویا اس طرح امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کو محض ہاتھ لگانے کے بعد اگر کسی شخص کا وضو ہے تو وہ ٹوٹ جائے گا لہذا اگر وہ تازہ وضو چاہے تو اس کو دوبارہ وضو کرنا ضروری ہو گا۔

حضرت ابن عمرؓ کے مذکورہ بالا ارشاد کا مفہوم بھی یہی ہے جو حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی تصدیق کر رہا ہے چنانچہ حضرت ابن عمرؓ کی فرمائش ہے کہ عورت کو صرف ہاتھ لگانا، یا عورت کا بوسہ لینا ملاست میں داخل ہے جس کو قرآن میں ناقض وضو فرمایا گیا ہے۔ ہمارے امام صاحبؒ ”ملاست“ کے معنی قرار دیتے ہیں ”جماع اور ہمستری“ یعنی قرآن میں ملاست عورت کا جو ذکر کیا گیا ہے اور جسے ناقض وضو کہا گیا ہے اس سے جماع اور ہمستری مراد ہے۔ امام اعظمؒ نے اپنے اس مسلک کی تصدیق میں دلائل کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا ہے جو فقہ کی کتابوں میں بڑی وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ كَانَ يَقُولُ مِنْ قَبْلَةِ الرَّجُلِ امْرَأَتُهُ الْوَضُوءُ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ مرد کو اپنی عورت کا بوسہ لینے سے وضو لازم آتا ہے۔“ (مالک)

(۲۲) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ إِنَّ الْقُبْلَةَ مِنَ اللَّحْمِ فَتَوَضَّؤُكُمْ مِنْهَا۔

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ بوسہ لینا اس میں داخل ہے (جو قرآن میں مذکور ہے) لہذا بوسہ لینے کے بعد وضو کیا کرو۔“

تشریح: حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمرؓ کے ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔

ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک چونکہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے ان روایتوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اول تو یہ تمام روایتیں صحابہ پر موقوف ہیں یعنی یہ صحابہ کے اقوال ہیں اس لئے ان کا حکم حدیث مرفوعہ یعنی آنحضرت ﷺ کے ارشاد جیسا نہیں ہو سکتا دوسرے ان کے نزدیک یہ روایتیں درجہ صحت کو بھی نہیں پہنچی ہوئی ہیں۔

پھر اس سے قطع نظر آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث موجود ہے جو پہلے ذکر کی گئی اور جس کو حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ اس سے بصراحت یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا نیز اس کے علاوہ ”مسند ابی حنیفہ“ میں ایک دوسری حدیث مذکور ہے جسے حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا لَيْسَ فِي الْقُبْلَةِ وَضُوءٌ یعنی بوسہ لینے سے وضو لازم نہیں ہوتا“ گویا اس حدیث نے بھی اس بات کی تصدیق کر دی کہ عورت کو چھونے یا اس کا بوسہ لینے سے وضو نہیں ٹوٹتا لہذا ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے لئے ناخ ہو جن میں عورت کو چھونے یا اس کا بوسہ لینے کو ناقض وضو کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۳) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَضُوءُ مِنْ كُلِّ دِيمٍ سَائِلٍ زَوَاهِمًا الدَّارِ قُطْنِي وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ وَلَا رَأَاهُ وَيَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ وَيَزِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ مَجْهُولَانِ۔

”حضرت عمر بن عبد العزیزؓ تمیم داریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر بنے والے خون سے وضو لازم آتا ہے کہ ان دونوں روایتوں کو دارِ قطنی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمر ابن عبد العزیزؓ نے نہ تو تمیم داریؓ سے سنا ہے اور نہ ہی انہیں دیکھا ہے نیز اس روایت کے دوراوی زید ابن خالد اور زید ابن محمد مجہول ہیں۔“

تشریح: حضرت امام اعظمؒ کا یہی مسلک ہے کہ ہر بنے والے خون سے وضو لازم آتا ہے یعنی اگر بدن کے کسی بھی حصہ سے خون نکلا اور نکل کر اس حصہ تک پہنچ گیا جس کا دھونا وضو اور غسل میں ضروری ہوتا ہے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا چنانچہ یہ حدیث امام صاحب کے مسلک کی دلیل ہے، امام صاحب کے علاوہ دیگر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر خون، پیشاب یا پاخانہ کے راستہ سے نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ سے نکلا تو نہیں ٹوٹے گا۔

حضرت دارِ قطنیؒ اس حدیث میں کلام فرما رہے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عمر ابن عبد العزیزؓ نے نہ تو تمیم داریؓ سے سنا ہے اور نہ انہیں دیکھا ہے اس لئے حدیث مرسل ہے، نیز اس حدیث کے دوراوی زید بن خالد اور زید بن محمد مجہول ہیں گویا ان کا مقصد اس کلام سے یہ ہے کہ جس حدیث میں یہ کلام ہو اس کو امام صاحبؒ کا اپنے مسلک کی دلیل بنانا کوئی وزنی بات نہیں ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر ابن عبد العزیزؓ اموی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور خلیفہ ہیں اور جب ۱۹ھ میں اس جہاں فانی سے رحلت فرما گئے۔ اہم گمراہی تمیم بن اوس الداریؓ ہے ۹ھ میں مشرف باسلام ہوئے ہیں حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام میں ان کی وفات پائی۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حدیث مرسل یہ نہ صرف یہ کہ ہمارے ہی نزدیک بلکہ جمہور علماء کے نزدیک بھی دلیل اور حجت بن سکتی ہے اسی طرح جریر ابن خالد اور زید بن محمد کے مجہول ہونے میں بھی اختلاف ہے بعض حضرات نے تو انہیں مجہول قرار دیا ہے جیسا کہ دارقطنی فرما رہے ہیں مگر بعض حضرات نے انہیں مجہول نہیں کہا ہے اس سے قطع نظر امام صاحب کی اصل دلیل تو یہ حدیث ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ قَامَ أَوْ رَغَفَ أَوْ أَهْدَىٰ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصِرْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلَىٰ صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ - (کنز الدہاء)

”اگر کسی شخص نے اپنی نماز میں تہ کی یا اس کی تکبیر پھوٹی یا ہڈی ٹکلی تو اس کو چاہئے کہ وہ نماز سے نکل کر آئے اور پھر وضو کرنے اور جب تک کہ کلام نہ کرے اسی نماز پر بنا کر لے۔“

نیز ابو داؤد میں بھی اس مضمون کی حدیث منقول ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب اور پاخانہ کے مقام کے علاوہ بدن کے کسی دوسرے حصے سے بھی خون نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

بَابُ آدَابِ الْخَلَاءِ پاخانہ کے آداب کا بیان

آداب ان چیزوں کو کہتے ہیں کہ جس کا ذکر کرنا اچھا اور بہتر ہو وہ چیزیں خواہ عمل سے تعلق رکھتی ہوں خواہ قول سے چنانچہ اس بات میں ان احادیث کو ذکر کیا جا رہا ہے جن کا تعلق استنجاء کے آداب سے ہے یعنی ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جو استنجاء کے سلسلے میں ممنوع و مکروہ ہیں اور ان چیزوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو استنجاء میں مطلوب و مستحب ہیں۔

① عَنْ أَبِي أَنَسٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِظَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَنْدِ بِرُؤُوسِكُمْ وَلَا تَسْتَقْبِلُوا مُتَقَفًا عَلَيْهِ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُجِئِي السَّنَةِ رَحِمَهُ اللَّهُ هَذَا الْحَدِيثُ فِي الشَّخْزَاءِ أَغَا فِي الْبُتَيْنِ فَلَا بَأْسَ لِأَنْوَاعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ إِذَا تَقَيْتَ فَوْقَ بَيْتٍ حَفْصَةً لِيُغْضَى حَاجَتِي فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِي حَاجَتَهُ مُسْتَنْدِ بِرُ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ - (مشق علیہ)

”حضرت ابو انصاری راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب حمیت الخلاء جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو بلکہ مشرق اور مغرب کی طرف منہ اور پشت رکھو (بخاری و مسلم) حضرت امام محمدی السنۃ فرماتے ہیں کہ یہ جنگل کا حکم ہے آبادی میں ایسا کرنا کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”میں اپنی ضرورت سے حفصہ کے مکان پر چڑھا تو میں نے آنحضرت ﷺ کو (بیت الخلاء میں) قضاء حاجت کرتے دیکھا، آپ ﷺ قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کئے ہوئے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث میں جہت اور سمت کا جو تعین فرمایا گیا ہے وہ اہل مدینہ کے اعتبار سے ہے یا ان لوگوں کے لئے جو ابی سمت رہتے ہیں اس لئے کہ مدینہ میں قبلہ جنوب کی طرف پڑتا ہے اس لئے انکو تو مشرق اور مغرب ہی کی طرف منہ اور پشت کرنی ہوگی، ہمارے ملک والوں کے لئے یا ان ممالک کے لئے جو اس سمت میں واقع ہیں ان کو مشرق اور مغرب کی طرف منہ اور پشت نہ کرنی چاہئے کیونکہ یہاں کے اعتبار سے قبلہ مغرب کی طرف پڑتا ہے۔

بہر حال۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، ہمارے امام صاحب تو فرماتے ہیں کہ پیشاب، پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرنا چاہئے خواہ جنگل ہو یا آبادی وغیرہ، اگر کرے گا تو مرتکب حرام ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک قبلہ کی طرف منہ اور پشت کرنا جنگل میں تو حرام ہے آبادی و گھر میں حرام نہیں ہے۔
حضرت امام اعظمؒ کا دلیل پہلی حدیث ہے جو ابو ایوبؓ سے منقول ہے اس حدیث میں قبلہ کی طرف منہ اور پشت نہ کرنے کا حکم مطلقاً ہے اس میں جنگل و آبادی و گھر کی کوئی قید نہیں ہے لہذا جو حکم جنگل کا ہو گا وہی حکم آبادی کا بھی ہو گا یہ حدیث نہ صرف یہ کہ حضرت ابو ایوبؓ ہی سے منقول ہے بلکہ صحابہ کی ایک بڑی تعداد اس کی روایت کرتی ہے۔

پھر امام صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ اور پشت نہ کرنے کا حکم قبلہ کی تعظیم و احترام کے پیش نظر دیا ہے لہذا جس طرح جنگل میں تعظیم قبلہ ملحوظ رہے گا اسی طرح آبادی و گھر میں بھی احترام قبلہ کا لحاظ ضروری ہو گا جیسا کہ قبلہ کی طرف تھوکتا اور پاؤں پھیلاتا ہر جگہ منع ہے۔

امام محی السنہؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی جو حدیث روایت کی ہے وہ حضرت امام شافعیؒ کی دلیل ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبلہ کی طرف پشت کرنا گھر میں جائز ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اول تو یہ ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کو گھر میں بیت الخلاء کے اندر قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کئے ہوئے اس حکم کے نفاذ سے پہلے دیکھا ہو گا، لہذا یہ حکم پہلے کے لئے ناسخ ہے، پھر دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ قبلہ کی طرف منہ کئے ہوئے نہیں ہوں بیٹھے ہوں گے بلکہ آپ ﷺ اس انداز سے گھوم کر بیٹھے ہوں گے کہ حقیقت میں قبلہ کی طرف پشت نہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ موقع کی نزاکت کے پیش نظر عبداللہ بن عمرؓ نے وہاں کھڑے ہو کر بغور تو آپ کو دیکھا نہیں ہو گا، بلکہ جب یہ چھت پر چڑھے تو ان کی نظر اچانک احر بیت الخلاء کی طرف اٹھ گئی ہوگی اس لئے اس دوران میں سرسری طور پر عبداللہ بن عمرؓ آپ ﷺ کی نشست کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکے اس حدیث کے بارے میں جب یہ احتمال بھی نکل سکتا ہے تو پھر حضرت شافعیؒ کو اپنے مسلک کی دلیل کے لئے اس کا سہارا لینا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

② وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ لَمَّا نَا بَعْنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ نَتَوَضَّعَ بِالنَّيْمِ أَوْ أَنْ نَسْتَجْنِبَ بِالْقُلُوبِ ثَلَاثَةَ أَحْجَارٍ أَوْ أَنْ نَسْتَجْنِبَ بِوَجْنِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ہمیں منع کیا ہے اس سے کہ ہم پٹا خانہ یا پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف منہ کریں اور اس سے کہ ہم اونٹن ہاتھ سے استنجاء کریں اور اس سے کہ ہم تین ڈھیلوں سے کم سے استنجاء کریں اور اس سے کہ ہم گور یا بڑی سے استنجاء کریں۔“ (مسلم)

تشریح: پہلے علماء فرماتے ہیں کہ پاخانہ یا پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا مکروہ تنزیہی ہے گویا پہلی بھی تو تحریمی ہے اور دوسری تنزیہی ہے۔

اتنی بات جان لیتی چاہئے کہ استنجاء کرنے کے وقت پیشاب گاہ کو دایاں ہاتھ نہ لگانا چاہئے بلکہ طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ ڈھیلے یا بٹن ہاتھ میں لے کر اس پر پیشاب گاہ کو رکھ لے مگر دائیں ہاتھ سے پکڑ کر نہ رکھے کیونکہ یہ بھی مکروہ ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنا واجب مگر ہمارے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ استنجاء کے لئے تین ڈھیلے لینا شرط نہیں ہے اگر تین سے کم ہی میں پاکی حاصل ہو جائے تو یہ بھی کافی ہے ان کی دلیل صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے کہ ”عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ہاتھ کیلئے تشریف لے گئے اور مجھ سے فرمایا کہ تین ڈھیلے لاؤ مجھے ڈھیلے تو دو ہی ملے اس لئے میں اس کے ساتھ گور کا ایک ٹکڑا بھی لایا، آنحضرت ﷺ نے دونوں ڈھیلے تو لے لئے اور گور کے ٹکڑے کو پیچ تک دیا۔“

۱۔ ام گرامی سلمان قاری اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ ان کی وفات ۳۵ھ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری زمانہ میں ہوئی ہے بعض لوگوں نے کہا کہ ۳۶ھ کے اوائل میں ہوئی ہے۔

(۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءُ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب پاخانہ میں داخل ہوتے (یعنی داخل ہو کر ارادہ کرتے) تو یہ دعا پڑھتے اسے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ناپاک جنوں اور جیہوں (یعنی نرمارہ دونوں سے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آدابِ پاخانہ میں سے یہ ہے کہ جب کوئی شخص پاخانہ کے لئے بیت الخلاء میں جائے تو اندر داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لینی چاہئے، اگر پاخانہ کے لئے جنگل میں جائے تو عین ارادہ کے وقت یعنی دامن وغیرہ سمیٹ کر بیٹھنے لگے اس وقت یہ دعا پڑھ لے۔

(۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَيْفٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَنْتِزِعُ مِنَ التُّبُولِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا يَسْتَنْتِزِعُ مِنَ التُّبُولِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالشَّمِيمَةِ لَمْ أَخَذْ جَرِيدَةً وَظَلَمَ فَشَقَّهَا بِبُصْفَيْنِ لَمْ عَزَّزْ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاجِدَةً قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ صَنَعْتَ هَذَا فَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يَخْخَفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَبْيَسَا۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے (انہیں دیکھ کر فرمایا کہ ”ان دونوں قبر والوں پر عذاب نازل ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی بڑی چیز پر نہیں نازل ہو رہا ہے (کہ جس سے بچنا مشکل ہو) ان میں ایک تو پیشاب سے بچتا تھا“ مسلمان کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چل خور تھا“ پھر آپ ﷺ نے ”مجھور کی“ ایک تر شاخ لی اور اس کو بچ سے آدھوں آدھ چرا انہیں ایک ایک کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دیا۔“ صحابہ نے (یہ دیکھ کر) پوچھا ”یا رسول اللہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”شاید (اس عمل سے) ان کے عذاب میں (اس وقت تک کے لئے) کچھ تخفیف ہو جائے جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”مسلم“ کے الفاظ کی مناسبت سے اس کا مطلب یہ ہو گا کہ پہلا شخص جس پر اس کی قبر میں عذاب نازل ہو رہا تھا وہ بچہ پیشاب سے بچتا نہیں تھا یعنی پیشاب کرتے وقت اس بات کی احتیاط نہیں کرتا تھا کہ چھینٹیں اس کے اوپر نہ پڑیں ایک دوسری روایت میں لا یستبراء کے الفاظ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ”وہ شخص پیشاب سے پاکی طلب نہیں کرتا تھا“ نیز ایک روایت میں لا یستتر کے الفاظ مذکور ہیں استتر کے معنی آتے ہیں عضو تناسل کو زور بھارتا یا کھینچتا تاکہ پیشاب کے جو قطرے اندر رہ گئے ہوں وہ نکل جائیں (اس طرح معنی یہ ہوں گے وہ شخص پیشاب گاہ کو اچھی طرح جھاڑ کر پیشاب کے قطروں کو نکالتا نہ تھا۔

بہر حال ان تمام الفاظ کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں ہے، مطلب سب کا یہی ہے کہ وہ پیشاب سے پاکی اور صفائی حاصل نہیں کرتا تھا اور چونکہ پیشاب سے پاکی حاصل نہ کرنا گناہ کبیرہ اور نماز کے بطلان کا سبب ہے اس لئے اسے خدا کی جانب سے عذاب میں گرفتار کیا گیا۔ اس سلسلہ میں ایک خاص بات ضروری ہے کہ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ غلط اور گمراہ کن خیال پیدا ہو گیا ہے کہ چونکہ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ دھیلے سے پیشاب خشک کرتے تھے اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ پیشاب کے بعد دھیلے کا استعمال نہ کرے، یہ انتہائی گمراہی اور کم عقلی کی بات ہے، اگر کسی شخص کا مزاج ہی اتنا قوی اور مضبوط ہو، نیز اسے اس بات کا یقین ہو کہ پیشاب سے فارغ ہو جانے کے بعد قطرے نہیں آئیں گے تو البتہ اس کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ صرف پانی سے استنجاء پاک کر لے دھیلے کا استعمال کرنا اس کے لئے ضروری نہیں ہو گا اور جس کے قطرہ دیر تک آتا ہو جیسا کہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے تو پھر اگر وہ دھیلے کا استعمال نہ کرے صرف پانی سے پاک کرے گا تو اس کے پانچامہ اور کپڑا وغیرہ گندا اور ناپاک ہو گا، جہاں تک حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس کا سوال ہے تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کا مزاج مبارک مضبوط اور قوی انتہائی طاقتور تھے اس لئے

آپ ڈھیلے کا استعمال نہیں فرماتے تھے صرف پانی ہی سے استنجاء پاک کر لیتے تھے۔ پھر دوسرے یہ کہ وہ فعل جو آنحضرت ﷺ سے خود ثابت نہ ہو مگر اس کا کرنا کسی نہ کسی وجہ سے مطلوب اور ضروری ہو تو اسے یہ کہہ کر ناقابل اعتناء قرار نہیں دیا جاسکتا کہ یہ فعل چونکہ آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اس لئے ہم بھی اسے نہیں کرتے مثلاً آپ ﷺ نے فصد نہیں کرائی ہے اب اگر کسی دوسرے کو فصد کی حاجت ہو اور وہ یہ کہے کہ چونکہ آنحضرت ﷺ نے فصد نہیں کرائی ہے اس لئے میں بھی فصد نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ یہ بات اسی کے لئے نقصان دہ ہوگی۔

بہر حال مقصد یہ ہے کہ نظر شارع کی غرض پر ہونی چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ شارع کا اصل مقصد کیا ہے اور وہ ظاہر ہے کہ ”طہارت“ ہے جس کی ہمیں تاکید کی گئی ہے اس لئے ہمیں تو طہارت حاصل کرنی چاہئے خواہ وہ کسی طرح حاصل ہو پانی سے حاصل ہو یا ڈھیلے سے اس قسم کی بیہودہ احتمالات نکال کر اور غلط حیلہ و بہانہ کر کے پتے کپڑوں کو گندہ کرنا اور نجاست میں اپنے آپ کو ملوث کرنا اور پھر اسی طرح نماز پڑھنا انتہائی غلط اور گمراہی کی بات ہے، پیشاب سے بچنے اور اس سے احتیاط کرنے کی کتنی اہمیت ہے؟ اس کا اندازہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ہو سکتا ہے کہ:

آپ ﷺ نے فرمایا ”عذاب قبر اکثر پیشاب کی بناء پر ہوتا ہے (اس لئے) پیشاب سے پاکی حاصل کرو۔“ یا اسی طرح فرمایا ”پیشاب سے پرہیز کرو اس لئے کہ وہ اس چیز کا اول ہے جس کی وجہ سے بندہ قبر میں حساب (کی سختی) میں گرفتار ہوگا (طبرانی) پھر اس کے علاوہ ایک چیز یہ بھی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ پیشاب کے بعد ڈھیلہ استعمال کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ صحابیؓ کا فعل حجت ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”میری سند کو لازم پکڑو اور خلفائے راشدین کی سنت کو بھی لازم پکڑو۔“

چنانچہ حضرت عمرؓ کے بارہ میں مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول ہے کہ:-

ابوبکر عن یسار بن لمیر کان عمر اذا بال مسح ذکروہ بحائط او حجر لم یمسہ ماء۔

”حضرت عمر فاروقؓ جب پیشاب کرتے تھے تو اپنا عضو داخل دیوار پر یا حجر پر پھرتے تھے اور اس پر پانی لگاتے بھی نہیں تھے۔“

نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر کہ پیشاب کے بعد ڈھیلہ استعمال کرنا چاہئے اہل سنت کا اتفاق و اجماع ہے، واللہ اعلم بالصواب کے معنی ہیں خن چینی، یعنی کوئی شخص ایسے دو آدمیوں کی بات جن میں آپس میں دشمنی ہو ایک دوسرے تک نساہ پھیلانے کے لئے پہچانے یا کوئی شخص دو آدمیوں میں دشمنی پیدا کرانے اس طرح کہ ایک کی بات دوسرے کے پاس قسم اور گالی وغیرہ سے اس انداز سے نقل کرے جس سے اشتعال پیدا ہو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ”نمیجہ“ کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی گفتگو کسی دوسرے آدمی سے ضرر پہنچانے کے لئے نقل کی جائے بہر حال آج کل عرف عام ہے جسے ”چغل خوری“ کہتے ہیں وہی معنی ”نمیجہ“ کے ہیں ”چغل خوری“ چونکہ انسانی اور اخلاقی نقطہ نظر سے انتہائی بدترین اور کینہہ خصلت ہے اس لئے اسلام بھی چغل خور کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور چغل خوری کو ایک بدترین قرار دیتا ہے چنانچہ صحیحین میں منقول ہے کہ ”جنت میں چغل خورد داخل نہیں ہوگا۔“

حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ کعب احبار سے جو ایک بڑے یہودی عالم تھے اور بعد میں اسلام لائے، پوچھا کہ تم نے تورات میں سب سے بڑا گناہ کون سا پڑھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ”چغل خوری“۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کا گناہ قتل کے گناہ سے بھی زیادہ ہیبت ناک ہے انہوں نے کہا ”قتل بھی چغل خوری ہی سے ہوتے ہیں اور دوسری برائیاں بھی اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔“

حدیث۔ آخر میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے کھجور کی تر شاخ لے کر اس کے دو ٹکڑے کئے اور ایک ایک ان دونوں قبروں

پر گاڑ دیا اور پھر صحابہؓ کے سوال پر آپ ﷺ نے اس کی وجہ یہ فرمائی کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی اس وقت کے لئے ان کے عذاب میں شاید کچھ تخفیف ہو جائے۔ تو عذاب کے تخفیف کا سبب علماء یہ لکھتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب اپنی روحانی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ خدا کے عذاب میں گرفتار ہیں تو سرکارِ دو عالم ﷺ کی شانِ رحمت اسے برداشت نہ کر سکی، آپ ﷺ نے بارگاہِ الوہیت میں ان کے لئے رحم و کرم کی درخواست کی، پھر غفور الرحیم نے بھی اپنے حبیب کی درخواست کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور فیصلہ صادر فرمایا دیا کہ جب تک ان پر گاڑی ہوئی شاخیں خشک نہ ہوں اس وقت تک ان دونوں پر عذاب میں کمی کر دی جائے۔

چنانچہ اس کی وضاحت بھی ایک دوسری روایت میں موجود ہے جسے مسلم نے نقل کیا ہے اس کے آخر کے الفاظ یہی ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے میری شفاعت قبول فرمائی ہے کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی یہ عذاب میں گرفتار نہیں رہیں گے۔“

بہر حال بظاہر تو اس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے جس کی تصدیق بھی مسلم کی اس روایت سے ہو جاتی ہے، ویسے علماء نے اس کے علاوہ بھی بہت سے اسباب لکھے ہیں جو دیگر کتابوں اور شروح میں وضاحت کے ساتھ منقول ہیں چنانچہ کرمانی کا قول ہے کہ ”تخفیفِ عذاب کا سبب وہ تر شاخ تھی کہ اس کے اندر رفعِ عذاب کی خاصیت تھی مگر یہ خاصیت اس کی ہنسنے نہیں تھی بلکہ یہ خاصیت اسے سرکارِ دو عالم ﷺ کے دستِ مبارک کی برکت کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔“

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء اور صلحاء اور خدا کے نیک بندوں کو چاہئے کہ وہ قبور پر جایا کریں تاکہ ان کی وجہ سے اہل قبر کے عذاب میں تخفیف ہو کیونکہ صالحین کا قبروں پر جانا مردوں کے عذاب میں تخفیف کا باعث ہوتا ہے۔

⑤ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الْأَعْنِينَ قَالُوا وَمَا الْأَعْنَانِ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الَّذِي يَنْتَحِلُ فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ فِي ظِلِّهِمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”تم ان دو چیزوں سے بچو جو لعنت کا سبب ہیں“ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! وہ چیزیں کیا ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ایک تو یہ ہے کہ کوئی شخص لوگوں کے راستہ میں پاخانہ کرے، دوسرے یہ کہ کوئی شخص لوگوں کے سایہ کے نیچے پاخانہ کرے۔“ (مسلم)

تشریح: علماء نے اس ارشاد کی یہ وضاحت کی ہے کہ راستہ سے مراد شاہراہ ہے یعنی ایسا راستہ اور ایسی سڑک وغیرہ جس پر لوگ اکثر چلتے پھرتے ہوں یہاں وہ راستہ مراد نہیں ہے جو ویران پڑا رہتا ہو یا کبھی کبھی اس پر کوئی اکا دکا آدمی چلتا پھرتا ہو۔

”سایہ“ مراد وہ سایہ دار درخت ہے یا سائبان ہے جس کے نیچے لوگ اٹھتے بیٹھتے ہوں، یا وہ لوگوں کے سونے کی جگہ ہو بہر حال ان دونوں جگہوں پر پاخانہ کر کے گندگی اور غلاظت پھیلانے سے منع کیا جا رہا ہے، اس لئے کہ اس سے مخلوقِ خدا کی ایذا رسانی کا سامان ہوتا ہے اور لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک مؤمن و مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کی تکلیف و پریشانی کا سبب بنے۔

⑥ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَنْتَفِشْ فِي الْإِنَاءِ وَإِذَا أَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمْسُ ذِكْرَهُ بِيَمِينِهِ وَلَا يَمْسُخْ بِيَمِينِهِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص پانی پئے تو پانی پینے کے برتن میں سانس نہ لے اور جب پاخانہ میں جائے تو دابہ سے ہاتھ سے عضوِ مخصوص کو نہ چھوئے اور نہ دابہ سے استنجاء کرے۔“ (بخاری و مسلم)

۱۔ ام گرامی حادث بن رہی ہے انصاری اور خزرجی ہیں آپ اپنی کنیت ابو قتادہ سے مشہور ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں دو ادب بتائے جا رہے ہیں پہلی چیز تو یہ بتائی جا رہی ہے کہ جب کوئی شخص پانی پئے تو اسے چاہئے کہ وہ پانی پینے کے دوران اکی برتن میں سانس نہ لے جس میں وہ پانی پی رہا ہے جب اسے سانس لینا ہو تو برتن کو منہ سے جدا کر دے تاکہ منہ یا ناک سے کوئی چیز نکل کر پانی میں نہ گر پڑے۔

دوسری چیز یہ بتائی جا رہی ہے کہ جو کوئی شخص پاخانہ جائے تو اسے چاہئے کہ وہ واسنہ ہاتھ سے نہ تو اپنے عضو مخصوص کو چھوئے اور نہ واسنہ ہاتھ سے استنجاء کرے، اس لئے کہ واسنہ ہاتھ سے کھانا وغیرہ کھایا جاتا ہے اور یہ چیز صفائی اور پاکیزگی کے خلاف ہے کہ جس ہاتھ سے کھانا وغیرہ کھلیجائے اکی ہاتھ سے ایسے اعضاء کو چھوا جائے جس سے گندگی اور غلاظت لگتی ہو۔

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْتِزْ وَمَنْ اسْتَجْمَرَ فَلْيَتَوَضَّ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص وضو کرے تو اسے چاہئے کہ وہ ناک کو بھی بھارتے اور جو شخص پاخانہ کے بعد ڈھیلے سے استنجاء کرے اسے چاہئے کہ طاق ڈھیلے لے (یعنی تین یا پانچ یا سات)۔“ (بخاری و مسلم)

⑦ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَأَخْبِلُ أَنَا وَغُلَامٌ إِذَا وَءَ مَاءٍ وَعَنْزَةٌ يَسْتَنْجِيَنِ بِالْمَاءِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب پاخانہ کے لئے تشریف لے جاتے تو میں اور ایک لڑکا (یعنی حضرت بلالؓ یا حضرت ابن مسعودؓ) پانی کی چھال اور ایک برہمی لیتے، آپ ﷺ (ڈھیلوں سے صفائی کے بعد) پانی سے استنجاء کرتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب آپ پاخانہ کے لئے تشریف لے جاتے تو ایک خادم پانی کا برتن اٹھاتے اور دوسرے خادم ایک برہمی ساتھ لے کر چلتے، برہمی اس لئے ساتھ لے جاتے کہ اس سے زمین کو کھود کر نرم کر دیا جائے تاکہ پیشاب اس میں کریں جس کی وجہ سے چھینٹیں نہ پڑیں یا زمین پر بہہ کر پاؤں وغیرہ میں لگنے کا خدشہ نہ رہے۔

دوسری غرض یہ ہوتی تھی کہ بوقت ضرورت اس سے ڈھیلے اکھاڑے اور توڑے جا سکیں یا بہریہ کہ وقت پر کوئی دوسری ضرورت پیش آئے جس میں اس کی ضرورت پڑے تو اس میں کام آسکے۔

الفصل الثانی

⑧ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتِمَةَ زَوَاهِ أَبُو ذَاؤُدَّ وَالنَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ ضَعِيفٌ غَرِيبٌ وَقَالَ أَبُو ذَاؤُدَّ هَذَا حَدِيثٌ مُشْكُوفٌ وَفِي رَوَاتِهِ وَضَعُ بَدَلٍ نَزَعَ۔

”حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے“ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، ابو داؤد نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے نیز ان کی روایت لفظ نزاع کے بجائے لفظ وضع ہے۔“

تشریح: بیت الخلاء میں داخل ہونے کے وقت آپ انگوٹھی اس لئے اتار دیا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی انگوٹھی میں ”محمد رسول اللہ“ کھرا ہوا تھا، اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ استنجاء کرنے والے پر واجب ہے کہ جب وہ بیت الخلاء جائے تو اپنے ہمراہ کوئی ایسی چیز نہ لے جائے جس پر اللہ اور اس کے رسول کا نام نقش ہو نیز قرآن بھی نہ لے جائے۔ (طہ)

بلکہ ابہریؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر صرف دوسرے رسولوں ہی کا نام لکھا ہوا ہو تو اسے بھی اپنے ہمراہ بیت الخلاء میں نہ لے جائے ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہو کہ جب کوئی شخص استنجاء کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے یہ مستحب ہے کہ

بیٹے کے لئے ہوتا ہے، چنانچہ میں سکھاتا ہوں کہ ”جب تم پاخانہ میں جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ تومنہ کرو اور نہ پشت کرو“ (اس کے بعد آپ ﷺ نے پاخانہ کے بعد تین وھیلوں سے استنجاء کرنے کا حکم فرمایا اور لید (یعنی تمام نجاستوں) اور ہڈی سے استنجاء کرنے کو منع فرمایا نیز آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے۔“ (ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: اس حدیث سے جہاں اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ امور دین اور تقوید و نصیحت کے سلسلہ میں اپنی اُمت سے آنحضرت ﷺ کو کتنا شغف اور تعلق تھا آپ ﷺ نے اپنے آپ کو باپ اور اُمت کو اولاد کی مثل قرار دیا، وہیں حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اولاد کو باپ کی اطاعت کرنی لازم ہے اور باپ پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ان چیزوں کے آداب سکھائیں جو ضروریات دین سے ہیں۔

(۱۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيُمْنَى لِيُظْهِرَهُ وَطَعَامَهُ وَكَانَتْ يَدُهُ الْيُسْرَى لِيُخَالِئَهُ وَمَا كَانَ مِنْ أَدَى۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا داہنا دست مبارک وضو کرنے اور کھانے کے لئے تھے اور بائیں ہاتھ استنجاء اور ہر مکروہ کام کے استعمال کے لئے تھا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: آپ ﷺ دائیں ہاتھ سے وضو کرتے تھے اور اس سے کھانا بھی کھاتے تھے نیز حق تعالیٰ کا کام ہیں سب دائیں ہاتھ سے انجام دیتے تھے مثلاً ہدیہ، صدقہ و خیرات کرنا یا دوسری چیزیں لینا دینا وغیرہ وغیرہ اور بائیں ہاتھ کو استنجاء کرنے یا ایسی چیزوں کی انجام دہی میں استعمال فرماتے جو مکروہ ہوتیں یعنی ایسی چیزیں جو طبعاً مکروہ ہوں، جیسے ناک شکنی یا ایسے ہی دوری چیزیں جنہیں نفس مکروہ سمجھتا ہو۔

اس حدیث سے ظاہری طور پر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وضو وغیرہ کے وقت آپ ﷺ ناک میں پانی دائیں ہاتھ سے دیتے ہوں گے اور ناک بائیں ہاتھ سے صاف کرتے ہوں گے، مگر افسوس کہ جس طرح آج کے دور میں عقل و دین سے بیگانہ لوگوں نے دوسری اسلامی چیزوں کو ترک کر دیا اور دینی آداب کو فیشن پرستی کا بھینٹ چڑھا دیا ہے اسی طرح اس معاملہ میں بھی اکثر لوگ بالکل برعکس عمل اختیار کئے ہوئے ہیں مثلاً آج کل یہ بہت بڑا مرض عام طور پر لوگوں میں سرایت کر چکا ہے کہ کتاب تو لوگ بائیں ہاتھ میں رکھتے ہیں اور اپنے جوتے دائیں ہاتھ میں اٹھاتے ہیں اب اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ یہ تو ایسے لوگ آدابِ شریعت سے قطعاً ناواقف ہوتے ہیں یا پھر نفس کی گمراہی میں پھنس کر غفلت اختیار کئے ہوئے ہیں۔

(۱۵) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَهَبَ أَخَذَكُمْ إِلَى الْغَائِطِ فَلْيُذْهِبْ مَعَهُ بَقْلًا ثَلَاثَةً أَحْجَارًا يَسْتَنْظِفُ بِهِنَّ فَإِنَّهَا تُخَوِّضُ عَنْهُ۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی والدارمی)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص پاخانہ کے لئے جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے ساتھ تین پتھر یا ڈھیلے لے جائے جو کافی ہوں گے (یعنی پانی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی)۔“ (احمد، ابو داؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: اصل مقصد تو نجاست سے پاکی حاصل کرنا ہے، اور جب تین ڈھیلے سے استنجاء کرے گا اور نجاست صاف کرے گا تو پانی سے استنجاء کی حاجت نہیں رہے گی کیونکہ اصل طہارت اس سے حاصل ہو جائے گی جس سے نماز پڑھنی بھی جائز ہو جائے گی، البتہ ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجاء کر لے تو یہ اچھی بات ہوگی کیونکہ پانی سے استنجاء کرنا مستحب ہے۔

(۱۶) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَنْجُوا بِالزُّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَإِنَّ زَادَ إِخْوَانَكُمْ مِنَ الْحِجْرِ۔ زَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَانِيُّ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ زَادَ إِخْوَانَكُمْ مِنَ الْحِجْرِ۔

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”تم لوگ لید اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو کیونکہ (ہڈی) تمہارے بھائی جنات کی غذا ہے۔“ (ترمذی، نسائی، مگر نسائی نے زادِ اخوانکم من الحجین کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں)۔

تشریح: جس طرح شریعت محمدی کے مخاطب انسان ہیں اسی طرح جنات بھی ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ جس طرح انسانوں کی دینی اور دینی رہبری فرماتے ہیں اسی طرح جنات کی دینی و دنیوی امور کی بھی رعایت فرماتے ہیں، چنانچہ اس حدیث کے ذریعہ انسانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ لید اور ہڈی سے استخوانہ کیا جائے کیونکہ ہڈی تو جنات کی غذا ہے اور لید ان کے جانوروں کی خوراک ہے۔

(۱۷) وَعَنْ زُوَيْفِعِ بْنِ قَابِطٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا زُوَيْفَعُ لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطْفُلُ بِكَ بَعْدِي فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحَيَاتِهِ أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرَا أَوْ اسْتَسْجَى بِرَجْعِ ذَاتِهِ أَوْ عَظَّمَ فَإِنَّ مُحَمَّدًا هُنَا بُرْسِيَّ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت زویفیع ابن ثابتؓ راوی ہیں کہ سرکارِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اے زویفیع! شاید میرے بعد تمہاری زندگی دراز ہو، لہذا تم لوگوں کو خبردار کرنا کہ جس شخص نے اپنی ڈاڑھی میں گرہ لگائی یا رگلے میں اتانت کا ہار ڈالا یا جانور کی نجاست (لید اور گوبر وغیرہ) اور ہڈی سے استخوانہ (تو محمد ﷺ) اس سے بیزار ہیں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا حضرت زویفیعؓ کو اس انداز سے مخاطب کرنے کا یہ معنی ہیں کہ شاید میرے انتقال کی بعد تمہاری زندگی دراز ہو اور تم دوسرے لوگوں کو گناہ کرتے اور رسومِ جاہلیت میں انہیں مبتلا دیکھو تو ان باتوں سے انہیں خبردار کر دینا ”ڈاڑھی میں گرہ لگانے“ کے کئی معنی ہیں، چنانچہ اکثر علماء یہ لکھتے ہیں کہ ڈاڑھی میں گرہ لگانا یہ ہے کہ کوئی شخص تدابیر اور تکلف اختیار کر کے مثلاً گرہ وغیرہ لگا کر ڈاڑھی کے بالوں کو گھٹکریالے بنائے چنانچہ ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ اس سختی کی مخالفت لازم آتی ہے اس لئے کہ ڈاڑھی کے بالوں کو سیدھا چھوڑنا سنت ہے۔

بعض علماء نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کو یہ عادت تھی کہ جنگ کے وقت اپنی ڈاڑھی کے بالوں میں گرہ دے لیتے تھے چنانچہ اس سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ اس سے عورتوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔

کچھ علماء نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ اہل عجم کی بھی عادت تھی کہ وہ اپنی ڈاڑھی میں گرہ لگا لیتے تھے اس لئے اس سے منع فرمایا کیونکہ اس سے خلقتِ الہی میں تغیر لازم آتا ہے۔ (واللہ اعلم)

لفظ و تتر کے بھی کئی معنی ہیں، یا تو اس کے معنی دورے کلاں جس میں زمانہ جاہلیت کے لوگ دفعِ نظر اور آفاتِ نظر سے محافظت کی خاطر تعویذ اور گنڈے وغیرہ باندھ کر بچوں اور گھوڑوں کے گلوں میں ڈال دیتے تھے، اس سے منع فرمایا گیا ہے، بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس سے دورے مراد ہیں جن میں کفار گھسی اور گھٹکرو باندھ کر لٹکاتے تھے یا اس سے کمان کے وہ چلے مراد ہیں جو گھوڑے کے گلے میں ڈالے جاتے ہیں تاکہ نظر نہ لگے، بہر حال، ان تمام رسموں سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے کافروں کی مشابہت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ کافروں کی مشابہت سے بیزار ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کفار کی ایسی چھوٹی چھوٹی رسمیں اختیار کرنا گناہِ کبیرہ میں شامل نہیں ہیں آنحضرت ﷺ کی بیزاری و ناراضگی کا سبب ہے، تو کفر کی وہ بڑی بڑی رسمیں جن میں بدقسمتی سے آج مسلمان مبتلا ہیں اور جن کا شمار بھی کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے ان سے سرکارِ دو عالم ﷺ کو کتنی زیادہ نفرت ہوگی اور ان رسموں کے کرنے والوں کا خدا کے یہاں کیا انجام ہوگا؟

(۱۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اكْتَحَلَ فَلْيُؤْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا كُفْلًا حَرَجَ وَمَنْ اسْتَحْمَرَ فَلْيُؤْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَاحَرَجَ وَمَنْ أَكَلَ فَمَا تَحَلَّلَ فَلْيَنْفُظْ وَمَا لَا كُفْلًا يَلْسَانِهِ فَلْيَنْتَلِغْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَاحَرَجَ وَمَنْ أَتَى الْعَائِظَ فَلْيَسْتَبِزْ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ إِلَّا أَنْ يَجْمَعَ كَتِيبًا مِنْ رَمَلٍ فَلْيَسْتَذِرْ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِي آدَمَ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَاحَرَجَ - (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ والدارقطنی)

ابو داؤد بن ماجہ بن سکن بن عدی بن حارث بن مالک بخاری سے ہیں ان کا شمار اہل مصر میں ہے۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص سرمہ لگائے تو اسے چاہئے کہ طاق سلائیاں لگائے جس نے ایسا کیا (یعنی طاق سلائیاں لگائیں) اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کچھ گناہ نہیں! اور جو شخص استنجاء کرے تو اسے چاہئے کہ طاق ڈھیلے استعمال کرے (یعنی تین پانچ یا سات) جس نے ایسا کیا اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا کچھ گناہ نہیں اور جو شخص کھائے جو چیز ظلال میں نکلے تو اسے چاہئے کہ پھینک دے اور جو چیز زبان سے نکلے تو اسے چاہئے کہ نگل لے، جس نے ایسا کیا اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا کچھ گناہ نہیں اور جو شخص پاخانہ کے لئے جائے تو اسے چاہئے کہ پردہ کرے، اگر کوئی چیز پردہ کی نہ ملے تو کم از کم ریت کو جمع کر کے اس کا تودہ اپنے پیچھے کر لے اس لئے کہ شیطان بنی آدم (انسان) کے پاخانہ کے مقام سے کھیلتا ہے جس نے ایسا کیا اچھا کیا، اور جس نے ایسا نہ کیا کوئی گناہ نہیں۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: طاق سلائوں سے سرمہ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ تین سلائی ایک آنکھ میں لگائے، زیادہ بہتر یہی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں بھی ایسا ہی معمول منقول ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی اس میں سے آپ سرمہ اس طرح لگاتے تھے کہ تین سلائی ایک آنکھ میں لگاتے اور تین سلائی دوسری آنکھ میں لگاتے۔

بعضوں نے یہ طریقہ بتایا ہے کہ تین سلائی دائیں آنکھ میں لگائے اور دو سلائی بائیں آنکھ میں لگائے، نیز کچھ حضرات نے کہا ہے کہ پہلے دو سلائی دائیں آنکھ میں لگائے اور دو سلائی بائیں آنکھ میں لگائے اور اس کے بعد پھر ایک سلائی دائیں آنکھ میں لگائے تاکہ ابتدا بھی دائیں آنکھ سے ہو اور اختتام بھی دائیں ہی آنکھ پر ہو، جو شخص طاق سلائی لگائے گا اس کے لئے بہتر اور اچھا ہو گا اور جو شخص طاق سلائی نہ لگائے گا اس میں کوئی حرج اور گناہ بھی نہیں ہے کیونکہ طاق سلائی لگانا مستحب ہے۔

آپ ﷺ نے طاق ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ ”جس نے ایسا کیا اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی گناہ نہیں، اس سے خفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ تین یا طاق ڈھیلے لینے واجب نہیں ہیں اس سے کم اور زیادہ بھی لئے جاسکتے ہیں البتہ طاق ڈھیلے لینا مستحب ہے، کھانا کھانے کے بعد ظلال سے نکالی ہوئی چیز کو منہ سے پھینک دینے کو بہتر قرار دیا جا رہا ہے اور زبان سے نکالی ہوئی چیز کو نگل لینے کے لئے کہا جا رہا ہے اس لئے کہ تنکے سے ظلال کرنے میں اکثر خون بھی نکل آتا ہے اس لئے احتیاطاً اس کو پھینک دینا ہی بہتر ہے زبان سے چونکہ خون نکلنے کا احتمال نہیں ہوتا اس لئے اس کو نگل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مگر اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے یہ ہو فرمایا کہ ”جس نے ایسا نہ کیا کوئی گناہ نہیں“ تو یہ حکم اسی صورت میں ہو گا جب کہ خون نکلنے کا یقین نہ ہو بلکہ احتمال ہو اگر خون نکلنے کا یقین ہو تو پھر ظلال میں ہر طرح کی نگی ہوئی چیز کا نکلنا حرام ہو گا اور اس کا پھینک دینا واجب ہو گا۔

آخر حدیث میں فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص پاخانہ کے لئے جائے تو پاخانہ کے وقت اسے پردہ کر کے بیٹھنا چاہئے یعنی ایسی جگہ بیٹھے جہاں لوگ نہ دیکھ سکیں اگر پردہ کے لئے کچھ نہ پائے بائیں طور کے نہ تو ایسی کوئی جگہ ہے جو گھری ہوئی اور لوگوں کی نظروں سے محفوظ ہو اور نہ اپنے پاس ایسا کوئی کپڑا یا کوئی دوسری چیز ہے جس سے پردہ کیا جاسکے تو اس وقت یہ کرنا چاہئے کہ ریت کا تودہ جمع کر لے اور اس کی طرف بیٹھ کر کے بیٹھ جائے اس طرح کسی نہ کسی حد تک پردہ ہو جائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص پاخانہ کے وقت پردہ کا لحاظ نہیں کرتا تو شیطان اس کے پاخانہ کے مقام سے کھیلتا ہے کھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور انہیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اس شخص کے ستر کو دیکھیں جو بے پردہ بیٹھا ہوا پاخانہ کر رہا ہے، نیز یہ کہ اگر پردہ نہ کیا جائے تو اس کا بھی خطرہ رہتا ہے کہ جب ہوا چلے تو اس کی وجہ سے ناپاک چھینٹیں اڑ کر بدن اور کپڑے پر پڑیں گی اس لئے پاخانہ کے وقت پردہ کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

اس کے بارے میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی پردہ کا لحاظ کرے تو یہ اچھا ہے اور اگر نہ کرے تو کوئی گناہ کی بات بھی نہیں ہے مگر

احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ پردہ کا خیال رکھا جائے بلکہ اگر اس بات کا یقین ہو کہ پردہ نہ کیا گیا تو لوگ دیکھیں گے تو ایسی شکل میں پردہ کرنا لازم اور ضروری ہے، اگر پردہ نہ کرے تو گناہ گار ہوگا۔

اگر بحالت مجبوری کوئی شخص بغیر پردہ کے پاخانہ کے لئے بیٹھ جائے تو پھر اس کی ستر کی طرف قصد رکھنے والوں کو گناہ ہوگا۔ مجبوری سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا موقع آجے جب کہ پردہ کا کوئی انتظام ممکن نہ ہو اور اس کو شدید حاجت ہو تو اس صورت میں اسے مجبوری ہے ریت کے تودہ کو پشت کی طرف کرنے کو اس لئے فرمایا گیا ہے کہ آگے کے ستر کو تودا من وغیرہ سے بھی چھپایا جاسکتا ہے، خلاف چھپے کے ستر کے کہ اس کو چھپانا زرا مشکل ہوتا ہے۔

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَغْفَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي مَنْسَحَتِهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ أَوْ يَتَوَضَّأُ فِيهِ فَإِنَّ عَامَّةَ النُّسَوَامِ مِنْهُ زَوَاهُ الْيُودِ وَأَوْدُ الْبِزْمِذِيِّ وَالنَّسَائِي إِلَّا أَنَّهُمْ لَا يَذْكُرُونَ أَنَّهُمْ يَغْتَسِلُونَ فِيهِ أَوْ يَتَوَضَّأُونَ فِيهِ۔

”اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی شخص اپنے غسل خانے میں پیشاب نہ کرے جس میں پھر وہ نہائے یا وضو کرے (یعنی یہ عاقل سے بعید ہے کہ نہانے کی جگہ پیشاب کرے اور پھر وہیں نہائے یا وضو کرے) اس لئے کہ اس سے اکثر و سواں پیدا ہوتے ہیں“ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) ترمذی اور نسائی نے ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ أَوْ يَتَوَضَّأُ فِيهِ کہ الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں۔“

تشریح: غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے وسواس اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ جب وہاں پیشاب کیا جاتا ہے تو وہ جگہ ناپاک ہو جاتی ہے اور پھر وضو یا غسل کے وقت جب اس پر پانی پڑتا ہے تو دل میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں کہ کہیں چھینٹیں تو نہیں پڑ رہی ہیں اور پھر یہ شبہ رفتہ رفتہ دل میں جم جاتا ہے جس سے ایک مستقل غلجبان واقع ہو جاتا ہے۔

ہاں اگر غسل خانہ کی زمین ایسی ہو کہ اس پر سے چھینٹیں اچٹ کر اوپر نہ پڑتی ہوں مثلاً وہاں کی زمین ریتیلی ہو اس کا فرش اور اس میں نالی ایسی ہو کہ پیشاب کا ایک قطرہ بھی وہاں نہ رکتا ہو سب نکل جاتا ہو تو پھر وہاں پیشاب کرنا مکروہ نہیں ہے۔
اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ یہاں غسل خانہ میں پیشاب کرنے کو جو منع کیا گیا ہے تو نہی تنزیہی ہے نہی تحریمی نہیں ہے۔
(۲۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سُرَّحٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي مَنْسَحَتِهِ۔

(رواہ ابوداؤد و النسائی)

”اور حضرت عبداللہ بن سرحؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جم میں سے کوئی شخص کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: سوراخ میں پیشاب کرنے سے اس لئے روکا جا رہا ہے کہ اکثر و بیشتر سوراخ کپڑے کپڑوں اور سانپ پھو کا مسکن ہوتے ہیں چنانچہ ہو سکتا ہے کہ پیشاب کرتے وقت اس میں سے سانپ یا پھو یا تکلیف دینے والا کوئی دوسرا کڑا نکل کر ایذا پہنچائے یا اگر اس سوراخ کے اندر کوئی ضعیف اور بے ضرر جانور ہو تو پھر پیشاب کی وجہ سے اسے تکلیف پہنچے گی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوراخوں میں جنات رہتے ہیں چنانچہ ایک صحابی سعد بن عبادہ غزرجی کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے زمیں حور ان کے ایک سوراخ میں پیشاب کر دیا تھا تو ان کو جنات نے مار ڈالا اور اس میں یہ شعر پڑھتے تھے۔

لے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کی کہیت ابو سعیدؓ سے پہلے مدینہ میں سکونت اختیار فرمائی پھر آپ بصرہ چلے گئے آپ کو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں مسائل دین کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا آپ کی وفات بمقام بصرہ ۵۹ھ میں ہوئی۔

نَحْنُ قَتَلْنَا سَيِّدَ الْخَوَازِجِ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ وَزَمَيْنَاهُ بِسَهْمَيْنِ فَلَمْ نَحْطُ قَوَادَهُ

ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا ہم نے اس کی طرف دو تیر مارے اور اس کے دل کو نشانہ بنانے میں خطائیں کی اور بعض علماء یہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی سوراخ خاص طور پر پیشاب ہی کے لئے ہو تو اس میں پیشاب کرنا مکروہ نہیں ہے۔

(۲۱) وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الْمَلَاحَةَ الْبَرَّازَ فِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةَ الظَّرِيفِ وَالظِّلِّ - (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت معاذؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”تم تین چیزوں سے بچو جو لعنت کا سبب ہیں ① گھالوں پر استنجاء (یعنی پیشاب پاخانہ) کرنے سے ② راستہ کے درمیان اور ③ سایہ میں پیشاب و پاخانہ کرنے سے۔“ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

تشریح: یہ تین افعال ایسے ہیں جو لعنت کا سبب ہیں یعنی جب کوئی شخص کسی راستہ پر، یا گھاٹ پر، یا سایہ کی جگہ پر پاخانہ کرتا ہے تو جو لوگ اس راستہ سے گزرتے ہیں یا گھاٹ کو استعمال کرتے ہیں، یا سایہ دار جگہ پر آتے ہیں وہ اس شخص پر لعنت بھیجتے ہیں یا اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ شخص ان افعال بد کی بنا پر لوگوں کی ان منفعت اور آرام کو جو ان جگہوں سے مختص ہیں فاسد کرتا ہے، لہذا یہ ظالم ہوا اور ظالم شخص ملعون ہوتا ہے۔

موارد ان مکانوں کو کہتے ہیں جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں اور وہاں جیٹھ کر آپس میں بات چیت کرتے ہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ موارد جمع مورد گھاٹ کو کہتے ہیں جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ سایہ عام ہے خواہ درخت کا سایہ ہو یا کسی اور چیز کا جہاں لوگ سوتے اور بیٹھتے ہوں، نیز اپنے جانوروں کو باندھتے ہیں۔

(۲۲) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ الرَّجُلَانِ يَضْرِبَانِ الْغَائِطَ كَاشِفَيْنِ عَنْ عَوْدِهِمَا يَتَخَذَلَانِ فَإِنَّ اللَّهَ يَمْفُقُ عَلَى ذَلِكَ

(رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا (ایک ساتھ) دو شخص پاخانہ کے لئے (اس طرح) نہ جائیں کہ دونوں اپنی شرم گاہ کھولے ہوئے ہوں اور باتیں کرتے ہوئے ہوں کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ غضب ناک ہو جاتا ہے۔“ (احمد ابوداؤد و ابن ماجہ)

تشریح: مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یہ حرام ہے کہ وہ پاخانہ کے لئے اس طرح بیٹھیں کہ ایک دوسرے کی شرم گاہیں دیکھیں ایسی طرح ایسی حالت میں آپس میں باتیں کرنا بھی مکروہ ہے یہ دونوں چیزیں غضبِ خداوندی کا سبب اور اس کے عتاب کا باعث ہیں۔ اس موقع پر اس تکلیف دہ صورت حال کی وضاحت ضروری ہے کہ آج کل عورتوں میں خصوصیت سے ایسی بد احتیاطیاں پائی جاتی ہیں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے سامنے ستر کھولنے کو قطعاً معیوب نہیں سمجھتیں خصوصاً غسل اور پاخانہ کے وقت اس قسم کی شرمناک حرکتیں عام طور پر کرتی ہیں، ایسی عورتوں کو چاہئے کہ وہ اس حدیث کو غور سے پڑھیں اور پھر سمجھیں کہ وہ ایسی ناشائستہ اور شرم و حیا کے منافی چیزوں کے ارتکاب سے خدا کا غضب مول لے رہی ہیں اور اس کے عتاب کا باعث ہو رہی ہیں۔ شرح السنہ میں لکھا ہے کہ پاخانہ کرتے وقت اور جماع (ہم بتری) کے وقت زبان سے ذکر اللہ نہ کیا جائے بلکہ دم کے ساتھ کیا جائے۔

(۲۳) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هَذِهِ الْحُشُوشَ فَتُخْتَصِرُهَا إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ الْعِلَاءَ فَلْيُقِلْ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ - (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت زید بن ارقمؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”پاخانے شیاطین اور جنات کے حاضر ہونے کی جگہ ہیں، اس لئے جب تم میں سے کوئی بیت افلا جائے تو اسے چاہئے کہ یہ دعا پڑھے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ یعنی میں تاپاک جنوں اور جیوں سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: جنات اور شیاطین پاخانہ میں آتے ہیں اور اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ جو شخص پاخانہ میں آئے اس کو ایذا پہنچائیں اور تکلیف دیں کیونکہ پاخانہ جانے والا شخص وہاں ستر کھول کر بیٹھا ہے اور ذکر اللہ کر نہیں سکتا اس لئے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو شخص پاخانہ جاتے وقت یہ دعا پڑھ لے گا وہ جنات اور شیاطین کی ایذا و تکلیف سے محفوظ رہے گا۔

اس باب میں جو حدیث نمبر ۳ گزری ہے اس میں اس دعا کے الفاظ اس طرح ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ چونکہ دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اسلئے اختیار ہے کہ چاہے وہ دعا پڑھی جائے یا یہ دعا پڑھی جائے لیکن بہتر اور اولیٰ یہ ہے کہ بھی وہ دعا پڑھ لے اور کبھی یہ پڑھ لے یا دونوں کو ساتھ ساتھ پڑھے۔

(۲۴) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَرُ مَا بَيْنَ أَغْيُنِ الْجِنَّ وَعَوْرَاتِ بَنِي آدَمَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُهُمُ الْخَلَاءَ أَنْ يَقُولَ بِسْمِ اللَّهِ۔ (رواه الترمذی وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَاسْتِزَادَهُ لَيْسَ بِقَوِيٍّ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب کوئی شخص پاخانہ میں داخل ہو تو جن (شیطان) کی آنکھوں اور انسان کی شرم گاہ کے درمیان کا پردہ یہ ہے کہ بسم اللہ کہے۔“ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے)

تشریح: ارشاد کا مطلب ہے کہ جب انسان بیت الخلاء جاتا ہے، تو چونکہ وہاں ستر کھول کر بیٹھا ہے اس لئے شیاطین اس کی شرم گاہ دیکھتے ہیں، لہذا جب کوئی شخص پاخانہ جانے تو اسے چاہئے کہ بسم اللہ کہہ کر بیت الخلاء جانے کیونکہ اس سے شیاطین ستر نہیں دیکھ سکتے علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں سنت یہ ہے کہ جب کوئی شخص بیت الخلاء جانے تو پہلے بسم اللہ اور پھر اس کے بعد وہ دعا پڑھے جو اس سے پہلے حدیث میں گزر چکی ہے، لیکن ان دونوں یعنی بسم اللہ اور نہ کوہ دعاؤں میں سے کسی ایک کو بھی پڑھ لیا جائے تو سنت ادا ہو جائے گی مگر افضل یہی ہے کہ دونوں پڑھی جائیں یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، لیکن فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا جائز ہے۔

(۲۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ غُفْرَ الْكَفِّ۔

(رواه ترمذی و ابن ماجہ والدارقطنی)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم جب پاخانہ سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے غُفْرَ الْكَفِّ یعنی اے اللہ! میں تیری بخشش کا خواست گار ہوں۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی)

تشریح: علماء نے اس وقت بخشش چاہنے کی دو وجہیں لکھی ہیں، اول تو یہ کہ چونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ زبان سے ذکر اللہ کسی بھی حالت میں نہیں چھوڑتے تھے سوائے اس کے کہ کسی شدید حاجت اور مجبوری مثلاً پیشاب پاخانہ وغیرہ کے وقت ترک فرما دیتے تھے اس کی وجہ سے آپ خدا سے بخشش کے خواستگار ہوتے تھے۔

دوسرے یہ کہ جب انسان کوئی غذا کھاتا ہے، تو وہ غذا معدہ میں پہنچ کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے ایک حصہ تو خون بن کر قوت و طاقت پیدا کرتا ہے اور دوسرا حصہ فضلہ ہو کر پاخانہ کی شکل میں نکل جاتا ہے، اگر قدرت کے اس نظام کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ

لے آپ انصاری ہیں اور کنیت ابو عمرو ہے آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ستر غزوات میں شرکت کی ہے آپ کو فہ میں رہتے تھے اور وہیں ۶۸ھ میں انتقال ہوا۔

بندوں پر خدا کا بہت بڑا انعام اور اس کی بہت بڑی نعمت ہے جس کا شکر بندے سے کما حقہ، اور انہیں ہو سکا اس لئے آنحضرت ﷺ بخشش چاہتے تھے کہ اسے خدا اچھے سے تیری اس عظیم نعمت کا شکر اور انہیں ہوا اس لئے تو مجھے اس کو تابی پر بخش دے۔

بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ ایسے موقع پر یہ ذکر کرنا مناسب ہے کہ اپنی احتیاج اور اس بات کا خیال کیا جائے کہ انسان کی ذات کی حیثیت عی کیا ہے جس میں نجاست ہی نجاست بھری ہوئی ہے اور اس کے مقابلہ میں خداوند قدوس کی ذات پاک اور اس کی تقدس کا تصور کرے، افضل یہ ہے کہ لفظ غُفُوَ الْذَّنْبُ کہ بعد یہ دعا پڑھ لی جائے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذَى وَعَافَانِی۔

(۳۶) وَعَنْ اَبْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَى الْخَلَاءَ اَتَيْتُهُ بِمَاءٍ لِّیْ تَوَدُّ اَوْ زَكُوَّةً فَاَسْتَسْجِیْ ثُمَّ مَسَحَ بِیَدِهِ عَلَی الْاَرْضِ ثُمَّ اَتَيْتُهُ بِاَنَاءٍ اَخُو فَنَوَضَّأُ۔ (رواہ ابو داؤد وروی الدارمی و الترمذی و النسائی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب پاخانہ جاتے تو میں آپؐ کے لئے پیالہ یا چمڑے کی چھاگل میں پانی لاتا، آنحضرت ﷺ اس سے استنجاء کرتے پھر ہاتھ کو زمین پر رگڑتے پھر اس کے بعد میں (پانی کا) دوسرا برتن لاتا اور آپ ﷺ وضو فرماتے۔“ (دارمی نسائی)

تشریح: تَوَدُّ عرب میں چٹل یا پتھر کا ایک چھوٹا سا برتن پیالہ کی طرح ہوتا ہے، اس میں کھانا کھاتے ہیں، اور بوقت ضرورت اس میں پانی بھر کر اس سے وضو بھی کر لیتے ہیں زَكُوَّةً چمڑے کی چھاگل کو کہتے ہیں جو پانی رکھنے کا کام آتا ہے۔

تَوَدُّ اور زَكُوَّةً کے درمیان لفظ اَوْ یا تو شک راوی کے لئے ہے، یعنی ابو ہریرہؓ سے جس راوی نے اس حدیث کی روایت کی ہے انہیں یہ شک ہے کہ ابو ہریرہؓ نے لفظ تَوَدُّ فرمایا ہے لفظ رُكُوَّةً یا پتھر کی تلوچ کے لئے ہے اس طرح حضرت ابو ہریرہؓ کے ارشاد کے معنی یہ ہوں گے کہ کبھی تو میں پانی لایا کرتا تھا اور کبھی رُكُوَّةً میں لاتا تھا۔

استنجاء سے فراغت کے بعد آپ ﷺ زمین پر ہاتھ رگڑ کر اس لئے دھوئے تاکہ ہاتھ سے بدبو نکل جائے اور ہاتھ خوب پاک و صاف ہو چنانچہ پاخانہ سے اگر اس طرح سے ہاتھ دھونا سنت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ وضو کے لئے دوسرے برتن میں پانی اس لئے نہیں لاتے تھے کہ استنجہ کے بغیر پانی یا اس برتن سے وضو درست نہیں تھا بلکہ اس برتن میں چونکہ پانی صرف استنجہ کی ضرورت کے مطابق ہی رہتا ہو گا اس لئے وضو کے لئے دوسرے برتن میں پانی لانے کی ضرورت ہوتی تھی، اس حدیث سے بعض علماء نے یہ اخذ کیا ہے کہ اگر استنجہ اور وضو کے پانی کے لئے الگ الگ برتن ہوں تو یہ مستحب ہے۔

(۳۷) وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ سُهَيْبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اِمَالَ تَوَضَّأَ وَنَضَّحَ فَرَجَلَهُ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

”اور حضرت حکم بن سفیانؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب پیشاب کر چکے تو وضو فرماتے اور اپنی شرم گاہ پر چھٹا دیتے۔“

(ابو داؤد، نسائی)

تشریح: پیشاب کرنے کے بعد جب آپ وضو فرماتے تو دفع و سواس کے لئے تھوڑا سا پانی لے کر ستر کی جگہ ازار پر چھڑک لیتے تھے تاکہ پیشاب کے قطرہ کے وہم باقی نہ رہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس و سواس و خطرات سے پاک و صاف تھی اس لئے کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کا یہ طرز عمل امت کی تعلیم کے لئے تھا کہ پیشاب کرنے کے بعد جب وضو کیا جائے تو تھوڑا سا پانی ستر کی جگہ کپڑے کے اوپر چھڑک لیا جائے، اس لئے کہ اگر پانی نہ چھڑکا جائے اور ستر کی جگہ کپڑے کے اوپر تری کا احساس ہو تو اس سے پیشاب کے قطروں کا وہم ہو گا اور پانی چھڑک

لے آگرم کہی حکم بن سفیان اور کنیت ابو الحکم تھی ہے۔

لیا جائے تو اس کے بعد اگر تری کا حساس ہو گا بھی تو یہی سمجھا جائے گا کہ اسی چمڑے کے ہوئے پانی کی تری ہے چنانچہ اس سے دوسرے کی راہ بند ہو جائے گی اور مقصد یہی ہے کہ دوسراں و خطرات کی راہ روک دی جائے تاکہ اطمینان قلب کے ساتھ عبادت میں مصروف رہا جاسکے۔ ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ وضوء کے بعد شرم گاہ کے اوپر پانی چمڑے کی ایک وجہ تو یہ دفع و سواں ہو سکتی ہے مگر ایک دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اس سے پیشاب وغیرہ کے قطرے رک جائیں باہر نہ آئیں۔

(۲۸) وَعَنْ أُمِّمَةَ بِنْتِ رَافِقَةَ قَالَتْ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْحٌ مِنْ عَيْنَانِ تَحْتَ سَرِيَرَةٍ يَبْثُلُ فِيهِ بِاللَّيْلِ۔

(رواہ ابو داؤد و الترمذی)

”اور حضرت امیمہ بنت رافقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس للڑی کا ایک پیالہ تھا جو آپ ﷺ کی چارپائی کے نیچے رکھا رہا تھا آپ ﷺ رات کو اس میں پیشاب کر لیا کرتے تھے۔“ (ابو داؤد و الترمذی)

تشریح: چونکہ رات میں سردی وغیرہ کی بناء پر اٹھنا تکلیف دہ اور پریشانی کا سبب ہوتا ہے اس لئے آپ ﷺ نے ایک پیالہ اس کام کے لئے مخصوص کر لیا تھا، چنانچہ جب آپ ﷺ کو رات میں پیشاب کی حاجت ہوتی تھی اس پیالہ میں پیشاب کر لیا کرتے تھے۔ اور اگر حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو یہاں بھی تعلیم امت ہی مقصد سامنے آئے گا کہ آپ ﷺ نے اپنے طرز عمل سے امت کے لئے یہ آسانی پیدا کر دی ہے کہ جب رات میں پیشاب کی حاجت ہو اور سردی وغیرہ کی تکلیف کی بناء پر باہر نکلتا دشوار ہو تو کسی برتن وغیرہ میں پیشاب کر لیا جائے اور صبح اٹھ کر اسے پھینک دیا جائے تاکہ ایک طرف تو تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہونے سے بچا جائے اور دوسری طرف رات میں بیت الخلاء جانے سے قیج جائیں جو شیاطین کا مسکن ہے اور شیاطین دن کے مقابلہ میں رات کو زیادہ ضرر اور تکلیف پہنچانے کا سبب ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ امت کے لئے یہ تعلیم سرکارِ دو عالم ﷺ کی اسی جذبہ رحمت و شفقت کی مرہون منت ہے جو اعمال و افعال کے ہر مرحلہ پر آسانی و سہولت کی صورت میں نظر آتی ہے۔

منقول ہے کہ ایک صحابی نادانستہ طور پر آپ ﷺ کا پیشاب اٹھا پیالہ میں سے پی گئے تھے جس کا اثر یہ ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہے ان کے بدن سے خوشبو آتی رہی اور نہ صرف ان کے بدن سے بلکہ کئی نسلوں تک انھیں اولاد کے بدن میں بھی وہی خوشبو پائی رہی۔

(۲۹) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ زَانِيَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبُولُ قَائِمًا فَقَالَ يَا عُمَرُ لَا تَكْبَلُ قَائِمًا فَمَا بَأْسُ قَائِمًا زَوَاهُ الْبُزْمِذْيُ وَابْنُ مَاجَةَ قَالَ النَّبِيُّ الْإِسْلَامُ مَجِيئُ الشَّقِّ رَحِمَهُ اللَّهُ قَدْ صَحَّ عَنْ خَدِيجَةَ قَالَتْ آمَنِي النَّبِيُّ ﷺ شِبَاظَةَ قَوْمٍ قَبْلَ قَائِمًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، كَانَ ذَلِكَ لِعَدْرِ۔

”اور حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے (ایک روز) مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ ”عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا کرو“ چنانچہ اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا (ابن ماجہ، ترمذی) امام محمدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ سے منقول ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ایک قول کی کوڑی پر گئے اور وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا (بخاری و مسلم) کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فعل (کھڑے ہو کر پیشاب کرنا) کسی عذر کی بناء پر تھا۔“

تشریح: متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی چنانچہ بعض علماء کہتے ہیں کہ مکروہ تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔

۱۔ امیر بنت رافقہؓ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ کی صاحبزادی ہیں۔

جہاں تک حضرت عمرؓ کے فعل کا تعلق ہے اس کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ چونکہ ایام جاہلیت میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا طریقہ رائج تھا اور ان کو وہی عادت پڑی ہوئی تھی اس لئے انہوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کر لیا، یا ہو سکتا ہے کہ کسی عذر کی بنا پر انہوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہو۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے متعلق بھی حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے اس سلسلہ میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے بھی کسی عذر کی بنا پر ایسا کیا ہو گا، اور علماء نے وہ عذر بھی لکھے ہیں چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ وہاں نجاست کی وجہ سے آپ نے بیٹھنے کی جگہ نہیں پائی اس لئے کھڑے ہو کر پیشاب کر لیا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پیر مبارک میں درد تھا اور بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق بیٹھ میں درد تھا، اس کی بناء پر آپ ﷺ بیٹھ نہیں سکتے تھے اس لئے کھڑے ہو کر پیشاب کر لیا۔

الفصل الثالث

(۳۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَلَّى قَائِمًا فَلَا تُصَلُّوهُ مَا كَانَ يَتَوَلَّى الْقَائِمَةَ۔ (رواہ احمد و الترمذی و النسائی)

”حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ حدیث بیان کرے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو اسے حج نہ مانو آپ ﷺ نے تو ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کیا۔“

تشریح: امام محی السنۃ نے حضرت حذیفہؓ کی جو روایت نقل فرمائی ہے اس سے تو بصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے لیکن حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث اس بات کی بالکل نفی کر رہی ہے، اب۔ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ حضرت عائشہؓ اپنے علم کے مطابق خبر دے رہی ہیں یعنی انہوں نے چونکہ آنحضرت ﷺ کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے کبھی گھر میں نہیں دیکھا تھا اس لئے انہوں نے اس بات کی سرے سے نفی کر دی اور حضرت حذیفہؓ کی جو صورت واقعہ بیان کی ہے وہ باہر سے متعلق ہے اور وہ بھی عذر کی بناء پر ناورد ہے، اور ظاہر ہے کہ نادرشی معدوم کی مانند ہے نیز عذر کی بنا پر اسے مستثنیٰ بھی قرار دیا جاسکتا ہے لہذا ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہا۔

(۳۱) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ جِبْرِيلَ آتَاهُ فِي أَوَّلِ مَا أُوحِيَ إِلَيْهِ فَعَلَّمَهُ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْوُضُوءِ أَخَذَ عُزْفَةً مِنَ الْمَاءِ فَتَضَعُ بِهَا فَرْجَهُ۔ (رواہ احمد و الدارقطنی)

”اور حضرت زید بن حارثہؓ سرکارِ دو عالم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام (جب) سے پہلی وحی کے موقع پر آپ کے پاس تشریف لائے تو آپ کو وضو کرنا سکھایا، پھر نماز پڑھنی سکھائی چنانچہ جب وہ وضو سے فارغ ہوئے تو ایک چٹو پانی لیا اور اس کو اپنی شرم گاہ پر چھڑک لیا۔“ (احمد و دارقطنی)

تشریح: حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آدمی کی شکل میں آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے وضو کیا اور نماز پڑھی تاکہ یہ دیکھ کر آپ ﷺ بھی سکھ جائیں اسی طرح انہوں نے خدا کی جانب سے ان دونوں چیزوں کی تعلیم آپ ﷺ کو دی پھر اس کے ساتھ ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وضو کے بعد شرم گاہ پر یا ستر کی جگہ کپڑے کے اوپر وضو کے بعد پانی چھڑک کر بھی آپ کو دیکھایا

۱۔ ام کرامی زید بن حارثہ، کنیت ابو اسامہ ہے عظیم صحابی ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی بننے کا شرف حاصل ہوا ہے غزوہ موتہ کے موقع پر سرزمین شام میں آنحضرت کو آپ نے شہادت پائی شہادت کے وقت آپ کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔

تاکہ دفع وسواس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔

(۳۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ جَبْرِئِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَضِعْ ذَوَاهُ الْتَزْمِيذِي وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَغْنَى الْبُخَارِيُّ يَقُولُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْهَاشِمِيُّ الرَّائِبِيُّ مُتَكَرِّرُ الْحَدِيثِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا ”اے محمد (ﷺ) جب آپ وضو کریں تو تھوڑا سا پانی (شرم گاہ پر دفع وسواس کے لئے چھڑک لیا کیجئے)“ (ترمذی) اور امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حکر ہے اور میں نے محمدؒ (یعنی امام بخاریؒ) کو یہ کہتے سنا ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی حسن بن علی ہاشمی مکر الحدیث ہیں۔“

(۳۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عُمَرُ خَلْفَهُ بِكَؤُوزٍ مِنْ مَاءٍ فَقَالَ مَا هَذَا يَا عُمَرُ قَالَ مَاءٌ تَتَوَضَّأُ بِهِ قَالَ مَا أَمَرْتُ كُلَّمَا بُلْتُ أَنْ أَتَوَضَّأَ وَلَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ سُنَّةٌ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ نے پیشاب کیا، حضرت عمر فاروقؓ پانی کالوٹائے کر آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا ”عمرؓ یہ کیا ہے؟“ حضرت عمرؓ نے عرض کیا آپ (ﷺ) کے وضو کے لئے پانی ہے۔“ آپ نے فرمایا مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ جب میں پیشاب کروں تو وضو بھی کروں، اگر میں ایسا کروں تو یہ (میرا فعل سنت ہو جاتا)۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ مجھے بطریق وجوب اور فرض کے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ جب بھی پیشاب کروں تو اس کے بعد وضو بھی کروں اور اگر میں اپنی طرف سے یہ فعل اختیار کر لیتا ہوں تو پھر ہر مرتبہ پیشاب کے بعد وضو کرنا سنت مؤکدہ ہو جائے گا، بہر حال یہاں سنت سے مراد سنت مؤکدہ ہی ہے، کیونکہ ویسے تو پانی سے استنجاء کرنا اور ہر وقت با وضو رہنا تمام علماء کے نزدیک مستفہد طور پر مستحب ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اولیٰ چیزوں کو اپنی اُمت کی آسانی اور سہولت کی خاطر کبھی ترک فرمادیے تاکہ وہ چیزیں اُمت کے لئے کہیں ضروری نہ ہو جائیں۔

(۳۴) وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ وَجَابِرٍ وَأَبَسَ أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ لَمَّا نَزَلَتْ فِيهِمْ جَاءَتْ يُحْيُونَ أَنْ يَتَّظَّهُرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُتَّظِّهِرِينَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَمَّنِي عَلَيْكُمْ فِي الظُّهُورِ فَمَا ظَهَرُواكُمْ قَالُوا نَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَنَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ قَالَ فَهَؤُذَاكَ فَعَلَيْكُمْ مَوْء۔ (رواہ ابن ماجہ، الترمذی ۱۰۸)

”حضرت ابویوب، جابر، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی فیہم جاءت یحیون ان یاتظہروا واللہ یحب المتظہرین یعنی مسجدِ قبا میں ایسے مرد (انصار) ہیں جو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ خوب پانی حاصل کریں اور اللہ خوب پانی حاصل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”اے انصار کی جماعت! اللہ تعالیٰ نے پانی کے معاملہ میں تمہاری تعریف کی ہے تمہاری پانی کیا ہے؟ اور انہوں نے عرض کیا ”ہم نماز کے لئے وضو کرتے ہیں، جنابت (تاپاکی) سے غسل کرتے ہیں (جیسا کہ دوسرے مسلمان کرتے ہیں) اور (ڈھیلے کے بعد) پانی سے استنجاء کرتے ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں اوہ یکی ہے، لہذا اسے لازم پکڑو۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: انصار کی عادت تھی کہ وہ پیشاب و پاخانہ کے بعد ڈھیلوں سے صفائی کے بعد پانی سے بھی استنجاء کرتے تھے، اس بنا پر ان کی فضیلت اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی اور انصار کی اس فضیلت کا اظہار ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ آخر وہ کونسی پاکیزگی ہے جسے

حاصل کرنے کے بعد تم اس سعادت کے حقدار ہوئے ہو، جب انہوں نے پاکیزگی کی تحصیل بتائی تو آپ ﷺ نے ان کی تصدیق کر دی کہ یہی وہ چیزیں ہیں جن کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں تمہاری تعریف کی ہے اور پھر بعد میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ بھلائی اور بہتری اسی میں ہے کہ اس سعادت کو ہمیشہ باقی رکھو یعنی جس طرح تم لوگ پاکی حاصل کرتے ہو اسی طرح ہمیشہ حاصل کرتے رہو۔

(۳۵) وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ بَعْضُ الْمُشْرِكِينَ وَهُوَ يَسْتَهْزِئُ بِالنَّبِيِّ لَازِي صَاحِبَكُمْ يَعْلَمُكُمْ حَتَّى الْخِزْيَاءُ قُلْتُ أَجَلُ أَمْرَنَا أَنْ لَا نُسْتَقْبِلَ الْقَبِيلَةَ وَلَا نُسْتَنْجِي بِأَيْمَانِنَا وَلَا نَكْتَفِي بِذُنُوبِ لَثَلَاةِ أَحْجَارٍ لَيْسَ فِيهَا زَجِيعٌ وَلَا عَظْمٌ - (زَوَاهِ مُسْلِمٌ وَأَحْمَدُ وَاللَّفْظُ لَهُ)

”اور مسرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ مشرکوں میں سے ایک شخص نے بطور استہزاء یہ کہا کہ میں تمہارے سردار (یعنی آنحضرت ﷺ) کو دیکھتا ہوں تو وہ تمہیں ہر چیز دکھاتے ہیں یہاں تک کہ پاخانہ میں بیٹھنے کی صورت بھی میں نے کہا اہاں آپ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ (استنجے کے وقت) ہم قبلہ کی طرف رخ کر کے نہ بیٹھیں، اپنے دائیں ہاتھوں سے استنجہ پاک نہ کریں، تین پھروں سے کم میں استنجہ نہ کریں اور ان پھروں میں نجاست (یعنی پاخانہ، لید گوبر) نہ ہو اور نہ ہڈی ہو۔“ (مسلم احمد الفاظ احمد کے ہیں)

تشریح: اگر مذہب کی بنیاد پر حقیقت کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات معلوم ہوگی کہ مذہب اور دین دراصل نام ہے ایک مکمل ضابطہ حیات کا، اور ایک دستور کامل ہے نظام زندگی کا جس میں انسانوں کے لئے دین اور دنیا دونوں جگہ کے لئے مکمل رہبری کامل راہنمائی اور ہمہ گیر ہدایت ہوں۔

اگر چند مخصوص اعتقادات پر چند مخصوص عبادات اور چند اعمال کا نام، مذہب اور دین، رکھ دیا جائے تو وہ کامل و مکمل مذہب و دین ہی نہیں بلکہ انسانی دماغ کے اختراعات اور نظریات کا مجموعہ ہے۔

اسلام دوسرے تمام مذہب میں اگر اپنی کوئی امتیازی شان رکھتا ہے اگر دوسرے دینوں پر کوئی تفوق و برتری رکھتا ہے اور اگر دوسری شریعتوں میں اکیلیت کا کوئی درجہ رکھتا ہے تو وہ اسلام کی شان ہمہ گیریت اور اس کی شان جامعیت ہے مسلمانوں کو چھوڑیے وہ تو اسلام کے پیرو ہی ہیں۔ دنیا کے وہ دانشور اور عقلاء بھی اسلام کے اعتقادات و احکامات کے پابند و متبع نہیں ہیں، آج اس بات پر متفق ہیں کہ دنیا کے تمام مذہب میں اور دنیا کی تمام شریعتوں میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب اور دین ہے جو انسانوں کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ایک نظام زندگی اور کائنات کے ہر شعبہ پر حاوی ایک مجموعہ ہدایات ہے جو انسانی زندگی کے ہر چھوٹے و بڑے مسئلہ کی رہبری کرتا ہے۔

چنانچہ اسلام اگر ایک طرف اعتقادات و نظریات کی انتہائی بلندی تک جن و انس کی راہنمائی کرتا ہے، عبادات و احکامات کے بلند و بالا نظام کا تفوق بخشتا ہے، تو دوسری طرف زندگی کی ان چھوٹی راہوں کی بھی معرفت عطا کرتا ہے جو دنیا والوں کی نظر میں حقیر ہیں، جن کی طرف دوسرے مذہب ابھی آنکھ بھی نہیں اٹھاتے۔

دیکھئے ایک بے بصیرت اور عقل و دانائی کا دشمن مشرک مسلمانوں کا یہی تو مزاق اڑا رہا ہے کہ شارع اسلام کی شان عظمت کا بھی کوئی تقاضا ہے کہ وہ ہر چیز کو دکھاتے پھریں، یہاں تک کہ وہ پیشاب و پاخانہ تک کے مسائل اور ان کے طور طریقے بتاتے ہیں حضرت سلمان فارسیؓ، اسی کا جواب دے رہے ہیں کہ اے بے خبر اور نادان انسان! یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے، استہزاء کا مقام نہیں ہے، تجھے کیا معلوم کہ ہمارے سردار ہم پر کتنے شفیق ہیں؟ ہم پر کتنے مہربان ہیں؟ اُمت پر انتہائی شفقت و محبت ہی کی یہ وجہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر مرحلہ پر ہماری راہنمائی فرماتے ہیں۔

اگر ایک طرف آپ ﷺ توحید و رسالت کے عقائد اور نماز روزہ، زکوٰۃ، اور حج جیسے دینی اصول کے احکام و مسائل ہمیں بتاتے ہیں تو دوسری طرف پیشاب و پاخانہ جیسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے آداب بھی بتاتے ہیں اور ہدایات اور راہنمائی کا یہی تو وہ مقام ہے جو آپ ﷺ کی ذات کی ہمہ گیری کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پیشاب و پاخانہ کے وقت ہم قبلہ کی طرف پشت درخ کر کے نہ بیٹھیں کہ اس سے قبلہ کے احترام پر حرف آتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کیا جائے کیونکہ یہ چیز پاکیزگی و نظافت کے منافی ہے کہ جس ہاتھ سے کھانا کھایا جائے اسی ہاتھ سے گندگی و غلاظت کی صفائی کی جائے۔

آپ ﷺ نے اسے بہتر قرار دیا ہے کہ تین ڈھیلوں یا پتھروں سے کم میں استنجاء نہ کیا جائے کہ صفائی و پاکیزگی کا تقاضا یہی ہے اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ استنجاء کے ڈھیلوں میں لیدو گوہر اور دوسری نجاست نہ ہو کہ اس سے بجائے پاکیزگی حاصل ہونے کے اور زیادہ غلاظت و گندگی لگے گی اور ہڈی سے استنجاء نہ کیا جائے کیونکہ ہڈی جنات کی خوراک ہے۔

(۳۱) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَسَنَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي يَدِهِ الدَّرَقَةُ فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ لِيَهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ أَنْظِرُوا إِلَيْهِ يَتَوَلَّى كَمَا تَتَوَلَّى الْمَرْأَةُ فَسَمِعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَيْحَكَ أَمَا عَلِمْتَ مَا أَصَابَ صَاحِبَ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانُوا إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَوْلُ قَرَضُوهُ بِالْمَقَارِ نَصَفَتْهَا هُمْ فَعُذِبَتْ فِي قَبْرِهِ۔

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ و رواہ النسائی عن ابی ہریرہ)

”اور حضرت عبدالرحمن ابن حسنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرکارِ دو عالم ﷺ (گھر سے) نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے (اس وقت) آپ ﷺ کے ہاتھ میں ڈھال تھی، اسے آپ ﷺ اپنے سامنے زمین پر رکھ دیا پھر اس کے سامنے بیٹھ کر پیشاب کیا (یہ دیکھ کر) ایک مشرک نے کہا ان کی طرف دیکھو اس طرح پیشاب کرتے ہیں جیسے عورت پیشاب کرتی ہے یہ بات آنحضرت ﷺ نے سن لی اور فرمایا ”تجھ پر افسوس ہے“ کیا تو اس چیز کو نہیں جانتا جو بنی اسرائیل کے ساتھی کو پہنچی (یعنی عذاب) بنی اسرائیل (جب پیشاب کرتے اور ان کے جسم پر پکڑے) کو پیشاب لگ جاتا تو اس کو پہنچی سے کاٹ ڈالتے تھے چنانچہ (بنی اسرائیل میں سے ایک) شخص نے (اس حکم کو ماننے سے) لوگوں کو روکا، لہذا اسے قبر کے عذاب میں مبتلا کیا گیا۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی نے اس حدیث کو عبدالرحمن سے اور انہوں نے ابو موسیٰ سے روایت کیا ہے)

تشریح: بنی اسرائیل کی شریعت میں تھا کہ اگر کسی شخص کے بدن پر نجاست لگ جاتی تو اتنے حصے کے گوشت کو پھیل ڈالتے تھے اور اگر کپڑے پر لگ گئی تو اس جگہ سے کپڑا کاٹ ڈالتے تھے مگر ان میں سے ایک شخص نے اپنی شریعت کے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا اور وہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے روکا کرتا تھا لہذا اس بنا پر اسے عذاب قبر میں مبتلا کیا گیا۔

اسی طرف آنحضرت ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ بنی اسرائیل کی شریعت کا وہ قاعدہ اگرچہ شرعی اعتبار سے پسندیدہ تھا مگر چونکہ اس میں مال اور جان کا ضرر ہوتا تھا اس لئے خلاف عقل و دانائی تھا مگر اس کے باوجود شریعت کے اس حکم کو نہ ماننے اور دوسرے لوگوں کو اس سے روکنے پر جب اس شخص پر عذاب قبر نازل کیا گیا تو شرم و حیا نہ کرنا بطریقِ اولیٰ عذاب کا سبب ہے کیونکہ پیشاب کے وقت پردہ کرنا اور شرم کرنا نہ صرف یہ کہ ازراہ شریعت پسندیدہ اور بہتر چیز ہے بلکہ عقل و دانائی کے اعتبار سے بھی اولیٰ و افضل ہے۔

(۳۲) وَعَنْ مَرْوَانَ الْأَصْفَرِ قَالَ رَأَيْتُ بَنَ عَمْرٍو أَخَا رَاحِلَةَ مُسْتَقْبِلَ الْقَبْلَةِ ثُمَّ جَلَسَ يَتَوَلَّى إِلَيْهَا فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَلَيْسَ قَدْ نَهَى عَنْ هَذَا قَالَ بَلْ إِنَّمَا نَهَى عَنْ ذَلِكَ فِي الْقَضَاءِ فَإِذَا كَانَ يَتَنَلَّكُ وَيَبِينُ الْقَبْلَةَ هَبْنِي يَسْتَرْكُ فَلَا تَأْسَ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت مروان اصغر فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک مرتبہ) حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنا اونٹ قبلہ کی طرف بٹھایا پھر خود بیٹھے اور اونٹ کی طرف پیشاب کیا میں نے (یہ دیکھ کر) عرض کیا ”ابو عبدالرحمن! یہ حضرت ابن عمرؓ کی نکتیت ہے“ کیا اس طرح قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے سے منع نہیں فرمایا گیا“ انہوں نے فرمایا ”ہاں جنگل میں اس سے منع فرمایا گیا ہے لیکن جب تمہارے اور قبلہ

کے درمیان کوئی چیز حاصل ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔" (ابن ماجہ)

تشریح: اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ کے اس فعل سے دلیل پکڑتے تھے جسے اس باب کی پہلی حدیث میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو قبلہ کی طرف پشت کر کے پاخانہ کرتے ہو دیکھا تھا اور یہ اسی موقع پر بتایا جا چکا ہے کہ اس فعل میں کسی احتمالات پیدا ہوتے ہیں لہذا فعل تحمل کو دلیل کے طور پر پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور پھر اس کی بھی وضاحت کی جا چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اکثر احادیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ پیشاب و پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت نہ کرنے کا حکم عام ہے اس میں جنگل کی تخصیص نہیں ہے اسی لئے امام اعظمؒ کا یہی مسلک ہے کہ اس حکم میں جنگل و آبادی سب برابر ہیں قبلہ کی طرف منہ و پشت کرنا ہر جگہ ممنوع ہے خواہ جنگل کا کھلا میدان ہو یا آبادی میں گھرے ہوئے مکانات۔

(۲۸) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَى وَغَافَانِي۔ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب بیت الخلاء سے نکلے تو یہ دعا پڑھتے تھے الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَى وَغَافَانِي یعنی تمام تعریضیں خدا ہی کو زبیا ہیں جس نے مجھ سے تکلیف (یعنی پاخانہ) کو دور کیا اور مجھے غافیت بخشی۔" (ابن ماجہ)

تشریح: یوں تو اگر کوئی انسان یہ چاہے کہ وہ خدا کی نعمت کو دائرہ شمار میں لے آئے جو اس پر خدا کی جانب سے ہیں تو یہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، پیدائش سے لے کر موت تک انسان کی ساری زندگی اور اس کی حیات کا ایک ایک لمحہ خدا کے رحیم و کریم کی بے شمار نعمتوں ہی کا رچا ہوا منت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کوئی انسان خدا کی ان بے شمار اور لامحدود نعمتوں کا شکر بھی بجا طور پر ادا نہیں کر سکتا۔ اب آپ پیشاب و پاخانہ ہی کو لے لیجئے بظاہر تو کتنی معمولی سے چیز ہے، اور کتنی غیر اہم ضرورت مگر ذرا کسی حکیم و ڈاکٹر سے اس کی حقیقت تو معلوم کر کے دیکھ لیجئے، ایک طبی ماہر آپ کو بتائے گا کہ ان معمولی چیزوں پر انسان کی زندگی کا کتنا دار و مدار ہے اور انسان کی موت و حیات سے اس کا کتنا گہرا تعلق ہے؟ اگر کسی شخص کا کچھ عرصہ کے لئے پیشاب بند ہو جائے، یا کسی کا پاخانہ رک جائے تو اس کی زندگی کے لالے پڑھ جاتے ہیں اور خدا نخواستہ اگر اس عرصہ میں غیر معمولی امتداد پیدا ہو جائے تو پھر اس کی زندگی موت کی آغوش میں سوئی نظر آتی ہے۔

تو کیا؟ یہ خدا کا ایک عظیم انعام اور اس کا بہت بڑا فضل و کرم نہیں ہے کہ وہ اس تکلیف و چیز کو انسان کے جسم سے تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد کتنی آسانی سے خارج کرتا رہتا ہے، تو یہ کیسے ممکن تھا کہ خدا کے رسول کی وہ زبان جو اس کی چھوٹی چھوٹی نعمتوں پر ہر وقت ادا لے شکر و سپاس میں مشغول رہتی تھی اس کی عظیم الشان نعمت پر شکر سے قاصر رہتی۔

چنانچہ یہ حدیث بھی بتا رہی ہے کہ آپ ﷺ جب بھی بیت الخلاء سے باہر نکلتے، خدا کا شکر ادا کرتے کہ اے اللہ العظیم! دنیا کی تمام تعریضیں تیرے ہی لئے زبیا ہیں، تمام حمد و ثناء کا تو ہی مستحق ہے، اور کیوں نہ ہو؟ جب کے تیری ذات اپنے بندوں کے لئے سراسر لطف و کرم اور رحمت و شفقت ہے... جس کا ایک ادنیٰ سا مظاہر یہ بھی ہے کہ تو نے اس وقت محض اپنے فضل و کرم سے ایک تکلیف و چیز کو میرے جسم سے خارج کیا اور اس طرح مجھے سکون و اطمینان عطا فرمایا اور غافیت بخشی۔

بعض احادیث میں آپ ﷺ سے یہ دعا بھی منقول ہے جسے آپ ﷺ بیت الخلاء سے باہر آنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي مَا يُؤْذِنِي وَأَقْنَى عَلَيَّ مَا يَنْفَعُنِي تمام تعریضیں اللہ ہی کے لئے زبیا ہیں جس نے مجھ سے تکلیف و چیز کو دور کیا اور وہ چیز باری رکھی جو میرے لئے فائدہ مند ہے۔

غذا اُٹھ ہونے پر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے، ایک بڑا حصہ وہ ہوتا ہے جو فضلہ بن جاتا ہے، دوسرا حصہ جو غذا کا اصل جو ہر ہوتا ہے وہ خون وغیرہ میں تبدیل ہو جاتا ہے اس پر زندگی کی بقا منحصر ہوتی ہے، چنانچہ اس دعا میں غذا کی انہی دونوں حصوں کی جانب اشارہ فرمایا گیا

ہے۔ اگر ان دونوں نعمتوں کا کوئی شخص خیال کرے تو اسے احساس ہو کہ یہ کتنی اہمیت کی حامل ہیں لیکن افسوس کہ آج ایسے کتنے ہی بے حس و لا پرواہ انسان ملیں گے جن کے دماغ و شعور میں ان کا تصور بھی نہیں ہوگا۔

(۳۹) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ وَقَفَ الْجَنَّةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ أَهْتَلَكَ أَنْ يَسْتَنْحُوا بِعَظْمٍ أَوْ رِوْثَةٍ أَوْ خِصْمَةٍ فَإِنَّ اللَّهَ جَعَلَ لَنَا فِيهَا رِزْقًا فَهَذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَالِكَ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب جنات کی جماعت سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! آپ ﷺ اپنی امت کو منع فرما دیجئے کہ وہ گوبر، ہڈی اور کوئلہ سے استنجاء نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں ہمارا رزق پیدا کیا ہے“ چنانچہ ان حضرت ﷺ نے ہمیں ان (چیزوں کے استعمال) سے منع فرمایا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ہڈی جنات کی خوراک ہے جس سے وہ غذا حاصل کرتے ہیں، اسی طرح لید ان کے جانوروں کی خوراک ہے نیز کوئلے سے بھی چونکہ جنات فائدہ اٹھاتے ہیں مثلاً کوئلہ سے کھانا وغیرہ پکاتے ہیں یا اس سے روشنی کرتے ہیں اس لئے اس کو بھی رزق میں شمار کیا گیا ہے۔

بَابُ السَّوَالِکِ مسواک کرنے کا بیان

یوں تو مسواک کرنا متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک سنت ہے مگر حنفیہ کے نزدیک خاص طور پر وضو کے لئے امام شافعیؒ کے نزدیک وضو و نماز کے وقت مسواک کرنا مسنون ہے، نیز نماز فجر اور نماز ظہر سے پہلے بھی مسواک کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے، مسواک کرنے میں بڑی خیر و برکت اور بہت فضیلت ہے چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ مسواک کرنے کی فضیلت میں چالیس احادیث وارد ہوئی ہیں۔ پھر نہ صرف یہ کہ مسواک کرنا ثواب کا باعث ہے بلکہ اس سے جسمانی طور پر بہت سے فائدہ حاصل ہوتے ہیں چنانچہ مسواک کرنے سے منہ پاک و صاف رہتا ہے، منہ کے اندر بد بو پیدا نہیں ہوتی، دانت سفید و چمک دار ہوتے ہیں، مسوڑوں میں قوت پیدا ہوتی ہے اور دانت مضبوط ہو جاتے ہیں۔

ویسے تو ہر حال میں مسواک کرنا مستحب اور بہتر ہے مگر بعض حالتوں میں اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے مثلاً وضو کرنے کے وقت قرآن شریف پڑھنے کے لئے، دانتوں پر زردی اور میل چڑھ جانے کے وقت اور سونے، چپ رہنے، بھوک لگنے یا بدبودار چیز کھانے کے سبب منہ کا مزہ بگڑ جانے کی حالت میں مسواک زیادہ مستحب اور اولیٰ ہے۔

مسواک کرنے کے کچھ آداب و طریقے ہیں چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ کسی مجلس و مجمع میں اس طرح مسواک کرنا کہ منہ سے رال نکلی ہو مکروہ ہے خصوصاً علماء اور بزرگوں کے قریب اس طرح مسواک کرنا مناسب نہیں ہے۔

مسواک کڑوے درخت مثلاً نیم وغیرہ کی ہونی چاہئے، بیلو کے درخت کی مسواک زیادہ بہتر ہے، چنانچہ احادیث میں بھی بیلو کی مسواک کا ذکر آیا ہے نیز حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ بیلو کی مسواک کی جائے مسواک کا سرا چھنگلیا کی طرح ہونا چاہئے اور مسواک کی لبائی ایک باشت کے برابر ہونی چاہئے، مسواک دانتوں کی چوڑائی پر کرنی چاہئے لبائی پر مسواک نہ کی جائے کیونکہ اس طرح مسواک کرنے سے مسوڑھے پھیل جاتے ہیں۔

”مسواک کرنے کے وقت کے بارے میں اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ جب وضو شروع کیا جائے تو کھلی کے وقت مسواک کرنی چاہئے

مگر بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ وضو کرنے سے پہلے ہی مسواک کر لینی چاہئے، نیز مسواک کرنے میں مستحب ہے کہ مسواک دائیں طرف سے شروع کی جائے۔

اگر کسی شخص کے پاس مسواک نہ ہو یا دانت ٹوٹے ہوئے ہوں تو ایسی حالت میں انگلی سے دانت یا مسوڑھوں کو صاف کرنا چاہئے، یا اسی طرح مسواک کو نرم کرنے کے لئے اگر کوئی پتھر نہ ملے اور ایسی شکل میں مسواک کرنا ممکن نہ ہو تو دانت کو ایسی چیزوں سے صاف کر لیا جائے جو منہ کی بد مزگی کو دور کر دیں جیسے موناکپڑا اور منجن وغیرہ یا صرف انگلی ہی سے صاف کر لے۔

الفصل الاول

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا أَنِ اشْتَقَّ عَلَيَّ أُتَيْتُ لَأَمَرْتُهُمْ بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ وَبِالنَّسْوَةِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ۔ (متفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اگر میں اپنی اُمت پر اس بات کو مشکل نہ جانتا تو مسلمانوں کو یہ حکم دیتا کہ وہ عشاء کی نماز دیر سے پڑھیں اور ہر نماز کے لئے مسواک کریں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھنا اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنا مستحب اور بڑی فضیلت کی بات ہے اسی طرف یہ حدیث اشارہ کر رہی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میری اُمت دشواری میں مبتلا ہو جائے گی تو میں یہ فرض قرار دیتا کہ تمام مسلمان عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھا کریں“ اب تاخیر کی حد کیا ہے؟ اس بارے میں حضرت امام شافعیؒ کے علاوہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ تہائی یا آدھی رات تک عشاء کی نماز پڑھنا مستحب ہے۔

دوسری بات آپ ﷺ مسواک کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ اگر اس معاملہ میں بھی تنگی و مشکلات کا خوف نہ ہوتا تو اس بات کا اعلان کر دیتا کہ ہر نماز کے وقت یعنی ہر نماز کے وضو کے وقت مسواک کرنا فرض ہے۔

لیکن آپ ﷺ چونکہ اُمت کے حق میں سراپا رحمت و شفقت ہیں اس لئے آپ نے ان چیزوں کو فرض کا درجہ نہیں دیا کہ فرض ہونے کی شکل میں مسلمان تنگی اور تساہلی کی بناء پر ان فرض پر عمل نہیں کر سکیں گے نتیجے کے طور پر گناہ گار ہوں گے، لہذا ان کو صرف مستحب ہی قرار دیا کہ اگر کوئی شخص ان پر عمل نہ کرے اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور کوئی خدا کا بندہ اس پر عمل پیرا ہو جائے تو یہ اس کے حق میں سرا سرحیات و نیک بختی کی بات ہوگی۔

② وَعَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بَايَ شَيْئٍ كَانَ يَنْبَغِي أَرْسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ يَتَنَفَّهَ قَالَ بِالنَّسْوَةِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت شریح ابن حانی راوی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب اپنے گھر میں تشریف لاتے تو پہلے کیا کرتے؟ انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے آپ ﷺ مسواک کرتے۔“ (مسلم)

تشریح: آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ ﷺ اپنے گھر میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے اور یہ آپ ﷺ کے مزاج اقدس کی انتہائی نفاذ کی دلیل تھی کہ اگر مجلس مبارک میں خاموش بیٹھنے یا لوگوں سے گفتگو کرنے کی وجہ سے منہ کے اندر کچھ تغیر آگیا ہو تو وہ دور ہو جائے۔

اگر آپ ﷺ کے اس فعل مبارک کی حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو یہاں بھی تعلیم اُمت کا مقصد سامنے آئے گا لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ انتہائی پاکیزگی و صفائی کے ساتھ رہا کریں یہاں تک کہ آپس میں گفتگو و کلام کرنے اور ملنے جلنے کے لئے

مسواک کر لیا کریں تاکہ کوئی شخص منہ کی بد مزگی یا بو کے تغیر کی وجہ سے تکلیف محسوس نہ کرے۔

مسواک کی فضیلت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ منقول ہے کہ مسواک کرنے کے ستر فائدہ ہیں جن میں سب سے اوئی اور کم درجہ فائدہ یہ ہے کہ مسواک کرنے والا شخص موت کے وقت کلمہ شہادت کو یاد رکھے گا جس کی بناء پر اس کا خاتمہ یقیناً خیر ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کہ افیون کھانے کے ستر نقصان ہیں جن میں سب سے ادنیٰ اور کم تر نقصان یہ ہے کہ افیون کھانے والا شخص موت کے وقت کلمہ شہادت بھول جائے گا، العیاذ باللہ

حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے لئے یہ تاکید ہے کہ وہ جب گھر میں داخل ہو تو اسے چاہئے کہ وہ سب سے پہلے مسواک کرے کیونکہ اس گمنہ میں بہت زیادہ خوشبو پیدا ہو جاتی ہے جس سے گھروالوں کے ساتھ حسن سلوک میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۳) وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشْوِضُ فَاهُ بِالسَّوَالِثِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جب رات تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے تو اپنے منہ مسواک سے ملتے اور دھو لیتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاعْفَاءُ اللَّيْحَةِ وَالسَّوَالِثِ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْأَظْفَارِ وَغَسْلُ الثَّيَابِ وَتَنْفُؤُ الْإِبْطِ وَحَلْقُ الْعَالَةِ وَانْتِفَاضُ الْعَاءِ يَعْنِي الْإِسْتِنْجَاءَ وَقَالَ الزَّوَائِدُ وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْمُضْمَضَةُ زَوْافٍ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةِ الْخُفَّانِ بَدَلُ اعْفَاءِ اللَّيْحَةِ لَمْ أَجِدْ هَذِهِ الزَّوَايَةَ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَلَا فِي كِتَابِ الْحَمِيدِيِّ وَلَكِنْ ذَكَرَهَا صَاحِبُ الْجَامِعِ وَكَذَا الْخُفَّانِيُّ فِي مَعَالِمِ السُّنَنِ عَنْ أَبِي دَاوُدَ - (روایہ علامہ ابن یاسر)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”دس چیزیں فطرت میں سے ہیں (یعنی دین کی باتیں) ① لبوں کے بال کٹوانا ② داڑھی کا بڑھانا ③ مسواک کرنا ④ ناک میں پانی دینا ⑤ ناخن کٹوانا ⑥ جوڑوں کی جگہ کو دھونا ⑦ بغل کے بال صاف کرنا ⑧ زیر ناف بالوں کا سونڈنا ⑨ پانی کا کم کرنا یعنی پانی کے ساتھ استنجاء کرنا“ راوی یعنی مصعب یاد کرنا کیا بیان ہے کہ دسویں چیز کو میں بھول گیا، ممکن ہے کہ وہ کلی کرنا ہو۔ (مسلم) اور ایک روایت میں (دوسری چیز) ”داڑھی بڑھانے“ کے بجائے ”قنتہ کرنا“ ہے اور (صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ ”مجھے یہ روایت نہ صحیحین یعنی بخاری و مسلم میں ملی ہے اور نہ کتاب حمیدی میں (جو صحیحین کی جامع ہے، البتہ اس روایت کو صاحب جامع الاصول نے (اپنی کتاب میں) ذکر کیا ہے، اسی طرح خطابی نے معالم السنن میں ابوداؤد کے حوالہ سے حضرت عمر ابن یاسر کی روایت کے ساتھ نقل کیا ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں جن دس چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ تمام چیزیں پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں سنت تھیں اور آنحضرت ﷺ کی لائی ہوئی شریعت یعنی دین اسلام میں بھی سنت ہیں چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک فطرت کے یہی معنی ہیں، دوسری شروحات میں اس کے علاوہ علماء کے دوسرے اقوال بھی منقول ہیں لیکن طوالت کی بناء پر یہاں سب کو ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ پہلی چیز لبوں کے بال یعنی مونچھوں کا کٹوانا ہے، اس سلسلہ میں مختار مسلک ”یعنی ہے مونچھیں کٹوائی جائیں اور اس طرح کٹوائی جائیں کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ معلوم ہونے لگے۔

امام اعظمؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مونچھیں بھوؤں کی برابر رکھنی چاہئیں، البتہ غازیوں اور مجاہدوں کو زیادہ مونچھیں بھی رکھنی جائز ہے کیوں کہ زیادہ مونچھیں دشمن کی نظر میں دہشت کا باعث ہوتی ہیں اور اس سے ان پر رعب چھا جاتا ہے، مونچھوں کا اتنا زیادہ کٹوانا کہ ان کا نشان بھی باقی نہ رہے یا بالکل منڈ وانا مکروہ ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک حرام ہے مگر بعض علماء نے اسے سنت بھی کہا ہے۔

دوسری چیز داڑھی کا بڑھانا ہے، اس کے بارے میں علماء کا فیصلہ ہے کہ داڑھی کی لمبائی ایک مٹھی کے برابر ہونا ضروری ہے اس سے کم نہ

ہونی چاہئے اگر مٹھی سے زیادہ بھی ہو جائے بشرطیکہ حد اعتدال سے نہ بڑھ جائے۔
داڑھی کو منڈوانا یا پست کرنا حرام ہے کیونکہ یہ اکثر مشرکین مثلاً انگریز و ہندو کی وضع ہے، اسی طرح منڈی ہوئی یا پست داڑھی ان لوگوں کی وضع ہے جنہیں دین سے کوئی حصہ نصیب نہیں ہے کہ جن کا شمار ”گروہ قلندری رد مشرب“ میں ہوتا ہے۔

داڑھی کے بال ایک مٹھی کے برابر چھوڑنا واجب ہے اسے سنت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت سنت سے ہے جیسے نماز عید کو سنت کہتے ہیں حالانکہ عید واجب ہے۔

اگر لمبائی یا چوڑائی میں کچھ بال آگے بڑھ کر بے ترتیب ہو جائیں تو ان کو کتروا کر برابر کرنا جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ انہیں بھی نہ کتروایا جائے، اگر کسی عورت کے داڑھی نکل آئے تو اسے صاف کر ڈالنا مستحب ہے۔

تیسری چیز مسواک کرنا ہے، اس کے متعلق پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ مسواک کرنا بالائے اتفاق علماء کے نزدیک سنت ہے، بلکہ داؤد نے تو اسے واجب کہا ہے، حضرت شاہ اعظمؒ نے اس سے بھی بڑھ کر یہ بات کہی ہے کہ اگر کوئی شخص مسواک کو قصداً چھوڑ دے تو اس کی نماز باطل ہوگی۔

چوتھی چیز ناک میں پانی دینا ہے، اس کا مسئلہ یہ ہے کہ وضو کے لئے ناک میں پانی دینا مستحب ہے اور غسل کے لئے ناک میں پانی دینا فرض ہے یہی حکم کلی کا بھی ہے کہ وضو میں کلی کرنا سنت ہے اور غسل میں فرض ہے۔

پانچویں چیز ناخن کا کٹوانا ہے، ناخن کسی طرح بھی کٹوائے جائیں اصل سنت ادا ہو جائے گی لیکن اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ ناخن کٹوانے کے وقت یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ سب سے پہلے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کے ناخن کٹوائے جائیں اس کے بعد بیچ کی انگلی کے اس کے بعد اس کے پاس کی انگلی کے پھر چھٹلیا کے پھر بعد میں انگوٹھے کے ناخن کٹوائے جائیں، اس کے بعد بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے ناخن اس طرح کٹوائے جائیں کہ سب سے پہلے چھٹلیا کے اس کے بعد اس کے پاس کی انگلی اس کے بعد بیچ کی انگلی اس کے بعد شہادت کی انگلی اور پھر بعد میں انگوٹھے کے ناخن کٹوائے جائیں۔

بعض علماء نے یہ طریقہ بھی لکھا ہے کہ سب سے پہلے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے ناخن کٹوانا شروع کرے اور چھٹلیا پر پہنچ کر روک دے پھر بائیں ہاتھ کی چھٹلیا سے شروع کرے اور اس کے انگوٹھے تک پہنچ کر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کر دے۔

اسی طرح پیر کے ناخن اس طرح کٹوانا چاہئے کہ پہلے دائیں پیر کی چھٹلیا سے کٹوانا شروع کرے اور آخر میں بائیں پیر کی چھٹلیا پر لے جا کر ختم کرے بعض علماء نے لکھا ہے کہ جمعہ کے روز ناخن کتروانا مستحب ہے، کچھ حضرات نے ناخن کٹوا کر ان کو زمین میں دفن کر دینے کو بھی مستحب لکھا ہے، اگر ناخن پھینک دیئے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ان کو پاخانہ میں یا غسل کی جگہ میں پھینکنا مکروہ ہے۔

چھٹی چیز زراجم یعنی جوڑوں کی جگہ کو دھونا ہے، زراجم کہتے ہیں انگلیوں کی گانٹھوں (جوڑوں) کو اور اس کے اوپر کی کھال کو جو چنٹ دار ہوتی ہے اس میں اکثر میل جمع ہوتا ہے۔ خصوصاً جو لوگ ہاتھ سے کام کاج زیادہ کرتے ہیں ان کی انگلیاں سخت ہو جاتی ہیں اور ان میں میل جمع جاتا ہے، لہذا ان کو دھونے کی تاکید فرمائی جا رہی ہے، اسی طرح بدن کے وہ اعضاء جن میں میل جمع جانے کا گمان ہو جیسے کان، بغل، ناف، ان کو بھی دھونے کا یہی حکم ہے۔

ساتویں چیز بغل کے بالوں کو صاف کرنا ہے، اس سلسلہ میں لفظ تنق استعمال فرمایا گیا ہے، تنق بال اکھاڑنے کو کہتے ہیں، چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ بغل کے بالوں کو منڈوانا سنت نہیں ہے بلکہ ان کو ہاتھ سے اکھاڑنا سنت ہے مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ بغل کے بالوں کو ہاتھ سے اکھاڑنا اس شخص کے لئے افضل ہے جو اس کی تکلیف کو برداشت کر سکتا ہو، وپسے بغل کے بالوں کا منڈوانا یا انورے سے صاف کرنا بھی جائز ہے۔

آنٹھوں چیز زیر ناف بالوں کو منڈونا ہے، یہ بھی سنت ہے، زیر ناف بال، اگر منڈانے کی بجائے اکھاڑے جائیں، یا انورے سے صاف

کئے جائیں تو بھی ان کے حکم میں شامل ہوں گے مگر قیچی سے کاٹنے میں سنت ادا نہیں ہوتی۔ مقعد (پاخانہ کے مقام) کے گرد جو بال ہوتے ہیں ان کو بھی صاف کرنا مستحب ہوتا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ زیر ناف بال نورٹے سے صاف کیا کرتے تھے واللہ اعلم۔

عورتوں کو زیر ناف بال اکھاڑنا اولیٰ ہے کیونکہ اس سے خاوند کو رغبت زیادہ ہوتی ہے، نیز عورت کے اندر چونکہ خواہشات نفسانی اور شہوت خانوے حصہ ہوتی ہے اور مرد میں صرف ایک حصہ ہوتی ہے اور یہ عطا ہے کہ زیر ناف بال اکھاڑنے سے شہوت کم ہوتی ہے اور مونڈنے سے قوی ہوتی ہے، لہذا عورت کے مناسب حال یہی ہے کہ وہ بال اکھاڑے اور مرد کے مناسب حال یہ ہے کہ وہ مونڈے۔

زیر ناف بال مونڈنے، بغل کے بال اکھاڑنے، مونچھیں کتروانے اور ناخن کٹوانے کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہونی چاہئے، چالیس دن کے اندر اندر ان کو صاف کر لینا چاہئے اس سے زیادہ مدت تک انہیں چھوڑے رکھنا مکروہ ہے۔

نوس چیز پانی کا کم کرنا یعنی پاکی کے ساتھ استنجاء کرنا ہے اِنْتِقَاضُ الْمَاءِ کے دو مطلب ہیں ایک تو یہی جو راوی نے بیان کئے ہیں یعنی پانی کے ساتھ استنجاء کرنا چونکہ استنجاء کرنے میں پانی خرچ ہوتا ہے اور کم ہو جاتا ہے اس لئے اس اِنْتِقَاضُ الْمَاءِ (پانی کا کم کرنا) سے تعبیر کیا گیا ہے، دوسرے معنی یہ ہیں کہ پانی کے استعمال یعنی استنجاء کرنے کی بناء پر پیشاب کو کم کرنا، مطلب یہ ہے کہ پانی سے استنجاء کرنے کی وجہ سے پیشاب کے قطرے رک جاتے ہیں اس طرح پیشاب میں کمی ہو جاتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں انتقام کی جگہ لفظ انتقاض آیا ہے اس کے معنی ہیں ستر کے اوپر پانی چھڑکنا جیسا کہ پہلی حدیثوں میں گزر چکا ہے، بہر حال یہ دونوں چیزیں بھی سنت ہیں۔

ختہ کرنا امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے، اکثر علماء کے نزدیک مرد و عورت دونوں کو امام اعظمؒ کے نزدیک مرد کو ختنہ کرنا سنت ہے عورت کو مکرمہ یعنی اولیٰ ہے۔

ختہ چونکہ شعار اسلام میں سے ہے اس لئے اگر کسی شہر کے تمام ہی لوگ ختنہ ترک کر دیں تو امام وقت کو ان کے ساتھ جنگ کرنی چاہئے تا آنکہ وہ لوگ اس اسلامی شعار کو اختیار کر لیں جیسے آذان کے بارے میں حکم ہے۔

ختہ کرنے کی عمر اور وقت کے تعین میں علماء کے یہاں اختلاف ہے، بعض علماء، کے نزدیک پیدائش کے ساتویں دن ختنہ کر دینا چاہئے جیسے عقیقہ ساتویں دن ہوتا ہے، بعض حضرات کے نزدیک سال اور بعض کے نزدیک نو سال کی مدت ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ اس میں کوئی قید نہیں ہے، جب چاہے ختنہ کر دیا جائے، گویا بالغ ہونے سے پہلے پہلے جب بھی وقت اور موقع ہو ختنہ کرایا جاسکتا ہے، امام اعظمؒ کے نزدیک اس صورت میں بلوغ سے پہلے کی شرط بطور خالص ہے کیونکہ ختنہ کرنا سنت ہے اور بالغ ہونے کے بعد ستر چھپانا واجب ہے اس لئے اگر کوئی شخص بالغ ہونے کے بعد ختنہ کرائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے ایک سنت کو ادا کرنے کے لئے واجب کو ترک کر دیا حالانکہ سنت کی ادائیگی کے لئے واجب کو ترک کر دینا جائز نہیں۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

⑤ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّوَالُكَ مَظْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْصَاةٌ لِلزُّبِّ زَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَ أَحْمَدُ وَ الدَّارِمِيُّ وَ التَّبَسَاتِيُّ وَ زَوَى الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ بِإِسْنَادٍ

”حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”سواک کرنا، منہ کی پاکی کا سبب ہے اور پروردگار کی خوشنودی کا باعث ہے“ شافعیؒ، احمدؒ، دارمیؒ، نسائیؒ اور امام بخاریؒ نے اس حدیث کو اپنی صحیح (جامع بخاری میں بغیر سند کے نقل کیا ہے۔“

⑥ وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَزْبَعُ مَنْ سَنَّ الْمُرْسَلِينَ الْحَيَاءَ وَيُزَوِّى الْخِثَانِ

”وہ ایک خاص مرکب چیز کہتے ہیں جو ہر سال ادا کرنے سے سوا کہ کئی بات تھی جس سے بال اڑ جاتے ہیں۔“

وَالْتَعَظُرُ وَالْبَسْوَالُ وَالْتِكَاحُ۔ (رواہ الترمذی)

”حضرت ابویوبؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”چار چیزیں رسولوں کے طریقہ میں سے ہیں ① حیا کرنا (ایک روایت میں) خنتہ کرنا مروی ہے (یعنی اس روایت میں تو اَلْحَيَاءُ کا لفظ ہے اور بعض روایت میں اس کے بجائے اَلْخُشْيَانُ کا لفظ آیا ہے۔ ② خوشبو لگانا ③ مسواک کرنا ④ نکاح کرنا۔“ (ترمذی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا کہ چار چیزیں رسولوں کے طریقہ میں سے ہیں اکثر کے اعتبار سے ہے کیونکہ بعض انبیاء ایسے بھی تھے جن کے یہاں ان میں سے کچھ چیزیں نہیں پائی جاتی تھیں مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السلام نے نکاح نہیں کیا تھا۔ یہاں حیا سے مراد ہے کہ بندہ اپنے نفس کو برائی سے الگ رکھے اور بری باتوں سے بچتا ہے۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حنظلہ بن صفوان جو ”اصحاب الرس“ کے نبی تھے اور سرکارِ دو عالم ﷺ محض ہی اس دنیا میں تشریف لائے تھے، یعنی انبیاء اور رسول خنتہ کئے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کے بارے میں بعض علماء کا قول ہے کہ پیدا ہونے کے بعد آپ ﷺ کا خنتہ ہوا ہے، آنحضرت ﷺ چونکہ لطافت و لطافت کے انتہائی بلند مقام پر تھے اس لئے آپ ﷺ کو خوشبو زیادہ مرغوب تھی، چنانچہ منقول ہے کہ آپ خوشبو کے لئے ملک استعمال فرماتے تھے۔

شریعتِ محمدی ﷺ میں نکاح کی بہت زیادہ اہمیت ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیتے ہوئے اس بات کا اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص میری اس سنت سے اعراض کرے گا یعنی نکاح نہیں کرے گا تو وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔ حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے نکاح کے فضائل و مناقب میں منقول جو احادیث جمع کی ہیں ان کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفُذُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَيَسْتَقِظُ إِلَّا يَتَسَوَّكُ قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب رات اور دن میں سو کر اٹھتے تو وضو کرنے سے پہلے مسواک کرتے۔“ (احمد و ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ دن میں بھی قیلولہ کے وقت آرام فرماتے تھے، چنانچہ دن میں تھوڑا بہت سولینا اور قیلولہ کے وقت آرام کرنا سنت ہے کیونکہ اس کی وجہ سے رات میں خدا کی عبادت کے لئے اٹھنے میں آسانی ہوتی ہے جیسے کہ سحری کھالینے سے روزہ آسان ہو جاتا ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سو کر اٹھنے کے بعد مسواک کرنا سنتِ مؤکدہ ہے کیونکہ سونے کی وجہ سے منہ میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور بوی میں فرق آ جاتا ہے اس لئے مسواک کرنے سے منہ صاف ہو جاتا ہے۔

اب اس میں احتمال ہے کہ آپ ﷺ پھر وضوء کے لئے دوبارہ مسواک کرتے تھے یا نہیں؟ ہو سکتا ہے کہ اسی مسواک پر اکتفا فرماتے ہوں اور وضوء کے وقت دوبارہ مسواک نہ کرتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وضوء کے ارادہ کے وقت یا وضوء میں کلی کرتے وقت دوبارہ مسواک کرتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

⑧ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ فِي بَيْتِي السَّوَاكَ لَا غَسْلَهُ فَاَبْدَأَ بِهِ فَاَسْتَاكْتُ ثُمَّ اغْسَلَهُ وَادْفَعَهُ. (رواه ابو داود)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ مسواک کرتے اور پھر مجھے دے دیے تاکہ میں اسے دھو ڈالوں چنانچہ میں (آپ سے مسواک لے کر) پہلے اس سے خود مسواک کرتی پھر دھوتی اور آنحضرت ﷺ کو دے دیتی۔“ (ابو داؤد)

تشریح: یہ حدیث اس بات کے لئے دلیل ہے کہ مسواک کرنے کے بعد اس کو دھونا مستحب ہے، حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ تین مرتبہ مسواک کی جائے اور ہر مرتبہ اسے پانی سے دھو لیا جائے تاکہ اس کا میل یکیل دور ہوتا رہے اور یہ کہ مسواک نرم ہونی چاہئے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ ﷺ سے مسواک لے کر دھونے سے پہلے اپنے منہ میں اس لئے پھیرتی تھیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی لعاب مبارک کی برکت حاصل ہو، پھر اسے دھو کر آپ ﷺ کو دے دیتی تھیں تاکہ مسواک پوری طرح نہ کی ہو تو اس سے قتل کر لیں۔

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ کسی دوسرے کی مسواک اس کی رضامندی سے استعمال کر لینا مکروہ نہیں ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صالحین اور بزرگوں کے لعاب وغیرہ سے برکت حاصل کرنا اچھی بات ہے۔

الفصل الثالث

⑨ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرَانِي فِي الْمَنَامِ أَتَسَوَّكُ بِسَوَاكٍ فَجَاءَنِي رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ فَقَاوَلْتُ السَّوَاكَ الْأَصْغَرَ مِنْهُمَا فَقِيلَ لِي كَبُرَ فَقَدْ فَتَنَتْهُ إِلَى الْأَكْبَرِ مِنْهُمَا. (مشق علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ (ایک دن) سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں (اس اثناء میں) دو آدمی میرے پاس آئے، ان میں کا ایک آدمی دوسرے سے بڑا تھا میں نے ان میں سے چھوٹے کو مسواک دینے کا ارادہ کیا مگر مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو مسواک دو، چنانچہ میں نے ان میں سے بڑے کو مسواک دی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے مسواک کی بزرگی اور فضیلت کا اظہار ہو رہا ہے اس لئے کہ اسے بڑے کو دینے کا حکم کیا جانا اس بات پر دال ہے کہ یہ ایک افضل اور بہترین چیز ہے جب ہی تو بڑے کو جو چھوٹے سے افضل و اعلیٰ تھا، دینے جانے کا حکم کیا گیا۔

اس حدیث نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ کھانا وغیرہ دینے، خوشبو لگانے یا ایسی ہی دوسری چیزوں میں ابتداء بڑے سے ہی کرنی چاہئے۔

⑩ وَعَنْ ابْنِ أُمَامَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا جَاءَنِي جَبْرِئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَطَّ إِلَّا أَمَرَنِي بِالسَّوَاكِ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ أَخْفِي مَقْدَمَ فِتْنٍ. (رواه احمد)

”حضرت ابی امامہؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”جبرئیل علیہ السلام جب بھی میرے پاس آتے مجھے مسواک کرنے کا حکم دیتے (یہاں تک کہ) یہ مجھے خوف ہوا کہ (کہیں مسواک کی زیادتی سے) میں اپنے منہ کے اگلے حصہ کو چھیل نہ ڈالوں۔“ (احمد)

تشریح: مسواک کی اہمیت اور اس کی فضیلت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی آنحضرت ﷺ کے پاس تشریف لاتے آپ ﷺ کو مسواک کرنے کا حکم دیتے اور آنحضرت ﷺ اس حکم کی بنا پر کثرت سے مسواک کرتے، چنانچہ آپ ہی فرما رہے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بار بار حکم اور اس شدت سے تاکید کی بناء پر میں مسواک اتنی کثرت سے استعمال کرتا ہوں کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ مسواک کی زیادتی سے کہیں میرا منہ نہ پھل جائے۔

⑪ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ أَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السَّوَالِ (رواه البخاری)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”میں نے تم سے سواک کے متعلق بہت کچھ بیان کیا ہے۔“ (بخاری)
تشریح: اس ارشاد کا مقصد سواک کی فضیلت و اہمیت کو بتانا ہے اور اس پر تاکید فرمائی ہے کہ سواک زیادہ سنا یا دہ کرنی چاہئے اس لئے کہ کسی چیز کو بار بار بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ چیز بڑی اہمیت و فضیلت کی حامل ہے۔

⑫ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَنْوِي وَعِنْدَهُ زُجْلَانِ أَحَدُهُمَا أَكْثَرُ مِنَ الْآخَرِ فَأَوْجَحِي إِلَيْهِ فِي فَضْلِ السَّوَالِ أَنْ كَثُرَ أَعْطَى السَّوَالُ أَكْثَرَ هُمَا (رواه البورادور)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ سواک کر رہے تھے اور آپ ﷺ کے پاس دو آدمی تھے جن میں ایک دوسرے سے بڑا چھانچا چھ سواک کی فضیلت میں آپ ﷺ کی طرف یہ وحی نازل فرمائی گئی کہ بڑے کو مقدم رکھو اور ان دونوں میں سے بڑے کو سواک دو۔“ (البورادور)

⑬ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَفْضُلُ الصَّلَاةِ الَّتِي يُسْتَأْذَنُ لَهَا عَلَى الصَّلَاةِ الَّتِي لَا يُسْتَأْذَنُ لَهَا سِتْعِينَ حِفْظًا (رواه الترمذی فی شعب الایمان)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”وہ نماز جس کے لئے سواک کی گئی (یعنی وضو کے وقت) اس نماز پر جس کے لئے سواک نہیں کی گئی سرورِ جے کی فضیلت رکھتی ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے بھی سواک کی فضیلت کا اظہار ہو رہا ہے کہ سواک کی وجہ سے نماز کے مراتب و درجات میں کمی بیشی ہوتی ہے، چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک نماز تو اس طرح پڑھی کہ اس نے اس نماز کے لئے وضو کے وقت سواک اور ایک نماز اس طرح پڑھی کہ اس کے لئے وضو کے وقت سواک نہیں کی تو پہلے نماز جس کے لئے سواک کی گئی ہے اس نماز کے مقابلہ میں جس کے لئے سواک نہیں کی گئی فضیلت اور ثواب کی زیادتی میں سرورِ جہ زیادہ ہوگی۔ گویا دوسری نماز کے مقابلہ میں پہلی نماز کا ثواب ستر گنا زیادہ ملے گا۔

⑭ وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْلَا أَنِّي أَشَقُّ عَلَى أَتَيْتِي لَا مَرْتَبَتُهُمْ بِالسَّوَالِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَخَزْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى ثَلَاثِ اللَّيْلِ قَالَ فَكَانَ زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ يَشْهَدُ الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ وَسَوَاحُكُهُ عَلَى أُذُنِهِ مَوْضِعَ الْقَلَمِ مِنْ أَهْلِ الْكُتُبِ لَا يَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ إِلَّا اسْتَنْوَى ثُمَّ رَدَّ إِلَى مَوْضِعِهِ زَوَاهُ التَّرْمِذِيُّ وَابُودَاوُدُ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَلَا خَزْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى ثَلَاثِ اللَّيْلِ وَقَالَ التَّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ (رواه البورادور و الترمذی)

”حضرت ابوسلمہؒ حضرت زید ابن خالد الجہنیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”اگر میں اپنی اُمت کے لئے اسے مشکل نہ جانتا تو میں ان کو ہر نماز کے لئے سواک کرنے کا حکم دیتا۔ یعنی یہ اعلان کرتا کہ ہر نماز کے وقت سواک کرنا واجب ہے اور عشاء کی نماز میں تہائی رات تک تاخیر کرتا۔“ (اس کے بعد زید ابن خالدؒ نماز کے لئے مسجد میں

لے حضرت ابوسلمہؒ تاجی ہیں، بصرہ ۲۷ سال ۹۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

۲۔ حضرت زید ابن خالدؒ جہنی مشہور صحابی ہیں کنیت ابو عبد الرحمن بصرہ ۸۵ سال بعد عبد الملک ۷۸ھ میں اور بعض کے خیال کے مطابق حضرت معاویہؓ کے آخری زمانہ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

آتے تو مسواک ان کے کان پر رکھی ہوتی جس طرح کاتب کے کان پر قلم رکھا ہوتا ہے، جب وہ نماز کو کھڑے ہوتے تو مسواک کر لیتے اور پھر کان پر رکھ لیتے (ابوداؤد، ترمذی) ابوداؤد نے لَأَخُوْتُ صَلَوةَ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔" (ابوداؤد، ترمذی)

باب سنن الوضوء وضو کی سنتوں کا بیان

یہاں وضو کی سنتوں سے مراد آنحضرت ﷺ کے وہ افعال و اقوال ہیں جو آپ ﷺ سے وضو کے بارے میں منقول ہیں خواہ ان کا تعلق وضو کے فرائض سے ہو یا سنت سے یا آداب وضو سے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَيْقِظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَإِنَّهُ لَا يَنْدَرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ۔ (مشق علیہ)

"حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص سو کر اٹھے تو اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ کو پانی کے برتن میں نہ ڈالے جب تک اسے (پانیوں تک) تین بار دھو نہ لے، اس لئے کہ اسے نہیں معلوم کہ رات بھر اس کا ہاتھ کہاں رہا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وضو سے پہلے ہاتھوں کو دھونا سنت ہے، جہاں تک سو کر اٹھنے کے بعد کی قید کا سوال ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں پانی کی قلت ہوتی ہے، خاص طور پر زمانہ نبوت میں تو پانی بہت ہی کم مقدار میں دستیاب ہوتا تھا، اس لئے اکثر و بیشتر لوگ پانی سے استنجاء نہیں کرتے تھے پہلے ڈھیلوں سے یا پتھروں سے صاف کر لیا کرتے تھے، اور یہ ظاہر ہے کہ گرم ہوا کی بنا پر سوتے میں استنجاء کے مقام پر پسینہ آجاتا ہے، اس صورت میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ رات میں سوتے وقت ہاتھ استنجاء کے مقام پر پہنچ جائے جس سے ہاتھ گندے ہو جائیں جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سونے والے کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا ہاتھ رات کو سوتے وقت کہاں رہا اس لئے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جب کوئی شخص سو کر اٹھے تو چاہئے کہ وہ پہلے اپنے ہاتھوں کو پانی کے برتن میں نہ ڈال دے بلکہ ہاتھ تین مرتبہ دھو ڈالے تاکہ وہ پاک و صاف ہو جائیں اس کے بعد برتن سے پانی لے کر وضو کر لے۔

بہر حال یہاں نیند کی قید تو اس لئے ہے کہ اس میں ہاتھوں کو نجاست لگنے کا احتمال ہے ورنہ ہر ایک وضو کرنے والے کو پہلے تین مرتبہ ہاتھ دھونا چاہئے اس لئے کہ علماء لکھتے ہیں کہ اس طرح ہاتھ دھونا اس شخص کے لئے بھی سنت ہے جو سو کر نہ اٹھا ہو کیونکہ ہاتھ دھونے کا سبب یعنی ہاتھ کو نجاست و میل لگنے کا احتمال جاننے کی حالت میں بھی موجود ہے۔

ہاتھ دھونے کا یہ حکم فرض اور واجب نہیں ہے بلکہ مسنون کے درجہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا حکم احتیاط کے طور پر دیا ہے اگر کوئی شخص ہاتھ نہ دھوئے تو بھی وہ پاک ہے کہ اگر بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں ڈال دے تو اس سے پانی ناپاک و نجس نہیں ہوتا کیونکہ سوتے میں ہاتھ کا ناپاک ہونا یقینی نہیں ہے بلکہ احتمال کے درجہ کی چیز ہے مگر حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ سو کر اٹھنے کے بعد ہاتھ کا دھونا واجب ہے، اگر کوئی شخص سو کر اٹھا اور اس نے بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں ڈال دیا تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

② وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَيْقِظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَتَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْشِزْ ثَلَاثًا فَإِنَّ

الشَّيْطَانُ يَبْسُطُ عَلَى خَوْضِ مَوْجِهِ۔ (حق علی)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالمؐ نے ارشاد فرمایا ”جب تم میں سے کوئی سوکراٹھے اور وضو کا ارادہ کرے تو تین مرتبہ (ناک میں پانی دے کر) ناک کو جھاڑے اس لئے کہ اس کی ناک کے بالے پر شیطان رات گزارتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: انسان کی ناک کے بالے پر شیطان کا رہنا اور اس پر رات گزارنے کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی حقیقت و کیفیت کا علم تو اللہ اور اس کے رسول ہی کو ہے اس کے رموز و اسرار کی معرفت سے ہماری عقلیں قاصر ہیں۔ لہذا ایسے امور کے معاملہ میں جن کی خبر شارعِ مطہرؐ نے دی ہے۔ بہتر اور اولیٰ طریقہ یہی ہے کہ صرف ان کی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے ان پر ایمان لایا جائے اور ان کی حقیقت و کیفیت کے بیان کرنے میں سکوت اختیار کیا جائے۔

بعض حضرات نے اس کی بڑی دلچسپ تاویل بھی کی ہے، مثلاً یہ قاعدہ ہے کہ جب انسان سو جاتا ہے تو بخارات، رُفِضہ اور گرد و غبار ناک میں جمع ہو جاتے ہیں جو دماغ کا قریبی حصہ ہے اس کی بنا پر دماغ جو حواس و شعور کی جگہ ہے مگر رہو جاتا ہے اور یہ چیز تلاوت قرآن کے آداب کو کاٹتا ہے، ادا کرنے اور اس کے معنی و مطلب کے سمجھنے میں مانع ہوتی ہے، نیز یہ عبارات کی ادائیگی میں سستی اور سہل کا باعث بھی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزیں شیطان کی مشاک کے عین مطابق اور اس کی خوشی کا باعث ہیں، اس لئے اس مشابہت سے کہا گیا ہے کہ سولے والے کی ناک کے بانسہ کے اوپر رات بھر شیطان بیٹھا رہتا ہے۔ بہر حال یہ احتمالات ہیں، ان پر بھی کوئی یقینی حکم نہیں لگایا جاسکتا اس لئے بہتر اور اولیٰ طریقہ وہی ہے جو پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

﴿۳﴾ وَقِيلَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ بِنِ عَاصِمٍ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَّ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ بِيَدِهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَذْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدِّمِ رَأْسِهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا إِلَى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتَّى رَجَعَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ وَرَأَاهُ مَالِكٌ وَالتَّسَانِيُّ وَلَا بِي دَاوُدُ نَحْوَهُ ذَكَرَهُ صَاحِبُ الْجَمَاعِ وَفِي الْمُتَّفِقِ عَلَيْهِ قِيلَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ بِنِ عَاصِمٍ تَوَضَّأَ لَنَا وَضُوءُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِأَنَاءٍ فَأَكْفَأَ مِنْهُ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَ لَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَمَسَحَ جَهَا فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَمَسَحَ جَهَا فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَمَسَحَ جَهَا فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ وَأَذْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدِّمِ رَأْسِهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا إِلَى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتَّى رَجَعَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَّ ثَلَاثًا بِثَلَاثِ غُرَفَاتٍ مِنْ مَاءٍ وَفِي أُخْرَى فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَّ مِنْ كَفَّةٍ وَاحِدَةٍ فَقَعَلَ ذَلِكَ ثَلَاثًا وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ فَمَسَحَ رَأْسَهُ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَذْبَرَ مَرَّةً وَاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَفِي أُخْرَى لَهُ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَّ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ غُرْفَةٍ وَاحِدَةٍ۔

”اور حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ سے پوچھا گیا کہ سرکارِ دو عالمؐ کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے (یہ سن کر) حضرت عبداللہؓ نے وضو کا پانی مٹھوایا (جب پانی آگیا تو) انہوں نے دونوں ہاتھوں پر (پانی) ڈالا اور انہیں ہتھوں تک (دو دو مرتبہ دھویا پھر کئی کی اور پانی ڈال کر) ناک کو جھاڑا تین مرتبہ پھر اپنا منہ تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے دونوں ہاتھ کنبوں تک (دو دو مرتبہ دھوئے، پھر دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا) اسی طرح کہ (دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے تک لے گئے اور پیچھے سے آگے تک لائے یعنی انہوں نے اپنے سر کی اگلی جانب سے شروع کیا اور دونوں ہاتھوں کو گدی تک لے گئے پھر ان کو (پھیر کر) اسی جگہ واپس لائے جہاں سے شروع کیا تھا اور چہرہ دونوں پاؤں کو دھویا۔ (مالک،

۱۔ ام گری عبداللہ بن زید بن عاصمؓ ہے ابنِ عمرؓ کے نام سے مشہور ہیں، ابو محمد کنیت ہے، آپ برآمدہ ۶۳ھ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

نسائی ابو داؤد اور بخاری و مسلم میں یہ روایت اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ سے کہا گیا کہ جس طرح آنحضرت ﷺ وضو کرتے تھے اسی طرح آپ ہمارے سامنے وضو کریں، چنانچہ عبداللہ بن زید نے (پانی کا برتن منگوایا) جب پانی کا برتن آگیا تو انہوں نے اسے جھکایا اور اس سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر انہیں تین مرتبہ دھویا پھر ہاتھ برتن میں داخل کیا اور اس سے پانی نکالا پھر (اسی) ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی دیا اس طرح انہوں نے تین مرتبہ کیا، پھر انہوں نے اپنا ہاتھ برتن میں ڈال کر پانی نکالا اور تین مرتبہ منہ دھویا، پھر انہوں نے اپنا ہاتھ برتن میں ڈال کر نکالا اور سر کاغ (اس طرح) کیا کہ اپنے دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے کی طرف لائے، اور پھر اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا، پھر فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا یہی وضو تھا اور بخاری و مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ”(صبح کے لئے) اپنے ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے کی طرف لائے یعنی اپنے سر کے اگلے حصہ سے (صبح) شروع کیا اور (ہاتھوں کو) گدی کی طرف لے گئے پھر گدی کی طرف سے وہیں لے آئے جہاں سے (صبح) شروع کیا تھا اور پھر اپنے پاؤں کو دھویا“ صحیحین کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ ”کلی کی ناک میں پانی دیا اور ناک تین مرتبہ جھاڑی تین چلوؤں سے ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ”پس کلی کی اور ایک ہی چلو سے ناک میں پانی ڈالا“ اس طرح تین مرتبہ کیا۔ بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”پس سر کاغ کیا (اس طرح کہ) اپنے دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور آگے سے پیچھے کی طرف لے آئے اور یہ ایک مرتبہ کیا پھر دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا“ بخاری ہی کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں پس کلی کی اور ناک جھاڑی تین مرتبہ صرف ایک چلو سے۔“

تشریح: اس حدیث کے پہلے جزو سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت حمید اللہ بن زید بن عاصمؓ نے ہاتھوں کو دو مرتبہ دھویا حالانکہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں دوسری روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ہاتھ تین مرتبہ دھوتے تھے، اس سلسلہ میں علماء یہ تاویل کرتے ہیں کہ سنت تو تین ہی مرتبہ دھونا ہے مگر چونکہ دو مرتبہ بھی دھولیا جائز ہے اس لئے حضرت عبداللہ نے بیان جواز کے لئے اپنے ہاتھوں کو پانچوں تک دو مرتبہ دھویا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دو مرتبہ دھونا جائز ہے۔

اس سلسلہ میں مؤرخین کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے، حالانکہ ایک ہی مرتبہ لانا کافی تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر لفظ مرتین صرف ایک ہی مرتبہ ذکر کیا جاتا تو اس سے یہ دہم پیدا ہو سکتا تھا کہ دونوں ہاتھ متفرق طور دو مرتبہ دھوئے ہوں گے، یعنی ایک مرتبہ ایک ہاتھ دھویا اور ایک مرتبہ ایک دھویا، لہذا اس دہم سے بچانے کے لئے مرتین کو دو مرتبہ ذکر کیا تاکہ یہ بات صاف ہو جائے کہ دونوں ہاتھ ملا کر دو مرتبہ دھوئے۔

سر کے صبح کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی تین انگلیاں سر کے آگے کی جانب رکھی جائیں اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو اور شہادت کی انگلیوں کو نیز ہتھیلیوں کو سر سے جدا رکھا جائے اس طرح ان چھ انگلیوں کو پیچھے گدی کی طرف لے جایا جائے پھر دو ہتھیلیاں سر کے پچھلے حصہ پر رکھ کر آگے کی طرف لائی جائیں اور پھر دونوں کانوں کے اوپر کے حصہ پر دونوں انگوٹھوں سے اور کانوں کے دونوں سوراخوں میں شہادت کی انگلیوں سے صبح کیا جائے۔

وفی المصنف غلبہ کے بعد جو روایتیں نقل کی گئی ہیں وہ صاحب مصابح کی نقل کردہ نہیں ہیں بلکہ صاحب مشکوٰۃ نے ان کا اضافہ کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ما قبل کی روایت باوجودیکہ بخاری و مسلم میں منقول نہیں ہے مگر صاحب مصابح نے انہیں صحاح یعنی فصل اول میں نقل کیا ہے اس لئے مصنف مشکوٰۃ ان روایتوں کا جو بخاری و مسلم میں منقول ہیں آگے اضافہ کر دیا ہے تاکہ ترتیب صحیح رہے۔

بخاری کی آخری روایت جس کے الفاظ یہ ہیں۔ ”پس کلی کی اور ناک جھاڑی تین مرتبہ ایک چلو سے“ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ہی چلو سے ناک میں تین مرتبہ پانی دے کر اسے جھاڑا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تین دفعہ میں ہر مرتبہ ایک ایک چلو سے ناک میں پانی دے کر اسے جھاڑا یعنی تین مرتبہ کے لئے تین ہی چلو بھی استعمال کئے۔

ان میں تطہیر اس طرح ہوگی کہ آپ ﷺ کا اعضاء وضو کو کبھی کبھی ایک مرتبہ دھونا بیان جواز کے لئے تھا یعنی اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ ایک ایک مرتبہ دھونا جائز ہے اور اس طرح وضو ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ادنیٰ درجہ ہے اور فرض بھی ایک ایک مرتبہ ہی دھونا ہے، اسی طرح دودو مرتبہ بھی بیان جواز کے لئے دھوتے تھے کہ اس طرح بھی وضو ہو جاتا ہے اور اکثر و بیشتر تین تین مرتبہ اس لئے دھوتے ہیں کہ یہ طہارت کا انتہائی درجہ ہے، لہذا اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے اور اس پر زیادتی کرنا منع ہے، بعض احادیث میں بعض اعضاء کو تین تین مرتبہ بعض اعضاء کو دودو مرتبہ اور بعض اعضاء کو ایک ایک مرتبہ بھی دھونا ثابت ہے چنانچہ یہ سب طریقے بھی بیان جواز کے لئے ہیں۔

بعض علماء کے نزدیک اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ دھونا گناہ ہے کیونکہ اس طرح سنت مشہورہ ترک ہوتی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جب خود احادیث سے ایک ایک مرتبہ دھونا ثابت ہے تو اسے گناہ کہنا مناسب نہیں ہے۔

آخر حدیث کے یہ الفاظ کہ ”تین تین مرتبہ وضو کیا“ یعنی اعضاء وضو کو تین بار دھویا۔ اس سے اظہار تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سر کا مسح بھی تین مرتبہ کیا ہو گا لیکن جن روایتوں میں اعضاء وضو کے دھونے کی تفصیل اور وضاحت کی گئی ہے جیسے کہ صحیحین کی روایتیں گزری ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سر کا مسح ایک ہی مرتبہ ہے۔

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَجَعْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِمَاءٍ بِالْقُرْبَى نَعَجِّلُ قَوْمٌ عِنْدَ الْقَصْرِ فَنَوْضِئُ وَأَوْهَمُ عَجَلًا فَإِنْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ وَأَغْقَابُهُمْ تَلُوحُ لَمْ يَمْسُحْهُا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَلَّ لَأَلَّا غَقَابَ مِنَ النَّارِ أَمْسِغُوا الْوُضُوءَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ سے مدینہ کو واپس لوٹنے میں ان کی ہاتھ دھو کر پانی پر پہنچے جو راستہ میں تھا تو کچھ لوگوں نے نماز عصر کے لئے وضو کرنے میں جلدی کی اور وہ لوگ بہت جلدی کرنے والے تھے، چنانچہ جب ہم ان لوگوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی اڑیاں چمک رہی تھیں (یعنی خشک رہ گئی تھیں کیونکہ) ان تک پانی نہیں پہنچا تھا (ان کی خشک اڑیوں کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ویل (خزائی) ہے اڑیوں کے لئے آگ سے اوضو کو پورا کرو۔“ (مسلم)

تشریح: آن حضرت ﷺ صحابہ کی جماعت کے ہمراہ مکہ کرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے واپس لوٹ رہے تھے درمیان سفر عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، راستہ میں ایک جگہ پانی کے قریب یہ قافلہ رک گیا، کچھ لوگ یہ سوچ کر کہ نماز عصر کا وقت ہو رہا ہے، وضو کرنے کے لئے پانی کی طرف لپکے چنانچہ وہ لوگ تیز چل کر اس جماعت سے جس میں خود آنحضرت ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ تھے آگے نکل گئے اور پانی پر پہلے پہنچ کر وقت کی تنگی کے سبب جلدی جلدی وضو کر لیا، جب آنحضرت ﷺ ان کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ جلدی کی وجہ سے ان کی پیر پوری طرح دھلے نہیں ہیں جس کی وجہ سے اڑیاں خشک رہ گئی ہیں، اسی بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اڑیوں کے لئے ویل (خزائی) ہے آگ سے۔

بعض علماء نے ”ویل“ کے معنی ”شدت عذاب“ لکھے ہیں۔

کچھ علماء کی تحقیق ہے کہ ”ویل“ دو رخ میں پیپ اور ہوکے ایک پیاز کا نام ہے۔

بعض محققین لکھتے ہیں کہ ”ویل“ ایک ایسا کلمہ ہے جسے رن رسیدہ شخص بولتا ہے اور اصل میں اس کی معنی ”ہلاکت اور عذاب“ کے ہیں۔

بہر حال ان تمام معانی کو مد نظر رکھتے ہوئے مناسب اور صحیح یہ ہے کہ اس لفظ کا مکمل اصل ہی کو قرار دیا جائے۔ یعنی اڑیوں کے لئے عظیم ہلاکت اور دردناک عذاب ہے ”خاص طور پر اڑیوں ہی کے لئے یہ وعید اس لئے ہے کہ وضو میں دھوئی نہیں گئی تھیں، جس کی بناء پر وہ خشک رہ گئی تھیں۔

گو! بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”یہاں ایڑیوں سے مراد ایڑیوں والے ہیں“ یعنی یہ وعید ان لوگوں کے لئے ہے جن کی ایڑیاں وضو میں خشک رہ گئی تھیں۔

آخر میں آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ”وضو کو پورا کرو“ یعنی وضو کے جو فرائض و سنن اور مستحبات و آداب ہیں ان سب کو پورا کرو اور سب کی ادائیگی کا خیال رکھو چنانچہ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ ”(اعضاء وضو کا کوئی حصہ) اگر ایک ناخن کے برابر بھی خشک رہ جائے گا تو وہ وضو درست نہیں ہوگا۔“

یہ حدیث اس بات کے لئے دلیل ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے کیونکہ اگر پاؤں دھونا فرض نہ ہوتا تو ایڑیوں کے خشک رہ جانے کی وجہ سے اتنی بڑی وعید نہ فرمائی جاتی، چنانچہ ہر دور کے تمام علماء، اور فقہاء کا یہی عقیدہ اور مسلک رہا ہے کہ وضو میں پیروں کا دھونا فرض ہے صرف مسح کافی نہیں ہے، اس مسئلہ میں کسی بھی ایسے عالم کا اختلاف جو لائق اعتبار اور قابل استناد ہو ثابت نہیں ہے، نیز صحابہ کرامؓ جو آنحضرت ﷺ کے وضو کی کیفیت و تفصیل بیان کرتے ہیں جیسے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ جنہیں حاکی یعنی آنحضرت ﷺ کے وضو کو بیان کرنے والا کہا جاتا ہے یا اسی طرح حضرت جابرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ وضو میں اگر موزہ پہنے ہوئے نہیں ہوتے تو پیر مبارک دھویا ہی کرتے تھے۔

پھر ایسی بے شمار احادیث جو مرتبہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں مقبول ہیں جن سے وضو میں پیروں کا دھونا ہی ثابت ہے اور اس کے ترک کرنے پر وعید بے شمار احادیث میں مذکور ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”صحابہؓ پاؤں پر مسح کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے (پیروں کو دھو کر) وضو کو پورا کرنے کا حکم فرمایا اور اس کے ترک پر وعید فرمائی چنانچہ صحابہؓ نے مسح چھوڑ دیا اور وہ منسوخ ہو گیا۔“

امام طحاویؒ، حضرت عبدالملک بن سلیمانؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء خراسانیؒ سے جو جلیل القدر تابعی ہیں، پوچھا کہ کیا آپ کو کوئی ایک روایت بھی ایسی ملی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ آنحضرت ﷺ کا کوئی بھی صحابی، اپنے پیروں پر مسح کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم! نہیں۔“

بہر حال اس سلسلہ میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ وضو میں پیر کے بارے میں جو حکم قرآن مجید میں مذکور ہے وہ محمل اور مشتبہ ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی سنت نے خواہ وہ قولی ہو یا فعلی اور جو حد شہرت و تواتر کو پہنچتی ہے اس کی تشریح اور وضاحت کر دی ہے کہ قرآن پاک میں اس حکم سے خدا کی مراد یہ ہے کہ وضو میں پاؤں کو دھونا چاہئے لہذا پاؤں کو دھونا ہی فرض ہے۔

جہاں تک شیعہ فرقہ کے مسلک و معمول کا تعلق ہے کہ وہ لوگ وضو میں پیروں پر مسح کرتے ہیں، اس بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ انتہائی گمراہی میں مبتلا ہیں اور آنحضرت ﷺ کی اتنی زیادہ تفصیل و تشریح اور اتنے کلمے ہونے حکم کے باوجود ان کا پیروں کا نہ دھونا انتہائی غلط اور غیر شرعی فعل ہے۔ واللہ اعلم۔

⑧ وَعَنِ الْمُعْتَمِرَةِ بِنِ شُعْبَةَ قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى الْخُفَيْنِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے وضو کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی پیشانی سے ہاتھوں کے اوپر پگڑی پر اور موزوں پر مسح کیا۔“ (مسلم)

تشریح: سر کے مسح کی مقدار میں علماء کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے، حضرت امام مسلمہ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شعبہ کے لڑکے ہیں آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور ابو موسیٰ ہے اپنے ہجرت سال پچاس ہجری میں انتقال فرمایا۔

شافعیؒ کے نزدیک سر کے کچھ حصہ کا مسح کافی ہے خواہ وہ تین بال ہی کیوں نہ ہوں، حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے، حضرت امام اعظمؒ کی دلیل یہی حدیث ناصیہ (ناصیہ سر کے آگے کی جانب چوتھائی حصہ کو کہتے ہیں) اسی بنا پر حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ دوسری شکلیں ہو سکتی ہیں، اول تو یہ کہ امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق مسح پورے سر کا فرض ہو، مگر یہ ظاہر ہے کہ پورے سر کا مسح اگر فرض ہوتا تو پھر آنحضرت ﷺ مسح ناصیہ پر ہی اکتفا نہ فرماتے، بلکہ اوائے فرض کے لئے پوری ہی سر کا مسح فرماتے، لہذا معلوم ہوا کہ پورے سر کا مسح تو فرض ہے نہیں، دوسری شکل یہ ہے کہ چوتھائی سر سے بھی کم پر مسح فرض ہو جیسا کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے، اس سلسلہ میں بھی یہی بات ہے کہ اگر چوتھائی سر سے کم پر بھی مسح فرض ہوتا تو آنحضرت ﷺ بیان جواز کے لئے اسے بھی اختیار فرماتے مگر یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے چوتھائی سر سے کم پر بھی مسح نہیں کیا ہے۔ لہذا اس سے بھی یہ بات ثابت ہو گئی کہ مسح چوتھائی سر کا ہی فرض ہے۔

پگڑی پر مسح کرنے کے معنی شارحین نے یہ لکھے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے چوتھائی سر کا مسح جو فرض ہے کر لیا تو تکمیل وضو اور ادائے سنت کے لئے (کہ تمام سر کا مسح کرنا سنت ہے) بجائے اس کے سر کے بقیہ حصہ پر مسح فرماتے، سر کے اوپر بندھی ہوئی پگڑی پر مسح کر لیا۔ بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پگڑی پر مسح کیا ہی نہ ہو بلکہ چوتھائی سر پر مسح کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنی پگڑی کو درست کیا ہو، راوی نے اس سے گمان کر لیا کہ آنحضرت ﷺ نے پگڑی پر بھی مسح کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس سلسلہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ بغیر سر کا مسح کیا ہوئے صرف پگڑی پر مسح کر لینا امام اعظمؒ، امام شافعیؒ امام مالکؒ تینوں کے نزدیک مطلقاً درست نہیں ہے مگر امام احمدؒ کے نزدیک اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ پگڑی طہارت کے بعد پہنی ہو اور پگڑی نے پورے سر کو ڈھانک لیا ہو جیسا کہ موزہ پر مسح کرنے کا مسئلہ ہے۔

(۹) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيْمُنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ فِي ظُهُورِهِ وَتَوَحُّلِهِ وَتَقَعُّلِهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سر کا ردو عالم ﷺ حتی الامکان اپنے تمام کاموں کو سیدھے ہاتھ سے شروع کرنا محبوب رکھتے تھے (مثلاً) اپنی طہارت میں، اپنا جو تپا پہننے میں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اچھے کاموں کو داہنے ہاتھ سے شروع کرنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے بارے میں اسے پسند فرماتے اور عزیز رکھتے تھے کہ جہاں تک اپنا بس چلے تمام کام داہنے ہاتھ سے انجام دیئے جائیں چنانچہ لفظ ما استطاع (حتی الامکان) سے اسی محافظت اور تاکید کی طرف اشارہ ہے۔

”طہارت“ دائیں طرف سے شروع کرنے کی یہ شکل تھی کہ وضو میں دایاں ہاتھ اور دایاں پہ پہلے دھوتے تھے اور بایاں ہاتھ و بایاں پیر بعد میں دھوتے تھے، اسی طرح نہانے کے وقت دائیں جانب پہلے دھوتے اور بائیں جانب بعد میں دھوتے تھے۔

بہر حال اس حدیث میں تین چیزیں ذکر کی گئی ہیں، جو مثال کے طور پر ہیں ورنہ تو ہر وہ چیز جو از قبیل بزرگی ہوتی تھی اسے آپ ﷺ دائیں ہاتھ سے شروع کرتے تھے، جیسے پڑے پہننا، ازار زیب تن کرنا، موزہ پہننا، مسجد میں داخل ہونا، مسواک کرنا، بیت الخلاء سے باہر آنا (یعنی بیت الخلاء سے پہلے دایاں پیر باہر نکالتے تھے، سرمہ لگانا، ناخون کتر وانا، بغل کے بال صاف کرنا، لب کے بال کتر وانا، سرمہ ڈالنا، زیر ناف بال صاف کرنا، مصالح کرنا، کھانا پینا اور کسی چیز کا لینا دینا وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح جو چیز از قبیل بزرگی نہیں ہیں ان کو بائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے، مثلاً بیت الخلاء (یعنی بیت الخلاء میں پہلے بایاں پیر رکھنا، بازار میں جانا، مسجد سے لگانا، ناک ٹھیک ٹھکانا، استنجاء کرنا اور کپڑے اور جوتے اتارنا یا ایسے ہی دوسرے کام، ان کاموں کو بائیں طرف سے شروع کرنے میں ایک لطیف اور پر حقیقت نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ ایسی چیزوں کی ابتداء بائیں طرف کرنے کی وجہ سے دائیں طرف کی تکریم و احترام کا مظاہرہ ہوتا ہے مثلاً جب کوئی شخص مسجد سے نکلے وقت پہلے بایاں قدم باہر نکالے گا تو دائیں قدم کی تکریم ہوئی یا اس طور کہ

دایاں قدم محترم جگہ میں باقی رہا۔ اسی پر دوسری چیزوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان کے ہمراہ جو دو فرشتے ہوتے ہیں ان میں سے دائیں ہاتھ کا فرشتہ دائیں طرف کی فضیلت و احترام کی بناء پر بائیں ہاتھ کے فرشتے پر شرف و فضیلت رکھتا ہے، نیز اسی نقطہ کے پیش نظر کہا جاتا ہے کہ دائیں طرف کا ہمسایہ بائیں طرف کے ہمسایہ پر مقدم ہے۔

الفصل الثانی

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَبِسْتُمْ وَإِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَأَبْدُوا بِأَيِّ يَدِكُمْ.

(رواہ احمد و ابو داؤد)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب تم لباس وغیرہ پہنو یا وضو کرو تو اپنے دائیں طرف سے شروع کو۔“ (احمد، ابو داؤد)

⑪ وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرْ سَمِ اللَّهِ عَلَيْهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَالدَّارِمِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ وَزَادَ فِي أَوَّلِهِ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَا وَضُوءَ لَهُ)

”اور حضرت سعید بن زیدؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس شخص نے (وضو کے وقت) اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا اس کا وضو نہیں ہوا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ) اور احمد و ابو داؤد نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہؓ سے اور دارمی نے ابو سعید خدریؓ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے، نیز ان لوگوں نے اپنی روایت کے شروع میں یہ الفاظ زائد کر کے کہ ”اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس نے وضو نہیں کیا۔“

تشریح: اس حدیث سے وضو کے ابتداء میں بسم اللہ کہنے کی فضیلت و اہمیت کا اظہار ہو رہا ہے، حدیث کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے ابتداء وضو میں اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا یعنی بسم اللہ نہیں کہی تو اس کا وضو درجہ تکمیل کو نہ پہنچا جس کی بنا پر اسے ثواب نہیں ملا۔ ویسے اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک ابتداء وضو میں بسم اللہ کہنا واجب ہے، مگر جمہور علماء کے نزدیک سنت یا مستحب ہے۔

ابتداء وضو میں علماء سلف سے یہ الفاظ کہنے منقول ہیں سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ بعض علماء نے کہا ہے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھنے کے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا افضل ہے اور مشہور یہ الفاظ ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَىٰ دِينِ الْاِسْلَام۔ روایت کے آخر میں ایک لفظ غلطی ہے، جو ہو سکتا ہے کہ کاتب وغیرہ کا سہو ہو یعنی آخر میں یہ الفاظ ذکر کئے گئے ہیں والداری عن ابی سعید الخدری عن ابیہ غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی دارمی نے اس حدیث کو حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے اور ابی سعید نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے۔

⑫ وَعَنْ لَقِيطِ بْنِ صَبْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي عَنِ الْوُضُوءِ قَالَ أَسْبَغَ الْوُضُوءَ وَخَلَّلَ بَيْنَ الْأَصَابِعِ وَبَالَغَ فِي الْأَسْتِشْقَاءِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ إِلَى قَوْلِهِ بَيْنَ الْأَصَابِعِ)

لہ (ام گرامی سعید بن زید اور کنیت ابو داؤد) آپ قریشی مدنی ہیں اور آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں آپ کا انتقال ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں بعمر ۷۰ سال بمقام شہیق ہوا۔

”اور حضرت لقیط بن مبرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! مجھے وضو کے بارے میں آگاہ فرمائیے“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم وضو کو پورا کرو، انگلیوں میں خلال کرو، اور اگر تمہارا روزہ نہ ہو تو ناک میں اچھی طرح پانی پہنچاؤ۔“ (ابوداؤد، دارمی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے اس حدیث کو بین الاضایع تک روایت کیا ہے)

تشریح: سوال کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ مجھے کمال وضو کا طریقہ بتادیجئے تاکہ اسے اختیار کر کے ثواب کا مستحق ہو سکوں اس کا جواب آپ ﷺ نے یہ دیا کہ وضو کو پورا کرو، یعنی مجھے جو فرائض اور سنن مستحب ہیں انہیں پورا اور ادا کرو۔ وضو میں انگلیوں کے درمیان خلال کرنا حضرت امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے مگر یہ حکم اس شکل میں ہے جبکہ انگلیاں خلقی اعتبار سے ایک دوسرے سے جدا اور کشادہ ہوں لیکن آپس میں اگر اس طرح ملی ہوں کہ آسانی اور سہ سے تکلف سے پانی اٹکے درمیان نہ پہنچا ہو تو پھر انگلیوں کے درمیان خلال کرنا واجب ہوگا۔

حقیقہ کے یہاں انگلیوں کے درمیان خلال کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی پٹلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر خلال کیا جائے۔ یہی طریقہ اولیٰ ہے۔

پاؤں کی انگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھنگلیاں سے کرنا چاہئے اس طرح کہ اسے دائیں پاؤں کی چھنگلیاں کے نیچے داخل کر کے خلال کرنا شروع کیا جائے، یہاں تک کہ بائیں پاؤں کی چھنگلیاں پر قسم کیا جائے۔

ناک میں پانی دینے کی حد یہ ہے کہ پانی نرمہ ناک تک پہنچایا جائے اور اس میں مبالغہ جو حدیث کا منشا ہے یہ ہے کہ پانی اس سے بھی آگے گزر جائے، مگر جیسا کہ خود حدیث نے وضاحت کر دی ہے کہ یہ مبالغہ یعنی نرمہ ناک سے بھی آگے پانی پہنچانا اس وقت ہے جب کہ وضو کرنے والا روزہ دار نہ ہو، اگر وضو کرنے والا روزہ دار ہو تو پھر اس کے لئے یہ مبالغہ مکروہ ہے۔

اس موقع پر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک وضو میں سنت ہے اور غسل میں فرض مگر امام شافعیؒ کے نزدیک غسل اور وضو میں یہ دونوں چیزیں سنت ہیں۔

(۱۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ أَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرَجْلَيْكَ - (رواہ الترمذی و زوی ابن ماجہ فحیث غریب)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم نے ارشاد فرمایا ”جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں اور اپنے پیروں کی انگلیوں کے درمیان خلال کرو۔“ (ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔) تشریح: ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان خلال تو ہاتھوں کو دھونے کے بعد کرنا چاہئے اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال پاؤں کو دھونے کے بعد کرنا چاہئے، یہی طریقہ افضل اور اولیٰ ہے۔

(۱۴) وَعَنِ الْمُسْتَوْرِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ يَذُلُّكَ أَصَابِعَ وَجْهِهِ بِخَنْصَرِهِ - (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت مستور بن شدادؓ راوی ہیں کہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کو دیکھا ہے آپ ﷺ وضو فرماتے تو اپنے پاؤں کی انگلیوں کو (بائیں ہاتھ کی) چھنگلیاں سے ملتے (یعنی پاؤں کی انگلیوں کے درمیان بائیں ہاتھ کی چھنگلیاں سے خلال فرماتے۔) (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: لفظ ”یذُلُّكَ“ کا مطلب یہ ہے کہ ”آپ (بائیں ہاتھ کی) چھنگلیاں سے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال کرتے تھے۔“ جتنا چہ اس کی

۱۔ حضرت مستور رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہاد کے بیٹے اور فہری قریشی ہیں اور آپ صحابی ہیں۔

تشریح: یہاں راوی کا مقصد یہ تھا کہ کلی کرنے اور تاک میں پانی دینے کی کیفیت بیان کرے اس لئے انہوں نے صرف اسی قدر بیان کیا، باقی وضو چونکہ معلوم تھا اس لئے اسے بیان نہیں کیا۔

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَمَضِّضٌ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفِّهِ وَاحِدَ فَعَلٍ ذَلِكَ ثَلَاثًا۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت عبد اللہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور تاک میں پانی دیا اور تین مرتبہ اسی طرح کیا۔“ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ میں دو احتمال ہیں یعنی اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور تاک میں پانی دیا اور اس طرح تین مرتبہ کیا یا یہ کہ تین چلو سے تین مرتبہ کلی کی اور پھر تین چلو سے تین مرتبہ تاک میں پانی دیا۔ دوسرے معنی زیادہ مناسب اور اکثر روایات کے مطابق ہیں۔

ان کے علاوہ ایک تیسرا احتمال اور بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ نے ایک ہی چلو سے تین مرتبہ کلی کی اور تاک میں پانی بھی دیا، دوسرا چلو نہیں لیا۔ یہی تمام احتمالات اس سے پہلے گزرنے والی حدیث میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأَذْنَيْهِ بِأَطْنَمَتَيْهَا بِالسَّابِقَيْنِ وَظَاهِرُهُمَا بِإِثْمَانِيَّةٍ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا اور کانوں کے اندر کا مسح اپنی شہادت کی انگلیوں سے اور اوپر کا انگوٹھوں سے کیا۔“ (نسائی)

(۲۱) وَعَنْ الرَّبِيعِ بْنِ مَعُوذٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ قَالَتْ فَمَسَحَ رَأْسَهُ مَا أَقْبَلَ مِنْهُ وَمَا أَدْبَرَ وَضَدَّغِيهِ وَأَذْنَيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ تَوَضَّأَ فَأَدْخَلَ إصْبَعَيْهِ فِي جُحْرِي أَذْنَيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد و زوی الترمذی)

”اور حضرت ربیع بن معوذؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو وضو کرتے دیکھا چنانچہ فرمائی ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے سر کے اگلے حصہ پر، پچھلے حصہ پر، کپٹیوں پر اور کانوں پر ایک مرتبہ مسح کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے وضو کیا چنانچہ (مسح کے لئے) اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں کے سوراخوں میں داخل کیا۔“ (ابوداؤد و ترمذی نے پہلی حدیث کو اور ابن ماجہ نے دوسری حدیث کو روایت کیا ہے۔)

تشریح: لفظ ضدغیہ اور اذنیہ لفظ راسہ پر عطف ہیں اسے عطف خاص علیٰ عام کہتے ہیں یعنی سر کے پانی کے ساتھ مسح کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب آپ ﷺ نے ہاتھ پر پانی لے کر سر کا مسح کیا تو اسی پانی سے کپٹیوں اور کانوں پر بھی مسح کر لیا ان دونوں کے مسح کے لئے علیحدہ سے پانی نہیں لیا، چنانچہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک یہی ہے۔

صدغ کان اور آگھ کے درمیان حصہ کو کہتے ہیں اردو میں کپٹی کہا جاتا ہے، نیز جو بال اس جگہ پر لگے رہتے ہیں اسے بھی صدغ کہتے ہیں۔ (قاموس) اور (ابن مالکؒ) نے کہا ہے کہ صدغ ان بالوں کو کہتے ہیں جو سر کے دونوں طرف کان اور ناصیہ (پیشانی کے بال) کے درمیان ہوتے ہیں، یہی معنی حنفی مسلک کے مطابق اور مناسب ہیں۔

شرح السنہ میں منقول ہے کہ علماء کے یہاں مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تین مرتبہ مسح کرنا سنت ہے یا نہیں؟ چنانچہ اکثر علماء یہ کہتے ہیں

نہ ام گری ریح ہے معوذکی لڑکی ہیں، آپ طبل القدر صحابہ ہیں اور الصدیق ہیں آپ بیعت رضوان میں بھی شامل تھیں۔

کہ مسیح ایک ہی مرتبہ کرنا چاہئے، یہی مسلک حضرت امام اعظمؒ، امام احمدؒ، امام مالکؒ کا ہے۔ امام شافعیؒ کے مذہب میں یہ مشہور ہے کہ تین مرتبہ مسیح اس طرح کرنا کہ ہر مرتبہ نیاپانی لیا جائے سنت ہے، چنانچہ اکثر علماء کا یہی خیال ہے مگر خود امام شافعیؒ تین مرتبہ مسیح کرنے کو مستحب کہتے ہیں، امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ سے جو احادیث مروی ہیں وہ سب صحیح ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسیح ایک ہی مرتبہ کرنا چاہئے۔

شعنیؒ کہتے ہیں کہ ہر دفعہ نئے پانی کے ساتھ تین مرتبہ کرنا بدعت ہے مگر ہدایہ میں لکھا ہے کہ ایک ہی پانی سے تین مرتبہ مسیح کرنا مشروع ہے اور یہ امام اسلمؒ سے ہی منقول ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَأَنَّهُ مَسَّحَ رَأْسَهُ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلٍ يَدَيْهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ مَعَ زَوَائِدِ)

”اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے سر کا مسح اس پانی سے کیا جو ہاتھوں کا بچا ہوا نہ تھا (یعنی نیاپانی لے کر مسح کیا)۔ (ترمذی، مسلم اور مسلم نے اس روایت کو زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جس میں دیگر اعضاء وضو کے دھونے کا بھی ذکر ہے۔)

تشریح: فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مثلاً ایک شخص نے وضو کے وقت ہاتھ دھویا اور ہاتھ دھونے کے بعد جو تری اس کے ہاتھوں میں باقی رہ گئی تھی تو اس سے سر کا مسح کر لیا تو مسح ہو جائے، اور اگر کسی عضو پر مسح کرنے کے بعد اس کے ہاتھوں میں تری رہ گئی تو اس سے سر کا مسح کیا تو یہ درست نہیں ہوگا۔ اس سلسلہ میں حضرت ابن مسعودؓ کی ایک حدیث بھی نقل کی جاتی ہے، نیز اس مذکورہ حدیث کو بھی ابن ہبیبہ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے جس میں بماء غیر فضل یدہ کے بجائے یہ الفاظ ہیں بماء غیر من فضل یدہ یعنی لفظ غیر ہا کے ساتھ غیر ہے جس کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ اس پانی کے ساتھ مسح کیا جو ہاتھ دھونے کے بعد ہاتھوں میں باقی رہ گیا تھا، یعنی مسح کے لئے از سر نو پانی نہیں لیا بلکہ پورے ہاتھ دھونے کے بعد جو تری ہاتھوں میں رہ گئی تھی اس سے مسح کر لیا۔ اس طرح حدیث کے معنی بالکل برعکس ہو گئے کیونکہ اس حدیث کے الفاظ سے جو یہاں نقل کی گئی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سر کا مسح ہاتھوں کے بچے ہوئے پانی سے نہیں کیا بلکہ نیاپانی لے کر کیا لیکن مذکورہ بالا شکل میں صرف ایک نقطہ کے تغیر سے معنی بالکل برعکس ہو گئے۔ مگر جہاں تک سوال کی تحقیق کا ہے تو بات یہی ہے کہ حدیث یہ صحیح ہے جو یہاں نقل کی گئی ہے، لہذا اولیٰ یہ ہو اگر مسح کے لئے نیاپانی لیا جائے اور یہ بھی جائز ہو کہ ہاتھ کے باقی بچے ہوئے پانی سے مسح کیا جاسکتا ہے۔

(۲۳) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ ذَكَرَ وَضُوءَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ يَمْسَحُ الْمَافِقَيْنِ وَقَالَ الْأَذْنَانِ مِنَ الرَّأْسِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَذَكَرَ أَقَالَ حَمَّادٌ لَا أَذْرِي الْأَذْنَانِ مِنَ الرَّأْسِ مِنْ قَوْلِ أَبِي أُمَامَةَ أَمْ مِنْ قَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

”اور حضرت ابوامامہؓ نے سرکارِ دو عالم کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ”آپ ﷺ آنکھ کے کونوں کو بھی ملا کرتے تھے اور کہا کہ دونوں کان بھی سر میں داخل ہیں“ (ابی داؤد، ترمذی) اور ابو داؤد و ترمذی نے ذکر کیا ہے کہ حدیث یہ نہیں جانتا کہ اذنان من الرأس (یعنی دونوں کان سر میں داخل ہیں) ابوامامہؓ کا اپنا قول ہے یا آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔“

تشریح: ”ماق“ ہا کی طرف کے گوشہ کو کہتے ہیں (قاموس) اور جوہریؒ نے لکھا ہے کہ ”ماق“ دونوں طرف کے گوشہ چشم کو کہتے ہیں، لہذا اولیٰ یہی ہے کہ دونوں طرف کے گوشہ چشم (کونوں) کو منہ دھوتے وقت ملنا مستحب ہے تاکہ آنکھ کے اندر کا میل کچل جو گوشہ چشم میں جمع ہو جاتا ہے، ملنے سے نکل جائے اور آنکھیں صاف ہو جائیں۔

روایت کے اس جز الاذن من الرا اس (دونوں کان سر میں داخل ہیں) سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ کانوں کا مسح بھی سر کے مسح کے ساتھ کرنا چاہئے، دوسرے یہ کہ سر کے مسح کے لئے جو پانی لیا ہے اسی پانی سے کانوں کا مسح بھی کر لیا جائے کانوں کا مسح کے لئے الگ سے پانی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ پہلے حکم پر تو چاروں ائمہ متفق ہیں، دوسرے حکم میں کچھ اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ تینوں کا مسلک یہ ہے کہ کانوں کا مسح سر کے مسح کے بچے ہوئے پانی سے ہی کر لینا چاہئے، اس کے لئے الگ سے پانی لینے کی ضرورت نہیں ہے، اس مسلک کی تائید بھی کثیر احادیث سے ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ کانوں کا مسح نئے پانی سے کرنا چاہئے یعنی سر کے مسح کے بچے ہوئے پانی سے کانوں کا مسح کرنا کافی نہ ہوگا، چنانچہ ایک حدیث بھی اس سلسلہ میں منقول ہے جو امام شافعیؒ کے مسلک کی تائید کرتی ہے۔

بہر حال یہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ اکثر و بیشتر سر اور کانوں کا مسح ایک ہی پانی سے کرتے ہوں گے، مگر ایسی شکل میں جب کہ ہاتھ میں تری پانی نہ رہتی ہوگی کبھی کبھی کانوں کا مسح کے لئے لیتے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

(۲۳) وَعَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ جَاءَ أَغْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهُ عَنِ الْوُضُوءِ فَأَرَاهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ هَكَذَا الْوُضُوءُ فَمَنْ زَادَ عَلَى هَذَا فَقَدْ آسَأَ وَتَعَدَّى وَظَلَمَ۔

(رواہ النسائی وابن ماجہ وروی ابو داؤد معناد)

”اور حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ”ایک دیہاتی آنحضرتؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپؐ سے وضو کی کیفیت پوچھی چنانچہ آپؐ نے اس کے اعضاء وضو کو تین مرتبہ دھو کر دکھایا اور فرمایا کہ (کامل) وضو اس طرح ہے لہذا جس نے اس پر زیادہ کیا (یعنی تین مرتبہ سے زیادہ دھویا) اس نے برا کیا، تعدی کی اور ظلم کیا۔“ (نسائی وابن ماجہ) اور ابو داؤد نے بھی اسی مطلب کی حدیث روایت کی ہے۔

تشریح: آپؐ نے سائل کے جواب میں اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھو کر دکھایا اور اسے بتا دیا کہ اگر تم کامل وضو چاہتے ہو اور اس پر ثواب کے قسمی ہو تو پھر وضو اسی طرح کرو۔ اس پر زیادتی کرنا یعنی اعضاء وضو کو تین مرتبہ سے زیادہ دھونا وضو کرنے والے کے حق میں کوئی مفید بات نہیں ہوگی بلکہ نقصان دہ ہوگی چنانچہ آپؐ نے ایسے شخص کے بارے میں تین الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

① برا کیا۔ اس لئے کہ اس نے سنت کو ترک کیا۔

② تعدی کی۔ یعنی زیادتی کر کے حدود سنت سے تجاوز کیا۔

③ ظلم کیا۔ یعنی آنحضرتؐ کے طریقہ اور سنت کے خلاف عمل کر کے اپنے نفس پر ظلم کیا۔

(۲۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُغَفَّلِ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ رَسُولِ اللَّهِ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْقَصْرَ الْأَيْمَنَ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ آتَى بَنِي سُلَيْمٍ الْجَنَّةَ وَتَعَوَّذَ بِهِ مِنَ النَّارِ فَأَتَى مَسْجِدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُ سَيَكُونُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَتَعَذَّلُونَ فِي الظُّهُورِ وَالْأَعْيَانِ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت عبد اللہ بن المغفلؒ کہ بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔ ”اے اللہ میں تجھ سے جنت کی دائیں طرف سفید عمل مانگتا ہوں“ تو انہوں نے کہا ”اے میرے بیٹے اُم خدا سے جنت مانگو اور (دور کی) آگ سے پناہ چاہو۔“ میں نے سرکارِ دو عالمؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”عقرب اس امت میں اے لوگ پیدا ہوں گے جو طہارت اور دعائیں غلو کریں گے۔“

(احمد، ابن ماجہ ابو داؤد)

تشریح: صاحبزادہ کو عبداللہ بن مغفل کی شبیہ کا مقصد یہ تھے کہ تم جس طرح اور جن قیود کے ساتھ دعا مانگ رہے ہو یہ غلط اور شانِ عبودیت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ایک طرف اگر تم کو کام پہلو ہے تو دوسری طرف بہشت میں ایک مخصوص صفت کی طلب یا کسی مخصوص جگہ کا تعین ایک لایعنی اور نامناسب چیز ہے۔ ہاں۔ دعا کا طریقہ یہ ہے کہ تم خدا سے صرف بہشت مانگو اور دوزخ کی آگ سے پناہ چاہو۔ اب آگے خدا کا کام ہوگا کہ وہ جنت میں اپنے فضل و کرم سے تمہیں مراتب و درجات کی جس بلندی پر چاہے گا پہنچائے گا۔

حد سے تجاوز اور غیر مطلوب زیادتی ہر چیز میں ناپسندیدہ اور غیر مناسب ہو، خواہ وہ چیز شریعت کا مطلوب ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، اور لسانِ نبوت سے پیشگوئی کی جا رہی ہے کہ اس امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خدا کے رسول کے بتائے ہوئے راستہ سے الگ ہو کر اور حدودِ شریعت سے تجاوز کر کے طہارت اور دعاء میں زیادتی کریں گے۔

”طہارت میں زیادتی“ یہ ہے کہ اعضاء وضو کو مستنون طریقہ سے قطع نظر تین مرتبہ سے زیادہ دھویا جائے، پانی ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے یا اعضاء وضو کو دھونے میں اتنا مالغہ ہو کہ وہ وہم و دوسواں کی حد تک پہنچ جائے۔

”دعائیں زیادتی“ یہ ہے کہ دعا اس انداز اور اس طریقہ سے مانگی جائے جس سے بے ادبی کا اظہار ہوتا ہو اور وہ شانِ عبودیت کے خلاف ہو، یا دعائیں غیر ضروری و نامناسب قیود لگائی جائیں یا ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے جو انسانی اعتبار سے احاطہ امکان سے خارج اور عادتہ محال ہوں۔“

(۲۶) وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ لِلْوَضُوءِ شَيْطَانًا يَقَالُ لَكَ الْوَلَهَانُ فَاتَّقُوا وَسْوَاسَ الْمَاءِ زَوَاةَ التَّزْمِذِي وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التَّزْمِذِي هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَيْسَ اسْتِزَادَةُ بِالْقَوِي عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ لِأَنَّا لَا نَعْلَمُ أَحَدًا اسْتِزَادَ غَيْرَ خَارِجَةٍ وَهُوَ لَيْسَ بِالْقَوِي عِنْدَ أَصْحَابِنَا۔

”اور حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”وضو کا ایک شیطان ہے جسے ”ولہان“ کہا جاتا ہے لہذا پانی کے وسوسہ سے بچو“ (ترمذی)، ابن ماجہ اور ابام ترذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور محدثین کے نزدیک اس کی اسناد قوی نہیں ہے اس لئے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ خارجہ (ایک عالم) کے علاوہ کسی نے اس کی سند بیان کی ہو اور وہ (خارجہ) ہمارے محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔“

تشریح: ”ولہان“ کے معنی ہیں عقل کا جاتے رہنا اور متحیر ہونا۔ یہ نام اس شیطان کا اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کر کے انہیں متحیر اور بے عقل کر دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وضو کرنے والا اس کے چکر میں پھنس کر وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ جب وضو کرتا ہے تو یہ وسوسے اس کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ نامعلوم فلاں عضو پھٹیک سے پانی پہنچا ہے یا نہیں؟ فلاں عضو کو ایک مرتبہ دھویا ہے یا دو مرتبہ؟

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”پانی کے وسوسہ سے بچو“ یعنی وضو کے وقت پانی استعمال کرنے میں جب اس قسم کے وسوسے اور وہم پیدا ہوں تو انہیں قائم نہ رہنے دو بلکہ انہیں اپنے دل سے باہر نکال پھینکو تاکہ حدودِ شریعت سے تجاوز نہ کر سکو، کیونکہ اس شیطان کا مقصد تو یہی ہوتا ہے کہ وضو کرنے والا ان وسوسوں اور ادہام میں مبتلا ہو کر اعضاء وضو کو تین مرتبہ سے بھی زیادہ دھو ڈھلے یا ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کئے جس کی بنا پر وہ مستنون طریقہ سے ہٹ جائے۔

(۲۷) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهُ بِظَرْفِ ثَوْبِهِ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرماتے ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو اپنے کپڑے کے کونے سے اپنے منہ پونچتے۔“ (ترمذی)

تشریح: جب آپ وضو سے فارغ ہو جاتے تو پانی خشک کرنے کے لئے اپنے کپڑے یعنی چادر وغیرہ کے کونے سے اپنا منہ پونچھ لیتے تھے۔ زیلعیؒ نے شرح کنز میں لکھا ہے کہ وضو کے بعد رومال سے (پانی) خشک کر لینا جائز ہے چنانچہ جیسا کہ حضرت عثمان، حضرت انس، اور حسن ابی علیؓ کے بارے میں بھی یہی منقول ہے اور اس کے بعد آنے والی حدیث بھی اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے، صاحب منہ نے وضو کے بعد اعضاء وضو کو پونچھا مستحب لکھا ہے۔

حنفی مسلک کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ وضو کے بعد پانی کو خشک کرنے کے لئے اعضاء وضو کو کسی کپڑے یا رومال اور تولیہ وغیرہ سے پونچھنا اگر ازراہ تکبر و غرور ہو تو مکروہ ہے اور غرور و تکبر کی بنا پر نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے مذہب میں نہ تو وضو کرنے والے کے لئے اور نہ غسل کرنے والے کے لئے کپڑے سے پانی کو خشک کرنا سنت ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب وضو فرما چکے تو اتم المؤمنین حضرت یسوعؑ ایک رومال لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تاکہ آپ ﷺ اس سے بھیکے ہوئے اعضاء پونچھ لیں مگر آپ ﷺ نے اسے واپس کر دیا اور اعضاء وضو پر تلکے ہوئے پانی کو ہاتھ کے ذریعہ نپکانے لگے۔

اس کا جواب علماء حنفیہ کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے اعضاء وضو کو رومال سے پونچھنے سے اس لئے انکار نہیں کیا تھا کہ یہ چیز مناسب نہیں تھی بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی خاص عذر کی بنا پر آپ ﷺ نے رومال واپس فرما دیا ہو۔

(۲۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِزْفَةٌ يَنْشِفُ بِهَا أَعْضَاءَهُ بَعْدَ الْوُضُوءِ زَوْافَ التَّوَمِذِيِّ وَقَالَ هَذَا اخِذِيْنْتُ لَيْسَ بِالْقَائِمِ وَأَبُو مُعَاذٍ الرَّادِيُّ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ۔

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے وضو کے بعد اپنے بھیکے ہوئے اعضاء پونچھا کرتے تھے“ (ترمذی) اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے اور اس کے ایک راوی، ابو معاذ مخدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔

تشریح: نہ یہ کہ حضرت امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے بلکہ یہ بھی کہا ہے کہ وضو کے بعد بھیکے ہوئے اعضاء کو کپڑے سے پونچھنے کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے کوئی صحیح حدیث منقول نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کے صحابہؓ کی ایک جماعت اور تابعین نے وضو کے بعد اعضاء کو پونچھ لینے کی اجازت دی ہے اور ان کی یہ اجازت بھی آنحضرت ﷺ کے کسی قول و فعل سے مستنبط نہیں ہے بلکہ یہ خود ان لوگوں کی اپنی رائے ہے، چنانچہ سید جمال الدین شافعیؒ نے اس مضمون کو نقل کیا ہے۔

اس کا جواب علماء حنفیہ یہ دیتے ہیں کہ آپ لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ جواز ان صحابہؓ وغیرہ کی ذاتی رائے ہے غلط ہے، بلکہ اس کے برعکس آپ کا یہ قول خود آپ کے ذہن کی پیداوار ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

کیونکہ صحابہؓ مثلاً حضرت عثمان، حضرت انس اور حضرت حسن بن علیؓ کی جلالت شان اور اتباع نبوی ﷺ کے جذبہ صادق کے پیش نظر اس کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہی معاملات میں کوئی بھی چیز ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہو سکتی ہے لہذا ان کا فعل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ضرور ہے۔

اس کے علاوہ اس کلیہ کو بھی ذہن میں رکھ لینا چاہئے کہ حدیث پر عمل کرنا خواہ وہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے نسبت اس کے کہ کسی رائے پر عمل کیا جائے، خواہ رائے ہی مضبوط اور قوی کیوں نہ ہو۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۲۹) وَعَنْ ثَابِتِ ابْنِ أَبِي صَفِيَّةٍ قَالَ قُلْتُ لَأَبِي جَعْفَرٍ هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حَذَّافٍ حَدَّثَكَ جَابِرُ بْنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَا سَأَلَهُ مَرْثَةً مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَثَلَاثًا ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ثابت بن ابی صفیہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفر صادق کے والد سے جن کا نام محمد باقرؑ ہے کہا کہ آپ سے جابرؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ نے (کبھی) ایک ایک مرتبہ (کبھی) دو دو مرتبہ اور (کبھی) تین تین مرتبہ وضو کیا: انہوں نے فرمایا ہاں۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: محمد شین کی عادت ہے کہ جب شاگرد اپنے شیخ (استاد) سے کوئی حدیث سنتا ہے تو وہ پوچھتا ہے کہ حَدَّثَكَ فَلَانٌ عَنْ فَلَانٍ (اس طرح شاگرد اپنی سند کے سلسلہ کو آنحضرت ﷺ تک پہنچاتا ہے اور استاد خاموش اس سلسلہ سند کو سنتا رہتا ہے) یعنی کیا آپ سے یہ حدیث فلاں نے اور فلاں سے فلاں نے (یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ سے فلاں نے) سنی ہے اس کے جواب میں شیخ کہتا ہے کہ نعم! (یعنی ہاں) گویا روایت حدیث کا یہ ایک طریقہ ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ استاد اپنے شاگرد کے سامنے جب کہتا ہے کہ حدیثی فلاں (یعنی مجھے) سے یہ حدیث بیان کی فلاں نے اور فلاں سے فلاں نے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ سے فلاں نے سنی ہے) تو شاگرد بیٹھا سنتا رہتا ہے۔

بہر حال۔ اسی طرح سے حضرت عثمان بن ابی صفیہؓ نے اپنے استاد حضرت امام محمد باقرؑ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا کہ حَدَّثَكَ جَابِرُ الْخ یعنی کیا یہ حدیث آپ سے حضرت جابرؓ نے بیان کی ہے۔ اس کے جواب میں محمد باقرؑ نے اقرار کیا کہ ہاں مجھے سے جابرؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

(۳۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَقَالَ تَوَضَّأَ عَلَى نُورٍ۔

”اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ راوی ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ نے دو، دو مرتبہ وضو فرمایا (یعنی اعضاء وضو کو دو، دو بار دھویا) اور پھر فرمایا کہ ”یہ نور کے اوپر نور ہے۔“

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا تو ایکسے فرض اداء ہوا اور وہ ایک نور ہوا، پھر اس کے بعد جب دوسری مرتبہ دھویا تو سنت اداء ہوئی اور چونکہ یہ بھی نور ہے اس لئے نور کے اوپر نور ہوا۔

(۳۱) وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَقَالَ هَذَا وَضُوءُنِي وَوَضُوءُ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي وَوَضُوءُ الْإِبْرَاهِيمَ زَوَاهِمَا زَيْنِ وَالتَّوْبَةُ ضَعْفُ الثَّانِي لِي شَرْحُ مُسْلِمٍ۔

”اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے تین تین مرتبہ وضو کیا اور پھر فرمایا کہ ”یہ میرا اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کا وضو ہے اور حضرت ابراہیمؑ کا وضو ہے“ (یہ دونوں حدیثیں رزین نے روایت کی ہیں اور امام نوویؒ نے شرح مسلم میں دوسری حدیث کو ضعیف کہا ہے۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ نے تمام انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد پھر حضرت ابراہیمؑ کا جو ذکر کیا ہے اسے تخصیص بعد تعمیم کہتے ہیں، یعنی انبیاء کا عمومی طور پر ذکر کرنے کے بعد پھر بطور خاص حضرت ابراہیمؑ کے اسم گرامی کا ذکر کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ طہارت اور نظافت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔

(۳۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ وَكَانَ أَحَدُنَا يَكْفِيهِ الْوَضُوءُ مَالَهُ يُخْبِتُ۔ (رواہ الدارمی)

سہ حضرت ثابت بن ابی صفیہؓ تابعی ہیں، آپ کی کنیت ابو حمزہ تھی۔ ۱۳۸ھ میں انتقال ہوا ہے۔

ع حضرت امام محمد باقرؑ حضرت امام زین العابدینؑ کے صاحبزادے ہیں ۵۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی تھی، آپ کا انتقال ۱۱۸ھ بمقام مدینہ منورہ ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہیں۔

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ہر (فرض) نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے اور ہم کو ایک وضو اس وقت تک کافی ہوتا تھا جب تک کہ وضو نہ لوٹتا تھا۔“ (دارقطنی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے لئے ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا پہلے واجب تھا مگر بعد میں وجوب کا یہ حکم منسوخ ہو گیا، جب کہ اس کے بعد آنے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کچھ علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اولیٰ اور عزیمت سمجھ کر ہر نماز کے لئے تازہ وضو فرماتے تھے۔

(۳۳) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانٍ قَالَ قُلْتُ لِعَبِيدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو زَأَيْتَ وَضُوءَ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ لِكُلِّ صَلَاةٍ ظَاهِرًا كَانَ أَوْ غَيْرَ ظَاهِرٍ عَمَّنْ أَخَذَهُ فَقَالَ حَدَّثَنِي أَسْمَاءُ بِنْتُ زَيْدٍ ابْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ حَنْظَلَةَ بْنَ أَبِي عَامِرٍ الْغَسِيلِيَّ حَدَّثَهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَمْرًا بِالْوُضُوءِ لِكُلِّ صَلَاةٍ ظَاهِرًا كَانَ أَوْ غَيْرَ ظَاهِرٍ فَلَمَّا شَقَّ ذَلِكَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِالسُّوَالِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَوَضِعَ عَنْهُ الْوُضُوءُ إِلَّا مَنْ حَدَّثَ قَالَ فَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ يَرَى أَنَّ بِهِ قُوَّةً عَلَى ذَلِكَ فَفَعَلَهُ حَتَّى مَاتَ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت محمد بن یحییٰ بن حبان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبِ زادے حضرت عبید اللہ سے کہا کہ مجھے یہ بتائیے کہ کیا حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے خواہ وہ با وضو ہوں یا بے وضو اور انہوں نے یہ عمل کس سے حاصل کیا تھا؟ حضرت عبید اللہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حضرت اسماء بنت زید بن خطابؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ ابی عامر الغسلی نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو ہر نماز کا وضو کرنے کے لئے حکم دیا گیا تھا خواہ آپ ﷺ با وضو ہوں یا بے وضو جب آپ کے لئے یہ مشکل ہوا تو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیا گیا اور وضو کو سو قوف کیا گیا (یعنی ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا واجب نہ رہا، جب تک وضو لوٹ نہ جائے) حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ خیال تھا کہ مجھ میں ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کی قوت ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی پر موت کے وقت تک عمل کیا۔“ (احمد)

تشریح: لفظ غسیل کے معنی ہیں ”نہلایا گیا“ یہ حضرت حنظلہ کی صفت ہے، حضرت حنظلہ کو غسیل اس لئے کہا جاتا ہے کہ انتقال کے بعد انہیں فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عروہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حنظلہ کی اہلیہ محترمہ سے پوچھا کہ ان کا کیا حال تھا؟ (یعنی جب وہ گھر سے نکلے تو کیا کام کر رہے تھے) انہوں نے جواب دیا کہ وہ حالتِ ناپاکی میں تھے اور (نہانے کے وقت) اپنے سر کا ایک ہی حصہ دھوپائے تھے کہ اتنے میں انہوں نے صداسنی (کہ جہاد کے لئے بلایا جا رہا ہے، چنانچہ وہ اسی حالت میں گھر سے باہر نکل کھڑے ہوئے اور غزوہٴ احد میں) جامِ شہادت نوش فرمایا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”میں نے دیکھا کہ فرشتے انہیں نہلا رہے تھے۔“ (بخاری)

بہر حال طبعی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسواک بہت زیادہ فضیلت اور بزرگی رکھتی ہے کہ جب ہی تو اسے واجب وضو کا قائم مقام قرار دیا گیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ہر نماز کے لئے تازہ وضو اس لئے کرتے تھے کہ انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اگرچہ اس کا وجوب منسوخ ہو گیا ہے مگر اس شخص کے لئے جو اس پر عمل کی طاقت و قوت رکھتا ہے اس کی فضیلت باقی ہے اس لئے انہوں نے جب یہ دیکھا کہ میرے اندر اتنی قوت و ہمت ہے کہ میں اس عمل کو بخوبی پورا کر سکتا ہوں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس فضیلت و سعادت سے محروم ہوں، چنانچہ انہوں نے اسے اپنا معمول بنالیا کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو فرماتے اور جب تک موت کی آغوش نے انہیں اپنے اندر چھپانے لیا وہ اس معمول پر قائم و دائم رہے۔

(۳۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَابْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا هَذَا الشَّرَفُ يَا سَعْدُ قَالَ أَيْ الْوَضُوءَ سَرَفٌ قَالَ نَعَمْ وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهْرٍ جَارٍ - (رواه احمد وابن ماجہ)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمر و ابن العاصؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ کا گزر حضرت سعدؓ پر ہوا جب کہ وہ وضو کر رہے تھے (اور وضو میں اسراف بھی کر رہے تھے) آپ ﷺ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا ”اے سعد! یہ کیا اسراف (زیادتی ہے)؟“ حضرت سعدؓ نے عرض کیا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں! اگرچہ تم نہر جاری ہی پر (کیوں نہ وضو کر رہے ہو)۔“

(احمد، ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر تنبیہ کر رہی ہے کہ وضو و غسل میں پانی ضرورت سے زیادہ خرچ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اسراف ہے اور اسراف شریعت کی نگاہ میں کوئی محبوب چیز نہیں ہے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت سعدؓ کو دیکھا کہ وضو میں پانی زیادہ خرچ کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے انہیں تنبیہ فرمائی اس پر حضرت سعدؓ کو بڑا تعجب ہوا کہ پانی کوئی نایاب اور کم یاب چیز تو ہے نہیں پھر اس میں اسراف کے کیا معنی؟ اسی بنا پر انہوں نے سوال بھی کیا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسراف تو اسے بھی کہیں گے کہ تم نہر جاری پر بیٹھ کر وضو کرو اور وہاں پانی زیادہ خرچ کرو جب کہ نہر یادیا وغیرہ سے کتنا بھی پانی خرچ کر دیا جائے اس میں کوئی کمی واقعی نہیں ہو سکتی۔ اس جملہ کی تشریح علماء یہ کرتے ہیں کہ نہر جاری پر اسراف اس لئے ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص حدود شریعت سے تجاوز کر کے ضرورت شرعی سے زیادہ پانی خرچ کرتا ہے تو اس میں عمر اور وقت یوں ہی ضائع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اسراف ہے۔

علامہ طہی نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ اس سے اس بات میں مبالغہ منظور ہے کہ جس چیز میں اسراف متصور نہیں ہے جب اس میں بھی اسراف ہو سکتا ہے تو پھر ان چیزوں کا کیا حال ہو گا جس میں اسراف واقعہ ہوتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ وضو اور غسل وغیرہ میں ضرورت شرعی سے زیادہ پانی خرچ کرنا اسراف میں شامل ہے اور یہ چیز مناسب نہیں ہے۔

(۳۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ فَإِنَّهُ يُظَهِّرُ جَسَدَهُ كُلَّهُ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ لَمْ يُظَهِّرْ - (مَوْضِعُ الْوَضُوءِ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عمرؓ سرکارِ دو عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے وضو کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لیا (یعنی پوری بسم اللہ پڑھ کر وضو شروع کیا) تو اس نے اپنا تمام بدن (گناہوں سے) پاک کیا اور جس نے وضو کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا تو اس نے صرف اعضاء وضو کو پاک کیا۔“

تشریح: اس حدیث میں وضو میں بسم اللہ کہنے کی فضیلت کا اظہار ہو رہا ہے کہ جو شخص بسم اللہ کہہ کر وضو شروع کرتا ہے اس کا تمام بدن گناہ صغیرہ کی غلاظتوں سے پاک ہو جاتا ہے اور جس شخص نے بغیر بسم اللہ کہہ ہوئے وضو کیا تو اس کے اسی اعضاء سے گناہ صغیرہ دور ہوتے ہیں جنہیں وضو میں دھویا گیا ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ وضو میں بسم اللہ کہنا سنت یا تحب ہے واجب نہیں ہے۔

(۳۵) وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ وَضُوءَ الصَّلَاةِ حَرَّكَ خَاتَمَهُ فِي إِصْبَعِهِ وَهُمَا الذَّارِقَتَانِ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ الْأَخِيرَ -

”اور حضرت ابو رافعؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب نماز کے لئے وضو فرماتے تو اپنی انگلی کی انگوٹھی کو بھی گھما پھرا لیتے۔ (ان دونوں حدیثوں کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے صرف دوسری حدیث نقل کی ہے)۔“

تشریح: اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر گھوٹھی ڈھلی ہو اور اس بات کا گمان ہو کہ وضو کے وقت پانی انگوٹھی کے نیچے انگلی تک پہنچ جاتا ہے تو اس صورت میں انگوٹھی کو ہلایا نہ گھوٹھی ہوگا، ہاں اگر انگوٹھی تنگ ہو اور یہ یقین ہو کہ انگوٹھی کو ہلانے بغیر اس کے نیچے پانی نہیں پہنچے گا تو پھر انگوٹھی کو ہلایا واجب ہو گا تاکہ پانی اس کے نیچے انگلی تک پہنچ جائے۔

بَابُ الْغُسْلِ نہانے کا بیان

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ بَيْنَ شُعْبَيْهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَّدَ هَافَقْدَ وَجَبَ الْغُسْلُ وَإِنْ لَمْ يَنْزِلْ - (متن علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ پھر کوشش کرے (یعنی جماع کرے) تو اس پر غسل واجب ہو گیا، اگرچہ منی نہ نکلے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”عورت کی چار شاخوں“ سے مراد اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر ہیں، یا اس سے مراد عورت کے دونوں پیر اور فرج (شرم گاہ) کی طرفین ہیں۔ یہ جملہ عورت کے پاس جماع کے لئے جانے اور صحبت کرنے کی یلغ تعبیر ہے، چونکہ آنحضرت ﷺ شرم و حیا کے انتہائی بلند مقام پر تھے، اس لئے آپ ﷺ نے صورتِ مسکد کی وضاحت کے لئے الفاظ کے کنایا کا سہارا لیا ہے (کلمے طور پر آپ ﷺ نے اس کی تشریح نہیں فرمائی ہے۔

بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عورت کے پاس جماع کے لئے گیا اور اس نے جماع کیا تو محض حشفہ داخل کرنے سے اس پر غسل واجب ہو جائے گا، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ خلفائے راشدین اور اکثر صحابہ کرامؓ نیز چاروں اماموں کا یہی مسلک ہے۔

غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

② وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ وَوَاهُ مُسْلِمٌ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُجِئِي الشُّبَّةِ رَحِمَهُ اللَّهُ هَذَا مَنَسُوخٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ فِي الْإِحْتِلَامِ وَوَاهُ الْيَزِيدِيُّ وَلَمْ أَجِدْهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ -

”اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”پانی پانی سے ہے“ (یعنی منی نکلنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے) (مسلم) اور امام محی السنہ کہتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے اور ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ ”پانی پانی سے ہے“ کا حکم احتلام کے لئے ہے۔ (ترمذی) اور مجھے یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ملی ہے۔“

تشریح: اس ارشاد کے اسلوب پر بھی غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک طرف تو احکام شریعت کی تعلیم کی ذمہ داری ہے اور دوسری طرف آپ ﷺ شرم و حیا کے انتہائی بلند مقام پر فائز ہیں اس لئے آپ ﷺ ایسا اسلوب اختیار فرماتے ہیں کہ مسئلہ کی وضاحت بھی ہو جائے اور شرم و حیا کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے، چنانچہ آپ ﷺ نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو کنایہ مسئلہ کی وضاحت کر رہے ہیں۔

بہر حال اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انزال نہ ہو یعنی منی نہ نکلے غسل واجب نہیں ہوتا مگر ابھی اس سے پہلے جو حدیث گزری ہے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ غسل محض دخول حشفہ سے واجب ہو جائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو، اس طرح ان دونوں

حدیثوں میں تعارض پیدا ہو گیا ہے۔

چنانچہ اسی تعارض کو دفع کرنے کے لئے حضرت امام محی السنۃ کا یہ قول مصنف مشکوٰۃ نقل فرما رہے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ یعنی یہ حضرت ابی بن کعبؓ کی اس روایت سے منسوخ قرار دیا گیا ہے جس میں منقول ہے کہ یہ آسانی ابتداء اسلام میں تھی (کہ جب تک انزال نہ ہو غسل واجب نہیں ہوتا تھا) پھر بعد میں اس حکم کو منسوخ قرار دیا گیا۔

حضرت امام ترمذیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اسی طرح بہت سے صحابہؓ کے یہ اقوال منقول ہیں کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر بعد میں اسے منسوخ قرار دے کر یہ حکم نافذ کیا گیا کہ جب مرد کا ذکر عورت کی شرم گاہ میں داخل ہو اور ختنین مل جائیں تو غسل واجب ہو جائے گا، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

لیکن حضرت ابن عباسؓ اس حدیث کی ایک دوسری توجیہ بیان فرما رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم احتلام کے بارے میں ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ محض خواب دیکھنے سے غسل واجب نہیں ہو بلکہ سوکر اٹھنے کے بعد اگر کپڑے وغیرہ پر منی کی تری دیکھی جائے تو غسل واجب ہو جائے گا۔ گویا حضرت ابن عباسؓ کی اس توجیہ کے پیش نظر اس حدیث کو منسوخ ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن حقیقی بات یہ ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے یعنی اس حکم کا تعلق احتلام سے بھی تھا اور غیر احتلام سے بھی، مگر یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

③ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَتْ أُمُّ سَلِيمٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلِ إِذَا اخْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ إِذَا زَأَبَتِ الْمَاءَ فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ فَإِنْ نَعَمْ فَرَيْتَ يَبْنَوكَ فَبِمَ يُشَبِّهُهَا وَلَدَهَا مُتَّقٍ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ بِرِوَايَةِ أُمِّ سَلِيمٍ أَنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِيظٌ أَيْضًا وَمَاءَ الْمَرْأَةِ رَقِيْقٌ أَصْفَرُ فَمِنْ أَيْهَمَا عَلَا أَوْ سَبَقَ يَكُونُ مِنْهُ الشُّبُهَةُ۔

”اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ام سلیمؓ نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ، خدا کے تعالیٰ حق کے معاملہ میں حیا نہیں کرتا (لہذا یہ بتائیے کہ) کیا عورت پر غسل واجب ہے جب کہ اس کو احتلام ہو۔ (یعنی خواب میں جماعت دیکھے) آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں! جب کہ وہ پانی (منی) کو دیکھے“ یہ سن کر ام سلمہؓ نے اپنا منہ (شرم کی وجہ سے) ڈھانک لیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ (یعنی کیا مرد کی طرح عورت کے بھی منی ہوتی ہے اور نکلتی ہے؟) آپ نے فرمایا ”ہاں! خاک آلودہ ہو تیرا داہنا ہاتھ (اگر ایسا نہ ہوتا تو) پھر اس کا بچہ اس کے مشابہ کیونکر ہو سکتا تھا۔“ اور امام مسلمؒ نے ام سلیمؓ کی روایت میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ (آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا، مرد کی منی گاڑھی سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی پتلی زرد ہوتی ہے لہذا ان میں سے جو منی غالب ہو یا سبقت کرے تو (بچہ کی) مشابہت اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔“

تشریح: چونکہ مسئلہ ذرنازک اور عرفا خلافت شرم و حیا تھا اس لئے ام سلیمؓ نے پہلے تمہید کے طور پر کہا کہ اللہ تعالیٰ حق کے معاملہ میں حیا نہیں کرتا، یعنی خدا نے اس سے منع کیا ہے کہ حق بات پوچھنے میں شرم و حیا کیا جائے، پھر اس کے بعد انہوں نے اصل مسئلہ دریافت کیا۔ آپ ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ محض جماعت کا خواب دیکھ لینے سے ہی غسل واجب نہیں ہو جاتا جب تک انزال نہ ہو یا صبح اٹھنے کے بعد اس کی کوئی علامت نہ پائے یعنی سوکر اٹھنے کے بعد اگر کپڑے یا بدن پر منی لگی ہوئی دیکھی جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے ہمارے نزدیک یہی حکم مذہبی کا بھی ہے یعنی اگر سوکر اٹھنے کے بعد کپڑے یا بدن پر منی دیکھی جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

”خاک آلودہ ہو تیرا داہنا ہاتھ“ یہ شد فقر سے کنایہ ہے گویا یہ ایک قسم کی بدعا ہے۔ لیکن اس کا استعمال حقیقی معنی میں نہیں بلکہ ایک ایسا جملہ ہے جو اہل عرب کبھی ہاں تعجب کے وقت بولتے ہیں، اس طرح اس جملہ کے معنی یہ ہوں گے کہ ”ام سلمہؓ ایڑے تعجب کی بات ہے

کہ تم ایسی بات کہہ رہی ہو؟ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتیں کہ اگر عورت کے منی نہ ہوتی تو پھر اکثر بچے جو اپنی ماں کے مشابہ ہوتے ہیں وہ کس طرح ہوتے؟ مرد کی منی کی طرح عورت کی بھی منی ہوتی ہے اور پھر دونوں کی منی سے بچہ کی تخلیق ہوتی ہے۔

آپ ﷺ نے منی کے جو رنگ بیان کئے ہیں وہ اکثر کے اعتبار سے ہے، یعنی اکثر اور تندرست و صحت مند عورت کی منی کے رنگ ایسے ہوتے ہیں، کیونکہ بعض مردوں کی منی کسی مرض کی بنا پر تلی یا کثرت مباشرت کی وجہ سے سرخ ہوتی ہے، اس طرح بعض عورتوں کی منی قوت و طاقت کی زیادتی کی وجہ سے سفید بھی ہوتی ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ مباشرت کے وقت اگر مرد اور عورت دونوں کی منی ساتھ ہی گر کر رحم مادہ میں پہنچے تو دونوں میں سے جس کی منی بھی غالب ہوگی یا ان دونوں میں سے جس کی منی سبقت کرے گی یعنی ایک دوسرے سے پہلے گر کر رحم مادر میں پہنچے گی بچہ اسی کے مشابہ ہوگا۔

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَفَسَلَ يَدِيهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ يَذْخُلُ أَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ فَيَحْلِلُ بِهَا أَضْوَلَ شَعْرَهُ ثُمَّ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ غُرَاقَاتٍ يَبِيدُهُ ثُمَّ يَفِيضُ الْمَاءَ عَلَى جِلْدِهِ كُلِّهِ مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَهَا إِلَّا نَاءً ثُمَّ يَفْرُغُ يَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَيَغْسِلُ فَرَجَهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ۔

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب غسل جنابت (یعنی ناپاکی کو دور کرنے کے لئے غسل) کا ارادہ فرماتے تو (غسل) اس طرح شروع فرماتے کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھ (پہنچوں تک) دھوئے پھر وضو کرتے جس طرح نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے پھر انگلیاں (تر ہونے کے لئے) پانی میں ڈالتے پھر انہیں نکال کر ان (انگلیوں کی تری) سے اپنے بالوں کی جڑوں میں خلال فرماتے پھر دونوں ہاتھوں سے تین چلو پانی لے کر سر پر ڈالتے اور پھر اپنے تمام بدن پر پانی میراتے۔ (بخاری و مسلم اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب آپ ﷺ غسل شروع کرتے تو اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر اپنی شرم گاہ کو دھوئے اور اس کے بعد وضو کرتے۔“

تشریح: حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ ﷺ کے غسل کے طریقہ کو بتا رہی ہیں کہ جب آپ ناپاکی کو دور کرنے کے لئے غسل فرماتے تو اس کا طریقہ کیا ہوتا تھا؟ چنانچہ آپ فرما رہی ہیں کہ جب آپ ﷺ غسل شروع کرتے تو سب سے پہلے پہنچوں تک اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوئے تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ اسی طرح وضو فرماتے جیسے کہ نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے، یعنی اگر آپ کسی ایسی جگہ غسل فرماتے کہ جہاں پاؤں رکھنے کی جگہ پانی جمع نہیں ہوتا مثلاً کسی تخت یا پتھر پر کھڑے ہو کر نہاتے تو وہ پورا وضو فرماتے اور اگر کسی ایسی جگہ نہاتے جہاں کوئی گڑھا وغیرہ ہوتا کہ اس کی وجہ سے پاؤں کے پاس پانی جمع رہتا تھا تو اس شکل میں آپ ﷺ وضو کے وقت پاؤں نہیں دھوئے بلکہ غسل سے فراغت کے بعد اس جگہ سے ہٹ کر پیر دھوئے تھے۔ جیسا کہ اس کے بعد آنے والی حدیث سے وضاحت ہو رہی ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں بھی لکھا ہے کہ اسی طرح کرنا چاہئے یعنی اگر غسل کے وقت پاؤں رکھنے کی جگہ پانی جمع نہ ہوتا ہو تو وضو مکمل کرنا چاہئے اور اگر پاؤں کے پاس پانی جمع ہوتا ہو تو پھر اس وقت پاؤں نہ دھوئے جائیں بلکہ غسل سے فارغ ہو کر وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ پر پیر دھوئے جائیں۔ اس جگہ نکتہ کے طور پر یہ بھی سن لیجئے کہ طبرانیؒ کی روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو کبھی احتلام نہیں ہوا اور نہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو احتلام ہوا تھا۔

⑤ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُونَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ وَصَبَّ عَلَى يَدَيْهِ فَفَسَلَهُمَا (ثُمَّ صَبَّ يَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَفَسَلَ فَرَجَهُ فَضَرَبَ يَدَهُ الْأَرْضَ فَمَسَحَ بِهَا ثُمَّ غَسَلَ فَمَضْمَضَ، اسْتَنْشَقَ، غَسَا، وَحَقَّ ذَا أَعْيَنَهُ ثُمَّ صَبَّ عَلَيْهِ، أَسْفَهُ أَفْأَصَهُ، غَلَّ جَسَدَهُ ثُمَّ تَخَذَ فَفَسَلَ

قَدَمِيهَ فَنَاقَوْا لَهَا تَوْبًا فَلَمْ يَأْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ - (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ)

”اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ نے فرمایا کہ ”میں نے سرکارِ دو عالمؐ کے لئے غسل کے واسطے پانی رکھا اور کپڑا ڈال کر پردہ کیا، چنانچہ آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر انہیں دھویا۔ پھر آپؐ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور شرم گاہ کو دھویا۔ پھر اپنا بایاں ہاتھ جس سے شرم گاہ کو دھویا تھا، زمین پر گرزا اور اسے دھویا، پھر گل کی تاک میں پانی ڈالا اور چہرہ و ہاتھوں کو (کہنیوں تک) دھویا، پھر اپنے سر پر پانی ڈالا اور تمام بدن پر بہایا پھر جہاں آپؐ نے غسل فرمایا تھا اس جگہ سے ہٹ کر اپنے پاؤں دھوئے۔ اس کے بعد میں نے (بدن پونچھنے کے لئے) کپڑا دیا، لیکن آپؐ نے کپڑا نہیں لیا اور پھر ہاتھ جھٹکتے ہوئے وہاں سے چلے۔“ (بخاری و مسلم الفاظ بخاری کے ہیں)

تشریح: اس حدیث سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ اگر غسل ایسی جگہ کیا جائے جہاں پاؤں رکھنے کی جگہ پانی جمع ہوتا ہو تو وضو کے وقت میں پاؤں نہ دھوئے جائیں بلکہ غسل کے بعد وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ پاؤں دھولے جائیں چنانچہ آپؐ نے غسل کے بعد وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ پر اس لئے دھوئے تھے کہ غسل کے وقت وضو میں آپؐ نے پاؤں نہیں دھوئے تھے کیونکہ آپؐ نے غسل کسی پتھر، تخت یا بلند جگہ پر نہیں کیا ہو گیا جس کی وجہ سے پیروں میں پانی جمع ہوتا ہوگا۔

غسل کے بعد جب حضرت میمونہؓ نے بدن پونچھنے کے لئے کپڑا پیش کیا تو آپؐ نے لینے سے انکار فرمادیا اس کے کئی احتمال علماء نے لکھے ہیں چنانچہ ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے کپڑا لینے سے اس لئے انکار فرمادیا ہو کہ غسل وغیرہ کے بعد بدن کو نہ پونچھنا ہی افضل تھا یا چونکہ آپؐ کسی جلدی میں جارہے ہوں گے، اس لئے یہ سوچ کر کہ کپڑے سے بدن پونچھنے میں دیر ہوگی کپڑا نہیں لیا۔ یا یہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت گرمی کا موسم تھا اس لئے نہانے کے بعد پانی کی تری چونکہ اچھی اور بھلی معلوم ہو رہی تھی، اس لئے آپؐ نے پانی کو بدن سے پونچھنا پسند نہ فرمایا ہو، یا پھر یہ وجہ رہی ہوگی کہ اس کپڑے میں گندگی وغیرہ لگنے کا شبہ ہوگا اس لئے آپؐ نے اسے واپس فرمادیا۔

بہر حال جو بھی صورت حال رہی ہو مگر کپڑے کو واپس کرنا کسی عذر اور سبب ہی کی بنا پر تھا۔ لہذا اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط نہیں کیا جاسکتا کہ غسل وغیرہ کے بعد بدن پر لگے ہوئے پانی کو نہ پونچھنا ہی سنت ہے یا یہ کہ پونچھنا مکروہ ہے۔ ”ہاتھ جھٹکتے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عام طور پر طاقور اور صحت مند و توانا لوگ چلتے ہوئے ہاتھ ہلاتے چلتے ہیں اسی طرح آپؐ بھی اپنے ہاتھوں کو ہلاتے ہوئے تشریف لے گئے۔

① وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ ثُمَّ قَالَ خُذِي فِرْصَةً مِنْ مَنَسِلٍ فَتَطْهَرِي بِهَا قَالَتْ كَيْفَ انْظَهُرُ بِهَا فَقَالَ تَطْهَرِي بِهَا قَالَتْ كَيْفَ انْظَهُرُ بِهَا قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ تَطْهَرِي بِهَا فَاجْتَذِبْهَا إِلَى فَقُلْتُ تَبْتَغِي بِهَا آتَرَ الدَّمَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ (ایک دن) ایک انصاری عورت نے سرکارِ دو عالمؐ سے اپنے غسل حیض کے بارے میں پوچھا، چنانچہ آپؐ نے اسے غسل کا حکم دیا کہ کس طرح غسل کیا جائے۔“ (یعنی پہلی حدیثوں میں غسل کی جو کیفیت گزری ہے آپؐ نے وہ بیان فرمائی، اور پھر فرمایا کہ مشک میں (بھگوئے ہوئے کپڑے) کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے پاکی حاصل کرو، اس نے کہا کہ اس سے کس طرح پاکی حاصل کروں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ”تم اس سے پاکی حاصل کرو۔“ اس نے پھر پوچھا کہ اس سے کس طرح پاکی حاصل کروں؟ آپؐ نے فرمایا ”سبحان اللہ (یعنی اللہ پاک ہے)۔ تم اس سے پاکی حاصل کرو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (آنحضرتؐ کے انہیں

ام المؤمنین حضرت میمونہؓ حارث مالہ عامریہ کی بیٹی اور نبی کریمؐ کی زوجہ محترمہ ہیں آپ کا اشتغال بمقام سرفالاہ یا دوسرے قول کے مطابق ۵۵ھ میں ہوا

الفاظ کو بار بار سن کر میں نے اس عورت کو اپنی جانب کھینچ لیا اور اس سے کہا کہ ”تم اس کپڑے کو خون کی جگہ (یعنی شرم گاہ پر) رکھ لو۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: اس قسم کے مسائل جہاں آرہے ہیں۔ وہاں آپ ﷺ حدیث کا اسلوب دیکھ رہے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ایسے مسائل کو کس انداز سے بیان فرماتے ہیں، بات وہی ہے کہ ایک طرف تو مسائل شرعیہ کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی ذمہ داری آپ ﷺ کے کاندھوں پر ہے جس میں شرم و حیا کی وجہ سے کسی انفعال کی گنجائش نہیں ہے دوسری طرف آپ ﷺ کی شرم و حیا کے وہ فطری تقاضے ہیں جو خلاف ادب و تہذیب جلوں کی ادائیگی میں حائل ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ ان مسائل کے بیان میں ایسی راہ اختیار کرتے ہیں جو شرم و حیا کے دائرے سے سرورِ تجاوز نہیں ہوتی اور مسائل کی وضاحت بھی حتی الامکان ہو جاتی ہے۔

اب آپ ہمیں دیکھئے کہ ایک سائلہ عورتوں کے مسئلہ کی وضاحت چاہتی ہے، آپ ﷺ اسے جواب دیتے ہیں اور پھر اس سلسلے میں نظامت و لطافت کے ایک خاص طریقہ کی طرف اس کی راہنمائی فرمانا چاہتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ اشاروں اشاروں میں اسے سمجھا رہے ہیں، سائلہ زیادہ سمجھ کا ثبوت نہیں دیتی ہے، آپ ﷺ دوبارہ اپنے جملوں کو دہراتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائے مگر وہ مزید وضاحت چاہتی ہے تو آپ پھر انتہائی تعجب سے فرماتے ہیں کہ ”سبحان اللہ! تم اس سے پاکی حاصل کرو۔“ یعنی تعجب کی بات ہے کہ تم اتنے سیدھے سادھے اور ظاہر مسئلہ کو نہیں سمجھ پا رہی ہو۔ یہ کوئی ایسا باریک مسئلہ نہیں ہے، کوئی خاص نکتہ نہیں ہے جسے سمجھنے میں اعلیٰ غور و فکر کی ضرورت ہو“ حضرت عائشہ اس وقت ذکاوت و ذہانت کا بہترین ثبوت دیتی ہیں، انہوں نے تاڑ لیا کہ ادھر تو عورت آنحضور ﷺ کے مقصد اور مطلب تک پہنچ نہیں پا رہی ہے۔ ادھر آپ ﷺ کی شرم و حیا اس سے آگے بڑھ کر مزید وضاحت کی اجازت نہیں دیئے جا رہی ہے، چنانچہ آپ اس عورت کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں اور پھر اسے آنحضرت ﷺ کا مقصد وضاحت کے ساتھ سمجھاتی ہیں۔“

حدیث کے الفاظ حذیٰ فِرْصَةً مِنْ مَسْئَلٍ فَتُظْهِرُنِیْ میں لفظ مسک میم کے زیر کے ساتھ ہے جس کے معنی ”مسک“ کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مسک کا ایک بڑا ٹکڑا یا مسک میں بھگے ہوئے یا رنگے ہوئے کپڑے کا ایک ٹکڑا لے کر اعلیٰ سے پائی حاصل کرو۔ ایک روایت میں میم کے زیر کے ساتھ بھی آیا ہے جس کے معنی چمڑے کے ہیں۔ لیکن روایت کے مطابق اور موقع کی مناسبت سے میم کے زیر کے ساتھ یعنی مسک کے معنی زیادہ بہتر اور اولیٰ ہیں۔

اس مسئلہ میں فقہاء لکھتے ہیں کہ عورت کے لئے (ایام حیض میں) یہ مستحب ہے کہ وہ مشک کا ایک ٹکڑا یا مشک میں رنگ کر مہطر کے ہونے کے کپڑے کا ایک ٹکڑا لے کر شرعاً گاہ پر رکھ لے تاکہ خون کی بدبو جاتی رہے۔

④ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أَشَدُّ حَفَرًا وَأَسْفَى أَفَانَقُضُهُ لِعُغْسِلَ الْجَنَابَةَ فَقَالَ لَا إِنَّمَا يَكْفِيكَ أَنْ تَحْشِيَ عَلَى رَأْسِكَ ثَلَاثَ حَبِيبَاتٍ ثُمَّ تَغْتَبِضِينَ عَلَيْكَ الْمَاءَ فَتُطَهِّرِينَ - (رواه مسلم)

”حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ”میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! انیس ایک عورت ہوں اپنے سر کے بال بہت مضبوط گوندھتی ہوں، کیا محبت کے بعد نہانے کے واسطے انیس کھولا کروں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا انیس! ”بالوں کو کھولنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تجھیں بالی کافی ہے کہ تین اپنیس بانی لے کر اپنے سر پر ڈال لیا کرو اور پھر سارے بدن پر مانی بہا لیا کرو، پاک ہو جاؤ گی۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کے سلسلے میں صحیح قول یہ ہے کہ حدیث کا مذکور بالا حکم صرف عورتوں کے لئے ہے چنانچہ غسل کے وقت اگر بال گندھے ہوئے ہوں اور سر پر پانی اس طرح ڈالا جائے کہ بالوں کی جڑیں بھیگ جائیں تو یہ کافی ہے، بالوں کو کھولنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر یہ جانے کے بالوں کو کھولے بغیر جڑیں نہیں بھیگیں گی تو پھر اس صورت میں بالوں کو کھولنا ضروری ہو گیا۔ مردوں کو ہر صورت میں بال کھول لئے جائیں۔

⑧ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِالْمَاءِ وَيَغْتَسِلُ بِالضَّاعِ إِلَى خُمُسَةِ أَهْدَادٍ (تقريباً)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ایک مد (پانی) سے وضو فرماتے اور ایک صاع سے پانچ مد تک (پانی) سے غسل فرماتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مذکور ایک پیمانے کا نام ہے جس میں تقریباً ایک سیر اناج آتا ہے اور صاع بھی ایک پیمانہ کا نام ہے جس میں تقریباً چار مد یعنی چار سیر کے قریب اناج آتا ہے۔ یہاں مد اور صاع سے پیمانہ مراد نہیں ہے بلکہ وزن مراد ہے، یعنی آنحضرت ﷺ تقریباً ایک سیر پانی سے وضو فرماتے تھے اور چار سیر اور زیادہ سے زیادہ پانچ سیر پانی غسل پر صرف فرماتے تھے، لہذا مناسب یہ ہے کہ تقریباً ایک سیر پانی سے وضو اور تقریباً چار سیر پانی سے غسل کیا جائے لیکن اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ وضو اور غسل کے لئے پانی کی یہ مقدار اور وزن واجب کے درجہ میں نہیں ہے لیکن یہ سنت ہے کہ وضو اور غسل کے لئے پانی اس مقدار سے کم نہ ہو۔

آپ ﷺ کے وضو کے پانی کی مقدار بعض روایتوں میں دو تہائی مد اور بعض روایتوں میں دھامد بھی منقول ہے لہذا اس حدیث متفق علیہ کا عمل یہ قرار دیا جائے گا کہ آپ اکثراً بیشتر ایک ہی مد سے وضو فرماتے تھے مگر کبھی کبھی اس سے کم مقدار پانی میں بھی وضو فرماتے تھے، جیسا کہ ان بعض روایتوں میں منقول ہے۔

⑨ وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاجِدٍ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فَيَبْأِزْنِي حَتَّى أَقُولَ دَع لِي دَع لِي قَالَتْ وَهُمَا جُنُبَانِ - (متن علیہ)

”اور حضرت معاذہؓ کہتی ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی تھیں کہ ”میں اور سرکارِ دو عالم ﷺ ایک ہی برتن جو دونوں کے درمیان رکھا رہتا تھا، نہاتے تھے اور آپ ﷺ (پانی لینے میں) مجھ سے جلدی کرتے تھے تو میں کہا کرتی تھی ”میرے لئے تو پانی چھوڑ دے، میرے لئے بھی تو پانی رہنے دیجئے۔“ حضرت معاذہؓ فرماتی ہیں کہ وہ دونوں (یعنی آنحضرت ﷺ اور حضرت عائشہؓ) جنبی (یعنی ناپاکی) کی حالت میں ہوتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جس برتن سے آپؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ مشترکہ طور پر غسل فرماتے تھے وہ ایک طشت کی قسم سے تھا جس میں تین صاع تقریباً بارہ سیر پانی سماتا تھا، غسل کے وقت یہ دونوں اس میں ہاتھ ڈال ڈال کر پانی نکالتے اور اس سے نہاتے، حدیث کے الفاظ ”آپ ﷺ (پانی لینے میں) جلدی کرتے تھے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ”آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے نہانے سے پہلے تھوڑے سے پانی سے نہا لیتے تھے اور بقیہ پانی چھوڑ دیتے تھے، جس سے حضرت عائشہؓ نہاتی تھیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پانی کا برتن دونوں کے درمیان رکھا رہتا تھا اور دونوں اکٹھے اس سے نہاتے تھے۔ حدیث کے آخری جملہ ”وہ دونوں حالت ناپاکی میں ہوتے تھے کہ تحت ابن مالکؓ نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس پانی میں جنبی ہاتھ ڈالے وہ پانی طاہر و مطہر ہے جنبی خواہ مرد ہو یا عورت۔“

امام ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء کا یہ قول ہے کہ اگر محدث (بے وضو) جنبی (جس پر غسل واجب ہو) اور حائض (حیض والی عورت) کے ہاتھ پاک ہوں اور وہ برتن میں چلو بھرنے کے لئے ہاتھ ڈالیں تو پانی مستعمل (یعنی ناقابل استعمال) نہیں ہوتا۔ کیوں کہ برتن سے پانی نکالنے کے لئے وہ اس طریقے کے محتاج ہیں۔ چنانچہ امام موصوفؒ اپنے اس قول کی دلیل میں یہی حدیث پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ ”اس کے برخلاف اگر جنبی پانی کے برتن میں اپنا پاؤں یا سر ڈالے تو پھر پانی ناقابل استعمال ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں اسے کوئی مجبوری نہیں ہے اور نہ اسی طریقہ کی ضرورت ہے۔“

الفصل الثانی

⑩ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَبَّلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَّلَ وَلَا يَذْكُرُ اخْتِلَافًا قَالَ يَغْتَسِلُ

وَعَنِ الرَّجُلِ يَرَى أَنَّهُ قَدْ احْتَلَمَ وَلَا يَجِدُ بَلَدًا قَالَ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ قَالَتْ أُمُّ سَلِيمٍ هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ تَرَى ذَلِكَ غُسْلٌ قَالَ نَعَمْ إِنَّ النِّسَاءَ شَفَاقُ الرِّجَالِ - (رواه الترمذی وروى الدارمی وابن ماجہ إلى قوله لَا غُسْلَ عَلَيْهِ)

”حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو (سوکر اٹھنے کے بعد کپڑے پر منی کی تری محسوس کرے اور خواب (احلام) اسے یاد نہ ہو؟ آپ نے فرمایا کہ ”نہانا چاہئے“ اور ایسے شخص کے بارے میں بھی پوچھا گیا جسے (سوکر اٹھنے کے بعد) احلام تو یاد ہو مگر تری معلوم نہیں ہوتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس پر غسل واجب نہیں“ ام سلمہؓ نے پوچھا اگر عورت بھی یہ (تری) دیکھے تو اس پر غسل واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ عورتیں بھی مردوں ہی کی مثل ہیں۔“ (ترمذی ابو داؤد اور دارمی و ابن ماجہ نے اس حدیث کو ”لا غسل علیہ“ اس پر غسل واجب نہیں تک نقل کیا ہے۔)

تشریح: سوال یہ تھا کہ مثلاً ایک شخص ہے وہ سوکر اٹھا اس نے کپڑے پر یا بدن پر منی یا ندی لگی ہوئی ہے مگر اسے کوئی ایسا خواب یاد نہیں ہے کہ اس نے نیند میں کسی سے مباشرت کی ہو جس کی وجہ سے یہ احلام ہوا ہے تو کیا ایسے شخص پر غسل واجب ہو گا یا نہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اسے نہانا چاہئے لگایا اس کا مطلب یہ ہوا کہ غسل کے وجوب کا دارِ مردِ منی یا ندی کی تری پر ہے خواب کے یاد رہنے نہ رہنے پر نہیں ہے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ پیدائش اور طہائے کے اعتبار سے عورتیں چونکہ مردوں ہی کی مانند ہیں اس لئے مرد کی طرح اگر عورت بھی جائگے کے بعد اپنے کپڑے اور بدن پر تری محسوس کرے تو اس پر بھی غسل واجب ہو گا۔ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ محض تری دیکھ لینے سے غسل واجب ہو جاتا ہے اگرچہ اس بات کا یقین نہ ہو کہ منی کو ذکر نکلی ہے چنانچہ تابعین کی ایک جماعت اور امام ابو حنیفہؒ سے یہی منقول ہے۔

اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ غسل اس وقت تک واجب نہیں ہو گا کہ جب تک یہ جانے کہ منی کو ذکر نکلی ہے، اگر یہ جانے کہ منی کو ذکر نکلی ہے تو غسل واجب ہو جائے گا ورنہ بصورت دیگر غسل واجب تو نہ ہو گا مگر احتیاطاً غسل کر لیا متحب ہو گا۔

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ مرد و عورت ایک ہی بستر پر اکٹھے سوئے، جب وہ سوکر اٹھے تو انہوں نے بستر پر منی کی تری محسوس کی۔ لیکن ان دونوں میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں کہ یہ کس کی منی کی تری ہے تو اس صورت میں دونوں میں سے کس پر غسل واجب ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شکل میں یہ دیکھا جائے گا کہ منی کا رنگ کیسا ہے؟ اگر وہ سفید ہے تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ مرد کی ہے لہذا مرد پر غسل واجب ہو گا۔ اور اگر رنگ زرد ہے تو پھر غسل عورت پر واجب ہو گا۔ مگر احتیاطاً کا تقاضا یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں ہی غسل کر لیں۔“

⑪ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاوَزَ الْجَنَّتَانِ الْجَنَّتَانِ وَجَبَ الْغُسْلُ فَعَلْتُهُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَغْتَسَلْنَا - (رواه الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب مرد کے ختنہ کی جگہ عورت کے ختنہ کی جگہ سے تجاوز کر جائے (یعنی ختنہ غائب ہو جائے) تو (دونوں پر) غسل واجب ہو جائے گا۔“ (ترمذی ابن ماجہ)

تشریح: ”ختان“ اس جگہ کو کہتے ہیں جسے ختنہ کے وقت کاٹتے ہیں جو مرد کے عضو تناسل کے آگے ایک کھال ہوتی ہے اور عورت کی شرم گاہ پر مرغ کی کلنی کی طرح ابھرا ہوا ایک حصہ ہوتا ہے لہذا فرمایا جا رہا ہے کہ جب ختنین مل جائیں اور ختنہ عورت کی شرم گاہ میں داخل ہو جائے تو غسل واجب ہوتا ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔“

⑫ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَانَةٌ فَأَغْسِلُوا الشَّعْرَ وَانْقُوا

البَشْرَةَ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَ الْحَارِثُ بْنُ وَجِيهِ الزَّوَالِيُّ وَ هُوَ شَيْخٌ لَيْسَ بِذَلِكَ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”ہر مال کے نیچے (جز میں) جنابت ہوتی ہے لہذا بالوں کو (خوب) دھویا کرو اور بدن کو پاک کیا کرو۔“ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ اس حدیث کا ایک راوی حارث ابن وجیہ ایک بوڑھا شخص ہے وہ معتبر نہیں (یعنی کبر سن اور غلبہ نسیان کی وجہ سے) اس کی روایت قابل اعتماد یعنی قوی نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے)

تشریح: اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ غسل جنابت میں سر کے بالوں کو اچھی طرح دھویا جائے تاکہ پانی بالوں کی جڑ میں پہنچ جائے اس لئے اگر پانی بالوں کی جڑ تک نہیں پہنچے گا تو پاکی حاصل نہیں ہوگی، چنانچہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اگر ایک بال کے نیچے کی بھی جگہ خشک رہ جائے گی تو غسل ادا نہ ہوگا۔

بالوں کے ساتھ ساتھ بدن کو بھی اچھی طرح دھونے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نہانے کے وقت بدن کو خوب اچھی طرح مل کر میل وغیرہ صاف کرنا چاہئے اور پورے بدن پر پانی اس طرح بہانا چاہئے کہ بدن کا کوئی حصہ بھی خشک نہ رہ جائے کیونکہ اگر بدن پر خشک مٹی، آئنا یا موم وغیرہ لگا رہا اس کے نیچے پانی نہ پہنچا تو ناپاکی دور نہ ہوگی۔

(۱۳) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَكَّلَ مُوَضَّعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فَعَلَّ بِهَا كَذِبًا وَ كَذَبَ امْنُ النَّارِ قَالَ عَلِيٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي ثَلَاثًا وَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ أَحْمَدُ وَ الدَّارِمِيُّ إِلَّا أَنَّهُمَا لَمْ يَكُوزَا فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي۔

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس نے غسل جنابت میں ایک بال کے برابر جگہ (خشک) چھوڑ دی کہ اسے نہ دھویا تو اسے اس طرح آگ کا عذاب دیا جائے گا“ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی۔ اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی (کہ منذر اذلا) تین مرتبہ یہی کہا۔“ (ابوداؤد، احمد، دارمی) مگر احمدؓ نے یہ الفاظ ”اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی“ مکرر ذکر نہیں کئے ہیں۔

تشریح: یہ حدیث مزید وضاحت کے ساتھ اوپر کی حدیث کی تائید کر رہی ہے اور غسل جنابت میں بالوں کے سلسلے میں غفلت برتنے والوں کو متنبہ کر رہی ہے چنانچہ ”اس طرح“ یہ تعدد سے کنایہ ہے یعنی ایسے شخص کو جس نے غسل احتیاط سے نہیں کیا اور بالوں کی جڑوں میں پانی اچھی طرح نہیں پہنچایا کسی قسم کے اور بہت زیادہ عذاب دیئے جائیں گے۔

حضرت علیؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب میں نے آنحضرت ﷺ کی لسان مبارک سے یہ تہدید اور وعید سنی تو اس خوف سے کہ اگر بال رہے تو غسل جنابت کے وقت شاید ان کی جڑیں خشک رہ جائیں اپنے بالوں سے بالکل دشمنوں جیسا معاملہ کیا جس طرح ایک شخص اپنے دشمن کو اپنے لئے خطرہ کا سبب اور باعث سمجھ کر موقع ملتے ہی موت کے کھات اتار دیتا ہے، ایسے ہی میں نے آنحضرت ﷺ کی تہدید اور وعید کی بنا پر ان بالوں کو اپنی عاقبت کی خرابی کا باعث سمجھتے ہوئے ان کا صفایا کر دیا۔

اس حدیث اور حضرت علیؓ کے اس عمل سے یہ معلوم ہوا کہ سر کے بال بیشمدا تے رہنا جائز ہے مگر اوڑھی اور سنت بالوں کا رکھنا ہی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدینؓ اپنے سروں پر بال رکھتے تھے اور صرف حج کے موقع پر منڈواتے تھے۔

جہاں تک حضرت علیؓ کے اس ارشاد کا تعلق ہے، اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے حضرت علیؓ کی ہر ادب سے ہے کہ میں نے اپنے سر کے جو بال منڈاؤئے ہیں، ان کی کوئی دوسری غرض نہیں ہے یعنی اس سے زیبائش اور آرائش یا کسی راحت و آرام کا طلب مقصود

نہیں ہے بلکہ اصل مقصد وہی ہے جو بیان کیا گیا، اس طرح گویا حضرت علیؑ نے ایک ایسے فعل کے ترک پر غور بیان کیا جو آنحضرت ﷺ سے عداوت کے ساتھ ثابت ہے۔

(۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ - (رواه الترمذی و ابو داود و النسائی و ابن ماجہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ غسل کرنے کے بعد وضو نہیں فرماتے تھے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ غسل سے پہلے جو وضو غسل کے لئے فرماتے تھے غسل کے بعد پھر دوبارہ وضو نہیں فرماتے تھے، چنانچہ مسئلہ بھی یہی ہے کہ غسل کے لئے جو وضو کیا جاتا ہے وہ کافی ہوتا ہے غسل کے بعد اگر نماز وغیرہ پڑھی جائے تو دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے غسل کے وضو سے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

(١٥) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ رَأْسَهُ بِالْخِطْمِ وَهُوَ جُنُبٌ يَجْتَنِي بِذَلِكَ وَلَا يَنْصُبُ عَلَيْهِ الْمَاءَ - (رواه البزار)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”سرکارِ دوِ علام ﷺ ناپاکی کی حالت میں غسل کے وقت) خطمی سے سر کو دھو لیتے تھے اور اسی پر کفایت کرتے اور دوبارہ سر پر خالص پانی نہ ڈالتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: جس طرح یہاں آلولہ وغیرہ سے سردھونے کا رواج تھا ایسے ہی عرب میں خطمی سے سردھونے جاتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہؓ اس کے بارے میں فرماری ہیں کہ آپ ﷺ جب غسل جنابت فرماتے تو اپنے سر کے بال خطمی کے پانی سے دھویا کرتے تھے اور اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ آپ ﷺ جب سر پر خطمی لگا کر اسے دھونے کے لئے سر پر خطمی ملا ہوا پانی ڈالتے تھے تو پھر دوبارہ پانی بہانے کے وقت سر پر پانی نہیں ڈالتے تھے بلکہ اسی پہلے دھونے کو کافی سمجھتے تھے جیسا کہ عام طور پر نہانے والے یہ کرتے ہیں کہ پہلے سر کو دھوتے ہیں، اس کے بعد غسل کرتے ہیں اور پھر دوبارہ سر پر بھی پانی ڈالتے ہیں آپ ﷺ ایسا نہیں کرتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جس پانی سے سر کو دھویا کرتے تھے اس میں خطمی کے اجزاء کم ہوتے ہوں گے کہ جس سے پانی کی حقیقت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا ہوگا یعنی سیلان باقی رہتا ہوگا۔

(١٦) وَعَنْ يَعْقُبَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرْزِاقِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَتَّى سَيِّئَ يُحِبَّ الْحَيَاءَ وَالتَّسْتُرَ فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتِزِرْ - (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِنَّ اللَّهَ سَيِّئَ فَإِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَغْتَسِلَ فَلْيَتَزَارَ بِشَيْءٍ)

”اور حضرت یعلیٰؑ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ایک شخص کو میدان میں نکا نہاتے ہوئے دیکھا چنانچہ آپ ﷺ (وعظہ کے لئے) ممبر پر چڑھے اور پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائی کی پھر فرمایا اللہ تعالیٰ بہت حیا دار ہے (یعنی اپنے بندوں سے حیا داروں کا سا معاملہ کرتا ہے) پس طور کہ انہیں معاف کر دیتا ہے اور بہت پردہ پوش ہے (یعنی اپنے بندوں کے گناہ اور عیوب کو پوشیدہ رکھتا ہے) وہ حیا اور پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے لہذا جب تم میں سے کوئی (سیدان میں) نہائے تو اسے چاہئے کہ وہ پردہ کر لیا کرے۔“ (البدواؤد، نسائی) اور نسائی کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ پردہ پوش ہے لہذا جب تم میں سے کوئی نہانے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ کسی چیز کا پردہ کر لیا کرے)“

تشریح: سرکارِ دو عالم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب آپ ﷺ کسی اہم اور عظیم مسئلہ کو بیان کرنا چاہتے یا کسی خاص چیز سے اجاہ کرنا

۱۔ یہاں تحقیق سے یہ بات واضح نہیں ہوئی ہے کہ یہ یعلیٰ بن امیہ حمیری چس یا یعلیٰ ابن مروان قسری ہیں بہر حال یہ دونوں بطلان القدر صحابی ہیں۔

چاہتے تو منبر تشریف لے جاتے اور پہلے اللہ جل شانہ کی حمد ثنا کرتے اس کے بعد اصل مسئلہ کو بیان فرماتے چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا وہ شرم کو بالائے طاق رکھ کر ایک کھلی جگہ (میدان میں ننگا نہار ہا ہے تو آپ ﷺ کی جبین شرم و حیا پر بل پڑ گئے، فوراً مسجد نبوی میں پہنچے منبر تشریف لے گئے اور لوگوں کے سامنے آپ ﷺ نے شرم و حیا کی اہمیت کو بڑے یلغ اور ناصحانہ انداز میں بیان فرمایا۔

آپ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ خداوند قدوس کی ذات پاک تمام محاسن و اوصاف کی جامع ہے چنانچہ شرم و حیا اور پردہ پوشی جو بہت بڑے وصف ہیں یہ بھی خدائے تعالیٰ کے اوصاف میں سے ہیں، چنانچہ خدائے تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بند اس کے اوصاف کی نورانی کرنوں سے اپنے دل و دماغ کو روشن کریں، اس کی جو صفات ہیں ان کو حق الامکان اپنے اندر پیدا کریں اس لئے وہ اسے پسند کرتا ہے بندے شرم و حیا کے اصولوں پر کار بند ہیں، ان عظیم اوصاف سے اپنے دامن کو مالا مال کریں اور پردہ پوشی کو کسی حال میں ترک نہ کریں، لہذا تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ شرم اور پردہ کے معاملے میں غفلت اور لاپرواہی نہ برتیں۔

الفصل الثالث

(۱۷) وَعَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ إِنَّمَا كَانَ الْمَاءُ مِنْ الْمَاءِ وَخُصَّةٌ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ نَهَى عَنْهَا۔

(رواہ الترمذی و ابو داؤد و الداری)

”حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ”یہ حکم غسل انزال کے بعد ہی واجب ہوتا ہے ابتدائے اسلام میں آسانی کی وجہ سے تھا، پھر اسے منسوخ فرمایا گیا (یعنی یہ حکم منسوخ قرار دے دیا گیا۔“ (ترمذی، ابو داؤد، دارمی)

تشریح: اس باب کی حدیث نمبر ۲ کی تشریح میں حضرت ابی بن کعبؓ کی اس روایت کا ذکر آچکا ہے، وہاں بھی یہ بتایا گیا تھا کہ ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ غسل اسی صورت میں واجب ہو گا جب کہ جماع کے وقت انزال بھی ہو یعنی اس وقت بغیر انزال کے محض ادخال ذکر سے ہی غسل واجب نہیں ہوتا تھا، چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ یہی فرما رہے ہیں کہ یہ حکم (جو اس باب کی حدیث ۲ میں گزرا ہے) پہلے تھا، اب منسوخ ہو گیا ہے اور اب یہ حکم ہو گیا ہے کہ محض جماع ادخال ذکر سے غسل واجب ہو جائے گا، خولہ انزال ہو یا نہ ہو۔“

(۱۸) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي اغْتَسَلْتُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَصَلَّيْتُ الْفَجْرَ فَرَأَيْتُ قَدْ رُفِعَ مَوْضِعُ الظُّفْرِ لَمْ يُصْبِهِ الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتَ مَسَحْتَ عَلَيْهِ يَدَكَ أَجْزَأَ لَكَ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص سرکار دو عالم ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے غسل جنابت کیا اور صبح کی نماز پڑھ لی، پھر میں نے دیکھا کہ (بدن پر) ناخن کے برابر (جگہ) خشک رہ گئی کہ وہاں پانی نہیں پہنچا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر تم (اس جگہ اپنے ہاتھ سے) مسح بھی کر لیتے تو کافی ہو جاتا۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: آپ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم غسل کے وقت اس جگہ جو خشک رہ گئی تھی بھیگا ہو یا تھ پھیر لیتے یا اسے معمولی طور پر دھو دیتے تو یہ کافی ہو جاتا اور تمہارا غسل پورا ہو جاتا۔ اور اگر تمہیں اس جگہ خشکی کا احساس کچھ عرصہ کے بعد ہوا تھا تو تمہیں چاہئے تھا کہ اس جگہ کو دھو لیتے خواہ معمولی طور پر ہی کیوں نہ ہوتا اور جو نماز پڑھ لی تھی اس کی قضاء کرتے۔“

(۱۹) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتِ الصَّلَاةُ خَمْسِينَ وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَغُسْلُ الْيَدَيْنِ مِنَ الْغُيُوبِ سَبْعَ

مَرَاتٍ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ یَسْأَلُ حَتّٰی جُعِلَتِ الصَّلَاةُ حُمْسًا وَغُسْلُ الْجَنَابَةِ مَرَّةً وَغُسْلُ الثُّوْبِ مِنَ الثُّوْبِ مَرَّةً۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ (پہلے) پچاس نمازیں فرض ہوئیں تھیں، نیز جنابت (ناپاکی) سے نہانا اور کپڑے پر سے پیشاب دھونا سات سات مرتبہ (فرض ہوا تھا) پھر آنحضرت ﷺ متواتر (اللہ تعالیٰ سے ان میں تخفیف کی دعا مانگتے رہے، یہاں تک کہ نماز پانچ فرض رہ گئیں اور جنابت سے نہانا اور کپڑے پر سے پیشاب کا دھونا ایک ایک مرتبہ رہ گیا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب روحانی اور جسمانی بلندیوں کی تمام منازل کو طے فرما کر شبِ معراج میں ذاتِ حق جل مجدہ کی قربت حقیقی کا شرف حاصل فرمایا تو اس مقدس اور انسانی زندگی کی سب سے بڑی سعادت و رفعت کی یادگار کے طور پر بارگاہِ حق میں جل مجدہ سے رسولِ پاک ﷺ کے توسط سے بندوں کے لئے ”نماز“ کا تحفہ عنایت فرمایا گیا جسے معراج رسولِ خدا کی اس عظیم سعادت کی مناسبت سے ”معراجِ مؤمنین“ کہا گیا ہے۔ نماز چونکہ تمام عبادات الہی میں اپنے اجر و ثواب اور اپنی عظمت و اہمیت کے اعتبار سے بندوں کے لئے سعادت و نیک بختی اور رضاءِ مولیٰ کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اس لئے اس بنا پر کہ اس عظیم اور مقدس فریضہ کے ذریعہ خدا کے نیک اور اطاعت گزار بندے زیادہ سے زیادہ سعادت و نیک بختی کی دولت سے اپنے دامنِ مالا مال کر سکیں اور دن و رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔“

ظاہر ہے کہ پچاس نمازوں کے فریضہ کا یہ تحفہ بندوں کی سعادت و نیک بختی کے اعتبار سے خواہ کتنی ہی اہمیت و عظمت کا حامل کیوں نہ ہو مگر سوال یہ تھا کہ انسان کے قویٰ اور ذہین و فکر اس عظیم فریضہ کی ادائیگی کا بار برداشت بھی کر سکیں گے؟ صدقہ جانیے سرکارِ دو عالم کی ذاتِ اقدس اور آپ ﷺ کی شانِ رحمت کے کہ انسانی فطرت و مزاج کا یہ سب سے بڑا ازدان اور انسانیت کا یہ عظیم محسن اور عظیم شفیق راہبر (ﷺ) سمجھ لیتا ہے کہ انسان کے قوائے فکر و عمل اس عظیم بار کو بھی برداشت نہیں کر سکتے اور خدا کے بندے نماز کی اتنی بڑی تعداد کی ادائیگی پر قادر نہیں ہو سکتے۔ لہذا آپ ﷺ نے سوچا کہ اگر آج پچاس نمازیں فرض ہو جا رہی ہیں تو کل پوری مخلوق زبردست اغریٰ خسران اور روحانی اذیت میں مبتلا ہو جائے گی کیونکہ پچاس نمازیں ادا ہوں گی نہیں، جس کا نتیجہ حکمِ خداوندی کی نافرمانی کی بنا پر عذاب کے علاوہ اور کیا رہ سکتا ہے؟ چنانچہ اس وقت آپ ﷺ اپنی امت پر انتہائی شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے ہیں اور بارگاہِ خداوندی میں نماز کی اس تعداد میں تخفیف چاہتے ہیں، پھر ادھر سے بھی اپنے حبیب ﷺ کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا جاتا ہے اور اس میں کمی کر دی جاتی ہے، مگر آپ ﷺ اس سے بھی مطمئن نہیں ہوتے تو مزید تخفیف کی درخواست پیش کرتے ہیں جب کچھ اور تخفیف ہوتی ہے تو آپ اسے بھی زیادہ اور امت کے حق میں تکلیف مالا یطاق سمجھتے ہوئے اور کمی چاہتے ہیں یہاں تک کہ درخواست اور قبولیت کا یہ سلسلہ پانچ پر آکر ختم ہو جاتا ہے اور پانچ نمازیں فرض قرار دے دی جاتی ہیں۔

چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ دیا جا رہا ہے کہ شبِ معراج میں تو نمازیں پچاس ہی فرض ہوئیں تھیں مگر آنحضرت ﷺ نے امت کے حق میں انتہائی شفقت و رحمت کے پیشِ نظر یہ جان کر کہ امت سے اتنی نماز ادا نہیں ہوں گی اس تعداد میں تخفیف کرائی جب بھی آپ تخفیف کی درخواست پیش کرتے پانچ نمازیں کم کر دی جاتی ہیں یہاں تک کہ آخر میں پانچ نمازیں رہ گئیں۔

اسی طرح پہلے ناپاکی دور کرنے کے لئے سات مرتبہ غسل کرنے کا حکم تھا مگر بعد میں اسے بھی منسوخ قرار دے دیا گیا اور صرف ایک مرتبہ غسل واجب کیا گیا۔ یعنی پورے بدن پر ایک مرتبہ پانی بہانے سے فرض اداء ہو جاتا ہے مگر منسوخ طریقہ یہ ہے کہ تین مرتبہ جسم پر پانی بہلایا جائے، بخاری و مسلم میں اس سلسلہ میں جو حدیث منقول ہے اس میں صرف نماز کا ذکر ہے، غسل اور کپڑے سے پیشاب دھونے کا ذکر نہیں ہے مگر یہاں یہ ابوداؤد کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں ان دونوں چیزوں کا بھی ذکر ہے چنانچہ اس روایت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔

بہر حال اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کپڑے پر پیشاب اور غلاظت وغیرہ لگ جائے تو اسے صرف ایک بار دھو لینا ہی کافی ہے چنانچہ امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے کہ کپڑا ایک مرتبہ دھو لینے سے پاک ہو جاتا ہے، لیکن علمائے حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کپڑے پر پیشاب اور غلاظت لگ جائے تو اسے اتار دیا جائے کہ اس کی پاکی کا ظن غالب حاصل ہو جائے اور اس کی حدیہ مقرر کی ہے کہ تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ کپڑے کو نیچوڑا جائے کیونکہ تین مرتبہ دھو لینے سے پاکی کا ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر تفصیل بتا دینی مناسب ہے کہ غسل کن کن مواقع پر واجب اور مستحب ہو جاتا ہے۔

۱ غسل اس شکل میں فرض ہوتا ہے کہ منی کو دکر نکلے اور ریزہ کی ہڈی سے جدا ہونے کے وقت شہوت بھی ہو اگرچہ باہر نکلنے وقت شہوت باقی نہ رہے۔

۲ اگر کوئی شخص سو کر اٹھے اور اپنے بستر وغیرہ پر منی کی تری پائے خواہ وہ مذی ہی کیوں نہ ہو تو غسل واجب ہوتا ہے اگرچہ ایسا کوئی خواب یاد نہ ہو جس کی وجہ سے منی نکلی ہے۔

۳ اگر زندہ عورت کے آگے یا پیچھے ستر میں ذکر داخل کیا جائے یا ولواطت کی جائے تو دونوں یعنی فاعل و مفعول پر غسل فرض ہوگا خواہ انزال ہو نہ ہو۔

۴ حیض اور نفاس ختم ہونے کی بعد غسل فرض ہوتا ہے۔

۵ اگر چوہائے یا مردہ کے آگے یا پیچھے کے حصہ میں ذکر داخل کیا تو اگر انزال ہوگا تو غسل واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

۶ مذی اور وردی نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، اسی طرح اگر شخص خواب یاد ہو اور بستر وغیرہ پر منی کی تری یا اس کی کوئی علامت موجود نہ ہو تو غسل واجب نہیں ہوتا۔

۷ اگر کوئی غیر مسلم اس حال میں مسلمان ہوا کہ وہ ناپاکی کی حالت میں تھا تو اس پر غسل واجب ہوگا اور اگر ناپاکی کی حالت میں نہیں تھا تو واجب نہیں ہوگا البتہ مستحب ہوگا۔

۸ زندوں پر میت کو غسل دینا واجب کفایہ ہے، یعنی اگر کچھ لوگ نہلا دیں تو سب بری الذمہ ہو جاتے ہیں، ورنہ سب گناہ گار ہوتے ہیں۔

۹ جمعہ، عیدین، احرام اور عرفہ کے لئے غسل کرنا سنت ہے۔

۱۰ محدث (بے وضو) کو قرآن کریم چھونا ناجائز ہے، ہاں اگر قرآن کریم جزدان یا کسی کپڑے میں لپیٹا ہوا ہو تو جائز ہے اور اگر قرآن کی جلد پر محض چولی چھپی ہوئی ہو تو چھونا درست نہیں ہے۔

۱۱ اگر کوئی شخص بے وضو ہے تو اسے کرتے وغیرہ کے آستین یا کسی ایسے کپڑے کے ساتھ جو اس کے بدن پر ہے (مثلاً چادر وغیرہ اوڑھ رکھی ہو) تو قرآن کریم کو پکڑنا اور چھونا مکروہ ہے، ہاں اگر اس کپڑے کو اپنے بدن سے الگ کر کے پھر اس کی ساتھ قرآن کریم کو پکڑے اور چھوئے تو جائز ہو گیا۔

۱۲ بے وضو کو تفسیر اور حدیث و فقہ کی کتابوں کو چھونا مکروہ ہے لیکن آستین کے ساتھ چھونا مستفقہ طور پر جائز ہے۔

۱۳ جس درہم (مسکے) پر قرآن کی کوئی سورۃ لکھی ہو تو بے وضو کے لئے اسے چھونا جائز نہیں ہاں اگر وہ قلمی وغیرہ میں ہو تو پھر جائز ہے۔

۱۴ جنبی کو مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، اگر کوئی خاص ضرورت ہو تو داخل ہو سکتا ہے اسی طرح اس کے لئے قرآن پڑھنا خواہ ایک آیت سے کم ہی کیوں نہ ہو ناجائز ہے البتہ دعا اور ثنا کے طور پر پڑھ سکتا ہے، ایسے ہی جنبی کو ذکر کرنا صحیح پڑھنی اور دعا کرنی جائز ہے، ان مسائل میں حیض اور نفاس والی عورتوں کا بھی وہی حکم ہے جو جنبی کا ہے۔

بَابُ مُخَالَطَةِ الْجُنُبِ وَمَا يَبَاحُ لَهُ

جنبی شخص سے ملنے جلنے اور جنبی کے لئے جو امور جائز ہیں ان کا بیان

اس باب میں دو چیزوں سے متعلق احادیث ذکر کی جارہی ہیں، پہلی چیز تو یہ ہے کہ جنبی شخص (یعنی غسل جس پر واجب ہو) کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کلام کرنا، مصافحہ کرنا اور اس طرح اس کے ساتھ دوسرے معاملات کرنا جائز ہیں دوسری چیز یہ ہے کہ جنبی شخص کے لئے کیا چیزیں جائز ہیں کہ وہ انہیں حالت ناپاکی میں کر سکتا ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَقِيتَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا جُنُبٌ فَأَخَذَ بِيَدِي فَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتَّى قَعَدَ فَأَنَسَلْتُ الرَّخْلَ فَأَغْتَسَلْتُ ثُمَّ جَنُتُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ هَذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ وَزَادَ بَعْدَ قَوْلِهِ فَقُلْتُ لَهُ لَقِيتَنِي وَأَنَا جُنُبٌ فَكَّرْتُ أَنْ أَجَالِسَكَ حَتَّى اغْتَسِلَ وَكَذَا الْبُخَارِيُّ فِي رِوَايَةِ أُخْرَى۔

”حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے میری ملاقات ہوئی اور میں جنبی تھا۔ آنحضرت ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں آپ کے ہمراہ ہوا۔ جب آپ ﷺ بیٹھ گئے تو میں چپکے سے نکل کر اپنے مکان پر آیا اور نہا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ میٹھے ہوئے تھے (مجھے دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا ”تم کہا لگتے؟“ میں نے آپ ﷺ سے (اصل واقعہ) ذکر کیا (کہ میں ناپاک تھا اس لئے چلا گیا تھا) آپ ﷺ نے فرمایا ”سبحان اللہ! امومن ناپاک نہیں ہوتا۔“ روایت کے الفاظ بخاری کے ہیں ”مسلم نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے اور ابو ہریرہؓ کے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ (انہوں نے کہا) میں چونکہ حالت ناپاکی میں تھا اس لئے یہ مناسب معلوم نہ ہوا کہ آپ ﷺ کی پاس بیٹھوں جب تک کہ نہانہ لوں۔“ اسی طرح بخاری کی ایک دوسری روایت میں بھی یہ الفاظ منقول ہیں۔“

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنابت نجاست حکمی ہے کہ شریعت نے اس کا حکم کیا ہے اور اس پر غسل کو واجب قرار دیا ہے، لہذا حالت جنابت میں آدمی حقیقۃً نجس نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جنبی کا نہ تو جھوٹا ناپاک ہوتا ہے اور نہ اس کا پسینہ ہی ناپاک ہے، اس لئے جنبی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جلنا، مصافحہ کرنا، کلام کرنا یا اسی طرح اس کے ساتھ دوسرے معاملات کرنا جائز ہیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

② وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ تَصَيَّيْتُ الْجَنَابَةَ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأْ وَاغْتَسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمَ۔ (متن ملہ)

”اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے رات کو جنابت ہو جاتی ہے (یعنی احتلام یا جماع سے غسل واجب ہو جاتا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اسی وقت) وضو کر کے عضو تناسل کو دھو کر سو جایا کرو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ وضو کرنا جنبی کے سونے کے لئے طہارت ہے، یعنی جنبی وضو کر کے سویا تو گویا وہ پاک سویا، لہذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو رات میں احتلام ہو جائے یا جماع سے فراغت ہو اور اس کے بعد سونے کا ارادہ ہو یا بوجہ کسی ضرورت بے وقت غسل جنابت میں تاخیر کا خیال ہو تو ایسی شکل میں جنبی کو وضو کر لینا سنت ہے۔

اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صورت مذکورہ میں وضو کیا جائے اس کے بعد عضو متاثر کو دھویا جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ صحیح مسئلہ یہ ہے کہ پہلے عضو متاثر کو دھونا چاہئے اس کے بعد وضو کرنا چاہئے، اس شکل میں حدیث کی مذکورہ ترتیب کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہاں وضو کرنا اس لئے مقدم کر کے ذکر کیا گیا ہے کہ وضو کا احترام اور اس کی تعظیم کا اظہار پیش نظر تھا۔

(۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ جُنُبًا فَأَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَتَنَامَ تَوَضَّأَ وَطَوَّأَهُ لِلصَّلَاةِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ حالت ناپاکی میں ہوتے اور کھانا کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز کے وضو کی طرح وضو کر لیتے۔“ (بخاری و مسلم)

(۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وَطَوَّأَهُ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ”جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے (یعنی صحبت کرے) اور پھر اس کے پاس آنے کا (یعنی دوبارہ صحبت کرنے کا) ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ دونوں کے درمیان وضو کر لے۔“ (مسلم)

تشریح: ابنِ مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے دو مرتبہ صحبت کرے اور دونوں مرتبہ کے درمیان وضو کر لے تو دو قاعدے ہیں۔ اول تو یہ کہ اس سے پاکیزگی اور طہارت حاصل ہوتی ہے، دوسری یہ کہ نشاط اور لذت زیادہ ہو جاتی ہے۔

بہر حال اس حدیث سے اور اس سے پہلی حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جنبی کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ حالت ناپاکی میں اگر سونے اور کھانے پینے کا یا دوبارہ جماع کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے عضو متاثر کو دھو کر وضو کر لے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ جنبی کے لئے کھانے پینے کے سلسلے میں ان احادیث میں جس وضو کا ذکر ہے، اہلکے مراد حقیقۃً وضو نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایسے وقت میں ہاتھ دھو لئے جائیں اور یہی رائے جمہور علماء کی ہے کیونکہ نسائیؒ کی روایت میں اس مراد کی صراحت بھی موجود ہے۔

لیکن مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے تو بصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں نماز کے وضو کی طرح وضو کیا جائے، لہذا اب ان روایتوں میں تطبیق پیدا کرنے کے لئے یہی کہا جائے گا کہ آنحضور ﷺ ایسے مواقع پر کبھی کبھی اختصار کے طور پر محض ہاتھ ہی دھو لینے کو کافی سمجھتے تھے۔ مگر اکثر و بیشتر آپ ﷺ مکمل وضو فرماتے تھے۔“

(۵) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ عَلَى نِسَاءِ بَيْتِهِ بِغُضَلٍ وَاحِدٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ایک غسل کے ساتھ اپنی ازواجِ مطہرات سے صحبت کر لیا کرتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک شب میں اپنی تمام ازواجِ مطہرات سے صحبت کیا کرتے تھے اور غسل ایک ہی مرتبہ آخر میں فرماتے تھے یہ نہیں تھا کہ ایک بیوی سے صحبت کے بعد پہلے غسل کرتے ہوں، پھر بعد میں دوسری بیوی کے پاس جاتے ہوں۔

ہاں اس کا احتمال ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ درمیان میں وضو فرمالتے ہوں گے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیانِ جواز کے لئے آپ ﷺ نے وضو کو ترک کر دیا ہو۔ اس موقع پر ایک ہلکا سا اعتراض ہو سکتا ہے وہ یہ کہ قاعدہ شرعی کے مطابق اپنی بیویوں کے درمیان تقسیم کا اقل درجہ ایک رات ہے۔ یعنی اگر کسی شخص کے پاس چند بیویاں ہوں تو ان کے درمیان باری مقرر کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ، ہر ایک بیوی کے بیان کم از کم ایک پوری شب قیام کیا جائے۔ لہذا آنحضرت ﷺ ایک ہی رات میں تمام ازواجِ مطہرات کے پاس کس طرح جایا کرتے

تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات کے لئے باری مقرر کرنے کا یہ وجوب مختلف فیہ ہے، چنانچہ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم پر باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا۔ بلکہ آپ ﷺ نے از خود راہِ احسان باری مقرر فرما رکھی تھی مگر اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر بھی باری مقرر کرنا واجب تھا۔ لیکن آپ ﷺ اپنی تمام ازواجِ مطہرات کے پاس لیک ہی شب میں خود ان کی رضا و خوشی سے جایا کرتے تھے لہذا اس پر کوئی اشکال پیدا نہیں ہو سکتا۔

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللَّهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ - (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَحَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ مَسْنَدُهُ فِي كِتَابِ الْأُطْعِمَةِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ہر وقت یادِ الہی میں مصروف رہا کرتے تھے۔“ (مسلم اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث جو صاحبِ مصابیح نے اس موقع پر نقل کی ہے) ہم انشاء اللہ کتابِ الاطعمہ میں ذکر کریں گے۔

تشریح: حضرت عائشہؓ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی حالت میں ذکرِ خداوندی اور یادِ الہی سے غافل نہیں ہوتے تھے آپ ﷺ خواہ حالتِ ناپاکی میں ہوتے یا بے وضو ہوتے اور یا ان کے علاوہ کسی بھی حالت میں ہوتے اللہ رب العزت کی یاد میں ہمیشہ مشغول رہتے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہاں ذکر سے مراد ذکرِ قلبی اور قدرتِ خداوندی فکریہ ہے۔ یعنی آپ ﷺ کا قلب مبارک ہمہ وقت ذکرِ الہی میں مشغول اور پروردگار کی قدرتوں پر غور و فکر کرنے میں منہمک رہتا تھا۔

الفصل الثانی

⑦ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَفْنَةٍ فَأَزَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَوَضَّأَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي كُنْتُ خُتْبًا فَقَالَ إِنَّ الْمَاءَ لَا يَغْتَسِبُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَوَى الدَّارِمِيُّ نَحْوَهُ وَفِي شَرْحِ السُّنَنِ عَنْهُ عَنْ مَيْمُونَةَ بِلَفْظِ الْمَصَابِيحِ -

”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرکارِ دو عالم ﷺ کی زوجہ مطہرہ نے گن سے (یعنی گن میں بھرے ہوئے پانی سے) چلو لے کر غسل کیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے اسی (گن میں بچے ہوئے) پانی سے وضو کرنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جبین تھی (اور میں نے اس سے غسل کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا ”پانی تو جبین نہیں ہوتا۔“ (یعنی جبین کے نہانے سے یا اس کے کسی عضو کے پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا) ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے نیز شرح السنہ میں ابن عباسؓ سے اور انہوں نے حضرت ميمونہ سے مصابیح کے ہم الفاظ روایت نقل کی ہے۔“

تشریح: اس حدیث سے تو بصرِ راحت یہ معلوم ہوا کہ عورت کے غسل کے بقیہ پانی سے مرد کو وضو کرنا جائز ہے لیکن اسی باب کی تیسری فصل میں ایک حدیث (نمبر ۲) آرہی ہے جس میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عورت کے غسل کے بقیہ پانی سے مرد کو وضو کرنے سے منع فرمایا ہے۔

لہذا ان دونوں روایتوں میں مطابقت کے لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ حدیث تو جو از پر دلالت کرتی ہے کہ وہ دوسری حدیث ترک کی اولیت پر دلالت کرتی ہے، یعنی اگر کوئی مرد عورت کے غسل کے بقیہ پانی سے وضو کرنا چاہے تو اس حدیث کی رو سے اس کا وضو جائز تو ہو جائے گا لیکن دوسری حدیث کے پیش نظر اس پانی سے وضو نہ کرنا ہی بہتر اور اولیٰ ہو گا۔

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْعَجَنَةِ ثُمَّ يَسْتَدْفِي بِيَدَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ -

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَزَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ وَفِي شَرْحِ الشُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيحِ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ (میرے ساتھ) محبت سے فراغت کے بعد غسل فرماتے، پھر میرے نہانے سے پہلے مجھ سے گرمی حاصل کرتے تھے۔“ (ابن ماجہ) اور امام ترمذیؒ نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے نیز شرح السنۃ میں مصابیح کے ہم لفظ روایت منقول ہے)

تشریح: حضرت عائشہؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ہم بستی سے فارغ ہوتے تو مجھ سے پہلے ہی آپ ﷺ نہایت تھے اور پھر چونکہ سرد موسم میں نہانے کی وجہ سے ٹھنڈ محسوس ہوتی تھی اس لئے آپ ﷺ میرے پاس تشریف لاتے اور اپنے اعضاء مبارک میرے بدن سے چٹا کر لیت جایا کرتے تھے تاکہ گرمی حاصل ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنبی کا بدن پاک ہوتا ہے لہذا اس کے ساتھ مل کر لیت جانے میں کچھ حرج نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔

⑨ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَأْكُلُ مَعَنَا اللَّحْمَ وَلَمْ يَكُنْ يَخْبِئُهُ أَوْ يَخْجِزُهُ عَنِ الْقُرْآنِ شَيْءٌ لَيْسَ الْجَنَابَةُ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَزَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ پانچاں سے نکل کر وضو سے پہلے ہمیں قرآن کریم پڑھایا کرتے تھے اور (ایک وقت) ہمارے ساتھ گوشت کھا لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کو قرآن کریم پڑھنے سے سوائے جنابت کے کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔“ (ابوداؤد، نسائی) اور ابن ماجہؒ نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے۔

تشریح: اس حدیث سے دو مسئلوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ اول تو یہ کہ بغیر وضو کے قرآن کریم پڑھنا جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ آپ ہاتھوں سے قرآن کریم کو نہ چھوئے کیونکہ بغیر وضو قرآن کریم کو چھونا ناجائز ہے۔

⑩ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم نے فرمایا ”حائض (ایامِ وادی عورت) اور جنبی قرآن کریم کا کچھ حصہ بھی نہیں پڑھیں۔“

(ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو عورت ایامِ حیض میں ہو یا جو شخص حالتِ ناپاکی میں ہو وہ قرآن شریف بالکل نہ پڑھے یہاں تک کہ ایک آیت سے کم بھی قرآن کے الفاظ کی تلاوت نہ کرے چنانچہ حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسئلہ یہ ہے کہ حائضہ اور جنبی کو قرآن کریم کی تلاوت بالکل نہ کرنی چاہئے خواہ وہ ایک آیت سے کم ہی کیوں نہ ہو۔

مگر بعض علماء کے ہاں حائضہ اور جنبی کو ایک ایک آیت یا زیادہ حصہ کی تلاوت تو حرام ہے البتہ ایک آیت سے کم کی تلاوت حرام نہیں ہے۔ ”اگر حائضہ یا جنبی قرآن کریم کا کوئی حصہ تلاوت کے مقصد سے نہیں بلکہ شکر کے ارادہ سے پڑھے تو یہ جائز ہے، مثلاً کوئی حائضہ یا جنبی کسی ایسے موقع پر جب کہ خدا کا شکر ادا کرنا ہو کہ ”الحمد لله رب العالمین“ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

⑪ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَّهُوا هَذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَإِنِّي لَا أَجِلُّ

الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”مکانوں کے یہ دروازے مسجد کی طرف سے پھیر دو کیونکہ حائضہ اور جنبی کو مسجد میں داخل ہونا (خواہ وہاں ٹھہرنے کے لئے ہو یا وہاں سے گزرنے کے لئے) جائز نہیں کرتا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مسجد خدا کا گھر ہونے کی وجہ سے ایک مقدس اور محترم جگہ ہے، اس یا ک جگہ کی عظمت و احترام اور اس کے تقدس کا تقاضہ ہے

کہ کوئی ایسا شخص اس میں داخل نہ ہو جو حالت ناپاکی میں ہو۔ اس لئے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مسجد کی طرف گھروں کو ایسے دروازے جن میں گزرنے کے لئے مسجد سے گزرنا پڑتا ہے ان کے رخ تبدیل کر دیئے جائیں تاکہ جنبی اور حائضہ جو اپنے مکانوں میں جانے کے لئے مسجد سے گزرنے کے لئے مجبور ہیں اس شکل میں مسجد سے نہ گزر سکیں۔

حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی جنبی اور حائضہ کسی دوسری جگہ جانے کے لئے مسجد سے گزرنا چاہیں تو وہ گزر سکتے ہیں، لیکن انہیں مسجد کے اندر بحالت ناپاکی بیٹھنا جائز نہیں ہے۔

مگر امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح جنبی اور حائضہ کو مسجد کے اندر ٹھہرانا جائز ہے اسی طرح انہیں مسجد کے اندر سے گزرنابھی حرام ہے چنانچہ یہ حدیث امام اعظمؒ کے مسلک کی تائید کر رہی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے جنبی اور حائضہ کو مسجد میں داخل ہونے سے مطلقاً منع فرمایا ہے اس میں گزرنے یا ٹھہرنے کی کوئی قید نہیں ہے۔ لہذا اس عموم کا تقاضا یہ ہے کہ جنبی اور حائضہ کو مطلقاً مسجد میں داخل ہونے سے روکا جائے خواہ وہ گزرنے کے لئے مسجد میں داخل ہوں یا وہاں ٹھہرنے کے لئے۔

(۱۲) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُ الْمَلَأَنِيكَ نِيْتًا فِيهِ ضُورَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنْبٌ۔

(رواہ ابو داؤد والنسائی)

”اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جس گھر میں تصویر یا کتا یا جنبی ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔“ (نسائی، ابو داؤد)

تشریح: ”یہاں“ فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں یعنی جس مکان میں یہ تینوں چیزیں ہوتی ہیں اس میں وہ فرشتے داخل نہیں ہوتے جو رحمت و برکت لاتے ہیں اور خدا کا ذکر سننے کو آسان سے اترتے ہیں۔

تصویر کا مسئلہ یہ ہے کہ تصویر اگر جاندار کی ہو اور بلند جگہ پر ہو مثلاً دیواروں پر آویزاں ہو، یا پجھت پر لگی ہوئی ہو یا ایسے ہی پردوں پر تصویر بنی ہوئی ہوں تو اس سے رحمت کے فرشتے گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ ہاں اگر تصویر بچھونے پر ہو یا اسی طرح پاؤں رکھنے کی جگہ پر ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اگر تصویر غیر جاندار کی ہو مثلاً درخت مہیاز کی ہو یا کسی عمارت وغیرہ کی ہو تو ان کو رکھنا جائز ہے یا تصویر تو جاندار کی ہو مگر اس کا سر کٹا ہوا ہو تو یہ بھی جائز ہے اسی طرح جو تصویر ایسی جگہ ہو جہاں روندی جاتی ہو مثلاً فرش پر ہو یا ٹکیہ وغیرہ پر ہو تو وہ بھی مکان میں فرشتوں کے دخول کو مانع نہیں ہے۔ اسی طرح نابالغ لڑکیوں کے لئے گھروں میں گڑیاں رکھنا بھی جائز ہے۔

ایسے سکے جن پر تصویر بنی ہوئیں ہوں جیسے کہ آج کل سکے یا نوٹ چل رہے ہیں ان کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس حدیث کے الفاظ سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ گھر میں ہوں تو وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے مگر مسئلہ یہ ہے کہ مکان میں ان کا رکھنا جائز ہے، یہاں تک کہ ان کو اپنے پاس رکھنا خواہ پگڑی ہی میں رکھے جائز ہیں کیونکہ اگر پچھلے تمام علماء ایسے سکوں کو پاس رکھتے رہے ہیں اور ان کا لین دین کرتے رہے ہیں اور کسی عالم نے بھی ان کے رکھنے کو منع نہیں کیا ہے۔

”کتوں“ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مکان میں کتے ازرہ شوق و فیشن ہوں گے تو یا جائز نہیں ہو گا ہاں اگر ضرورت اور حاجت کی وجہ سے مثلاً شکار کے لئے ہوں یا بھیتوں اور مویشیوں کی حفاظت کے لئے ہوں تو جائز ہے اور ان کو پالنا درست ہے۔

”جنبی سے مراد ہر جنبی نہیں ہے بلکہ وہ جنبی ہے جسے غسل جنابت میں سستی اور کالی کی بنا پر تاخیر کرنے کی عادت ہو یعنی وہ غسل کرنے میں اتنی ہی تاخیر کرتا ہو کہ نماز کا وقت بھی نکل جاتا ہو یا پھر وہ جنبی مراد ہے جو وضو نہ کر لیتا ہو۔“ (دیکھئے باب کی حدیث نمبر ۱۲)

(۱۳) وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تَقْرَبُهُمُ الْمَلَأَنِيكَ جِيفَةُ الْكَافِرِ

وَالْمُتَصَمِّخُ بِالْخُلُقِ وَالْجُنْبُ إِلَّا أَنْ يَتَوَضَّأَ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عمار بن یاسرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالمؐ نے فرمایا۔ ”تین شخص ایسے ہیں کہ رحمت کے فرشتے ان کے قریب بھی نہیں آتے۔ ①
کافر کا بدن ② خلوق کا ملنے والا ③ جنہی جب تک کہ وضو نہ کرے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”جیفہ“ سے مراد کافر کا بدن ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، ویسے تو اصل میں ”جیفہ“ مردار کو کہتے ہیں ظاہر ہے کہ کافر بھی بمنزلہ مردار کے ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ نجاست مثلاً شراب اور سود وغیرہ سے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے نجس و ناپاک ہوتا ہے۔

”خلوق“ ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے بنی ہے اور چونکہ رنگ دار ہوتی ہے اس لئے عورتوں کی مشابہت کی وجہ سے مردوں کو اس کا لگانا ممنوع ہے صرف عورتیں اسے استعمال کر سکتی ہیں، اس لئے اگر کوئی مرد اسے لگا لیتا ہے تو رحمت کے فرشتے اس کے قریب بھی نہیں جاتے کیونکہ اس میں رعونت پائی جاتی ہے۔ اور عورتوں سے مشابہت ہوتی ہے۔

در اصل اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص سنت کے خلاف کام کرتا ہے تو اگرچہ وہ بظاہر یازیب و زینت اور خوشبو سے معطر ہوتا ہے نیز لوگوں کو مناسب عزت و احترام بھی ہوتا ہے مگر سنت کے خلاف عمل کی وجہ سے حقیقت میں وہ نجس اور کتے سے بھی زیادہ خسیس ہوتا ہے۔

جنہی کے حق میں آپ ﷺ کے ارشاد و تہدید اور زجر و توبیخ کے لئے ہے تاکہ جنہی غسل جنابت میں تاخیر نہ کریں کیونکہ اس سے جنہی رہنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ عَمْرٍو بْنِ حَزْمٍ أَنَّ فِي الْكِتَابِ الَّذِي كَتَبَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمْرٍو بْنِ حَزْمٍ أَنَّ لَا يَنْفُسُ الْقُرْآنُ الْأَطَاهِرُ۔ (رواہ مالک والدارقطنی)

”اور حضرت عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزمؓ راوی ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ نے جو ہدایت نامہ عمرو بن حزم کے لئے لکھا تھا اس میں یہ (حکم بھی) مرقوم تھا کہ قرآن کریم کو پاک لوگ ہی ہاتھ لگایا کریں۔“ (مالک، دارقطنی)

تشریح: سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو نواں حکم کسی شہر کا عامل بنا کر بھیجا تھا اور ایک ہدایت نامہ لکھ کر انہیں دیا تھا جس میں فرائض اور صدقات و دیات وغیرہ کے احکام و مسائل کی تفصیل تحریر کی تھی۔ اسی مکتوب گرامی میں یہ حکم بھی تھا جسے راوی یہاں بیان کر رہے ہیں۔

⑤ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ انْطَلَقْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِي حَاجَةٍ كَانَ مِنْ حَدِيثِهِ يَوْمَئِذٍ أَنْ قَالَ مَرَّ جُلٌّ فِي مَسْكَةٍ مِنَ الْمَسَكِ

لہ ام گرامی عمار بن یاسر اور کنیت ابوالیقظان ہے یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کی طرف ہجرت کی تھی، ان کی والدہ سیدہ تھیں اور وہ پہلی خاتون تھیں جو اللہ عزوجل کی راہ میں شہید کی گئیں، یہ اور ان کی والدہ اور ان کے والد سب کے سب پہلے ایمان لانے والوں میں ہیں حضرت عمار کا شمار صحابہ کی جماعت میں ہوتا ہے جو اسلام لانے کی وجہ سے ظلم و ستم کی ہرجمنی میں ڈالے گئے مگر جب وہاں سے نکلے تو کندن ہو کر! حضرت عمار اس وقت اسلام لائے تھے جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے گھر میں پوشیدہ تھے۔ یہ اور حضرت صہیب بن سنانؓ دونوں ساتھ ہی اسلام لائے تھے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خدا کی راہ میں بہت زیادہ ستائے گئے ہیں، یہاں تک کہ جب مشرکین کہ انہیں مارتے مارتے تھک گئے اور یہ اپنے ایمان سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے تو انہیں آگ میں جلا یا کرتے تھے اسی اثناء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ان کی طرف ہوا کرتا تو آپؐ انہیں آگ میں جلا ہوا دیکھ کر اپنا دست مبارک ان کے اوپر پھیر کر فرمایا کرتے تھے کہ اے آگ! تو عمار پر ایسی ہی ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جاسیے کہ حضرت ابراہیمؑ پر ہوئی تھی۔ جب آپؐ دُئی ہوئے تو انہوں نے یہ وصیت کی کہ مجھے انہی کپڑوں کے ساتھ دفن کرنا کیونکہ میں انہی کپڑوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کے سامنے جاؤں گا، چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کو ان ہی کپڑوں میں دفن کیا۔ ربیع الاول ۷۳ میں ۹۳ برس کی عمر میں جنگ صفین کے دوران آپؐ نے شہادت پائی۔ (اسد الغابہ)

لہ ام گرامی عمرو بن حزمؓ اور کنیت ابوشحاک ہے، آپ انصاری ہیں سب سے پہلے غزوہ خندق میں شریک ہوئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (نوازع یمن) میں اہل نجران پر عامل بنا کر بھیجا تھا اس وقت ان کی عمر صرف سترو سال تھی، بمقام مدینہ منورہ ۵۱ یا ۵۲ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

فَلَقِيَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ أَوْ بَوَّلَ فَلَسَّ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتَّى إِذَا كَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَتَوَازَى فِي السَّيْكِةِ ضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلَى الْخَائِطِ وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ ثُمَّ ضَرَبَ ضَرْبَةً أُخْرَى فَمَسَحَ بِهَا وَجْهَهُ ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ وَقَالَ إِنَّهُ لَمْ يَفْتَنْنِي أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ إِلَّا أَنِّي لَمْ أَكُنْ عَلَى ظَهْرٍ - (رواه ابو داود)

”اور حضرت نافعؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت ابن عمرؓ اتبجے کے لئے جارہے تھے میں بھی ان کے ہمراہ ہوں (پہلے تو) انہوں نے استنجاء کیا اور اس کے بعد انہوں نے اس روزیہ حدیث بیان کی کہ ایک شخص کسی کوچہ میں جا رہا تھا اور سرکارِ دو عالم ﷺ پیشاب یا پاخانہ سے فارغ ہو کر تشریف لارہے تھے اس شخص نے آپ ﷺ سے ملاقات کی اور سلام عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے سلام کا جواب نہیں دیا جب یہ شخص (دوسرے) کوچہ میں مڑنے کو ہوا تب سرکارِ دو عالم ﷺ نے (تیمم کے لئے) اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر مار کر منہ پر پھیرے پھر (دوسری مرتبہ) مار کر اپنے ہاتھوں پر کہنوں تک پھیرے، اس کے بعد اس شخص کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا ”مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے کسی چیز نے نہیں روکا تھا فقط یہ بات تھی کہ میں بے وضو تھا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: آپ ﷺ نے اس شخص کے سلام کا جواب اس لئے نہیں دیا کہ دراصل ”سلام“ اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام ہے گویا عام طور پر ایسے موقع پر سلام کے حقیقی معنی فراوان نہیں لئے جاتے بلکہ اس سے سلامتی کے معنی مراد ہوتے ہیں، مگر پھر آپ ﷺ نے اس کے اصل معنی کا احترام کرتے ہوئے بغیر وضو کے اللہ عزوجل کا نام لینا مناسب نہ سمجھا۔

اسی باب میں پہلے کچھ حدیثیں گزری ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بیت الخلاء سے اگر بغیر وضو کے قرآن پڑھتے اور پڑھاتے تھے اور یہ کہ آپ ﷺ بغیر وضو کے ذکر اللہ کیا کرتے تھے۔ بظاہر وہ احادیث اور یہ حدیث آپس میں متعارض نظر آتی ہیں؟ اس متعارض کا دفعیہ یہ کہہ کر کیا جائے گا کہ آپ ﷺ کا بے وضو قرآن پڑھنا یا ذکر اللہ کرنا جیسے کہ پہلی حدیثوں میں گزار فرما کر (آسانی) پر عمل تھا۔ اور یہاں آپ ﷺ نے امت کی تعلیم کے لئے عزیمت (اولیٰ) پر عمل فرمایا ہے۔ یعنی یہاں آپ ﷺ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ بے وضو اللہ کا نام لینا جائز تو ہے مگر افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ با وضو ذکر اللہ کیا جائے۔

اس حدیث سے دو چیزیں معلوم ہوئیں اول تو یہ کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ دوسری یہ کہ اگر کوئی شخص کسی عذر کی بناء پر سلام کا جواب نہ دے سکے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اس کے بعد اپنا وہ عذر جس کی وجہ سے وہ سلام کا جواب نہیں دے سکا ہے، سلام کرنے والے کے سامنے بیان کر دے تاکہ اس کی طرف غرور و تکبر کی نسبت نہ کی جاسکے یعنی سلام کرنے والا یہ نہ سوچے کہ اس نے غرور و تکبر کی بناء پر میرے سلام کا جواب نہیں دیا ہے۔

(۱۶) وَعَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ قُثَيْبٍ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُولُ فَلَسَّ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتَّى تَوَضَّأَ ثُمَّ اغْتَسَرَ إِلَيْهِ وَقَالَ إِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَذْكَرَ اللَّهَ إِلَّا عَلَى ظَهْرٍ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ إِلَى قَوْلِهِ حَتَّى تَوَضَّأَ وَقَالَ فَلَمَّا تَوَضَّأَ رَدَّ عَلَيْهِ۔

”اور حضرت مہاجر بن قثیبہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ یہ (ایک مرتبہ) سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب کہ آپ ﷺ پیشاب کر رہے تھے، انہوں نے سلام عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے جواب نہ دیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور پھر یہ عذر بیان فرمایا کہ ”میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ بے وضو اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کروں۔“ (ابو داؤد اور نسائی) نے یہ روایت لفظ حَتَّى

سے حضرت مہاجر بن قثیبہؓ قریشی تھے جن کا کہنا ہے کہ مہاجر اور قثیبہ دونوں لقب ہیں اصل میں ان کا نام عمرو بن خلف ہے۔ آپ ﷺ کے دن اسلام لانے میں اور ہجرت کے بعد بصرہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں انتقال ہوا۔

تَوَضَّاءَ (یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وضو فرمایا) تک نقل کی ہے اور کہا کہ جب آپ ﷺ نے وضو فرمایا تو سلام کا جواب دیا۔
تشریح: ”مکروہ“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بے وضو اللہ کا نام لینا حرام ہے بلکہ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ افضل اور بہتر یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا مقدس و مبارک نام با وضو لیا جائے، اگر کسی نے بغیر وضو خدا کا نام لیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

الفصل الثالث

(۱۷) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجْبِتُ ثَمَّ يَتَامُ ثَمَّ يَنْتَبِثُ ثَمَّ يَتَامُ۔ (رواہ احمد)

”حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ حالتِ ناپاکی میں سو جایا کرتے اور پھر جاتے اور سو جاتے۔“ (احمد)
تشریح: ای باب کی حدیث نمبر ۳ میں گزر چکا ہے کہ جب آپ ﷺ حالتِ جنابت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو پہلے وضو فرمایا کرتے تھے اس کے بعد سو جایا کرتے تھے، اس حدیث میں گو اس کی صراحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ حالتِ جنابت میں سونے سے پہلے وضو فرماتے تھے مگر یہاں بھی مراد یہی ہے کہ آپ ﷺ وضو کرنے کے بعد ہی آرام فرماتے تھے۔
یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھی بغیر وضو کے بھی بیانِ جواز کے لئے سو جایا کرتے تھے تاکہ اس سے یہ معلوم ہو کہ بغیر وضو بھی سو جانا جائز ہے مگر افضل اور بہتر یہی ہے کہ وضو کرنے کے بعد سو جایا جائے۔

(۱۸) وَعَنْ شُعْبَةَ قَالَ إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْحَتَايَةِ يَفْرُغُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى سَبْعَ مَرَّاتٍ ثَمَّ يَفْسِلُ فَرَجَهُ ثَلَاثِينَ مَرَّةً كَمْ أَفْرَغَ فَمَا لَنِي فَقُلْتُ لَا أَذْرِي فَقَالَ لَا أَمَّ لَكَ وَمَا يَنْفَعُكَ أَنْ تَذَرِي ثَمَّ يَتَوَضَّأُ وَضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ ثَمَّ يَفْرِضُ عَلَى جِلْدِهِ الْمَاءَ ثَمَّ يَقُولُ هَكَذَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت شعبہؓ اوی ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ ناپاکی کا غسل فرماتے تو (پہلے) اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات مرتبہ پانی ڈالتے پھر اپنی شرم گاہ دھوتے۔ ایک مرتبہ بھول گئے کہ پانی کتنی مرتبہ ڈالا ہے؟ چنانچہ انہوں نے مجھ سے پوچھا میں نے عرض کیا ”مجھے یاد نہیں“ انہوں نے فرمایا ”تمہاری ماں مرے تمہیں یاد رکھنے سے کس نے روک دیا تھا؟“ پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کر کے اپنے سارے بدن پر پانی پھالیا اور کہنے لگے کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ بھی اس طرح پاک ہوا کرتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: غسلِ جنابت کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے متعلق متردھونے سے پہلے ہاتھوں کو دھونے کے بارے میں اس سے پہلے جو احادیث گزری ہیں یا تو وہ مطلق ہیں یعنی ان میں یہ تعداد ذکر نہیں کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کتنی مرتبہ ہاتھ دھوتے تھے یا جن میں تعداد ذکر کی گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک دو مرتبہ دھوئے ہیں یا تین مرتبہ، چنانچہ باب الفضل کی پہلی فصل میں خود حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت (نمبر ۵) گزری ہے جس میں یہ تو منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک دھوئے ان کی تعداد ذکر نہیں کی گئی ہے کہ کتنی مرتبہ دھوئے؟ لیکن یہاں حضرت شعبہؓ حضرت ابن عباسؓ کا یہ عمل نقل فرما رہے ہیں کہ وہ غسلِ جنابت کے وقت سات مرتبہ پانی ڈال کر ہاتھ دھوتے تھے۔

لہذا اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ عمل کسی خاص صورت میں ہو گا یعنی آپ ﷺ کو کوئی ایسی صورت پیش آئی ہوگی۔ جس کی بنا پر بہت زیادہ طہارت و پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے سات مرتبہ دھونا ضرور سمجھا ہوگا۔ یا پھر اس کی تاویل یہ ہوگی کہ سات مرتبہ دھونے کے حکم کے منسوخ ہونے کی اطلاع حضرت ابن عباسؓ کو نہیں ہوئی ہوگی اس لئے انہوں نے اسی پہلے حکم کے مطابق سات مرتبہ دھویا ہو گیا۔

یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ شاگرد کو اپنے شیخ و استاد کے سامنے انتہائی ہوشیاری کے ساتھ رہنا چاہئے تاکہ شیخ کے ہر

قول اور ہر عمل کو ذہن نشین کر سکے۔ نیز شیخ و استاذ کو یہ حق ہے کہ وہ شاگرد کی غفلت اور لاپرواہی پر اسے تنبیہ کرے۔“
 (۱۹) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى بَنَاتِهِ يَغْتَسِلُ عِنْدَ هَذِهِ وَعِنْدَ هَذِهِ
 قَالَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا تَجْعَلُهُ غَسَلًا وَاحِدًا خِرَاقًا هَذَا أَرْكِي وَأَطْيَبُ وَأَظْهَرُ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ایک روز اپنی تمام بیویوں کے پاس آئے (یعنی سب سے جماع کیا) اور ہر ایک بیوی سے (جماع سے فارغ ہو کر علیحدہ علیحدہ) غسل فرمایا۔ ابورافعؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ (ﷺ) آپ (ﷺ) نے آخر میں ایک ہی مرتبہ کیوں نہ غسل کر لیا؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا ”یہ (یعنی ہر جماع کے بعد غسل کرنا، خوب پاک کرتا ہے، (نفس کے لئے) بہت خوش آئند ہے اور (جسم کو) خوب صاف کرتا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس سے پہلے اسی باب کی حدیث نمبر ۵ سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ نے ایک شب میں تمام ازواجِ مطہرات سے ہم بستری فرما کر آخر میں ایک ہی مرتبہ غسل فرمایا اور یہاں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ آپ نے ایک دن تمام ازواجِ مطہرات سے ہم بستری فرمائی اور غسل کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ ہر بیوی کے ساتھ جماع سے فراغت کے بعد علیحدہ علیحدہ غسل فرمایا تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہوگی کہ آپ (ﷺ) کا وہ پہلا غسل جو اوپر بیان ہوا وہ امت کی آسانی کے لئے تھا یعنی اس بات کا اظہار مقصود تھا تمام بیویوں کے ساتھ ہم بستری سے فراغت کے بعد آخر میں ایک مرتبہ غسل کر لینا کافی ہے لیکن افضل اور بہتر چونکہ یہی ہے کہ ہر جماع کے بعد غسل کیا جائے اس لئے اس وقت آپ (ﷺ) نے ہر جماع کے بعد علیحدہ علیحدہ غسل فرمایا۔

آپ (ﷺ) نے حضرت ابورافعؓ کے جواب میں ہر مرتبہ غسل کرنے کی جو وجہ بیان فرمائی ہے اس میں تین لفظ استعمال فرمائے ہیں ① انک ② اطیب ③ اطہر۔ ان تینوں الفاظ کے فرق کو ظاہر کرتے ہوئے علامہ طہیؒ فرماتے ہیں کہ ”تطہیر“ کا استعمال ظاہر بمناسبت سے ہے اور تزکیہ و تطیب کا استعمال باطنی مناسبت سے ہے یعنی تطہیر اخلاق بد کے ازالہ کے لئے ہے اور تزکیہ و تطیب اچھی خصلتوں کے حصول کے لئے ہے گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس طرح غسل کرنے سے برے اخلاق مثلاً غصہ وغیرہ دور ہوتے ہیں اور اچھے اخلاق یعنی علم و تقویٰ وغیرہ حاصل ہوتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ ظَهْرِهِ الْمُرَوِّقِ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ و الترمذی و زاد و قال بشورہا و قال هذا حديث حسن صحيح)

”اور حضرت حکم بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم (ﷺ) نے عورت کے غسل یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے مرد کو وضو کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی اور ترمذی نے یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ ”یا آپ (ﷺ) نے منع فرمایا، عورت کے (وضو کے) بقیہ پانی سے“ نیز (ترمذی) نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

تشریح: لفظ مشورہ یہاں غسل یا وضو کے ”بقیہ پانی“ کے معنی میں ہے، اس کے لغوی معنی ”جموٹا“ مراد نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ راوی کو فقط لفظ میں شک واقعہ ہوا ہے کہ آپ (ﷺ) نے یا تو ”غسل“ کہا ہے یا ”سور“ فرمایا ہے۔

اس فصل کی حدیث نمبر ۱ کی تشریح میں اس حدیث کا تذکرہ آچکا ہے ان دونوں حدیثوں میں جو تعارض واقع ہو رہا ہے اس کی وضاحت وہاں کی جا چکی ہے علامہ سید جمال الدینؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث اور اس کے بعد آنے والی حدیث نمبر ۳ سے عورت کے غسل یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے مرد کو وضو کرنے کی جو ممانعت ثابت ہو رہی ہے اس کو ”نہی تنزیہی“ پر محمول کیا جائے تاکہ اس حدیث اور

۱۔ ام گرامی حکم ابن عمرؓ سے قبیلہ غفار کی نسبت سے مشہور ہیں آپ صحابی ہیں وفات نبی کے بعد ہمدون چلے گئے ان کے سوتیلے بھائی زیاد نے انہیں خراسان کا حاکم بنایا تھا چنانچہ ان کی وفات بھی خراسان کے مضافات مقام مرو میں چچاس بھری میں ہوئی۔

اس حدیث نمبر ۱ میں جس سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زوجہ مطہرہ کے غسل کے بچے ہوئے پانی سے وضو فرمایا تھا تعارض پیدا نہ ہو سکے اور دونوں حدیثیں اپنی اپنی جگہ قابل عمل رہیں۔

① وَعَنْ حُمَيْدِ بْنِ الْحُمَيْمِ قَالَ لَقِيتُ رَجُلًا صَحَبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَبَعَ مِائِينَ كَمَا صَحَبَهُ أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَغْتَسِلَ الْمَرْأَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ أَوْ يَغْتَسِلَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ الْمَرْأَةِ زَادَ مُسَدَّدٌ وَلِيُغْتَسِرَ فَاجْمَعَا زَوْاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَزَادَ أَحْمَدُ فِي أَوَّلِهِ نَهَى أَنْ يَمْتَسِطَ أَحَدُهُمَا كُلَّ يَوْمٍ أَوْ يَتَوَلَّى فِي مَغْتَسِلٍ وَزَوْاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَرْجَسٍ۔

”اور حضرت حمید حمیریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص سے ملا جو ابو ہریرہؓ کی طرح چار برس سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں رہ چکے تھے انہوں نے کہا کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ عورت مرد کے غسل کے بچے ہوئے پانی سے نہائے یا مرد عورت کے غسل کے بچے ہوئے پانی سے نہائے۔ (ایک راوی) مسددؒ نے یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ ”دونوں اکٹھے ہو کر علیحدہ علیحدہ چلو لے کر نہالیں تو جائز ہے۔“ (ابوداؤد، نسائی) اور امام احمدؒ نے اس روایت کے شروع میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ ”آپ ﷺ نے اس سے (بھی) منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص ہر روز کنگھی کرے اور نہائے کی جگہ پیشاب کرے اور ابن ماجہؒ نے یہ روایت عبد اللہ بن سرجسؒ سے نقل کی ہے۔“

تشریح: روزانہ کنگھی کرنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جن کا مقصد صرف بناؤ سنگار اور زیب و زینت ہوتا ہے لہذا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کنگھی تیسرے روز کی جائے یعنی درمیان میں ایک دن کا ناغہ کرنا چاہئے۔
غسل کرنے کی جگہ پیشاب کرنا اس لئے منع ہے کہ اس سے دوسرے پیدا ہوتے جو عبادت میں حضوری قلب کے لئے سد راہ بنتے ہیں۔

بَابُ أَحْكَامِ الْمِيَاهِ

پانی کے احکام کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُولُ مَنْ أَحْدَكُمُ فِي الْمَاءِ الدَّايمِ الَّذِي لَا يَخْرُؤُ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا يَغْتَسِلُ أَحْدَكُمُ فِي الْمَاءِ الدَّايمِ وَهُوَ جُثْبٌ قَالُوا كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ يَتَنَاوَلُهُ تَنَاوُلًا۔

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص اس ٹھہرے ہوئے پانی میں جو بنے والا نہ ہو یہ پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی میں غسل کرنے لگے (یعنی کسی دانشمند سے یہ بعید ہے کہ وہ پانی میں پیشاب کر لے پھر اسی پانی سے غسل کر لے)“ (بخاری، مسلم) مسلمؒ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ناپاکی کی حالت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے (تاکہ پانی ناپاک نہ ہو جائے) لوگوں نے کہا ”ابو ہریرہؓ پھر کس طرح نہانا چاہئے؟“ انہوں نے فرمایا ”اس میں سے تھوڑا

۱۔ ام گرامی حمید بن عبد الرحمن ہے، قبیلہ حمیر سے تعلق کی وجہ سے حمیری کی نسبت سے مشہور ہیں طویل القدر تالیبی ہیں اپنے علم و فضل کی بنا پر اہل بصرہ کے امام سمجھے جاتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے سماعت کا شرف حاصل ہے۔

تھوڑا پانی (چلو سے) لے کر (پانی سے باہر نہانا چاہئے۔“

تشریح: یہاں جس پانی میں پیشاب کرنے اور پھر اس میں نہانے سے روکا جا رہا ہے اس سے ماء قلیل یعنی تھوڑا پانی مراد ہے کیونکہ ماء کثیر یعنی زیادہ پانی ماء جاری یعنی بننے والے پانی کا حکم رکھتا ہے جو پیشاب وغیرہ سے ناپاک نہیں ہوتا اور پھر اس میں نہانا بھی جائز ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ ماء کثیر یعنی زیادہ پانی میں بھی پیشاب کرنا ممنوع ہے اگرچہ وہ پانی پیشاب وغیرہ سے نجس نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اس میں کوئی شخص پیشاب کرے گا تو اس کے دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس میں پیشاب کرنے لگیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عمومی طور پر سب ہی لوگ اس میں پیشاب کرنے کی عادت میں مبتلا ہو جائیں گے جس کی وجہ سے پانی رفتہ رفتہ متغیر ہو جائے گا یعنی جب اس میں زیادہ اور کثرت سے پیشاب کیا جائے گا تو پانی کا رنگ مزہ اور بو تینوں چیزیں بدل جائیں گی اور پانی اصل حیثیت کھو کر ناپاک ہو جائے گا۔

لہذا اب اس حدیث میں مذکور حکم کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ پہلی شکل یعنی پانی کم ہونے کی صورت میں تو یہ بھی حرامت کے لئے ہے کیونکہ کم پانی میں پیشاب کرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ دوسری شکل یعنی پانی زیادہ ہونے کی صورت میں کراہت کے لئے ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اصطلاح شریعت میں ”کم پانی“ اور زیادہ پانی کی مقدار اور اس کی تحدید کیا ہے؟ تو اس سلسلہ میں انشاء اللہ تعالیٰ اس کے صفحات میں پوری وضاحت کی جائے گی۔

اسے بھی سمجھ لیجئے کہ حدیث میں پانی کے ساتھ جاری یعنی بننے والے کی قید کیوں لگائی گئی ہے؟ اس قید کی وجہ یہ ہے کہ اگر پانی جاری یعنی بننے والا ہو تو خواہ کم ہو یا زیادہ ہو اس میں نجاست مثلاً پیشاب وغیرہ پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

نیز علماء نے لکھا ہے کہ یہ تمام تفصیلات دین کے لئے ہیں، رات میں جنابت کے خوف کی وجہ سے مطلقاً اس میں قضائے حاجت مکروہ اور ممنوع ہے کیونکہ جنات رات کو وہیں رہتے ہیں جہاں پانی ہوتا ہے چنانچہ کچھ جیشتر ندی و نالے اور تالاب جو ہزاروں نہروں وغیرہ رات میں جنات کا مسکن ہوتے ہیں۔

حدیث کے آخری حصہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی جنبی پانی میں ہاتھ نکالنے کے لئے ڈالے تو پانی مستعمل یعنی ناقابل استعمال نہیں ہوگا اور اگر وہ پانی میں ہاتھ اس لئے ڈالے تاکہ اپنے ہاتھوں کو ناپاکی دور کرنے کے لئے اس میں دھوئے تو اس شکل میں پانی مستعمل یعنی ناقابل استعمال ہو جائے گا۔

(۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُثَالَ فِي الْمَاءِ الرَّأْسَ الْكَبِيرِ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (مسلم)

(۳) وَعَنْ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ ذَهَبْتُ إِلَى خَالَتِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا زَيْدُ إِنَّ النَّبِيَّ أَخْبَنِي وَجَعٌ فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَانِي بِالنَّوْكَةِ ثُمَّ قَوَّضًا فَمَسَحَتْ مِنْ وَضُوئِهِ ثُمَّ قَفَضَتْ خَلْفَهُ فَظَلَمَتْهُ فَظَلَمْتُ إِلَى خَاتِمِ الثُّبُوتِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زُرِّ الْحَجَلَةِ (متن علیہ)

”اور حضرت سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ ”میری خالہ مجھے سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں لے گئیں، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (یہ) میرا بھانجا بیمار ہے۔“ چنانچہ آپ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی، پھر آپ ﷺ نے وضو کیا اور میں نے آپ ﷺ کے وضو کا پانی پی لیا۔ اس کے بعد میں آپ ﷺ کی پشت مبارک کے پیچھے کھڑا ہو کر ہر نبوت کو دیکھنے لگا جو آپ ﷺ کے منڈھوں کے درمیان تھی اور دامن کے پٹک کی گھنڈی کی طرح (چمک رہی تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”وضو کے پانی“ سے یا تو یہ مراد ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وضو فرمانے کے بعد جو پانی برتن میں باقی رہ گیا تھا حضرت سائبؓ

لئے اسے پی لیا یا اس سے مراد یہ ہے کہ جب آپ ﷺ وضو فرما رہے تھے تو جو پانی آپ ﷺ کے اعضاء وضو سے گرنا جاتا تھا حضرت سائبؓ حصول برکت و سعادت کے خاطر اسے پیتے جاتے تھے۔

خدائے تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو نبوت و رسالت کے منصب سے سرفراز فرما کر جب دنیا میں مبعوث کیا تو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی حقانیت و صداقت کی دلیل کے طور پر جہاں اور بہت سی نشانیاں اور معجزے دیئے وہیں ایک بڑی نشانی آپ ﷺ کے مونڈھوں کے درمیان ”مہرِ نبوت“ بھی ثبت فرمائی چنانچہ حضرت سائبؓ اسی مہرِ نبوت کی مقدار اور اس کی ہیئت بیان فرما رہے ہیں کہ وہ چھپر کی گھنڈی کی طرح تھی۔

اس نشانی کو ”مہرِ نبوت“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے کے انبیاء علیہم السلام پر خدائے تعالیٰ کی جانب سے جو کتابیں نازل کی گئی تھیں ان میں آنحضرت ﷺ کی آمد اور بعثت کی خبر دیتے ہوئے آپ ﷺ کی یہ علامت بتائی گئی تھی کہ آپ ﷺ کے مونڈھوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو اسی مہرِ نبوت کو دیکھ کر آپ ﷺ پہچانے گئے کہ آپ ہی وہی نبی آخر الزماں ہیں جن کی بعثت کی خبر پہلے کتابوں میں دی گئی ہے چنانچہ یہ ”مہرِ نبوت“ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی علامت قرار دی گئی اس کے علاوہ علماء نے اس کی وجہ تمییز اور بھی لکھی ہیں مگر یہاں طوالت کی وجہ سے سب کو ذکر نہیں کیا جا رہا ہے۔

مہرِ نبوت کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ اس کے اندرونی حصہ میں وَخَذَهُ لَأَشْرِيكَ کے الفاظ مرقوم تھے اور اندرونی حصہ میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی تَوَجَّهْ خَيْثُ مَا كُنْتَ فَإِنَّكَ تُنْصَرِّفُ یعنی جدھر بھی آپ ﷺ متوجہ ہوں گے ہماری مدد آپ ﷺ کے ساتھ ہوگی۔ ”مہرِ نبوت“ کے ظاہر ہونے کے وقت میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات نے تو یہ کہا ہے کہ جب آپ ﷺ کا سینہ مبارک شق کر کے سیا گیا تو اس کے بعد یہ نمودار ہوئی بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے فوراً بعد یہ مہر ظاہر ہوئی اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اس مہر سمیت ہی پیدا ہوئے تھے۔ واللہ اعلم

الفصل الثانی

② عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَاءِ يَكُونُ فِي الْفَلَاءِ مِنَ الْأَرْضِ وَمَا يَتَوَلَّاهُ مِنَ الدَّوَابِّ وَالسَّبَاعِ فَقَالَ إِذَا كَانَ الْمَاءُ قَلْتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَنُّيُّ وَالْحَارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِي أَخْرَافٍ لِابْنِ دَاوُدَ فَإِنَّهُ لَا يَنْجَسُ)

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ سے اس پانی کا حکم پوچھا گیا جو جنگل میں زمین پر جمع ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر چوہائے درندے اس پر آتے جاتے رہتے ہیں (یعنی جانور وغیرہ اس پانی میں آکر اسے پیتے ہیں اور اس میں پیشاب وغیرہ بھی کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر پانی دو قلوں کے برابر ہو تو وہ ناپاک کو قبول نہیں کرتا (یعنی نجاست وغیرہ پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا)۔“ (احمد ابو داؤد، ترمذی، نسائی، دارقطنی، ابن ماجہ اور ابو داؤد کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔“)

تشریح: قلّہ بڑے مکے کو کہتے ہیں جس میں ازھانی مشک پانی آتا ہے ”قلّتین“ یعنی دو مشکوں میں پانچ مشک پانی سماتا ہے دو مشکوں کے پانی کا وزن علماء نے سو اچھ من لکھا ہے اس حدیث کے پیش نظر حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پانی دو مشکوں کے برابر ہو اور اس میں نجاست و غلاظت گر جائے تو جب تک پانی کارنگ، مزہ اور بو متغیر نہ ہو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

لیکن جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے اس کے بارے میں علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ سفر السعاده کے مصنف جو ایک جلیل القدر محدث ہیں لکھتے ہیں کہ ”علماء کی ایک جماعت کا قول تو یہ ہے کہ حدیث صحیح ہے مگر ایک دوسری

جماعت کا کہنا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

علی بن مدینی نے جو جلیل القدر علماء اور ائمہ حدیث کے امام اور حضرت امام بخاری کے استاد ہیں لکھا ہے کہ ”یہ حدیث آنحضرت ﷺ سے ثابت ہی نہیں ہے۔“

نیز علماء لکھتے ہیں کہ ”یہ حدیث اجماع صحابہ کے برخلاف ہے کیونکہ ایک مرتبہ چاہ زمزم میں ایک حبشی گرہڑا تو حضرت بن عباسؓ اور حضرت ابن زبیرؓ نے یہ حکم دیا کہ کنویں کا تمام پانی نکال دیا جائے اور یہ واقعہ اکثر صحابہ کے سامنے ہوا اور کسی نے بھی اس حکم کی مخالفت نہیں کی۔“

پھر اس کے علاوہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”اس مسئلہ میں پانی کی حد اور مقدار متعین کرنے کے سلسلے میں نہ تو حنفیہ کو اور نہ ہی شوافع کو ایسی کوئی صحیح حدیث ہاتھ لگی ہے جس سے معلوم ہو کہ نجاست پرنے سے کتنی مقدار کا پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور کتنی مقدار کا ناپاک نہیں ہوتا۔“

امام طحاویؒ جو فن حدیث کے ایک جلیل القدر امام اور حنفی مسلک تھے فرماتے ہیں کہ ”حدیث قلتین (یعنی یہ حدیث) اگرچہ صحیح ہے لیکن اس پر ہمارے عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں پانی کی مقدار دو قلعہ بتائی گئی ہے اور قلعہ کے کئی معنی آتے ہیں، چنانچہ قلعہ منکے کو بھی کہتے ہیں اور مشک کو بھی، نیز پہاڑ کی چوٹی بھی قلعہ کہلاتی ہے، لہذا جب یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں حدیث میں قلعہ سے کیا مراد ہے تو اس پر عمل کیسے ہو سکتا ہے؟

بہر حال اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ جو علماء صرف حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہیں ان کا مسلک تو یہ ہے کہ ”نجاست وغیرہ پرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا خواہ پانی کم ہو یا زیادہ ہو، جاری ہو یا ٹھہرا ہوا ہو، اور خواہ نجاست پرنے سے پانی کا رنگ مزہ اور بو متغیر ہو یا نہ ہو“ یہ حضرات دلیل میں اس کے بعد آنے والی حدیث (نمبر ۵) کے یہ الفاظ پیش کرتے ہیں کہ **إِنَّ الْمَاءَ ظُهُورٌ لَا يَتَجَسَّدُ شَيْئًا** (یعنی پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی) حالانکہ مطلقاً پانی نہیں ہے بلکہ زیادہ پانی ہے۔

ان کے علاوہ تمام علماء اور محدثین کا مسلک یہ ہے کہ اگر پانی زیادہ ہو گا تو نجاست پرنے سے ناپاک نہیں ہو گا اور اگر پانی کم ہے تو نجاست پرنے سے ناپاک ہو جائے گا۔

اب اس کے بعد یہ چاروں اماموں کے ہاں ”زیادہ“ اور ”کم“ کی مقدار میں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام مالکؒ تو فرماتے ہیں کہ نجاست پرنے سے جس پانی کا رنگ، مزہ اور بو متغیر نہ ہو وہ ماء کثیر زیادہ پانی کہلائے گا اور جو پانی متغیر ہو جائے وہ ماء قلیل (کم پانی) کے حکم میں ہو گا۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک اس حدیث کے پیش نظر یہ ہے جو پانی دو قلوں کے برابر ہو گا اسے ماء کثیر کہیں گے اور جو پانی دو قلوں کے برابر نہ ہو گا وہ ”ماء قلیل“ کہلائے گا۔

حضرت امام اعظمؒ اور ان کے ماننے والے یہ کہتے ہیں کہ ”اگر پانی اتنی مقدار میں ہو کہ اس کے ایک کنارہ کو بہانے سے دوسرا کنارہ نہ بہے تو وہ ”ماء کثیر“ ہے اور اگر دوسرا کنارہ بہنے لگے تو وہ ”ماء قلیل“ ہے۔“

بعد کے بعض حنفی علماء نے ”وہ درود“ کو ماء کثیر کہا ہے یعنی اتنا بڑا حوض جو دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو اور اتنا گہرا ہو کہ اگر چلو سے پانی اٹھائیں تو زمیں نہ کھلے ایسے حوض کو وہ درود کہتے ہیں۔ چنانچہ ایسے حوض کے پانی میں جو ”وہ درود“ ہو ایسی نجاست پڑ جائے جو پڑ جانے کے بعد دکھائی نہیں دیتی ہو جیسے پیشاب، خون، شراب وغیرہ تو چاروں طرف وضو کرنا درست ہے جدھر چاہے وضو کیا جاسکتا ہے، البتہ اگر استے بڑے حوض میں اتنی نجاست پڑ جائے کہ پانی کا رنگ یا مزہ بدل جائے یا بدبو آنے لگے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر حوض کی شکل یہ ہو کہ لمبا تو وہ بیس ہاتھ اور چوڑا پانچ ہاتھ ہو یا ایسے ہی لمبا چھ بیس ہاتھ ہو اور چوڑا چار ہاتھ ہو تو یہ بھی وہ درود کی مثل ہی کہلائے گا۔

⑤ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اَنْتَوُ ضَا مِنْ بَنِي بَصَاعَةَ وَهِيَ بَنُو يُلْفَى فِيهَا الْحَيْضُ وَنَحْنُ مِنَ الْكِلَابِ وَالتَّنَشُّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَاءَ ظَهْوُ لَا يَنْجِسُهُ شَيْئٌ۔

(رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و النسائی)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم بضاعہ کے کنویں (کے پانی) سے وضو کر سکتے ہیں؟ (جب کہ) اس کنویں میں حیض کے (خون میں بھرے ہوئے) کپڑے کتوں کے گوشت اور گندگی ڈالی جاتی ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”(اس کنویں کا) پاک ہے (جب تک کہ اس کے رنگ، مزہ اور بوس میں فرق نہ آئے) اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔“ (احمد، ترمذی، ابو داؤد، نسائی)

تشریح: پیر بضاعہ عنہ کے ایک کنویں کا نام ہے وہ ایک ایسی جگہ واقع تھا جہاں نالے کی رود آتی تھی اس نالے میں جو گندگی اور غلاظت ہوتی تھی وہ اس کنویں میں پڑتی تھی مگر کہنے والے نے کچھ اس انداز سے بیان کیا ہے جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ لوگ خود اس میں نجاست ڈالتے تھے، حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اس قسم کی گندگی اور غلط چیزوں کا اثر کتاب تو عام مسلمان بھی نہیں کر سکتا چہ جائے کہ وہ ایسی غیر شرعی غیر اخلاقی چیز کا ارتکاب کرتے جو افضل المؤمنین تھے۔

بہر حال۔ اس کنویں میں بہت زیادہ پانی تھا اور چشمہ دار تھا اس لئے جو گندگی اس میں گرتی تھی بہرہ کر نکل جاتی تھی بلکہ علماء کی تحقیق تو یہ ہے کہ اس وقت کنواں جاری تھا اور نہر جاری کی طرح ایک باغ میں بہتا بھی تھا چنانچہ جب آپ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے کنویں کی اس صفت کی وجہ سے اس کے پانی کے بارے میں وہی حکم فرمایا جو ماء کثیر یا جاری پانی کا ہوتا ہے۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ نجاست پڑنے سے کوئی پانی ناپاک نہیں ہوتا خواہ وہ تھوڑا پانی ہو یا زیادہ پانی بلکہ یہ حکم ماء کثیر یعنی زیادہ پانی کا ہے ماء قلیل یعنی کم پانی کا یہ حکم نہیں ہے۔

حنفیہ کے بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ چشمہ دار کنواں بھی ”جاری پانی“ کا حکم رکھتا ہے یعنی جو حکم بسنے والے پانی کا ہوتا ہے وہی چشمہ دار کنویں کا ہوتا ہے۔

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَزَكْتُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيلَ مِنَ الْمَاءِ فَإِنْ قَوَّضْنَا نَابَهُ عَطِشْنَا أَفَنَتَوَضَّأُ بِمَاءِ الْبَحْرِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الظَّهْوُ مَاءُ وَالْجَلُّ مَيْتَشَةٌ۔ (رواہ مالک و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ”ایک شخص نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم (کھارے) دریا میں کشتی کے ذریعہ سفر کرتے ہیں اور (بٹھا) پانی اپنے ہمراہ تھوڑا لے جاتے ہیں اس لئے اگر ہم اس پانی سے وضو کر لیں تو پیا سے رہ جائیں! تو کیا ہم دریا کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں (یا تیمم کر لیا کریں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”دریا کا وہ پانی پاک کرنے والا ہے اس کا مردار حلال ہے۔“

(مالک، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: ”میتہ“ اس مردار جانور کو کہتے ہیں جو بغیر ذبح کئے ہوئے اپنے آپ مرجائے چنانچہ اس حدیث میں میتہ (سے مراد) مچھلی ہے کیونکہ اسے ذبح نہیں کرتے اس کا شکار کرنا اور اسے پانی سے نکالنا ہی اس کو ذبح کرنے کے مترادف ہے۔ البتہ جو مچھلی پانی میں مرجائے وہ حنفیہ کے یہاں حلال نہیں ہے۔

دریائی جانوروں میں مچھلی تمام علماء کے ہاں متفقہ طور پر حلال ہے، دوسرے جانوروں کے بارے میں اختلاف ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

(۷) وَعَنْ أَبِي زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ لَيْلَةُ الْحَجِّ مَا هِيَ إِذَا وَتَكَ قَالَ قُلْتُ نَبِيُّدٌ قَالَ تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ ظَهْوَرٌ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَزَادَ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ فَتَوَضَّأُ مِنْهُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ أَبُو زَيْدٌ مَجْهُولٌ وَصَحَّ عَنْ عُلُقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمْ أَكُنْ لَيْلَةَ الْحَجِّ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو زید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ نے لیلۃ الحج (یعنی جن کی رات) میں ان سے پوچھا کہ تمہاری چھاگل میں کیا ہے عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں ہے کہا کہ نبیؐ (یعنی کھجوروں کا شربت) ہے“ آپ ﷺ نے فرمایا کھجوریں پاک ہیں اور پانی پاک کرنے والا ہے (ابوداؤد اور امام احمدؒ و امام ترمذیؒ) نے یہ الفاظ زیادہ نقل کئے ہیں کہ ”پس آپ ﷺ نے اس سے وضو کیا“ نیز امام ترمذیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ابو زید کا پتہ نہیں کہ یہ کون ہیں ہاں حضرت علقمہؒ البتہ عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح طور پر یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ”میں لیلۃ الحج میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نہیں تھا۔“ (مسلم)

تشریح: لیلۃ الحج اس رات کو کہتے ہیں جس میں جنات کی ایک جماعت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئی تھی اور آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے ان کے سامنے قرآن کریم پڑھا تھا جس کے بعد وہ جماعت اپنی قوم میں گئی اور اسلام کی دعوت اور قرآن کی تعلیمات سے انہیں آگاہ کیا اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید کی سورہ جن میں بھی کیا گیا ہے۔

”نبیؐ تمر“ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ چھوڑے پانی میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور انہیں چند روز تک اسی طرح پانی میں رہنے دیا جاتا ہے جس کے بعد دونوں کا شربت سا بن جاتا ہے اور اس میں ایک قسم کی تیزی بھی آجاتی ہے، یہ شربت جب تک تیزو تند نہیں ہوتا طحال رہتا ہے چنانچہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے یہ نبیؐ تمر بنایا جاتا تھا۔

نبیؐ تمر سے وضو کرنا مختلف فیہ ہے، چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر وضو کے لئے خاص پانی نہ ملے تو نبیؐ تمر سے وضو کیا جاسکتا ہے اس کی موجودگی میں تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ اس مسلک سے اختلاف کرتے ہیں، حضرت امام اعظمؒ کی دلیل یہی مذکورہ حدیث ہے یہ حدیث چونکہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے خلاف ہے اس لئے شوافع اس حدیث کو ضعیف ثابت کرتے ہیں چنانچہ حضرت امام ترمذیؒ ”بھی یہی بات کہہ رہے ہیں کہ حدیث کے راوی ابو زید غیر معروف ہیں اس لئے ان کی روایت کردہ حدیث پر کسی مسلک کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، امام ترمذیؒ دوسری چیز یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لیلۃ الحج میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نہیں تھے۔ اس کی شہادت میں وہ حضرت علقمہؒ کی ایک روایت پیش کر رہے ہیں جو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہی سے مروی ہے اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ جب عبداللہ بن مسعودؓ کا آنحضرت ﷺ کے ہمراہ اس رات میں ہونا ہی ثابت نہیں ہے تو ابو زید کی یہ روایت یقیناً صحیح نہیں ہو سکتی۔

لیکن جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک برحق ہے کیونکہ حضرت امام ترمذیؒ کا یہ کہنا ابو زید مجہول راوی ہیں حدیث کی حیثیت پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتا اس لئے کہ حدیث کے راویوں کے غیر معروف ہونے کا دعویٰ دوسرے طریقوں سے غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس روایت میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نہیں تھے، بالکل غلط ہے، کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کی موجودگی دیگر روایتوں سے بھی تحقیق کے ساتھ ثابت ہے چنانچہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اس شب میں جنات کو اسلام کی دعوت اور قرآن کی تعلیمات بتانے میں مشغول ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک جگہ بٹھا دیا اور ان کے ارد گرد لکیر کھینچ کر ایک دائرہ بنایا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اس دائرہ سے باہر نہ نکلیں۔

حضرت علقمہؒ کی روایت کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے مگر اس کا مطلب حضرت ابن مسعودؓ کی موجودگی کا سرے سے انکار نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ جنات سے ہم کلام تھے اس وقت حضرت ابن مسعودؓ آپ ﷺ کے پاس حاضر نہ

تھے، یا یہ کہ آنحضرت ﷺ جس وقت جنات کے پاس تشریف لے جا رہے تھے ابن مسعودؓ اس وقت آپ ﷺ کے پاس نہیں تھے بلکہ آخر شب میں جا کر آپ ﷺ سے ملاقات کی۔ واللہ اعلم

⑧ وَعَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَتْ تَحْتَ ابْنِ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَكَبَتْ لَهُ وَضُوءًا فَبَجَاءَتْ هَرَّةٌ فَشَرِبَ مِنْهُ فَأَضْعَى لَهَا الْإِنَاءَ حَتَّى شَرِبَتْ قَالَتْ كَبْشَةُ فَرَأَيْنِي أَنْظُرَ إِلَيْهِ فَقَالَ اتَّعَجِبِينَ يَا ابْنَةَ أَخِي قَالَتْ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّهَا لَيَسْتَبْجِسُ إِنَّهَا مِنَ الظُّوْافِينِ عَلَيْكُمْ أَوْ الظُّوْافَاتِ۔ (رواہ مالک و احمد و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت کبشہ بنت کعب بن مالک سے جو حضرت ابو قتادہؓ کے بیٹے کی بیوی تھیں مروی ہے کہ ”(ایک روز ان کے سر حضرت ابو قتادہؓ ان کے پاس آئے (کبشہ کہتی ہیں کہ) میں نے ان کے وضو کے لئے (ایک برتن میں) پانی رکھ دیا، ایک بلی اگر اس میں سے پانی پیئے گی، حضرت ابو قتادہؓ نے برتن کو اس کی طرف جھکا دیا (تاکہ وہ آسانی سے پانی پی لے) چنانچہ بلی نے پانی پی لیا“ کبشہ کہتی ہیں کہ جب حضرت ابو قتادہؓ نے مجھے دیکھا کہ میں (تعجب سے ان کی طرف دیکھ رہی ہوں تو انہوں نے کہا ”سیری بھتیجی“ کیا تمہیں اس پر تعجب ہو رہا ہے؟ میں نے کہا ”جی ہاں۔“ حضرت ابو قتادہؓ نے کہا کہ سر کا دوا عالم ﷺ نے فرمایا ”بلیاں ناپاک نہیں ہیں، کیونکہ یہ تمہارے پاس آنے جانے والوں میں سے ہیں“ یا یہ فرمایا ”آنے جانے والوں میں سے ہیں۔“ (مالک، احمد، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: حضرت ابو قتادہؓ نے کبشہ کو بھتیجی کہا ہے حالانکہ وہ ان کی بھتیجی نہیں تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں عام طور پر مرد مخاطب کو اگر وہ چھوٹا ہوتا ہے بھتیجا یا چچا کہتا اور عورت مخاطب کو بھتیجی کہہ کر پکارتے ہیں چاہے حقیقت میں ان کا یہ رشتہ نہ ہو کیونکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، اس لئے وہ اسلامی اخوت کے رشتہ کے پیش نظر اس کی اولاد کو بھتیجا یا بھتیجی کہتے ہیں۔ روایت میں ”ظوافین“ اور ”ظوافات“ دونوں لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بلی اگر نر ہے تو اس کی مناسبت سے ”ظوافین“ کا لفظ ہو گا اور اگر مری مادہ ہے تو اس کی مناسبت سے ”ظوافات“ کا لفظ ہو گا۔

یہ دونوں لفظ یہاں ”خادم“ کے معنی میں استعمال فرمائے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ”بلیاں تمہاری خادم ہیں“ ان کو خادم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی انسانوں کی مختلف طریقہ سے خدمت کرتی ہیں اور ان کے آرام و راحت کی بعض چیزوں میں بڑی معاون ہوتی ہیں مثلاً نقصان دہ جانوروں جیسے چوہے وغیرہ کو یہ مارتی ہیں۔ یا ان کو خادم اس مناسبت سے کہا گیا ہے کہ جیسے خادموں کی خبر گیری میں ثواب ہوتا ہے اسی طرح بلیوں کی خبر گیری میں بھی ثواب ہوتا ہے اور جس طرح گھروں میں خادم پھرتے رہتے ہیں اس طرح بلیاں بھی گھروں میں پھرتی رہتی ہیں۔

بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلیاں تمہارے پاس ہر وقت خادموں کی طرح رہتی ہیں اور گھر کے ہر حصہ میں پھرا کرتی ہیں اگر ان کے جھوٹے کانپاک قرار دے دیا جائے تو تم سب بڑی دشواریوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اس لئے یہ حکم کیا جاتا ہے کہ بلیوں کا جھوٹا پاک ہے۔ گویا یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بلی کا جھوٹا پاک ہے چنانچہ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ بلیوں کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے بلکہ پاک ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ بلی کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے یعنی اگر بلی کے جھوٹے پانی کے علاوہ دوسرا پانی نہ مل سکے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ اس کی موجودگی میں یتیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر بلی کے جھوٹے پانی کے علاوہ دوسرا پانی موجود ہو اور اس کے باوجود اسی جھوٹے پانی سے وضو کیا جائے گا تو وضو ہو جائے گا لیکن مکروہ ہو گا۔

امام صاحبؒ اس شکل میں اسے مکروہ بھی اس لئے کہتے ہیں کہ ایک دوسری حدیث میں بلی کو درندہ کہا گیا ہے اور درندہ کے بارے میں بتایا گیا کہ ناپاک ہوتا ہے لیکن یہ حدیث چونکہ اس کے بالکل برعکس ہے اس لئے ان دونوں حدیثوں پر نظر رکھتے ہوئے کوئی ایسا حکم نافذ

کیا جانا چاہئے جو دونوں حدیثوں کے مفہوم کے مطابق ہو لہذا اب یہی کہا جائے گا کہ جس حدیث میں بلی کو درندہ کہہ کر اس کی نجاست کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے مگر اس حدیث نے بلی کے نجاست کے حکم کو کراہت میں بدل دیا ہے لہذا اس کے جھوٹے کو ناپاک تو نہیں کہیں گے البتہ مکروہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

⑨ وَعَنْ دَاوُدَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ ابْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ مَوْلَانَهَا أَرْسَلَهَا بِهَرِيسَةَ إِلَى عَائِشَةَ قَالَتْ فَوَجَدْتُهَا تُصَلِّي فَاسَارَتْ إِلَيَّ أَنْ صَعِبَتْهَا فَجَاءَتْ هِرَّةٌ فَأَكَلَتْ مِنْهَا فَلَمَّا انْصَرَفَتْ عَائِشَةُ مِنْ صَلَاتِهَا أَكَلْتُ مِنْ حَيْثُ أَكَلَتِ الْهِرَّةُ فَقَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّهَا مِنَ الطَّوَافِينِ عَلَيْكُمْ وَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِفَضْلِهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت داؤد بن صالح بن دینار اپنی والدہ مکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ ”(ایک روز) انہیں ان کی آزاد کرنے والی مالکہ نے ہریرہ (یعنی حریرہ) دیکر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت اقدس میں بھیجا ان کی والدہ فرماتی ہیں کہ ”میں نے (وہاں پہنچ کر) حضرت عائشہؓ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا حضرت عائشہؓ نے اشارہ سے اسے رکھ دینے کے لئے مجھ سے کہا (چنانچہ میں نے ہریرہ کا برتن رکھ دیا اسے میں) ایک بلی اگر اس میں سے کھانے لگی۔ حضرت عائشہؓ جب نماز سے فارغ ہوئیں تو حریرہ کو بلی نے جس طرح سے کھایا تھا اسی طرح سے انہوں نے بھی کھایا پھر فرمایا کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”بلی ناپاک نہیں ہے اور وہ تمہارے پاس آئے جانے والوں میں سے ہے“ اور میں نے خود سرکارِ دو عالم ﷺ کو بلی کے جھوٹے (پانی) سے وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: داؤد کی والدہ جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس حریرہ لے کر پہنچیں تو وہ نماز میں مشغول تھیں اس لئے انہوں نے اپنے ہاتھ یا سر وغیرہ سے انہیں اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ یہ برتن رکھ دو اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں اس طرح کے معمولی اشارے جائز ہیں کیونکہ یہ عمل کثیر نہیں ہے چنانچہ نماز کو فاسد اور ختم کر دینے والی چیز یا تو ننگو ہے یا گل کثیر ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ خود بلی کے جھوٹے پانی سے وضو فرمایا کرتے تھے۔ لہذا جن علماء کا مسلک یہ ہے کہ بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا مکروہ تنزیہی ہے مثلاً امام ابو حنیفہؒ تو وہ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فعل آسانی و رخصت پر عمل کرنے کے مترادف ہے اور بیانِ جواز کے لئے ہے۔ البتہ جن علماء کے نزدیک بلی کا جھوٹا پاک ہے ان کو اس حدیث کی کوئی تاویل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اس سے تو ان ہی کے مسلک کی تائید ہوتی ہے علماء نے لکھا ہے کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بلیوں کو پالنے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

⑩ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّوَضَّأَ بِمَا أَفْضَلَتِ الْحُمُرُ قَالَ نَعَمْ وَبِمَا أَفْضَلَتِ السِّبَاعُ كُلُّهَا۔ (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا ہم اس پانی سے وضو کر سکتے ہیں جس کو گدھوں نے جھوٹا کر دیا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ہاں! (اس پانی سے وضو کرنا جائز ہے) اور اس پانی سے بھی (وضو کرنا جائز ہے) جس کو درندوں نے جھوٹا کر دیا ہو۔“ (شرح السنہ)

تشریح: اس مسئلہ میں کہ گدھوں یا اسی طرح چمروں کا جھوٹا پانی پاک ہے یا نہیں؟ کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی کیونکہ اس مسئلہ میں جو احادیث منقول ہیں ان میں تعارض ہے چنانچہ بعض احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جھوٹا حرام ہے اور بعض احادیث سے ان کی اباحت کا پتہ چلتا ہے، جیسا کہ مرقات میں دونوں قسم کی احادیث جمع کی گئی ہیں لہذا ان کے ظاہری تعارض کو دیکھتے ہوئے اس کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اور پھر احادیث کے علاوہ صحابہ میں بھی اس مسئلہ کے بارے میں اختلاف منقول ہے چنانچہ حضرت ابن

عمرؓ کہ حوں اور خچروں کے جھوٹے کو ناپاک کہتے تھے مگر حضرت ابن عباسؓ اس کے پاک ہونے کے قائل تھے۔

اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ درندوں کا جھوٹا پاک ہے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب کوئی درندہ پانی وغیرہ کو جھوٹا کرے گا تو اس میں اس کا لعاب یقیناً پڑے گا اور لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ درندوں کا گوشت ناپاک ہوتا ہے اس لئے اس کے جھوٹے کو بھی ناپاک کہا جائے گا۔

اب جہاں تک ان حدیثوں کا تعلق ہے جن سے درندوں کے جھوٹے کا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کے بارے میں علماء کہتے ہیں کہ ان احادیث کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی کیونکہ ان احادیث کی صحت ہی میں کلام کیا جاتا ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح بھی ہیں یا نہیں؟ اگر ان احادیث کو صحیح مان لیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ ان احادیث سے درندہ کے جس جھوٹے پانی کے پاک ہونے کا ثبوت ملتا ہے اس سے وہ پانی مراد ہے جو جنگل میں بڑے بڑے تالابوں میں جمع ہوتا ہے، چنانچہ اس کی تصریح آگے آنے والی احادیث سے بھی جو حضرت بخیل اور حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہیں، ہوتی ہے جن میں وضاحت کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے کہ اگر وہ درندہ نے ایسے پانی کو جھوٹا کیا جو بہت زیادہ ہو مثلاً کسی بڑے تالاب وغیرہ میں پانی ہے تو پاک ہوگا اگر پانی تھوڑا ہوگا تو وہ درندوں کو جھوٹا کر دینے سے ناپاک ہو جائے گا۔

پھر اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ان احادیث میں درندے اور پانی علیٰ العموم مراد ہیں کہ پانی خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ وہ درندوں کے جھوٹا کرنے سے ناپاک نہیں ہوتا تو کیا اس شکل میں یہ لازم نہیں آتا کہ کتوں کے جھوٹے کو بھی پاک کہا جائے حالانکہ کوئی بھی کہتے کہ جھوٹے کو پاک نہیں کہتا "لہذا اس سے معلوم ہوا کہ جن احادیث سے درندوں کے جھوٹے پانی کا پاک ہونا معلوم ہوتا ہے اس سے وہی پانی مراد ہے جو جنگل میں بڑے بڑے تالابوں میں جمع رہتا ہے اور جو بہت زیادہ ہوتا ہے۔"

اس موقع پر سبیل تذکرہ ایک مسئلہ بھی سن لیجئے۔ یہ تو آپ سب ہی جانتے ہیں کہ کتے کا لعاب وغیرہ بھی ناپاک ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کتوں کا لعاب وغیرہ کپڑے یا بدن کے کسی حصہ پر لگ جائے تو اس کو دھو کر پاک کرنا ضروری ہوتا ہے مگر اس سلسلہ میں اتنی بات یاد رکھئے کہ اگر کسی کتے نے کسی آدمی کے بدن کے کسی حصہ کو منہ سے پکڑ لیا یا کسی کپڑے کو منہ میں دبایا تو اس کا مسئلہ یہ ہے کہ کتے نے اگر غصہ کی حالت میں پکڑا یا دبایا ہے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ اور اگر غصہ کی حالت میں نہیں بلکہ بطور کھیل گلیلی اس نے پکڑا اور دبایا ہے تو وہ ناپاک ہو جائے گا اس لئے بدن کے اس حصہ کو اور کپڑے کو دھو کر پاک کرنا ضروری ہوگا۔ اس فرق کی وجہ علماء یہ لکھتے ہیں کہ جب کتا کسی چیز کو غصہ کی حالت میں پکڑتا ہے تو اسے دانتوں سے پکڑتا ہے اور اس کے دانت میں کوئی رطوبت نہیں ہوتی اس لئے اس چیز پر ناپاکی کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور جب کسی چیز کو کھیل گلیلی کے طریقہ پر پکڑتا ہے تو اسے دانتوں سے نہیں پکڑتا ہے اور ہونٹ چونکہ لعاب وغیرہ سے تر ہوتے ہیں اس لئے اس کی ناپاکی اس چیز کو بھی ناپاک کر دیتی ہے۔

⑪ وَعَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ اِغْتَسَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ وَمِنْهُونَةٌ لِي فَضَعَةً فِيهَا أَثَرُ الْعَجِينِ۔

(رواہ النسائی و ابن ماجہ)

"اور حضرت امام ہانیؒ راوی ہیں کہ "سرکارِ دو عالم ﷺ نے اور حضرت میمونہؓ نے ایک طشت میں کہ جس میں گندھے ہوئے آنے کا کچھ حصہ لگا ہوا تھا غسل فرمایا۔" (نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: چونکہ حضرات شوافع کے نزدیک پانی میں تغیر آجانے سے خواہ تغیر کسی پاک و جائز چیز سے آئے یا ناپاک و ناجائز چیز سے وہ پانی وضو غسل کے استعمال کے قابل نہیں رہتا اس لئے وہ حضرات اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ طشت میں اتنا آٹا نہیں لگا تھا جس سے پانی

لے آپ کا نام فاضل ہے مگر امام ہانیؒ کی کثیت سے مشہور ہیں ابو طالب کی صاحبزادی اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی حقیقی بہن ہیں۔

متغیر ہو جاتا اس لئے آنحضرت ﷺ اور حضرت میمونہؓ نے اس میں غسل کیا۔
مگر حنفیہ کے یہاں چونکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانی کسی پاک و جائز چیز سے متغیر ہو بشرطیکہ پانی گڑھا نہ ہو جائے تو اس سے وضو اور غسل درست ہے اس لئے انہیں اس حدیث کی کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

الفصل الثالث

(۱۲) وَعَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ إِنَّ عُمَرَ خَرَجَ فِي رَكْبٍ فَبِهِمْ عُمَرُو ابْنُ الْعَاصِ حَتَّى وَرَدُوا حَوْضًا فَقَالَ عُمَرُو يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ هَلْ تَرُدُّ حَوْضَكَ السَّبَاعُ فَقَالَ عُمَرُو ابْنُ الْخَطَّابِ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ لَا تُخَيِّرُنَا فَإِنَّا نَرُدُّ عَلَى السَّبَاعِ وَتَرُدُّ عَلَيْنَا زَوَاهِ مَالِكٍ وَزَادَ زَيْنٌ قَالَ زَادَ بَعْضُ الرِّوَاةِ فِي قَوْلِ عُمَرُو إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَهَا مَا أَخَذْتُ فِي بَطْنِهَا وَمَا بَقِيَ فَهَوَّلْنَا ظَهْرًا وَشَرَابًا۔

”حضرت یحییٰ بن عبد الرحمنؒ فرماتے ہیں کہ ”حضرت عمر بن خطابؓ ایک قافلہ کے ہمراہ کہ جس میں حضرت عمرو بن عاصؓ بھی تھے چلے جب (اہل قافلہ جنگل میں) ایک تالاب پر پہنچے تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے پوچھا کہ اے تالاب کے مالک کیا تمہارے اس تالاب پر پانی پینے کے لئے (درندے بھی آتے ہیں؟) (یہ سن کر حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ ”اے تالاب کے مالک یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ ہم درندوں پر آتے ہیں اور درندے ہم پر آتے ہیں یعنی کبھی تو ہم پانی پر آتے ہیں اور کبھی درندے پانی پر آتے ہیں اور چونکہ تالاب میں پانی زیادہ ہے اس لئے درندوں کے پینے سے ناپاک نہیں ہوتا (مالک) اور یزیدؓ نے کہا ہے کہ ”بعض راویوں نے حضرت عمرؓ کے اس قول میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ (حضرت عمرؓ کہتے ہیں) ”میں نے خود سرکار دو عالم ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ”درندے جو اپنے پیٹ میں لے جائیں وہ ان کا ہے اور جو باقی رہ جائے وہ ہمارے پینے کے قابل اور پاک کرنے والا ہے۔“

(۱۳) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ عَنِ الْحِصَاظِ السَّيِّئِ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةَ تَرُدُّهَا السَّبَاعُ وَالْكِلَابُ وَالْحُمُرُ عَنِ الظُّهْرِ مِنْهَا فَقَالَ لَهَا مَا حَمَلَتْ فِي بَطْنِهَا وَلَنَا مَا غَبَرَ ظَهْرًا۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ ”سرکار دو عالم ﷺ سے ان تالابوں کے بارے میں پوچھا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہیں اور ان پر (پانی پینے کے لئے) درندے، کتے اور گدھے آتے رہتے ہیں کہ آیا اس سے کوئی چیز پاک کی جاسکتی ہے یا نہیں؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو ان کے پیٹوں میں آجائے وہ ان کا ہے اور جو باقی رہ جائے وہ ہمارے لئے پاک کرنے والا ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں درندوں کے جھوٹے پانی کے پاک ہونے کا جو حکم بیان کیا جا رہا ہے وہ مطلقاً پانی کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ حکم اس پانی کے بارے میں ہے جو بڑے بڑے تالابوں اور حوضوں میں جمع رہتا ہے۔

(۱۴) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ لَا تَغْتَسِلُوا بِالْمَاءِ الْمُشْتَمْسِ فَإِنَّهُ يُورِثُ التَّبَرُّصَ۔ (رواہ الدارقطنی)

”اور حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی سے غسل نہ کرو کیونکہ یہ برص (یعنی سفیدی) کی بیماری کا سبب ہوتا ہے۔“ (دارقطنی)

تشریح: ”دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی“ کا مطلب بعض علماء نے یہ اخذ کیا ہے کہ اس پانی سے غسل نہ کرنا چاہئے جو قصد دھوپ میں رکھ کر گرم کیا گیا ہو لیکن بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے یعنی خواہ پانی کو دھوپ میں قصد رکھ کر گرم کیا گیا ہو یا پانی کسی جگہ پہلے سے رکھا ہوا ہو اور دھوپ کے آجانے سے گرم ہو گیا ہو۔

حضرت میرک شاہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یعنی حضرت عمرؓ کا یہ قول ضعیف ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کی کوئی حدیث اس میں منقول نہیں ہے۔

مگر حضرت امام شافعیؒ نے حضرت عمرؓ کے اس قول کو دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے جس کے راوی ثقہ اور معتد ہیں لہذا اس کی صحت میں کوئی کلام صحیح نہیں ہوگا۔

جہاں تک حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کی مراد کا تعلق ہے اس سلسلہ میں یہ کہا جائے گا کہ حضرت عمرؓ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایسے پانی میں غسل مستحکم نہ کیا جائے اور نہ اس پانی سے غسل کرنے کی عادت ڈالی جائے تاکہ برص جیسے موذی مرض میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہ رہے۔

ویسے مسئلہ کی بات یہ ہے کہ دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی سے غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے چنانچہ حضرت امام اعظمؒ، امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ تینوں حضرات کے نزدیک اس میں کوئی کراہت نہیں ہے البتہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں کچھ اختلاف ہے لیکن ان کا صحیح قول یہ ہے کہ اس پانی سے غسل کرنا مکروہ ہے البتہ ان کے علماء متاخرین نے بھی تینوں ائمہ کی ہمنوائی کرتے ہوئے یہی مسلک اختیار کیا ہے کہ اس میں کراہت نہیں ہے۔

بَابُ تَطْهِيرِ النَّجَاسَاتِ نجاستوں کے پاک کرنے کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءٍ أَخَذَكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ طَهُوْرُ إِنَاءٍ أَخَذَكُمْ إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَوْ لَا هُنَّ بِالنَّجَسِ.

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پی لے اس (برتن) کو سات مرتبہ دھو لینا چاہئے“ (بخاری و مسلم) اور مسلمؒ کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ”تم میں سے جس کے برتن میں کتا پانی پی جائے اس (برتن) کو پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ اسے سات مرتبہ دھو ڈالے اور پہلی مرتبہ مٹی سے دھوئے۔“

تشریح: اکثر محدثین اور تینوں ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ اگر برتن میں کتا نہ ڈال دے یا کسی برتن میں پانی پی لے اور کھالے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھونا چاہئے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اس کو بھی دوسری نجاستوں کے حکم میں شمار کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ اس برتن کو صرف تین مرتبہ بغیر مٹی کے دھو ڈالنا کافی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں سات مرتبہ دھونے کا جو حکم دیا جا رہا ہے وہ وجوب کے طریقہ پر نہیں ہے بلکہ اختیار کے طور پر ہے، یا پھر یہ کہ سات مرتبہ دھونے کا یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا اور اللہ اعلم۔

② وَعَنْهُ قَالَ قَامَ أَغْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَتَنَّا وَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوهُ وَهَرِّقُوا عَلَى بَوْلِهِ سَجَلًا مِنْ مَّاءٍ أَوْ ذَنُوبًا مِنْ مَّاءٍ فَإِنَّمَا بَعْثْتُمْ مَيْسَرِينَ وَلَمْ تَبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک دن) ایک دیہاتی نے مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کر دیا (یہ دیکھ کر) لوگ اس کے پیچھے پڑنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اے چھوڑ دو اور ایک اُول میں پانی اس کے پیشاب پر بہا دو اور آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ آسانی کرنے والے لے کر بھیجے گئے ہو تنگی کرنے والے نہیں۔“ (بخاری)

تشریح: راوی کو شک ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسجدِ حرام میں مائے یا ذَنُوبًا مِنْ مَّاءٍ کے الفاظ فرمائے ہیں اسی لئے انہوں

نے دونوں نقل کر دیئے ہیں ”جبل“ اور ”ذنوب“ دونوں کے معنی ڈول ہی کے ہیں لیکن ان کے استعمال میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ جبل تو اس ڈول کو کہتے ہیں جس میں پانی ہو خواہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ اور ذنوب پانی سے بھرے ہوئے ڈول کو کہتے ہیں۔ اس حدیث سے سرکارِ دو عالم ﷺ کی انتہائی شفقت و رحمت اور آپ ﷺ کے حلم و عفو کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت پر کتنے مہربان اور شفیق تھے چنانچہ نہ یہ کہ آپ ﷺ نے خود اس دیہاتی کی غلطی سے درگزر فرماتے ہوئے اس کو کچھ نہ کہا بلکہ جب صحابہ نے اسے برا بھلا کہا آپ ﷺ نے انہیں اس بات کا احساس دلایا کہ تم جس پیغمبر کے رفیق و ساتھی اور جس امت کے فرد ہو اس کی مابہ الامتیا خصوصیت ہی یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو سختی و پریشانی میں مبتلا نہ کیا جائے اور نہ کسی کی غلطی پر جو عدم واقفیت کی بناء پر سرزد ہو جائے برا بھلا کہا جائے چنانچہ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے امت کے لئے یہ تعلیم مقصود ہے کہ لوگوں کو کسی دشواری اور سختی میں نہ ڈالا جائے اور نہ ایسا کوئی معاملہ کیا جائے جس سے دوسرا شخص بدول ہو جائے اور اپنے آپ کو کسی ٹھٹھن اور تنگی میں محسوس کرے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر زمین پر کوئی نجاست و گندگی پڑی ہوئی ہو تو اس نجاست پر زیادہ مقدار میں پانی ڈالتے یا نجاست کو بہا دینے سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔

یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ نجاست کا دھوون اگر خفیہ نہ ہو تو پاک ہے۔ اگر وہ کسی دوسرے کپڑے، بدن، اور زمین پر یا کسی بورے وغیرہ سے چھن کر زمین پر گرے تو یہ چیزیں ناپاک نہیں ہوں گی اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے مگر مختار اور معتمد قول یہ ہے کہ دھوون اگر نجاست کی جگہ اس وقت گرے جب وہ نجاست کے زائل ہونے کی وجہ سے پاک ہو چکی ہو تو اس شکل میں وہ پاک ہوگا اور وہ دھوون جو نجاست کی جگہ سے پاک ہونے سے پہلے جدا ہوا ہو ناپاک ہوگا اور اگر دھوون خفیہ ہو جائے یاں طور کہ پانی کے رنگ، مزہ اور بو میں تبدیلی آجائے تو وہ بالاتفاق ناپاک ہے۔

علامہ طیبی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی وضاحت کر رہی ہے کہ اگر زمین کسی نجاست کی وجہ سے ناپاک ہو جائے تو وہ خشک ہونے سے پاک نہیں ہوتی یعنی وہ جگہ پانی بہا کر نجاست کو زائل کر دینے ہی سے پاک ہوگی اور اس جگہ کو کھرچ ڈالنا یا وہاں سے مٹی کھود کر اٹھالینا ضروری نہیں ہے۔

مگر امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک خشک ہونے سے زمین پاک ہو جاتی ہے اور اگر کوئی چاہے کہ خشک ہونے سے پہلے ہی زمین پاک ہو جائے تو وہاں سے مٹی کھرچ کر اٹھا دی جائے تاکہ وہ حصہ پاک ہو جائے۔

علماء خفیہ اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں نے مسجد کی زمین کے اس حصہ کے جہاں خشک ہو جانے سے پہلے جگہ جہاں دیہاتی نے پیشاب کر دیا تھا لوگوں نے نما پڑھ لی ہو جس کی بناء پر حکم لگا دیا گیا کہ ناپاک زمین بغیر پانی بہائے ہوئے پاک نہیں ہوتی، جہاں تک سوال پانی ڈالنے کا ہے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت نجاست کی جگہ پانی بہانے کا حکم اس لئے دیا ہوگا کہ پیشاب کی نجاست میں کچھ کی ہو جائے اور پیشاب کا رنگ اور اس کی بدبو پانی بہانے کی وجہ سے ختم ہو جائے، مگر زمین کا وہ حصہ خشک ہونے کے بعد ہی پاک ہوا ہوگا۔ اس سلسلہ میں ملا علی قاریؒ نے مشکوٰۃ کی شرح مرقات میں اور بہت سی دلیلیں لکھی ہیں جو وہاں دیکھی جاسکتی ہیں۔

(۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ أَغْرَابٌ فَقَامَ يَتَوَلَّى فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْ مَهْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزِرُ مَوْءَةً دَعْوَةً فَتَرْكُوهُ حَتَّى بَالِ ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ إِنَّ هَذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْئٍ مِنْ هَذَا الْبُؤْسِ وَالْقَذَرِ إِنَّمَا هِيَ لِلذِّكْرِ وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَأَمَرَ رَجُلًا مِنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِذَلْفٍ مِنْ مَاءٍ فَغَسَّاهُ عَلَيْهِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) ہم سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک دیہاتی آیا اور مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا (یہ دیکھ کر) آنحضرت ﷺ کے صحابہ اس سے کہنے لگے کہ ٹھہر جا! ٹھہر جا! آنحضرت ﷺ نے (بہر سن کر) فرمایا کہ اسے پیشاب کرنے سے نہ روکو بلکہ اسے چھوڑ دو اور پیشاب کرنے دو کیونکہ اگر تمہارے دھمکانے سے اس کا پیشاب رک گیا تو اس کے لئے تکلیف رہے گا یا پھر اس طرح اس کا پیشاب جو ایک ہی جگہ ہے کئی جگہ پھیل جائے گا) صحابہ نے اسے چھوڑ دیا اور اس دیہاتی نے (جب پورا) پیشاب کر لیا تو آنحضرت ﷺ نے اسے بلایا اور (نہایت شفقت و مہربانی سے) فرمایا کہ ”مسجد میں پیشاب دگندگی وغیرہ کے لئے نہیں ہیں بلکہ ذکر الہی اور نماز قرآن پڑھنے کے لئے ہیں“ یا آپ ﷺ نے اسی کے مثل فرمایا (یعنی راوی کو شک ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے اعرابی سے یہی الفاظ فرمائے تھے یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس بعد آنحضرت ﷺ نے مجلس میں سے ایک شخص کو حکم دیا اس نے ایک ذول پانی لا کر پیشاب پر بہا دیا۔“ (بخاری و مسلم)

(۴) وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ سَأَلْتُ امْرَأَةً رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِذَا أَصَابَ ثَوْبُهَا الدَّمَ مِنَ الْخِيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصَابَ ثَوْبُ إِحْدَانَا الدَّمَ مِنَ الْخِيْضَةِ فَلْتَقْرِضْهُ ثُمَّ لْتَنْصِفْهُ بِمَاءٍ ثُمَّ لْتَنْصِلْ فِيْهِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی اسماءؓ فرماتی ہیں کہ ”ایک عورت نے سرکارِ دو عالم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر ہم میں سے کوئی حیض کا خون کپڑے پر لگا ہو پائے تو کیا کرے؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اگر تم میں سے کسی کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو اسے چاہئے کہ (پہلے) چٹکیوں سے اسے لے پھر پانی سے دھو لے اور اسی کپڑے سے (خود تری کیوں نہ ہو نماز پڑھ لے)۔“ (بخاری و مسلم)

(۵) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِيِّ يَصِيبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُخْسَنُ إِلَى الصَّلَاةِ وَأَثَرُ الْغُسْلِ فِي ثَوْبِهِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت سلیمان بن یسارؓ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کپڑے پر لگی ہوئی منی کے بارے میں پوچھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ ”میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے کپڑے سے منی کو دھویا کرتی تھی چنانچہ آپ ﷺ (جب اسی کپڑے کے ساتھ نماز کے لئے تشریف لے جاتے تو اس کپڑے پر منی کے) دھونے کا نشان رہتا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ منی ناپاک ہے اگر منی کسی کپڑے وغیرہ پر لگ جائے تو اسے دھو کر پاک کر لینا چاہئے چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح سب (یعنی ناک سے نکلنے والی) رطوبت پاک ہے اسی طرح منی بھی پاک ہے۔

(۶) وَعَنْ الْأَسْوَدِ وَهَمَّامٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَفْرِكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَوْاهُ مُسْلِمٌ وَبِرِوَايَةِ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ لَخْوَةً ثُمَّ يَصْلِي فِيْهِ۔

”اور حضرت اسودؓ و حضرت ہمامؓ راوی ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ عنہا فرمایا ”میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے کپڑے سے (شک) منی کمرچ دیا کرتی تھی“ (مسلم) اور مسلمؒ نے اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ حضرت علقمہؓ اور حضرت اسودؓ کی ہی طرح ایک روایت بھی نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ اسی کپڑے سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔“

۱۔ ام گرامی سلیمان ابن یسار اور کنیت ابویوب ہے آپ تابعی ہیں آپ کا ۱۰۷ھ میں بصرہ ۵۳ سال میں انتقال ہوا۔

۲۔ حضرت اسود بن ہلال بخاری تابعی ہیں ۸۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

۳۔ حضرت ہمام ابن عمارؓ تابعی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: یہ حدیث بھی حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مطابق منی کے ناپاک ہونے کو وضاحت کے ساتھ ثابت کر رہی ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا حضرت امام اعظمؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ ترمذی کو دھونا چاہئے اور گاڑھی منی کو جو کپڑے کے اندر سرایت نہ کرے خشک ہونے کے بعد کھریج کر اور رگڑ کر صاف کر دینا چاہئے۔

(۷) وَعَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِخْصَنٍ أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنِ لَهَا صَغِيرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْلَسَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جُجْرِهِ فَبَالَ عَلَى نَوْبِهِ فَلَمَّا عَابَهَا قَنَصَتْهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ - (ترمذی علیہ)

”اور حضرت ام قیسؓ بنت مخسنؓ سے روایت ہے کہ ”وہ اپنے چھوٹے لڑکے کو جو ابھی کھانا نہ کھاتا تھا سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں لائیں آنحضرت ﷺ نے اس بچہ کو اپنی گود میں بٹھالیا اس نے آپ ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا آنحضرت ﷺ نے پانی منگایا اور کپڑے پر بہا دیا اور خوب مل کر نہیں دھویا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر شرعی طور پر جو اناج نہ کھاتا ہو کسی کپڑے وغیرہ پر پیشاب کر دے تو اسے دھونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس پر پانی چھڑک دینا کافی ہو جائے گا چنانچہ یہ حدیث بھی بظاہر حضرت امام شافعیؒ ہی کے مسلک کی تائید کر رہی ہے مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ بچہ کے پیشاب کو بھی ہر حال میں دھونا ضروری ہے۔ اس حدیث میں ”نصح“ جو لفظ آیا ہے اور جس کے معنی چھڑکنا ہیں اس کے معنی یہ دونوں حضرات ”دھونا“ ہی کہتے ہیں۔ پھر حدیث کے آخری الفاظ ”لا یغسلہ“ (یعنی آپ ﷺ نے پیشاب کو دھویا نہیں) کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خوب مل کر نہیں دھویا بلکہ بچہ کے پیشاب کے پیش نظر معمولی طور پر اس پر پانی بہا کر دھو ڈالتا ہی کافی سمجھا یہ دونوں حضرات اس حدیث کی یہ مذکورہ تاویل اس لئے کرتے ہیں کہ دوسری احادیث مثلاً اَسْتَنْزَهُنَّ هُوَ مِنَ النَّجْوَى (یعنی پیشاب سے پاکی حاصل کرو) سے یہ بات بصراحت ثابت ہوتی ہے کہ ہر ایک کے پیشاب کو دھونا چاہئے حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ”نصح“ سے مراد بغیر ملے اور نچوڑے پانی کا بہانا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بچوں کو دعا و برکت حاصل کرنے کے لئے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے پاس لے جانا مستحب ہے، نیز بچوں کے ساتھ تواضع و نرمی اور محبت و شفقت کا معاملہ کرنا بھی مستحب ہے۔

(۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا دَبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ ظَهَرَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جب چڑا دباغت دے دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: چڑے کو ناپاکی وغیرہ سے پاک کرنے کو دباغت کہتے ہیں۔ چڑے کو دباغت کئی طرح دی جاتی ہے یا تو چڑے کو چھالوں وغیرہ میں ڈال کر پکایا جاتا ہے یا دھوپ میں رکھ کر اسے خشک کر لیا جاتا ہے اور اگر چڑا بغیر دھوپ کے خشک کیا جائے تو اس کو دباغت نہیں کہیں گے بہر حال دباغت کے ذریعہ چڑا چاروں ائمہ کے نزدیک پاک کیا جاسکتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک تو سور اور آدمی کے چڑے کے علاوہ ہر طرح کا چڑا پاک ہو جاتا ہے مگر امام شافعیؒ کے نزدیک کئے کا چڑا بھی پاک نہیں ہوتا حالانکہ حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرح کا چڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے البتہ آدمی اور سور کا چڑا مستحکم ہے کیونکہ آدمی کا چڑا تو انسان کی عظمت و بزرگی کے پیش نظر پاک نہیں ہوتا اور سور کا چڑا اس لئے پاک نہیں ہوتا کہ وہ نجس مین ہے۔

۱۔ حضرت ام قیسؓ بنت مخسنؓ کی لڑکی اور عکاشہؓ کی بہن ہیں ابتداء ہی میں کہ میں اسلام کی دولت سے مشرف ہو گئی تھیں۔

⑨ وَعَنْهُ قَالَ تَصَدَّقْ عَلَى مَوْلَاةٍ لَيْمِيَّةٍ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلَا أَخَذْتُمْ إِيَّاهُنَّ قَدْ بَغْتُمُوهُنَّ فَانْتَفَعْتُمْ بِهِ قَالُوا إِنَّمَا مَيْتَةٌ فَقَالَ إِنَّمَا حَرَّمَ أَكْلَهَا - (بخاری)

”اور حضرت بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت میمونہؓ کی ایک آزاد کردہ باندی کو ایک بکری صدقہ میں دی گئی (اتفاق سے) وہ بکری مر گئی، آنحضرت ﷺ کا اس پر گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم نے اس کا چمڑا نکال کیوں نہ لیا؟ اس چمڑے کو دباغت دے کر اس سے نفع اٹھا لیتے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ تو مردار ہے آپ ﷺ نے فرمایا؟ صرف اس کا کھانا حرام ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار (یعنی جانور بغیر ذبح کئے ہوئے مرجائے اور اس کا کھانا حرام ہو تو جو اجزاء ذبح کرنے کی صورت میں کھائے جاتے ہیں مثلاً گوشت وغیرہ وہ تو مرنے کے بعد حرام ہو جاتے ہیں لیکن ان کے علاوہ دوسری چیزوں مثلاً دباغت دیئے ہوئے چمڑے و انت، بال اور سینک وغیرہ سے فائدہ اٹھانا یعنی ان کی خرید و فروخت کرنا اور ان کو دوسری ضرورتوں میں استعمال کرنا جائز ہے۔

⑩ وَعَنْ سَوْدَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَاتَتْ لَنَا شَاةٌ فَذَبَحْنَاهَا مُسْكِهَاتٍ ثُمَّ مَزَلْنَاهَا نَبِيذٌ فِيهِ حَتَّى صَارَ شَتًّا - (رواہ البخاری)

”اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی زوجہ حضرت سودہؓ فرماتی ہیں کہ ”ہماری ایک بکری مر گئی تھی ہم نے اس کی کھال نکال کر دباغت دے لی اور ہمیشہ اسی میں نبیذ (یعنی پانی اور کھجوروں کا شربت بناتے رہے یہاں تک کہ وہ پرانی مشک ہو گئی۔“ (بخاری)

الفصل الثانی

⑪ عَنْ لُبَابَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ كَانَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فِي حَجْرٍ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ عَلِيٍّ قُبُورِهِ فَقُلْتُ الْبَيْسُ ثَوْبًا وَاعْطِنِي إِذَا زِلْتُ حَتَّى أَعْسِلَهُ فَقَالَ إِنَّمَا يَغْسِلُ مِنْ بَوْلِ الْأَنْثَى وَيَنْصَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ وَأَنَا أَحْمَلُ وَأَبْذَوُودُ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِي رِوَايَةٍ لَابْنِ دَاوُدَ وَالتَّيْسَانِي عَنْ أَبِي السَّمْحِ قَالَ يَغْسِلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ وَيُرْسُ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ -

”حضرت لبابہ بنت حارثؓ فرماتی ہیں کہ حضرت حسین ابن علیؓ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی گود میں بیٹھ کر آپ ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا میں نے عرض کیا کہ ”آپ ﷺ (دوسرا) کپڑا پہن کر یہ بندھ مجھے دے دیجئے تاکہ میں اسے دھو ڈالوں آپ نے فرمایا ”لڑکی کا پیشاب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی کا چھنڈا دینا کافی ہے“ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور ابوداؤد و نسائی کی ایک روایت میں ابوسعہ سے الفاظ منقول ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ لڑکی کا پیشاب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی کا چھنڈا دینا کافی ہے۔“

تشریح: حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ”چھنڈا دینے“ سے مراد تریڑا دینا یعنی پیشاب کی جگہ پر بغیر ملے اور نچوڑے ہوئے پانی کا بہانا ہے اور ”دھونے“ سے مراد مبالغہ کے ساتھ دھونا ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک لڑکا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اس نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس پر پانی کا تریڑا دو“ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ لڑکے کے پیشاب کو بھی دھونے کا حکم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ لڑکے کے پیشاب پر صرف پانی کا تریڑا دینا کافی ہے یعنی اس کو ملنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ لڑکوں کا پیشاب سوراخ کی تنگی کی بناء پر زیادہ نہیں پھیلتا اور لڑکیوں کا پیشاب سوراخ کی فراخی کی وجہ سے

۱۔ امام المؤمنین حضرت سوارضی اللہ تعالیٰ عنہا سعد کی بیٹی ہیں ابتداء اسلام سے مشرف تھی انتقال ۵۴ھ مدینہ میں ہوا۔

۲۔ آپ کا نام لبابہ ہے اور حارث کی بیٹی ہیں کنیت ام الفضل ہے حضرت عباس بن عبد المطلب کی بیوی اور ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کی بہن ہیں۔

زیادہ پھیلتا ہے اس لئے لڑکیوں کے پیشاب کو خوب اچھی طرح دھونا چاہئے۔

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْأَذَى فَإِنَّ الشَّرَابَ لَهُ طَهْرٌ وَزَوْاؤُهُ أَبْوَدُ دَوْلَابٍ مَاجَةٍ مَغْنَمًا

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی اپنے جوتوں کے ساتھ گندگی پر چلے تو مٹی اس کو پاک کر دینے والی ہے۔“ (ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے)

تشریح: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص جوتے پہنے ہوئے راستہ پر چل رہا ہے اتفاق سے کسی جگہ گندگی پڑی ہوئی تھی وہ اس کے جوتوں پر لگ گئی۔ اب پھر وہ جب پاک صاف زمین پر چلے گا تو زمین کی مٹی سے رگڑ کھانے کی وجہ سے اس کا جوتا پاک ہو جائے گا اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ایک شاگرد حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں گندگی سے مراد جو جسم والی اور خشک ہو یعنی اگر کسی راہ چلتے کے جوتے یا سوزے میں ایسی گندگی لگ جائے جو جسم والی ہو اور خشک ہو تو پاک زمین پر رگڑ دینے سے وہ جوتا یا سوزہ پاک ہو جائے گا اور اگر گندگی خشک نہ ہو تو پھر رگڑنے سے گندگی زائل نہیں ہوگی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ایک دوسرے شاگرد رشید حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں حدیث کی مراد عام ہے یعنی گندگی خواہ خشک ہو یا تر زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جائے گی مگر حضرت امام شافعیؒ کا یہ پہلا قول ہے ان کا جدید مسلک یہ ہے کہ اس گندگی کو ہر حال میں پانی سے دھونا چاہئے زمین پر رگڑنے سے پاک نہیں ہوگی۔

فقہ حنفی میں فتویٰ حضرت امام ابو یوسفؒ ہی کے قول پر ہے جو کہ جوتے یا سوزے پر اگر تندر نجاست لگ جائے خواہ وہ خشک ہو یا تر ہو تو زمین پر خوب اچھی طرح رگڑ دینے سے سوزہ یا جوتا پاک ہو جائے گا۔

یہ سمجھ لیجئے کہ اس مسئلہ میں علماء کا یہ اختلاف تندر نجاست جیسے گور و غیرہ ہی کے بارے میں ہے کیونکہ غیر تندر نجاست مثلاً پیشاب و شراب کے بارے میں سب کا متفق طور پر یہ مسلک ہے کہ اسے دھونا ہی واجب ہے۔

(۱۳) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لَهَا امْرَأَةٌ أَتَتْ أُطْبُلَ ذَيْلِي وَأَمْسَيْتُ فِي الْمَكَانِ الْقَدِيرِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُهُ مَا بَعْدَهُ - (زَوْاءُ مَالِكٍ وَ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ الدَّارِمِيُّ وَقَالَا الْمَرْأَةُ أُمُّ وَلِيدٍ لَا بُرَاهِنَ مِنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ)

”اور حضرت ام سلمہؓ راوی ہیں کہ ان سے ایک عورت نے کہا کہ میرا دامن لہبا ہے اور میں ناپاک جگہ میں چلتی ہوں (یہ خیال ہے کہ دامن کو ناپاک لگ جاتی ہے) حضرت ام سلمہؓ نے کہا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے (اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں) فرمایا تھا کہ ”اس کو وہ چیز پاک کرتی ہے جو اس کے بعد ہے (یعنی پاک زمین یا کھانا)۔“ (احمد، مالک، ترمذی، ابوداؤد، دارمی) اور ابوداؤد اور دارمی نے کہا ہے کہ (سوال کرنے والی) عورت ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف کی ام ولد تھی (جس کا نام حمیدہ تھا)

تشریح: سوال کرنے والی کا مطلب یہ تھا کہ میرا دامن بہت لہبا ہے جب میں چلتی ہوں تو وہ زمین پر لگتا ہوا چلتا ہے اور جب میں ناپاک جگہ سے گزرتی ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ شاید دامن میں نجاست و گندگی لگ گئی ہوگی اس لئے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں حضرت ام سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ناپاک جگہ سے گزرتے ہوئے جب دامن میں نجاست لگ جاتی ہے تو بعد میں پاک صاف جگہ چلنے سے وہ نجاست زمین میں لگ کر جھڑ جاتی ہے اور کپڑا پاک ہو جاتا ہے لیکن یہ بات دامن میں رہتی چاہئے کہ یہ حکم خشک نجاست کے بارے میں ہے کہ اگر خشک نجاست کپڑے کو لگ جائے تو پھر پاک و صاف زمین پر چلنے سے وہ زمین میں لگ کر جھڑ جاتی ہے جس سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔

اس حکم کو خشک نجاست کے بارے میں خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ اگر کپڑا ناپاک ہو جائے تو وہ بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتا، بخلاف جوتے کے (تاہمین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ جوتا اگر نجاست کے لگ جانے سے ناپاک ہو جائے تو اس کو پاک و صاف زمین پر رگڑ کر پاک کیا جاسکتا ہے خواہ وہ نجاست تری کیوں نہ ہو جیسا کہ ابھی اس سے پہلے حدیث کی تشریح میں حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا مسلک بیان کیا جا چکا ہے (واللہ اعلم)

(۱۴) وَعَنِ الْمُقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرَبٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ جُلُودِ السَّبَاعِ وَالزُّكُوبِ عَلَيْهِمَا۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی و النسائی)

”اور حضرت مقدم بن معدیکربؒ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے درندوں کی کھالوں کے پہننے اور ان پر سوار ہونے سے منع فرمایا ہے۔“ (ابوداؤد و نسائی)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ درندوں مثلاً شیر اور چیتے وغیرہ کی کھال کا لباس بنا کر انہیں پہنانا جائے، اسی طرح ان پر سوار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ درندوں کی کھال کو بچھا کر اس پر بیٹھنا یا گھوڑے کی زین پر ڈال کر اس پر سوار ہونا مناسب نہیں ہے اس طرح ان کے استعمال سے منع اس لئے فرمایا گیا ہے کہ یہ منکبر لوگوں اور خالص دنیا داروں کی عادت ہے لہذا نیک لوگوں کو ان سے اجتناب کرنا چاہئے اس شکل میں کہا جائے گا کہ یہ بھی تنزیہی ہے لیکن جن حضرات کے ہاں مردار کے بال نجس ہوتے ہیں اور وہ دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتے ان کے نزدیک یہ بھی تحرکی ہے۔

(۱۵) وَعَنْ أَبِي الْمَلِیحِ بْنِ أَسَمَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ جُلُودِ السَّبَاعِ۔ (رواہ أحمد و أبو داؤد و الترمذی و زائد الترمذی و الدارمی أن نفترض)

”اور حضرت ابوالملیح بن اسامہؒ اپنے والد کرم سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے درندوں کی کھال کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (احمد، ابوداؤد، نسائی اور امام ترمذیؒ نے اس روایت میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ ”آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ درندوں کی کھالوں کا فرش بنایا جائے)

(۱۶) وَعَنْ أَبِي الْمَلِیحِ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ نَهَى عَنْ جُلُودِ السَّبَاعِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابوالملیح کے بارے میں منقول ہے کہ ”وہ درندوں کی کھالوں کی قیمت کو (بھی) مکروہ سمجھتے تھے۔“ (ترمذی)

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ درندوں کی کھال کو خریدنا اور بیچنا بھی مناسب نہیں ہے چنانچہ ابن مالکؒ کا یہی قول ہے اور یہ مسلک ابوالملیح کا بھی ہے فتاویٰ قاضی خانؒ میں لکھا ہوا ہے کہ درندوں کے چمڑے کو دباغت دیے جانے سے پہلے بیچنا باطل ہے مشکوٰۃ کے اصل نسخے میں لفظ زواہ کے بعد جگہ خالی تھی عبارت مذکورہ میں بڑھائی گئی ہے۔

(۱۷) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُكَيْمٍ قَالَ آتَانَا كِتَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَا تَتَّبِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِأَهَابٍ وَلَا غَضَبٍ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجہ)

”اور حضرت عبداللہ بن عکیمؒ راوی ہیں کہ ہمارے (قبیلہ جہینہ کے پاس سرکارِ دو عالم ﷺ کا (جو) مکتوب گرای آیا (اس میں یہ لکھا تھا) کہ تم مردار کے چمڑے اور اس کے شے سے نفقہ نہ اٹھاؤ۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حکم کا تعلق اس چمڑے اور شے سے ہے جو دباغت نہ دیا گیا ہے یعنی دباغت سے پہلے چمڑے اور شے کو استعمال میں لاتا جائز ہے حضرت عبداللہ بن عکیمؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو پایا ہے لیکن یہ تحقیق سے ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ سے شرف ملاقات حاصل کیا یا نہیں۔

نہیں ہے بلکہ چڑے اور بچے کو دباغت دینے کے بعد استعمال کرنا اور ان سے منفعت حاصل کرنا جائز ہے۔ اکثر احادیث سے یہی ثابت ہے اور اکثر علماء کا مسلک بھی یہی ہے۔

(۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ أَنْ يُسْتَمْتَعَ بِخُلُودِ الْمَيْتَةِ إِذَا دُبِغَتْ۔ (رواہ مالک و ابو داؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مردار کے چڑے سے دباغت کے بعد فائدہ اٹھایا جائے۔“

(مالک ابو داؤد)

تشریح: اس سے پہلے اسی باب کی حدیث نمبر ۱ کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے کہ دباغت کے بعد مردار کے چڑے سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے یعنی اس کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی کی جاسکتی ہے البتہ اس مسئلہ میں امام مالکؒ کی دو روایتیں ہیں مگر ان کا ظاہری قول یہ ہے کہ مردار کا چڑا دباغت کے بعد پاک ہو جاتا ہے لیکن اسے خشک چیز میں اور پانی میں رکھنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے پانی کے علاوہ دوسری پتی اور سیال چیزوں کے لئے اسے استعمال نہ کیا جائے۔

(۱۹) وَعَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ مَرَّ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ قُرَيْشٍ يَحْجُزُونَ شَاةَ لَهْمٍ مِنْ الْجَنْمَارِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَخَذْتُمْ إِيَّاهَا قَالُوا إِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُظَاهَرُهَا الْمَاءُ وَالْقُرْطُ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد)

”اور حضرت میمونہؓ راوی ہیں کہ قریش کے چند آدمی اپنی ایک مری ہوئی بکری کو گدھے کی طرح بچھنے ہوئے سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس سے گزرے، آپ ﷺ نے (یہ دیکھ کر) ان سے فرمایا کہ ”اے کاش اہم اس کے چڑے کو نکال لیتے!“ (تو یہ کام آجاتا) انہوں نے عرض کیا کہ ”یہ تو مردار ہے (یعنی ذبح کی ہوئی نہیں ہے) آپ ﷺ نے فرمایا اے کیر کے پتے اور پانی پاک کر دیتے ہیں (یعنی ان دونوں چیزوں کے ذریعہ دباغت سے چڑا پاک ہو جاتا ہے۔“ (احمد ابو داؤد)

تشریح: دباغت دینے کے کئی طریقے ہیں لیکن کیر کے چوں اور پانی سے دباغت کے بعد چڑا خوب اچھی طرح پاک ہو جاتا ہے اس لیے آپ ﷺ نے بطور خاص ان دو چیزوں کا ذکر فرمایا۔ لہذا معلوم ہوا کہ چڑے کی دباغت و طہارت ان ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ دوسرے طریقوں مثلاً دھوپ وغیرہ سے دباغت و طہارت ہو جاتی ہے۔ البتہ یہ کہا جائے گا کہ اس حدیث کے پیش نظر کیر کے چوں اور پانی سے چڑے کو دباغت دینا مستحب ہے۔

(۲۰) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُخَبِّقِ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ عَلَى أَهْلِ يَثِيبَ فَإِذَا قُرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَسَأَلَ الْمَاءَ فَقَالُوا لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ دَبَّاهَا ظَهْرُكَ هَا۔ (رواہ احمد و ابو داؤد)

”اور حضرت سلمہ بن مخبّقؓ راوی ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ تبوک کی جنگ کے موقع پر ایک شخص کے گھر تشریف لائے تو اچانک آپ ﷺ کی نظر ایک لگی ہوئی مشک پر پڑی آپ ﷺ نے پانی مانگا تو لوگوں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! یہ تو (دباغت دی ہوئی) مردار کی کھال ہے“ آپ ﷺ نے فرمایا ”دباغت نے اسے پاک کر دیا ہے۔“ (احمد ابو داؤد)

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۲۱) عَنْ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لَنَا ظَرِيقًا إِلَى الْمَسْجِدِ مُنْتَبِئَةً فَكَيْفَ نَفْعَلُ إِذَا مَطَرْنَا قَالَتْ فَقَالَ أَلَيْسَ بَعْدَ هَاطِرِيقٍ؟ هِيَ أَطْيَبُ مِنْهَا قُلْتُ بَلَى قَالَ فَهَذِهِ بِهَذِهِ۔ (رواہ ابو داؤد)

”بنو عبد الأشہل کی ایک عورت کا بیان ہے کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مسجد میں آنے کا ہمارا جوراستہ ہے

وہ گندہ ہے جب بارش ہو جائے تو ہم کیا کریں؟ وہ کہتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”کیا اس راستہ کے بعد کوئی پاک صاف راستہ نہیں آتا؟“ میں نے عرض کیا ”جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ پاک راستہ اس ناپاک راستہ کے بدلے میں ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اسی باب کی حدیث نمبر ۱۳ میں اس مسئلہ کی وضاحت کی جا چکی ہے، یہاں بھی اس ارشاد کا یہ مطلب ہے کہ گندے اور ناپاک راستہ سے جو گندگی لگتی ہے وہ پاک و صاف راستہ میں چلنے کے بعد زمین کی رگڑ سے صاف و پاک ہو جاتی ہے، نیز یہاں بھی یہ ملحوظ رہے کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق تن دار نجاست سے ہے کہ اگر گوبر وغیرہ قسم کی کوئی نجاست جوتے اور موزوں پر لگ جائے تو وہ اس طریقہ سے صاف ہو جاتی ہے کیونکہ اگر پیشاب وغیرہ قسم کی نجاست جوتے موزے کپڑے یا بدن کے کسی حصہ پر لگے تو اس کو ہر حال میں دھو کر ہی پاک کیا جائے گا اسی طرح موزے اور جوتے کے علاوہ اگر کپڑے پر تن دار نجاست لگے گی تو بغیر دھوئے کپڑا پاک نہیں ہوگا۔

(۲۱) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا نَصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَتَوَضَّأُ مِنَ الْمُوْطِئِ ۖ

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور زمین پر چلنے کی وجہ سے وضو نہ کرتے تھے۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہم نماز پڑھنے کے لئے مکان سے وضو کر کے چلتے تھے اور مسجد آتے ہوئے ننگے پاؤں چلنے کی وجہ سے پیروں پر یا جوتے اور موزوں پر جو نجاست و گندگی لگ جایا کرتی تھی اسے دھویا کرتے تھے۔

اس ارشاد کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ اس کا تعلق خشک نجاست سے ہے، کہ اگر خشک گندگی مثلاً سوکھا گوبر وغیرہ پیروں پر جوتے و موزوں پر لگ جاتا تو اس کو دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی کیونکہ صاف زمین پر چلنے کی وجہ سے وہ پاک ہو جایا کرتا تھا اس سے عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ مراد ہے کہ راستہ چلتے وقت جو گرد و غبار پیروں کو لگ جایا کرتا تھا اسے دھوتے تھے۔
ترنجاست مثلاً پیشاب وغیرہ کے بارے میں یہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ اگر اس قسم کی کوئی نجاست و گندگی پیروں پر لگ جائے تو تمام علماء کے نزدیک یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اسے دھویا جائے۔

(۲۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ الْكِلَابُ تُقْبِلُ وَتَذِبُ فِي الْمَسْجِدِ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكُنُوا يَتَوَضَّأُونَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”سرکارِ دو عالم کے زمانہ میں مسجد میں کتے آتے تھے اور صحابہ ان کے آنے جانے کی وجہ سے کچھ بھی نہ دھوتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: شروع زمانہ اسلام میں دروازے نہیں ہوتے تھے جس کی وجہ سے مسجد کے اندر کتوں کی آمد و رفت رہتی تھی اور چونکہ ان کے پاؤں خشک ہوتے تھے اس لئے کسی چیز کو دھونے کی ضرورت نہ ہوتی تھی جب مسجد میں دروازے لگنے لگے تو اس کی احتیاط ہونے لگی۔

(۲۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَأْسَ بِبَوْلِ بَنُو كَلٍّ لِحْمَةٍ وَفِي رِوَايَةٍ جَابِرٌ قَالَ مَا أَكَلَ لِحْمَةً فَلَا تَأْسَ بِبَوْلِهِ۔ (رواہ احمد والدارقطنی)

”اور حضرت براءؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ فرماتے تھے کہ ”جس چیز کا گوشت کھایا جائے اس کے پیشاب میں کچھ حرج نہیں۔“ اور حضرت جابرؓ کی روایت اس طرح ہے کہ ”جس جانور کا گوشت کھایا جائے اس کے پیشاب میں کچھ حرج نہیں ہے۔“ (احمد و دارقطنی)

تشریح: اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ، حضرت امام محمدؒ اور بعض شوافع حضرات نے یہ مسئلہ مستحب کیا ہے کہ جن جانوروں کے گوشت کھائے جاتے ہیں ان کا پیشاب پاک ہے لیکن حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ حضرت امام

ابو یوسفؒ اور تمام علماء کے نزدیک وہ نجس ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث کے مقابلہ میں ایک حدیث عام واروہ ہے کہ **اِسْتَنْزِهُوا مِنَ النَّوْلِ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ** یعنی پیشاب سے پاکی حاصل کرو اس لئے کہ عذاب قبر اکثر اسی سے ہوتا ہے (لہذا اس حدیث کی عمومیت کے پیش نظر ناپاک و نجس ثابت ہوا اس لئے اس احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ جن جانوروں کے گوشت کھائے جاتے ہیں ان کے پیشاب کو بھی ناپاک کہا جائے۔

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَيْنِ موزوں پر مسح کرنے کا بیان

موزوں پر مسح کرنے کا جواز سنت اور آثار مشہورہ سے ثابت ہے بلکہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے کہ موزہ پر مسح کرنے کے بارے میں منقول حدیث متواتر ہے اور بعض محدثین نے اس حدیث کے راوی صحابہ کی تعداد بھی نقل کی ہے چنانچہ اسی سے زیادہ صحابہ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

علامہ ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ علمائے سلف میں سے کسی نے اس سے انکار کیا ہو اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سترہ صحابہ کو اس مسئلہ پر اعتقاد رکھتے ہوئے پایا ہے حضرت امام کوفیؒ کا قول ہے کہ جو شخص موزوں پر مسح کرنے کو قبول نہ کرے یعنی اسے جائز نہ سمجھے مجھے اس کے کافر ہو جانے کا خوف ہے کیونکہ اس کے جواز میں جو حدیثیں منقول ہیں وہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”میں موزوں پر مسح کرنے کا قائل اس وقت تک نہیں ہوا جب تک کہ اس کے جواز پر مشتمل احادیث آفتاب کی روشنی کی طرح مجھے نہ پہنچ گئیں۔“ ان اقوال اور ارشادات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، اس کے جواز میں کوئی شبہ کوئی شک اور کوئی کلام نہیں ہے۔

اب اس کے بعد یہ سمجھ لیجئے کہ موزوں پر مسح کرنا رخصت یعنی آسانی ہے اور پیروں کو دھونا عزیمت یعنی اولیٰ ہے ہدایہ میں لکھا ہے کہ جو شخص موزوں پر مسح کرنے پر اعتقاد نہ رکھے وہ بدعتی ہے لیکن جو شخص اس مسئلہ پر اعتقاد تو رکھتا ہے مگر عزیمت یعنی اولیٰ پر عمل کرنے کی وجہ سے موزوں پر مسح نہیں کرتا تو اسے ثواب سے نوازا جاتا ہے۔

مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ علماء کے یہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا موزوں پر مسح کرنا افضل ہے یا اسے اتار کر پیروں کو دھونا افضل ہے؟ چنانچہ بعض حضرات کی رائے تو یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنا ہی افضل ہے کیونکہ اس سے اہل بدعت یعنی روافض و خوارج کا رد ہوتا ہے جو اس مسئلہ میں طعن و تشنیع کرتے ہیں، حضرت امام احمدؒ کا عقیدہ مسئلہ یہی ہے اور امام نوویؒ نے کہا ہے کہ اہل برے علماء یعنی حضرات شوافع کا مسلک یہ ہے کہ پیروں کو دھونا افضل ہے کیونکہ اصل یہی ہے لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کو بالکل ترک نہ کیا جائے۔

لے شریعت اسلامی کے مسائل و جزئیات پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لیے کئی آسانیاں اور سہولتیں پیدا کی ہیں یہ حقیقت ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی یہ بے پناہ شفقت و محبت ہی ہے جس نے عالمگیر اور سب سے بڑے مذہب کو انسان کی عین فطرت و مزاج بنا دیا ہے قدم قدم پر ایسے مسائل سے واسطہ پڑتا رہتا ہے جس میں اسلام اور شارح اسلام نے امت کو بہت زیادہ آسانیاں دی ہیں جن کے بغیر یقیناً مسلمان مشکلات اور تکالیف میں مبتلا ہو جاتے کیونکہ سخت موقعوں پر مثلاً سردی کے موسم میں وضو کرنے کے وقت سب سے زیادہ تکلیف پیروں کو دھونے ہی میں ہوتی ہے لیکن شریعت نے اس سختی اور تکلیف کے پیش نظر موزوں پر مسح کو جائز قرار دے کر امت پر ایک عظیم احسان کیا ہے۔

صاحب سفر السعادة فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو دونوں میں کوئی تکلف نہیں تھا، یعنی اگر آپ ﷺ موزہ پہنے ہوتے تھے تو پاؤں دھونے کے لئے انھیں اتارتے نہیں تھے اور اگر موزہ پہنے ہوئے نہیں ہوتے تھے تو مسح کرنے کے لئے انھیں پہنتے نہ تھے، اس بارے میں علماء کے یہاں اختلاف ہے مگر بہتر اور صحیح طریقہ یہی ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اس مسئلہ میں سنت کے موافق ہی عمل کرے یعنی سرکارِ دو عالم ﷺ کا جو تعامل ذکر کیا گیا ہے اسی طرح تمام مسلمان بے تکلفی کے ساتھ اس پر عمل کریں۔

الفصل الاول

① عَنْ شَرِيحِ بْنِ هَانِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمَسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِينَ۔ (رواه مسلم)

”حضرت شریح بن ہانیؒ نے فرمایا کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن اور تین رات اور قیوم کے لئے ایک دن ایک رات کی مدت مقرر فرمائی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مسافر کے لئے موزوں پر مسح کرنے کی مدت تین دن تین رات ہے یعنی وہ تین دن اور تین رات تک وضو کے وقت اپنے موزوں پر مسح کر سکتا ہے اور قیوم کے لئے مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے یعنی وہ ایک دن اور ایک رات تک وضو کے وقت اپنے موزوں پر مسح کر سکتا ہے اس مدت کی ابتداء جمہور علماء کے نزدیک اس وقت ہوگی جب کہ وضو لوٹ جائے مثلاً ایک قیوم شخص نے دوپہر کو وضو کرنے کے بعد موزہ پہنا اور شام کو اس کا وضو لوٹ گیا تو مسح کی مدت کی ابتداء شام ہی سے ہوگی یعنی وہ اگلے دن شام تک اپنے موزوں پر مسح کر سکتا ہے۔

② وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُ عَزَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ تَبُوكَ قَالَ قَالَ الْمُغِيرَةُ فَتَبَيَّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الْغَايِطِ فَحَمَلْتُ مَعَهُ إِدَاوَةَ قَبْلِ الْقَبْرِ فَلَمَّا رَجَعَ أَخَذْتُ أَهْرَاقَ عَلَى يَدَيْهِ مِنَ الْإِدَاوَةِ فَعَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنَ الْإِدَاوَةِ فَعَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوفٍ ذَهَبَ يَحْسِرُ عَنْ ذِرَاعَيْهِ فَصَاقَ كُمَ الْجُبَّةِ فَأَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ وَالْقَى الْجُبَّةَ عَلَى مَنْكَبَيْهِ وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ مَسَحَ بِمَا صَبَّيْتُهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ ثُمَّ أَهْوَيْتُ لَأَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا فَإِنِّي إِذَا خَلَعْتُهُمَا ظَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا ثُمَّ رَكِبَ وَرَكِبَتْ فَانْتَهَيْتُنَا إِلَى الْقَوْمِ وَقَدْ قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ وَيُصَلِّي بِهِمْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَقَدْ رَكِعَ بِهِمْ رُكْعَةً فَلَمَّا أَحْسَسَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ فَأَوْحَا إِلَيْهِ فَأَذَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى الرُّكْعَتَيْنِ مَعَهُ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُمْتُ مَعَهُ فَرُكْعَتَا الرُّكْعَةِ النَّبِيِّ سَبَقَتُنَا۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت مغیرہ بن شعبہؒ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ غزوہ تبوک میں شرکت کی چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ (اسی دور میں ایک روز) فجر سے پہلے سرکارِ دو عالم ﷺ پاخانہ کے لئے باہر تشریف لے گئے میں بھی پانی کی چھانگل لے کر آپ ﷺ کے ہمراہ ہو گیا جب آپ ﷺ (پاخانہ سے) واپس تشریف لائے (اور وضو کرنے کے لئے بیٹھے) تو میں نے آپ ﷺ کے ہاتھوں پر پانی ڈالنا شروع کیا چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور منہ دھویا آپ ﷺ ایک ادنیٰ جبہ پہنے ہوئے تھے اس کی آستینیں چڑھائی چائیں لیکن آستینیں تنگ تھیں (اس لئے چڑھ نہ سکیں) آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جبہ کے اندر سے نکال کر جبہ کو مونڈھوں پر ڈالیا اور دو کہنیوں تک دھو کر چڑھائی سر کا اور پگڑی کا مسح کیا پھر (جب) میں نے آپ ﷺ کے موزے اتارنے کا ارادہ کیا تاکہ آپ ﷺ پر دھو لیں (تو) آپ ﷺ نے فرمایا کہ انھیں چھوڑ دو کیونکہ میں نے (پاؤں کی) پاکی کی حالت میں انھیں پہنا تھا یعنی وضو کرنے کے بعد پہنا تھا) اور آپ ﷺ نے دونوں موزوں پر مسح کیا، پھر آپ ﷺ اور میں دونوں سوار ہو کر واپس لوگوں کے پاس آئے (تو) فجر کی

نماز کے لئے جماعت کھڑی ہو گئی تھی اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نماز پڑھا رہے تھے اور ایک رکعت پڑھا بھی چکے تھے جب انھیں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کا احساس ہوا تو وہ پیچھے ہٹنے لگے (تاکہ آنحضرت ﷺ امامت کریں) مگر آنحضرت ﷺ نے انھیں اشارہ کیا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور نماز پڑھانے جاؤ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک رکعت نماز ان کے ساتھ ہی پڑھی (یعنی آپ ﷺ نے دوسری رکعت حضرت عبدالرحمن کی اقتداء میں ادا کی) جب انہوں نے سلام پھیرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور جو (پہلی) رکعت رہ گئی تھی ہم نے اسے پڑھ لیا۔ (مسلم)

تشریح: راوی نے آنحضرت ﷺ کے وضو کا ذکر کیا ہے مگر کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کا ذکر نہیں کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو راوی کے پیش نظر اختصار تھا اس لئے انھوں نے ان دونوں چیزوں کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھایا یہ کہ راوی اس کے ذکر کرنے کو بھول گئے ہوں گے، یا پھر اس لئے ذکر نہیں کیا کہ یہ دونوں چیزیں بھی منہ کی حد میں آجاتی ہیں اس لئے صرف منہ دھونے کا ذکر کافی سمجھا۔ پگڑی پر مسح کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے چوتھائی سر پر مسح کرنے کے بعد تمام سر پر مسح کرنے کے بجائے پگڑی پر مسح کر لیا تاکہ تمام سر پر مسح کرنے کی سنت ادا ہو جائے اس کی وضاحت باب الوضو میں بھی کی جا چکی ہے (دیکھئے باب سنن الوضو کی حدیث نمبر ۸)۔ بہر حال اس حدیث سے چھ چیزیں ثابت ہوتی ہیں:

① آنحضرت ﷺ فجر سے پہلے قضاے حاجت کے لئے تشریف لے گئے اس سے یہ ثابت ہوا کہ عبادت مثلاً نماز وغیرہ کا وقت شروع ہونے سے پہلے اس عبادت کے لئے تیاری کرنا مستحب ہے۔

② حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے وضو کے وقت آپ ﷺ کے اعضاء وضو پر پانی ڈالا اس سے معلوم ہوا کہ اگر دو سر اخص وضو کرانے کو جائز ہے۔

③ جب آپ ﷺ قضاے حاجت اور وضو سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب انہوں نے بقضائے ادب پیچھے ہٹنا چاہا تاکہ آنحضرت امامت فرمائیں تو آنحضرت ﷺ نے انہیں روک دیا اور خود بھی آخری رکعت انہیں کی اقتداء میں پڑھی اس سے معلوم ہوا کہ ایک افضل شخص نماز میں اگر اپنے سے کم درجہ شخص کی اقتداء کرے تو یہ جائز ہے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز کے لئے امام کا معصوم (بے گناہ) ہونا شرط نہیں ہے۔ اس سے اس فرقہ امامیہ کا رد ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام کا معصوم ہونا شرط ہے۔

④ حدیث کے آخری الفاظ سے یہ ثابت ہوا کہ جس شخص کی کوئی رکعت امام کے ساتھ چھوٹ جائے تو اس کی ادائیگی کے لئے اسے اس وقت اٹھنا چاہئے جب کہ امام سلام پھیر لے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو چھوٹی ہوئی رکعت کو ادا کرنے کے لئے امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اٹھنا جائز ہی نہیں اور علمائے حنفیہ کے نزدیک سلام پھیرنے سے پہلے اٹھنا مکروہ تحریمی ہے۔ مگر اس صورت میں جب کہ یہ خوف ہو کہ اگر امام کے سلام کا انتظار کیا جائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی تو پہلے بھی اٹھنا جائز ہے مثلاً فجر کی نماز میں امام ایک رکعت پہلے پڑھا چکا تھا ایک شخص دوسری رکعت میں آکر شامل ہوا اب اسے ایک رکعت بعد میں ادا کرنی ہے مگر صورت حال یہ ہے کہ اگر وہ امام کے سلام پھیرنے کی انتظار کرتا ہے تو اسے خوف ہے کہ سورج طلوع ہو جائے گا جس کے نتیجے میں نماز فاسد ہو جائے گی لہذا اس کے لئے جائز ہے ہو گا کہ وہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اٹھ جائے اور نماز پوری کر لے اس مسئلہ کی وضاحت فقہ کی کتابوں میں خوب اچھی طرح کی گئی ہے اس کی تفصیل وہاں دیکھی جا سکتی ہے۔

⑤ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت کے وقت اگر امام موجود نہ ہو اور اس کے آنے میں دیر ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کب آئے گا تو یہ مستحب ہے کہ امام کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ کوئی دوسرا شخص نماز پڑھانی شروع کر دے اور اگر امام کے آنے کا وقت معلوم ہو تو اس صورت میں اس کا انتظار کرنا مستحب ہے اور اگر امام کا مکان قریب مسجد ہو تو اسے جماعت کا وقت ہو جانے پر مطلع کرنا مستحب ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

③ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَخَّصَ لِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُمْ وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً إِذَا تَطَهَّرَ فَلَيْسَ خُفْيَهُ أَنْ يَمْسَحَ عَلَيْهِمَا - (رواه الأئمة في سننهم وابن خزيمة والدارقطني وقال الخطابي هو صحيح الإسناد هكذا في المتن).

”حضرت ابی بکرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت مسافر کو تین دن اور تین رات تک اور مقیم کو ایک دن اور ایک رات تک دی ہے جب کہ انھوں نے موزوں کو وضو کے بعد پہنا ہو۔“ (ابن خزيمة، دارقطني) اور خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اسناد کی رو سے صحیح ہے اور متفقہ میں (بھی جو ابن تیمیہ جلی کی کتاب ہے) اسی طرح منقول ہے۔

④ وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَشَّالٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفَرًا أَنْ لَا تَنْتَرِعَ خُفَا فَنُثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُمْ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَلَكِنْ مِنْ غَائِبَةٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ - (رواه الترمذی والنسائی)

”اور حضرت صفوان بن عسالؓ فرماتے ہیں کہ ”جب ہم سفر میں ہوتے تھے تو سرکارِ دو عالم ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ تین دن اور تین رات تک (وضو کرنے کے وقت پیروں کو) (دھونے کے لئے) موزے نہ اتارے جائیں، نہ پاخانہ کی وجہ سے نہ پیشاب کی وجہ سے نہ سونے کی وجہ سے البتہ جنابت کی وجہ سے (یعنی غسل واجب ہونے کی صورت میں نہانے کے لئے اتارے جائیں۔“ (ترمذی، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ سوکر اٹھنے یا پیشاب و پاخانہ کے بعد وضو کرنے کی صورت میں اس مدت تک جو مسافر یا مقیم کے لئے ہے پیروں کو دھونے کے لئے موزوں کو اتارنا نہیں چاہئے بلکہ موزوں پر مسح کر لیا جائے اور جنابت کی حالت میں یعنی جب غسل واجب ہو جائے تو نہانے کے لئے موزے اتارنے ضروری ہیں کیونکہ اس حالت میں موزوں پر مسح درست نہیں ہے۔

⑤ وَعَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ فَمَسَحَ أَعْلَى الْخُفِّ وَأَسْفَلَهُ - (رواه أبو داود والترمذی وابن ماجہ) قَالَ التَّرمذی هَذَا الْحَدِيثُ مَعْلُوفٌ وَسَأَلْتُ أَبَا زُرْعَةَ وَمَحْمَدًا ابْنَيْ الْبُخَارِيِّ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ لَيْسَ بِصَحِيحٍ وَكَذَا ضَعَّفَهُ أَبُو دَاوُدَ

”اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ راوی ہیں کہ میں نے غزوہ تبوک میں سرکارِ دو عالم ﷺ کو وضو کرایا تھا اور آپ ﷺ نے موزوں کے نیچے اور اوپر مسح کر لیا۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ) اور حضرت امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ ”یہ حدیث معلوم ہے، نیز میں نے اس حدیث کے بارے میں ابوداؤد اور محمد بن ابی امام بخاریؒ سے پوچھا تو دونوں نے کہا یہ صحیح نہیں ہے اسی طرح امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔“

تشریح: حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پشت قدم یعنی موزے کے اوپر مسح کرنا واجب ہے اور موزے کے نیچے یعنی تلوے پر مسح کرنا سنت ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ مسح فقط پشت قدم یعنی موزے کے اوپر کیا جائے یہ دونوں حضرات کہتے ہیں کہ یہ حدیث جس سے موزے کے دونوں طرف مسح کرنے کا اثبات ہو رہا ہے خود معیارِ صحت کو پہنچی ہوئی نہیں ہے کیونکہ علماء نے اس کی صحت میں کلام کیا ہے۔ نیز ایسی احادیث بہت زیادہ منقول ہیں جو اس حدیث کے بالکل برعکس ہیں اور جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسح فقط پشت پر کیا جائے لہذا عمل اس ہی حدیث پر کیا جائے گا۔ محدثین کی اصطلاح میں ”حدیث معلول“ اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں ایسا سبب پوشیدہ ہو جو اس بات کا مقتضی ہو کہ اس حدیث کے مطابق عمل نہ کیا جائے۔

اس حدیث کے ضعیف ہونے کی دو وجہ ہیں۔ اول تو یہ کہ حضرت مغیرہؓ تک اس حدیث کی سند کا پہنچنا ثابت نہیں ہے بلکہ اس کی

سند بولاد تک جو مغیرہ کے مولیٰ اور کاتب تھے پہنچتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کو ثور ابن یزید نے رجاء ابن حیوۃ سے روایت کیا ہے اور رجاء ابن حیوۃ نے حضرت مغیرہؓ کے کاتب سے روایت کیا ہے حالانکہ رجاء سے ثور کا سماع ثابت نہیں ہے پھر ایک سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس مضمون جو حدیث نمبر ۲ حضرت مغیرہؓ سے مختلف سندوں کے ساتھ منقول ہے اور جو معیار صحت کو پہنچی ہوئی ہے اس میں مطلقاً اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے موزوں پر مسح کیا تھا، اوپر نیچے مسح کرنے کی کوئی وضاحت منقول نہیں ہے پھر حضرت مغیرہؓ کی ایک اور روایت اس کے بعد آرہی ہے اس میں صراحت کے ساتھ یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے موزوں کے اوپر مسح کیا۔ لہذا معلوم یہ ہوا کہ اس حدیث میں اضطراب ہے اور یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے۔

① وَعَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلَى ظَاهِرِهِمَا۔ (رواہ الترمذی و البورداؤی)

”اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ راوی ہیں کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو موزوں کے اوپر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے“ (ترمذی و البورداؤی)

تشریح: موزے پر مسح کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں پاؤں کے نیچے پرہائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں کے نیچے پر رکھی جائیں پھر ان کو کھینچتے ہوئے ٹخنوں کے اوپر تک لایا جائے اس سلسلہ میں اس کا خیال رہے کہ انگلیاں کشادہ رکھی جائیں آپس میں ملی ہوئی نہ ہوں۔ موزوں پر مسح کرنے کا سنون طریقہ تو یہی ہے اور اگر کسی نے انگلی سے تین مرتبہ اس طرح مسح کیا کہ ہر مرتبہ تازہ پانی لیتا رہا اور ہر مرتبہ نئی جگہ پھیرتا رہا تو مسح جائز ہو گا ورنہ نہیں ان کے علاوہ بہت سے طریقے فقہ کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں تفصیل وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

② وَعَنْهُ قَالَ تَوَضَّأُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالتَّغْلِيظِ۔ (رواہ احمد و الترمذی و البورداؤی)

”اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے وضو کیا اور نعلین کے ساتھ جو زمین پر مسح کیا۔“

(احمد، ترمذی، البورداؤی، ابن ماجہ)

تشریح: قاموس میں لکھا ہے کہ جو رب لغافہ پیر کو کہتے ہیں جیسے ہمارے یہاں جراب یا موزہ کہلاتا ہے اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں اس کی تفصیل چلی میں بڑی وضاحت سے مذکور ہے یہاں اس کے بعض احکام و مسائل لکھے جاتے ہیں۔

حنفی مسلک میں جو زمین یعنی موزوں پر مسح اس وقت درست ہو گا جب کہ وہ مجلد ہوں یعنی ان کے اوپر نیچے چمڑا لگا ہوا ہو، منعل ہوں یعنی فقط نیچے ہی چمڑا ہو اور مشغبین ہوں۔ ٹخنیں اس موزے کو کہتے ہیں جس کو پہن کر ایک فرسخ چلا جاسکے اور وہ بغیر باندھے ہوئے پنڈلی پر رکا رہے نیز اس کے اندر کا کوئی حصہ نہ دکھلائی دے اور نہ اس کے اندر پانی چھن سکا ہو چلی کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر جو زمین منعلین بغیر ٹخنیں ہوں گے تو اس پر مسح جائز نہیں ہو گا لہذا منعلین پر مسح اسی وقت درست ہو گا جب کہ ٹخنیں بھی ہوں۔

چونکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جو رب پر مسح درست نہیں خواہ وہ منعل ہی کیوں نہ ہو اس لئے یہ حدیث حنفیہ کی جانب سے ان پر حجت ہے جس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو رب پر مسح فرمایا ہے نیز حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت انسؓ ابن مالک اور حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ ان حضرات نے اس پر مسح کیا ہے۔

آخر حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ”آپ نے نعلین کے ساتھ جو زمین پر مسح کیا“ تو یہاں نعلین کے مفہوم کے تعین میں دو احتمال ہیں اول تو یہ کہ اس سے جوئے مراد ہیں یعنی آپ ﷺ نے جو زمین پر جو تلوں کے ساتھ مسح کیا چونکہ عرب میں اس وقت ایسے جوئے استعمال ہوتے تھے جو بالکل چیل کی طرح ہوتے تھے اور ان پر اس طرح قسم لگا رہتا تھا کہ انہیں پسینے کے بعد پیر کے اوپر کا حصہ کھلا رہتا تھا جس کی وجہ سے موزوں پر مسح کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی لہذا پھر اس سے یہ مراد ہے کہ آپ ﷺ نے ان جو زمین پر مسح کیا جس

لہ فرخ قریب پونے چار میل کے فاصلہ کو کہتے ہیں۔

کے نیچے ہزار لگا ہوا تھا۔

الفصل الثالث

⑧ عَنْ الْمُغِيرَةِ قَالَ مَسَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ نَسِيتَ قَالَ بَلْ أَنْتَ نَسِيتَ بِهَذَا أَمْرَيْنِ زَيْنَ عَزَّوَجَلَّ - (رواه احمد و ابو داؤد)

”حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے موزوں پر مسح کیا (یہ دیکھ کر) میں نے عرض کیا ”آپ ﷺ بھول گئے ہیں (یعنی موزے اتار کر پہن نہیں دھوئے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”نہیں بلکہ تم بھول گئے (کہ میری طرف نسیان کی نسبت کرو ہے ہو کیونکہ خدائے بزرگ دربر تر نے مجھے اسی طرح حکم دیا ہے۔“ (احمد، ابو داؤد)

⑨ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ لَوْ كَانَ الَّذِينَ بِالرَّأْيِ لَكَانَ اسْفُلُ الْخُفِّ أَوَّلِي بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ وَقَدْ زَانَيْتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى ظَاهِرِ خُفَيْهِ - (رواه ابو داؤد و للدارِمِي مَعْنَاهُ)

”اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ”اگر دین (صرف) رائے پر موقوف ہوتا تو واقعی موزوں کے اوپر مسح کرنے سے نیچے مسح کرنا بہتر ہوتا اور میں نے خود سرکارِ دو عالم ﷺ کو موزوں کے اوپر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔“ (ابو داؤد و دارمی)

تشریح: حضرت علیؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ناپاکی اور گندگی چونکہ موزوں کے نیچے کی جانب لگ سکتی ہے اس لئے عقل یہی تقاضا کرتی ہے کہ جس طرف ناپاکی اور گندگی لگنے کا شبہ ہو اسی طرف پاکی اور ستھرائی کے لئے مسح بھی کرنا چاہئے مگر چونکہ شرع میں صراحۃً یہ آگیا ہے کہ مسح اوپر کی جانب کرنا چاہئے اس لئے اب عقل کو دخل دینے کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے مسائل و احکام میں عقل کو دخل نہ دینا چاہئے کیونکہ عقل کامل شریعت کے تابع ہوتی ہے اس لئے کہ خدائی حکمتوں اور اس کے مراد و مفہوم کو معلوم کرنے میں عقل مطلقاً عاجز ہوتی ہے لہذا عاقل کو چاہئے کہ وہ ہر نوع شریعت کا تابع و پیابند بن کر رہے عقل کا تابع نہ بنے اس لئے کہ کفار اور اکثر فلاسفہ و حکماء اور اہل ہوا و ہوس اپنی عقلوں پر بھروسہ و پندار کرنے کے سبب اور عقلوں کے تابع ہونے ہی کی وجہ سے گمراہی و ضلالت کے غار میں گرے ہیں۔

چونکہ اس باب کی یہ آخری حدیث ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کے ضمن میں مسح سے متعلق چند مسائل ذکر کئے جائیں۔

① اگر موزہ کسی جگہ سے پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر پھٹ جائے تو اس پر مسح درست نہیں ہوتا، اس طرح اگر ایک موزہ تھوڑا تھوڑا کئی جگہ سے اتنی مقدار میں پھٹ جائے کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو وہ تین انگلیوں کے برابر ہو تو اس پر بھی مسح درست نہیں ہوتا اور اگر دونوں موزے تھوڑے تھوڑے اتنی مقدار میں پھٹے ہوں کہ اگر انھیں جمع کیا جائے تو وہ تین انگلیوں کے برابر ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہو گا بلکہ ان پر مسح درست ہو گا۔

② جن چیزوں سے وضو لوٹتا ہے ان سے مسح بھی لوٹ جاتا ہے۔

③ حدیث کے بعد موزہ اتارنے سے مسح لوٹ جاتا ہے۔

④ مسح کی مدت ختم ہو جانے کے بعد مسح لوٹ جاتا ہے بشرطیکہ سردی کی وجہ سے پاؤں کے ضائع ہونے کا خوف نہ ہو، یعنی اگر سردی کی شدت اور کسی بیماری کی وجہ سے یہ خوف ہو کہ موزہ اتارنے سے پاؤں ضائع ہو جائے گا تو مسح کی مدت ختم ہونے کے بعد مسح نہیں لوٹے گا جب تک خوف باقی رہے گا مسح بھی باقی رہے گا۔

⑤ اگر موزہ اتارنے یا مدت ختم ہونے کی وجہ سے مسح لوٹ جائے اور وضو باقی ہو تو ایسی شکل میں از سر نو وضو کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف پیردھو کر موزہ پہن لینا کافی ہو گا۔

- ① اگر آدمی سے زیادہ پیر موزہ سے باہر نکل آئے تو بھی مسح ٹوٹ جاتا ہے۔
- ② اگر مقیم نے مسح کیا اور ایک رات اور ایک دن گزرنے سے پہلے مسافر ہو گیا تو وہ مسح کے لئے سفر کی مدت پوری کرے یعنی تین دن اور تین رات تک مسح کرتا رہے، اسی طرح اگر مسافر نے مسح کیا اور پھر وہ مقیم ہو گیا تو اسے چاہئے کہ ایک دن ایک رات کے بعد موزہ اتار دے کیونکہ اس کی مدت پوری ہو گئی ہے۔
- ③ اگر کوئی معذور مثلاً ظہر کے وقت وضو کر کے موزہ پہنے تو جس عذر کی وجہ سے وہ معذور ہے اس کے علاوہ کسی دوسری چیز سے اس کا وضو ٹوٹ جائے تو اس کے لئے مسح کی مدت موزوں پر مسح کرنا جائز ہو گا اور پھر مسح کی مدت ختم ہو جانے کے بعد مسح ٹوٹ جائے گا۔

بَابُ التَّيْمِ

تیمم کا بیان

”تیمم“ وضو اور غسل کا قائم مقام ہے۔ لغت میں تیمم کے معنی ”قصہ“ کے آتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں تیمم سے مراد ہے پاک مٹی کا قصد کرنا یا اس چیز کا قصد کرنا جو مٹی کے قائم مقام ہو جیسے پتھر اور چونا وغیرہ اور طہارت کی نیت کے ساتھ اسے ہاتھ اور منہ پر ملنا۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ تیمم کے لئے دو ضربیں یا ایک ضرب ہے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ تیمم کے لئے دو ضربیں ہیں یعنی پاک مٹی یا اس کے قائم مقام مثلاً پاک چوڑے اور پتھر وغیرہ پر دو دفعہ ہاتھ مارنا چاہئے ایک ضرب تو منہ کے لئے ہے اور دوسری ضرب کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لئے۔ حضرت امام شافعیؒ کا بھی مختار مسلک یہی ہے اور بعض حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ لیکن حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور مسلک اور حضرت امام شافعیؒ کا قدیم قول یہ ہے کہ تیمم ایک ہی ضرب ہے یعنی تیمم کرنے والے کو چاہئے کہ ایک ہی مرتبہ پاک مٹی وغیرہ پر ہاتھ مار کر اسے منہ پر اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں پر پھیر لے، حضرت امام اوزاعیؒ، عطاء اور نکولؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ دونوں فریقین کے مذہب و مسلک کی تائید میں احادیث منقول ہیں جو آگے انشاء اللہ آئیں گی اور جن کی حسب موقع تشریح و توضیح بھی کی جائے گی۔ اس موقع پر مناسب ہے کہ تیمم کے کچھ احکام اور وہ صورتیں ذکر کر دی جائیں جن میں تیمم جائز ہے تیمم حسب ذیل صورتوں میں جائز ہوتا ہے۔

- ① اتنا پانی جو وضو اور غسل کے لئے کافی ہو اپنے پاس موجود نہ ہو بلکہ ایک میل یا ایک میل سے زائد فاصلہ پر ہو۔
- ② پانی جو موجود تو ہو مگر کسی کی امانت ہو یا کسی سے غصب کیا ہو اہو۔
- ③ پانی کے نرخ کا معمول سے زیادہ گراں ہو جانا۔
- ④ پانی کی قیمت کا موجود نہ ہونا خواہ پانی قرض مل سکتا ہو یا نہیں، قرض لینے کے صورت میں اس پر قادر ہو یا نہ ہو، ہاں اگر اپنی ملکیت میں مال ہو اور ایک مدت معینہ کے بعدہ پر قرض مل سکتا ہو تو قرض لے لینا چاہئے۔
- ⑤ پانی کے استعمال سے کسی مرض کے پیدا ہو جانے یا بڑھ جانے کا خوف ہو یا خوف ہو کہ اگر پانی استعمال کیا جائے گا تو صحت یا پانی میں دیر ہو گی۔
- ⑥ سردی اس قدر شدید ہو کہ پانی کے استعمال سے کسی عضو کے ضائع ہو جانے یا کسی مرض کے پیدا ہو جانے کا خوف ہو اور گرم پانی ملنا

۱۔ تیمم ۵۵ میں شروع ہوا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: فَلَمْ تَجِدُوا أُمَّاءَ فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ”تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ اس زمین (کی مٹی) پر سے (مار کر) پھیر لیا کرو۔“

ممکن نہ ہو۔

۷ کسی دشمن یا درندہ کا خوف ہو مثلاً پانی ایسی جگہ ہو جہاں درندے وغیرہ آتے ہوں یا موجود ہوں یا راستہ میں چوروں کا خوف ہو، یا اپنے اور کسی کا قرض ہو، یا کسی سے عداوت ہو اور یہ خیال ہو کہ اگر پانی لینے جائے گا تو قرض خواہ اس کو پکڑ لے گا، یا کسی قسم کی تکلیف دے گا، یا پانی کسی غنڈے اور قاصد کے پاس ہو اور عورت کو اس کے حاصل کرنے میں اپنی بے حرمتی کا خوف ہو۔

۸ پانی کھانے پینے کی ضرورت کے لئے رکھا ہو کہ اسے وضو یا غسل میں خرچ کر دیا جائے تو اس ضرورت میں حرج ہو مثلاً آٹا گوندھنے یا گوشت وغیرہ پکانے کے لئے رکھا ہو، یا پانی اس قدر ہو کہ اگر وضو یا غسل میں صرف کر دیا جائے تو یہ پیاس کا خوف ہو خواہ اپنی پیاس کا یا کسی دوسرے کی پیاس کا، یا اپنے جانوروں کی پیاس کا، بشرطیکہ کوئی ایسی تدبیر نہ ہو سکے کہ مستعمل پانی جانوروں کے کام آسکے۔

۹ کنوئیں جیسے پانی نکالنے کی کوئی چیز نہ ہو اور نہ کوئی کپڑا ہو کہ اسے کنوئیں میں ڈال کر تر کرے اور پھر اس سے نچوڑ کر طہارت حاصل کرے، یا پانی شکر وغیرہ میں ہو اور کوئی چیز پانی نکالنے کے لئے نہ ہو اور نہ مٹکا جھکا کر پانی لے سکتا ہو، نیز ہاتھ نجس ہوں اور کوئی دوسرا ایسا شخص نہ ہو جو پانی نکال کر دے یا اس کے ہاتھ دھلا دے۔

۱۰ وضو یا غسل کرنے میں ایسی نماز کے چلے جانے کا خوف ہو جس کی قضا نہیں ہے جیسے عیدین یا جنازہ کی نماز۔

۱۱ پانی کا بھول جانا مثلاً کسی شخص کے پاس پانی تو ہے مگر وہ اسے بھول گیا ہو اور اس کا خیال ہو کہ میرے پاس پانی نہیں ہے۔

تیمم کرنے کا مسنون و مستحب طریقہ درج ذیل ہے:

پہلے بسم اللہ پڑھ کر تیمم کی نیت کی جائے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کسی ایسی مٹی پر جس کو نجاست نہ پہنچی ہو یا اس کی نجاست دھو کر زائل کر دی گئی ہو، ہتھیلیوں کی جانب سے کشادہ کر کے مار کر طے اس کے بعد ہاتھوں کو اٹھا کر ان کی مٹی جھاڑ ڈالے اور پھر پورے دونوں ہاتھوں کو اپنے پورے منہ پر طے اس طرح کہ کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہ جائے جہاں ہاتھ نہ پہنچے۔ پھر اسی طرح دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مار کر طے پھر ان کی مٹی جھاڑ ڈالے اور بائیں ہاتھ کی تین انگلیاں سوائے کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے کے، داہنے ہاتھ کے انگلیوں کے سرے پر پشت کی جانب رکھ کر کہیںوں تک کھینچ لائے اس طرح کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی بھی لگ جائے اور کہیںوں کا مسح بھی ہو جائے پھر باقی انگلیوں کو اور ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسری جانب رکھ کر انگلیوں تک کھینچا جائے، اسی طرح بائیں ہاتھ کا بھی مسح کرے۔ وضو اور غسل دونوں کے تیمم کا یہی طریقہ ہے اور ایک ہی تیمم دونوں کے لئے کافی ہے۔ اگر دونوں کی نیت کر لی جائے۔

تیمم کے کچھ احکام و مسائل یہ ہیں۔

۱ تیمم کے وقت نیت کرنا فرض ہے اور نیت کی شکل یہ ہے کہ جس حدث کے سبب سے تیمم کیا جائے تو اس سے طہارت کی نیت کی جائے یا جس چیز کے لئے تیمم کیا جائے اس کی نیت کی جائے مثلاً اگر نماز جنازہ کے لئے تیمم کیا جائے یا قرآن مجید کی تلاوت کے لئے تیمم کیا جائے تو اس کی نیت کی جائے مگر نماز ای تیمم سے صحیح ہوگی جس میں حدث سے طہارت کی نیت کی جائے یا کسی ایسی عبادت مقصودہ کی نیت کی جائے جو بغیر طہارت کے نہیں ہو سکتی۔

۲ تیمم کرتے وقت اعضاء تیمم سے ایسی چیزوں کو دور کر دینا فرض ہے جس کی وجہ سے مٹی جسم تک نہ پہنچ سکے جیسے روغن یا چربی وغیرہ۔

۳ تنگ انگوٹھی تنگ چٹلوں اور چوڑیوں کو اتار ڈالنا واجب ہے۔

۴ اگر کسی قہر سے پانی کا قریب ہونا معلوم ہو تو اس کی تلاش میں سو قدم تک خود جانا یا کسی کو بھیجنا واجب ہے۔

۵ یہ تمام مسائل عبد الحکوم لکھنوی کی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

- ۵ اگر کسی دوسرے شخص کے پاس پانی موجود ہو اور اس سے ملنے کی امید ہو تو اس سے طلب کرنا واجب ہے۔
- ۶ اس ترتیب سے تیمم کرنا سنت ہے جس ترتیب سے آنحضرت ﷺ نے تیمم کیا ہے یعنی پہلے منہ کا مسح پھر دونوں ہاتھوں کا مسح۔
- ۷ منہ کے مسح کے بعد داڑھی کا غلال کرنا سنت ہے۔
- ۸ جس شخص کو آخر وقت تک پانی ملے کا یقین یا گمان غالب ہو تو اس کو نماز کے آخر وقت تک پانی کا انتظام کرنا مستحب ہے مثلاً کنوئیں سے پانی نکالنے کی کوئی چیز نہ ہو اور یہ یقین یا گمان غالب ہو کہ آخر وقت ری اور ڈول مل جائیں گے۔ یا کوئی شخص ریل پر سوار ہو اور یہ بات یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ نماز کے آخر وقت ریل ایسے اسٹیشن پر پہنچ جائے گی جہاں پانی مل سکتا ہے۔
- ۹ تیمم نماز کے وقت کے تک ہو جانے کی صورت میں واجب ہوتا ہے۔ شروع وقت میں واجب نہیں ہوتا۔
- ۱۰ نماز کا اس قدر وقت ملے کہ جس میں تیمم کر کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہو تو تیمم واجب ہوتا ہے اور اگر وقت نہ ملے تو تیمم واجب نہیں۔
- ۱۱ جن چیزوں کے لئے وضو فرض ہے ان کی لئے وضو کا تیمم بھی فرض ہے۔ اور جن چیزوں کے لئے وضو واجب ہے ان کے لئے وضو کا تیمم بھی واجب ہے اور جن چیزوں کے لئے وضو سنت یا مستحب ہے، ایسی حالت غسل کا بھی ہے۔
- ۱۲ اگر کوئی شخص حالت جنابت میں ہو اور مسجد میں جانے کی اسے سخت ضرورت ہو تو اس پر تیمم کرنا واجب ہے۔
- ۱۳ جن عبادتوں کے لئے حدیث اکبر (یعنی جنابت) اور حدیث اصغر (یعنی جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے) سے طہارت شرط نہیں ہے۔ جیسے سلام و سلام کا جواب وغیرہ ان کے لئے وضو و غسل دونوں کا تیمم بغیر عذر کے ہو سکتا ہے اور جن عبادتوں میں صرف حدیث اصغر سے طہارت شرط نہ ہو جیسے تلاوت قرآن مجید اور اذان وغیرہ ان کے لئے صرف وضو کا تیمم بغیر عذر ہو سکتا ہے۔
- ۱۴ اگر کسی کے پاس مشکوک پانی ہو جیسے گدھے کا جھوٹا پانی تو ایسی حالت میں پہلے اگر وضو کی ضرورت ہو تو وضو اور غسل کی ضرورت ہو تو غسل کیا جائے اس کے بعد تیمم کیا جائے۔
- ۱۵ اگر وہ عذر جس کی وجہ سے تیمم کیا گیا ہے آدمیوں کی طرف سے ہو تو جب وہ عذر جاتا رہے تو جس قدر نمازیں اس تیمم سے پڑھی ہیں سب کو دوبارہ پڑھنا چاہئے۔ مثلاً کوئی شخص جیل میں ہو اور جیل کے ملازم اس کو پانی نہ دیں یا کوئی شخص اس سے کہے کہ اگر تو وضو کرے گا تو میں تجھ کو مار ڈالوں گا۔
- ۱۶ ایک جگہ سے اور ایک ڈھیلہ سے چند آدمی یکے بعد دیگرے تیمم کریں تو درست ہے۔
- ۱۷ جو شخص پانی اور مٹی دونوں پر قادر نہ ہو خواہ پانی یا مٹی نہ ہونے کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے تو اس کو چاہئے کہ نماز یا طہارت پڑھ لے پھر اس نماز کو طہارت سے لوٹانے مثلاً کوئی شخص ریل میں سوار ہے اور نماز کا وقت ہو گیا ہے مگر نہ تو پانی موجود ہے کہ وہ وضو کرے اور نہ مٹی یا اس قسم کی کوئی دوسری چیز ہے جس سے وہ تیمم کر سکے، اور نماز کا وقت بھی ختم ہوا جا رہا ہے تو اسے چاہئے کہ ایسی حالت میں بلا طہارت نماز پڑھ لے۔ اسی طرح کوئی شخص جیل میں ہو اور وہ پاک پانی اور مٹی پر قادر نہ ہو تو وہ بے وضو اور بے تیمم نماز پڑھ لے گا مگر ان دونوں صورتوں میں نماز کا اعادہ ضروری ہو گا۔

الفصل الاول

① عَنْ حَدِيثِهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ جُعِلَتْ ضِفْوْفُنَا كَضِفْوْفِ الصَّلَاةِ وَجُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا وَجُعِلَتْ ثُرْبَتُنَا طَهُورًا إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ (رواه مسلم)

”حضرت حذیفہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”ہم لوگ (نبی امتوں کے) لوگوں پر تین چیزوں سے فضیلت دیئے گئے ہیں ① ہماری صفیں (نماز میں یا جہاد میں) فرشتوں کی صفوں جیسی (شمار کی گئی ہیں)۔ ② ہمارے واسطے تمام زمین مسجد بنا دی گئی ہے (کہ جہاں

چاہیں نماز پڑھ لیں۔ (۵) جس وقت ہمیں پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک کر دینے والی ہے۔ ”(مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی اس امت سے پہلے دنیا میں جتنی بھی آتش پیدا ہوئی ہیں، یوں تو ان سب کے مقابلہ پر یہ امت اپنی گونا گوں خصوصیات اور امتیازات کی بناء پر سب سے زیادہ افضل اور بزرگ ہے۔ عظمت و فضیلت میں کوئی امت اس امت سے مماثل نہیں ہے۔ مگر یہاں آنحضرت ﷺ اس امت کی بعض امتیازی خصوصیات کی طرف جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس امت پر بے پایاں انعامات و احسانات کے نتیجہ میں اشارہ فرما رہے ہیں کہ ان چیزوں کے بناء پر میری امت کو دوسری امتوں پر خاص فضیلت و فوقیت دی گئی ہے۔ چنانچہ پہلی چیز تو آپ ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ (نماز یا جہاد میں) اس امت کی صفیں فرشتوں کی صفیں جیسی (شمار) کی گئی ہیں یعنی جس طرح فرشتے صف بندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں کہ جس کی بناء پر انہیں مقام قرب میسر ہے اور بے انتہا بزرگی و سعادت حاصل ہوتی ہے اسی طرح اس امت کو بھی جہاد یا نماز میں صف بندی اور جماعت کی بناء پر خداوند قدوس کا مقام قرب حاصل ہوتا ہے اور اس وجہ سے یہ امت سابقہ امتوں کے مقابلہ میں افضل ہے کیونکہ سابقہ امتوں میں صف بندی اور جماعت نہیں تھی وہ لوگ جس طرح چاہتے نماز پڑھ لیتے مگر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو جماعت کا حکم دے کر گویا سعادت و نیک بختی کے اس عظیم راستہ پر لگا دیا کہ جماعت اور صف بندی کی جتنی زیادہ پابندی کی جائے گی سعادت و نیک بختی اور مقام قرب کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔

دوسری چیز آپ ﷺ نے یہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری امتوں کے مقابلہ پر اس امت پر یہ بھی بڑا احسان فرمایا اور اس کو فضیلت بخشی کہ اس امت کے لوگوں کے لئے تمام زمین کو سجدہ گاہ قرار دے دیا کہ بندہ زمین کے جس پاک حصہ پر خدا کے سامنے جھک جائے اور نماز ادا کرے اس کی نماز قبول کی جائے گی برخلاف اس کے کہ پچھلی امتوں کے لئے یہ سہولت اور فضیلت نہیں تھی ان لوگوں کی نماز ”کنائس“ اور ”بج“ (جو پچھلی امتوں کے عبادت خانوں کے نام ہیں) اس کے علاوہ اور کہیں جائز نہ ہوتی تھی۔ تیسری چیز آپ ﷺ نے یہ فرمائی ہے کہ اس امت کے لئے تیمم کو جائز کر کے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دوسری امتوں پر عظیم فضیلت عنایت فرمائی ہے یعنی اگر پانی موجود نہ ہو یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو یا پانی کے استعمال سے معذور ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لی جائے۔ نماز جائز ہو جائے گی۔

بہر حال۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان تین چیزوں میں ہمیں دوسری امتوں کے مقابلہ پر فضیلت و بزرگی ہے کہ ”ہمیں جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور اس پر بے شمار اجر و انعام اور ثواب کا وعدہ کیا گیا“ ساری زمین ہمارے لئے مسجد قرار دی گئی کہ جہاں چاہیں نماز پڑھ لیں، نماز جائز ہو جائے گی اور جہاں پانی نہ ملے یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لیں۔ اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیمم صرف مٹی ہی سے کرنا چاہئے اور کسی چیز سے تیمم کرنا درست نہ ہو گا۔ جیسے کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کا مسلک ہے۔ مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام محمد کے نزدیک تیمم ہر اس چیز سے درست ہے جو زمین کی جنس سے ہو، زمین کی جنس کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے جو نہ تو آگ میں جلنے سے پگھلیں نہ نرم ہو اور نہ جل کر راکھ ہوں جیسے مٹی پتھر اور چونا وغیرہ ان حضرات کی دلیل سرکارِ دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے جو حضرت جابرؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے کہ:

جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا۔

”یعنی زمین میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی کر دی گئی ہے۔“

اس ارشاد میں لفظ ”ارض“ کا استعمال کیا گیا ہے جو ہر اس چیز کے مفہوم کو ادا کرتا ہے جو زمین کی جنس سے ہو۔

(۶) وَعَنْ عُمَرَ أَنَّ قَالَ كُنَّا فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَلُّنَا بِالنَّاسِ فَلَمَّا انْفَلَقْنَا مِنْ صَلَاتِهِ إِذَا هُوَ

بِرَجُلٍ مُعْتَرِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ أَصَابَنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ
بِالصُّعْبِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ۔ (ترمذی علیہ)

”اور حضرت عمرانؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے۔ آپ ﷺ نے (ہم) لوگوں کو نماز پڑھائی جب
آنحضور ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو کیا کہتے ہیں کہ ایک آدمی علیحدہ بیٹھا ہوا ہے اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی چنانچہ
آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے فلاں! تمہیں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس نے روک دیا تھا؟ اس نے عرض کیا کہ ”مجھے نہانے
کی ضرورت ہو گئی ہے اور پانی نہیں ملا“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”(ایسی صورت میں) تمہیں مٹی سے (تیمم کر لینا) لازم تھا اور تمہیں وہی کافی
تھا۔“ (بخاری و مسلم)

(۳) وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ إِنِّي أَجَنَّبْتُ فَلَمْ أَصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ أَمَا تَذَكَّرُ
أَمَا كُنَّا فِي سَفَرٍ فَأَنَا وَأَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَأَمَّا أَنَا فَمَتَّعْتُكَ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هَكَذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفِّهِ الْأَرْضَ وَنَفَخَ فِيهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ
وَكَفَّيَهُ زَوْاءَ الْبُخَارِيِّ وَلِلْمُسْلِمِ نَحْوَهُ وَفِيهِ قَالَ إِنَّمَا يَكْفِيكَ أَنْ تُضْرِبَ بِيَدِكَ الْأَرْضَ ثُمَّ تَنْفُخَ ثُمَّ تَمْسَحَ بِهِمَا
وَجْهَكَ وَكَفَّيَكَ۔

”اور حضرت عمارؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے نہانے کی ضرورت ہے اور پانی نہیں ملا (تو)
اب تیمم کروں یا کیا کروں؟ حضرت عمارؓ (یہ سن کر) حضرت عمرؓ سے بولے کیا تمہیں یاد نہیں رہا کہ میں اور تم سفر میں تھے اور ہم دونوں کو
نہانے کی ضرورت ہو گئی تھی) تو تم نے نماز نہیں پڑھی لیکن میں نے زمین پر لوٹ کر نماز پڑھ لی تھی پھر میں نے آنحضرت ﷺ سے
صورت حال ذکر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اس طرح کر لینا کافی تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر
ان پر پھونک مار کر (یعنی جھاڑ کر) ان سے اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کر لیا۔“ (بخاری) ”اسی طرح مسلم نے روایت کی ہے (جس کے آخری
الفاظ یہ ہیں) کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لئے یہ کافی ہے کہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارو پھر ان میں پھونک مار کر اپنے منہ اور
ہاتھوں پر مسح کرو۔“

تشریح: اس حدیث میں حضرت عمرؓ کا جواب ذکر نہیں کیا گیا ہے لیکن حدیث کے بعض دوسرے طرق سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے
اس شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ لا فصل یعنی جب تک پانی نہ ملے نماز نہ پڑھو چنانچہ حضرت عمرؓ کا مسلک یہی تھا کہ جنبی کے
لئے تیمم جائز نہیں ہے۔

یابہ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسئلہ پوچھنے والے کے سوال پر جو سکوت اختیار فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ جنبی کے لئے تیمم کا حکم ان
کے ذہن میں نہیں رہا تھا۔ چنانچہ حضرت عمارؓ نے تمام واقعہ بیان کیا تا کہ حضرت عمرؓ کے ذہن میں اس سے یہ بات پیدا ہو جائے کہ جنبی
کے لئے بھی تیمم جائز ہے حضرت عمارؓ نے جو واقعہ بیان کیا اس میں حضرت عمرؓ کے بارے میں جو یہ بتایا کہ انھوں نے غسل کے لئے پانی نہ
ہونے کی وجہ سے حالت جنابت میں نماز نہیں پڑھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے یہ سوچا ہو گا کہ ہو سکتا ہے کہ نماز کے آخر وقت
تک پانی مل جائے اس لئے انھوں نے یہ مناسب سمجھا کہ پانی مل جانے کے بعد غسل کر کے ہی نماز پڑھی جائے یا پھر اس کی وجہ وہی ہو سکتی
ہے کہ ان کے ذہن میں بات بیٹھی ہوئی تھی کہ تیمم تو صرف وضو کے قائم مقام ہے غسل کا قائم مقام نہیں ہے۔

ظاہری طور پر یہ وجہ زیادہ قرین قیاس ہے ان کے اس اعتقاد کا سبب یہ تھا کہ چونکہ انھیں اس مسئلہ کی پوری حقیقت معلوم نہیں تھی پھر
یہ کہ انہیں اس مسئلہ پر آنحضرت ﷺ سے کبھی سوال کا اتفاق بھی نہ ہوا تھا اس لئے وہ تو یہی سمجھتے تھے کہ تیمم صرف وضو کا قائم مقام ہے
غسل کا نہیں ہے حالانکہ متفقہ طور پر سب ہی کے نزدیک تیمم جس طرح وضو کا قائم مقام ہے اس طرح غسل کا قائم مقام بھی ہے۔

حضرت عمارؓ اپنے بارے میں بتا رہے ہیں اس موقع پر میں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا وہ یہ کہ میں مٹی میں لوٹ گیا اور اس کے بعد نماز پڑھ لی اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ذہن میں بھی یہ مسئلہ پوری وضاحت سے نہیں تھا اس لئے انھوں نے یہ قیاس کر کے جس طرح غسل میں پانی تمام اعضاء پر بہایا جاتا ہے اسی طرح مٹی بھی تمام اعضاء پر پہنچانی چاہئے، مٹی میں لوٹ گئے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت عمارؓ کو تیمم کا طریقہ بتاتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ہاتھوں پر پھونک مار کر اس پر لگی ہوئی مٹی کو اس لئے جھار اٹا کہ مٹی منہ پر نہ لگے جس سے منہ کی ایست بگڑ جائے کہ وہ مثلہ کہ حکم میں ہے جو ممنوع ہے۔ مثلاً اسے کہتے ہیں کہ بدن کے کسی عضو کو کاٹ کر یا ایسا کوئی طریقہ اختیار کر کے جس سے خلقی طور پر اعضاء میں فرق آجائے، اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بگاڑا جائے، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اپنے چہروں پر بھسوت وغیرہ ملتے ہیں وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں۔

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تیمم کے لئے مٹی پر ایک مرتبہ ہاتھ مارنا کافی ہے جیسا کہ دوسرے حضرات کا یہی مسلک ہے مگر امام اعظمؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک چونکہ یہ ہے کہ تیمم کے لئے مٹی پر دو مرتبہ ہاتھ مارنا چاہئے ایک مرتبہ تو منہ پر پھرنے کے لئے اور دوسری مرتبہ کہنیوں تک ہاتھوں پر پھرنے کے لئے اس لئے حضرت شیخ محمد الدین نوویؒ اس حدیث کی توجیہ یہ فرماتے ہیں کہ:

سرکارِ دو عالم ﷺ کا مقصد صرف یہ تھا کہ حضرت عمارؓ کو مٹی پر ہاتھ مارنے کی کیفیت و صورت دکھادیں کہ جنابت کے لئے تیمم اس طرح کر لیا کہ مٹی میں لوٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہذا چونکہ آپ ﷺ کا مقصد پورے تیمم کی کیفیت بیان کرنا نہیں تھا اس لئے حضرت عمارؓ نے بھی روایت حدیث کے وقت ایک مرتبہ ہاتھ مارنے ہی کو بطور تعلیم ذکر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کے علاوہ حضرت عمارؓ سے جو روایتیں تیمم کے بارے میں منقول ہیں ان میں صراحت کے ساتھ دوسرے ہاتھ مارنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ حدیث میں ”کفین“ سے ”ذراعین“ یعنی کہنیوں تک ہاتھ مراد ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا۔“

④ وَعَنْ أَبِي الْخَثَّامِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ مَرْزُوقٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَوَلَّى فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ حَتَّى قَامَ إِلَى جِدَارٍ فَحَتَّ بَعْضًا كَانَتْ مَعَهُ ثُمَّ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيَّ وَلَمْ أَجِدْ هَذِهِ الزَّوَايَةَ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَلَا فِي كِتَابِ الْحَمِيدِيِّ وَلَكِنْ ذَكَرَهُ فِي شَرْحِ السُّنَنِ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ۔

”اور حضرت ابو خثیمہ بن حارث ابن مرزوقؓ نے نبی کریم ﷺ کے قریب سے گزرا۔ آپ ﷺ اس وقت پیشاب کر رہے تھے میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا۔ اور پیشاب سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے پاس کھڑے ہوئے اور ایک لاشی سے جو آپ ﷺ کے پاس تھی دیوار کھرچ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر مسح کر کے میرے سلام کا جواب دیا۔“ (مشکوٰۃ کے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ”مجھے یہ روایت نہ صحیحین میں ہے اور نہ حمیدی کی کتاب میں ہاں محمدی السنۃ نے اس کو شرح السنۃ میں ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے (لہذا صاحب مصابیح کو چاہئے تھا کہ اس روایت کو پہلی فصل میں ذکر نہ کرتے۔)

تشریح: آپ ﷺ نے اپنے عصا سے دیوار کی مٹی اس لئے کھرچی کہ اس میں سے غبار اٹھنے لگے کہ اس پر تیمم کرنا افضل ہے اور ثواب کی زیادتی کا باعث ہے۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے ذکر اللہ کے لئے باطہارت ہونا مستحب ہے نیز ہر وقت پاک و صاف اور طاہر رہنا بھی مستحب ہے۔

الفصل الثانی

⑤ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الصَّغْبَةَ الْقَلْبِيَّةَ وَضُوءَ الْمُسْلِمِ وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِينَ فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيَمْسَهُ بِشَرِّهِ فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ - (زَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ دَاوُدَ وَرَوَى التَّنَائِي نَحْوَهُ إِلَى قَوْلِهِ عَشْرَ سِنِينَ)

”حضرت ابو ذرؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے۔ اگرچہ وہ دس برس تک پانی نہ پائے اور جس وقت پانی مل جائے تو بدن (دھو لینا چاہئے کیونکہ یہ بہتر ہے۔“ (”ترمذی“، ”ابوداؤد“) اور تنائی نے بھی اسی طرح کی روایت عشر سنین تک نقل کی ہے۔“

تشریح: دس برس کی مدت تحدید کے لئے نہیں ہے بلکہ کثرت کے لئے ہے یعنی اگر اتنے طویل عرصہ تک بھی پانی نہ ملے تو غسل یا وضو کے لئے تیمم کیا جاسکتا ہے اور پھر بعد میں جب بھی اتنا پانی مل جائے جو غسل یا وضو کے لئے کافی ہو اور پینے کی ضرورت سے زیادہ ہو نیز اس کے استعمال پر قادر بھی ہو تو غسل کرنا یا وضو کرنا چاہئے کیونکہ اس صورت میں غسل یا وضو واجب ہو گا تیمم جائز نہیں ہو گا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کا وقت ختم ہو جانے پر تیمم نہیں ٹوٹتا بلکہ اس کا حکم وضو کی طرح ہے کہ جس طرح جب تک وضو نہ لے کر ایک وضو سے جتنے فرض یا نفل چاہے پڑھ سکتا ہے اسی طرح ایک تیمم سے بھی کئی وقت کی نماز پڑھی جاسکتی ہیں چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تیمم معذور کے وضو کی طرح ہے کہ جس طرح نماز کا وقت گزر جانے سے معذور کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح نماز کا وقت ختم ہو جانے پر تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَأْسِهِ فَأَحْتَلَمَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ هَلْ تَجِدُونَ لِي رُخْصَةً فِي التَّيْمُمِ قَالُوا مَا تَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ فَأَغْتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَهُ بِذَلِكَ قَالَ قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ أَلَا سَأَلُوا إِذَا لَمْ يَعْلَمُوا فَإِنَّمَا شَفَاءُ الْعَنِ السُّؤَالِ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيُعْصِبَ عَلَى جُزْجِهِ حَزَقَهُ ثُمَّ يَفْسَحُ عَلَيْهَا وَيَغْسِلُ سَائِرَ جَسَدِهِ - (زَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ دَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ”ہم سفر میں جا رہے تھے کہ ہم میں سے ایک شخص کے پتھر لگا جس نے اس کے سر کو زخمی کر ڈالا (اتفاق ہے) اسے نہانے کی حاجت بھی ہو گئی چنانچہ اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے نزدیک (اس صورت میں) میرے لئے تیمم کرنا جائز ہے؟ انھوں نے کہا ”ایسی صورت میں جب کہ تم پانی استعمال کر سکتے ہو ہم تمہارے لئے تیمم کی کوئی وجہ نہیں پاتے۔“ چنانچہ اس شخص نے غسل کیا (جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اس کا انتقال ہو گیا۔ جب ہم (سفر سے واپس ہو کر) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے (انتہائی رنج اور تکلیف کے ساتھ) فرمایا ”لوگوں نے اسے مار دیا، خدا بھی انہیں مارے“ پھر فرمایا کہ ”ان کو جو بات معلوم نہ تھی، اسے انھوں نے دریافت کیوں نہ کر لیا؟ (کیونکہ) نادانی کی بیماری کا علاج سوال ہے اور اسے تو یہی کافی تھا کہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر ایک پٹی باندھ کر اس پر مسح کر لیتا اور پھر اپنا تمام بدن دھو لیتا۔“ (ابوداؤد) اور ابن ماجہ نے اس روایت کو عطاء ابن رباح سے اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔“

لہٰذا جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان سے وضو کا تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے اور جن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے ان سے غسل کا تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ”علم الفقہ“ کا مطالعہ کریں۔

تشریح: بسا اوقات کم علمی اور کسی مسئلہ سے عدم واقفیت بڑے اندوہناک واقعہ کا سبب بن جایا کرتی ہے چنانچہ اس موقع پر یہی ہوا کہ جب اس زخمی شخص نے اپنے عذر کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ آیا ایسے حال میں جب میرے سر پر زخم ہے اور پانی اس زخم کے لئے نقصان دہ ہو سکتا ہے تو ناپاکی دور کرنے کے لئے بجائے غسل کے میں تیمم کر سکتا ہوں؟ تو ساتھیوں نے مسئلہ سے ناواقفیت اور اپنی کم علمی کی بنا پر یہ سمجھ کر آیت تیمم فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا کا مطلب یہ ہے کہ تیمم صرف اسی شکل میں جائز ہو گا جب کہ پانی موجود نہ ہو اگر پانی موجود ہو تو تیمم جائز نہیں ہو گا۔ اس شخص سے کہہ دیا کہ تمہارے لئے تیمم جائز ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے؟ حالانکہ انھوں نے یہ نہ سمجھا کہ تیمم جائز نہ ہونے کی شکل یہ ہے کہ پانی موجود ہو اور ساتھ ساتھ اس کے استعمال پر قدرت نیز پانی کے استعمال سے کسی نقصان اور ضرر کا خدشہ بھی نہ ہو۔ ان پچارے نے ان لوگوں کے علم و فہم پر اعتماد کیا اور اس حالت میں غسل کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانی نے زخم میں شدت پیدا کر دی اور شدت بھی ایسی کہ وہ خدا کا بندہ اس وجہ سے اللہ کو پیارا ہو گیا۔

بہر حال یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایسے مواقع پر تیمم بھی کرنا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ تمام بدن کو دھونا بھی چاہئے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں میں سے ایک ہی چیز کافی ہے۔

حنفیہ کی جانب سے شوافع کو جواب دیتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور پھر قیاس کے خلاف بھی ہے کہ اس سے بدل اور مبدل منہ کا جمع لازم آیا ہے۔

الحاصل اس مسئلہ کا خلاصہ ہے کہ ایسے مواقع پر اگر کسی شخص کو پانی کے استعمال کرنے کی وجہ سے تلف جان کا خوف ہو تو اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے یہ مسئلہ سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

اور اگر کسی شخص کو یہ ڈر ہو کہ پانی کے استعمال سے مرض بڑھ جائے گا یا صحتیابی میں تاخیر ہو جائے گی تو ایسی شکل میں بھی حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اسے تیمم کر کے نماز پڑھ لینی جائز ہے اور بعد میں نماز کی قضا ضروری نہیں ہے حضرات شوافع کے یہاں بھی تقریباً یہی مسلک ہے۔

اگر کسی شخص کے کسی عضو میں زخم ہو یا پھوڑا ہو اور اس کی بٹی بندھی ہوئی ہو تو اس صورت میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر بٹی اتارنے سے تلف جان کا خطرہ ہو تو اسے چاہئے کہ بٹی پر مسح کرے اور تیمم کرے مگر حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کے بدن کا کچھ حصہ زخمی اور کچھ حصہ اچھا ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ زخمی حصہ کتنا ہے اور اچھا حصہ کتنا ہے اگر زیادہ حصہ اچھا ہے تو اسے دھوئیں گے اور زخم پر مسح کریں اور اگر اکثر حصہ زخمی ہو گا تو تیمم کریں گے اور دھونا ساقط ہو جائے گا۔ امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ جو حصہ اچھا ہو اسے دھویا جائے اور زخم کے لئے تیمم کیا جائے۔

④ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَتَيَمَّمَا صَعِيدًا طَيِّبًا فَصَلَّيَا ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ فَأَعَادَا أَحَدُهُمَا الصَّلَاةَ بِوَضُوءٍ وَلَمْ يُعِدِ الْآخَرُ ثُمَّ آتَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَا ذَلِكَ فَقَالَ لِلَّذِي لَمْ يُعِدْ أَصَبْتَ السُّنَّةَ وَأَجَزْتَ أَثْلَكَ صَلَاتُكَ وَقَالَ لِلَّذِي تَوَضَّأَ وَأَعَادَ لَكَ الْآخِرُ مَرَّتَيْنِ۔ (رواه أبو داود والدارمي وروى الترمذي نحوه وقد روى هو وأبو داود أيضاً عن عطاء بن يسار مرسلاً)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ ”وہ شخص سفر کو روانہ ہوئے (اشارہ میں) نماز کا وقت ہو مگر ان کے پاس پانی نہیں تھا چنانچہ دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کیا اور نماز پڑھ لی (آگے چل کر) انہیں پانی مل گیا اور نماز کا وقت بھی باقی تھا لہذا ان میں سے ایک نے وضو کر کے نماز لوٹائی مگر دوسرے نے نہیں لوٹائی۔ جب دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ ذکر کیا، آنحضرت ﷺ نے (پورا واقعہ سن کر) اس شخص سے جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی فرمایا کہ تم نے سنت پر عمل کیا تمہارے لئے وہ نماز کافی ہے اور جس شخص

نے وضو کر کے نماز لوٹائی تھی آپ ﷺ نے اس سے فرمایا ”تمہارے لئے دو گنا اجر ہے۔“ (ابوداؤد، دارمی) اور نسائی نے بھی اسی طرح روایت نقل کی ہے اور نسائی و ابوداؤد نے عطا ابن یسار سے ”سلا بھی نقل کی ہے۔“

تشریح: چونکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں اگر پانی مل جائے اور نماز کا وقت بھی باقی ہو تو اس نماز کو لوٹانا ضروری ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی فرمایا کہ تم نے سنت پر عمل کیا یعنی شریعت کا حکم چونکہ یہی ہے اس لئے تم نے شریعت کے حکم کی پابندی کی ہے کہ تیمم سے نماز پڑھ لینے کے باوجود تم نے نماز نہیں لوٹائی۔ دوسرے شخص کو آپ ﷺ نے دہرے ثواب کا حق قرار دیا کہ ایک ثواب تو ادا لے کر نماز کا اور دوسرا ثواب ادا لے کر نماز کا۔

اس مسئلہ میں علماء کا متفقہ طور پر فیصلہ ہے کہ تیمم کرنے والا نماز سے فارغ ہو کر اگر پانی دیکھے اور اسے پانی مل جائے تو اس کے لئے نماز کو لوٹانا ضروری نہیں ہے خواہ نماز کا وقت باقی کیوں نہ ہو۔

لیکن صورت اگر یہ ہو کہ ایک شخص تیمم کرنے کے بعد نماز پڑھنی شروع کر دے اور درمیان نماز سے پانی مل جائے تو اب وہ کیا کرے؟ آیا نماز ختم کر کے وضو کر لے اور پھر نماز پڑھے یا اپنی نماز تیمم ہی سے پوری کر لے؟ اس مسئلہ پر علماء کا اختلاف ہے؟ چنانچہ جمہور یعنی اکثر علماء کا مسلک تو یہ ہے کہ اس شخص کو اپنی نماز ختم نہیں کرنی چاہئے بلکہ وہ نماز پوری کر لے اس کی نماز صحیح ہوگی۔

مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں اس شخص کا تیمم باطل ہو جائے گا، گویا اسے نماز توڑ کر اور پانی سے وضو کر کے دوبارہ نماز شروع کرنی چاہئے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑧ وَعَنْ أَبِي الْجُهَيْنِمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصَّخْتَمِيِّ قَالَ أَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بَنِي جَمَلٍ فَلَقِيَهُ زُجَلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَزِدْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ ثُمَّ زَدَ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

(متفق علیہ)

”حضرت ابو جہیم ابن حارث ابن صخرہؒ راوی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ (مدینہ میں) جمل کے کنوئیں کی طرف سے تشریف لائے آپ ﷺ سے ایک شخص (یعنی خود ابی جہیم) ملے اور سلام کیا سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا اور ایک دیوار کے پاس تشریف لائے چنانچہ (پہلے) آپ ﷺ نے منہ اور ہاتھوں کا مسح کیا (یعنی تیمم کیا) پھر سلام کا جواب دیا۔“ (بخاری و مسلم)

⑨ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ أَنَّهُ كَانَتْ يُحَدِّثُ أَنَّهُمْ تَمَسَّحُوا وَهُمْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّعِيدِ لِصَلَاةِ الْفَجْرِ فَضَرَبُوا بِأَيْدِيهِمْ الصَّعِيدَ ثُمَّ مَسَحُوا بِوُجُوهِهِمْ مَسْحَةً وَاحِدَةً ثُمَّ عَادُوا فَضَرَبُوا بِأَيْدِيهِمْ الصَّعِيدَ مَرَّةً أُخْرَى فَضَرَبُوا بِأَيْدِيهِمْ كُلَّهَا إِلَى الْمَتَابِكِ وَالْأَبَاطِ مِنْ بَطْنِ أَيْدِيهِمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمار ابن یاسرؒ یہ بیان کرتے ہیں کہ (”ایک دفعہ) چند صحابہؓ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے اور (پانی نہ ملنے کی وجہ سے) فجر کی نماز کے لئے انھوں نے پاک مٹی سے (اس طرح) تیمم کیا (کہ پہلے) اپنے ہاتھوں کو مٹی پر مار کر اپنے چہروں پر پھیرا اور دوسری مرتبہ اپنے ہاتھوں کو مٹی پر مار کر اپنے پورے ہاتھوں پر یعنی مونڈھوں تک اور بطنوں کے اندر تک مسح کیا ہاتھوں کے اندر کی طرف سے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ من بطون ایدیہم میں لفظ من ابتدا کے لئے ہے یعنی انہوں نے پہلے ہاتھوں کے اندر کے رخ پر ہاتھ پھیرے نہ کہ ہاتھوں کے اوپر کے رخ پر، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ پہلے ہاتھوں کے اوپر کے رخ پر مسح کرنا مستحب ہے۔ یا پھر اس کے معنی یہ ہونے کہ ”انھوں نے“ ہتھیلیوں سے تیمم کرنا شروع کیا۔ ”یہی معنی زیادہ مناسب ہیں۔“

صحابہ نے ہاتھوں پر بغلوں اور مونڈھوں تک مسح کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے خیال کیا کہ آیت تیمم میں ”ید“ یعنی ہاتھ کا لفظ مذکور ہے جو مطلق ہے۔ اس آیت سے اور اس لفظ سے یہ بصراحت معلوم نہیں ہوتا کہ ہاتھوں پر مسح کہاں تک کیا جائے لہذا اس اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ ”ید“ یعنی ہاتھ جو انگلیوں سے لے کر بغل اور مونڈھ تک کے حصہ کے لئے بولا جاتا ہے اس پورے حصہ پر مسح کیا جائے اس لئے صحابہ نے ہاتھ کے پورے حصہ پر مسح کر ڈالا۔ اب جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو یہ کہا جائے گا کہ یہ صحابہ کا لوٹا اجتہاد تھا کیونکہ جمہور علماء نے تیمم میں ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تیمم وضو کا قائم مقام ہے اور وضو کے بارے میں قرآن نے صراحت کے ساتھ بتا دیا کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا فرض ہے لہذا جس طرح اصل یعنی وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جاتا ہے۔ وضو کے قائم مقام یعنی تیمم میں بھی ہاتھوں پر مسح وہیں تک کیا جانا چاہئے۔

پھر اس سے پہلے تیمم کے بارے میں کچھ احکام نقل کئے گئے تھے اس حدیث پر چونکہ باب ختم ہو رہا ہے اس لئے مناسب ہے کہ تیمم کے کچھ دوسرے احکام و مسائل جو پہلے نقل نہیں کئے گئے ذکر کر دیے جائیں۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ تیمم ان چیزوں سے کرنا چاہئے جو زمین کی جنس سے ہوں چنانچہ مٹی، ریت، چونا، قلعی، سرمہ، ہرنال، اور پتھر سے تیمم کیا جاسکتا ہے، اسی طرح موتی اور مونگے کے علاوہ تمام جواہرات سے بھی تیمم کیا جاسکتا ہے۔

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ تیمم کرنے کے لئے ان چیزوں پر جو زمین کی جنس سے ہوں غبار ہونا ضروری نہیں ہے۔ یعنی ان مذکور چیزوں پر غبار نہ ہونے کی صورت میں ان سے تیمم کیا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر ایسی چیز کے ذریعہ تیمم کیا جائے جو زمین کی جنس سے نہ ہو تو اس پر غبار ہونا ضروری ہے، غبار نہ ہونے کی شکل میں اس کے ذریعہ کیا گیا تیمم جائز نہ ہوگا، مثلاً کسی لکڑی، کپڑے یا سونے اور چاندی وغیرہ پر غبار ہو تو اس سے تیمم جائز ہے۔

تیمم کے جواز کے لئے چار شرائط ہیں۔ ① پانی کے استعمال سے حقیقتہً یا حکماً عاجز ہونا۔ ② جس چیز سے تیمم کیا جائے اس کا پاک ہونا۔ ③ استیعاب یعنی اعضاء تیمم کے ہر ہر حصہ پر اس طرح ہاتھ پھیرنا کہ کوئی جگہ مسح سے باقی نہ رہ جائے۔ ④ نیت اس کے بارے میں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ نماز اسی تیمم سے صحیح ہوگی جس میں حدیث طہارت کی نیت کی جائے۔ اس سلسلہ میں (حدث یا جنابت کی تعین شرط نہیں ہے) یا اس عبادت مقصودہ کی نیت کی جائے جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہوتی۔ چنانچہ اگر کافر اسلام قبول کرنے کے لئے تیمم کرے یا کوئی شخص مسجد میں جانے کے لئے تیمم کرے اور پھر یہ چاہے کہ اسی تیمم سے نماز بھی پڑھے تو نماز اس تیمم سے جائز نہ ہوگی۔ جنبی، محدث، حائضہ اور نفاس والی عورت سب کے لئے تیمم کا ایک ہی طریقہ ہے جو پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

بَابُ الْغُسْلِ الْمَسْنُونِ غسل مسنون کا بیان

الفصل الاول

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ۔ (مشق علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھنے آئے تو اسے چاہئے کہ غسل کر لے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: مختار مسلک تو یہ ہے کہ غسل جمعہ کی نماز کے لئے ہے کہ اسی طہارت سے جمعہ ادا کرنا چاہئے لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ غسل

یوم جمعہ کی تعظیم و تکریم کے لئے ہے۔

بہر حال: تمام علماء کے نزدیک نماز جمعہ کے لئے غسل کرنا مستحب مؤکدہ ہے مگر حضرت امام مالکؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ نماز جمعہ کے لئے غسل کرنا واجب ہے۔

② وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُخْتَلِمٍ۔

(متفق علیہ)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”ہر بالغ پر جمعہ کے روز نہانا واجب ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”واجب“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص جمعہ کے روز غسل نہ کرے تو وہ گنہ گار ہو گا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ ”یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے روز غسل کو ترک کرنا مناسب نہیں ہے۔“ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا ہمارے یہاں عام طور کسی متقی رعایت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ”فلاں شخص کی رعایت ہم پر واجب ہے۔“

چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ یہاں اسی طرح ایسے دوسرے مواقع پر ”واجب“ کا لفظ استعمال فرمانا دراصل استحباب کے حکم کو مؤکد کرنا ہے اور اس کی وجہ خاص طور پر یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مسجدیں بہت تنگ اور چھوٹی ہوتی تھیں اور مسلمان صوف کا استعمال کرتے تھے نیز محنت و مشقت بہت زیادہ کیا کرتے تھے چنانچہ جب ان کو پینہ آتا تھا تو اس کی بونکی وجہ سے اس پاس کے لوگ تکلیف محسوس کرتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے اس حکم میں واجب کا لفظ استعمال فرمایا ہے تاکہ لوگ جمعہ کے روز غسل کے اس حکم کو جلدی قبول کر لیں اور اس پر پابندی سے عمل پیرا ہوں۔

③ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَوَّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا يَغْتَسِلُ فِيهِ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”ہر (عادل بالغ) مسلمان پر حق ہے (یعنی ثابت اور لازم ہے یا لائق ہے) کہ ہر ہفتہ میں ایک دن (یعنی جمعہ کو) نہائے اور اپنا سارا بدن دھوئے۔“ (بخاری و مسلم)

الْفَصْلُ الثَّانِي

④ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَبِعَمَّتْ وَمَنْ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی و النسائی و الدارمی)

”حضرت سمرہ ابن جندبؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جس نے جمعہ کے روز وضو کر لیا تو اس نے فرض ادا کیا اور یہ بہت اچھا فرض ہے اور جس شخص نے (نماز جمعہ کے لئے) غسل کیا تو یہ بہت اچھا ہے۔“ (احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، دارمی)

تشریح: فَبِهَا وَبِعَمَّتْ کا مطلب یہ ہے کہ جب باغریضہ اخذ و نعمت الفریضہ یعنی (جس شخص نے نماز کے لئے غسل کیا اس نے فرض ادا کیا اور وہ فرض کیا ہی خوب ہے؟

اس سے پہلے حضرت ابو سعید خدریؓ کی جو روایت گزری ہے اس سے تو معلوم ہوتا تھا کہ جمعہ کے روز غسل کرنا واجب ہے مگر یہ حدیث بصراحت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جمعہ کے روز غسل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَلَ مِثْقَالَ مِثْقَالٍ فَلْيَغْتَسِلْ۔ (رواہ ابن ماجہ و زائد احمد و الترمذی و ابو داؤد و من حملة فليغتسل)

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے مردے کو نہلایا ہو اسے خود بھی نہالینا چاہئے۔“ (ابن ماجہ) اور احمد، ترمذی اور ابوداؤد نے (اس حدیث میں) مزید نقل کیا ہے کہ ”آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ (جو شخص جنازہ کو کاٹنا دھا دینے کا ارادہ کرے اسے وضو کر لینا چاہئے)“

تشریح: اس حدیث سے دو چیزیں معلوم ہوئیں۔ اول تو یہ کہ جب کوئی شخص کسی مردہ کو نہلائے تو اسے چاہئے کہ غسل میت سے فراغت کے بعد خود بھی نہالے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت اس کے اوپر چھینٹیں وغیرہ پڑ گئی ہوں لہذا پاکی اور صفائی کے لئے نہالینا مناسب ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک غسل میت کے بعد نہانے کا یہ حکم استحباب کے درجہ میں ہے کیونکہ ایک حدیث صحیح میں یہ ارشاد منقول ہے کہ ”اگر تم مردہ کو نہلاؤ تو تم پر غسل لازم نہیں ہے۔“

اس حدیث سے دوسری چیز یہ معلوم ہوئی کہ جب کوئی شخص جنازہ کو اٹھانے کا ارادہ کرے تو اسے وضو کر لینا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص با وضو ہو کر جنازہ کو اٹھائے گا تو جب نماز پڑھنے کی جگہ جنازہ رکھا جائے گا اور جنازہ شروع ہوگی تو وہ فوراً نماز میں شریک ہو جائے گا یہ نہیں ہو گا وہ تو جنازہ رکھ کر وضو کرنے چلا جائے اور ادھر نماز بھی ہو جائے۔ اس حکم کے بارے میں بھی متفقہ طور پر سب کی رائے یکی ہے کہ یہ حکم استحباب کے درجہ میں ہے یعنی جنازہ اٹھانے سے پہلے وضو کر لینا مستحب ہے ضروری اور واجب نہیں ہے۔“

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ أَرْبَعٍ مِنَ الْجَنَابَةِ وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمِنْ الْحِجَامَةِ وَمِنْ غَسَلِ الْمَيْتِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ چار چیزوں کی وجہ سے نہانے کا حکم دیا کرتے تھے۔ ① جنابت یعنی ناپاکی سے ② جمعہ کے واسطے ③ بیگی کھنچوانے سے ④ مردہ کو نہلانے سے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: یغْتَسِلُ کا اگر لفظی ترجمہ کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ان چار چیزوں کی وجہ سے غسل فرمایا کرتے تھے۔ مگر نبی کریم ﷺ کے بارے میں چونکہ یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی مردہ کو نہلایا ہو اس لئے یغْتَسِلُ کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ ان چار چیزوں کی وجہ سے نہانے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔“

بہر حال: ان چار چیزوں میں جنابت یعنی ناپاکی کا غسل تو فرض ہے باقی سب مستحب ہے۔ بیگی کھنچوانے یعنی بچنے لگوانے کے بعد غسل کرنے کا حکم صفائی و ستھرائی کے لئے ہے گویا بچنے لگوانے کے بعد اس لئے نہالینا چاہئے کہ اس کی وجہ سے جو خون وغیرہ لگ گیا ہو اس سے پاکی و صفائی حاصل ہو جائے۔

⑦ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ أَنَّهُ أَسْلَمَ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی)

”اور حضرت قیس ابن عاصمؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ جب اسلام کی دولت سے بہرور ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ پانی اور بیری کے چوں سے نہائیں۔“ (ترمذی، ابوداؤد اور نسائی)

تشریح: اگر کوئی کافر ایسی حالت میں مسلمان ہو کہ وہ حالت جنابت میں تھا تو اس شکل میں اسے غسل کرنا واجب ہے۔ ورنہ تو اسلام لانے کے بعد نہانا مستحب ہے اور اس سلسلہ میں صحیح اور اولیٰ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان ہونا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ پہلے کلمہ شہادت پڑھ لے اس کے بعد نہائے۔ اس طرز اس کے لئے یہ بھی سنت ہے کہ نہانے سے پہلے سر منڈا لے۔ آپ ﷺ نے حضرت قیسؓ کو

لے حضرت قیس بن عاصم کی کنیت ابو علی ہے بن عبد البر۔

پانی کے ساتھ جیری کے پتوں سے بھی نہانے کا حکم اس لئے دیا تاکہ پاکی اور صفائی پوری طرف حاصل ہو جائے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

① عَنْ عِكْرَمَةَ قَالَ إِنَّ أَنَسًا مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ جَاءَ وَافَقَالُوا يَا ابْنَ عَبَّاسٍ أَتَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبًا قَالَ لَا وَلَكِنَّهُ أَظْهَرُ وَخَيْرٌ لِمَنْ اغْتَسَلَ وَمَنْ لَمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَجِبٍ وَ سَأُخْبِرُكُمْ كَيْفَ تَبْدَأُ الْغُسْلَ كَانَ النَّاسُ مِنْهُمْ دِينَ يَلْبَسُونَ الصُّوفَ وَيَعْمَلُونَ عَلَى ظُهُورِهِمْ وَكَانَ مَسْجِدُهُمْ ضَيْقًا مَقَارِبَ الشَّقْفِ إِنَّمَا هُوَ عَرِيشٌ فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمٍ حَارٍّ وَعَرِقَ النَّاسُ فِي ذَلِكَ الصُّوفِ حَتَّى صَارَتْ مِنْهُمْ رِيَاخٌ أَذَى بِذَلِكَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمَّا وَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الرِّيَاخَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا كَانَ هَذَا الْيَوْمُ فَأَغْسِلُوا وَلِيَمْسَ أَحَدُكُمْ أَفْضَلَ مَا يَجِدُ مِنْ ذَهَبٍ وَطَبِيبٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَمْ يَجَأَ اللَّهُ بِالْخَيْرِ وَلَيْسُوا غَيْرَ الصُّوفِ وَكُفُّوا الْعَمَلَ وَوَسِعَ مَسْجِدُهُمْ وَذَهَبَ بَعْضُ الَّذِي كَانَ يُؤَذَى نَعْطُهُمْ بَعْضًا مِنَ الْعَرَقِ - (رواه البزار)

”حضرت عکرمہؓ راوی ہیں کہ عراق کے چند آدمی آئے اور حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا آپؓ کی رائے میں جمعہ کے دن نہانا واجب ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں اگر جمعہ کے دن نہانا بہت زیادہ صفائی اور ستھرائی ہے اور جو شخص غسل کر لے اس کے لئے بہتر ہے اور جو شخص نہ نہائے اس پر واجب بھی نہیں ہے اور میں تم کو بتاتا ہوں کہ جمعہ کے دن غسل کی ابتداء کیوں کر ہوگی؟ (یعنی جمعہ کے روز غسل کس وجہ سے شروع ہوا تو اصل بات یہ تھی کہ اسلام کے شروع زمانہ میں بعض نادار صحابہ صوف پہنتے تھے اور پیٹھ پر (پوچھ اٹھانے کا) کام کرتے تھے، ان کی مسجد تنگ تھی جس کی چھت نیچی اور سمجھور کی ٹہنیوں کی تھی۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب سخت گرمی کی وجہ سے صوف کے اندر لوگ پینے سے تر ہو گئے، یہاں تک کہ (پینے کی بدبو پھیلی جس سے لوگ آپس میں تکلیف محسوس کرنے لگے۔ جب سرکارِ دو عالم ﷺ کو بدبو کا احساس ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”لوگو! جب جمعہ کا دن ہو تو غسل کر لیا کرو بلکہ تم سے جسے تیل یا خوشبو مثلاً عطر وغیرہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی فراوانی کی تو لوگوں نے صوف چھوڑ کر (عمدہ) کپڑے استعمال کرنے شروع کر دیئے محنت و مشقت کے کام بھی چھوٹ گئے، مسجد بھی وسیع ہو گئی اور پینے کی وجہ سے جو لوگوں کو آپس میں تکلیف ہوتی تھی وہ بھی جاتی رہی۔“ (ابو داؤد)

تشریح: شروع میں جب کہ اسلام کا ابتدائی دور تھا مسلمانوں کی زندگی محنت و مشقت اور تنگی و ناداری سے بھرپور تھی، ایسے بہت کم صحابہؓ تھے جو مال دار اور خوش حال تھے۔ زیادتی اور کثرت ایسے ہی لوگوں کی تھی جو دن بھر محنت و مشقت کرتے اور جنگوں اور شہروں میں مزدوری کرتے۔ اس طرح وہ حضرات مشکلات و پریشانی کی جکڑ بند یوں میں رہ کر اپنے دین و ایمان کی آبیاری کیا کرتے تھے۔ لیکن تنگی و پریشان حالی کا یہ دور زیادہ عرصہ نہیں رہا جب اسلام کی حقیقت آفریں آواز مکہ اور مدینہ کی کھانیوں سے نکل کر عالم کے دوسرے حصوں میں پہنچی اور مسلمانوں کے لشکرِ خدا اور خدا کے رسول کا نام بلند کرنے کے لئے ان تمام نچیتوں اور پریشانیوں کو زار و ادھار بناتے ہوئے قصروں کسری جیسے والیان ملک کی حشمت و سطوت اور شان و شوکت سے جا نکرانے اور جس کے نتیجے میں انہوں نے دنیا کے اکثر حصوں پر اپنی فتح و نصرت کا علم گاڑ دینے تو تنگی و پریشان حالی کا وہ دور خدا نے فراخی و وسعت میں تبدیل کر دیا۔ اب مسلمان مالدار اور پریشان حال نہ رہے بلکہ مالدار اور خوش حال ہو گئے اور محنت و مشقت کی جگہ دنیا کی چاہنائی و مسند آرائی نے لے لی۔

اس حدیث میں حضرت ابن عباسؓ نے جمعہ کے روز غسل کے حکم کی وجہ بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کے ان دونوں دور کا ایک ہلکا اور لطیف خاکہ پیش فرمایا ہے کہ پہلے تو مسلمان اتنے نادار اور تنگ دست تھے کہ نہ تو ان کے پاس ڈھنگ سے پہننے کے کپڑے تھے، نہ معیشت کی دوسری آسانیاں میسر تھیں بلکہ وہ لوگ دن بھر محنت و مزدوری کر کے سوکھا روکھا کھاتے اور صوف پہنتا کرتے تھے جس کی وجہ

سے جب سخت گرمی میں ان کو پینہ آتا تو مسجد میں بیٹھے ہوئے اس پاس کے لوگوں کو پینہ کی بو سے تکلیف ہوا کرتی تھی۔ مگر جب بعد میں خدا نے ان پر مال و زر کے دروازے کھول دیئے تو وہ بغیر کسی کوشش اور محنت کے مال دار اور خوش حال ہو گئے اور خدا نے ان پر اسباب معیشت کے بے انتہا فراوانی کر دی۔

حدیث کے آخری لفظ بعضا من العزوق میں لفظ من بیان ہے لفظ بعض کا اور یہاں بعض سے مراد اکثر ہے اس طرح اس جملہ کے معنی یہ ہوں گے کہ اکثر لوگوں کے پسینے جو آپس میں لوگوں کو تکلیف پہنچاتے تھے خوشحالی اور اسباب معیشت کی فراوانی کی وجہ سے ختم ہو گئے۔ بہر حال حضرت ابن عباسؓ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ پینہ کی بدبو کی کثرت کی وجہ سے ابتداء اسلام میں جمعہ کے روز غسل کرنا واجب تھا مگر جب اسباب معیشت کی فراوانی اور مسلمانوں کی خوشحالی کی وجہ سے یہ چیز کم ہو گئی تو غسل کے وجوب کا حکم منسوخ ہو گیا اور اس کی جگہ سنت کے حکم نے لے لی۔ اس طرح اب جمعہ کے روز غسل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

باب الحیض

حیض کا بیان

لغت میں ”حیض“ کے معنی ”جاری ہونا“ ہیں اور اصطلاح شریعت میں حیض اس خون کو کہا جاتا ہے جو عورت کے رحم سے بغیر کسی بیماری اور ولادت کے جاری ہوتا ہے اور جیسے عرف عام میں ”ماہواری“ یا ایام بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح رحم عورت سے جو خون کسی مرض کی وجہ سے آتا ہے اسے استحاضہ اور جو خون ولادت کے بعد جاری ہوتا ہے اسے ”نفاس“ کہتے ہیں۔

حیض کی مدت کم سے کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے لہذا اس مدت میں خون خالص سفیدی کے علاوہ جس رنگ میں بھی آئے وہ حیض کا خون شمار ہوگا یعنی حیض کے خون کا رنگ سرخ بھی ہوتا ہے اور سیاہ و سبز بھی، نیز زرد اور مٹی کے رنگ جیسا بھی حیض کے خون کا رنگ ہوتا ہے۔ ایام حیض میں نماز، روزہ نہ کرنا چاہئے البتہ ایام گزر جانے کے بعد روزہ سے تو قضاء ادا کئے جائیں مگر نماز کی قضا نہیں ہوگی۔

مناسب ہے کہ اس موقع پر حیض کے کچھ مسائل و احکام (ماخوذ از علم الفقہ) ذکر کر دیئے جائیں۔

① اگر کوئی عورت سوکر اٹھنے کے بعد خون دیکھے تو اس کا حیض اسی وقت سے شمار ہوگا جب سے وہ بیدار ہوئی ہے اس سے پہلے نہیں اور اگر کوئی حائضہ عورت سوکر اٹھنے کے بعد اپنے کو طاہر پائے تو جب سے سوئی ہے اسی وقت سے طاہر سمجھی جائے گی۔

② حیض و نفاس کی حالت میں عورت کے ناف اور زانوں کے درمیان کے جسم کو دیکھنا یا اس سے اپنے جسم کو ملانا بشرطیکہ کوئی کپڑا درمیان میں نہ ہو مکروہ تحریمی ہے اور جماع کرنا حرام ہے۔

③ حیض والی عورت اگر کسی کو قرآن مجید پڑھاتی ہو تو اس کو ایک ایک الفاظ رک رک کر پڑھانے کی غرض سے کہنا جائز ہے۔ ہاں پوری آیت ایک دم پڑھ لینا اس وقت بھی ناجائز ہے۔

④ حیض و نفاس کی حالت میں عورت کے بوسے لینا، اس کا جھوٹا پانی وغیرہ پینا اور اس سے لپٹ کر سونا اور اس کے ناف اور ناف کے اوپر اور زانوں کے نیچے کے جسم سے اپنے جسم کو ملانا اگرچہ کپڑا درمیان میں نہ ہو اور ناف و زانوں کے درمیان کپڑے کے ساتھ ملانا جائز ہے بلکہ حیض والی عورت سے علیحدہ ہو کر سونا یا اس کے اختلاط سے بچنا مکروہ ہے۔

⑤ جس عورت کا حیض دس دن رات آکر بند ہوا ہو تو اس سے بغیر غسل کے خون بند ہوتے ہی جماع جائز ہے اور جس عورت کا خون دس دن رات سے کم آکر بند ہوا ہو تو اگر اس کی عادت سے بھی کم آکر بند ہوا ہے تو اس سے جماع جائز نہیں۔ جب تک کہ اس کی بدگزر نہ ہو اگرچہ غسل بھی کر چکے اور عادت

کے موافق اگر بند ہوا ہے تو جب تک غسل نہ کرے یا ایک نماز کا وقت نہ گزر جائے جماع جائز نہیں۔ نماز کا وقت گزرنے کے بعد بغیر غسل کے بھی جائز ہوگا۔ نماز کا وقت گزر جانے سے یہ مقصود ہے کہ اگر شروع وقت میں خون بند ہوا تو باقی وقت سب گزر جائے اور اگر آخر وقت میں خون بند ہوا تو اس قدر وقت ہونا ضروری ہے کہ جس میں غسل کر کے نماز کی نیت کرنے کی گنجائش ہو اور اگر اس سے بھی کم وقت باقی ہو تو پھر اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔ دوسری نماز کا پورا وقت گزرا ہوا ہے۔ یہی حکم نفاس کا ہے کہ اگر چالیس دن آکر بند ہوا ہو تو خون بند ہوتے ہی بغیر غسل کے اور اگر چالیس دن سے کم آکر بند ہوا ہو تو اور عادت سے بھی کم ہو تو بعد عادت گزر جانے کے اور اگر عادت کے موافق بند ہوا ہو تو غسل کے بعد یا نماز کا وقت گزر جانے کے بعد جماع وغیرہ جائز ہے۔ ہاں ان سب صورتوں میں مستحب ہے کہ بغیر غسل کے جماع نہ کیا جائے۔

① جس عورت کا خون دس دن رات سے کم آکر بند ہوا ہو اور عادت مقرر ہو جانے کی شکل میں عادت سے بھی کم ہو تو اس کو نماز کے آخر وقت مستحب تک غسل میں تاخیر کرنا واجب ہے اس خیال سے کہ شاید پھر خون آجائے مثلاً اگر عشاء کے شروع وقت خون بند ہوا ہو تو عشاء کے آخر وقت مستحب یعنی نصف شب کے قریب تک اس کو غسل میں تاخیر کرنا چاہئے اور جس عورت کا حیض دس دن یا عادت مقرر ہونے کی شکل میں عادت کے موافق آکر بند ہوا ہو تو اس کو نماز کے آخر وقت مستحب تک غسل میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔

② اگر کوئی عورت غیر زمانہ حیض میں کوئی ایسی دوا استعمال کرے جس سے خون آجائے تو وہ حیض نہیں مثلاً کسی عورت کو مہینہ میں ایک دفعہ پانچ دن حیض ہو تو اس کے حیض کے پندرہ دن کے بعد کسی دوا کے استعمال سے خون آجائے تو وہ حیض نہیں۔

③ اگر کسی عادت والی عورت کو خون جاری ہو جائے اور برابر جاری رہے اور اس کو یہ یاد نہ رہے کہ مجھے کتنے دن حیض ہوتا تھا یا پھر یہ یاد نہ رہے کہ مہینہ کی کس کس تاریخ سے شروع ہوتا تھا اور کب ختم ہوتا تھا۔ یادوں باتیں یاد نہ رہے تو اس کو چاہئے کہ اپنے غالب گمان پر عمل کرے یعنی جس زمانہ کو وہ حیض کا زمانہ خیال کرے اس زمانہ میں حیض کے احکام پر عمل کرے اور جس زمانہ کو طہارت کا زمانہ خیال کرے اس زمانہ میں طہارت کے احکام پر عمل کرے اور اگر اس کا گمان کسی طرف نہ ہو تو اس کو ہر نماز کے وقت نیا وضو کر کے نماز پڑھنا چاہئے اور روزہ بھی رکھے مگر جب اس کا یہ مرض رفع ہو جائے روزہ کی قضا کرنی ہوگی اور اگر اس کو شک کی کیفیت ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اس کو کسی زمانہ کی نسبت یہ شک ہو کہ زمانہ حیض کا طہر کا تو اس صورت میں ہر نماز کے وقت نیا وضو کر کے نماز پڑھے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو کسی زمانہ کی نسبت یہ شک ہو کہ یہ زمانہ حیض کا ہے یا طہر کا یا حیض سے خارج ہونے کا تو اس صورت میں وہ ہر نماز کے وقت غسل کر کے نماز پڑھا کرے۔

الفصل الأول

① عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّ الْيَهُودَ كَانُوا إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ فِيهِمْ لَمْ يَأْكُلُوا هَا وَلَمْ يُحَامِعُوهُنَّ فِي الْبَيْتِ فَسَأَلَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ الْآيَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا التَّكَاخَ فَبَلَغَ ذَلِكَ الْيَهُودَ فَقَالُوا مَا نَرِيكَ هَذَا الرَّجُلُ أَنْ يَدْعَ مِنْ أَمْرِنَا شَيْئًا إِلَّا خَالَفَنَا فِيهِ فَجَاءَ أَسِيدُ بَنِي حَضِيرٍ وَعَبَادُ بَنِي بَشَرٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الْيَهُودَ يَقُولُ كَذَا وَكَذَا أَفَلَا نَجَامِعُهُنَّ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَتْهُمَا هَدِيَّةٌ مِنْ لَبَنٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَرْسَلَ فِي أَثَارِهِمَا فَسَقَاهُمَا فَعَرَفَا أَنَّهُ لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا۔ (رواه مسلم)

”حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ”یہود میں جو کوئی عورت ایام سے ہو جاتی تو وہ لوگ نہ صرف یہ کہ اس کے ساتھ کھاتے پیتے نہ تھے بلکہ گھروں میں سونا بیٹھنا تک چھوڑ دیتے تھے چنانچہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں حکم پوچھا کہ حائضہ عورتوں کے بارے میں یہودیوں کا تو یہ عمل ہے ہم کیا کریں؟“ جیسا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت یَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ الْآيَةُ (یعنی یہ لوگ

- آپ ﷺ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں اے "نازل فرمائی (آیت کے نازل ہونے کے بعد) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی عورتوں کے ساتھ جب کہ وہ حائضہ ہوں (سوائے صحبت کے جو چاہے کیا کرو جب یہ خبر یہودیوں کو پہنچی تو انہوں نے کہا یہ شخص یعنی محمد ﷺ ہمارے جس دینی امر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس میں ہماری مخالفت ضرور کرتے ہیں۔" (یہودی زبانی یہ سن کر دودھ (صحابہ) حضرت اسید ابن حذیفہ اور حضرت عباد ابن بشرؓ (دربار رسالت میں) حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہودی ایسا ایسا کہہ رہے ہیں (یعنی انہوں نے یہودیوں کا کلام نقل کیا اور پھر یہ کہا کہ) اگر اجازت ہو (یہودیوں کی موافقت کے لئے) ہم اپنی عورتوں کا پاس (ایام حیض میں) رہنا سہنا چھوڑ دیں۔" (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کارنگ خضر ہو گیا اور ہمیں یہ گمان ہو گیا کہ آپ ﷺ ان دونوں پر غصہ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں بھی نکل کر چل دیئے۔ ان کے جاتے ہی آنحضرت ﷺ کے پاس کہیں سے تحفہ میں دودھ آگیا، آپ ﷺ نے ان دونوں کے پیچھے (کسی شخص کو بلانے کے لئے) بھیجا (جب وہ آگئے تو) آپ ﷺ نے انہیں وہ دودھ پلایا (تاکہ انہیں آنحضرت ﷺ کے لطف و کرم کا احساس ہو جائے) چنانچہ دودھ پینے کے بعد انہوں نے جانا کہ آنحضرت ﷺ ہم سے ناراض نہیں ہیں۔" (مسلم)

تشریح: پوری آیت یہ ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَأَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَظْهَرْنَ

"اور (اے محمد ﷺ) صحابہؓ حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں سو آپ ﷺ (ان) سے کہہ دیجئے کہ وہ تو نجاست ہے لہذا ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں اس سے عقابت نہ کرو۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور ان سے مقاربت نہ کرنے کا حکم دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیویوں سے حیض کی حالت میں جماع نہ کرو، اور اس کے علاوہ تمام چیزیں جائز ہیں۔ یعنی ان کے ساتھ کھانا، پینا، گھروں میں رہنا سہنا، لیٹنا، بیٹھنا یہاں تک کہ عورت کے ناف کے اوپر کے حصہ سے اپنا بدن ملانا یا ہاتھ لگانا یہ سب چیزیں جائز ہیں۔

لہذا اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایام حیض میں اگر کوئی شخص جماع کرے گا تو وہ شخص گنہگار ہو گا کیونکہ یہ حرام ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت سے ایام حیض میں یہ سمجھ کر جماع کرے کہ یہ حلال اور جائز ہے تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس کا حرام ہونا قرآن سے ثابت ہوتا ہے، (دونوں صحابہؓ نے یہودی کہیں سن کر) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جو معروضہ پیش کیا تھا اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لیجئے کہ خدا نخواستہ ان کے ذہن میں اس حکم کی کوئی اہمیت نہ تھی یا یہ کہ ایک اسلامی حکم کے مقابلہ میں یہودیوں کی بات کا انہیں زیادہ خیال تھا بلکہ ان کا مطلب تو صرف یہ تھا کہ آپ ﷺ اجازت دیں تو ہم عورتوں کے ساتھ ایام حیض میں اٹھنا بیٹھنا ترک کر دیں اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیں، تاکہ یہودی جو طعن کرتے ہیں وہ نہ کریں اور ہم آپس میں الفت و یک جہتی کے ساتھ رہا کریں۔

② وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالتَّبَيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكِلَانَا جُنُبٌ وَكَانَ يَأْخُذُنِي فَأَتَرُ فِيهَا بَشْرِي وَأَنَا حَائِضٌ وَكَانَ يَخُجُّ زَانِسَةُ إِلَيَّ وَهُوَ مُتَّكِفٌ فَأَغْتَسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ۔ (متن علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "میں اور نبی کریم ﷺ دونوں جنابت کی حالت میں ایک برتن سے نہایا کرتے تھے۔ (اور بعض اوقات) میں ایام سے ہوتی تو آپ ﷺ مجھے (تہ بند باندھنے کے واسطے) ارشاد فرماتے جب میں تہ بند باندھ لیتی تو آپ ﷺ مجھ سے (ناف کے اوپر اوپر) اپنے بدن لگا کر لیٹ جایا کرتے تھے اور (بعض مرتبہ) آپ ﷺ اشکاف میں ہوتے اور اپنا سر مبارک (مسجد سے) باہر نکال دیتے تو میں اپنے ایام کی حالت میں آپ ﷺ کا سر مبارک دھویا کرتی تھی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: عرب کے قاعدہ اور معمول کے مطابق ایک بڑا برتن جو طشت کے قسم کا ہوتا تھا پانی سے بھرا ہوا آنحضرت ﷺ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان رکھا رہتا اور یہ دونوں اس میں سے چلو بھر بھر کر نہاتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے جسم کے اس حصہ سے فائدہ اٹھانا جو ناف کے نیچے اور زانو کے اوپر ہوتا ہے حرام ہے۔ یعنی وہاں ہاتھ لگانا اور جماع کرنا ممنوع ہے چنانچہ اس کی وضاحت دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے اور یہی مسلک امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا ہے۔

امام محمدؒ، امام احمدؒ اور بعض شوافع حضرات کا مسلک یہ ہے کہ حائضہ عورت سے صرف وہی یعنی شمرگاہ میں دخول کرنا حرام ہے۔ حضرت عائشہؓ کا حجرہ مسجد سے بالکل ملا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کا دروازہ بھی مسجد ہی کی طرف کھلا ہوا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب اعتکاف میں ہوتے تھے تو اپنے سر مبارک اسی دروازے سے حجرے کی طرف نکال دیتے تھے وہاں حضرت عائشہؓ بیٹھ کر آپ ﷺ کا سر مبارک دھو دیتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھا ہو اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو مسجد سے باہر نکالے تو اسے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔

③ وَعَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أَشْرَبُ وَأَنَا حَائِضٌ ثُمَّ أَنَا وَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلَيَّ مُوَضِعَ فَيْيَ فَيَشْرَبُ وَأَتَعْرِقُ الْعَرَقُ وَأَنَا حَائِضٌ ثُمَّ أَنَا وَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلَيَّ مُوَضِعَ فَيْيَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں حالت ایام میں پانی پی کر (وہ برتن) نبی کریم ﷺ کو دے دیا کرتی تھی آپ ﷺ اسی جگہ سے جہاں میرا منہ لگا تھا منہ لگا کر پی لیتے اور کبھی میں ایام کی حالت میں بڑی سے گوشت کوچ کر کھاتی پھر وہ بڑی آنحضرت ﷺ کو دے دیتی آپ ﷺ اسی جگہ پر منہ رکھ کر گوشت کو نوچتے جہاں میں نے منہ رکھ کر نوچا تھا۔“ (مسلم)

تشریح: آپ ﷺ کا یہ عمل دو وجہ سے ہوا کرتا تھا اول تو یہ کہ آپ ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بے انتہا محبت تھی دوسرے یہ کہ آپ ﷺ کو یہودیوں کی مخالفت منظور ہوتی تھی چنانچہ یہودی تو کہاں حائضہ عورت کے ساتھ گھر میں رہتا اور ان کو ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کرتے تھے اور اصرار یہ معمول تھا کہ حضرت عائشہؓ ایام حیض میں برتن میں جس جگہ سے منہ لگا کر پانی پیا کرتی تھیں آپ ﷺ بھی اسی جگہ منہ لگا کر پانی پیتے اور حضرت عائشہؓ جس جگہ سے منہ لگا کر بڑی سے گوشت کو نوچا کرتی تھیں آپ ﷺ بھی اسی جگہ منہ لگا کر بڑی سے گوشت نوچا کرتے تھے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ کھانا پینا اور اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جائز ہے نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے اعضاء بدن نجس و ناپاک نہیں ہوتے۔

④ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّكِيءُ فِي جِجْزِي وَأَنَا حَائِضٌ ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ - (مشن علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ ”میں ایام کی حالت میں ہوتی اور نبی کریم ﷺ میری گود میں سہارا دے کر بیٹھ جاتے اور قرآن کریم پڑھتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث نے بھی اس بات کی وضاحت کر دی کہ حائضہ عورت ظاہری طور پر ناپاک ہوتی ہے اس کی ناپاکی کا حکم صرف حکماء اس لئے اگر حائضہ عورت ظاہر پاک نہ ہوتی اور اس کے بدن کے اعضاء نجس ہوتے تو سرکارِ دو عالم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی گود میں سہارا دے کر جب کہ وہ حالت ایام میں ہوا کرتی تھیں نہ بیٹھتے اور نہ اس طرح بیٹھ کر قرآن کریم پڑھتے۔

⑤ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَأْوِيْنِي الْخُمْزَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقُلْتُ إِنِّي حَائِضٌ فَقَالَ إِنَّ خَيْضَكَ لَيْسَتْ فِي يَدِكَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ مسجد میں سے چھوٹا پورہ (جائزہ) اٹھا کر مجھے دے دو“ (یعنی باہر کھڑی ہو کر اندر ہاتھ ڈال کر پوریا اٹھالائی میں نے عرض کیا کہ میں تو ایام سے ہوں۔) اس لئے مسجد میں ہاتھ کیسے داخل کر سکتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”تمہارے ہاتھ میں تو حیض نہیں ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ مسجد سے باہر کھڑی ہو کر مسجد کے اندر سے کوئی چیز اٹھالے تو جائز ہے۔ کیونکہ ایام والی عورت کو صرف مسجد کے اندر جانا منع ہے نہ کہ مسجد کے اندر ہاتھ داخل کرنا بھی۔

⑥ وَعَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي مَوْطٍ بَغِضَةً عَلَيَّ وَبَعْضَةً عَلَيْهِ وَأَنَا حَائِضٌ۔ (تفہیم علیہ)

”اور ام المومنین حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ ایک ایسی چادر میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے کہ جس کا کچھ حصہ تو آپ ﷺ کے اوپر ہوتا تھا اور کچھ حصہ مجھ پر ہوتا تھا اور میں ایام سے ہوتی تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ حائضہ کا پورا جسم ناپاک نہیں ہوتا بلکہ اس کی شرم گاہ کے علاوہ تمام بدن پاک ہوتا ہے کیونکہ حائضہ کا پورا بدن اگر ناپاک ہوتا تو ایسی چادر میں نماز جائز نہ ہوتی جس کا بعض حصہ تو نمازی پر پڑا ہو اور بعض حصہ نجاست و ناپاکی پر۔

حضرت سید جمال الدینؒ فرماتے ہیں کہ ”صاحب تخریج نے لکھا ہے کہ میں نے یہ حدیث یعنی بخاری و مسلم میں ان کے الفاظ کے ساتھ نہیں پائی ہے البتہ ان میں نیز ابو داؤد میں اس مضمون کی احادیث مذکور ہیں۔“

الفصل الثانی

⑦ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَتَى حَائِضًا أَوْ امْرَأَةً فِي ذُبُرِهَا أَوْ كَاهِنًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ۔ (رواه الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی و فی روايتهما فصدقه بما يقول فقد كفر وقال الترمذی لا نعرف هذا الحديث إلا من حکیم الاثر عن ابن ابی تیمیۃ عن ابی ہریرۃ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے ایام والی عورت سے محبت کی یا عورت کے پیچھے کی طرف بد فعلی کی۔ یا کسی کاہن کے پاس (غیب کی باتیں پوچھنے) گیا تو اس شخص نے (گویا محمد ﷺ) پر نازل کئے گئے دین کا کفر کیا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) ”ابن ماجہ“ اور دارمی کی روایتوں میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”کاہن کے کہے ہوئے کی اس نے تصدیق بھی کر دی تو وہ کافر ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ ”ہمیں یہ حدیث معلوم نہیں سوائے اس سند کے کہ اسے حکیم اثرم، ابو تیمہ سے نقل کرتے ہیں اور وہ ابو ہریرہؓ سے۔“

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حلال اور جائز سمجھ کر کسی حائضہ سے جماع کرے یا کسی عورت کے پیچھے کی طرف بد فعلی کرے یا کاہن کے پاس جائے اور کاہن اسے غیب کے متعلق جو چیزیں بتائے انہیں وہ سچ جانے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اور اگر یہ شکل ہو کہ کوئی شخص حائضہ عورت سے جماع یا عورت سے لواطت کرے مگر یہ سمجھتا ہو کہ یہ حلال اور جائز نہیں ہے بلکہ حرام اور ناجائز ہے تو کافر نہیں ہو گا بلکہ فاسق ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کاہن کے پاس جائے مگر اس نے جو چیزیں بتائی ہیں اس کو سچ نہ جانے تو بھی فاسق ہو گا۔ اس صورت میں حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ جس شخص نے ایسا کیا گویا اس نے کفر ان نعمت کیا۔“

کاہن ان شخص کو کہتے ہیں جو آئندہ واقعات کی خبر دیتا ہے اور نبوی اسے کہتے ہیں جو ستاروں کی مدد سے خبر دیتا ہے۔ کاہن اور نبوی

دونوں کا ایک ہی حکم ہے کہ جس طرح کاہن کے پاس غیب کی خبریں جاننے کے لئے ممنوع ہے اور اس کی دی ہوئی خبر پر یقین کرنا کفر ہے اسی طرح نبوی کے پاس بھی جانا فسق اور اس کی بتائی باتوں کو سچ جانا کفر ہے۔

اس حدیث میں پیچھے کی طرف بد فعلی کرنے کے سلسلہ میں صرف عورت کی جو قید لگائی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مرد سے انعام کرنا اس سے بھی زیادہ برا ہے۔“

⑧ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا يَجْلُ لِي مِنْ امْرَأَتِي وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ مَا فَوْقَ الْإِزَارِ وَالتَّعَقُّفُ عَنْ ذَلِكَ أَفْضَلُ - (رواهُ رِزْنٌ وَقَالَ مُبِجِيُّ الشَّيْخَةِ اسْتِثْنَاهُ فَلَيْسَ بِقَوِيٍّ)

”اور حضرت معاذ ابن جبلؓ کہتے ہیں کہ ”میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ امیری بیوی کی ایام کی حالت میں میرے واسطے کیا کیا جائز ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ چیز جو تہ بند کے اوپر ہو۔ اور اس سے بھی بچنا بہت ہی بہتر ہے۔“ (رزین اور محی السنۃؒ فرماتے ہیں اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے ایام کی حالت میں اس کی تہ بند کے اوپر ہاتھ وغیرہ لگانا یا تہ بند کے اوپر اختلاط کرنا اور بوس و کنار کرنا جائز ہے۔ مگر ان چیزوں سے بھی پرہیز کرنے کو زیادہ بہتر اور افضل اس لئے کہا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان امور کی وجہ سے خواہش نفسانی بھڑک اٹھے اور کوئی شخص جذبات سے مغلوب ہو کر جماع کر بیٹھے اس لئے اس حرام فعل سے بچنے کے لئے مناسب ہے کہ ان امور سے بھی اجتناب کیا جائے جو اس کے لئے مہم اور سبب بنتے ہیں۔

اور جہاں تک آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کا سوال ہے کہ آپ ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے تہ بند کے اوپر اور ہاتھ لگاتے تھے اور اختلاط کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے نفس اور جذبات پر قادر تھے۔ اس کے برخلاف دوسرے لوگوں سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی وہ آنحضرت ﷺ کی طرح اپنے جذبات اور نفس پر قابو رکھ سکیں گے۔ بہر حال۔ مسلک کے اعتبار سے یہ حدیث بھی حنفیہ کی ہی تائید کرتی ہے۔

⑨ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَقَعَ الرَّجُلُ بِأَهْلِهِ وَهِيَ حَائِضٌ فَلْيَتَصَدَّقْ يَنْصِفْ دِينَارًا - (رواهُ الترمذی و ابو داؤد و النسائی و الدارمی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”اگر کوئی شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے تو اسے نصف دینار صدقہ کر دینا چاہئے۔“ (ترمذی، ابو داؤد، دارمی، ابن ماجہ، نسائی)

تشریح: ایک دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا ہوتا ہے۔ اگر سونا سو روپے تولہ ہو تو ایک دینار چھ روپے کا ہوا اور آدھا دینار تین روپے کا۔ خطابی نے کہا ہے کہ اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کر لے تو اس کا کفارہ صرف استغفار ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے مگر امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی حائضہ عورت سے اس وقت جماع کیا جب کہ خون جاری تھا تو اسے ایک دینار صدقہ کرنا مستحب ہے اسی طرح اگر کسی نے انقطاع خون کے بعد صحبت کی تو اسے بھی نصف دینار صدقہ کرنا مستحب ہے۔

حضرت ابن ہمام حنفیؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے حائضہ بیوی سے یہ سمجھ کر صحبت کرے کہ یہ حلال ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور جس شخص نے اسے حرام سمجھتے ہوئے کیا تو اس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا لہذا اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خداوند کریم کی بارگاہ میں اس حرام فعل کے صدور پر شرمسار ہو کر اس سے توبہ و بخشش کا خواست گار ہو اور ایک دینار یا نصف دینار از روئے استحباب صدقہ کر لے۔

محمد ثینؓ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابن عباسؓ پر مرسل ہے یا موقوف ہے کیونکہ اس حدیث کا آنحضرت ﷺ تک مرفوع متصل ہونا ثابت نہیں ہے۔

(۱۰) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ ذِمًّا أَحْمَرَ فِدِينًا وَإِذَا كَانَ ذِمًّا أَصْفَوُ فَيَنْصُفُ دِينَارًا۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”ایام کی حالت میں اگر حیض کا خون سرخ رنگ کا ہو (اور اس حالت میں کوئی صحبت کرے) تو ایک پورا دینار اور اگر خون کا رنگ زرد ہو تو آدھا دینار (صدقہ کرنا لازم ہے)۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حیض کی حالت میں جماع کرنے سے جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جماع کے وقت اگر حیض کے خون کا رنگ سرخ ہو تو ایک دینار صدقہ کرنا ضروری ہے اور اگر حیض کے خون کا رنگ زرد ہو تو آدھا دینار صدقہ کرنا چاہئے چنانچہ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ابتدائے حیض میں صحبت کرنے کی وجہ سے ایک دینار اور حالت انقطاع میں نصف دینار مستحب ہے۔ وہ اسی حدیث سے استدلال لال کرتے ہیں کیونکہ ابتدائے حیض کے خون کا رنگ سرخ ہوتا ہے اور آخر میں زرد ہو جاتا ہے۔“

الفصل الثالث

(۱۱) عَنْ زَيْنَبِ بْنِ أَسْلَمٍ قَالَ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا يَحِلُّ لِي مِنْ امْرَأَتِي وَهِيَ حَائِضٌ

فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشُدُّ عَلَيْهَا إِذَا زَهَاتِمُ شَانِكَ بِأَعْلَاهَا۔ (زَوَاهِ مَالِكٍ وَالدَّارِمِيِّ مُرْسَلًا)۔

”حضرت زید ابن اسلمؓ (بھی) فرماتے ہیں کہ ”ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ میرے لئے میری بیوی سے جب کہ وہ ایام کی حالت میں ہو تو کیا جائز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس کے جسم پر اس کا تہ بند خوب مضبوط باندھ لو پھر تہ بند کے اوپر تمہارا کام ہے۔“ (یعنی ناف سے اوپر تم کو اختلاط مباح ہے اور ناف کے نیچے حرام ہے۔) (مالک اور دارمی نے اس حدیث کو بطریق ارسال روایت کیا ہے)

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ إِذَا حِضْتُ تَزَلْتُ عَنِ الْمِثَالِ عَلَى الْحَصِيرِ فَلَمْ يَقْرُبْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْنُ مِنْهُ حَتَّى تَطْهُرَ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”جب میں ایام سے ہو جاتی تو بستر سے اتر کر پوری پر آجاتی تھی، چنانچہ جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جاتی نہ تو نبی کریم ﷺ ان کے نزدیک آتے تھے اور نہ وہ نبی کریم ﷺ کے نزدیک آتی تھیں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: بظاہر یہ حدیث ان احادیث کے بالکل برعکس ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ایام کی حالت میں ان کے ساتھ ہم نشینی اختیار کرتے تھے چنانچہ خود حضرت عائشہؓ ہی سے ایسی احادیث مروی ہیں۔ جن میں انھوں نے بتایا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان سے ایام حیض میں اختلاط کرتے تھے۔

لہذا اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ حدیث ان احادیث سے مسنون ہے۔ یا پھر اس حدیث کی توجیہ یہ کی جائے گی کہ یہاں نزدیک نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ ایام کی حالت میں جماع کے لئے ایک دوسرے کے قریب نہ آتے تھے جیسا کہ قرآن مجید کی آیت وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ میں ”ان کے نزدیک نہ آؤ جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں“ کا مطلب یہ کیا جاتا ہے کہ ”ان سے جماع نہ کرو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں۔ یہاں حدیث کے الفاظ فَلَمْ يَقْرُبْ میں حرف تہ زبر کے ساتھ اور حرف ر پیش کے ساتھ ہے اسی طرح لَمْ يَذْنُ حَتَّى تَطْهُرَ دونوں حرف ت کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے اکثر صحیح نسخوں میں ایسی طرح یہ الفاظ مذکور ہیں مگر نسخہ سید جمال الدینؒ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ صحیح اسی طرح فلم يقرب لون اور حرف ر کے زبر کے ساتھ ہے نیز رسول اللہ ﷺ کے لام کو زبر

ہے۔ اسی طرح لم تدن پہلے نون کے زبر اور دوسرے نون کے پیش کے ساتھ ہے اور لفظ نظیر میں بھی نون ہے اور میر شہانہ نے لکھا ہے کہ ”اصل ابوداؤد میں یہ الفاظ اسی طرح ہیں۔“

بَابُ الْمُسْتَحَاضَةِ

مستحاضہ کا بیان

الفصل الاول

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حَنِيشٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي امْرَأَةٌ اسْتَحَاضُ فَلَا أَظْهَرُ أَفَادُغَ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَا إِنَّمَا ذَلِكَ عِزْقٌ وَلَيْسَ بِحَيْضٍ فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكَ فَذَبْعِي الصَّلَاةَ وَإِذَا أَذْبَرَتْ فَأَغْسِلِي عَنْكَ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّيْ - (متن علیہ)

”حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ ”فاطمہ بنت ابی حنیشؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک ایسی عورت ہوں جسے برابر (استحاضہ کا) خون آتا رہتا ہے۔ چنانچہ میں کسی وقت پاک نہیں رہتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”نہیں ایہ تو ایک رگ کا خون ہے، حیض کا خون نہیں ہے لہذا جب تمہیں حیض آنے لگے تو تم نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو ”جسم سے“ خون کو دھو ڈالو (اور نہا کر) نماز پڑھ لو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی عورت مستحاضہ ہو جائے اور وہ ہر وقت استحاضہ کے خون سے ناپاک رہے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ”اگر وہ ایسی عورت ہو جو معتادہ ہو یعنی اس کے حیض کے ایام مقرر ہوں مثلاً اسے ہر ماہ پانچ روز یا چھ روز خون آتا تھا تو جب وہ مستحاضہ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ ان دنوں کو جن میں حیض کا خون آتا تھا ایام حیض قرار دے اور ان دنوں میں نماز وغیرہ چھوڑ دے اور جب وہ دن پورے ہو جائیں تو خون کو دھو کر نہائے اور نماز وغیرہ شروع کر دے۔“

اور اگر وہ مبتدیہ ہو یعنی ایسی عورت ہو کہ پہلا ہی حیض آنے کے بعد وہ مستحاضہ ہو گئی جس کے نتیجہ میں استحاضہ کا خون برابر جاری ہو تو اسے چاہئے کہ وہ حیض کی انتہائی مدت یعنی دس دن کو ایام حیض قرار دے کر ان دنوں میں نماز وغیرہ چھوڑ دے اور بعد میں نہا دھو کر نماز وغیرہ شروع کر دے۔ اس صورت میں دوسرے ائمہ کے نزدیک عمل تمیز پر ہو گا یعنی اگر خون سیاہ رنگ کا ہو تو اسے حیض کا خون قرار دیا جائے گا اور اگر سیاہ رنگ کا نہ ہو تو وہ استحاضہ کا خون کہلائے گا جیسے کہ آگے والی حدیث سے بھی یکنی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر حضرت امام اعظمؒ اس حدیث کے بارے میں جو آگے آ رہی ہے اور جو حضرت عروہؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دو طرق سے روایت کی گئی ہے ایک تو ان میں سے مرسل ہے اور دوسری مضطرب اور یہ عجیب بات ہے کہ خون کے رنگ میں امتیاز کی بات صرف عروہؓ کی روایت ہی میں مذکور ہے جس کا حال معلوم ہو چکا کہ ایک طریق سے تو وہ مرسل ہے اور دوسرے طریق سے مضطرب لہذا اس حدیث پر کسی مسلک کی بنیاد رکھنا گویا اس مسلک کو کمزور کرنا ہے۔ اور یہ حدیث جو اوپر گزری جس میں دنوں کا اعتبار ہے اور جو ہماری دلیل ہے ”صحیح“ ہے لہذا اس حدیث پر عمل کرنا اولیٰ ہے، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاطمہ بنت حنیشؓ جنہوں نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اپنے بارے میں حکم دریافت کیا تھا معتادہ تھیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مستحاضہ کو چاہئے کہ وہ ہر فرض نماز کے لئے اپنی شرم گاہ دھو لیا کرے۔ اور حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ جب نماز کا وقت آئے جب ہی اپنی شرم گاہ دھو لے پھر نہ دھوئے اور لنگوٹا باندھ کر جلدی جلدی وضو کر لے اس کے بعد جو خون

جاری رہے گا اس میں وہ معذور ہوگی لہذا آخر وقت تک وہ جو چاہے پڑھے۔

الفصل الثانی

② عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَبِي حُبَيْشٍ أَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ فَإِذَا كَانَ ذَلِكَ فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ فَإِذَا كَانَ الْآخِرُ فَتَوَضَّعِي وَصَلِّي فَإِنَّمَا هُوَ عَزَقٌ - (رد المحتار، ابوداؤد، نسائی)

”حضرت عروہ بن زبیرؓ (تابعی) حضرت فاطمہ بنت ابی حبیشؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ”انہیں استحاضہ کا خون آتا تھا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ جب حیض کا خون آنے لگے جس کی پہچان یہ ہے کہ وہ سیاہ رنگ کا ہوتا ہے تو اس وقت تم نماز پڑھنے سے رک جانا کرو اور جب استحاضہ کا خون آنے لگے (یعنی خون سیاہ رنگ کے علاوہ اور کسی رنگ کا ہو) تو وضو کر کے نماز پڑھ لیا کرو کیوں کہ (یہ حیض کا نہیں بلکہ ایک رنگ کا خون ہوتا ہے۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اس حدیث کے بارے میں اس سے پہلے حدیث کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ حدیث ان ائمہ کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ مستحاضہ ایام حیض کے سلسلہ میں تیز پر عمل کرے کہ اگر خون کا رنگ گاڑھا سیاہ ہو تو اسے حیض کا خون قرار دے کر ان ایام میں نماز وغیرہ ترک کر دے اور رنگ گاڑھا سیاہ نہ ہو تو پھر اسے استحاضہ کا خون سمجھے اور نماز روزہ کرتی رہے چنانچہ اسی جگہ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ حدیث صحیح درجہ کو نہیں پہنچتی اس لئے اس کو کسی ملک کی بنیاد قرار دینا اس مسلک کی کمزوری کو ظاہر کرنے کے مترادف ہے۔ بہر حال۔ یہاں خون کے جو رنگ بتائے گئے ہیں وہ دائمی اور کلی طور پر نہیں ہیں بلکہ آنحضرت ﷺ نے خون کے رنگ اکثر کے اعتبار سے فرمائے ہیں کیونکہ کبھی حیض کا خون سرخ وغیرہ رنگ کا بھی ہوتا ہے۔

حضرات حنفیہ اس حدیث کی وضاحت یہ کرتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا محمول یہ ہوگا کہ ”یہ تیز عادت کے موافق ہو۔“ یعنی جس عورت کو استحاضہ لاحق ہو اور حیض میں جب خون کا رنگ سیاہ ہو گا تو اسے حیض کا خون قرار دیا جائے گا۔ لہذا جب اس کی عادت کے دن گزر جائیں اور ان ہی دنوں میں خون کا رنگ سیاہ بمائل سرخ وغیرہ ہو تو اس کے بعد حیض کا خون شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کی عادت کے موافق خون کا رنگ اب سیاہ نہیں رہا۔

③ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ إِنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تَهْوِي الدَّمَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَتْ لَهَا أُمُّ سَلَمَةَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَتَنْظُرَ عِدَّةَ اللَّيَالِي وَالْأَيَّامِ الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُ عَنْهَا مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ أَنْ يُصِيبَهَا الَّذِي أَصَابَهَا فَتَشْرُكُ الصَّلَاةَ قَدْ رُفِئَ ذَلِكَ مِنَ الشَّهْرِ فَإِذَا خَلَفْتَ ذَلِكَ فَلْتَنْتَفِسِي ثُمَّ لَتَسْتَغْفِرِي بِتَوْبٍ ثُمَّ لَتَنْتَفِسِي - (رواہ مالک و ابوداؤد و الدارمی و زوی النسائی معناه)

”اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت کو استحاضہ کا خون آتا تھا (اور وہ معذور تھی) چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے فتویٰ پوچھا کہ اس کا کیا حکم ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اسے چاہئے کہ وہ دیکھے کہ اس بیماری کے آنے سے پہلے اسے مہینہ میں حیض کا خون کتنے دن رات آتا تھا (جب یہ معلوم ہو جائے تو) ہر مہینہ اتنے ہی دنوں نماز پڑھتی چھوڑ دے اور جب وہ دن گزر جائیں تو نہالے اور (پا جامہ کے اندر) کپڑے کی لنگوٹی باندھ کر نماز پڑھ لیا کرے۔“ (مالک، ابوداؤد، دارمی) اور نسائی نے اس روایت کو باطنی نقل کیا ہے۔

تشریح: مستحاضہ کو چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے وہ لگوت اس طرح بندھے کہ خون حتی المقدور رک سکے اگر لگوت بندھنے اور احتیاط کے باوجود بھی خون آئے تو اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا نماز صحیح ہو جائے گی قضاء ضروری نہیں ہوگی یہ حکم سلسلہ ابول کے مرض کا بھی ہے۔

④ وَعَنْ عَبْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ يُحْيَى بْنُ مَعِينٍ جَدُّ عَبْدِ اسْمَةَ دِينَارَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ تَدْعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَابِهَا الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُ فِيهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتَقْرَأُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَتَضُمُّ وَتُصَلِّي - (رواه الترمذی و البیہقی و البیہقی)

”اور حضرت عبدی ابن ثابت سے مروی ہے کہ ان کے والد اپنے والد سے یعنی یحییٰ ابن معین سے جو عبدی کے دادا ہیں اور جن کا نام دینار ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ”آپ ﷺ نے ایک مستحاضہ کے بارے میں فرمایا کہ ”جن دنوں اسے (عادت کے موافق) حیض آتا تھا اسے چاہئے کہ ان میں نماز چھوڑ دے پھر (ان دنوں کے بعد ایک مرتبہ) انہارے اور ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرے اور روزہ رکھے اور نماز بھی پڑھے۔“ (البیہقی و الترمذی)

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے نیز ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں فَتَوَضَّأُ لَوْ قَبِلَ كُلَّ صَلَاةٍ یعنی مستحاضہ ہر نماز کے وقت وضو کرے۔“

⑤ وَعَنْ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ كُنْتُ أَسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْتَفْتِيهِ وَأُخْبِرُهُ فَوَجَدْتُهُ فِي بَيْتِ أُخْتَيْنِ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً فَمَا تَأْمُرُنِي فِيهَا قَدْ مَنَعْنِي الصَّلَاةَ وَالصَّيَامَ قَالَ أَنْعْتُ لَكَ الْكُرْسُفَ فَإِنَّهُ يَذْهَبُ الدَّمُ قَالَتْ هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ قَالَ فَتَلْعَجِمِي قَالَتْ هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ قَالَ فَاتَّخِذِي لَوْنًا قَالَتْ هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ إِنَّمَا أَتُجُّ نَجًّا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَامُوكِ بِأَمْرَيْنِ إِلَهُمَا صُنْعَتِ أَجْزَأُ عَنْكَ مِنَ الْآخِرِ وَإِنْ قَوَيْتَ عَلَيْهِمَا قَانَتْ أَعْلَمُ قَالَ لَهَا إِنَّمَا هَذِهِ رَكُضَةٌ مِنْ رَكُضَاتِ الشَّيْطَانِ فَتَحِيضِي سِتَّةَ أَيَّامٍ أَوْ سَبْعَةَ أَيَّامٍ فِي عِلْمِ اللَّهِ ثُمَّ اغْتَسِلِي حَتَّى إِذَا زَانِبَتْ أَنْتَ قَدْ ظَهَرَتْ وَاسْتَنْقَابَ فَصَلِّي ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً أَوْ أَرْبَعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَأَيَّامَهَا وَضُومِي فَإِنَّ ذَلِكَ يُخَوِّثُكَ وَكَذَلِكَ فَافْعَلِي كُلَّ شَهْرٍ كَمَا تَحِيضُ النِّسَاءُ وَكَمَا يَطْهَرْنَ مِنْقَاتِ حَيْضَتِهِنَّ وَظَهَرْنَ وَإِنْ قَوَيْتَ عَلَى أَنْ تُؤَخِّرِينَ الظُّهْرَ وَتُعَجِّلِينَ الْعَصْرَ فَتَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَتُؤَخِّرِينَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلِينَ الْعِشَاءَ ثُمَّ تَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فَافْعَلِي وَتَغْتَسِلِينَ مَعَ الْفَجْرِ فَافْعَلِي وَضُومِي إِنْ قَدَرْتِ عَلَى ذَلِكَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذَا أَحْسَنُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ - (رواه احمد و البیہقی و الترمذی)

”اور حضرت حمزہ بنت جحشؓ فرماتی ہیں کہ مجھے بہت ہی کثرت سے استحاضہ کا خون آتا تھا اس لئے نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تاکہ آپ ﷺ کو اس کی خبر دوں اور اس کا حکم پوچھوں چنانچہ میں اپنی بہن زینب بنت جحش کے مکان میں سرکارِ دو عالم ﷺ سے ملی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے استحاضہ کا خون بہت ہی کثرت سے آتا ہے جس نے مجھے نماز روزہ سے بھی روک رکھا ہے اس کے بارے میں آپ ﷺ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لئے روٹی کو بیان کرتا ہوں کیونکہ وہ خون کو لے جاتی ہے (یعنی خون نکلنے کی جگہ روٹی رکھ لو تاکہ وہ باہر نہ نکلے) حسنہؓ نے کہا کہ وہ تو (اس سے) نہیں رکے گا کیونکہ (بہت زیادہ ہے۔) آپ ﷺ نے فرمایا (روٹی رکھ کر) اس پر لگام کی طرح کپڑا (یعنی لگوت) باندھ لو۔ انھوں نے کہا کہ ”وہ اس سے (بھی) نہیں رکے گا کیونکہ (زیادہ ہے) آپ ﷺ نے فرمایا پھر (لگوت کے نیچے) ایک کپڑا رکھ لو۔ انھوں نے کہا کہ ”وہ اس سے (بھی) نہیں رکے گا کیونکہ بہت ہی زیادہ ہے یہاں تک کہ خون بارش

کی (دھار کی) طرح آتا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "پھر تو میں تمہیں دو باتوں کا حکم کرتا ہوں ان میں سے تم جس ایک کو بھی اختیار کر لو گی دوسری کی ضرورت نہیں رہے گی اور اگر تمہارے اندر دونوں (پر عمل کرنے کی) طاقت ہوگی تو تم خود ہی دانا ہو کر بہت بڑا بار ملے گا لہذا تم اپنی حالت کو دیکھتے ہوئے جو چاہو کرو (چنانچہ آپ ﷺ نے حسد سے کہا کہ "یہ استخاضہ شیطان کی لاتوں میں سے ایک لات مارتا ہے لہذا تم (ہر مہینہ) چھ یا سات روز کیونکہ (غیب کا علم اللہ کو ہے)، حیض کے ایام قرار دو اور پھر مدت مذکورہ گزر جانے کے بعد نہاڑا لو اور جب تم جان لو کہ میں پاک و صاف ہو گئی ہوں تو تیس دن رات (ایام) حیض سات دن قرار دینے کی شکل میں (یا چوبیس دن رات، ایام حیض چھ دن قرار دینے کی شکل میں) نماز پڑھتی رہا کرو، اور اسی طرح مہینہ رمضان وغیرہ کے روزے بھی رکھتی رہا کرو چنانچہ جس طرح عورتیں اپنی اپنی مدت پر ایام سے ہوتی ہیں اور پھر وقت پر پاک ہوتی ہیں تم بھی ہر مہینہ اسی طرح کرتی رہا کرو کہ چھ دن یا سات دن تو حیض کے ایام قرار دو اور بقیہ دن طہر یعنی پاکی کے ایام قرار دو (تمہارے لئے یہ کافی ہو گا۔ اور اگر تمہارے اندر اتنی طاقت ہو کہ وقت اخیر کر کے اس میں نہاڑو اور عصر میں جلدی کر کے ان دونوں نمازوں کو اکٹھی پڑھ لو اور پھر مغرب کا وقت اخیر کر کے نہاڑو اور عشاء میں جلدی کر کے ان دونوں نمازوں کو اکٹھی پڑھ لو اور نماز فجر کے لئے (علیحدہ) نہاڑو اسی طرح کر لیا کرو اور (جن دنوں میں نماز پڑھو ان دنوں میں نفل اور فرض جیسے بھی چاہوں) روزے رکھ لیا کرو اگر تمہارے میں اس کی طاقت ہو تو (اس طرح کرتی رہا کرو) پھر سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ان دنوں باتوں میں سے آخری بات مجھے بہت پسند ہے۔" (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: یوں تو استخاضہ کا خون آنا مرض کی بناء پر ہوتا ہے تاہم آنحضرت ﷺ نے اس کی نسبت شیطان کی طرف فرمائی ہے کہ یہ شیطان کی لاتوں میں سے ایک لات مارتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بہکانے اور عبادت کے اندر خلل ڈالنے کے لئے شیطان کو موقع ملتا ہے چنانچہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر پاکی و صفائی اور نماز وغیرہ میں فساد کا بیج بوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے استخاضہ کی حقیقت بیان فرما کر سائل کو دو ایسے حکم دیے جن پر عمل کرنے سے شیطان اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے آپ ﷺ نے ایک حکم تو یہ دیا کہ فَتَحَ حَيْضِيْ مَسْتَةً اَيَّامٍ اَوْ سَبْعَةَ اَيَّامٍ یعنی چھ روز یا سات روز حیض کے ایام قرار دو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی صورت میں ہر مہینہ اپنی اپنی عبادت کے مطابق چھ دن یا سات دن تک حیض کے احکام جاری رکھ۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائل کو معاذہ تھی اور وہ حیض کے ایام بھول گئی تھی لہذا اسے یہ یاد نہیں رہتا تھا کہ حیض کا خون ہر مہینہ چھ دن آتا تھا یا سات دن آتا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ تم اپنے یقین و گمان پر عمل کرو اگر تمہارا یقین یہ کہتا ہو کہ عادت چھ دن کی تھی تو اس صورت میں چھ دن حیض کے ایام قرار دو اگر اس بات کا گمان غالب ہو کہ عادت سات دن کی تھی تو پھر سات دن حیض کے ایام قرار دو پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فِیْ عِلْمِ اللّٰہِ فرما کر اس بات کا اشارہ کر دیا کہ تم تو بہر حال اپنے یقین و گمان پر عمل کرو اس بات کا علم بہر صورت اللہ تعالیٰ کو ہے، کہ تمہارا عادت کیا تھی کیونکہ غیب کی باتوں کا جاننے والا تو وہی ہے۔ یا پھر سب سے ایام او سب سے ایام میں او اگر شک کے لئے ہو تو "فِیْ عِلْمِ اللّٰہِ" راوی کا قول ہو گا جو اللہ اعلم کے معنی میں ہو گا۔ اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آنحضرت ﷺ نے تو سب سے ایام فرمایا ہے یا سب سے ایام اور خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

آپ ﷺ نے سائل سے جو یہ فرمایا کہ "جس طرح عورتیں اپنی اپنی مدت پر ایام سے ہوتی ہیں اور پھر وقت پر پاک ہوتی ہیں۔ تم بھی اسی طرح ہر مہینہ کرتی رہا کرو۔" تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جیسے تمہاری طرح وہ عورتیں جو اپنی عادت کے دن بھول جاتی ہیں اور پھر وہ اپنے ایام ٹھہراتی ہیں تم بھی اسی طرح اپنے ایام قرار دو یعنی اگر ان کے حیض کا وقت اول مہینہ ہے تو ایام حیض قرار دو اور اگر ان کے حیض کا وقت مہینہ کے درمیان میں ہو تو تم بھی ایام حیض درمیان مہینہ کو قرار دو اسی طرح اگر ان کے حیض کا وقت آخر مہینہ میں ہو تو تم آخر مہینہ کو ایام حیض قرار دو۔

بہر حال۔ پہلے حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ تم اپنے حیض کے مدت خواہ وہ سات دن ہو یا چھ دن پوری کر کے اس کے بعد نہاڑا لو اور پھر نماز

کے لئے غسل کیا کرو۔

دوسرا حکم آپ ﷺ نے یہ دیا کہ ”دو نمازوں کے درمیان ایسے وقت غسل کر لیا کرو کہ ایک نماز کا انتہائی وقت ہو اور دوسری نماز کا ابتدائی وقت پھر اس کے بعد دونوں نمازوں کو اکٹھی پڑھ لیا کرو اس طرح ظہر اور مغرب کو تاخیر کے ساتھ پڑھنے کے لئے جو کہا گیا ہے اس میں دو احتمال ہیں۔ اول تو اس ”تاخیر“ کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وقت ختم ہونے کے بعد نماز پڑھی جائے مثلاً ظہر اور عصر دونوں وقت کی نماز عصر ہی کے وقت میں پڑھی جائے۔ اسی طرح مغرب کی اور عشاء کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھی جائے جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق مسافر دو نمازوں کو اس طرح جمع کر کے پڑھ سکتا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ظہر کی نماز بالکل اخیر وقت میں پڑھی جائے اور عصر کی نماز بالکل ابتداء میں پڑھی جائے، اسی طرح مغرب کی نماز بالکل اخیر وقت میں پڑھی جائے اور عشاء کی نماز بالکل شروع میں پڑھی جائے جیسا کہ حنفی مسلک میں مسافر کے لئے جمع بین الصلوٰتین کی یہی تاویل کی جاتی ہے اور اسے جمع صوری کہتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد آنے والی حدیث بھی اسی مقصد و مراد کی وضاحت کر رہی ہے۔ پس اس دوسرے حکم کا حاصل یہ ہے کہ ”روزانہ غسل تو ظہر و عصر کے لئے کیا جائے اور ایک غسل مغرب و عشاء کے لئے اسی طرح ایک غسل فجر کے لئے کیا جائے۔“

یہ بات سمجھ لیجئے کہ پہلے حکم کا خلاصہ کرتے ہوئے جو یہ بتایا گیا ہے کہ ”ہر نماز کے لئے غسل کیا جائے۔“ اس کی صراحت حدیث میں تو نہیں ہے لیکن ارشاد گرامی ان قویٰ علیٰ ان توخرین الخ میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ اس عبارت سے سنا کہ ہر نماز کے لئے غسل سے عاجز ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے اور یہی مسلک حضرت امیر المؤمنین حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت ابن زبیر وغیرہ کا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کا مسلک یہ ہے کہ دو نمازیں ایک غسل کے ساتھ اکٹھی پڑھی جائیں اور یہی مسلک اس حدیث سے زیادہ قریب اور مطابق ہے کیونکہ اس میں زیادہ آسانی ہے بہ نسبت اس کے کہ ہر نماز کے لئے غسل کیا جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی طرف یہ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے کہ ”ہذا اعجب الامور الیٰ تعنی دونوں نمازوں کے لئے غسل کرنا مجھے دوسرے امر یعنی ہر نماز کے لئے غسل سے زیادہ پسند ہے۔“ اور اس دوسرے حکم کو پسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ آپ ﷺ امت کے لئے وہی چیز پسند فرماتے تھے جو آسان اور سہل العمل ہو۔

جہاں تک خفیہ کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہے یا یہ کہ دونوں صورتوں میں غسل کا حکم معالجہ پر معمول ہے یعنی آپ ﷺ نے غسل کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ خون کی کثرت اور اس کی شدت ختم ہو جائے۔

الفصل الثالث

① عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ أَسْتَحْيِضَتْ مِنْذُ كَذَا وَكَذَا فَلَمْ تُصَلِّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللَّهِ إِنَّ هَذَا مِنَ الشَّيْطَانِ لِتَجْلِسَ فِي مَوْكِنٍ فَلَا ذَا أُنْتَ صَفَارَةٌ فَوْقَ الْمَاءِ فَلْتَغْتَسِلِ لِلظُّهْرِ وَالْعَصْرِ غُسْلًا وَاجِدًا وَتَغْتَسِلِ لِلْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ غُسْلًا وَاجِدًا وَتَغْتَسِلِ لِلْفَجْرِ غُسْلًا وَاجِدًا وَتَوَضَّأَ فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ۔ (رواه أبو داود وقال روى مجاهد عن ابن عباس لما استند عليها الغسل أمرها أن تجمع بين الصلاتين)

”حضرت اسماء بنت عمیسؓ کہتی ہیں کہ ”میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! فاطمہ بنت ابی حبیش کو (پہلی مرتبہ) اتنی مدت سے استحاضہ آرہا ہے اس لئے وہ (یہ خیال کر کے کہ شاید یہ بھی حیض کے حکم میں ہو) نماز نہیں پڑھ رہی ہیں۔“ ”میرا درو عالم ﷺ نے فرمایا ”سبحان اللہ! یہ نماز کا چھوڑنا تو شیطان کا اثر ہے؟“ اسے چاہئے کہ ایک لگن میں پانی ڈال کر بیٹھ جائے جس وقت پانی پر زردی معلوم ہونے لگے تو ظہر

اور عصر کے لئے ایک غسل کرے اور مغرب و عشاء کے لئے ایک غسل کر لے اور فجر کے لئے علیحدہ ایک غسل کرے (اور جب ضرورت ہو تو عصر اور عشاء کے لئے) ان کے درمیان وضو کرے۔ "(یہ روایت ابو داؤد نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ مجاہدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ "عجب فاطمہؓ کو ہر نماز کے لئے غسل کرنا دشوار معلوم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو (ایک غسل سے) دو نمازیں اکٹھی پڑھنے کا حکم دیا۔"

تشریح: جب ظہر وقت بالکل خیر چلتا ہے تو آفتاب پر قدرے زردی آجاتی ہے بلکہ زوال کے بعد تغیر ہونا شروع ہو جاتا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے لگن میں دیکھنے کے لئے اس وجہ سے فرمایا کہ وہ زردی پانی پر آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے وہ زردی بڑھتے بڑھتے مغرب کے قریب پوری ہو جاتی ہے اس وقت نماز پڑھنی مکروہ ہے لیکن آپ ﷺ نے جس زردی کے بارے میں فرمایا ہے یہ اس زردی کے علاوہ ہے جو عصر کے بعد ہوتی ہے اور وہ نماز کے لئے کراہت کا وقت ہوتا ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب الصلوٰۃ

نماز کا بیان

لغت میں ”صلوٰۃ“ دعا کو کہتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں صلوٰۃ چند مخصوص اقوال و افعال کو کہتے ہیں جن کی ابتداء تکبیر سے اور انتہاء سلام پر ہوتی ہے۔ صلوٰۃ کے مادہ اشتقاق کے بارے میں کئی اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

نوویؒ نے مسلم کی شرح میں کہا ہے کہ صلوٰۃ کا مادہ اشتقاق ”صلوین“ ہے جو سوین کی دونوں ہڈیوں کو کہتے ہیں چونکہ نماز میں ان دونوں ہڈیوں کو رکوع و سجود کے وقت زیادہ حرکت ہوتی ہے اس لئے اس مناسبت سے نماز کو صلوٰۃ کہا گیا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں ”صلوٰۃ“ مصلیٰ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں نیزھی لکڑی کو آگ سے سینک کر سیدھا کرنا چنانچہ نماز کو صلوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان کے مزاج میں نفس مارہ کی وجہ سے نیزہا پن ہے لہذا جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے۔ تو خداوند قدوس کی عظمت و ہیبت کی گرمی جو اس عبادت میں انتہائی قرب خداوندی کی بناء پر حاصل ہوتی ہے اس کے نیزھے پن کو ختم کر دیتی ہے گویا مصلیٰ یعنی نمازی اس مادہ اشتقاق کی رو سے اپنے نفس مارہ کو عظمت خداوندی اور ہیبت ربانی کی تپش سے سینکنے والا ہوا۔ لہذا جو شخص نماز کی حرارت سے سینکا گیا اور اس کا نیزہا پن نماز کی وجہ سے دور کیا گیا تو اس کو آخرت کی آگ یعنی دوزخ سے سینکنے کی ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ خدا کی ذات سے امید ہے کہ وہ اپنے اس بندے کو جس نے دنیا میں نماز کی پابندی کی اور کوئی ایسا فعل نہ کیا جو عذاب خداوندی کا موجب ہو تو اسے جہنم کی آگ میں نہ ڈالے گا۔

اس اصطلاحی تعریف کے بعد یہ سمجھ لیجئے کہ نماز اسلام کا وہ عظیم رکن اور ستون ہے جس کی اہمیت و عظمت کے بارے میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ اثر منقول ہے کہ:

”جب نماز کا وقت آتا تو ان کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ لوگوں نے پوچھا کہ، امیر المؤمنین! آپؑ کی یہ کیا حالت ہے؟ فرماتے ہیں کہ اب اس امانت کا وقت آگیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، پہاڑوں اور زمین پر پیش فرمایا تھا اور وہ سب اس امانت کے لینے سے ڈر گئے اور انکار کر دیا۔“ (احیاء العلوم)

نماز کی تاکید اور اس کے فضائل سے قرآن مجید کے مبارک صفحات مالا مال ہیں، نماز کو اداء کرنے اور اس کی پابندی کرنے کے لئے جس سختی سے حکم دیا گیا ہے وہ خود اس عبادت کی اہمیت و فضیلت کی دلیل ہے۔ ایمان کے بعد شریعت نے سب سے زیادہ نماز پر زور دیا ہے چنانچہ قرآن کریم کی یہ چند آیتیں ملاحظہ فرمائیے۔

لہ یہ اشارہ ہے اس آیت قرآنی کی طرف: انا عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها الخ۔

۱۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوَّتًا۔

”بے شک ایمان والوں پر نماز فرض ہے وقت وقت سے۔“

۲۔ حَافِظُوْا عَلٰی الصَّلٰوةِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی۔

”نمازوں کی خصوصاً درمیانی نماز (عصر) کی پابندی کرو۔“

۳۔ اِنَّ الْخَسَنَاتِ يَذْهَبْنَ بِذِهْنِ الشَّيْطَانِ۔

”بے شک نیکیاں (یعنی نمازیں) برائیوں کو معاف کرا دیتی ہیں۔“

۴۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذٰكِرَ اللّٰهُ اَكْبَرُ۔

”بے شک نماز برے اور خراب کاموں سے انسان کو بچاتی ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ کے ذکر کا بڑا مرتبہ اور بڑا اثر ہے۔“

بہر حال انماز ایک ایسی پسندیدہ اور محبوب عبادت ہے جس کی برکتوں اور سجاوٹوں سے خداوند کریم نے کسی بھی نبی کی شریعت کو محروم نہیں رکھا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان سرکارِ دو عالم ﷺ تک تمام رسولوں کی اُمت پر نماز فرض تھی۔ ہاں نماز کی کیفیت اور تعینات میں ہر اُمت کے لئے تغیر ہوتا رہا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی اُمت پر ابتداء رسالت میں دو وقت کی نماز فرض تھی ایک آفتاب کے نکلنے سے قبل اور ایک آفتاب ڈوبنے کے قبل۔ ہجرت سے ڈیڑھ برس پہلے جب سرکارِ دو عالم ﷺ نے معراج میں ذات حق جل مجدہ کی قربت حقیقی کا عظیم و افضل ترین شرف پایا تو اس مقدس اور باسعادت موقع پر پانچ وقت کی نماز کا عظیم و اشرف ترین تحفہ بھی عنایت فرمایا گیا۔ چنانچہ فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء ان پانچ وقتوں کی نماز کا فریضہ صرف اُمت کی امتیازی خصوصیت ہے اگلی امتوں پر صرف فجر کی نماز فرض تھی نیز کسی پر ظہر کی اور کسی پر عصر کی۔

اسلام کی تمام عبادات میں صرف نمازی وہ عبادت ہے جس کو سب سے افضل اور اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ چنانچہ اس پر اتفاق ہے کہ نماز اسلام کا کرم اعظم ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ اسلام کا دار و مدار اسی عبادت پر ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

ہر مسلمان عاقل بالغ پر ہر روز پانچ وقت نماز فرض عین ہے امیر ہو یا فقیر، تندرست ہو یا مریض اور مقیم ہو یا مسافر ہر ایک کو پانچوں وقت ان آداب و شرائط اور طریقوں کے ساتھ جو خدا اور خدا کے رسول نے نماز کے سلسلہ میں بتائے ہیں خدا کے دربار میں حاضری دینا اور خداوند قدوس کی عظمت و بزرگی اور اپنی نیکی و لاچارگی اور عجز و انکساری کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے یہاں تک کہ جب میدانِ کارزار میں جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور عورت سب سے زیادہ اور شدید تکلیف دروزہ میں مبتلا ہو تب بھی نماز کا چھوڑنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کی ادائیگی میں دیر کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کسی عورت کے بچہ کی پیدائش کے وقت بچہ کا کوئی جزو نصف سے کم اس کے خاص حصہ سے باہر آگیا ہو خواہ خون نکلا ہو یا نہ نکلا ہو اس وقت بھی اس کو نماز پڑھنے کا حکم ہے اور نماز میں توقف کرنا جائز نہیں ہے۔

جو شخص نماز کی فرضیت سے انکار کرے وہ کافر ہے اور اس کو ترک کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق و فاجر ہے بلکہ بعض جلیل القدر صحابہ مثلاً حضرت عمر فاروقؓ وغیرہ نماز چھوڑنے والے کو کافر کہتے ہیں امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے امام شافعیؒ و امام مالکؒ نماز چھوڑنے کو گردن زنی قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام اعظمؒ اگرچہ اس کے کفر کے قائل نہیں تاہم ان کے نزدیک بھی نماز چھوڑنے والے کے لئے سخت تعزیر ہے۔

مصنف مشکوٰۃ نے یہاں ”کتاب الصلوٰۃ“ کے نام سے جو عنوان قائم فرمایا ہے اس کے تحت نماز سے متعلق وہ تمام احادیث ذکر کی جا

رہی ہیں جن سے نماز کی اہمیت و عظمت اور اس کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے اور نماز کے جو احکام و فضائل ہیں ان کا استنباط ہوتا ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانَ إِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتَنِبْتَ الْكِبَائِلَ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے تو پانچوں نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک اس کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں جو ان کے درمیان ہوئے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پابندی کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز پڑھے، جمعہ کی نماز پورے آداب کے ساتھ ادا کرے اور اسی طرح رمضان کے روزے رکھے تو ان کے درمیان جو صغیرہ گناہ صادر ہوئے ہیں سب ختم ہو جاتے ہیں البتہ کبیرہ گناہ نہیں بخشے جاتے ہاں اگر خدا چاہے تو وہ کبیرہ گناہ بھی معاف فرما سکتا ہے۔

یہاں ایک ہلکا سا خلیجان واقع ہوتا ہے کہ جب ہر روز کی پانچوں وقت کی نمازیں ہی تمام گناہ مٹا دیتی ہیں تو پھر یہ جمعہ وغیرہ کون سے گناہ ختم کرتے ہیں؟ چنانچہ اس خلیجان کو رفع کرنے کے لئے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سب میں گناہوں کو مٹانے اور ختم کرنے کی صلاحیت ہے چنانچہ اگر گناہ صغیرہ ہوتے ہیں تو یہ تینوں ان کو مٹا دیتے ہیں ورنہ ان میں سے ہر ایک کے بدلے بے شمار نیکیاں لکھی جاتی ہیں جس کی وجہ سے درجات میں بلندی حاصل ہوتی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحقؒ نے فرمایا کہ یہ تینوں صغیرہ گناہوں کے لئے کفارہ ہیں اور ان کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی ایک کسی گناہ کے لئے کفارہ بن سکے تو دوسرا کفارہ ہو جاتا ہے مثلاً نماز میں کسی تقصیر اور نقصان کی وجہ سے اگر وہ نماز گناہوں کے لئے کفارہ نہ ہو سکے تو ان کو جمعہ ختم کر دیتا ہے اور جمعہ میں بھی کسی تقصیر کی وجہ سے کفارہ ہونے کی صلاحیت نہ رہے تو پھر رمضان ان کے لئے کفارہ ہو جاتا ہے اور اگر سب کے سب کفارہ بننے کی صلاحیت رکھیں تو یہ سب مل کر گناہوں کو اچھی طرح مٹا دیتے ہیں اور کفارہ کی زیادتی کا باعث ہوتے ہیں چنانچہ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کئی چراغوں کی۔ اگر کسی مکان میں ایک چراغ ہو گا تو اندھیرا تو ختم ہو جائے گا مگر روشنی کم ہوگی اور اگر چراغ زیادہ ہوں گے تو نور اور روشنی میں اس کی حیثیت سے زیادتی ہوگی۔

② وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَنْتَفِي مِنْ ذَنْبِهِ شَيْئًا قَالُوا لَا يَنْتَفِي مِنْ ذَنْبِهِ شَيْئًا قَالَ فَذَلِكَ مَثَلُ الصَّلَاةِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللَّهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا تم بتاؤ کہ جس کے دروازے کے آگے پانی کی نہر چلتی ہو اور وہ روزمرہ اس میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو کیا اس کے بدن پر میل کا کوئی شائبہ بھی رہے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں اسیل بالکل باقی نہیں رہے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا (تم سمجھ لو کہ) پانچوں نمازوں کی کہ اللہ تعالیٰ تمام (صغیرہ) گناہوں کو ان نمازوں کے سبب سے اسی طرح مٹا دیتا ہے (جس طرح پانی میل کو اتار دیتا ہے)۔“ (بخاری و مسلم)

③ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ إِنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنْ امْرَأَةٍ قُبْلَةً فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَأَنزَلَ اللَّهُ تَعَالَى وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَ الشَّرَّاتِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَيْسَ هَذَا قَالَ لِيَجْمَعَ أَمْتِي كُلَّهُمْ وَفِي رِوَايَةٍ لَمْ يَنْعَمْ بِهَا مِنْ أَمْتِي۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی (غیر) عورت کا بوسہ لے لیا پھر احساسِ ندامت و شرمندگی کے ساتھ (نبی کریم ﷺ) کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر صورتِ واقعہ کی خبر دی (اور آپ ﷺ سے اس کا حکم پوچھا، آنحضرت ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ وحی کے ذریعہ حکمِ خداوندی کے منتظر رہے اس اثنا میں اس شخص نے نماز پڑھی) جب ہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔
وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طُغُورَ النَّهَارِ وَزُلْفَا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ اور نماز کو دن کے وقتِ اوّل و آخر اور رات کی چند ساعت میں پڑھا کر دو کیونکہ نیکیاں (یعنی نمازیں) برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ آیت کے نازل ہونے کے بعد اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ حکم میرے لئے ہے (یا پوری امت کے لئے؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”(نہیں) یہ حکم میری امت کے لئے ہے۔ ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کا جواب اس طرح مذکور ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) میری امت میں سے جو شخص اس آیت پر عمل کرے اس کے لئے (نیکی) حکم ہے، یعنی جو شخص بھی برائی کے بعد بھلائی کرے گا اسے یہی سعادت حاصل ہوگی کہ اس بھلائی کے نتیجہ میں اس کی برائی ختم ہو جائے گی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جن صاحبِ کایہ واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک غیر عورت کا بوسہ لے لیا تھا ان کا نام ابو الیسیرؓ تھا۔ ترمذیؒ نے ان کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں وہ خود راوی ہیں کہ، میرے پاس ایک عورت کھجوریں خریدنے کے لئے آئی میں نے اس سے کہا کہ میرے گھر میں اس سے زیادہ اچھی کھجوریں رکھی ہوئی ہیں (اس لئے تم وہاں چل کر دیکھ لو) چنانچہ وہ میرے ہمراہ مکان میں آگئی (وہاں میں شیطان کے بہکانے میں آگیا اور جذبات سے مغلوب ہو کر) اس اجنبی عورت سے بوسہ دے کر نکار کیا۔ اس نے (میرے اس غلط اور ناز بارویہ پر مجھے تنبیہ کرتے ہوئے) کہا کہ بندہ خدا! اللہ (کے قہر و غضب) سے ڈر و چنانچہ (خوفِ خدا سے) میرا دل تھرا گیا اور (میں نہایت ہی شرمندہ و شرمسار ہو کر) بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ بارگاہِ رسالت میں ان کے ساتھ جو معاملہ ہوا وہی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔
آیت کریمہ میں طُغُورَ النَّهَارِ یعنی کے اوّل و آخر سے دن کا ابتدائی حصہ اور انتہائی حصہ مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دن کے اوّل یعنی ابتدائی حصہ سے فجر کی نماز اور آخری حصہ سے ظہر و عصر کی نماز مراد ہے اس طرح زُلْفَا مِّنَ اللَّيْلِ یعنی رات کی چند ساعت سے مغرب و عشاء کا وقت مراد ہے۔ اس طرح اب آیت کریمہ کا مطلب یہ ہو گا ”فجر، ظہر، عصر، مغرب، اور عشاء کی نماز پڑھا کر، کیونکہ نیکیاں (نمازیں) برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔“

(۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ خَآءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْهُ عَلَيَّ قَالَ وَلَمْ يَسْأَلْهُ عَنْهُ وَخَضَعَتْ الصَّلَاةُ فَصَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ قَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْهُ لِي كِتَابَ اللَّهِ قَالَ الْيَسْ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ أَوْ حَدَّكَ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ”ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مجھ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جس پر حد واجب ہے اس لئے آپ ﷺ مجھ پر حد جاری فرمائیے ”راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے حد کے متعلق کچھ دریافت نہیں فرمایا اور نماز کا وقت آگیا۔ اس شخص نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو چکے تو وہ شخص کھڑا ہوا اور پھر عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مجھ سے ایک ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جو مستوجبِ حد ہے اس لئے آپ ﷺ (میرے بارے میں) خدا کا حکم نافذ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے؟ اس نے کہا کہ جی ہاں! پڑھی ہے! آپ ﷺ نے فرمایا خدا نے تمہاری خطا یا فرمایا کہ تمہاری حد بخش دی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہاں یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس شخص کے الفاظِ اَصَبْتُ حَدًّا (یعنی مجھ سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جس پر حد واجب ہے) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کسی ایسے کبیرہ گناہ مثلاً چوری وغیرہ کا ارتکاب کیا تھا جس پر حد واجب ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے نماز کی وجہ سے

اس کی بخشش کی خوشخبری ساری لہذا اس سے ثابت ہوا کہ نماز کی وجہ سے کبیرہ گناہ بھی بخش دیئے جاتے ہیں۔

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کوئی ایسا گناہ صغیرہ سرزد ہو گیا تھا جو حقیقت میں تو ایسا نہیں تھا جس پر حد جاری ہوتی لیکن چونکہ وہ شخص ”صحابیت“ جیسے مرتبہ پر فائز تھے جہاں معمولی سا گناہ بھی خوف خداوندی سے دل کو لرزاں کر دیتا ہے اور ایک ہلکی سی معصیت بھی قلب و دماغ کے ہر گوشہ کو بھینچھوڑ کر رکھ دیتی ہے اس لئے انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ مجھ سے ایک فعل سرزد ہو گیا ہے۔ جس پر از روئے شریعت حد جاری ہو جائے گی لہذا انہوں نے بارگاہ رسالت میں آکر اس طرح ذکر کیا جس سے بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ ان سے واقعی کوئی ایسا بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے جو سخت ترین سزا یعنی حد کا مستوجب بنے۔ یا پھر یہ کہا جائے گا کہ حد سے ان کی مراد تعزیر تھی۔

آپ ﷺ نے اس شخص سے اس کے گناہ کی حقیقت اس لئے دریافت نہیں فرمائی کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ اس شخص نے کس قسم کا گناہ کیا ہے اسی لئے آپ ﷺ نے اسے اس گناہ کی بخشش کی جو خوشخبری دی تھی اپنی طرف سے نہیں دی تھی بلکہ جب آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے بتا دیا کہ اس کا گناہ کوئی ایسا گناہ نہیں ہے جس پر حد جاری کی جائے بلکہ ایسا گناہ ہے جو نماز کے ذریعہ معاف ہو گیا ہے تو آپ ﷺ نے اسے یہ خوشخبری سادی۔

⑤ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ قَالَ الصَّلَاةُ لَوْ فُتِحَتْ قُلُوبُ نَوْمِ أَيُّ قَوْمٍ قَالُوا الَّذِينَ قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَوْمٍ قَالُوا الَّذِينَ قَالُوا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي بِيهَنٌ وَلَوْ اسْتَزِدَّتْهُ لَوَادِنِي - (بخاری)

”اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”وقت پر نماز پڑھنی“ (یعنی وقت مکروہ میں نماز پڑھی جائے) میں نے کہا کہ پھر کون سا عمل بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ماں باپ کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا“ میں نے عرض کیا کہ پھر کون سا عمل بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”خدا کی راہ میں جہاد کرنا“ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت ﷺ نے یہی باتیں بیان فرمائی تھیں اگر میں کچھ زیادہ پوچھتا تو آپ ﷺ اس سے بھی زیادہ بیان فرماتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اتنی بات معلوم ہو جانی چاہئے کہ بہترین و افضل اعمال کے بارے میں مختلف احادیث منقول ہیں، چنانچہ اس حدیث سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب اعمال یہ تین ہیں مگر دوسری حدیثوں میں مذکور ہے کہ اسلام کے بہترین و افضل اعمال یہ ہیں کہ (غریبوں مسکینوں کو) کھانا کھلایا جائے۔ اسلام کی تبلیغ کی جائے اور رات میں اس وقت جب کہ لوگ آرام سے بستروں میں پڑے خواب شیریں سے ہمکنار ہوں خدا کی عبادت کی جائے اور نماز پڑھی جائے۔

اسی طرح بعض احادیث میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا سب سے بہترین و افضل عمل یہ ہے کہ لوگ تمہاری زبان اور تمہارے ہاتھ (کی ایذا) سے محفوظ رہیں۔ نیز بعض حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ افضل ترین عمل خدا کا ذکر کرنا ہے۔ بہر حال اسی طرح دوسری احادیث میں دیگر اعمال کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ اعمال بہترین و افضل ہیں۔

تو اب ان تمام احادیث میں تطبیق اسی طرح ہوگی کہ یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے ہر ایک کی رضا و رغبت اور اس کے مزاج کے مطابق جواب دیا ہے یعنی جس نے بہترین عمل کے بارے میں سوال کیا اس کو وہی عمل بتایا جسے اس کے لائق سمجھا اور جو اس کی فطرت و مزاج اور اس کے حال کے مناسب معلوم ہوا۔ چنانچہ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم اکثر کسی خاص چیز کے بارے میں کسی وقت کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ فلاں چیز تو سب سے اچھی ہے حالانکہ دل کے اندر اس کی اچھائی و فضیلت کے بارے میں یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ چیز ہمہ وقت اور ہر حال میں نیز ہر ایک کے لئے سب سے اچھی اور افضل ہوگی بلکہ دل میں یہی خیال ہوتا ہے کہ یہ چیز اس خاص وقت میں اچھی اور بہتر ہے نہ کہ ہمہ وقت مثلاً خاموشی اور سکوت کا معاملہ ہے کہ جہاں مناسب ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ سکوت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے یا خاموشی سے افضل کوئی چیز نہیں ہے غرض آنحضرت ﷺ نے ہر ایک عمل کو حال اور مقام کے مناسب افضل فرمایا ہے۔ مثلاً ابتداء اسلام

میں جہاد ہی لوگوں کے حال مناسب تھا اس لئے جہاد کو فرمایا کہ یہ سب سے بہتر عمل ہے یا اسی طرح کسی شخص کو یا کسی جماعت کو بھوکا لگا دیکھا تو ان کی امداد و اعانت کی خاطر صدقہ و خیرات کی طرف لوگوں کو رغبت دلائی اور فرمایا کہ صدقہ افضل ترین عمل ہے یا نماز کو باری تعالیٰ کے قریب حقیقی کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ اچھا اور بہتر عمل قرار دیا۔ بہر حال۔ ان میں سے ہر ایک عمل کو افضل ترین عمل کہنے کی وجہ اور حیثیات مختلف ہیں۔ ہر ایک کی وجہ اور حیثیت اپنی اپنی جگہ دوسرے سے افضل و اعلیٰ ہے۔

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْعَبِيدِ وَبَيْنَ الْكَفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نماز کا چھوڑنا بندہ مؤمن اور کفر کے درمیان (کی دیوار کو ڈھالتا ہے)۔“ (مسلم ۶)

تشریح: یہاں لفظ ”بین“ کا متعلق مخدوف ہے یعنی اس حدیث میں یہ عبارت مقدر ہے کہ تَرْكُ الصَّلَاةِ وَصَلَّةُ بَيْنَ الْعَبِيدِ الْمُسْلِمِ وَبَيْنَ الْكَفْرِ جس کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ مؤمن اور کفر کے درمیان نماز بمنزلہ دیوار کے ہے کہ بندہ اس کی وجہ سے کفر تک نہیں پہنچ سکتا مگر جب نماز ترک کر دی گئی تو گویا درمیان کی دیوار اٹھ گئی لہذا نماز چھوڑنا اس بات کا سبب ہوگا کہ نماز چھوڑنے والا مسلمان کفر تک پہنچ جائے گا۔

بہر حال۔ یہ حدیث نماز چھوڑنے والوں کے لئے سخت تہدید ہے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز کا چھوڑنے والا ممکن ہے کہ کافر ہو جائے کیونکہ جب اس نے اسلام و کفر کے درمیان کی دیوار کو ختم کر دیا تو گویا وہ کفر کی حد تک پہنچ گیا ہے اور جب وہ کفر کی حد تک پہنچ گیا تو ہو سکتا ہے کہ یہی ترک نماز اس کو فسق و فجور اور خدا سے بغاوت و سرکشی میں اس حد تک دلیر کر دے کہ وہ دائرہ کفر میں داخل ہو جائے۔

یہ شروع میں بتایا جا چکا ہے کہ تارک نماز کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں چنانچہ اصحاب طواہر تو یہ کہتے ہیں کہ تارک صلوٰۃ کافر ہو جاتا ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نماز چھوڑنے والا اگرچہ کافر نہیں ہوتا مگر وہ اس سرکشی و طغیانی کے پیش نظر اس قاتل ہے کہ اس کی گردن اڑادی جائے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص نماز چھوڑ دے اس کو اس وقت تک جب تک کہ نماز نہ پڑھے مارنا اور قید خانہ میں ڈال دینا واجب ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

⑦ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُمُسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَحْسَنِ وَضُوءَنَّهُنَّ وَصَلَاتِهِنَّ لِيُفْقِهْنَ وَأَتَمَّ وَكُنَّ عَهْنُ وَخَشَوْ عَهْنُ كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يُغْفِرَ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ شَاءَ عَفْوُهُ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَابُهُ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد و روی مالک و النسائی)

”حضرت عبادہ ابن صامتؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ان پانچ نمازوں کے لئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے (فرائض و مستحبات کی ادا کیلئے کے ساتھ) اچھی طرح وضو کیا اور ان کو وقت پر پڑھا نیز ان میں رکوع و خشوع کیا (یعنی نماز میں غمخواری قلب کے ساتھ پڑھیں) تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ پر وعدہ (یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ) یہ ہے کہ وہ اس کے (صغیرہ) گناہ بخش دے گا اور جس شخص نے ایسا نہ کیا (یعنی اس نے مذکورہ بالا طریقہ سے یا مطلق نماز نہ پڑھی) تو اللہ تعالیٰ اس کا ذمہ دار نہیں ہے چاہے تو بخش دے چاہے اسے عذاب میں مبتلا کرے۔“ (احمد، ابو داؤد، مالک و النسائی)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نماز چھوڑنے والا کافر نہیں ہوتا بلکہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ گناہ کبیرہ کے مرتکب کے بارے میں بھی یہ سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ کو عذاب دے بلکہ اس کا دار و مدار سراسر اس کی مرضی پر ہے

کہ اگر وہ چاہے تو عذاب میں مبتلا کرے اور اگر چاہے تو اپنے فضل و کرم سے اسے بخش دے۔
ایسی طرح یہ بھی جان لیجئے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب روزِ آخر میں ہمیشہ نہیں رہے گا بلکہ خدا کے حکم سے اسے جس مدت کے لئے روزِ آخر میں ڈالا جائے گا اس کے بعد وہ اپنی سزا پوری کر کے جنت میں داخل ہونے کا حق ہو جائے گا۔ چنانچہ اہلِ سنت و الجماعت کا یہی مسلک ہے۔

⑧ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا خُمُسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَادُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ وَأَطِيعُوا إِذَا أَمَرَكُمْ تَذْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ۔ (رواہ احمد و الترمذی)

”اور حضرت ابی امامہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ (مسلمانوں) پانچوں وقت اپنی نمازیں پڑھو اپنے (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھو اپنے مال کی زکوٰۃ دو اور اپنے سردار کی (جب تک کہ وہ خلاف شرع چیزوں کا حکم نہ کرے) اطاعت کرو! (اگر ایسا کرو گے تو) اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے (یعنی بہشت میں بلند درجات کے حقدار بنو گے)۔“ (احمد، ترمذی)

تشریح: سردار سے مراد بادشاہ، امیر اور حاکم ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے بادشاہ اور امراء کے احکام کی تابعداری اور ان کے فرمان کی اطاعت کریں لیکن اس میں ایک شرط ہے کہ اطاعت و فرمانبرداری کا یہ حکم اسی وقت تک رہے گا۔ جب تک کہ ان کا کوئی حکم حدود و شریعت سے باہر اور خداوند کے رسول کے فرمان کے خلاف نہ ہو، اگر ایسا ہو کہ امراء اور سلاطین حدود و شریعت سے تجاوز کر کے غلط احکام دیں یا ایسے فرمان نافذ کریں جو قرآن و سنت کے خلاف ہوں تو پھر نہ صرف یہ کہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری ضروری نہیں ہے بلکہ ایسے سلاطین و امراء کو براہِ راست پر لانے اور ان کو قرآن و سنت کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے اور ملک و قوم کو چلانے کے لئے مجبور کیا جائے۔

یا پھر ”سردار“ سے مراد علماء ہیں کہ قرآن و سنت اور اسلامی شریعت کے علم کے حامل جب مسلمانوں کو کوئی شرعی حکم دیں اور انہیں دین و شریعت کی طرف بلائیں تو ان کی پیروی ہر ایک مسلمان پر ضروری اور لازم ہے اسی طرح ”سردار“ سے ہر وہ شخص مراد ہو سکتا ہے جو کسی کام کے لئے حاکم اور کارساز مقرر کیا گیا ہو یعنی اگر کوئی مسلمان کسی شخص کو اپنے کسی معاملہ میں حاکم اور راہبر مقرر کرے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس حاکم یا راہبر کے مشوروں کو مانے اور وہ جو صحیح حکم دے اس کی پابندی کرے۔

⑨ وَعَنْ عُمَرَو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَنِينَ وَأَصْرَبُوا لَهُمْ عَلَيْهِمْ وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ وَفَرَّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَصَاحِبِ زَوَاهُ أَبْنَاءُ دَاوُدَ وَكَذَا زَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَفِي الْمَصَاحِبِ عَنْ سُنَّةِ بْنِ مَعْبُودٍ۔

”اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والدِ مکرم سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے بچے سات برس کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب وہ دس برس کے ہو جائیں (تو نماز چھوڑنے پر) انہیں مارو۔ نیز ان کے بسترے علیحدہ کر دو (ابوداؤد) اسی طرح شرح السنہ میں عمرو سے اور مصابیح میں سبیرہ ابن معبد سے یہ روایت نقل کی گئی ہے۔“

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جب ان کے بچے سات برس کے ہو جائیں تو اسی وقت سے ان کو نماز کی تاکید شروع کر دی جائے تاکہ انہیں نماز کی عادت کم سنی سے ہی ہو جائے اور جب وہ بالغ ہونے کے قریب یعنی دس سال کی عمر میں پہنچ جائیں تو اگر وہ کہنے سننے کے باوجود نماز نہ پڑھیں تو انہیں تاکید و امداد کر نماز پڑھانی چاہئے۔ نیز جس طرح ان عمروں میں نماز کی تاکید کرنا ضروری ہے اسی طرح انہیں نماز کی شرائط وغیرہ بھی سکھانی چاہئے تاکہ انہیں ساتھ ساتھ نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ معلوم ہو جائے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب بچے اس عمر میں پہنچ جائیں تو انہیں علیحدہ علیحدہ سنانا چاہئے یعنی اگر دو بھائی بہن یا دو

اجنبی لڑکے لڑکی ایک ہی بستر میں سوتے ہوں تو اس عمر میں ان کے بستر الگ کر دینے چاہئیں تاکہ وہ کھٹے نہ سوسکیں۔

⑩ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ۔

(رواہ احمد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ)

”اور حضرت بريدہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہمارے اور منافقوں کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے لہذا جس نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا۔“ (احمد - ترمذی - نسائی - ابن ماجہ)

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اور منافقین کے درمیان امن و امان کا جو معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم انہیں قتل نہیں کرتے، اور اسلام کے احکام ان پر نافذ نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نماز پڑھنے، جماعت میں حاضر ہونے اور اسلام کے دوسرے ظاہری احکام کی تابعداری کرنے کے سبب سے مسلمانوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں لہذا جس نے نماز کو جو تمام عبادتوں میں افضل ترین ہے ترک کر دیا گویا کہ وہ کافر بن کر رہ گیا۔ لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ نماز ترک کر کے کفر کو ظاہر نہ کریں۔ اس طرح اس جملہ فقہ کفر کے معنی یہ ہوئے کہ (جس نے نماز چھوڑ دی) اس نے کفر کو ظاہر کر دیا۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑪ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي عَالَجْتُ امْرَأَةً فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَإِنِّي أَصَبْتُ مِنْهَا مَا دُونَ أَنْ أَمْسِئَهَا فَأَنَا هَذَا فَأَقْضِ فِيَّ مَا شِئْتَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ لَقَدْ مَسْرُكَ اللَّهُ لَوْ شِئْتَ عَلَى نَفْسِكَ قَالَ وَلَمْ يَرِدْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَقَامَ الرَّجُلُ فَأَنْطَلَقَ فَاتَّبَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجُلًا فَدَعَاهُ وَتَلَا عَلَيْهِ هَذِهِ الْآيَةَ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزَلْفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ الشَّيْئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلَّذِينَ كَفَرُوا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ يَا نَبِيَّ اللَّهِ هَذَا لَهُ خَاصَّةٌ؟ فَقَالَ بَلْ لِلنَّاسِ كَافَّةً۔ (رواہ مسلم)

”حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک عورت کو گھلے لگا کھوائے صحبت کے اور سب کچھ کر لیا ہے، (یعنی صحبت تو نہیں کی لیکن بوس و کنار ہو گیا ہے اس لئے) میں حاضر ہو گیا ہوں جو کچھ آپ ﷺ چاہیں میرے بارے میں حکم فرمائیں۔ (یعنی آپ ﷺ میرے لئے جو سزا بھی تجویز فرمائیں گے مجھے منظور ہوگی) حضرت عمرؓ نے (جو اس وقت مجلس نبوی میں حاضر تھے یہ سن کر) فرمایا خدا نے تو تمہارے عیب کی پردہ پوشی فرمائی تھی اگر تم بھی اپنے عیب کو چھپا لیتے (تو اچھا تھا) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (خدا کے حکم کے انتظار میں) اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چنانچہ وہ شخص کھڑا ہوا اور چلا گیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اسے بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا جو اسے بلالایا آپ ﷺ نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزَلْفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ الشَّيْئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلَّذِينَ كَفَرُوا دن کے اوّل و آخر اور رات کی چند ساعتوں میں نماز پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں اور یہ نصیحت، نصیحت ماننے والوں کے لئے ہے۔ لوگوں میں سے ایک شخص (حضرت عمرؓ حضرت معاذؓ) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ حکم خاص طور پر اسی کے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں: سب لوگوں کے لئے یہی حکم ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اسی باب کی پہلی فصل کی تیسری حدیث میں بھی اس آیت کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ دن کے اوّل سے فجر اور آخر سے ظہر و عصر مراد ہیں اسی طرح، ”رات کی چند ساعت“ سے مراد مغرب و عشاء ہیں۔ حضرت ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ پہلی فصل میں اسی طرح کی جو حدیث نمبر تین گزری ہے وہ تو ایک شخص (ابو الیسرؓ) کا واقعہ ہے اور یہ

حدیث جو یہاں ذکر کی گئی ہے یہ کسی دوسرے صاحب کا واقعہ ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ یہ آیت بھی اس شخص کے لئے دوسری مرتبہ نازل ہوئی ہو۔ مگر محققین نے لکھا ہے کہ تعدد واقعہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیت بھی مکرر نازل ہوئی ہو اور نہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے بلکہ آنحضرت ﷺ نے وہی آیت جو پہلے شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی بطور سند کے اس شخص کے سامنے بھی تلاوت فرمادی۔

(۱۲) وَعَنْ أَبِي ذَرَّانَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنُ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَنْتَهَأَتْ فَآخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَبَجَلْ ذَلِكَ الْوَرَقُ يَنْتَهَأَتْ قَالَ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَيْسَ بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ يُرِيدُ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ فَتَهَأَتْ عَنْهُ دُثُونُهُ كَمَا تَهَأَتْ هَذَا الْوَرَقُ عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو ذرؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ ہمارے کے موسم میں جبکہ پتہ جھڑ کا وقت تھا باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑیں۔ راوی کہتے ہیں کہ جس طرح حسب معمول پتہ جھڑ کے موسم میں کسی شاخ کو ہلانے سے پتے بہت زیادہ گرنے لگتے ہیں اسی طرح جب آپ ﷺ نے شاخیں پکڑیں تو ان سے پتے جھڑنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ”ابو ذر!“ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب بندہ مؤمن خالصانہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ بھی ایسے ہی جھڑتے ہیں جس طرح اس درخت سے یہ پتے جھڑ رہے ہیں۔“ (احمد)

تشریح: خالصانہ نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کسی کو دکھلانے یا کسی دوسری غرض و مقصد کے لئے نہ پڑھی جائے بلکہ محض اپنے پروردگار کی خوشنودی اور فرمانبرداری اور اس کی رضا کی طلب کے لئے پڑھی جائے۔

(۱۳) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجَعْفَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى سَجْدَتَيْنِ لَا يَسْهُو فِيهِمَا عَفَرَ اللَّهُ مَا قَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ - (رواہ احمد)

”اور حضرت زید ابن خالد جعفیؓ راوی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا“ جس شخص نے دو رکعت نماز (غافل ہو کر نہیں بلکہ اس درجہ حضوری قلب کے ساتھ) پڑھیں کہ ان میں سہو نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے کچھ گناہوں کو بخش دے گا۔“ (احمد)

(۱۴) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذَكَرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافِظٌ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا وَبُزْهَانًا وَنَجَاةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ يَحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نُورٌ وَلَا بُزْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُورٍ وَفِرْعَوْنٍ وَهَامَانَ وَأُتَيْتُ بِنِ خَلْفٍ - (رواہ احمد والدارقطنی والبیہقی فی شعب الایمان)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن عاصؓ راوی ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے نماز کا ذکر کیا (یعنی نماز کی فضیلت و اہمیت کو بیان کرنے کا ارادہ فرمایا) چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا، جو شخص نماز پر محافظت کرتا ہے (یعنی بیش پابندی سے پڑھتا ہے) تو اس کے لئے یہ نماز ایمان کے نور (کی زیادتی کا سبب) اور ایمان کے کمال کی واضح دلیل ہوگی، نیز قیامت کے روز مغفرت کا ذریعہ بنے گی اور جو شخص نماز پر محافظت نہیں کرتا تو اس کے لئے نہ (ایمان کے) نور (کی زیادتی کا سبب بنے گی) نہ (کمال ایمان کی) دلیل اور نہ (قیامت کے روز) مغفرت کا ذریعہ بنے گی بلکہ ایسا شخص قیامت کے روز قارون، فرعون، ہامان اور ابلیس خلیف کے ساتھ (عذاب میں مبتلا) ہوگا۔“ (احمد، دارقطنی، بیہقی)

تشریح: ”نماز کی محافظت“ کا مطلب یہ ہے کہ نماز باقاعدگی اور پوری پابندی سے پڑھی جائے۔ کبھی ناغہ نہ ہو، نیز نماز کے تمام فرائض واجبات سنن اور مستحبات اداء کئے جائیں، اس طرح جب کوئی شخص نماز پڑھے گا تو کہا جائے گا کہ اس نے نماز کی محافظت کی اور یہ مذکورہ ثواب کا حقدار ہوگا اور جو شخص اس کے برعکس عمل اختیار کرے گا کہ نہ تو نماز باقاعدگی اور پابندی کے ساتھ پڑھے اور نہ نماز کے فرائض واجبات اور سنن و مستحبات کی رعایت کرے تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ وہ ان چیزوں کو ترک کر لے گی وجہ سے مذکورہ عذاب کا مستحق ہوگا۔

لہذا غور کرنا چاہئے کہ نماز کی محافظت اور اس پر دوام اختیار کرنے کی کس قدر تاکید ہے اس لئے اس میں کوتاہی کرنا اور اصل عذاب خداوندی اور اپنی بربادی کو دعوت دینا ہے۔ نیز یہ بھی خیال کرنا چاہئے کہ جب نماز کی محافظت نہ کرنے پر اس قدر وعید ہے کہ ایسے شخص کا حشر مذکورہ لوگوں جیسے لعین و بد بخت کفار کے ساتھ ہونے کی خبر دی جا رہی ہے تو اس شخص کا کیا حال ہو گا جو نماز کو ترک کرتا ہے اور ایک وقت بھی خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوتا؟۔

قارون و فرعون جیسے مشہور لعین اور بد بختوں کو تو سب ہی جانتے ہیں۔ ہامان فرعون کا وزیر تھا۔ ابی بن خلف وہ مشہور مشرک ہے جو آنحضرت ﷺ کا جانی دشمن تھا اور جسے آنحضرت ﷺ نے جنگ احد میں اپنے دست مبارک سے موت کے گھاٹ اتار کر جہنم رسید کیا تھا چنانچہ اکی وجہ سے اس لعین کو امت کے بد بختوں میں سب سے بڑا بد بخت کہا جاتا ہے۔

آخر میں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص محافظت کرے گا یعنی پورے خلوص اور تمام فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کے ساتھ نماز ہمیشہ پابندی سے پڑھتا رہے گا تو قیامت میں وہ انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صلحاء کے ہمراہ ہو گا۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو نماز کی پابندی اور پورے ذوق و شوق کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم سب اس سعادت سے بہرہ ور ہو سکیں۔

(۱۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزُونُ شَيْئًا مِنَ الْأَعْمَالِ تَرَكُوهُ كَفَرُوا غَيْرَ الصَّلَاةِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عبداللہ ابن شقیق فرماتے ہیں کہ تمام اعمال و اعمال میں صرف نماز ہی ایسا عمل تھا جس کے چھوڑنے کو نبی کریم ﷺ کے محترم صحابہ کفر سمجھتے تھے۔“ (ترمذی)

تشریح: یہاں جو حصر کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے کہ صحابہ سوائے نماز کے کسی دوسرے عمل کے چھوڑنے کو کفر نہ سمجھتے تھے تو اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کے نزدیک نہ صرف یہ کہ نماز چھوڑنا بڑے سخت گناہ کی بات تھی بلکہ وہ اسے کفر کے بہت قریب سمجھتے تھے۔

(۱۶) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي أَنْ لَا تُشْرِكَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُطِعَتْ وَحُرِّقَتْ وَلَا تُتْرَكْ صَلَاةٌ مَكْتُوبَةٌ مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ تَبَرَّكَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تُشْرَبُ الْخَمْرُ فَإِنَّهَا مُفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ میرے دوست (نبی کریم ﷺ) نے مجھے یہ وصیت (فرمائی تھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کیوں نہ دیا جائے اور جان بوجھ کر فرض نماز نہ چھوڑنا جس نے قصداً نماز چھوڑ دی تو اس سے ذمہ بری ہو گیا نیز کبھی شراب نہ پینا کیونکہ یہ ہر رائی کی کنجی ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو الدرداءؓ کو افضل بات کی تعلیم دی کہ اگر تم ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا بھی دیے جاؤ تو شرک نہ کرنا، ورنہ تو جبر کی حالت میں جب کہ گردن تلوار کی زد میں ہو تو دل میں ایمان و ایقان کی پوری دولت لئے زبان سے کلمہ کفر ادا کر لینا جائز ہے۔ ”ذمہ کے بری“ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے قصداً نماز ترک کر دی تو گویا اس نے اسلام کے ایک بڑے اور بنیادی قانون و حکم سے بغاوت کی جس کی بناء پر اسلام کا عہد اس سے ختم ہو گیا اور وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس مطلب کی وضاحت کرنے کے بعد کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد ازراہ تغلیظ یعنی نماز چھوڑنے والے کے لئے انتہائی تہدید اور تنبیہ ہے۔

یا پھر ”اس سے ذمہ بری ہوا“ کی مراد یہ ہے کہ ایمان لانے اور اسلام کی اطاعت قبول کرنے کی وجہ سے اسلام نے اس کے جان و مال کی حفاظت کی جو ضمانت لی تھی اور اسلامی اسٹیٹ میں اسے جو امان حاصل تھا اب وہ نماز کے ترک کی وجہ سے اسلام کی امان اور ضمانت سے نکل گیا۔ شراب کو تمام برائیوں کی کنجی اس لئے فرمایا گیا ہے کہ شراب بنیادی طور پر انسان کے دل و دماغ اور ذہن و فکر کو بالکل

ماؤف کر دیتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شراب پینے والا شخص جب نشہ کی وجہ سے اپنی عقل سے ہاتھ دھو لیتا ہے تو دنیا بھر کی برائیاں اس سے سرزد ہونے لگتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شراب کو ام الحیثت کہا گیا ہے۔

بَابُ الْمَوَاقِيتِ نماز کے اوقات کا بیان الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتْ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَظِلِّهِ مَا لَمْ يَخْضِرْ الْعَصْرُ وَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفُرْ الشَّمْسُ وَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ وَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَإِذَا ظَلَعَتِ الشَّمْسُ فَأَمْسَكَ عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ الشَّيْطَانِ - (رواه مسلم)

”حضرت عبداللہ ابن عمروؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ظہر کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہے اور اس کا آخری وقت جب تک ہے کہ آدمی کا سایہ اس کے طول کے برابر ہو جائے عصر کے آنے کے وقت تک۔ اور عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک آفتاب زرد نہ ہو جائے اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہو جائے اور نماز عشاء کا وقت ٹھیک آدمی رات تک ہے اور نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے اس وقت تک ہے جب تک سورج نہ نکل آئے اور جب سورج نکل آئے تو نماز سے باز رہو کیونکہ سورج شیطان کے دونوں سیگوں کے درمیان نکلتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اس سے پہلے کہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے نماز کے اوقات کے بارے میں عرض کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چند اصطلاحی الفاظ کے معنی بیان کر دیے جائیں جن کو سمجھنے کے بعد مقصد تک پہنچنے میں بڑی آسانی ہو جائے گی۔

زوال..... آفتاب کے ڈھلنے کو کہتے ہیں جسے ہماری عرف میں دوپہر ڈھلنا کہا جاتا ہے۔

سایہ اصلی..... اس سایہ کو کہتے ہیں جو زوال کے وقت باقی رہتا ہے۔ یہ سایہ ہر شہر کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی جگہ بڑا ہوتا ہے کسی جگہ چھوٹا ہوتا ہے اور کہیں بالکل نہیں ہوتا، جیسے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں۔

زوال اور سایہ اصلی کے پہچاننے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ ایک سیدھی لکڑی ہموار زمین پر گاڑی جائے اور جہاں تک اس کا سایہ پہنچے اس مقام پر ایک نشان بنا دیا جائے پھر دیکھا جائے کہ وہ سایہ اس نشان کے آگے بڑھتا ہے یا پیچھے ہٹتا ہے۔ اگر آگے بڑھتا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ابھی زوال نہیں ہوا اور اگر پیچھے ہٹے تو زوال ہو گیا۔ اگر یکساں رہے نہ پیچھے ہٹے نہ آگے بڑھے تو ٹھیک دوپہر کا وقت ہے اس کو استواء کہتے ہیں۔

ایک مثل..... سایہ اصلی کے سوا جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے۔

دو مثل..... سایہ اصلی کے سوا جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہو جائے۔

ان اصطلاحی تعریفات کو سمجھنے کے بعد اب حدیث کی طرف آئیے: سرکارِ دو عالم ﷺ نے اوقات نماز کے سلسلہ میں سب سے پہلے ظہر کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے وقت نماز کی تعلیم کے سلسلہ میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کو یہی نماز پڑھائی تھی، یہی وجہ ہے کہ نماز ظہر کی نماز کو پیشین کہا جاتا ہے۔

نماز ظہر کا اول وقت اسی وقت شروع ہو جاتا ہے جب کہ آسمان کے درمیان آفتاب مغرب کی طرف تھوڑا سا مائل ہوتا ہے جس کو زوال کہتے ہیں اور اس کا آخری وقت وہ ہوتا ہے جب کہ آدمی کا سایہ اس کے طول کے برابر علاوہ سایہ اصلی کے ہو جاتا ہے۔ سایہ اصلی کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ وہ سایہ ہوتا ہے جو زوال کے وقت ہوتا ہے۔ یعنی اکثر مقامات پر جب کہ آفتاب سمت راس پر نہیں آتا تو وہاں ٹھیک دوپہر کے وقت ہر چیز کا تھوڑا سا سایہ ہوتا ہے اس سایہ کو چھوڑ کر جب تک کسی چیز کے طول کے برابر سایہ رہے گا ظہر کا وقت باقی رہے گا۔

مالم بحضر العصر (عصر کا وقت آنے تک) یہ جملہ دراصل پہلے جملہ کی تاکید ہے کیونکہ جب ایک مثل ایک سایہ پہنچ گیا تو وقت ظہر ختم ہو گیا۔ اور عصر کا وقت شروع ہو گیا چونکہ اس جملہ کا مطلب پہلے ہی جملہ سے ادا ہو گیا تھا اس لئے یہی کہا جائے گا کہ یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔ ہاں اتنی بات اور کہی جاسکتی ہے کہ یہ جملہ اس چیز کی دلیل ہے کہ ظہر اور عصر کے درمیان وقت مشترک نہیں ہے جیسا کہ امام مالکؒ کا مسلک ہے۔ عصر کے وقت کی ابتداء تو معلوم ہوگئی کہ جب ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا عصر کا وقت شروع ہو جائے گا۔ آخری وقت کی بات یہ ہے کہ جب تک آفتاب زرد نہیں ہو جاتا عصر کا وقت بلا کراہت باقی رہتا ہے چنانچہ حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے۔ البتہ اس کے بعد غروب آفتاب تک وقت جواز باقی رہتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آفتاب کی زردی سے کیا مراد ہے؟ تو بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آفتاب کے زرد ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب کی تکیہ اتنی مخفی ہو جائے کہ اس کی طرف نظر اٹھانے سے آنکھوں میں خیرگی نہ ہو۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب کی جو شعاعیں دیوار وغیرہ پر پڑتی ہیں اس میں تغیر ہو جائے۔

لگے ہاتھوں اتنی بات اور جانتے چلتے کہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ اور صاحبین یعنی حضرت امام ابووسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نیز حضرت امام زفرؒ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک باقی رہتا ہے اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے چنانچہ ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کا آخری وقت ایک مثل تک رہتا ہے۔

جہاں تک حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا تعلق ہے تو ایک روایت کے مطابق ان کا بھی وہی مسلک ہے جو جمہور علماء کا ہے بلکہ بعض حضرات نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ امام اعظمؒ کا فتویٰ بھی اسی مسلک پر ہے چنانچہ در مختار میں بہت سی کتابوں کے حوالوں سے اسی مسلک کو ترجیح دی گئی ہے۔ مگر ان کا مشہور مسلک یہ ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے ان کے دلائل ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔

بہر حال علماء نے اس سلسلہ میں ایک صاف اور سیدھی راہ نکالی ہے وہ کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ ظہر کی نماز تو ایک ایک مثل کے اندر اندر پڑھ لی جائے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھی جائے تاکہ دونوں نمازیں بلا اختلاف ادا ہو جائیں۔

مغرب کا وقت آفتاب چھپنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور شفق غائب ہو جانے کے وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک شفق اس سرخی کو کہتے ہیں جو آفتاب چھپنے کے بعد ظاہر ہوتی ہے چنانچہ اہل لغت کا کہنا بھی یہی ہے۔ مگر حضرت امام اعظمؒ اور علماء کی ایک دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ شفق اس سفیدی کا نام ہے جو سرخی ختم ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے۔

اہل لغت و دیگر ائمہ کے قول کے مطابق حضرت امام اعظمؒ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ شفق سرخی کا نام ہے چنانچہ شرح وقایہ میں فتویٰ اسی قول پر مذکور ہے۔ لہذا احتیاطاً کا تقاضا یہ ہے کہ مغرب کی نماز تو سرخی غائب ہونے سے پہلے پڑھی جائے اور عشاء کی نماز سفیدی غائب ہونے کے بعد پڑھی جائے تاکہ دونوں نمازیں بلا اختلاف ادا ہوں۔

عشاء کے بارے میں مختار مسلک اور فیصلہ یہ ہے کہ اس کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور ٹھیک آدمی رات تک بلا کراہت باقی رہتا ہے البتہ وقت جواز طلوع فجر سے پہلے تک رہتا ہے۔

فجر کا وقت طلوع صبح صادق کے بعد شروع ہوتا ہے اور طلوع آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے۔ بظاہر تو حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلوع

صبح صادق کے بعد سے طلوع آفتاب تک تمام وقت نماز فجر کے لئے مختار ہے مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ فجر کی نماز کا وقت مختار اسفار تک ہے اس کے بعد وقت جواز رہتا ہے۔

نماز کے اوقات کی تفصیل جان لینے کے بعد اب حدیث کے آخری جملہ کا مطلب بھی سمجھ لیجئے۔

ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ”جب سورج نکل آئے تو نماز سے باز ہو کیونکہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان نکلتا ہے“ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سورج کے نکلنے کی جگہ شیطان کے دونوں سینگ ہیں کہ سورج اس کے اندر سے طلوع ہوتا ہے بلکہ اس کا مطلب خود ایک روایت نے بتا دیا ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت شیطان آفتاب کے سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنا سر آفتاب کے نزدیک کر لیتا ہے اسی طرح غروب آفتاب کے وقت کرتا ہے اس کے اس طرز عمل کا سبب یہ ہے کہ جو لوگ آفتاب کو پوجتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں ان کفار کے اس طرز عمل کے ذریعہ وہ اپنا گمان یہ رکھتا ہے کہ لوگ میری عبادت کر رہے ہیں اسی طرح وہ اپنے تاجداروں کے ذہن میں یہ بات بٹھاتا ہے کہ یہ لوگ آفتاب کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہیں بلکہ درحقیقت میری عبادت کر رہے ہیں اور میرے سامنے ماتھے ٹکیتے ہیں۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ ان اوقات میں نماز نہ پڑھا کریں تاکہ مسلمانوں کی عبادت شیطان کو پوجنے والوں کی عبادت کے اوقات میں نہ ہو۔

② وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَهُ صَلِّ مَعَنَا هَذَيْنِ يَغْنَبِي الْيَوْمَيْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِلَا لَا فَادَّخَنَ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الظُّهْرَ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مَرَّتْ بَيْنَهُمَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِلَا لَا فَادَّخَنَ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْغَدَاةَ جِئْنَا غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعِشَاءَ جِئْنَا غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْغَدَاةَ جِئْنَا طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا أَنْ كَانَ الْيَوْمَ الثَّانِي أَمَرَهُ فَأَبْرَزَ بِالظُّهْرِ فَأَبْرَزَ بِهَا فَالْتَمَعْنَا أَنْ يَبْرُدَ بِهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مَرَّتْ بَيْنَهُمَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَفَوْقَ الَّذِي كَانَ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ أَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ مَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَاسْفَرُوا بِهَا ثُمَّ قَالَ آيُنَ السَّائِلِ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ فَقَالَ الرَّجُلُ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَقْتُ صَلَاتِكُمْ بَيْنَ مَا زَأَيْتُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت بريدہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے نماز کا وقت دریافت کیا (کہ نماز کا اول و آخر وقت کیا ہے) آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ان دو دونوں میں تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو (تاکہ میں تمہیں نماز کے اوقات دکھا دوں) چنانچہ جب سورج ڈھل گیا آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو (اذان کا) حکم دیا، حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں (تکبیر کہنے کا) حکم دیا، انہوں نے ظہر کی تکبیر کی اور آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی (پھر آپ ﷺ نے عصر کی اقامت کا حکم دیا جب کہ سورج بلند اور سفید و صاف تھا اور عصر کی نماز پڑھائی، پھر مغرب کی اقامت کا حکم دیا جب کہ سورج غروب ہی ہوا تھا، اور مغرب کی نماز پڑھائی) پھر عشاء کی اقامت کا حکم دیا جب کہ شفق غائب ہوئی تھی اور عشاء کی نماز پڑھائی (پھر فجر نمودار ہوتے ہی آپ ﷺ نے تمام نمازیں اول وقت پڑھا کر دکھادیں کہ نمازوں کا اول وقت یہ ہے) پھر جب دوسرا دن ہوا تو آپ ﷺ نے بلالؓ کو ظہر کو ٹھنڈا کر کے اذان دینے کا حکم دیا اور خوب ٹھنڈا کر کے ظہر کی نماز کو پڑھایا اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ سورج بلند تھا لیکن کل کے وقت سے دیر کر کے نماز پڑھائی اور مغرب کی نماز شفق غائب ہونے سے پہلے (یعنی شفق غائب ہونے کے قریب) پڑھائی اور عشاء کی نماز تہائی رات گزر جانے پر پڑھائی اور فجر کی نماز خوب روشنی ہو جانے پر پڑھائی اور اس کے بعد فرمایا نماز کے اوقات دریافت کرنے والا شخص کہا ہے؟ اس شخص نے سامنے (آکر عرض کیا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا، تمہاری نماز کے اوقات ان اوقات کے درمیان ہیں جو تم ان دو دونوں میں اویکھ چکے ہو۔“ (مسلم)

تشریح: سائل کا مطلب یہ تھا کہ نمازوں کے اوقات کے سلسلہ میں یہ بتا دیا جائے کہ نماز کا اول وقت کیا ہوتا ہے اور آخر وقت کون سا ہوتا ہے؟ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسے نمازوں کے اوقات کو زبانی سمجھانے سے زیادہ بہتر یہ سمجھا کہ اسے عملی طور پر دکھایا جائے تاکہ

اوقات اس کے ضمن نشین ہو سکیں اس لئے آپ ﷺ نے اسے نماز کا اول و آخر دونوں وقت بتانے کے لئے پہلے دن تو نمازیں اول وقت پڑھیں اور دوسرے دن آخر وقت میں پڑھیں۔

حدیث میں پہلے ظہر کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ ﷺ نے بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے اذان دی پھر آپ ﷺ نے اقامت کا حکم دیا تو انہوں نے اقامت کہی۔ اس کے بعد عصر کا ذکر کیا گیا ہے لیکن نہ تو عصر کی نماز کا وقت ذکر کیا گیا ہے اور نہ عصر ہی اور نہ اس کے بعد کی اذانوں کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معروف ہے۔

دوسرے دن آپ ﷺ نے ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا یعنی پہلے روز کے مقابلے میں دوسرے دن ظہر کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھی کہ گری کی شدت اور تپش کی سختی جاتی رہی تھی۔

عصر کی نماز آپ ﷺ نے پہلے روز کی تاخیر کے مقابلہ میں زیادہ تاخیر سے یعنی دو ٹکلیں کے بعد پڑھی لیکن پہلے روز کی تاخیر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عصر کی نماز میں پہلے روز تاخیر کی گئی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز ظہر سے تاخیر کی گئی تھی۔

دوسرے روز آپ ﷺ نے تمام نمازوں کو تاخیر سے یعنی ان کے آخری اوقات میں ادا کیا جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا۔ مگر آپ ﷺ نے عشاء کو آخر وقت تک مؤخر نہ کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر آپ ﷺ عشاء کو اس کے آخر وقت مختار یعنی آدھی رات تک مؤخر کرتے تو اس سے لوگوں کو دیر تک جاگنے کی وجہ سے تکلیف اور پریشانی ہوتی اور اگر آپ ﷺ عشاء سے پہلے سو رہتے تو مناسب نہ ہوتا کیونکہ عشاء کی نماز سے پہلے سونا مکروہ ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ان دونوں میں ہمارے ساتھ نماز پڑھ کر یہ دیکھ لیا ہے کہ نمازوں کا اول وقت کیا ہے اور آخری وقت کیا ہے لہذا شروع سے لے کر آخر تک اول وقت بھی ہے اور اوسط بھی اور آخر وقت بھی ہے لہذا اس کے درمیان تم جب چاہو نماز پڑھ سکتے ہو۔ آخر وقت سے مراد وقت مختار ہے نہ کہ وقت جواز۔ اس لئے کہ نمازوں کے جو آخری وقت آپ ﷺ نے بیان فرمائے ہیں ان کے بعد بھی نماز کا وقت باقی رہتا ہے تاہم وہ وقت جواز ہوتا ہے وقت مختار نہیں ہوتا۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

(۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْبَحُ جَبْرِئِيلُ عِنْدَ النَّبِيِّ مَرَّتَيْنِ فَصَلَّى بِي الظُّهْرَ حِينَ زَالَتْ الشَّمْسُ وَكَانَتْ قَدْرَ الشُّرَاكِ وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ وَصَلَّى بِي الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرُ الصَّائِمَ وَصَلَّى بِي الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلَّى بِي الْفَجْرَ حِينَ حَزَمَ الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ عَلَى الصَّائِمِ فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلَّيْتُ بِي الظُّهْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ وَصَلَّى بِي الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرُ الصَّائِمَ وَصَلَّى بِي الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَصَلَّى بِي الْفَجْرَ فَاسْتَفَرْتُ ثُمَّ انْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ هَذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ وَالْوَقْتُ مَتَابَعِينَ هَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرماتے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے (نماز کی کیفیت اور اوقات بتانے کے لئے) امام بن کر خانہ کعبہ کے نزدیک مجھے دو مرتبہ (دو روز) نماز پڑھائی ہے چنانچہ (پہلے روز جس وقت سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمہ کی مانند تھا تو مجھے ظہر کی نماز پڑھائی اور جس وقت ہر چیز کا سایہ (علاوہ سایہ اہل کے) اس کے برابر ہو گیا تو مجھے عصر کی نماز پڑھائی اور جس وقت روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے (یعنی سورج چھپنے کے بعد) تو مجھے مغرب کی نماز پڑھائی اور شفق غائب ہونے کے وقت مجھے عشاء کی نماز پڑھائی اور جس وقت روزہ دار کے لئے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے (یعنی صبح صادق کے بعد) تو مجھے فجر کی نماز پڑھائی۔ اور جب انگار روز ہوا تو انہوں نے مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ سایہ ایک مثل (کے قریب) ہو گیا اور مجھے عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ روزہ دار افطار کرتا ہے اور مجھے

نہیں ہے بلکہ اس کی صداقت کا میں یقینی علم رکھتا ہوں کیونکہ یہ وہ روایت ہے جس کو میں نے بشر سے سنا ہے اور انہوں نے ایک طویل القدر صحابی حضرت ابو مسعودؓ سے سنا اور انہوں نے خود آنحضرت ﷺ کی لسان مقدس سے سنا ہے۔

اس حدیث میں راوی نے نماز کے اوقات تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مخاطب کو چونکہ اوقات کی پوری تفصیل معلوم تھی اس لئے یہاں تو صرف صورت واقعہ بیان کی گئی ہے ہاں دوسری روایات میں اوقات کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔

(۵) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى عُمَائِهِ أَنْ أَهَمُّ أُمُورِكُمْ عِنْدِي الصَّلَاةُ مِنْ حِفْظِهَا وَخَافَظَ عَلَيْهَا حِفْظَ دِينَةٍ وَمَنْ ضَيَعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ ثُمَّ كَتَبَ أَنْ صَلُّوا الظُّلُمَ إِذَا كَانَ الْفَيْئُ ذِرَاعًا إِلَى أَنْ يَكُونَ ظِلُّ أَحَدِكُمْ مِثْلَهُ وَالْعَصْرُ وَالشَّمْسُ مَرْتَفَعَةً نَيْصَاءَ نَهْيَةٍ قَدْ زَهَا يَسِيرُ الزَّكَاكِبُ فَرَسَخَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً قَبْلَ مَغِيبِ الشَّمْسِ وَالْمَغْرِبُ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءُ إِذَا غَابَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ فَمَنْ نَامَ قَبْلَ تَامَتِ عَيْتُهُ وَالصُّبْحُ وَالنَّجْوُ بِأَدْنَى مُشْتَبِكَةٍ (رواہ مالک)

”اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے عاملوں (یعنی اسلامی سلطنت کے حکام) کے پاس یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ تمہارے سب کاموں میں ہمہم یا شان کام میرے نزدیک نماز کا پڑھنا ہے لہذا جس نے اس کی محافظت کی (یعنی ارکان و شرائط کے ساتھ نماز پڑھی) اور اس پر نگہبانی رکھی (یعنی اسے بیدار کرنا اور ریاہ و نمائش کے سبب اسے باطل نہ کیا) تو گویا اس نے اپنے دین (کے) بقیہ امور کی نگہبانی و محافظت کی اور جس نے اسے ضائع کر دیا تو وہ اس چیز کو جو نماز کے علاوہ ہے بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔ پھر یہ لکھا کہ ظہر کی نماز ایک گز سایہ نکال ہونے سے لے کر ایک مثل سایہ تک (علاوہ سایہ اصلی کے) پڑھا کرو اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھا کرو کہ سورج اونچا اور سفید رہے اور سورج ڈوبنے میں (اتفاق رہے کہ کوئی سورج ڈوبنے سے پہلے دو تین میل طے کر سکے اور مغرب کی نماز سورج ڈوبنے کے بعد پڑھا کرو اور عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے وقت سے تہائی رات تک پڑھا کرو اور جو شخص (عشاء سے پہلے) سو جائے (تو خدا کرے) ان کی آنکھوں کو سونا نصیب نہ ہو (تین مرتبہ یہ دعا کی اور لکھا ہے کہ) صبح کی نماز ایسے وقت پڑھو جب کہ ستارے گنجان چکے ہوتے ہوں (یعنی تاریکی میں پڑھو)۔“ (مالک)

تشریح: چونکہ نماز دین کا ستون اور بنیاد ہے نیز یہی وہ عبادت ہے جو برائیوں سے روکتی اور بھلائی و سعادت کے راستہ پر لگاتی ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس نے نماز کی محافظت کی گویا اس نے دین کے تمام امور کی محافظت کی۔ اسی طرح فرمایا کہ جس نے نماز کو ضائع کیا یعنی نماز یا تو بالکل پڑھی ہی نہیں اور اگر پڑھی تو شرائط و واجبات کا قطعاً لحاظ نہ کیا تو وہ نماز کے علاوہ دیگر واجبات و مستحبات اور دینی امور کو بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہے کیونکہ نماز ہی عبادات کی اصل ہے جب اس نے اسی کا خیال نہ رکھا تو اس سے دوسرے امور دین کے خیال رکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔

حضرت عمرؓ کا یہ حکم کہ ظہر کی نماز ایک گز سایہ زوال ہونے کے وقت یعنی اس کے فوراً بعد کہ وہ ظہر کا اول وقت ہوگا، پڑھو۔ ان مقامات کے لئے ہے جہاں سایہ اصلی اسی قدر ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سایہ اصلی مقامات اور وقت کے اعتبار سے ہوتا ہے کہ کہیں تو زیادہ ہوتا ہے اور کہیں کم ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے عشاء سے پہلے سونے والے کے بارے میں تین مرتبہ بدعتا کید و تہدید کے لئے فرمائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عشاء سے پہلے نماز پڑھے بغیر جو شخص سو جائے خدا اس کی آنکھوں کو سونا نصیب نہ کرے وہ بے آرائی و بے قراری میں مبتلا رہے۔

چنانچہ حضرت ابن حجر شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز سے پہلے سونا حرام ہے مگر خفیہ کے نزدیک یہ حکم تفصیل پر محمول ہے یعنی اگر کوئی نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد نماز پڑھنے سے پہلے سونے اور اسے اس بات کا گمان بھی ہو کہ میں نماز کے آخر وقت تک سوتا ہی رہوں گا تو اس کے لئے یہ سونا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر اسے اپنے اوپر کامل اعتماد ہو کہ میں بغیر چمکائے ایسے وقت

اٹھ جاؤں گا کہ وقت کے اندر اندر پوری نماز پڑھ لوں گا تو اس کے لئے سونا جائز ہوگا۔

مذکورہ بالا حکم وقت شروع ہو جانے کے بعد سونے کے سلسلہ میں ہے لیکن وقت شروع ہونے سے پہلے سونے کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے، چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس بارے میں بھی وہی پہلی تفصیل کی جائے گی۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ وقت شروع ہونے سے پہلے سو جانا مطلق حرام نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی شخص وقت شروع ہونے سے پہلے نماز کے لئے مکلف نہیں ہوتا۔

⑥ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ قَدْ رُضِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرُ فِي الضَّيْفِ ثَلَاثَةَ أَقْدَامٍ إِلَى خُمْسَةِ أَقْدَامٍ وَفِي الشَّيْءِ خُمْسَةُ أَقْدَامٍ إِلَى سَبْعَةِ أَقْدَامٍ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی نماز ظہر کا اندازہ گریوں میں تین قدم سے پانچ قدم تک اور جاڑوں میں پانچ قدم سے سات قدم تک تھا۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: دونوں موسم میں اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ سردی کے موسم میں سایہ اصلی زیادہ ہوتا ہے اور گرمی کے موسم میں سایہ اصلی کم ہوتا ہے خصوصاً حرمین میں ورنہ یہ دونوں وقت برابر ہیں۔

یہ حدیث بہر صورت زوال کے بعد ظہر کی نماز کو تاخیر کرنے پر دلالت کرتی ہے قدم سے مراد ہر شخص کے قدم کا ساتواں حصہ ہے چنانچہ اس اعتبار سے کہ ہر شخص کے قدم کا طول اس کے سات قدم (یعنی سات پاؤں) کے برابر ہوتا ہے ہر چیز کا طول سات قدم مقرر ہے۔

بَابُ تَعْجِيلِ الصَّلَاةِ

جلدی نماز پڑھنے کا بیان

ارشاد ربانی ہے:

فَاسْتَبِقُوا الْفَيْضَاتِ۔ — ”یعنی بھلائیوں میں جلدی کرو۔“

آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کے بارے میں اصل یہی ہے کہ اسے جلدی یعنی اول وقت ادا کر لیا جائے لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ آیت کا مفہوم تو یہی ہے کہ بھلائی کے تمام کاموں کو جن میں نماز بھی شامل ہے جلدی کر ڈالنا بہتر اور مناسب ہے مگر جن مواقع کے لئے شارع علیہ السلام نے تاخیر کا حکم فرمایا ہے وہاں تاخیر کرنا ہی اولیٰ و افضل ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تمام نمازوں کو ان کے اول وقت میں اداء کرنا مطلقاً مستحب ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے یہاں کچھ تفصیل ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ سردی کے موسم میں تو ظہر کی نماز اول وقت پڑھ لی جانی چاہئے مگر گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا چاہئے۔ اسی طرح فجر کی نماز ہر موسم میں اجالے میں پڑھنی چاہئے اور عشاء کی نماز تاخیر کے ساتھ پڑھنی چاہئے نیز عصر کی نماز بھی تاخیر کر کے پڑھنی چاہئے مگر اس میں اتنی تاخیر نہ ہو کہ آفتاب متغیر ہو جائے نمازوں کو جلدی پڑھنے کی حد یہ ہے کہ ان کے اول وقت کے پہلے نصف حصہ میں ادا کی جائیں۔

الفصل الأول

① عَنْ سَيِّدِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَابْنُ عَلِيٍّ ابْنَ بَرَزَةَ الْأَسْلَمِيُّ فَقَالَ لَهُ أَبِي كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

لہ اس حدیث کی تشریح کے بعد مصنفؒ نے ایک جدول نقل کی ہے جس کو بوجہ طوالت نقل نہیں کیا جاسکا آج کل اس سے استفادہ ممکن بھی نہیں ۱۲۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَلْخُضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدَنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُوَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْعُتْمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثُ بَعْدَهَا وَكَانَ يَفْقِلُ مِنْ صَلَاةِ الْعِدَّةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَةً يَفْرَغُ بِالسَّيِّئِينَ إِلَى الْمَيَّاتَةِ وَفِي رَوَايَةٍ وَلَا يَتَأَلَّى بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثُ بَعْدَهَا۔ (متفق علیہ)

”حضرت سیار“ ابن سلام فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد (ہم دونوں) حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میرے والد نے ان سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ فرض نمازیں کس طرح (یعنی کس کس وقت) پڑھتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز جیسے پہلی نماز کہا جاتا ہے سورج ڈھلنے کے وقت پڑھتے تھے اور عصر کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی نماز پڑھ کر مدینہ کے کنارے اپنے مکان پر جا کر سورج روشن ہوتے ہوئے (یعنی اس کے مغیر ہونے سے پہلے) واپس آجاتا تھا۔ سیار کہتے ہیں کہ مغرب کے بارے میں ابوہریرہؓ نے جو کچھ بتایا تھا وہ میں بھول گیا اور (ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ عشاء کی نماز جیسے تم عتمہ کہتے ہو آنحضرت ﷺ تاخیر سے پڑھنے کو بہتر سمجھتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد (دنیاوی) باتیں کرنے کو آپ ﷺ مکروہ سمجھتے تھے اور صبح کو نماز ایسے وقت پڑھ (کر فارغ ہو) لیتے تھے کہ ہر شخص اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان لیتا تھا اور (نماز میں) ساتھ آیتوں سے لے کر سو آیتوں تک پڑھ لیا کرتے تھے، ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ تہائی رات تک عشاء میں دیر کرنے میں تامل نہ فرماتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ”(بخاری و مسلم)

تشریح: یہاں ظہر کے بارے میں جو وقت ذکر کیا ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سردی کے موسم میں ظہر کی نماز اقل وقت پڑھتے ہوں گے کیونکہ یہ قولاً اور فعلاً ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے۔ عتمہ اس تاریکی کو کہتے ہیں جو شفق غائب ہونے کے بعد ہوتی ہے چنانچہ پہلے عرب میں عتمہ عشاء کو کہتے تھے مگر بعد میں آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو منع کر دیا کہ عشاء کو عتمہ نہ کہا جائے۔ یہاں تاخیر سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ عشاء کی نماز تہائی رات تک تاخیر کر کے پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ عشاء کی نماز کے بعد دنیاوی باتیں کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اس سے مقصد یہ تھا کہ اعمال کا خاتمہ عبادت اور ذکر اللہ پر ہونا چاہیے کیونکہ نیند بمنزلہ موت ہے۔

شرح السنۃ میں منقول ہے کہ عشاء سے پہلے سونے کو اکثر علماء نے مکروہ کہا ہے اور بعض حضرات نے سونے کی اجازت دی ہے چنانچہ حضرت عمرؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عشاء سے پہلے سوتے اور بعض علماء کے نزدیک صرف رمضان میں عشاء سے پہلے سونا جائز ہے۔ حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر نیند کا غلبہ ہو اور یہ خوف نہ ہو کہ عشاء کی نماز کا وقت سونے کی نذر ہو جائے گا تو سونا مکروہ نہیں ہے۔

عشاء کے بعد باتوں میں مشغول ہونے کو علماء کی ایک جماعت نے مکروہ کہا ہے چنانچہ حضرت سعید ابن مسیبؓ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میرے نزدیک بغیر عشاء کی نماز پڑھے سورہنا اس سے بہتر ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد کوئی شخص لفظ کلام اور دنیاوی باتوں میں مشغول ہو۔

بعض علماء نے عشاء کے بعد علم کی باتیں کرنے کی اجازت دی ہے اسی طرح ضرورت اور حاجت کے سلسلہ میں یا گھر والوں اور مہمان کے ساتھ باتیں کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔ (املا علی قاری)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں جائز ہیں، یعنی اگر کوئی شخص عشاء کی نماز سے پہلے سستی اور کابلی کو دور کرنے اور نشاط و تازگی حاصل کرنے کے لئے سونا چاہے تو اس کے لئے سونا جائز ہے، اسی طرح عشاء کی نماز کے بعد ایسی باتیں کرنا جو

ضروری ہوں اور بے معنی نہ ہوں جائز ہے۔

② وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِهَا جَزَاءً وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجِبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا أَكْثَرَ النَّاسُ عَجَلَ وَإِذَا قَلُّوا أَخَوُ الصُّبْحِ بِغُلَسٍ - (متفق علیہ)

”اور حضرت محمد بن عمرو بن الحسن بن علیؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت جابر ابن عبد اللہ سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی نماز دو پہر ڈھلے پڑھتے تھے اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ سورج زار (یعنی روشن) ہوتا تھا اور مغرب کی نماز آفتاب غروب ہونے کے بعد پڑھتے تھے اور عشاء کی نماز میں جب لوگ زیادہ آجاتے تو جلدی ہی پڑھ لیتے تھے اور جب لوگ کم ہوتے تو تاخیر کر کے پڑھتے تھے اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ لیتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: عشاء کی نماز کے بارے میں یہاں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر لوگ زیادہ آجاتے تو آپ ﷺ نماز جلدی پڑھ لیتے اور اگر کم آتے تو تاخیر کر کے پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جماعت کی کثرت کے پیش نظر نماز کو اول وقت سے تاخیر کر کے پڑھنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے تبعین نے اول وقت نماز پڑھنے کا التزام ای لے نہیں کیا ہے کہ تاخیر سے نماز پڑھنے میں جماعت میں کثرت ہو جاتی ہے نہ یہ کہ ان حضرات کے نزدیک اول وقت افضل نہیں ہے۔ اول وقت تو بہر صورت افضل ہے لیکن بعض خارجی عوارض جیسے جماعت کی کثرت وغیرہ کی بناء پر تاخیر ہی اولیٰ ہوتی ہے۔

صبح کی نماز تاریکی میں پڑھنے کا سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ صحابہؓ رات بھر سونے کے بجائے ذکر و عبادت میں مشغول رہنے کی وجہ سے صبح سویرے ہی مسجد میں موجود رہتے تھے اس لیے آپ ﷺ جماعت کی کثرت کے پیش نظر جلدی پڑھ لیتے تھے۔ آخر میں اتنی بات سمجھ لیجئے کہ اس حدیث سے یہ بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ مستقل تاریکی ہی میں فجر کی نماز پڑھتے تھے اور اگر بفرض محال اسے مان بھی لیا جائے تو یہ ثابت ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز روشنی میں پڑھنے کا حکم دیا ہے اور حنفیہ کے نزدیک فعل کے مقابلہ میں امر (یعنی حکم) کو ترجیح دی جاتی ہے۔

③ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا عَظَمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظُّهْرِ مَجْلِدًا عَلَى يَدَيْنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ - (متفق علیہ ولفظ البخاری)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کر لیا کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حنفیہ کے نزدیک چونکہ نمازی اپنے اپنے کپڑے پر سجدہ کر سکتا ہے اس لئے یہ حضرات اس حدیث کو اپنے مسلک کی دلیل میں پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ نمازی کو اپنے کپڑے پر سجدہ کرنا درست ہے۔ حضرات شوافع کے نزدیک چونکہ ایسے کپڑے پر جو نمازی کے ہٹنے سے حرکت کرنا ہو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے وہ حضرات اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ صحابہؓ جن کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے وہ ان کے بدن پر نہیں ہوتے تھے بلکہ گرمی سے بچاؤ کی خاطر انہیں علیحدہ فرش پر بچھانے رکھتے تھے۔

اس حدیث کو مصنف مشکوٰۃ نے باب تقبیل الصلوٰۃ میں نقل کیا ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ زمین پر گرمی کی بیش اول وقت ہی رہتی ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ گرمی کے موسم میں بھی ظہر کی نماز اول وقت ہی میں پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ بات اس حدیث سے معلوم نہیں ہوتی کیونکہ بسا اوقات بلکہ زیادہ گرمی کے موسم میں اول وقت کی بہ نسبت بعد میں زیادہ گرمی ہو جاتی ہے۔

(۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ بِالظَّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ وَاشْتَدَّتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ أَكُلْ بَعْضُنِي بَعْضًا فَإِنَّ لَهَا بِنَفْسَيْنِ نَفْسٌ فِي الشِّتَاءِ وَنَفْسٌ فِي الصَّيْفِ أَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهِرِيِّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ فَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ فَمِنْ سُمْومِهَا وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الْبَرْدِ فَمِنْ زَمْهِرِيَّهَا۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب گرمی کی شدت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ابو سعیدؓ سے منقول ہے کہ ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو (یعنی ابو ہریرہؓ کی روایت میں تو بالصلوۃ کا لفظ آیا ہے اور ابو سعیدؓ کی روایت میں بالظہر کا لفظ آیا ہے نیز اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ) کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے اور (دوزخ کی) آگ نے اپنے رب سے شکایہ عرض کیا کہ میرے پروردگار! میرے بعض (شعلے) بعض کو کھائے لیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے دوسانس لینے کی اجازت دے دی ہے اب وہ ایک سانس جاڑے میں لیتی ہے اور ایک سانس گرمی میں۔ گرمی میں جس وقت ہمیں زیادہ گرمی معلوم ہوتی ہے اور جاڑے میں جس وقت ہمیں زیادہ سردی معلوم ہوتی ہے (تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ وہ ایک سانس گرمی میں اور ایک سانس سردی میں لیتی ہے)۔ ”بخاری و مسلم“ اور بخاری کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جس وقت تم گرمی کی شدت محسوس کرتے ہو تو اس کا سبب دوزخ کا گرم سانس ہوتا ہے اور جس وقت تم سردی کی شدت محسوس کرتے ہو تو اس کا سبب دوزخ کا ٹھنڈا سانس ہوتا ہے۔“

تشریح: پروردگار سے دوزخ کی آگ کی یہ شکایت کی کہ، میرے بعض (شعلے) بعض کو کھائے لیتے ہیں۔ کنا یہ ہے اجزاء آگ کی کثرت سے اور آپس کے اختلاط سے یعنی آگ کے شعلے اتنے زیادہ ہوتے ہیں اور اس شدت سے بھڑکتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ دوسرے شعلے کو فنا کے گھاٹ اتار کر اس کی جگہ بھی خود لے لے۔ چنانچہ پروردگار نے اسے سانس لینے کی اجازت دے دی۔ یعنی سانس سے مراد شعلہ کو دباننا اور اس کا دوزخ سے باہر نکلنا ہے۔ جس طرح کہ جاندار سانس لیتا ہے تو ہوا باہر نکلتی ہے۔ بہر حال ایسے وقت باوجودیکہ مشقت بہت ہوتی ہے نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ایسے سخت وقت میں جب کہ گرمی اپنی شدت پر ہوتی ہے، دل و دماغ پیش کی وجہ سے بے چین ہوتے ہیں نیز خشوع اور سکون و اطمینان حاصل نہیں ہوتا جو نماز کی روح ہیں۔ اس موقع پر عقلی طور پر چند اشکال پیدا ہوتے ہیں ان کی وضاحت کر دینی ضروری ہے۔

پہلا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ گرمی اور سردی کی شدت زمین کی حرکت، عرض البلد اور آفتاب کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے یہاں یہ کیسے کہا گیا کہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے؟ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہاں دوزخ کی بھاپ کو گرمی کی شدت کا سبب بتایا گیا ہے نہ کہ اصل گرمی کا۔ اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ گرمی اور سردی کی شدت بھی آفتاب کے قرب و بعد کی بناء پر ہوتی ہے کیونکہ اس کے باوجود ہو سکتا ہے کہ دوزخ کا سانس اس میں مزید شدت پیدا کرتا ہو لہذا اس کا انکار تجرصادق کی خبر کے ہوتے ہوئے طریقہ اسلام کے منافی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اتنی بات تو طے ہے کہ زمین میں حرارت کی علت سورج کا مقابلہ اور اس کی شعاعیں پڑنا ہے اور یہ کہیں ثابت نہیں ہوا ہے کہ سورج دوزخ نہیں ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ ہمارے نظام کی دوزخ یہی ہو جسے ہم سورج کہتے ہیں کیونکہ سورج میں ناریت کا تموج اور اشتعال اس قدر ہے کہ دوزخ کی تمام صفات اس پر منطبق ہوتی ہیں اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ سورج دوزخ نہیں ہے تو یہ بھی بالکل بعید اور ناممکن نہیں ہے کہ دوزخ علیحدہ ہو اور اس کی گرمی کا اثر زمین پر پڑتا ہو۔

دوسرا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوزخ نے شکایت کیسے کی کیونکہ دوزخ بے زبان ہے اور بے زبان اظہار مدعا کیسے کر سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح زبان کے لئے تلفظ ضروری نہیں ہے اسی طرح تلفظ کے لئے زبان بھی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اکثر

جانوروں کے زبان ہوتی ہے مگر وہ تلفظ نہیں کرتے ایسے ہی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے زبان نہیں ہوتی مگر وہ بات کرتی ہیں۔ لہذا یہ اشکال پیدا کرنا کہ بغیر زبان کے بات کرنا ناممکن ہے کم فہمی کی بات ہے۔ کیونکہ اگر کوئی یہ پوچھنے بیٹھ جائے کہ زبان سے بات کیوں کی جاتی ہے اس سنے کا کام کیوں نہیں لیا جاتا؟ آگھ سے دیکھتے اور کان سے سنتے کیوں ہوا ان سے بات کیوں نہیں کرتے جب کہ یہ سب اعضاء بظاہر ایک ہی مادہ سے بنتے ہیں جو نطفہ ہے تو ہر ایک قوت کی تخصیص کی وجہ ایک خاص چیز سے کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ یہ صانع مطلق کی قدرت ہے کہ بولنا زبان سے محض کیا، دیکھنا آگھ سے اور سنا کان سے ورنہ یہ سب اعضاء گوشت کا ایک حصہ ہونے میں برابر ہیں۔ ٹھیک اسی طرح۔ یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ کیا صانع مطلق کی یہ قدرت نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی ایک مخلوق کو گویائی کی قوت دے دے؟ اور جب کہ علماء کی ایک جماعت تو یہ بھی کہتی ہے کہ اجرام فلکیہ میں نفوس ہیں اور ان میں احساس و ادراک کی قوت ہے تو اس صورت میں بولنا بعید ہے؟

تیسرا اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوزخ جاندار نہیں ہے وہ سانس کیسے لیتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دوزخ میں نفس ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور جب مذکورہ بالا بحث کی رو سے اس سے تکلم ثابت ہو سکتا ہے تو سانس لینے میں کیا اشکال باقی رہ جائے گا۔

چوتھا اشکال یہ ہے کہ آگ کے ٹھنڈا سانس لینے کے کیا معنی؟

اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ آگ سے مراد اس کی جگہ یعنی دوزخ ہے اور اس میں ایک طبقہ زمہر بھی ہے۔

پانچواں اشکال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کے مفہوم کے مطابق تو یہ چاہئے تھا کہ سخت سردی کے موسم میں فجر کو بھی تاخیر سے پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سردی صبح کو سورج نکلنے تک اسی شدت کے ساتھ رہتی ہے اگر طلوع آفتاب تک نماز میں تاخیر کی جاتی ہے تو وہاں سرے سے وقت ہی جاتا رہتا۔

بہر حال۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود صحابہ بھی گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے۔ چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں منقول ہے کہ صحابہ ظہر کی نماز (تاخیر سے) ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے یہاں تک کہ ٹیلوں کے سامنے زمین پر پڑنے لگتے تھے۔ اور یہ سب ہی جانتے ہیں کہ ٹیلے چونکہ پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ان کے سامنے زمین پر بہت دیر کے بعد پڑتے ہیں بخلاف دراز چیزوں مثلاً میاں روغیرہ کے ان کے سامنے جلدی ہی پڑنے لگتے ہیں۔

بعض روایتوں میں منقول ہے کہ صحابہ ظہر کی نماز کے لئے دیواروں کے سایہ میں ہو کر جاتے تھے اور دیواروں کے بارے میں تحقیق ہو چکی ہے کہ اس وقت دیواریں عام طور پر سات سات گز کی ہوتی تھیں۔ لہذا ان کے سایہ میں چلنا اس وقت کار آمد ہوتا ہوگا جب کہ سورج کافی نیچے ہوتا ہو۔ بعض حضرات نے تاخیر کی حد آدھا وقت مقرر کی ہے یعنی کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز آدھے وقت تک تاخیر کر کے پڑھنی چاہئے۔ بعض شوافع حضرات حدیث سے ثابت شدہ ابراد (یعنی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا) کا محمل وقت زوال کو بتاتے ہیں یعنی ان کا کہنا یہ ہے کہ اس ابراد کا مقصد نماز ظہر میں اتنی تاخیر نہیں ہے جو خفیہ بتاتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت استواء کی شدت گرمی سے بچنے کے لئے زوال کے وقت ظہر کی نماز پڑھنی چاہئے۔

ان حضرات کی یہ تاویل نہ صرف یہ کہ بعید از مفہوم ہے بلکہ خلاف مشاہدہ بھی ہے کیونکہ وقت استواء کے مقابلہ میں زوال کے وقت گرمی کی شدت میں کمی آجانے کا خیال تجربہ و مشاہدہ ہے۔

ہدایہ میں مذکور ہے کہ جن شہروں میں گرمی کی شدت آفتاب کے ایک مثل سایہ پہنچنے کے وقت ہوتی ہے وہاں تو ابراد کا مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ نماز ایک مثل سایہ کے بعد پڑھی جائے۔

الحاصل۔ ظہر کی نماز کو ابراد میں یعنی ٹھنڈا کر کے پڑھنے کے بارے میں بہت زیادہ حدیثیں وارد ہیں جن سے متفقہ طور پر یہ ثابت ہوتا

ہے کہ گرمی میں ظہر کی نماز ٹھنڈا کر کے پڑھنا ہی افضل و اولیٰ ہے۔ جہاں تک حدیث حبابؓ کا تعلق ہے جس میں مروی ہے کہ ہم نے آنحضرت ﷺ سے گرمی کے موسم میں دوپہر کی شدت کے بارے میں شکایت کی تو آپ ﷺ نے ہماری درخواست قبول نہیں کی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز کو پورے وقت تک مؤخر کرنے کی درخواست کی تھی اس لئے آپ ﷺ نے اسے قبول نہیں فرمایا کہ اگر اتنی تاخیر کی جائے گی تو نماز کا وقت بھی نکل جائے گا۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ابراہم رخصت ہے اور وہ بھی سب کے لئے نہیں بلکہ ان لوگوں کے لئے ہے جو جماعت کے لئے مسجدوں میں جانے کے لئے مشقت و محنت کا سامنا کرتے ہیں۔ جو لوگ تنہا نماز پڑھتے ہوں یا اپنے پڑوس و محلہ کی مسجد میں نماز کے لئے آتے ہوں ان کے لئے میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہے کہ وہ ازل وقت سے تاخیر نہ کریں، یہ قول ظاہر حدیث کے خلاف ہے اس لئے اس کا اتباع نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت امام ترمذیؒ نے ایک حدیث نقل کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر میں بھی باوجودیکہ سب یکجا رہتے تھے ابراہم کا حکم فرمایا کرتے تھے، نیز امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے ظہر کی نماز کو تاخیر سے پڑھنے کے لئے کہتا ہے اس مسلک اتباع سنت کی وجہ سے اولیٰ و افضل ہے۔

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيُ الْغَضْرُ وَالشَّمْسُ مُزْتَفِعَةٌ حَتَّىٰ يَذْهَبَ الدَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُزْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِي مِنَ الْمَدِينَةِ عَلَىٰ أَرْبَعَةِ أَمْيَالٍ أَوْ خَوْفَ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ سورج اونچا اور زندہ (یعنی روشن) ہوتا تھا اور کوئی نے والا عوالی جا کر واپس آجایا کرتا تھا اور سورج اونچا ہی رہتا تھا اور بعض عوالی مدینہ سے چار میل یا تقریباً چار میل کے فاصلہ پر ہیں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: عوالی عالیہ کی جمع ہے، مدینہ شہر کے باہر بلندی میں جو بستیاں ہیں انہیں عوالی کہا جاتا ہے۔ مسجد بنی قریظہ بھی اسی طرف ہے۔ ⑥ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلَاةُ الْمَنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتَّىٰ إِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ الشَّيْطَانُ قَامَ فَتَفَرَّزَتْ بَعَالًا يَذْكُرُ اللَّهُ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ (عصر کی نماز جو آخر وقت میں پڑھی جاتی ہے) منافق کی نماز ہے وہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے جب سورج زرد ہو کر شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان (چھپنے کے قریب) ہو جاتا ہے تو جلدی سے اٹھ کر چار ٹھوگیں مار لیتا ہے اور اللہ کا ذکر بھی اس نماز میں قدرے قلیل ہی کرتا ہے۔" (مسلم)

تشریح: "ٹھوگیں مارنے" کا مطلب یہ ہے وہ بغیر طمانیت و سکون کے اس طرح جلدی جلدی سجدے کرتا ہے جیسے جانور دانہ چگتا ہے عصر کی نماز میں سجدے اٹھ ہوتے ہیں مگر یہاں چار اس لئے فرمائے گئے کہ جب اس نے پہلا سجدہ کر کے اچھی طرح سر نہیں اٹھلایا تو گویا دونوں سجدے ایک سجدہ کے حکم میں آگئے یا دونوں سجدوں کو ایک ہی رکن اعتبار کرتے ہوئے بجائے اٹھ کے چار کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہاں صرف عصر کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے دوسری نمازوں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز وسطیٰ ہے اور یوں تو سب ہی نمازوں میں ارکان و آداب کا لحاظ نہ کرنا بری بات ہے مگر دوسری نمازوں کی بہ نسبت اس نماز کو اولیٰ جمعی اور سکون خاطر کے ساتھ نہ پڑھنا اور اس کے ارکان و آداب کا لحاظ نہ کرنا بہت ہی بری بات ہے۔

مولانا مظہرؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے عصر کی نماز کو سورج کے زرد ہونے تک مؤخر کیا تو اس نے اپنے آپ کو منافقین کے مشابہ ظاہر کیا کیونکہ منافق نماز کی صحت و تکمیل کا کوئی خیال نہیں کرتا وہ تو صرف ظاہری طور پر مسلمان بن کر تلوار سے بچنے کے لئے نماز پڑھتا ہے

اور اسے نماز میں اتنی زیادہ تاخیر کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی کیونکہ اسے اجر و ثواب کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ منافقین کی عملاً و فعلاً مخالفت کرتے ہوئے عصر کی نماز وقت مختار میں پڑھ لیا کریں۔

⑥ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي تَفَرَّغَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَانَ تَمَازُؤُ أَهْلَهُ وَمَالَهُ۔

(متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کی عصر کی نماز قضا ہوئی تو گویا اس کا مال اور اس کے اہل و عیال سب لٹ گئے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی عصر کی نماز قضا ہو جائے تو وہ ایسا ہے جیسے کہ اس کا گھریا اور مال اولاد سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں یا ان میں کمی واقع ہو جائے لہذا جس طرح کہ کوئی شخص اپنے اہل و عیال کی تباہی و بربادی اور مال و متاع کے نقصان سے ڈرتا رہتا ہے جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے یہاں بھی صرف عصر کی نماز ذکر کرنے کی وجہ سے نماز وسطیٰ ہے اس کو چھوڑ دینا دوسری نمازوں کے چھوڑنے کے مقابلہ میں زیادہ سخت گناہ ہے۔

⑦ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی (گویا) اس کے تمام نیک اعمال برباد ہو گئے۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے تمام نیک اعمال برباد ہو جائیں گے، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ تمام اعمال کے برباد ہو جانے کی بدبختی تو صرف اس شخص کے حصہ میں آتی ہے جو مرتد مرتا ہے لہذا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی تو اس نماز کی وجہ سے اسے جو اجر و ثواب ملتا اور اس کی نیکیوں میں جو زیادتی ہوتی ہے وہ اس سے محروم رہا یا یہ کہ اس دن کے اعمال میں جو کمال اسے نماز عصر کی بناء پر حاصل ہوتا وہ ضائع ہو گیا جس سے اس کے اعمال میں کمی واقع ہو گئی۔

خفیہ کے نزدیک صرف مرتد ہو جانے سے تمام اعمال باطل ہو جاتے ہیں ان کے نزدیک موت کی قید نہیں ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص پر حج واجب تھا اور وہ حج کرنے کے بعد (نحوہ باللہ) مرتد ہو گیا پھر بعد میں خدا نے اسے ہدایت بخشی اور وہ اسلام میں داخل ہو گیا تو اسے حج دوبارہ کرنا ہو گا معتزلہ کے نزدیک کبیرہ گناہوں کے صدور سے بھی اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

⑧ وَعَنْ زَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ كُنَّا نَصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيَنْبَصِرُ مَوَاقِعَ نَبِيلِهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت زافع ابن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کوئی اپنے تیر کے گرنے کی جگہ دیکھ سکتا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ مغرب کی نماز ایسے اول وقت پڑھ لیتے تھے کہ نماز پڑھ کر واپس آنے کے بعد اگر کوئی شخص تیر پھینکتا تو وہ یہ دیکھ لیتا تھا کہ وہ تیر جا کر کہاں گرا ہے۔ بہر حال۔ تمام علماء کے نزدیک بالاتفاق مغرب کی نماز اول وقت پڑھنا سب سے بہتر ہے۔

⑨ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوا يُصَلُّونَ الْعَتَمَةَ فَيَمَازِينَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عشاء کی نماز شفق کے غائب ہونے کے بعد

سے اول تہائی رات تک پڑھتے تھے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ پہلے عرب میں لوگ عشاء کو عتمہ کہتے تھے مگر آنحضور ﷺ نے جب عشاء کو عتمہ کہنے سے منع کر دیا تو یہ نام ترک کر دیا گیا، مگر یہاں حضرت عائشہؓ نے عشاء کو عتمہ ہی کہا ہے تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس وقت تک حضرت عائشہؓ کو یہ معلوم نہیں ہوا ہو گا کہ آنحضرت ﷺ نے عشاء کو عتمہ کہنے سے منع کر دیا ہے۔

عشاء کے وقت کے سلسلہ میں بھی پہلے بتایا جا چکا ہے کہ تہائی رات تک تو وقت مختار ہے اور طلوع صبح سے پہلے پہلے تک وقت جواز رہتا ہے۔

⑪ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ الصُّبْحَ فَتُخَضِّرُفُ التِّسَاءِ مُتَلَفِعَاتٍ بِخُرُوجِهِنَّ مَا يُعْرِفْنَ مِنَ الْغُلَسِ۔ (ترمذی علیہ)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ (جب) نبی کریم ﷺ صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے تھے تو (وہ) عورتیں (جو آپ کے ہمراہ نماز پڑھتی تھیں) چادروں میں لپیٹ ہوئی واپس چلی جاتی تھیں اور اندھیرے کی وجہ سے انہیں کوئی شناخت نہیں کر سکتا تھا۔" (بخاری و مسلم)

⑫ وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَيْنَبُ بْنُ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سَحُورٍ جَمَاعًا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى فَلَمَّا لَأَسَ كُنْهُمْ كَانَتْ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سَحُورٍ جَمَاعًا وَدُخُولِهِمَا فِي الصَّلَاةِ قَالَ قَدْزَ مَا يَفْرُغُ الرَّجُلُ خَمْسِينَ آيَةً۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت قتادہؓ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت زید ابن ثابتؓ نے (روزہ رکھنے کے لئے) صبحی کھائی۔ صبحی سے فراغت کے بعد نبی کریم ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھی (قتادہؓ کہتے ہیں کہ) ہم نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ ان دونوں کے صبحی سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنے وقت کا وقفہ تھا۔ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ "اسنے وقت کا وقفہ تھا کہ ایک آدمی پچاس (متوسط) آیتیں پڑھ لے۔" (بخاری)

تشریح: علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں وقت کا جو اندازہ بیان کیا گیا ہے اس پر عام مسلمانوں کو عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ عمل براہ راست بارگاہ الوہیت سے مطلع ہو جانے کے بعد تھا۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ تو دین کے معاملہ میں معصوم عن الخطا تھے کہ آپ سے کسی دینی معاملہ میں معمولی لغزش کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور ظاہر ہے کہ یہ مرتبہ ہر ایک کو کہاں نصیب۔

⑬ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَنْتَ إِذَا كُنْتَ عَلَيْكَ أَمْرًا يُعْمَلُ فِي الصَّلَاةِ أَوْ يُؤْخَرُ وَنَهَا عَنْ وَقْتِهَا قُلْتُ فَمَا تَأْخُرُ عَنْ قَالَ صَلَّيْتُ الصَّلَاةَ لَوْ فُتِحَتْ بَابُ أَذْرُ كُنْهَا مَعَهُمْ فَصَلَّيْتُ فَإِنَّهَا لَكَ نَالُهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اس وقت تم کیا کرو گے جب کہ تمہارے امراء (احکام) نماز کو وقت مختار سے ٹال کر یا وقت مختار سے تاخیر کر کے پڑھیں گے۔ میں نے عرض کیا، ایسے وقت کے لئے آپ ﷺ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اس وقت تم اپنی نماز کو وقت پڑھ لو پھر اگر ان کے ساتھ بھی نماز مل جائے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لو، یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔" (مسلم)

تشریح: حدیث کے الفاظ او کتاو ابو خرون عن وقتھا لفظ او راوی کا شک ہے یعنی حدیث کے کسی راوی کو شک ہوا ہے کہ اس سے پہلے کے راوی نے لفظ یعمینون کہا ہے یا ابو خرون۔ ویسے معنی کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت تم کیا کرو گے جب کہ تم یہ دیکھو گے کہ وہ شخص جو تمہارا حاکم و سردار ہو گا نماز میں سستی و کالی کرے گا نماز کو اس کے اول وقت

میں نہ پڑھے گا بلکہ غیر مختار تاخیر کرے گا اور چونکہ وہ تمہارا حاکم ہو گا اس لئے تم اس پر قادر نہیں ہو سکو گے کہ اس کی مخالفت کر کے اسے سیدھی راہ پر لگا دو تمہیں یہ خوف ہو گا کہ اگر نماز اس کے ہمراہ پڑھتے ہو تو اول وقت نماز پڑھنے کی فضیلت ہاتھ سے جاتی ہے اور اگر اس کی مخالفت کرتے ہو تو نہ صرف یہ کہ اس کی طرف سے تکلیف و ایذا پہنچنے کا بلکہ جماعت کی فضیلت سے محروم ہونے کا بھی خدشہ رہے گا۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ نے لگے ہاتھوں ایسے موقع کے لئے حکم بھی پوچھ لیا کہ جب ایسی صورت پیش آئے تو مجھے کیا طریقہ عمل اختیار کرنا چاہئے۔

اس پر آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ سیدھا راستہ بتا دیا کہ جب بھی ایسا موقع ہو تو کم سے کم تم اپنی نماز توجیح وقت پر ادا کر ہی لینا پھر اس کے بعد اگر تمہیں اتفاق سے ان کی نماز میں بھی شامل ہو جانے کا موقع مل جائے تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لینا تمہاری یہ نماز نفل ہو جائے گی، اس طرح تمہیں دو ہراثواب مل جائے گا۔

چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی امام نماز میں تاخیر کرے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ اول وقت اپنی نماز ادا کر لیں پھر بعد میں امام کے ساتھ بھی نماز پڑھ لیں تاکہ اس طرح وقت اور جماعت دونوں کی فضیلت پاسکیں لیکن یہ جان لینا چاہئے کہ یہ حکم صرف ظہر اور عشاء کے بارے میں ہے۔ کیونکہ فجر اور عصر میں تو فرض نماز ادا کر لینے کے بعد نفل نماز پڑھنی مکروہ ہے اور مغرب کی چونکہ تین رکعت فرض ہیں اور تین رکعت نفل مشروع نہیں ہے اس لئے مغرب میں بھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

جہاں تک حدیث کے اطلاق کا تعلق ہے اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ ضرورت کی بناء پر ہے کہ امراء و حکام کے ہمراہ چونکہ نماز نہ پڑھنے اور ان کے خلاف کرنے میں فتنہ و فساد میں مبتلا ہونے کا خدشہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے ظہر اور عشاء کی قید نہیں لگائی کہ مکروہات کا ارتکاب اس سے بہتر ہے کہ فتنہ و فساد کو جنم دیا جائے پھر یہ کہ ایسے مواقع پر مکروہات بھی مباح ہو جاتے ہیں۔ آخر میں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے جو یہ فرمایا تھا وہ محض پیش بندی کے طور پر نہیں فرمایا تھا بلکہ دراصل آپ ﷺ نے معجزہ کے طور پر آئندہ پیش آنے والے یقینی حالات کی پیش گوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ بنی امیہ کے دور میں یہ پیش گوئی پوری صداقت کے ساتھ صحیح ہوئی کہ اس زمانہ کے امراء و حکام نماز میں انتہائی سستی و کالی کرتے تھے اور نماز کو وقت مختار سے تاخیر کر کے پڑھا کرتے تھے۔

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَذْرَكَ رُكْعَةً مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَذْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ أَذْرَكَ رُكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَذْرَكَ الْعَصْرَ۔ (بخاری علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص نے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے صبح کی نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے صبح کی نماز کو پایا اور جس نے آفتاب غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کی نماز کو پایا (یعنی اس کی نماز ضائع نہیں ہوگی لہذا اسے چاہئے کہ بقیہ رکعتیں پڑھ کر نماز پوری کر لے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص عصر کی نماز بالکل آخری وقت میں پڑھنے کھڑا ہوا، ابھی اس نے ایک ہی رکعت نماز پڑھ پائی تھی۔ کہ سورج ڈوب گیا اسی طرح ایک شخص فجر کی نماز بالکل آخری وقت میں پڑھنے کھڑا ہو کہ ایک رکعت پڑھنے کے بعد سورج نکل آیا تو اس حدیث کی رو سے دونوں کی نمازیں صحیح ہو جائیں گی۔

مگر اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک اس حدیث کے مطابق آفتاب کے طلوع و غروب کی بناء پر فجر، عصر کی نماز باطل نہیں ہوتی لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز میں تو یہ شکل صحیح ہے کہ غروب آفتاب کی بناء پر عصر کی نماز باطل نہیں ہوتی لیکن فجر کے بارے میں معاملہ بالکل مختلف ہو گا بایں طور کہ طلوع آفتاب کے بعد فجر کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس طرح یہ حدیث چونکہ حضرت امام اعظمؒ کے خلاف ہوگی اس لئے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس حدیث اور ان احادیث میں

جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت نماز خواہ نفل ہوں یا فرض پڑھنا ممنوع ہے۔ تعارض واقع ہو رہا ہے اس لئے ہم نے اصول فقہ کے اس قاعدہ کے مطابق کہ جب دو آیتوں میں تعارض واقع ہو تو حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو قیاس کا سہارا لینا چاہئے، قیاس پر عمل کیا ہے چنانچہ قیاس نے اس حدیث کے حکم کو تو نماز عصر میں ترجیح دی اور احادیث نبی کو فجر کی نماز میں ترجیح دی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فجر میں طلوع آفتاب تک پورا وقت کمال ہوتا ہے۔ لہذا طلوع آفتاب سے پہلے پہلے جب نماز شروع کی جاتی ہے تو وہ اسی صفت کمال کے ساتھ واجب ہوتی ہے جس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جس طرح ابتداء صفت کمال سے ہوئی ہے اسی طرح اختتام بھی صفت کمال کے ساتھ یعنی وقت کے اندر اندر ہو۔ مگر جب ایک رکعت کے بعد آفتاب طلوع ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے نماز میں نقصان پیدا ہو گیا لہذا یہ نماز جس طرح صفت کمال کے ساتھ واجب ہوئی تھی اس طرح اداء نہیں ہوئی اور جب صفت کمال کے ساتھ ادا نہیں ہوئی تو گویا پوری نماز باطل ہو گئی۔

اس کے برعکس عصر میں دوسری شکل ہے وہ یہ کہ عصر میں غروب آفتاب تک پورا وقت کمال نہیں ہوتا یعنی جب تک کہ آفتاب زرد نہ ہو جائے اس وقت تک تو وقت مختار یا وقت کمال رہتا ہے مگر آفتاب کے زرد ہو جانے کے بعد آخر میں وقت مکروہ ہو جاتا ہے لہذا عصر کی نماز جب بالکل وقت آخر یعنی ناقص میں شروع کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس کی ابتداء چونکہ وقت ناقص میں ہوئی اس لئے اس کا وجوب بھی صفت نقصان کے ساتھ ہو لہذا اس کا اختتام جب غروب آفتاب پر ہو گا تو کہا جائے گا کہ غروب آفتاب سے نماز میں نقصان پیدا ہو جانے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔ کیونکہ جس طرح اس کی ابتداء وقت ناقص میں ہوئی تھی اسی طرح اس کی انتہاء بھی وقت ناقص میں ہوئی گویا جس صفت کے ساتھ نماز واجب ہوئی تھی اسی صفت کے ساتھ یعنی ناقص اداء ہوئی۔

جن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور نصف النہار کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے ان کے بارے میں حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق نوافل کے ساتھ ہے یعنی اگر کوئی شخص ان تینوں اوقات میں نفل نماز پڑھنا چاہے تو اس کے لئے یہ جائز نہ ہوگا البتہ فرض نماز میں ان تینوں اوقات میں بھی جائز ہوگی لیکن حدیث کے الفاظ امام شافعیؒ کے مسلک کی تائید نہیں کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں فرض و نفل کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے بلکہ عمومی طور پر تمام نمازوں کے بارے میں کہا گیا ہے۔ لہذا اگر اس بارے میں کسی نماز کی تخصیص کی جاتی ہے تو یہی کہنا پڑے گا کہ یہ حدیث کے ظاہری مفسد اور مفہوم کے سراسر خلاف ہے۔ ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے پہلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے طلوع آفتاب سے پہلے صبح کی نماز کی ایک رکعت پالی تو بے شک اس نے نماز کا وقت پایا اگرچہ وہ وقت نماز کے مناسب نہیں تھا لیکن پھر وہ وقت نماز کے مناسب اس لئے ہو گیا کہ ایک رکعت کی مقدار وقت بہر حال باقی رہا تھا لہذا وہ نماز اس شخص کے لئے لازم ہوگی۔

(۱۵) وَعَنْ قَالٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَذْرَكَ اَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيَتِمَّ صَلَاتُهُ وَاِذَا اَذْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيَتِمَّ صَلَاتُهُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اگر تم میں سے کوئی شخص آفتاب غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز کی ایک رکعت پالے تو اسے نماز پوری کر لینی چاہئے اور اگر آفتاب نکلنے سے پہلے فجر کی نماز کی ایک رکعت پالے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی نماز پوری کرے۔“ (بخاری)

تشریح: اسے چاہئے کہ وہ اپنی نماز پوری کرے۔ خفیہ تو اس جملہ کے معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی نماز کا اعادہ کھے یعنی اس کی قضاء کرے اور شوافع کے نزدیک وہی معنی ہیں جو اس سے پہلی حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں۔

(۱۶) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً اَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا وَفِي رِوَايَةٍ لَا كَفَّارَةَ لَهَا اِلَّا ذَلِكُ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جو شخص نماز پڑھنی بھول جائے یا نماز کے وقت (غافل) سو جائے (اور وہ نماز رہ جائے) تو اس کا بدل یہی ہے کہ جس وقت یاد آئے پڑھ لے، اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اس نماز کے پڑھ لینے کے سوا اس کا اور کوئی بدل نہیں ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اگر کوئی شخص نماز پڑھنی بھول جائے یا نماز کے وقت ایسا غافل سو جائے کہ نماز کا وقت نکل جائے اور نماز نہ پڑھ سکے تو اس کا کفارہ صرف یہی ہے کہ اسے جب بھی یاد آجائے یا جب بھی سو کر اٹھے نماز قضاء پڑھ لے۔ یہ نہیں کہ جس طرح بغیر عذر کے رمضان کے روزے چھوڑنے کا کفارہ صدقہ وغیرہ ہوتا ہے نماز کے ترک کرنے پر بھی کفارہ کے طور پر کئی نمازیں پڑھنی پڑیں گی یا صدقہ وغیرہ دینا ہوگا۔ ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو نماز پڑھنے سے رہ گئی ہو وہ جب بھی یاد آئے اس کے پڑھنے میں تاخیر نہ کرنی چاہئے۔

(۱۷) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَغْفِرُ نَظْرًا إِنَّمَا التَّغْفِرُ نَظْرًا فِي الْيَقَظَةِ فَإِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، سوتے میں نماز کا رہ جانا قصور میں شمار نہیں بلکہ قصور تو جاتے میں (شمار) ہوتا ہے (کہ وہ اس طرح سو یا) لہذا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے سے رہ جائے یا نماز کے وقت غافل سو جائے تو جس وقت بھی یاد آئے پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (اور مجھے یاد کرنے کے وقت نماز پڑھ لیا کرو)۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز سے پہلے غافل ہو کر سو جائے تو اس حالت میں نماز کی تاخیر کے قصور کی نسبت سونے والے کی طرف نہیں ہوتی کیونکہ وہ سونے کی حالت میں مکلف نہیں ہے بلکہ مجبور ہے البتہ اس کی طرف قصور کی نسبت جاگنے کی حالت میں ہوگی کہ اس نے ایسا طریقہ کیوں اختیار کیا جس کی وجہ سے وہ نماز پڑھے بغیر سو گیا مثلاً وقت سے پہلے سو گیا تو اس میں اس کی خطا ہے ایسے ہی اس نے ایسے کام کئے جو نیند کا سبب ہیں مثلاً لیٹ گیا یا شطرنج کے کھیل یا ایسے دوسرے کاموں میں مشغول رہا جو نسیان و بھول کا باعث ہوتے ہیں تو اس میں اس کا قصور ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ نماز کا یاد کرنا بمنزلہ خدا کے یاد کرنے کے ہے اس لئے نماز یاد کرنے کو خدا نے اپنا یاد کرنا قرار دے کر فرمایا کہ جب مجھے یاد کرو یعنی نماز جب تمہیں یاد آئے کہ وہ میرے یاد کرنے کا سبب ہے تو پڑھ لیا کرو۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ لذکری کے معنی یہ ہیں کہ میں جب تمہیں نماز یاد دلا دوں اس وقت نماز پڑھ لیا کرو تمہارا کچھ قصور نہیں۔

الفصل الثانی

(۱۸) عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرُهَا الصَّلَاةُ إِذَا أَتَيْتَ وَالْحِجَاةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْأَيْتُمُ إِذَا وَجَدَتْ لَهَا كُفُؤًا۔ (رواہ الترمذی)

”حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ راوی ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، علی! تین باتوں کے کرنے میں دیر نہ کیا کرنا۔ ایک تو نماز ادا کرنے میں جب کہ وقت ہو جائے، دوسرے جنازہ میں جب تیار ہو جائے اور تیسرے بے خاوند عورت کے نکاح میں جب کہ اس کا کفو یعنی ہم قوم مرد مل جائے۔“ (ترمذی)

تشریح: لسان نبوت سے حضرت علیؓ کو تین کاموں میں تاخیر نہ کرنے کی نصیحت فرمائی جا رہی ہے۔ پہلے تو نماز کے بارے میں فرمایا کہ جب نماز کا وقت مختار ہو جائے تو اس میں تاخیر نہ کرنا چاہئے بلکہ سب سے پہلے نماز پڑھو اس کے بعد کوئی دوسرا کام کرو۔

دوسرے نمبر پر جنازہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ جس وقت جنازہ تیار ہو جائے تو اس کی نماز اور اس تدفین میں قطعاً تاخیر نہ کرنی چاہئے۔ علامہ اشرفؒ کا قول علامہ طحطاویؒ نقل کرتے ہیں کہ، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جنازہ کی نماز اوقات مکروہہ (یعنی آفتاب نکلنے ڈوبنے کے وقت اور نصف النہار کے وقت) میں پڑھنی مکروہ نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ صورت ہو کہ جنازہ ان اوقات سے پہلے آجائے تو پھر ان اوقات میں نماز پڑھنی مکروہ ہوگی۔ یہی سجدہ تلاوت کا حکم ہے۔ بہر حال ان تینوں اوقات مکروہہ کے علاوہ تمام اوقات میں حتیٰ کہ فجر کی نماز سے پہلے و بعد میں اور عصر کی نماز کے بعد بھی یہ دونوں چیزیں یعنی نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت مطلقاً مکروہ نہیں ہیں۔

تیسری چیز آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ بے خاوند عورت کا کفو یعنی ہم قوم مرد جب بھی مل جائے اس کے نکاح میں تاخیر نہ کرنی چاہئے۔

ایم بے خاوند عورت کو کہتے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا مطلقہ بیوہ ہو مگر علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں کہ "ایم" اس کو کہتے ہیں جس کا زوج (یعنی جوڑہ) نہ ہو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور عورت خواہ شیب ہو یا اگرہ۔

"کفو" کا مطلب یہ ہے کہ مرد ان جملہ اوصاف میں عورت کے ہم پلہ و برابر ہو۔ ① نسب۔ ② اسلام۔ ③ حریت۔ ④ دیانت۔ ⑤ مال۔ ⑥ پیشہ۔

اس موقع پر حدیث کی مناسبت سے ایک تکلیف دہ صورت حال کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلا دینا ضروری ہے۔ آج کل یہ عام رواج سا ہوتا جا رہا ہے کہ لڑکیوں کی شادی میں بہت تاخیر کی جاتی ہے اکثر تاخیر تو تہذیب جدید کی اتباع اور ریم و رواج کی پابندی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہ چیز نہ صرف یہ کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے حکم و فرمان کے سراسر خلاف ہے لڑکیوں کی فطرت اور ان کے جذبات کا گلا گھونٹ کر ان پر ظلم کے مترادف بھی ہے چنانچہ اس کے نتائج آج کل جس انداز سے سامنے آرہے ہیں اسے ہر شخص جانتا ہے کہ زنا کی لعنت عام ہو گئی ہے، بے حیائی و بے غیرتی کا دور دورہ ہے اور اخلاق و کردار انتہائی پستیوں میں گرتے جا رہے ہیں۔

پھر نہ صرف یہ کہ کنواری لڑکیوں کی شادی میں تاخیر کی جاتی ہے بلکہ اگر کوئی عورت شوہر کے انتقال یا طلاق کی وجہ سے بیوہ ہو جاتی ہے تو اس کے دوبارہ نکاح کو انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے اس طرح اس بے چاری کے تمام جذبات و خواہشات کو فنا کے گھاٹ اتار کر اس کی پوری زندگی کو حرمان و یاس، رنج و الم اور حسرت و بے کفائی کی جھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔

یہ تو تقریباً سب ہی جانتے ہیں کہ تمام اہل سنت و الجماعت کا متفقہ طور پر یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص کسی معمولی سی سنت کا بھی انکار کرے یا اس کی تحقیر کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور یہ بھی لوگ جانتے ہی ہیں کہ عورت کا نکاح کرنا پیغمبر اسلام ﷺ کی وہ عظیم و مشہور سنت ہے جس کی تاکید بے شمار احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمان جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے محبت کا اقرار کرتے ہیں مگر آنحضرت ﷺ کی اس سنت پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے کا کوئی جذبہ نہیں رکھتے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ کوئی شخص تو اپنی مجبوریوں کی آڑ لے کر لڑکیوں کی شادی میں تاخیر کرتا ہے، کوئی تہذیب جدید اور فیشن کا دلدادہ ہو کر اس سعادت سے محروم رہتا ہے اور کوئی شخص طعن و تشنیع کے خوف سے بیوہ کی شادی کرنے سے معذور ہوتا ہے گویا وہ لوگوں کے طعن و تشنیع کو آنحضرت ﷺ کے حکم اور آپ ﷺ کی سنت پر ترجیح دیتا ہے حالانکہ دانش مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ لوگوں کے اس طعن و تشنیع کو اپنے لئے باعث سعادت اور قابل فخر جانے کہ انبیاء علیہم السلام اور خدا کے نیک بندوں کے اچھے کاموں پر ہمیشہ ہی لوگوں نے طعن و تشنیع کی ہے مگر ان لوگوں نے خدا کے حکم کی اطاعت و فرمانبرداری اور نیک کاموں میں کبھی کوتاہی یا قصور نہیں کیا۔

اس موقع پر ایک بزرگ کی دلچسپ حکایت سن لیجئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بزرگ نے اپنی لڑکی کا نکاح اپنے ایک مرید سے جو اس لڑکی

کے مناسب و لائق تھا کر دیا اور اس کی خبر کو کسی نہ کسی طرح اپنی بیوی سے بھی پوشیدہ رکھا۔ بعد میں جب ان کی بیوی کو یہ معلوم ہوا تو جزیر ہوئی اور ان سے کہنے لگی کہ، آپ نے اس کا بھی خیال کیا کہ آپ کے اس طرز عمل سے آپ کی ناک کٹ گئی، اور پھر جیسا کہ ان ناقص العقل والدین عورتوں کی عادت ہے ان بے چارے بزرگ کو لاکھ صلواتیں سنائیں۔ وہ بزرگ یہ سمجھ کر کہ عورتوں کے منہ لگنا خواہ مخواہ اپنی عقل خراب کرنا ہے۔ خاموش ہو گئے پھر باہر آکر انہوں نے مریدوں سے پوچھا کہ کیوں بھائیو میرے منہ پر ناک بھی ہے یا نہیں؟ انہوں نے تعجب سے کہا کہ ہاں کیوں نہیں ہے اور کہنے لگے کہ میری بیوی تو کہتی ہے کہ میری ناک کٹ گئی۔

اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ آدمی کو چاہئے کہ نیک کام کرنے میں کسی طعن و تشنیع کا خیال نہ کرے کیونکہ حقیقت میں جو بات بری نہیں ہوتی وہ کسی کے کہہ دینے سے بری نہیں ہو جاتی اور نہ اس کام کو کرنے والے کی ذات و شخصیت کو کوئی بیہ لگتا ہے۔

حضرت مولانا الشاہ عبدالقادرؒ نے آیت وانکحوا الایامی کے ضمن میں اس حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا، علی اتین کاموں میں دیر نہ کرو۔ ① فرض نماز کی اور ایامی میں جب کہ اس کا وقت ہو جائے۔ ② جنازہ میں جب کہ موجود ہو۔ ③ بیوہ عورت (کے نکاح میں) جب کہ اس کی ذات (و مرتبہ) کا مرد مل جائے۔ جو شخص (بیوہ کو) دوسرا خاوند کرنے میں عیب لگائے (تو سمجھو کہ) اس کا ایمان سلامت نہیں ہے اور جو لونڈی و غلام نیک ہوں (یعنی شادی کر دیتے کے بعد ان کے مفرد ہو جانے کا خوف نہ ہو اور تمہیں اعتماد ہو کہ یہ نیک بخت ہیں شادی کے بعد ہمارا کام نہیں چھوڑیں گے) تو ان کا بھی نکاح کر دو۔

① وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَقْتُ الْأَوَّلُ مِنَ الصَّلَاةِ رِضْوَانُ اللَّهِ وَالْوَقْتُ الْآخِرُ عَفْوُ اللَّهِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، نماز کو اول وقت ادا کرنا خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب ہے اور آخر وقت میں ادا کرنا خدا کی معافی کا سبب ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: اول وقت سے مراد اول وقت مختار ہے اور اس کی قید لگانے کی ضرورت یوں ہوئی کہ خفیہ کے نزدیک بعض نماز میں تاخیر کی جاتی ہے جیسے فجر کی نماز کو اور گرمی میں ظہر کی نماز کو تاخیر کر کے پڑھنا یہ مستحب ہے لہذا یہ نمازیں مستحب ہیں کیونکہ ان کا اول وقت مختار نہیں ہے بلکہ ان میں تاخیر ہی مختار ہے۔

”آخر وقت“ سے مراد وقت مکروہ ہے مثلاً عصر کی نماز میں سورج کا خفیہ ہو جانا یا عشاء کی نماز میں وقت کا آدمی رات سے زیادہ گزر جانا۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آخر وقت میں نماز کی فرضیت تو بہر حال ادا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس وقت نماز پڑھنے والا ترک نماز کے گناہ سے توبہ ہی جاتا ہے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

② وَعَنْ أُمِّ قُرَّةَ قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ الْأَعْمَالَ أَفْضَلَ قَالَ الصَّلَاةُ الْأَوَّلُ وَفِيهَا رِوَاةُ أَحْمَدُ وَالتَّيْمُزِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَقَالَ التَّيْمُزِيُّ لَا يَزُولُ الْحَدِيثُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ الْعُمَرِيُّ وَهُوَ لَيْسَ بِالْقَوِي عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ۔

”اور حضرت ام قمرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ (ثواب کی زیادتی کے اعتبار سے) کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھنا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد) اور حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی جاتی ہے۔ اور وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایمان کے بعد افضل ترین عمل یہی ہے کہ نماز کو اس کے اول وقت میں جماعت کے ساتھ پڑھا جائے۔ کتاب الصلوٰۃ کی حدیث نمبر پانچ کی تشریح کے ضمن میں بتایا جا چکا ہے کہ افضل اعمال کے سلسلہ میں بہت زیادہ حدیثیں وارد ہیں۔ جن میں مختلف

اعمال کو افضل کہا گیا ہے۔ وہاں اس کی بھی وضاحت کر دی گئی تھی کہ جن جن اعمال کو افضل کہا گیا ہے وہ اپنے اپنے موقع و مناسبت کی بناء پر یقیناً افضل ہیں۔

چنانچہ یہاں پھر کچھ لکھئے کہ دوسری احادیث میں جن اعمال کو افضل کہا گیا ہے وہاں افضلیت اضافی مراد ہے یعنی بعض اعمال بعض حیثیت سے افضل ہیں اور بعض اعمال کو دوسری وجوہ اور حیثیت سے دوسرے اعمال پر فضیلت حاصل ہے لیکن نماز علی الاطلاق یعنی بہمہ وجوہ ایمان کے بعد تمام اعمال سے افضل و اشرف ہے۔

ترمذیؒ نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے راوی صرف ایک یعنی عبداللہ ابن عمرؓ ہیں اور وہ بھی محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔ عبداللہ ابن عمرؓ کے بارے میں غالباً پہلے بھی کسی حدیث کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ حضرت عمر فاروقؓ کے خاندان سے ہیں اس لئے انہیں عمری کہا جاتا ہے ان کا سلسلہ نسب یہ ہے عبداللہ ابن عمر ابن حفص ابن عامر ابن عمر فاروقؓ۔ بہر حال ترمذیؒ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث مرتبہ صحت کو نہیں پہنچتی حالانکہ دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۲۱) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَاصِلِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ لَوْ قُفِّيَتْهَا الْآخِرَ مَرَّتَيْنِ حَتَّى قَبَضَهُ اللَّهُ تَعَالَى۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کوئی نماز آخر وقت میں دو دفعہ بھی نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات دے دی۔“ (ترمذی)

تشریح: حضرت عائشہؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نمازوں کو ان کے مختار اوقات میں پڑھا کرتے تھے۔ مکروہ اوقات میں نہیں پڑھتے تھے۔ صرف ایک مرتبہ بیان جواز کے لئے آپ ﷺ نے نماز آخر وقت میں پڑھی تھی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز کا آخری وقت یہ ہے اور وقت کے اس حصہ تک نماز جائز ہو سکتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس نماز کو شمار نہیں کیا ہے جو آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ہمراہ آخر وقت میں پڑھی تھی کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام سے وقت معلوم کرنے کے لئے آخر وقت نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک سال کو ایک دن اول وقت میں اور ایک دن آخر وقت میں پڑھ کر دکھائی تھی اسے بھی حضرت عائشہؓ نے شمار نہیں کیا ہے اس لئے کہ وہ تعلیم پر محمول ہے۔

(۲۲) وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ أَمْتِي بِغَيْرِ أَوْ قَالَ عَلَى الْفُطْرَةِ مَا لَمْ يُؤَخَّرُوا الْمَغْرِبَ إِنْ أَنْ تَشْتَبِكَ الشَّجُومُ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنِ الْعَبَّاسِ۔

”اور حضرت ابویوبؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میری امت کے لوگ اگر مغرب کی نماز کو (اس قدر) دیر کر کے نہ پڑھا کریں کہ ستارے جگمگانے لگیں تو ہمیشہ بھلائی مینا فرمایا کہ، فطرت (یعنی اسلام کے طریقہ) پر رہیں گے، (ابوداؤد) اور اس روایت کو دارمیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کے وقت میں فقط ستارے نظر آجانے سے کراہت نہیں اتنی البتہ ستارے گنجان ہو کر جگمگانے لگنے ہیں تو جب وقت مکروہ ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھی تھی اور وہ بھی بیان جواز کے لئے ورنہ تو آپ ﷺ ہمیشہ اول وقت ہی مغرب کی نماز ادا فرماتے تھے۔

(۲۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا أَنْ أَشَقَّ عَلَى أَمْتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُؤَخَّرُوا الْعِشَاءَ

إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ أَوْ نَصْفِهِ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت کے لوگوں کی تکلیف کا اندیشہ نہ ہوتا تو انہیں (وجوب کے طریقہ پر) یہ حکم دیتا کہ عشاء کی نماز کو تہائی رات تک یا آدھی رات تک تاخیر کر کے پڑھیں۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

(۲۴) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْتَمُوا بِهَذِهِ الصَّلَاةِ فَإِنَّكُمْ قَدْ فَضَلْتُمْ بِهَا عَلَى سَائِرِ الْأُمَمِ وَلَمْ تُصَلِّهَا أُمَّةٌ قَبْلَكُمْ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت معاذ بن جبلؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تم اس نماز (یعنی عشاء کی نماز) کو دیر کر کے پڑھا کرو کیونکہ تمہیں دوسری امتوں پر اس نماز کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے اور تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔“ (ابو داؤد)

تشریح: اس سے پہلے باب المواقیت کی حدیث نمبر تین میں گزر چکا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو پانچوں وقت کی نماز پڑھائی اور کہا کہ ہذا وقت الانبیاء من قبلک اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام بھی عشاء کی نماز پڑھتے تھے مگر جو حدیث یہاں ذکر کی گئی ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عشاء کی نماز صرف اسی امت پر فرض ہے پہلی امتوں پر فرض نہیں تھی۔ لہذا محدثین نے ان دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ پہلی امتوں میں عشاء کی نماز صرف پیغمبر و رسول ہی پڑھتے تھے۔ کیونکہ یہ نماز ان کی امت پر واجب نہیں تھی بلکہ انہیں پر واجب تھی جیسا کہ بعض علماء کے قول کے مطابق تہجد کی نماز آنحضرت ﷺ پر واجب تھی مگر آپ ﷺ کی امت پر واجب نہیں ہے اس لئے حضرت جبرئیل کے ارشاد ہذا وقت الانبیاء سے پہلی امتوں پر عشاء کا وجوب ثابت نہیں ہوا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ یہ نماز انبیاء ہی پڑھتے تھے اور اس کو حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔ تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام بھی عشاء کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ یہ نماز پہلی امتوں کے لوگ نہیں پڑھتے تھے بلکہ یہ نماز اسی امت کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس طرح ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہا۔ آخر میں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ ہذا وقت الانبیاء من قبلک میں لفظ ہذا سے فجر کے وقت اسفار کی طرف اشارہ ہے کہ بخلاف دوسرے اوقات کے اس میں تمام انبیاء شریک ہیں۔

(۲۵) وَعَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ نَشِيرٍ قَالَ أَنَا أَعْلَمُ بِوَقْتِ هَذِهِ الصَّلَاةِ صَلَوةِ الْعِشَاءِ الْأَخْرَجَةِ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيُهَا السَّقُوطَ الْقَمَرِ لِثَلَاثَةِ۔ (رواہ ابو داؤد و الدارمی)

”اور حضرت ثعمان ابن نسیرؓ فرماتے ہیں کہ میں اس نماز یعنی دوسری عشاء کے وقت کو خوب جانتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ اس نماز کو تیسری تاریخ کے چاند چھینے کے وقت پڑھا کرتے تھے۔“ (ابو داؤد، دارمی)

تشریح: تیسری تاریخ کی شب میں چاند رات کے تقریباً پانچویں حصہ میں غروب ہوتا ہے، اس طرح یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عشاء کی نماز تاخیر ہی سے پڑھنا مستحب ہے۔ عشاء کی نماز کو دوسری عشاء اس لئے کہا گیا ہے کہ بسا اوقات مغرب کو بھی عشاء کہا جاتا ہے اس اعتبار سے یہ دوسری عشاء ہوئی۔

(۲۶) وَعَنْ زَافِعِ بْنِ خَلْدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَفِزُّوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ زَوَاهِ التَّيْمِزِيِّ وَأَبُو ذَاؤُدَّ وَالدَّارِمِيُّ وَلَيْسَ عِنْدَ النَّسَائِيِّ فَإِنَّهُ أَكْبَرُ۔

”اور حضرت زافع ابن خدیجؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، فجر کی نماز اجالے میں پڑھو کیونکہ اجالے میں نماز پڑھنے سے بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے اور نسائی کی روایت میں یہ الفاظ فانہ اعظم للاجر (یعنی اجالے میں نماز پڑھنے سے بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے)۔ نہیں ہیں۔“ (ترمذی، ابو داؤد، دارمی، نسائی)

تشریح: اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز اسفار (اجالے) میں شروع کرنی چاہئے چنانچہ حنفیہ کا ظاہری مسلک یہی ہے کہ فجر کی نماز کی ابتداء و اختتام دونوں ہی اسفار میں ہوں۔

مگر حضرت امام طحاویؒ جو حنفی مسلک کے ایک جلیل القدر امام ہیں، فرماتے ہیں کہ ابتداء تو غلّس (اندھیرے) میں ہونی چاہئے اور اختتام اسفار میں، اور اس کا طریقہ یہ ہو کہ قرأت اتنی طویل کی جائے کہ پڑھتے پڑھتے اجالا پھیل جائے۔ چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ امام طحاویؒ کی یہ تاویل اولیٰ اور احسن ہے کیونکہ اس طرح ان تمام احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں سے بعض تو غلّس میں نماز پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسفار میں نماز پڑھنا افضل ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔

ان احادیث میں ایک دوسری تطبیق کی وجہ خود ایک حدیث بھی ہے جو شرح السنہ میں منقول ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں موسم کا اعتبار ہو گا یعنی جائزے کے موسم میں تو غلّس میں نماز پڑھنا بہتر ہو گا اور گرمی کے موسم میں اسفار کرنا بہتر ہو گا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ مُعَاذُ بْنُ جَعْفَرٍ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اِذَا كَانَ فِي الشِّتَاءِ فَعَلَسْ بِالْفَجْرِ وَاَطْلُ الْقِيَرَاءَةَ قَدَرَ مَا يُطْبِقُ النَّاسُ وَلَا تَمْلُئْهُمْ وَاِذَا كَانَ فِي الصَّيْفِ فَاسْبِزْ بِالْفَجْرِ فَاِنَّ اللَّيْلَ قَصِيْرٌ وَالنَّاسُ نِيَامٌ فَاَمْلِئْهُمْ حَتّٰى اَذْرَ كُؤَابِعُنِي الصَّلٰوةَ۔

”حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے یمن بھیجا تو یہ (بھی) فرمایا کہ جب سردی کا موسم ہو تو فجر کی نماز غلّس (اندھیرے) میں پڑھنا اور قرأت طویل کرنا (مگر اتنی کہ لوگوں پر بھاری نہ ہو کہ وہ تنگ ہو جائیں اور جب گرمی کا موسم ہو تو فجر کی نماز اسفار (اجالے) سے پڑھنا کیونکہ گرمی میں ارات چھوٹی ہونے کی وجہ سے لوگ سوئے رہتے ہیں اس لئے انہیں اتنا سوئے دو کہ وہ نماز میں شریک ہو سکیں۔“

بہر حال علماء حنفیہ کے نزدیک اسفار کی حد یہ ہے کہ طلوع آفتاب تک اتنا وقت رہے کہ اس میں قرأت مسنون (جو چالیس سے ساٹھ یا سو آیتوں تک ہے) ترتیل کے ساتھ پڑھی جاسکے۔ اور نماز کے بعد اگر طہارت میں کوئی خلل معلوم ہو تو طلوع آفتاب سے پہلے پہلے وضو اور مذکورہ بالا طریقہ پر نماز کا اعادہ ممکن ہو سکے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ كُنَّا نَصَلِّيُ الْعَصْرَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَنَحَّزَ الْجُزُورُ فَتَقَسَّمْ عَشْرُو قِسْمٍ ثُمَّ نَطْلُبُ فَنُتَوَكَّلُ كُلُّ لَحْمًا فَنُضِيْعًا قَبْلَ مَغِيْبِ الشَّمْسِ۔ (متفق علیہ)

”حضرت رافع ابن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ عصر کی نماز پڑھ کر اونٹوں کو وزن کیا کرتے تھے اور پھر وہ دس حصوں پر تقسیم کیا جاتا، اس کے بعد اسے پکایا جاتا اور پھر ہم سورج چھپنے سے پہلے اس کے ہونے گوشت کو کھا کر فارغ ہو جایا کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: بظاہر اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عصر کی نماز جلدی یعنی ایک مثل سایہ پہنچنے کے وقت یا اس کے تھوڑی دیر کے بعد پڑھی جاتی ہوگی جیسا کہ آئمہ ثلاثہ اور صاحبین کا مسلک ہے اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام اعظمؒ کا بھی یہی مسلک ہے اور بعض حضرات نے فتویٰ بھی اسی روایت پر دیا ہے مگر حضرت امام اعظمؒ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ عصر کا وقت دو مثل سایہ کے بعد ہوتا ہے چنانچہ ان کی طرف سے اس حدیث کی یہ تاویل کی جائے گی کہ ہو سکتا ہے کہ گرمیوں میں ایسا ہوتا ہو کیونکہ اس وقت دن بڑا ہوتا ہے۔ نیز حضرت ابن ہمامؒ نے ہدایہ کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر عصر کی نماز سورج کے مغیر ہونے سے پہلے پڑھی جائے تو غروب آفتاب تک بقیہ وقت میں

حدیث میں مذکور جیسا عمل بڑی آسانی سے کیا جاسکتا ہے چنانچہ جن لوگوں نے امراء و حکام کے ہمراہ کھانا پکانے والے ماہرین کو سفر میں کھانا پکاتے ہوئے دیکھا ہو گا وہ اسے بعید نہیں جانیں گے۔

(۲۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكُنَّا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَتَنَظَّرُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ الْأَخْرَجَ فَخَرَجَ الْيَتَا حَتَّى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ أَوْ بَعْدَهُ فَلَا نَذَرِي أَشْيَاءَ شَغَلَتْهُ فِي أَهْلِهِ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ فَقَالَ حَتَّى خَرَجَ إِلَيْكُمْ لَتَنَظُرُونَ صَلَاةَ مَا يَنْتَظَرُهَا أَهْلُ دِينٍ غَيْرَكُمْ وَلَوْ لَا أَنْ يَنْقَلَّ عَلَى أُمَّتِي لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هَذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ أَهْرَ الْخَوَافِ فَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَلَّى - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم عشاء کی نماز کے لئے بہت دیر تک بیٹھے ہوئے نبی کریم ﷺ کا انتظار دیکھتے رہے۔ آنحضرت ﷺ تہائی یا اس سے بھی زیادہ رات جانے کے بعد تشریف لائے اور ہمیں معلوم نہیں کہ آپ ﷺ گھر کے کام میں مشغول رہے تھے (کہ عادت کے مطابق سور سے نماز پڑھنے تشریف نہیں لائے) یا اس کے علاوہ (آپ ﷺ کی ذات اقدس کو کوئی عذر پیش آگیا تھا) آنحضور ﷺ نے آکر فرمایا، تم لوگ نماز کا انتظار کر رہے تھے (اور تمہارے لئے یہ مناسب بھی تھا کیونکہ نماز کا انتظار تو ہم ہی لوگ کیا کرتے ہو۔ تمہارے سوا کسی اور دین والوں نے نماز کا انتظار نہیں کیا۔ اور اگر مجھے اپنی اُمت پر گراں گزرنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس نماز کو ہمیشہ اسی وقت پڑھا کرتا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مؤذن کو (تکبیر کا) حکم دیا اس نے تکبیر کہی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تمہارے سوا کسی بھی دین کے لوگ یعنی یہود و نصاریٰ عشاء کی نماز کا انتظار نہیں کرتے ہیں کیونکہ یہ نماز تو صرف اسی اُمت کے ساتھ مخصوص فرمائی گئی ہے اور کسی اُمت کو نصیب نہیں ہوئی ہے لہذا تم اس وقت جب کہ آرام کرنے کا وقت ہے اپنے نفس پر قابو پا کر اور مشقت اٹھا کر نماز کا جتنا زیادہ انتظار کرو گے اتنا ہی زیادہ ثواب پاؤ گے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عشاء کی نماز تہائی رات کے وقت پڑھنا افضل ہے جیسا کہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک ہے مگر جہاں تک آنحضرت ﷺ کے عمل کا تعلق ہے تو یہ بھی ثابت ہے کہ جب صحابہ کی جماعت کا اکثر حصہ اول وقت جمع ہو جاتا تھا تو آپ ﷺ اول وقت ہی نماز پڑھ لیتے تھے اور جو حضرات تاخیر سے جمع ہوتے تھے وہ دیر میں پڑھتے تھے چنانچہ حضرت امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ جو نمازی اول وقت جمع ہو جائیں وہ اول وقت نماز پڑھ لیں اور جو نمازی تاخیر سے جمع ہوں وہ دیر کر کے پڑھیں۔

(۲۹) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَفْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصَّلَاةَ نَحْوًا مِنْ صَلَاتِكُمْ وَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعِشَاءَ بَعْدَ صَلَاتِكُمْ شَيْئًا وَكَانَ يُخَفِّفُ الصَّلَاةَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابر ابن سمرہؓ نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ نبی کریم ﷺ تمہاری نمازوں کے قریب قریب (اوقات میں) نماز پڑھا کرتے تھے مگر عشاء کی نماز تمہاری نماز سے کچھ دیر کر کے پڑھتے تھے اور سب نماز پڑھتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: نبی کے باوجود حضرت جابرؓ نے عشاء کو عتمہ اس لئے کہا ہے کہ شاید اس وقت تک ان کو نبی کا حکم معلوم نہیں ہوا ہو گا یا پھر یہ نام چونکہ اہل عرب میں پہلے سے جانا پہچانا جاتا تھا اس لئے انہوں نے یہ سوچ کر کہ اس نام سے لوگ اس نماز کو اچھی طرح پہچان لیں گے عتمہ ہی کہا۔

بہر حال یہ حدیث بھی اس بات پر بصراحت دلالت کرتی ہے کہ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنا ہی افضل و مستحب ہے۔ ”سب نماز پڑھنے“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے مگر علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتیں اس وقت پڑھتے تھے جب کہ امامت فرماتے اور ضعیف و کمزور لوگوں کی رعایت مد نظر ہوتی۔ اور ویسے بھی یہ بات باعتبار اکثر کے

فرمائی گئی ہے کیونکہ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے مغرب کی دونوں رکعتوں میں سورۃ اعراف بھی پڑھی ہے۔ اور میں تو کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کا اتنی بڑی بڑی سورتیں پڑھنا بھی لوگوں پر گراں نہیں گزرتا تھا۔ یعنی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے میں صحابہؓ کو ایسا کیف و سرور محسوس ہوتا تھا کہ طویل قرأت بھی انہیں ہلکی سی معلوم ہوتی تھی اور ازارہ شوق طویل قرأت میں زیادتی کے طالب رہتے تھے اس کے برخلاف دوسرے لوگوں کی امامت میں یہ بات حاصل ہونا مشکل ہے۔

(۳۰) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعَتَمَةِ فَلَمْ يَخْلُجْ حَتَّى مَضَى نَحْوُ مِنْ شَطْرِ اللَّيْلِ فَقَالَ خُذُوا مَقَاعِدَكُمْ فَاحْذَرُوا مَقَاعِدَنَا فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَآخَذُوا مَقَاعِدَهُمْ وَإِنَّا لَنَرِي الْوَافِي صَلَاةَ مَا أَنْتُمْ بِالصَّلَاةِ وَلَوْ لَا ضَعْفُ الضَّعِيفِ وَسَقَمُ السَّقِيمِ لَأَخْرَجْتُ هَذِهِ الصَّلَاةَ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جماعت سے نماز پڑھنے گئے۔ (اتفاق سے اس روز) آنحضرت ﷺ آدھی رات کے قریب تک تشریف نہ لائے (بعد ازاں اگر ہم سے) ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا، چنانچہ ہم اپنی جگہوں (سے اٹھے نہیں بلکہ وہیں) پر بیٹھے رہے (اس کے بعد) آپ ﷺ نے فرمایا، دوسرے لوگوں نے نماز پڑھ کر اپنے اپنے بستر سنبھال لئے ہیں اور (تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) جب تک تم نماز کی انتظار میں رہو گے تمہارا یہ سارا وقت نماز ہی میں شمار کیا جائے گا (یعنی تمہیں اس انتظار کی وجہ سے برابر نماز پڑھنے کا ثواب ملتا رہے گا) اور اگر مجھے ضعیفوں کی کمزوری اور بیماروں کی بیماری کا خیال نہ ہوتا تو میں ہمیشہ یہ نماز آدھی رات تک دیر کر کے پڑھا کرتا۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: جیسا کہ پہلے آنحضرت ﷺ کا ارشاد گزر چکا ہے کہ (مسلمانوں کے علاوہ) کسی بھی دوسرے دین کے لوگ عشاء کی نماز کا انتظار نہیں کرتے، لہذا اس ارشاد کی روشنی میں حدیث کے الفاظ دوسرے لوگوں نے نماز پڑھ کر اپنے اپنے بستر سنبھال لئے ہیں، کی تشریح یہ کی جائے گی کہ دوسرے دین کے لوگ مثلاً یہود و نصاریٰ تو شام کی نماز پڑھ کر یا اپنے مذہب کے مطابق عبادت کر کے اپنے اپنے بستروں پر جا کر نیند کی آغوش میں پہنچ گئے ہیں مگر چونکہ تمہارے نصیب میں اس نماز کی سعادت و فضیلت لکھی ہوئی ہے۔ اس لئے تم اب اس سعادت و فضیلت کی تکمیل کی خاطر نماز کی انتظار میں بیٹھے ہوئے ہو۔ اور چونکہ تم اپنا آرام اپنی نیند اور اپنا چین سب اپنے پروردگار کی عبادت کے انتظار میں لٹا چکے ہو اس لئے تمہارا پروردگار بھی اس محنت و مشقت کا صلہ اس طرح تمہیں دے گا کہ تمہارے اس انتظار کے ایک ایک لمحہ کو سزا عبادت و باعث سعادت بنا دے گا یا اس طور پر کہ تمہارا یہ جتنا وقت انتظار میں گزرا ہے یا جتنا وقت گزرے گا تو سمجھو کہ وہ نماز ہی میں گزرا ہے یا گزرے گا یعنی جتنا ثواب نماز پڑھنے کا ملتا ہے اتنا ہی ثواب اس انتظار کا بھی ملے گا۔

یا پھر اس جملہ کا مطلب یہ ہو گا کہ دوسرے مخلوق کے مسلمان جو اس مسجد میں حاضر نہیں ہیں عشاء کی نماز پڑھ کر سو رہے ہیں اور تم لوگ اب تک نماز عشاء کی انتظار میں یہاں بیٹھے ہو اس طرح ان مسلمانوں کے مقابلہ میں تم زیادہ ثواب و فضیلت کے حقدار بنو گے، یہی معنی ما بعد کے الفاظ وانکم لن ترالوا الخ کے زیادہ قریب اور مناسب ہیں۔

بہر حال۔ یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عشاء کی نماز میں آدھی رات تک تاخیر جائز ہے بلکہ عبادت کے سلسلہ میں زیادہ محنت و مشقت اٹھانے کی وجہ سے مستحب اور افضل ہے۔

(۳۱) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ تَعَجُّلاً لِلظُّهْرِ مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ أَشَدُّ تَعَجُّلاً لِلْعَصْرِ مِنْهُ۔ (رواہ احمد و الترمذی)

”اور حضرت ام سلمہؓ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز (گرمی کے علاوہ دوسرے موسموں میں) تم سے بہت زیادہ جلدی پڑھتے تھے اور تم عصر کی نماز پڑھنے میں آنحضرت ﷺ سے زیادہ جلدی کرتے ہو۔“ (احمد، ترمذی)

تشریح: حضرت ائمہ سلمہ کا مقصد اتباع سنت پر لوگوں کو رغبت دلانا اور متوجہ کرنا ہے کہ ہر جگہ اور ہر موقع پر آنحضرت ﷺ کی اتباع کرنے میں ہی بھلائی و سعادت ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عصر کی نماز میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک ہے۔

(۳۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الْحَرُّ ابْتَدَأَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَلَ۔

(رواہ النسائی)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (ظہری) نماز گرمی کے موسم میں ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے اور سردی کے موسم میں جلدی پڑھ لیتے تھے۔“ (نسائی)

تشریح: ظہر کے وقت کے سلسلہ میں احادیث میں جو تعارض ہے کہ بعض حدیثوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ظہری نماز تاخیر کر کے پڑھتے تھے اور بعض حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جلدی پڑھ لیتے تھے۔ اس حدیث سے یہ تعارض ختم ہو جاتا ہے ہاں طور کہ گرمی کے موسم میں تو آپ ﷺ ظہری نماز تاخیر سے پڑھا کرتے تھے اور سردی کے موسم میں جلدی پڑھتے تھے۔

(۳۳) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ لَمَّا رَسَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا سَتَكُونُ عَلَيْكُمْ بَعْدِي أُمَرَاءُ يَسْغُلُهُمْ أَشْيَاءُ عَنِ الصَّلَاةِ لَوْ قِيَهَا حَتَّى يَذْهَبَ وَفَتْنَهَا فَصَلُّوا الصَّلَاةَ لَوْ قِيَهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَصَلَّيْ مَعَهُمْ قَالَ نَعَمْ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے بعد عتقرب تم پر ایسے (لوگ) حاکم ہوں گے جنہیں دنیا کی چیزیں (یعنی خواہشات نفسانی) وقت (مستحب) پر نماز پڑھنے سے باز رکھیں گی، یہاں تک کہ نماز کا وقت نکل جائے گا (یعنی وقت کرہت آجائے گا) لہذا تم اپنی نمازیں وقت پر پڑھتے رہنا (خواہ تمہاری کیوں نہ پڑھنی پڑے) ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا پھر (دوبارہ) ان کے ساتھ بھی نماز پڑھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! (ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرنا تاکہ ثواب بھی زیادہ ملے اور احکام کی مخالفت کرنے کی وجہ سے فتنہ و فساد بھی پیدا نہ ہو)۔“ (ابوداؤد)

(۳۴) وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ مِنْ بَعْدِي يُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ فَهِيَ لَكُمْ وَهِيَ عَلَيْهِمْ فَصَلُّوا مَعَهُمْ مَا صَلُّوا الْقِبْلَةَ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت قبیصہ ابن وقاصؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے بعد تم پر ایسے حاکم ہوں گے جو نماز (وقت مستحب سے) تاخیر کر کے پڑھیں گے اور وہ نماز تمہارے لئے توفائدہ ہوگی اور ان کے لئے وبال ہوگی لہذا جب تک وہ قبلہ (یعنی کعبۃ اللہ) کی طرف نماز پڑھتے رہیں تم بھی ان کے ساتھ نماز پڑھتے رہنا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”قائدہ“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وقت مستحب کی فضیلت حاصل کرنے کی خاطر ان کی نماز سے پہلے نماز پڑھ لی۔ اور پھر اس کے بعد ان کے ساتھ بھی پڑھی تو یہ دوسری نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی جس کی وجہ سے تمہیں بہت زیادہ ثواب ملے گا اور اگر ان کی نماز سے پہلے نماز نہ پڑھی بلکہ ان ہی کے ہمراہ پڑھی تو اس کے لئے تم پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا کیونکہ ان کے ساتھ وقت مکروہ میں تمہارا نماز پڑھنا فتنہ کے خوف اور فساد کے دفعیہ کی غرض سے ہوگا۔

اسی طرح ”وبال“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز ان کے لئے مواخذہ کا باعث ہوگی کہ جب وہ وقت مختار میں نماز ادا کرنے پر قادر تھے تو وقت سے تاخیر کر کے غیر مطلوب وقت میں نماز کیوں پڑھی اور پھر یہ کہ امور دنیا نے انہیں امور عقبیٰ کی انجام دہی سے باز رکھا جو یقیناً کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں۔

(۳۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ بْنِ الْخِيَارِ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عُثْمَانَ وَهُوَ مَحْضُورٌ فَقَالَ إِنَّكَ إِمَامٌ عَامَّةٌ وَنَزَلَ بِكَ مَا تَرَى وَنُصَلِّيَ لَنَا إِمَامٌ فَنَتَّبِعُ فَتَنْتَحَرَّجُ فَقَالَ الصَّلَاةُ أَحْسَنُ مَا يَفْعَلُ النَّاسُ فَإِذَا أَحْسَنَ النَّاسُ فَأَحْسِنَ مَعَهُمْ وَإِذَا أَسَاءُوا فَاجْتَنِبْ إِسَاءَةَ قَوْمِهِمْ - (رواه البخاری)

”اور حضرت عبداللہ ابن عبد بن خیاریؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب کہ وہ اپنی شہادت سے پہلے بغاوت کے ایام میں اپنے مکان کے اندر محصور تھے چنانچہ (عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ سے) میں نے عرض کیا کہ آپ ہم سب کے امام (اور امیر) ہیں اور آپ پر جو کچھ (مصاب و پریشانیاں) نازل ہوئی ہیں وہ آپ بھی دیکھ رہے ہیں اور (ہمارا حال یہ ہے کہ) ہمیں فتنہ و فساد کا ایک امام نماز پڑھاتا ہے (جس کے پیچھے نماز پڑھنا) گناہ سمجھتے ہیں، (یہ سن کر) حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ نماز پڑھنا لوگوں کے تمام اعمال سے بہتر و افضل ہے۔ لہذا جب لوگ نیکی و بھلائی کریں تو تم بھی ان کے ساتھ نیکی و بھلائی کرو اور اگر وہ برائی کریں تو تم ان کی برائیوں سے بچو۔“ (بخاری)

تشریح: ”فتنہ و فساد کے امام“ سے مراد باغیوں کا سردار ہے جس کا نام کننا ابن بشر تھا۔ حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی نیکیوں میں تو شریک رہو یعنی اگر وہ نیک کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ مل کر وہی نیک کام کرو البتہ ان کی بدی میں شریک نہ رہو۔ اور نماز کا پڑھنا نیک ہی عمل ہے اس لئے باغیوں کے سردار کے پیچھے تم نماز پڑھ سکتے ہو اسے گناہ کی بات نہ سمجھو۔ حضرت عثمانؓ کے اس ارشاد سے ان کے عدل و انصاف اور ان کی علم و بردباری کے عظیم وصف پر روشنی پڑتی ہے کہ انہوں نے ایک ایسے سخت موقع پر جب کہ باغیوں نے اپنے ظلم و ستم کی انتہا کرتے ہوئے انہیں مکان میں محصور کر رکھا تھا اور ان کے اوپر تکالیف و پریشانیوں کے پہاڑ توڑ رہے تھے تو انہوں نے اس وقت بھی ان کی نیکی اور بھلائی کو ازراہ بغض و انتقام برائی سے تعبیر نہیں کیا بلکہ اسے اچھائی کہا۔ یہ ارشاد اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ہر نیک و بد شخص کے پیچھے نماز جائز ہو جاتی ہے جیسا کہ اہل سنت و الجماعت کا مسلک ہے۔

بَابُ فَضَائِلِ الصَّلَاةِ

نماز کے فضائل کا بیان

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

(۱) عَنْ عُمَارَةَ بْنِ زُوَيْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَنْ يُلْجِ النَّارَ أَحَدٌ صَلَّى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا يَغْنِيهِ الْفَجْرُ وَالْعَصْرُ - (رواه مسلم)

”حضرت عمارہ ابن زویبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے سورج نکلنے اور چھپنے سے پہلے (دو نمازیں) یعنی فجر اور عصر کی پڑھیں تو وہ دوزخ میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان دونوں نمازوں کو پابندی سے پڑھتا رہے تو وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ بظاہر تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص ان دونوں نمازوں پر مداومت کرے گا، وہ دوسری نمازوں کو چھوڑنے یا دوسرے گناہوں کے صدور کے

۱۔ حضرت عمیرہؓ روایت کے ساتھ اسے اور قبیلہ بنی جشم بن ثقیف سے ہیں اور کوئی ہیں ۱۲۔

سبب دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا حالانکہ جمہور علماء کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ نمازیں صغیرہ گناہوں کا کفارہ تو ہو جاتی ہیں، مگر یہ گناہوں کا نہیں ہوتیں۔ چنانچہ علامہ طہی نے اس حدیث کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ حج کا وقت عام طور پر آرام کا ہوتا ہے اسی طرح شام کا تجارت وغیرہ کی مشغولیت کا ہوتا ہے لہذا جو شخص ان دونوں مواقع کے باوجود دونوں نمازوں کی محافظت کرتا ہے تو وہ بڑا نیک حال اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ دوسرے اعمال میں بھی کمی زیادتی کرنے والا نہیں ہے جیسے کہ ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ اَبے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے لہذا اس بناء پر وہ بخشش کی سعادت سے نوازا جائے گا اور دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث سے ان دونوں نمازوں کی فضیلت و عظمت کے بیان میں مبالغہ مراد ہے کہ ان دونوں نمازوں کی فضیلت و عظمت اس بات کی متقاضی ہے کہ ان کی محافظت کرنے والا شخص دوزخ میں داخل نہ کیا جائے گا اور باوجودیکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے ہر عمل پر جزاء و سزا کا ترتیب کرتا ہے مگر وہ چاہے تو ان دونوں نمازوں کے ادا کرنے کے سبب وہ گناہ جو اس سے سرزد ہو سکی بخش سکتا ہے

(۲) وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جو شخص ٹھنڈے وقت کی دونوں نمازیں (یعنی فجر و عشاء) پڑھتا رہا تو وہ جنت میں جائے گا۔“ (بخاری و مسلم)

(۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَفْجُجُ الَّذِينَ الَّذِينَ يَأْتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي فَيَقُولُونَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يَصَلُّونَ وَآتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يَصَلُّونَ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس (آسمان سے) فرشتے رات دن آتے رہتے ہیں (جو تمہارے اعمال لکھتے ہیں اور انہیں بارگاہ الوہیت میں پہنچاتے ہیں) اور فجر و عصر کی نماز میں سب جمع ہوتے ہیں اور جو فرشتے تمہارے پاس رہتے ہیں وہ (جس وقت) آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بندوں کے احوال جاننے کے باوجود ان سے (بندوں کے احوال و اعمال) پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ پروردگار! ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا ہے اور جب ہم ان کے پاس پہنچتے تھے تو اس وقت بھی وہ نمازی پڑھ رہے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے اعمال کو لکھنے اور انہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کے لئے (فرشتوں کی دو جماعتیں بندوں کے ہمراہ رہتی ہیں۔ ایک جماعت تو دن کے اعمال لکھتی ہے اور پھر عصر کے بعد واپس جا کر بارگاہ الوہیت میں اپنی رپورٹ پیش کر دیتی ہے۔ دوسری جماعت رات کے اعمال لکھتی ہے۔ یہ فجر کی نماز کے بعد واپس جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو بندوں کے رات کے اعمال کی رپورٹ دیتی ہے چنانچہ دن اور رات میں دو وقت ایسے ہوتے ہیں جب کہ یہ دونوں جماعتیں جمع ہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ تو فجر کے وقت جب کہ رات کے فرشتے واپس جاتے ہیں اور دن کے فرشتے اپنی ڈیوٹی پر آتے ہیں۔ اسی طرح دوسری مرتبہ ان دونوں جماعتوں کا اجتماع عصر کے وقت ہوتا ہے جب کہ دن کے فرشتے اپنی ڈیوٹی پوری کر کے واپس جاتے ہیں اور رات کے فرشتے اپنے کام پر حاضر ہوتے ہیں۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور اس کا علم زمین و آسمان کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ وہ زمین و آسمانوں کے رہنے والوں کے ایک ایک عمل کو جانتا ہے مگر جب فرشتے بندوں کے اعمال کی رپورٹ لے کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ ان سے پوچھتا ہے کہ جب تم اپنی ڈیوٹی پوری کر کے واپس لوٹ رہے تھے تو بتاؤ کہ اس وقت میرے بندے کیا کر رہے تھے؟ اور اس کا یہ پوچھنا (نعوذ باللہ) علم حاصل کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس سوال سے اس کا مقصد فرشتوں کے سامنے اپنی بندوں کی فضیلت و عظمت کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کو بھیجا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تھا تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ پروردگار کیا تو ایسی مخلوق کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو دنیا میں فساد اور خون ریزی و غارت گری کا ہزار سرگرم کرے گی۔ اور پھر انہوں نے اپنی

برتری و بڑائی ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ تیری عبادت کے لئے تو ہم ہی کافی ہیں اور ہم ہی تیری عبادت و پرستش کر بھی سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان سے یہ سوال کر کے ان پر ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ دیکھو! جس مخلوق کے بارہ میں تمہارا یہ خیال تھا کہ وہ دنیا میں سوائے فتنہ و فساد پھیلانے کے اور کوئی کام نہیں کرے گی اب تم خود دیکھ آئے ہو کہ وہ میری عبادت اور میری پرستش کس پابندی اور کس ذوق و شوق سے کرتی ہے۔

بہر حال! اس حدیث کے ذریعہ آنحضرت ﷺ مسلمانوں کو رغبت و لارہ ہے ہیں کہ ان دونوں اوقات میں ہمیشہ پابندی سے نماز پڑھتے رہو تاکہ وہ فرشتے خدا کے سامنے تمہارے اچھے اور بہتر اعمال ہی پیش کرتے رہیں اور خداوند قدوس تمہاری فضیلت و بڑائی اسی طرح فرشتوں کے سامنے ظاہر کرتا رہے۔

(۴) وَعَنْ جُنْدُبِ الْقَسْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللَّهِ فَلَا يَظْلِمُكُمُ اللَّهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ فَإِنَّهُ مَنْ يَظْلِمُهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ يَذْرُكُهُ ثُمَّ يَكْتُبُهُ عَلَى وَجْهِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ زَوَاةً مُسَلِّمَةً وَفِي بَعْضِ نُسُخِ الْمَصَانِيحِ الْقَشِيرَى بَدَلُ الْقَسْرِيِّ۔

”اور حضرت جندب قسریؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ (دنیا و آخرت میں) اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں ہے لہذا ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے اپنے اس عہد میں کچھ مواخذہ کرے کیونکہ جس سے اس نے عہد و امان میں مواخذہ کیا تو (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) اسے پکڑ کر دوزخ کی آگ میں اوندھے منہ ڈال دے گا۔“ (مسلم) اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قسری کے بجائے قشیری ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں ہے لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس شخص سے بد سلوکی نہ کریں، اسے قتل نہ کریں۔ اس کا مال نہ چھینیں، اس کی نبیت نہ کریں اور اس کی بے آبروئی نہ کریں۔ اگر کسی شخص نے اس کے ساتھ بد سلوکی کی یا اس کے ساتھ کوئی ایسا رویہ اختیار کیا جو اس کی جان و مال اور اس کی آبرو کے لئے نقصان دہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں خلل ڈالا لہذا اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے سخت مواخذہ کرے گا اور جس بد نصیب سے اللہ تعالیٰ نے مواخذہ کیا اس کے لئے نجات کا کوئی ذریعہ نہ ہوگا۔

یا پھر ”عہد و امان“ سے مراد نماز ہے کہ صبح کی نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں اس کو دینے کا وعدہ کر لیا ہے، لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ صبح کی نماز ہرگز قضا نہ کریں ورنہ ان کے اور پروردگار کے درمیان جو عہد ہے وہ ٹوٹ جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ کرے گا اور اس کے مواخذہ سے بچانے کی کوئی ہمت بھی نہیں کر سکتا۔

(۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْبَيْدَاءِ وَالصُّفِّ الْأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهْمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهْمُوا وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهَجِيرِ لَاسْتَهْمُوا إِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمُاءَ لَوْ حَبْرًا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اگر لوگوں کو اذان کہنے اور (نماز میں) پہلی صف میں کھڑے ہونے کا ثواب معلوم ہو جائے اور بے قرعہ ڈالے انہیں یہ حاصل نہ ہو سکے تو وہ ضرور قرعہ ہی ڈالیں (یعنی اگر لوگ اذان دینے اور پہلی صف میں کھڑے ہونے کے لئے آپس میں نزاع کریں اور قرعہ ڈال کر دیکھیں کہ کس کا نام نکلتا ہے تو یہ مناسب ہے) اور اگر ظہر کی نماز کے لئے جلدی آئے کا ثواب جان لیں تو اس نماز میں دوڑتے ہوئے آیا کریں اور اگر عشاء و صبح کی نماز کی فضیلت معلوم ہو جائے (تو قوت نہ ہونے کی حالت میں بھی ان نمازوں کے لئے) سرین کے بل چل کر آئیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اگر تہجد کے معنی وہی لئے جائیں جو ترجمہ سے ظاہر ہیں یعنی ظہر کی نماز کے لئے جلدی آنا، تو اس فضیلت کا تعلق گری کے علاوہ دوسرے موسموں کی ظہر کی نماز سے ہو گا کیونکہ گری کے موسم میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت پڑھنا مستحب ہے۔ یا پھر ”تہجد کے معنی“ طاعت کی طرف جلدی کرنا، ہوں گے اور بعض حضرات نے اس کے معنی ”نماز جمعہ کے لئے دوپہر میں جانا“ بھی لکھے ہیں۔ واللہ اعلم۔

سرسن کے بل چل کر آنے، کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پیروں سے چلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس نماز کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے اس طرح گھسٹا ہوا آئے جس طرح ضعیف و معذور چل کر آتے ہیں۔

⑦ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ صَلَوةُ الْفَقْرِ عَلَى الْمَنَافِقِينَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهَا لَا تَوَهَّمُوا وَلَا تَحْنُوا۔ (بخاری و مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، منافقین پر عشاء اور فجر سے زیادہ بھاری کوئی نماز نہیں۔ اگر دونوں کے ثواب وہ جان لیں تو سرسین کے بل چلتے ہوئے آیا کریں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: منافقین کے مزاج میں عبادت کے سلسلہ میں کسل و سستی بہت ہوتی ہے پھر جو نمازیں وہ پڑھتے ہیں وہ بھی محض اپنی جان بچانے اور مسلمانوں کو دکھانے سنانے کے لئے پڑھتے ہیں۔ فجر اور عشاء یہ دو وقت ایسے ہیں جو اول تو آرام و استراحت اور نیند کی لذت حاصل کرنے کے ہیں۔ نیز جازوں کے موسم میں سردی کے ہیں دوسرے یہ کہ ان اوقات میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے کوئی کسی کو کم ہی پہچانتا ہے اس لئے یہ دونوں نمازیں ان بد بختوں پر بہت گراں ہوتی ہیں۔ لہذا یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ قلیل و صادق مؤمنین کو چاہئے کہ وہ اس خصلت سے بچیں تاکہ منافقین کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

⑧ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ بِصَفِّ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عثمان غنیؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو گویا اس نے نصف رات کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور جس شخص نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو گویا اس نے تمام رات کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔“ (مسلم)

تشریح: اگر حدیث کے ظاہری الفاظ کو دیکھا جائے تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صبح کی نماز کا ثواب عشاء کی نماز کے ثواب سے زیادہ ہے کہ جب ہی تو کہا گیا ہے کہ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھنے والا، نصف رات تک نماز پڑھنے والے کے برابر ہوتا ہے اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے والا پوری رات تک نماز پڑھنے والے کے برابر ہوتا ہے۔

یا پھر اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی تو اسے آدھی رات تک نماز پڑھنے کا ثواب ملا پھر فجر کی نماز بھی جماعت سے ادا کر لی تو بقیہ نصف رات تک کا ثواب مل گیا اس طرح دونوں نمازوں کے پڑھنے سے پوری رات تک عبادت کرنے والے کے ثواب کا وہ حقدار ہو گیا۔

⑨ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُغْلِبُكُمْ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَيَقُولُ الْأَعْرَابُ هِيَ الْعِشَاءُ وَقَالَ لَا يُغْلِبُكُمْ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْعِشَاءَ فَإِنَّهَا فِي كِتَابِ اللَّهِ الْعِشَاءُ فَإِنَّهَا تُعْتَمِدُ بِحِلَابِ الْإِبِلِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، دیہاتی لوگ نماز مغرب کے نام لینے میں تم پر غالب نہ آجائیں راوی کہتے ہیں کہ دیہاتی لوگ (مغرب کو) عشاء کہتے تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ، نماز عشاء کے نام لینے میں بھی دیہاتی لوگ تم پر غالب نہ آجائیں۔ اس نماز کا نام کتاب اللہ میں عشاء ہے (چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَمِنْ تَغْلِبِ صَلَوةِ الْعِشَاءِ) اور وہ دیہاتی لوگ اونٹنیوں کے دودھ

دوہنے کی وجہ سے اس نماز میں تاخیر کر دیتے تھے۔ "مسلم"

تشریح: "دیہاتی لوگوں" سے مراد ایام جاہلیت کے دیہاتی لوگ ہیں جو مغرب کو تو عشاء کہتے تھے اور عشاء کو عتمہ، چنانچہ آپ نے صحابہ کو منع فرمایا کہ یہ نام نہ لئے جائیں کیونکہ اس میں ان کا غالب ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ جب ان لوگوں کا کھانا نام استعمال کیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے ان کی زبان کو اپنا یا جس کی بناء پر وہ تم پر غالب رہے لہذا تم وہی نام استعمال کرو جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں یعنی مغرب اور عشاء۔

لہذا بظاہر تو اس نئی کاتعلق دیہاتی لوگوں سے ہے کہ وہ غالب نہ ہوں لیکن حقیقت میں اس نئی کاتعلق تمام مسلمانوں سے ہے کہ وہ ان نمازوں کے ناموں کے سلسلہ میں دیہاتی لوگوں کی موافقت نہ کریں تاکہ مسلمانوں پر ان کا غالب ہونا لازم نہ آئے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی زبان اور اپنا کلام اصطلاح شریعت کے مطابق درست کریں اور جو باتیں کفار و فجار کی زبان زد ہوں ان سے پرہیز کریں۔

نئی اور علت بھی بیان فرمانے کے بعد فاتھا بخلاص الایلی کہہ کر آپ ﷺ نے عشاء کو عتمہ کہنے کی وجہ کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ "عتمہ" صحیح روایت میں صیغہ معروف کے ساتھ ہے اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ عتمہ تاریکی کو کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دیہاتی لوگ اونٹنیوں کے دودھ دوہنے کی وجہ سے عشاء کو تاریکی میں پڑھتے تھے باس طور پر کہ وہ شفق غائب ہونے کے بعد دودھ دوہنا شروع کرتے تھے پھر اس کے بعد عشاء پڑھتے۔ ایک دوسری روایت میں یہ لفظ صیغہ مجهول کے ساتھ مذکور ہے جس کے معنی یہ ہوں گے۔ اونٹنیوں کا دودھ دوہنے کی وجہ سے عشاء کی نماز تاریکی میں پڑھی جاتی تھی۔

بہر حال ایام جاہلیت میں عرب کے لوگ عتمہ تاریکی کو کہتے تھے۔ جب اسلام کی مقدس روشنی نے عرب کی سرزمین کو کفر و شرک کے اندھیروں سے صاف کیا اور نمازیں شروع ہوئیں تو عشاء کی نماز کو دیہاتی لوگ صلوۃ العتمہ کہنے لگے چنانچہ اس نام سے مسلمانوں کو روکا گیا اور اہل جاہلیت سے مشابہت کی بناء پر اس نام کو مکروہ قرار دے دیا گیا۔

یہ پہلے بھی کئی جگہ بتایا جا چکا ہے کہ جن روایتوں میں بجائے عشاء کے عتمہ کا لفظ آیا ہے وہ روایتیں اس نئی سے قبل کی ہوں گی۔

⑨ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَبَسُونَا عَنْ صَلَاةِ الْوَسْطَى صَلَاةِ الْغَضْرِ مَلَأَ اللَّهُ تَبُوتَهُمْ وَقَبُوزَهُمْ نَارًا۔ (بخاری)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ غزوۃ خندق کے روز فرماتے تھے کہ (کافروں نے) ہمیں درمیانی نماز یعنی نماز عصر کے پڑھنے سے روکا ہے۔ خداوند تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں میں آگ بھرے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: غزوۃ خندق کو غزوۃ احزاب بھی کہتے ہیں جو ۳ھ یا ۴ھ میں ہوا تھا۔ اس جنگ کو غزوۃ خندق اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسی غزوہ کے موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے دشمنوں سے بچاؤ کی خاطر مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی تھی۔ خندق کھودنے میں تمام مسلمانوں کے ہمراہ خود سرکار دو عالم ﷺ (فداہ ابی وائی) بھی بنفس نفیس شریک تھے۔ جس طرح دیگر مخلص مؤمنین دن بھر بھوکے پیاسے رہ کر اللہ کے دین کی حفاظت اور اپنے محبوب پیغمبر کے مشن کی کامیابی کے لئے اس محنت و مشقت میں مصروف رہتے تھے اسی طرح آقائے نامدار سرور کائنات فخر و دو عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ بھی بڑی بڑی تکالیف برداشت فرما کر، مصائب و رنج اٹھا کر ہموک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ کر سردی کی شدید پریشانی اور زمین کو کھودنے پھر اکھاڑنے کی سخت محنت جھیل کر اپنے جاشار رفقاء کے ہمراہ خندق کھودتے تھے۔

ایک جنگ میں بسبب ترود اور تیر اندازی آنحضرت ﷺ کی چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں کہ انہیں میں عصر کی نماز بھی تھی آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے یہ بددعا فرمائی جس کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح ان کفار و مشرکین نے ہماری نمازیں قضا کر

کر ہمیں سخت روحانی تکلیف و اذیت میں مبتلا کیا ہے، خدا کرے وہ بھی دنیا و آخرت کے شدید عذاب میں مبتلا کئے جائیں۔ ایک معمولی سا غلبان یہاں واقع ہو سکتا ہے کہ جنگ احد کے موقع پر آپ ﷺ کی ذات اقدس کو جبکہ کفار کی جانب سے بے انتہاء تکلیف پہنچائی گئی تو آپ ﷺ نے وہاں بددعا نہیں کی اور یہاں بددعا فرمائی اس کی وجہ کیا ہے؟۔ اس کا مختصر ترین جواب یہ ہے کہ جنگ احد میں آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کا معاملہ تھا وہاں آپ ﷺ کی شانِ رحمت کا تقاضا تھا کہ اپنے نفس کے معاملہ میں کسی کے لئے بددعا نہ کریں مگر یہاں نماز کا سوال تھا جس کا تعلق آپ ﷺ کی ذات سے نہ تھا بلکہ حقوق اللہ سے تھا اس لئے آپ ﷺ نے بددعا فرمائی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ”صلوٰۃ وسطیٰ“ عصر کی نماز ہے چنانچہ صحابہ اور تابعین میں سے اکثر طویل القدر حضرات، حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ وغیرہ کا قول یہی ہے لہذا قرآن شریف کی آیت کریمہ حافظو اعلیٰ الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ (یعنی محافظت کرو تم سب نمازوں کی اور درمیانی نماز کی) میں وسطیٰ سے عصر کی نماز ہی مراد لی جائے گی۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس کے تعین میں اکثر صحابہ اور تابعین کا اختلاف رہا ہے تو اس کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت تک ان حضرات تک آنحضرت ﷺ کی وہ حدیث (جو آئندہ فصل میں آ رہی ہے) نہیں پہنچی ہوگی جس سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ ”صلوٰۃ وسطیٰ“ سے عصر کی نماز مراد ہے۔ اس لئے وہ حضرات اپنے اجتہاد اور رائے کی بناء پر اس کے تعین میں اختلاف کرتے ہوں گے چنانچہ اس حدیث کی صحت کے بعد یہ متعین ہو گیا کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ واللہ اعلم۔

الفصل الثانی

⑩ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ وَسَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الْعَصْرِ۔

(رواہ الترمذی)

”حضرت ابن مسعود اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، درمیانی نماز (یعنی قرآن مجید میں جو و الصلوة الوسطیٰ مذکور ہے وہ) عصر کی نماز ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: صلوٰۃ وسطیٰ (یعنی درمیانی نماز) سے عصر کی نماز اس لئے مراد لی جاتی ہے کہ یہی نماز دن کی دونوں نمازوں (یعنی فجر اور ظہر) اور رات کی دونوں نمازوں (یعنی مغرب و عشاء کے درمیان آتی ہے)۔

⑪ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا قَالَ تَشْهَدُهُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے قول إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا (یعنی فجر کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے) کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ صبح کی نماز میں دن اور رات کے فرشتے حاضر (یعنی جمع ہوتے ہیں)۔“ (ترمذی)

تشریح: إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ الْآیۃ کے معنی قرأت قرآن فجر ہیں اور اس سے مراد فجر کی نماز ہے۔ اسے قرآن اس لئے کہا ہے کہ قرأت نماز کا ایک رکن ہے جیسے کہ بعض مقامات پر نماز کو سجدہ یا رکوع کہا گیا ہے۔

بہر حال۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں ”مشہود“ سے مراد یہ ہے کہ بندوں کے دن اور رات کے اعمال لکھنے والے فرشتے اس نماز میں جمع ہوتے ہیں جیسا کہ اکیس باب کی حدیث نمبر تین میں اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَعَائِشَةَ قَالَا الصَّلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الظُّهْرِ وَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عَائِشَةَ تَعْلِيْقًا۔

”حضرت زید ابن ثابتؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ دونوں فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ (یعنی درمیانی نماز) ظہر کی نماز ہے۔ اس روایت کو امام مالکؒ نے صرف حضرت زیدؓ سے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے دونوں (یعنی حضرت زیدؓ و حضرت عائشہؓ) سے بطریق تعلیق یعنی بلا سند روایت کیا ہے۔“

تشریح: حضرت عائشہؓ اور حضرت زید ابن ثابتؓ صلوٰۃ وسطیٰ سے ظہر کی نماز اس لئے مراد لیتے تھے کہ یہ نمازوں کے درمیانی حصہ میں ادا کی جاتی ہے۔

(۱۳) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَلَمْ يَكُنْ يُصَلِّي صَلَاةَ أَشَدَّ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا فَتَرَلْتُ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقَالَ إِنَّ قَبْلَهَا صَلَاتَيْنِ وَبَعْدَهَا صَلَاتَيْنِ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت زید ابن ثابتؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز سورے (یعنی دن ڈھلتے ہی) پڑھ لیتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ پر ان تمام نمازوں میں جو وہ پڑھتے تھے ظہر کی نماز سے زیادہ سخت کوئی نماز نہ تھی چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى یعنی اتم سب نمازوں کی خصوصاً درمیانی نماز کی محافظت کرو۔ اور حضرت زید ابن ثابتؓ فرمایا کرتے تھے کہ ظہر کی نماز سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور بعد میں بھی دو نمازیں ہیں۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: حدیث کے آخری جز سے راوی کا مقصد یہ ہے کہ درمیانی نماز سے مراد ظہر کی نماز ہے۔ لہذا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ کا یہ ثابت کرنا کہ درمیانی نماز سے مراد ظہر کی نماز ہے ان کا اپنا ذاتی اجتہاد ہے۔ اس لئے ان کا یہ قول آنحضرت ﷺ کی حدیث سے متعارض نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ نے تو صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ”درمیانی نماز“ سے مراد عصر کی نماز ہے۔

(۱۴) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَّغَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ كَانَا يَقُولَانِ الصَّلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الصُّبْحِ وَوَاهُ فِي الْمُتَوَكَّلِينَ وَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ تَعْلِيْقًا۔

”اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالبؓ اور حضرت ابن عباسؓ دونوں کہا کرتے تھے کہ درمیانی نماز (سے مراد صبح کی نماز ہے۔) (موطا امام مالکؒ) اور یہ روایت حضرت امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے بطریق تعلیق نقل کی ہے۔“

تشریح: یہ بھی ان دونوں حضرات کا اپنا اجتہاد ہے کہ ان حضرات تک آنحضرت ﷺ کی حدیث نہ پہنچی ہوگی اس لئے انہوں نے بطریق احتمال کہا کہ درمیانی نماز سے مراد صبح کی نماز ہے۔

بہر حال۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے کہ درمیانی نماز سے مراد صبح کی نماز ہے مگر حضرت امام نوویؒ جو شافعی المسلک ہیں فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں صحیح احادیث منقول ہیں کہ درمیانی نماز سے مراد نماز عصر ہے۔

گو حضرت ماوردیؒ نے جو شوافع کے ائمہ میں شمار کئے جاتے ہیں یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے یہ تصریح کر دی ہے کہ صبح کی نماز درمیانی نماز ہے۔ تاہم ان صحیح احادیث کو دیکھتے ہوئے جن سے بصراحت ثابت ہے کہ عصر کی نماز ہی درمیانی نماز ہے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شافعی مسلک بھی یہی ہوگا کیونکہ حضرت امام شافعیؒ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ”اگر تم کوئی ایسی حدیث پاؤ جس کے برخلاف میں نے حکم دے رکھا ہو تو میرا صحیح مسلک وہی سمجھنا جو صحیح حدیث سے ثابت ہو اور میرا پہلا حکم دیوار پر پھینک مارنا۔“

(۱۵) وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ عَدَا إِلَى صَلَاةِ الصُّبْحِ عَدَا يَزِيَّةَ الْإِيمَانِ وَمَنْ عَدَا إِلَى الشُّوقِ عَدَا يَزِيَّةَ الْإِيمَانِ - (رواه ابن ماجہ)

”اور حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص صبح کی نماز کے لئے جاتا ہے تو گویا وہ ایمان کا جھنڈا لے کر چلتا ہے اور جو شخص صبح بازار جاتا ہے تو گویا وہ شیطان کا جھنڈا لے کر چلتا ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے لشکر اور شیطان کو بیان کرنے کے لئے تمثیل ہے کہ جو شخص فجر کی نماز پڑھنے کے لئے صبح سویرے مسجد کی طرف چلتا ہے تو گویا وہ ایمان کا جھنڈا اٹھا کر شیطان سے جنگ کرنے کے لئے چلتا ہے جس طرح غازی اور مجاہدین دشمنان اسلام سے برسرِ پیکار ہونے کے لئے اسلامی جھنڈا لے کر چلتے ہیں لہذا صبح سویرے فجر کی نماز کو جانے والا شخص اللہ تعالیٰ کے لشکر کا ایک فرد ہوتا ہے اور جو شخص صبح سویرے حصول دنیا کے چکر میں بازار کی طرف چلتا ہے تو وہ شیطان کے لشکر کا ایک فرد ہوتا ہے۔ پس طور کہ وہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نماز کو جانے کی بجائے شیطان کی خواہش پر عمل کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنے دین کو کمزور کر کے شیطان کی پیروی و تابعداری کا جھنڈا اٹھا کر اس کی شان و شوکت بڑھاتا ہے لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ یہ تمثیل اس شخص کے حق میں ہے جو فجر کی نماز و وظائف پڑھے بغیر بازار جاتا ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص نماز و تلاوت اور وظائف سے فارغ ہو کر حلال رزق طلب کرنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے سامان حیثیت کی فراہمی کی خاطر بازار جاتا ہے تو وہ اس تمثیل کی رو سے شیطان کے لشکر کا فرد نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے لشکر کا فرد ہوتا ہے۔

باب الاذان

اذان کا بیان

لغت میں اذان کے معنی ”خبر دینا“ ہیں اور اصطلاح شریعت میں ”چند مخصوص الفاظ کے ساتھ اوقات مخصوصہ میں نماز کا وقت آنے کی خبر دینے“ کو اذان کہتے ہیں۔ اس تعریف سے وہ اذان خارج ہے جو نماز کے علاوہ دیگر امور کے لئے مسنون کی گئی ہے جیسا کہ بچے کی پیدائش کے بعد اس کے دائیں کان میں اذان کے کلمات اور بائیں کان میں اقامت کے کلمات کہے جاتے ہیں اور اسی طرح اس شخص کے کان میں اذان کہنا مستحب ہے جو کسی رنج میں مبتلا ہو یا اسے مرگی وغیرہ کا مرض ہو یا وہ غصہ کی حالت میں ہو یا جس کی عادتیں خراب ہو گئی ہوں خواہ وہ انسان ہو یا جانور۔ چنانچہ حضرت دہلویؒ راوی ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ایک دن سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھے غمگین دیکھ کر فرمایا کہ اے ابن ابی طالب! میں تمہیں غمگین دیکھ رہا ہوں لہذا تم اپنے اہل بیت میں سے کسی کو حکم دو کہ وہ تمہارے کان میں اذان کہے جس سے تمہارا غم ختم ہو جائے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ میں نے آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا تو آپ ﷺ کی بات صحیح ثابت ہوئی نیز اس روایت کو حضرت علیؓ تک نقل کرنے والے ہر راوی نے کہا ہے کہ ہم نے اس طریقہ کو آزمایا تو مجرب ثابت ہوا۔ ایسے ہی حضرت دہلویؒ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جس کی عادتیں خراب ہو گئی ہوں خواہ وہ انسان ہو یا جانور تو اس کے کان میں اذان کہو۔“

بہر حال۔ فراغ نماز کے لئے اذان کہنا سنت مؤکدہ ہے تاکہ لوگ نماز کے وقت مسجد میں جمع ہو جائیں اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں۔ اذان کی مشروعیت کے سلسلہ میں مشہور اور صحیح یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت کی ابتداء عبد اللہ ابن زید انصاری اور حضرت عمر فاروقؓ کا خواب ہے جس کی تفصیل آئندہ احادیث میں آئے گی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اذان کا خواب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی دیکھا تھا۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ دس صحابہ کو

خواب میں اذان کے کلمات کی تعلیم دی گئی تھی بلکہ کچھ حضرات نے تو کہا ہے کہ خواب دیکھنے والے چودہ صحابہؓ ہیں۔ بعض علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت خود آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کے نتیجہ میں ہوئی ہے جس کی طرف شب معراج میں ایک فرشتہ نے راہنمائی کی تھی چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم شب معراج میں جب عرش پر پہنچے اور سربلندی عزت تک جو کبریائی حق جل مجدہ کا محل خاص ہے پہنچے تو وہاں سے ایک فرشتہ نکلا آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ فرشتہ کون ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اس خدا کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے تمام مخلوق سے زیادہ قریب ترین درگاہ عزت سے میں ہوں لیکن میں نے پیدائش سے لے کر آج تک اس وقت کے علاوہ اس فرشتہ کو کبھی نہیں دیکھا ہے چنانچہ اس فرشتہ نے کہا ”اللہ اکبر اللہ اکبر“ یعنی اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے۔ پردہ کے پیچھے سے آواز آئی کہ میرے بندہ نے حج کہا انا اکبر انا اکبر (یعنی میں بہت بڑا ہوں میں بہت بڑا ہوں) اس کے بعد اس فرشتہ نے اذان کے باقی کلمات ذکر کئے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اذان کے کلمات صحابہ کے خواب سے بھی بہت پہلے شب معراج میں سن چکے تھے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں محقق فیصلہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اذان کے کلمات شب معراج میں سن تو لئے تھے لیکن ان کلمات کو نماز کے لئے اذان میں ادا کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ مکہ میں بغیر اذان کے نماز ادا کرتے رہے یہاں تک کہ مدینہ تشریف لائے اور یہاں صحابہؓ سے مشورہ کیا چنانچہ بعض صحابہؓ نے خواب میں ان کلمات کو سنا اس کے بعد وحی بھی آگئی کہ جو کلمات آسمان پر سنے گئے تھے اب وہ زمین پر اذان کے لئے مستنون کر دیے جائیں۔ واللہ اعلم۔

الفصل الأول

① عَنْ أَنَسٍ قَالَ ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّافُوسَ فَذَكَرُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى فَأَمَرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُؤْتِيَ الْإِقَامَةَ قَالَ إِسْمَاعِيلُ فَذَكَرْتُهُ لَا يُؤْتِي فَقَالَ إِلَّا الْإِقَامَةَ۔ (تحف علیہ)

”حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ نے (اذان کی مشروعیت سے پہلے نماز کے وقت کا اعلان کرنے کے سلسلے میں) آگ اور ناقوس کا ذکر کیا۔ بعض لوگوں نے یہود و نصاریٰ کا ذکر کیا (کہ ان کی مشابہت ہوگی) پھر سرورِ کائنات ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان کے کلمات جفت کہیں (یعنی اذان کے شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہیں اور باقی کلمات سوائے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ کے جو ایک مرتبہ کہا جاتا ہے وہ دو مرتبہ کہیں) اور تکبیر کے کلمات (سوائے اللہ اکبر کے) ایک ایک مرتبہ کہیں (شیخ اسماعیلؒ جو اس حدیث کے راوی اور بخاری و مسلم کے استاذ ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر ابوب سے (جو اس حدیث کے راوی ہیں اور جنہوں نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے) کیا تو انہوں نے فرمایا کہ لفظ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ دو مرتبہ کہنا چاہئے (یعنی تکبیر کے اول و آخر میں ”اللہ اکبر“ کے علاوہ بقیہ کلمات ایک ایک مرتبہ ہیں اور لفظ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ دو مرتبہ ہے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور یہاں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور مسجد بنائی گئی تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ نماز کے وقت اعلان کے لئے کوئی ایسی چیز منتخب کی جانی چاہئے جس کے ذریعہ تمام لوگوں کو اوقات نماز کی اطلاع ہو جایا کرے تاکہ سب لوگ وقت پر مسجد میں حاضر ہو جائیں اور جماعت سے نماز ہو سکے چنانچہ بعض صحابہؓ نے یہ مشورہ دیا کہ نماز کے وقت کسی بلند جگہ پر آگ روشن کر دی جایا کرے تاکہ اسے دیکھ کر لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں بعضوں کی رائے ہوئی ناقوس بجانا چاہئے تاکہ اس کی آواز سن کر لوگ مسجد میں حاضر ہو جائیں۔

چند صاحب الرائے صحابہؓ نے ان تجویزوں کے سلسلہ میں عرض کیا کہ آگ تو یہودی اپنی عبادت کے وقت اعلان کے لئے روشن کرتے ہیں، اسی طرح ناقوس نصاریٰ اپنی عبادت کے وقت اعلان کے لئے بجاتے ہیں لہذا ہمیں یہ دونوں طریقے اختیار نہ کرنے چاہئیں

کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔
 آؤ نماز کی طرف، آؤ نماز کی طرف، آؤ تلاوح کی طرف، آؤ تلاوح کی طرف، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“
 (مسلم)

تشریح: ”اللہ اکبر“ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس چیز سے بہت بلند و بالا ہے کہ کوئی شخص اس کی کبریائی و عظمت کی حقیقت کو پہچانے۔ یا اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے بہت بڑا ہے کہ اس کی ذات پاک کی طرف ان چیزوں کی نسبت کی جائے جو اس کی عظمت و بزرگی کے مناسب نہیں ہیں، یا پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ رب العزت تمام چیزوں سے بہت بڑا ہے۔
 اذان و تکبیر میں اللہ اکبر کی حرف راسخ ہوتی ہے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ، اور جمہور علماء کے نزدیک یہ کلمہ اذان میں پہلی بار چار مرتبہ کہا جاتا ہے اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک دو مرتبہ کہا جاتا ہے۔
 اس کلمہ کو چار مرتبہ کہنے میں یہ لطیف نکتہ ہے کہ گویا یہ حکم چار دایک عالم میں جاری و حاوی ہے اور عناصر اربعہ سے مرکب نفس انسانی کی خواہشات کے تزکیہ میں بہت موثر ہے۔

حسی علی الفلاح کے معنی یہ ہیں کہ تم ہر کمزور چیز سے چھٹکارا اور ہر مراد کے ملنے کی طرف آؤ۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ فلاح کے معنی بقا کے ہیں یعنی اس چیز کی طرف دوڑو جو عذاب سے چھٹکارے کا باعث، ثواب کا سبب اور آخرت میں بقاء کا ذریعہ ہے اور وہ چیز نماز ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اذان میں ترجیع یعنی شہادتین کو دو مرتبہ کہنا سنت ہے۔ ترجیع کی شکل یہ ہوتی ہے کہ پہلے شہادتین کو دو مرتبہ پست آواز سے کہا جاتا ہے پھر دو مرتبہ بلند آواز سے ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے۔
 علمائے حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ تکرار حضرت ابو محذورہ کی تعلیم کے لئے تھا نہ کہ تشریح کے لئے۔ یعنی پہلی مرتبہ ابو محذورہ نے جب شہادتین کو پست آواز سے کہا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ان کلمات کو پھر ادا کرو اور بلند آواز سے ادا کرو چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت ابو محذورہ کی جو ایک دوسری روایت منقول ہے اس میں ترجیع نہیں ہے۔

نیز حضرت عبداللہ ابن زید کی حدیث میں بھی جو اذان کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے ترجیع نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت بلالؓ جو مؤذنوں کے سردار ہیں، نہ ان کی اذان میں اور نہ ابن اُم مکتوم کی اذان میں جو مسجد نبوی میں اذان کہتے تھے اور نہ ہی حضرت سعد قرطبی اذان میں جو مسجد قبا کے مؤذن تھے ترجیع منقول ہے۔ پھر یہ کہ اس سلسلہ میں حضرت ابی محذورہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ تکرار شہادتین کی تعلیم کے لئے تھا۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

(۳) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الْإِذَاانُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ وَالْإِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ - (رواه ابو داؤد والنسائی والدارقطنی)

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور تکبیر کے کلمات ایک ایک دفعہ (کہے جاتے) تھے البتہ (تکبیر میں) قد قامت الصلوة بے شک نماز تیار ہے مؤذن دو مرتبہ کہتا تھا۔“ (ابو داؤد، نسائی، دارقطنی)

تشریح: حضرت ابن عمرؓ نے جو یہ فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہے جاتے تھے تو اس سے مراد یہ ہے کہ شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہتے تھے اور آخر میں لا الہ الا اللہ ایک مرتبہ کہتے تھے ان دونوں کلمات کے علاوہ باقی

طرح ہیں، "فمصح راسی" یعنی آپ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا، لہذا یہ الفاظ اس معنی کی تائید کرتے ہیں جو ترجمہ میں کئے گئے ہیں۔ یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اتفاقاً طور پر اپنا دست مبارک خود اپنے سر اقدس پر پھیرا ہوگا۔ راوی نے پورا واقعہ نقل کرنے کی غرض سے اس کا تذکرہ بھی کر دیا۔

بہر حال اس پہلے ترجمہ کی جو توجیہ کی گئی تھی کہ جن احادیث میں اذان میں شہادتین کا تکرار ذکر کیا گیا ہے تو تعلیم پر محمول ہے تو وہ توجیہ بظاہر اس حدیث کے منافی ہے لہذا اولیٰ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس سلسلہ میں ہم نے ان کثیر روایتوں کو ترجیح دی ہے جن میں ترجیع کا ذکر نہیں کیا گیا ہے نیز حضرت ابو حفصہ کی روایت جس سے ترجیع ثابت ہے وہ پہلے کی ہے اور وہ احادیث جن میں ترجیع مذکور نہیں ہے بعد کی ہیں اس لئے ابو حفصہ کی روایت ان روایتوں سے منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

الصلوة خیر من النوم کا مطلب یہ ہے۔ ارباب ذوق شوق اور عشق خداوندی سے سرشار لوگوں کے نزدیک نماز کی لذت نیند کی لذت سے بدرجہا بہتر ہے۔

⑥ وَعَنْ بِلَالٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَتَوَيَّنَ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَاةِ إِلَّا فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَاهِ التَّوَيُّمِ وَأَنْتَ مَا جَعَلَ قَالَ التَّوَيُّمُ أَبُو اسْرَائِيلَ الرَّائِي لَيْسَ هُوَ بِذَلِكَ الْقَوِيُّ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ۔

"اور حضرت بلالؓ کہتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ فجر کی نماز کے علاوہ اور کسی نماز میں تئوہ نہ کرو۔ (ترمذی)، ابن ماجہ"، اور حضرت امام ترمذی فرماتے ہیں کہ (اس حدیث کے راوی) ابواسرائیل محدثین کے نزدیک قوی (یعنی قابل اعتبار) نہیں ہیں۔"

تشریح: "تئوہ" وہ اعلام ہوتا ہے جس سے پہلے کوئی اعلام ہو چکا ہو اور اس کی غرض اور اس سے پہلے کے اعلام کی غرض ایک ہو۔ مثلاً پہلے اعلام سے لوگوں کو نماز کے لئے بلانا مقصود ہو تو اس اعلام سے بھی یہی مقصود ہو۔ تئوہ کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا۔ یہ تئوہ اس لئے ہے کہ ایک مرتبہ توحی علی الصلوٰۃ کہہ کر لوگوں کو نماز کے لئے بلایا گیا پھر دوبارہ الصلوٰۃ خیر من النوم سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا۔ یہ تئوہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں رائج تھی اور مسنون یہی ہے پھر اس کے بعد کوفہ کے علماء نے اذان و تکبیر کے درمیانی وقفہ میں حی علی الفلاح کہنا رائج کیا، اس کے بعد ہر فرقہ و طبقہ کے لوگوں نے اپنے اپنے عرف کے مطابق کچھ نہ کچھ طریقہ تئوہ کے طور پر رائج کیا مگر یہ تمام تئوہیں فجر کی نماز ہی کے لئے رائج کی گئیں، کیونکہ فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔

پھر آخر میں متاخرین علماء نے تمام نمازوں کے لئے تئوہ رائج کی اور اسے بنظر استحسان دیکھا حالانکہ حقد میں کے نزدیک یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ احداث ہے اور بدعت ہے چنانچہ حضرت علیؓ سے بھی اس کا انکار بایں طور منقول ہے کہ ایک شخص تئوہ کہتا تھا آپ نے اس کے بارہ میں فرمایا کہ اخر جو اهذا المبتدع من المسجد یعنی اس بدعتی شخص کو مسجد سے نکال باہر کرو۔ حضرت عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک دن جب کہ وہ مسجد میں موجود تھے مؤذن کو غیر فجر میں تئوہ کرتے ہوئے سنا تو مسجد سے باہر نکل آئے اور دو سرون سے بھی کہا کہ اس شخص کے سامنے نہ رہو، باہر نکل آؤ کیونکہ یہ بدعتی ہے۔

⑦ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ إِذَا أَذَنْتَ فَتَرَسَّلْ وَإِذَا أَقَمْتَ فَاحْذَرُوا اجْعَلْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَأَقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْقَهُ الْأَكْبَلُ مِنَ الْكَلِمَةِ وَالشَّارِبِ مِنْ شَرْبِهِ وَالْمُعْتَصِرِ إِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهِ وَلَا تَقْرَأُوا حَتَّى تَرَوْنِي زَوَاهِ التَّوَيُّمِ وَقَالَ لَا تَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الْمُنْعِمِ وَهُوَ اسْنَادٌ مَجْهُولٌ۔

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر کہا کرو اور جب تکبیر کہو تو جلدی جلدی کہا کرو اور اذان و تکبیر کے درمیان اتنا وقفہ کیا کرو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے، پینے والا اپنے سے، قضائے حاجت والا اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے اور اس وقت تک نماز کے لئے کھڑے نہ ہو جب تک مجھے (نماز پڑھانے کے لئے آتا ہوا) نہ دیکھ لو۔ اس حدیث

کو تردیٰ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم اس حدیث کو سوائے عبداللہ کے اور کسی سے نہیں جانتے اور اس کی سند مجہول ہے۔
تشریح: اذان کو ٹھہر ٹھہر کر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کلمات کو ایک دوسرے سے جدا جدا کر کے اور خفیف سے سکتہ کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ادا کرو۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اذان کے کلمات کی ادائیگی میں اتنی ڈھیل کرو کہ کلمات بغیر کھینچے ہوئے تاکہ حد سے تجاوز نہ ہو واضح واضح کہہ سکو۔ اسی وجہ سے مؤذنوں کے لئے تاکید ہے کہ وہ اذان کے کلمات کی ادائیگی میں احتیاط سے کام لیں اور قواعد کے مطابق اذان کہیں تاکہ غلطیوں کا ارتکاب نہ ہو سکے کیونکہ بعض غلطیاں ایسی ہیں کہ ان کو قصداً کرنے والا کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے جیسے اشہد کے الف کو مد کے ساتھ ادا کرنا کہ یہ استغناء ہو جاتا ہے اور جس کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ کیا میں گواہی دوں اس شخص؟ یا اللہ اکبر میں حرف با کو مد کے ساتھ کھینچ کر (اکبار) پڑھنا کہ یہ لفظ کبر کی جمع ہو جاتی ہے جس کے معنی اس طلبہ کے آتے ہیں جس کا ایک منہ ہوتا ہے اور دائرہ کی شکل میں ہوتا ہے یا اسی طرح لفظ الہ پر وقف کرنا اور اللہ سے ابتداء کرنا۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب مؤذن تکبیر کے لئے کھڑا ہو تو مجھے مسجد میں آتا ہوں دیکھ لو نماز کے لئے کھڑے نہ ہو، کیونکہ امام کی آمد سے پہلے ہی کھڑے ہو جانا خواہ مخواہ کی تکلیف اٹھانا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ غالباً آنحضرت ﷺ نماز پڑھانے کے لئے اپنے حجرہ مبارک سے اس وقت نکلتے ہوں گے جب کہ مؤذن تکبیر شروع کر دیتا ہوگا اور جب مؤذن تکبیر کہتا ہو احی علی الصلوٰۃ پر پہنچتا ہوگا تو آپ ﷺ اس وقت محراب میں داخل ہوتے ہوں گے۔ اسی وجہ سے ہمارے ائمہ نے یہ کہا ہے کہ جب مؤذن تکبیر شروع کر دے اور احی علی الصلوٰۃ پر پہنچے تو امام اور مقتدیوں کو کھڑے ہو جانا چاہئے اور جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ پر پہنچے تو نماز شروع کر دینی چاہئے۔

⑧ وَعَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصَّدَائِيِّ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَذِنَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَأَذِنْتُ فَأَزَادَ بِلَالٌ أَنْ يَقِيمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخَا صَدَاءَ قَدْ أَذِنَ وَمَنْ أَذِنَ فَهُوَ يَقِيمُ۔

(رواہ السرخسی والیورڈ و ابن ماجہ)

"حضرت زید ابن حارث صدائی کہتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مجھے فجر کی نماز کے لئے اذان کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں نے اذان کہی، پھر حضرت بلالؓ نے تکبیر کہنی چاہی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ صدائی کے بھائی نے اذان کہی تھی اور جو اذان کہے اسی کو تکبیر بھی کہنی چاہئے۔" (تردئی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اغاء صداء یعنی صدائی کے بھائی سے مراد زیاد ابن حارث صدائی ہیں، عرب میں قاعدہ تھا جو شخص جس قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اسے اس قبیلہ کا بھائی کہا جاتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس حدیث کے مطابق غیر مؤذن کو تکبیر کہنا مکروہ ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اکثر و بیشتر حضرت ابن اُم مکتوم اذان کہتے تھے اور حضرت بلالؓ تکبیر کہتے تھے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ اگر غیر مؤذن تکبیر کہنا چاہے تو مؤذن سے اجازت لے لے۔ اگر مؤذن کو کسی دوسرے کی تکبیر کہنا ناگوار ہو تو پھر غیر مؤذن کو تکبیر کہنا مناسب نہیں ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑨ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الْمُسْلِمُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَجْتَمِعُونَ لِلصَّلَاةِ وَلَيْسَ يَتَذَكَّرُ بِهَا أَحَدٌ فَتَكَلَّمُوا يَوْمَئِذٍ فِي ذَلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ أَتُحِلُّونَا مِثْلَ نَافُوسِ النَّصَارَى وَقَالَ بَعْضُهُمْ قُرْنَا مِثْلَ قُرْنِ الْيَهُودِ فَقَالَ عُمَرُ

أَوْ لَا تَبْعَثُون زَجَلًا يَتَادَى بِالصَّلَاةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَتَادِ بِالصَّلَاةِ - (تقریباً)

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان مدینہ میں آکر جمع ہو گئے تو نماز کے لئے وقت اور اندازہ معین کرنے لگے (کیونکہ کوئی آدمی نماز کے لئے بلانے والا نہ تھا) ایک روز جب اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو بعضوں نے کہا کہ نصاریٰ کی طرف ناقوس بٹایا جائے اور بعضوں نے کہا کہ یہودی کی طرح سینک بٹایا جائے (یہ تمام تجاویز سن کر) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کر دیا جائے جو نماز کے لئے (لوگوں کو) بلالیا کرے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بلال اکھڑے ہو کر نماز کے لئے منادی دیا کرو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو منادی کرنے کا جو حکم دیا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو کسی بلند جگہ پر کھڑے ہو کر الصلوٰۃ جامعۃ کہہ دیا کرو۔ یہ آواز سن کر لوگ نماز کے لئے حاضر ہو جایا کریں گے۔ لہذا ”منادی“ سے مراد نماز کے لئے محض اعلان کرنا ہے نہ کہ اس سے شرعی منادی یعنی اذان مراد ہے۔ اس توجیہ سے پہلی احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے کہ پہلے ایک مجلس میں اس طرح اعلان کرنے کی تجویز پاس ہوئی پھر بعد میں جب دوسری مجلس میں اس پر بحث و مباحثہ ہوا تو حضرت عبداللہ ابن زیدؓ نے اذان کا خواب دیکھا اور آنحضرت ﷺ نے یا تو وہی آواز اعلان کے بعد یا اپنے اجتہاد سے کام لے کر حضرت عبداللہ ابن زیدؓ کے خواب کے مطابق اذان شروع فرمائی۔

① وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ لَمَّا أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهِ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلَاةِ طَافَ بَيْنِي وَأَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوسًا فِي يَدِهِ فَقُلْتُ يَا عَبْدَ اللَّهِ أَتَبِيعُ النَّاقُوسَ قَالَ وَمَا تَضَعُ بِهِ قُلْتُ نَدْعُو بِهِ إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ أَفَلَا أَذْكَ عَلَى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْ ذَلِكَ فَقُلْتُ لَهُ بَلَى قَالَ فَقَالَ تَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ إِلَى آخِرِهِ وَكَذَا الْإِقَامَةُ فَلَمَّا أَصْبَحْتُ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا رَأَيْتُ فَقَالَ إِنَّهَا لَوُيَا حَقٍّ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَأَتَى عَلَيْهِ مَا رَأَيْتُ فَلْيُؤَذِّنْ بِهِ فَإِنَّهُ أَذْكَ صَوْتًا مِنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ أَلْقِيهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهِ قَالَ فَسَمِعْتُ بِذَلِكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ يَخْرُجُ رَدَاءً هُوَ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ فَقَدْ رَأَيْتُ مِثْلَ مَا أَرَى فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرِ الْإِقَامَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ لَكِنَّهُ لَمْ يُصَرِّحْ قِصَّةَ النَّاقُوسِ۔

”اور حضرت عبداللہ ابن زیدؓ نے فرماتے ہیں کہ جب سرور کائنات ﷺ نے ناقوس بنائے جانے کا حکم دیا تاکہ نماز کی جماعت میں لوگوں کے حاضر ہونے کے لئے اسے بجایا جائے تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں ناقوس لئے ہوئے (جاتا) ہے میں نے اس شخص سے کہا کہ بندہ خدا کیا تم یہ ناقوس بچھو گے؟ اس شخص نے کہا کہ تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ ہم اسے بجا کر لوگوں کو نماز کی جماعت کے لئے بلایا کریں گے۔ اس نے کہا کہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں؟ میں نے کہا کہ ہاں ضرور بتاؤ! اس شخص نے کہا کہ کہو اللہ اکبر تک اس نے اذان بتا کر پھر اسی طرح اقامت بھی بتائی، جب صبح ہوئی تو میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جو کچھ خواب میں دیکھا تھا آپ ﷺ سے بیان کیا، آپ ﷺ نے (خواب سن کر) فرمایا کہ، انشاء اللہ تعالیٰ خواب سچا ہے، اب تم بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر جو کچھ خواب میں دیکھا ہے انہیں بتاتے جاؤ اور وہ اذان کہیں کیونکہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔ چنانچہ میں بلالؓ کے ساتھ کھڑا ہو کر انہیں سکھاتا گیا اور وہ اذان دیتے رہے۔ راوی کہتے ہیں کہ، حضرت عمر ابن خطابؓ نے جب اپنے مکان میں اذان کی آواز سنی تو (جلدی کی بنا پر) اپنی چادر کھینچتے ہوئے مکان سے باہر نکلے اور یہ کہتے ہوئے (آنحضرت ﷺ کی خدمت میں) حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ الحمد للہ (یعنی سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں) یہ حدیث ابوداؤدؓ، دارمیؓ، اور ابن ماجہؓ نے نقل کی ہے مگر ابن ماجہؓ نے بحیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے اور ترمذیؓ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن انہوں نے ناقوس کے قصہ کی تصریح نہیں کی ہے۔“

تشریح: حدیث کے پہلے جزء کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ناقوس بجانے کا حکم دے دیا تھا۔ بلکہ یہاں ”حکم“ کا مطلب یہ ہے کہ جب اس سلسلہ میں صحابہ سے مشورہ کیا اور کوئی مناسب تجویز ذہن میں نہیں آئی تو آپ ﷺ نے ناقوس بجانے کا حکم دینے کا ارادہ فرمایا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ ابن زیدؓ کے خواب کے ذریعہ اس کی نوبت نہ آنے دی۔

یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کی مؤید ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر اور اذان کے کلمات میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح اذان کے کلمات کو سوائے شروع میں اللہ اکبر اور آخر میں لا الہ الا اللہ کے دودھ مرتبہ کہا جاتا ہے اسی طرح تکبیر کے کلمات کو بھی دو مرتبہ کہا جاتا ہے البتہ تکبیر میں صرف قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ ہے جو اذان میں نہیں ہے۔

حضرت عبداللہؓ کے خواب کو سن کر آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ یہ ”خواب سچا ہے“ اب اس تصدیق کا تعلق یا تو وحی سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس خواب کے سچا ہونے کی خبر دے دی تھی اس لئے آپ ﷺ نے بھی اسے حق کہا یا پھر آپ ﷺ نے اپنے اجتہاد کی بناء پر اس خواب کو سچا مانا۔ اس موقع پر آپ ﷺ کا ”انشاء اللہ“ کہنا رکت اور اظہار طمانیت کے طور پر تھا۔ نہ کہ شک کے لئے۔ اذان کی آواز سن کر حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جو یہ کہا کہ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ بات اس وقت کہی ہو جب انہیں معلوم ہو گیا ہو کہ یہ اذان حضرت عبداللہ ابن زیدؓ کے خواب کے نتیجہ میں کہی گئی ہے یا پھر انہیں اس خواب کا علم مکاشفہ کے ذریعہ ہو گیا ہوگا۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ مؤذن کا بلند آواز اور خوش گلو ہونا مستحب ہے۔

آخر میں اتنی بات اور جان لیجئے کہ اذان کی مشروعیت ۲ھ میں ہوئی ہے مگر کچھ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ اذان ہجرت کے پہلے سال مشروع ہوئی ہے۔

(۱۱) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَكَانَ لَا يَمُزُّ بِرَجُلٍ إِلَّا نَادَاهُ بِالصَّلَاةِ أَوْ خَرَجَهُ بِرَجُلِهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ میں سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ صبح کی نماز کے لئے نکلا، آنحضرت ﷺ جس شخص کے پاس سے گزرتے تھے نماز کے لئے یا تو اسے آواز دیتے تھے یا اس کے پاؤں کو حرکت دے دیتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص نماز کے وقت سوتا ہو تو اس کو نماز کے لئے جگانا جائز ہے خواہ آواز دے کر جگایا جائے خواہ اس کا پاؤں وغیرہ ہلا کر۔

(۱۲) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَّغَهُ أَنَّ الْمُؤَذِّنَ إِذَا جَاءَ عُمَرَ يُؤَذِّنُهُ لَصَلَاةِ الصُّبْحِ فَوَجَدَهُ نَائِمًا فَقَالَ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النََّوْمِ فَأَمَرَهُ عُمَرُ أَنْ يَجْعَلَهَا فِي نِدَاءِ الصُّبْحِ۔ (دواہ موطا)

”اور حضرت امام مالکؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ مؤذن حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آکر صبح کی نماز کے لئے انہیں خبردار کر دیتا تھا چنانچہ (ایک دن) مؤذن نے حضرت عمرؓ کو سوتا ہوا پایا تو کہا کہ الصلوٰۃ خیر من النوم (نماز نیند سے بہتر ہے) حضرت عمرؓ نے مؤذن کو حکم دیا کہ یہ کلمہ صبح کی اذان میں شامل کیا جائے۔“ (موطا)

تشریح: بظاہر تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا کلمہ حضرت عمرؓ نے اضافہ کیا تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ فجر کی اذان میں یہ کلمہ کہنا تو شروع ہی سے مسنون تھا۔ اب اس حدیث کی توجیہات کی گئی ہیں لیکن زیادہ مناسب اور بہترین توجیہ یہ ہے کہ جب مؤذن نے حضرت عمرؓ کو سوتا ہوا دیکھ کر یہ کلمہ کہا تو انہیں ناگوار ہوا اور فرمایا کہ یہ کلمہ صبح کی اذان میں شامل کیا جائے۔ یعنی یہ کلمہ فجر کی اذان ہی میں کہنا سنت ہے اسی موقع پر انہیں یہ کلمہ کہنا چاہئے اذان کے سوا سوتے ہوئے کو جگانے

کے لئے یہ کلمہ استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَعْدٍ بْنِ عَمَّارٍ بْنِ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِلَالًا أَنْ يَجْعَلَ اصْبَغِيهِ فِي أُذُنَيْهِ وَقَالَ إِنَّهُ أَرْفَعُ لِبَصَوْتِكَ۔

(رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عبدالرحمن بن سعد بن عمار بن سعد مؤذن رسول خدا ﷺ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد سعدؓ نے اور انہوں نے اپنے والد عمار سے اور انہوں نے سعدؓ کے دادا سے جن کا نام بھی سعد تھا سنا کہ سرور کائنات ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ (اذان کہتے وقت) اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں دے لیا کریں کیونکہ اس سے آواز زیادہ بلند ہو جاتی ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: حضرت سعدؓ صحابی ہیں اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے مسجد قبا میں مؤذن تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات تک یہ اس مسجد میں اذان کہتے رہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ مسجد نبویؐ میں اذان کہنا چھوڑ کر شام چلے گئے تو حضرت ابو بکرؓ نے انہیں مسجد قبا سے بلا کر مسجد نبویؐ میں اذان کہنے کی خدمت پر مامور فرمایا اور یہ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اس باسعادت خدمت کو انجام دیتے رہے۔ حضرت سعدؓ کے صاحبزادے حضرت عمار تابعی مقبول ہیں اور ان کے بیٹے یعنی حضرت سعدؓ کے پوتے کا نام بھی سعد ہے اور ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن مطہور ہیں اس طرح عمار کے والد حضرت سعدؓ ان کے لڑکے سعدؓ کے دادا ہوئے۔

چنانچہ یہ حدیث حضرت عبدالرحمنؓ نے اپنے دادا حضرت سعدؓ سے نقل کی ہے اور انہوں نے اپنے والد حضرت عمارؓ سے نقل کی ہے جو تابعی ہیں اور انہوں نے اپنے والد مکرم حضرت سعدؓ سے سنا ہے جو صحابیت کی سعادت سے مشرف ہیں۔ ایہ اور جدہ دونوں کی ضمیریں لفظ الہی کی طرف راجع ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں اس لئے ڈی جاتی ہیں تاکہ آواز زیادہ سے زیادہ بلند ہو سکے اور اس میں شاید یہ حکمت ہے کہ کانوں میں انگلیاں رکھ لینے سے بلند آواز ہی مؤذن کے کان میں آئے گی اس لئے وہ اس کی کوشش کرے گا کہ جہاں تک ہو سکے۔ پورے زور سے چلا کر اذان کہے۔

بَابُ فَضْلِ الْاَذَانِ وَاجَابَةِ الْمُؤَذِّنِ

اذان اور اذان کا جواب دینے کی فضیلت کا بیان

اذان اللہ تعالیٰ کے اذکار میں ایک بہت بڑے رتبہ کا ذکر ہے اس میں توحید اور رسالت کی شہادت اعلان کے ساتھ ہوتی ہے اس سے اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اذان دینے کی فضیلت اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے چنانچہ اس عنوان کے تحت وہ احادیث ذکر کی جائیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ اذان دینا اور حقیقت برکت و سعادت سے اپنا دامن بھرنے ہے۔

اب اس میں کلام ہے کہ آیا اذان کہنا زیادہ افضل ہے یا امامت کرنا؟ چنانچہ مختار اور مستند قول یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو کہ وہ امامت کے پورے حقوق بجالائے گا تو اس کے لئے امامت کرنا افضل ہو گا ورنہ بصورت دیگر اس کے لئے اذان کہنا ہی افضل ہو گا۔

علماء کا اس معاملہ میں اختلاف ہے کہ آیا آنحضرت ﷺ نے بھی اذان کہی ہے یا نہیں؟ گو ایک حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اذان کہی ہے مگر بعض حضرات نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دے کر اذان کہلائی ہے۔ آپ ﷺ کے اس حکم کو اس طرح تعبیر کیا گیا ہے جیسے کہ محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلاں بادشاہ نے قلعہ بنایا ہے حالانکہ بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے قلعہ نہیں بناتا بلکہ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس نے حکم دے کر قلعہ بنوایا ہے۔ دارقطنیؒ کی ایک روایت میں اس کی

تصریح بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اذان کہنے کا حکم کیا تھا نہ کہ خود اذان دی تھی واللہ اعلم۔

اذان کا جواب دینا واجب ہے اگر کئی آدمی مل کر اذان دیں تو اس شکل میں **سبحان** حرمتِ اذان کے لئے ہوگی یعنی اس کا جواب دینا چاہئے اور اگر کوئی شخص کئی طرف سے یعنی مختلف محلوں کی مساجد سے اذان سنے تو صرف اپنی مسجد کے مؤذن کا جواب دینا واجب ہوگا اور اگر کوئی شخص اذان کے وقت مسجد میں بیٹھا ہو تو اس کے لئے اذان کا جواب واجب نہیں ہے کیونکہ اس شکل میں تو اسے اجابتِ فعلی حاصل ہی ہے۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ قرآن پڑھنے والا شخص اذان کا جواب دے یا نہ دے اچانچہ اس سلسلہ میں مختار قول یہ ہے کہ وہ اذان کا جواب نہ دے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْمُؤَذِّنُونَ أَطْلُونَ النَّاسَ اغْتِثَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(رداء مسلم)

”اور حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے روز لوگوں سے زیادہ اونچی گردن والے مؤذن ہوں گے۔“ (مسلم)

تشریح: اونچی گردن کے معنی کے تعین میں مختلف اقوال ہیں چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ دنیا میں اذان دیتے تھے وہ قیامت کے روز بہت زیادہ ثواب والے اور مرتبے والے ہوں گے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ مؤذن قیامت کے روز سردار ہوں گے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں قیامت کے روز مؤذن بہت زیادہ ثواب کے امیدوار ہوں گے کیونکہ جو شخص کسی چیز کے حصول کی امید رکھتا ہے وہ گردن اونچی کر کے اس چیز کو دیکھتا ہے، اسی طرح میدانِ حشر میں جب کہ تمام لوگ حساب و کتاب کی بناء پر رنج و فکر میں ہوں گے۔ مؤذن آرام و راحت کے ساتھ اس بات کے منتظر ہوں گے کہ اب جنت میں داخلہ کا حکم کیا جائے گا۔ بعض حضرات نے اس کے معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ قیامت کے روز مؤذنین کو باری تعالیٰ عزا سمہ کی بارگاہ میں مقامِ قرب و عزت حاصل ہوگا۔

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَدَّى لِلصَّلَاةِ أَذْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهُ ضَوْظًا حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأَذِينَ فَإِذَا قُضِيَ التَّأَذُّ إِذَا تَوَدَّى حَتَّى إِذَا قُضِيَ التَّشْرِيبُ أَقْبَلَ حَتَّى يَخْطُرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ يَقُولُ أَذْكَرَ كَذَا أَذْكَرَ كَذَا لِمَا لَمْ يَكُنْ يَدْرِي حَتَّى يَنْظُرَ الرَّجُلُ لَا يَدْرِي كَيْفَ صَلَّى۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگ بھاگ کھڑا ہوتا ہے تاکہ اذان نہ سن سکے، جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پھر آتا ہے اور جس وقت تکبیر ہوتی ہے تو پھر پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے جب تکبیر ختم ہو جاتی ہے تو دوبارہ آ جاتا ہے تاکہ انسان اور اس کے دل کے درمیان خطرات پیدا کرے چنانچہ (نمازی سے) کہتا ہے کہ فلاں چیز یاد کرو، فلاں بات یاد کرو (اس طرح نماز شروع کرنے سے پہلے مال و اولاد، حساب و کتاب اور خرید و فروخت کے سلسلہ میں) جو باتیں نمازی کو یاد نہیں ہو تھیں وہ یاد دلاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی (یعنی نمازی کو) کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: بعض کہتے ہیں کہ شیطان کا گوز مارتا حقیقہ ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی جسم رکھتا ہے اس لئے ایسا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے چنانچہ جس طرح گدھے پر جب وزن رکھ دیا جاتا ہے تو وہ بوجھ کی زیادتی کی وجہ سے گوز مارتا ہے اسی طرح شیطان پر بھی اذان بہت بھاری ہوتی ہے اور وہ گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ جب اذان شروع ہوتی ہے تو شیطان ایک آواز نکالتا ہے جو کان میں بھر جاتی ہے اور اس سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اذان نہ سن سکے۔ اس آواز کو اس کی برائی و خرابی بیان کرنے کے لئے یہاں گونامہ نے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

انسان اور اس کے دل کے درمیان خطرات پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نمازی اور اس کے دل کے درمیان وسوسا و خطرات حائل کر دیتا ہے اور اس کے دل کو دنیا کی باتوں کی طرف لگا دیتا ہے تاکہ نماز میں حضوری قلب کی دولت میسر نہ آ سکے۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ شیطان قرأت قرآن اور عظمت سے تو بھاگتا نہیں مگر اذان سے بھاگتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اذان کے کلمات میں ایسی ہیبت اور عظمت رکھ دی ہے جو شیطان کو خوف و ہراس میں مبتلا کر دیتی ہے۔

﴿٣﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ حِنْ وَلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (رواه البخاري)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ مؤذن کی انتہائی آواز کو جو بھی مستجاب خواہ انسان ہو یا جن اور یا جو بھی چیز وہ سب قیامت کے دن مؤذن (کے ایمان) کی گواہی دیں گے۔“ (بخاری)

تشریح: مدی کے معنی ”انتہا یعنی اخیر“ ہیں۔ آواز کی انتہا یہ ہے کہ اس کی بھٹک کان میں آجائے اور یہ نہ معلوم ہو کہ آواز دینے والا کیا کہہ رہا ہے۔ یہاں اگرچہ یہی معنی کافی تھا کہ ”مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے الخ“ لیکن مدی بمعنی انتہاء کو ذکر کر کے اس طرف اشارہ مقصود تھا کہ جن کے کان میں اذان کی محض بھٹک چڑ جائے گی جب وہ مؤذن کے ایمان کی گواہی دیں گے تو وہ لوگ تو بطریق اولیٰ گواہ ہوں گے جو مؤذن کے قریب ہوں گے اور اذان کو قریب سے سنیں گے۔

علماء لکھتے ہیں کہ درحقیقت اس حدیث سے مؤزن کو ترغیب دلائی مقصود ہے کہ اذان نہایت بلند آواز سے کہا کریں تاکہ ان کے ایمان کی گواہی دینے والے زیادہ سے زیادہ ہوں۔

(٣) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ النَّعَّاسِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيْهِ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَى صَلَاةٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللَّهَ لِي الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنُورَةٌ فِي الْحِجَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنَ عِبَادِ اللَّهِ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِي الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّقَاةُ (رواه مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاصؓ راوی ہیں۔ کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جب تم مؤذن کی آواز سنو تو (اس کے جواب میں) اس کے الفاظ کو دہراؤ اور پھر (اذان کے بعد) مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اس کے بدلہ میں خدا اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے پھر (مجھ پر درود بھیج کر) میرے لئے (خدا سے) وسیلہ کی دعا کرو۔ وسیلہ جنت کا ایک (اعلیٰ) درجہ ہے جو خدا کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھ کو امید ہے کہ وہ بندہ خاص میں ہوں گا لہذا جو شخص میرے لئے وسیلہ کی دعا کرے گا (قیامت کے روز) اس کی سفارش مجھ پر ضروری ہو جائے گی۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب مؤذن اذان کہے تو تم بھی مؤذن کے ساتھ اذان کے کلمات دہراتے جاؤ البتہ چند کلمات ایسے ہیں جن کو بعینہ دہرانا نہیں چاہئے بلکہ ان کے جواب میں دوسرے کلمات کہنے چاہیں جس کی تفصیل آئندہ حدیث میں آرہی ہے چنانچہ فجر کی اذان میں جب مؤذن الصلوة خیر من النوم کہے تو اس کے جواب میں صَلَّاتٌ وَبُورٌ وَبِالْحَقِّ نَطَقْتُ (یعنی تم نے سچ کہا ہے اور خیر کثیر کے مالک ہوئے اور تم نے سچ بات کہی) کہنا چاہئے۔

”وسیلہ“ اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ مطلوبہ چیز کو حاصل کیا جائے اور اس کے سبب سے مطلوبہ چیز کا قرب حاصل ہو چنانچہ جنت کے ایک خاص اور اعلیٰ درجہ کا نام وسیلہ اسی لئے ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہوتا ہے اسے باری تعالیٰ عزا سے کا قرب حاصل

ہوتا ہے اور اس کے دیدار کی سعادت میری ہے نیز جو فضیلت اور زریں اس درجہ والے کو ملتی ہے وہ دوسرے درجہ والوں کو نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کا رجو (یعنی مجھ کو امید ہے) فرمانا عجزی اور انکساری کے طور پر ہے کیونکہ جب آنحضرت ﷺ تمام مخلوق سے افضل و بہتر ہیں تو یہ درجہ یقیناً آپ ﷺ ہی کے لئے ہے۔ کوئی دوسرا اس درجہ کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟ لہذا اس لفظ کی تاویل یہ کی جائے گی کہ یہ یقین سے کنا یہ ہے یعنی مجھے یہ یقین ہے کہ یہ درجہ مجھے ہی حاصل ہوگا۔

⑤ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ فَقَالَ أَخَذَ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِنْ قَلْبِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اللہ اکبر کہے، پھر جب مؤذن اشہد ان لا الہ الا اللہ کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اشہد ان لا الہ الا اللہ کہے، پھر جب مؤذن اشہد ان محمد رسول اللہ کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اشہد ان محمد رسول اللہ کہے پھر جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے تو تم میں سے ہر شخص لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو تم میں سے ہر شخص لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہے، پھر جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم میں سے ہر شخص کہے اللہ اکبر اللہ اکبر پھر جب مؤذن کہے لا الہ الا اللہ تو تم بھی کہو لا الہ الا اللہ جس نے (اذان کے جواب میں یہ کلمات) صدق دل سے کہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔“ (مسلم)

تشریح: یہاں اللہ اکبر اختصار کی وجہ سے دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ سمجھانے کے لئے دو ہی مرتبہ کہنا کافی تھا اس لئے شہادتین یعنی اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمد رسول اللہ کو بھی صرف ایک ایک مرتبہ ہی ذکر کیا گیا ہے۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ کے معنی یہ ہیں، برائی سے بچنے اور نیک کام کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہتا ہے تو وہ لوگوں کو نماز کے لئے بلاتا ہے۔ لہذا اس کے جواب میں یہ کلمہ کہنے والا گویا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک امر عظیم اور زبردست فرض کی ادائیگی کا معاملہ ہے میں ایک عاجز و کمزور بندہ ہوں۔ میری قوت و طاقت کی کیا مجال کہ اس ذمہ داری کی ادائیگی کی تحمل ہو سکے۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ہی ہوتی ہے جو ہم اس امر عظیم کو پورا کرتے ہیں اور چونکہ نماز کے لئے آنے کی طاقت اور قوت خدا تعالیٰ ہی کی مدد سے ہوتی ہے لہذا خدا ہماری مدد فرماتا ہے تو ہم نماز کے لئے آتے ہیں۔

نوٹی فرماتے ہیں کہ مؤذن جب اذان کہتا ہے تو اس کے کہے ہوئے کلمات کو اسی طرح دہراتا یعنی اس کا جواب دینا مستحب ہے البتہ حی علی الصلوٰۃ یعنی حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنا چاہئے۔ بعض مقامات پر کچھ حضرات حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں مَا شَاءَ اللَّهُ كَانَ وَلَمْ يَشَاءَ لَمْ يَكُنْ کہتے ہیں یہ غلط اور مسنون طریقہ کے خلاف ہے۔

اذان کا جواب ہر سننے والے کو پڑنا چاہئے خواہ با وضو ہو یا بے وضو اور خواہ جنبی ہو یا حائض، بشرطیکہ جواب دینے میں کوئی چیز مانع نہ ہو مثلاً کوئی پاخانہ میں ہو یا جماع کرتا ہو یا نماز پڑھ رہا ہو یا ایسے ہی کوئی دوسرا مانع ہو تو وہ اس وقت جواب نہ دے لیکن اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ان امور سے فراغت کے بعد اذان کے کلمات جواب میں کہے۔

”صدق دل سے کہے“ کا تعلق یا تو لا حول ولا قوۃ الا باللہ سے ہے کہ یہ کلمہ صدق دل سے کہا جائے یا پھر اس کا تعلق پوری اذان کے کلمات سے ہے کہ جواب میں تمام کلمات پورے غلو سے اور صدق دل کے ساتھ کہے جائیں اور ظاہری طور پر بھی ایسی مفہوم ہوتا ہے کہ

اس کا تعلق پوری اذان سے ہے۔

جنت میں تو تمام مسلمان ہی داخل ہوں گے چاہے وہ کسی عذاب کے بغیر داخل ہوں یا عذاب کے بعد داخل ہوں۔ لہذا یہاں جنت میں داخل ہونے سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص جو اذان کا جواب صدق دل سے دیتا ہے یعنی زبان سے تو ان کلمات کو ادا کرتا ہے اور دل میں ان کلمات کی صداقت کا پورا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ نجات پائے ہوئے لوگوں کے ہمراہ جنت میں داخل ہوگا۔

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْبَدَاءَ اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدُّعْوَةُ الثَّامَّةُ وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ ابْنِ مُحَمَّدٍ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا ابْنِ الْذِي وَعَدَّتْهُ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص نے اذان سن کر (یعنی اذان ختم ہونے اور اس کا جواب دینے کے بعد) یہ دعا پڑھی تو قیامت کے روز مجھ پر اس کی شفاعت لازم ہوگی۔“ ”دعا یہ ہے: اَللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدُّعْوَةُ الثَّامَّةُ وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ ابْنِ مُحَمَّدٍ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا ابْنِ الْذِي وَعَدَّتْهُ“ ”اے اللہ مالک اس کامل دعا (اذان) کے اور پروردگار اس نماز قائمہ کے ہمارے سردار محمد رسول اللہ ﷺ کو وسیلہ (جنت) کا سب سے خاص و اعلیٰ درجہ اور بزرگی عنایت فرما اور پہنچا ان کو مقام محمود پر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: اس دعا میں اذان کو ”دعا“ سے تعبیر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان لوگوں کو نماز اور خدا کے ذکر کی طرف بلاتی ہے۔ نماز کو قائمہ اس لئے کہا گیا ہے کہ نماز پیشہ قیامت تک قائم و برقرار رہے گی۔ اس دعا میں والفضیلة کے بعد والدرجة الرفیعة کے الفاظ بھی پڑھے جاتے ہیں مگر یہ کسی روایت میں مذکور نہیں ہیں۔

”مقام محمود“ شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے اور یہ وہ مقام ہوگا جہاں آنحضرت ﷺ قیامت کے روز عاصیوں کے لئے شفاعت کرنے کے لئے کھڑے ہوں گے۔

میدان حشر میں جب ہر طرف نفسی نفسی کا عالم ہوگا مخلوق خدا حساب و کتاب کی پریشانیوں میں مبتلا ہوگی اور تمام لوگ وہاں کی سختیوں کی بناء پر حیران و سرگرداں ہوں گے تو یکے بعد دیگرے تمام انبیاء و رسل کے پاس شفاعت کے لئے جائیں گے مگر وہ سب ہیبت و وحشت کی بنا پر شفاعت کی جرأت نہ کر سکیں گے اور کہیں گے کہ عمرہ ﷺ کے پاس جاؤ کیونکہ ان کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں، وہی مخلوق خدا کی شفاعت کے حقدار ہیں۔ چنانچہ تمام لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے تب آپ ﷺ بارگاہ احدیت میں حاضر ہو کر لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ ﷺ کی تعریف ہوگی اور حق تعالیٰ بھی آپ ﷺ کی تعریف کرے گا گویا شان محمدیت کا پورا پورا اظہار ہوگا۔ اور تمام مخلوق آپ کی اس عظمت و برتری کو رشک کی نگاہوں سے دیکھے گی۔ وعدہ (جس کا تو نے وعدہ کیا ہے) اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

عَلَيْكَ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا۔

”امید ہے کہ آپ ﷺ کا پروردگار آپ (ﷺ) کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔“

خداوند کریم عنقریب آپ ﷺ کو شافع محشر بنا کر مقام محمود میں کھڑا کرنے والا ہے۔ اور تجوہ - عزت و کرامت ہے جو نبی آدم میں آپ ﷺ کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں اس لئے کہ سب سے زیادہ آپ ﷺ ہی پر عبادت اور شہب کا سوز و گداز بھی فرض ہوا ہے۔

دلا بنوز کہ سوزے تو کارہا بکند دعائے نیم شبی دفع صد بلا بکند

نبی کی روایت میں اس دعا میں وعدہ کے بعد اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ (یعنی بے شک تو وعدہ غلامی نہیں کرتا) بھی مذکور ہے۔ بعض

لوگ اس کے آگے یا اَرْحَمُ الرَّحْمٰیْن بھی پڑھتے ہیں حالانکہ احادیث میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَيِّرُ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَكَانَ يُسْمَعُ الْإِذَانُ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانَ أَمْسَكَ وَالْأَغَارَ فَسَمِعَ وَجَلَّ يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْفِطْرَةِ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ فَتَنَظَّرُوا إِلَيْهِ فَاذْهَبُوا عَنِ مَعْرَىٰ-

(رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ (جب لشکر لے کر کسی جگہ جاتے تو فجر ہو جانے پر دشمن کے اوپر حملہ کیا کرتے تھے اور فجر ہو جانے پر) اذان کا انتظار کیا کرتے تھے (اس آبادی میں سے جس پر حملہ کا ارادہ ہوتا تھا) اگر اذان کی آواز آجاتی تھی تو آپ ﷺ حملہ کرنے سے باز رہتے اور (اذان کی) آواز سنائی نہ دیتی تو حملہ کر دیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ دشمن پر حملہ کے لئے جارہے تھے تو ایک مقام پر آپ ﷺ نے ایک شخص کو اللہ اکبر، اللہ اکبر کہتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص اسلام کے (طریقہ) پر ہے (کیونکہ اذان تو مسلمان ہی کہتا ہے) پھر اس شخص نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ تم شرک سے باز آجانے کی وجہ سے دوزخ سے نکل گئے۔ صحابہؓ نے (چاروں طرف دیکھ کر معلوم کرنا چاہا کہ اذان دینے والا کون ہے تو) دیکھا کہ وہ بکوال چلنے والا شخص ہے۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ ﷺ جب دشمنوں پر حملہ کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تو اس کا خیال رکھتے کہ صبح کا وقت ہو تاکہ اس بات کا اچھی طرح پتہ چل جائے کہ جس آبادی پر حملہ کیا جائے گا اس میں مسلمان ہیں یا کافر یا کافر رہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت انسؓ کے ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ (فجر ہو جانے پر) اذان کا انتظار کیا کرتے تھے چنانچہ جس آبادی پر حملہ مقصود ہوتا اس میں سے اگر اذان کی آواز آجاتی تو یہ جان کر کہ اس آبادی میں مسلمان ہیں آپ ﷺ حملہ سے باز رہتے تھے اور اگر اذان کی آواز نہ آتی تو پھر آپ ﷺ اس آبادی پر حملہ کر دیتے تھے۔ اذان کا انتظار آپ ﷺ اس لئے کرتے تھے کہ مبادا اس آبادی میں مسلمان ہوں اور ان جانے میں وہ اسلامی لشکر کی زد میں آجائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اذان کے ہونے اور نہ ہونے کو ایمان اور کفر کی علامت سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے روایت فقیہ میں آتا ہے کہ جو لوگ اذان کو ترک کر دیں گے تو باوجودیکہ اذان سنت ہے ایسے لوگ حق قتال ہوں گے کیونکہ اذان اسلامی شعار میں سے ہے۔

⑥ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ جِئْتُ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا غُفِرَ لَهُ ذَنْبُهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص مؤذن کی (اذان) کو سن کر یہ کہے کہ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، محمد ﷺ کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں تو اس کے (صغیرہ) گناہ بخش دئے جائیں گے۔“ (مسلم)

تشریح: اس میں اختیار ہے کہ ان کلمات کو یا تو اس وقت پڑھا جائے جب مؤذن اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے یا اذان ختم ہو جانے کے

بعد پڑھے۔ مناسب تو یہی ہے کہ اذان ختم ہونے کے بعد یہ کلمات پڑھے جائیں تاکہ اذان کے دوسرے کلمات کے جواب ترک نہ ہوں۔ اور ظاہر تو یہ ہے کہ مذکورہ ثواب اسی وقت ملے گا جبکہ اذان کے کلمات کا جواب دے کر بعد میں ان کلمات کو پڑھا جائے۔

⑨ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْبَغُ كُلَّ إِذَانَيْنِ صَلَاةً بَيْنَ كُلِّ إِذَانَيْنِ صَلَاةٌ ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ - (متفق علیہ)

”اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے اور پھر تیسری دفعہ میں یہ فرمایا کہ (یہ نماز) اس شخص کے لئے ہے جو پڑھنا چاہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”دو اذانوں“ سے مراد اذان و تکبیر ہیں یعنی اذان اور تکبیر کے درمیان نماز پڑھنی فلاح و سعادت کی بات ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اذان و تکبیر کے درمیان نوافل پڑھنے کی رغبت دلانے کے لئے یہ جملہ مکرر سے مکرر فرمایا کیونکہ اذان و تکبیر کے درمیان کا وقت بہت زیادہ بابرکت اور فضیلت کا حامل ہوتا ہے اس لئے اس وقت نماز پڑھ کر جو دعائیں جاتی ہیں وہ بارگاہ احدیت سے روئیں کی جاتی ہیں بلکہ قبولیت کا درجہ پاتی ہیں اور پھر یہ کہ بابرکت اور بفضیلت وقت میں عبادت کا ثواب بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ اذان و تکبیر کے درمیان میں نماز پڑھنی سنت ہے مگر آپ نے لمن شاء فرما کر اس طرف اشارہ بھی فرمادیا ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مغرب میں اذان و تکبیر کے درمیان نفل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت بزرگوارؒ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ مغرب کے علاوہ (بقیہ اوقات میں) دونوں اذانوں (یعنی اذان و تکبیر) کے درمیان دو رکعتیں (نماز) ہیں۔

الفصل الثانی

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اللَّهُمَّ أَزْهِدِ الْإِتِمَاعَ وَاعْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِينَ زَوَاهِ أَحْمَدَ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ لَهُ بِلَفْظِ الْمَصَابِيحِ -

”حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، امام ضامن ہوتا ہے اور مؤذن امانت دار ہوتا ہے (پھر آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی) اے اللہ! اماموں کو ہدایت دے (یعنی ان کو نیک علم، صالح عمل اور صلاح و تقویٰ کی توفیق دے) اور مؤذنوں (سے اگر اذان کہنے میں کمی و زیادتی ہو جاوے تو ان کو بخش دے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) اور امام شافعیؒ نے دو معنی روایت مصابیح کے ہم لفظ نقل کی ہے۔“

تشریح: ”ضامن“ کا مطلب یہ ہے کہ امام دوسروں کی نماز کا ذمہ دار ہوتا ہے بایں طور پر کہ وہ مقتدیوں کے امور نماز مثلاً قرات کا اور اگر مقتدی رکوع میں امام کے ساتھ مل جائے تو قیام وغیرہ کا تکفل ہوتا ہے اسی طرح وہ سب کی نمازوں کے افعال و ارکان نیز رکعتوں کی تعداد پر نگاہ رکھتا ہے۔ مؤذنوں کے امانت دار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے سلسلہ میں اذان کی آوازوں پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہیں۔

⑪ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدَّى سَبْعَ سِنِينَ مُحْتَسِبًا كُتِبَ لَهُ بِرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ - (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جو شخص (مزدوری و اجرت کے لالچ کے بغیر) محض ثواب حاصل کرنے کے لئے سات سال تک اذان دے تو اس کے لئے دوزخ سے نجات لکھ دی جاتی ہے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

(۱۲) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْجَبُ رَبُّكَ مِنْ رَاعِي غَنَمٍ فِي رَأْسِ شَطِئَةٍ لِمَجْعَلٍ يُؤَذِّنُ بِالصَّلَاةِ وَيُصَلِّيَ فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ أَنْظِرُوا إِلَى عَبْدِي هَذَا يُؤَذِّنُ وَيَقِيمُ الصَّلَاةَ يَخَافُ مِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي وَأَذْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ (رواه أبو داود والنسائي)

”اور حضرت عقیبہ بن عامرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا تمہارا رب راضی ہوتا ہے پہاڑ کی چوٹی پر بکریاں چراگے والے سے جو نماز کے لئے اذان کہتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ چنانچہ اللہ بزرگ و برتر (ملائکہ اور ارواح مقررین سے) فرماتا ہے۔ میرے اس بندہ کی طرف دیکھو وہ اذان دیتا ہے اور (پابندی کے ساتھ) نماز پڑھتا ہے اور مجھ سے ڈرتا ہے، چنانچہ میں نے بھی اس بندے کے گناہ بخش دیے ہیں اور میں اسے جنت میں داخل کروں گا۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: یعنی وہ چرواہا جو لوگوں سے بیکارہ کشی اختیار کر کے اور دنیا کے علاقے سے دست بردار ہو کر پہاڑ کی چوٹی پر بیکارہ کئے ہوئے ہے، جب نماز کا وقت آتا ہے تو اذان کہہ کر اللہ اور اس کے رسول کا نام بلند کرتا ہے اور پابندی سے نماز ادا کر کے اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرتا ہے۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اذان دینے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی اذان کے ذریعہ ملائکہ اور جنات نماز کے وقت سے مطلع ہو جاتے ہیں، نیز یہ کہ اس کی اذان محکومات میں سے جو چیز بھی سختی ہے قیامت کے روز اس کے ایمان کی گواہی دے گی اور سنت کا اتباع ہوتا ہے اور جماعت کے معاملہ میں اسے مسلمانوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔

اذان سے اعلام عام یعنی اذان و تکبیر دونوں مراد ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایسا آدمی جب اذان و تکبیر کہتا ہے تو ملائکہ اس کے ہمراہ نماز میں شامل ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اسے جماعت کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

”مجھ سے ڈرتا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس بندہ کی عبادت کا مقصد نمائش و ریا نہیں ہے بلکہ وہ میرے عذاب سے چونکہ ڈرتا ہے اس لئے اذان بھی کہتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اکیلے شخص کو بھی اذان و تکبیر کہنا مستحب ہے۔

(۱۳) وَعَنْ بِنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ عَلَى كُلِّ يَوْمٍ الْقِيَامَةُ عَبْدٌ أَذَى حَقَّ اللَّهُ وَحَقَّ مَوْلَاهُ وَرَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهِ رَاضُونَ وَرَجُلٌ يَتَادَى بِالصَّلَاةِ الْخَمْسِ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، قیامت کے روز تین آدمی مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ (پہلا) وہ غلام جس نے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کر کے اپنے آقا کے حقوق بھی اداء کئے اور (دوسرا) وہ شخص جو لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے اور لوگ اس سے خوش ہیں اور (تیسرا) وہ شخص جو رات دن (یعنی ہمیشہ) اپنا حق وقت کی نماز کے لئے اذان کہتا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: ”عبد“ سے مراد مملوک ہے خواہ غلام ہو یا لونڈی۔ امام سے لوگوں کو خوش رہنے کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی اپنے امام سے اس وجہ سے مطمئن و راضی ہوتے ہیں کہ وہ نماز کے احکام و ارکان اور سنن و آداب کی پوری پوری رعایت کرتا ہے۔ اور قرأت اصول و قواعد کے مطابق نیز عمدہ آواز کے ساتھ کرتا ہے لیکن اتنی بات ملحوظ رہے کہ اس سلسلہ میں اعتبار اکثر لوگوں کا ہو گا جو کہ صاحب علم و فراست ہوں۔

بہر حال قیامت کے روز ان تینوں کو مشک کے ٹیلے اس لئے ملیں گے کہ یہ لوگ دنیا میں خواہشات نفسانی لذتوں کو اطاعت الہی اور فرمانبرداری رسول ﷺ کی غیتوں پر قربان کر دیں گے اس لئے پروردگار عالم اس کے صلہ میں انہیں خوشبو کی صورت میں عظیم انعام عطا

فرمائے گا تا کہ دوسرے لوگوں پر ان کی عظمت و بزرگی ظاہر ہو سکے۔

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهُ مَدَى صَوْتِهِ وَيَشْهَدُ لَهُ كُلُّ رُطْبٍ وَيَنْبَسُ وَشَاهِدُ الصَّلَاةِ يُكْتَبُ لَهُ خُمُسٌ وَعِشْرُونَ صَلَاةً وَيُكَفَّرُ عَنْهُ مَا بَيْنَهُمَا زَوْاهُ أَحْمَدُ وَالْبُودَاؤُذُ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَوْيُ التَّنَائِي إِلَى قَوْلِهِ كُلُّ رُطْبٍ وَيَنْبَسُ وَقَالَ لَهُ مُثَلُّ أَجْرٍ مَن صَلَّى۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، اذان دینے والے کی بخشش اس کی آواز کی انتہاء کے مطابق کی جاتی ہے۔ ہر خشک و تر چیز اور نماز میں آنے والے آدمی اس کے (ایمان کے) گواہ ہو جاتے ہیں۔ چونتیس نمازوں کا ثواب (اس کے زائد اعمال میں) لکھا جاتا ہے اور نمازوں کے درمیان اس سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں معاف ہو جاتے ہیں۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور نسائی نے اس روایت کو کل رطب و یابس تک نقل کیا ہے، اور یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ وَلَهُ مُثَلُّ أَجْرِ مَن صَلَّى یعنی اور اسے نماز پڑھنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔“

تشریح: ”آواز کی انتہاء کے مطابق بخشش“ کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن اذان کہتے وقت جس قدر آواز بلند کرتا ہے اس کی مغفرت اسی قدر ہوتی ہے اور اگر وہ آواز کو انتہائی درجہ تک پہنچا دیتا ہے یعنی اس کی جتنی طاقت ہوتی ہے اتنی ہی آواز بلند کرتا ہے تو مغفرت بھی پوری ہی پاتا ہے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ اگر گناہ کا جسم فرض کیا جائے اور وہ اتنے ہوں کہ مؤذن کی آواز جہاں تک بھی پہنچے وہاں تک سما جائیں تو اس کے وہ سب گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

رطب (تر) سے مراد وہ مخلوق ہیں جن میں نمو ہوتا ہے جیسے انسان اور نباتات وغیرہ اور یابس (خشک) سے جمادات یعنی پتھر اور مٹی وغیرہ مراد ہیں۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ وَشَاهِدُ الصَّلَاةِ لفظ الْمُؤَذِّنُ پر عطف کیا گیا ہے اس طرح پورے جملہ کے معنی یہ ہوں گے ”مغفرت کی جاتی ہے مؤذن کی اور ان لوگوں کی جو جماعت میں حاضر ہوتے ہیں۔“

مگر ملا علی قریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس کا عطف کُلِّ رُطْبٍ پر ہے اور اسے عطف خاص علی عام کہا جاتا ہے یُكْتَبُ لَهُ اور عنہ کی ضمیر یا تو شاہد کی طرف راجع ہے یا پھر مؤذن کی طرف راجع ہوگی۔

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن نمازیوں کا سا ثواب پاتا ہے کیونکہ یہ ان کو نماز کی طرف بلاتا ہے اور حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص بھلی بات کا باعث ہوتا ہے اسے اس بھلائی کے کرنے والے کی مانند ثواب ملتا ہے۔

(۱۵) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اجْعَلْنِي إِمَامَ قَوْمِي قَالَ أَنْتَ إِمَامُهُمْ وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذْ عَلَى أَذَانِهِ أَجْوَدُ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی)

”اور حضرت عثمان بن ابی العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے میری قوم کا امام مقرر فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم ان کے امام ہو (یعنی میں نے تمہیں تمہاری قوم کا امام مقرر کر دیا مگر یہ یاد رکھو کہ نماز پڑھانے میں تم ان میں سے بہت زیادہ ضعیف و ناتواں کی اقتداء کرنا اور ایسا مؤذن مقرر کرنا جو اذان کہنے کی مزدوری نہ لے۔“ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ”ضعیفوں کی اقتداء کرنے“ کا مطلب یہ ہے کہ امامت میں ضعیف و کمزور لوگوں کی رعایت کی جائے یعنی قرأت اتنی لمبی نہ کی جائے اور ارکان نماز اس طرح ادا نہ کئے جائیں کہ وہ لوگ تنگ و پریشان ہو جائیں اور جماعت سے نماز پڑھنا چھوڑ دیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اور مؤذن کے لئے نماز پڑھانے اور اذان دینے کی اجرت حلال نہیں ہے۔ مگر علماء نے یہ لکھا ہے

لہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اذان امامت، امامت اور تعلیم قرآن کے سلسلہ میں معاوضہ لینا جائز نہیں ہے ۱۲۔

کہ اگر امام اور مؤذن بطور خود اپنی اجرت مقرر نہ کر آئیں بلکہ لوگ ان کے پاس ان کی حاجت کے مطابق روپیہ پیسہ از خود بھیج دیا کریں تو یہ جائز و حلال ہوگا۔ لہذا لوگوں کو چاہئے کہ وہ امام و مؤذن کی خبر گیری کریں اور ان کے پاس از خود اتنا روپیہ اور مال بھیجا دیا کریں جس سے ان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ فتاویٰ قاضی خاں میں مرقوم ہے کہ جو مؤذن اوقات نماز وغیرہ کے سلسلہ میں علم نہیں رکھتا اسے اذان کہنے کا ثواب نہیں ملتا، اس لئے جو مؤذن اجرت لے گا اسے تو بطریق اولیٰ ثواب نہیں ملے گا۔

(۱۶) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقُولَ عِنْدَ أَذَانِ الْمَغْرِبِ اللَّهُمَّ هَذَا إِقْبَالُ لَيْلِكَ وَإِذَا بَارَزْتَ نَهَارَكَ وَأَصْوَاتُ دُعَائِكَ فَاعْفُ عَنِّي رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّبَهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيرَةِ۔

اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مجھے سکھایا تھا کہ میں مغرب کی اذان کے وقت یہ دعا پڑھ لیا کروں اَللّٰهُمَّ هَذَا إِقْبَالُ لَيْلِكَ وَإِذَا بَارَزْتَ نَهَارَكَ وَأَصْوَاتُ دُعَائِكَ فَاعْفُ عَنِّي اے اللہ! یہ وقت تیری رات کے آنے کا اور تیرے دن کے واپس جانے اور تیرے پکارنے والوں (یعنی مؤمنوں) کی آوازوں کا لہذا تو میری مغفرت فرما۔ (ابوداؤد، تبہقی)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا یا تو اذان کا جواب دینے کے دوران پڑھ لی جائے یا پھر جواب سے فارغ ہونے کے بعد پڑھی جائے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اذان کا وقت بارگاہ احدیت میں دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے اس لئے ایسے وقت اپنے گناہوں کی معافی اور خیر و بھلائی کے راستہ پر چلنے کی توفیق کی زیادہ سے زیادہ دعا مانگی جائے تاکہ قبولیت کے مرتبہ کو پہنچ سکے۔

(۱۷) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَوْ بَعْضِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ بَلَّأْنَا أَخَذَ فِي الْإِقَامَةِ فَلَمَّا أَنْ قَالَ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَامَهَا اللَّهُ وَأَذَانُهَا وَقَالَ فِي سَائِرِ الْإِقَامَةِ كَتَحْوِ حَدِيثِ عُمَرَ فِي الْإِذَانِ۔ (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت ابوامامہؓ یا سرور کائنات ﷺ کے کوئی اور صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نے تکبیر کہنی شروع کی۔ جب انہوں نے قد قامت الصلوۃ کہا تو آنحضرت ﷺ نے (اس کے جواب میں) فرمایا، أَقَامَهَا اللَّهُ وَأَذَانُهَا یعنی اللہ تعالیٰ نماز کو قائم و دائم رکھے اور تکبیر کے بقیہ کلمات کے جوابات وہی فرمائے جس کا ذکر حضرت عمرؓ کی حدیث میں ہو چکا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اسی باب کی حدیث نمبر پانچ میں اذان کے کلمات اور ان کے جواب کو جس طرح ذکر کیا گیا ہے اسی طرح تکبیر کے وقت مؤذن جو کلمات کہتا گیا۔ آپ بھی ویسے ہی کلمات کو دہراتے رہے البتہ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا اور قد قامت الصلوۃ کے جواب میں اقامہا اللہ واذانہا کہا۔

(۱۸) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزِدُ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْإِذَانِ وَالْإِقَامَةِ۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، اذان اور تکبیر کے درمیان دعا رو نہیں کی جاتی۔ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: یوں تو پروردگار عالم اپنی رحمت و شفقت کے ناطے ہر وقت ہی اپنے بندوں کی دعا قبول کرتا ہے اور ان کے دامن امید کو اپنے فضل و کرم کے موتیوں سے معمور کرتا ہے مگر اس ارشاد کے ذریعہ مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اذان و تکبیر کے درمیان کا وقت اتنا بابرکت و باسعادت ہوتا ہے کہ اس وقت پروردگار عالم کے سامنے بندہ اپنی جس حاجت کے لئے بھی دامن پھیلاتا ہے اس کی مراد یقیناً پوری کی جاتی ہے اور مانگنے والا جو بھی دعا مانگتا ہے وہ ضرور قبول ہوتی ہے لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس وقت اپنی دینی اور دنیاوی فلاح و سعادت اور کامیابی و کامرانی کے لئے ضرور دعا مانگا کریں۔

اس سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ دعا خواہ اذان کے بعد متلاً ہی مانگی جائے یا کچھ دیر کے بعد، ہر صورت میں قبول ہوگی مگر صحیح اور اولیٰ یہ ہے کہ اذان کے فوراً بعد مانگ لینی چاہئے۔

(۱۹) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَانِ لِأَثَرِ دَانٍ أَوْ قَلَمًا تَرُدَّانِ الدُّعَاءَ عِنْدَ الْبَدَاءِ وَعِنْدَ النَّاسِ حِينَ يَلْحَمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَفِي رِوَايَةٍ وَنَحَتْ الْمَطَرُ زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَتَحْتَ الْمَطَرِ۔

”اور حضرت سہل ابن سعد راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ دو دعائیں رد نہیں کی جاتیں، یا فرمایا کہ کم رد کی جاتی ہیں۔ ایک تو وہ دعا جو اذان (ہونے کے بعد یا اذان شروع ہونے) کے وقت مانگی جاتی ہے، اور دوسری وہ دعا جو (کفار کے ساتھ) جنگ میں منہ بھینٹ (یعنی آپس میں قتل و قتال) شروع ہو جانے کے وقت مانگی جاتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں (جنگ میں منہ بھینٹ کے بجائے) یہ منقول ہے کہ دوسری وہ دعا جو بارش میں (کھڑے ہو کر مانگی جائے)۔ (ابوداؤد، دارمی) مگر داری کی روایت میں ”تحت المطر“ منقول نہیں ہے۔“

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ إِنَّ الْمُؤَذِّنِينَ يَفْضِلُوْنَ تَنَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ كَمَا يَقُولُونَ فَإِذَا انْتَهَيْتَ فَسَلْ نَعَطٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ ایک صحابیؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اذان دینے والے تو بزرگی میں ہم سے بڑھے جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح وہ کہتے ہیں (ساتھ ساتھ) تم بھی اسی طرح کہتے جاؤ اور جب (اذان کے جواب سے) فارغ ہو جاؤ تو جو چاہو مانگو، دیا جائے گا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: صحابی کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ اذان دیتے ہیں وہ تو اذان دینے کی سعادت و برکت کی وجہ سے ہماری بہ نسبت زیادہ ثواب کے حقدار ہوتے ہیں اس لئے ہمیں بھی کوئی ایسا طریقہ بتادیتے جس پر چل کر ہم بھی ثواب میں ان کے ہم پلہ ہو جائیں۔ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ طریقہ بتادیا کہ جب مؤذن اذان کے کلمات کہے تو تم بھی ان کے ساتھ اذان کے کلمات دہراتے جاؤ (سوائے حی علی الصلوٰۃ و حی علی الفلاح کے کہ ان کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہئے) اسی طرح تمہیں بھی ان کے اصل ثواب کی طرح ثواب ملے گا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک دوسری چیز اذان کے جواب سے فراغت کے بعد دعاء مانگنے کو بتا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اگر اذان کا جواب دینے کے بعد دعاء مانگی جائے تو فضیلت و بزرگی میں اور اضافہ ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اذان کے وقت مسجد میں موجود ہو تو اسے بھی اذان کے کلمات کا جواب دینا چاہئے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اذان کے وقت مسجد میں موجود شخص کو اذان کا جواب دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ اس وقت جب اجابت قطعی حاصل ہے تو اجابت قویٰ کی کیا ضرورت ہے۔ دل کو لگنے والی بات نہیں ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۲۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ الْبَدَاءَ بِالصَّلَاةِ ذَهَبَ حَتَّى يَكُونَ مَكَانَ الزَّوْحَاءِ قَالَ الزَّوْاوى وَالزَّوْحَاءُ مِنَ الْمَدِينَةِ عَلَى مَسِيرَةِ ثَلَاثِينَ مِيلًا۔ (رواہ مسلم)

”حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا، سرور کائنات ﷺ فرماتے تھے کہ جب شیطان نماز کی اذان سنتا ہے تو بھاگتا ہے یہاں تک کہ مقام زوحاء تک پہنچ جاتا ہے۔ روای کہتے ہیں زوحاء مدینہ سے چھتیس کوس کے فاصلے پر ہے۔“ (مسلم)

تشریح: شیطان سے مراد جنس شیطان ہے یعنی اذان سن کر یا تو تمام شیطان بھاگ کھڑے ہوتے ہیں یا ان کا سردار بھاگ جاتا ہے اور صحیح یہی ہے۔ حدیث کے آخر جزو کا مطلب یہ ہے کہ اذان سن کر شیطان نماز پڑھنے والے سے اتنا دور ہو جاتا ہے جتنا دور مدینہ سے زوحاء ہے۔

”راوی“ سے حضرت ابوسفیان نافع ابن طلحہ کی ذات مراد ہے جنہوں نے اس حدیث کو حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے۔

(۲۲) وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ إِنِّي لَعِنْدَ مُعَاوِيَةَ إِذَا أَدَّيْتُ مُؤَذِّنَهُ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ كَمَا قَالَ مُؤَذِّنُهُ حَتَّى إِذَا قَالَ حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فَلَمَّا قَالَ حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ وَقَالَ بَعْدَ ذَلِكَ مَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَلِكَ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت علقمہ ابن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں (ایک روز) حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ان کے مؤذن نے اذان دی، چنانچہ مؤذن جس طرح کہتا تھا حضرت معاویہؓ بھی اسی طرح (اس کے ساتھ ساتھ) کہتے رہے، جب مؤذن نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو حضرت معاویہؓ نے کہا لا حول ولا قوۃ الا باللہ جب مؤذن نے حی علی الفلاح کہا تو حضرت معاویہؓ نے کہا لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور اس کے بعد مؤذن جو کچھ کہتا رہا حضرت معاویہؓ بھی کہتے رہے۔ (پھر فارغ ہو کر حضرت معاویہؓ نے کہا میں نے سرور کائنات ﷺ کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے۔“ (احمد)

تشریح: علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ حی علی الفلاح کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ کے بعد العلی العظیم کا اضافہ مرویات میں نادر ہے۔

(۲۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ بِلَالٌ بِقَادِي فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ مِثْلَ هَذَا يَقْتُلُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ تھے کہ حضرت بلالؓ کھڑے ہوئے اور اذان کہنے لگے۔ جب وہ (اذان دے کر) خاموش ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اسی طرح یقیناً (یعنی خلوص دل سے) کہا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔“ (نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص یقین و اعتماد کی پوری قوت اور دل کے پورے خلوص کے ساتھ ان کلمات کو یا تو اذان میں کہے یا اذان کے جواب میں کہے یا مطلقاً کہے تو وہ جنت میں داخل ہونے کا حق ہو گا یا نجات پانے والوں کے ہمراہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۲۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَشْهَدُ قَالَ وَأَنَا وَأَنَا۔ (ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب مؤذن کو شہادتین کہتے ہوئے سنتے تو فرماتے اور میں بھی اور میں بھی۔“ (ابوداؤد)

تشریح: یعنی جب مؤذن اذان میں اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان محمد رسول اللہ کہتا تو آنحضرت ﷺ شہادتین کے جواب میں دو مرتبہ فرماتے وانا وانا (اور میں بھی اور میں بھی) یعنی جس طرح تم خدا کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دے رہے ہو اسی طرح میں بھی وحدانیت الہ اور رسالت محمد کی گواہی دیتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام اُمت کی طرح خود آنحضرت ﷺ بھی اپنی رسالت کی گواہی دینے کے مکلف تھے۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ آیا آپ ﷺ اُمت کے افراد کی طرح اشہد ان محمد رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) یہ کہہ کر گواہی دیتے تھے یا اشہد انی رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) کہہ کر گواہی دیتے تھے؟ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ آپ ﷺ اُمت کے افراد کی طرح اپنی رسالت کی گواہی دیتے تھے جیسا کہ ابھی حدیث نمبر اکیس میں حضرت معاویہؓ کے بارہ میں گزرا ہے کہ انہوں نے اذان کے جواب میں اشہد ان محمد رسول اللہ کہا اور پھر فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اسی طرح فرماتے ہوئے سنا ہے (یعنی آپ ﷺ بھی اذان کے جواب میں اشہد ان محمد رسول اللہ ہی کہتے تھے)۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ کی اس روایت میں اور حضرت معاویہؓ کی روایت میں چونکہ تعارض پیدا ہوتا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ کبھی تو آپؐ اسی طرح فرماتے ہوں گے جیسا کہ حضرت معاویہؓ نے بیان کیا اور کبھی اس طرح فرماتے ہوں گے جیسا کہ حضرت عائشہؓ یہاں بتا رہی ہیں۔

(۲۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَذَّنَ بِنَتْنِ عَشْرَةِ سَنَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَكُتِبَ لَهُ بِتَأْذِينِهِ فِي كُلِّ يَوْمٍ سِتُّونَ حَسَنَةً وَلِكُلِّ إِقَامَةٍ ثَلَاثُونَ حَسَنَةً۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: جو شخص بارہ برس تک اذان دے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے اور اس کی اذان کے بدلہ میں (اس کے نامہ اعمال میں) ہر روز (یعنی ہر اذان کے عوض) ساٹھ نیکیاں اور ہر تکبیر کے بدلہ میں تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: اذان کی یہ نسبت تکبیر کا ثواب آدھا غالباً اس لئے ہوتا ہے کہ تکبیر خاص طور پر ان لوگوں کو مطلع کرنے کے لئے ہوتی ہے جو جماعت میں حاضر ہوتے ہیں اور اذان کے ذریعہ عمومی طور پر حاضرین اور غائبین سب ہی کو مطلع کیا جاتا ہے یا پھر اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اذان دینے میں زیادہ محنت برداشت کرنی پڑتی ہے اور اس کی یہ نسبت تکبیر میں کم محنت ہوتی ہے۔

(۲۶) وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نَقْرَأُ بِاللَّحَاءِ عِنْدَ أَذَانِ الْمَغْرِبِ زَوَاةَ السَّيْفِ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيرِ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں مغرب کی اذان کے وقت دعاء مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: غالباً یہاں وہی مراد ہے جس کا تذکرہ حضرت ام سلمہؓ کی حدیث نمبر ۱۸۱ میں آچکا ہے یعنی اللہم هذا اقبال لیلک وادبنا بھارک الخ۔

بَابُ

اذان کے بعض احکام کا بیان

الفصل الأول

(۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ بِلَا لَا يَتَادَعِي بَلِيلٌ فَكُلُّوْا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَادَعِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ قَالَ وَكَانَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ رَجُلٌ أَعْمَى لَا يَتَادَعِي حَتَّى يَقَالَ لَهُ أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ۔ (متفق علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: بلال (فجر کی اذان غلام) رات سے دے دیتے ہیں لہذا جب تک ابن ام مکتوم اذان دےں تم (رمضان میں سحری) کھاتے پیتے رہا کرو۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ابن ام مکتوم ایک نابینا آدمی تھے، جب تک ان سے کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ تم نے صبح کر دی، تم نے صبح کر دی، وہ اذان نہ دیتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے دو مؤذن تھے، ایک مؤذن تو فجر کے وقت سے پہلے رات میں اذان دیتا تھا اور دوسرا نماز فجر کا وقت شروع ہونے کے بعد اذان دیتا تھا۔ چنانچہ حضرات شوافع کے یہاں دو مؤذن مقرر کرنا سنت ہے ایک فجر سے پہلے آخر آدمی رات میں اذان دینے کے لئے اور دوسرا فجر کے اوّل وقت میں اذان دینے کے لئے۔

حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ پہلا مؤذن سحر کے لئے یا تہجد کے لئے تھا، اس کا تعلق نماز فجر کی اذان سے نہیں تھا کیونکہ ایک روایت

میں خود آنحضرت ﷺ نے صبح کی اذان وقت سے پہلے دینے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ اسی لئے حنفیہ کے یہاں فجر کی نماز کے لئے وقت سے پہلے رات میں اذان دینا جائز نہیں ہے۔

حدیث کے آخری جملہ اصبح اصبح (یعنی تم نے صبح کر دی، تم نے صبح کر دی) سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت ابن ام مکتومؓ صبح ہو جانے کے بعد اذان دیتے تھے تو اس وقت تک حمری کھانا پینا کیسے جائز ہوا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اصبح اصبح کے معنی یہ ہیں کہ ”صبح ہونے والی ہے“ اسی کو بطور مبالغہ اصبح اصبح سے تعبیر کیا گیا ہے۔

② وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْتَنِعُكُمْ مِنْ سُخُورِكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرِ الْمُسْتَطِيلُ وَلَكِنَّ الْفَجْرَ الْمُسْتَطِيلَ فِي الْأَفْقِ زَوَاةٌ مُسَلَّمَةٌ وَلَفْظَةُ لِلنَّبِيِّ هِيَ۔

”اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، بلالؓ کی اذان تمہیں تمہاری حمری کھانے سے نہ روکے (کیونکہ وہ رات سے اذان دیتے ہیں) اور نہ فجر دراز (یعنی صبح کا ذب) البتہ افق پر پھیلی ہوئی فجر (یعنی صبح صادق نمودار ہو جانے کو کھانا پینا چھوڑ دو) (مسلم) الفاظ ترمذی کے ہیں۔“

③ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ النُّعْمَانِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَابْنُ عَمِيٍّ لِي فَقَالَ إِذَا سَافَرْتُمَا فَادْنَا وَاقْبِمَا وَلْيُؤْمَرْكُمَا أَكْبَرُكُمَا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت مالک ابن نوعمانؓ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے چچا کے صاحبزادے (ابن دو نوعمان) سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ، جب تم سفر میں جاؤ تو (نماز کے لئے) اذان و تکبیر کہا کرو اور تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔“ (بخاری)

تشریح: غالباً یہ دونوں حضرات علم و ورع میں ہم پلہ ہوں گے اس لئے آپ ﷺ نے امام بننے کا حقدار اسے قرار دیا جو عمر میں بڑا ہو، یا پھر ”اکبر“ (یعنی بڑے) سے مراد افضل ہے کہ دونوں میں سے جو افضل ہو وہ امامت کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انصافیت کی شرط اذان میں نہیں ہے، تاہم چاہئے یہی کہ اذان وہ شخص دے جو اقامت نماز کا علم رکھتا ہو، نیک اور دیندار ہو۔ بلند آواز اور خوش گلو ہو اور اذان کے کلمات صحیح صحیح ادا کر سکتا ہو۔

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي وَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤْذَنَ لَكُمْ أَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيُؤْمَرْكُمْ أَكْبَرُكُمْ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت مالک ابن نوعمانؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ تم مجھے جس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح تم بھی پڑھا کرو، اور جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی اذان دے دیا کرے اور جو تم میں بڑا ہو وہ امام بن جایا کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ امامت کا مستحق وہی شخص ہو گا جو علم و فضل میں سب سے بڑا ہو، اور اگر علم و فضل کے اعتبار سے سب برابر ہوں تو جو شخص عمر میں سب سے بڑا ہو گا وہ امام بنے گا۔

عمر سے مراد وہ عمر ہے جو ایمان و اسلام کی حالت میں گزری ہو یعنی جس شخص کو اسلام قبول کئے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا ہو وہ حکما ان لوگوں سے بڑا قرار دیا جائے گا جو اس کے بعد ایمان و اسلام کی سعادت سے مشرف ہوئے ہیں خواہ وہ عمر میں ان سب سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ پہلے اسلام قبول کرنے والے شخص کو دین و شریعت کا علم بعد میں اسلام کا حلقہ بخش ہونے والوں سے زیادہ ہوتا ہے۔

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئَ مِنْ غَزْوَةٍ خَبِرَ بِسَارِ لَيْلَةٍ حَتَّى إِذَا ذُرْكَةُ الْكَوْزِ غَرَسَ وَقَالَ لِبِلَالٍ ائْتَا الْبَلْبَلُ فَصَلَّى بِلَالٌ مَا قَدَّرَ لَهُ وَتَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ

فَلَمَّا تَقَارَبَ الْفَجْرُ اسْتَنْدَبَ بِلَالٌ إِلَى رَاحِلَتِهِ مُوجِهًا الْفَجْرَ فَلَقَبَتْ بِلَالًا عَيْنَاهُ وَهُوَ مُسْتَعِدٌّ إِلَى رَاحِلَتِهِ فَلَمْ يَسْتَقِظْ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا بِلَالٌ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ حَتَّى ضَرَبَتْهُمْ الشَّمْسُ فَكَانَ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَهُمْ اسْتَيْقَظًا فَفَرَّغَ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيْنَ بِلَالٌ فَقَالَ بِلَالٌ أَخَذَ بِنَفْسِي الَّذِي أَخَذَ بِنَفْسِكَ قَالَ اقْتَاذُوا اقْتَاذُوا رَاحِلَتَهُمْ شَبَاتُكُمْ تَوْضَأُ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ بِلَالًا وَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى بِهِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب غزوہ خیبر سے واپس ہوئے تو رات بھر سفر کرتے رہے یہاں تک کہ (جب) آپ ﷺ پر غوغائی ماری ہوئی گئی تو آپ ﷺ آرام کرنے کے لئے آخری رات میں ایک جگہ اتر گئے اور حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ تم ہمارا خیال رکھنا یعنی صبح ہو جائے تو ہمیں جگا دینا یہ فرما کر آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ تو سو گئے اور حضرت بلالؓ نے (تہجد کی) نماز جس قدر ہو سکی پڑھی۔ جب صبح صادق ہونے کو ہوئی، تو حضرت بلالؓ اپنے بکاؤ سے تکیہ لگا کر فجر (مشرق) کی جانب منہ کر کے بیٹھ گئے تاکہ صبح صادق ہو جائے تو آنحضرت ﷺ (کو جگا دیں) حضرت بلالؓ بکاؤ سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ (اتفاق سے) ان کو بھی نیند آگئی (چنانچہ صبح صادق کے وقت) آنحضرت ﷺ حضرت بلالؓ اور صحابہؓ میں سے کوئی بھی بیدار نہ ہوا یہاں تک کہ جب ان کے اوپر دھوپ آگئی (اور اس کی گرمی پہنچی) تو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی آنکھ کھلی اور آپ ﷺ نے گھبرا کر فرمایا کہ بلالؓ یہ کیا ہوا؟ حضرت بلالؓ (بھی گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور انہوں نے) عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بھی اس چیز نے پکڑ لیا جس نے آپ ﷺ کو پکڑ لیا تھا (یعنی نیند نے) آپ ﷺ نے فرمایا، یہاں سے روانہ ہو جاؤ! چنانچہ سب لوگ تھوڑی دور تک اپنی اپنی سواریاں لے کر چلے، پھر آنحضرت ﷺ نے وضو کیا اور حضرت بلالؓ کو تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے نماز کے لئے تکبیر کہی اور آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو صبح کی نماز پڑھائی، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا، جو شخص (نیند وغیرہ کی بناء پر) نماز پڑھنی بھول جائے تو یاد آتے ہی فوراً اسے پڑھ لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اقم الصلوٰۃ لذكركی یعنی میرے یاد کرنے کے وقت نماز پڑھ لو۔“ (مسلم)

تشریح: خیبر مدینہ سے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر ہے، بنو نضیر کے یہودی جب مدینہ سے اجڑے تو خیبر جا بے اور پھر خیبر یہودیوں کی سازشوں کا اڈا اور مرکز بن گیا۔ لہذا اسلام کی حفاظت کی خاطر اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ان کے اس شرانگیز نشان کو توڑ دیا جائے چنانچہ سات ہجری میں تقریباً سولہ سو مسلمان مجاہدین کا لشکر سرکارِ دو عالم ﷺ کی قیادت میں خیبر روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا گیا۔ یہ محاصرہ تقریباً دس روز تک جاری رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی اور خیبر کے تمام قلعوں پر قبضہ ہو گیا۔ اس غزوہ کی کامیابی کا سہرا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سر رہا اور انہیں ”فتح خیبر“ کے عظیم لقب سے نوازا گیا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اسلامی لشکر کا جھنڈا انہیں کے ہاتھ میں دیا تھا۔ اور یہی اسلامی لشکر کی کمینہ کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ نے ان سے ایک خاص بہادری یہ ظاہر کرائی کہ خیبر کا چھانک جو مشرکوں سے بھی نہیں اٹھتا تھا انہوں نے تنہا اسے اکھاڑ پھینکا۔ جب فتح خیبر ہو گیا تو مسلمانوں اور وہاں کے یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کی دو خاص دفعات یہ تھیں۔

① جب تک مسلمان چاہیں گے یہودیوں کو خیبر میں رہنے دیں گے اور جب نکالنا چاہیں گے تو ان کو خیبر سے نکلنا ہوگا۔

② پیداوار کا ایک حصہ مسلمانوں کو دیا جائے گا۔

بہر حال۔ حدیث میں مذکورہ واقعہ اسی غزوہ سے واپسی کے وقت پیش آیا تھا۔

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد جب آنکھ کھل گئی تھی تو اسی جگہ آنحضرت ﷺ نے قضا نماز کیوں نہ پڑھی؟ اور صحابہؓ کو وہاں سے روانہ ہونے کا حکم دینے کا سبب کیا تھا؟ چنانچہ اس سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں حنفی علماء جن کے

نزدیک طلوع آفتاب کے وقت قضا نماز پڑھنا منع ہے، فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس جگہ سے کوچ کرنے کا حکم اس وجہ سے دیا تھا تاکہ آفتاب بلند ہو جائے اور نماز کے لئے وقت مکروہ نکل جائے۔

شافعی علماء جن کے ہاں طلوع آفتاب کے وقت قضا پڑھنی جائز ہے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ وہاں سے قضا نماز پڑھے بغیر فوراً اس لئے روانہ ہوئے کہ وہ جگہ شیاطین کا مسکن تھی جیسا کہ دوسری روایتوں میں اس کی تصریح موجود ہے چنانچہ مسلم ہی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ دھوپ پھیل جانے پر آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دیا کہ ہر شخص اپنی سواری کی عیال پکڑ لے (اور روانہ ہو جائے) اس لئے کہ اس جگہ ہمارے پاس شیطان آگیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو صرف تکبیر کہنے کا حکم دیا، اذان کے لئے نہیں فرمایا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قضا نماز کے لئے اذان دینا ضروری نہیں ہے جیسا کہ قول جدید کے مطابق حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے۔ لیکن شافعی علماء کے نزدیک قول قدیم کے مطابق صحیح اور معتد مسلک یہی ہے کہ قضا نماز کے لئے بھی اذان کہنی چاہئے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت نماز کے لئے اذان کہی گئی تھی چنانچہ ہدایہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لیلۃ القدر (یعنی مذکورہ رات) کی صبح کو نماز فجر کی قضا اذان و تکبیر کے ساتھ پڑھی تھی۔

بخاری ابن الہمامؒ نے اس سلسلہ میں مسلمؒ اور ابوداؤدؒ کی کئی حدیثیں نقل کی ہیں اور فرمایا ہے کہ مسلمؒ کی اس روایت میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو تکبیر کہنے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے تکبیر کہی۔ غیر مرادف نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں صحیح طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت اذان و تکبیر کے ساتھ نماز پڑھی تھی، لہذا اس روایت میں فاقام الصلوٰۃ کے معنی یہ ہیں کہ ”چنانچہ انہوں نے نماز کے لئے اذان کے بعد تکبیر کہی“۔

یہاں ایک ہلکا سا غلجان اور پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل بیدار رہتا ہے۔ تو دل کے جاگتے رہنے کے باوجود اس کی کیا وجہ تھی کہ صبح صادق طلوع ہو جانے پر آپ ﷺ مطلع نہیں ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آفتاب کے طلوع و غروب کو دیکھنا آنکھوں کا کام ہے دل کا کام نہیں ہے لہذا دل کی بیداری کے باوجود صبح صادق کے طلوع ہو جانے پر آپ ﷺ اس سے مطلع نہیں ہوئے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں سو رہی تھیں۔

اور اگر کوئی یہ سوال کرے کہ آپ ﷺ کو کشف یا وحی کے ذریعہ اطلاع کیوں نہ دی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف تھا، دوسرے اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ اس طریقہ سے امت کو قضا کے احکام معلوم ہو گئے۔

⑥ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْبَمْتَ الصَّلَاةَ فَلَا تَقْضُوا حَتَّى تَرَوْنِي قَدْ خَرَجْتُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب نماز کے لئے تکبیر کہی جائے تو جب تک تم مجھے حجرہ سے نکلتا ہوا نہ دیکھ لو نماز کے لئے کھڑے نہ ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: فقہاء نے لکھا ہے کہ تکبیر کہنے والا جب حی علی الصلوٰۃ کہے تو مقتدیوں کو اس وقت کھڑا ہونا چاہئے چنانچہ آنحضرت ﷺ بھی اسی وقت اپنے حجرہ سے نکلتے ہوں گے۔

⑦ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْبَمْتَ الصَّلَاةَ فَلَا تَأْتُوا تَسْعُونَ وَآتُواهَا تَمْشُونَ وَعَلَيْكُمْ السَّكِينَةُ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَإِنْ أَحَدُكُمْ إِذَا كَانَ يَنْعِمُ إِلَى الصَّلَاةِ فَهَوِيَ فِي الصَّلَاةِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو تم (جماعت میں شامل ہونے کے لئے)

دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ وقار و طہانیت کے ساتھ اپنی چال آؤ، جس قدر نماز تم کو (امام کے ساتھ) مل جائے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے (امام کے سلام کے بعد اٹھ کر اسے پوری کر لو) (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس لئے کہ جب تم میں سے کوئی نماز کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کو (حکماً) نمازی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔"

تشریح: عام طور سے یہ دیکھا گیا ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جاتی ہے تو وہ لوگ جو دیر سے مسجد پہنچتے ہیں نماز میں شامل ہونے کے لئے اور خصوصاً اس وقت جب کہ امام رکوع میں چلا جاتا ہے بہت بے تکلف طریقہ سے بھاگتے ہوئے آتے ہیں اور نماز میں شریک ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اس حدیث سے متنبہ ہونا چاہئے کہ ان کا یہ طریقہ سراسر منشاء شریعت کے خلاف ہے۔ چنانچہ نہ صرف یہ کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جماعت کھڑی ہو جانے پر بھاگ کر آنا جائز نہیں ہے بلکہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر آنا کمزوری عقل اور غفلت کی علامت ہے کیونکہ نماز کے لئے مستعدی اور چستی اس طرح تو شریعت کی نظر میں قابل تعریف ہوگی کہ اگر کسی کو تکبیر اولیٰ کے فوت ہونے یا کسی رکعت کے چھوڑ جانے کا خوف ہو تو وہ پہلے ہی جلدی کر لیا کرے اور جماعت شروع ہونے سے پہلے مسجد پہنچ جایا کرے۔ (حضرت شیخ عبدالحق)۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ علماء کے یہاں اس بارہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی شخص کو تکبیر اولیٰ کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وہ دوڑتا ہوا آئے یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ ایسا شخص دوڑ کر آسکتا ہے کیونکہ حضرت عمر فاروقؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ بیعت میں تھے کہ انہوں نے مسجد سے تکبیر کی آواز سنی تو دوڑتے ہوئے مسجد کی طرف آئے۔

اور بعض علماء نے یہ مناسب قرار دیا ہے کہ ایسے شخص کو اس حدیث کے پیش نظر وقار و سکینت کے ساتھ ہی چل کر مسجد آنا چاہئے کیونکہ جو شخص نماز کا ارادہ کرتا ہے تو گویا وہ نمازی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہوگا جو نادانستہ یا کسی مجبوری و معذوری کی بناء پر موخر ہو جائیں ورنہ اگر کوئی شخص دانستہ نماز میں آنے کے لئے دیر کرے تو وہ اس میں شامل نہیں۔

بہر حال اس سلسلہ میں صحیح اور مناسب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تاخیر سے مسجد پہنچے تو اسے چاہئے کہ وہ جماعت میں شریک ہونے کے لئے وقار و طہانیت کے ساتھ تیز تیز چل کر آئے بالکل بے تکلف طریقے سے دوڑتا ہوا نہ آئے تاکہ اس حدیث پر عمل بھی ہو جائے اور تکبیر اولیٰ کا ثواب بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ اسی طرح نماز جمعہ کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر کسی شخص کو مسجد پہنچنے میں دیر ہو جائے اور اس بات کا یقین ہو کہ اگر جلدی نہ کی تو امام سلام پھیر دے گا اور میں نماز سے رہ جاؤں گا تو اسے تیزی سے آکر امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جانا چاہئے۔

وَهَذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِي

اور اس باب میں الفصل الثانی نہیں ہے

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑧ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ عَرَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً بِطَرِيقِ مَكَّةَ وَوَكَّلَ بِإِلَآءِ أَنْ يُوقِظَهُمْ لِلصَّلَاةِ فَرَقَدُوا بِإِلَآءٍ وَرَقَدُوا حَتَّى اسْتَيْقَظُوا وَقَدْ طَلَعَتِ عَلَيْهِمُ الشَّمْسُ فَاسْتَيْقَظَ الْقَوْمُ فَقَدْ فَرَّغُوا فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْتَكِبُوا حَتَّى يَخْرُجُوا مِنْ ذَلِكَ الْوَادِي وَقَالَ إِنَّ هَذَا وَادِيهِ شَيْطَانٌ فَرَكِبُوا حَتَّى خَرَجُوا مِنْ ذَلِكَ الْوَادِي ثُمَّ أَمَرَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَرَلَّوْا وَأَنْ يُتَوَضَّأُوا وَأَمَرَ بِإِلَآءِ أَنْ يَتَأَدَّى لِلصَّلَاةِ

أَوْ يَقِيمُ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ رَأَى مِنْ فِرْعَهِمْ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ قَبَضَ أَرْوَاحَنَا وَلَوْ شَاءَ لَرَدَّهَا إِلَيْنَا فِي حِينٍ غَيْرِ هَذَا فَإِذَا رَقَدْنَا أَخَذَكُمْ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا ثُمَّ فَرَعَ إِلَيْهَا فَلْيَصَلُّهَا كَمَا يُصَلِّيْنَهَا فِيْ وَفَّقَهَا ثُمَّ انْتَفَت رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ فَقَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ أَتَى بِلَالًا وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فَأَضْجَعَهُ ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يَهْدِيهِ كَمَا يَهْدِي الصَّبِيءَ حَتَّى نَامَ ثُمَّ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا فَأَخْبَرَهُ بِلَالٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ الَّذِي أَخْبَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ وَاهُذَا مَالِكٌ مُرْسَلًا

”حضرت زید ابن اسلمؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ مکہ معظمہ کے راستہ میں (آرام کرنے کے لئے) آخر رات میں گھبرے اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ (صبح کی) نماز کے لئے سب کو جگادیں اور جب سب لوگ سو گئے۔ (تھوڑی دیر کے بعد نیند کے غلبہ کی وجہ سے) حضرت بلالؓ کی بھی آنکھ لگ گئی۔ (پہلے تو آنحضرت ﷺ اور ان کے بعد تمام لوگ اس وقت جاگے جب کہ آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ سب لوگ (نماز قضاء ہو جانے کی وجہ سے) گھبرا گئے۔ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ سوار ہو کر اس جنگل سے باہر نکل چلیں۔ اور فرمایا کہ یہ ایک ایسا جنگل ہے جس پر شیطان مسلط ہے چنانچہ سب لوگ سوار ہو کر اس جنگل سے نکل آئے۔ (ایک جگہ پہنچ کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (یہاں) اتر جاؤ اور وضو کر لو۔ اور حضرت بلالؓ کو نماز کے لئے اذان و تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ (صبح کی) نماز (قضاء جماعت) پڑھی جب نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کو گھبرایا ہوا دیکھا تو (سُلی دینے کے لئے) فرمایا کہ لوگو! اللہ تعالیٰ نے (سونے کے وقت) ہماری روحیں قبض کر لیں تھیں اگر وہ چاہتا تو ہماری روحوں کو دوسرے وقت (یعنی آفتاب طلوع ہونے سے پہلے) واپس کر دیتا۔ لہذا اگر تم میں سے کوئی نماز کے وقت غافل سو جائے یا نماز پڑھتی بھول جائے اور (اس غفلت و نسیان سے) گھبرائے تو اسے چاہئے کہ وہ اس نماز کو اسی طرح (یعنی اذان و تکبیر اور جماعت کے ساتھ نیز نماز کے تمام شرائط و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے) پڑھ لے جس طرح اسے اس کے وقت میں پڑھتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ بلالؓ گھبرے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ شیطان ان کے پاس آیا اور انہیں (کجاوہ کا) سہارا لینے پر مجبور کر دیا اور جس طرح بچوں کو (سلانے کے لئے) چمک دی جاتی ہے شیطان انہیں چمکتا رہا۔ یہاں تک کہ بلالؓ پر نیند طاری ہو گئی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو بلایا۔ حضرت بلالؓ نے آکر آپ ﷺ سے دیا ہی بیان کیا جیسے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بیان فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے (حضرت بلالؓ کا بیان سن کر فرمایا، کہ میں اس بات کی (پورے یقین کے ساتھ) گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ خدا کے رسول ہیں۔ (یہ روایت امام مالکؒ نے مرسل نقل کی ہے۔“

تشریح: اس قسم کا ایک واقعہ حدیث نمبر ۱۸۱ میں ذکر کیا جا چکا ہے مگر ظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ پہلے واقعہ سے الگ کوئی دوسرا واقعہ ہے کیونکہ وہ واقعہ تومدینہ اور خیبر کے راستہ میں پیش آیا تھا اور یہ واقعہ جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے مکہ اور مدینہ کے درمیان رونما ہوا تھا۔

حدیث کے الفاظ بنیادی للصلوۃ او یقیم میں لفظ اوجیم کا مفہوم ادا کر رہا ہے جیسا کہ حرف واو دو چیزوں کو جمع کرنے کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طرح اس کے معنی جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے یہ ہوں گے کہ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان اور تکبیر کہنے کا حکم دیا، یا پھر لفظ او اپنے حقیقی مفہوم یعنی شک کو ظاہر کر رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان یا تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ مگر صحیح اور اولیٰ پہلے ہی معنی ہیں کیونکہ اس کی تائید ابو داؤد کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں انہ صلی اللہ علیہ وسلم أمر بلالاً بالاذان والاقامة (آنحضرت ﷺ نے بلالؓ کو اذان و تکبیر کہنے کا حکم دیا)۔

فلیصلھا کما کان یصلیھا فی وقتھا (وہ اس نماز کو اس طرح پڑھ لے جس طرح اسے اس کے وقت میں پڑھتا تھا) یہ الفاظ بظاہر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اگرچہ نماز قضا ہوئی ہو تو اس کی قضا بھی چہرے کے ساتھ پڑھی جائے اور اگر سری نماز قضا ہوئی ہے تو اس

کی قضاء بھی سری کی ساتھ چھی جائے۔ مگر بعض حنفی علماء نے اس سلسلہ میں اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ قضاء نماز کو بہر صورت سری یعنی خاموشی کے ساتھ پڑھنا واجب ہے۔

”اضبعہ“ اسندہ کے مفہوم میں ہے یعنی شیطان نے بلالؓ کو اس طرح سہارا دیا کہ ان پر غفلت طاری ہو گئی، جیسا کہ پہلے واقعہ کے سلسلہ میں گزر چکا ہے کہ حضرت بلالؓ تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے کجاوہ سے سہارا لگا کر سو گئے تھے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قضاء نماز پڑھنے کے بعد صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے ان اللہ قبض او احنا (اللہ تعالیٰ نے ہماری روحیں قبض کر لی تھیں) فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا تھا کہ ہم سب کا اس موقع پر سوجانا در حقیقت تقدیر الہی کی بناء پر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر اس طرح غفلت کی نیند مسلط کر دی کہ ہم نماز کے وقت جاگ نہ سکے۔ مگر بعد میں آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پیش آمدہ صورت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے نیند کی اس غفلت کی نسبت شیطان کی طرف فرمائی کہ شیطان نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ بلالؓ غافل ہو کر سوتے رہے اور وقت پرنہ اٹھ سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب لوگ سوتے رہے اور نماز قضاء ہو گئی۔ تو اس سے بظاہر دونوں باتوں میں تعارض نظر آتا ہے کہ پہلے تو غفلت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی پھر بعد میں اس غفلت کی نسبت شیطان کی طرف کی؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ خلق افعال سے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اندر نسیان اور غفلت پیدا کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ اس نے شیطان کو اس بات پر قادر کر دیا کہ وہ مذکورہ طریقوں یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تھکنے وغیرہ سے لوگوں کو غفلت کی نیند میں مبتلا کر دے۔

یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی اعجازی شان کی زبردست غمازی کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے معجزہ کے طور پر حضرت بلالؓ کے سوجانے کی پوری حقیقت و کیفیت بیان کر دی باوجودیکہ آپ ﷺ نے اپنی ظاہری آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ نہیں کیا تھا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اشدہ انکار رسول اللہ کہہ کر آپ ﷺ کی اسی اعجازی شان کی تصدیق فرمائی۔

⑨ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصَلَتَانِ مُعَلَّقَتَانِ فِي أَعْنَاقِ الْمُؤَذِّنِينَ لِلْمُسْلِمِينَ

صِيَامُهُمْ وَصَلَاتُهُمْ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ مسلمانوں کی دو چیزیں مؤذنوں کی گردنوں میں لٹکی ہوئی ہیں۔ ایک تو ان کے روزے اور دوسری ان کی نمازیں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے مسلمانوں کے دو اہم اور بنیادی اعمال ایسے ہیں جو مؤذن پر موقوف ہیں یعنی مؤذن ان اعمال کی صحت و تکمیل کے ذمہ دار ہیں۔ پہلی چیز تو روزہ ہے کہ مسلمان مؤذنوں کی اذان ہی پر اعتبار کرتے ہوئے افطار کرتے ہیں۔ اور دوسری چیز نماز ہے جس کی ادائیگی مؤذنوں کی اذان کے تحت ہوتی ہے۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مؤذنوں کو چاہئے کہ وہ اپنی اس عظیم ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے بڑی احتیاط کے ساتھ اور اوقات کی پوری رعایت کرتے ہوئے اذان کہا کریں تاکہ مسلمانوں کے ان دونوں اعمال میں خلل واقع نہ ہو۔

بَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةِ

مساجد اور نماز کے مقامات کا بیان

یہاں نماز کے مقامات سے وہ جگہیں مراد ہیں جن میں نماز پڑھنا مکروہ یا غیر مکروہ ہے۔ چنانچہ ایسے مقامات کی وضاحت آئندہ احادیث

میں کی جائے گی۔ مساجد کے فضائل و برکات کے سلسلہ میں بہت زیادہ احادیث منقول ہیں ان میں سے جن احادیث کو صاحب مشکوٰۃ نے منتخب کیا ہے وہ اس عنوان کے تحت نقل کی جائیں گی البتہ وہ احادیث جنہیں صاحب مشکوٰۃ نے نقل نہیں کیا ہے بلکہ حدیث کی دوسری کتابوں میں نقل ہیں حصول سعادت و برکت کی خاطر ان میں بعض کے ترجمے یہاں نقل کئے جاتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے ذہن میں مساجد کی عظمت و فضیلت کا احساس جاگزیں ہو جس کی وجہ سے وہ خدائے تعالیٰ کی عبادت کے لئے مساجد میں جانے کو دینی اور دنیاوی فلاح و کامرانی کا ذریعہ سمجھیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے صاحبزادہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، میرے بیٹے! مسجد تمہارا گھر ہونا چاہئے۔ کیونکہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسجد میں پرہیزگاروں کا گھر ہیں لہذا جس کا گھر مسجد ہو اللہ تعالیٰ اس کی راحت و رحمت کا اور پلصراط سے جنت کی طرف اس کے گزرتے کا ضامن ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا جاتا ہے کہ شیطان سے بچنے کے لئے مسجد ایک مضبوط قلعہ ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ راوی ہیں کہ مساجد زمین کے اوپر اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں اور جس کی زیارت کی گئی ہے اس پر یہ حق ہے کہ وہ اپنی زیارت کرنے والے کا اعزاز و اکرام کرتا ہے یعنی جو شخص مسجد میں جاتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتا ہے۔ اس طرح مسجد میں جانے والا بندہ تو زیارت کرنے والا ہوا اور جس کی زیارت کی گئی وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہوئی۔ لہذا اللہ تعالیٰ مسجد میں آنے والے بندوں کا اعزاز و اکرام کرتا ہے اور انہیں اپنے فضل و کرم کی سعادتوں سے نوازتا ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا، جب کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے جگہ پکڑتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت و شفقت کی نظر فرماتا ہے جس طرح اس شخص کے اہل خانہ جو مدت کے بعد اپنے گھر لوٹا ہو اس کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آتے ہیں اتنی بات سمجھ لیجئے کہ جن احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں جگہ پکڑنا ممنوع ہے تو اس کی شکل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں کسی مخصوص جگہ کو ایسا اختیار کرتا ہے کہ اس جگہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ نہیں بیٹھتا تو یہ ممنوع ہے خواہ اس کا کسی مخصوص جگہ کو اختیار کرنا نماز پڑھنے اور ذکر اللہ ہی کے لئے کیوں نہ ہو کیونکہ اس طرح ریادہ نمائش کا شہہ ہو جانے کا خطرہ ہے۔

اور اس قسم کی وہ احادیث جن سے مسجد میں جگہ پکڑنے کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے اس بات پر محمول ہیں کہ مسجد کو کسی دنیاوی غرض و منفعت سے قطع نظر محض نماز پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہنے کی نیت سے جائے قیام قرار دیا جائے۔

الفصل الاول

① عن ابن عباس قال لما دخل النبي صلى الله عليه وسلم البيت دعا في نواحيه كلِّها ولم يصل حتى خرج منه فلما خرج ركب ركعتين في قبل الكعبة وقال هذه القبلة رواه البخاري ورواه مسلم عن أسامة بن زيد۔

”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (مکہ کے دن) جب سرور کائنات ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس کے چاروں کونوں میں جا کر دہاک اور بغیر نماز پڑھے باہر نکل آئے اور پھر باہر آکر کعبہ کے سامنے آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا کہ یہی قبلہ ہے۔ (بخاری) مسلم نے اس روایت کو ابن عباسؓ سے اور انہوں نے اسامہ بن زیدؓ سے روایت کیا ہے۔“

تشریح: کعبہ کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمانا کہ ”یہی قبلہ ہے“ اس بات کا اعلان کرنا تھا کہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دائمی طور پر ہو گیا ہے اور یہ قبلہ معین و مقرر ہو چکا ہے جو اب کسی حالت میں منسوخ نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ قبلہ اسی اگلی سمت ہے دوسری سمتوں سے اس کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے اور نہ اس کا مطلب یہ تھا کہ صرف باہر کی سمت سے قبلہ کی طرف متوجہ ہونا مستحب ہے اندر کے حصہ میں نماز درست نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قبلہ کے اندر فرض نماز پڑھنا

درست نہیں ہے۔ کعبہ کے اندر نفل پڑھنا متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک جائز ہے کیونکہ آگے آنے والی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث اس کے جواز پر واضح دلیل ہے۔

البتہ فرض پڑھنے کے سلسلہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ اکثر علماء کعبہ کے اندر فرض نماز پڑھنے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں مگر حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کعبہ کے اندر فرض نماز کی ادائیگی سے منع کرتے ہیں۔

② وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ هُوَ وَأَسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ ظَلِخَةَ الْحَجَبِيُّ وَبِلَالٌ بْنُ رِبَاعٍ فَأَعْلَفَهَا عَلَيْهِ وَمَكَتَ فِيهَا فَاتَّأَلَتْ بِلَالٌ حِينَ خَرَجَ مَاذَا صَنَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جَعَلَ عُمُو دَاعٍ يَسَارِهِ وَعُمُو دَيْنٍ عَنْ يَمِينِهِ وَثَلَاثَةُ أَعْمِدَةٍ وَرَأَاهُ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلَى سِتَّةِ أَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلَّى - (متفق عليه)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ (فتح مکہ کے روز) سرور کائنات ﷺ، اسامہ ابن زیدؓ، عثمان ابن طلحہؓ ججیؓ اور بلال ابن رباحؓ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور حضرت بلالؓ یا حضرت عثمانؓ نے اندر سے دروازہ بند کر لیا (تاکہ لوگ بھوم نہ کریں) آنحضرت ﷺ تھوڑی دیر تک اندر (دعا وغیرہ میں مشغول) رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلالؓ سے جب کہ وہ یا (آنحضرت ﷺ) خانہ کعبہ سے باہر آئے تو پوچھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ (خانہ کعبہ کے اندر) کیا کر رہے تھے؟ بلالؓ نے کہا کہ آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی ایک ستون آپ کے بائیں طرف تھا، دروازہ اپنی طرف تھے اور تین پیچھے تھے ان دنوں خانہ کعبہ میں چھ ستون تھے (اور اب تین ستون ہیں)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی مگر اس سے پہلے اس مضمون کی حضرت اسامہ ابن زیدؓ سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ جو حدیث گزری ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی تھی۔ لہذا ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اسی طرح ہوگی کہ یہ کہا جائے گا کہ جب آنحضرت ﷺ کے ہمراہ یہ حضرات خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا گیا تو آنحضرت ﷺ کو دعا مانگتے ہوئے دیکھ کر حضرت اسامہؓ بھی کسی دوسرے کونہ میں جا کر دعا میں مشغول ہو گئے، آنحضرت ﷺ جس کونہ میں کھڑے تھے وہاں سے حضرت اسامہؓ تودور تھے مگر حضرت بلالؓ آپ ﷺ کے قریب ہی تھے اس لئے حضرت بلالؓ نے آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور چونکہ حضرت اسامہؓ اول تو آپ ﷺ سے فاصلہ پر تھے دوسرے وہ خود بھی نماز میں مشغول تھے، پھر یہ کہ آپ ﷺ نے وہ نماز بھی جلد ہی پڑھ لی تھی۔ اس لئے وہ آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔

پھر اس کے علاوہ یہ بھی منقول ہے کہ بیت اللہ کی دیواروں سے تصویریں مٹانے کے واسطے آنحضرت ﷺ نے حضرت اسامہؓ کو پانی لانے کے لئے باہر بھیج دیا تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ جس وقت وہ باہر گئے ہوں آنحضرت ﷺ نے اس عرصہ میں نماز پڑھ لی ہو۔ بہر حال حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ دونوں نے اپنے علم و مشاہدہ کے مطابق خبر دی ہے اور بہر صورت ادائیگی نماز کو ثابت کرنا ہی مختار ہے اس کی نفی نہیں۔

③ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِي مَآءٍ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ - (متفق عليه)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، میری اس مسجد (یعنی مسجد نبویؐ) میں نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مسجد حرام کو مستثنیٰ اس لئے کیا گیا ہے کہ مسجد حرام نہ صرف یہ کہ دوسری مساجد کے مقابلہ میں زیادہ بابرکت ہے بلکہ اپنی عظمت و برکت اور فضیلت کے اعتبار سے مسجد نبوی سے بھی افضل ہے چنانچہ منقول ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہوتا ہے۔

اب اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ حرم شریف میں وہ کون سی جگہ ہے جہاں نماز ادا کرنے پر اتنا ثواب ملتا ہے، چنانچہ پہلا قول یہ ہے کہ وہ کوئی تختیں جگہ نہیں ہے بلکہ پورا حرام اس فضیلت و برکت کا حامل ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جس جگہ جماعت ہوتی ہے۔ علماء حنفیہ کے اقوال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اسی قول کو بعض شافعی علماء نے بھی اختیار کیا ہے۔ علماء حنفیہ کے نزدیک ثواب کی اس زیادتی کی فضیلت خاص طور پر فرائض سے متعلق ہے نوافل سے نہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ وہ جگہ خانہ کعبہ ہے۔ یہ جو تھا قول ان چاروں اقوال میں سب سے ضعیف ہے۔

(۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَشْدُ الرَّحَالَ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي هَذَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، تین مسجدوں کے علاوہ کسی دوسری جگہ کے لئے تم اپنے کجاووں کو نہ باندھو (یعنی سفر نہ کرو) مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، (یعنی بیت المقدس اور میری مسجد) (یعنی مسجد نبوی)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث سے ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ کہ خدا نے ان کی عظمت و بزرگی کی زیادتی کے سبب انہیں ایک امتیازی شان عطا فرمائی ہے۔ کسی دوسری جگہ کا سفر جائز نہیں ہے لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ اس ممانعت اور نہی کا تعلق تقرب و عبادت سے ہے یعنی تقرب الی اللہ اور عبادت سمجھ کر ان تینوں جگہوں کے علاوہ اور کسی جگہ کا سفر نہ کرنا چاہئے۔

ہاں اگر کسی دوسری جگہ تحصیل علم، ادائے حقوق، تجارت یا ایسی ہی کسی دوسری ضرورت کی بناء پر سفر کرنا ہو تو یہ الگ چیز ہے اس میں کوئی قاحت نہیں ہے۔ البتہ اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کرنے اور حبرک مقامات پر جانے کے سلسلہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض حضرات نے تو اسے مباح قرار دیا ہے اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ حرام ہے یعنی محض اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کرنے اور حبرک مقامات پر پہنچ کر حصول برکت کی خاطر مستقل سفر کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی دوسری جگہ نذر و منت کی نیت سے سفر کا قصد کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی دوسری جگہ پہنچنے کی نذر مانی جائے تو اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس نہی کا تعلق صرف مساجد سے ہے یعنی حصول برکت اور زیارت کے ارادہ سے ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی دوسری مسجد کے لئے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ لہذا اس حدیث میں مساجد کے علاوہ دیگر مقامات خارج از مفہوم ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان تینوں مقامات کے علاوہ دوسری جگہوں کا سفر کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ اس ارشاد کا مقصد دراصل ان تینوں مساجد کی اہمیت و عظمت اور فضیلت اور ان کے لئے سفر کرنے کی سعادت و خوش بختی کو ظاہر کرنا ہے یعنی آپ ﷺ کے اس ارشاد کا صحیح نظریہ ہے کہ مسلمانوں کے ذہن میں یہ احساس پیدا ہونا چاہئے کہ اگر وہ سفر کرنا چاہتے ہیں تو پھر ان تینوں مساجد کی زیارت کے لئے سفر کریں کہ یہ مساجد سب سے زیادہ باعظمت و فضیلت اور حبرک ترین مقامات ہیں۔ ان کے علاوہ کسی دوسری جگہ کا سفر کرنا کوئی فلاح و سعادت کی بات نہیں ہے بلکہ بے فائدہ صعوبت و پریشانیوں کو برداشت کرنا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی مشہور معرکہ الآثار تصنیف حجة اللہ الباقیہ میں اس حدیث کی وضاحت کے دوران تحریر فرمایا ہے کہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کچھ مقامات کو اپنے گمان و خیال کے مطابق باعظمت و بابرکت تصور کرتے وہاں کا سفر کرتے تھے اور ان مقامات کی زیارت کرنے کو سعادت و برکت کے حصول کا ذریعہ جانتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح اپنے وہم و گمان

کے مطابق کسی جگہ اور مقام کو باعث برکت و فضیلت سمجھنا اور پھر خاص طور پر اس کی زیارت کے لئے وہاں جانا صرف یہ کہ حقیقت سے انحراف اور عقیدہ اور ذہن و فکر کی کمزوری کی علامت ہے بلکہ فتنہ و فساد کا سبب بھی ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے عقیدہ و عمل کو راہ راست پر قائم رکھنے کی خاطر اس غلط طریقہ کو بند فرمایا تاکہ اسلامی شعائر کے ساتھ غیر شعائر جمع نہ ہو جائیں اور یہ طریقہ غیر اللہ کی عبادت و پرستش کا سبب نہ بن جائے، چنانچہ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ مزارات اولیاء اللہ کی عبادت کرنے کی جگہیں یہاں تک کہ کوہ طور یہ سب اس سلسلہ میں برابر ہیں کہ خاص طور پر زیارت یا حصول برکت و سعادت کے جذبہ سے ان مقامات کا سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمَشْرِئِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمَشْرِئِي عَلَى حَوْضِي۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، میرے مکان اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض (یعنی حوض کوثر) کے اوپر ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص میرے مکان اور (مسجد نبوی میں) میرے منبر کے درمیان واقع جگہ پر عبادت کرے گا تو اسے اس عظیم سعادت کے صلہ میں جنت کا ایک باغ ملے گا اور جو شخص میرے منبر کے نزدیک عبادت میں مشغول رہے گا تو قیامت کے دن وہ حوض کوثر سے سیراب ہوگا۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی ہی پر محمول ہے کیونکہ روضہ کے معنی ٹکڑے کے ہیں لہذا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کے مکان و منبر کے درمیان کی جگہ وہ ٹکڑا ہے جو جنت سے زمین پر اس جگہ منتقل کیا گیا ہے اور یہ ٹکڑا زمین کے دوسرے حصوں کی طرح قیامت کے روز فنا نہیں ہوگا بلکہ جوں کا توں جنت میں واپس چلا جائے گا۔

علامہ تور پوشینیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کے منبر اور حجرہ رسول کے درمیان کی جگہ کو روضہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس جگہ آنحضرت ﷺ کی قبر کی زیارت کرنے والے، وہاں کے حاضر باش ملائکہ اور جن و انس ہمیشہ عبادت اور ذکر اللہ میں مشغول رہتے ہیں ایک جماعت جاتی ہے تو دوسری جماعت آجاتی ہے اس طرح لگاتار وہاں عبادت کرنے والوں کے آنے جانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے لہذا اس مناسبت سے اس جگہ کو روضہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے جیسا کہ ذکر کے حلقوں کو ریاض جنت فرمایا گیا ہے۔

⑥ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءَ كُلَّ سَبْتٍ مَا شَاءَ وَزَاكِبًا فَيُصَلِّي فِيهِ وَكَعْتَيْنِ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ ہر سبت کو بیدل یا سواری پر مسجد قبا تشریف لے جاتے تھے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: قبا ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تین کوس کے فاصلہ پر واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمانے کے وقت مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے قیام فرمایا تھا اور یہیں آپ ﷺ نے ایک مسجد بنائی تھی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد کی فضیلت بہت زیادہ ہے، چنانچہ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا یہ صحیح ارشاد منقول ہے کہ ”مسجد قبا میں نماز پڑھنا عمرہ ادا کر گئے کے مانند ہے۔“

طیلس القدر اور با عظمت صحابی حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ بیت المقدس میں دو مرتبہ حاضری دینے سے زیادہ میں اس پسند کرتا ہوں کہ مسجد قبا میں نماز پڑھوں اور اگر لوگ جان لیں کہ مسجد قبا میں نماز پڑھنے کا کتنا ثواب ہے تو وہ پھر کی مصیبت و مشقت

جھیل کر دور دراز سے اس مسجد میں آنے لگیں۔

بہر حال۔ آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ ہر ہفتہ کے روز مسجد قبا جاتے تھے اور اس میں دو رکعت تحیۃ المسجد یا کوئی دوسری نماز جو تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہوتی ہوگی پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ کے اس مبارک عمل سے عظیم اشارہ ملتا ہے کہ ہفتہ کے روز علماء و صلحاء اور بزرگوں سے ملاقات کرنا سنت ہے۔

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ مَسَاجِدُهَا وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ أَسْوَاقُهَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، خدا کے نزدیک تمام شہروں میں محبوب و پسندیدہ مقامات مساجد ہیں اور بدترین و ناپسندیدہ مقامات بازار ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: مسجد میں خدا کی عبادت کرنے کی جگہ ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مساجد محبوب و پسندیدہ مقامات ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں ہوتا ہے خداوند قدوس اس پر اپنی رحمت کا سایہ کرتا ہے اور اسے خیر و بھلائی کی سعادت سے نوازتا ہے اس کے مقابلہ میں بازار وہ جگہ ہے جہاں شیطان کا سب سے زیادہ تسلط رہتا ہے۔ حرص و طمع، خیانت و بددیانتی، جھوٹ اور خدا کی یاد سے غفلت وہ چیزیں ہیں جو بازار کا جزو لاینفک اور شیطان کی خوشی کا ذریعہ ہیں۔ چنانچہ خدا کے نزدیک بازار بدترین و ناپسندیدہ مقامات ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی ناگزیر ضروریات کی تکمیل کے علاوہ محض سیر و تفریح کی غرض سے بازاروں میں رہتا ہے اس پر محرومی و برائی کا سایہ رہتا ہے اور وہ خدا کی رحمت سے دور ہوتا ہے۔

یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ بیت خانے، شراب خانے، اور چکے وغیرہ تو بازار سے بھی بدترین ہیں پھر انہیں خدا کے نزدیک ناپسندیدہ اور مبغوض ترین مقامات کیوں نہیں کہا گیا ہے؟ بازار کو کیوں کہا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بازاروں کو قائم کرنے کا حکم شارع کی جانب سے ہے اور یہ چیزیں ایسی ہیں جن کو بنانے اور رکھنے کا حکم شارع کی جانب سے نہیں ہے لہذا ارشاد کا مطلب یہ ہے جن مقامات کو بنانا اور قائم رکھنا جائز ہے ان میں بدترین اور ناپسندیدہ مقام بازار ہے۔

⑥ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ تَيْسَاتٍ فِي الْجَنَّةِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص خدا کے لئے مسجد بناتا ہے تو خدا نے تعالیٰ اس کے لئے جنت میں مکان بنا دیتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: خدا کے لئے مسجد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا حاصل کرنے کے لئے مسجد بناتا ہے، نہ کہ لوگوں کو دکھانے سانے کے لئے اور اپنا نام پیدا کرنے کے لئے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس شخص کے لئے جنت میں مکان بنا دیتا ہے اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ جو شخص مسجد بنا کر اس پر اپنا نام لکھتا ہے تاکہ تشہیر کا ذریعہ بنے تو یہ اس کے عدم اخلاص کی دلیل ہے۔

لفظ مسجد اذ میں تنکیر (عمومیت) تفخیل کے لئے ہے۔ یعنی اگرچہ کوئی شخص مسجد گنتی ہی چھوٹی کیوں نہ بنائے اسے اس کا بدلہ اسی طرح دیا جائے گا۔ جس طرح کسی بڑی اور عالیشان مسجد بنانے والے کو۔ چنانچہ روایت میں یہ الفاظ ہیں اگرچہ وہ مسجد بھر کے گھونسلہ کی مانند ہو۔

یہ مسجد کی تنگی و اختصار میں مبالغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تو نیت کو دیکھتا ہے اگر کوئی شخص دنیا کی شہرت اور نمائش کے جذبہ سے بالاتر ہو کر محض خدا کی رضا و خوشنودی کی غرض سے اور اپنی نیت کے پورے اخلاص کے ساتھ مسجد بناتا ہے تو وہ جنت میں خدا کی طرف سے ایک مکان کا حقدار ہو گا اگرچہ اس کی بنائی ہوئی مسجد گنتی چھوٹی اور مختصر کیوں نہ ہو۔

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ أَوْ رَاحَ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُ نَزْلَةً مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا عَدَا أَوْ رَاحَ - (تعلق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص دن کے اول حصہ میں یا آخری حصہ میں مسجد جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمان نوازی کا سامان تیار کرتا ہے خواہ وہ صبح کو جائے یا شام کو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسجد کو یا خدا کا گھر ہے چنانچہ جو شخص مسجد میں جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی زیارت کرنے والوں کی ضیافت کرتا ہے اور انہیں اپنی رحمت سے محروم نہیں رکھتا۔ مسجد میں جانے کی بہت سی نیکیاں ہو سکتی ہیں ان میں سے ایک نیت یہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کی ابتداء میں حدیث انما الاعمال بالنیات کی تشریح کے ضمن میں نیت کے اس مسئلہ اور اس کی اقسام کو مفصل طریقہ سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

⑩ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرُ النَّاسِ أَجْزَأُ فِي الصَّلَاةِ أَنْ يَعْدُوهُمْ فَأَبْعَدَهُمْ مِنْشَى وَالَّذِي يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ حَتَّى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْإِمَامِ أَكْثَرُ أَجْزَأَ مِنَ الَّذِي يُصَلِّي ثُمَّ يَتَأَخَّرُ - (تعلق علیہ)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، نماز کا سب سے زیادہ اجر اس شخص کو ملتا ہے۔ جو باعتبار مسافت کے سب سے زیادہ دور ہو (یعنی جس شخص کا گھر مسجد سے جتنا دور ہو گا اور وہ گھر سے چل کر نماز کے لئے مسجد آئے گا اسے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا) اور جو شخص نماز کے انتظار میں مسجد کے اندر (بیٹھا) رہتا ہے تاکہ امام کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کا ثواب اس شخص سے زیادہ ہے جو (تہما) اپنی نماز پڑھ کر سو جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نماز میں اس لئے تاخیر کرے کہ امام کے ساتھ نماز پڑھ سکے تو اسے اس شخص کے مقابلہ میں جو امام کا انتظار کئے بغیر تہما نماز پڑھ کر سو جائے اگرچہ وہ وقت مختاری میں نماز کیوں نہ پڑھ لے زیادہ ثواب ملتا ہے اسی طرح ایک شخص تو وہ ہے جو چھوٹی اور مختصر جماعت کے ہمراہ نماز پڑھ لیتا ہے یا کسی امام کے ساتھ نماز ادا کر لیتا ہے جو درحقیقت امام بننے کا حق نہیں رکھتا اور دوسرا وہ شخص ہے جو انتظار کے بعد بڑی جماعت کے ہمراہ نماز پڑھتا ہے یا ایسے امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے جو امامت کا حق رکھتا ہے تو اس دوسرے شخص کو پہلے شخص کے مقابلہ میں خصوصاً جب وہ کسل و جلد بازی کے جذبہ سے ایسا کرتا ہے زیادہ ثواب ملے گا۔

⑪ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَلَّتِ الْبِقَاعُ حَوْلَ الْمَسْجِدِ فَأَرَادَ بَنُو سَلَمَةَ أَنْ يَنْتَقِلُوا أَقْرَبَ الْمَسْجِدِ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمْ بَلِّغْنِي أَنْتُمْ تَرِيدُونَ أَنْ تَنْتَقِلُوا أَقْرَبَ الْمَسْجِدِ قَالُوا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ أَرَدْنَا ذَلِكَ فَقَالَ يَا بَنِي سَلَمَةَ دَيَارَكُمْ تَكُنُّبُ أَثَارَكُمْ دَيَارَكُمْ تَكُنُّبُ أَثَارَكُمْ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کے قریب کچھ مکان خالی ہوئے تو بنو سلمہ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ مسجد کے قریب آجائیں۔ سرور کائنات ﷺ کو جب ان کے اس ارادہ کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ رکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! ہم نے یہی ارادہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، بنو سلمہ! تم اپنے مکانوں ہی میں رہو تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: بنو سلمہ انصار مدینہ کا ایک خاندان ہے اس خاندان کے افراد مسجد نبوی سے دور رہتے تھے۔ جب مسجد نبوی کے قریب رہنے والوں میں سے کچھ لوگوں کا انتقال ہو جانے یا کسی دوسری جگہ چلے جانے کی وجہ سے ان کے مکانات خالی ہوئے تو بنو سلمہ نے مسجد نبوی کے قریب رہنے کا سعادت حاصل کرنے کی غرض سے ان خالی مکانات میں منتقل ہونے کا ارادہ کیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو ان کے اس ارادہ کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس وقت تم لوگ جہاں آباد ہو وہی جگہ سعادت و بھلائی کے اعتبار سے تمہارے لئے بہتر

ہے کیونکہ تم لوگ مسجد سے جتنا دور رہو گے مسجد آنے کے لئے تمہیں اتنا ہی چلنا پڑے گا اور نماز کے لئے تم جتنے زیادہ قدم اٹھاؤ گے تمہارے نامہ اعمال میں ان کے بدلے اتنا ہی ثواب لکھا جائے گا اس لئے بھلائی و بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی سابق جگہ آباد رہو۔

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ يَنْظِلُهُمُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ إِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللَّهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّاهُمَا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا ففَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ بِهَا نَفْسٌ مِمَّنْ شَقِيَ بِهِ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا سات شخص ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس روز (یعنی قیامت کے دن) اپنے سایہ میں رکھے گا جس روز خدا کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ① انصاف کرنے والا حاکم۔ ② وہ جوان جو اپنی جوانی کو خدا کی محبت میں صرف کر دے۔ ③ وہ شخص جو مسجد سے نکلتا ہے تو جب تک وہ دوبارہ مسجد میں نہیں چلا جاتا اس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے۔ ④ وہ دو شخص جو محض خدا کے لئے آپس میں محبت رکھتے ہیں اگر یکجا ہوتے ہیں تو خدا کی عبادت میں اور جدا ہوتے ہیں تو خدا کی محبت میں یعنی حاضر و غائب خالص لوجہ اللہ محبت رکھتے ہیں۔ ⑤ وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرتا ہے اور (خوف خدا سے) اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ ⑥ وہ شخص جس کو کسی شریف النسب اور حسین عورت نے (برے ارادہ سے) بلایا ہو اور اس نے (اس کی خواہش کے جواب میں) کہہ دیا ہو کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ ⑦ وہ شخص جس نے اس طرح مخفی طور پر صدقہ دیا ہو کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی نہ معلوم ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہاں ان سات خوش نصیب اشخاص کی وضاحت کی گئی ہے جو اپنے اعمال و کردار کی بناء پر قیامت کے روز میدانِ حشر میں خدا کے سایہ میں ہوں گے یعنی خداوند قدوس ان اشخاص کو اپنے دامنِ رحمت میں جگہ دے گا اور انہیں آخرت کی سختیوں سے بچائے گا۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ سایہ خداوندی سے مراد عرش کا سایہ ہے۔ یعنی قیامت کے روز جب کہ تمام لوگ پریشان و حیران ہوں گے تو یہ سات اشخاص عرش کے سایہ میں رحمت خداوندی کی سعاد توں سے بہرہ ور ہوں گے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ساتواں شخص وہ جو خدا کی راہ میں اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا مال اتنی پوشیدگی سے خرچ کرتا ہے کہ جب وہ اپنے دائیں طرف کے آدمی کو کوئی چیز یعنی روپیہ پیسہ یا مال وغیرہ دیتا ہے تو اس کے بائیں طرف بیٹھے ہوئے آدمی کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی اور اس طرح اس کے چھپانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کہیں ریا اور نمائش کا جذبہ نہ پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے ثواب سے محرومی رہے۔

بعض علماء نے اس کے حقیقی معنی ہی مراد لئے ہیں یعنی وہ شخص اتنے مخفی طریقہ سے صدقہ و خیرات کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ دائیں ہاتھ نے کس کو کیا دیا ہے؟ اس صورت میں یہ جملہ کمال پوشیدگی کے لئے کنایہ ہوگا۔

(۱۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تَضَعُفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُورَةِ خُمَسٍ وَعِشْرِينَ ضِعْفًا وَذَلِكَ أَنَّهُ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا زُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَصَلِّيُ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِي مَضَلَّةٍ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا تَزَالِ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا انتظر الصلاةَ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَتْ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ وَزَادَ فِي دُعَاءِ الْمَلَائِكَةِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللَّهُمَّ تَبَّ عَلَيْهِ مَا لَمْ يُؤْذِ فِيهِ مَا لَمْ يُخْبِرْ فِيهِ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جماعت کے ساتھ آدمی کی نماز اس نماز سے جو گھر میں یا تجارت وغیرہ کی مشغولیت کی بناء پر بازار میں پڑھی جائے تجسّس درجہ فضیلت رکھتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اچھی طرح (یعنی آداب و

شرائط کو ملحوظ رکھ کر وضو کرتا ہے اور کسی غرض کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف نمازی کے لئے مسجد آتا ہے تو وہ جو قدم اٹھاتا ہے اس کے ہر قدم کے عوض اس کے ثواب میں ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ کم ہو جاتا ہے (یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے) اور جب تک وہ نماز پڑھ کر اپنے مصلیٰ پر بیٹھا رہتا ہے فرشتے برابر اس کے لئے یہ دعا کرتے رہتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ اَزْ حَفْہِ اے اللہ! اس کی بخشش کر اے اللہ! اس پر رحم کر، جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں رہتا ہے تو اس کا وہ وقت نمازی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب کوئی مسجد میں گیا اور نمازی کی وجہ سے وہاں رک گیا (تو گویا وہ نمازی میں ہے) اور فرشتوں کی دعا میں یہ الفاظ زیادہ ہیں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَہُ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ عَلَیْہِ (یعنی اے اللہ! اس بندہ کی بخشش فرما، اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما) اور (یہ اس وقت تک ہوتا رہتا ہے) جب تک کہ وہ کسی (مسلمان) کو (اپنی زبان یا ہاتھ سے) ایذا نہ پہنچائے اور باوجود ضرر ہے۔

(بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پچیس درجہ زیادہ ثواب کی فضیلت اسی وقت حاصل ہوگی جب کہ نماز باجماعت کے ساتھ اور مسجد میں پڑھی جائے۔ حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے نمازی کے حق میں خدا کی رحمت و برکت کی دعا اس وقت تک کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ مسلمان کو اپنے کسی عمل یا اپنے کسی قول سے ایذا نہیں پہنچاتا۔ گویا فرشتوں کے دعا کرنے کے حق میں یہ حدیث معنوی ہے۔ اس کے بعد حدیث ظاہری کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب تک نمازی باوجود ضرر ہے یعنی اگر کوئی نمازی کسی مسلمان کو ایذا پہنچائے گا یا اس کا وضو ٹوٹ جائے گا تو فرشتے اس کے لئے رحمت و برکت اور مغفرت کی دعا نہیں کریں گے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں کی دعا کی فضیلت اسی وقت حاصل ہوگی جب کہ نمازی نماز پڑھ کر وہیں مصلیٰ پر بیٹھا ہے اگر وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ جا بیٹھے گا تو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔ بعض مشائخ اور بزرگ نماز پڑھ کر ریاء و نمائش وغیرہ کے خوف سے مصلیٰ سے اٹھ جاتے ہیں اور کسی گوشہ وغیرہ میں بیٹھ کر ذکر و تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں، گو ان کی نیت صحیح اور ان کا یہ طریقہ قابلِ جزاء و انعام ہے کہ انہیں ذکر و تسبیح کی فضیلت حاصل ہوتی ہے مگر نماز پڑھ کر مصلیٰ ہی پر بیٹھے رہنے کی جو فضیلت ہے وہ انہیں حاصل نہیں ہوتی۔

(۱۴) وَعَنْ أَبِي أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابواسیدؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو۔ تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ (اے اللہ! اپنی رحمت کے دروازے میرے لئے کھول دے) اور جب مسجد سے نکلے تو یہ دعا پڑھ لیا کرے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ (اے اللہ! میں تیرا ہی فضل چاہتا ہوں)۔“ (مسلم)

تشریح: پہلی دعا کا مطلب تو یہ ہے کہ اے اللہ! اس مقدس و محترم جگہ کی برکت سے یا اس مسجد میں نماز پڑھنے کی توفیق دینے کے سبب سے یا نماز کے حقائق ظاہر کرنے کے سبب سے مجھ پر اپنی رحمتوں، اپنی نوازشوں اور اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دے۔ دوسری دعا میں ”فضل“ سے مراد حلالِ رزق ہے کیونکہ نماز سے فارغ ہو کر بندہ اسبابِ مطہشت ہی کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔

(۱۵) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رُكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ۔ (متفق علیہ)

لے حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ کے ساتھ اسے اور ساعدی انصاری ہیں، بدری صحابہ میں شامل اور سب سے بعد میں ۶۰ھ میں ہجرت ۷۸ سال وفات پائی ۱۲۔

”اور حضرت ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی دلیل ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ تحیۃ المسجد یعنی مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے اس لئے کہ اس حدیث میں امر وجوب کے لئے ہے۔ حنفیہ کے نزدیک چونکہ تحیۃ المسجد واجب نہیں مستحب ہے اس لئے وہ حضرات کہتے ہیں کہ یہاں امر (حکم) وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے۔

(۱۱) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدِمُ مِنْ سَفَرٍ إِلَّا نَهَّازًا فِي الصُّلْحَىٰ فَإِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّىٰ فِيهِ وَكَعْبَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيهِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت کعب ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ (کی عادت تھی کہ) جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو چاشت کے وقت آتے اور سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھ کر (تھوڑی دیر تک) بیٹھے رہتے۔ (پھر مکان میں تشریف لے جاتے)“ (بخاری و مسلم)

تشریح: سفر سے واپسی کے بعد آپ ﷺ مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر وہاں تھوڑی دیر تک اس لئے بیٹھے رہتے تھے تاکہ وہ صحابہ کرام جو آپ ﷺ کی عدم موجودگی کی وجہ سے آپ ﷺ کی محبت سے محروم رہتے تھے۔ اس موقع پر آپ ﷺ سے شرف ملاقات اور آپ ﷺ کی غصت کی سعادت حاصل کر سکیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ سفر سے واپس آکر گھر جانے سے پہلے اول مسجد میں آکر نماز پڑھے اور تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھا رہے۔

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللَّهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهَذَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص یہ سنے (یا دیکھے) کہ کوئی شخص مسجد میں اپنی گم شدہ چیز تلاش کر رہا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ خدا کرے تیری گم شدہ چیز تجھے نہ ملے۔ اس لئے کہ مسجدوں کو اس لئے نہیں بنایا گیا ہے (کہ ان میں جا کر گم شدہ چیزوں کو تلاش یا دریافت کیا جائے)۔“ (مسلم)

تشریح: اس سلسلہ میں بظاہر تو مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر یہ کلمات اس شخص کی تنبیہ و توبخ کے لئے صرف زبان سے ادا کئے جائیں دل سے بدو عائد کی جائے اور نہ درحقیقت یہ خواہش ہو کہ ایک مسلمان کی گم شدہ چیز اسے واپس نہ ملے۔ اور اگر کوئی شخص درحقیقت دلی خواہش یہی رکھتا ہے کہ ایسے شخص کو اس کی گم شدہ چیز نہ ملے تاکہ آئندہ کے لئے اسے عبرت ہو اور اپنے اس نامناسب فعل کی سزا پائے اور یہ کہ پھر آئندہ وہ ایسی حرکت نہ کرنے پائے تو ایک حد تک یہ بھی صحیح ہوگا۔

اس سلسلہ میں مسجد کی عظمت و تقدس کا تقاضا تو یہ ہے کہ صرف گم شدہ چیز تلاش کرنے ہی کی تخصیص نہیں بلکہ ہر وہ چیز ممنوع ہے جس کو اختیار کرنا مسجد کی بناء و غرض کے منافی ہو جیسے خرید و فروخت وغیرہ۔ چنانچہ عہد سلف کے بعض علماء اسی بناء پر کہ مسجدیں صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کے لئے ہیں اور کسی مقصد کی تکمیل کے لئے نہیں مسجد میں کسی سائل کو صدقہ وغیرہ دینا بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

(۱۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُتَنَبِّئَةِ فَلَا يَقْرَأَنَّ مَسْجِدَنَا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَنَادَىٰ مِمَّا يَتَأَذَىٰ مِنْهُ الْإِنْسُ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص کہ اس بدبودار درخت (یعنی پیاز، لہسن وغیرہ) میں سے کچھ کھائے تو

ہمارے مسجد کے قریب بھی نہ آئے کیونکہ جس (بدبو) سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔"

(بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح بدبودار چیزوں سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح فرشتے بھی ان سے تکلیف محسوس کرتے ہیں لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ پیاز و لہسن وغیرہ کھا کر مسجدوں میں نہ آئیں کیونکہ مسجد میں فرشتوں کے حاضر ہونے کی جگہیں ہیں اس لئے انہیں تکلیف ہوگی اس حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو بدبودار ہو اس کا تعلق خواہ کھانے پینے سے ہو یا رہن سہن سے مثلاً منہ غلاظت و بدبو، بھل و غیرہ کی گندگی و قہقن وغیرہ وغیرہ۔ پھر مسجد ہی کی طرح ان دو سری جگہوں کا بھی یہی حکم ہے جہاں مجالس عبادت و وعظ منعقد ہوتی ہوں یا جہاں قرآن و حدیث کی تعلیم ہوتی ہو یا جہاں ذکر و تسبیح کے حلقے ہوتے ہوں کہ ان مقامات پر بھی بدبودار چیزوں کے ہمراہ نہ جانا چاہئے۔

(۱۹) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّبِيُّ فِي الْمَسْجِدِ حُطْبَةُ وَكَفَّارُ نَهْأُ دَفْنَهَا۔ (متن علیہ)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ مسجد میں تھوک ناگناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس تھوک کو زمین میں دبا دیا جائے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مسجد۔ کہ تقدس و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں تھوک کر گندگی و غلاظت نہ پھیلائی جائے اور اگر اتفاقاً ایسی غلطی کا ارتکاب ہو جائے تو اس گناہ کے دفعیہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس تھوک کو زمین دوز کر کے اسے دور کر دیا جائے۔

(۲۰) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرِضْتُ عَلَى أَعْمَالِ أُمِّی حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُ فِي مَخَابِسِ أَعْمَالِهَا الْأَذَى يُعَاطَى عَنِ الظَّرِيقِ وَوَجَدْتُ فِي مَسَاوِي أَعْمَالِهَا التُّخَاعَةُ تَكُونُ فِي الْمَسْجِدِ لَا تَذْفَنُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو ذرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ میرے سامنے میری امت کے اچھے برے اعمال پیش کئے گئے میں نے اس کے نیک اعمال میں تو راستہ سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کر دیا پایا اور برے اعمال میں مسجد کے اندر تھوکنا دیکھا جس کو دبیانا نہ گیا ہو۔" (مسلم)

(۲۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَبْطِئُ أَمَانَةً فَإِنَّمَا يَخْرُجُ اللَّهُ مَادَامَ فِي مَضَلَّةٍ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ فَإِنْ عَنْ يَمِينِهِ مَلَكًا وَلَيْبِطُ عَنْ بَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ فَيَذْفُهَا۔ وَفِي رَوَايَةِ أَبِي سَعِيدٍ تَحْتَ قَدَمِهِ الْبَيْسُ۔ (متن علیہ)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے سامنے نہ تھو کے اس لئے کہ وہ جب تک نماز کی حالت میں ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات (سرگوشی) کرتا ہے اور اسے اپنے دائیں طرف بھی نہ تھوکنا چاہئے کیونکہ دائیں طرف ایک فرشتہ ہوتا ہے ہاں بائیں طرف یا قدموں کے نیچے تھوک لے اور پھر اسے زمین میں دبا دے۔ ابو سعید کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بلکہ اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوک لے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں نمازی کو اس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہو کر اس سے سرگوشی کرتا ہے لہذا جس طرح اس موقع پر وہ شخص اپنے مالک کی عزت و احترام کے تمام آداب کو ملحوظ رکھتا ہے اسی طرح نمازی کے لئے بھی واجب ہے کہ جب وہ اپنے پروردگار حقیقی کے سامنے نماز کے لئے کھڑا ہو تو حضوری کے تمام شرائط و آداب کا پورا پورا خیال رکھے۔ اور اس سلسلہ میں ایک اہم ادب یہ ہے کہ اپنے سامنے نہ تھو کے، گو خداوند قدوس کی ذات پاک جت و سمعت کی قیود سے پاک ہے تاہم سامنے نہ تھوکنے کی قید لگا کر

آداب حضوری کے راستہ سے روشناس کرایا جا رہا ہے کہ پروردگار عالم کے دربار میں حاضری کے وقت ایسا کوئی طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ جو رب ذوالجلال کی شان عظمت و کبریائی کے منافی ہو۔

”فرشتہ“ سے مراد یا کرانا کاتبین کے علاوہ وہ فرشتہ ہے جو خاص طور پر نماز کے وقت نمازی کی تائید اور اس کی رہبری اور اس کی دعا پر آمین کہنے کے لئے حاضر ہوتا ہے، لہذا نمازی پر واجب ہے کہ اس فرشتے کی مہمانی کا خیال کرتے ہوئے کرانا کاتبین سے زیادہ اس کا اکرام و احترام کرے کیونکہ کرانا کاتبین تو ہر وقت ہی ساتھ رہتے ہیں اور اس کے اکرام و احترام کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ دوران نماز اپنی دائیں طرف نہ تھو کے کہ یہ فرشتہ اسی سمت رہتا ہے۔

یا پھر ”فرشتہ“ سے مراد کرانا کاتبین ہے کہ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے صرف دائیں طرف تھوکے سے اس لئے منع فرمایا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ دائیں طرف کا فرشتہ جو بندہ کے نیک اعمال لکھنے پر مقرر ہے بائیں طرف کے فرشتہ سے جو بندہ کے برے اعمال لکھنے پر متعین ہے رتبہ کے اعتبار سے زیادہ افضل ہے جس طرح کہ دائیں سمت بائیں سمت سے افضل ہوتی ہے یا رحمت کا فرشتہ عذاب کے فرشتہ سے زیادہ افضل ہوتا ہے۔

(۲۲) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي مَوْضِعِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے اس بیماری میں جس سے اٹھ نہ سکے (یعنی مرض وفات میں) فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: سرکارِ دو عالم ﷺ کا بیاناہ حیات جب لبریز ہونے لگا اور آپ ﷺ کو یقین ہو گیا کہ اب اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آگیا ہے تو آپ ﷺ نے اس خوف سے کہ مبادا میری امت کے لوگ بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنائیں اس فعلِ شنیع کی ممانعت کا اظہار یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ ان امتوں کے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں پر سجدہ کیا کرتے ہیں۔

قبروں کو سجدہ گاہ بنانا دو طریقوں سے ہوتا ہے ایک تو یہ کہ صاحبِ قبر یا محض اپنی قبر کی عبادت و پرستش کے مقصد سے قبروں پر سجدہ کیا جائے جیسا کہ بت پرست بتوں کو پوجتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سجدہ تو قبر کو کیا جائے مگر اس سے مقصد خدا تعالیٰ ہی کی عبادت و پرستش ہو اور یہ اعتقاد ہو کہ اس طرح قبر کی طرف نماز پڑھنا اور سجدہ کرنا درحقیقت پروردگار حقیقی کی عبادت کرنا ہے اور یہ کہ اس طریقہ سے پروردگار کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور اس کا قرب میسر ہوتا ہے۔ یہ دونوں طریقے غیر مشروع اور خدا و رسول کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں۔ پہلا طریقہ تو صریحاً کفر و شرک ہے۔ دوسرا طریقہ بھی حرام ہے کیونکہ اس میں خدا کی پرستش و عبادت میں دوسرے کو شریک کرنا لازم آتا ہے اگرچہ شرک خفی ہے یہ دونوں طریقے خدا کی لعنت کا سبب ہیں۔

یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ نبی کی قبر یا کسی بزرگ دلی کی قبر کی طرف ازراہ بزرگ و تعظیم نماز پڑھنا حرام ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۲۳) وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَلَا وَائٍ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَمَسَاجِدَ أَلَا فَاتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنِّي أَنهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ. (رواہ مسلم)

”اور حضرت جندبؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ آگاہ رہو اتم سے پہلے (یعنی دوسری امتوں کے) لوگوں نے اپنے انبیاء اور اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ لہذا خبردار اتم لوگ قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔“ (مسلم)

(۲۳) وَعَنْ بَنِي عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا هَاقِيزًا۔

(متن علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ تم کچھ نمازیں اپنے گھروں میں بھی پڑھ لیا کرو اور گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: ”گھروں کو قبریں نہ بنانے“ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں میں قبریں نہ بناؤ اور اپنے کسی مردہ کو گھر کے اندر دفن نہ کر دیا کرو اس سے یہ مراد ہے کہ قبروں کو گھونگی مانند نہ سمجھو یعنی جس طرح کسی حاجت و ضرورت کے وقت لوگ اپنے گھروں ہی کا رخ کرتے ہیں تاکہ اس حاجت و ضرورت کو پوری کر سکیں۔ اسی طرح اگر کسی کو کوئی حاجت و ضرورت درپیش ہو تو وہ قبروں پر دوڑا ہوا نہ چلا جائے اور صاحب قبر سے مرادیں نہ مانگنے لگے بلکہ جب کوئی حاجت و ضرورت درپیش ہو تو خدا ہی سے مانگے اور اسی کے سامنے دست سوال دراز کرے کہ سب اسی کے محتاج ہیں یہاں تک کہ جس پیر و صاحب قبر کو حاجت روا اور مرادیں پوری کرنے والا سمجھا جاتا ہے وہ بھی خدا ہی کے رحم و کرم اور اس کے فضل کا محتاج ہے۔ یا پھر اس سے یہ مراد ہے کہ جس طرح مقبروں میں نماز نہیں پڑھی جاتی اسی طرح اپنے گھروں کو بھی بے ذکر الہی نہ چھوڑو بلکہ اپنے گھروں میں بھی نمازیں پڑھا کر تاکہ نماز اور ذکر الہی کی برکت سے گھر میں رحمت خداوندی کا نزول ہو۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ سوائے فرض نماز کے سنت و نوافل وغیرہ مسجد کی بہ نسبت گھروں میں پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

(۲۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ۔ (رواہ الترمذی)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث کا تعلق مدینہ منورہ کے باشندوں سے ہے کیونکہ مدینہ منورہ سے قبلہ جانب جنوب واقع ہے نیز اس حدیث کا تعلق ان اطراف کے لوگوں سے بھی ہے جن کا قبلہ مدینہ کے موافق جانب جنوب واقع ہے لہذا اس اعتبار سے ان لوگوں کا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہوا۔

(۲۶) وَعَنْ طَلْحِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ خَرَجْنَا وَقَدْ آتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعَهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَآخِزْنَاهُ أَنْ يَأْزِجَنَا بَيْعَةً لَنَا فَاسْتَوْهَيْنَاهُ مِنْ فَضْلِ ظَهْرِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وَتَمَضَّضَ ثُمَّ صَبَّهَ لَنَا فِي إِذَاوَةٍ وَأَمَرَنَا فَقَالَ اخْرُجُوا فَإِذَا أَنْتُمْ أَرْضَكُمْ فَاسْكَبُوا أَيْتَعَتَكُمْ وَانْصَحُوا امْكُنْهَا بِهَذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوا هَامِسَ جِدَا قُلْنَا إِنَّ الْبَلَدَ بَعِيدٌ وَالْحَوْشَ شَدِيدٌ وَالْمَاءَ يَنْشَفُ فَقَالَ مَذُودٌ مِنَ الْمَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَرِيذُهُ إِلَّا طَيْبًا۔ (رواہ النسائي)

”اور حضرت طلحہ ابن علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک جماعت کی شکل میں سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم سب نے آپ ﷺ سے (اسلام کی) بیعت کر کے آپ ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی اور پھر یہ بھی عرض کر دیا کہ ہماری سرزمین پر ہمارا ایک گرجا بنا ہوا ہے (اس کو کیا کریں؟) اس کے بعد ہم نے آپ ﷺ کے وضو کا پچا ہوا پانی مانگا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور وضو کیا اور (وضو کے بعد بقیہ پانی سے) اٹکی کی اور اس کٹی پانی ہماری چھال میں ڈال دیا اور فرمایا کہ جاؤ اور جب تم اپنے ملک میں پہنچو تو اس گرجے کو توڑ کر اس کی جگہ یہ پانی چھڑک دینا (تاکہ دین و اسلام کے انوار و برکات وہاں پھیل جائیں) اور پھر وہاں مسجد بنالینا۔ ہم نے عرض کیا کہ ہمارا شہر تو بہت دور ہے اور گرمی سخت ہے لہذا یہ پانی (وہاں پہنچے پہنچے) خشک ہو جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس میں اور پانی ملا لینا اس سے اس کی پاکیزگی و برکت ہی میں اضافہ ہوگا۔“ (نسائی)

تشریح: ”بیعة“ نصاریٰ کے عبادت خانہ کو کہتے ہیں جسے ہمارے یہاں گر جا کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تھے نصاریٰ قوم سے تھے چنانچہ جب یہ لوگ ایمان و اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہو گئے تو ان کی خواہش ہوئی کہ اپنے گرجا کو جو پہلے مذہب کی یادگار عبادت گاہ ہے توڑ ڈالیں اور اس جگہ برکت حاصل کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے وضو کا بچا ہوا وہان مقدس سے لکھا ہوا تبرک پانی چھڑک ڈالیں تاکہ اس جگہ ایک دوسرے مذہب کی عبادت گاہ ہونے کی وجہ سے وہاں کفر و شرک کے جو جراثیم پیدا ہو گئے ہیں وہ اس پانی کی برکت سے ختم ہو جائیں اور وہاں دین اسلام کے فیوض و برکات پھیل جائیں۔ چنانچہ لفظ فاستوہبناہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر دھوپ و گرمی کی شدت اور طویل مسافت کی وجہ سے یہ پانی خشک ہونے لگے اور تمہیں اس بات کا خدشہ ہو کہ منزل مقصود تک پہنچنے پہنچنے پہ پانی بالکل ہی خشک ہو جائے گا تو اس پانی میں دوسرا پانی ملا لینا لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ اور پانی ملا لینے سے اس پانی کی برکت و فضیلت ختم ہو گئی ہے یا کم ہو گئی ہے بلکہ یہ تو پہلا پانی جو چھاگل میں تھا بعد میں ڈالے جانے والے اس پانی میں خیر و برکت کی زیادتی کرے گا یا پھر بعد میں ڈالے جانے والے اس دوسرے پانی میں منجانب اللہ یہ شرف و فضیلت پیدا ہو جائے گی کہ اس پانی کی وجہ سے چھاگل میں موجود پہلے پانی میں مزید خیر و برکت ہو جائے گی اور حاصل یہ کہ مزید پانی ملا لینے سے خیر و برکت زیادہ ہی ہوگی کم نہ ہوگی یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آب زم زم کو باعث خیر و برکت جاننا اور پھر اسے بطور تبرک دوسری جگہ لے جانا جائز ہے۔

نیز اس پر قیاس کیا جاتا ہے کہ علماء و مشائخ اور اولیاء اللہ کے چھوٹے کھانے اور پانی یا ان کے بدن کے اترے ہوئے کپڑوں کو خیر و برکت کا باعث جاننا اور انہیں تبرک سمجھ کر استعمال کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں حدود شرع سے تجاوز نہ ہو یعنی ان چیزوں کو تبرک و مقدس سمجھ کر ان کی حدیث سے زیادہ تعظیم و تکریم یا تعویذ باللہ ان کی پرستش نہ ہونے لگے۔

(۲۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ فِي الدُّورِ أَنْ يُنْظَفَ وَيُطَيَّبَ۔

(رواہ البوداد و الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے محلوں میں مسجد بنانے کا حکم فرمایا ہے اور یہ کہ (وہ مسجد میں) پاک و صاف رکھی جائیں اور ان میں خوشبوئیں رکھی جائیں۔“ (البوداد و الترمذی و ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محلوں میں مسجدیں بنانا اشد ضروری ہیں کیونکہ مسجدوں کا قیام نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی دینی و مذہبی حیثیت اور قوی و ملی بیداری کا ثبوت ہے بلکہ ان کی وجہ سے اہل محلہ پر خدا کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ مسجدوں کو محض بناؤ النائی ایمانی حرارت اور دینی و مذہبی بیداری کا ثبوت نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ مسجدوں کو آباد بھی رکھا جائے۔ وہاں کسی قسم کی کوئی غلاطی و گندگی نہ ڈالی جائے اور نہ وہاں رہنے دی جائے اور اگر جی وغیرہ خوشبوؤں کے ذریعہ انہیں معطر رکھا جائے۔ اور اگر ان چیزوں کے کرنے کے وقت اس مقدس و محترم جگہ کی تعظیم و تکریم کی نیت کی جائے اور یہ نیت بھی کی جائے کہ پانی و صفائی اور خوشبو کی وجہ سے مسجد میں آنے والے فرشتے اور مسلمان بھائی خوش ہوں گے تو ثواب میں بہت زیادتی ہوگی۔

(۲۸) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَمْزَتْ بِشَيْئٍ الْمَسَاجِدَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ

لَتُرْخَرَفَتْهَا أَكْثَرُ خَزَفٍ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى۔ (رواہ البوداد)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ مجھ کو مسجدوں کے بلند کرنے اور آراستہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جس طرح یہود و نصاریٰ (اپنے عبادت خانوں کی) زینت کرتے ہیں اسی طرح تم بھی (مساجد کی) زینت کرو گے۔“ (البوداد)

تشریح: زخرف کہتے ہیں علماء کا اور کسی چیز کی کمال خوبی کو حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں نقش و نگار کریں گے اور ان کے در و دیوار پر سونا چڑھائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول آنحضرت ﷺ کے بعد حسب عادت، انسانی لوگوں کے افعال کی خبر دینے کے مترادف ہے یعنی آئندہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو مسجدوں کو نقش و مزیں کریں گے، اور ان کے در و دیوار پر سونا چڑھائیں گے حالانکہ ان کا یہ طریقہ خلاف سنت ہو گا کیونکہ اسلام کی سادگی پسند فطرت اس قسم کی چیزوں کی تحمل نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ اس طریقہ سے یہود و نصاریٰ کی مشابہت ہوتی ہے۔

متاخرین علماء نے مساجد کی زیب و زینت اور ان میں نقش و نگار کی اجازت دی ہے اور کہا ہے کہ لوگ اپنے مکانات کو بلند و مطلقا بناتے ہیں اور انہیں نقش و مزیں کرتے ہیں اگر مسلمان اپنی مسجدوں کو لکڑی و مٹی سے بالکل سادہ بنائیں تو ہو سکتا ہے کہ عوام کی نظروں میں ان کی وقعت و عظمت نہ ہو اس لئے مسجدوں کو ایسے ڈھنگ سے بنانے کی اجازت دے دی گئی ہے جو موجودہ زمانہ کے معیار پر فیق و محترم سمجھی جائیں۔

مسجد نبوی زمانہ رسول اللہ ﷺ بالکل سادہ اور کچی تھی دیواریں اینٹوں کی اور چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی اور اس کے ستون کھجور کی لکڑی کے تھے، پھر جب حضرت عمرؓ نے اس کو دوبارہ بنوایا تو انہوں نے بھی اسی طرح مسجد کو سادہ رکھا۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دور خلافت میں اس مسجد کو از سر نو نئے طرز پر تعمیر کروایا چنانچہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ مسجد کو وسیع تر بنادیا بلکہ اس کی دیواروں میں نقش چتر اور چھت میں سال استعمال کیا اس طرح مسجد نبوی آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے مقابلہ میں بہت بڑی اور خوبصورت ہو گئی۔

(۲۹) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَسْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ۔

(رواہ ابو داؤد، والنسائی و الداری وابن ماجہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ مساجد کے بارہ میں فخر کیا کریں گے۔“ (ابو داؤد، نسائی، داری، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قرب قیامت میں لوگ بڑی بڑی مسجدیں بنائیں گے اور انہیں آراستہ کریں گے اور اس سے ان لوگوں کا مقصد خدا کی رضا و خوشنودی اور ان کی نیت خالصہ اللہ نہیں ہوگی بلکہ ان کا مقصد یہ ہو گا کہ وہ بڑے فخر و مباہات کے ساتھ اپنے اس کارنامے کو دنیا کے سامنے پیش کر سکیں اور دنیا والے ان کی تعریف و بڑائی میں زمین و آسمان کی قلابے ملا دیں۔

(۳۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ أُخُورُ أُمَّتِي حَتَّى الْقَدَاةُ يُعْخِرُ جُهَا الرَّجُلِ مِنَ الْمَسْجِدِ وَعُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوبُ أُمَّتِي فَلَمْ أَزِدْنِي أَعْظَمَ مِنْ سُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ أَوْ آيَةٍ أَوْ يَتَاهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا۔

(رواہ الترمذی و ابو داؤد)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ میری امت کے ثواب میرے سامنے پیش کئے گئے۔ یہاں تک کہ اس کوڑے اور خاک کا ثواب بھی (پیش کیا گیا) جسے کسی آدمی نے مسجد سے (بھاڑ دے کر) نکالا ہو، نیز میرے سامنے میری امت کے گناہ بھی پیش کئے گئے۔ ان گناہوں میں مجھ کو اس سے بڑا کوئی گناہ نظر نہیں آیا کہ کسی کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد ہو پھر اس نے اس کو بھلا دیا ہو۔“ (ترمذی، ابو داؤد)

تشریح: کسی کو قرآن کی سورت یا آیت کا یاد ہو جانا خدا کی بڑی نعمت ہے اور جس نے یاد کر کے اسے بھلا دیا گویا اس شخص نے اس نعمت کی سخت بے قدری و ناشکری کی اور اس کی قدر نہ جانی لہذا ایسا شخص سخت گناہ گار ہو گا۔

(۳۱) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشِّرِ الْمَشَائِينَ فِي الظُّلُمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ الثَّامِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ زَوَاهِدُ التِّرْمِذِيِّ وَأَبُو دَاوُدَ وَزَوَاهِدُ ابْنِ مَاجَةَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَأَنَسٍ -

”اور حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ اندھیرے میں مسجدوں کی طرف جاتے ہیں انہیں یہ خوشخبری پہنچا دو کہ قیامت کے دن (اس کے سبب سے) ان کو کامل روشنی نصیب ہوگی۔“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس ارشاد گرامی میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

نُورُهُمْ يُسْمَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا - (التحریم: ۶۶)

”ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا (اور) یوں دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے اس نور کو اخیر تک رکھیے۔“

(۳۲) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ إِنَّمَا يَغْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ -

(رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم کسی شخص کو مسجد کی خبر گیری کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے۔ إِنَّمَا يَغْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اللہ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم اگر کسی ایسے شخص کو دیکھو جو اللہ کے گھر کی خبر گیری کرتا ہو یعنی اس کی حفاظت و حرمت کرتا ہے اس میں جھاد وغیرہ دے کر اس کی صفائی و ستھرائی رکھتا ہے اس میں نماز پڑھتا ہے اور عبادت کرتا ہے اور اس میں دینی علوم کے درس و تدریس میں مشغول رہتا ہے تو تم اس کے حق میں گواہی دو کہ وہ مرد مؤمن اور خدا و رسول کا اطاعت شعار و فرمانبردار بندہ ہے۔

(۳۳) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَطْعُونٍ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا تَنَالُنِي فِي الْإِحْصَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَصَصِي وَلَا أَخْتَصِي إِنْ خَصَصْتُ أُمَّتِي الصِّيَامَ فَقَالَ أَلَا تَنَالُنِي فِي السِّيَاحَةِ فَقَالَ إِنْ سَيَّحْتُ أُمَّتِي الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَالَ أَلَا تَنَالُنِي فِي التَّرَهُّبِ فَقَالَ إِنْ تَرَهَّبْتُ أُمَّتِي الْجُلُوسَ فِي الْمَسَاجِدِ انْظُرْ الصَّلَاةَ - (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت عثمان ابن مظعونؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھ کو خصی (نامرد) ہونے کی اجازت دیجئے (تاکہ زنا میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہ رہے) آپ ﷺ نے فرمایا۔ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہماری سنت کے راستہ سے ہٹا ہوا ہے) جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی ہو جائے (بلکہ) میری امت کے لئے خصی ہونا روزہ رکھنا ہے (کیونکہ روزہ رکھنے سے شہوت جاتی رہتی ہے) حضرت عثمانؓ نے عرض کیا کہ پھر مجھے سیر و سیاحت کی اجازت عنایت فرمائی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میری امت کی سیاحت یہی ہے کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کیا جائے۔ انہوں نے پھر عرض کیا کہ اچھا تو پھر مجھے راہب بننے کی اجازت دے دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کا راہب بننا یہی ہے کہ مسجدوں میں نمازوں کے انتظار میں بیٹھا جائے۔“ (شرح السنہ)

تشریح: حضرت عثمان ابن مظعون کی خواہش یہ تھی کہ وہ ایسے طریقے اختیار کریں کہ جس سے دنیا کی لذتوں، نفسانی خواہشات اور شیطانی حرکات میں نہ مبتلا ہو سکیں تاکہ خدا کی رضا و خوشنودی حاصل ہو، چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس بات کی

سہ آم گرامی عثمان بن مظعون اور کنیت ابوسائب ہے۔ عظیم القدر صحابی اور چودھویں مرد مسلمان ہیں۔ ہجرت حبشہ میں وہ اور ان کے صاحبزادے سائب شامل تھے اور ہجرت مدینہ میں شریک ہوئے مہاجرین میں سے پہلے صحابی جن جنہوں نے مدینہ میں ۲ھ میں وفات پائی، آنحضرت ﷺ نے آپ کی نعش کو پوسہ دیا تھا۔

اجازت طلب کی کہ وہ اپنی قوتِ مردی کو ختم کر کے بالکل نامرد بن جائیں تاکہ زنا جیسے بڑے گناہ میں ملوث ہونے کا خدشہ نہ رہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی اس خواہش کو انسانی فطرت اور اسلامی روح کے منافی سمجھتے ہوئے انہیں اس فعل سے باز رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر تم یہی چاہتے ہو کہ نفسانی خواہشات ختم ہو جائیں اور روحانی و عرفانی جذبات غالب رہیں تو اس کا آسان علاج یہ ہے کہ روزہ رکھا کرو کیونکہ روزہ شہوت کو ختم کرتا ہے اور تعلق مع اللہ کے جذبات کو جلا بخشتا ہے۔ پھر انہوں نے سیر و سیاحت کی اجازت طلب کی تاکہ اس مشغلہ سے نفسانی خواہشات میں کمی آجائے۔ آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ کیونکہ زمین پر گھومنا پھرنا اور دور دراز کا سفر اختیار کرنا صرف جہاد فی سبیل اللہ میں مطلوب و محمود ہے، محض سیر و سیاحت کی خاطر خواہ مخواہ دنیا کے چکر کاٹنا جیسا کہ بعض فقیر قسم کے لوگ کرتے ہیں کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے کوئی اخروی منفعت و بھلائی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے راہب بن جانے کی خواہش ظاہر کی جیسا کہ اہل کتاب میں وہ لوگ جو دیندار اور مذہبی قسم کے ہوتے ہیں دنیاوی علائق سے گوشہ نشینی اختیار کر لیتے ہیں اور دنیا کی تمام لذتوں اور مشغولیات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ نہ عورتوں کے پاس جاتے ہیں اور نہ دوسرے لوگوں سے ملتے جلتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی اس خواہش کو بھی رد کر دیا کیونکہ رہبانیت اہل کتاب کا شیوہ ہے یہ اسلام کی تعلیمات اور اسلام کی فطرت کے بالکل منافی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہماری اُمت میں رہبانیت صرف اسی قدر ہے کہ مسجدوں میں نمازوں کے انتقال میں بیٹھا جائے کیونکہ اس طرح تمام لوگوں اور دنیا کی تمام چیزوں سے منہ پھیر کر پروردگار کی طرف توجہ ہوتی ہے اور اس پر بے شمار اجر و انعام ملتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اہل کتاب کی جو رہبانیت ہے وہ بالکل بے فائدہ اور بے کار محض ہے کہ اس کا انجام دینی اور دنیوی اعتبار سے اچھا نہیں ہوتا۔

(۳۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَائِشٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَأَيْتُ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ قَالَ فِيمَا يَخْتَصِمُ الْمَلَائِكَةُ قُلْتُ أَنْتَ أَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيْ فَوْجَدَتْ بَرْدَهَا تَيْنِ لَدُنِّي فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَتَلَا وَكَذَلِكَ نَرَى إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُؤَقِّينَ زَوَاهِ الدَّارِ مِثْلُ مَرْسَلٍ وَلِلَّتِي مَذِي نَحْوَهُ عَنْهُ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَزَادَ فِيهِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِي فِيمَا يَخْتَصِمُ الْمَلَائِكَةُ الْأَعْلَى قُلْتُ نَعَمْ فِي الْكُفَّارَاتِ وَالْكُفَّارَاتِ الْمُكْتَفَى فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَالْمَشْيِ عَلَى الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ وَإِبْلَغِ الْوُضُوءِ فِي الْمَكَارِهِ وَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ وَكَانَ مِنْ خَطِيئَتِهِ كَيْدُومٌ وَلَدَنَةُ أُمِّهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِذَا صَلَّيْتَ فَقُلْ اَللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَلْكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ فَإِذَا أَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَأَقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مُفْتَنٍ قَالَ وَالدَّرَجَاتِ إِفْشَاءَ السَّلَامِ وَاطْعَامِ الطَّعَامِ وَالصَّلَاةِ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسِ نِيَامٌ وَلَفْظُ هَذَا الْحَدِيثِ كَمَا فِي الْمَصَابِيحِ لَمْ أَجِدْهُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ إِلَّا فِي شَرْحِ الشُّعْبَةِ

”اور حضرت عبدالرحمن بن عائشؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، میں نے اپنے پروردگارِ بزرگ و برتر کو (خواب میں) بہت سی اچھی صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ مقررین فرشتے کس معاملہ میں بحث کر رہے ہیں میں نے عرض کیا پروردگار! تو ہی بہتر جانتا ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ (یہ سن کر) اللہ تعالیٰ نے میرے مونہ حوں کے درمیان اپنا ہاتھ دکھا جس کی ٹھنڈک مجھے اپنے سینہ پر محسوس ہوئی (اور اس کی وجہ سے) میں زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو جان گیا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی وَكَذَلِكَ نَرَى إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُؤَقِّينَ ترجمہ: اور اس طرح ہم نے ابراہیم کو زمین و آسمانوں کا تصرف دکھایا تاکہ وہ یقین کرنے والے لوگوں میں شامل ہو جائے۔ (دارمی مرسل) اور ترمذی نے یہ بھی روایت بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ عبدالرحمن ابن عائشؓ، ابن عباسؓ اور معاذ ابن جبلؓ سے نقل کی ہے اور اس میں یہ الفاظ زائد نقل کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (یعنی آپ کو زمین و آسمانوں کا علم دینے کے بعد سوال فرمایا، کہ اے محمد ﷺ) آپ کو معلوم ہے کہ مقررین فرشتے کس معاملہ میں بحث کر رہے

ہیں؟ (آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا، ہاں! میں جانتا ہوں کفارات (یعنی گناہوں کو ختم کرنے والی چیزوں) کے بارہ میں گفتگو کر رہے ہیں اور وہ کفارات (یہ) ہیں کہ نمازوں کے بعد مسجدوں میں (دوسرے وقت کی نماز کے انتظار میں یا ذکر و تسبیح کے لئے) بیٹھا جائے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے پیدل چلا جائے اور سختی کے وقت (مثلاً بیماری یا سردی میں اعضاء وضو پر) وضو کا پانی اچھی طرح پہنچایا جائے (اللہ!) جس نے یہ کیا (یعنی مذکورہ اعمال کئے) وہ بھلائی پر زندہ رہے گا اور بھلائی ہی پر مرے گا اور گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا گویا اس کی ماں نے آج ہی سے اس کو جنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محمد! جب آپ (ﷺ) نماز سے فارغ ہوئیں تو یہ دعا پڑھ لیا کیجئے۔

اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسْكِیْنِ فَاِذَا اَرَدْتُ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبَضْنِیْ اِلَيْكَ غَیْرَ مُفْتَنُوْنٍ یعنی اے اللہ! میں تجھ سے نیکوں کے کرنے اور برائیوں کے چھوڑنے اور مسکینوں کی دوستی کا سوال کرتا ہوں اور جب تو بندوں میں گمراہی ڈالے (یا انہیں سزا دے) کا ارادہ کرے تو مجھے بغیر گمراہی کے اٹھا لیجئے۔ اور اللہ تعالیٰ (آنحضرت ﷺ) کی تعلیم میں زیادتی کے لئے فرماتا ہے (یا خود آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں) کہ درجات (یعنی وہ اعمال جن سے بندہ کے درجات بارگاہ حق میں بلند ہوتے ہیں) یہ ہیں کہ (ہر مسلمان کو خواہ وہ آشنا ہو یا نا آشنا) سلام کیا جائے۔ (خدا کی راہ میں مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے اور رات میں اس وقت جب کہ لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھی جائے۔) (صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ) میں نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ جیسا کہ مصابیح میں عبد الرحمن سے منقول ہے سوائے شرح السنہ کے اور کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔“

تشریح: اگر آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تھا جیسا کہ ایک دوسری روایت میں اس کی وضاحت ہے۔ تو اس میں کچھ اشکال نہیں ہے کیونکہ انسان خواب میں بسا اوقات شکل دار چیز کو بغیر شکل دیکھتا ہے اور کبھی غیر شکل دار کو شکل دار صورت میں دیکھتا ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ نے عالم بیداری میں دیکھا تھا تو پھر اس کی تاویل کرنا ضروری ہوگی۔ اور تاویل یہ ہوگی کہ صورت سے مراد صفت ہے کہ حق تعالیٰ جل مجدہ نے صفت جمال اور لطف و کرم کے ساتھ کئی فرمائی۔ یہ تاویل حقیقت و محاورہ سے بالکل قریب ہے کیونکہ اکثر و بیشتر صورت کا اطلاق صفت پر ہوتا ہے جیسا کہ روز مرہ کی بول چال میں کسی چیز کی حقیقت و کیفیت کے بیان کے وقت کہا جاتا ہے کہ ”صورت حال یہ ہے“ یا اس مسئلہ کی صورت یہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ بھی بہتر ہے کہ ”صورت“ کے معنی کا محمول آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس ہی کو قرار دیا جائے۔ اس طرح آپ ﷺ کے ارشاد کے معنی یہ ہوں گے کہ میں نے اپنے ”رب کو دیکھا اور اس وقت میں اچھی صورت میں تھا“۔

آنحضرت ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ مقررین فرشتے کون سے اعمال کی فضیلت و عظمت کے بارہ میں بحث کر رہے ہیں؟ یا یہ کہ وہ کون سے اعمال میں جن کو مقام قبولیت تک پہنچانے میں فرشتے آپس میں تخاصم کر رہے ہیں۔ بایں طور کہ ایک فرشتہ تو کہتا ہے کہ اس عمل کو مقام قبولیت تک پہلے میں پہنچاؤں اور دوسرا کہتا ہے کہ پہلے میں لے کر جاؤں۔

آنحضرت ﷺ کے مؤندہوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کا ہاتھ رکھنا حقیقی معنی میں نہیں ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے مؤندہوں کے درمیان رکھا تھا کیونکہ ذات خداوندی ظاہری اجسام کی ثقلت سے پاک و صاف ہے بلکہ دراصل یہ اس چیز سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اپنے فضل و کرم اور جزاء و انعام کی زیادتی و کثرت کے ساتھ خاص کیا جیسا کہ دنیاوی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی بادشاہ یا امیر اپنے کسی خاص خادم پر بہت زیادہ مہربان ہوتا ہے اور اس سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے تو وہ اس خادم کی پیٹھ پر ہاتھ بھیرتا ہے یا اس کی گردن میں باپیں ڈال دیتا ہے۔ یہ اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ اس خادم سے بہت زیادہ خوش ہے اور اس پر انعام و اکرام کی بارش کرنے والا ہے۔

”سینے میں سردی محسوس ہونا“ فیض ربانی کا اثر پہنچنے سے کنایہ ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جب فیض ربانی سینہ میں پہنچا تو زمین و آسمان کے تمام پردے اٹھ گئے اور تمام چیزوں کا علم مجھے حاصل ہو گیا چنانچہ آپ نے اس موقعہ و حال کی مناسبت اور اس کے

امکان پر گواہی دینے کے ارادہ سے مذکورہ آیت پر بھی جس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! جس طرح ہم نے آپ ﷺ کے سامنے سے زمین و آسمانوں کے پردے اٹھا دیے جس کے نتیجے میں آپ ﷺ کو تمام چیزوں کا علم حاصل ہو گیا ہے اسی طرح ہم نے اپنے جلیل القدر پیغمبر و خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی دو عالم ربوبیت و الوہیت کی حقیقتوں کو واضح کاف کر دیا تھا اور انہیں زمین و آسمانوں کی تمام چیزوں کا مشاہدہ کرا دیا تھا تاکہ وہ خدا کی ربوبیت و الوہیت پر یقین کامل کرنے والوں میں سے ہو جائیں اس طرح آیت کے آخری الفاظ ولیکون من الموقنین کا معطوف علیہ مخذوف ہو گا اور پوری عبارت یوں ہوگی کہ ہم نے ابراہیم کو عالم ربوبیت و الوہیت دکھا دینے تھے تاکہ وہ اس کے ذریعہ ہماری ذات کے وجود کے بارہ میں دلیل پکڑ سکے اور یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ غرور و تکبر کی بری عادتوں سے یکسر ہٹ کر اپنے اندر تواضع و انکساری جوہ و بخشش اور عبادت و بیاضت کے جذبات و اوصاف پیدا کرے اور ان عرفانی اصولوں کی روشنی سے پہلے دل و دماغ کو منور کر کے نہ صرف یہ کہ خدا کا حقیقی بندہ بن جائے بلکہ پوری انسانیت کے لئے باعث رحمت و راحت ہو جائے۔

شرف مردے جو دست و کراست لبخود ہر کہ اس ہر دو بندارو عدش بہ ز وجود

(۳۵) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ زَجَلٌ خَرَجَ غَارِ تَابِئِي سَبِيلَ اللَّهِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُ فَيَذَّجِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يُزِدَّهُ بِمَانَالٍ مِنْ أَجْرِ أَوْ غِيْمَةٍ وَزَجَلٌ رَاخَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ وَزَجَلٌ دَخَلَ بَيْتَهُ بِسَلَامٍ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ (اس بات کے لئے) ذمہ دار ہے کہ وہ انہیں دنیا و آخرت کی آفات و مصیبتوں سے محفوظ رکھے گا) ایک تو وہ شخص جو خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلا چنانچہ وہ خدا کی ذمہ داری میں ہے کہ یا تو اسے موت (یعنی شہادت کا درجہ) دے کر جنت میں پہنچا دے یا اس کو ثواب و مال غنیمت دے کر گھر واپس پہنچا دے (چنانچہ پہلی اور دوسری صورت یعنی شہادت و ثواب میں تو اسے دین کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور تیسری یعنی مال غنیمت میں دنیا کی سعادت و بھلائی ملتی ہے) اور دوسرا وہ شخص ہے جو (نماز کے لئے) مسجد جائے تو اللہ اس کا بھی ضامن ہے (کہ عبادت کے لئے اس کی کوشش اور اس کا ثواب ضائع نہ کرے گا) اور تیسرا وہ شخص ہے جو اپنے گھر میں سلام کرتا ہو داخل ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اللہ تعالیٰ پر پہلے شخص کے لئے جو ذمہ ہے اسے تو بیان کر دیا گیا ہے کہ اسے دین اور دنیا دونوں جگہ کیا کیا انعامات ملیں گے لیکن دوسرے اور تیسرے شخص کے لئے جو ذمہ اللہ پر ہے چونکہ وہ ظاہر تھا اس لئے اس کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی ”گھر میں سلام کرتا ہو“ داخل ہو اس کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرے، چنانچہ اس صورت میں اس کے لئے اللہ پر یہ ذمہ ہے کہ اس کو اور اس کے گھر والوں کو خیر و برکت سے نوازے گا اور ان پر اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے دروازے کھول دے گا دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب گھر میں داخل ہو جائے تو لوگوں کی صحبت سے امن و سلامتی حاصل کرنے کے لئے گھر ہی میں رہنا اپنے اوپر لازم کر لے اور گھر سے باہر نہ نکلے چنانچہ اس صورت میں اس کے لئے اللہ پر یہ ذمہ ہے کہ وہ اسے مصائب و آفات سے محفوظ و سلامت رکھے گا۔

(۳۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ مُنْتَظِّهًا إِلَى صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ فَأَجْزُهُ كَأَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ وَمَنْ خَرَجَ إِلَى تَسْبِيحِ الصُّحَى لَا يَنْصِبُهُ إِلَّا إِيَّاهُ فَأَجْزُهُ كَأَجْرِ الْمُعْتَمِرِ وَصَلَاةٌ عَلَى إِثْرِ صَلَاةٍ لَا تَقُورُ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِي عِلِّيِّينَ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص وضو کر کے گھر سے نکلے۔ اور فرض نماز ادا کرنے کے لئے مسجد

جائے تو اس کو اتنا ثواب ملے گا جتنا احرام باندھ کر حج کرنے (جانے) والے کو ملتا ہے اور جو شخص چاشت کی (نفل) نمازی کے لئے تکلیف اٹھا کر (گھر سے) نکلے (یعنی بغیر کسی غرض اور ریا کے محض چاشت کی نماز پڑھنے ہی کے قصد سے گھر سے نکلے) تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ہے۔ اور (ایک) نماز کے بعد (دوسری) نماز پڑھنا اور ان دونوں نمازوں کے درمیانی وقت میں نفل پڑھنا وہ باتیں نہ کرنا ایسا عمل ہے جو علیین میں لکھا جاتا ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں وضو کو احرام سے اور نماز کو حج سے مشابہت دی گئی ہے اور دونوں میں تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح حاجی حج کے ارادہ سے گھر سے نکلتا ہے اور احرام باندھ کر حج کو جاتا ہے تو جس وقت وہ گھر سے نکلتا ہے اسی وقت سے اسے ثواب ملنا شروع ہو جاتا ہے اور اس کے ثواب کا سلسلہ اس کے واپس آجانے تک جاری رہتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص محض نماز کے ارادہ سے نکلتا ہے تو وہ جس وقت گھر سے نکلتا ہے اسے بھی اسی وقت سے ثواب ملنا شروع ہو جاتا ہے اور جب تک وہ نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر گھر واپس نہیں آ جاتا اسے ثواب برابر ملتا ہے لیکن اتنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ نمازی اور حاجی کے ثواب میں یہ برابری بہم وجہ نہیں ہے ورنہ تو حج کرنے کے کوئی معنی نہیں رہ جائیں گے۔ یعنی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ثواب میں دونوں بالکل برابر ہیں کیونکہ حاجی کا ثواب نمازی کے ثواب سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ حج کی بہ نسبت عمرہ کو وہی حیثیت حاصل ہے جو فرض نماز کی بہ نسبت نفل نماز کو حاصل ہے۔ کتاب فی علیین سے حدیث کے آخری جزو کا مطلب کتنا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص نماز کی مداومت و محافظت کرے یعنی تمام نمازوں کو پابندی سے ادا کرتا رہے اور نماز کو اس کی تمام شرائط و آداب کا لحاظ کرتے ہوئے اس طرح پڑھتا رہے کہ اس کے اس عمل اور نیت میں نماز کے معانی کسی چیز کا دخل نہ ہو تو یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے اعلیٰ اور بہتر کوئی عمل نہیں ہے۔ جو فرضیے نیکیاں لکھنے پر مامور ہیں ان کے دفتر کا نام علیین ہے کہ تمام نیک اعمال وہیں جمع ہوتے ہیں۔

(۳۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَرَزْتُمْ بَرِيئًا نَضَّ النَّجْتَةَ فَارْتَعُوا قَبِيلَ يَارَسُؤَلِ اللَّهِ وَمَا رِيَّاضُ النَّجْتَةِ قَالَ الْمَسَاجِدُ قَبِيلَ وَمَا الرِّثْعُ يَارَسُؤَلِ اللَّهِ قَالَ شُبْحَانُ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم جنت کے باغوں میں جایا کر دو وہاں میوہ کھایا کرو۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! دنیا میں جنت کے باغ کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجدیں (جنت کے باغ ہیں) پھر پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! میوہ کھانا کیا ہے (یعنی ان میں میوہ کس طرح کھایا کریں؟) آپ ﷺ نے فرمایا مِسْحَانُ اللَّهُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ (مسجدوں میں ان کلمات کا ورد کرنا میوہ کھانا ہے۔) (ترمذی)

تشریح: مساجد کو جنت کے باغ اس لئے کہا گیا ہے کہ ان میں عبادت کرنا اور نماز پڑھنا جنت کے باغوں کے حاصل ہونے کا سبب ہے۔ رقع دراصل اسے کہتے ہیں کہ باغ میں جا کر اچھی طرح میوے اور لذیذ چیزیں کھائی جائیں اور نہرو وغیرہ کی سیر کی جائے جیسا کہ باغوں میں جانے والے لوگ یہ کیا کرتے ہیں۔ پھر یہ لفظ ثواب عظیم کے مرتبہ پر پہنچنے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بہر حال۔ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب تم مسجدوں میں جاؤ تو مذکورہ تسبیحات پڑھا کرو کیونکہ اس سے بہت زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔

(۳۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَتَى الْمَسْجِدَ لِشَيْءٍ فَهُوَ حَقْلَةٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص (دین یا دنیا کے) جس کام کے لئے مسجد میں آئے گا اسے اسی میں

سے حصہ ملے گا۔" (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں تعرض سے آئے گا وہی اس کا نصیب ہوگا۔ یعنی اگر عبادت کے لئے آئے گا تو اسے ثواب ملے گا اور اگر کسی دنیوی زندگی کی غرض سے آئے گا تو گرفتار وبال ہوگا۔ گویا یہ حدیث مضمون کے اعتبار سے نیت کی مشہور حدیث انصاء الاعمال بالنیات کا ایک جزو ہے۔

(۳۹) وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ عَنْ جَدَّتِهَا فَاطِمَةَ الْكُبْرَى قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَتْ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَكَذَا إِذَا خَرَجَ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ يَدُلُّ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ لَمْ تُدْرِكْ فَاطِمَةَ الْكُبْرَى۔

"حضرت فاطمہ بنت حسینؑ اپنی دادی فاطمہ کبریٰ (زہراؑ) سے روایت کرتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب مسجد میں تشریف لاتے تو محمد ﷺ پر درود و سلام بھیجتے، یعنی یہ الفاظ فرماتے صلی اللہ علی محمد یا فرماتے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ اور پھر یہ دعا پڑھتے رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ یعنی اے میرے پروردگار، میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور جب مسجد سے باہر آتے تو پھر محمد ﷺ پر درود و سلام بھیج کر یہ دعا پڑھتے۔ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ یعنی اے میرے پروردگار! میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔ یہ روایت ترمذی، احمد، ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور احمد، ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (حضرت فاطمہ فرماتی ہیں کہ) آنحضرت ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے اور اسی طرح جب باہر نکلتے تو صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ کے بجائے یہ الفاظ فرماتے بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ یعنی میں اللہ کے نام کے ساتھ داخل ہوتا ہوں اور نکلتا ہوں اور سلامتی ہو رسول پر۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ حضرت حسینؑ کی دختر فاطمہؑ نے حضرت فاطمہ زہراؑ بنت رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا ہے اور ان سے نہیں ملی ہیں۔"

تشریح: آپ ﷺ نے درود و سلام وغیرہ کے الفاظ اس طرح نہیں فرمائے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ یا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِمُحَمَّدٍ کیونکہ درود و سلام کے ساتھ اسم شریف کو مناسبت ہے اسی طرح رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ارشاد فرمانے میں آپ ﷺ کی تواضع و انکساری کا اظہار ہوتا ہے یا پھر کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے یہ الفاظ امت کی تعلیم کے لئے فرمائے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ درود و سلام کن الفاظ کے ذریعہ بھیجا جاتا ہے۔

فاطمہ صفری جو اس حدیث کی راوی اور حضرت امام حسینؑ کی صاحبزادی ہیں انہوں نے اپنی دادی حضرت فاطمہ زہراؑ بنت رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا ہے کیونکہ ان کے وقت میں حضرت امام حسینؑ کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی لہذا اس حدیث کی سند متصل نہیں ہوئی کیونکہ درمیان کا ایک راوی متروک ہے۔

(۴۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَنَاشُدِ الْأَشْعَارِ فِي الْمَسْجِدِ وَعَنِ النَّبِيْعِ وَالْإِشْيَارِ فِيهِ وَأَنْ يَتَخَلَّقَ النَّاسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

"اور حضرت عمر ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ، سرور کائنات ﷺ مسجد میں اشعار پڑھنے، خرید و فروخت کرنے اور جمعہ کے روز نماز سے پہلے لوگوں کو حلقہ باندھ کر بیٹھنے سے (خواہ حلقہ باندھ کر بیٹھنا اگر علم اور ذکر و شیع کے لئے کیوں

نہ ہوا منع فرمایا ہے۔ (الہود اود، ترمذی)

تشریح: اشعار سے مراد ایسے اشعار ہیں جن میں جھوٹ اور لغو باتیں ذکر کی گئی ہوں کیونکہ مسجد خدا کی عبادت کرنے کی جگہ ہے وہاں خلاف شرع اور جھوٹ و لغو باتوں کو بیان کرنا ناجائز ہے البتہ ایسے اشعار جن میں خدا کی توحید و مناجات اور آنحضرت ﷺ کی یا آپ ﷺ کے مخلص متبعین اور فرمانبردار امتیوں کی تعریف و توصیف، دین و مذہب اور اخلاق و کردار کو جلا بخشنے والی باتوں کا ذکر ہو تو ان کا پڑھنا ہر جگہ جائز اور مستحسن ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ شاعر اسلام حضرت حسانؓ کے لئے جو اپنے اشعار کے ذریعہ آپ ﷺ کی نعت اور کفار کی بھوبیان کیا کرتے تھے مسجد نبوی میں منبر بچھواتے تھے اور حضرت حسانؓ اس منبر پر کھڑے ہو کر اس قسم کے پاکیزہ اشعار پڑھا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت جبرئیل حسانؓ کی تائید کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے اشعار کے ذریعہ پیغمبر خدا کی جانب سے کفار سے مقابلہ کرتے ہیں۔

مسجد میں جس طرح خرید و فروخت ممنوع ہے اسی طرح وہاں دنیا کے دوسرے معاملات کرنا منع ہیں۔

جمعہ کے روز نماز پڑھنے سے پہلے مسجد میں حلقہ باندھ کر بیٹھنے کو آپ ﷺ نے جومع فرمایا ہے علماء اس کے مختلف وجوہ بیان کرتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ حلقہ باندھ کر بیٹھنا نمازیوں کی ہیئت اجتماعی کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ جمعہ کے روز نماز جمعہ کے لئے مسجد میں جمع ہونا خود ایک مشغل اور عظیم الشان کام ہے جب تک اس کام یعنی نماز جمعہ سے فارغ نہ ہو لیں، دوسرے کام میں مشغول ہونا مناسب نہیں ہے۔ نیز یہ کہ حلقہ باندھ کر بیٹھنا غفلت کا سبب ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اس نبی کا تعلق خاص طور پر خطبہ کے وقت سے نہیں ہوگا۔

تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ وقت خاموش اور چپ رہنے کا ہے اور نہایت توجہ کے ساتھ امام کا خطبہ سننے کا ہے، اور چونکہ حلقہ باندھ کر بیٹھنے سے امام کے خطبہ کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے لہذا یہ درست نہیں ہے۔ اس صورت میں اس ممانعت کا تعلق صرف خطبہ کے وقت سے ہوگا۔ لہذا پہلی اور دوسری توجیہ کی صورت میں یہ بھی تنزیہی ہوگی اور تیسری توجیہ کی صورت میں بھی تحریمی ہوگی۔

(۴۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَأَيْتُمْ مَنْ يَبْتَغِ أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُولُوا لَا أَرْزُقُ اللَّهَ تَبَارَكَ تِلْكَ وَإِذَا أَرَأَيْتُمْ مَنْ يَتَشَدَّدُ فِيهِ ضَالَّةٌ فَقُولُوا لَا رَدَّهَا اللَّهُ عَلَيْكَ۔ (رواہ الترمذی والدارقطنی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم مسجد میں کسی شخص کو خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ خدا کرے تیری سوداگری میں نقص نہ ہو اور جب تم (مسجد میں) کسی شخص کو بلند آواز سے گشدرہ چیز ڈھونڈتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ ”خدا کرے تیری چیز نہ ملے۔“ (ترمذی، دارقطنی)

(۴۲) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حَزَامٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُسْتَقَادَ فِي الْمَسْجِدِ وَأَنْ يُتَشَدَّدَ فِيهِ الْأَشْعَارُ وَأَنْ يُقَامَ فِيهِ الْحَدُودُ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ فِي سُنَنِهِ وَصَاحِبُ جَامِعِ الْأُصُولِ فِيهِ عَنْ حَكِيمٍ وَفِي الْمَصَابِيحِ عَنْ جَابِرٍ۔

”اور حضرت حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مسجد میں قصاص لینے (یعنی قاتل کا خون پھانے) اور اشعار پڑھنے اور زنا کرنے، شراب پینے وغیرہ کی حدود قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (الہود اود) اور اس روایت کو صاحب جامع الاصول نے (اپنی کتاب) جامع الاصول میں حکیم سے (یعنی بغیر لفظ ابن حزام کے) روایت کیا ہے۔ نیز یہ روایت مصابیح میں جابرؓ سے منقول ہے (اور یہ اصول میں موجود نہیں ہے)۔“

(۴۳) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ يَعْنِي الْبَصَلِ وَالثُّومَ وَقَالَ مَنْ أَكَلَهُمَا فَلَا يَغْفِرُ بَيْنَ مَسْجِدِنَا وَقَالَ إِنْ كُنْتُمْ لَا بُدَّ أَكْلِهِمَا فَأَمَيَّتُوا هُمَا طَبِيخًا۔ (رواہ الہود اود)

”اور حضرت معاویہ ابن قرظہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے دو درختوں یعنی پیاز، لہسن کے کھانے سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ جو شخص ان کو کھائے وہ ہماری (یعنی مسلمانوں کی) مسجدوں کے قریب نہ آئے نیز فرمایا کہ اگر تم انہیں کھانا ضروری ہی سمجھو تو انہیں پکا کر ان کی بدبودار کردہ (اور کھالوں)“ (ابوداؤد)

تشریح: جملہ مَنْ اَكْلَهُمَا پہلے جملہ کا بیان ہے۔ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ جو شخص ان کو کھائے۔ وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے۔ پیاز و لہسن کھا کر مسجد میں داخلہ کی ممانعت کو مبالغہ کے طور پر بیان کرنا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان بدبودار چیزوں کو کھائے اسے چاہئے کہ وہ مسجد کی عظمت و احترام کے پیش نظر مسجد کے نزدیک بھی نہ آئے چہ جائیکہ مسجد میں داخل ہو۔ یا پھر قریب نہ آئے۔ کتا یہ ہے مسجد میں داخل نہ ہونے سے کہ جو شخص پیاز و لہسن کھائے ہو وہ مسجد میں داخل نہ ہو۔

(۳۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْمَقْبَرَةُ وَالْحَقَامَ۔

(رواہ ابو داؤد و الترمذی و الدارمی)

”اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: مقبرہ اور حمام کے علاوہ ساری زمین مسجد ہے۔ کہ (ہر جگہ نماز پڑھی جاسکتی ہے)۔“ (ترمذی، دارمی)

(۳۵) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَلَّى فِي سَبْعَةِ مَوَاطِنَ فِي الْمَسْجِدِ وَالْمَسْجُورَةِ وَالْمَقْبَرَةِ وَقَارِعَةِ الظَّرِيقِ وَفِي الْحَقَامِ وَفِي مَعَابِنِ الْأَيْلِ وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللَّهِ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے سات مقامات پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ ① جہاں ناپاک چیزیں ڈالی جاتی ہوں۔ (یعنی کوڑی)۔ ② جہاں جانور رُخ کئے جاتے ہوں۔ ③ راستہ کے درمیان۔ ④ مقبرہ۔ ⑤ حمام کے اندر۔ ⑥ اونٹوں کے بندھنے کی جگہ۔ ⑦ خانہ کعبہ کی چھت پر۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: بعض علماء سلف توحیدیت کے ظاہری الفاظ کو دیکھتے ہوئے یہی فرماتے ہیں کہ مقبرہ کے اندر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور بعض علماء کے نزدیک مقبرہ میں نماز پڑھنا جائز ہے لیکن قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مستفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک حرام ہے مزید اور مجرہ (یعنی کوڑی اور رُخ) میں نماز پڑھنا اس لئے مکروہ ہے کہ ان دونوں جگہوں میں نجاست و گندگی پھیلی رہتی ہے۔ چنانچہ ان مقامات میں اگر کسی ایسی جگہ نماز پڑھی جائے جو صاف ہو مگر اس کے قریب ہی نجاست بھی پڑی ہو یا نجاست ہی پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھی جائے۔ یہ مکروہ ہے اس سے دین کی حقارت و بے وقعتی ظاہر ہوتی ہے اور نماز کی رفعت شان اس بات کی متقاضی ہے کہ اسے بالکل پاک و صاف جگہ ادا کیا جائے نہ کہ ایسی جگہ جہاں گندگی و نجاست پھیلی ہوئی ہو۔

راستہ کے درمیان نماز پڑھنا اسلئے ممنوع ہے کہ وہاں لوگوں کے آنے جانے کی وجہ سے دھیان بٹتا ہے اور یکسوئی حاصل نہیں ہوتی نیز اس سے لوگوں کو آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے۔ پھر دوسرے یہ کہ عام گزرگاہ ہونے کی وجہ سے اگر لوگ مجبوری کی بناء پر نماز کے آگے سے گزریں گے تو ان کے گزرنے سے نماز کی گناہگار ہوگا اور اگر لوگ بے ضرورت ہی گزریں گے۔ تو وہ گناہگار ہوں گے۔

حمام میں نماز پڑھنا اس لئے مکروہ ہے کہ وہ ستر کھلنے اور شیطان گھرے رہنے کی جگہ ہے کعبہ کی چھت پر بھی نماز پڑھنا اس لئے مکروہ ہے کہ اس سے کعبہ اللہ کی بے ادبی ہوتی ہے۔ اب علماء کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ ان ساتوں جگہ نماز پڑھنے کو مکروہ کہا گیا ہے تو آیا یہ مکروہ تنزیہی ہے یا مکروہ تحریمی؟ چنانچہ بعض علماء کے نزدیک تو ان ساتوں جگہ نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ مکروہ تحریمی ہے۔

لے کعبہ اللہ کی چھت پر بلا ضرورت پڑھنا مکروہ ہے البتہ ضرورت کے لئے چھت پر پڑھنا جائز ہے ۱۲۔

(۴۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا لِي مَرَابِضَ الْغَنَمِ وَلَا تَصَلُّوا لِي أَعْطَانِ الْإِبِلِ - (رداء الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ بکریوں کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھو، البتہ ایتھوں کے بندھنے کی جگہ مت پڑھو۔“ (ترمذی)

تشریح: اونٹوں کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ اونٹوں کے پاس نماز پڑھنے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ کھل کر نمازی کو لات وغیرہ نہ مار دیں اس سے نہ صرف یہ کہ نمازی کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہے بلکہ اس طرح نماز جمعی اور سکون خاطر سے ادا نہیں ہو سکتی البتہ بکریوں سے چونکہ اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا اس لئے ان کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

(۴۷) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَوَارِبَ الْقُبُورِ وَالْمُتَحَلِّقِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالشُّجُجَ - (رداء ابو داؤد و الترمذی و النسائی)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کو مسجد بنالینے (یعنی قبروں پر سجدہ کرنے والوں) اور قبروں پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔“ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے ابتداء اسلام میں قبروں کی زیارت کرنے سے منع فرمایا تھا پھر بعد میں آپ ﷺ نے اس کی اجازت دے دی تھی، چنانچہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ اجازت مردوں اور عورتوں دونوں کے حق میں تھی لہذا عورتوں کو پہلے تو قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت نہیں تھی مگر اب اس عام اجازت کے پیش نظر درست و جائز ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس اجازت کا تعلق صرف مردوں سے ہے عورتوں کے حق میں وہ نہیں اب بھی باقی ہے اور وجہ اس کی یہ بیان کرتے ہیں کہ عورتیں چونکہ کمزور دل اور غیر صابر ہوتی ہیں نیز ان کے اندر جزع و فرغ کی عادت ہوتی ہے اس لئے ان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ قبروں پر جائیں۔ چنانچہ یہ حدیث بھی بظاہر ان ہی علماء کی تائید کرتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت جمہور علماء کے نزدیک اس حکم سے مستثنیٰ ہے یعنی آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت مرد ہو یا عورت سب کے لئے جائز ہے۔ قبر پر چراغ جلانا اس لئے حرام ہے کہ اس سے بے جا اسراف اور مال کا ضیاع ہوتا ہے۔ البتہ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر قبر کے پاس کوئی گزر گاہ ہو تو راہ گریوں کی آسانی کے لئے چراغ جلانا یا وہاں روشنی میں کوئی کام کرنے کے لئے چراغ جلانا جائز ہے کیونکہ اس سے قبر پر چراغ جلانا مقصود نہیں ہو گا بلکہ دوسری ضرورت و حاجت پیش نظر ہوگی۔

مولانا محمد اسلم محدث دہلویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صحیح اور مستند قول کے مطابق عورتوں کو قبر کی زیارت کرنا مکروہ تحریمی ہے چنانچہ مستحلی میں لکھا ہوا ہے کہ قبروں کی زیارت مردوں کے لئے مستحب ہے اور عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔

کتاب مجالس و اعظیہ میں مذکور ہے کہ عورتوں کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ قبروں پر جائیں کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لعن ذوارب القبور یعنی آنحضرت ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

نصاب الاحساب میں منقول ہے کہ عورتوں کے قبروں پر جانے کے جواز اور اس کی خرابی و قباحت کے بارہ میں تفسیر سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کا جواز اور اس کا فساد نہ پوچھو بلکہ یہ پوچھو کہ اس پر جو لعنت و پھینکار رستی ہے اس کی مقدار کیا ہے؟ چنانچہ جان لیا کہ جب عورت قبر پر جانے کا ارادہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی لعنت میں گرفتار ہو جاتی ہے اور جب وہ قبر پر جانے لگتی ہے تو اس کو ہر طرف سے شیاطین چمٹ جاتے ہیں اور جب قبر پہنچ جاتی ہے تو مردہ کی روح اس پر لعنت بھیجتی ہے اور جب قبر سے واپس ہوتی ہے

تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گرفتار ہوتی ہے۔

حدیث میں وارد ہے کہ جو عورت مقبرہ پر جاتی ہے ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کے فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت میں مقبرہ کا راستہ طے کرتی ہے اور جو عورت اپنے گھر میں بیٹھ کر میت کے لئے دعائے خیر کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو حج اور عمرہ کا ثواب دیتا ہے۔

حضرت سلمان اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ مسجد سے نکل کر اپنے مکان کے دروازے پر کھڑے تھے کہ (باہر سے) حضرت فاطمہؓ زہراءؓ آئیں آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کہاں سے آ رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں عورت کا انتقال ہو گیا ہے اس کے مکان پر گئی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم اس کی قبر پر بھی گئی تھیں؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا معاذ اللہ! کیا میں اس عمل کو کر سکتی ہوں جس (کی ممانعت) کے بارے میں آپ ﷺ سے میں سن چکی ہوں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا (تم نے یہ اچھا ہی کیا کہ اس کی قبر پر نہ گئیں کیونکہ) اگر تم اس کی قبر پر چلی جاتیں تو تمہیں جنت کی پور (بھی) میسر نہ ہوتی۔

حضرت قاضی شاہ اللہ پانی پتیؒ نے اپنی کتاب مالاہد منہ میں لکھا ہے کہ ”زیارت قبور مردوں اور اجازت نہ زناں را“ یعنی قبروں کی زیارت مردوں کے لئے تو جائز ہے عورتوں کے لئے نہیں۔

(۲۸) وَعَنْ لَيْثٍ أَمَامَةَ قَالَ إِنَّ جَبْرَائِيلَ مِنَ الْيَهُودِ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْبِقَاعِ خَيْرٌ فَسَكَتَ عَنْهُ وَقَالَ أَسْكَتُ حَتَّى يَجْنِي جَبْرَائِيلُ فَسَكَتَ وَجَاءَ جَبْرَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمَسَّأَلُ فَقَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلَكِنْ أَسْأَلُ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى ثُمَّ قَالَ جَبْرَائِيلُ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي ذَنُوتُ مِنَ اللَّهِ ذَنْبًا ذَنْبُ مَا ذَنُوتُ مِنْهُ قَطُّ قَالَ وَكَيْفَ كَانَ يَا جَبْرَائِيلُ قَالَ كَانَ نَبِيًّا وَبَيْنَهُ سِتُّ مِائَةِ أَلْفٍ حَبَابٍ مِنْ نُورٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ أَسْوَأُهَا وَخَيْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا وَرَوَاهُ حَبَّانُ فِي صَحِيحِهِ عَنْ ابْنِ عُثْمَرَ۔

”اور حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) ایک یہودی عالم نے سرور کائنات ﷺ سے پوچھا کہ بہترین جگہ کون سی ہے؟ آنحضرت ﷺ اس کے جواب میں خاموش رہے اور فرمایا کہ جب جبرئیل علیہ السلام نہیں آجائیں گے میں خاموش رہوں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ خاموش رہے۔ جب حضرت جبرئیل آگئے تو آپ ﷺ نے ان سے (یہودی عالم کے سوال کا جواب) پوچھا حضرت جبرئیل نے کہا کہ اس معاملہ میں آپ ﷺ سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا، البتہ میں اپنے پروردگار بزرگ و برتر سے اس کے بارے میں پوچھوں گا (چنانچہ) پھر حضرت جبرئیل (نے اگر) فرمایا، اے محمد ﷺ! آج میں اللہ تعالیٰ سے اس قدر قریب ہو گیا تھا کہ کبھی بھی اتنا قریب نہیں ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اے جبرئیل! اس قدر (فاصلہ) دونوں کے درمیان رہ گیا تھا۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا، میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان شتر ہزار نور کے پردے باقی رہ گئے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے (اس سوال کے جواب میں) فرمایا، کہ بدترین مقامات بازار ہیں اور بہترین مقامات مساجد ہیں۔ (یہ روایت ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمرؓ سے نقل کی ہے۔“

تشریح: یہ ”پردے“ مخلوق کی نسبت سے ہیں حق تعالیٰ جل شانہ کی نسبت سے نہیں ہیں کیونکہ خداوند قدوس پردے میں نہیں ہے بلکہ مخلوق خدا پردے میں ہے اور وہ جسمانی و نفسانی پردے ہیں اس کی مثال کسی اندھے کے لئے پردہ آفتاب کی سی ہے کہ جس طرح آفتاب پردہ میں نہیں ہوتا بلکہ خود اندھے کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہوتا ہے کہ وہ آفتاب کو نہیں دیکھ سکتا اور آفتاب اس کو دیکھتا ہے۔ یعنی اپنی روشنی ڈالتا ہے۔

سائل نے تو صرف ”بہتر جگہ“ کے بارے میں سوال کیا تھا لیکن جواب میں مقابلہ کے طور پر بہترین اور بدترین دونوں مقامات کو بتلایا گیا تاکہ رحمان اور شیطان دونوں کے گھر معلوم ہو جائیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا مسئلہ دریافت کیا گیا جو اسے پوری طرح معلوم نہیں ہے تو اسے چاہئے کہ

جواب دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ جس کے بارہ میں جانتا ہو کہ وہ اس سوال کا جواب اچھی طرح جانتا ہے اس سے پوچھ لے اور اپنے سے زیادہ علم والے سے پوچھنے میں کوئی شرم محسوس نہ کرے کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی سنت ہے۔ مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں لفظ رواہ کے بعد جگہ خالی ہے کیونکہ مصنف مشکوٰۃ کو اس کتاب کا نام معلوم نہیں تھا جس سے یہ روایت نقل کی گئی ہے بعد میں بعض علماء نے کتاب کا مذکورہ نام لکھ دیا ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۴۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ جَاءَ هَذَا جَدِي هَذَا لَمْ يَأْتِ إِلَّا لِيُخْبِرَ يَتَعَلَّمُهُ أَوْ يَعْلَمُهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَنْ جَاءَ لِيُغَيِّرَ ذَلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلَى مَنَاعٍ غَيْرِهِ۔

(رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص میری اس مسجد میں محض اس غرض سے آئے کہ نیک کام سیکھے اور سکھائے تو وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے ہم رتبہ ہے اور جو شخص اس غرض سے نہ آئے (یعنی کسی برے کام مثلاً ہوا و لعب کی نیت سے آئے) تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو دوسرے کے اسباب (کو حسرت کی نگاہوں سے) دیکھتا ہے۔“

(ابن ماجہ، بیہقی)

تشریح: آپ ﷺ نے اپنی مسجد یعنی مسجد نبوی کی تخصیص کر کے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چونکہ میری مسجد اپنی عظمت و فضیلت کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اور دوسری مسجدیں چونکہ اس کے تابع ہیں اس لئے مذکورہ حکم تمام مساجد کے لئے یکساں ہے۔ نیک کام کو سیکھنے اور سکھانے کی تخصیص صرف ان کی فضیلت و اہمیت کے اظہار کے طور پر ہے ورنہ تو نماز، اعتکاف اور تلاوت و ذکر سب کا یہی حکم ہے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں نیک مقصد کے تحت نہیں آئے گا اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی تو وہ اس چیز کو کسی دوسرے کے پاس دیکھ کر حسرت و افسوس کا اظہار کرتا ہے چنانچہ یہ شخص بھی جب آخرت میں اس شخص کے ثواب کو جو نیک مقصد اور نیک نیت کے ساتھ مسجد آیا تھا دیکھے گا اور اسے معلوم ہو جائے گا کہ مسجد تو سعادت و بھلائی کے حصول کی جگہ تھی تو وہ انتہائی رنج و حسرت میں مبتلا ہو جائے گا کہ میں کیوں اس دولت سے محروم رہا۔

یا پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح کسی غیر آدمی کے پاس کوئی چیز دیکھ کر اسے بری نگاہ سے (یعنی اچکھ لینے کی نیت سے) دیکھنا منع ہے اس طرح مسجد میں بغیر نیک کام کی نیت کے آنا بھی منع ہے۔

(۵۰) وَعَنِ الْحَسَنِ مَرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُونُ حَدِيثُهُمْ فِي مَسَاجِدِهِمْ فِي أَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تَجَالِسُواهُمْ فَلَيْسَ لِلَّهِ فِيهِمْ حَاجَةٌ وَرَأَاهُ النَّبِيُّ هَئِذَا فِي شُجْبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت حسن بصریؒ سے مرسل روایت ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، لوگوں پر عترت پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ اپنی دنیا داری کی باتیں مسجدوں میں کیا کریں گے لہذا تم ان کے پاس بھی نہ بیٹھنا (اگرچہ تم ان کی گفتگو میں شریک نہ ہونا کہ ان کے شریک کہلاؤ) کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔“ (بیہقی)

تشریح: یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے بیزار ہے اور وہ خدا کی پناہ اور اس کی رحمت سے خارج ہیں۔ نیز اس بات سے بھی کنایہ ہے کہ خدا کی بارگاہ میں ان کی اطاعت و عبادت قبولیت کا درجہ نہیں پائے گی۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسجد میں دنیاوی امور کی باتیں کرنا مکروہ ہے چنانچہ اور بہت سی احادیث میں بھی مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے اور دنیاوی باتوں سے مراد ایسی باتیں ہیں جو عبث، بے فائدہ اور حد سے زیادہ ہوں اور اگر دنیاوی باتیں صرف ایک دو کلمہ تک رہیں یا اس درجہ کی نہ ہوں تو وہ اس حکم میں داخل نہیں۔

(۵۱) وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدٍ قَالَ كُنْتُ نَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَخَصَّنِي رَجُلٌ فَتَطَرْتُ فَإِذَا هُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ أَذْهَبَ فَأَتِيَنِي بِهَذَيْنِ فَبَحِثْنَهُمَا فَقَالَ مَعْنَى أَلْتَمَا أَوْ مِنْ أَيْنِ أَلْتَمَا قَالَ لَا مِنْ أَهْلِ الظَّلَافِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ میں (ایک روز) مسجد میں پڑا سو رہا تھا کہ کسی شخص نے میرے نگرانی میں نے دیکھا کہ وہ حضرت عمر ابن خطابؓ ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ، تم جا کر ان دونوں اشخاص کو میرے پاس لاؤ۔ (جو مسجد میں بلند آواز سے باتیں کر رہے تھے) میں ان کو بلا لایا حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کون ہو؟ یا فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں! حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ، اگر تم لوگ مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا (یعنی مارتا۔ لیکن چونکہ تم لوگ یہاں کے رہنے والے نہیں ہو اور آداب مسجد سے واقف نہیں ہو یا یہ کہ مسافر ہو اس لئے غفور و شفقت کے سختی ہو اور فرمایا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم لوگ رسول خدا ﷺ کی مسجد میں زور زور سے باتیں کر رہے ہو۔“ (بخاری)

تشریح: جملہ ”أَوْ مِنْ أَيْنِ أَلْتَمَا“ میں لفظ ”أَوْ“ شک کے لئے ہے یعنی راوی کو شک واقع ہو رہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ ”تم کون ہو؟“ یا یہ فرمایا کہ ”تم کہاں کے رہنے والے ہو۔“ بہر حال مسجد میں بلند آواز سے باتیں کرنا مکروہ ہے اگرچہ موضوع سخن علم ہی کیوں نہ ہو۔

(۵۲) وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ بَنَى عُمَرُ رَحْبَةً فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ تُسَمَّى الْبُطَيْنِخَاءَ وَقَالَ مَنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَلْفِظَ أَوْ يُشَدَّ شِعْرًا أَوْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ فَلْيَخُذْ إِلَى هَذِهِ الرَّحْبَةِ۔ (رواہ فی النوٹا)

”اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد کے ایک گوشہ میں ایک چوڑا بنوایا تھا جس کا نام بطینخا تھا اور لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ جو شخص لغو باتیں کرنا چاہے یا اشعار پڑھنا چاہے یا (کسی وجہ سے) بلند آواز (سے باتیں) کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ (مسجد سے نکل کر) اس چوڑے پر آجائے۔“ (نوٹا)

(۵۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُحَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ حَتَّى زَنَى فِي وَجْهِهِ فَقَامَ فَحَلَّهٖ بِيَدِهِ فَقَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يَتَأَجَّجُ رِئَةً وَأَنَّ رِئَةً بَيْنَتُهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا يَبْدُقُ أَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهِ وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِجْلَيْهِ فَبَصَّقَ فِيهِ ثُمَّ زَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ فَقَالَ أَوْ يَفْعَلْ هَكَذَا۔

(رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (مسجد میں) قبلہ کی طرف ریشٹھ پڑا ہوا دیکھا تو آپ کو بہت ناگوار ہوا یہاں تک کہ اس ناگواری کا اثر آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہو رہا تھا۔ چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور اسے خود اپنے دست مبارک سے کھرچ کر پھینکا اور فرمایا کہ، تم میں سے جب کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے اور اس وقت اس کا پروردگار اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے لہذا ہر ایک کو چاہئے کہ قبلہ کی طرف ہرگز نہ تھو کے بلکہ اپنے بائیں طرف یا قدموں کے نیچے تھوک لے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اپنی چادر مبارک کا ایک کونہ لیا اور اس میں کچھ تھوکا اور پھر کپڑے کو آپس میں رگڑ کر فرمایا کہ ”اس طرح کر لیا کرو۔“ (بخاری)

تشریح: اس کا پروردگار اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہونے اور اس کے قرب کا ارادہ کرتا ہے لہذا چونکہ اس کا مطلوب اور مقصود اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے اس لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ قبلہ کی سمت کو تھوک سے بچایا جائے۔

بائیں طرف یا قدموں کے نیچے تھوکنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شخص مسجد میں نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ مسجد میں نماز پڑھنے کی صورت میں بائیں طرف اور قدموں کے نیچے بھی تھوکنہ نہیں چاہئے کہ اس سے مسجد کے آداب و احترام میں فرق آتا ہے بلکہ اس صورت میں اگر تھوکنے کی ضرورت محسوس ہو تو کسی کپڑے میں تھوک لیا جائے پھر اسے رگڑ کر صاف کر لیا جائے۔

(۵۴) وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ رَجُلًا أَمَّ قَوْمًا فَبَصُقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْمِهِ حِينَ فَرَّغَ لَا يُصَلُّيْ لَكُمْ فَإِذَا بَعْدَ ذَلِكَ أَنْ يُصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنْعُوهُ فَأَخْبَرُوهُ بِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ كَرِهَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ وَحَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ إِنَّكَ قَدْ ذُيِّتَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت سائب ابن خلدان جو آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی ہیں فرمایا: ایک شخص جماعت کو نماز پڑھا رہا تھا اور اس نے قبلہ کی طرف تھوک دیا (اتفاق سے) آنحضرت ﷺ (اس کی طرف) دیکھ رہے تھے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس کے مقتدیوں سے فرمایا کہ ”آئندہ سے یہ شخص ہمیں نماز نہ پڑھائے“ اس کے بعد اس شخص نے جب ان کو نماز پڑھانی چاہی تو ان لوگوں نے اسے (امامت سے) روک دیا اور اس سے آنحضرت ﷺ کا ارشاد بیان کر دیا وہ شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میں نے ہی لوگوں سے تمہیں امام نہ بنانے کے لئے کہا تھا اور راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے اس شخص سے (امامت سے) روک دینے کا سبب بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ تم نے (اس ممنوع فعل کا ارتکاب کر کے) اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچائی ہے۔“ (ابوداؤد)

(۵۵) وَعَنِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اخْتَبَسَ عَنَّا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ عَنِ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى كُنَّا نَتَرَامَى عَيْنَ الشَّمْسِ فَخَرَجَ سَرِيعًا فَتَوَبَّ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَجَوَّزَ فِي صَلَاتِهِ فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهِ فَقَالَ لَنَا عَلَى مَصَافِكُمْ كَمَا أَنْتُمْ ثُمَّ انْقَلَبَ الْبَنَاتُ ثُمَّ قَالَ أَمَا إِنِّي سَأُحَدِّثُكُمْ مَا حَبَسَنِي عَنْكُمُ الْغَدَاةُ إِنِّي قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَوَضَّأْتُ وَصَلَّيْتُ مَا قَدَّرَ لِي فَتَغَسَّيْتُ فِي صَلَاتِي حَتَّى اسْتَنْقَلْتُ فَإِذَا أَنَا بِرَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَيْتَنِكَ رَبٌّ قَالَ فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى قُلْتُ لَا أَدْرِي قَالَتْهَا لثَلَاثًا قَالَ فَرَأَيْتَهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدًا فَأَمْلَيْتُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَيْتَنِكَ رَبٌّ قَالَ فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى قُلْتُ فِي الْكَفَّارَاتِ قَالَ مَا هُنَّ قُلْتُ مَشْنَى الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ وَالْجُلُوسِ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَاسْتِبَاغِ الْوُضُوءِ حِينَ الْكَرْبَاهَاتِ قَالَ ثُمَّ فِيمَ قُلْتُ فِي الدَّرَجَاتِ قَالَ وَمَا هُنَّ قُلْتُ إِطْعَامُ الطَّعَامِ وَلَبْسُ الْكَلَامِ وَالصَّلَاةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ قَالَ سَلِّ قُلْتُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ لِفْعَلِ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكِ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبِّ الْمَسَاكِينِ وَأَنْ تَغْفِرَ لِي وَتَرْحَمَنِي وَإِذَا أَرَدْتُ لِقْنَةً فِي قَوْمٍ فَتَوَفِّيهِ غَيْرَ مُفْتُونٍ وَأَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يَقْرُبُنِي إِلَيْكَ حَتَّى تَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا حَقٌّ فَأَدْرُسُهَا ثُمَّ تَعْلَمُوهَا زَوَاهِ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ۔

”اور حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور کائنات ﷺ نے صبح کی نماز میں تشریف لانے میں (مخلاف عادت اتنی) تاخیر فرمائی

کہ قریب تھا کہ سورج نکل آئے، اتنے میں آنحضرت ﷺ جھپٹتے ہوئے تشریف لائے چنانچہ نماز کے لئے تکبیر لگی گئی اور آپ ﷺ نے (صحابہ کے ہمراہ) نماز پڑھی (اس طرح کہ) نماز میں تخفیف کی (یعنی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد ہم سے باوازی بلند فرمایا کہ "جس طرح تم لوگ بیٹھے ہو اسی طرح اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا" پھر آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہوشیار! میں آج صبح کی نماز میں دیر سے آنے کی وجہ بیان کرتا ہوں (اور وہ یہ ہے کہ) میں نے آج رات (تجہ کی نماز کے لئے) اٹھ کر وضو کیا اور جو کچھ میرے مقدور میں نماز تھی پڑھی اور نماز ہی میں مجھے اوگٹھ آگئی یہاں تک کہ نیند مجھ پر غالب آگئی (اس وقت) ناگہاں میں نے اپنے پروردگار بزرگ و برتر کو اچھی صورت میں (یعنی اچھی صفت کے ساتھ) دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا، "اے محمد! میں نے عرض کیا "پروردگار! میں حاضر ہوں" اللہ تعالیٰ نے فرمایا (تمیں معلوم ہے) مقربین فرشتے کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ "پروردگار! میں نہیں جانتا"۔ اللہ تعالیٰ نے تین مرتبہ اسی طرح پوچھا (اور میں بکی جواب دیتا رہا)۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ، میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے مونڈھے کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا یہاں تک کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینہ پر محسوس کی (جس کا اثر یہ ہوا کہ) میرے سامنے ہر شے ظاہر ہو گئی اور میں تمام باتیں جان گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے محمد! میں نے عرض کیا کہ "پروردگار! میں حاضر ہوں" فرمایا (اب بتاؤ) مقربین فرشتے کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ گناہوں کو مٹانے والی چیزوں کے بارے میں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وہ کون سی چیزیں ہیں؟" میں نے عرض کیا کہ جماعتوں کے واسطے (مسجدوں میں) آجانا اور نماز پڑھ کر (اور دعا وغیرہ کے لئے) مسجد میں بیٹھے رہنا، اور سختی کے ساتھ (جس وقت کہ ساری یا بیماری کی وجہ سے پانی کو استعمال کرنا تکلیف دہ معلوم ہو) اچھی طرح وضو کرنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور کس چیز سے بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ درجات کے بارے میں! "فرمایا" وہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ (غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھانا، نرم لہجہ میں بات کرنا اور رات میں اس وقت (یعنی تجہ کی) نماز پڑھنا جب کہ لوگ سوئے ہوں۔" پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اچھا اب اپنے لئے جو چاہو دعا کرو۔ چنانچہ میں نے دعا کی کہ اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے، برائیوں کے چھوڑنے، مسکینوں کی دوستی، اپنی بخشش اور تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں اور جب تو کسی قوم میں گمراہی ڈالنا چاہے تو مجھے بغیر گمراہی کے اٹھالے اور میں تجھ سے تیری محبت (یعنی یہ کہ میں تجھے دوست رکھوں یا تو مجھے دوست رکھے) اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت کرتا ہے، (یعنی یہ کہ میں اسے دوست رکھوں یا وہ مجھے دوست رکھے) اور ایسے عمل کی محبت کا جو تیری محبت سے نزدیک کر دے سوال کرتا ہوں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے (ہم سے) فرمایا کہ "یہ خواب بالکل سچ ہے لہذا تم اسے یاد کرو اور پھر لوگوں کو سکھلاؤ" (احمد، ترمذی اور امام ترمذی) فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسلمیل سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔"

تشریح: اس حدیث کی وضاحت اکابر کی حدیث نمبر ۴۴ کی تشریح میں کی جا چکی ہے اس لئے یہاں اب مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے تاہم اتنی بات سمجھ لیجئے کہ اس حدیث سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تھا اور یہ سوال و جواب حالت خواب ہی میں ہوئے تھے۔

(۵۶) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ أَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ قَالَ فَإِذَا قَالَ ذَلِكَ قَالَ الشَّيْطَانُ خُفِظَ مِنِّي سَائِرَ النَّوْمِ۔ (رواہ البیہقی)

"اور حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن العاصؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ اَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ یعنی میں اللہ عظیمت والے بزرگ ذات والے اور بیش کی سلطنت والے کے ساتھ شیطان مررود سے پناہ مانگتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہونے کے وقت یہ دعا

پر ہے تو شیطان (اس شخص کے بارہ میں) کہتا ہے کہ یہ بندہ تمام دن میرے شر سے محفوظ رہا۔“ (ابوداؤد)
 (۵۷) وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يَغْبِطُ أَشَدَّ غَضَبِ
 اللَّهِ عَلَى قَوْمٍ اتَّخَذُوا قَبْرِي أَلْبَابًا لَهُمْ مَسَاجِدَ۔ (رواہ مالک مرسلًا)

”اور حضرت عطاء ابن یسارؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا (یعنی یہ دعا فرمائی) اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يَغْبِطُ يَعْنِي: اے
 اللہ امیری قبر کو بت نہ بنا کہ لوگ اس کی عبادت کرنے لگیں۔ (اور آپ ﷺ نے فرمایا) جن لوگوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا
 ان پر اللہ تعالیٰ کا شدید غضب (نازل) ہوا۔“ (مالک رحمہ اللہ مرسلًا)

تشریح: آپ کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار! تو میری قبر کو اس معاملہ میں بتوں کی مانند نہ کر کہ میری امت کے لوگ میری قبر کی
 خلاف شرع تعظیم کرنے لگیں یا بار بار زیارت کے لئے میلہ کے طور پر آنے لگیں، یا میری قبر کو سجدہ گاہ قرار دے کر اپنی پیشانیوں کو جو
 صرف تیری ہی چوکت پر جھکنے کی سزاوار ہے اس پر جھکانے لگیں اور سجدے کرنے لگیں۔

اس حدیث کو اور اس دعا کو بار بار پڑھئے اور ذرا آج کے حالات پر اس کو منطبق کیجئے پھر آپ کو معلوم ہو گا کہ آنحضرت ﷺ کی اس
 دعا کا تعلق آنے والے زمانہ سے تھا چنانچہ آپ ﷺ کی عرفانی نگاہوں نے اس وقت دیکھ لیا تھا کہ وہ وقت آنے والا ہے۔ کہ جب کہ
 میری قبر تو الگ ربی اولیاء اللہ کے مزارات پر سجدہ ریزی ہوگی مقبروں پر میلے لگیں گے وہاں عرس قوالیاں ہوں گی، قبروں پر چادریں اور
 پھولوں کا چڑھاوا چڑھے گا۔ غرض کہ جس طرح ایک بت پرست قوم خدا کی عبادت و فرمانبرداری سے سرکشی اور تمرد اختیار کر کے بتوں کے
 ساتھ معاملہ کرتی ہے میری امت کے بد قسمت اور بد نصیب لوگ جو میرے نام کے شیدائی کہلائیں گے، میری محبت سے سرشاری کا
 دعویٰ کریں گے۔ میری لائی ہوئی پاک و صاف شریعت کی آڑ میں میرے دین کے نام پر وہی معاملہ قبروں کے ساتھ کریں گے لہذا آپ
 نے دعا فرمائی کہ اے پروردگار! تو میری امت کو ایسی گمراہی میں مبتلا نہ کیجئے کہ وہ میری قبر کو پوجنے لگیں۔

جملہ اشتدت غضب الخ کا تعلق دعا سے نہیں ہے بلکہ یہ جملہ مستأنفہ یعنی ایک الگ جملہ ہے گویا جب آپ ﷺ نے یہ دعا کی تو
 لوگوں نے پوچھا کہ یہ دعا آپ ﷺ کیوں کر رہے ہیں تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا اشتدت الخ یعنی میں اپنی امت پر انتہائی
 شفقت و مہربانی کے لئے یہ دعا کر رہا ہوں کہ مبادا یہ بھی اس لعنت میں مبتلا نہ ہو جائیں جس طرح کہ یہود و غیرہ اس لعنت میں مبتلا ہو کر
 خدا سے ذوالجلال کے غضب میں گرفتار ہوئے۔

(۵۸) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الصَّلَاةَ فِي الْحِيطَانِ قَالَ بَعْضُ رَوَاهِ يَغْنِي
 الْبَسَاتِينِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْحَسَنِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ قَدْ ضَعَفَهُ يَحْيَى بْنُ
 سَعِيدٍ وَغَيْرُهُ۔

”اور حضرت معاذ ابن جبلؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ ”حیطان“ میں نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ اس حدیث کے بعض راویوں نے
 کہا ہے کہ حیطان سے مراد باتین (یعنی باغات) ہیں۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے
 (کیونکہ یہ روایت بجز حسن بن ابی جعفر کی سند کے اور کسی سند سے منقول نہیں ہے اور انہیں بھی محی ابن سعد وغیرہ نے ضعیف قرار دیا
 ہے۔“

(۵۹) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهِ بِصَلَاةٍ وَصَلَاةٍ فِي
 مَسْجِدِ الْقِبْلَةِ بِخَمْسِينَ صَلَاةً وَصَلَاةً فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُجْمَعُ فِيهِ بِخَمْسِمِائَةِ صَلَاةٍ وَصَلَاةٍ فِي
 الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى بِخَمْسِينَ أَلْفَ صَلَاةٍ وَصَلَاةٍ فِي مَسْجِدِي بِخَمْسِينَ أَلْفَ صَلَاةٍ وَصَلَاةٍ فِي الْمَسْجِدِ
 الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت انس ابن مالکؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، آدمی کی نماز اپنے گھر میں ایک ہی نماز کے برابر اور محلہ کی مسجد میں اس کی پچیس نمازوں کے برابر اور اس مسجد میں جہاں جمع ہوتا ہے (یعنی جامع مسجد میں) اس کی نماز پانچ سو نمازوں کے برابر اور مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس میں) اور میری مسجد (مسجد نبوی ﷺ میں) اس کی نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں اس کی نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ مساجد کے مراتب اور ان میں نماز پڑھنے کے ثواب کے فرق و درجات کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ سب سے کم تردد جو تو خود کسی کے گھر کا ہے یعنی اگر کوئی شخص مسجد کے بجائے اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے تو اسے صرف اتنی ایک نماز کا ثواب ملتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنے محلہ کی مسجد میں نماز ادا کرتا ہے تو اسے پچیس نمازوں کا ثواب دیا جاتا ہے اسی طرح جامع مسجد میں نماز پڑھنے والے کو پانچ سو اور بیت المقدس و مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھنے والے کو اس کی ایک نماز کے بدلہ میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب دیا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرے پھر تو اس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں یعنی اسے ایک نماز کے عوض ایک لاکھ نمازوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔

۹۰) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ مَسْجِدٍ وَضِعَ فِي الْأَرْضِ أَوَّلُ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ ثُمَّ الْمَسْجِدُ الْأَقْصَى قُلْتُ كَمْ بَيْنَهُمَا قَالَ أَرْبَعُونَ عَامًا ثُمَّ الْأَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ فَحَيْثُ مَا أَدْرَكَكَ الصَّلَاةُ فَصَلِّ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! زمین کے اوپر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”مسجد حرام“ میں نے عرض کی کہ پھر اس کے بعد؟ فرمایا، ”مسجد اقصیٰ“ (یعنی بیت المقدس) پھر میں نے پوچھا کہ ان دونوں مسجدوں (کی بناء) کے درمیان کتنا فرق تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ”چالیس سال“ پھر اس کے بعد فرمایا، اب تو ساری زمین تمہارے لئے مسجد ہے (یعنی اس کا ہر حصہ مسجد کا حکم رکھتا ہے کہ) جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لو۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کعبۃ اللہ کو بنانے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بیت المقدس کی بناء رکھنے والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک ہزار برس سے زیادہ کا فرق ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے یہ کس اعتبار سے فرمایا کہ کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کی بناء کے درمیان صرف چالیس سال کا فرق ہے۔ اس کے جواب میں علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ:

”اس حدیث کے ذریعہ ان دونوں مسجدوں کی بناء اول کی طرف اشارہ ہے اور یہ ثابت ہے کہ کعبہ کے بانی اول حضرت ابراہیم علیہ السلام نہیں ہیں۔ اسی طرح بیت المقدس کے بھی بانی اول حضرت سلیمان علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ کعبہ کی بناء سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی ہے پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد تمام روئے زمین پر پھیل گئی۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ ان کی اولاد میں سے کسی نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی ہو اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا فرق رہا ہو۔ پھر اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو بنایا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کی۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ:

مجھے اس حدیث کی توثیق علامہ ابن ہشامؒ کے اس مقلد سے معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے کتاب التبیحات میں لکھا ہے کہ:

”جب حضرت آدم علیہ السلام کعبۃ اللہ کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب بیت المقدس کی سیر کر کے اسے بناؤ چنانچہ انہوں نے اس حکم کی تعمیل میں بیت المقدس بنایا اور اس میں عبادت کی۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کی بناء میں چالیس سال

کے عرصہ کافرق ہو گا۔“

بعض علماء سے اس حدیث کی توجیہ یہ منقول ہے کہ:

”جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنایا تو مسجد کی حد مقرر کر دی تھی اسی طرح بیت المقدس کی بھی حد مقرر کر دی ہوگی۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ ان کی حدود کو مقرر کرنے کا درمیانی وقفہ چالیس سال کا ہو۔“

بَابُ الشَّرْ

ستر ڈھانکنے کا بیان

نماز صحیح طور پر ادا ہونے کی جہاں اور بہت سی شرائط ہیں ان ہی میں ایک شرط ستر یعنی شرم گاہ کا چھپانا بھی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے مصنف ”اس باب میں اسی سلسلہ کی حدیثیں بیان کریں گے اس کے علاوہ اس باب میں مصنف ”ان لباسوں کے بارہ میں بھی احادیث نقل کریں گے جن میں آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ نے نمازیں پڑھی ہیں۔“

الفصل الأول

① عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ ذَاتَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُشْتَمِلًا بِهِ فِي نَيْتِ أَمِّ سَلَمَةَ وَاضْطَاعَ ظَرْفِيهِ عَلَى عَاتِقِيهِ - (متن علیہ)

”حضرت عمر ابن ابی سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں آپ ﷺ اس کپڑے کو اپنے جسم سے اس طرح لپیٹے ہوئے تھے کہ اس کے دونوں کنارے آپ ﷺ کے مونڈھوں پر تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”اشتعال“ اسے کہتے ہیں کہ کپڑے کا وہ کنارہ جو داہنے مونڈھے پر ہے بائیں ہاتھ کے نیچے سے نکالا جائے اور چہرہ کنارے کر جو دائیں ہاتھ کے نیچے سے بائیں ہاتھ پر ڈالا گیا ہے دونوں کو ملا کر سینہ پر گرہ لگائی جائے لیکن گرہ لگانے کی ضرورت صرف اس صورت میں ہوتی ہے جب کہ کپڑے کے کنارے لمبے نہ ہوں اور ان کے کھل جانے کا خوف ہو، اگر کنارے لمبے ہوں تو پھر گرہ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ یمن کے سفیروں کے لباس سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن وجہ ہے کہ بعض شارحین کی عبارتوں میں گرہ لگانے کی قید ذکر نہیں کی گئی ہے۔

ان احادیث میں ”مشتعل“ متوج اور مخالف بین طرفہ کے جو الفاظ آئے ہیں سب کے ایک ہی معنی ہیں اور سب کی ایک ہی مذکور بالا صورت ہوتی ہے۔

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْتَسَ عَلَى عَاتِقِيهِ مِنْهُ شَيْءٌ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں (اس طرح) نماز نہ پڑھے کہ اس کے کپڑے کا کچھ حصہ مونڈھوں پر نہ ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اشتعال کی صورت میں تو نماز پڑھنے کی اجازت ہے کیونکہ اس میں کپڑے کا کچھ حصہ مونڈھوں پر ہوتا ہے اور اگر مونڈھے پر کپڑے کا کچھ حصہ بھی نہ ہو تو اس صورت میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہوگی اور اس کی حکمت علماء یہ لکھتے ہیں کہ صرف

ایک ہی کپڑا اگر ہو اور اسی کا تہ بند کر لیا جائے اور اس کا کچھ حصہ مونڈھوں پر ڈالنا نہ جائے تو اس صورت میں ستر کھل جانے کا اندیشہ رہتا ہے اور پھر یہ کہ رب ذوالجلال کے دربار میں حاضری کا وقت ہونے کی وجہ سے یہ بے ادبی کی شکل ہے۔

حضرت امام اعظمؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے۔ چنانچہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صرف ایک کپڑے میں اس طرح نماز پڑھے کہ اس کے کپڑے کا کچھ حصہ مونڈھوں پر نہ ہو مگر ستر چھپا ہوا ہو تو اس کی نماز ہو جائے گی لیکن کراہت کے ساتھ ہوگی۔ حضرت امام احمدؒ اور دوسرے علماء سلف ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اس شخص کی نماز نہیں ہوگی۔

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلَيْسَ خَالِفَ بَيْنَ ظَرْفَيْهِ.

(رواہ بخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ اس کپڑے کی دونوں طرفوں میں مخالفت رکھے (یعنی اشتعال کی جو صورت بیان کی گئی ہے وہی اختیار کرے)۔“ (بخاری)

﴿۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خَمِيصَةٍ لَهَا أَعْلَامٌ فَتَنَظَّرَ إِلَى أَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ أَذْهَبُوا بِخَمِيصَتِي هَذِهِ إِلَى ابْنِي جَهْمٍ وَأَنْزِلِي بَانِي خَالِئَةَ ابْنِي جَهْمٍ فَإِنَّهَا الْهَشْنَى ابْنَا عَنْ صَلَاتِي مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ كُنْتُ أَنْظُرُ إِلَى عِلْمِهَا وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ فَأَخَافُ أَنْ يَفْتِنَنِي.

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے ایک ایسی چادر میں نماز پڑھی جس کے کنارے دوسرے رنگ کے تھے یا اس کے کناروں پر کچھ کام کیا ہوا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے اس پر کئے ہوئے کام کو دیکھا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اس چادر کو ابی جہم کے پاس لے جاؤ (اور اسے اس کے حوالہ کر کے) ابی جہم کی انجانیاہ لے آؤ کیونکہ اس چادر نے مجھے میری نماز میں حضوری قلب کی دولت سے باز رکھا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور بخاریؒ کی ایک روایت میں (یہ بھی منقول ہے کہ) آپ ﷺ نے فرمایا ”میں نماز کے دوران اس چادر کے نقش و نگار کی طرف دیکھنے لگا اور مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ میری نماز خراب نہ کر دے۔“

تشریح: خمیصہ ایک چادر کو کہتے ہیں جو خز کی یا صوف کی ہوتی ہے جس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور دھاری دار ہوتی ہے لہذا جملہ ”لہا اعلام“ یا تو خمیصہ کی تاکید ہے یا اس کا بیان ہے۔ یہ چادر ایک صحابی حضرت ابو جہم تحفہ کے طور پر آپ ﷺ کی خدمت میں لائے تھے آپ ﷺ نے جب اس کو اوڑھ کر نماز پڑھی اور نماز کے آداب کے دوران آپ ﷺ کی نظر اس کی دھاریوں پر پڑی تو قلب مبارک میں کچھ فرق محسوس ہوا، چنانچہ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہؓ سے فرمایا کہ اسے ابو جہم کو واپس کر آؤ، چونکہ آپ ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ اس چادر کو واپس کر دینے سے ایک مخلص صحابی کی دل شکنی ہو اس لئے آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اس کے بدلہ میں ان سے انجانیاہ لے آؤ۔ انجان ایک شہر کا نام ہے اس شہر کی بنی ہوئی چادریں بالکل سیاہ ہوتی تھیں۔ اس شہر کی مناسبت سے چادر کو انجانیاہ کہا جاتا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظاہری نقش و نگار پاک نفوس اور صاف قلوب کو بھی متاثر کرتے ہیں اور یہ تاثیر قلب کی انتہائی صفائی اور لطافت کی بناء پر ہوتی ہے جیسے کہ کسی صاف و شفاف اور سفید چادر پر ایک معمولی سا سیاہ نقطہ بھی پڑ جاتا ہے تو فوراً ظاہر ہو جاتا ہے اور ناگوار محسوس ہوتا ہے اور چادر جتنی زیادہ سفید ہوتی ہے وہ سیاہ نقطہ اتنا ہی زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ یہی حال ان نفوس قدسیہ کا ہے جن کے قلب و دماغ تعلق مع اللہ اور ریاضت و مجاہدہ کی بناء پر اتنے پاک و صاف ہو جاتے ہیں کہ گناہ و معصیت تو الگ ہے کسی معمولی منہاج شے کا ادنیٰ سا تصور بھی قلب و دماغ پر اثر انداز ہو جاتا ہے لیکن ان کے مقابلہ پر آلودگان تیرہ باطن بھی ہوتے ہیں جن کے دل و دماغ پر بڑے بڑے گناہ کا بھی اثر نہیں ہوتا۔

ہمارا خیال ہے کہ اس حدیث کے ذریعہ اصل اُمت کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ نماز کے سلسلہ میں ایسی چیزوں سے احتیاط رکھنی چاہئے جو نماز میں دھیان بنانے کا سبب بنتی ہوں۔

⑤ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ مَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكَ هَذَا فَإِنَّهُ لَا يَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ فِي صَلَاتِكِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے مکان کے ایک حصہ میں ایک پردہ ڈال رکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اس پردہ کو ہمارے سامنے سے ہٹا لیں کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں برابر میرے سامنے رہتی ہیں۔“ (بخاری)

تشریح: بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پردہ حضرت عائشہؓ نے دیوار گیری کے طور پر دیوار پر لگا رکھا ہو گا مگر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ پردہ چھپر کھٹ کے طریقہ پر تھا۔ بہر حال حضرت عائشہؓ نے یہ پردہ اسی وقت سے لگا رکھا ہو گا جب تک کہ انہیں حدیث نبی معلوم نہیں ہوئی ہوگی۔ جب آنحضرت ﷺ نے انہیں منع فرمادیا تو انہوں نے وہ پردہ اتار ڈالا۔

⑥ وَعَنْ عَقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ أَهْدَى لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرْجُ حَبْرٍ فَلَبِسَهُ ثُمَّ صَلَّى فِيهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَتَرَعَهُ نَزْرًا شَدِيدًا كَالْكَأَرِ لَهُ ثُمَّ قَالَ لَا يَنْتَفِعِي هَذَا الْمُنْتَفِعِينَ - (متن علیہ)

”اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں کسی نے ایک ریشمی قبا تحفہ کے طور پر بھیجی چنانچہ آپ ﷺ نے اسے پہن کر نماز پڑھ لی نماز پڑھنے کے بعد آپ ﷺ نے اس قبا کو اس طرح اتار پھینکا جیسے کوئی بہت برا جاتا ہو پھر فرمایا کہ (ریشمی کپڑے شرک و کفر سے) بچنے والوں کے لائق نہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”فروج“ اس قبا کو کہتے ہیں جس میں پیچھے کی طرف چاک ہوتا ہے۔ یہ فروج آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اکیدر بادشاہ روم یا بادشاہ اسکندریہ نے تحفہ بھیجی تھی۔ چونکہ اس وقت مردوں کو ریشمی کپڑا پہننا حرام نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ نے اسے زیب تن فرمایا اور اس میں نماز پڑھ لی مگر یہ سوچ کر کہ ریشمی کپڑا پہننے سے رعوت پائی جاتی ہے آپ ﷺ نے اسے ناپسند فرما کر اتار دیا۔ اس طرح آپ ﷺ نے اپنے اس عمل سے یہ ظاہر فرمادیا کہ اگرچہ اس کا پہننا مباح ہے لیکن خدا کے نیک بندے اور متقی و پرہیزگار لوگ چونکہ عزیمت پر عمل کرتے ہیں اس لئے ان کے لئے یہ مناسب اور بہترین نہیں ہے کہ وہ ریشمی کپڑا پہنیں۔ پھر بعد میں ریشم کا پہننا تمام مسلمان مردوں کے لئے خواہ متقی ہوں یا غیر متقی، حرام ہو گیا۔ یا پھر ہو سکتا ہے کہ یہ بھی اس حالت میں ہوئی ہو تو اس صورت میں متقی عن الشریک مراد ہو گا یعنی مسلمانوں کو یہ پہننا نہ چاہئے۔

الفصل الثانی

⑦ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَحْمَرِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي رَجُلٌ أَصْبَدُ أَفَأَصَلِّي فِي الْقَمِيصِ الْوَاحِدِ قَالَ نَعَمْ وَأَزْوَؤُهُ وَنَوَ بَشُوكِبَ - (رواہ ابوداؤد وروی النسائی نحوہ)

”اور حضرت سلمہ ابن اکرمؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایک شکاری آدمی ہوں، کیا میں ایک ہی کرتے میں نماز پڑھ لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں (پڑھ لیا کر د) لیکن اسے باندھ لیا کر دو خواہ اسے کانٹے ہی سے کیوں نہ اٹکایا جائے۔“ (ابوداؤد و نسائی)

تشریح: چونکہ شکاری لوگ شکار میں کم کپڑے پہنتے ہیں اور زیادہ کپڑے پہننے سے شکار کرنے میں رکاوٹ ہوتی ہے اس لئے ان صحابی کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ میں چونکہ شکار کھینے والا آدمی ہوں اور شکار کے وقت عموماً صرف ایک کرتہ ہی پہنتے ہوئے ہوتا ہوں اس کے نیچے لنگی بھی نہیں ہوتی تاکہ شکار کے پیچھے دوڑنے میں آسانی رہے تو کیا میں صرف ایک کرتہ ہی میں نماز پڑھ لیا کروں؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ایک کرتے ہی میں نماز پڑھ سکتے ہو لیکن اس کرتے کا چاک اگر اتنا کھلا ہو کہ رکوع و سجود کے وقت ستر کھلنے کا اندیشہ رہے تو اس کے چاک کو باندھ لیا کرو۔ اگر اس وقت چاک بند کرنے کی کوئی چیز موجود نہ ہو تو اس میں کانٹا لگا کر ہی اسے بند کر لیا کرو تاکہ ستر نہ کھلے۔

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ تَبَيَّنَا زَجْلٌ يُصَلِّي مُسْبِلٌ إِذَا زَعُ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ هَبْتَ فَتَوَضَّأَ فَذَهَبَ وَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ زَجْلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا لَكَ أَمَرْتَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ قَالَ إِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ مُسْبِلٌ إِذَا زَعُ وَإِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ صَلَاةَ زَجْلٍ مُسْبِلٍ إِذَا زَعُ۔ (رواہ ابو ہریرہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ازار لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا سرور کائنات ﷺ نے (یہ دیکھ کر) اس سے فرمایا کہ، ”جاؤ اور وضو کرو“ وہ شخص جا کر وضو کر آیا۔ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) نے اس شخص کو وضو کرنے کے لئے کیوں فرمایا؟ (حالانکہ وہ با وضو تھا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ، وہ شخص اپنا ازار لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور جو شخص ازار لٹکائے ہوئے ہو اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرتا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ”اسال“ اسے کہتے ہیں کہ کوئی بھی کپڑا اتنا لمبا پہنا جائے کہ وہ ناز و نکبر کے طور پر نیچے زمین تک لٹکا ہوا ہو۔ گو یہ ازار ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے لیکن اس کا اشتمال اکثر و بیشتر ازار ہی کے لئے ہوتا ہے۔ لہذا پانچواں، نعلی اور کرتا وغیرہ غرور و تکبر کی بناء پر ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مکروہ ہے، یہی وجہ ہے جب آپ ﷺ نے اس شخص کو ازار لٹکائے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ جو شخص ازار لٹکائے ہوئے ہو اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرتا یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز کا کمال قبول نہیں کرتا اور ثواب نہیں دیتا اگرچہ اصل نماز ہو جاتی ہے۔

باوجودیکہ وہ شخص با وضو تھا مگر آپ ﷺ نے اسے وضو کرنے کا حکم اس حکمت کی بناء پر دیا تاکہ وہ شخص اس کا سبب معلوم کرنے میں غور فکر کرے اور پھر اسے اس فعل شیع کی برائی کا احساس ہو، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور ظاہری طہارت یعنی وضو کی وجہ سے اس کا باطن غرور و تکبر کی آلائش سے پاک و صاف کر دے کیونکہ ظاہری طہارت باطنی صفائی و پاکیزگی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

⑨ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْبَلُ صَلَاةُ حَائِضٍ إِلَّا بِخِصْمٍ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، بالغہ عورت کی نماز بغیر دپٹے کے (یعنی سر ڈھانکے بغیر) نہیں ہوتی۔“ (ابو داؤد، ترمذی)

تشریح: ”حائض“ سے مراد بالغہ عورت ہے جو حیض کی عمر کو پہنچ جائے خواہ اسے حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کا سر اور اس کے بال ستر میں شامل ہیں لہذا اگر کوئی عورت ننگے سر نماز پڑھے گی تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر عورت اتنا باریک کپڑا اوڑھ کر نماز پڑھے کہ اس کپڑے میں سے بال یا بدن کا رنگ دکھائی دیتا ہو تو اس کی نماز بھی نہیں ہوتی۔ لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ یہ حکم آزاد عورت کا ہے لہذا اس حکم میں داخل نہیں ہے اس کی نماز ننگے سر بھی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا سر ستر نہیں اس کا سر مرد کی طرح ناف کے نیچے سے زانو کے نیچے تک نیز پیٹ، پیچھے اور پہلو بھی۔

⑩ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي دِرْعٍ وَمَا لَيْسَ عَلَيْهَا إِذَا قَالَ إِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يَغْطِي ظَهْرًا قَدْ مَتَّيْهَا۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَذَكَرَ جَمَاعَةٌ وَقَفَّوْهُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ۔

”اور حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے پوچھا کہ اگر عورت کے پاس تہ (یعنی پانچواں وغیرہ) نہ ہو اور وہ صرف

دوبہ اور کرتہ میں نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ہو جائے گی بشرطیکہ کرتہ اتنا سہا ہو کہ اس سے اس کے پاؤں کی پشت چھپ جاتی ہو۔ (ابوداؤد) اور ابوداؤد نے کہا کہ ایک جماعت نے اس روایت کو اتم سلمہ پر موقوف کر دیا ہے یعنی انہوں نے کہا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے بلکہ حضرت اتم سلمہ کا قول ہے۔

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کے پاؤں کی پشت بھی ستر میں شامل ہے اس کو نماز میں ڈھانکنا واجب ہے۔
 (۱۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ السَّدْلِ فِي الصَّلَاةِ وَأَنْ يَغْطِيَ الرَّجُلُ فَاهُ۔

(رواہ ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے نماز میں سدل کرنے اور مرد کو منہ ڈھانکنے سے منع فرمایا ہے۔“

(ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: ”سدل“ کے معنی یہ ہیں کہ کپڑے کو اپنے سر یا مونڈھے پر ڈال کر دونوں طرف سے اسے لٹکادیا جائے چنانچہ کپڑا استعمال کرنے کا یہ طریقہ مطلقاً منوع ہے کیونکہ اس سے غرور و تکبر کی شان پیدا ہوتی ہے اور نماز میں تو یہ طریقہ بہت ہی برا ہے۔ اس طرح نماز پڑھنے سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ ”سدل“ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کپڑا اوڑھ کر اپنا ہاتھ اس کے اندر کرے اور اسی طرح رکوع و سجدہ کرتا رہے۔ چونکہ یہ طریقہ یہودیوں کا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

عرب میں پگڑی کے کونہ سے منہ پڑھا نا باندھ لیتے تھے جس سے دہانہ چھپ جاتا تھا آپ ﷺ نے نماز میں اس سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اس طرح نہ تو قرأت اچھی طرح ہوتی ہے اور نہ سجدہ پورے طور پر ہوتا ہے۔ ہاں اگر نماز میں کسی کو ڈکار آئے یا منہ سے بدبو آئے تو اسے ہاتھ سے منہ ڈھانک لیا مستحب ہے۔

(۱۲) وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْيَهُودَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّونَ فِي بَعَالِهِمْ وَلَا خِفَافِهِمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت شداد ابن اوسؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: (جو تے اور موزے پہن کر نماز پڑھتے ہیں) یہودیوں کی مخالفت کرو کیونکہ وہ لوگ جو تے اور موزے پہن کر نماز نہیں پڑھتے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: یہودی جو تے اور موزے پہن کر نماز نہیں پڑھتے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ یہودیوں کی مخالفت کرو اور جو تے پہن کر (اگر وہ پاک و صاف ہوں) اور موزے پہن کر نماز پڑھ لیا کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گمراہ لوگوں کی مخالفت ظاہر کرنے کی غرض سے کسی مباح چیز پر عمل کرنا بہتر ہے اور وجہ یہ ہے کہ اس طرح چونکہ گمراہ لوگوں کی مخالفت لازم آتی ہے اس لئے وہ مباح چیز بھی عزیمت یعنی اولویت کا حکم پیدا کر دیتی ہے۔

(۱۳) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ يَتَشَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ إِذْ خَلَعَ نَعْلَيْهِ فَوَضَعَهُمَا عَنْ يَسَارِهِ فَلَمَّا زَاىَ ذَلِكَ الْقَوْمُ أَلْفَوْا بَعَالَهُمْ فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ قَالَ مَا حَمَلَكُمْ عَلَى الْقَابِكُمْ بَعَالَكُمْ قَالُوا رَأَيْنَا أَنَّكَ أَلْقَيْتَ نَعْلَيْكَ فَأَلْفَيْنَا بَعَالَنَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ جِبْرِيلَ آتَانِي فَأَخْبَرَنِي أَنَّ فِيهِمَا قَدْرًا إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ قَدْرًا فَلْيَمْسُخْهُ وَلْيَصِلْ فِيهِمَا۔

(رواہ ابوداؤد و الدارمی)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ سرور کائنات ﷺ اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنا کھانک اپنے

جوتے اتار کر اپنی بائیں طرف (دور ہٹا کر) رکھ لئے جب لوگوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار ڈالے۔ آنحضرت ﷺ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ تمہیں جوتے اتارنے پر کس چیز نے مجبور کر دیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنے جوتے اتار ڈالے ہیں اس لئے ہم نے بھی اپنے جوتے اتار ڈالے آپ ﷺ نے فرمایا کہ (میں نے تو جوتے اس لئے اتار ڈالے تھے کہ) میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے خبر دی کہ میرے جوتوں میں نجاست لگی ہوئی ہے (اس لئے میں نے جوتے نکال دیئے تھے) تم میں سے جو شخص مسجد میں آئے تو پہلے وہ اپنے جوتے دیکھ لیا کرے۔ اگر ان میں نجاست لگی ہوئی معلوم ہو تو انہیں صاف کر لے (اور انہیں پہنے ہی پہنے نماز پڑھ لے۔ "ابوداؤد، دارمی")

تشریح: "قدر" (خاف کے زیر اور وال محمد کے ساتھ) اس چیز کو کہتے ہیں جسے طبیعت کمزور رکھے لہذا اس لفظ سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے جوتے میں ایسی نجاست نہیں لگی ہوگی جس سے نماز درست نہ ہوتی ہو بلکہ کوئی گھٹاؤنی چیز جسے ریشہ وغیرہ لگی ہوگی کیونکہ اگر نجاست لگی ہوتی تو آپ ﷺ از سر نو نماز پڑھتے حالانکہ آپ ﷺ نے جتنی نماز پڑھ لی تھی نہ تو آپ ﷺ نے اس کا اعادہ کیا اور نہ از سر نو نماز پڑھی۔ حضرت جبریل کا خبر دینا اور پھر اس خبر کی بناء پر آپ ﷺ کا جوتوں کو اتار دینا اس لئے تھا کہ آپ ﷺ کے مزاج اقدس میں چونکہ صفائی اور ستھرائی بہت زیادہ تھی اس لئے جوتوں پر اس گھٹاؤنی چیز کا لگا رہنا آپ ﷺ کے مزاج کے مناسب نہیں تھا اور بعض شوافع حضرات کہتے ہیں کہ اگر کسی نمازی کے کپڑے وغیرہ پر نجاست لگی ہوئی ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو تو نماز ہو جاتی ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کا یہ قول قدیم ہے۔

بہر حال یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متابعت واجب ہے کیونکہ صحابہؓ نے کوئی سبب پوچھے بغیر محض آپ ﷺ کو جوتے اتارتے دیکھ کر اپنے جوتے فوراً اتار ڈالے اور پھر آنحضرت ﷺ نے بھی اسے جائز رکھا۔

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتَ أَخَذْتُكُمْ فَلَا تَضَعُ نَعْلَيْهِ عَنْ يَمِينِهِ وَلَا عَنْ يَسَارِهِ فَتَكُونَ عَنْ يَمِينِهِ غَيْرِهِ إِلَّا أَنْ لَا يَكُونَ عَلَى يَسَارِهِ أَخَذْتُ وَلِيَضَعَهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ أَوْ لِيَصِلَ فِيهِمَا۔

(رواہ ابوداؤد وروای ابن ماجہ، معناد)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو اپنے جوتے کونہ اپنی دائیں طرف رکھے اور نہ بائیں طرف ہی رکھے کیونکہ اوہ دوسرے آدمی کی دائیں جانب ہوگی۔ ہاں اگر کوئی بائیں جانب نہ ہو تو اوہ حرکت لے (ورنہ) اسے چاہئے انہیں اپنے دونوں پیروں کے درمیان (یعنی اپنے آگے پیروں کے پاس) رکھ لے اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یا "اگر جوتے پاک ہوں تو ان کو اتارنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ) انہیں پہنے ہی پہنے نماز پڑھ لے۔ " (ابوداؤد، ابن ماجہ)"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نماز کے دوران جوتے اپنی دائیں طرف نہ رکھے جائیں اور بائیں طرف بھی اس لئے نہ رکھے جائیں کہ جو شخص اس کے بائیں طرف کھڑا ہوگا یہ جوتا جو اپنے بائیں طرف رکھا گیا ہے اس شخص کے دائیں طرف پڑے گا۔ لہذا جب اپنی دائیں طرف جوتا رکھنا پسند نہ کیا تو اس جوتے کو دوسرے شخص کے دائیں طرف کیوں رکھا جائے کیونکہ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہے اپنے ساتھی کے لئے بھی اس چیز کو پسند کرے اور جس چیز کو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے اسے اپنے ساتھی کے لئے بھی ناپسند کرے۔

الفصل الثالث

(۱۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُثْبِتُهُ يُصَلِّي عَلَى حَصِيرٍ يَسْتَجِدُّ عَلَيْهِ قَالَ وَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي لِي ثَوْبٌ وَاحِدٌ مُتَوَشِّحًا بِهِ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ میں سرور کائنات کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ﷺ ایک پوریہ پر نماز پڑھ رہے ہیں اور اسی پر جہد کر رہے ہیں۔ حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ایک کپڑا اوڑھے ہوئے جو آپ ﷺ کے جسم پر لپٹا ہوا تھا نماز پڑھ رہے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز ہر اس چیز پر جائز ہے جو نمازی اور زمین کے درمیان حائل ہو خواہ وہ چیز پوریہ وغیرہ کی قسم سے ہو یا کپڑے اور صوف وغیرہ کی قسم سے۔ گو اس حدیث میں صرف پوریہ کا ذکر کیا گیا ہے لیکن علماء کے پاس اور دلائل ایسے ہیں جن کی رو سے وہ پوریہ کے علاوہ کپڑے وغیرہ پر نماز پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ بغیر کچھ بچھائے ہوئے زمین پر نماز پڑھنا افضل ہے اس لئے کہ خشوع و خضوع نماز کی اصل و روح ہے اور یہ چیزیں زمین پر نماز پڑھنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ ہاں اگر کوئی مجبوری ہو مثلاً سردی یا گرمی کی وجہ سے بغیر کچھ بچھائے ہوئے زمین پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو پھر کچھ بچھالینا ہی بہتر ہو گا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ جو چیزیں زمین سے اگی ہوئی نہ ہوں اس پر نماز پڑھنا بہتر نہیں ہے یعنی پوریہ وغیرہ پر نماز پڑھنا تو افضل و بہتر ہے اور کپڑے وغیرہ پر نماز پڑھنا بہتر نہیں ہے۔

(۱۶) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَدِيثِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي حَافِيًا وَمُتَبَعًا۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو کبھی ننگے پاؤں اور کبھی جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔“ (ابوداؤد)

(۱۷) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدَرِ قَالَ صَلَّى بِنَا جَابِرٍ فِي إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهُ مَوْضُوعَةٌ عَلَى الْمَشْجَبِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ تَصَلِّي فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ فَقَالَ إِنَّمَا صَنَعْتُ ذَلِكَ لِئَنِّي أَحَقُّ مِنْكَ وَأَيْتَانِ كَانَ لَكَ ثَوْبَانِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت محمد ابن منکدر فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ نے صرف تہ بند باندھ کر جسے انہوں نے اپنی گدی کی طرف باندھ رکھا تھا نماز پڑھی حالانکہ ان کے کپڑے کھوٹی پر لٹکے ہوئے تھے ان سے کسی کہنے والے نے کہا کہ، آپ نے صرف تہبند میں نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ، میں نے یہ اس واسطے کیا تاکہ تم جیسا احق مجھے دیکھے بھلا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہم میں سے وہ کون تھا جس کے پاس دو کپڑے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: ”مشجب“ کا عام فہم معنی کھوٹی ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ مشجب اس چیز کو کہتے ہیں جس پر کپڑے لٹکانے یا رکھ جانے ہیں یا اس چیز کو کہتے ہیں جس پر کبھی کبھی پانی ٹھنڈا ہونے کے لئے مشک لٹکادی جاتی تھی۔

بہر حال حضرت جابرؓ نے اپنے کپڑے اس پر رکھ دئے تھے اور نماز صرف ایک کپڑے میں اس طرح پڑھ رہے تھے کہ اس کپڑے کا تہبند کر رکھا تھا اور اس کے کونے اوپر کے گلے میں باندھ رکھے تھے چنانچہ ایک شخص نے اس طریقہ کو خلاف سنت سمجھتے ہوئے برا خیال کیا اور حضرت جابرؓ سے پوچھا کہ آپ اتنے سارے کپڑوں کی موجودگی میں بھی صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے ہیں تو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میں صرف ایک کپڑے میں نماز اس لئے پڑھ رہا ہوں تاکہ تم جیسا کہ علم مجھے دیکھے اور جان لے کہ نماز صرف ایک کپڑے میں بھی پڑھی جاسکتی ہے یہ خلاف سنت نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے اسی مقصد کے تحت اسے ڈانٹا اور کہا کہ احق تو اسے برا کیوں سمجھ رہا ہے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہم میں سے وہ کون تھا جس کے پاس دو کپڑے تھے، ہمارے پاس تو صرف

ایک ایک کپڑا ہوتا تھا اسی میں ہم نماز پڑھتے تھے اور اسی کو دوسری ضرورتوں کے لئے استعمال کرتے تھے۔

اس بارہ میں علماء کا اجماع ہے کہ دو کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل ہے واجب نہیں ہے کیونکہ اس میں تنگی ہے اور آنحضرت ﷺ نیز آپ ﷺ کے صحابہؓ نے ایک کپڑے میں نماز بھی تو اس لئے پڑھی کہ ان کے پاس کپڑا ہی صرف ایک تھا اور کبھی بیان جواز کی خاطر ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ لی۔

الحاصل اگر کوئی شخص ایک ہی کپڑے میں نماز اس لئے پڑھتا ہے کہ اس کے پاس دو سرا کپڑا موجود نہیں ہے یا بیان جواز کی خاطر پڑھتا ہے تو جائز ہے۔ اور اگر کوئی شخص سستی و کاہلی اور بہ نیت حقارت پڑھے گا تو یہ مناسب نہیں ہوگا۔

حضرت جابرؓ کے ارشاد سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ کسی کو صحابہؓ کے ترک سنت پر لعن و طعن کرنا نہ چاہئے اور ان کے بارہ میں نیک گمان ہی رکھنا چاہئے۔ یعنی اگر کسی صحابی سے کوئی ایسا فعل صادر نظر آئے جو بظاہر خلاف سنت معلوم ہوتا ہے تو اس بارہ میں نیک گمان ہی رکھنا چاہئے کہ یہ بیان جواز کے لئے ہے یا پھر اس میں کوئی عذر ہوگا۔

(۱۸) وَعَنْ أَبِي بَنِ كَعْبٍ قَالَ الصَّلَاةُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ سُنَّةٌ كُنَّا نَفْعَلُهُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَغَابُ عَلَيْنَا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ إِنَّمَا كَانَ ذَلِكَ إِذْ كَانَ فِي الثِّيَابِ قِلَّةً فَأَمَّا إِذَا وَسَّعَ اللَّهُ فَالصَّلَاةُ فِي الثَّوْبَيْنِ أَزْكَى - (رواہ احمد)

"اور حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت ہے کیونکہ سرور کائنات ﷺ کے زمانہ میں ہم اسی طرح نماز پڑھتے تھے اور ہمیں کوئی برا نہیں کہتا تھا۔ اس پر حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ (یعنی ایک کپڑے میں نماز پڑھنا) اکی وقت تھا جب کہ کپڑوں کی قلت تھی اب کہ اللہ تعالیٰ نے کپڑوں کے بارہ میں وسعت بخش دی تو دو کپڑوں میں ہی نماز پڑھنا بہتر ہے۔" (احمد)

بَابُ السُّتْرَةِ

سترہ کا بیان

یہاں سترہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے نمازی کے سامنے کھڑا کیا جائے جیسے دیوار، ستون، یا لکڑی لوہا وغیرہ۔ نمازی کے آگے سترہ اس لئے کھڑا کیا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے سجود کی جگہ متمیز ہو جائے اور نمازی کے آگے سے گزرنے والا شخص گنہگار نہ ہو۔ سترہ کی لمبائی کم سے کم ایک ہاتھ اور موٹائی کم از کم ایک انگشت ہونا ضروری ہے۔

مقتدیوں کے لئے امام کا سترہ کافی ہے یعنی اگر امام کے آگے سترہ کھڑا ہو تو مقتدیوں کے آگے سے گزرنا جائز ہے اگرچہ ان کے سامنے کوئی چیز حائل نہ ہو۔

امام اور سترہ کے درمیان سے گزر جانا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر ایسی صورت ہو کہ کوئی نمازی پیچھے سے پہلی صف میں خالی جگہ دیکھے تو اس کے لئے جائز ہے کہ پچھلی صفوں کے سامنے سے گزرتا ہو پہلی صف میں خالی جگہ پہنچ کر کھڑا ہو جائے کیونکہ یہ پچھلی صف والوں کا قصور ہے کہ انہوں نے آگے بڑھ کر پہلی صف میں جگہ کو پر کیوں نہ کیا۔ سترہ کے مفصل احکام آگے احادیث کی تشریح کے ضمن میں آئیں گے۔

سترہ کے بارہ میں آنحضور ﷺ کا معمول

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ إِلَى الْمُصَلِّي وَالْفَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ

بِالْمُصَلَّى نِينَ يَذِيهِ فَيُصَلِّي إِلَيْهَا۔ (رواہ البخاری)

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ صبح کے وقت عید گاہ تشریف لے جاتے اور آپ ﷺ کے آگے آگے ایک نیزہ (بھی) لے جایا جاتا جو عید گاہ میں آپ ﷺ کے آگے کھڑا کر دیا جاتا تھا اور آپ ﷺ اس کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھ لیتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: معمول یہ تھا کہ سترہ کرنے اور ڈھیلے وغیرہ توڑنے کے لئے اکثر اوقات خدام آپ ﷺ کے ہمراہ ایک نیزہ لے کر چلتے تھے۔ چنانچہ عید گاہ میں سامنے چونکہ کوئی دیوار وغیرہ نہیں تھی بلکہ میدان ہی میدان تھا اس لئے وہاں بھی آپ ﷺ کے ساتھ نیزہ جاتا تھا جسے آپ ﷺ اپنے سامنے کھڑا کر دیتے تھے۔

اللہ کی تعریف اور سترہ کے سامنے گزرنے کا حکم

② وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ وَهُوَ بِالْأَبْطَحِ فِي قَبْضَةِ حُمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوءَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَتَعَذَّرُونَ ذَلِكَ الْوَضُوءَ فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمْسَحَ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَصِبْ مِنْهُ أَخَذَ مِنْ بَلَلٍ يَدِ سَاحِبِهِ ثُمَّ رَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ عَنَازَةً فَرَكَّهَا وَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خِلْعَةٍ حُمْرَاءَ مُشَقَّرَةٍ إِلَى الْعَنَازَةِ بِالنَّاسِ رَكَعَتَيْنِ وَرَأَيْتُ النَّاسَ وَالْذُّوَابَ يَمْشُونَ بَيْنَ يَدَيِ الْعَنَازَةِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ میں ابطح کے مقام پر آقائے نامدار ﷺ کو سرخ چمڑے کے ایک خیمہ میں دیکھا اور میں نے حضرت بلالؓ کو آنحضرت ﷺ کے وضو کا پچا ہوا پانی لیتے ہوئے دیکھا اور دوسرے لوگوں کو (بھی) میں نے دیکھا کہ وہ پانی حاصل کرنے میں بڑی عجلت کر رہے تھے۔ چنانچہ جس شخص کو اس پانی میں سے کچھ مل گیا اس نے (برکت حاصل کرنے کے لئے) اسے (اپنے بدن اور منہ پر) مل لیا اور جس شخص کو کچھ نہ ملا اس نے ساتھ والے کے ہاتھ کی تری (ی) لے کر مل لی پھر میں نے بلالؓ کو دیکھا کہ انہوں نے نیزہ لے کر اسے گاڑ دیا۔ آنحضرت ﷺ سرخ دھاریدار جوڑا پہنے اور دائیں اٹھائے (خیمہ سے) نکلے اور نیزہ کی طرف کھڑے ہو کر صحابہؓ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور میں دیکھ رہا تھا کہ آدمی اور چوپائے نیزہ کے سامنے آ جا رہے تھے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: ”ابطح“ ایک نالہ کا نام ہے جو مٹا کے راستہ میں مکہ کے قریب ہی واقع ہے اس نالہ کو محصب اور بطحا بھی کہتے ہیں۔ ابطح کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس نالہ میں سنگریزے ہیں۔

”حلقہ“ دو کپڑوں یعنی لنگی اور چادر کو کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جو حلقہ زیب تن فرما رکھا تھا وہ سرخ دھاری دار تھا پورا کپڑا سرخ نہیں تھا جو مردوں کو پہننا مکروہ تحریمی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ سترہ کے سامنے آدمیوں اور چوپاؤں کا گزر نادرست ہے۔

سواری کے جانور اور کجاوہ کی پچھلی لکڑی کو سترہ بنا کر نماز پڑھنا

③ وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْرَضُ رَاحِلَتَهُ فَيُصَلِّي إِلَيْهَا مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فَلَمَّا أَقْرَأْتَ إِذَا هَبَّتِ الرِّيحُ قَالَ كَانَ يَأْخُذُ الرَّاحِلَ فَيَعْدِلُهُ فَيُصَلِّي إِلَيْهَا حَوِيَّةً۔

”اور حضرت نافعؓ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ اپنی سواری کا اونٹ سامنے بٹھا کر اس کی طرف نماز پڑھ لیتے تھے۔ (بخاری و مسلم) اور بخاری نے یہ مزید نقل کیا ہے (نافع کہتے ہیں کہ) میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ جب اونٹ چرنے اور پانی پینے چلے جاتے تھے تو آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے (یعنی ایسی شکل میں آپ ﷺ سترہ کس چیز کو قرار دیتے تھے؟) ابن عمرؓ نے فرمایا (ایسے موقع پر) آپ ﷺ کجاوہ کو ٹھیک کر کے سامنے رکھ لیتے تھے اور اس کی پچھلی لکڑی کی طرف (جو بلند ہونے کی وجہ سے سترہ کا کام دیتی

تھی نماز پڑھ لیتے تھے۔

④ وَعَنْ ظَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَضَعْتَ أَيْدِيكَ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلَ مَوْخَرَةٍ
الْمَخِيلِ فَلْيَصِلْ وَلَا يُبَالِ مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذَلِكَ۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت ظہر ابن عبید اللہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کجاوہ کی پچھلی کلوی کی مانند (کسی چیز کو) سترہ بنا کر رکھ لے تو اسے چاہئے کہ وہ نماز پڑھ لے اور اس (سترہ) کے سامنے سے کوئی گزرے تو اس کی پرواہ نہ کرے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب نمازی سترہ کے قابل کسی چیز کو اپنے سامنے رکھ کر نماز پڑھے اور سترہ کے سامنے سے کوئی گزرے تو اس کا خیال نہ کرے کیونکہ سترہ کی موجودگی میں سامنے سے کسی کا گزرنا نماز کے خشوع و خضوع پر اثر انداز نہیں ہوگا۔ یا ”پرواہ نہ کرے“ کا تعلق گزرنے والے سے ہوگا۔ یعنی اگر نمازی کے آگے سترہ ہو تو اس کے سامنے گزرنے والا شخص کچھ پرواہ نہ کرے کیونکہ سترہ کی موجودگی میں نمازی کے سامنے سے گزرنے کی وجہ سے وہ گنہ گار نہیں ہوگا۔

نمازی کے آگے سے گزر جانا بہت بڑا گناہ ہے

⑤ وَعَنْ أَبِي جَهَنيم قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيْ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنَّى يَقِفُ أَوْ يَمُوتُ خَيْرًا لِمَنَ يَنْتَظِرُ يَدَيْهِ قَالَ أَبُو النَّضْرِ لَا أَدْرِي قَالَ أَوْ يَمُوتُ أَوْ يَشْهَرُ أَوْ سَنَفَةً۔ (تقریب علیہ)

”اور حضرت ابو جہیمؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ اس کی کیا سزا ہے تو وہ نمازی کے آگے سے گزرنے کے بجائے چالیس تک کھڑے رہنے کو بہتر خیال کرے۔ (اس حدیث کے ایک راوی) حضرت ابو نصر کہتے ہیں کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال کہا گیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت امام طحاویؒ نے ”مشکل الآثار“ میں فرمایا ہے کہ، یہاں چالیس سال مراد ہے نہ کہ چالیس مہینے یا چالیس دن۔ اور انہوں نے یہ بات حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے ثابت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ شخص جو اپنے بھائی کے آگے سے اس حال میں گزرتا ہے کہ وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے (یعنی نماز پڑھتا ہے) اور وہ (اس کا گناہ) جان لے تو اس کے لئے اپنی جگہ پر ایک سو برس تک کھڑے رہنا قدم اٹھا کر رکھنے سے بہتر ہوگا۔

بہر حال ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نمازی کے آگے سے گزرنا بہت بڑا گناہ ہے جس کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے کا بڑا گناہ ہے اور اس کی سزا کتنی سخت ہے۔ تو وہ چالیس برس یا حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق ایک سو برس تک اپنی جگہ پر مستقر کھڑے رہنا زیادہ بہتر سمجھے گا۔ نسبت اس کے کہ وہ نمازی کے آگے سے گزرے۔

سترہ اور نمازی کے درمیان سے گزرنے والے کو زبردستی روکنے کا حکم

⑥ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتَوِرُهُ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ أَخَذَ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَقْبَلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ هَذَا الْفَرْقُ الْبَخَارِيُّ وَلَمْ يَسْلِمِ مَعْنَاهُ۔

”اور حضرت ابو سعیدؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی ایسی چیز (یعنی سترہ) کی طرف نماز پڑھے جو اس کے اور لوگوں کے درمیان حائل رہے اور کوئی شخص اس کے آگے سے (یعنی نمازی اور سترہ کے درمیان) سے گزرنے کا ارادہ کرے تو اسے روک دینا چاہئے اگر وہ نہ مانے تو اسے قتل کر دینا چاہئے کیونکہ وہ (ایسی صورت میں) شیطان ہے۔ (حدیث کے الفاظ بخاری کے ہیں)

اور مسلم نے اس روایت کو بالعمی نقل کیا ہے۔

تشریح: ”قتل“ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقۃً ایسے شخص کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہئے بلکہ قتل سے مراد یہ ہے کہ چونکہ نمازی کے آگے سے گزرنا بہت برا ہے اس لئے اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے تو اسے پوری طاقت و قوت کے ساتھ گزرنے سے روک کر اسے اتنی بڑی غلطی کے ارتکاب سے بچایا جائے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو کسی ایسی چیز کے ذریعہ روکا جائے جس کا استعمال اس روکنے کے سلسلہ میں جائز ہو اور اس روک تھام میں اگر گزرنے والا شخص مر جائے تو علماء کے نزدیک متفقہ طور پر اس کا قصاص نہیں ہوگا۔ ہاں دیت کے واجب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ بعض علماء کہتے ہیں کہ ایسی شکل میں دیت واجب ہوگی اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ واجب نہیں ہوگی۔

حدیث میں ایسے شخص کو شیطان کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے چونکہ اس شخص کو بہکا کر اس غلط کام کو کرنے پر مجبور کیا لہذا وہ شخص اس شیطانی کام کے کرنے کی بناء پر بمنزلہ شیطان کے ہوا۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا غلط کام کرنے والا شخص انسانوں کا شیطان ہے اس لئے کہ شیطان کے معنی سرکش کے ہیں خواہ انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے ہو اسی لئے شریر النفس آدمی کو شیطان اس کہا جاتا ہے۔

سترہ نماز کی محافظت کرتا ہے

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْطَعُ الصَّلَاةُ الْمَرْأَةَ وَالْجِمَارَ وَالْكَلْبَ وَيَقْبِضُ ذَلِكَ مِثْلَ مُوْخَرَةِ الزَّخْلِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آگے نامدار ﷺ نے فرمایا: عورت، گدھا اور کتا (نمازی کے آگے سے گزرنے کی صورت میں) نماز کو باطل کر دیتے ہیں اور کچاد کی پھلی لکڑی کی مانند کسی چیز کو (نمازی کے آگے سترہ بنا کر رکھ لینا) نماز کے اس باطل کر دینے کو بچا لیتا ہے۔“

تشریح: نمازی کے آگے سے گزرنا نماز کو باطل نہیں کرتا: جمہور علمائے صحابہ و غیرہم کا یہ مذہب ہے کہ کوئی چیز یا کوئی شخص اگر نمازی کے آگے سے گزر جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی خواہ مذکورہ بالا تینوں چیزیں ہوں یا ان کے علاوہ کچھ اور ہوں۔ جہاں تک اس حدیث یا اسی طرح کی دوسری احادیث کا تعلق ہے سب دراصل نمازی کے سامنے سترہ کھڑا کرنے کی اہمیت اور تاکید بیان کرنے میں مبالغہ کے طریقہ پر ہیں۔ یا اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ تین چیزیں ایسی ہیں جو اگر نمازی کے آگے سے گزریں تو نماز میں خشوع و خضوع اور حضورؐ کی قلب کو کھودیتی ہیں جو درحقیقت نماز کی اصل اور روح ہیں۔ یا پھر اس سے یہ مراد بھی لی جاسکتی ہے کہ نمازی کے آگے سے ان چیزوں کے گزرنے سے چونکہ نماز کا دل ان کی طرف ہٹ جاتا ہے اور اس کا دل ان چیزوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس لئے نماز بھی بطلان کے قریب پہنچ جاتی ہے۔

عورت، گدھے اور کتے کی تخصیص کی وجہ: حدیث سے بظاہر تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نمازی کے آگے سے صرف ان تین چیزوں کے گزر جانے سے نماز پر اثر پڑ سکتا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر چیزوں کے گزرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان مذکورہ تین چیزوں کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ ان کی طرف دل بہت زیادہ متوجہ ہو جاتا ہے چنانچہ عورت کی حیثیت تو ظاہری ہے گدھے کا معاملہ بھی یہ ہے کہ گدھے کے ساتھ چونکہ اکثر و بیشتر شیاطین رہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کے پیچنے کے وقت اعوذ پڑھنا مستحب ہے اس لئے جب گدھا نمازی کے آگے سے گزرے گا تو نماز کا دل اس احساس کی بناء پر کہ اس کے ہمراہ شیاطین ہوں گے گدھے کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ یا ایسے ہی کتانہ صرف یہ کہ نجس عین ہوتا ہے بلکہ اس سے تکلیف پہنچنے کا بھی خطرہ رہتا ہے اس لئے اس کے گزرنے کی

صورت میں بھی ذہن پوری تیزی کے ساتھ اس کی طرف بھٹک جاتا ہے۔

نمازی کے آگے عورت کے آجانے سے نماز باطل نہیں ہوتی

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ وَأَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ كَمَا مُعْتَرِضُ الْجَنَازَةِ - (متن علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ رات میں نماز پڑھتے رہتے تھے اور میں آپ ﷺ کے اور قبلہ کے درمیان (یعنی آپ ﷺ کے سامنے) اس طرح پڑی رہتی تھی۔ جیسے جنازہ نمازیوں کے آگے رکھا رہتا ہے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: جنازہ کی مثال دے کر اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول ہوتے تھے میں اس وقت آپ ﷺ کے سامنے کسی گوشہ وغیرہ میں نہیں پڑی رہتی تھی بلکہ آپ ﷺ کے سامنے پوری طرح لیٹی رہتی تھی اور اس کے باوجود آپ ﷺ نماز پڑھتے رہتے تھے۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں نمازی کے آگے عورت کے آجانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

نمازی کے آگے سے گدھی وغیرہ کا گزر نماز کو باطل نہیں کرتا

⑨ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى آتَانٍ وَأَنَا بِمَيْدَانٍ فَلَمَّا هَوَيْتُ الْإِحْتِلَامَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ بِمَيْمَنِي إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَزْتُ بَيْنَ يَدَيَّ بَعْضَ الصَّغِيرِ فَتَزَلَّتْ وَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَزَوَّعًا وَدَخَلْتُ فِي الصَّغِيرِ فَلَمْ يَنْكِرْ ذَلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن جب کہ میں بالغ ہونے کے قریب تھا گدھی پر بیٹھا ہوا آیا اور آقائے نامدار ﷺ منجھ میں لوگوں کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ کے آگے کوئی دیوار نہیں تھی (یعنی آپ ﷺ نے کوئی سترہ نہیں کھڑا کر رکھا تھا) میں بعض صف کے سامنے سے گزرا، پھر گدھی سے اتر کر اسے چھوڑ دیا وہ چرنے لگی اور میں صف میں داخل ہو گیا اور مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس واقعہ کو بیان کرنے سے حضرت ابن عباسؓ کا یہ بتانا مقصود ہے کہ نمازیوں کے آگے سے گدھی کے گزر جانے سے نماز باطل نہیں ہوئی۔ اس وقت حضرت ابن عباسؓ چونکہ بالغ نہیں تھے اس لئے جب وہ نمازیوں کے آگے سے گزرے تو انہیں کسی نے روکا نہیں۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

عصا کو سترہ کے طور پر گاڑنے کے بجائے سامنے رکھ لینے میں علماء کا اختلاف

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتَ أَخَذْتُكُمْ فَلْيَجْعَلْ بِلِقَاءِ وَجْهِهِ شَيْئًا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصَاهُ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ عَصَا فَلْيَبْخُطْ خَطَاطِمًا لَا يَبْصُرُهُ مَأْمُورٌ أَمَامَهُ - (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

”حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنا چاہے تو اپنے منہ کے سامنے کچھ (مثلاً دیوار و ستون وغیرہ) کر لے اور اگر کچھ نہ ملے تو اپنا عصا (یعنی کھڑا کر لیا کرے) اور اگر اس کے پاس عصا بھی نہ ہو تو ایک لکیر ہی کھینچ لیا کرے پھر اس کے آگے کوئی گزر جائے تو کچھ نقصان نہ ہوگا (یعنی خشوع و خضوع میں غفل نہیں پڑے گا۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح :- حدیث اس بات کی اجازت دے رہی ہے کہ اگر کسی نمازی کو کوئی ایسی چیز دستیاب نہ ہو جو سترہ کے طور پر کام دے سکے تو وہ اپنے عصا کو اپنے سامنے سترہ بنا کر کھڑا کر لے۔ اب اس سلسلہ میں اتنی اور سہولت دی گئی ہے کہ اگر زمین نرم ہو تو عصا کو زمین میں گاڑ دیا جائے اور اگر زمین سخت ہو کہ عصا کو گاڑنا مشکل ہو تو پھر اس شکل میں عصا کو گاڑنے کے بجائے اپنے سامنے طولا رکھ لیا جاوے تاکہ گاڑنے کی مشابہت حاصل ہو جائے۔

فقہ کی کتاب شرح منیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی اپنے عصا کو سترہ کے طور پر بجائے زمین میں گاڑنے کے اپنے سامنے رکھ لے تو بعض علماء کے نزدیک تو اس کے لئے یہ سترہ کے طور پر کافی ہو جائے گا۔ یعنی سترہ کا حکم پورا ہو جائے گا مگر بعض علماء کے نزدیک یہ سترہ کے طور پر کافی نہیں ہوگا۔

کتاب میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی سترہ کے طور پر عصا کو بجائے گاڑنے کے سامنے رکھنا چاہے تو اسے عصا کو طولا رکھنا چاہئے نہ کہ عرضاً۔

سترہ کے لئے کوئی بھی چیز موجود نہ ہونے کی شکل میں سامنے صرف لکیر کھینچ لینے میں علماء کا اختلاف : اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہو رہی ہے کہ اگر کسی نمازی کو سترہ بنانے کے لئے کوئی چیز نہ ملے یہاں تک کہ اس کے پاس عصا بھی نہ ہو تو وہ اپنے سامنے صرف لکیر کھینچ کر نماز پڑھ لے اس کے لئے یہی لکیر سترہ بن جائے گی۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے بلکہ حنفیہ میں بھی بعد کے بعض علماء نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔

حنفیہ کے اکثر علماء اور حضرت امام مالکؒ اس کے قائل نہیں ہیں کیونکہ ان کے نزدیک لکیر کھینچ لینا معتبر نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے بھی قول جدید میں اپنے پہلے مسلک کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے وہ ضعیف اور مضطرب ہے۔ نیز یہ کہ نمازی اور سامنے سے گزرنے والے کے درمیان سترہ کے طور پر صرف لکیر کا حائل ہونا نہ صرف یہ کہ کوئی اعتبار نہیں رکھتا بلکہ دور سے معلوم و تمیز بھی نہیں ہوتا۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔ حضرت شیخ ابن الہمامؒ کے قول کا مفہوم بھی یہی ہے کہ لکیر کھینچنے کے بجائے سترہ کھڑا کرنا ہی اتباع سنت کی بناء پر اولیٰ اور بہتر ہے کیونکہ سامنے کھڑا ہوا سترہ پوری طرح ظاہر ہونے کی وجہ سے احتیاز بھی رکھتا ہے اور نمازی کے دل کو خشوک و شبہات سے نکال کر سکون خاطر اور اطمینان قلب کا باعث ہوتا ہے۔

اس کے بعد علماء نے وصف خط میں بھی اختلاف کیا ہے کہ لکیر کس طرح کھینچی جائے چنانچہ بعض علماء کے نزدیک لکیر شکل ہلال کھینچی چاہئے۔ اور بعض حضرات نے جانب قبلہ طولا کھینچنے کو لکھا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ لکیر عرضاً دائیں طرف سے بائیں طرف کو کھینچی جائے اور مختار طولا ہی کھینچنا ہے۔

سترہ کو قریب کھڑا کرنا چاہئے

⑪ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَنْظَلَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتَ أَخَذْتُكُمْ إِلَى سِتْرَةٍ فَلْيَبْدُؤْ بِهَا لَا يَقْطَعِ الشَّيْطَانُ صَلَاتَكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت سہل ابن حنظلہؒ کہتے ہیں کہ آگائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص سترہ کی طرف نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ سترہ کے قریب رہے تاکہ شیطان اس کی نماز نہ توڑے۔“ (ابوداؤد)

تشریح :- ”سترہ کے قریب“ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ سترہ اتنے نزدیک کھڑا کیا جائے کہ سجدہ اس کے پاس ہو سکے تاکہ شیطان اس کی نماز میں کوئی خلل نہ ڈال سکے کیونکہ نمازی اگر سترہ سے دور کھڑا ہو گا تو اس کے سامنے سے کسی کے گزرنے کا احتمال ہوگا۔ چنانچہ شیطان ایسی صورت میں اس کے دل میں وسوساں و شبہات کے بیج بوئے گا جس سے حضوری قلب میں فرق آجائے گا۔ اور نماز میں حضوری قلب کی

دولت میسر نہیں رہی تو گویا اس کی نماز ٹوٹ گئی اس لئے کہ نماز کا کمال اور ثواب بغیر حضوری قلب کے حاصل نہیں ہوتا لہذا سترہ کے قریب کھڑا ہونے کی وجہ سے اس آفت سے حفاظت حاصل ہوگی۔

سترہ پیشانی کے عین سامنے نہ کھڑا کرنا چاہئے

(۱۲) وَعَنِ الْمُقَدَّادِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيَ إِلَى غُودٍ وَلَا عُمُودٍ وَلَا شَجَرَةٍ
الْأَجْعَلَةَ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ أَوْ لَا يُسَرُّ وَلَا يَضْمُدُ لَهُ صَفْعًا - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت مقداد ابن اسودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقاؐ کے نامدارؓ کو بھی نہیں دیکھا کہ آپؐ لکڑی، ستون یا درخت کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھتے ہوں اور یہ چیزیں ٹھیک آپؐ کے سامنے کھڑی ہوں بلکہ وہ آپؐ کی دائیں یا بائیں بھوؤں (ابروں کے سامنے ہوتی تھیں اور آپؐ ان کی سیدھ کا قصد نہ کرتے تھے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آپؐ سترہ کھڑا کرتے تھے تو اس بات کا بطور خاص خیال رکھتے تھے کہ سترہ پیشانی کے عین سامنے نہ ہو بلکہ آپؐ سترہ کو دائیں یا بائیں بھوؤں کے سامنے کھڑا کرتے تھے اور اس سے آپؐ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ بت پرستی کی مشابہت نہ ہو۔

نمازی کے سامنے سے کتے اور گدھے وغیرہ کا گزرنا نماز کو باطل نہیں کرتا

(۱۳) وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ آتَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي بَادِيَةٍ لَنَا وَمَعَهُ عَبَّاسٌ فَصَلَّى فِي
صَحْرَاءَ لَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ شَجَرَةٌ وَحِمَارَةٌ لَنَا وَكَلْبَةٌ تَغْبِطَانِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَا بَالِي بِذَلِكَ - (رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی و تھو)

”اور فضل ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آقاؐ کے نامدارؓ (ایک دن) ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ ہم اپنے جنگل میں (خیمہ زن) تھے حضرت عباسؓ بھی آپؐ کے ہمراہ تھے چنانچہ آپؐ نے جنگل میں نماز (اس طرح) پڑھی کہ آپؐ کے سامنے سترہ نہیں تھا۔ ہماری گدی اور کتیا آپؐ کے سامنے کھیل رہی تھیں مگر آپؐ نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی۔“ (ابو داؤد، نسائی)

تشریح: اہل عرب کا دستور تھا کہ وہ لوگ چند دنوں کے لئے جنگل میں خیمہ زن ہو کر جایا کرتے تھے اور وہاں رہا کرتے تھے۔ ہر جماعت کا اپنا اپنا متعین جنگل ہوتا تھا چنانچہ حضرت عباسؓ کا بھی ایک جنگل تھا۔ جن ایام میں وہ اپنے جنگل میں خیمہ زن تھے۔ آنحضرتؐ ان کے پاس تشریف لے گئے راوی وہیں کا بیان کر رہے ہیں۔

اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے سامنے سے اگر گدھے اور کتے وغیرہ گزر جائیں تو نماز باطل نہیں ہوتی، جہاں یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ گزر گاہ پر نماز پڑھنے کی شکل میں نمازی کو اپنے آگے سترہ کھڑا کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

نمازی کے سامنے سے کسی کے گزرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی

(۱۴) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ وَأَذْرَأُ أَوْ أَمَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنَّمَا هُوَ
شَيْطَانٌ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ آقاؐ کے نامدارؓ نے فرمایا۔ نمازی کے آگے سے گزرنے والی کوئی بھی چیز نماز کو نہیں توڑتی (تاہم اگر کوئی نمازی کے آگے سے گزرے تو نماز میں خشوع و خضوع برقرار رکھنے کی خاطر، تم حتی الامکان اسے روکو کیونکہ وہ گزرنے والا شیطان ہے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: اس حدیث نے بھی بصراحت اس کو واضح کر دیا کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والی کوئی بھی چیز نماز کو باطل نہیں کرتی چاہے وہ عورت، کتا، اور گدھائی کیوں نہ ہو۔ (دیکھئے حدیث نمبر ۷)۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑮ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَنَا مِمَّنْ يَذِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجُلًا فِي قِبْلَتِهِ فَإِذَا مَسَحَ عَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رَجُلِي وَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهَا قَالَتْ وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ - (مشق علیہ)

”حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں آٹائے نامدار ﷺ کے سامنے (اس طرح سوئی رہتی تھی کہ) میرے دونوں پیر آپ ﷺ کے قبل کی طرف (یعنی آپ ﷺ کے سجدہ کرنے کی جگہ) ہوتے تھے۔ جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تھے تو مجھے (یعنی پیروں کو) دبا دیتے تھے میں پیروں کو سمیٹ لیتی تھی اور جب آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے تھے تو میں پھر پیر پھیلا دیتی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان دنوں میں گھر کے اندر چراغ نہیں تھے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ سے حضرت عائشہؓ اپنا یہ عذر بیان کرنا چاہتی ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے سجدہ کرنے کی جگہ پیر اس لئے پھیلائے رکھتی تھی کہ چراغ نہ ہونے کی وجہ سے مجھے کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔ جہاں تک حضرت عائشہؓ کے اس عمل کا تعلق ہے کہ جب آپ ﷺ ان کا پیر دبا دیتے تھے تو وہ اپنا پیر سمیٹ لیتی تھیں اور جب آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے تھے تو وہ اپنے پیر پھیلا دیتی تھیں تو یہ آنحضرت ﷺ کی تقریر یعنی ان کے اس عمل پر آنحضرت ﷺ کی جانب سے نکیر نہ ہونے کی بناء پر تھا۔

نمازی کے آگے سے گزرنا جرم عظیم ہے

⑯ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُكُمْ مَالَهُ فِي أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْ أَخِيهِ مُعْتَرِضًا فِي الصَّلَاةِ كَانَ لَأَنْ يُقِيمَ جَانَّةَ عَامٍ خَيْرٌ لَهُ مِنَ الْخَطْوَةِ الَّتِي خَطَا - (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آٹائے نامدار ﷺ نے فرمایا، اگر تم میں سے کوئی یہ جان لے کہ اپنے مسلمان بھائی کے سامنے سے جب کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو عرضاً گزرنا کتنا برا گناہ ہے تو اس کے لئے سو برس تک کھڑے رہنا ایک قدم آگے بڑھانے سے بہتر معلوم ہو۔“ (ابن ماجہ)

⑰ وَعَنْ كَعْبِ الْأَخْبَارِ قَالَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَأْرُؤَيْنِ يَدِي الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يُخَسَفَ بِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَفِي رِوَايَةِ أَهْلُونَ عَلَيْهِ - (رواہ مالک)

”اور حضرت کعب اخبارؓ فرماتے ہیں کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ (اس کے اس جرم کی) سزا کیا ہے تو اس کو اپنا زمین میں دھنسیا جانا نمازی کے آگے سے گزرنے سے زیادہ بہتر معلوم ہو۔ اور ایک روایت میں بجائے ”بہتر“ کے ”زیادہ آسان“ کا لفظ ہے۔“ (مالک)

نمازی کے آگے سے کتنی دوری پر گزرنا چاہئے

⑱ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتَ أَحَدُكُمْ إِلَى غَيْرِ الشُّعْرَةِ فَإِنَّهُ يَقْطَعُ صَلَاتَهُ الْحِمَامُ وَالْخَنَزِيرُ وَالْيَهُودِيُّ وَالْمَجُوسِيُّ وَالْمَرْأَةُ وَتُجْزَى عَنْهُ إِذَا مَرَّ أَيْنَ تَذِيهِ عَلَى قَدْفَةٍ بِخَبَرٍ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ آٹائے نامدار ﷺ نے فرمایا، تم میں سے جو شخص بغیر سترہ کے نہ ہڈ پڑھے گا تو اس کی نماز اس کے

سامنے سے گدھے، خنزیر، یہودی، مجوسی اور عورت کے گزرنے سے لوٹ جائے گی ہاں اگر یہ ایک پتھر پھینکنے کی مسافت کے فاصلہ سے گزریں تو کچھ حرج نہیں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ پھینکنے کے بعد پتھر جتنی دور جا کر گرتا ہے اتنے فاصلہ کے بعد سے یہ مذکورہ چیزیں اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزریں تو کچھ حرج نہیں ہے یعنی نماز میں کوئی خلل و قصور نہیں آتا۔

علماء نے لکھا ہے کہ پتھر پھینکنے سے مراد حج میں رمی جمار ہے یعنی حج میں مناروں پر جو کتکر اور جس فاصلہ سے مارے جاتے ہیں اور جس کی مقدار تین ہاتھ لکھی ہے وہی یہاں مراد ہے۔

اس حدیث کی تاویل بھی وہی ہوگی جو اسی باب کی حدیث نمبر سات کی تشریح کے ضمن میں کی جا چکی ہے کہ نماز ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟۔

بَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ

صفت نماز کا بیان

اس باب کے ذیل میں وہ احادیث نقل کی جا رہی ہیں جن سے نماز پڑھنے کی ترکیب معلوم ہوگی کہ نماز کس طرح پڑھی جائے؟ اور نماز کے ارکان و اجزاء کیا ہیں؟۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ إِزْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَوَجَعَ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ إِزْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِي الثَّلَاثَةِ أَوْفَى الَّتِي بَعْدَهَا عَلِمْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تيسَّرَ مِنْ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَظْمَنَ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَظْمَنَ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَظْمَنَ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَظْمَنَ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا۔ (بخاری)

”حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ (پہلے) اس نے نماز پڑھی، اس طرح کہ تعادل ارکان اور قومہ و جلسہ کی رعایت نہیں کی۔ پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا ”جاؤ اور پھر نماز پڑھو اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی“ وہ چلا گیا اور جس طرح پہلے نماز پڑھی تھی اسی طرح پھر نماز پڑھی اور آپ ﷺ کی خدمت میں آکر سلام عرض کیا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب دے کر پھر اس سے فرمایا کہ ”جاؤ نماز پڑھو اس لئے کہ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں“ (اس طرح تین مرتبہ ہوا) تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ اس شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے سکھاد دیجئے کہ نماز کس طرح پڑھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو (پہلے) اچھی طرح وضو کر لو۔ پھر قبلہ

کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر تکبیر کو پھر قرآن کی جو (سورت وغیرہ) تمہیں آسان معلوم ہو اسے پڑھو پھر طہانیت کے ساتھ رکوع کرو پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر طہانیت کے ساتھ سجدہ کرو پھر سر اٹھاؤ اور طہانیت کے ساتھ بیٹھ جاؤ پھر طہانیت کے ساتھ (دوسرا) سجدہ کرو پھر سر اٹھاؤ اور طہانیت کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”پھر سر اٹھاؤ اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ“ (اس روایت میں جلسہ استراحت کا ذکر نہیں) پھر اپنی تمام نماز اسی طرح ادا کرو۔ ”بخاری و مسلم“

تشریح: طہانیت کا مطلب یہ ہے کہ رکوع و سجود وغیرہ میں اس طرح پوری دہمچی اور سکون خاطر کے ساتھ ٹھہرا جائے کہ بدن کے تمام جوڑ اپنی جگہ اختیار کر لیں اور ان ارکان میں جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں وہ پورے اطمینان کے ساتھ پڑھی جائیں۔

رکوع و سجود وغیرہ میں طہانیت فرض ہے یا واجب؟ حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد، اور حضرت امام ابو یوسفؒ اس حدیث کے پیش نظر رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ میں طہانیت کی فرضیت کے قائل ہیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے طہانیت کے فقدان کی بناء پر نماز کی نفی فرمائی ہے اور یہ چیز فرضیت کی علامت ہے کہ ایک فعل اس کے نہ ہونے سے فتنی اور باطل ہو جائے لہذا یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ارکان میں طہانیت اختیار نہیں کی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی جس کا اعادہ ضروری ہو گا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک رکوع و سجود میں طہانیت واجب ہے اور قومہ و جلسہ میں سنت ہے یہ حضرات اس حدیث کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ یہاں نماز کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ نماز کے کمال کی نفی مراد ہے کیونکہ اس حدیث کے آخری الفاظ جو البوراذ، التزیدی اور نسائی میں منقول ہیں یہ ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ ”اگر تم نے اسے (یعنی طہانیت کو) پورا کیا تو تمہاری نماز مکمل ہوئی اور اس میں سے تم نے جو کچھ کم کیا تو تم نے اپنی نماز ناقص کی۔ لہذا اس طرح کا حکم وجوب اور سنت کی علامت ہے کہ اس کے بغیر فعل ناقص و ناقص ہوتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو نماز کا اعادہ کرنے کا حکم اس لئے نہیں دیا تھا کہ اس کی نماز سرے سے ہوئی ہی نہیں تھی بلکہ اس اعادہ کے حکم کا مطلب یہ تھا کہ نماز پورے کمال اور بغیر کسی کراہیت و نقصان کے ادا ہوئی چاہئے۔ اور اگر طہانیت فرض ہوئی تو آپ ﷺ اس کو شروع ہی میں منع کر کے نماز پڑھنے سے روک دیتے اور اس کو بغیر نقص کے نماز نہ پڑھنے دیتے۔

اس حدیث سے چند باتوں کی طرف اشارہ ملتا ہے پہلی چیز تو یہ کہ عالم اور صالح کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ کسی جاہل اور غلط کام کرنے والے کو نہایت نرمی اور اخلاق کے ساتھ سمجھائے اور اس کے ساتھ نصیحت کا ایسا نرم معاملہ کرے کہ وہ شخص اس کی بات کو ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے پر خود مجبور ہو جائے کیونکہ بسا اوقات نصیحت کے معاملہ میں بد اخلاقی و ترش روئی اصلاح و سد عار پیدا کرنے کی بجائے اور زیادہ ضد و ہمت و ہری اور گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔ دوسری چیز یہ ثابت ہوتی ہے کہ ملاقات کے وقت اگرچہ وہ مکرر اور تھوڑی دیر کے بعد ہی ہو سلام کرنا مستحب ہے۔ تیسری چیز یہ ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی نماز کے واجبات میں کچھ خلل و نقصان پیدا کرے تو اس کی نماز صحیح اور انہیں ہوتی اور وہ حقیقی معنی میں نمازی نہیں کہلاتا بلکہ اس کے بارہ میں یہی کہا جائے گا کہ اس شخص نے نماز نہیں پڑھی۔ پہلی روایت میں جلسہ استراحت یعنی پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے اٹھ کر بیٹھنے کا بھی ذکر کیا گیا ہے چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک جلسہ استراحت سنت ہے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک سنت نہیں ہے اس کی مفصل تحقیق انشاء اللہ آگے آئے گی۔

آنحضرت ﷺ کی نماز کا طریقہ

۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَكَانَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْغَصْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّنْهُ وَلَكِنْ يَنْزِلُ ذَلِكَ وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ يَسْجُدْ

حَتَّى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُولُ فِي كُلِّ رُكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَكَانَ يَغْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى وَكَانَ يَنْهَى عَنْ غَفْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهَى أَنْ يَغْرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ الْفُتْرَاشَ السَّيِّعَ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيمِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نماز تو تکبیر سے اور قرأت الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے اور آپ جب رکوع کرتے تھے تو اپنا سر مبارک نہ تو (بہت زیادہ) بلند کرتے تھے اور نہ (بہت زیادہ) پست بلکہ درمیان درمیان رکھتے تھے (یعنی بیٹھ اور گردن برابر رکھتے تھے) اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بغیر سیدھا کھڑے ہوئے سجدہ میں نہ جاتے تھے اور ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات پڑھتے تھے اور (اور بیٹھنے کے لئے) اپنا پایاں پیر بچھاتے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے اور آپ عقبہ شیطان (یعنی شیطان کی بیٹھک) سے منع فرماتے تھے اور مرد کو دونوں ہاتھ سجدہ میں اس طرح بچھانے سے بھی منع کرتے تھے جس طرح درندے بچھالیتے ہیں اور آپ ﷺ نماز کو سلام پر ختم فرماتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ آنحضرت ﷺ نماز تو تکبیر سے شروع فرماتے تھے اور قرأت کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے۔ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ ﷺ بسم اللہ آہستہ سے پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت امام اعظمؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔ قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ اور اس میں ائمہ کا اختلاف: وکان یغْرِش رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى (یعنی آپ ﷺ بیٹھنے کے لئے اپنا پایاں پیر بچھاتے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے) اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ دونوں قعدوں میں اسی طرح بیٹھتے تھے چنانچہ حضرت امام اعظمؒ کا یہی مسلک ہے کہ دونوں قعدوں میں اسی طرح بیٹھنا چاہئے۔

آئندہ آنے والی حدیث جو حضرت ابو حمید ساعدیؓ سے منقول ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پہلے قعدہ میں افتراش (یعنی پاؤں بچھانا ہی اختیار کرتے تھے مگر دوسرے قعدہ میں تورک یعنی (کوہلوں پر بیٹھنا) اختیار فرماتے تھے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے کہ پہلے قعدہ میں تو افتراش ہونا چاہئے اور دوسرے قعدہ میں تورک۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک دونوں قعدوں میں تورک ہی ہے اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ جس نماز میں دو تشہد ہوں تو اس کے آخری تشہد میں تورک ہونا چاہئے اور جس نماز میں ایک ہی تشہد ہے اس میں افتراش ہونا چاہئے۔

امام اعظمؒ کے مسلک کی دلیل: بنیادی طور پر حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کی دلیل یہی حدیث ہے نہ صرف یہی حدیث بلکہ اور بہت سی احادیث وارد ہیں جن میں مطلقاً پاؤں کے بچھانے کا ذکر ہے۔ نیز یہ بھی وارد ہے کہ تشہد میں سنت یہی ہے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ بغیر پہلے اور دوسرے قعدہ کی قید کے تشہد میں اسی طرح بیٹھا کرتے تھے۔ پھر دوسری چیز یہ بھی ہے کہ تشہد میں بیٹھنے کا جو طریقہ امام اعظمؒ نے اختیار کیا ہے وہ دوسرے طریقوں کے مقابلہ میں زیادہ بامشقت اور مشکل ہے اور احادیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ اعمال میں زیادہ افضل و اعلیٰ عمل وہی ہے جس کے کرنے میں مشقت اور دشواری زیادہ برداشت کرنی پڑے۔

جن احادیث میں آنحضرت ﷺ کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ دوسرے قعدہ میں کوہلوں پر بیٹھتے تھے۔ جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے وہ اس بات پر محمول ہے کہ آنحضرت ﷺ حالت ضعف اور کبر سن میں اس طرح بیٹھتے تھے کیونکہ دوسرے قعدہ میں زیادہ دیر تک بیٹھنا ہوتا ہے اور کوہلوں پر بیٹھنا زیادہ آسان ہے۔

عقبہ شیطان کا مطلب: عقبہ شیطان دراصل ایک خاص طریقہ سے بیٹھنے کا نام ہے جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ دونوں کوہلوں پر زمین پر ٹیک کر دونوں پنڈلیاں کھڑی کر لی جائیں پھر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر بیٹھا جائے جس طرح کہ کتے بیٹھا کرتے ہیں۔ قعدہ میں بیٹھنے کا یہ طریقہ اختیار کرنا متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔ علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ عقبہ شیطان کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کوہلوں

دونوں ایڑیوں پر رکھے جائیں۔ یہ معنی لفظ عقیدہ کی رعایت سے زیادہ مناسب ہیں۔

آپ ﷺ نے مرد کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ سجدہ کی حالت میں زمین میں اپنے دونوں ہاتھ اس طرح بچھائے جس طرح درندے یعنی کتے وغیرہ بچھاتے ہیں اس سلسلہ میں مرد کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ کے وقت عورتوں کو اس طرح ہی دونوں ہاتھ بچھانے چاہیں کیونکہ اس طرح عورت کے جسم کی نمائش نہیں ہوتی۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب بالکل صاف ہے کہ آپ ﷺ نماز کا اختتام سلام پر فرماتے تھے۔ مگر اتنی بات سن لیجئے کہ نماز میں سلام پھیرنا حقیقہ کے نزدیک تو واجب ہے مگر حضرات شوافع کے نزدیک فرض ہے۔

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے؟

(۳) وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَحْفَظُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَيْتُهُ إِذَا كَثُرَ جَعَلَ يَذِيهِ جَذَاءً مَنَكِبَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ أَمَكَّنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَضَرَ ظَهْرَهُ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوَى حَتَّى يَغُودَ كُلُّ فَقَّارٍ مَكَانَهُ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَوِّشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَظْوَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ فَإِذَا جَلَسَ فِي الرُّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلَيْهِ الْبِشْرَى وَنَصَبَ الْيُسْنَى فَإِذَا جَلَسَ فِي الرُّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْبِشْرَى وَنَصَبَ الْآخَرَى وَقَعَدَ عَلَى مَقْعَدَيْهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو حمید ساعدیؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے آگے نامہ ار ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت میں فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ نماز کو تم میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب آپ ﷺ تکبیر کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع میں جاتے تھے تو اپنے دونوں زانو ہاتھوں سے مضبوط پکڑتے تھے اور اپنی پیٹھ جھکا دیتے تھے (تاکہ گردن کے برابر ہو جائے) اور جب اپنا سر (رکوع سے) اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ سارے جوڑ اپنی اپنی جگہ پر آ جاتے تھے اور جب سجدہ میں جاتے تو دونوں ہاتھ زمین پر (منہ کے بل) رکھ دیتے تھے اور انہیں نہ پھیلاتے تھے اور نہ (بیلو کی طرف) بیٹھتے تھے اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف سامنے رکھتے تھے اور جب دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بیٹھتے تھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے اور جب آخری رکعت پڑھ کر بیٹھتے تھے تو بائیں پاؤں کو آگے نکال دیتے اور دوسرے (یعنی دائیں) پاؤں کو کھڑا کر کے کولہ پر بیٹھ جاتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جب تکبیر کہتے تھے تو اپنے ہاتھ اپنے مونڈھوں کے برابر اٹھاتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کانوں کی لو کے مقابل تک اٹھانا چاہئے کیونکہ دیگر احادیث میں اسی طرح مروی ہے اور چونکہ بعض روایات میں ان دونوں سے الگ ایک تیسرا طریقہ یعنی ہاتھوں کو کانوں کی اوپر کی جانب تک اٹھانا بھی آیا ہے۔ اس لئے امام اعظمؒ نے نہ تو کانوں کے نیچے یعنی مونڈھوں تک اٹھانے کے طریقہ کو اختیار کیا اور نہ کانوں کے اوپر کی جانب تک اٹھانے کے طریقہ کو اختیار کیا بلکہ درمیانی طریقہ اختیار کیا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے ان روایات کی تطبیق کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اس طرح اٹھانا چاہئے کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں تو کانڈھوں کے مقابل رہیں انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل اور انگلیوں کے سرے کان کے اوپر کے حصے پر رکھے جائیں تاکہ اس طریقہ سے تمام احادیث پر عمل ممکن ہو جائے اور روایتوں میں کوئی اختلاف کی گنجائش نہ رہ جائے۔ ان احادیث میں ایک دوسری تطبیق یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ احادیث مختلف اوقات سے متعلق ہیں یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت بھی تو آپ ﷺ اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہوں گے

اور کبھی اس طرح۔

آپ ﷺ کے رکوع کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ دونوں ہاتھوں سے دونوں زانو مضبوطی سے پکڑ لیتے تھے اور انگلیوں کو کشادہ رکھتے تھے اور پھر گردن مبارک کو جھکا کر بالکل پیٹھ کے برابر کر دیتے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ رکوع میں تو انگلیاں کشادہ رکھنی چاہئیں اور سجدہ میں ملی ہوں نیز تکبیر تحریمہ اور تشهد میں ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہئے۔

سجدہ میں زمین پر ہاتھ رکھنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کی حالت میں انگلیاں اور ہتھیلیاں زمین پر پھیلا دینی چاہئیں اور پیچھے اٹھے ہوئے اور پہلو اس طرح الگ رکھنے چاہئیں کہ اگر کمری کا بچہ چاہے تو نیچے سے گزر جائے۔

اس حدیث میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ قومہ سے سجدہ میں جانے کے وقت زمین پر پہلے زانو رکھے جائیں یا ہاتھ تو اس سلسلہ میں صحیح مسئلہ یہ ہے کہ درست تو دونوں طریقے ہیں لیکن اکثر ائمہ کے نزدیک افضل اور مختار یہی ہے کہ زمین پر پہلے زانو رکھا جائے۔

رفع یدین

﴿وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا كَثَّرَ لِلرُّكُوعِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَرَفَعَهُمَا كَذَلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ﴾۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے نیز جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی اسی طرح دونوں ہاتھ (مونڈھوں تک) اٹھاتے اور (رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے) کہتے سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ۔ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ (اللہ نے اس شخص کو سن لیا یعنی اس کی تعریف قبول کر لی جس نے اس کی حمد بیان کی۔ اے ہمارے پروردگار تعریف تو تیرے ہی لئے ہے) اور آنحضرت ﷺ سجدوں میں ایسا نہیں کرتے تھے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کا مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار دنیا کی تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی کسی شخص کی تعریف کرتا ہے تو وہ درحقیقت تیری ہی تعریف کرتا ہے کیونکہ سب کو پیدا کرنے والا تو ہی تو ہے اس لئے مصنوع کی تعریف دراصل صانع ہی کی تعریف ہوتی ہے۔

حدیث کے اس جزو سے معلوم ہوا کہ ہر نماز پڑھنے والے کو سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ دونوں کلمات کہنے چاہئیں، مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اسے یہ دونوں کلمات کہنے چاہئیں مگر جماعت کی صورت میں امام صرف سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے اور مقتدی رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہیں۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ امام کو دونوں کلمات کہنے چاہئیں اسی قول کو امام طحاوی نے بھی اختیار کیا ہے۔ بلکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت اسی قول کی تائید میں منقول ہے مقتدی کے بارہ میں ان کی رائے بھی یہی ہے کہ وہ صرف رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہیں۔

وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ (یعنی آپ ﷺ سجدوں میں ایسا نہیں کرتے تھے) کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تکبیر تحریمہ کے بعد آپ ﷺ رکوع میں جانے سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین کرتے تھے اس طرح جب سجدے میں جاتے یا سجدہ سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہیں کرتے تھے چنانچہ حضرات شوافع کا مختار مسلک یہی ہے کہ ان اوقات میں رفع یدین نہیں کرنا چاہئے۔ ان حضرات کے نزدیک رفع یدین کی جو صورت ہے وہ یہی ہے کہ رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ، رکوع میں جانے کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت کرنا چاہئے۔ ان تینوں موقعوں کے علاوہ اور کسی موقع پر رفع یدین کو یہ حضرات صحیح نہیں مانتے۔

﴿وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَثَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ

حَمْدُهُ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكَعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذَلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت تابعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع میں جاتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سجدہ میں جاتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ اس حدیث کو آنحضرت ﷺ تک پہنچی ہوئی نقل کرتے تھے (یعنی وہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی طرح کیا ہے)۔“ (بخاری)

رفع یدین کے مسئلہ میں حنفیہ کی مستدل احادیث و آثار

② وَعَنْ مَالِكِ بْنِ النُّعْمَانِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَثُرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَازِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكَعَةِ فَقَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعَلَّ مِثْلَ ذَلِكَ وَفِي رِوَايَةٍ حَتَّى يُحَازِيَ بِهِمَا فَرْعَ أُذُنَيْهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت مالک ابن نوعمانؓ فرماتے ہیں کہ آگائے نامدار ﷺ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ کو اتنا اٹھاتے کہ انہیں کانوں کی سیدھ تک لے جاتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ میں جاتے تھے (یعنی دونوں ہاتھ کانوں کی سیدھ تک لے جاتے تھے) اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ دونوں ہاتھوں کو اپنے کانوں کے اوپر کی جانب لے جاتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین یعنی ہاتھوں کو اٹھانے میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ تمام علماء و ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا چاہئے۔ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواقع پر رفع یدین کا مسئلہ حنفیہ و شوافع کے درمیان ایک معرکہ الآراء مسئلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا چاہئے اور شوافع کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین کرنا چاہئے۔

حق تو یہ ہے کہ دونوں طرف دلائل کے انبار ہیں اور احادیث و آثار کے ذخائر ہیں جن کی بنیادوں پر طرفین اپنے اپنے مسلک کی عمارت کھڑی کرتے ہیں۔ علماء حنفیہ نے تمام احادیث میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ان حضرات کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی تو رفع یدین کرتے ہوں اور کبھی نہ کرتے ہوں، یا یہ کہ پہلے تو آپ ﷺ رفع یدین کرتے تھے لیکن بعد میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواقع کے لئے رفع یدین منسوخ قرار دے دیا گیا۔

حنفیہ کے پاس اپنے مسلک کی تائید میں بہت زیادہ احادیث و آثار ہیں انہیں یہاں ذکر کیا جاتا ہے تاکہ حنفی مسلک پوری طرح واضح ہو جائے۔

امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی میں دو باب قائم کئے ہیں۔ پہلا باب تورکوع کے وقت رفع یدین کا ہے۔ اس کے ضمن میں امام ترمذی نے ابن عمرؓ کی حدیث نقل کی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ دوسرا باب یہ ہے کہ ”ہاتھ اٹھانا صرف نماز کی ابتداء کے وقت دیکھا گیا ہے“ اس باب کے ضمن میں امام ترمذی نے حضرت علقمہؓ کی وہ حدیث جو ابن مسعودؓ سے مروی ہے نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”حضرت ابن مسعودؓ نے اپنے رفقاء سے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ آنحضرت ﷺ کی نماز ادا کرتا ہوں“ چنانچہ ابن مسعودؓ نے نماز ادا کی اور انہوں نے صرف پہلی مرتبہ ہی (یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت) ہاتھ اٹھائے۔ اسی باب میں امام ترمذی نے براء بن عازبؓ سے بھی اسی طرح منقول ہونا ثابت کیا ہے۔ نیز امام موصوف نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث حسن ہے اور صحابہ و تابعین میں سے اکثر اہل علم اس کے قائل ہیں اور سفیان ثوری و اہل کوفہ کا قول بھی یہی ہے۔

جامع الاصول میں حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کو ابی داؤد و نسائی کے حوالہ سے اور براء ابن عازبؓ کی حدیث کو بھی ابوداؤد کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا“ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز شروع فرماتے تھے تو (تکبیر تحریمہ کے وقت) دونوں ہاتھ اپنے دونوں مونڈھوں کے قریب تک اٹھاتے تھے اور ایسا دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ اور ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ ”پھر دوبارہ ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو جاتے تھے۔“

اس موقع پر اتنی سی بات اور سنتے چلے کہ اس حدیث کے بارہ میں ابوداؤد نے جو یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک صحیح نہ ہونے سے مراد یہ ہو کہ اس خاص سند و طریق سے صحیح ثابت نہیں ہے لہذا ایک خاص سند و طریق سے صحیح ثابت نہ ہونا اصل حدیث کی صحت پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتا۔ یا پھر یہ احتمال ہے کہ ابوداؤد کا مقصد اس حدیث کو حسن ثابت کرنا ہو جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے لہذا اس صورت میں کہا جائے گا تمام ائمہ و محدثین کے نزدیک حدیث حسن قائل استدلال ہوتی ہے۔

حضرت امام محمدؒ اپنی کتاب ”موطا“ میں حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت کو جس سے رکوع اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین ثابت ہوتا ہے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔ یہ سنت ہے کہ ہر مرتبہ جھکنے اور اٹھنے کے وقت تکبیر کہی جائے لیکن رفع یدین سوائے ایک مرتبہ یعنی تحریمہ کے وقت دوسرے مواقع پر نہ ہو اور یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور اس سلسلہ میں بہت زیادہ آثار و وارد ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد عام ابن کلیب خری کی ایک روایت جے عام نے اپنے والد مکرم سے جو حضرت علیؓ کے تابعین میں سے ہیں روایت نقل کی ہے کہ ”حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سوائے تکبیر اولی کے رفع یدین نہیں کرتے تھے۔“

عبدالعزیز ابن حکیم کی روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ”میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا وہ ابتداء نماز میں پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے علاوہ اور کسی موقع پر رفع یدین نہیں کرتے تھے۔“

مجاہدؒ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے چنانچہ وہ صرف تکبیر اولی میں رفع یدین کرتے تھے۔ اسودؒ سے منقول ہے کہ ”میں نے حضرت عمر ابن خطابؓ کو دیکھا کہ وہ صرف تکبیر اولی میں رفع یدین کرتے تھے۔“

لہذا۔ جب حضرت عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابہ جو آنحضرت ﷺ سے نہایت قرب رکھتے تھے ترک رفع یدین پر عمل کرتے تھے تو وہ عمل جو اس کے برخلاف ہے قبول کرنے کے سلسلہ میں اولی اور بہتر نہیں ہو گا۔

شرح ابن ہمام میں ایک روایت دارقطنیؒ اور ابن عدیؒ سے نقل کی گئی ہے جسے انہوں نے محمد ابن جابرؒ سے انہوں نے حمادؒ ابن سلیمان سے انہوں نے ابراہیمؒ سے انہوں نے علقمہؒ سے اور انہوں نے عبد اللہ سے روایت کیا ہے۔ عبد اللہؒ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ہمراہ نماز پڑھی ہے چنانچہ انہوں نے سوائے تکبیر اولی کے اور کسی موقع پر رفع یدین نہیں کیا۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ مکہ کے دارالخطین میں جمع ہوئے۔ امام اوزاعیؒ نے امام صاحبؒ سے پوچھا کہ آپ ﷺ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ حضرت امام صاحبؒ نے جواب دیا اس لئے کہ آگائے نامدار ﷺ سے اس سلسلہ میں کچھ صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے! امام اوزاعیؒ نے فرمایا کہ مجھے زہریؒ نے حضرت سالمؒ کی یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے اپنے والد حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ تکبیر اولی کے وقت، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔“ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ مجھ سے حمادؒ نے ان سے ابراہیمؒ نے اور ان سے علقمہؒ اور اسودؒ نے اور ان دونوں نے حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ”آنحضرت ﷺ صرف ابتداء نماز میں دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور دوبارہ ایسا نہیں کرتے تھے۔“ یہ روایت سن کر امام اوزاعیؒ نے کہا

کہ میں نے تو زہریؒ سے نقل کیا اور انہوں نے سالمؒ سے اور انہوں نے اپنے باپ حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے اور آپ اس کے مقابلہ میں حمادؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابراہیمؒ سے اور انہوں نے علقمہؒ سے نقل کیا ہے یعنی میری بیان کردہ سند آپ کی بیان کردہ سند سے عالی اور افضل ہے۔

حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا کہ ”اگر یہی بات ہے تو پھر سنو کہ حمادؒ زہریؒ سے زیادہ فقیہ ہیں اور ابراہیمؒ سالمؒ سے زیادہ فقیہ ہیں اور اسی طرح علقمہؒ بھی حضرت ابن عمرؓ کے مقابلہ میں فقہ میں کم نہیں ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کو آنحضرت ﷺ کی رفاقت و صحابیت کا شرف حاصل ہے۔ نیز اسودؒ کو بھی بہت زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ اور عبد اللہؒ تو خود عبد اللہ ہیں۔ یعنی عبد اللہ ابن مسعودؓ کی تعریف و توصیف کیا کی جائے کہ علم فقہ میں اپنی عظمت شان اور آنحضرت ﷺ کی رفاقت و صحبت کی سعادت و شرف کی وجہ سے مشہور ہیں۔“

گویا۔ امام اوزاعیؒ نے تو اسناد کے عالی ہونے کی حیثیت سے حدیث کو ترجیح دی اور حضرت امام اعظمؒ نے راویان حدیث کے فقیہ ہونے کے اعتبار سے حدیث کو ترجیح دی۔ چنانچہ حضرت امام اعظمؒ کا اصول یہی ہے کہ وہ فقیہ راویوں کو غیر فقیہ راویوں پر ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

نہایت شریفانہ ہدایہ میں ”عبد اللہ ابن زبیرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جو رکوع میں جالتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کر رہا تھا، انہوں نے اس شخص سے کہا کہ ایسا مت کرو کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے پہلے اختیار کیا تھا اور بعد میں اسے ترک کر دیا یعنی ان مواقع پر رفع یدین کا حکم پہلے تھا اب منسوخ ہو گیا ہے۔“

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رفع یدین کیا تو ہم نے بھی رفع یدین کیا اور جب آنحضرت ﷺ نے اسے ترک کر دیا تو ہم نے بھی ترک کر دیا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”عشرہ مبشرہ (یعنی وہ دس خوش نصیب صحابہ جن کو آنحضرت ﷺ نے ان کی زندگی ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی) صرف ابتداء نمازی میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔“

حضرت مجاہدؒ حضرت ابن عمرؓ کا معمول نقل کرتے ہیں کہ ”میں نے حضرت ابن عمرؓ کے پیچھے ساہا سال نماز ادا کی ہے مگر میں نے ان کو سوائے ابتداء نماز کے اور کسی موقع پر رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ حالانکہ حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت گزربھی ہے۔ جس سے تینوں مواقع پر رفع یدین کا اثبات ہوتا ہے اور جو شواہد کی سب سے اہم دلیل ہے۔ لہذا اصول حدیث کا چونکہ قاعدہ ہے کہ راوی کا عمل اگر خود اس کی روایت کے خلاف ہو تو روایت پر عمل نہیں کیا جاتا اس لئے حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت ساقط العمل قرار دی جائے گی۔“

بہر حال۔ ان روایات و آثار سے معلوم ہوا کہ رفع یدین دونوں کے اثبات میں احادیث و آثار وارد ہیں اور صحابہ کی ایک جماعت خصوصاً حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ اور ان کے تابعین رفع یدین نہ کرنے ہی کے حق میں ہیں۔ لہذا۔ ان تمام موافق و مخالف احادیث کا محمول یہی ہو سکتا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ آنحضرت ﷺ سے اوقات مختلفہ میں دونوں طریقے وجود میں آئے ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے علم فقہ اور ان کی اسناد کا نقطہ منہا حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ اور ان کے تابعین کی ذات گرامی ہے اور چونکہ ان کا رجحان عدم رفع یدین کی طرف ہے اس لئے امام اعظم ابو حنیفہؒ نے ترک رفع یدین کے مسلک ہی کو اختیار کیا ہے اور اب تمام حنفیہ اسی مسلک کے حامی اور اس مسلک پر عامل ہیں۔

علمائے حنفیہ صرف اسی قدر نہیں کہتے بلکہ ان حضرات کے نزدیک تکمیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مواقع پر رفع یدین کا حکم منسوخ ہے کیونکہ جب حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد یہ ترک رفع یدین ہی اختیار کرتے تھے باوجودیکہ رفع یدین کی

حدیث کے راوی یکی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے تو رفع یدین کا حکم دیا ہوا مگر بعد میں یہ حکم باوجود کثرت احادیث و آثار کے منسوخ ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس مسئلہ کی پوری تفصیل اپنی کتاب شرح سفر السعاده میں نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہاں پیش کیا گیا ہے۔ ان کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ ان کے نزدیک رفع یدین اور عدم رفع یدین دونوں ہی سنت ہیں مگر رفع یدین نہ کرنا ہی اولیٰ اور راجح ہے البتہ دیگر علماء حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ رفع یدین کا حکم اور طریقہ منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

جلسہ استراحت کا مسئلہ

⑥ وَعَنْهُ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَإِذَا كَانَ فِيهِ وَتَوَرَّعَ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعُهَا۔

(رواہ البخاری)

”اور حضرت مالک ابن حورثؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے آگے نکلے نامدار ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے چنانچہ آپ ﷺ جب اپنی نماز کی طاق رکعت (یعنی پہلی یا تیسری) میں ہوتے تو جب تک سیدھے بیٹھ نہ لیتے اٹھتے نہ تھے۔“ (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نماز پڑھتے اور پہلی یا تیسری رکعت میں دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تو پہلے بیٹھتے تھے اس کے بعد اگلی رکعت کے لئے اٹھتے تھے اسی کو جلسہ استراحت کہا جاتا ہے۔

جلسہ استراحت سنت ہے یا نہیں؟: حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جلسہ استراحت سنت ہے اور اس کا طریقہ وہی ہے جو پہلے قعدہ میں بیٹھنے کا ہے۔ نیز یہ کہ بیٹھنے کے بعد دونوں ہاتھوں سے زمین کا سہارا لے کر اٹھنا چاہئے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کا مختار قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جلسہ استراحت کرنا چونکہ کبرئی اور ضعف کی وجہ سے تھا اس لئے جس شخص کو جلسہ استراحت کی حاجت نہ ہو اس کے لئے یہ سنت نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی مسئلہ یکی حدیث ہے اور حضرت امام اعظمؒ کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے جس کو ترمذیؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ (پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے) پشت قدم پر یعنی بغیر میٹھے ہوئے اٹھتے تھے“ اگرچہ اس حدیث کے بعض طرق ضعیف ہیں لیکن حدیث صحیح الاصل ہے۔

حضرت ابن ابی شیبہؒ، حضرت ابن مسعودؓ کے بارہ میں نقل کرتے ہیں کہ ”وہ اپنے پشت قدم پر بغیر میٹھے ہوئے اٹھتے تھے“ نیز انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ کے بارہ میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور حضرت نعمان ابن ابی عباس کے بارہ میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ”میں نے بہت سے صحابہؓ کو دیکھا ہے کہ وہ جب پہلی اور تیسری رکعت میں سجدے سے سر اٹھاتے تھے تو جس حالت میں ہوتے تھے اسی حالت میں بغیر میٹھے ہوئے اٹھ جاتے تھے۔“

بہر حال۔ اس سلسلہ میں بہت زیادہ احادیث و آثار وارد ہیں اور جو احادیث اس کے برعکس وارد ہیں ان کا محمول کبرئی اور ضعف ہے جیسا کہ اس حدیث کے بارہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کبرئی اور ضعف کی وجہ سے جلسہ استراحت اختیار فرماتے تھے۔

تکبیر تحریمہ کے بعد دونوں ہاتھ کہاں اور کس طرح رکھنے چاہئیں

⑦ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَثِيرٌ ثُمَّ انْخَفَّ بِثَوْبِهِ

ثُمَّ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى الْيَسْرَى فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ اخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا وَكَبَّرَ فَرَكَعَ فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ كَفَّيَهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت واکل ابن حجرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے آٹائے نامدار ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ اٹھا کر تکبیر کی پھر ہاتھ پکڑے کے اندر کر لئے اور داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا۔ پھر جب رکوع میں جانے کا ارادہ کیا تو دونوں ہاتھ پکڑے سے نکال کر ان کو اٹھایا اور تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے گئے اور جب (رکوع ہے اٹھتے وقت) سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو اس وقت بھی ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے درمیان کیا یعنی اپنا سر مبارک دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا۔“

(مسلم)

تشریح: بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تکبیر تحریمہ کے بعد اپنے دونوں دست مبارک چادر میں ڈھانک لئے اور نیت باندھ لی مگر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے چادر میں ہاتھ نہیں ڈھانکے بلکہ اپنی آستینوں میں چھپائے۔ بہر حال علماء لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ پکڑوں میں جو چھپائے تھے تو اس کی وجہ غالباً سردی کی شدت ہوگی۔

تکبیر تحریمہ کے بعد داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا یوں تو تمام ائمہ کے نزدیک ایک متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن حضرت امام مالکؒ کے نزدیک چھوڑے رکھنا اولیٰ ہے اور باندھنا بھی جائز ہے۔

اس بارہ میں ائمہ کے یہاں اختلاف ہے کہ ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھ کو ناف کے نیچے باندھنا چاہئے اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سینے کے قریب یعنی ناف کے اوپر باندھنے چاہئیں۔ دونوں حضرات کے مطابق حدیثیں وارد ہیں چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں حکم الہی ہے کہ جہاں چاہے ہاتھ باندھ لیا جائے درست ہو گا لیکن اتنی بات جان لینی چاہئے کہ اس مسئلہ میں کوئی خاص طریقہ چونکہ احادیث کے ذریعہ متعین نہیں تھا یعنی نہ تو ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کا طریقہ خاص طور پر ثابت ہے اور نہ ناف کے نیچے بلکہ دونوں طریقہ احادیث کے ذریعہ ثابت ہیں تو حضرت امام اعظمؒ نے ان دونوں صورتوں میں اس صورت کو اختیار کیا جو ادب اور تعظیم کے سلسلہ میں مقرر و معارف ہے اور وہ ناف کے نیچے باندھنا ہے کیونکہ انتہائی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام کے موقع پر ہاتھ ناف کے نیچے ہی باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر کہنے اور رفع یدین کے وقت ہاتھوں کو پکڑے کے اندر سے نکال لینا چاہئے۔

⑨ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعُوا الْيَدَيْنِ عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ۔

(رواہ البخاری)

”اور حضرت سہل ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ ”لوگوں کو حکم کیا جاتا تھا کہ نمازی کو نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھنا چاہئے۔“

(بخاری)

تشریح: اس حدیث سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ حکم، تاکید اور پروردگار عالم کے سامنے کھڑے ہونے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ ادب و احترام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے بلکہ انتہائی ادب و احترام کے ساتھ کھڑا رہے جس کا طریقہ یہ ہو کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ناف کے نیچے رکھا رہے اور سر جھکا رہے جیسا کہ بادشاہوں کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ ثُمَّ يَكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ حِينَ يَرْفَعُ صَلَاتِهِ مِنَ الرُّكْعَةِ ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يَكَبِّرُ حِينَ يَهْوِي ثُمَّ يَكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ ثُمَّ يَكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ ثُمَّ يَكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ ثُمَّ يَقْعَلُ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا حَتَّى

۱۔ حضرت واکل بن حجر حضری ہیں۔ حضرت کے شمار کردہ رئیسوں میں سے ہیں۔ جب یہ اپنے قبیلے کی طرف سے ابی بن کر آپ کے پاس آئے تو آپ نے اپنی چادر مبارک زمین پر بچا دی اور ان کو اس پر بٹھایا۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کیا۔ پھر اور عبد الجبار ان کے صاحبزادے ہیں۔

يَقْضِيهَا وَيَكْبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الْفَتْنَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوسِ۔ (تفق علیہ)

”اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آٹھ نمازیں پڑھیں جب نماز کا اہواہ کر کے تو کھڑے ہونے کے وقت تکبیر تحریمہ کہتے پھر رکوع میں جانے کے وقت تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع سے اپنی پشت اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمد کہتے پھر کھڑے ہی کھڑے ”ربنا لک الحمد“ کہتے پھر جب (سجدہ کے لئے) جھکتے تو تکبیر کہتے اور (سجدہ سے) سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے۔ پھر نماز پوری کرنے تک ساری نماز میں یہی کرتے تھے اور جب دو رکعتیں پڑھنے کے بعد اٹھتے تھے تو تکبیر کہتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں تکبیر تحریمہ اور رکوع و سجود کے مواقع پر صرف تکبیرات کا ذکر کیا گیا ہے ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

افضل نماز کون سی ہے؟

⑪ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ طَوِيلُ الْقُنُوتِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ آٹھ نمازیں پڑھیں نے فرمایا۔ ”سب سے بہتر نماز وہ ہے جس میں قیام طویل ہو۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں طویل قیام کرنا یعنی زیادہ دیر تک کھڑے رہنا اور لمبی سورتیں پڑھنا افضل اور اعلیٰ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے مشقت و محنت زیادہ ہوتی ہے اور جذبہ خدمت و اطاعت کا اظہار ہوتا ہے جو عبادت کی روح ہے۔

نماز میں قیام افضل ہے یا سجود؟ علماء کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ نماز میں آیا قیام افضل ہے یا سجود؟ چنانچہ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ نماز میں سجود افضل ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قیام ہی افضل ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قیام میں قرآن پڑھا جاتا ہے اور سجود میں تسبیح پڑھی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن تسبیح سے افضل ہے۔ خفیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

الفصل الثانی

آنحضرت ﷺ کی نماز کا طریقہ

⑫ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ فِي عَشْرَةٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا فَأَعْرِضْ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَادِي بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَادِي بِرُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَلَا يَقْنَعُ رَأْسَهُ فَيَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَادِي بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ ثُمَّ يَهْوِي إِلَى الْأَرْضِ سَاجِدًا فَيَجْأُ فِي يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَيَفْتَحُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَنْشِي رِجْلَهُ الْيُسْرَى فَيَقْنَعُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتَّى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ فِي مَوْضِعِهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَسْجُدُ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَيَرْفَعُ وَيَنْشِي رِجْلَهُ الْيُسْرَى فَيَقْنَعُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتَّى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ إِلَى مَوْضِعِهِ ثُمَّ يَنْهَضُ ثُمَّ يَضَعُ فِي الرُّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَادِي بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ثُمَّ يَضَعُ ذَلِكَ فِي بَقِيَّةِ صَلَاتِهِ حَتَّى إِذَا كَانَتْ السَّجْدَةُ الَّتِي فِيهَا التَّسْلِيمُ أَخْرَجَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَقَعَدَ مُتَوَكِّئًا عَلَى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالُوا صَدَقْتَ هَكَذَا كَانَ يُصَلِّي رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَزَوَى التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ مُعْتَنَاهُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي رِوَايَةٍ لِابْنِ دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي حُمَيْدٍ ثُمَّ

رَكَعَ قَوْضَعٍ بَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ كَأَنَّهُ قَابِضٌ عَلَيْهَا وَتَرْتَدِيهِ فَنَحَّاهُمَا عَنْ جَنْبَيْهِ وَقَالَ ثُمَّ سَجَدَ فَأَمَّا مَكْنُ أَتْفَهُ وَجْهَهُ
الْأَرْضَ وَنَحَّى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوِ مَنْكِبَيْهِ وَفَرَجَ بَيْنَ فُجْدَيْهِ غَيْرَ حَامِلٍ بَطْنَهُ عَلَى شَيْءٍ مِنْ فُجْدَيْهِ
حَتَّى فَرَغَ ثُمَّ جَلَسَ فَأَقْفَرُ رَجُلَهُ الْيُسْرَى وَأَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنَى عَلَى قِبْلَتِهِ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى عَلَى رُكْبَتَيْهِ الْيُمْنَى
وَكَفَّهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتَيْهِ الْيُسْرَى وَأَمَّا بِأَصْبُعِهِ يَغْنَى السَّبَابَةَ وَفِي أُخْرَى لَهُ وَإِذَا قَعَدَ فِي الرُّكْعَتَيْنِ قَعَدَ عَلَى
نَظْنٍ قَدَمَهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى وَإِذَا كَانَ فِي الرَّابِعَةِ أَفْضَى بِوُكْبَةِ الْيُسْرَى إِلَى الْأَرْضِ وَأَخْرَجَ قَدَمَيْهِ مِنْ نَاحِيَةِ
وَاحِدَةٍ۔

”حضرت ابو حمید ساعدیؒ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے آٹائے ٹامدار ﷺ کے دس صحابہ کی جماعت سے کہا کہ میں رسول
خدا ﷺ کی نماز (کے طریقہ) کو تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں صحابہ کی جماعت نے کہا کہ اچھا بیان کیجئے۔ ”انہوں نے فرمایا کہ
آنحضرت ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر مونڈھوں کے برابر لے جاتے اور تکبیر کہتے پھر قرأت
کرتے۔ اس کے بعد تکبیر کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے اور رکوع میں جا کر دونوں ہتھیلیاں اپنے گھٹنے پر رکھتے اور کمر
سیدھی کر لیتے اور سر کو نہ بچا کرتے تھے اور نہ بلند کرتے تھے (یعنی بیٹھ اور سر برابر رکھتے تھے) پھر سر اٹھاتے وقت سبح اللہ لمن حمد کہتے اور
دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے اور سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے زمین کی طرف جھکتے اور سجدہ کرتے اور (سجدہ میں)
اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے اور اپنے پیروں کی انگلیوں کو مونڈھوں کے رخ قبلہ کی طرف رکھتے تھے پھر سجدہ
سے سر اٹھاتے اور بایاں پر موڑ کر (یعنی بچھا کر) اس پر سیدھے بیٹھ جاتے تھے یہاں تک کہ ہر عضو اپنی جگہ پر برابر آجاتا تھا۔ پھر تکبیر کہتے
ہوئے (دوسرے) سجدہ میں چلے جاتے اور پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے (سجدہ سے) اٹھتے اور بایاں پر موڑ کر اس اطمینان سے بیٹھتے (یعنی جلد
استراحت کرتے) یہاں تک کہ بدن کا ہر عضو اپنی جگہ پر آجاتا تھا پھر دوسری رکعت میں بھی (سوائے ابتداء رکعت میں سبحانک الہم اور اعوذ
باللہ) پڑھنے کے اسی طرح کرتے تھے۔ اور جب دو رکعت پڑھنے (یعنی تشہد) کے بعد کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو
مونڈھوں تک اٹھاتے جیسے کہ نماز کو شروع کرنے کے وقت تکبیر کہتے تھے پھر باقی نماز اسی طرح پڑھتے تھے اور جب وہ سجدہ (یعنی آخری
رکعت کا دوسرا سجدہ) کر چکے جس کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے تو اپنا بایاں پر باہر نکالتے اور بائیں طرف کو لھے پر بیٹھ جاتے اور پھر (تشہد وغیرہ
پڑھنے کے بعد) سلام پھیرتے تھے۔ (یہ سن کر وہ سب صحابہ بولے کہ ”بے شک تم نے سچ کہا آنحضرت ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔“
(ابوداؤد، دارمی، ترمذی) اور ابن ماجہ نے اس روایت کو بالعمی نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوداؤد کی
ایک روایت جو ابو حمیدؒ سے مروی ہے۔ یہ الفاظ ہیں ”پھر رکوع میں جا کر دونوں ہاتھ زانو پر اس طرح رکھے جیسے انہیں مضبوطی سے پکڑے
ہوں اور اپنے ہاتھوں کو (کمان کے) چلہ کی طرح رکھا اور کہیں کو اپنے دونوں پہلوؤں سے دور رکھا (گویا کہ) کہنیاں چلہ کے مشابہ تھیں اور
پہلو کمان کے مشابہ۔“ اور راوی کہتے ہیں کہ ”پھر سجدہ میں گئے تو اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھا اور ہاتھوں کو پہلوؤں سے جدا رکھا اور
دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کی سیدھ میں اور دونوں رانوں کو کشادہ رکھا اور اپنے پیٹ کو دونوں سے الگ رکھا یہاں تک کہ سجدہ سے فارغ
ہوئے اور پھر اس طرح بیٹھے کہ بایاں پر تو بچھالیا اور دائیں پر کی پشت قبلہ کی طرف کی اور داہنا ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھ
لیا اور (اشھد ان لا الہ الا اللہ کہنے کے وقت) اپنی انگلی یعنی سبابہ سے اشارہ کیا۔ اور ابوداؤدؒ ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ
”جب دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھے تو بائیں پیر کے تلوسے پر بیٹھے اور دائیں پیر کو کھڑا کر لیتے تھے اور جب چوتھی رکعت پڑھ کر بیٹھے تو بائیں کو لھے کو
زمین سے ملائے اور دونوں پاؤں کو ایک طرف نکال دیتے تھے۔“

تشریح: انا اعلمکم بصلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے طریقہ کو تم سے زیادہ
اچھی طرح جانتا ہوں) ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی خاص مصلحت و ضرورت کی بناء پر بغیر کسی غرور و تکبر اور نفسانیت کے

اظہار حقیقت کے طور پر اپنے علم کی زیادتی کا دعویٰ کرے تو جائز ہے۔

تکبیر تحریمہ سے پہلے ہاتھ اٹھانے چاہئیں: حدیث کے الفاظ دفع بدیہ حتی یحاذی بہما منکبہ ثم یکبر سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے رفع یدین کرتے اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہتے چنانچہ امام اعظمؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہی جائے۔

سجدہ کی تکمیل زمین پر ناک اور پیشانی دونوں رکھنے سے ہوتی ہے: فامکن انفذ وجہۃ الارض سے معلوم ہوا کہ سجدہ پیشانی اور ناک دونوں کو زمین پر رکھ کر کرنا چاہئے کیونکہ آنحضرت ﷺ مستقل طور پر سجدہ اسی طرح کرتے تھے اور احادیث بھی اسی کے موافق وارد ہیں لہذا سجدہ مکمل تو جب ہی ہوتا ہے کہ ناک اور پیشانی دونوں کو زمین پر رکھا جائے۔ اگر کسی مجبوری اور عذر کی بناء پر سجدہ میں ان دونوں میں سے کسی ایک کو زمین پر نہیں رکھا تو مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر بغیر کسی عذر اور مجبوری کے ایسا کیا تو اس میں یہ صورت ہوگی کہ اگر زمین پر پیشانی رکھی ہے ناک نہیں رکھی تو یہ متفقہ طور پر جائز ہوگا البتہ سجدہ مکروہ ہوگا اور اگر پیشانی نہیں رکھی بلکہ ناک رکھی تو امام اعظمؒ کے نزدیک یہ بھی بکراہت جائز ہے مگر حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

سبابہ کی تحقیق: سبابہ شہادت کی انگلی کو کہتے ہیں۔ ”سب“ کے لغوی معنی گالی کے ہیں ایام جاہلیت میں اہل عرب جب کسی کو گالی دیتے تھے اس انگلی کو اٹھاتے تھے اس مناسبت سے اس انگلی کا نام اسی وقت سے سبابہ رائج ہو گیا پھر بعد میں اس انگلی کا اسلامی نام مسجد اور سباحہ ہو گیا کیونکہ تسبیح و توحید کے وقت اس انگلی کو اٹھاتے ہیں۔

بہر حال۔ حدیث کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے التحیات میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت اس انگلی سے اس طرح اشارہ کیا کہ نفی یعنی اشد ان لا الہ کہتے وقت انگلی اٹھائی اور اثبات یعنی الا اللہ کہتے وقت انگلی رکھ دی۔

تکبیر تحریمہ اور ہاتھ اٹھانے کا طریقہ

(۱۳) وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ أَبْصَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُنَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى كَانَتْمَا بِجَنَاحِ مَنْكَبَيْهِ وَخَاذِلَى إِبْهَامَيْهِ أَذُنَيْهِ ثُمَّ كَثَّرَ زَوَاةَ الْبُودِ وَأَوْدَوْ فِي رِوَايَةٍ لَهُ يَرْفَعُ لَهُ إِبْهَامَيْهِ إِلَى شَحْمَةِ أُذُنَيْهِ۔

”اور حضرت وائل ابن حجرؒ راوی ہیں کہ انہوں نے آقاؐ کے نماز کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھ اتنے اٹھائے کہ مونڈھوں کے برابر پہنچ گئے اور دونوں انگوٹھوں کو کانوں تک لے گئے پھر تکبیر کہی۔ (البوداؤ) اور البوداؤ وہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ آپ ﷺ انگوٹھوں کو کانوں کی لونگ اٹھاتے تھے۔“

تشریح: یہ حدیث بھی حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کی تائید کر رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ ہاتھ اٹھانے کے بعد تکبیر کہتے تھے اور انگوٹھوں کو کانوں کی لونگ اٹھاتے تھے۔

ہاتھ باندھنے کا طریقہ

(۱۴) وَعَنْ قَيْصَةَ بِنْتِ حُلُبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتَا فَيَأْخُذُ شِمَالَهُ بِمِصْبَحِهِ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

”حضرت قیسہ ابن حلبؓ اپنے والد کرم سے نقل کرتے ہیں کہ آقاؐ نے نماز کو ہاتھ باندھے تو (قیام میں) اپنے واسطے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑتے تھے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تعدیل ارکان کی تعلیم

(۱۵) وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَصَلَّى فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعِدْ صَلَاتَكَ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ عَلِمْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ أَصَلَّى قَالَ إِذَا تَوَجَّهْتَ إِلَى الْقِبْلَةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِأَمْرِ الْقُرْآنِ وَمَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَقْرَأَ فَإِذَا رَكَعْتَ فَاجْعَلْ رَأْسَكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ وَمَكِّنْ رُكُوعَكَ وَامْتُدِّ ظَهْرَكَ فَإِذَا رَفَعْتَ فَأَقِمْ صُلْبَكَ وَارْفَعْ رَأْسَكَ حَتَّى تَرْجِعَ الْعِظَامَ إِلَى مَقَاصِلِهَا فَإِذَا سَجَدْتَ فَمَكِّنِ السَّجُودَ فَإِذَا رَفَعْتَ فَاجْلِسْ عَلَى فِخْذِكَ الْيُسْرَى ثُمَّ اصْنَعْ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكَعَةٍ وَسَجْدَةٍ حَتَّى تَظْمِنَ هَذَا لَفْظَ الْمَصَابِيحِ وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ مَعَ تَغْيِيرٍ يَسِيرٍ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَنُّعِيُّ مَعْنَاهُ وَفِي رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ قَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَتَوَضَّأْ كَمَا أَمَرَكَ اللَّهُ بِهِ ثُمَّ تَشَهَّدْ فَأَقِمْ فَإِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ أَوْ إِلَّا فَاحْمَدِ اللَّهَ وَكَبِّرْ وَهَلِّلْ ثُمَّ ارْكَعْ۔

”اور حضرت رفاعہ ابن رافعؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور نماز پڑھی، پھر آگئے نامدارؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، آنحضرتؐ نے (سلام کا جواب دے کر) فرمایا کہ۔ ”اپنی نماز دوبارہ پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی“ اس شخص نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ! آپؐ مجھے نماز پڑھنے کا طریقہ بتادیجئے کہ نماز کس طرح پڑھوں؟“ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ”جب تم قبلہ کی طرف متوجہ ہو تو اللہ اکبر (یعنی تکبیر تحریرہ) کہو پھر سورۃ فاتحہ اور جو کچھ خدا چاہے پڑھو (یعنی سورۃ فاتحہ کے ساتھ جو سورت چاہو پڑھو) اور جب تم رکوع میں جاؤ تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے زانوؤں پر رکھ کر رکوع میں (اطمینان سے) قائم رہو اور اپنی پشت کو ہموار رکھو اور جب تم (رکوع سے) سر اٹھاؤ تو اپنی پشت کو سیدھا کرو اور سر اٹھاؤ (یعنی بالکل سیدھے کھڑے ہو جانا) یہاں تک کہ تمام ہڈیاں اپنی اپنی جگہ آجائیں اور جب سجدہ کرو تو اچھی طرح سجدہ کرو اور جب تم سجدہ سے سر اٹھاؤ تو اپنی بائیں ران پر بیٹھ جاؤ پھر اسی طرح ہر ایک رکوع و سجدہ میں کرو، یہاں تک کہ رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ گویا ہر ایک رکن کی صحیح ادائیگی پر تمہیں اطمینان ہو جائے۔ حدیث کے یہ الفاظ مصابیح کے ہیں اور ابو داؤدؒ نے اسے تھوڑے سے تغیر و تبدل کے ساتھ نقل کیا ہے نیز ترمذیؒ اور نسائیؒ نے بھی اس روایت کو بالعمی نقل کیا ہے اور ترمذیؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اس طرح وضو کرو جیسا کہ خدا نے تمہیں حکم دیا ہے پھر کلمہ شہادت پڑھو (جیسا کہ وارد ہے کہ وضو کے بعد کلمہ شہادت پڑھنا بڑی فضیلت کی بات ہے) یہ کہ کلمہ شہادت سے مراد اذان ہے (پھر اچھی طرح نماز ادا کرو) یا قائم کا مطلب یہ ہے کہ تکبیر کہو اور قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہو اس کو پڑھو اور کچھ یاد نہ ہو تو الحمد للہ، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہو۔ پھر رکوع کرو۔“

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس شخص کو قرآن کی کوئی سورۃ و آیت یاد نہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ قرأت کی جگہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ والہ اکبر پڑھ لیا کرے۔ چنانچہ یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز کا وقت آنے تک قرآن کی کم سے کم اتنی آیتیں جس کا پڑھنا نماز میں فرض ہے یاد کر لے۔ اگر اس عرصہ میں اسے کچھ بھی یاد نہ ہو سکے تو وہ قرأت کی جگہ ذکر اور تسبیح و تہلیل کر لیا کرے اس کی نماز ادا ہو جائے گی۔

نماز کے بعد دعائیں چاہئے

(۱۶) وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةُ مَثْنَى مَثْنَى تَشْهَدُ فِي كُلِّ رَكَعَتَيْنِ وَتَخْشَعُ وَتَضَعُ وَتَمْسُكُنْ ثُمَّ تَقْبِضُ بِذَلِكَ يَقُولُ قَدْ اِرْفَعَهُمَا إِلَى رَبِّكَ مُسْتَقْبِلًا بِبُطُونِهِمَا وَجْهَكَ وَتَقُولُ يَارَبِّ يَارَبِّ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَهُوَ كَذَّابٌ وَكَذَّابٌ وَفِي رِوَايَةٍ فَهُوَ خَدَّاجٌ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت فضل ابن عباسؓ راوی ہیں کہ آگئے نامدارؓ نے فرمایا۔ (نقل) نماز دو رکعت ہے اور ہر دو رکعت میں التحیات ہے اور

(نماز کی روح) خشوع، عاجزی اور اظہار غریبی ہے پھر نماز پڑھنے کے بعد اپنے پروردگار کی طرف دونوں ہاتھ اٹھاؤ، (حضرت فضل کہتے ہیں کہ تم قطع یدیں سے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ نماز پڑھنے کے بعد تم اپنے پروردگار کی طرف اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھاؤ کہ ہاتھوں کی دونوں ہتھیلیاں منہ کی جانب ہوں (جو دعا کا طریقہ ہے) اور یہ کہو کہ ”اے میرے رب! اے میرے رب!“ اور جو شخص ایسا نہ کرے (یعنی مذکورہ بالا طریقہ پر عمل نہ کرے اور دعا نہ مانگے) تو اس کی نماز ایسی ہے، ویسی ہے (یعنی ناقص ہے) اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”اس کی نماز ناقص ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے تین چیزوں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ یعنی پہلی چیز تو یہ ہے کہ نفل نماز دو رکعت پڑھی جائے خواہ دن ہو یا رات۔ یعنی ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا جائے چار رکعتوں کے بعد سلام نہ پھیرا جائے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ نے اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہا ہے کہ نفل نماز دو رکعت کر کے ہی پڑھنا افضل ہے۔

حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ چاہے رات ہو چاہے دن، نفل نماز چار چار رکعتیں کر کے پڑھنا ہی افضل ہے، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک رات میں دو دو اور دن میں چار چار رکعتیں کر کے پڑھنا افضل ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل تو یہی حدیث ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے تراویح پر قیاس کرتے ہوئے یہ حکم دیا ہے اور حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ اپنی دلیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ عشاء کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے، نیز ظہر کی نماز میں آپ ﷺ سے چار رکعتیں پڑھنا ثابت ہے۔ پھر اس کے علاوہ ایک چیز یہ بھی ہے کہ چار چار رکعت پڑھنے میں تحریمہ کے اندر زیادہ دیر تک رہنے کی وجہ سے زیادہ مشقت و محنت برداشت کرنی پڑتی ہے اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ جس عبادت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے وہ افضل ہوتی ہے۔ امام اعظمؒ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد الصلوٰۃ مشی مشی کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ نفل نماز طاق نہیں ہے بلکہ اولیٰ درجہ دو رکعتیں ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ نماز کی روح اور نماز کی معراج خشوع و تضرع اور اظہار عاجزی ہے، بندہ نماز کے اندر جس قدر خشوع کرے گا تضرع سے کام لے گا اور پروردگار کے سامنے کھڑا ہو کر اس کی بڑائی و عظمت اور اپنی انہماکی بے چارگی و محتاجی کا اظہار کرے گا نماز اسی قدر مقبولیت کے درجات کو پہنچے گی۔ خشوع کا مطلب یہ ہے کہ باطن میں بندہ اپنے عجز کا احساس کرے، اپنے نفس کو عاجزی و انکساری کے راستہ پر لگائے رہے گویا خشوع عجز باطنی کا نام ہے اور تضرع کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ظاہری طور پر اپنے ہر عمل اور ہر زاویہ سے اپنے عجز و انکساری کا اظہار کرے گویا تضرع عجز ظاہری کا نام ہے۔

تیسری چیز یہ کہ نماز کے بعد دعا مانگی چاہئے۔ یعنی جب بندہ خدا کے دربار میں حاضری دے اور نماز پڑھ کر اپنی عبودیت و فرمانبرداری کا اظہار کر دے تو اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ نماز کے بعد خدا کی درگاہ میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا دے اور اپنی محتاجی و لاچارگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی دینی و دنیوی بھلائی میں خدا کی مدد و نصرت کا طلب گار ہو۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

امام حکیمرات باوازیلند کے

(۱۷) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الْمُعَلَّى قَالَ صَلَّى لَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ فَجَعَلَ بِالتَّكْبِيرِ حِينَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ وَحِينَ سَجَدَ وَحِينَ رَفَعَ مِنَ الرَّكَعَتَيْنِ وَقَالَ هَكَذَا زَايْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت سعید ابن حارث ابن معلی کہتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدریؒ نے ہمیں نماز پڑھائی چنانچہ جب انہوں نے سجدہ سے اپنا سر اٹھایا

اور جب سجدہ میں گئے تیز جب درو کھٹیں پڑھ کر اٹھے تو بلند آواز سے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ میں نے آٹا کے نامدار ﷺ کو اسی طرح (آواز بلند تکبیرات کہتے ہو) دیکھا ہے۔" (بخاری)

تشریح: اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ امام کو چاہئے کہ وہ درمیان نماز تمام تکبیرات باواز بلند کہے۔ یہاں صرف ان تینوں موقعوں کی تکبیرات کا ذکر کیا تو اتفاقاً کیا گیا ہے یا پھر کچھ لوگوں نے ان اوقات کی تکبیرات کا انکار کیا ہو گا اس لئے راوی نے صرف انہیں تکبیرات کو ذکر کیا۔ ویسے اسطرح کی روایت میں بقیہ تکبیرات کا ذکر بھی موجود ہے چنانچہ ان کی روایت کے ابتداء میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ "حضرت ابوہریرہؓ بیمار ہو گئے تھے یا کہیں چلے گئے تھے تو (ان کی عدم موجودگی میں) حضرت ابوسعیدؓ نے نماز پڑھائی چنانچہ انہوں نے نماز شروع ہونے اور رکوع میں جانے کے وقت تکبیرات باواز بلند کہیں" اس کے بعد بقیہ حدیث بیان کی گئی ہے۔

(۱۸) وَعَنْ عِكْرَمَةَ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَثُرَ ثَنَيْنِ وَعِشْرَتَيْنِ تَكْبِيرَاتٍ فَقُلْتُ لَابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّهُ أَحَقُّ فَقَالَ لِكُلِّكَ أَهْلُكَ شَتَّى أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ میں ایک بوڑھے شخص (یعنی حضرت ابوہریرہؓ) کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے نماز میں بائیس (مرتبہ) تکبیرات کہیں چنانچہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ (معلوم ایسا ہوتا ہے کہ) یہ شخص احق ہے (جو اتنی زیادہ تکبیریں کہتا ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "تیری ماں تجھے روئے یہ طریقہ تو حضرت ابوالقاسم محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔" (بخاری)

تشریح: چار رکعتوں میں مع تکبیر تحریمہ کے بائیس تکبیرات ہوتی ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں مروان اور بنی امیہ نے نماز میں تکبیریں باواز بلند کہنی چھوڑ دی تھیں اس لئے جب حضرت ابوہریرہؓ نے تکبیرات باواز بلند کہیں تو حضرت عکرمہؓ کو سخت تعجب ہوا۔

(۱۹) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ مَوْلَا قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الصَّلَاةِ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَلَمْ يَزَلْ يَلْكَ صَلَاتُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ۔ (رواہ الکوثر)

"اور حضرت علی بن حسین بطریق مرسل روایت فرماتے ہیں کہ آٹا کے نامدار ﷺ نماز میں جب جھکے (یعنی رکوع و سجود میں جاتے) اور جب (قوم، جلسہ اور قیام کے وقت) اٹھتے تو تکبیر کہتے۔ آپ ﷺ بیٹھ اسی طرح نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے ملاقات فرمائی (یعنی وفات پائی)۔" (الکوثر)

رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے

(۲۰) وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ أَلَّا أَصَلِّيَ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّيْتُ وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً مَعَ تَكْبِيرِ الْإِفْتِاحِ زَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَائِيُّ وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ لَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ عَلَى هَذَا الْمَعْنَى۔

"اور حضرت علقمہؓ راوی ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ہم سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں آٹا کے نامدار ﷺ کی سی نماز نہ پڑھاؤں؟ چنانچہ ابن مسعودؓ نے ہمیں (آنحضرت ﷺ کے طریقے کے مطابق) نماز پڑھائی اور صرف تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) اور ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث اس طرح صحیح نہیں ہے۔"

تشریح: امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں رفع یدین کے مسئلہ سے متعلق دو باب قائم کئے ہیں۔ ایک باب تو رفع یدین کے اثبات میں اور دوسرا باب عدم رفع یدین کے اثبات میں۔ اسی دوسرے باب میں امام نموصوفؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اس سلسلہ میں

۱۔ آپ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے آواز کو وہ غلام تھے نام عکرمہؓ اور کنیت ابو عبداللہؓ ۱۰۵ھ میں بعمر ۸۰ سال آپ کا انتقال ہوا۔

براء ابن عازبؓ سے بھی حدیث منقول ہے اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث حسن ہے اس کے تابع صحابہؓ اور تابعینؓ کی ایک جماعت ہے۔ نیز سفیان ثوریؓ اور اہل کوفہ کا مسلک بھی اسی حدیث کے مطابق ہے۔

البتہ امام موصوف نے پہلے باب میں عبد اللہ ابن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رفع یدین کی حدیث ثابت ہے اور عدم رفع یدین کے سلسلہ میں حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کی حدیث جو حقیقہ کی مستدل ہے ثابت نہیں ہے۔

بہر حال اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حقیقہ کے مسلک عدم رفع یدین کے اثبات میں اس حدیث کے علاوہ اور بہت احادیث و آثار وارد ہیں جن کو پہلے ذکر بھی کیا جا چکا ہے۔

(۲۱) وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو حمید الساعدیؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو (پہلے) قبلہ کی طرف متوجہ ہوتے (پھر) دونوں ہاتھ اٹھاتے اور (اس کے بعد) اللہ اکبر کہتے۔“ (ابن ماجہ)

آنحضرت ﷺ کا اپنے پیچھے کی چیزوں کا معجزہ کے طور پر دیکھنا

(۲۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَفِي مَوْخِرِ الشُّقْرِ رَجُلٌ فَاسَاءَ الصَّلَاةَ فَلَمَّا سَلَّمَ نَادَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا فُلَانُ أَلَا تَتَّقِي اللَّهَ أَلَا تَرَى كَيْفَ تُصَلِّي إِنَّكُمْ تَرَوْنَ أَنَّهُ يَخْفَى عَلَيَّ شَيْءٌ مِمَّا تَصْنَعُونَ وَاللَّهِ إِنِّي لَأَرَى مِنْ خَلْفِي كَمَا أَرَى مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے (ایک مرتبہ) ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ آخر صف میں ایک شخص کھڑا تھا جس نے ٹھیک طرح نماز نہیں پڑھی۔ جب اس شخص نے سلام پھیرا تو آنحضرت ﷺ نے اسے آواز دے فرمایا کہ، اسے فلاں! کیا اللہ بزرگ و برتر سے نہیں ڈرتے؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم نے نماز کس طرح پڑھی ہے؟ تم تو یہ جانتے ہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو مجھے معلوم نہیں ہوتا حالانکہ خدا کی قسم جس طرح میں اپنے سامنے کی چیزیں دیکھتا ہوں اسی طرح اپنے پیچھے کی چیزیں بھی دیکھ لیتا ہوں۔“ (احمد)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو اس دنیا میں شریعت حق دے کر مبعوث فرمایا تو جہاں آپ ﷺ کی رسالت و نبوت کے دلائل و شواہد میں بہت ساری چیزیں دیں وہیں آپ ﷺ کو کچھ معجزات بھی عنایت فرمائے تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کے ذہن و فکر پر آنحضرت ﷺ کی عظمت و برتری اور آپ ﷺ کی سچائی و صداقت عیاں ہو سکے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ ﷺ جس طرح اپنے سامنے اور آگے کی چیزوں کو دیکھ لیتے تھے ایسے ہی اپنے پیچھے کی چیزوں کو بھی دیکھنے پر قادر تھے اور یہ دیکھنا خرق عادت یعنی معجزہ کے طور پر ہوتا تھا جس کی راہنمائی وحی الہام کے ذریعہ ہوتی تھی۔

مگر اتنی بات یاد رکھ لیجئے کہ اس معجزہ سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ آپ ﷺ کو علم غیب حاصل تھا کیونکہ اول تو یہ بتایا جا چکا ہے کہ آپ ﷺ کو یہ خصوصیت صرف معجزہ کے طور پر حاصل تھی۔ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ اس وصف پر از خود قادر نہ تھے بلکہ اس سلسلہ میں وحی الہام کے ذریعہ آپ ﷺ کی راہنمائی کی جاتی تھی۔ پھر یہ کہ آپ ﷺ کو یہ وصف ہمیشہ حاصل نہیں رہتا تھا بلکہ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا تھا۔ اگر آپ ﷺ کو علم غیب حاصل ہوتا تو نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ وحی الہام کی راہنمائی کے بغیر از خود اس وصف پر قادر ہوتے بلکہ یہ وصف آپ ﷺ کو ہمیشہ ہمیشہ حاصل ہوتا چنانچہ اس کی تائید خود ایک روایت سے ہوتی ہے کہ:

”غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کہیں غائب ہو گئی، جب بہت زیادہ تلاش کے بعد بھی اس کا کہیں پتہ نہ چلا تو منافقین نے کہنا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) تو یہ کہتے ہیں کہ میں آسمان کی باتیں تم تک پہنچاتا ہوں تو کیا وہ اتنا بھی نہیں جان سکتے کہ ان کی اونٹنی کہاں

ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”خدا کی قسم! میں تو صرف انہیں چیزوں کو جان سکتا ہوں جن کے بارہ میں میرا خدا مجھے علم دے! اور اب میرے خدا نے مجھے (بتادیا اور دکھا دیا ہے کہ میری اونٹنی فلاں جگہ ہے اور اس کی مہار ایک درخت کی شاخ میں لگی ہوئی ہے۔“

اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ ”میں انسان ہوں، میں تو (اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر) یہ بھی نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے؟“

شیخ سعدیؒ نے اس حقیقت کی ترجمانی اس طرح کی ہے ۔

گے بر طارم اعلیٰ نشینم گے بر پشت پائے خود نہ بینم

بہر حال۔ آنحضرت ﷺ کی حالت نماز آپ ﷺ کی دوسری حالتوں کے مقابلہ میں زیادہ افضل و اعلیٰ ہوتی تھی اس لئے دوسرے مواقع کی بہ نسبت آپ ﷺ پر حالت نماز میں کائنات کی چیزوں کی حقیقت و معرفت کامل طور پر واضح و ظاہر ہوتی تھی۔ پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ کا نماز میں خدا کے سامنے حاضر ہونا اور متوجہ الی اللہ ہونے کے یہ معنی نہیں تھے کہ آپ ﷺ کائنات سے بیخبر ہو جاتے تھے بلکہ نماز کی حالت میں آپ ﷺ اشیاء کائنات سے پوری پوری طرح باخبر رہتے تھے اور آپ ﷺ کا احساس و شعور پوری قوت سے اشیاء عالم کا اور اک کرتا تھا، چنانچہ خدا کے وہ نیک و فرمانبردار بندے بھی جو ریاضت و مجاہدہ اور تعلق مع اللہ کی بناء پر کاملین کے درجہ میں ہوتے ہیں حالت نماز میں کائنات کی اشیاء سے باخبر رہتے ہیں۔ اگر ایک طرف ان کے قلوب بارگاہ خداوندی میں پوری طرح حاضر رہتے ہیں تو دوسری طرف ان کے احساس و شعور دنیا کی چیزوں سے بھی مطلع رہتے ہیں اسی وجہ سے مشائخ کہتے ہیں کہ نماز مقام کشف و حضور ہے نہ محل غیبت اور استغراق!۔

بعض حضرات نے ان تمام مباحث سے ہٹ کر یہ بھی کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دونوں مؤذنوں کے درمیان دو سوراخ تھے جن کے ذریعہ آپ ﷺ پیچھے کی جانب دیکھتے تھے۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی ثبوت ہے بلکہ کسی ذہن کی افتراء محض ہے۔

بَابُ مَا يَقْرَأُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ

تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جانے والی چیزوں کا بیان

نماز کے شروع میں جن دعاؤں اور اذکار کا پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً اے یا سبحانک اللہم الخ یا ان کے علاوہ دیگر دعائیں ان سب کو یا بعض کو فرائض و نوافل میں پڑھنا امام شافعی کے نزدیک مستحب ہے، امام اعظمؒ، امام مالکؒ، اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ صرف سبحانک اللہم الخ پڑھا جائے اور اس کے علاوہ جو دعائیں ثابت ہیں وہ سب نوافل پر محمول ہیں یعنی آنحضرت ﷺ ان دعاؤں کو نفلوں میں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سبحانک اللہم الخ اور اے یا سبحانک اللہم الخ دونوں دعاؤں کو پڑھنا چاہئے۔ امام طحاویؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ان دونوں دعاؤں کی ترتیب میں نماز کو اختیار ہے خواہ پہلے سبحانک اللہم پڑھے یا اے یا سبحانک اللہم پڑھے کو پہلے پڑھے ویسے مشہور یہی ہے کہ اے یا سبحانک اللہم کے بعد پڑھا جائے۔

تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان آنحضرت ﷺ کی دعا

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ اسْكَاةً فَقُلْتُ

يَا بَنِي آدَمَ وَامِي يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْكَنْتَ بَيْنَ الْكَبِيرِ وَبَيْنَ الْقَوَاءِ مَا تَقُولُ قَالَ أَقُولُ اللَّهُمَّ بَاعِدْنِي بَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اللَّهُمَّ تَقْنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يَتَّقِي الثَّوْبُ الْأَنِيضُ مِنَ الدَّنَسِ اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالْقَلْحِ وَالتَّبَرْدِ - (متن علیہ)

”حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ تکبیر تحریر اور قرأت کے درمیان مکمل خاموشی اختیار کرتے تھے (یعنی باوازا بلند نہ پڑھتے تھے) چنانچہ میں نے (ایک دن) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قریب ہوں، آپ ﷺ تکبیر تحریر اور قرأت کے درمیان خاموش رہتے ہوئے کیا پڑھا کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں یہ (دعا) پڑھا کرتا ہوں۔ اللَّهُمَّ بَاعِدْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اللَّهُمَّ تَقْنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يَتَّقِي الثَّوْبُ الْأَنِيضُ مِنَ الدَّنَسِ اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالْقَلْحِ وَالتَّبَرْدِ“ اسے اللہ! مجھ میں اور میرے گناہوں میں اتنا بعد پیدا کر دے جیسا کہ تو نے مشرق و مغرب کے درمیان بعد پیدا کر رکھا ہے (یعنی میرے گناہوں کو کمال بخش عطا کر اسے اللہ! مجھے گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جیسے سفید کپڑے سے میل دور کیا جاتا ہے) (یعنی مجھے گناہوں سے کمال پاک عطا کر) اسے اللہ! میرے گناہ پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: دعا کے آخر جملہ (اے اللہ! میرے گناہ پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال) سے یہ مراد ہے کہ اے العالمین! میرے گناہوں کو اپنے فضل و کرم کے مختلف طریقوں سے بخش دے۔ ”گویا یہاں بخشش میں مبالغہ مقصود ہے نہ کہ حقیقتہً ان چیزوں سے گناہوں کو دھو نا۔“

آنحضرت ﷺ کس کس موقع پر کون کون سی دعائیں پڑھتے تھے

(۲) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَفِي رَوَايَةٍ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ كَثَّرَ ثُمَّ قَالَ وَجْهْتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذُنُوبِي فَأَعْزِلْنِي عَنْ ذُنُوبِي جَمِيعًا إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ وَاهْدِنِي إِلَى خَيْرِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ لِيَبْلُغَنَّكَ وَتُغْفِرَ لَكَ وَتُغْفِرَ لَكَ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ وَالشُّرَائِسُ إِلَيْكَ أَنَا بِكَ وَالْيَكُ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ اسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ وَإِذَا رَكَعَ قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ أَمْسْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِي وَبَصَرِي وَمَخِي وَعَظْمِي وَعَصْبِي فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَالَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلَا مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ تَعَدُّ وَإِذَا سَجَدَ قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ أَمْسْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ سَجَدْتُ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ تَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ثُمَّ يَكُونُ مِنْ آخِرِ مَا يَقُولُهُ بَيْنَ التَّسْلِيمِ وَالْمُقْدِمِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رَوَايَةٍ لِلشَّافِعِيِّ وَالشُّرَائِسُ إِلَيْكَ وَالْمُهْدِيُّ مِنْ هَدَيْتِ أَنَا بِكَ وَالْيَكُ لَا مُنْجَا مِنْكَ وَلَا مَلْجَأَ إِلَّا إِلَيْكَ تَبَارَكْتَ۔

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ، جب نماز شروع کرتے تو (پہلے) تکبیر (تحریر) کہتے۔ پھر یہ دعا پڑھتے۔ اِنِّي وَجْهْتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْتَ زَيْنٌ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذُنُوْبِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا اِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ وَاَهْدِنِيْ لَاحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لَاحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاَصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ لِيَّبْنِكَ وَسَعْدِيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِيْ يَدِيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ اَنْابُكَ وَاِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ اسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ

میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف متوجہ کیا جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے درحالیکہ میں حق کی طرف متوجہ ہونے والا اور دین باطل سے بیزار ہوں اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو شرک کرتے ہیں، میری نماز، میری عبادت، میری زندگی اور میری موت خدا ہی کے لئے ہے جو دونوں جہانوں کا پروردگار ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم کیا گیا ہے اور میں مسلمانوں (یعنی فرمانبرداروں) میں سے ہوں۔ اے اللہ! توبہ شاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو ہی میرا رب ہے اور میں تیرا ہی بندہ ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں (چونکہ تو نے فرمایا ہے کہ جو بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف و اقرار کرتا ہو میری بارگاہ میں آئے میں اسے بخش دوں گا) لہذا تو میرے تمام گناہوں کو بخش دے کیونکہ تیرے علاوہ اور کوئی گناہ نہیں بخش سکتا اور بہترین اخلاق کی طرف میری راہنمائی کر۔ کیونکہ بجز تیرے اور کوئی بہترین اخلاق کی طرف راہنمائی نہیں کر سکتا اور بدترین اخلاق کو مجھ سے دور کر دے کیونکہ بجز تیرے اور کوئی بد اخلاق سے مجھے نہیں بچا سکتا۔ میں تیری خدمت میں حاضر ہوں اور تیرا حکم بجالانے پر تیار ہوں۔ تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں اور برائی تیری جانب منسوب نہیں کی جاتی، میں تیرے ہی سبب سے ہوں اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں تو بابرکت ہے اور اس بات سے بلند ہے (کہ تیری ذات و صفات کی حقیقت کو نہ تک کسی عقل کی رسائی ہو سکے) میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیرے ہی سامنے توبہ کرتا ہوں۔ "اور جب آپ ﷺ رکوع میں جاتے تو یہ (دعا) پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَهْنُتُ وَبِكَ اَهْنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ خَشَعْتُ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَمُخْيِيْ وَعَظْمِيْ وَعَصْبِيْ" اے اللہ! میں نے تیرے ہی لئے رکوع کیا اور تجھ پر ایمان لایا اور تیرے ہی لئے اسلام لایا اور میری سماعت، میری بینائی، میرا ذہن، میری ہڈی اور میرے ہڈے تیرے ہی لئے بچکے ہوئے ہیں۔ "اور جب (رکوع سے) سر اٹھاتے تو یہ (دعا) پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ زَيَّنَّا لَكَ الْحَمْدُ مِلَّا السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلَّا مَا شِئْتَ مِنْ شَيْئٍ بَعْدُ" اے اللہ! رب ہمارے حیرے ہی لئے حمد ہے آسمانوں اور زمینوں کے برابر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کے برابر اور اس چیز کے برابر جو بعد کو تو پیدا کرے یعنی آسمانوں اور زمین وغیرہ کے بعد اور جو معدوم چیزیں پیدا کرنا چاہے۔ "اور جب سجدہ میں جاتے تو یہ (دعا) پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ سَبَّحْتُ وَبِكَ اَهْنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدْتُ وَجْهِيْ لِلذُّنُوْبِ خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ تَبَلَّوْكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ" اے اللہ! میں نے تیرے لئے سجدہ کیا، تجھ پر ایمان لایا اور تیرے ہی لئے اسلام سے بہرہ ور ہوا، میرے منہ نے اسی ذات کو سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا اس کو صورت دی، اس کے کان کھولے اور اس کی آنکھ کھولی۔ اللہ بہت بابرکت اور بہترین پیدا کرنے والا ہے۔ "اور پھر سب سے آخری دعا جو التحیات اور سلام پھیرنے کے درمیان ہوتی یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَعْلَمْتُ بِهِ وَبِئْسَى اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ" اے اللہ! میرے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دے اور ان گناہوں کو بھی بخش دے جو میں نے پوشیدہ اور اعلانیہ کئے ہیں اور (اس) زیادتی کو بخش دے (جو میں نے اعمال اور مال خرچ کرنے میں کی ہیں) اور ان گناہوں کو بھی بخش دے جن کا علم مجھ سے زیادہ تجھ کو ہے اور تو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے عزت و مرتبہ میں آگے کر دے والا اور جس کو چاہے پیچھے ڈالنے والا ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ "مسلم" اور امام شافعی کی روایت میں (پہلی دعا میں فی یدیک) کے بعد یہ الفاظ ہیں۔ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ وَالْمَهْدِيْ مَنْ هَدَيْتَ اَنْابُكَ وَاِلَيْكَ لَا مُنْجَا مِنْكَ وَلَا مَلْجَا اِلَّا اِلَيْكَ تَبَارَكْتَ" یعنی برائی تیری طرف منسوب نہیں ہے اور ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو تو نے ہدایت بخشی اور میں تیری ہی قوت کے ذریعہ ہوں اور تیری طرف رجوع کرنے والا ہوں۔ نہیں ہے نجات (اور بے پروائی) تیری ذات سے اور نہیں ہے پناہ مگر تیری طرف اور تو ہی بابرکت ہے۔"

تشریح: وَالشُّرَائِيسَ..... الْيَتَامَ (یعنی برائی تیری طرف منسوب نہیں ہے) کا مطلب یہ ہے کہ ازراہ ادب و تعظیم برائی کی نسبت تیری طرف نہیں کی جاتی اگرچہ برائی و بھلائی کا خالق تو ہی ہے اگر تو نے ایک طرف بھلائی کو پیدا کیا ہے تو دوسری طرف برائی کی بھی تخلیق کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ نے برائی کو پیدا کیا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ اس میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ اگر کوئی قباحت و برائی ہے تو وہ بندہ کے ارتکاب میں ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ یعنی میں مخلوق کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ وَالشُّرَائِيسَ الْيَتَامَ کے معنی یہ ہیں کہ برائی وہ چیز ہے جو تیرے تقرب اور تیری خوشنودی کے حصول کا ذریعہ نہیں ہے۔ یا یہ کہ برائی تیری طرف صعود نہیں کرتی یعنی تیری بارگاہ میں قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ بھلائی کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اَلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (یعنی اس پروردگار کی طرف نیک و پاکیزہ باتیں صعود کرتی ہیں یعنی قبولیت کا درجہ پاتی ہیں)۔

(۳) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ فَدَخَلَ الصُّفَّ وَقَدْ حَفَرَهُ النَّفْسُ فَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا أَطْيَبًا مَبَارَكًا فِيهِ فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ قَالَ أَتَيْتُكُمْ الْمُتَكَلِّمَ بِالْكَلِمَاتِ فَأَرَمَ الْقَوْمَ فَقَالَ أَتَيْتُكُمْ الْمُتَكَلِّمَ بِالْكَلِمَاتِ فَأَرَمَ الْقَوْمَ فَقَالَ أَتَيْتُكُمْ الْمُتَكَلِّمَ بِهَا فَإِنَّهُ لَمْ يَقُلْ نَاسًا فَقَالَ رَجُلٌ جَنَّتْ وَقَدْ حَفَرَنِي النَّفْسُ فَقُلْتُهَا فَقَالَ لَقَدْ زَأَيْتُ اثْنِي عَشَرَ مَلَكًا يَتَنَدَّرُونَ بِهَا أَيُّهُمْ يَرَفَعُهَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص آیا اور نماز کی صف میں شامل ہو گیا۔ اس کا سانس چڑھا ہوا تھا اس نے کہا اللہ اکبر، الحمد للہ حمدًا طیبًا مبارکًا فیہ (یعنی اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں ایسی تعریفیں جو بہت زیادہ پاکیزہ اور بابرکت ہیں) جب آنحضرت ﷺ نماز چڑھ چکے تو پوچھا کہ تم میں سے یہ کلمات کس نے کہے تھے؟ سب لوگ (جو نماز میں حاضر تھے اس خوف سے کہ شاید ہم سے کوئی خطا سرزد ہو گئی ہے جس کی وجہ سے ناراضگی کا اظہار ہے) خاموش رہے، آپ نے پھر فرمایا کہ تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے تھے؟ پھر بھی کسی نے جواب نہیں دیا، آپ ﷺ نے پھر تیسری مرتبہ (فرمایا کہ، تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے تھے اور خوف نہ کرو کیونکہ) جس نے یہ کلمات کہے ہیں اس نے کوئی بری بات نہیں کہی ہے۔ ”ایک شخص نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! جب میں آیا تو میرا سانس چڑھا ہوا تھا میں نے ہی یہ کلمات کہے تھے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”میں نے دیکھا کہ بارہ فرشتے جلدی کر رہے تھے کہ ان کھوں کو (پروردگار کی بارگاہ میں) پہلے کون لے جائے۔“ (مسلم)

تشریح: اس شخص نے آنحضرت ﷺ کے استفسار پر جو یہ کہا کہ جب میں آیا تو میرا سانس چڑھا ہوا تھا اور میں نے یہ کلمات کہے تھے تو اس کا یہ کہنا بیان حقیقت اور اظہار واقعہ کے طور پر تھا۔ ان کلمات کے کہنے کے سلسلہ میں کسی عذر کا بیان کرنا مقصود نہیں تھا۔

الفصل الثانی

تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعا

(۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ زَوَّاهُ التَّوْحِيدَ وَأَبْوَدَاؤِ دُرِّ الْوَاهِ الْبَيْنِ مَاجِدَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَارِثَةَ وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ مِنْ قَبْلِ حَفْظِهِ۔

”حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب نماز شروع کرتے تو (تکبیر تحریمہ کے بعد) یہ پڑھا کرتے تھے۔ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ اسے اللہ تو پاک ہے اور ہم تیری پاکی تیری تعریف کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان بلند و برتر ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کی ہے نیز ابن ماجہ نے (بھی) اس روایت کو ابوسعید نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ہم سوائے (بواسطہ) احارہ راوی کے نہیں جانتے اور اس میں قوت حافظہ کے فقدان کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے۔

تشریح: علامہ طہی شافعی نے اس حدیث کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن مشہور ہے اور اس حدیث پر خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر فاروقؓ نے عمل کیا ہے نیز یہ حدیث مسلم میں بھی منقول ہے۔ اس موقع پر علامہ موصوف نے اس حدیث کی تقویت کے بارہ میں بہت لمبی چوڑی بحث کی ہے جسے اہل علم و نظر ان کی کتاب میں دیکھ سکتے ہیں۔

⑤ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ رَأْيَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلَاةَ قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ كَثِيرًا اللَّهُ أَكْبَرُ كَثِيرًا اللَّهُ أَكْبَرُ كَثِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا وَسُبْحَانَ اللَّهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ثَلَاثًا أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ نَفْعِهِ وَنَفْعِهِ وَهُمَزِهِ وَوَاوِ ابْنِ دَاوُدَ وَابْنِ مَاجَةَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا وَذَكَرَ فِي آخِرِهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَقَالَ عُمَرُ نَفْعَةُ الْكَبِيرُ وَنَفْعَةُ الشَّغْوِ وَهُمَزُهُ الْمُؤَنَّةُ۔

”اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آگے نامدار ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے چنانچہ آپ (عکبر تحریر کے بعد) کہتے تھے اللَّهُ أَكْبَرُ كَثِيرًا اللَّهُ أَكْبَرُ كَثِيرًا اللَّهُ أَكْبَرُ كَثِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا وَسُبْحَانَ اللَّهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (یعنی اللہ بہت بڑا اور تر ہے، اللہ بہت بڑا اور تر ہے، اللہ کے واسطے بہت تعریف ہے۔ اللہ کے واسطے بہت تعریف ہے اور ہلکی بیان کرتا ہوں اللہ کی صبح و شام، تین مرتبہ یعنی پہلے کلمات کی طرح) وَسُبْحَانَ اللَّهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا کو بھی تین مرتبہ کہتے تھے اور پھر اس کے بعد یہ کہتے تھے أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ نَفْعِهِ وَنَفْعِهِ وَهُمَزِهِ (یعنی میں شیطان کے تکبر، اس کے شعروں اور اس کے دوسوسوں سے پناہ مانگتا ہوں) اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے البتہ ابن ماجہ نے وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا ذکر نہیں کیا ہے اور آخر میں مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ذکر کیا ہے۔

نیز حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ شیطان کے نفع سے تکبر، اس کے نفع سے شعر اور اس کے ہمز سے جنون مراد ہے۔

تشریح: ”نفع شیطان“ سے مراد تکبر و خود پسندی ہے جس میں شیطان آدمی کو اس طرح پھنساتا ہے کہ اس کو خود اس کی نظر میں اس حیثیت سے دکھاتا ہے کہ وہ آدمی اپنے آپ کو اچھا اور اعلیٰ سمجھ کر تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اس طرح شیطان آدمی سے تکبر کا ارتکاب کراتا ہے۔ گویا نفع شیطان کا مطلب یہ ہوا کہ شیطان آدمی میں تکبر کی لہر پھونک دیتا ہے۔

نفع سے جس کے معنی دم کرنے یعنی پھونکنے کے ہیں محرر مراد لیا گیا ہے جو شیطان آدمی پر کرتا ہے یا آدمی سے کسی دوسرے پہ کرتا ہے یہ معنی ارشاد ربانی وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ کی مناسبت سے زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں نَفْثَاتِ سے مراد محر کرنے والی عورتیں ہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ”نفث“ سے مراد غیر سنجیدہ اور برے مضمون کے اشعار ہیں جنہیں شیطان آدمی کے تخیل میں ڈالتا ہے اور پھر انہیں اس کی زبان سے صادر کرتا ہے جیسے برے منتر یا وہ غلط اشعار جن میں مسلمانوں کی جھوٹ اور کفر و فسق کے الفاظ ہوتے ہیں۔ ”ہمز“ سے مراد غیبت کرنا اور لعن و طعن کرنا ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ ہمز شیطان سے اس کا دوسرا مراد ہے جیسا کہ اس آیت أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ میں ہمزات سے مراد شیطان کے دوسرے لئے گئے ہیں۔

بہر حال یہ معانی اسی وقت مراد لئے جائیں گے جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ حدیث میں حضرت عمرؓ سے ان تینوں الفاظ کی جو توجیہ نقل کی گئی ہے وہ حضرت عمرؓ کا قول نہیں ہے بلکہ کسی راوی کا ہے۔ اگر یہ توجیہ صحیح طور پر حضرت عمرؓ سے ثابت ہو تو پھر وہی معنی مراد ہوں گے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہیں ان کے علاوہ دوسرے معنی مراد نہیں لئے جائیں گے۔

آنحضرت ﷺ نماز میں دو جگہ خاموشی اختیار کرتے تھے

① وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ أَنَّ خَفِظَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسْكَتَيْنِ مَسْكَتٌ إِذَا كَثُرَ وَمَسْكَتٌ إِذَا قَلِيَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمُغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَصَدَقَهُ أَنَّى بَنَ كُفَّ - (رواہ ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و الدارمی رحمہم)

”اور حضرت سمرۃ ابن جندبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آگائے نامدار ﷺ سے دو مسکتے (یعنی چپ رہنا) یاد رکھے ہیں۔ ایک مسکتہ تو تکبیر تحریمہ کہہ لینے کے بعد اور ایک مسکتہ آپ ﷺ اس وقت کرتے تھے جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ کر فارغ ہوتے تھے۔“ حضرت ابی ابن کعبؓ نے (بھی سرہ کے) اس قول کی تصدیق کی ہے۔ ”(ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)“

تشریح: تکبیر تحریمہ کے بعد خاموشی اختیار کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ اس وقت باواز بلند نہیں پڑھتے تھے چنانچہ اس موقع پر دعائے استفتاح (یعنی سبحانک اللہم الخ) پڑھنے کے لئے خاموشی اختیار کرنا تمام ائمہ کے نزدیک متفق علیہ مسئلہ ہے۔ دوسری جگہ یعنی سورۃ فاتحہ ختم کرنے کے بعد خاموشی اختیار کرنا حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہے تاکہ مقتدی اس عرصہ میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیں اور امام کے ساتھ نمازعت لازم نہ آئے جو ممنوع ہے خفیہ اور الکی مسلک میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد خاموشی اختیار کرنا مکروہ ہے۔

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَخَصَّصَ مِنَ الرُّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اسْتَفْتَحَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَلَمْ يَسْكُتْ هَكَذَا فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ وَذَكَرَهُ الْحَمِيدِيُّ فِي أَفْرَادِهِ وَكَذَا صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنْ مُسْلِمٍ وَخُذَفَ

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آگائے نامدار ﷺ جب دوسری رکعت پڑھنے کے بعد اٹھتے تو الحمد للہ رب العالمین شروع کر دیتے تھے اور خاموش نہ رہتے تھے۔ (مسلم) اس روایت کو حمیدی نے اپنی کتاب افراد میں ذکر کیا ہے۔ نیز صاحب جامع الاصول نے بھی اس روایت کو مسلم سے نقل کیا ہے۔“

تشریح: چونکہ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ دوسری رکعت کے بعد دوسرا شفعہ شروع ہونے کے وقت شاید سبحانک اللہم پڑھنے کے لئے خاموشی اختیار کرتے ہوں اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کی وضاحت کر دی کہ جب آپ ﷺ دوسری رکعت کے بعد دوسرے شفعہ کے لئے اٹھتے تھے تو سبحانک اللہم نہیں پڑھتے تھے بلکہ الحمد للہ رب العالمین شروع کر دیتے تھے۔ یہ بھی محتمل ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ جب آپ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تھے الحمد للہ رب العالمین شروع کر دیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

الفصل الثالث

تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعا

③ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ كَثُرَ ثُمَّ قَالَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ اهْدِنِي لَأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ وَأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لَأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَفِي سَبِيلِ الْأَعْمَالِ وَسَبِيلِ الْأَخْلَاقِ لَا يَقِينُ سَبِيلَهَا إِلَّا أَنْتَ - (رواہ النسائی)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آگائے نامدار ﷺ جب نماز شروع کرتے تو (پہلے) تکبیر تحریمہ (یعنی اللہ اکبر) کہتے پھر یہ دعا پڑھتے إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ اهْدِنِي لَأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ وَأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لَأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَفِي سَبِيلِ الْأَعْمَالِ وَسَبِيلِ الْأَخْلَاقِ لَا يَقِينُ سَبِيلَهَا إِلَّا أَنْتَ

اَلتَّ مِیری نماز میری عبادت میری زندگی اور میری موت (سب کچھ) پروردگار عالم ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان (یعنی فرمانبردار) ہوں۔ اے اللہ! انیک اعمال اور حسن اخلاق کی طرف میری راہنمائی کر کیونکہ بہترین اعمال و اخلاق کی طرف تو ہی راہنمائی کر سکتا ہے اور مجھے برے اعمال و بد اخلاقی سے بچا کیونکہ برے اعمال و اخلاق سے تو ہی بچا سکتا ہے۔" (نسائی)

تشریح: اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (یعنی میں سب سے پہلا مسلمان ہوں) کی تشریح میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ خصوصیت صرف آنحضرت ﷺ کو ہی حاصل ہے کہ سب سے پہلا اسلام آپ ﷺ کا ہے کیونکہ پیغمبر اپنی امت میں سب سے پہلا مسلمان ہوتا ہے چونکہ قرآن میں آنحضرت ﷺ کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ اس طرح کہیں اس لئے آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے یہ بات کہ وہ انا اول المسلمین کہے درست نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا جھوٹ ہوگا، چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں اس طرح کہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن اس سلسلہ میں صحیح یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان الفاظ کو آیت قرآنی کی تلاوت کی نیت سے، نہ کہ اپنی حالت کی خبر دینے کی نیت سے ادا کرے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اس مسئلہ میں ایک خیال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس جملہ کو "خبر" قرار نہ دے بلکہ اس کا مقصد تجدید ایمان و اسلام کی انشاء اور اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ امراء و سلاطین کے تابعدار لوگ کسی حکم کے صادر ہونے کے وقت کہتے ہیں کہ "جو بھی حکم ہو اس کی اطاعت پہلے جو کرے گا وہ میں ہوں گا۔" گویا اس طرح اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

⑨ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ يُصَلِّي تَطَوُّعًا قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ وَجْهَتْ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَبِيقًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَذَكَرَ الْحَدِيثَ مِثْلَ حَدِيثِ جَابِرٍ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ وَ أَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ ثُمَّ يَقْرَأُ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت محمد بن مسلمہ کہتے ہیں کہ آگائے نامدار ﷺ جب نماز نفل پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو یہ کہتے اللہ اکبر و جْهَتْ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَبِيقًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ اللہ بہت بڑا ہے۔ میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے در حالیکہ میں توحید کرنے والا ہوں اور مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ (اس کے بعد راوی نے) حضرت جابرؓ (کی مذکورہ بالا حدیث) کی مانند حدیث بیان کی ہے لیکن محمدؐ نے (و انا اول المسلمین کی جگہ) و انا من المسلمین کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ یہ کہتے ہیں اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ اے اللہ! تو ہی بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے اور تیرے ہی لئے تعریف ہے۔ اس کے بعد (اعوذو بسملہ پڑھ کر) قرأت کرتے تھے۔" (نسائی)

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ

نماز میں قراءت کا بیان

کتنی رکعتوں میں قراءت فرض ہے: نماز میں قراءت یعنی قرآن کریم پڑھنا تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر فرض ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کتنی رکعتوں میں پڑھنا فرض ہے؟ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پوری نماز میں قراءت فرض ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے ہاں لاکھ حکم الکمل (اکثر کل کے حکم میں ہے) کے کلیہ کے مطابق تین رکعت میں فرض ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ حضرت امام احمدؒ کا مسلک قول مشہور ہے کہ مطابق امام شافعیؒ کے مسلک کے

موافق ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت زفر کے نزدیک صرف ایک رکعت میں قراءت فرض ہے۔

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا بیان

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ - (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةِ الْمُسْلِمِ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَيِّمِ الْقُرْآنِ فَصَاعِدًا)

”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آگے نامدار ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے (نماز میں) سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز پوری نہیں ہوئی۔“ (بخاری، مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ”اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ اور اس کے بعد قرآن سے کچھ نہ پڑھے۔“

تشریح: مسلم کی آخری روایت کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن کی کوئی اور سورہ یا اور کچھ آیتیں پڑھنا بھی ضروری ہے۔

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے مسئلہ میں ائمہ کے مسلک: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اگر کوئی شخص سورہ فاتحہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ چنانچہ اسی حدیث سے امام شافعیؒ نے اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کیونکہ حدیث نے صراحت کے ساتھ ایسے شخص کی نماز کی نفی کی ہے جس نے نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔

حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔ اس حدیث کے بارہ میں امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہاں نفی کمال مراد ہے یعنی بغیر سورہ فاتحہ کے نماز ادا تو ہو جاتی ہیں مگر مکمل طور پر ادا نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے فَاقْرَأْ وَامَّا تَتَسَوِّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (یعنی قرآن میں سے جو پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو، اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ مطلق قرآن کی کوئی بھی سورہ یا آیتیں پڑھنا فرض ہے۔ اس کے علاوہ خود آنحضرت ﷺ نے بھی ایک اعرابی کی نماز کے سلسلہ میں یہ تعلیم فرمائی تھی کہ فَاقْرَأْ وَامَّا تَتَسَوِّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ (یعنی تمہارے لئے قرآن میں سے جو کچھ پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو) بہر حال۔ حنفیہ مسلک کے مطابق نماز میں فرض کہ جس کے بغیر نماز ادا نہیں ہوتی قرآن کی ایک آیت یا تین آیتوں کا پڑھنا ہے خواہ سورہ فاتحہ ہو یا دوسری کوئی سورہ و آیت اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اس کے بغیر نماز ناقص ادا ہوتی ہے۔

سورہ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ناقص ادا ہوتی ہے

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَيِّمِ الْقُرْآنِ فَفِيهِ خِذَاجٌ نَلَأًا غَيْرَ تَمَامٍ فَقِيلَ لَأَبْنِ هُرَيْرَةَ إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْأَمَامِ قَالَ اقْرَأْ بِهَا فَنِي نَفْسِكَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي بَصْفَيْنِ وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى حَمْدِي عَبْدِي وَإِذَا قَالَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّى عَلَى عَبْدِي وَإِذَا قَالَ مَلِكُ يَوْمَ الدِّينِ قَالَ مَجْدِي عَبْدِي وَإِذَا قَالَ إِنَّاكَ نَعْبُدُ وَإِنَّاكَ نَسْتَعِينُ قَالَ هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَمَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ هَذَا الْعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ - (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آگے نامدار ﷺ نے فرمایا ”جو شخص نماز پڑھے اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی وہ نماز ناقص

ہے (آپ ﷺ نے یہ) نمن مرتبہ (فرمایا کہ وہ نماز تھیں) حضرت ابو ہریرہؓ سے (یہ سن کر) کسی نے پوچھا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں (تو اس وقت بھی پڑھیں؟) انھوں نے کہا کہ (ہاں) اگر اپنے دل میں آہستہ سے پڑھو کہ بس تم ہی سن سکو اس لئے کہ میں آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے کہ میں نے نماز (یعنی سورۃ فاتحہ) اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان آدمی آدمی تقسیم کی ہے۔ (اس طرح کہ حمد و ثنا تو میرے لئے ہے اور دعا: بندے کے لئے) اور بندہ جو کچھ مانگے وہ اسے دیا جائے گا چنانچہ جب بندہ کہتا ہے کہ ”الحمد لله رب العالمین“ (یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہاں کا پروردگار ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے میری تعریف بیان کی، جب بندہ کہتا ہے ”الرحمن الرحیم“ (یعنی اللہ بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”میرے بندہ نے میری ثناء بیان کی، جب بندہ کہتا ہے ”ملک یوم الدین“ (یعنی اللہ) (انصاف) (قیامت) کے دن کا حاکم ہے۔ تو پروردگار فرماتا ہے میرے بندہ نے میری تعظیم کا اظہار کیا ہے جب بندہ کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین (یعنی (اے پروردگار! ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے (یعنی عبادت اللہ کے لئے ہیں اور مدد مانگنا بندہ کے لئے ہے) اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ اسے ملے گا۔ جب بندہ کہتا ہے اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین (یعنی (اے پروردگار! ہم کو سیدھے راستے پر چلا ان لوگوں کے راستے جن پر تیرا فضل و کرم رہا ہے نہ کہ ان کے راستے جن پر تیرا غضب رہا ہے اور نہ گمراہوں کے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”یہ میرے بندہ کے لئے ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور بندہ جو مانگے گا وہ اسے ملے گا۔“ (مسلم)

تشریح: قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی نصفین (میں نے نماز اپنے اور بندے کے درمیان آدمی آدمی تقسیم کی ہے) میں نے نماز سے مراد سورۃ فاتحہ ہے جیسے کہ ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے مقتدی کو بھی سورۃ فاتحہ پڑھنے کے لئے کہا اور ابعد کی حدیث سے استدلال کیا کہ جب سورۃ فاتحہ ایسی فضیلت ہے تو مقتدی کو بھی سورۃ فاتحہ پڑھنا چاہئے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں۔ تین آیتیں یعنی الحمد سے ملک یوم الدین تک تو خالص اللہ تعالیٰ کی مدح و ثناء میں ہیں اور ایک آیت یعنی ایاک نعبد و ایاک نستعین خدا اور بندہ کے درمیان مشترک ہے کہ آدمی آیت یعنی ایاک نعبد میں خدا کی عبادت و بندگی کا قرار ہے اور آدمی آیت یعنی و ایاک نستعین میں بندہ کی جانب سے حاجت کی طلب اور مدد کی درخواست ہے اور بعد کی جو تین آیتیں ہیں صرف بندہ کی دعا پر مشتمل ہیں۔

بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جزء نہیں ہے:

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بسم اللہ (یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم) داخل فاتحہ اور اس کا جزء نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے کیونکہ اگر بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جزء قرار دے کر بجائے سات کے آٹھ آیتیں شمار کی جائیں تو تقسیم صحیح نہیں ہوگی اور ایک طرف تو ساڑھے چار آیتیں ہو جائیں گی اور ایک طرف ساڑھے تین رہ جائیں گی لہذا اس صورت میں نصف نصف تقسیم صحیح نہیں رہے گی۔ نیز یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سورۃ فاتحہ کی سات آیتوں میں سے ”صرط الذین انعمت علیہم“ بھی ایک آیت ہے۔

سورۃ فاتحہ کے سلسلہ میں اس باب کی پہلی حدیث کی تشریح کے ضمن میں آئمہ کے مذاہب کو نقل کیا گیا تھا اور حنفی مسلک کی وضاحت کی گئی تھی لیکن اس موقع پر یہ بحث کچھ تشدد نہ گئی تھی اس لئے ہم یہاں کچھ وضاحت کے ساتھ اس بحث کو پیش کرتے ہیں۔

مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ سورۃ فاتحہ کے سلسلہ میں آئمہ کے یہاں دو بحثیں چلتی ہیں اول تو یہ کہ مطلقاً سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس بحث کی توضیح پہلے کی جا چکی ہے کہ امام شافعی کے نزدیک سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور امام اعظم کے

نزدیک واجب ہے۔ دوسری بحث یہ ہے کہ سورہ فاتحہ مقتدی کو پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

حضرت ابو ہریرہؓ کے اس قول سے تو یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا چاہئے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ سے صحیح روایت میں منقول ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے خواہ بلند آواز کی نماز ہو یا آہستہ آواز کی۔ اور یہی حضرت امام احمدؒ کا بھی مسلک ہے، امام مالکؒ کے نزدیک فرض نہیں مگر آہستہ آواز کی نماز میں مستحب ہے ہمارے امام اعظم ابو حنیفہؒ اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف و امام محمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ آہستہ آواز اور بلند آواز دونوں قسم کی نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا مقتدی پر فرض نہیں ہے بلکہ حنفی فقہاء تو اس کو مکروہ تحریمی لکھتے ہیں۔

امام محمدؒ کے مسلک کی تحقیق: ابھی ہم نے اوپر لکھا ہے کہ حضرت امام اعظمؒ اور صاحبین کا متفقہ طور پر یہ مسلک ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے مگر اس سلسلہ میں کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے جس کی بنیاد پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام محمدؒ کا مسلک امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ سے کچھ مختلف ہے چنانچہ ملا علی قاریؒ نے مرقاة شرح مشکوٰۃ میں اور کچھ دوسرے علماء نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ اس کے قائل ہیں کہ آہستہ آواز کی نماز میں مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ امام محمدؒ کی طرف اس قول کی نسبت کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کیونکہ امام محمدؒ کی کتابوں سے بالکل صاف طریقہ پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں شیخین یعنی امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ سے بالکل متفق ہیں۔ چنانچہ امام محمدؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

لا قرأ خلف الامام فيما جهر فيه ولا فيما لم يجهر بذلك جاءت عامة الآثار وهو قول ابي حنيفة رحمه الله تعالى۔

”نماز خواہ بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی کسی حال میں بھی امام کے پیچھے قراءت نہیں ہے اسی کے مطابق ہمیں بہت سے احادیث پہنچی ہیں اور یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔“

نیز امام موصوف نے اپنی دوسری تصنیف کتاب الآثار میں قراءت خلف الامام کے عدم اثبات میں احادیث و آثار کو نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

وبه نأخذ لا نرى القراءة خلف الامام شيء من الصلوة يجهر فيه ولا يجهر فيه۔

”اور یہی (یعنی عدم قراءت خلف الامام) ہمارا بھی مسلک ہے ہم قراءت خلف الامام کو کسی بھی نماز میں خواہ وہ بلند آواز کی نماز ہو یا آہستہ آواز کی نماز روا نہیں رکھتے۔“

بہر حال مذکورہ بالا مذہب کو دیکھتے ہو یہ بات ظاہر ہوئی کہ سورہ فاتحہ کے سلسلہ میں حنیفہ دو چیزوں کے قائل ہیں۔ اول تو یہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا کسی بھی حال میں فرض نہیں خواہ وہ نماز بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی اور دوسرے یہ کہ اگر کوئی مقتدی سورہ فاتحہ پڑھتا ہے تو گویا وہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس موقع پر ہم صرف اتنی بات صاف کریں گے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض کیوں نہیں ہے اور اس کے دلائل کیا ہیں۔

تو جانتا ہے کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے ان کی سب سے بڑی دلیل اس باب کی پہلی حدیث ہے یعنی لا صلوة الا بغاتحة الكتاب ان حضرات کے نزدیک امام کا پڑھنا مقتدی کے حق میں کافی نہیں بلکہ ہر ایک شخص کو بطور خود پڑھنا ضروری ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ امام کا پڑھنا مقتدی کے لئے کافی ہے۔ جب امام نے پڑھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پوری جماعت نے پڑھا، چنانچہ وہ اپنے اس قول کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں من كان له امام فقراء قال امام فقراء قلہ (یعنی جو شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ تو اس امام کی قراءت اس (مقتدی) کی بھی قراءت سمجھی جائے گی) گو بعض علماء نے اگرچہ اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے۔ مگر

حقیقت میں ان کا کلام صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث بہت ہی اسناد سے ثابت ہے جن میں سے بعض اسناد تو اس درجہ کی صحیح و سالم ہیں کہ اس میں کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں۔

بہر حال اس حدیث سے یہ بات بصراحت ثابت ہوتی ہے کہ مقتدی کو قراءت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ تو سورہ فاتحہ کی اور نہ کسی اور سورہ کی۔ اس موقع پر یہ احتمال بھی پیدا نہیں کیا جاسکتا کہ شاید اس حدیث کا تعلق بلند آواز کی نماز سے ہو کیونکہ یہ بات بھی صحیح طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد عصر کی نماز کے وقت تھا، جو آہستہ آواز کی نماز ہے اور جب آہستہ آواز کی نماز میں یہ حکم ہے تو بلند آواز کی نماز میں تو بدرجہ اولیٰ ملکی حکم ہوگا۔

بسم اللہ باواز بلند پڑھنا چاہئے یا آہستہ

③ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ وَحُصَيْنُ اللَّهِ عَنْهُمَا كَانُوا يَقْتَبِعُونَ الصَّلَاةَ بِالْأَلْفِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (ردہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آقا، نامدار ﷺ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نماز الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: بظاہر تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز شروع کرتے وقت سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے لیکن سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا تمام ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے کیونکہ دوسری احادیث سے بسم اللہ کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے خواہ بسم اللہ کو سورہ فاتحہ کا جزء مانا جائے جیسا کہ شوافع کہتے ہیں خواہ نہ مانا جائے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں الحمد للہ رب العالمین سے مراد سورہ فاتحہ ہے یعنی آپ ﷺ سورہ فاتحہ سے نماز شروع کرتے تھے جیسا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص نے الم پڑھا تو اس سے مراد سورہ بقرہ ہی لی جاتی ہے اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جزء ہے لہذا اس قول سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ آپ ﷺ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔

حنفیہ کی جانب سے اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہاں قافی مراد نہیں ہے بلکہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ بسم اللہ باواز بلند نہیں پڑھتے تھے بلکہ آہستہ سے پڑھتے تھے اور باواز بلند نماز کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے کیونکہ یہ بات پوری صحت کی ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ، خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بسم اللہ باواز بلند نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ باواز بلند پڑھی جانے والی نماز میں بھی آہستہ سے پڑھتے تھے۔

حضرت شیخ ابن ہمامؒ نے بعض حفاظ حدیث (یعنی وہ لوگ جن کو بہت زیادہ احادیث زبانی یاد رہتی تھیں) سے نقل کیا ہے کہ کوئی بھی ایسی حدیث ثابت نہیں ہے جس میں بسم اللہ کا باواز بلند پڑھنا بصراحت ثابت ہوتا ہو یا اگر کوئی ایسی حدیث ثابت بھی ہے کہ جس سے بسم اللہ باواز بلند پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو اس کی اسناد میں کلام کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت سے بسم اللہ باواز آہستہ پڑھنا بکثرت منقول ہے اور اگر اتفاقاً طور پر کسی کے بارہ میں باواز بلند پڑھنا ثابت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو انہوں نے لوگوں کی تعلیم کے لئے بسم اللہ باواز بلند پڑھی ہوگی یا پھر یہ ان مقتدیوں کی روایت ہے جو ان کے بالکل قریب نماز میں کھڑے ہوتے تھے کہ اگر وہ، بسم اللہ آہستہ سے بھی پڑھتے تھے تو مقتدی سن لیتے تھے اور اکی کو انہوں نے باواز بلند پڑھنے سے تعبیر کیا۔

امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں اس مسئلہ سے متعلق دو باب قائم کئے ہیں ایک باب میں تو ان احادیث کو نقل کیا ہے جن سے بسم اللہ باواز بلند پڑھنا ثابت ہے اور دوسرے باب میں وہ احادیث نقل کی ہیں جو آہستہ آواز سے پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور امام

موصوف نے ترجیح انہیں احادیث کو دی ہے جن سے باوازاہستہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور کہا ہے کہ اس طرف (یعنی بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے مسلک کے حق میں) اکثر اہل علم مثلاً صحابہ میں سے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور تابعین وغیرہ ہیں۔

آمین کہنے کا حکم

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آمَنَ الْإِمَامُ فَأَمَّنُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَامِيثُهُ تَامِينَ الْمَلَائِكَةُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ هَذَا الْفَظَ الْبُخَارِيُّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهُ وَفِي أُخْرَى لِلْبُخَارِيِّ قَالَ إِذَا آمَنَ الْقَارِئُ فَأَمَّنُوا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَوَمَّنَ فَمَنْ وَافَقَ تَامِيثُهُ تَامِينَ الْمَلَائِكَةُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آگائے نامدار ﷺ نے فرمایا ”جب امام (سورہ فاتحہ کی قراءت کے بعد) آمین کہے تو (چونکہ اس وقت فرشتے آمین کہتے ہیں اس لیے) تم بھی آمین کہو۔ کیونکہ جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے سارے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے۔“ (بخاری، مسلم) ”ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو کیونکہ جس شخص کا (آمین) کہنا فرشتوں کے (آمین) کہنے سے مل جاتا ہے اس کے پچھلے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں مسلم کی حدیث کے الفاظ بھی اس کے مثل ہیں۔“

اور بخاری کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”آپ نے فرمایا جب قرآن کا پڑھنے والا (یعنی) امام یا کوئی بھی مطلقاً پڑھنے والا آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ (اس وقت) فرشتے آمین کہتے ہیں اور جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے تو اس کے پچھلے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔“

تشریح: آمین کے معنی یہ ہیں کہ ”اے اللہ! میری دعا قبول کر“ چنانچہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ آمین کہیں۔

آمین کہنے والے فرشتوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اعمال کو لکھتے ہیں لیکن بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں ان کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں۔

مقتدی کی نماز کا طریقہ

⑤ وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيمُوا صُفْرَ فِكْمٍ ثُمَّ لِيُؤْمَكُمُ أَحَدُكُمْ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَالَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ يُخْبِنُكُمْ اللَّهُ فَإِذَا كَبَّرَ وَرَكَعَ فَكَبِّرُوا أَوْ ارْكَعُوا فَإِنَّ الْإِمَامَ يَرَكِعُ قَبْلَكُمْ وَيَرَفَعُ قَبْلَكُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَلِّغْ بَلِّغْ قَالَ وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ يَسْمَعُ اللَّهُ لَكُمْ زَوَاهِ مُسْلِمٍ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَقَتَادَةَ وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا۔

”اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ آگائے نامدار ﷺ نے فرمایا ”جب تم (اجامعت) نماز پڑھو تو (پہلے) اپنی صفوں کو سیدھی کر دو پھر (تم میں سے) ایک شخص تمہارا امام بنے، چنانچہ جب وہ امام تکبیر تحریر (یعنی) اللہ اکبر کہے تو تم (بھی اللہ اکبر) کہو، جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے گا اور جب امام (رکوع میں جانے کے لئے) اللہ اکبر کہے اور رکوع میں جائے تم بھی اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں چلے جاؤ اور امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور تم سے پہلے سر اٹھاتا ہے۔ چنانچہ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ امام کا پہلے سر اٹھانا پہلے رکوع کرنے کا بدلہ ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا ”جب امام سح اللہ لمن حمد کے تو تم اللہم ربنا لک الحمد کہو خدا تمہاری تعریف سنتا ہے۔ اور مسلم کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے الفاظ ”فصلک بتلک“ یعنی امام سے پہلے سر اٹھانا پہلے رکوع کرنے کا بدلہ ہے۔ ”کا مطلب یہ ہے کہ امام مقتدی سے پہلے رکوع سے سر اس لئے اٹھاتا ہے تاکہ امام اور مقتدی کے رکوع کی مقدار برابر ہو جائے۔ گویا آپ ﷺ کا یہ ارشاد واضح طور پر یوں ہے کہ ”جب امام رکوع میں تم سے پہلے گیا تو گویا اس وقت تمہارے اور امام کی رکوع کی مقدار برابر نہ رہی مگر جب امام نے رکوع سے تم سے پہلے سر اٹھالیا اور تم نے اس کے بعد سر اٹھایا تو گویا تمہاری اس تاخیر سے وہ لمحہ پورا ہو گیا جس میں امام نے رکوع میں جانے میں تم سے پہلے کی تھی اور جس طرح تم رکوع میں امام کے بعد گئے اسی طرح رکوع سے اٹھے بھی امام کے بعد ہی لہذا امام اور مقتدی دونوں کے رکوع کی مقدار پوری ہو گئی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب امام سح اللہ لمن حمد کہے تو مقتدی اللہم ربنا لک الحمد کہیں مگر ایک دوسری روایت میں ربنا لک الحمد (واؤ کے ساتھ) کے الفاظ مروی ہیں۔ نیز ایک روایت میں اللہم ربنا لک الحمد بھی مروی ہے۔

یہ حدیث حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اس مسئلہ میں مستدل ہے کہ امام رکوع سے اٹھتے ہوئے صرف سح اللہ لمن حمد کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہیں حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک امام، مقتدی اور مفرد تینوں ہی کو یہ دونوں کلمات کہنے چاہئیں صاحبین سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے لیکن اس قید کے ساتھ کہ امام ربنا لک الحمد آہستہ آواز سے کہے۔

مفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والے شخص کے بارہ میں متفقہ طور پر یہ حکم ہے کہ وہ دونوں کلمات کہے اگرچہ صرف ایک پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اکتفاء ربنا لک الحمد پر کیا جائے۔ دونوں کلمات کہنے کی صورت میں سح اللہ اٹھتے ہوئے اور ربنا لک الحمد حالت قیام میں کہا جائے۔

حدیث کا آخری جملہ واذا قرأوا الفاتحہ (یعنی جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو) حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک کی دلیل ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا چاہئے قراءت نہ کرنی چاہئے خواہ نماز بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی۔

نماز میں قراءت کا طریقہ

① وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْأَوَّلِينَ بِأَمِّ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ وَفِي الرَّكَعَتَيْنِ الْأَخْرَتَيْنِ بِأَمِّ الْكِتَابِ وَيُسَمِعُنَا آيَةَ أَحْيَانًا وَيَطْوِلُ فِي الرَّكَعَةِ الْأُولَى مَا لَا يُعْطِلُ فِي الرَّكَعَةِ الثَّانِيَةِ وَهَكَذَا فِي الْقَضْرِ وَهَكَذَا فِي الصُّبْحِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ آگائے نامدار ﷺ ظہر کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں (یعنی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک سورہ) پڑھتے تھے اور بعد کی دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں (بھی) کوئی آیت سنایا کرتے تھے اور دوسری رکعت کی بہ نسبت پہلی رکعت کو زیادہ طویل کرتے تھے اسی طرح عصر اور فجر کی نماز میں بھی کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ظہر کی نماز میں یوں تو قراءت سری (یعنی آہستہ آواز سے) سے ہوتی ہے اور اسی طرح آنحضرت ﷺ بھی پڑھتے تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بسا اوقات ظہر کی نماز میں کوئی آیت یا سورہ آواز بلند بھی پڑھ دیا کرتے تھے اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ لوگ جان لیں کہ سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ یا کوئی آیت بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ یا لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ آپ ﷺ فلاں

سورت کی قراءت کر رہے ہیں۔ اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ یہاں ظہر کی تخصیص تقیدی نہیں ہے بلکہ اتفاق ہے۔ یعنی آپ ﷺ ہر نماز میں ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

پہلی رکعت کو طویل کرنے کا مسئلہ: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی رکعت کو دوسری رکعتوں سے زیادہ طویل کرنا چاہئے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت کی بہ نسبت زیادہ طویل کرنا چاہئے۔ حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ کا بھی مسلک یہی ہے، ان حضرات نے ظہر، عصر اور صبح کی نمازوں میں پہلی رکعت کو طویل کرنے کے مسئلہ کو احادیث سے ثابت کیا ہے اور مغرب و عشاء کو ان تینوں پر قیاس کیا ہے۔ عبدالرزاقؒ نے اس حدیث کے آخر میں معمرؒ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ”ہمارا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ پہلی رکعت کو اس لئے طویل کرتے تھے کہ لوگ پہلی رکعت پائیں، امام ابو داؤد اور ابن خزیمہؒ نے بھی یہی لکھا ہے۔“

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پہلی رکعت کو طویل کرنا صرف فجر کی نماز کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ وقت نیند و غفلت کا ہوتا ہے۔ ورنہ تو دونوں رکعتیں چونکہ استحقاق قراءت میں برابر ہیں۔ اس لئے مقدار قراءت میں بھی برابر ہونی چاہئیں چنانچہ ایک حدیث میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر رکعت میں تیس آیتوں کی مقدار قراءت کیا کرتے تھے۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ جس سے پہلی رکعت کو طویل کرنے کا اثبات ہوتا ہے تو یہ اس بات پر محمول ہے کہ چونکہ پہلی رکعت میں دعا کے استفتاح (یعنی بسم اللہ اور اعوذ باللہ و بسم اللہ) پڑھی جاتی ہے اس لئے پہلی رکعت طویل معلوم ہوتی تھی نیز یہ کہ طوالت تین آیتوں سے بھی کم کی مقدار میں ہوتی تھی۔

خلاصہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام محمدؒ کا مسلک احب یعنی اچھا ہے۔

نماز میں آنحضرت ﷺ کے قیام کی مقدار

⑥ وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا نَحْزُرُ قِيَامَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكَعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ قِرَاءَتِهِ أَلَمْ تَنْزِيلِ السَّجْدَةِ وَفِي رِوَايَةٍ فِي كُلِّ رَكَعَةٍ قَدْرَ ثَلَاثِينَ آيَةً وَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الْآخِرَتَيْنِ قَدْرَ التَّصْفِ مِنْ ذَلِكَ وَحَزَرْنَا فِي الرَّكَعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى قَدْرِ قِيَامِهِ فِي الْآخِرَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَفِي الْآخِرَتَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى التَّصْفِ مِنْ ذَلِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوسعید خدریؒ فرماتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر کی نماز میں آگے آئے مآد ار ﷺ کے قیام (کی مقدار) کا اندازہ کرتے، چنانچہ ہم نے اندازہ کیا کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں الم تنزیل السجدہ پڑھنے کے بقدر قیام کرتے تھے اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”ہر رکعت میں تیس آیتیں پڑھنے کے بقدر قیام کرتے تھے اور (ظہر کی) آخری دو رکعتوں میں ہم نے اس سے نصف کا اندازہ کیا۔ اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی آخری دو رکعتوں کی بقدر قیام کا اور عصر کی آخری دو رکعتوں میں اس کے نصف کی بقدر قیام کا ہم نے اندازہ کیا۔“ (مسلم)

تشریح: الم تنزیل السجدہ کے بقدر کا مطلب یہ ہے کہ دونوں رکعتوں میں آپ ﷺ کے مجموعی قیام کی مقدار سورہ الم تنزیل السجدہ ہونی چاہی اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ ہر رکعت میں الم السجدہ پڑھنے کے بقدر قراءت کرتے تھے اس آخری مطلب کی تائید دوسری روایت بھی کرتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر رکعت میں تیس آیتوں کے بقدر قراءت کرتے تھے اور الم تنزیل السجدہ میں انیس آیتیں ہیں، اگر پہلے مطلب کو صحیح مانا جائے تو یہ دوسری روایت کے خلاف ہو گا لہذا بہتر یہی ہو گا کہ یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ ہر رکعت میں سورہ الم تنزیل السجدہ کی بقدر قراءت کرتے تھے۔

آخری رکعتوں میں قراءت کا مسئلہ: حدیث کے ان الفاظ وحزور نا قیامہ فی الاخرین یعنی (ظہر کی آخری دو رکعتوں میں اس سے نصف کا ہم نے اندازہ کیا۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی آخری دونوں رکعتوں میں بھی سورہ فاتحہ کی ساتھ کوئی دوسری سورت جو پہلی دونوں رکعتوں کی سورتوں سے مختصر ہوتی تھی پڑھتے تھے چنانچہ امام شافعیؒ کا مسلک قول جدید کے مطابق یہی ہے لیکن ان کے یہاں فتوے ان کے قول قدیم پر ہے جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

لہذا اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فعل سنت پر محمول نہیں بلکہ بیان جواز پر محمول ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کبھی کبھی کوئی اور سورہ بھی ملا کر قراءت کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس طرح پڑھنا بھی جائز ہے لیکن اتنی بات جان لینی چاہئے کہ تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ آخری دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے بلکہ حنفیہ کا کہنا تو یہ کہ اگر کوئی شخص سورہ فاتحہ بھی نہ پڑھے بلکہ صرف تسبیح (یعنی سبحان اللہ وغیرہ کہ لے تو بھی جائز ہے لیکن قراءت افضل ہے، امام نخعیؒ، امام ثوریؒ اور کوفہ کے تمام علماء کا قول بھی یہی ہے۔

محیط میں یہ لکھا کہ اگر کوئی شخص آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بجائے قصداً سکوت اختیار کرے تو یہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے ایک غلط فعل ہوگا۔ حسن بن زیادؒ نے حضرت امام اعظمؒ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں قراءت کرنا واجب ہے یا ابن شیبہؒ نے حضرت علیؓ اور حضرت مسعودؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ پہلی دونوں رکعتوں میں قراءت کرو اور آخری دونوں رکعتوں میں تسبیح پر اکتفاء کرو اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورہ بھی پڑھے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا اور یہی صحیح بھی ہے کیونکہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورہ بھی پڑھے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا اور یہی صحیح بھی ہے کیونکہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے اور کسی دوسری سورت کا ترک کرنا واجب نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ سجدہ سہو کسی واجب کو چھوڑ دینے یا واجب پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ضروری ہوتا ہے۔

حضرت امام احمدؒ کے یہاں اولیٰ اور صحیح یہ ہے کہ آخری دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورہ کا پڑھنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ آپ ﷺ آخری دونوں رکعتوں میں کبھی کبھی سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی سورہ یا کچھ آیتیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے لیکن سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورہ کا نہ پڑھنا ہی مستحب ہے۔

ظہر کی نماز کی قراءت

⑧ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّلْمِ بِاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ وَفِي رِوَايَةٍ يَسْبِيحُ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ وَفِي الْعَصْرِ نَحْوَ ذَلِكَ وَفِي الصُّبْحِ أَظْلَوْلَ مِنْ ذَلِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابر ابن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ ظہر کی نماز میں سورہ واللیل اذا يغشى پڑھا کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سورہ صبح اسم ربك الاعلى پڑھا کرتے تھے اور عصر کی نماز میں بھی اسی قدر (کوئی آیت یا سورہ) پڑھتے تھے اور صبح کی نماز میں اس سے لمبی قراءت کرتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: جس طرح دیگر احادیث میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ فلاں نماز میں فلاں سورہ پڑھتے تھے اور اس کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ وہ سورہ پہلی رکعت میں پڑھتے تھے یا دوسری میں۔ یا ایک رکعت میں بغیر پہلی دوسری کے پڑھتے تھے۔ اس طرح اس حدیث میں بھی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز میں سورہ واللیل اذا يغشى کس رکعت میں پڑھتے تھے آیا پہلی

رکعت میں یاد دوسری میں؟

اس سلسلہ میں دعویٰ احتمال ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ آپ ﷺ ایک ہی سورۃ کو دونوں رکعتوں میں پڑھتے تھے یا یہ کہ ایک سورۃ کا کچھ حصہ پہلی رکعت میں پڑھتے تھے اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں (پہلے احتمال میں تکرار لازم آئے گا اور دوسرے میں بعض) یعنی کسی ایک سورۃ کا کچھ حصہ پہلی رکعت میں اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں پڑھنا لازم آئے گا، اور یہ دونوں یعنی تکرار و بعض غیر اولیٰ ہیں اگرچہ جائز ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ سے تکرار بعض ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک رکعت میں پوری سورۃ پڑھنا اگرچہ وہ چھوٹی ہو افضل ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ ایک رکعت میں کسی سورۃ کا کچھ حصہ پڑھا جائے اگرچہ وہ سورت طویل ہو۔ ہاں اس مسئلہ میں تراویح مستثنیٰ ہے کیونکہ اس میں تو پورا قرآن سارے مہینہ میں ختم کرنا افضل ہے لہذا ان سے دونوں احتمالات اور ان میں پیدا شدہ اشکالات کو دیکھتے ہوئے کوئی ایسا تیسرا احتمال پیدا کیا جائے گا جو حدیث کے منشاء کے مطابق اور اس سے مناسب ہو اور وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ مذکورہ سورۃ کے علاوہ کوئی دوسری سورۃ بھی پڑھتے تھے خواہ پہلی رکعت میں پڑھتے ہوں یا دوسری میں۔

مغرب کی نماز کی قراءت

⑨ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ - (تقریباً)

”اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔“

(بخاری، مسلم)

فقہاء کی جانب سے نمازوں میں تعین قراءت کی دلیل

⑩ وَعَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ

عُرْفًا - (تقریباً)

”اور حضرت ام الفضل بنت حارثؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورہ مرسلات عرفا پڑھتے ہوئے سنا ہے۔“

(بخاری، مسلم)

تشریح: یہ احادیث اور وہ حدیث جس میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ مغرب کی نماز میں سورہ اعراف، سورہ انفال اور سورہ دخان پڑھتے تھے یا اسی قسم کی دوسری احادیث سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نمازوں میں کسی خاص اور متعین سورۃ کا پڑھنا ضروری نہیں ہے بلکہ نماز کی آسانی و سہولت پر موقوف ہے کہ وہ جس نماز میں جو بھی سورۃ چاہے پڑھ سکتا ہے۔ فقہاء جو یہ لکھتے ہیں کہ فجر و ظہر میں طوال مفصل، عصر و عشاء میں اوسط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا چاہئے تو ان کے تعین قراءت کی اصلی دلیل یہ ہے کہ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو اس زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے ایک خط لکھا تھا اس میں یہ مذکورہ تفصیل لکھی تھی اس کے مطابق نمازوں میں قراءت کا اس طرح تعین قرار پایا۔ اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ اقدس میں طول و قصر کے سلسلہ میں قراءت کا مسئلہ اختلاف احوال و اوقات اور مصلحت جواز کے ساتھ مختلف تھا پھر بعد میں حضرت عمرؓ کے اس مکتوب گرامی کی روشنی میں قراءت کا ایک نچ اور اصول مقرر کیا گیا جس کو فقہاء کی اصطلاح میں طوال مفصل، اور اوسط مفصل اور قصار مفصل کا نام دیا گیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت عمر فاروقؓ کو کوئی دلیل براہ راست آنحضرت ﷺ کے کسی قول و فعل سے ہاتھ لگی ہو اور

۱۔ ”طوال مفصل“ سورہ ہجرات سے سورہ والسماء ذات البروج تک اور ”اوسط مفصل“ سورہ والسماء ذات البروج سے سورہ لم یکن تک اور ”قصار مفصل“ سورہ لم یکن کے بعد سے سورہ الناس تک کی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔ ۱۲

آنحضرت ﷺ اسی طریقہ کے مطابق کبھی کبھی قراءت کرتے ہوں جس کو حضرت عمرؓ نے اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا ہے اور کبھی کبھی اس کے برعکس آپ ﷺ کا وہی معمول رہتا ہو جو ان احادیث میں مذکور ہے۔ بہر حال ہم تو سمجھتے ہیں کہ فقہاء کے مقرر کردہ اس اصول کے لئے حضرت عمرؓ کا یہ قول ہی دلیل کے لئے کافی ہے؟

فرض نماز پڑھنے والے کو نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے یا نہیں؟

⑪ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ قَوْمَهُ فَصَلِّيَ لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتَى قَوْمَهُ فَأَمَّهُمْ فَأَتَتْحَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فَأَنزَحَ وَرَجَلَ فَلَسَّ ثُمَّ صَلَّى وَخَذَهُ وَالْصَّوْفُ فَقَالُوا لَوْلَا نَأَفَقْتُ يَا فُلَانُ قَالَ لَا وَاللَّهِ وَلَا يَتِيَنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا خَيْرَ لَهُ فَإِنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا أَصْحَابُ نَوْمٍ أَصْبَحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَإِنْ مُعَاذًا صَلَّى مَعَكَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتَى قَوْمَهُ فَأَتَتْحَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مُعَاذٍ فَقَالَ يَا مُعَاذُ أَفَتَأْتِي أَنْتَ أَقْرَأَ وَالشَّمْسُ وَضَحَاهَا وَاللَّيْلُ إِذَا بَغَشَّى وَصَبَّحَ اسْمُ رَبِّكَ الْأَعْلَى - (متن علیہ)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ آگے آگے تھیں اور پھر اپنی قوم کو نماز پڑھایا کرتے تھے چنانچہ (ایک دن) انھوں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ عشا کی نماز پڑھی اور پھر اگر اپنی قوم کی امامت کی اور (نماز میں) سورہ بقرہ شروع کر دی (جب قراءت طویل ہوئی تو) ایک شخص سلام پھیر کر جماعت سے نکل آیا اور تمہا نماز پڑھ کر چلا گیا لوگوں نے (جب یہ دیکھا تو اس سے کہا کہ ”تلائے آیا تو منافق ہو گیا ہے“ کیونکہ جماعت سے جان بچا کر نکل جانا تو منافقوں ہی کا کام ہے) اس نے کہا ”نہیں خدا کی قسم (میں منافق نہیں ہوا ہوں) میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حقیقت حال بیان کروں گا“ چنانچہ وہ شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ہم اونٹوں والے ہیں، دن کو کام کرتے ہیں (یعنی) اونٹوں کے ذریعہ پانی کھینچ کر درختوں کی آبپاشی کرتے ہیں اور دن بھر محنت و مشقت میں لگے رہتے ہیں) معاذؓ رات کو آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر آئے اور ہمیں نماز پڑھائی اور سورہ بقرہ شروع کر دی (جس قراءت ہونے اور اپنے ٹھکے ہوئے ہونے کی وجہ سے میں بدول ہو گیا) یہ سن کر آنحضرت ﷺ حضرت معاذؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ”معاذ! کیا تم فتنہ پیدا کرنے والے ہو (یعنی کیا تم لوگوں سے جماعت ترک کر کر انہیں دین سے بیزار اور فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ بہتر یہ ہے کہ تم سورہ والشمس وضوحها سورہ والضحی سورہ واللیل اذا بغشى اور سورہ سبح اسم ربك الاعلیٰ پڑھا کرو۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: یہ شخص نعوذ باللہ جماعت یا نماز سے متفر نہیں ہوا تھا بلکہ چونکہ دن بھر کی محنت و مشقت کی وجہ سے تھکا ماندہ تھا اس لئے جب قراءت لمبی ہوئی اور نماز نے طوالت اختیار کی تو یہ مجبور ہو کر جماعت سے نکل آیا اور اپنی نماز تمہا پڑھ لی۔ اسی وجہ سے جماعت سے نکلنے ہوئے باوجودیکہ سلام پھیرنے کا کوئی موقع نہ مل سکا تھا اس نے سلام پھیرا کیونکہ اس نے سوچا کہ نماز سے سلام پھیر کر نکلے تاکہ کم سے کم نماز پوری ہونے کی مشابہت تو ہو ہی جائے۔

ایک دوسری روایت میں سبح اسم ربك الاعلیٰ کے بعد کچھ اور سورتیں بھی ذکر کی گئی ہیں مثلاً اذا السماء انشطرت اذا السماء انشطت اور سورہ بروج وطارق۔

حضرات شوافع نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ فرض نماز پڑھنے والے کو نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا جائز ہے اس لئے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ جب آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے تو ان کی فرض نماز ادا ہو جاتی تھی اور اپنی جماعت کے ساتھ جو نماز پڑھتے تھے وہ نفل رہتی تھی اور ان کے مقتدیوں کی نماز فرض ہوتی تھی اور آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کے اس عمل کو جائز رکھا

انہیں اس عمل سے منع نہیں کیا۔

علماء حنفیہ کے نزدیک چونکہ فرض نماز پڑھنے والے کو نفل نماز پڑھنے والے کی امامت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اس لئے حضرات شوافع کو جواب دیا جاتا ہے کہ ”نیت ایک ایسی شے ہے جس پر کوئی دوسرا شخص مطلع نہیں ہو سکتا تاہم نیت کرنے والا یہ نہ بتائے کہ اس نے کیا نیت کی تھی۔ لہذا یہ غالب ہے کہ حضرت محاذ بن جبلؓ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ یہ نیت فرض نہیں بلکہ آپ ﷺ سے طریقہ نماز سیکھنے اور آپ کی نماز کی برکت و فضیلت حاصل کرنے نیز تہمت نفاق سے بچنے کی خاطر یہ نیت نفل نماز پڑھتے ہوں پھر اپنی قوم کے پاس آکر انہیں فرض نماز پڑھاتے ہوں گے تاکہ دونوں فضیلتیں حاصل ہو جائیں۔ لہذا حضرت محاذؓ کے اس عمل کو اس صورت پر محمول کرنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ شکل تو بالاتفاق سب علماء کے نزدیک جائز ہے بخلاف پہلی شکل کے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

امام کو مقتدیوں کی رعایت کرنی چاہئے: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام کو ضعیف و کمزور مقتدیوں کی رعایت کے پیش نظر نماز میں تخفیف کرنا مشقت ہے اگر اسے اس بات کا احساس ہو کہ پیچھے مقتدی ضعیف و کمزور ہیں یا وہ بھر کی محنت و مشقت سے تھکے ماندے ہیں یا انہیں کوئی دوسری مجبوری و تکلیف لاحق ہے تو اسے نماز ہلکی پھلکی پڑھانی چاہئے اتنی لمبی قراءت نہ کرنی چاہئے جس سے ضعیف و کمزور لوگ تکلیف و پریشانی محسوس کریں اور اس بناء پر جماعت کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

نماز عشاء کی قراءت

(۱۲) وَعَنِ النَّبَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ وَالزُّنُحُونَ وَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ (مشق علیہ)

”اور حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورہ الزُّنُحُونَ پڑھتے ہوئے سنا اور میں نے آنحضرت ﷺ کی آواز سے ابھی کوئی آواز نہیں سنی۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: ہر کار و دعاء عالم ﷺ جس طرح باطنی طور پر دنیا کے سب سے مکمل و اکمل انسان تھے اسی طرح مبداء فیاض نے آپ ﷺ کو ظاہری جسمانی حسن و خوبصورتی کے بھی سب سے اعلیٰ و ارفع مرتبہ پر فائز کیا تھا پھر یہ کہ جس طرح خدا نے آپ ﷺ کو حسن صورت کا سب سے اعلیٰ نمونہ بنایا تھا اسی طرح آپ ﷺ کو حسن آواز میں بھی سب سے امتیازی درجہ عنایت فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت براء ابن عازبؓ کی یہ شہادت کہ میں نے آپ ﷺ کی آواز سے زیادہ کوئی اچھی آواز نہیں سنی محض ایک جذباتی عقیدت کا تاثر یا مبالغہ آرائی نہیں ہے بلکہ ایک ایسی حقیقت کی شہادت ہے جس کی صداقت کو اپنے تو الگ رہے کبھی بیگانوں نے بھی چیلنج کرنے کی جرأت نہیں کی۔ جیسا کہ ابھی حدیث نمبر ۸ کی تشریح کے ضمن میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہاں بھی اس حدیث جس کی یہی وضاحت ہے کہ آپ ﷺ عشاء کی نماز میں سورہ واثنين و الاثین ایک رکعت میں پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں کسی دوسری سورہ کی قراءت فرماتے تھے۔

نماز فجر کی قراءت

(۱۳) وَعَنِ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ الْقُرْآنَ الْمَجِيدَ وَنَحْوَهَا وَكَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدَ تَخْفِيفًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابر ابن سمرةؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ فجر کی نماز میں سورہ ق و القرآن المجید یا ایسی ہی (طویل) کوئی دوسری سورہ پڑھتے تھے اور آپ ﷺ فجر کی نماز کے بعد کی دوسری نماز بھی پڑھتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ فجر کی نماز کے علاوہ اوقات کی نمازیں زیادہ لمبی نہیں پڑھتے تھے اور فجر کی نماز

میں طویل قراءت کیا کرتے تھے کیونکہ ہنگام صبح گاہی بارگاہ الوہیت میں دعاؤں کے قبول ہونے اور برکت و سعادت حاصل ہونے کا وقت ہوتا ہے۔

(۱۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسَفَ - (رواہ مسلم)
”اور حضرت عمرو بن حریث کے بارہ میں منقول ہے کہ انھوں نے آقائے نامدار ﷺ کو فجر کی نماز میں واللیل اذا عسفس (یعنی سورۃ اذا الشمس کورت) پڑھتے سنا ہے۔“ (مسلم)

(۱۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الشَّائِبِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَحَ سُورَةَ الْمُؤْمِنِينَ حَتَّى جَاءَ ذِكْرُ مُوسَى وَهَارُونَ أَوْ ذِكْرُ عِيسَى أَخَذَتِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُعْلَةً فَرَكَعَ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن الشائبہ فرماتے ہیں کہ (صبح مکہ کے بعد ایک مرتبہ) آقائے نامدار ﷺ نے ہمیں مکہ میں فجر کی نماز پڑھائی اور سورہ مؤمن یعنی قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ شروع کی جب آپ ﷺ موسیٰ و ہارون یا عیسیٰ کے ذکر پر پہنچے تو آپ ﷺ کو کھانسی آگئی (جیسی کہ) وجہ سے سورہ پوری نہ پڑھی آپ ﷺ رکوع میں چلے گئے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قراءت میں سورہ قد افلح المؤمنون شروع کی اور جب آپ ﷺ اس آیت ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِرُكْنٍ مِّنْ دُونِ السَّامِ عَلِيمَا السَّلَامِ کا ذکر ہے یا اس آیت وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً پر کہ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے پہنچے تو ان جلیل القدر مخبروں کے ذکر سے آپ ﷺ کا دل بھرا آیا اور رونے لگے جس کی وجہ سے کھانسی کا غلبہ ہو گیا چنانچہ آپ ﷺ اس گریہ و کھانسی کی وجہ سے سورہ پوری نہ کر سکے اور اس آیت پر قراءت ختم کر کے رکوع میں چلے گئے۔

جمعہ کے روز نماز فجر کی قراءت

(۱۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِآلِمِ تَنْزِيلٍ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَىٰ وَفِي الثَّانِيَةِ هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں آلم تنزیل اور دوسری رکعت میں هل اتی علی الانسان پڑھتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرات شوافع اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جمعہ کے روز نماز فجر میں حدیث میں مذکورہ سورتیں ہی پڑھنی چاہئیں مگر حنفیہ چونکہ یقیناً سورہ سے منع کرتے ہیں اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اولیٰ نہیں ہے کہ کسی خاص سورہ کو کسی خاص نماز کے ساتھ اس طرح متعین کر لیا جائے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری سورت پڑھی نہ جائے۔ ان حضرات کے نزدیک یقیناً قراءت و سورہ کی ممانعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ اگر کسی خاص نماز کے ساتھ کسی خاص سورہ کو متعین کر دیا جائے گا تو لوگ اسی ایک سورہ کو لازم و واجب سمجھ کر پڑھیں گے اور اس کے علاوہ دوسری سورتوں کو پڑھنا مکروہ سمجھیں گے۔

ہاں اگر کوئی شخص مثلاً اس حدیث کے مطابق جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں آلم تنزیل سورہ السجدہ اور دوسری رکعت میں هل اتی علی الانسان (سورہ دہر) حضرت ﷺ کی قراءت کی برکت حاصل کرنے اور اتباع سنت کے جذبہ سے پڑھا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان سورتوں کے علاوہ کبھی کبھی کوئی دوسری سورت بھی پڑھ لیا کرے تاکہ کم علم اور عوام یہ نہ سمجھیں کہ ان سورتوں کے علاوہ کوئی دوسری سورت پڑھنی جائز نہیں ہے۔

اس کے علاوہ حنفیہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس عمل پر آنحضرت ﷺ کا دوام ثابت نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کبھی کبھی یہ سورتیں

پڑھا کرتے تھے لہذا کبھی کبھی پڑھنا تو ہر شخص کے لئے افضل ہے۔

اس موقع پر یہ مسئلہ بھی سن لیجئے کہ اگر کوئی شخص صبح کی نماز میں سورۃ مجیدہ پڑھے تو اسے مجیدہ تلاوت بھی کرنا چاہئے اگرچہ شوافع کے کچھ علماء نے بعض ایام میں امام کے لئے اس کو ترک کرنا ہی اولیٰ قرار دیا ہے لیکن آنحضرت ﷺ سے مجیدہ تلاوت کرنا ہی ثابت ہے۔

نماز جمعہ کی قراءت

(۱۷) وَعَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ ابْنَاهُ زَيْدَةً عَلَى الْمَدِينَةِ وَخَرَجَ إِلَى مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْخُمْفَةَ فَقَرَأَ سُورَةَ الْجُمُعَةِ فِي السَّجْدَةِ الْأُولَىٰ وَفِي الْآخِرَةِ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبید اللہ ابن ابی رافع فرماتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہؓ کو مدینہ میں خلیفہ (یعنی اپنا قائم مقام کو) مقرر کیا اور خود مکہ چلا گیا چنانچہ (اس کی عدم موجودگی میں) حضرت ابو ہریرہؓ نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی اور انھوں نے پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ اذا جاءك المنافقون پڑھی اور فرمایا کہ میں نے آقائے نامدار ﷺ کو جمعہ کے روز (یعنی نماز جمعہ میں) ان دونوں سورتوں کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔“ (مسلم)

نماز عیدین و جمعہ کی قراءت

(۱۸) وَعَنْ الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسْمِ اللَّهِ وَبِكَ الْأَعْلَىٰ وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ قَالَ وَإِذَا اجْتَمَعَ الْعِيدُ وَالْجُمُعَةُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأُ بِهِمَا فِي الصَّلَاتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ثعمان ابن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ عید و بقر عید و جمعہ کی نماز میں بسم اللہ اسم ربك الاعلىٰ اور هل اتاك حديث الغاشية اور هل اتاك حديث الغاشية (کی سورتیں) پڑھا کرتے تھے۔ اور حضرت ثعمان کہتے ہیں کہ ”جب عید اور جمعہ ایک دن جمع ہو جائے تو آپ ﷺ (عید و جمعہ کی) دونوں نمازوں میں انکی دونوں سورتیں پڑھتے تھے“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ عیدین اور جمعہ کی نماز میں ان دونوں سورتوں کا پڑھنا مستحب مؤکدہ ہے وہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ نماز جمعہ میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے۔

(۱۹) وَعَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَضْحَىٰ وَالْفِطْرِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَأُ فِيهِمَا بَقِ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبید اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابواقید لیثیؓ سے پوچھا کہ ”آقائے نامدار ﷺ عید اور بقر عید کی نماز میں کیا پڑھتے تھے؟“ انھوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ ان دونوں نمازوں میں سورہ ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ اور سورہ اقتربت الساعة پڑھا کرتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت عمر فاروقؓ آنحضرت ﷺ سے کمال قرب رکھتے تھے اور آپ ﷺ کے احوال و کوائف سے بخوبی واقف تھے اس لئے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے حضرت ابواقید لیثیؓ سے یہ سوال اس لئے کیا تھا تاکہ ان نمازوں میں آنحضرت ﷺ کی قراءت کے بارہ میں جان سکیں البتہ یہ کہا جائے گا کہ اس سوال سے ان کا مقصد یہ تھا کہ حاضرین اس سوال و جواب سے آنحضرت ﷺ کی قراءت کا علم بخوبی حاصل کر سکیں اور اس واقعیت کو اپنے ذہن میں قائم رکھ سکیں۔

التبرمیدی وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ۔

”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں آگے نامدار ﷺ اپنی نماز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرتے تھے اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے۔“

تشریح: بسم اللہ سے نماز شروع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ابتدا نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم آہستہ آواز سے پڑھتے اس کے بعد قراءت شروع کرتے تھے۔ آہستہ آواز کی قید اس لئے لگائی ہے تاکہ یہ حدیث پہلے گزرنے والی احادیث کے خلاف نہ رہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی نماز کی ابتدا الحمد للہ رب العالمین سے فرمایا کرتے تھے۔ میرک شاہ نے کہا ہے کہ امام ترمذی کا اس کو ضعیف الاسناد کہنا محل غور ہے کیونکہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کی اسناد بالکل صحیح ہے۔

آمین یا آواز بلند کی جائے یا آہستہ

(۳۳) وَعَنْ وَائِلِ بْنِ خُبَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ هَذِهِ صَوْتُهُ۔ (رواہ الترمذی والبوداؤی والداری وابن ماجہ)

”اور حضرت وائل ابن خبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں آگے نامدار ﷺ کو سنا کہ آپ ﷺ نے (نماز میں) غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھا اور پھر دروازہ آواز سے آمین کہی۔“ (ابوداؤد، دارمی، ترمذی)

تشریح: ”در آواز سے آمین کہنے“ کا مطلب یا تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے آمین یا آواز بلند کہی یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے لفظ آمین میں الف کو مد کے ساتھ یعنی کھینچ کر کہا۔

آمین کہنے کا مسئلہ بھی ائمہ کے یہاں بحث فیہ ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بات جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں تو سب ائمہ متفق ہیں کہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا ہر نمازی کے لئے سنت ہے خواہ منفرد ہو یا امام، اسی طرح مقتدی کو بھی آمین کہنا سنت ہے خواہ امام کہے یا نہ کہے۔ اب اختلاف اس چیز میں ہے کہ آیا آمین یا آواز بلند کہی جائے یا آہستہ آواز سے؟ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک آمین یا آواز بلند کہنی چاہئے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آمین آہستہ آواز سے کہنی چاہئے چنانچہ وہ ان احادیث کے بارہ میں جن سے آمین یا آواز بلند کہنا ثابت ہے اور جو شافع وغیرہ کی مستدل ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام احادیث اس بات پر محمول ہیں کہ ابتداء اسلام میں آپ ﷺ تعلیم کی خاطر آمین یا آواز بلند کہتے تھے تاکہ صحابہؓ یہ جان لیں کہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا چاہئے۔ صحابہ جب یہ سیکھ گئے تو آپ ﷺ آمین آہستہ آواز سے کہنے لگے چنانچہ حضرت ابن ہمامؒ نے کہا ہے کہ احمد، ابویعلیٰ، طبرانی، دارمی، اور حاکم نے شعبہ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ: ”علقمہ ابن وائل اپنے والد مکرّم حضرت وائل سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے (یعنی وائلؓ) نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی چنانچہ آنحضرت ﷺ جب ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ پڑھتے تو آہستہ آواز سے آمین کہی۔“

حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ”چار چیزیں ایسی ہیں جنہیں امام کو آہستہ آواز سے پڑھنا چاہئے۔“

① اعوذ باللہ ② بسم اللہ ③ سبحانک اللہم ④ آمین

حضرت ابن مسعودؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ بھی آمین آہستہ آواز سے کہتے تھے اس کے علاوہ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ کلمات دعا کو آہستہ آواز سے پڑھنا ہی اولیٰ اور صحیح ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً یعنی اپنے رب سے دعا کرو گواہ اور چپکے سے کرو۔“

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آمین بھی دعائی ہے لہذا آمین کو آہستہ سے کہنا اس آیت پر عمل کرنا ہے۔ نیز یہ کہ اس بات پر اجماع

ہے کہ آئین قرآن کا لفظ نہیں ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ اس کی آواز قرآن کے الفاظ کی آواز سے ہم آہنگ نہ ہو جس طرح کہ مصحف (یعنی اوراق قرآن) میں لکھنا جائز نہیں ہے۔

آئین کی برکت

(۳۴) وَعَنْ أَبِي زُهَيْرٍ الثَّمِيمِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ قَدْ أَلْحَى فِي الْمَسْأَلَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْجِبْ أَنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ يَا نَبِيَّ شَيْءٍ يَخْتَمُ قَالَ يَا مَعْشَرَ

(رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت ابی زہیر الثمیمیؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات کو ہم آگائے نامدار ﷺ کے ہمراہ (باہر) نکلے اور ایک ایسے شخص کے پاس آئے جو دعا کرنے میں از حد زاری کر رہا تھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”واجب کیا اگر ختم کیا“ ایک شخص نے پوچھا کہ (یا رسول اللہ ﷺ) کس چیز کے ساتھ ختم کرے؟ فرمایا ”آئین کے ساتھ۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ”واجب کیا اگر ختم کیا“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ شخص اپنی دعا پر آئین کہہ کر مہر لگا دے یا آئین پر ختم کر دے تو اس کے لئے جنت و مغفرت واجب ہوگئی یعنی یہ جنت و مغفرت کا حق دار ہو گیا یا اس کی دعا قبول ہوگئی۔

”ختم“ کے معنی نقل کئے گئے ہیں مہر لگانا یا ختم کرنا۔ پہلے معنی اس حدیث امین خاتم رب العالمین کی مناسبت سے زیادہ اولیٰ و بہتر ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آئین اللہ رب العالمین کی ہر ہے اس کی وجہ سے آفات و بلائیں ختم ہوتی ہیں جس طرح سے کہ ہر بے خط محفوظ رہتا ہے یا وہ چیزیں قائل اعتماد ہوتی ہیں جن پر ہر گئی ہوئی ہوتی ہے۔ لہذا آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے پروردگار سے دعا مانگے تو اس کو چاہئے کہ دعائیہ کلمات کہنے کے بعد آئین بھی کہے تاکہ اس کی برکت کی وجہ سے وہ بارگاہ قاضی الحاجات میں مقبولیت کے مرتبہ سے نوازی جائے اور وہ دعا کامل رہے کیونکہ آئین بمنزلہ ہر کے ہے۔

آنحضرت ﷺ مغرب میں طویل قراءت بھی کرتے تھے

(۳۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُورَةِ الْأَعْرَافِ فَرَقَّهَا فِي رَكْعَتَيْنِ۔

(رواہ النسائی)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آگائے نامدار ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورہ اعراف (اس طرح) پڑھی کہ اسے دونوں رکعتوں میں تقسیم کر دیا۔“ (نسائی)

تشریح: یوں تو آنحضرت ﷺ مغرب کی نماز میں قراءت مختصر کرتے تھے مگر کبھی کبھی آپ ﷺ بیان جواز کے لئے طویل قراءت بھی کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مغرب میں نماز میں طویل قراءت کرنا جائز ہے۔ چنانچہ مغرب کی نماز میں سورہ اعراف پڑھنا اسی مقصد کے تحت تھا جہاں تک تنگی وقت کا تعلق ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مغرب کا وقت طویل قراءت کی گنجائش رکھتا ہے خصوصاً جب شفق کا اطلاق سفیدی پر کیا جائے۔

”دونوں رکعتوں میں تقسیم“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس سورۃ کا کچھ حصہ تو پہلی رکعت میں پڑھا اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں۔ اس طرح پوری سورۃ کو دونوں رکعتوں میں ختم کیا۔

معوذتین کی فضیلت

(۳۶) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كُنْتُ أَقْرَأُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَافِثَةً فِي الشَّعْرِ فَقَالَ لِي يَا عُقْبَةُ أَلَا أَعْلَمُكَ

خَيْرَ سُورَتَيْنِ قَرَأْتَا فَعَلَّمَنِي قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ قَالَ فَلَمْ يَزَلْ يَسُوْرُثُ بِهِمَا جَدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ صَلَّى بِهِمَا صَلَاةَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ انْتَفَتَ اِلَيَّ فَقَالَ يَا عَقِبَةُ كَيْفَ رَأَيْتَ-

(رواہ احمد والبخاری والترمذی)

”اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں آگئے تھامدار ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے چل رہا تھا کہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”عقبہ! کیا میں تمہیں دو بہترین سورتیں جو پڑھی گئی ہیں (یعنی مجھ پر نازل کی گئی ہیں) نہ بتا دوں؟ چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے (معوذتین یعنی) قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سکھائیں۔ عقبہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے ان دونوں سورتوں سے زیادہ خوش نہیں دیکھا۔ پھر جب آپ ﷺ صبح کی نماز پڑھنے کے لئے اترے تو لوگوں کو نماز میں بیٹھنے کی دعوت دی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ”عقبہ! تم نے (ان کی فضیلت کو) دیکھا؟۔“ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ”بہترین سورتوں“ کا مطلب یہ ہے کہ شیطان مردود کے مکر و فریب اور نفس کی گمراہی سے خدا کی پناہ مانگنے کے سلسلہ میں معوذتین بہترین سورتیں ہیں

آنحضرت ﷺ نے حضرت عقبہؓ کو یہ سورتیں سکھانے کے بعد جب دیکھا کہ وہ ان سورتوں کو دیکھ کر کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئے کیونکہ دوسری سورتوں کی طرح ان سورتوں میں خدا کی وحدانیت اور پاکیزگی کا بیان نہیں ہے تو آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز میں انہیں سورتوں کو پڑھ کر فرمایا کہ عقبہ! تم نے ان سورتوں کی فضیلت دیکھی کہ میں نے ان کو فجر کی نماز میں جو تمام نمازوں سے افضل نماز ہے اور جس میں طویل قراءت کرنا مستحب ہے پڑھا۔

جمعہ کے روز نماز مغرب کی قراءت

(۲۷) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَوَاهُ فِي شَرْحِ السَّنَةِ وَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ-

”اور حضرت جابر ابن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ آگائے تھامدار ﷺ جمعہ کے روز مغرب کی نماز میں قل یا ایہا الکافرون اور قل هو اللہ احد پڑھا کرتے تھے یہ حدیث شرح السنہ میں منقول ہے اور ابن ماجہؒ نے یہ حدیث ابن عمرؓ سے نقل کی ہے لیکن اس میں ”لیلۃ الجمعۃ“ کے الفاظ نہیں ہیں۔“

تشریح: نماز میں مغرب سے مغرب کی فرض نماز مراد ہے یعنی آپ جمعہ کے روز مغرب کی فرض نماز میں یہ دونوں سورتیں پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ نماز مغرب سے مغرب کی سنتیں مراد ہوں۔ واللہ اعلم

ابن حبان نے قل هو اللہ کے الفاظ کے بعد یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ولی العشاء سورۃ الجمعة والمنافقون یعنی شب جمعہ میں آپ ﷺ عشاء کی نماز میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون پڑھا کرتے تھے۔

ابن مالکؒ نے کہا ہے کہ ”یہ حدیث یا اس قسم کی دوسری احادیث دوام پر محمول نہیں ہیں یعنی آپ ﷺ کا یہ ہمیشہ کا معمول نہیں تھا۔ بلکہ کبھی آپ دوسری سورتیں پڑھا کرتے تھے اور کبھی ان سورتوں کی قراءت کرتے تھے تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ ہر ایک سورہ کو پڑھنا جائز ہے۔ کسی خاص سورہ کو پڑھنا ضروری نہیں ہے۔“

(۲۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ مَا أُخْصِنِي مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَفِي الرَّكَعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ يَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ أَلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ بَعْدَ الْمَغْرِبِ-

”اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ آٹا کئے نامدار ﷺ کی مغرب کی نماز کے بعد اور فجر کی نماز سے پہلے دونوں سنتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل هو اللہ احد پڑھتے سنا ہے اس حدیث کو ابن ماجہؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا مگر ان کی روایت میں ”بعد المغرب“ کے الفاظ نہیں ہیں۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دونوں سنتوں اور فجر کی دونوں سنتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل هو اللہ احد دونوں سوتیں اتنی کثرت سے پڑھا کرتے تھے کہ میں ان کا شمار نہیں کر سکتا۔

(۲۹) وَعَنْ سَلِيمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَحَدٍ أَشْبَهَ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فُلَانٍ قَالَ سَلِيمَانُ صَلَّيْتُ خَلْفَهُ فَكَانَ يُطِيلُ الرَّكَعَتَيْنِ الْأُولَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْآخِرَتَيْنِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفْضِلِ وَيَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ بَوَسْطِ الْمُفْضِلِ وَيَقْرَأُ فِي الصُّبْحِ بِطَوَالِ الْمُفْضِلِ زَوَاهِ النَّسَائِيِّ وَزَوَى ابْنُ مَاجَةَ أَلَى وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ۔

”اور حضرت سلیمان ابن یسارؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی شخص کے پیچھے آٹا کئے نامدار ﷺ کی نماز کے مشابہ نماز نہیں پڑھی مگر فلاں شخص کے پیچھے سلیمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے بھی اس شخص کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ وہ ظہر کی پہلی دونوں رکعتوں کو طویل پڑھتے تھے اور آخری دونوں رکعتوں کو ہلکی پڑھتے تھے، عصر کی نماز میں تخفیف کرتے تھے۔ مغرب کی نماز میں قصار مفصل اور عشاء میں اوساط مفصل اور فجر کی نماز میں طوال مفصل پڑھا کرتے تھے۔ اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے مگر ان کی روایت صرف ویخفف العصر تک ہے“ (نسائی)

تشریح: ”فلاں شخص“ کے تعین کے سلسلہ میں بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات مراد ہے اور بعض حضرات کی رائے ہے ”فلاں شخص“ سے مراد وہ شخص ہے جس کو خلیفہ مروان نے مدینہ میں حاکم مقرر کر رکھا تھا۔

اس حدیث میں ظہر اور عصر کی قراءت کا اجمالی طور پر ذکر کیا ہے یہ نہیں کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز میں طوال مفصل پڑھتے تھے۔ بلکہ صرف اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ ظہر کی نماز میں طوال قراءت کرتے تھے۔ اسی طرح عصر کی نماز میں بھی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ اس میں قصار مفصل پڑھتے تھے یا اوساط مفصل؟ صرف اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ عصر کی نماز میں تخفیف کرتے تھے۔

بہر حال نمازوں کی قراءت کے سلسلہ میں فقہاء نے ایک اصول وضع کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ نمازوں میں قراءت کرنے کے سلسلہ میں عملی طور پر کوئی غلبان واقع نہیں ہو اور وہ یہ کہ فجر و ظہر کی نماز میں طوال مفصل، عصر و عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھی جائیں۔ اس مسئلہ کی وضاحت اس سے پہلے بھی ایک حدیث کی تشریح کے ضمن میں کی جا چکی ہے اور وہاں اس کے اصطلاحی ناموں کی تعریف بھی کی گئی ہے چنانچہ ایک مرتبہ پھر سمجھ لیجئے کہ فقہاء کی اصطلاح میں ”مفضل“ سے سورہ حجرات سے سورہ والناس تک کی سورتیں مراد ہیں ان سورتوں کو مفصل اس لئے کہا گیا ہے کہ

سورہ حجرات سے ان چھوٹی چھوٹی سورتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو ایک دوسرے سے درمیان میں بسم اللہ ہونے کی وجہ سے جدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ پھر مفصل یعنی سورہ حجرات سے سورہ والناس تک کی سورتوں کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

① چھوٹی سورتیں۔ ② متوسط سورتیں ③ بڑی سورتیں۔

سورہ حجرات سے سورہ بروج تک کو طوال مفصل یعنی مفصل کی بڑی سورتیں کہتے ہیں۔

سورہ بروج سے سورہ لم یکن (البینہ) تک کو اوساط مفصل یعنی مفصل کی متوسط سورتیں کہتے ہیں۔

اور سورہ لم یکن سے سورہ والناس تک کو قصار مفصل یعنی مفصل کی چھوٹی سورتیں کہتے ہیں۔

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا بیان

(٣٥) وَعَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ اخْتَفَلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَهْلَكُمْ تَقْرَأُونَ خَلْفَ إِيَّامِكُمْ فَلَمَّا نَعِمَ يَارَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا وَاهُ أَهْلُ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّبِصَاتُ مَعْنَاهُ وَفِي رِوَايَةٍ لَأَبِي دَاوُدَ قَالَ وَأَنَا أَقُولُ مَا لِي يَتَارِعُنِي الْقُرْآنُ فَلَا تَقْرَأُ بَشْيٍ مِنَ الْقُرْآنِ إِذَا جَهَّزْتَ إِلَّا بِأَمِّ الْقُرْآنِ -

”اور حضرت عبادۃ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم لوگ فجر کی نماز میں آگائے نماز اور ﷺ کے پیچھے تھے آپ ﷺ نے جب قراءت شروع کی تو آپ ﷺ کو پڑھانا بھاری ہو گیا۔ پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ”شاید تم لوگ امام کے پیچھے قراءت کیا کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا ”جی ہاں یا رسول اللہ (ﷺ)“ آپ ﷺ نے فرمایا ”سوائے سورہ فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو اس لئے کہ جو شخص یہ سورہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابوداؤد، ترمذی، انسائی نے یہ روایت بالمتنی نقل کی ہے اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”آپ ﷺ نے (صحابہؓ کا جواب سن کر) فرمایا جب ہی تو میں (اپنے دل میں) کہتا تھا کہ یہ کیا ہو گیا جو قراءت مجھ پر یہاں تک بھاری ہے، جب میں یاد آواز بلند پڑھا کروں تو تم لوگ بجز سورہ فاتحہ کے اور کچھ مت پڑھا کرو۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ نماز میں باواز بلند قراءت کر رہے تھے، آپ ﷺ کے پیچھے مقتدی صحابہؓ بجائے اس کے کہ خاموشی اختیار کر کے آپ ﷺ کی قراءت سننے خود بھی قراءت کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقتدیوں کی قراءت آنحضرت ﷺ کی قراءت میں اثر انداز ہوئی اور آپ ﷺ کی نماز میں خربطہ پیدا ہوا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے لئے قراءت کرنا مشکل ہو گیا کیونکہ بسا اوقات کامل چیز پر ناقص چیز بھی اثر انداز ہو جاتی ہے جیسا کہ کتاب الطہارت کی ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز میں قراءت شروع کی اور پھر اچانک رک گئے اور پھر اس رکعت کا سب یہ بیان کیا کہ کچھ ایسے لوگ میرے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں جو ٹھیک طرح سے وضو نہیں کرتے یعنی ان کا وضو ناقص رہ جاتا ہے جو میری نماز و قراءت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے لیکن جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے ائمہ کے یہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ امام اور مفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے مگر مقتدی کے لئے واجب نہیں ہے خواہ نماز بلند آواز کی ہو یا آہستہ آواز کی۔ اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا۔

” (نماز میں) جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموشی اختیار کرو۔“

امام صاحبؒ اس حدیث کو ابتداء پر محمول کرتے ہیں یعنی یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر بعد میں منسوخ ہو گیا۔

(٣١) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنْ صَلَاةٍ جَهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ هَلْ قَرَأَ مَعِيَ أَحَدٌ مِنْكُمْ إِنِّي فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنِّي أَقُولُ مَا لِي أَنْزَعُ الْقُرْآنَ قَالَ فَأَنْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ بِالْقِرَاءَةِ مِنْ الصَّلَاةِ حِينَ سَمِعُوا ذَلِكَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (رواه مالك وأحمد والبيهقي والترمذي والنسائي وروى ابن ماجه نحوه)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) آقاؐ نے نماز ادا فرمائی (جہری نماز سے جس میں قراءت باوازلہ بلند کی جاتی ہے فارغ ہوئے اور نمازیوں کی طرف متوجہ ہو کر) فرمایا ”ابھی تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قراءت کی ہے؟“ ایک شخص نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! آنحضرتؐ نے فرمایا (میں جہی تو دل میں) کہتا تھا کہ کیا ہو گیا جو میں قرآن پڑھنے میں الجھتا ہوں“ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب

لوگوں نے یہ سنا تو ان نمازوں میں جن میں آنحضرت ﷺ قراءت باوازل بلند کرتے تھے آپ کے ساتھ قراءت کرنے سے رک گئے۔“
(المک، احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے بصراحت سے معلوم ہو گیا کہ صحابہ جہری نماز میں امام کے پیچھے مطلقاً کچھ نہیں پڑھتے تھے نہ تو سورہ فاتحہ کی قراءت کرتے تھے اور نہ کسی دوسری سورت و آیت کی لہذا خفیہ کا مسلک ثابت ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو قراءت کرنا جائز نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث اس سے پہلے گزرنے والی حدیث کے لئے ناخ ہو جس میں کہا گیا ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا چاہئے کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ بعد میں اسلام لائے ہیں اس لئے ان کی روایت کردہ حدیث بھی اس حدیث کے بعد کی ہوگی اور ظاہر ہے کہ بعد کا حکم پہلے حکم کے لئے ناخ ہوا کرتا ہے۔

(۳۲) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُصَلِّيَ يَتَنَاجَى رَبَّهُ فَلْيَنْظُرْ مَا يَتَنَاجَىهِ وَلَا يَجْهَرُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ بِالْقُرْآنِ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابن عمر اور حضرت عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا ”نمازی اپنے پروردگار سے (حالت نماز میں) مناجات کرتا ہے لہذا اسے چاہئے کہ جو مناجات وہ کرتا ہے اس میں غور کرے (یعنی ذکر و قراءت حضور قلب اور خشوع و خضوع کے ساتھ کرے) اور قرآن کو پڑھنے میں تم میں سے کوئی ایک دوسرے پر اونچی آواز نہ کرے۔“ (احمد)

تشریح: حدیث کا آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص قرآن پڑھے خواہ نماز میں پڑھے یا نماز کے علاوہ پڑھے تو اسے اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اس کی آواز دوسرے نمازی یا دوسرے قاری کی آواز پر اونچی نہ ہو۔ اس طرح کسی ذکر کرنے والے یا سونے والے کے سامنے بھی اونچی آواز سے نہ پڑھے تاکہ ان لوگوں کو اس کی وجہ سے تکلیف نہ پہنچے۔

امام کی متابعت ضروری ہے

(۳۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِتُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَثُرَ فَكْثُرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَانصِتُوا۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا ”امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، لہذا جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔“ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: فاذا کثیر فکثروا کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ مقتدی تکبیر، امام کے تکبیر کہنے کے بعد کہیں۔ نہ تو اس کے ساتھ ساتھ کہیں اور نہ اس سے پہلے کہیں اور یہ حکم تکبیر تحریمہ میں تو واجب ہے البتہ دوسری تکبیرات میں مستحب ہے۔ حدیث کے دوسرے جزء فاذا قرأ سے مراد مطلق قراءت ہے یعنی خواہ امام باوازل بلند قراءت کرے یا آہستہ سے پڑھے۔ دونوں صورتوں میں مقتدیوں کو خاموشی سے اس کی قراءت سنا چاہئے اس کے لئے آپ ﷺ نے ”فانصتوا“ یعنی چپ رہو فرمایا۔ فاستمعوا یعنی سنو نہیں فرمایا ارشاد ربانی ہے۔

وَإِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا۔

”یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو بلند آواز سے پڑھنے کی صورت میں اسے سنو اور (آہستہ آواز سے پڑھنے کی صورت میں) خاموش رہو۔“

لہذا معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو کچھ پڑھنا مطلقاً ممنوع ہے خواہ نماز جہری (باوازل بلند ہو یا سری یا آہستہ)

سورہ فاتحہ کی قراءت میں ائمہ کے مسلک: حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا خواہ نماز جہری ہو یا سری

واجب ہے اور سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی سورہ وغیرہ پڑھنا جائز ہے۔

حضرت امام احمدؒ، حضرت امام مالکؒ، اور ایک قول کے مطابق خود حضرت امام شافعیؒ کا بھی مسلک یہ ہے کہ مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا صرف سری نماز میں واجب ہے جہری نماز میں محض امام کی قراءت سنا کافی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں خواہ نماز سری ہو یا جہری دونوں صورتوں میں مطلقاً قراءت مقتدی کے لئے ممنوع ہے نیز صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک بھی مقتدی کو پڑھنا مکروہ ہے۔

حضرت امام محمدؒ جو حضرت امام اعظمؒ کے جلیل القدر شاگرد اور فقہ حنفیہ کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ ”صحابہؓ کی ایک جماعت کے قول کے مطابق امام کے پیچھے مقتدی اگر سورہ فاتحہ کی قراءت کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لہذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عمل اس دلیل پر کیا جائے جو زیادہ قوی اور مضبوط ہو، چنانچہ حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔

مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَ إِلَّا إِمَامَ قَرَأَ لَهُ

”یعنی (نماز میں) جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہوگی۔“

یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ بخاری و مسلم کے علاوہ سب ہی نے اسے نقل کیا ہے اور ہدایہ میں تو یہاں تک مذکور ہے علیہ اجماع الصحابة یعنی اس پر صحابہؓ کا اجماع و اتفاق تھا۔

جو شخص قراءت پر قادر نہ ہو وہ کیا پڑھے

(۳۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَخَذَمِنَ الْقُرْآنِ شَيْئًا فَعَلَّمَنِي مَا يَجُزِّنِي قَالَ قُلْ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا اللَّهُ فَمَاذَا لِي قَالَ قُلِ اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي وَعَافِنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي فَقَالَ هَكَذَا يَبْدِيهِمْ وَقَبَضَهُمَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا هَذَا فَقَدْ مَلَأَ يَدَيْهِ مِنَ الْخَيْرِ ذُوهُ الْيُودَاوُدَ وَانْتَهَتْ رِوَايَةُ النَّسَائِيِّ عِنْدَ قَوْلِهِ إِلَّا بِاللَّهِ۔

”اور حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آقاؐ کے لئے تہجد کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں (فوری طور پر) قرآن میں سے کچھ یاد کر لینے پر قادر نہیں ہو سکتا اس لئے آپ ﷺ مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیجئے جو میرے لئے کافی ہو“ آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ پڑھ لیا کرو سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ یعنی اللہ پاک ہے اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ بہت بڑا ہے، گناہوں سے بچنے کی توفیق اور عبادت کرنے کی طاقت صرف خدا ہی کی طرف سے ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو خدا کے لئے ہے میرے لئے کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا (اپنے لئے) تم یہ پڑھ لیا کرو۔ اللھم ارحمنی وعافنی واهدنی وارزقنی یعنی اے پروردگار مجھ پر رحم فرما، مجھ کو عافیت سے رکھ! میری ہدایت کر! اور مجھے رزق دے! پھر اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کیا اور ان کو بند کیا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھ نیکی سے بھر لئے۔“ (نسائی کی روایت الا باللہ تک ختم ہو گئی ہے۔)

تشریح: حدیث کے آخری جملوں کا مطلب یہ ہے کہ جب مسائل نے قراءت کا کوئی بدل دریافت کیا اور آنحضرت ﷺ نے اسے بتا دیا تو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا اور ان کو بند کیا اور اپنے اس عمل سے گویا اس بات کا اقرار کیا کہ آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے میں نے اسے سچ و برحق جانا اور اسے یقین و اعتماد کے ساتھ اپنے دل و دماغ میں جاگزین کر لیا ہے جس طرح کہ جب کسی شخص کو کوئی

قیمتی و اعلیٰ چیز تھ گئی ہے تو وہ اس چیز کو اپنی منہی میں بند کر لیتا ہے۔

مصنف مشکوٰۃ علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کو باب القراءۃ میں نقل کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سائل قرآن میں سے اتنا بھی یاد نہ کر سکتا تھا جس سے اس کی نماز درست ہو جاتی۔ مگر یہاں ایک اشکال واقع ہوتا ہے اور وہ یہ کہ بات کچھ بعید ہی معلوم ہوتی ہے کہ ایک شخص جو عربی زبان سے پوری طرح واقف تھا کیا اتنا بھی یاد نہ کر سکتا تھا کہ وہ نماز میں پڑھ سکے۔ پھر یہ کہ جتنے کلمات اسے بتائے گئے ہیں۔ اگر وہ ان کلمات کی بقدر بھی قرآن میں سے کچھ یاد کر لیتا تو اس کی نماز کی ادائیگی کے لئے کافی تھا۔

اس اشکال کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ سائل اسی وقت مسلمان ہوا تھا کہ نماز کا وقت آگیا اور چونکہ وہ فوری طور پر اس پر قادر نہیں ہو سکتا تھا کہ قرآن میں سے کچھ یاد کر سکے اس لئے آسانی و سہولت کے پیش نظر یہ کلمات سکھائیے گئے۔ یا پھر اس حدیث کو ابتداء اسلام پر محمول کیا جائے گا کہ ان دنوں احکام و مسائل کے نفاذ کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ آسانی و سہولت کو پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ یہ توجیہ زیادہ اولیٰ ہے۔

احکام الہی پر آنحضرت ﷺ کے عمل کی ایک مثال

(۳۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَرَأَ سُبْحَانَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ قَالَ سُبْحَانَ رَبِّي الْأَعْلَىٰ۔

(رواہ احمد و ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ جب (کسی نماز میں) سُبْحَانَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ پڑھا کرتے تھے تو سُبْحَانَ رَبِّي الْأَعْلَىٰ کہتے تھے۔“ (احمد و ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ احکام الہی پر کس قدر عمل کرتے تھے؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے آپ ﷺ کی زندگی کا بنیادی اصول یہی تھا کہ پرہوگار عالم جو حکم دے فوراً اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور اس کے بعد اس حکم پر اپنے تابعین کو بھی عمل کرائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ جب بھی نماز میں سورہ اعلیٰ پڑھا کرتے تھے چونکہ اس سورہ کے ابتدائی الفاظ سُبْحَانَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ کا مطلب ہے کہ ”اپنے پروردگار کی پاکی بیان کرو جو بلند مرتبہ ہے“ اس لئے آپ اس حکم کی بجا آواری یہ کہہ کر کیا کرتے تھے کہ سُبْحَانَ رَبِّي الْأَعْلَىٰ میں اپنے پرہوگار کی پاکی بیان کرتا ہوں جو بلند مرتبہ ہے۔

نماز میں کن آیتوں کی قراءت کے بعد کیا کہنا چاہئے؟

(۳۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ وَالتَّيْنِ وَالزَّيْتُونِ فَأَنْتَهَىٰ إِلَىٰ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ فَلْيَقُلْ بَلَىٰ وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ وَمَنْ قَرَأَ لَا أَفْسِمُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَنْتَهَىٰ إِلَىٰ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ فَلْيَقُلْ بَلَىٰ وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا کہ ”تم میں سے جو شخص سورہ التین و الزیتون پڑھے، اور (اس آیت) النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ یعنی کیا خدا سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ پر پہنچے تو یہ الفاظ کہا کرے بَلَىٰ وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ (یعنی ہاں! اور میں اس پر شہادت دینے والوں میں سے ہوں) اور جو شخص سورہ لَا أَفْسِمُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ پڑھے اور (اس آیت) النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ (یعنی کیا اس خدا کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مردود کو جلا اٹھائے) پر پہنچے تو کہے ”بَلَىٰ“ (یعنی ہاں وہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے) اور جو شخص سورہ والمرسلات پڑھے اور (اس آیت) النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ (یعنی

اس کے بعد یہ کون سی بات پر ایمان لائیں گے تو کہے اَمَّا بِاللّٰهِ (یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے) ابو داؤد اور ترمذی نے اس روایت کو (دو آئین) کی آیت (وَ اَنَّا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ تِلْكَ نَقْلُ كِیَاہے۔

تشریح: ان آیتوں یا اس قسم کی دوسری آیتوں کے جواب دینے کے سلسلہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خواہ یہ آیتیں نماز میں پڑھی جائیں یا نماز سے باہر پڑھی جائیں ہر صورت ان کے جواب میں مذکورہ الفاظ کہنے چاہئیں اور نماز خواہ نفل ہو یا فرض۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نماز سے باہر پڑھنے اور نفل نمازوں میں قراءت کرنے کی شکل میں تو جواب دینا چاہئے فرض نمازوں میں نہیں!

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف نماز سے باہر پڑھنے کی صورت میں جواب دیا جائے نماز میں نہیں، خواہ فرض ہو یا نفل، تاکہ یہ وہم نہ ہو جائے کہ یہ الفاظ بھی قرآن ہی کے ہیں۔

علامہ تور پٹھیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حدیث کے ظاہر و باطن پر نظر کرتے ہوئے کہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم تو نمازی کے بارہ میں ہے (لہذا چاہئے کہ یہ جواب نماز میں بھی دیے جائیں) تو ہم کہیں گے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم نفل نمازوں کے بارہ میں ہو، فرض نمازوں کے بارہ میں نہ ہو۔ کیونکہ خود آقائے نامدار ﷺ کے بارہ میں حضرت حذیفہؓ کی یہ روایت منقول ہے کہ آنحضرت رات (یعنی تہجد) کی نماز میں جب کسی آیت پر پہنچے جس میں رحمت خداوندی کا ذکر ہوتا تھا تو آپ ﷺ اس جگہ قراءت روک کر پروردگار سے طلب رحمت کی درخواست کیا کرتے تھے اور جب کسی آیت پر پہنچتے جس میں عذاب الہی کا ذکر ہوتا تھا تو آپ ﷺ اس جگہ قراءت روک کر پروردگار کے عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔ نیز یہ کہ آپ ﷺ کے اس معمول یا حکم کو کسی صحابی نے بھی جہری فرائض نماز کے سلسلہ میں روایت نہیں کیا ہے۔

(۳۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَرَأَ عَلَيْهِمْ سُورَةَ الْوَخْصِ مِنْ أَوَّلِهَا إِلَى آخِرِهَا فَسَكَتُوا فَقَالَ لَقَدْ قَرَأْتُهَا عَلَى الْجَنِّ لَيْلَةَ الْجَنِّ فَكَانُوا أَحْسَنَ مَزْدُودًا مِنْكُمْ كُنْتُ كُلَّمَا أَتَيْتُ عَلَى قَوْلِهِ فَبِأَيِّ الْآءِ رَبُّكُمْ أَنْتَكُذِّبِينَ قَالُوا لَا بَشَرٌ مِنْ نَعْمِكَ رَبَّنَا نَكُذِّبُ فَلَمْ يَكُنْ ذَلِكَ الْحَمْدُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) آقائے نامدار ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے پاس تشریف لائے اور ان کے سامنے سورہ صٰحٰح اول تا آخر بھی صحابہ خاموشی اختیار کئے رہے۔ آپ ﷺ نے (جب سورہ ختم کر لی تو) فرمایا کہ ”یہ سورہ میں نے جنات کے سامنے اس رات میں پڑھی تھی جبکہ وہ اسلام قبول کرنے اور قرآن سننے کے لئے جمع ہوئے تھے اور وہ جواب دینے میں تم سے بہتر تھے چنانچہ جب میں اس آیت فَبِأَيِّ الْآءِ رَبُّكُمْ أَنْتَكُذِّبِينَ (یعنی خدا کی کون سے نعمتوں کو تم جھٹلاتے ہو؟) پر پہنچتا تو وہ یہ جواب دیتے لَا بَشَرٌ مِنْ نَعْمِكَ رَبَّنَا نَكُذِّبُ فَلَمْ يَكُنْ ذَلِكَ الْحَمْدُ (یعنی اسے پروردگار اہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے ہیں اور تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں“ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

دونوں رکعتوں میں ایک سورہ پڑھنا

(۳۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْجُهَنِيِّ قَالَ إِنَّ رَجُلًا مِنْ جُهَيْنَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الصُّبْحِ إِذَا زُلْزِلَتْ فِي الرُّكْعَتَيْنِ كُلِّتَهُمَا فَلَا أَدْرِي أَلَيْسَى أَمْ قَرَأَ ذَلِكَ عَمْدًا۔ (ابو داؤد)

”حضرت معاذ ابن عبد اللہ جہنیؓ (تابعی) فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ اس نے آسمانے نامہ اور ﷺ کو فجر کی دونوں رکعتوں میں سورہ اذان لزلت الارض پڑھتے سنا ہے اور میں نہیں جانتا کہ آنحضرت ﷺ نے قصداً ایسا کیا تھا یا آپ ﷺ بھول گئے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ فجر کی دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورہ اذان لزلت الارض اس طرح پڑھی کی پہلی رکعت میں پوری سورت پڑھی پھر دوسری رکعت میں بھی وہی سورہ پوری پڑھی اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایسا قصداً بیان جواز کے لئے کیا تھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اصل سنت اس طرح بھی ادا ہو جاتی ہے۔ ویسے جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو بات یہی ہے کہ افضل عدم تکرار ہے۔ یعنی ایک ہی سورہ دو رکعتوں میں مکرر نہ پڑھی جائے اور خصوصاً فرض میں تو اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

(۴۹) وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقِ صَلَّيَ الصَّبِيحَ فَقَرَأَ فِيهِمَا بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرَّكَعَتَيْنِ كَلْتَيْهِمَا۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت عروہ ابن زبیرؓ (تابعی) فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فجر کی نماز پڑھی اور دونوں رکعتوں میں سورہ بقرہ پڑھی۔“ (مالک)

تشریح: دونوں رکعتوں میں سورہ بقرہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سورہ کا کچھ حصہ تو آپؐ نے ایک رکعت میں پڑھا اور کچھ حصہ دوسری رکعت میں اور یہ بھی بیان جواز کے لئے کیا کیونکہ آنحضرت ﷺ سے اس پر مداومت ثابت نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ اکثر ایک رکعت میں پوری سورہ ہی پڑھتے تھے دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورہ اس طرح متفرق طور پر پڑھنا اور ہے۔

حضرت عثمانؓ نماز فجر میں سورہ یوسف کثرت سے پڑھتے تھے

(۵۰) وَعَنْ الْفَرَاغِصَةِ بْنِ عُمَيْرٍ الْحَنْفِيِّ قَالَ مَا أَخَذْتُ سُورَةَ يُوسُفَ إِلَّا مِنْ قِرَاءَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ إِنَّمَا فِي الصَّبِيحِ مِنْ كَثْرَةِ مَا كَانَ يُرِيدُهَا۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت فراغصہ ابن عمیر حنفیؓ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے سورہ یوسف، حضرت عثمان بن عفانؓ سے (سن سن کر) یاد کی ہے کیونکہ وہ اس سورت کو فجر کی نماز میں کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔“ (مالک)

تشریح: اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ علماء تو نمازوں میں کسی خاص متعین سورت پر مداومت کرنے کو مکروہ لکھتے ہیں تاکہ قرآن کی بقیہ سورتوں کو ترک کرنا لازم نہ آئے حالانکہ حضرت عثمانؓ کا یہ معمول ایسے زمانی ہے تو اس پر بات ہو کہ علماء جو سورہ لکھتے ہیں اس کی ادا تمام نمازوں میں کسی تین سورت پر مداومت کرنا ہے اور حضرت عثمانؓ کا یہ معمول ثابت ہے وہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ تو صرف فجر کی نماز ہی میں سورہ یوسف بہت کثرت سے پڑھتے تھے تمام نمازوں میں نہیں۔ بعض علماء نے سورہ یوسف کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ سورہ یوسف کے پڑھنے پر مداومت کرنا شہادت کی سعادت حاصل ہونے کا سبب ہے جس کا واضح ثبوت خود حضرت عثمانؓ کی ذات گرامی ہے کہ آپ شہید ہوئے۔

(۵۱) وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ صَلَّيْنَا وَرَاءَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ الصَّبِيحَ فَقَرَأَ فِيهِمَا بِسُورَةِ يُوسُفَ وَسُورَةِ الْحَجِّ قِرَاءَةً بَطِيئَةً قِيلَ لَهُ إِذَا الْقَدْ كَانَ يَقُومُ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ قَالَ أَجَلٌ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت عامر ابن ربیعہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی۔ انھوں نے دونوں رکعتوں میں سورہ یوسف اور سورہ حج کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا۔ کسی نے حضرت عامرؓ سے پوچھا کہ حضرت عمرؓ فجر کے طلوع ہوتے ہی (نماز کے

لے فراغ سے مدینہ طیبہ کے رہنے والے اور مشہور تابعی ہیں۔ آپ قبیلہ بنی حنفیہ کی طرف نسبت کی وجہ سے حنفی کہے جاتے ہیں۔

حضرت عامرؓ آل خطاب کے حلیف تھے۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے آپ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک رہے اور ۳۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

لئے کھڑے ہو جاتے ہوں گے؟ (یعنی وہ اول وقت میں نماز شروع کر دیتے ہوں گے کیونکہ اتنی طویل قراءت جب ہی ممکن ہے) انھوں نے فرمایا کہ ”ہاں۔“ (مالک)

تشریح: فجر کی نماز کے لئے اول وقت کھڑے ہو جانا متفقہ طور پر سب کے نزدیک جائز ہے لہذا یہ حدیث جواز پر محمول ہے مختار یعنی اولیت پر نہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث سے کسی طرح بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمرؓ ہمیشہ اول وقت کھڑے ہوتے تھے۔

(۲۲) وَعَنْ عُمَرَو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ مَا مِنْ الْمُفْضِلِ سُورَةَ صَبِيحَةٍ وَلَا كَبِيرَةٍ إِلَّا قَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بِهَا النَّاسُ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور اپنے دادا (حضرت عبداللہؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ مفصل کی کوئی بھی چھوٹی بڑی سورت ایسی نہیں ہے جو میں نے آقاؐ کے نامدار ﷺ سے لوگوں کو فرض نماز پڑھاتے وقت نہ سنی ہو۔“ (مالک)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے بیان جواز کے طور پر مفصل کی سورتیں مختلف اوقات میں نمازوں میں پڑھ کر لوگوں کو بتادیا کہ نماز میں ہر سورت کا پڑھنا جائز ہے۔

(۲۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثَيْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ بِحُمِ الدَّخَانِ زَوَاةَ النَّسَائِي مَرَّةً سَلَا۔

”اور حضرت عبداللہ ابن عتبہ ابن مسعودؓ (تابعی) فرماتے ہیں کہ آقاؐ کے نامدار ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورہ حم دخان پڑھی ہے اس روایت کو نسائی سے مرسل نقل کیا ہے (کیونکہ عبداللہ ابن عتبہ تابعی ہیں)۔“

تشریح: یہاں دونوں ہی احتمال ہیں کہ یا تو آپ ﷺ نے مغرب کی دونوں رکعتوں میں حم دخان پوری سورہ پڑھی یا پھر یہ کہ اس کا کچھ حصہ تھوڑا تھوڑا دونوں رکعتوں میں پڑھا۔ واللہ اعلم

بَابُ التَّرْكَوعِ رُكُوعٌ كَابِيَانٍ

لغت میں رکوع ”کے معنی جھکنا“ ہیں اور اصطلاح شریعت میں یہ نماز کا ایک رکن ہے۔ یعنی وہ حالت ہے جب کہ قیام میں قراءت سے فارغ ہو کہ جھکتے ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس بارہ میں یہ امتیاز اُمت محمدیہ کو ہی حاصل ہے کہ رکوع صرف اسی اُمت کی نماز میں مشروع ہے دوسری امتوں کی نمازوں میں مشروع نہیں تھا۔“

رُكُوعٌ وَ سُجُودٌ طَرِيقَةُ سَے ادا کرنا چاہئے

① عَنْ أَنَسِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقِيمُوا التَّرْكَوعَ وَ السُّجُودَ قَوْلَ اللَّهِ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِي۔

(تحقیق علیہ)

”حضرت انسؓ راوی ہیں کہ آقاؐ نامدار ﷺ نے فرمایا ”مسلمانو! رکوع اور سجود ٹھیک طریقہ سے کیا کرو، خدا کی قسم میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھ لیا کرتا ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اَقِيمُوا التَّرْكَوعَ وَ السُّجُودَ کا مطلب یہ ہے کہ رکوع و سجود (قاعدہ کے مطابق اور ٹھہر ٹھہر کر نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ کیا کرو۔ ان ارکان کو جلدی جلدی ادا نہ کیا کرو کہ جس سے نہ رکوع ہی پوری طرح ادا ہو اور نہ سجدہ ہی حقیقی معنی میں کہلانے کا مستحق ہو۔

”اپنے پیچھے سے دیکھنے“ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم لوگ میرے سامنے ہونے کی صورت میں نظر آتے ہو اسی طرح ازراہ معجزہ تم لوگ میرے پیچھے رہنے کی حالت میں بھی میری نظروں میں رہتے ہو اور تمہاری حرکات و سکنات سب پر میری نظر رہتی ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت اچھے طریقہ پر باب مغنۃ الصلوۃ کی تیسری فصل میں کی جا چکی ہے۔

(۲) وَعَنِ النَّبَاءِ قَالَ كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُودُهُ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُودَ قَرِيبًا مِّنَ السَّوَاءِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت براء ابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ قیام و قعود کے علاوہ آگے نکلنے کا رکوع، سجدہ، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور رکوع سے سر اٹھانا یہ چاروں چیزیں مقدار میں تقریباً برابر ہوتی تھیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے ارکان نماز کی مقدار اس طرح بیان کی جا رہی ہے کہ چار ارکان یعنی رکوع، قومہ، سجدہ، اور جلسہ سب آپس میں تقریباً برابر ہوتے تھے البتہ قیام میں چونکہ قراءت کرتے تھے اور قعود میں التحیات پڑھتے تھے اس لئے یہ دونوں ارکان بقیہ ارکان کے مقابلہ میں طویل ہوتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کا قومہ و سجدہ

(۳) وَعَنِ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَامَ حَتَّى يَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتَّى يَقُولَ قَدْ أَوْهَمَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آگے نکلنے کا رکوع جب سبوح اللہ لمن حمد کہہ کر (رکوع سے) کھڑے ہوتے تو اتنی دیر تک ٹھہرے رہتے کہ ہم (اپنے دل میں) کہنے لگتے کہ آنحضرتؐ نے ایک رکعت چھوڑ دی پھر آپ سجدہ میں جاتے اور دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر تک بیٹھتے کہ ہم (اپنے دل میں) کہتے کہ آپ ﷺ نے یہ سجدہ چھوڑ دیا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت انسؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ رکوع سے سر اٹھاتے تو قومہ میں کافی دیر تک کھڑے رہا کرتے تھے یہاں تک کہ بسا اوقات آپ ﷺ کا اتنی دیر تک قومہ میں رہنا ہمیں اس گمان میں مبتلا کر دیتا تھا کہ شاید آنحضرت ﷺ نے اس رکعت کو کہ جس کے رکوع سے آپ ﷺ فارغ ہوئے ہیں ختم کر دیا ہے اور اب از سر نو نماز شروع کر دی ہے اس طرح آپ ﷺ سجدہ سے اٹھ کر دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں اتنی دیر تک بیٹھے رہتے کہ ہمیں خیال گزرتا کہ شاید آنحضرت ﷺ نے اس سے پہلے سجدہ کو کہ جس سے ابھی آپ ﷺ نے سر اٹھایا ہے ختم کر دیا ہے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ قومہ و جلسہ میں اتنی طوالت نظر نمازوں میں کرتے ہوں گے اور یہ بھی امکان ہے کہ بیان جواز کی خاطر فرض نمازوں میں بھی کبھی کبھی کر لیتے ہوں گے۔

(۴) وَعَنِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَيِّدُ أَنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ زَيَّنَّاوْ بِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آگے نکلنے کا رکوع قرآن کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنے رکوع و سجود میں یہ دعا بہت کثرت سے پڑھتے تھے۔ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ زَيَّنَّاوْ بِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي اے اللہ تو پاک ہے، اے ہمارے پروردگار! میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں، اے اللہ تو میرے گناہ بخش دے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قرآن میں چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ یعنی اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاک بیان کرو اور اس سے مغفرت مانگو اس لئے آنحضرت ﷺ کے اس حکم کی بجا آوری کے لئے رکوع و سجود میں اپنے پروردگار کی

تبیح و تعریف کرتے اور اس سے مغفرت مانگتے تھے کیونکہ خشوع و خضوع کے تمام مواقع و احوال میں رکوع و سجود ہی افضل ترین مواقع و محل ہیں۔ بعض دوسری احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ رکوع و سجود کے علاوہ بھی اس دعا کا ورد رکھتے تھے چنانچہ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ سورہ اذا جاءک جس میں یہ آیت مذکور ہے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کا آخر عمر میں یہی ذکر تھا۔

⑤ وَعَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ سُبُوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ-

(ردالمستمل)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ اپنے رکوع و سجود میں یہ کہا کرتے تھے۔ سُبُوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ فرشتوں اور روح (یعنی جبرئیل علیہ السلام) کا پروردگار بہت پاک ہے اور نہایت پاک ہے۔“ (مسلم)

رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے کی ممانعت

① وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَلْقَى نُهَيْثَ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ زَاكِيًا أَوْ سَاجِدًا فَأَمَّا الرَّكْعَةُ فَعَظُمُوا فِيهِ الرَّبُّ وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهَدُوا فِي الدُّعَاءِ فَقَعِمْنَ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ۔ (ردالمستمل)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا ”لوگو! خردوار ہو! مجھے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ میں اس حالت میں رکوع یا حالت سجود میں قرآن پڑھوں! لہذا تم رکوع میں اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو اور سجود میں دعا کی پوری پوری کوشش کیا کرو۔ مناسب ہے کہ یہ دعا تمہارے لئے قبول کی جائے۔“ (مسلم)

تشریح: بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ یہ بیہیزی کی ہے اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہی تحریمی ہے اور قیاس بھی یہی کہتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی تمام حالتوں (بیٹوں) میں سے ہر حالت و حیثیت کو ذکر کی انواع میں سے ہر ایک نوع ذکر کے لئے مقرر کیا ہے مثلاً قیام کو جو کہ نماز کی تمام حالتوں و بیٹوں میں سب سے زیادہ افضل اور رکن اعظم ہے قرآن پڑھنے کے لئے مقرر کیا ہے جو تمام اذکار میں سے سب سے افضل و اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی جانب سے حالت قیام کو صرف قرآن پڑھنے کے لئے مقرر کرنے کے بعد کسی قسم کی کوئی منجائش نہیں ہے کہ اس کے خلاف کیا جائے اور اگر کوئی اس کا خلاف کرے گا تو وہ یا فعل حرام کا مرتکب ہو گیا اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا۔ اسی طرح دوسرے ارکان کے بارہ میں قیاس کیا جاسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ میں رکوع و سجود میں قرآن پڑھوں کیونکہ رکوع و سجود اس لئے مقرر کئے گئے ہیں کہ ان میں پروردگار عالم کی بڑائی بیان کی جائے اور دعا مانگی جائے۔“

”رکوع میں بڑائی بیان کرنے“ کا مطلب یہ ہے کہ سبحان ربی العظیم پڑھو۔

سجود میں دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے تو سمجھ لیجئے کہ دعا کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ دعا کی ایک قسم تو یہ ہوتی ہے کہ پروردگار سے اپنے مطلب و مراد کے لئے درخواست کی جائے اور دعا کی دوسری قسم یہ ہوتی ہے کہ پروردگار کی حمد و ثناء اور تحسین کی جائے اور اس کے ذکر میں مشغول رہا جائے کیونکہ رحیم و کریم کی تعریف وغیرہ بیان کرنا اور اس کے ذکر میں مشغول رہنا بھی حقیقت میں دعا ہی ہے۔ لہذا اس وقت میں کثرت سے دعا کرنے کا جو حکم فرمایا گیا ہے وہ دونوں قسم کی دعاؤں پر شامل ہے اس سے معلوم ہوا کہ حقیقہ کا ذکر پر اکتفا کرنا اور صرف دعا سے منع کرنا بھی دعا کے حکم میں عین بجا آوری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي عَنْ مَسْئَلَتِي اعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أَعْطَى السَّائِلِينَ (یعنی جس شخص کو میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے روکا (اس طرح کہ وہ شخص میرے ذکر میں مشغول ہونے کی وجہ سے مجھ سے سوال نہ کر سکا) تو میں اس شخص کو اس چیز سے کہ جو مانگنے والوں کو دیتا ہوں (بہتر چیز) بخشا ہوں۔) مگر شرط یہ ہے کہ وہ شخص اس وقت پروردگار کے ذکر میں غلوں دل سے مشغول رہے۔

بعض محققین حقیقہ نے ان دونوں چیزوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ نوافل میں تو صریح دعا مانگی چاہئے اور فرائض میں صرف تسبیحات پر اکتفاء کرنا چاہئے۔

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللَّهُمَّ زَيِّنَّا لَكَ الْحَمْدَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آگائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ جب امام (رکوع سے اٹھتے ہوئے) سمع اللہ لمن حمد کہے تو تم اللہم لک زیننا کہہ کر جو شخص کا یہ کہنا فرشتوں کے کہنے کے ہم آہنگ ہو جائے تو اس کے پہلے کئے ہوئے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس موضوع سے متعلق باب الترویج کی پہلی فصل میں اچھی طرح وضاحت کی جا چکی ہے۔ حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہ عمل اختیار کرے گا تو انشاء اللہ اس وعدہ کے مطابق اس کے تمام صغیر و گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ کبیرہ گناہوں کا معاملہ یہ ہے کہ اگر خدا چاہے گا تو انہیں بھی ازراہ فضل و کرم بخش دے گا کیونکہ اس کی ذات بڑی رحیم و کریم اور مغفور ہے۔

قومہ کی دعا

⑤ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ ظَهْرَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اللَّهُمَّ زَيِّنَّا لَكَ الْحَمْدَ مِلَا السَّمَوَاتِ وَمِلَا الْأَرْضِ وَمِلَا مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ ابن ابی اوفیؓ فرماتے ہیں کہ آگائے نامدار ﷺ جب رکوع سے اپنی پشت مبارک اٹھاتے تو یہ کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اس شخص کی حمد کو جس نے اس کی حمد و ثناء کی۔ اے اللہ اور اے ہمارے پروردگار تیرے ہی لئے تمام تعریف ہے آسمانوں بھر، زمین بھر اور بقدر بھرنے اس چیز کو جس کو تو آسمانوں اور زمینوں کے بعد پیدا کرنا چاہئے۔“ (مسلم)

تشریح: حقیقہ کہتے ہیں کہ حدیث میں مذکورہ کلمات میں ربنا لک الحمد کے بعد کے کلمات یعنی ملا السموات سے آخر تک صرف نفل نمازوں میں پڑھنے چاہئیں۔ فرائض میں نہیں۔

⑥ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ ظَهْرَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ اللَّهُمَّ زَيِّنَّا لَكَ الْحَمْدَ مِلَا السَّمَوَاتِ وَمِلَا الْأَرْضِ وَمِلَا مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدَ أَهْلِ النَّبَاءِ وَالْمَسْجِدِ أَخِي مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلَّنَا لَكَ عَبْدٌ اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطَى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آگائے نامدار ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ کہتے تھے ”اے اللہ اور اے ہمارے پروردگار تیرے ہی لئے تمام تعریف ہے آسمانوں بھر زمین بھر اور اس چیز کے بھرنے کے بعد جس کو تو آسمانوں اور زمین

کے بعد پیدا کرنا چاہئے۔ اے ہر قسم کی تعریف اور بزرگی کے ستمی ذرات اس تعریف سے بالاتر ہے جو بندہ کرتا ہے ہم سب تیرے ہی بندے ہیں۔ اے اللہ! تو نے جو چیز عطا فرمادی ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو تو نے دینے سے روک دیا اس کو کوئی دینے والا نہیں اور دو تہمد کو اس کی دو تہمدی تیرے عذاب سے کوئی نفع نہیں دیتی (یعنی عذاب سے نہیں بچا سکتی)۔“ (مسلم)

⑦ وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا نَصَلِّي وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ زَيِّنَّا لَكَ الْحَمْدَ كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فَإِنَّهُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مِنَ الْمُتَكَلِّمِ إِنَّا قَالَ أَنَا قَالَ زَيِّنَّا بِضَعَةِ وَثَلَاثِينَ مَلَكًا يَتَنَدَّرُونَ بِهَا أَنَّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت رفاعہ ابن رافعؓ فرماتے ہیں کہ ہم آکائے نامدار ﷺ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو سبحان اللہ لمن حمد (یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی حمد و ثنا کو قبول کیا جس نے اس کی حمد و ثنا کی) کہتے (ایک دن آپ ﷺ نے جب رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے یہ کلمات کہے تو ایک شخص نے جو آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا کہا زَيْتَا وَلَيْكَ الْخَفْذُ حَمْدًا أَكْثَرُ مِنْ أَطْيَابِ مُنَابَرٍ كَأَيْفِهِ (یعنی اے ہمارے پروردگار تیرے لئے ہی تعریف اور بہت تعریف ہے (ایسی تعریف) جو شرک و ریا کی آمیزش سے پاک اور اکثر اعلیٰ و حضوری قلب کی وجہ سے) بابرکت ہے۔ آنحضرت ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ابھی (ان کلمات کو) کون پڑھ رہا تھا؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میں تھا آپ ﷺ نے فرمایا ”میں نے کچھ اور تیس فرشتوں کو دیکھا جو آپس میں اس بات میں جلدی کر رہے تھے کہ ان کلمات کے ثواب کو پہلے کون لکھے۔“ (بخاری)

الْفَصْلُ الثَّانِي

تعدیل ارکان کا حکم اور رائے کے مسلک

⑪ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَخْزِي صَلَاةَ الرَّجُلِ حَتَّى يَقِيمَ ظَهْرَهُ فِي الزُّكُوعِ وَالسُّجُودِ زَوَاهِ أَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسْبِئِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

”اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ راوی ہیں کہ آکائے نامدار ﷺ نے فرمایا ”کسی شخص کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ رکوع اور سجدہ میں اپنی کمر کو سیدھا نہ کرے۔“ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

تشریح: شرح صحیحہ اہل بیہم میں لکھا ہے کہ تعدیل ارکان یعنی رکوع و سجدہ میں اتنا ٹھہرنا کہ جسم کے تمام اعضاء جوڑ اپنی جگہ آجائیں۔ اس حدیث کی بنا پر حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ اور حنفیہ میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فرض ہے اور اس کی ادنیٰ مقدار ایک تسبیح کے بقدر ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے۔ پھر صحیحہ اہل بیہم میں یہ بھی لکھا ہے کہ رکوع سے اٹھ کر کھڑے ہونا یعنی قومہ اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا یعنی جلسہ اور طہائنت یہ سب چیزیں بھی حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فرض اور حضرت امام ابو حنیفہؒ و حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مستحب ہیں۔ علامہ ابن ہمامؒ کی رائے یہ ہے کہ قومہ اور جلسہ کے بارہ میں مناسب اور بہتر یہ ہے کہ ان دونوں کو واجب کہا جائے۔ واللہ اعلم

رکوع و سجدہ کی تسبیحات

⑫ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوا هَافِي زُكُوعَكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى قَالَ اجْعَلُوا هَافِي سَجُودَكُمْ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت ”فسبح باسم ربك العظيم“ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اس کو (سمان ربی العظیم کی صورت میں) اپنے رکوع میں شامل کر لو اور جب یہ آیت ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو (سمان ربی الاعلیٰ کی صورت میں) اپنے سجدوں میں داخل کر لو۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

⑬ وَعَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ نُبَيْنٍ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَقَالَ فِي زُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ زُكُوعُهُ وَذَلِكَ أَذْنَاهُ وَإِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِي سَجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ

الْأَعْلَى ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُودُهُ وَذَلِكَ أَذْنَاهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِأَنَّهُ عَزَّوَالَهُم يُلْقَى ابْنُ مَسْعُودٍ۔

”اور حضرت عون ابن عبد اللہ حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آگے نماز رکوع کے لئے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اس رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہنا چاہئے اس کا رکوع پورا ہو گا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے اور جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اسے سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ تین مرتبہ کہنا چاہئے اس کا سجدہ پورا ہو گا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس روایت کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ عونؓ کی ملاقات ابن مسعودؓ سے ثابت نہیں ہے۔“

تشریح: رکوع و سجود میں اس تسبیحات کو تین مرتبہ کہنا ادنیٰ درجہ کمال شقت کا ہے ورنہ تو اصل شقت ایک مرتبہ میں ادا ہو جاتی ہے اور کمال شقت کا اوسط درجہ پانچ مرتبہ ہے اور اعلیٰ درجہ سات مرتبہ کہنا ہے اور انتہائے کمال کی کوئی حد نہیں ہے گو بعض حضرات نے دس مرتبہ کہا ہے اور بعض حضرات نے تو تقریباً قیام کی مقدار تک کہا ہے لیکن بہر صورت امام کو مقتدیوں کی رعایت لازم ہوگی۔ فنی طور پر اتنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ حدیث منقطع کو مستدل بنانا غلط نہیں ہے کیونکہ متفقہ طور پر سب کے نزدیک فضائل اعمال کے سلسلہ میں حدیث منقطع پر بھی عمل کرنا جائز ہے۔

۱۲) وَعَنْ حَدِيثِهِ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَفِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى وَمَا أَتَى عَلَى آيَةِ رَحْمَةٍ الْأَوْ قَفَّ وَمَا أَتَى عَلَى آيَةِ عَذَابٍ الْأَوْ قَفَّ وَتَعَوَّذَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَزَوَى النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَى قَوْلِهِ الْأَعْلَى وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

”اور حضرت حدیث“ راوی ہیں کہ میں نے آگے نماز رکوع کے ہمراہ نماز پڑھی چنانچہ آپؐ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے تھے اور جب بھی آپؐ (قرأت میں) کسی آیت رحمت پر پہنچتے تو وہاں رک جاتے اور طلب رحمت کی دعا کرتے اور جب کسی آیت عذاب پر پہنچتے تو وہاں رک جاتے اور طلب عذاب سے پناہ مانگتے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی، نسائی اور ابن ماجہ نے اس روایت کو سبحان ربی الاعلیٰ تک نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

تشریح: علماء خفیہ اور علماء مالک اس حدیث کو آنحضرتؐ کی نقل نماز پر محمول کرتے ہیں کیونکہ ان حضرات کے نزدیک فرض نماز میں درمیان قراءت دعا مانگنی اور پناہ مانگنی جائز نہیں ہے لیکن اس حدیث کو جواز پر حمل کرنا بھی ممکن ہے کیونکہ ہو سکتا ہے آنحضرتؐ نے کبھی بیان جواز کی خاطر فرض نماز میں بھی ایسا کیا ہو۔ شیخ جزریؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو مسلمؒ نے بھی نقل کیا ہے لہذا مؤلف مشکوٰۃ کو یہ حدیث دوسری فصل کی بجائے پہلی فصل میں نقل کرنا چاہئے تھا۔

الفصل الثالث

۱۵) وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُمْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَكَعَ مَكَثَ قَدْرَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ وَيَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبَرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ۔ (رواه النسائي)

”اور حضرت عوف ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آگے نماز رکوع کے ہمراہ نماز پڑھی چنانچہ جب آپؐ رکوع میں گئے تو بقدر سورہ بقرہ (پڑھنے کے) بقدر ٹھہرے اور (رکوع میں) یہ کہتے جاتے تھے۔ ”تہر و بادشاہت اور بڑائی و بزرگی کا مالک (خدا) پاک ہے۔“ (نسائی)

تشریح: یہ فرض نماز کا ذکر نہیں ہے بلکہ بعض حضرات کے قول کے مطابق یہ تہجد کی نماز تھی اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ نماز کسوف تھا۔ ۱۶) وَعَنِ ابْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَحَدٍ يَغْذِرُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَشْبَهَ صَلَاةَ بِصَلَاةٍ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هَذَا الْفَتَى يَعْنِي عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ قَالَ فَحُزُّنَا زَكُوعُهُ عَشْرُ تَسْبِيحَاتٍ وَسُجُودُهُ عَشْرُ تَسْبِيحَاتٍ - (رواه ابو داؤد والنسائي)

”اور حضرت ابن جبر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ابن مالکؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ”میں نے آٹائے نامدار ﷺ کی وفات کے بعد اس نوجوان یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے علاوہ کسی کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو آنحضرت ﷺ کی نماز کے مشابہ ہو۔“ راوی کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے فرمایا ”ہم نے ان کے (یعنی آنحضرت ﷺ) کی حضرت عمرؓ کے، رکوع کا دس تسبیحات (کے بقدر) اور سجدہ کا دس تسبیحات (کے بقدر) اندازہ کیا۔“ (ابو داؤد، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جتنی دیر میں وہ رکوع یا سجدہ کرتے تھے ہم دس تسبیحیں پڑھ لیا کرتے تھے لہذا وہ بھی دس یا دس سے کم و بیش تسبیحات پڑھتے ہوں گے۔

(۱۷) وَعَنْ شَقِيقٍ قَالَ إِنَّ خَدِيفَةَ رَأَى رَجُلًا لَا يُتِمُّ زَكُوعَهُ وَلَا سُجُودَهُ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ خَدِيفَةُ مَا صَلَّيْتَ قَالَ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَلَوْ مَثُ مَثٌ عَلَى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِي فَطَرَ اللَّهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (بخاری)

”اور حضرت شقیقؓ فرماتے ہیں کہ حضرت خدیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ (نماز میں) اپنے رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کر رہا تھا چنانچہ جب وہ نماز پڑھ چکا تو حضرت خدیفہؓ نے اسے بلایا اور کہا کہ تم نے پوری (طرح) نماز نہیں پڑھی۔“ حضرت شقیقؓ کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضرت خدیفہؓ نے اس شخص سے یہ بھی کہا کہ اگر تم (ایسی نماز سے بغیر توبہ کئے ہوئے) مر جاؤ تو تم غیر فطرت پر (یعنی اس طریقہ اسلام کے خلاف) مرو گے جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو پیدا کیا۔“ (بخاری)

(۱۸) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْوَأُ النَّاسِ سَرَقَةُ الذَّيْئِ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ لَا يُتِمُّ زَكُوعَهَا وَلَا سُجُودَهَا - (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ آٹائے نامدار ﷺ نے فرمایا چوری کرنے کے اعتبار سے سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرے۔“ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! نماز کی چوری کیسے ہوتی ہے؟“ فرمایا ”رکوع و سجود کا پورا نہ کرنا۔“ (احمد)

تشریح: مال کی چوری کرنے والے سے نماز کی چوری کرنے والا شخص اس لئے برا ہے کہ مال چرانے والا کم سے کم چوری مال سے دنیا میں فائدہ تو اٹھا لیتا ہے اور پھر یہ کہ مالک سے معاف کرنے کے بعد یا سزا کے طور پر (اسلامی قانون کے مطابق) اپنے ہاتھ کٹوا کر وہ مواخذہ آخرت سے بچ جاتا ہے لیکن اس کے برخلاف نماز کی چوری کرنے والا شخص ثواب کے معاملہ میں خود اپنے نفس کا حق مارتا ہے اور اس کے بدلہ میں عذاب آخرت کو لے لیتا ہے لیکن اس نقصان و خسران کے علاوہ اس کے ہاتھ اور کچھ نہیں لگتا۔“

(۱۹) وَعَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ مُرَّةٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا تَرَوْنَ فِي الشَّارِبِ وَالزَّائِي وَالشَّارِقِ وَذَلِكَ قَبْلَ أَنْ تَنْزِلَ فِيهِمُ الْحُدُودُ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ هُنَّ فَوَاحِشٌ وَفِيهِنَّ عَقُوبَةٌ وَأَسْوَأُ الشَّرْقَةِ الَّتِي يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ قَالُوا وَكَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَا يُتِمُّ زَكُوعَهَا وَلَا سُجُودَهَا - (رواہ مالک و احمد و روی و داری نموہ)

”حضرت ثعمان ابن مرہؓ راوی ہیں کہ آٹائے نامدار ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ”شراب پینے والے، زنا کرنے والے، اور چوری کرنے والے کے بارہ میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے (کہ وہ کس قدر گناہ گار ہیں؟) آپ ﷺ نے یہ سوال حدود و نازل ہونے سے پہلے کیا تھا۔“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ گناہ کبیرہ ہیں جن کی سزا بھی ہے اور بدترین چوری وہ چوری ہے جو انسان اپنی نماز میں کرتا ہے۔“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! انسان اپنی نماز میں چوری کیسے کرتا ہے؟ فرمایا ”وہ رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کرتا۔“ (مالک، داری)

تشریح: نقل کردہ روایت میں لفظ ترون تا کے زبر کے ساتھ ہے جس کی معنی یہ ہیں کہ تم کیا اعتقاد کرتے ہو؟ لیکن ایک نسخہ میں تا کے پیش کے ساتھ بھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ راوی کے الفاظ میں یہ سوال حدود تا زل ہونے سے پہلے کیا تھا۔ وجہ سوال کو ظاہر کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ سوال صحابہؓ سے اس وقت کیا تھا جب کہ ان افعال کی برائی صحابہؓ کو ابھی طرح معلوم نہ تھی جب ان افعال بد کی حدود (سزائیں) متعین ہو گئیں تو پھر سب کے ذہن میں ان کی برائی راسخ ہو گئی اور ان میں کوئی شبہ نہ رہا۔

بَابُ السَّجْدِ وَفَضْلِهِ سجدہ کی کیفیت اور اس کی فضیلت کا بیان

”زمین پر سر ٹیکنا اور عاجزی کا اظہار کرنا“ سجدہ کے لغوی معنی ہیں۔ اصطلاح شریعت میں سجدہ کہتے ہیں ”خدا کے سامنے اپنی عبودیت اور کمال عجز و انکساری کے اظہار کے طور پر بندہ کا اپنے سر کو زمین پر ٹیک دینا۔“

الفصل الأول

اعضاء سجدہ

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى الْجَنَّةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأُظْوَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفُفُ النَّجَابَ وَلَا الشَّعْرَ - (مشق علیہ)

”حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”مجھے (جسم کی) سات ہڈیوں یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، گھٹنے اور دونوں پیروں کے پنجوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ ممنوع ہے کہ ہم کپڑوں اور بالوں کو میٹھیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ سجدہ میں جسم کے کس کس عضو کو زمین پر ٹیکنا چاہئے چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ سجدہ کے وقت پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پیروں کے پنجوں کو زمین پر ٹیکنا چاہئے۔

اکثر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ سجدہ ناک اور پیشانی دونوں سے کرنا چاہئے بغیر ان دونوں کو زمین پر ٹیکے ہوئے سجدہ جائز نہیں ہوتا مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور صاحبین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر محض پیشانی ہی ٹیک کر سجدہ کر لیا جائے تو جائز ہے البتہ بغیر کسی عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک محض ناک کو زمین پر ٹیک کر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی ایسا عذر پیش ہو کہ پیشانی کو زمین پر ٹیکنا ممکن نہ ہو تو جائز ہے، اس سلسلہ میں حضرت امام اعظمؒ کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ۔

سجدہ میں دونوں پیروں کو زمین پر رکھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص سجدہ میں دونوں پیروں سے اٹھالے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور ایک پیر اٹھالے گا تو سجدہ مکروہ ہوگا۔ سجدہ میں پیروں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف رکھنا فرض ہے خواہ ایک ہی انگلی رکھی جائے۔ اگر انگلیاں قبلہ کی سمت نہ ہوں گی تو جائز نہیں ہوگا۔

در مختار میں ایک جگہ مذکور ہے کہ ”پیشانی اور دونوں پیروں کے ساتھ سجدہ کرنا فرض ہے اور دونوں پیروں میں کم سے کم ایک انگلی زمین پر رکھنا شرط ہے اور ہاتھوں اور زانوؤں کو زمین پر رکھنا سنت ہے، حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک یہی ہے۔“

سجدہ میں بال اور کپڑے کو ہٹانے اور سمیٹنے کی ممانعت: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے بالوں

اور کپڑوں کو اس غرض سے سینٹا اور بٹانا تاکہ وہ خاک آلود اور گندے نہ ہوں ممنوع ہے، ویسے بھی بغیر اس مقصد کے یوں ہی کپڑوں اور بالوں کو سینٹا یا دامن وغیرہ کا باندھ لینا ممنوع ہے۔
 بالوں کو سینٹے کا مطلب یہ ہے کہ سر کے بالوں کو جمع کر کے دستار وغیرہ کے اندر کر لیا جائے تاکہ سجدہ میں لٹکنے نہ پائیں۔ اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اس کا مسئلہ یہ ہے کہ بالوں کو ایسے ہی چھوڑ دینا چاہئے تاکہ وہ بھی سجدہ کریں۔

سجدہ میں طہانیت کا حکم

② وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَدُوا فِي السَّجْدَةِ وَلَا يَبْسُطُوا أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِساطَ الْكَلْبِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”سجدہ میں (اطمینان سے) ٹھہرو! اور تم میں سے کوئی شخص (سجدہ میں) اپنے دونوں ہاتھوں کو کتے کی طرح نہ پھیلائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ میں ”اعتدال“ یعنی ٹھہرنے سے مراد یہ ہے کہ سجدہ میں طہانیت یعنی خاطر جمعی سے ٹھہرا جائے اور سجدہ میں جو تسبیح پڑھی جاتی ہے اسے اطمینان سے پڑھا جائے۔
 علامہ طہیؒ فرماتے ہیں کہ ”سجدہ میں اعتدال سے مراد یہ ہے کہ پشت کو ہموار رکھا جائے، دونوں ہاتھ زمین پر رکھے جائیں، کہنیاں زمین سے اوپر اٹھی رہیں اور پیٹ زانوں سے الگ رہے۔“

سجدہ میں ہاتھوں اور کہنیوں کو رکھنے کا طریقہ

③ وَعَنِ ابْنِ عَزَابٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدْتَ فَصُغْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت براء ابن عازبؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جب تم سجدہ کرو تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھو اور کہنیوں کو زمین سے اونچا رکھو۔“ (مسلم)

تشریح: سجدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین پر کانوں کے سامنے رکھی رہیں، انگلیاں آپس میں ملی ہوں، اور یہ کہ ہاتھ کھلے رہیں کسی کپڑے وغیرہ کے اندر انہیں چھپانا مکروہ ہے۔

”کہنیوں کو اونچا رکھنے“ کے دو ہی معنی ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ دونوں کہنیاں زمین سے اونچی رہیں یا پھر یہ کہ دونوں پہلوؤں سے اونچی رہیں۔ بہر صورت یہ حکم خاص طور پر مردوں کے لئے ہے عورتوں اس حکم میں شامل نہیں ہیں کیونکہ عورتوں کو تو سجدہ میں کہنیوں کو زمین پر پہلوؤں سے ملی ہوئی رکھنے کا حکم ہے اس لئے کہ اس طرح جسم کی نمائش نہیں ہوتی اور پردہ اچھی طرح ہوتا ہے۔

④ وَعَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ جَافَى يَتَيْنِ يَدَيْهِ حَتَّى لَوْ أَنَّ بَهْمَةً أَرَادَتْ أَنْ تَمُرَّ تَحْتَ يَدَيْهِ مَرَّتْ هَذَا لَفُظَ أَبِي دَاوُدَ كَمَا صَرَّحَ فِي شَرْحِ السُّنَنِ بِاسْتِثْنَاءِهِ وَلَمْ يَسْلِمِ بِمَعْنَاهُ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ لَوْ شَاءَتْ بَهْمَةٌ أَنْ تَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ لَمَرَّتْ۔

”اور اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان اتنا فرق رکھتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ آپ ﷺ کے ہاتھوں کے نیچے سے گزرنا چاہے تو گزر سکتا تھا۔“ یہ الفاظ ابو داؤد کے ہیں جیسا کہ خود بخوبی نے شرح السنہ میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور مسلمؓ نے یہ حدیث بالعمی نقل کی ہے (جس کے الفاظ یہ ہیں) کہ حضرت میمونہؓ نے فرمایا۔

”آنحضرت ﷺ (اس طرح) سجدہ کرتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ آپ ﷺ کے ہاتھوں میں سے نکلنا چاہتا تو نکل جاتا۔“
تشریح: ہاتھوں کے درمیان فرق رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سجدہ میں اپنے دونوں بازو پہلو سے اور پیٹ اور ران سے الگ رکھتے تھے۔

حدیث میں بکری کے بچہ کے لئے ”بہمۃ“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ بہمۃ بکری کے اس بچہ کو کہتے ہیں جوڑا ہو کر اپنے پیروں چلے لگتا ہے اور جب بکری کے بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت اسے ”سخلۃ“ کہتے ہیں۔

”ہذا لفظ الی داؤد“ سے مصنف مشکوٰۃ کا مقصد صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا ہے کہ اس حدیث کو جس کے الفاظ ابو داؤد کے ہیں۔ پہلی فصل میں نقل کرنا نہیں چاہئے تھا کیونکہ پہلی فصل میں تو صرف یحییٰ بنی بخاری و مسلم کی روایت کردہ احادیث ہی نقل کی جاتی ہیں۔

⑤ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بَحِينَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ فَرَجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى يَبْدُوَ يَاضَ بِنَظْمِهِ۔ (حسن علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مالک ابن بحینہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کو اتنا کشادہ رکھتے تھے کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: بحینہ حضرت عبد اللہ کی والدہ کا نام ہے اور مالک ابن کے والد کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مالک اور ابن کے درمیان کے الف کو باقی رکھ کر مالک کو تین کے ساتھ پڑھتے ہیں تاکہ لوگوں کو یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ مالک بحینہ کے بیٹے کا نام ہے بلکہ یہ جانیں کہ بحینہ کے لڑکے حضرت عبد اللہ ہی ہیں اور ابن مالک و ابن بحینہ دونوں نسبتیں انہیں کی ہیں۔

بہر حال۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ نے آنحضرت ﷺ کو جب نماز پڑھتے دیکھا تھا اس وقت آپ ﷺ کے بدن مبارک پر کپڑا نہ تھا، یا ان کی مراد یہ ہوگی کہ آپ ﷺ کی بغل کی جگہ معلوم ہوتی تھی اور ”بغلوں کی سفیدی“ اس لئے کہا ہے کہ آپ ﷺ کی بغل مبارک بالکل سفید اور صاف و شفاف تھی جیسا کہ آپ ﷺ کا پورا بدن ہی آئینہ کی طرح سفید اور صاف و شفاف تھا، دوسرے لوگوں کی طرح آپ ﷺ کی بغلیں سیاح اور مکدر نہ تھیں۔

سجدہ میں آنحضرت ﷺ کی دعا

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سُجُودِهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهُ دِقَّةً وَجَلَّةً وَ اَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَعَلَانِيَةً وَسِرَّةً۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ اپنے سجدہ میں یہ کہتے تھے، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهُ دِقَّةً وَجَلَّةً وَ اَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَعَلَانِيَةً وَسِرَّةً اے اللہ! میرے تمام چھوٹے بڑے، پہلے پچھلے، کھلے ہوئے اور چھپے ہوئے گناہ بخش دے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سجدہ میں کبھی کبھی یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے۔ پھر یہ احتمال بھی ہے کہ یا تو آپ ﷺ اس دعا کو تسبیح یعنی سبحان ربی الاعلیٰ کے ساتھ پڑھتے ہوں گے یا بغیر تسبیح کے صرف اسی دعا پر اکتفاء فرماتے ہوں گے۔

”چھپے ہوئے گناہوں“ سے مراد وہ گناہ ہیں جو انسان کی نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں ورنہ تو خدا کے نزدیک چھپے ہوئے کھلے ہوئے گناہ دونوں یکساں ہیں۔ يَغْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰی یعنی وہ (خدا) پوشیدہ سے پوشیدہ چیزوں کو بھی جانتا ہے۔

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ الْفَرَاشِ فَانْتَمَسْتُهُ فَوَقَعْتُ يَدَيَّ عَلَى بَظْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخِطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَاعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ نِقَاءَ عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْبِتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے رحمت عالم ﷺ کو بستر موجود نہ پایا، میں آپ ﷺ کو تلاش کر رہی تھی کہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے پیروں کو جالگا (چنانچہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ بارگاہ الہی میں سجدہ ریز تھے اور آپ ﷺ کے دونوں پیر مبارک کھڑے ہوئے تھے اور آپ ﷺ یہ کہہ رہے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرَحْمَتِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءَ عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَنْتَ عَلَیْ نَفْسِكَ اے اللہ! میں تیری خوشنودی کے ذریعہ تیرے غیظ و غضب سے (یعنی ان افعال سے جو مجھ پر یا میری اُمت پر تیرے غضب کا ذریعہ بنیں) پناہ مانگتا ہوں، تیری معافی کے ذریعہ تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے (یعنی تیری رحمت کے ذریعہ تیرے قہر سے) پناہ کا طلبگار ہوں۔ میں تیری تعریف کا شمار و احاطہ نہیں کر سکتا۔ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ خود تو نے اپنی تعریف کی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے چھونے سے مرد کا وضو نہیں ٹوٹتا جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے کہ عورت کو چھونا ناقص وضو نہیں ہے۔

لا احصی ثناء علیک کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار! مجھ میں اتنی طاقت و قوت نہیں ہے کہ تیری ایسی تعریف کر سکوں جو تیری شان کے لائق ہو، تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف میں یہ کہا ہے کہ۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَلَهُ الْکِبْرِیَّآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔
”تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا، پروردگار جہانوں کا ہے اور زمین و آسمانوں میں اسی کے لئے بڑائی و بزرگی ہے اور وہ غالب و دانا ہے۔“ (قرآن)

سجدہ پروردگار سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے

⑧ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَبُ مَا یُکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاکْثِرُوْا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”بندہ کا خدا سے قریب ترین ہونا اس وقت شمار ہوتا ہے جب کہ وہ سجدہ میں ہو اس لئے تم (سجدہ میں) بہت زیادہ دعا کیا کرو۔“ (مسلم)

تشریح: یوں تو خداوند قدوس ہر وقت اور ہر حال میں اپنے بندوں سے نزدیک رہتا ہے مگر سب سے زیادہ نزدیک اس وقت ہوتا ہے جب بندہ سجدہ میں ہوتا ہے یعنی سجدہ کی حالت میں خدا بندہ سے راضی ہوتا ہے اور دعا قبول کرتا ہے اسی لئے آپ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ سجدہ میں کثرت سے دعا مانگی جائے تاکہ وہ قبولیت کے درجہ کو پہنچے۔

سجدہ تلاوت کے وقت شیطان کی آہ و بکاہ

⑨ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَرَأَ ابْنُ اٰدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اغْتَضَبَ الشَّیْطَانُ یَتَكَبَّرُ یَقُوْلُ یَا وُلَیِّیْ اِمْرَاۤئِنِ اٰدَمَ بِالسَّجْدَةِ فَسَجَدَ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَ اَمْرَتْ بِالسَّجْدَةِ فَارْتَبَتْ فَلِیْیَ النَّارُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جب ابن آدم (یعنی بندہ مومن) سجدہ کی آیت پڑھتا ہے اور (پڑھنے والا یا سننے والا) سجدہ کرتا ہے تو اس وقت شیطان لعین روتا ہوا ایک طرف ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ”وا حسرتا! ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا اور (اس کے بدلہ میں) وہ جنت کا حقدار ہے اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے (سجدہ نہ کر کے پروردگار کی) نافرمانی کی چنانچہ (اس کے نتیجہ میں) مجھے آگ ملی۔“ (مسلم)

کثرت سجدہ جنت میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت کا ذریعہ ہے

①۰ وَعَنْ زَيْنَبَةَ بِنْتِ كَعْبٍ قَالَتْ كُنْتُ أَيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ يَوْضُوهُ وَوَ حَاجَتُهُ فَقَالَ لِي سَلْ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مَوْافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَلِكَ قَالَ فَأَعْتَبِي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت زینبہؓ ابن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں رات میں رحمت عالم ﷺ کے ساتھ رہا کرتا تھا اور وضو کا پانی دوسری ضروریات (مثلاً مسواک، جائے نماز وغیرہ) پیش کیا کرتا تھا (ایک روز) سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ”(دین و دنیا کی بھلائیوں میں سے جو کچھ مانگنا چاہتے ہو مانگو)“ میں نے عرض کیا ”میری درخواست تو صرف یہ ہے کہ جنت میں مجھ کو آپ ﷺ کی رفاقت نصیب ہو۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ”(جس مرتبہ کو تم پہنچنا چاہتے ہو یہ تو بہت عظیم ہے اس کے سوا) کچھ اور مانگو۔“ میں نے عرض کیا ”میری درخواست تو بس یہی ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”سو اس مرتبہ کو حاصل کرنے کے لئے تم کثرت سے سجود کے ذریعہ اپنی ذات سے میری مدد کرو۔“ (مسلم)

تشریح: زینبہؓ چونکہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی ضروریات پیش کرنے پر معمور تھے۔ اس لئے ان کی اس خدمت اور جذبہ اطاعت و فرمانبرداری کے صلہ میں آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم دین و دنیا کی جو بھی بھلائی چاہتے ہو مانگو۔ ظاہر ہے کہ ایک وفادار خادم اور جاں قربان کرنے والا غلام اس سے بڑی اور کیا تمنا رکھ سکتا ہے کہ اس کا وہ آقا جس کی خدمت نے اس کو دین و دنیا کی عظیم سعادتوں سے نوازا رکھا ہے جنت میں بھی اس کی رفاقت کی سعادت حاصل ہو جائے چنانچہ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میری سب سے بڑی تمنا اور سب سے بڑی خواہش تو بس یہی ہے کہ جس طرح آپ ﷺ نے اس دنیا میں اپنے قدموں میں جگہ دے رکھی ہے اسی طرح جنت کی پر سعادت فضا میں بھی آپ ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہو جائے، پہلے تو آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ یہ اس کے علاوہ کچھ اور مانگ لیں مگر جب دیکھا کہ انہیں اپنی اس خواہش پر اصرار ہے تو فرمایا کہ ”اس عظیم مرتبے اور اس بڑی سعادت کو حاصل کرنے کے لئے تم کثرت سجود کے ذریعہ اپنی ذات سے میری مدد کرو۔“ یعنی اگر تمہارا یہی اصرار ہے اور تم اسی خواہش کی تکمیل چاہتے ہو تو پھر آؤ تم کو میں ایک ایسا راستہ بتا دیتا ہوں جو تمہاری منزل مقصود تک جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہارا اپنا تو کام یہ ہونا چاہئے کہ نماز پڑھتے رہو اور بارگاہِ خداوندی میں کثرت سے سجدہ کر کے اپنی عجز و بے جا رگی کا اظہار کیا کرو اور سجدہ میں دعا کرتے رہا کرو، اور ہمیں بھی تمہارے لئے دعا کرتا ہوں اور حصول مقصد اور تمہاری اس خواہش کی تکمیل کے لئے کوشش کرتا ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ میں تمہیں جو بتاؤں یعنی جو حکم دوں اس پر پورا پورا عمل کرتے رہو کہ راہ سعادت حاصل ہونے کی تدبیر یہی ہے اور انشاء اللہ اس کے بعد تم منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔

فتح قفل ارچہ کلید است اسے عزیز جنبش از دست توی خواہمند نیز

یعنی: عزیز من! قفل اگرچہ کنجی ہی سے کھلتا ہے لیکن تمہارے ہاتھ کی حرکت بھی تو ضروری ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خدمت کرنا اور ان کی رضا خوشنودی کو پوری کرنا اور حقیقت فضیلت و سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے خاص طور پر سرکارِ دو عالم ﷺ کی رضا کو مد نظر رکھنا تو دین و دنیا کی سب سے بڑی سعادت و بھلائی ہے۔

اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ بھی ہے کہ طالب صادق کو چاہئے کہ اس کا مطلوب صرف آخرت کی نعمتیں ہوں کہ جن کو دوام و بقاء حاصل ہے دنیا کی لذتوں کی طرف التفات نہ کرے کہ جو فانی اور ختم ہو جانے والی ہیں۔ لیکن شرط یہ بھی ہے کہ بندگی میں اپنی طرف

۱۔ حضرت زینبہؓ ابن کعبؓ نام اور ابوہریرؓ کثرت ہے۔ آپ سرفروغ میں حضورؐ کے ساتھ رہے اور ۶۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

سے کوئی قصور نہ ہو کیونکہ محض آرزو اور تمنا ہی منزل مقصود تک نہیں پہنچاتی بلکہ اس میں اپنی طرف سے کوشش و سعی کو بھی داخل ہوتا ہے جیسا کہ بڑوں نے کہا ہے کہ ”کسی تمنا اور آرزو کے ہوتے ہوئے کوشش و سعی نہ کرنا بلکہ بیکار بیٹھنا ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا ہے۔“

کارکن کار گزینار گفتار کاندیس راہ کار دار و کار

یعنی عمل کرو، زبانی جمع خرچ سے بچو، کیونکہ اس راستہ میں تو صرف عمل ہی عمل ہے۔

⑪ وَعَنْ مَعْدَانَ بْنِ ظَلْحَةَ قَالَ لَقِيتُ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي اللَّهُ بِهِ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ لِلَّهِ فَإِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلَّهِ سَجْدَةً إِلَّا زَفَعَكَ اللَّهُ بِهَا ذَرْجَةً وَحَظَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيئَةٌ قَالَ مَعْدَانُ ثُمَّ لَقِيتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لِي مِثْلُ مَا قَالَ لِي ثَوْبَانُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت معدان بن ظلو (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ سے ملاقات کی اور ان سے عرض کیا کہ ”مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے کہ اس کے کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے۔“ ثوبانؓ (میرا سوال سن کر) خاموش رہے، میں نے دوبارہ عرض کیا وہ پھر بھی خاموش رہے جب میں نے تیسری مرتبہ عرض کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ”یہی سوال میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے کیا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے (میرے سوال کے جواب میں) فرمایا تھا کہ ”تم کثرت سے بارگاہِ خداوندی میں سجدہ کیا کرو، تم ایک سجدہ خدا کے حضور میں کرو گے تو اس کی وجہ سے خدا تمہارا ایک درجہ بلند کر دے گا اور اس کی وجہ سے ایک گناہ کم کر دے گا۔“ معدانؓ کہتے ہیں کہ میں نے پھر حضرت ابوذرؓ سے ملاقات کی اور ان سے بھی وہی سوال کیا (جو ثوبانؓ سے کیا تھا) چنانچہ انھوں نے بھی مجھے وہی جواب دیا جو ثوبانؓ نے دیا تھا۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت معدان کے دو مرتبہ سوال کرنے پر بھی حضرت ثوبانؓ نے جواب اس لئے نہیں دیا کہ سائل کو رغبت زیادہ ہو، اور آتش شوق بھڑک کر جواب کی اہمیت و عظمت کا احساس کر سکے اور عملی قوت پوری طرح بیدار ہو جائے۔ سجدوں سے مراد کوئی خاص سجدے نہیں ہیں بلکہ نماز کے سجدے بھی مراد ہو سکتے ہیں اور سجدہ تلاوت یا سجدہ شکر بھی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

سجدہ کرنے کا طریقہ

⑫ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ۔ (رواہ ابو داؤد، الترمذی، ابن ماجہ، الدارمی)

”حضرت وائل ابن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ سجدہ کرنے کا ارادہ کرتے تو پہلے اپنے دونوں گھٹنے (زمین پر) ٹیکتے اور پھر دونوں ہاتھ رکھتے اور جب سجدہ سے اٹھنے کا ارادہ کرتے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر دونوں گھٹنے اٹھاتے۔“ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ سجدہ کرتے وقت پہلے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیکتے چاہئیں اس کے بعد دونوں ہاتھ رکھے جائیں اسی طرح سجدہ سے اٹھتے وقت پہلے دونوں ہاتھ اور پھر دونوں گھٹنے اٹھانے چاہئیں ابو داؤدؒ کی ایک روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ (سجدہ سے) گھٹنوں کے بل اٹھتے تھے اور اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر ٹیکتے تھے۔“

علماء نے اعضاء سجدہ کو زمین پر رکھنے کے سلسلہ میں ایک اصول متعین کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اعضاء سجدہ کو زمین پر ٹیکنا زمین کے قرب کے اعتبار سے ہے یعنی جو عضو میں سے زیادہ قریب ہو اسے پہلے زمین پر رکھا جائے اسی ترتیب سے تمام عضو رکھے جائیں اور سجدہ سے اٹھنے وقت اس کا عکس ہونا چاہئے۔ یعنی جو عضو زمین سے سب سے زیادہ قریب ہو اسے سب سے بعد میں اٹھانا چاہئے۔

زمین پر ناک اور پیشانی ٹیکنے کے سلسلہ میں مسئلہ تو یہ ہے کہ ناک اور پیشانی یہ دونوں عضو کے حکم ہیں کہ دونوں عضو ایک ساتھ زمین پر ٹیکنے چاہئیں لیکن بعض حضرات کا قول یہ بھی ہے کہ ناک زمین سے زیادہ قریب ہے اس لئے پہلے ناک رکھی جائے اس کے بعد پیشانی ٹیکی جائے۔

علامہ شنی نے فرمایا ہے کہ ”سجدہ میں جاتے وقت اگر کسی عذر مثلاً موزہ وغیرہ کی بناء پر گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے پہلے رکھنا دشوار ہو تو پہلے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک لئے جائیں اس کے بعد دونوں گھٹنے رکھے جائیں۔“

(۱۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ أَخَذْتُكُمْ فَلَا يَبْرُكُ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكُوعِهِ زَوْاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ قَالَ أَبُو سَلَيْمَانَ الْخَطَّابِيُّ حَدِيثٌ وَابِلٌ بِنِ حُجْرٍ أَثَبْتُ مِنْ هَذَا وَقِيلَ هَذَا مَنْسُوخٌ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کوئی جب سجدہ کرے تو وہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے بلکہ اسے چاہئے کہ اپنے دونوں گھٹنے سے پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔“ (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

اور ابو سلیمان خطابیؒ نے کہا ہے کہ حضرت وائل ابن حجرؓ کی حدیث اس حدیث سے زیادہ (صحیح) ثابت ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔“

تشریح: اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اونٹ زمین پر بیٹھنے کے وقت اپنے دونوں گھٹنے زمین پر پہلے رکھتا ہے۔ اس طرح سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے زمین پر نہ ٹیکے جائیں۔

آپؐ نے اونٹ کی جینٹھک سے مشابہت دی ہے باوجود یہ کہ اونٹ بیٹھتے وقت زمین پر پاؤں رکھنے سے پہلے ہاتھ رکھتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا گھٹنا پاؤں میں ہوتا ہے اور جانور کا گھٹنا ہاتھ میں ہوتا ہے لہذا جب کوئی شخص سجدہ میں جاتے وقت زمین پر پہلے گھٹنے رکھے گا تو اونٹ کے بیٹھنے سے مشابہت ہوگی۔

بہر حال۔ یہ حدیث اوپر کی حدیث کی مخالف ہے کیونکہ پہلی حدیث تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پہلے گھٹنے زمین پر ٹیکے جائیں اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہاتھ زمین پر رکھے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء کا یہاں بھی اختلاف ہے چنانچہ جیسا اوپر کی حدیث کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے۔ جمہور علماء حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اوپر کی حدیث پر جو حضرت وائل ابن حجرؓ سے مروی ہے عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے دونوں گھٹنے زمین پر ٹیکے جائیں۔ حضرت امام مالکؒ، اوزائیؒ، اور کچھ دوسرے علماء حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے زمین پر دونوں ہاتھ ٹیکے جائیں۔

ان دونوں احادیث کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت سے حضرت وائل ابن حجرؓ کی اوپر والی حدیث زیادہ صحیح، قوی تر اور مشہور تر ہے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس حدیث کو مرتبہ صحت پر پہنچا کر اسے ترجیح دی ہے اور فن حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ جب دو حدیثیں ایک دوسرے کے مخالف ہوتی ہیں تو عمل قوی تر اور صحیح تر پر کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کو حضرت وائل کی روایت سے منسوخ قرار دیا ہے۔

نیز ایک روایت میں حضرت ابن خزیمہؒ سے بھی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب سجدہ میں جاتے تھے تو (سجدہ کی) ابتدا گھٹنے سے

کرتے تھے۔ یعنی پہلے گھٹنوں کو زمین پر ٹیکتے تھے۔ انکی وجوہات کی طرف مؤلف مشکوٰۃ نے قال ابو سیلمان الخ کہا کہ اشارہ کیا ہے۔

دونوں سجدوں کے درمیان آنحضرت ﷺ کی دعا

(۱۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَاعْفَافِيْ وَارْزُقْنِيْ۔ (رواہ البوراذ والترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ کہا کرتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَاعْفَافِيْ وَارْزُقْنِيْ اے اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر، مجھے ہدایت فرما (دونوں چہاں کی بلاؤں اور امراض ظاہر و باطن سے) مجھے محفوظ رکھ اور مجھے رزق عطا فرما۔“ (البوراذ، ترمذی)

(۱۵) وَعَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ۔ (رواہ النسائی والدارمی)

”اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ کہا کرتے تھے کہ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ اے میرے پروردگار مجھے بخش دے۔“ (نسائی، دارمی)

تشریح: اس روایت کو ابن ماجہؒ نے بھی نقل کیا ہے مگر ان کی روایت میں یہ دعائیہ کلمات تین مرتبہ مذکور ہیں یعنی آپ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعائیں مرتبہ پڑھتے تھے۔

الفصل الثالث

جلدی جلدی سجدہ کرنے کی ممانعت

(۱۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ شُبَلٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَقْرَةِ الْغُرَابِ وَافْتِرَاشِ الشَّيْخِ وَأَنْ يُّوَلِّقَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوَلِّقُ الْبَيْعُوتُ۔ (رواہ البوراذ والنسائی والدارمی)

”حضرت عبدالرحمن ابن شبلؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے کوئے کی طرح ٹھونگ مارنے اور درندوں کی طرح (ہاتھوں کو) بچھانے سے منع فرمایا ہے اور (اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ) کوئی شخص مسجدوں میں جگہ مقرر کرے جیسا کہ اونٹ مقرر کرتا ہے۔

(البوراذ، نسائی، دارمی)

تشریح: اس حدیث میں تین چیزوں سے منع کیا جا رہا پہلی تو یہ کہ جس طرح کو ازمن سے دانہ چھیننے کے لئے جلدی جلدی چوچ زمین پر مار کر دانہ اٹھاتا ہے اس طرح سجدہ سے سر جلدی جلدی نہ اٹھایا جائے۔ دوسری چیز یہ کہ جانور مثلاً کتے اور بھڑیے وغیرہ جس طرح اپنے پیچھے زمین پر بچھا کر بیٹھتے ہیں اس طرح سجدہ کے وقت پیچھے زمین پر نہ بچھا دیئے جائیں۔ تیسری چیز یہ کہ جس طرح اونٹ اپنے پیچھے کی ایک جگہ متعین و مقرر کر لیتا ہے کہ اس کے علاوہ دوسرا اونٹ اس جگہ نہیں بیٹھ سکتا اسی طرح مسجد میں کوئی جگہ متعین نہ کی جائے کہ اس جگہ کسی دوسرے کو نہ بیٹھنے دیا جائے کیونکہ مسجد سب کے لئے ہے جو جہاں چاہے بیٹھ سکتا ہے اپنے لئے کسی ایک جگہ کو متعین و مقرر کر کے وہاں دوسرے کو بیٹھنے سے روکنا مکروہ و ممنوع ہے۔

علامہ حلوانیؒ لکھتے ہیں کہ ”ہمارے علماء کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ مسجد میں کسی خاص کپڑے کو اس لئے متعین کر لیا جائے کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کپڑے میں نماز پڑھی ہی نہ جائے کیونکہ اس طرح عبادت اس خاص کپڑے کے ساتھ عادت بن جاتی ہے کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کپڑے میں نماز پڑھنا دشواری و گرائی کا باعث بنتا ہے حالانکہ عبادت جب عادت ہو جاتی ہے تو اسے ترک کرونا

چاہئے چنانچہ اکیا وجہ سے ہمیشہ روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ لہذا اس مسئلہ پر اس کو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مسجد میں کسی جگہ کو اپنے لئے متعین کر لینا اور اس جگہ کسی دوسرے کو بیٹھنے سے روکنا شریعت کی نظر میں کوئی تحسن فعل نہیں ہو سکتا جب کہ اس سے مقصد بھی کوئی اچھا نہ ہو۔

دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء ممنوع ہے

(۱۷) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ إِنِّي أَحْبَبْتُ لَكَ مَا أَحْبَبْتُ لِنَفْسِي وَكَرِهْتُ لَكَ مَا كَرِهْتُ لِنَفْسِي لَا تَقْعُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”اے علی! جو چیز میں اپنے لئے محبوب رکھتا ہوں وہ چیز تمہارے لئے بھی محبوب رکھتا ہوں اور جو چیز اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں وہ چیز تمہارے لئے بھی ناپسند کرتا ہوں“ دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء نہ کرو۔“ (ترمذی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس یوں تو پورے عالم ہی کے لئے سراپا رحمت و شفقت تھی مگر آپ ﷺ اپنی امت کے لوگوں کے لئے تو بے انتہا شفیع تھے۔ آپ ﷺ کی شفقت و محبت ہی کا یہ اثر تھا کہ آپ ﷺ جس چیز کو اپنے لئے پسند فرماتے تھے۔ وہی چیز اپنی امت کے افراد کے لئے بھی پسند فرماتے تھے اور جس چیز کو اپنے لئے ناپسند سمجھتے اے اپنی امت کے لوگوں کے لئے بھی ناپسند سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے اسی جذبہ کا اظہار حضرت علیؓ سے فرمایا اور یہ ظاہر کر دیا کہ چونکہ میں دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا اس لئے تمہارے اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی مجھے یہ چیز پسند نہیں ہے اس لئے اس سے بچو۔

اقعاء کی تحقیق: اقعاء کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح بیٹھا جائے کہ کوہے زمین پر لگے ہوئے ہوں اور رانیں اور پنڈلیاں کھڑی ہوں اور ہاتھ زمین پر رکھے ہوں جس طرح کتابتازمین پر بیٹھتا ہے۔ اقعاء کے صحیح معنی تو یہی ہیں البتہ بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ کہا ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان پیر کے پنجوں کو کھڑا کر کے ایڑیوں پر بیٹھا جائے۔ ان کے علاوہ علماء نے اور بھی کئی معنی لکھے ہیں۔ بہر حال اقعاء کی جو بھی شکل اختیار کی جائے۔ دونوں سجدوں کے درمیان اسے اختیار کرنا منفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔

رکوع میں کمر سیدھی کرنا چاہئے

(۱۸) وَعَنْ طَلْحِ بْنِ عَلِيٍّ الْحَنْفِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ غُرْزًا وَجَلَّ إِلَى صَلَاةِ عَبْدٍ لَا يَقِيمُ فِيهَا صَلْبَتَهُ بَيْنَ خُشُوعِهَا وَسُجُودِهَا - (رواہ احمد)

”اور حضرت طلحہ ابن علی حنفیؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا ”اللہ بزرگ و برتر اس بندہ کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو اپنی نماز کے سجود و رکوع میں اپنی کمر سیدھی نہیں کرتا۔“ (احمد)

تشریح: بارگاہ خداوندی میں وہی نماز مقبولیت کے درجہ کو پہنچتی ہے جس کے تمام ارکان پوری طرح ادا کئے جاویں اگر کوئی رکن اپنے قواعد و آداب کے مطابق درست نہیں ہوتا تو نماز مقبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچتی چنانچہ رکوع و سجود چونکہ نماز کے اہم ترین رکن ہیں اس لئے ان میں اگر نقص رہ جاتا ہے تو گویا پوری نماز ناقص رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ نماز اتمام و کمال کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی لہذا اس حدیث کے ذریعہ تنبیہ کیا جا رہا ہے کہ رکوع و سجود (کو پوری) احتیاط کے ساتھ ادا کرنا چاہئے۔ یعنی پہلے رکوع و سجود سے اٹھنے کے بعد کمر کو اچھی طرح سیدھا کر لینا چاہئے اس کے بعد دوسرا رکوع و سجدہ کیا جائے اگر ایسا نہیں کیا جائے گا بلکہ پہلے رکوع و سجدہ سے اٹھ کر کمر کو سیدھی کئے بغیر دوسرے رکوع و سجدہ میں جلدی جلدی جائے گا تو وہ رکوع و سجود ادا کھلانے کا شوق نہیں ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا اس کی نماز کی طرف خداوندی قدوس نظر بھی نہیں کرے گا۔ یعنی اسے قبول نہیں کرے گا۔

دونوں ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں

(۱۹) وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ مَنْ وَضَعَ جَبْهَتَهُ بِالْأَرْضِ فَلْيَضَعْ كَفَّيْهِ عَلَى الذِّئْنِ وَضَعَ عَلَيْهِ جَبْهَتَهُ ثُمَّ إِذَا رَفَعَ فَيَرْفَعُهُمَا فَإِنَّ الْيَدَيْنِ تَسْجُدَانِ كَمَا يَسْجُدُ الْوُجْهُ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت نافعؓ راوی ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”جو شخص اپنی پیشانی زمین پر رکھے (یعنی سجدہ کرے) تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی زمین پر بھیں رکھے جہاں پیشانی رکھی ہے پھر جب (سجدہ سے) اٹھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی اٹھائے کیونکہ جس طرح چہرہ سجدہ کرتا ہے اسی طرح دونوں ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں۔“ (مالک)

تشریح: نمازی جب سجدہ میں جاتا ہے تو صرف اس کی پیشانی اور ناک ہی سجدہ میں نہیں جاتی بلکہ اس کا ہر عضو بارگاہ خداوندی میں جھکتا ہے اور سجدہ کرتا ہے اسی لئے فرمایا جا رہا ہے کہ سجدہ کے وقت ہاتھوں کو بھی زمین پر پیشانی رکھنے کی جگہ یعنی پیشانی کے برابر رکھنے چاہئیں تاکہ ہاتھوں کا سجدہ بھی پورا ہو جائے۔

سجدہ میں دونوں ہاتھ کہاں رکھے جائیں؟ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو پیشانی کے برابر رکھا جائے۔ چنانچہ حنفیہ کا مختار مسلک بھی یہ ہے شوافع کا مختار مسلک یہ ہے کہ سجدہ میں دونوں ہاتھ مونڈھوں کے برابر رکھے جائیں۔ حدیث کے الفاظ فَلْيَضَعْ كَفَّيْهِ عَلَى الذِّئْنِ الخ کا مطلب صحیح طور پر تو یہی ہے کہ دونوں ہاتھ پیشانی کے برابر رکھے جائیں لیکن اس کے یہ معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کو بھی زمین پر اسی طرح رکھے جس طرح پیشانی رکھی ہے یعنی قبلہ رخ رکھے۔ واللہ اعلم

بَابُ التَّشْهَدِ

تشہد کا بیان

شہادت کے معنی کو اسی دینا اور ایسی جی خبر دینا کہ اس میں دل زبان کے ساتھ ہو یعنی جو خبر زبان سے دی جائے وہی دل میں بھی ہو۔ ”تشہد“ کہتے ہیں گواہ ہونے کو اہم علم کے اظہار کرنے کو جو دل میں ہے۔

اصطلاح شریعت میں تشہد اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدًا رسول اللہ کو اور اس ذکر کو جو قعدہ نماز میں پڑھا جاتا ہے کہتے ہیں۔ گویا التحیات کو تشہد اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس میں شہادتین کا کلمہ بھی پڑھا جاتا ہے۔

الفصل الأول

التحيات میں ہاتھوں کو رکھنے کا طریقہ

(۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ فِي التَّشْهَدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُمْنَى وَعَقَدَ ثَلَاثَةً وَخَمْسِينَ وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ اصْبُعَةَ الْيُمْنَى الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ يَدَ غُوبِهَا وَيَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتَيْهِ بِاسْطِهَا عَلَيْهِمَا۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب تشہد (یعنی التحیات) میں بیٹھے تو اپنا بائیں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنا داہنا ہاتھ اپنے داہنے گھٹنے پر رکھتے تھے اور اپنا (داہنا) ہاتھ مثل عدد درتین کے بند کر کے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جب آپ ﷺ نماز (کے قعدہ) میں بیٹھتے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور داہنے ہاتھ کی اس انگلی کو جو انگوٹھے کے قریب ہے (یعنی شہادت کی انگلی کو) اٹھاتے اور اس کے ساتھ دعا مانگتے (یعنی) اس کو اٹھا کر اشارہ وحدایت کرتے) اور بائیں ہاتھ اپنے زانو پر کھلا ہوا رکھتے۔“ (مسلم)

تشریح: ”مثل عدد ترپین“ کا مطلب یہ ہے کہ اہل حساب کتنی کے وقت انگلیوں کے جس طرح بند کرتے جاتے ہیں کہ انہوں نے ہر انگلی کو ایک عدد متعین کے لئے مقرر کیا ہوا ہے کہ انہیں اکائیوں کے لئے یہاں رکھا جائے اور دہائی، سیکڑہ اور ہزار کے لئے فلاں فلاں جگہ۔ لہذا رومی کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شہادت کی انگلی کو اشارہ کے لئے اٹھاتے وقت بقیہ انگلیوں کو اس طرح بند کیا جس طرح ترپین کے عدد کے لئے انگلیوں کو بند کرتے ہیں اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ چھنگلیاں اس کے قریب والی انگلی اور بیچ کی انگلی کو بند کر لیا جائے۔ شہادت کی انگلی کھلی رکھی جائے اور انگوٹھے کے سرے کو شہادت کی انگلی کی جڑ میں رکھا جائے۔ یہ عدد ترپین (۵۳) کہلاتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک شہادت کی انگلی اٹھانے کا طریقہ: ابھی آپ نے عقد ترپین کی وضاحت پڑھی اسی طرح ایک عدد تسعین (۹۰) ہوتا ہے اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ چھنگلیاں اور اس کے قریب والی انگلی کو بند کر لیا جائے اور شہادت کی انگلی کو کھول دیا جائے اور انگوٹھے کا سراچ کی انگلی کے سرے پر رکھ کر حلقہ کی شکل دے دی جائے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شہادت کی انگلی اٹھانے کے لئے یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اور حضرت امام احمدؒ کا ایک قول بھی یہی ہے نیز حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے اور یہی طریقہ آگے آنے والی مسلم کی روایت سے بھی ثابت ہے جو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے مروی ہے۔ اسی طرح احمدؒ، ابو داؤدؒ نے بھی حضرت وائل ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی تمام انگلیاں بند کر لی جائیں اور شہادت کی انگلی کھلی رکھی جائے۔ بعض احادیث میں انگلیوں کو بند کئے بغیر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا بھی ثابت ہے چنانچہ بعض حنفی علماء کا مختار مسلک یہی ہے، اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ کا عمل بھی مختلف رہا ہو گا کہ آپ ﷺ کبھی تو اشارہ بغیر عقد کے کرتے ہوں گے اور کبھی عقد کے ساتھ کرتے ہوں گے۔ اسی بنا پر ان مختلف احادیث کی توجیہ کہ جن سے یہ دونوں طریقے ثابت ہوتے ہیں یہی کی جاتی ہے۔

ماورداء النہر (یعنی بخارا و سمرقند وغیرہ) اور ہندوستان کے حنفیہ نے اس عمل عقد و اشارت (یعنی داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو بند کر کے شہادت کی انگلی کو اٹھانے) کو ترک کیا ہے، گو حنفی کچھ یہاں یہ عمل جاری تھا مگر متاخرین نے اس میں اختلاف کیا ہے لیکن حرمین اور عرب کے دوسرے شہروں کے علماء کے نزدیک مختار مسلک عمل عقد و اشارت کرنا ہی ہے۔

علامہ شیخ ابن الہمامؒ نے جن کا شمار متحققین حنفیہ میں ہوتا ہے فرمایا ہے کہ ”اول تشہد (التحیات) میں شہادتیں تک تو ہاتھ کھلا رکھنا چاہئے اور تہلیل کے وقت انگلیوں کو بند کر لینا چاہئے نیز (شہادت کی انگلی سے) اشارہ کرنا چاہئے۔“ موصوف لکھتے ہیں کہ ”اشارہ کرنے کو منع کرنا روایت اور روایت کے خلاف ہے۔“

محیط مد مذکور ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو اٹھانا حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک سنت ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے بھی اسی طرح ثابت ہے۔ علامہ نجم الدین زہدیؒ فرماتے ہیں کہ ”ہمارے علماء کا متفقہ طور پر یہ قول ہے کہ عمل اشارت سنت ہے۔“

لہذا جب صحابہ کرام تابعین، ائمہ دین، محدثین عظام، فقہائے امت اور علماء کوفہ و مدینہ سب ہی کا مذہب و مسلک یہ ہے کہ التحیات مکمل ہے کہ صاحب مظاہر حق علامہ نواب قطب الدین کے زمانہ میں عمل عقد و اشارت کے ترک کے قائل ہوں مگر اب تو سب حنفی اس کے قائل ہیں۔

میں شہادتیں کے وقت دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو اٹھانا یعنی اشارہ وحدانیت کرنا چاہئے اور یہ کہ اس کے ثبوت میں بہت زیادہ احادیث اور اقوال صحابہؓ وارد ہیں تو پھر اس پر عمل کرنا ہی اولیٰ و ارجح ہوگا۔

اشارہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کلمہ شہادت پر پہنچے تو شافعیہ کے نزدیک الا للہ کہتے وقت شہادت کی انگلی اٹھالی جائے اور خفیہ کے نزدیک جس وقت لا الہ کہے تو انگلی اٹھائے اور جب الا للہ کہے تو انگلی رکھ دے۔ اس سلسلہ میں اتنی بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ انگلی سے اوپر کی جانب اشارہ نہ کیا جائے تاکہ جہت کا وہم پیدا نہ ہو جائے۔

حدیث کے الفاظ ”یدعو بہا“ (اس کے ساتھ دعا مانگتے) کا مطلب یہی ہے کہ: آپ ﷺ شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ وحدانیت کرتے جس کی طرف ترجمہ میں یہ بھی اشارہ کر دیا گیا ہے یا پھر دعا سے مراد ذکر ہے کہ ذکر کو دعا بھی کہتے ہیں کیونکہ ذکر کرنے والا بھی مستحق انعام و اکرام ہوتا ہے۔

حدیث کے آخری جملہ ”بایں ہاتھ اپنے زانو پر کھلا ہوا رکھتے تھے“ کا مطلب یہ ہے کہ بایں ہاتھ کو زانو کے قریب یعنی ران پر کھلا ہوا قبلہ رخ رکھتے تھے۔

② وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ يَذْعُو وَيَضَعُ يَدَهُ الَيْمَنَى عَلَى فَخْذِهِ الَيْمَنَى وَيَذْعُو الَيْسْرَى عَلَى فَخْذِهِ الَيْسْرَى وَأَشَارَ بِأَصْبَعِهِ السَّبَابَةِ وَوَضَعَ الَيْهَا مَنَةً عَلَى أَصْبَعِهِ الْوَسْطَى وَيَلْقِمُ كَفَّهُ الَيْسْرَى رُكْبَتَهُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب (نماز میں التحیات پڑھنے کے لئے) بیٹھتے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی دائیں ران پر اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنی بائیں ران پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اپنے انگوٹھے کو اپنی بچ کی انگلی پر رکھتے (یعنی اس طرح حلقہ بنا لیتے تھے) اور آپ ﷺ (بھی) اپنے بائیں ہاتھ سے بایں گھٹنا پکڑ لیتے۔“ (مسلم)

تشریح: جیسا کہ ابھی پہلے بتایا جا چکا ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ التحیات میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اٹھاتے وقت یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ چھٹکی اور اس کے قریب دالی انگلی کو بند کر لیا جائے اور انگوٹھے کے سرے کو بچ کی انگلی کے سرے پر رکھ کر حلقہ بنا لیا جائے اور شہادت کی انگلی اٹھالی جائے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک التحیات پڑھنے کے لئے بیٹھتے وقت ہی اس طرح حلقہ بنا لیا جائے لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ حلقہ انگلی اٹھاتے وقت ہی بنانا چاہئے۔

③ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَلَّمَ عَلَى اللَّهِ قَبْلَ عِبَادِهِ السَّلَامَ عَلَى جِبْرِيلَ السَّلَامَ عَلَى مِيكَائِيلَ السَّلَامَ عَلَى فُلَانٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بَوَّابُهُ قَالَ لَا تَقُولُوا السَّلَامَ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ فَإِنَّهُ إِذَا قَالَ ذَلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ثُمَّ لَيْتَ خَيْرَ مِنَ الدُّعَاءِ أَعَجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَذْعُوهُ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے تو (قاعدہ میں التحیات کی بجائے) یہ پڑھا کرتے تھے۔ السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ قَبْلَ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ السَّلَامُ عَلَى مِيكَائِيلَ السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اس کے بعدوں پر سلام بھیجتے سے پہلے، جبریل پر سلام ہے میکائیل پر سلام ہے اور فلان (یعنی فرشتوں میں سے کسی فرشتے پر یا انبیاء میں سے کسی نبی پر سلام ہے۔“ چنانچہ (ایک دن) جب آنحضرت ﷺ (نماز پڑھ کر) فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ”اللہ پر سلام“

نہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ (تو خود) سلام ہے (یعنی پروردگار کی ذات تمام آفات و نقصانات سے محفوظ و سالم ہے وہ بندوں کو تمام ظاہری و باطنی آفات و نقصانات سے سلامتی دیتا ہے اور چونکہ اس کے لئے اور اس کی طرف سے سلامتی ثابت ہے اس لئے سلامتی کے لئے دعا تو اس کے لئے کرنی چاہئے جس کو نقصانات و آفات کا خوف ہو اور جو اس کی سلامتی کا محتاج ہو) لہذا جب تم میں سے کوئی نماز (کے قعدہ) میں بیٹھے تو یہ کہے **التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ** سب تعریفیں اور بدنی عبادتیں (یعنی نماز وغیرہ اور مالی عبادتیں (یعنی زکوٰۃ وغیرہ) اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبی ﷺ تم پر سلام اور اللہ کی برکتیں ہوں۔ ہم پر بھی سلام اور اللہ کے سب نیک بندوں پر سلام۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص ان کلمات کو کہتا ہے تو اس کی برکت زمین و آسمان کے ہر نیک بندے کو پہنچتی ہے۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کلمات کو شہادتین پر ختم فرمایا جو تمام اعمال کی اصل اور خلاصہ ہے۔ چنانچہ فرمایا۔) **“أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ”** میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔“ (پھر فرمایا) اس کے بعد بندہ کو جو دعا اچھی لگے اسے اختیار کرے اور خدا کے سامنے دست سوال دراز کرے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کو معراج حاصل ہوئی اور آپ ﷺ بارگاہ خداوندی میں باریاب ہوئے تو اللہ جل شانہ کی تعریف میں آپ ﷺ نے یہ کلمات فرمائے:

التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ۔

”تمام تعریفیں اور مالی و بدنی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔“

اس کے جواب میں بارگاہ الوہیت سے فرمایا گیا۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

”اے نبی تم پر سلام و لہذا اللہ کی برکتیں درمختص ہیں۔“

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔

”ہم پر بھی سلام اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام۔“

تب جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ:

أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله۔

”میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔“

بہر حال السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین میں ”نیک بندوں“ کی قید لگا کر اس طرح اشارہ کر دیا گیا ہے کہ بد بخت و بدکار بندوں پر سلام بھیجنایا ان کو سلام کہنا مناسب نہیں ہے۔ اس کی سعادت کے حقدار اور لائق تو وہی بندے ہیں جو اپنے عقیدہ و فکر اور اعمال و کردار کے اعتبار سے خدا اور خدا کے رسول کی نظر میں پسندیدہ ہیں جنہیں ”صالح“ کہا جاتا ہے اور ”بندہ صالح“ وہی ہے جو حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں کی رعایت کو مد نظر رکھتا ہے اور دونوں کو پورا کرتا ہے۔“

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ ”صلاح“ دراصل اس حالت کا نام ہے جس میں بندہ کے ذاتی و نفسانی ارادے و خواہشات موت کے گھاٹ اتر جائیں اور اللہ تعالیٰ کی مراد و مقصد پر قائم رہے (جس کی وجہ سے وہ بندہ صالح کہلانے کا مستحق ہو) لہذا بندہ کو

چاہئے کہ وہ پروردگار کی رضا و خواہش پر اس کیفیت کے ساتھ راہی اور اپنے تمام امور کو خداوند عالم کی طرف اس طرح سوچنے والا ہو جائے جیسا کہ نومولود بچہ دایہ کے ہاتھ میں یا میت نہلانے والوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ ”جب بندہ اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے اور اس کا جذبہ بندگی و اطاعت اس قدر لطیف و پاکیزہ ہو جاتا ہے تو وہ یقینی طور پر تمام دنیاوی و جسمانی اور نفسانی آفات اور بلاؤں سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

آخر میں۔ اتنی بات اور سمجھتے چلئے کہ التحیات کو دونوں قعدوں میں پڑھنا چاہئے اور یہ کہ درمیان کا قعدہ (یعنی جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے ہیں) واجب ہے اور آخری قعدہ (جس میں سلام پھیرا جاتا ہے) فرض ہے۔

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا الشُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ فَكَانَ يَقُولُ الصَّلَوَاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَآه مُسَلِّمٌ وَلَمْ أَجِدْ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَلَا فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّحِيحَيْنِ سَلَامٌ عَلَيْكَ وَسَلَامٌ عَلَيْنَا بِغَيْرِ الْفِ وَلَا مَوْلَيْنَ وَلَا وَلِيٍّ وَلَا وَاهٍ صَاحِبِ الْجَمَاعِ عَنِ الْقِرْمِذِيِّ۔

”اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جس طرح ہمیں قرآن کی کوئی سورۃ سکھاتے تھے اسی طرح تشہد سکھایا کرتے تھے چنانچہ کہا کرتے تھے کہ اَلصَّلَوَاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ تمام بارکات قریش اور تمام مالی و دینی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اے نبی ﷺ تم پر سلام اور اللہ کی برکت و رحمتیں ”ہم پر بھی سلام اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔“

(مسلم)

اور مؤلف مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ میں نے نہ تو صحیحین (یعنی بخاری و مسلم میں) اور نہ جمع بین صحیحین میں لفظ ”سلام علیک“ اور ”سلام

علینا“ بغیر الف لام کے پایا ہے البتہ اس طرح اس کو صاحب جامع الاصول نے ترمذی (کے حوالہ) سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے تشہد یعنی التحیات کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں اس پر حضرات شافعیہ عمل کرتے ہیں اور التحیات میں انہیں الفاظ کو پڑھتے ہیں لیکن حنفیہ حضرات کے یہاں حضرت ابن مسعودؓ کے روایت کردہ تشہد کے الفاظ پر جو اس سے پہلے روایت میں گزرے ہیں عمل کیا جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کے روایت کردہ تشہد کے بارہ میں محدثین صراحت کرتے ہیں کہ یہ صحیح تر ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ ابن حجر شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ”تشہد کے سلسلہ میں جتنی احادیث مروی ہیں ان سب میں حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کی روایت کردہ حدیث سب سے زیادہ صحیح تر ہے۔

حضرت امام احمدؒ بھی ابن مسعودؓ کی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور صحابہ و تابعین میں اکثر اہل علم کا معمول بھی انہیں کی حدیث کے مطابق تھا۔ پھر یہ کہ خود آنحضرت ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ابن مسعودؓ کے روایت کردہ تشہد کے لئے حکم فرمایا تھا کہ اسے لوگوں کو سکھایا جائے، چنانچہ مسند امام احمد ابن حنبلؒ میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن مسعودؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ اسی تشہد کو لوگوں کو سکھائیں۔

ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ”آنحضرت ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آپ ﷺ جس طرح مجھے قرآن کی تعلیم دیتے تھے اسی طرح آپ ﷺ نے مجھے (یہ) تشہد سکھایا۔“

پھر حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ کی روایتوں میں یہ بھی بڑا فرق ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کو تو بخاری و مسلم دونوں نے نقل کیا ہے جبکہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو صرف مسلم نے نقل کیا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے وہ تشہد اختیار فرمایا ہے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہے یعنی التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ الذِّكَايَاتُ لِلَّهِ الطَّيِّبَاتُ لِلَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ الْخ۔

بہر حال علماء لکھتے ہیں کہ یہ پوری بحث صرف اولیت و افضلیت سے متعلق ہے یعنی حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک حضرت ابن مسعودؓ سے مروی تشہد پڑھنا افضل ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے ہاں حضرت ابن عباسؓ سے مروی تشہد پڑھنا افضل ہے۔ لیکن جہاں تک جواز کا سوال ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ ان میں سے جو تشہد بھی چاہے پڑھ لیا جائے جائز ہوگا۔

روایت کے آخری الفاظ ولہم اجد الخ سے دراصل مولف مشکوٰۃ، صاحب مصابح پر ایک اعتراض کر رہے ہیں وہ یہ کہ صاحب مصابح نے ابن عباسؓ سے مروی تشہد میں ”سلام علیک“ اور ”سلام علینا“ کو بغیر الف لام کے ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اس طرح یہ روایت بخاری و مسلم میں منقول نہیں لہذا صاحب مصابح کا اس روایت کو پہلی فصل میں ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

الفصل الثانی

اشارہ کے وقت شہادت کی انگلی کو متحرک رکھنا

⑤ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ جَلَسَ فَأَقْرَضَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى فَرْجِهِ الْيُسْرَى وَحَدَّ بِرِجْلِهِ الْيُسْرَى عَلَى فَرْجِهِ الْيُسْرَى وَتَبَيَّنَ ثَنَيْنِ وَحَلَقَ حَلَقَةً ثُمَّ رَفَعَ أَصْبَعَهُ فَرَأَيْنَاهُ يُخَوِّضُ كُفَّاهُ يَدُ غُزَيْفَتِهِ (رواه أبو داود والدارقطني)

”حضرت وائل ابن حجرؓ فرماتے ہیں کہ ”پھر سرور کائنات ﷺ (مجہد سے سرائحاً کر اس طرح) بیٹھے (کہ) اپنا بایاں پیر تو بچھالیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور دائیں ران پر دائیں کہنی الگ رکھی (یعنی کہنی کو ران پر رکھتے وقت اسے پہلو سے نہیں ملایا) اور دونوں انگلیاں (یعنی چٹکلیاں) اور اس کے قریب والی انگلی (بند کر کے) (خفیہ کے مسلک کے مطابق درمیان کی انگلی اور انگوٹھے کا) حلقہ بنایا پھر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اٹھائی اور میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اس انگلی کو حرکت دیتے تھے اور اس سے اشارہ (توحید) کرتے تھے۔“ (ابوداؤد، دارقطنی)

تشریح: یہ حدیث ایک مسلسل حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی تمام نماز کی تفصیل ذکر کی گئی ہے چونکہ اس موقع پر موضوع کی رعایت کے پیش نظر جملہ کی کیفیت ذکر کرنی مقصود تھی اس لئے ثُمَّ جَلَسَ سے اس ٹکڑے کو ذکر کیا گیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ شہادت کی انگلی کو اٹھا کر اسے متحرک رکھنا چاہئے چنانچہ حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہی ہے کہ اشارہ کے وقت گلی کو ہلاتے رہنا چاہئے مگر حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ کے یہاں انگلی کو متحرک نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ اس کے بعد کی حدیث نے لایتحرک کہا کہہ کر صراحت کے ساتھ اس فعل سے منع کر دیا ہے۔

جہاں تک اس حدیث کے الفاظ کا تعلق ہے تو کہا جائے گا کہ یہاں ”یتحرکھا“ یعنی حرکت دینے سے مراد انگلی کا اٹھانا ہی ہے کیونکہ انگلی کو اٹھانے میں بھی بہر حال حرکت ہوتی ہے اس توجیہ سے اس حدیث میں اور مابعد کی حدیث میں تطبیق بھی ہو جائے گی۔

اشارہ کے وقت انگلی کو متحرک نہ رکھنا چاہئے

⑥ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيرُ بِأَصْبَعِهِ إِذَا دَعَا وَلَا يُخَوِّضُ كُفَّاهُ زَوْاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتَّسَائِيَةُ زَادَ أَبُو دَاوُدَ وَلَا يُجَاوِزُ بَصَرَهُ إِشَارَتَهُ۔

”اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب (قعدہ میں) دعا کرتے (یعنی کلمہ شہادت پڑھتے تھے) تو اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے لیکن اس کو ہلاتے نہ تھے (ابوداؤد و نسائی) اور ابوداؤدؓ نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”اور آپ ﷺ کی نظر اشارہ کی انگلی اسے تجاوز نہ کرتی تھی۔“

تشریح: ابوداؤدؓ کے روایت کردہ آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ انگلی اٹھانے کے وقت آپ ﷺ کی نظر انگلی ہی پر رہتی تھی دوسری طرف نہیں دیکھتے تھے تاکہ خیالات کی رود و سری طرف نہ جائے بلکہ مضمون توحید و دل میں رہے اور خشوع و خضوع حاصل رہے۔

اشارہ صرف ایک انگلی سے کرنا چاہئے

(۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ

(رواہ الترمذی والنسائی و ابیہی فی الدعوات النکیر)

”اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص تعہد میں (شہادت کی) دونوں انگلیوں سے اشارہ کرتا تھا چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”ایک انگلی سے اشارہ کرو۔ ایک ہی انگلی سے اشارہ کرو۔“ (ترمذی، نسائی، بیہقی)

تشریح: جیسا کہ ابوداؤد و نسائیؓ نے صراحت کی ہے حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ قعدہ میں کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیوں سے اشارہ و حدایت کرتے تھے جب آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھا تو انہیں اس طریقہ سے منع فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ قاعدہ کے مطابق صرف ایک ہی انگلی یعنی داہنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرو۔

قعدہ میں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر نہ بیٹھنا چاہئے

(۸) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَجْلِسَ الرَّجُلُ فِي الصَّلَاةِ وَهُوَ مُعْتَمِدٌ عَلَى يَدِهِ زَوْاَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ فِي رِوَايَةٍ لَهُ نَهَى أَنْ يِعْتَمِدَ الرَّجُلُ عَلَى يَدَيْهِ إِذَا نَهَضَ فِي الصَّلَاةِ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص نماز میں اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھے (احمد، ابوداؤد) اور ابوداؤدؓ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص نماز میں اٹھتے ہوئے ہاتھوں پر سہارا دے۔“

تشریح: حدیث کے پہلے جزء کا مطلب تو یہ ہے کہ جب کوئی شخص قعدہ میں بیٹھے یا قعدہ سے کھڑا ہونے لگے تو اسے چاہئے کہ ہاتھ پر ٹیک نہ لگائے۔

دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ ”سجدہ وغیرہ سے اٹھتے وقت بھی ہاتھوں کا سہارا نہ لیا جائے یعنی ہاتھوں کو زمین پر ٹیکے بغیر گھٹنے کی طاقت سے اٹھا جائے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا عمل اسی حدیث پر ہے۔“

حضرت امام شافعیؒ کے یہاں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر ہی سجدہ وغیرہ سے اٹھتے ہیں۔ ان کی مستدل وہ حدیث ہے جس سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سجدہ وغیرہ سے اٹھتے وقت ہاتھوں کو زمین پر ٹیکا تھا حنفیہ اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا عمل ضعف اور کبر سی پر محمول ہوگا کہ اس وقت چونکہ ضعف و کمزوری کی وجہ سے آپ ﷺ کے لئے بغیر ہاتھوں کو ٹیکے ہوئے اٹھنا ممکن نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ ہاتھوں کو سہارا دے کر اٹھتے ورنہ تو آپ ﷺ بغیر ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر نہیں اٹھتے تھے۔

قعدہ کی مقدار میں فرق

(۹) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرُّكُوعَيْنِ الْأُولَيَيْنِ كَأَنَّهُ عَلَى الرُّصْفِ حَتَّى

يَقُولُ - (رواہ الترمذی والیو داؤد والنسائی)

”اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ پہلی دو رکعتوں میں (یعنی پہلے قعدہ میں) تہجد کے لئے اس قدر بیٹھے تھے گویا آپ ﷺ گرم پتھر بیٹھے ہیں اور (جلدی) کھڑے ہو جاتے تھے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص گرم پتھر زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکتا بلکہ جلد ہی اٹھ کھڑا ہوتا ہے اسی طرح آپ ﷺ پہلے قعدہ میں چونکہ صرف التحیات پڑھتے تھے دیگر دعا و ردود وغیرہ نہیں پڑھتے تھے اس لئے التحیات پڑھتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے اس کے برعکس آخری قعدہ میں چونکہ التحیات کے ساتھ ورد اور دوسری دعائیں بھی پڑھی جاتی ہیں اس لئے اس میں بیٹھنے کی مقدار پہلے قعدہ میں بیٹھنے کی مقدار سے زیادہ ہوتی تھی۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑩ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يَعْلَمُنَا الشُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَسْأَلُ اللَّهَ الْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ النسائی)

”حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جس طرح قرآن کی کوئی سورہ سکھاتے تھے اسی طرح تہجد بھی سکھاتے تھے (یعنی جس طرح باعتبار قرأت قرآن کے الفاظ مختلف ہیں اسی طرح تہجد کے الفاظ بھی مختلف ہیں چنانچہ اس روایت میں تہجد کے الفاظ اس طرح ہیں) بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَسْأَلُ اللَّهَ الْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ النَّارِ یعنی اللہ کے نام اور اللہ کی توفیق کے ساتھ شروع کرتا ہوں اور تمام تعریضیں اور تمام مانی و بدنی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبی ﷺ تم پر سلام ہو اور اللہ کی برکت و رحمتیں! اور ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام، اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں خدا سے جنت کی درخواست کرتا ہوں اور دوزخ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔“ (نسائی)

شہادت کی انگلی شیطان کے لئے باعث تکلیف ہے

⑪ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَأَشَارَ بِأَصْبَعِهِ وَاتَّبَعَهَا بَصَرُهُ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهَايْ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيدِ يَعْنِي السَّبَابَةَ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت نافعؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب نماز یعنی قعدہ میں بیٹھے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے اور (شہادت کی) انگلی سے اشارہ (وحدانیت) فرماتے اور نظر انگلی پر رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا یہ (یہ شہادت کی انگلی) شیطان پر لوہے سے زیادہ سخت ہے“ (یعنی شہادت کی انگلی سے اشارہ وحدانیت کرنا شیطان پر نیزہ وغیرہ بھیجنے سے زیادہ سخت ہے۔) (احمد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ شیطان کی آرزو اور تمنا تو یہ ہے کہ ہر شخص ضلالت و گمراہی اور کفر و شرک میں مبتلا ہو جائے لیکن جب وہ ایک نمازی کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کی تمنا و آرزو کے برخلاف کفر و شرک سے اظہار بیزاری کرتے ہوئے شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے خدا کی وحدانیت کا اظہار کر رہا ہے تو اس کی امیدوں پر اس بڑ جاتی ہے اور اس وقت اسے اتنی ہی شدید تکلیف پہنچتی ہے جتنی کہ اس کے نیزہ

وغیرہ مارنے سے پہنچ سکتی ہے۔

التحیات آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے

(۱۲) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ كَانَ يَقُولُ مِنَ الشَّئِ إِخْفَاءِ الشَّهَادَةِ زَوَاهُ أَبُو ذَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ”شہد (یعنی التحیات) آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے (ابو داؤد، ترمذی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: جب کوئی صحابی کسی فعل کے بارہ میں یہ کہے کہ ”یہ سنت ہے“ تو اس کا یہ قول ”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ کے حکم میں ہو گا یعنی وہ حدیث مرفوع ہوگی۔ چنانچہ ابن مسعود کی اس حدیث کے پیش نظر جمہور محدثین اور فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ شہد یعنی التحیات آہستہ آواز سے پڑھنا چاہئے۔

بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَضْلِهَا آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے اور اس کی فضیلت کا بیان

لغوی طور پر ”صلوٰۃ“ کے معنی دعا، رحمت اور استغفار ہیں اور درود کا مطلب ہے بندوں کی جانب سے آنحضرت ﷺ کے لئے اللہ جل شانہ کی ایسی رحمت کو طلب کرنا جو دنیا و آخرت کی بھلائی کو شامل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام یعنی درود بھیجنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

”اے ایمان والو! ان (یعنی آنحضرت ﷺ) پر سلام و رحمت بھیجو۔“

علماء اُمت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم و وجوب کے لئے ہے چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جتنی مرتبہ بھی آنحضرت ﷺ کا نام مبارک سنا جائے ہر بار درود بھیجا جائے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جس طرح پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دینی فرض ہے اسی طرح پوری عمر میں صرف ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود بھیجنا فرض ہے۔ اس کے بعد زیادہ سے زیادہ درود بھیجنا مستحب و مسنون اور شعار اسلام میں سے ہے جس پر بحد و حساب اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔

حضرت قاضی ابوبکرؒ تو فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے مومنین پر فرض کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر درود و سلام بھیجا جائے اور چونکہ اس سلسلہ میں کوئی خاص وقت متعین نہیں کیا ہے اس لئے واجب ہے کہ درود و سلام زیادہ سے زیادہ بھیجا جائے اور اس میں غفلت نہ برتی جائے“ لیکن بعض حضرات نے حضرت قاضی ابوبکرؒ کے اس قول کے مقابلہ میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

التحیات میں درود پڑھنا فرض ہے یا سنت: حضرت امام شافعیؒ نے التحیات میں درود پڑھنے کو فرض کہا ہے لیکن علماء نے صراحت کی ہے کہ امام شافعیؒ کا یہ قول شاذ ہے اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا موافق کوئی عالم نہیں ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا معتمد و مفتی بہ قول یہ ہے کہ کوئی شخص اگر ایک ہی مجلس میں سرور کائنات ﷺ کا نام مبارک کئی مرتبہ سنے تو اس پر صرف ایک مرتبہ درود بھیجنا واجب ہے اور ہر مرتبہ بھیجنا مستحب ہے اور التحیات میں درود پڑھنا سنت ہے۔

صلوٰۃ و سلام کے الفاظ کا استعمال غیر انبیاء کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ علماء کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ انبیاء کے

علاوہ دوسرے لوگوں کے ناموں سے ساتھ صلوٰۃ و سلام کے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ ﷺ یا دوسرے انبیاء کے اسماء کے ساتھ علیہ السلام کے الفاظ بولے اور لکھے جاتے ہیں تو اس طرح انبیاء کے علاوہ کسی دوسری شخص کے نام کے ساتھ ان الفاظ کا استعمال جائز ہو گا یا نہیں؟ چنانچہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ”ان الفاظ کا استعمال صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے لئے ان الفاظ کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے البتہ دوسرے لوگوں کے اسماء کے ساتھ غفر اللہ رحمہ اللہ اور رضی اللہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔

علامہ طیبی نے نقل کیا ہے کہ انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگوں پر درود بھیجنا خلاف اولیٰ ہے۔ بعض حضرات نے حرام اور مکروہ بھی کہا ہے اس مسئلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ ”غیر انبیاء اور ملائکہ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا ابتدا اور مستحقاً مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے البتہ انبیاء کے ساتھ ان پر بھیجنا جائز ہے مثلاً اس طرح کہا جاسکتا ہے صلی اللہ علی محمد و علی الو واصحابہ وسلم یعنی محمد ﷺ پر اور آپ کی آل اولاد پر اور آپ ﷺ کے صحابہ پر اللہ کی رحمت و برکت: واللہ اعلم

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

التحيات میں درود پڑھنے کا طریقہ

① وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْثٍ قَالَ لَقِيتُ كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ فَقَالَ لَا أَهْدِي لَكَ هَذِيئَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ بَلَى فَأَهْدِيهَا لِي فَقَالَ سَأَلْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ النَّبِيِّ فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ قَالَ قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ إِلَّا أَنَّ مُسْلِمًا لَمْ يَذْكُرْ عَلَى إِبْرَاهِيمَ فِي الْمَوْضِعَيْنِ۔

”حضرت عبدالرحمن بن ابی لئی (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت کعب ابن عجرہ (صحابی) سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ چیز بطور ہدیہ پیش نہ کروں جسے میں نے رحمت عالم ﷺ سے سنا ہے؟ میں نے عرض کیا ”جی ہاں مجھے وہ ہدیہ ضرور عنایت فرمائیے“ انہوں نے فرمایا کہ ”ہم چند صحابہؓ (میں نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ) آپ ﷺ اور اہل بیت نبوت پر ہم درود کس طرح بھیجیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ تو بتا دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کس طرح بھیجا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح کہوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اے اللہ محمد پر اور آل محمد پر رحمت نازل کر جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔ اے اللہ احمد محمد ﷺ اور آل محمد پر رحمت نازل کر جیسا کہ تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمت نازل کی، بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: صحابہؓ کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ پر درود اور سلام بھیجیں تو سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیں سکھایا ہے کہ التحیات میں ہم ”السلام علیک ایہا النبی“ کہا کریں۔ اب یہ بھی بتا دیجئے کہ درود کس طرح بھیجیں؟

صحابہ کے قول ”اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ آپ ﷺ پر سلام کس طرح بھیجیں“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی لسان اقدس کے ذریعہ ہمیں سلام بھیجنے کی تعلیم دی۔ اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تعلیم اس لئے کہا گیا ہے کہ حقیقت میں آنحضرت ﷺ کی تعلیم اللہ تعالیٰ ہی کی تعلیم ہے کیونکہ آپ ﷺ نے جو بھی احکام بیان فرمائے ہیں وہ از خود اور اپنے ذہن و فکر سے نہیں بیان فرمائے ہیں بلکہ وہ احکام بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ کو دیئے گئے اس کو آپ ﷺ نے اپنی لسان اقدس کے ذریعہ نافذ فرمایا۔

آل کی تعریف و تحقیق: اہل وعیال کو کہتے ہیں اس کے معنی ”تا بعد از“ بھی مراد لئے جاتے ہیں چنانچہ ”و علی آل محمد“ میں آل کے تعین کے سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”آل محمد“ سے مراد صرف آپ ﷺ کے اہل و عیال ہیں۔ کچھ حضرات نے کہا ہے کہ آل سے مراد تا بعد از مراد ہیں، بعض علماء کی رائے ہے کہ ہر مؤمن آل محمد میں سے ہے کسی نے کہا ہے کہ ہر متقی مؤمن آل محمد میں شامل ہے یہ سب علماء کے اقوال ہیں لیکن بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث میں آل سے مراد تا بعد از ہیں۔ گو بعض علماء نے تو ”آل“ کی تفسیر ”اہل بیت“ سے کی ہے یعنی ان حضرات کے نزدیک ”آل محمد“ سے اہل بیت یعنی وہ لوگ مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور ”جنہیں بنی ہاشم“ کہا جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ ”اہل بیت“ میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور اولاد شامل ہیں اور چونکہ حضرت علیؓ کا ربط بھی ان سب سے حضرت فاطمہؓ کی وجہ سے بہت زیادہ تھا اس لئے وہ بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔

”کما صلیت علی ابراہیم“ میں صرف حضرت ابراہیم کی تخصیص کی گئی ہے اور کسی نبی کو ذکر نہیں کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو حضرت ابراہیم علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے جدا امجد ہیں، دوسرے یہ کہ اصول دین میں شریعت محمدی ان کے تابع ہے۔

”اے اللہ محمد ﷺ پر برکت نازل کر“ کا مطلب یہ ہے کہ ”خداوند قدوس! تو نے ہمارے سرکار و سردار رحمت عالم ﷺ کو جو شرف و فضیلت عطا فرمایا اور آپ ﷺ کو جو بزرگی و بڑائی دی ہے اس کو ہمیشہ اور باقی رکھ!“

روایت کے آخری الفاظ الا ان مسلمانم یذکر الخ کا مطلب یہ ہے کہ ”مسلم“ نے جو روایت نقل کی ہے اس کے پہلے اور دوسرے دونوں ہی درود میں ”علی ابراہیم“ کے الفاظ نہیں ہیں یعنی اس کے الفاظ اس طرح ہیں ”کما صلیت علی آل ابراہیم“ اور ”کما بارکت علی آل ابراہیم“

(۲) وَعَنْ أَبِي حَمِيدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ نُصَلِّيُ عَلَيْكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُولُوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو حمید ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ ”صحابہ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ ﷺ پر درود کس طرح بھیجیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ کہو“؟ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ اے اللہ! محمد ﷺ پر، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر اور آپ ﷺ کی اولاد پر رحمت نازل فرما جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی اور محمد ﷺ پر، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر اور آپ ﷺ کی اولاد پر برکت نازل فرمایا جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو بزرگ و برتر ہے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: درود کے الفاظ مختلف طریقہ سے وارد ہوئے ہیں جیسا کہ ابھی آپ نے دیکھا۔ پہلی حدیث میں درود کے الفاظ کچھ اور ہیں اور اس حدیث کے الفاظ کچھ اور چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ پہلی حدیث میں جو درود ذکر کیا گیا ہے وہ بڑھ لینا کافی ہے بعض روایتوں میں وَاَزْوَاجِهِ

کَمَا زَجَمْتُ وَتَوَخَّضْتُ كَ الْفَاطِمْ لَمْ يَكُنْ يَكْرِهِي الْفَاطِمْ طَوْرًا ثَابِتًا هِيَ هِيَ۔
بعض محدثین نے وضاحت کی ہے کہ جس حدیث میں ان الفاظ وَتَوَخَّضْتُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَوَخَّضْتُ عَلَى ابْنِ اِهْنِمْ
وَعَلَى آلِ ابْنِ اِهْنِمْ کا بھی اضافہ ہے وہ حدیث حسن ہے۔ واللہ اعلم

درود بھیجنے کی فضیلت

③ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَى وَاحِدَةٍ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آگائے نامہ را ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمت نازل فرمائے گا۔“ (مسلم)

تشریح: چونکہ ارشاد ربانی ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مِثَالِهَا یعنی جو شخص ایک نیکی کرتا ہے تو اس کے لئے اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ہے اس لئے جو شخص اس حضرت ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بشارت کے مطابق اس شخص پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے۔

الفصل الثانی

④ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَى صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيئَاتٍ وَزُفِفَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ۔ (رواہ النسائی)

”حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس (مرتبہ) رحمتیں نازل فرمائے گا، اس کے دس گناہوں کو معاف کرے گا اور (تقرب الی اللہ کے سلسلہ میں) اس کے دس درجے بلند کرے گا۔“ (نسائی)

⑤ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلَى النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ صَلَاةً۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر اکثر درود پڑھنے والے ہیں۔“ (ترمذی)

تشریح: ابن حبانؒ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اور آپ ﷺ کی یہ بشارت عظمیٰ محدثین کرام پر زیادہ صادق آتی ہے چونکہ کوئی جماعت محدثین سے زیادہ درود نہیں بھیجتی اس لئے قیامت کے دن تمام لوگوں میں سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ سے قریب یہی مقدس طبقہ ہوگا۔

فرشتے اُمیوں کے سلام آنحضرت ﷺ تک پہنچاتے ہیں

⑥ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ يَبْلَغُونَنِي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ۔ (رواہ النسائی و الدارمی)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے جو زمین پر سیاحت کرنے والے ہیں میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں۔“ (نسائی، دارمی)

تشریح: اس حدیث کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو روضہ اقدس سے دور رہتے ہیں اور انہیں روضہ مقدس پر حاضری کا شرف حاصل نہیں ہوتا، چنانچہ ایسے لوگ جب آنحضرت ﷺ پر قلیل یا کثیر تعداد میں سلام بھیجتے ہیں تو فرشتے ان کا سلام بارگاہ نبوت میں بعد عقیدت و احترام پیش کرتے ہیں۔

البتہ وہ حضرات جنہیں خدا نے اپنے محبوب کے روضہ اقدس پر حاضری کی سعادت سے نوازا رکھا ہے جب وہ بارگاہ نبوت میں سلام پیش کرتے ہیں تو آنحضرت ﷺ تک پہنچانے کے لئے فرشتوں کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کے سلام آنحضور ﷺ خود سنتے ہیں۔

اس حدیث سے چند باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اول یہ کہ آنحضرت ﷺ کو حیات جسمانی حاصل ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کو اس دنیا میں زندگی حاصل تھی اس طرح آپ ﷺ کو قبر میں بھی زندگی حاصل ہے۔

دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ کی امت کے لوگ جب آپ ﷺ پر سلام بھیجتے ہیں تو آپ ﷺ خوش ہوتے ہیں جو سلام بھیجنے والے کے حق میں انتہائی سعادت و خوش بختی کی بات ہے۔

سوم یہ کہ جب فرشتے کسی امتی کا سلام بارگاہ نبوت میں پیش کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سلام قبولیت کے درجہ کو پہنچ گیا ہے۔ اور اگلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں نیز ایک روایت میں مذکور ہے کہ ”جب فرشتے سلام لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے ہیں تو سلام بھیجنے والے کا نام بھی لیتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں۔ یا رسول اللہ (ﷺ) مولانا محمد قطب الدین عی الدین آپ کی خدمت بابرکت میں سلام عرض کرتے ہیں۔ یا آپ کا ایک اونی غلام عبداللہ جاوید ابن مولانا محمد عبدالحق خدمت اقدس میں نذرانہ سلام پیش کرتا ہے۔ یا فقیر محمد اصغر خدمت عالیہ میں سلام عرض کرتا ہے۔

جاں می دہم در آرزو والے قاصد آخر باز گو در مجلس آل ناز میں خرنے کہ ازما می رود

آنحضرت ﷺ سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں

④ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔ (رواہ البوراد و اسبقی فی الدعوات الکبیر)

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔“ (البوراد، بیہقی)

تشریح: اہل سنت والجماعت کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ آقائے نامدار فرد عالم ﷺ (فداہ الی وائی) عالم برزخ میں زندہ ہیں مگر اس حدیث سے عموماً ہوتا ہے کہ آپ ﷺ عالم برزخ میں زندہ نہیں ہیں بلکہ جب کوئی شخص آپ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہے تو اس وقت آپ ﷺ کی روح مبارک جسم پاک میں لوٹ آتی ہے پھر آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ ”روح لوٹانے“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ روح مبارک آپ ﷺ کے مقدس بدن میں ہمہ وقت موجود نہیں رہتی صرف سلام بھیجنے کے وقت اسے کچھ وقت کے لئے بدن میں واپس کر دیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی روح مبارک چونکہ ہمہ وقت مشاہدہ رب العزت میں مستغرق رہتی ہے اس لئے اس کو حالت استغراق و مشاہدہ سے ہٹا کر اس عالم کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے تاکہ آپ ﷺ اپنے امتیوں کے درود و سلام سنیں اور اس کا جواب دیں۔ چنانچہ روح

مبارک کے اسی متوجہ کرنے اور آگاہ کرنے کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے“ ورنہ تو تمام انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اب سوال یہ رہ گیا کہ حدیث میں مذکورہ فضیلت خاص طور پر ان لوگوں سے متعلق ہے جو روضہ اقدس پر حاضری دیتے ہیں اور اس کی زیارت کرتے ہیں یا عمومی طور پر سب لوگوں کے لئے ہے؟ تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فضیلت کا تعلق عمومی طور پر ہے۔ یعنی خواہ کوئی شخص آپ ﷺ کے مزار اقدس پر حاضر ہو کر سلام پیش کرے یا کسی دور دراز علاقہ سے سلام بھیجے۔ البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ جو شخص روضہ اقدس پر حاضری کا شرف حاصل نہیں کر سکتا آپ ﷺ ان کا سلام فرشتوں کے واسطے سے سنتے ہیں جیسا کہ تیسری فصل میں حضرت ابو ہریرہؓ کی آنے والی حدیث سے بھی معلوم ہو جائے گا۔

گھروں کو قبر نہ بنایا جائے

⑧ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَلَا تَجْعَلُوا قُبُورِي عِيْدًا وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”اپنے گھروں کو قبروں کی طرح نہ رکھو اور میری قبر پر عید (کی طرح میلہ) نہ مقرر کرو۔ تم مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا درود میرے پاس پہنچتا ہے۔“ (نسائی)

تشریح: حدیث کے پہلے جز کے تین مطلب ہو سکتے ہیں اول یہ کہ اپنے گھروں کو قبروں کی طرح نہ سمجھ لو کہ جس طرح مردے اپنی قبر میں پڑے رہتے ہیں تم بھی اپنے گھروں میں مردوں کی طرح پڑے رہو ان میں نہ عبادت کرو اور نہ کچھ نمازیں پڑھو بلکہ اسی طرح گھروں میں بھی عبادت کرو اور کچھ نمازیں پڑھو تاکہ اس کے انوار و برکات گھر اور گھر والوں کو پہنچیں اور اسکی شکل یہ ہونی چاہئے کہ فرض نمازیں تو مساجد میں ادا کرو اور سنن نوافل اپنے گھر آکر پڑھو کیونکہ نوافل مساجد کی بہ نسبت گھر میں ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ۔ اپنے گھروں میں مردے دفن نہ کرو۔ اس موقع پر یہ اشکال پیدا نہ کیجئے کہ خود آنحضرت ﷺ تو اپنے گھر ہی زیر زمین آرام فرما ہیں۔ کیونکہ یہ صرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ہے کسی دوسرے کو ایسا نہ کرنا چاہئے۔

تیسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ قبروں کو سکونت کی جگہ قرار نہ دو جیسا کہ آنجل اولیاء اللہ کے مزارات اور قبرستانوں پر ان کے خدام مجاوروں نے سکونت اختیار کر رکھی ہے، تاکہ دل کی نرمی اور طبیعت و مزاج کی شفقت و رحمت ختم نہ ہو جائے بلکہ ایسا کرنا چاہئے کہ قبروں کی زیارت کر کے اور ان پر فاتحہ وغیرہ پڑھ کر اپنے گھروں کو واپس آ جاؤ۔

حدیث کے دوسرے جز ”میری قبر کو عید (کی طرح) قرار نہ دو“ کا مطلب یہ ہے کہ میری قبر کو عید گاہ کی طرح نہ سمجھو کہ وہاں جمع ہو کر زیب و زینت اور لہو لعب کے ساتھ خوشیاں مناؤ اور اس سے لطف و سرور حاصل کرو۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء کی قبروں پر اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں۔

حدیث کے اس جزء سے آج کل کے ان نام نہاد ملاؤں اور بدعت پرستوں کو یہ سبق حاصل کرنا چاہئے جنہوں نے اولیاء اللہ کے مزارات کو اپنی نفسانی خواہشات اور دنیاوی اغراض کا بیج و مرجع بنا رکھا ہے اور ان مقدس بزرگوں کے مزارات پر عرس کے نام سے دنیا کی وہ خرافات اور ہنگامہ آرائیاں کرتے ہیں جن پر کفر و شرک بھی خند زن ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ ان کے حلوے مانڈوں، نذر و نیاز اور لذت پیٹ و دہن نے ان کی عقل پر نفس پرستی اور ہوس کا ریلوں کے وہ موئے پردے چڑھا دیئے ہیں جن کی موجودگی میں نہ انہیں نعوذ باللہ قرآنی احکام کی ضرورت ہے اور نہ انہیں کسی حدیث کی حاجت۔ اللہ ان لوگوں کو ہدایت دے۔ آمین۔

بعض علماء نے اس جزء کی تشریح یہ کی ہے کہ عید کی طرح سال میں صرف ایک دو مرتبہ ہی میری قبر کی زیارت کے لئے نہ آیا کرو بلکہ

اکثر و بیشتر حاضر ہوا کرو۔ اس صورت میں آپ ﷺ نے اپنی قبر کی زیادہ سے زیادہ زیارت اور اس محیط علم و عرفان اور منبع امن و سکون پر اکثر و بیشتر حاضری پر اہمیت کے لوگوں کو ترغیب دلائی ہے۔

حدیث کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجو، اگر کوئی شخص میرے روضہ سے دور ہے اور بعد مسافت اختیار کئے ہوئے ہے تو اس کو اس کا خیال نہ کرنا چاہئے بلکہ اسے سمجھئے کہ وہ اپنی جگہ بیٹھا ہوا ہی مجھ پر درود بھیجتا رہے کیونکہ جہاں سے بھی درود بھیجا جائے گا میرے پاس پہنچ جائے گا۔ اس طرح آپ ﷺ نے ان مشتاقان زیارت کی جنہیں روضہ اقدس پر حاضری کی سعادت حاصل نہیں ہو سکی، تسلی فرمائی ہے کہ اگرچہ مجبور یوں کی بناء پر تم مجھ سے دور ہو لیکن تمہیں چاہئے کہ توجہ اور حضور قلب سے غافل نہ رہو کہ ص

قرب جانے چوں بود بعد مکانے سهل ست

درود نہ بھیجنے پر وعید

⑨ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرَتْ عَنْهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَى رِزْغِمْ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهُ وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَخَذَكَ عَنْهُ آبَاؤُكَ الْكَبِيرُ أَوْ أَخَذَ هُمَا فَلَمْ يَذْخُلَاهُ الْجَنَّةَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”خاک آلود ہو اس شخص کی ناک کہ اس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا خاک آلود ہو اس شخص کی ناک کہ اس پر رمضان آیا اور اس کی بخشش سے پہلے گزر گیا اور خاک آلود ہو اس شخص کی ناک کہ اس کے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک نے اس کے سامنے بڑھاپا پایا اور انھوں نے اسے جنت میں داخل نہیں کیا۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں تین قسم کے لوگوں کے لئے وعید بیان کی جارہی ہے، سب سے پہلے ان لوگوں کے بارہ میں کہا گیا ہے۔ جن کے سامنے سرور کائنات غرور عالم ﷺ کا نام نای ام گرامی لیا جائے یا آپ ﷺ کا ذکر مبارک کیا جائے اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجیں کہ ان کی ناک خاک آلود ہو یعنی وہ ذلیل و خوار ہوں اور ہلاک ہوں۔

بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مجلس میں جب بھی آپ ﷺ کا ام گرامی لیا جائے ہر مرتبہ درود بھیجنا یعنی ﷺ کہنا واجب ہوتا ہے کیونکہ اس کے ترک پر اتنی شدت کے ساتھ وعید بیان فرمائی جارہی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ پچھلے صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ ہر مرتبہ درود بھیجنا واجب نہیں ہے صرف ایک مرتبہ درود بھیجنا واجب ہے البتہ ہر مرتبہ درود بھیجنا مستحب و افضل ہے اب اس حدیث کی توجیہ یہ کی جائے گی کہ وجوب کی دلیل آخرت کی وعید ہوتی ہے اور چونکہ اس وعید کا تعلق آخرت سے نہیں ہے اس لئے اس کا انتہائی اہمیت یہ ہے کہ یہ وعید ہر مرتبہ درود بھیجنے کے استحباب و افضلیت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ وجوب پر۔

دوسرے قسم کے لوگ جن کے لئے وعید بیان کی جارہی ہے وہ ہیں جو رمضان کے حقوق ادا نہیں کرتے نہ تو روزہ ہی ٹھیک سے رکھتے ہیں اور نہ رمضان میں عبادتیں ہی پورے ذوق شوق سے کرتے ہیں اور چونکہ یہ تمام چیزیں مغفرت اور بخشش کا ذریعہ ہیں اس لئے فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے لئے تباہی و ہلاکت ہو جو رمضان میں اس مقدس مہینہ کے فضل و شرف سے محروم رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس مہینہ میں بخشش کی سعادت سے نوازے بھی نہیں جاتے اور یہ مہینہ اپنی تمام سعادتوں کے ساتھ گزر جاتا ہے۔

تیسری قسم کے لوگ جن سے اس نوعیت کا تعلق ہے وہ ہیں جو اپنے ماں باپ کے اطاعت گزار و فرمانبردار نہیں ہیں۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا، ان کے حقوق ادا نہ کئے، اس کی رضامندی و خوشنودی کا خیال نہیں رکھا اور خاص طور پر ان کی کبرئی میں ان کی خدمت اور دیکھ بھال نہیں کی وہ درحقیقت بڑے بد نصیب ہیں کیونکہ انھوں نے ان

چیزوں کو ترک کر کے آخرت کا عذاب اور نقصان مول لیا ہے کہ یہ چیزیں جنت میں داخل ہونے کا سبب اور ذریعہ ہیں۔

درود و سلام کی فضیلت

⑩ وَعَنْ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبُشَيْرُ فِي وَجْهِهِ فَقَالَ إِنَّهُ جَاءَنِي جِبْرِيلُ فَقَالَ إِنَّ زَيْنَبَ يَقُولُ أَمَا يَرْضَى بِكَ يَا مُحَمَّدُ أَنْ لَا يُصَلِّيَ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أَقْبَتِكَ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أَقْبَتِكَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔ (رواہ النسائی والدارمی)

”اور حضرت ابو طلحہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رحمت عالم ﷺ (صحابہؓ کے پاس) تشریف لائے اور اس وقت آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر بشارت کھیل رہی تھی، آپ ﷺ نے (صحابہؓ کے دریافت کرنے کے بعد یا دریافت کرنے سے پہلے ہی) فرمایا۔ میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے تھے، وہ کہتے تھے کہ پروردگار فرماتا ہے، کہ اے محمد ﷺ! کیا آپ ﷺ اس بات سے راضی نہیں ہیں کہ آپ ﷺ کی امت میں سے جو کوئی آپ ﷺ پر درود بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ رحمت نازل کروں گا اور آپ ﷺ کی امت میں سے جو کوئی آپ ﷺ پر سلام بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا۔“ (نسائی، دارمی)

تشریح: آنحضرت ﷺ چونکہ اپنی امت کے حق میں انتہائی مشفق و مہربان تھے اور امت کے لئے خیر کی طلب آپ ﷺ کی انتہائی غرض و خواہش تھی اس لئے جب آپ ﷺ کو حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ یہ عظیم بشارت دی گئی تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی و مسرت سے کھل اٹھا اور آپ ﷺ نے یہ عظیم بشارت صحابہؓ اور ان کے واسطے سے پوری امت تک پہنچادی۔

درود و سلام بھیجنے کی کوئی مقررہ حد نہیں ہے

⑪ وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَكْثَرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِي فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرَّبْعَ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ التَّصْلِفَ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ مَا لَئِلَيْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ أَجْعَلْ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا قَالَ إِذَا تَكْفَى هُنَّكَ وَيُكْفِرُ لَكَ ذُنُوبُكَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابی بکرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں (یعنی کثرت سے درود بھیجنا چاہتا ہوں اب آپ ﷺ بتلا دیجئے کہ) اپنے لئے دعا کے واسطے جو وقت میں نے مقرر کیا ہے اس میں سے کتنا وقت آپ پر درود بھیجنے کے لئے مخصوص کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس قدر تمہاری چاہے“ میں نے عرض کیا ”کیا چوتھائی (وقت مقرر کروں)؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”جتنا تمہاری چاہے اور اگر زیادہ مقرر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے“ میں نے عرض کیا ”تو پھر دو تہائی مقرر کروں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس قدر تمہاری چاہے اور اگر زیادہ مقرر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے“ میں نے عرض کیا ”اچھا تو پھر میں اپنی دعا کا سارا وقت ہی آپ ﷺ کے درود کے واسطے مقرر کر دیتا ہوں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ تمہیں کفایت کرے گا، تمہارے دین و دنیا کے مقاصد کو پورا کرے گا اور تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔“ (ترمذی)

تشریح: اجعل لك من صلواتي میں لفظ ”صلوة“ سے مراد دعا ہے۔ حضرت ابی بکرؓ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میری خواہش ہے کہ آپ ﷺ پر بہت زیادہ درود بھیجوں۔ چونکہ میں نے اپنے اوقات میں سے ایک خاص وقت کو اس لئے مقرر کر رکھا ہے کہ میں اس وقت اپنے نفس کے لئے دعا کیا کرتا ہوں، اب میں چاہتا ہوں کہ اسی وقت میں آپ ﷺ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجا کروں لہذا آپ ﷺ ہی مقرر فرمادیجئے کہ اس وقت کا کتنا حصہ میں درود بھیجنے میں صرف کروں؟

آنحضرت ﷺ نے ان کی اس درخواست پر درود بھیجنے کے لئے اس وقت کا کوئی حصہ مقرر نہیں فرمایا بلکہ اسے ان کے اختیار پر چھوڑ

و طریقے سمجھئے، حضرت فضالہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے نماز پڑھی (آخر میں) اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بھی بیان کی اور آنحضرت ﷺ پر درود بھی بھیجا (مگر اس نے دعائیں مانگی) آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”اے نماز پڑھنے والے، دعا بھی مانگو قبول کی جائے گی۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنْتُ أَصَلِّي وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاضِرًا وَأَبُوبَكْرٍ وَغُمَرُ مَعَهُ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالنَّسَاءِ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى ثُمَّ الصَّلَاةَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَى سَلْ تُعْطَى۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں نماز پڑھ رہا تھا رحمت عالم ﷺ (بھی وہیں) تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے پاس حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ بھی حاضر تھے، چنانچہ (نماز کے بعد) جب میں بیٹھا تو اللہ جل شانہ کی تعریف بیان کرنا شروع کی اور پھر آنحضرت ﷺ پر درود بھیجا، اس کے بعد میں اپنے (دینی و دنیاوی مقاصد کے) لئے مانگنے لگا (یہ دیکھ کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”مانگو! دیئے جاؤ گے، مانگو دیئے جاؤ گے“ (یعنی دعا مانگو ضرور قبول ہوگی)۔“ (ترمذی)

الفصل الثالث

امی کی تحقیق

(۱۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُكْتَمَلَ بِالْمَكِّيَالِ الْأَوْفَى إِذَا صَلَّى عَلَيْهِ أَهْلُ النَّبِيِّ فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَأَزْوَاجِهِ أَهْلِيهِ الْمُؤْمِنِينَ وَذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کو یہ پسند ہو (یعنی اس کی خواہش ہو) کہ اسے بھرپور (اور زیادہ سے زیادہ) ثواب ملے تو اسے چاہئے کہ ہم اہل بیت پر اس طرح درود بھیجے اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَأَزْوَاجِهِ أَهْلِيهِ الْمُؤْمِنِينَ وَذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اے بار خدایا محمد ﷺ پر جو نبی امی ہیں، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر جو سب مومنوں کی مائیں ہیں اور آپ ﷺ کی اولاد و اہل بیت پر رحمت نازل فرما جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: سرکارِ دو عالم ﷺ کے جہاں اور بہت سے اسماء ہیں کہ جو آپ ﷺ کی مختلف خصوصیات و صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ وہیں آپ ﷺ کا ایک خاص اور عظیم لقب امی بھی ہے، آپ ﷺ کا یہ لقب توریت و انجیل اور آسمان سے اتری ہوئی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔

”امی“ لغت میں اس شخص کو کہتے ہیں جو نہ تو لکھنا جانتا ہو اور نہ لکھے ہوئے کو پڑھنا جانتا ہو اور نہ کبھی مکتب و مدرسہ گیا ہو اور نہ کسی سے تعلیم حاصل کی ہو اور چونکہ امی منسوب ہے ام یعنی ماں کی طرف لہذا اس مناسبت سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچہ کی طرح ہے اسے کسی نے نہ لکھنے کی تعلیم دی ہے اور نہ پڑھنے کی۔

چنانچہ جب آنحضرت ﷺ اس دنیا میں آخری نبی کی حیثیت سے مبعوث فرمائے گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کسی استاد، کسی مکتب اور کسی معلم کا محتاج نہیں رکھا بلکہ خود آپ ﷺ کو دین و دنیا کے تمام علوم سے پوری طرح مکمل کر کے اس دنیا میں بھیجا چنانچہ اس دنیا میں نہ تو آپ ﷺ نے کسی مکتب میں قدم رکھا اور نہ کسی استاد کی شاگردی کی بلکہ بظاہر نہ تو آپ ﷺ لکھتے تھے اور نہ لکھے ہوئے کو

پڑھتے تھے اس وجہ سے آپ ﷺ کو ای کہا گیا ۔

نگار من کہ بہ کتب نہ رفت و خط نہ نوشت
تقیے کہ تا کر قرآن درست
بہ تعلیم و ادب اور اچہ نسبت
بغزوہ مسئلہ آموز صد برس شد
کتب خانہ چند ملت بشت
کہ خود ز آغاز او آمد مودب

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ای دراصل ام القریٰ یعنی مکہ کی طرف منسوب ہے جو تمام زمین کی اصل ہے۔

درود نہ بھیجنے والا بخیل ہے

⑮ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَخِيلُ الذِّي مَنْ ذُكِرَتْ عَنْدهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَى رِوَاهِ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنِ الْعُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا (یعنی میرا نام لیا گیا) اور اس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا (ترمذی)“ اس حدیث کو امام احمدؒ نے حسین ابن علیؒ سے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایک بخیل تو مال کا ہوتا ہے کہ وہ مال کی خواہش کی وجہ سے اپنی جبلت طبعی کے تقاضے پر عمل کرتا ہے کہ کسی کو اپنا مال نہیں دیتا مگر زرا بخیل وہ شخص ہے جو اپنی طبعی کسل و غفلت اور سستی کے غلط تقاضے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے نام پر اپنی زبان اور اپنے دل سے درود کا ایک کلمہ نہیں نکالتا اور اس طرح وہ اداء حق اور شکر نعمت کا لحاظ بھی نہیں کرتا حالانکہ آنحضرت ﷺ کا اُمت پر وہ احسان و انعام ہے کہ اگر امت کے لوگ آپ ﷺ کے نام پر اپنی جانیں بھی قربان کر دیں تو کم ہے چہ جائیکہ مجلس میں آپ ﷺ کا مبارک ذکر ہو اور آپ ﷺ کا نام لیا جائے اور اس شخص کی زبان سے اور اس سے دل سے درود کے چند الفاظ بھی نہ نکلیں؟

مرجا اے پیکر مشاقتان پیغام دوست
تاکم جال از سر رغبت فرائے نام دوست

درود آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچتے ہیں

⑯ وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَى عِنْدَ قَبْرِى سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَى نَائِيَا أَيْلَفْتُهُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص میری قبر کے پاس ”کھڑا ہو کر“ مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر بھیجتا ہے وہ میرے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔“ (بیہقی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو میری قبر کی زیارت کی سعادت میسر آتی ہے اور وہ وہاں حاضر ہو کر سلام بھیجتا ہے تو میں بغیر کسی واسطہ کے اس کے سلام کو سنتا ہوں اور جس کو یہ سعادت میسر نہیں آتی بلکہ وہ جہاں کہیں سے بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اس کا سلام ملائکہ سیاحین میرے پاس پہنچا دیتے ہیں اور سلام کا جواب میں دونوں صورتوں میں دیتا ہوں۔

اس حدیث سے اندازہ لگانا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ پر سلام بھیجنے کی فضیلت و سعادت ہے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ سلام بھیجنے والے کو اور خاص طور پر اس شخص کو جو برابر اور کثرت سے آپ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے کیا شرف و مرتبہ حاصل ہے؟ اگر کسی کے ایک سلام کا جواب بھی بارگاہ نبوت سے حاصل ہو جائے تو بہت بڑی سعادت ہے چہ جائیکہ برابر اور ہر سلام کا جواب ملتا رہے۔

ہر سلام کن رجبہ در جواب آن لب کہ صد سلام پس یکے جواب از تو

درود کی فضیلت

(۱۷) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَنْ صَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَلَأَ بَيْنَهُمَا سَبْعِينَ صَلَاةً - (رواہ احمد)

”اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ”جو شخص رحمت عالم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اس پر اللہ اور اس کے فرشتے ستر مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔“ (احمد)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ درود بھیجنے کا یہ ثواب بعد کے دن سے متعلق ہے اس لئے کہ یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے روز اعمال کا ثواب شریک زیادہ ملتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حج اکبر (جو بعد کو بتا ہے) شریح کے برابر ہوتا ہے۔ اگر یہ حدیث موقوف ہے یعنی حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کا قول ہے لیکن پھر بھی مرفوع (آنحضرت ﷺ) کا ارشاد کے حکم میں ہے کیونکہ کوئی بھی صحابی اعمال کا ثواب از خود بیان نہیں کر سکتا جب تک وہ اسے آنحضرت ﷺ سے سن نہ لے اس لئے یقینی بات ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے یہ مضمون آنحضرت ﷺ سے سنا ہوگا۔

(۱۸) وَعَنْ زُوَيْنِعٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَقَالَ اللَّهُمَّ أَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجِئْتُ لَكَ شَفَاعَتِي - (رواہ احمد)

”اور حضرت زونیعؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص محمد ﷺ پر درود بھیجے اور (درود بھیجنے کے بعد یہ بھی) کہے اللَّهُمَّ أَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اے پروردگار محمد ﷺ کو اس مقام پر جگہ دے جو تیرے نزدیک مقرب ہے قیامت کے دن تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔“ (احمد)

تشریح: ”مقام مقرب“ سے مراد مقام محمود ہے جہاں قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کھڑے ہو کر اللہ جل شانہ کی ثناء و تعریف بیان فرمائیں گے اور بندوں کے حق میں شفاعت کریں گے۔

یوں تو آنحضرت ﷺ کی شفاعت تمام مسلمانوں کے لئے ثابت ہے کہ آپ ﷺ ہر امتی کے لئے شفاعت فرمائیں گے یہ نہیں ہوگا کہ کسی امتی کے لئے شفاعت فرمائیں اور کسی کے لئے نہیں پھر بھی اس شخص کو جو درود کے بعد دعا پڑھتا ہے ایک خاص درجہ حاصل ہوگا کہ اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی شفاعت واجب ہوگی۔ یا اس کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس ارشاد سے درحقیقت ایسے شخص کے خاتمہ بالخیر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ شخص حسن خاتم کی دولت سے نوازا جائے گا۔

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى دَخَلَ نَخْلًا فَسَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ حَتَّى حَشِيتُ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ تَعَالَى قَدْ تَوَفَّاهُ قَالَ فَبُحِثْتُ أَنْظُرَ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ مَالِكُ لَمْ تَكُنْ لَهُ ذَلِكَ قَالَ فَقَالَ إِنَّ جِبْرَائِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِي أَلَا أَبَشِّرُكَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ لَكَ مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ صَلَاةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ - (رواہ احمد)

”اور حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رحمت عالم ﷺ (مسجد سے یا مکان سے) نکل کر کھجوروں کے ایک باغ میں داخل ہو گئے اور وہاں (بارگاہ خداوندی میں) سجدہ ریز ہو گئے اور سجدہ میں آپ ﷺ نے اتنا طویل کیا کہ میں ڈرا کہ (خدا نخواستہ) کہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات تو نہیں دے دی، چنانچہ میں آپ ﷺ کو دیکھنے کے لئے آیا کہ آیا آپ ﷺ زندہ ہیں یا داخل جنت ہو چکے ہیں، آپ ﷺ نے (میری آہستہ پا کر) اپنا سر مبارک (زمین سے) اٹھایا اور فرمایا کہ ”کیا ہوا.....؟“ (یعنی ایسی کیا بات پیش آئی جو تم پر

اس قدر (تھراہٹ اور غم کی علامت طاری ہے) تب میں نے صورت حال ذکر کی (کہ نصیب دشمنان میں تو آپ ﷺ کی طرف سے ذریعہ گریہ تھا) راوی کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا ہے کہ کیا آپ ﷺ کو یہ خوش خبری نہ سناؤں کہ اللہ بزرگ درتر فرماتا ہے کہ جو شخص آپ ﷺ پر درود بھیجے میں اس پر رحمت بھیجوں گا اور جو شخص آپ ﷺ پر سلام بھیجے میں اس پر سلام بھیجوں گا۔“ (احمد)

تشریح: امام احمدؒ نے اپنی دوسری روایات میں آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور سجدہ شکر کے سلسلہ میں اس سے زیادہ صحیح حدیث میری نظر میں نہیں ہے اور یہ روایت متعدد طریق سے مروی ہے۔

قبولیت دعا درود پر موقوف ہوتی ہے

(۲۵) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطابؓ فرماتے ہیں کہ ”دعا اس وقت تک آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتی ہے اور اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی جب تک کہ تم اپنے نبی پر درود نہ بھیجو“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دعا کی قبولیت درود پر موقوف ہے کیونکہ درود خود مقبول ہے اس لئے اس کے توسط اور وسیلہ سے دعا بھی مقبول ہوتی ہے۔

مور مسکین ہو سے داشت کہ در کعبہ رسد دست در پائے کبوتر زده ناگاہ رسید

حصن حصین میں منقول ہے کہ حضرت شیخ ابوسلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”جب تم اللہ کے سامنے اپنی کسی حاجت کی تکمیل کے لئے دست دعا دراز کرو تو ابتداءً آنحضرت ﷺ پر درود بھیجئے سے کرو اس کے بعد تم جو کچھ چاہتے ہو اس کے لئے دعا مانگو اور دعا کو درود پر ختم کرو (یعنی دعا سے پہلے بھی آنحضرت ﷺ پر درود بھیجو اور دعا کے بعد بھی) کیونکہ اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے دونوں درودوں کو قبول کرتا ہے اور وہ اس چیز سے بزرگ و برتر ہے کہ اس دعا کو چھوڑ دے جو ان دونوں درودوں کے درمیان ہے (یعنی اللہ کے رحم و کرم سے یہ بات بعید ہے کہ وہ دونوں درودوں کو تو قبول کرے ان کے درمیان مانگی جانے والی دعا کو قبول نہ کرے)

علامہ طبریؒ اس حدیث کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ ”یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خود حضرت عمرؓ کا ارشاد گرامی ہو اس شکل میں یہ حدیث موقوف ہوگی اور یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہو اس صورت میں یہ حدیث مرفوع ہوگی اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے یعنی حضرت عمرؓ کا ہی ارشاد ہے۔

لیکن محققین علماء حدیث فرماتے ہیں کہ ”اس قسم کی بات کوئی راوی اپنی طرف سے کہہ نہیں سکتا (جیسا کہ اسی باب کی حدیث نمبر ۱ کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے) اس لئے یہ حدیث روایۃً تو موقوف ہی ہے لیکن حکماً مرفوع ہے۔“

بَابُ الدُّعَاءِ فِي الشَّهَادَةِ

تشہد میں دعا پڑھنے کا بیان

آخری قعدہ میں التحیات اور درود کے بعد دعا مانگنا سنت ہے، فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نمازی التحیات اور درود پڑھنے کے بعد اپنی خواہش و پسند کے مطابق دعا مانگے لیکن دعا عام لوگوں کے کلام کے مشابہ نہ ہو جیسے کہ کوئی دعا مانگے گا ”یا اللہ! مجھے روٹی دے مجھے

کپڑا دے وغیرہ وغیرہ" اس قسم کی دعا مانگنی ذرا مناسب نہیں ہے۔

ابھی باب التَّشَهُّد میں بھی آپ نے وہ حدیث پڑھی! جو حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے اس میں بھی یہ الفاظ منقول ہیں کہ انہیں آنحضرت ﷺ نے التحیات کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ "پھر ان دعاؤں کو اختیار کرو جو تمہیں پسند ہوں۔" اور چونکہ تشہد میں آنحضرت ﷺ سے خاص دعائیں منقول ہیں کہ آپ تشہد میں وہ دعائیں پڑھا کرتے تھے۔ لہذا "پسندیدہ" سے مراد آنحضرت ﷺ سے وہی منقول دعائیں ہو سکتی ہیں۔

بہر حال۔ حاصل یہ ہے کہ تشہد میں انہیں دعاؤں کو پڑھنا جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں زیادہ اولیٰ اور افضل ہے کیونکہ وہ دعائیں دنیا اور آخرت دونوں کے مقاصد کو جامع ہیں چنانچہ اس باب کے تحت وہ دعائیں نقل کی جائیں گی جنہیں آنحضرت ﷺ تشہد میں پڑھا کرتے تھے یا جن کی تعلیم آپ ﷺ دوسرے لوگوں کو فرمایا کرتے تھے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

تشہد میں آنحضرت کی دعا

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْغُ فِي الصَّلَاةِ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَخْيَا وَفِتْنَةِ الْمَصَابِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثِمِ وَالْمَغْرَمِ فَقَالَ إِنْ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ۔ (مشق علیہ)

"ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نماز میں (تشہد کے بعد) یہ دعا مانگتے تھے: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَخْيَا وَفِتْنَةِ الْمَصَابِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثِمِ وَالْمَغْرَمِ اے اللہ میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور کانے و جال کے فتنہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور زندگی کے فتنوں اور موت کے فتنوں سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں اسے پروردگار میں تجھ سے گناہوں سے اور قرض سے پناہ چاہتا ہوں۔

(راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی یہ دعا سن کر) کسی کہنے والے نے کہا کہ "آپ ﷺ کا قرض سے پناہ مانگنا بڑے تعجب کی بات ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "جب آدمی قرضدار ہوتا ہے تو باتیں بناتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: دجال آخر زمانہ میں قیامت کے قریب پیدا ہوگا جو خدائی کا دعویٰ کرے گا اور لوگوں کو اپنے مکرو فریب اور شعبدہ بازیوں سے گمراہ کرے گا۔ اس کا مفضل ذکر انشاء اللہ مشکوٰۃ کے آخری ابواب میں آئے گا۔

دجال کو مسیح کیوں کہتے ہیں: دجال کو مسیح اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی ایک آنکھ ملی ہوئی ہوگی یعنی وہ کانٹا ہوگا یا کہ وہ چونکہ مسح ہوگا اسلئے اس کا مطلب ہے "مسح کا مطلب ہے" تمام بھلائیوں، نیکیوں اور خیر و برکت کی باتوں سے بالکل بعید، نا آشنا اور ایسا کہ جیسے اس پر کبھی ان چیزوں کا سایہ بھی نہ پڑا ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اتنی بری خصلتوں کا حامل دجال کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟

حضرت عیسیٰ کو مسیح کہنے کی وجہ: اسی کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب بھی "مسیح" ہے جس کی اصل مسیحا ہے اور مسیحا عبرانی زبان میں "مبارک" کو کہتے ہیں یا یہ کہ مسیح کے معنی ہیں "بہت سیر کرنے والا" چونکہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں آسمان سے اتارے جائیں گے اور دنیا سے گمراہی و ضلالت اور برائیوں کی جڑ اکھاڑنے اور پھر تمام عالم پر خدا کے خلیفہ کی حیثیت سے حکمرانی

کرنے پر مامور فرمائے جائیں گے اور اس سلسلے میں آپ ﷺ کو امور مملکت کی دیکھ بھال کرنے اور خدا کے دین کو عالم میں پھیلانے اور کانے دجال کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے تقریباً پوری دنیا میں پھرنا پڑے گا۔ اس لئے اس مناسبت سے مسیح آپ ﷺ کا لقب قرار پایا ہے۔

بہر حال لفظ مسیح کا اطلاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال ملعون دونوں پر ہوتا ہے اور دونوں کے درمیان امتیازی فرق یہ ہے کہ جب صرف ”مسیح“ لکھا اور بولا جاتا ہے تو اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی مراد لی جاتی ہے اور جب دجال ملعون مراد ہوتا ہے تو لفظ مسیح کو دجال کے ساتھ قید کر دیتے ہیں یعنی ”مسیح دجال“ لکھتے اور بولتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اس دعا میں چھ چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے ① عذاب قبر۔ ② قتلہ دجال ③ قتلہ زندگی۔ ④ قتلہ موت ⑤ گناہ ⑥ قرض۔ یہ چھ چیزیں اپنی ہیبت و ہلاکت اور دینی و دنیاوی خسران و نقصان کے باعث بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ان چیزوں سے اگر خداوند تعالیٰ نے نجات دی اور اپنا فضل و کرم فرمایا تو دینی و دنیاوی دونوں زندگیاں کامیابی و کامرانی سے اور رحمت و سعادت کی ہم آغوش ہوگی اور اگر خدا نخواستہ کہیں کسی بد نصیب ان میں سے کسی ایک سے بھی پالا پڑ گیا تو جانے کہ اس کی دنیا بھی تباہ و برباد ہو جائے گی اور آخرت کی تمام سہولتیں و آسانیاں اور وہاں کی رحمتیں و سعولتیں بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیں گی اور وہ عذاب خداوندی کا مستحق ہو گا اسی لئے آنحضرت ﷺ نے خود ان چیزوں سے پناہ مانگ کر امت کے لئے تعلیم کا دروازہ کھولا ہے کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے پروکڑ گار سے ان سخت و ہیبت ناک چیزوں سے پناہ مانگتا رہے تاکہ پروکڑ گار اس کو ان سے محفوظ و مومن رکھے۔

عذاب قبر اور قتلہ دجال یہ تو بالکل ظاہر ہیں ان کی کسی تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں ہے البتہ ”قتلہ زندگی“ یہ ہے کہ صبر و رضا کے فقدان کی وجہ سے زندگی کی مصیبتوں اور بلاؤں میں گرفتار ہو اور نفس ان چیزوں میں مشغول و متفرق ہو جائے جو راہ ہدایت اور راہ حق سے ہٹا دیتی ہوں اور زندگی کو گمراہیوں و ضلالتوں کی کھائی میں پھینک دیتی ہوں۔

”قتلہ موت“ کا مطلب یہ ہے کہ ”شیطان لعین حالت نزع میں اپنے مکرو فریب کا جال پھینکنے اور مرنے والے کے دل میں وسوسا و شہوات کے بیج بکرا اس کے آخری لمحوں کو جس پر دائمی نجات و عذاب کا دار و مدار ہے برائی و گمراہی کی بھینٹ چڑا دے تاکہ اس دنیا سے رخصت ہونے والا نفوذ باللہ ایمان و یقین کے ساتھ نہیں بلکہ کفر و تکبر کے ساتھ فوت ہو جائے (العیاذ باللہ) اسی طرح منکر نکیر کے سوالات کی سختی، عذاب قبر کی شدت اور عذاب عقبیٰ میں گرفتاری بھی موت کے قتلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے ہر مسلمان کو محفوظ و مومن رکھے۔ آمین“

لفظ ”ثام“ یا تو مصدر ہے یعنی گناہ کرنا یا اس سے مراد وہ چیز ہے جو گناہ کا باعث ہے۔

بہر حال اس کا مطلب یہ ہے کہ ان گناہوں سے خدا کی پناہ، جس کے نتیجہ میں بندہ عذاب آخرت اور خدا کی ناراضگی مول لیتا ہے۔ یا ان چیزوں سے خدا کی پناہ جو گناہ صادر ہونے کا ذریعہ ہیں، یا جن کو اختیار کر کے بندہ راہ راست سے ہٹ جاتا ہے اور ضلالت و گمراہی کی راہ پر پڑ جاتا ہے۔

قرض سے پناہ مانگنے کی وجہ: قرض سے پناہ مانگنے پر ایک صحابی کو تعجب ہوا کہ قرض میں ایسی کوئی برائی ہے جس سے پناہ مانگی جا رہی ہے بلکہ اس سے تو بہت سے ضرورت مندوں کے کام پورے ہوتے ہیں اور دنیاوی حالات میں اس سے بڑی حد تک مدد ملتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی قباحت اور برائی کی جس کی بنیادی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے وہ یقیناً ایسی ہی ہے کہ اس سے پناہ مانگی جانی چاہئے۔ اول تو دنیاوی اعتبار سے بھی کسی کا قرض دار ہونا کوئی اچھی بات نہیں ہے پھر دین و آخرت کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کی وجہ سے ایسی چیزوں کا ارتکاب ہوتا ہے جو شریعت کی نظر میں نہ صرف یہ کہ معیوب بلکہ عذاب آخرت کا سبب بنتی ہیں۔ مثلاً جب کوئی شخص کسی سے قرض مانگنے جاتا ہے تو پہلا مرحلہ یہی ہوتا ہے جب وہ گنہ گار ہوتا ہے کیونکہ بسا اوقات قرض مانگنے والا سیکڑوں پہانے تراشا ہے،

سیکڑوں غلط باتیں بناتا ہے اور مقصد بر آری کے لئے بڑے سے بڑا جھوٹ بولنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ قرض کی ادائیگی کا آتا ہے کہ قرض دار قرض لیتے وقت ایک وقت و عرصہ متعین کرتا ہے جس میں وہ قرض کی ادائیگی کا وعدہ کرتا ہے مگر تجربہ شاہد ہے کہ کوئی ایک آدمی قرضدار ایسا ہوگا جو وقت معینہ پر ادائیگی کر دیتا ہو گا ورنہ اکثر و بیشتر وعدہ خلافی کرتے ہیں اس موقع پر بھی نہ صرف یہ کہ وعدہ خلافی ہوتی ہے بلکہ عدم ادائیگی کے عذر میں ہر طرح کا جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ اس طرح قرضدار وعدہ خلافی اور جھوٹ کا ارتکاب کر کے گناہ گار ہوتا ہے۔ پھر عدم ادائیگی کا یہ عذر ایک دو مرتبہ ہی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا ایک سلسلہ ہوتا ہے جو بہت دنوں تک چلتا رہتا ہے اس طرح قرضدار مسلسل جھوٹ پر جھوٹ بولتا ہے، ہر مرتبہ وعدہ خلافیاں کرتا ہے اور اس طرح وہ گناہوں کی پوٹ اپنے اوپر لادتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں عذاب خداوندی اور مواخذہ آخرت کا سبب ہیں اس لئے ایسی غلط چیز سے پناہ مانگی گئی ہے۔

نماز میں کن چیزوں سے پناہ مانگی چاہئے

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ الشَّهَادَةِ الْآخِرَةِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْ أَرْبَعٍ مِنْ عَذَابٍ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَخْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ روای ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص (نماز میں) آخری شہید (یعنی التحیات) سے فارغ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کا طلب گار ہو۔ ① عذاب دوزخ، ② عذاب قبر، ③ فتنہ زندگی و موت۔ ④ کج دجال کی برائی۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ قعدہ آخر میں تکبہ سے فراغت کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَخْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ -

”اے اللہ! میں دوزخ کے عذاب، قبر کے عذاب، فتنہ المخیاء و الممات اور کج دجال کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“

③ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هَذَا الدُّعَاءَ كَمَا يَعْلَمُهُمُ الشُّورَةُ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَخْيَا وَالْمَمَاتِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ روای ہیں کہ رحمت عالم ﷺ ہم صحابہؓ اور اہل بیت کو یہ دعا اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح آپ ﷺ ہمیں قرآن کی کوئی سورہ سکھایا کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ (کہ دعا اس طرح پڑھو) اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَخْيَا وَالْمَمَاتِ اے اللہ! میں عذاب جہنم سے تیری پناہ مانگتا ہوں، عذاب قبر سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں، کج دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور زندگی و موت کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔“ (مسلم)

تکبہ و درود کے بعد کی دعا

④ وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ عَلَّمْنِي دُعَاءَ أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي قَالَ قُلْ اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَبِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاعْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ - (متفق علیہ)

”اور امیر المؤمنین حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ سے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا بتائیے کہ جسے میں اپنی نماز میں (تسبیح و تہجد کے بعد) پڑھ لیا کروں“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ پڑھ لیا کرو: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاعْفِرْ لِحَیْ مَغْفِرَۃٍ فَمِنْ عِنْدِكَ وَاَرْحَمَیْنَ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَفُوْزُ الرَّحِیْمُ اسے پڑھو گا ایک سال میں اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے علاوہ کوئی دوسرا کتابوں کو نہیں بخش سکتا لہذا تو مجھے بخش دے خاص طور سے بخشا، اور مجھ پر رحم فرما، بیشک تو بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس روایت میں لفظ کثیر اثناء مثلاً کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور مسلمؒ کی بعض روایات میں باہ موصودہ کے ساتھ یعنی کثیراً ذکر کیا گیا ہے لہذا اس دعا کو دونوں الفاظ کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے یعنی بھی تو کثیراً پڑھا کثیراً پڑھ لیا ہے۔

سلام پھیرنے کا بیان

⑤ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ مَعْدِيَنَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنْتُ أَرَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ حَتَّى أَرَى بِيَاضَ خَدَيْهِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عامر ابن سعد (تابعی) اپنے والد مکرم (حضرت سعد ابن وقاصؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی حضرت سعدؓ نے) فرمایا کہ میں دیکھتا تھا کہ رحمت عالم ﷺ اپنے دائیں اور بائیں (اس طرح) سلام پھیرتے تھے کہ میں آپ کے رخساروں کی پیدیاں دیکھ لیتا تھا۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے وقت اپنا چہرہ مبارک اتنا پھیرتے تھے کہ آپ ﷺ کا منور رخسار نظر آنے لگتا تھا۔

قربان جائے حضرت سعدؓ کی اس سعادت پر کہ ان کو نماز میں رحمت عالم سرور کائنات ﷺ کا پہلوئے مبارک نصیب ہوتا تھا۔
کاش کے اندر نماز جاشود پہلوئے تو تاہ تقریب سلام اقد نظر بروئے تو

نماز کے بعد امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے

⑥ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا وَجْهَهُ -

(رواہ البخاری)

”اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتے تھے تو ہماری طرح اپنا مبارک منہ متوجہ کر کے بیٹھتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب جماعت ختم ہو جاتی اور آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو لیتے تھے تو اپنا روئے اقدس مقتدیوں کی طرف متوجہ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔

⑦ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِينِهِ - (رواہ مسلم)

”آپ کا نام عبد اللہ اور کنیت ابوبکر ہے لقب آپ کا صدیق و متقی ہے۔ بعض محققین کے مطابق آپ کا اصل نام عبد الکعبہ تھا پھر آپؐ نے ان کا نام عبد اللہ رکھا۔ آپ کے والد عثمان اور کنیت ابوقحافہ تھے۔ سب مسلمان مردوں میں آپ پہلے ایمان لائے اور ہجرت میں یا غار تھے حضورؐ کے وصال کے بعد آپ کو خلیفہ بنایا گیا ۱۳ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور روضہ اطہر میں مدفون ہوئے۔“

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد (کبھی) اپنی دائیں طرف پھیر کے بیٹھتے تھے۔“ (مسلم)

⑧ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلَاتِهِ يُوِيءُ أَنْ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ لَا يَنْصَرِفَ إِلَّا عَنْ يَمِينِهِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيرًا كَثِيرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے (یعنی) اس چیز کو لازم جانے کہ (نماز کے بعد) دائیں جانب ہی سے پھرے، کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ رحمت عالم ﷺ اکثر بائیں جانب سے پھرا کرتے تھے۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد کبھی تو دائیں جانب سے پھرتے تھے اور بائیں طرف بیٹھتے تھے، اور بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ آپ ﷺ سلام پھیر کر دعا مانگتے اور اپنے حجرو شریف کی جانب جو بائیں طرف تھا تشریف لے جاتے تو کبھی اس کے برعکس کرتے تھے بائیں طرف سے پھر کر دائیں طرف بیٹھ جاتے تھے۔

پہلے طریقہ کو عزیمت یعنی اولیت پر حمل کیا گیا ہے کیونکہ اس میں دائیں طرف سے ابتداء ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ کا فعل اکثر اسی طرح ہوتا تھا، لیکن حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دوسری صورت یعنی بائیں طرف سے پھرنا اگرچہ رخصت یعنی جائز ہے اور اس صورت کو کم ہی اختیار بھی کیا جاتا تھا لیکن سنت کو واجب کا درجہ دینا چونکہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے صرف پہلی صورت یعنی دائیں طرف سے پھرنے کو لازم و واجب قرار نہ دیا جائے اور شارع کی جانب سے دی گئی رخصت (یعنی اجازت) کو کہ وہ دوسری صورت ہے ناقابل اختیار نہ جانا جائے اس لئے کہ حدیث شریف میں وارو ہے ”حق تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی جانب سے عنایت کی گئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ عزیمتوں پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے۔“

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ چیز پسندیدہ اور محبوب ہے کہ اس عمل کو اختیار کیا جائے جس میں عزیمت یعنی اولیت ہے، اسی طرح اس کے نزدیک یہ چیز بھی قابل قبول اور پسندیدہ ہے کہ ان اعمال کو بھی اختیار کیا جائے جن کو حق تعالیٰ نے اولیٰ و افضل نہ سہی ہر حال جائز مقرر کر رکھا ہے۔

حضرات شوافعؒ نے ان احادیث سے مصلیٰ کے لئے یہ درمیانی طریقہ اختیار کیا ہے کہ واپسی ضرورت و سہولت جس طرف دیکھے، اسی طرف پھرے یعنی اگر اس کا مکان وغیرہ اس کے دائیں جانب ہے تو اسے دائیں طرف پھرنا چاہئے اور اگر بائیں طرف ہو تو اسے بائیں طرف پھرنا چاہئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی منقول ہے کہ ”رحمت عالم ﷺ کبھی مقتدیوں کی طرف بھی منہ کر کے اور پشت قبلہ کی طرف کر کے بیٹھتے تھے“ جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گذرا۔

”نماز میں شیطان کا حصہ“ اس لئے کہا گیا ہے کہ جب کوئی شخص ایک غیر لازم چیز کو اپنے اوپر واجب و لازم ہونے کا اعتقاد کرے گا تو گویا وہ شیطان کا تابع ہو لہذا اس کی نماز کا کمال جاتا رہے گا۔

علامہ طبری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ”اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ جس شخص نے کسی امر مستحب کو مستقل طریقہ سے اختیار کئے رکھا اور اسے لازم کا درجہ دے دیا اور رخصت (یعنی جواز) پر عمل نہ کیا تو جھوٹا شیطان اسے گمراہ کرنے کے لئے اس کے پاس پہنچ گیا ہے۔“

کاش کہ۔ اہل بدعت اپنے گمراہوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ انہوں نے امر مستحب کو کجا خلاف شرع چیزوں اور بدعات کو اپنے اوپر لازم و واجب گردان کر اپنے آپ کو ضلالت و گمراہی کی کس وادی میں پھینک رکھا ہے اور اپنے اوپر شیطان کو کتنا مسلط کر رکھا ہے۔

یہ چاروں حدیثیں یعنی حدیث عامر، حدیث ثمرہ، حدیث انسؓ اور حدیث عبد اللہؓ اس باب کے موضوع سے متعلق تو نہیں ہیں البتہ اس کے متعلقات سے ہیں۔

نماز کے بعد کی دعا

⑨ وَعَنِ النَّبِیِّ قَالَ إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَيْنَا أَنْ نَكُونَ عَنْ يَمِينِهِ يَقْبَلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ قَالَ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ أَوْ تَجْمَعُ عِبَادَكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم رحمت عالم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو اسے پسند کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب ہوں تاکہ آپ ﷺ (سلام کے وقت سب سے پہلے) ہماری طرف متوجہ ہوں، براءؓ کہتے ہیں کہ ”میں نے آنحضرت ﷺ کو (سلام کے بعد دعا کے طور پر) یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ أَوْ تَجْمَعُ عِبَادَكَ اسے پروردگار مجھے اپنے عذاب سے بچا اس روز جب کہ تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا یا جمع کرے گا۔“ (مسلم)

تشریح: یا تو آپ ﷺ یہ دعا اذراہ توضع اور انکسار فرماتے ہوں گے یا اس سے آپ ﷺ کا مقصد اُمت کو تعلیم دینا تھا کہ لوگ نماز کے بعد اس دعا کو پڑھا کریں۔

”تبعت“ اور ”تجمع“ میں راوی کو شک واقع ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یا تو ”یوم تبعت“ فرمایا ہے یا ”یوم تجمع“ فرمایا ہے۔ بہر حال اس دعا کو ان دونوں الفاظ کے ساتھ کسی بھی ایک لفظ کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے۔

نماز کے بعد مقتدیوں کا امام سے پہلے اٹھ جانا غیر مستحب ہے

⑩ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ إِنَّ النَّسَاءَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ قُمْنَ وَتَبَتِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلَّى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللَّهُ فَإِذَا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ الرِّجَالُ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ کے زمانہ مبارک میں عورتیں (جب مردوں کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھتی تھیں تو، فرض نماز کا سلام پھیر کر فوراً اٹھ جاتی تھیں اور اپنے گھروں کو چلی جاتی تھیں اور آنحضرت ﷺ اور مردوں میں سے جو لوگ نماز میں شامل ہوتے تھے جتنی دیر اللہ کو منظور ہوتا بیٹھے رہتے تھے، پھر جب آنحضرت ﷺ کھڑے ہوتے تو سب مرد کھڑے ہو جاتے (اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے)۔“ (بخاری)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں جب کہ عورتیں بھی مردوں کے ساتھ ہی آپ ﷺ کے پیچھے نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتیں تھیں اس وقت عورتوں کا یہ دستور ہوتا تھا کہ جو ہی آنحضرت ﷺ سلام پھیر کر فارغ ہوتے وہ اس وجہ سے کہ راستہ میں مردوں سے ڈر بھرنے ہو اور ان کے ساتھ راستہ میں چلنا نہ پڑے فوراً اٹھ جاتیں اور اپنے گھروں کو چل دیتیں تھیں۔

نماز کے بعد آنحضرت ﷺ کے بیٹھنے کے بارے میں کوئی دائمی معمول مذکور نہیں کہ آپ تمام نمازوں کے بعد ہمیشہ اتنی دیر تک بیٹھتے تھے بلکہ اسکا انحصار اختلاف اوقات پر ہوتا تھا چنانچہ آپ ﷺ سلام پھیر کر بھی تو اللھم اٰنتَ السَّلَامُ الخ پڑھنے تک بیٹھتے تھے اور کبھی آپ ﷺ اتنا بیٹھتے تھے کہ دعا وغیرہ سے فارغ ہو کر قرآن کریم پڑھتے اور صحابہؓ کو احکام الہی کی تعلیم دیتے اور کبھی آپ ﷺ فجر کی نماز میں مصلے پر طلوع آفتاب تک بیٹھے رہتے تھے۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امام کے لئے اس قسم کی ضرورت کے وقت نماز کے بعد مصلیٰ پر کچھ دیر تک بیٹھے رہنا مستحب ہے۔ نیز مقتدیوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ جب تک امام مصلے سے نہ اٹھے وہ بھی نہ اٹھیں۔

وَسَنَذْكُرُ حَدِيثَ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ فِي بَابِ الصَّحَابِ إِثْنَاءَ اللَّهِ تَعَالَى۔

اور جابر ابن سمہ کی (وہ) حدیث جس میں نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک آنحضرت ﷺ کا بیٹھنا مذکور ہے اور جسے صاحب مصابح نے یہاں نقل کیا تھا، ہم انشاء اللہ باب الصک میں نقل کریں گے۔

الفصل الثانی

نماز کے بعد کی دعا

⑪ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ أَخَذَ بِيَدِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي لَأُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَأَنَا أُحِبُّكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَلَا تَدْعُ أَنْ تَقُولَ فِي ذِكْرِ كُلِّ صَلَاةٍ زَبَّاعِي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ دُودُو وَالتَّسَائِيُّ إِلَّا أَنَّ أَبَادًا أَوْ ذَلِمَ يَذْكُرُ قَالَ مُعَاذٌ وَأَنَا أُحِبُّكَ۔

”حضرت معاذ ابن جبلؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رحمت عالم ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا کہ: معاذ میں تمہیں دوست رکھتا ہوں۔“ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں بھی آپ ﷺ کو دوست رکھتا ہوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”(جب تم مجھے دوست رکھتے ہو تو کسی بھی نماز کے بعد اس دعا کو پڑھنا ترک نہ کرو زَبَّاعِي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ“ اسے پروردگار! تو اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت میں میری مدد کر۔“

اس روایت کو احمدؒ، ابو داؤدؒ اور نسائیؒ نے نقل کیا ہے مگر ابو داؤدؒ نے معاذؓ کے یہ الفاظ ”وَأَنَا أُحِبُّكَ“ نقل نہیں کئے ہیں۔“

تشریح: ”اچھی عبادت“ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی عبادت ہو خواہ بدنی ہو یا مالی، پورے کمال اور حضور قلب کی اس کیفیت کے ساتھ کی جائے گویا کہ عبادت کرنے والا اللہ جل شانہ کو دیکھ رہا ہے اور اس کی عبادت کر رہا ہے۔ کتاب الایمان کی بھی ایک حدیث میں ”اچھی عبادت“ کا یہی مطلب بیان کیا گیا ہے وہاں اس کی وضاحت اچھی طرح کی جا چکی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو دوست رکھتا ہے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنی دوستی اور محبت کا اظہار اس سے کر دے۔

یہ حدیث اس فعل وقول اخذ بیدی وبقول انا احبک کے ساتھ مسلسل ہے۔ اس اصطلاح کی تعریف علماء و محدثین بخوبی سمجھتے ہیں چونکہ عوام سے اس کا تعلق نہیں ہے اس لئے ان کے سامنے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

سلام پھیرنے کا طریقہ

⑫ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ حَتَّى يَرَى بِيَاضَ خَدِّهِ الْأَيْمَنِ وَعَنْ يَسَارِهِ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ حَتَّى يَرَى بِيَاضَ خَدِّهِ الْأَيْسَرِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ دُودُو وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَلَمْ يَذْكُرِ التِّرْمِذِيُّ حَتَّى يَرَى بِيَاضَ خَدِّهِ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ اپنی دائیں جانب السلام علیکم ورحمۃ اللہ (یعنی تم پر اللہ کی سلامتی اور اللہ کی رحمت) کہتے ہوئے سلام پھیرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دائیں رخسار کی سفیدی نظر آتی اور اپنی بائیں جانب بھی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بائیں رخسار کی سفیدی نظر آتی۔“ (ابو داؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ)

ترمذی نے اپنی روایت میں حتیٰ یری بیاض خدہ کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو عمارؓ ابن یاسر سے

نقل کیا ہے۔

تشریح: ابو داؤد اور نسائی نے تو اس روایت کو انہیں الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مگر امام ترمذی نے اپنی روایت میں حتیٰ بوی بیاض خدہ (یہاں تک کہ آپ کے رخسار کی سفیدی نظر آئی) نقل کیا ہے بلکہ انہوں نے صرف اس قدر نقل کیا ہے کہ کان یسلم عن یمینہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و عن یسارہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔
بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن ماجہ نے عمار ابن یاسر سے یہ حدیث پوری اسی طرح نقل کی ہے نہ کہ ترمذی کی طرح اس کا کچھ حصہ نقل کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نماز کے بعد اکثر بائیں جانب پھر کر بیٹھتے تھے

(۱۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ أَكْثَرَ انْصِرَافِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهِ إِلَى شِقْبِهِ الْأَيْسَرِ إِلَى خُجْرَتِهِ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

”حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نماز کے بعد اکثر بائیں جانب اپنے حجرہ کی طرف پھر جاتے تھے۔“ (شرح السنۃ)
تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک کا دروازہ مسجد میں بائیں عمارت کی طرف تھا۔ اس لیے جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو جاتے تھے تو اکثر و بیشتر بائیں جانب پھرتے تھے اور اپنے حجرہ میں تشریف لے جاتے تھے۔

فرض کے بعد سنتیں پڑھنے کے لیے جگہ بدل لینی چاہیے

(۱۳) عَنْ عَطَاءِ الْخُرَّاسَانِيِّ عَنْ الْمُغِيرَةِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيُ إِلَّا مَا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ حَتَّى يَتَحَوَّلَ زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ عَطَاءُ الْخُرَّاسَانِيُّ لَمْ يَذْكُرْكَ الْمُغِيرَةُ۔

”حضرت عطاء خراسانی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، امام اس جگہ نماز نہ پڑھے جہاں نماز پڑھ چکا ہے بلکہ وہاں سے سرک جائے اس روایت کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ عطاء خراسانی کی ملاقات حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے (ثابت) نہیں ہے (لہذا یہ حدیث منقطع ہے)۔“

تشریح: یہاں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جس جگہ فرض نماز پڑھی گئی ہے اسی جگہ سنتیں نہ پڑھی جائیں بلکہ اس جگہ سے ذرا ہٹ کر اور جگہ بدل کر دوسری جگہ سنتیں پڑھی جائیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات جان لیجئے کہ اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم خاص طور پر امام ہی کے لئے ہے مقتدی اس میں شامل نہیں ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ حکم مجموعی طور پر امام اور مقتدی سب کے لئے ہے۔

فرض اور سنتیں دونوں ایک ہی جگہ پڑھنے سے منع یا تو اس لئے کیا گیا ہے کہ کوئی آنے والا یہ گمان نہ کرے کہ نمازی ابھی فرض نمازی پڑھ رہا ہے یا اس لئے کہ دونوں جگہیں قیامت کے روز پروردگار کے سامنے نمازی کی اطاعت گزاری کی گواہی دیں جس سے اس کے مرتبہ میں اضافہ ہو۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ حکم ان فرض نمازوں کے بارے میں ہے جن کے بعد سنت ماکدہ ہیں اور جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں نہیں پڑھی جاتیں جیسے فجر و عصر تو ان کے بارے میں یہ حکم نہیں ہے مگر بعض علماء کی یہی رائے ہے کہ یہ حکم تمام نمازوں کے بارے میں یکساں طور پر ہے۔

(۱۵) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَضَّهُمْ عَلَى الصَّلَاةِ وَنَهَاهُمْ أَنْ يَنْصَرِفُوا قَبْلَ انْصِرَافِهِ مِنْ

الصَّلَاةُ - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ صحابہؓ نماز پڑھنے کی رغبت دلاتے تھے اور ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے کہ وہ نماز کے بعد آپ ﷺ کے اٹھنے سے پہلے انھیں۔“ (ابو داؤد)

تشریح: حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہ ہے کہ یا تو آپ ﷺ صحابہؓ کو مطلقاً نماز پڑھنے کی تاکید فرماتے تھے یا انہیں اس بات کی رغبت دلاتے تھے کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں۔

آپ ﷺ کے ارشاد کے دوسرے جزء کا مطلب یہ کہ جب نماز ختم ہو جائے اور دعاء وغیرہ سے فارغ ہو جائے تو جب تک میں نہ اٹھ جاؤں مقتدی نہ اٹھیں تاکہ راستہ میں مرد عورتوں سے مل نہ جائیں جیسا کہ پہلے ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ نماز کے بعد آنحضرت ﷺ اور دوسرے لوگ بیٹھے رہتے تھے یہاں تک کہ جب عورتیں اٹھ کر چلی جاتی تھیں تو پہلے آپ ﷺ اٹھتے تھے اس کے بعد دوسرے لوگ اٹھ کر اپنے گھروں کو چل دیتے تھے۔ اس صورت میں یہ نمی تنزیہی ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں ”پہلے اٹھنے“ سے مراد مسبوق کا اٹھ کھڑا ہونا ہے۔ اس صورت میں اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تک امام سلام نہ پھیرے اس وقت تک مسبوق اپنی بقیہ رکعتیں پڑھنے کے لئے کھڑا نہ ہو بلکہ جب امام سلام پھیر لے تب مسبوق کھڑا ہو۔ اس سلسلہ میں اتنی بات جان لیجئے کہ یہ شکل یعنی مسبوق کا امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اٹھ کھڑا ہونا حنفیہ کے نزدیک حرام ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

تہجد کے بعد آنحضرت کی دعا

①۶ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي صَلَاتِهِ اللَّحْمُ إِنِّي أَسْأَلُكَ الثَّنَاتِ فِي الْأُمْرِ وَالْعَزِيمَةِ عَلَى الرُّشْدِ وَأَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَأَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ زَوَاةُ النَّسَائِيِّ وَزَوَى أَحْمَدُ نَحْوَهُ۔

”حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ اپنی نماز میں (تہجد کے بعد) یہ دعا پڑھا کرتے تھے اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الثَّنَاتِ فِي الْأُمْرِ وَالْعَزِيمَةِ عَلَى الرُّشْدِ وَأَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَأَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ اے پروردگار! میں تجھ سے دین میں ثابت قدمی اور راہ راست کے قصد کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے تیری نعمت کے شکر اور تیری عبادت کے حسن کی درخواست کرتا ہوں اور تجھ سے قلب سلیم اور سچی زبان مانگتا ہوں اور تجھ سے وہ بھلائی چاہتا ہوں جس کو تو جانتا ہے اور اس برائی سے پناہ مانگتا ہوں جس کو تو جانتا ہے اور معافی چاہتا ہوں ان گناہوں سے جن کو تو جانتا ہے۔“ (نسائی، احمد)

تشریح: یہ دعا بھی آنحضرت ﷺ کی لسان مقدس سے تعلیم امت کے پیش نظر ارشاد ہوئی ہے کہ امت کے لوگ اس طرح دعا مانگا کریں۔ ورنہ تو جہاں تک آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کا تعلق ہے آپ ﷺ کو یہ تمام بھلائیاں اور سعادتیں حاصل تھیں جن کی طرف اس دعا میں اشارہ کیا گیا ہے اور تمام گناہوں سے آپ محفوظ تھے، نیز آپ ﷺ کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخشے جا چکے تھے۔

”راہ راست کے قصد“ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے اس بات کی توفیق عنایت فرما کہ تو نے ہدایت کا جو راستہ دکھلایا ہے اس پر ہمیشہ ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہوں اور ہدایت کو اپنی زندگی کے لئے لازم پکڑوں۔

نک مسبوق اس شخص کو کہتے ہیں جو جماعت میں ایک رکعت یا اس سے زیادہ ہو جانے کے بعد اگر شریک ہو ہو۔

”تجھ سے تیری نعمت کے شکر اور تیری عبادت کے حسن کی درخواست کرتا ہوں“ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھے اس بات کی توفیق عنایت فرما کہ تیری ان نعمتوں کو جن سے تو نے مجھے سرفراز فرمایا ہے تیری اطاعت و فرمانبرداری میں اس طرح صرف کروں کہ تیرے احکام و فرمان کا پابند رہوں اور جن چیزوں سے تو نے منع کیا ہے ان سے بچتا رہوں اور تیری عبادت کو اس کے پورے شرائط و آداب اور پورے ارکان کے ساتھ ادا کروں۔

”قلب سلیم“ اس دل کو کہتے ہیں جو برے عقائد، کمزور خیالات اور غلط اعتقادات و نظریات سے پاک و صاف ہو اور خواہشات نفسانی کی طرف اس کا میلان نہ ہو نیز یہ کہ وہ ماسوی اللہ سے خالی ہو۔

دعا کے جملہ وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ میں لفظ ماموصولہ ہے یا موصوفہ اور عائد محذوف ہے۔ اسی طرح اس جملہ میں لفظ مَنْ زائد ہے یہ بیانیہ اور مبین محذوف ہے۔ گویا اصل میں یہ عبارت اس طرح ہے اسالک شیا ہو غیر ما تعلم یعنی میں تجھ سے اس اچھی چیز کی درخواست کرتا ہوں جس کے بارے میں تو جانتا ہے کہ وہ اچھی ہے یعنی میں ایسی چیز کی درخواست نہیں کرتا جس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ وہ اچھی چیز ہے کیونکہ بندہ تو کسی چیز کو اچھی سمجھ لیتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اچھی نہیں ہوتی۔ اس لئے میں وہی چیز مانگتا ہوں جو تیرے نزدیک اچھی ہے۔ اسی طرح واعوذہک من شر ما تعلم کا مطلب بھی یہی ہے کہ میں اس بری چیز سے پناہ مانگتا ہوں جو تیرے نزدیک بری ہے اور جس کے بارے میں تیرا فیصلہ ہے کہ یہ بندہ کے حق میں برائی کا باعث ہے۔

(۱۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي صَلَاتِهِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ أَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللَّهِ وَأَحْسَنُ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ النسائی)

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں التماس کے بعد فرماتے تھے بہترین کلاموں کا کلام اللہ کا ہے اور بہت بہترین طریقوں کا طریقہ محمد ﷺ کا ہے روایت کیا اس کو نسائی نے۔

آنحضرت ﷺ کے سلام کا طریقہ

(۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ تَسْلِيمَةً تَلْقَاءُ وَجْهَهُ ثُمَّ يَمِيلُ إِلَى الشَّقِ الْأَيْمَنِ شَيْئًا۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نماز میں ایک سلام پھیرتے تھے سامنے کے رخ پھر تھوڑا سا منہ کو دائیں جانب پھیرتے تھے۔ اس طرح آپ ﷺ سلام پورا فرماتے تھے۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ سلام پھیرتے تھے تو یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے کہ سلام کی ابتدا قبلہ رخ کرتے تھے درمیان میں دائیں جانب اس قدر چہرہ مبارک پھیرتے تھے کہ رخسار مبارک کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی جیسا کہ پہلی روایتوں میں گذر چکا ہے۔ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نماز میں صرف ایک ہی سلام دائیں جانب پھیرتے تھے چنانچہ حضرت امام مالکؒ اسی حدیث کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ نماز میں صرف ایک ہی سلام مشروع ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے یہاں متفقہ طور پر نماز میں دو سلام یعنی دائیں اور بائیں دونوں جانب مشروع ہیں، کیونکہ اس سلسلہ میں بہت زیادہ احادیث وارد ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام پھیرنا چاہئے۔

اب اس حدیث کی تاویل ان ائمہ ثلاثہ کی جانب سے یہ کی جاتی ہے کہ ایک سلام تو آپ ﷺ بلند آواز سے کہتے تھے اور دوسرا سلام آہستہ آواز سے، اس لئے حضرت عائشہؓ نے یہاں بلند آواز سے کہے جانے والے سلام کا اعتبار کیا اور صرف اسی ایک کو ذکر کیا۔

سلام پھیرتے وقت جواب کی نیت

(۱۹) وَعَنْ سَمُرَةَ قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَرُدَّ عَلَى الْإِمَامِ وَنَتَحَابَّ وَ أَنْ يَسْلِمَ بَعْضُنَا عَلَى

بَعْضٍ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم سلام پھیرتے وقت امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں، ہم آپس میں محبت رکھیں اور ایک دوسرے کو سلام کریں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: پہلے حکم کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی جب سلام پھیریں تو اس وقت وہ یہ نیت کریں کہ ہم امام کے سلام کا جواب دے رہے، اس کی شکل یہ ہوگی جو مقتدی امام کے دائیں جانب ہوں وہ تو دوسرے سلام میں، جو مقتدی بائیں جانب ہوں وہ پہلے سلام میں اور جو مقتدی امام کے مقابل ہوں وہ دونوں سلام میں امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب امام سلام پھیرے تو وہ بھی اس وقت یہ نیت کرے کہ میں مقتدیوں کو سلام کر رہا ہوں۔

دوسرے حکم کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان آپس میں یعنی نمازیوں اور اللہ کے تمام بندوں سے محبت کریں، ان کے ساتھ خوش خلقی، مروت اور اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔

تیسرے حکم کا مطلب یہ ہے کہ ”جس طرح امام سلام پھیرتے وقت مقتدیوں پر سلام کی اور مقتدی سلام پھیرتے وقت امام کے سلام کے جواب کی نیت کرتے ہیں اسی طرح تمام مقتدی نماز میں سلام پھیرتے وقت آپس میں ایک دوسرے کے سلام کی نیت کریں۔ اس طرح کہ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت دائیں جانب کے مقتدیوں کی نیت کریں اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں جانب کے مقتدیوں کی نیت کرنی چاہئے۔ اور ہر نمازی کو چاہئے کہ وہ دونوں سلام میں ملائکہ کی بھی نیت کرے کیونکہ احادیث میں اس کا حکم بھی دیا گیا ہے اور حنفیہ کے بعض علماء نے تو کہا ہے کہ یہ سنت ہے گو دوسرے حضرات نے اسے ترک کیا ہے۔

بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ

نماز کے بعد کے ذکر کا بیان

اس باب کے تحت وہ احادیث و ذکر کی جائیں گی جن سے نماز کے بعد دعا اور دیگر اوراد و وظائف کے پڑھنے کی اہمیت اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے، یہاں ”ذکر“ کا لفظ عام ہے جو دعا اور اوراد و وظائف سب پر حاوی ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے بعد نمازی دعا اور اوراد و وظائف کے لئے کتنی دیر تک بیٹھ سکتا ہے، چنانچہ در مختار میں لکھا ہے کہ فرض نماز پڑھ لینے کے بعد سنتوں کے پڑھنے میں تاخیر کرنا مکروہ ہے البتہ اللہم انت السلام (آخر تک) کے بعد ردعا وغیرہ پڑھنے کے لئے کچھ دیر بیٹھنا ثابت ہے۔

علامہ حلوانیؒ کا قول یہ ہے کہ اوراد و وظائف پڑھنے کی غرض سے فرض و سنتوں کے درمیان وقفہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اسی قول کو کمالؒ نے بھی اختیار کیا ہے۔

علامہ طبریؒ نے ان دونوں اقوال میں تطبیق یوں پیدا کی ہے کہ اگر یہاں مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی نہ لیا جائے بلکہ مکروہ تنزیہی مراد لیا جائے تو ان دونوں اقوال میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہے گا کیونکہ پہلے قول کا مطلب پھر یہ ہوگا کہ اوراد و وظائف پڑھنے کے لئے سنتوں کے پڑھنے میں تاخیر کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے البتہ مکروہ تنزیہی ہے یعنی اگر تاخیر نہ کی جائے تو بہتر ہوگا۔ اسی طرح علامہ حلوانیؒ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ فرض نماز پڑھنے کے بعد اوراد و وظائف پڑھنے کے لئے سنتوں میں تاخیر کرنے میں اگرچہ کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن

مناسب یہی ہے کہ تاخیر نہ کی جائے، اس طرح یہ دونوں قول اپنی اپنی جگہ صحیح رہے اور دونوں میں کوئی تضاد بھی باقی نہیں رہا۔ صاحب در مختار کے ایک قول کا مفہوم یہ ہے کہ ”یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرض و سنت کے درمیان دعا اور اوراد و وظائف پڑھے جائیں تو تعارض دور ہو جاتا ہے۔“

اس کے بعد موصوف فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ نماز کے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ پڑھا جائے، آیتہ الکرسی اور معوذات (یعنی سورہ قل ہو اللہ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) پڑھی جائے اور سبحان اللہ، الحمد للہ، اور اللہ اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھے جائیں اور پھر ایک مرتبہ تہلیل (لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ) پڑھ کر سو کے عدد کو پورا کیا جائے پھر اس کے بعد دعا مانگی جائے اور دعا کو اس جملہ پر ختم کیا جائے سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

جماعت ختم ہو جانے کے بعد جب سنتیں پڑھی جائیں تو مقتدیوں کو چاہئے کہ صفوں کو توڑ دیں یعنی سنت پڑھنے کے لئے صف بندی کے ساتھ کھڑے نہ ہوں بلکہ آگے پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوں۔ اور امام کو بھی چاہئے کہ وہ بھی امامت کے مصلے سے ہٹ کر آگے پیچھے یاد آئیں بائیں ہو جائے تاکہ بعد میں آنے والے نمازیوں کو یہ خیال نہ ہو کہ ہنوز جماعت کھڑی ہے اور کوئی نمازی اسی خیال میں امام کی اقتدا کر کے نماز کے لئے کھڑا ہو جائے اور پھر اس کی اقتداء فاسد ہو۔

اس چیز میں بھی اختلاف ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد دعا اور اوراد وغیرہ پڑھنے کے لئے امام کے لئے دائیں طرف گھوم کر بیٹھنا افضل ہے یا بائیں طرف؟ چنانچہ صحیح قول یہ ہے کہ اسے اختیار ہے چاہے دائیں طرف گھوم کر بیٹھے اور چاہے بائیں طرف لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ بائیں طرف گھوم کر بیٹھنا ہی حقیقہ طور پر سب کے نزدیک افضل ہے کیونکہ حجرہ شریف اسی سمت ہے۔

اگر کوئی شخص فرض نماز کے بعد سنتیں پڑھ لے اور اس کے بعد احادیث میں مذکورہ اوراد و وظائف پڑھے تو یہ اس بعدیت کے منافی نہیں ہوگا جو احادیث میں مذکور ہیں (یعنی احادیث میں مذکور ہے کہ نماز کے بعد فلاں فلاں دعایا وظیفہ پڑھا جائے تو اگر کوئی شخص فرض نماز پڑھ کر پہلے سنتیں پڑھے اور پھر اس کے بعد مذکورہ اوراد و وظائف پڑھے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اس فضیلت سے محروم رہا۔ کیونکہ حدیث کا مقصد تو یہ ہے کہ یہ اوراد و وظائف نماز کے بعد پڑھے جائیں خواہ سنتوں کے بعد بلکہ سنتوں کے بعد ہی پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔ اس طرح صحیح احادیث سے چونکہ یہ ثابت ہے کہ فجر اور مغرب کی نماز کے بعد لا الہ الا اللہ و خذہ لا شریک لہ لہ المملک و لہ الحمد و هو علی کل شیء قدیور دس مرتبہ پڑھا جائے، یا ان نمازوں کے بعد آیتہ الکرسی پڑھنا احادیث سے ثابت ہے تو اگر کوئی شخص مغرب کی فرض نماز کے بعد پہلے سنتیں پڑھ لے اور پھر اس کے بعد آیتہ الکرسی یا مذکورہ بالا تہلیل پڑھے تو حدیث کے مطابق اسے وہی فضیلت حاصل ہوگی جو فرض نماز کے بعد انہیں پڑھنے پر حاصل ہوتی۔

بعض لوگ یہ سوچ کر کہ جلدی بھی ہو جائے اور مذکورہ بالا چیزوں کو پڑھنے کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے، مغرب کی سنتوں میں آیتہ الکرسی پڑھ لیتے ہیں یہ محض وہم ہے کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ مغرب کی سنتوں میں قل یا ایہا الکافرؤن اور قل هو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔

الفصل الاول

نماز کے اختتام پر اللہ اکبر کہنا

① وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ أَعْرِفُ انْقِصَاءَ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيرِ۔ (متن علیہ)

لہ جن نمازوں میں سنتیں نہیں پڑھی جاتیں ان میں فرض کے بعد اور جن کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان میں سنتوں کے بعد یہ اوراد پڑھے جائیں۔ ۵۲

”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں رحمت عالم ﷺ کی نماز کے ختم ہونے کو آپ ﷺ کے اللہ اکبر کہنے سے پہچان لیتا تھا۔“

(بخاری و مسلم)

تشریح: نماز کے اختتام پر ”اللہ اکبر“ کہنے کی مراد کے تعین میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں، چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے سے مراد ”ذکر“ ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں فرض نماز سے فراغت کے وقت لوگوں کے لئے باواز بلند ذکر مقرر تھا۔ پھر حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں، کہ میں نماز کے اختتام کو اسی کے ذریعہ پہچانتا تھا (یعنی جب لوگ بلند آواز سے ذکر کرتے تھے تو میں جان لیتا تھا کہ نماز ہو چکی ہے)۔ ابن عباسؓ کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام بخاریؒ نے پھر ابن عباسؓ کی اس روایت کو نقل کیا ہے جو یہاں ذکر کی گئی ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر سے مراد مطلق ”ذکر“ ہے۔

لیکن اتنی بات بھی سمجھتے چلے کہ حضرت امام شافعیؒ نے آنحضرت ﷺ کے اس ذکر بالجہر کو تعلیم امت پر محمول کیا ہے چنانچہ بیہقی وغیرہ نے آہستہ آواز سے ذکر کرنے پر صحیحین کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہؓ کو اس بات کا حکم دیا کرتے تھے کہ وہ تحلیل و تکبیر بلند آواز سے نہ کریں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو، وہ (یعنی خدا) تو تمہارے ساتھ ہے اور قریب ہے“

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں ”تکبیر“ سے مراد وہ تکبیر ہے جو نماز کے بعد تسبیح و تحمید کے ساتھ دس مرتبہ یا تیس مرتبہ پڑھتے ہیں۔ کچھ محققین کی رائے ہے کہ ”آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نماز کے بعد ایک بار یا تین بار تکبیر کہی جاتی تھی۔“ بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا تعلق ایام منیٰ سے ہے کہ وہاں تشریق کی تکبیرات کہتے تھے، بہر حال۔ ان تمام اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے بھی سب سے بڑا اشکال حضرت ابن عباسؓ کے اس قول پر یہ وارد ہوتا ہے کہ یہ کیا وجہ ہے کہ ابن عباسؓ سلام سے تو نماز کے اختتام کو نہ جانتے تھے اور تکبیر سے جانتے تھے کہ نماز ہو چکی ہے؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس وقت صغیر السن تھے اس لئے ممکن ہے کہ وہ ہمیشہ جماعت میں شریک نہ ہوتے ہوں گے، یا پھر یہ احتمال ہے کہ وہ جماعت میں شریک تو ہوتے ہوں گے لیکن پچھلی صف میں کھڑے ہوتے ہوں گے اس لئے وہاں تک آنحضرت ﷺ کی آواز نہ پہنچنے کے سبب وہ سلام پر نماز کے اختتام کو نہ پہچانتے ہوں گے بلکہ جب مقتدی باواز بلند تکبیر کہتے ہوں گے تو وہ جان لیتے ہوں گے کہ نماز ختم ہو گئی۔ واللہ اعلم۔

فرض کے بعد آنحضرت ﷺ کے بیٹھنے کی مقدار

② وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُولُ اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكَ تَبَارَكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (رواہ مسلم)

”اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب (فرض نماز کا) سلام پھیر لیتے تھے تو صرف اس دعا کے بقدر بیٹھتے تھے اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكَ تَبَارَكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اسے اللہ اتو سالم ہے (یعنی تمام عیوب سے پاک ہے) اور تجھی سے (بندوں کی تمام آفات سے) سلامتی ہے۔ اسے بزرگی و بخشش والے توہر تر ہے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت عائشہؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے سلام کے بعد آنحضرت ﷺ صرف اسی قدر بیٹھتے تھے کہ یہ دعا پڑھ لیں۔ لیکن جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں جیسے فجر، عصر، ان کے سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ کا اس سے زیادہ بیٹھنا بھی ثابت ہے، چنانچہ اسی بناء پر علماء لکھتے ہیں کہ ان نمازوں کے بعد طلوع آفتاب و غروب آفتاب تک

ذکر میں مشغول رہنا مستحب ہے۔

سلام کے بعد ”نہ بیٹھے“ کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ آپ ﷺ بیت نماز میں صرف اتنی ہی دیر تک بیٹھے رہتے کہ یہ دعا پڑھ لیں یا یہ کہ آپ اکثر و بیشتر صرف اسی قدر بیٹھے تھے۔

یہاں جو دعا ذکر کی گئی ہے اس میں یہ الفاظ بھی پڑھے جاتے ہیں وَاللّٰکَ یَرْجِعُ السَّلَامَ فَحَبِّتَارِبْنَا بِالسَّلَامِ وَادْخُلْنَا ذَا السَّلَامِ حالانکہ یہ الفاظ احادیث سے ثابت نہیں ہیں بلکہ بعد میں ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

(۳) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ اسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَقَالَ اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكَتْ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جو اپنی نماز سے فارغ ہو لیتے تو (پہلے) تین مرتبہ استغفار کرتے اور (پھر) یہ دعا پڑھتے اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكَتْ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ سلام پھیر لیتے تھے تو پہلے تین مرتبہ استغفار کرتے یعنی استغفر اللہ تین مرتبہ کہتے اس کے بعد مذکورہ بالا دعا پڑھتے۔

بعض روایتیں مذکور ہے کہ آپ ﷺ استغفار کے لئے تین مرتبہ اس طرح کہتے تھے اسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَآتُوبُ إِلَيْهِ۔

فرض نماز کے بعد کی دعا

(۴) وَعَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ اللَّهُ الْمَلِكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ لَا مَنَاجِيَ لِمَا أَعْظَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (مسلم علیہ)

”اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ اللَّهُ الْمَلِكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ لَا مَنَاجِيَ لِمَا أَعْظَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو چیز تو نے عطا کی ہے اس کو کوئی روکے والا نہیں۔ اور جس چیز کو تو نے روک دیا ہے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور دولت مند کو اس کی دولت تیرے عذاب سے بچانے والی نہیں ہے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ یہ دعا اور دیگر دعائیں و کلمات اذکار جو مختلف احادیث میں مذکور ہیں نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بعض اوقات تو سلام پھیرنے کے بعد بغیر کچھ پڑھے ہوئے کھڑے ہوتے تھے اور بعض اوقات مذکور دعا و اذکار میں سے کچھ یا سب پڑھا کرتے تھے۔

چونکہ احادیث سے نماز کے بعد پڑھنے کے لئے مختلف دعائیں ثابت ہیں اس لئے بعض علماء نے ان کے پڑھنے کی ترتیب اس طرح قائم کی ہے کہ اول تو استغفار کیا جائے اس کے بعد اللھم انت السلام آخر تک پڑھا جائے پھر اس کے بعد لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ آخر تک پڑھا جائے۔ ان دعاؤں کے علاوہ اور بہت سی دعائیں بھی احادیث میں مذکور ہیں جن کے بارے میں ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ انہیں نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ ”بعد“ سے یہ مراد نہیں کہ یہ دعائیں فرض نماز کے بعد متصلاً ہی پڑھنی چاہئیں بلکہ اگر سنتوں کے بعد بھی یہ

دعائیں پڑھی جائیں گی تو ”نماز کے بعد“ پڑھنا ہی کہلائے گا۔

⑤ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهِ يَقُولُ بِصَوْتِهِ الْأَعْلَى لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ لَهُ الْيُسُودُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الشَّاءُ الْحَسَنُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب اپنی نماز سے سلام پھیرتے تھے تو (سلام کے بعد) بلند آواز سے یہ کلمات پڑھا کرتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ لَهُ الْيُسُودُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الشَّاءُ الْحَسَنُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، گناہوں سے باز رہنے اور عبادت کرنے کی قوت صرف خدا ہی کی مدد سے ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں، خدا ہی کے لئے اس کی بندگی کو خالص کرنے والے ہیں اگرچہ کافرا سے برا سمجھیں۔“ (مسلم)

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ان کلمات دعا کو بھی تعلیم امت کے پیش نظر بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ امام نوویؒ نے کتاب مہذب میں لکھا کہ ”اس دعا کو اور اس کے علاوہ دیگر دعاؤں کو آہستہ آواز سے پڑھنا افضل ہے خواہ امام ہو یا منفرد، ہاں اگر اس بات کی ضرورت ہو کہ کوئی دعا کسی کو سکھانا ہے تو اس کو بلند آواز سے پڑھ لیتا چاہئے، چنانچہ اس دعا کو آنحضرت ﷺ کے بلند آواز سے پڑھنے کو اسی پر محمول کیا گیا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کا مقصد، صحابہؓ کو یہ دعا سکھانا تھا اس لئے آپ ﷺ بلند آواز سے پڑھتے تھے اور جب لوگوں کو دعا یاد ہوگئی تو اسے آہستہ آواز سے پڑھنا ہی افضل ہوا۔

نماز کے بعد کن چیزوں سے پناہ مانگنی چاہئے

⑥ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ كَانَ يُعَلِّمُ بَيْنَهُ هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَالْكِتَابَ وَيَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِمْ ذُبُرَ الصَّلَاةِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجَبَنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت سعدؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو کلمات دعا کے یہ الفاظ سکھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ رحمت عالم ﷺ اپنی نماز کے بعد انہیں الفاظ کے ذریعے پناہ مانگا کرتے تھے۔ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجَبَنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ اے اللہ! میں نامرادی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، بخل سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں، ناکارہ عمر سے تیری پناہ کا خواستگار ہوں۔ اور فتنہ دنیا و عذاب قبر سے (یعنی ان چیزوں سے جو عذاب قبر کا سبب ہیں) تیری پناہ مانگتا ہوں۔“ (بخاری)

تشریح: یہاں ”جبن“ سے مراد ”طاعت کی جرات نہ کرنا“ ہے اور ”بخل“ سے مراد یہ ہے کہ کسی غیر کو مال علم اور خیر خواہی سے فائدہ نہ پہنچایا جائے۔ ”ناکارہ عمر“ کا مطلب یہ ہے کہ انسان زندگی کے اس ایچ پر پہنچ جائے جہاں عقل میں خلل آجاتا ہے اعضا ضعیف ہو جاتے ہیں طاقت و قوت یکسر جواب دے رہتی ہے اور ایسا شخص بالکل اپانچ و معذور ہو کر دین و دنیا کے کاموں کے لئے ناکارہ بن جاتا ہے۔ اسی عمر سے پناہ مانگنی چاہئے۔ کیونکہ انسانی زندگی کا حاصل اور مقصود تو صرف یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا جائے اس کی نعمتوں کا اچھی طرح شکر ادا کیا جاتا رہے اور ظاہر ہے کہ اسی ناکارہ عمر میں کوئی شخص نہ پوری طرح عبادت کر سکتا ہے اور نہ اداء شکر میں مشغول رہ سکتا ہے۔ اس طرح زندگی اور عمر کا جو اصل مقصد ہے وہ فوت ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ناکارہ زندگی سے

چائے۔

نماز کے بعد کی تسبیح اور اس کی فضیلت

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ فُقْرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ اتَّوَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا قَدْ ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالذَّرَجَاتِ الْعُلَى وَالتَّعْنِيمِ الْمُقْبِمِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي وَيُصُومُونَ كَمَا نَصُومُ وَيَصَدَّقُونَ وَلَا تَصَدَّقُ وَيَغْتَفِرُونَ وَلَا تُغْفِقُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَلَا أَعَلِمْتُمْ شَيْئًا تَذَرُكُونَ بِهِ مَنْ سَبَقَكُمْ وَتَسْبِقُونَ بِهِ مَنْ بَعْدَكُمْ وَلَا يَكُونُ أَحَدٌ الْفَضْلَ مِنْكُمْ إِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ تُسَبِّحُونَ وَتُكَبِّرُونَ وَتُحْمَدُونَ ذُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ مَرَّةً قَالَ أَبُو صَالِحٍ فَرَجَعَ فُقْرَاءُ الْمُهَاجِرِينَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا سَمِعَ إِخْوَانَنَا أَهْلَ الْأَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا فَفَعَلُوا مِثْلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَيْسَ قَوْلُ أَبِي صَالِحٍ إِلَى الْآخِرَةِ إِلَّا عِنْدَ مُسْلِمٍ وَفِي الْبُخَارِيِّ تُسَبِّحُونَ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا وَتُحْمَدُونَ عَشْرًا وَتُكَبِّرُونَ عَشْرًا بَدَلُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ لِلْبُخَارِيِّ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن فقراء مہاجرین رحمت عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! دولت مند لوگ بلند درجات (یعنی ثواب، قرب الہی اور رضائے حق) اور دائمی نعمت (یعنی بہشت کی نعمت کو حاصل کرنے میں ہم سے سبقت) لے گئے (یعنی وہ اپنے مال و دولت کی وجہ سے بڑا ثواب حاصل کرتے ہیں اور بہشت کی نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں اور ہم تو اپنی غربت و افلاس کی وجہ سے بلند درجات میں ان سے پیچھے رہ جاتے ہیں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ کیسے؟ انہوں نے عرض کیا وہ اسی طرح نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور وہ اسی طرح روزہ رکھتے ہیں جس طرح ہم رکھتے ہیں (ان اعمال میں تو وہ اور ہم برابر ہیں لیکن مال و زر کی وجہ سے) وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور (غربت و افلاس کی وجہ سے) ہم صدقہ و خیرات کر نہیں سکتے، وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے (اس طرح وہ ان اعمال کے ثواب کے حق دار ہو جاتے ہیں اور ہم محروم رہتے ہیں) (یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”کیا میں تم لوگوں کو ایسی بات نہ بتا دوں کہ اس پر عمل کر کے تم ان لوگوں کے درجات کو پہنچ جاؤ جو تم سے پہلے اسلام لائے ہیں اور ان لوگوں کی مرتبہ سے بڑھ جاؤ جو تمہارے بعد کے ہیں (یعنی تمہارے بعد اسلام لائے ہیں یا تمہارے بعد پیدا ہوں گے) اور (مال دار لوگوں میں سے) کوئی شخص تم سے بہتر نہ ہو گا جہاں اس شخص کے جو ہم ہی جیسا عمل کرے (یعنی اگر مالدار لوگوں نے میری بتائی ہوئی بات پر تمہاری طرح عمل کیا تو پھر مرتبہ کے اعتبار سے وہی تم سے بہتر ہوں گے) فقراء نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! بہتر ہے، فرمائیے (وہ کیا بات ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا ”تم لوگ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ، اکبر اور الحمد للہ تینتیس مرتبہ پڑھ لیا کرو۔“

(حدیث کے ایک راوی) ابو صالح فرماتے ہیں کہ (کچھ دنوں کے بعد فقراء مہاجرین (پھر) آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے دولت مند بھائیوں نے ہمارے عمل کا حال سنا وہ بھی وہی کرنے لگے جو ہم کرتے ہیں (اس طرح پھر وہی لوگ ہم سے افضل ہوئے) آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور روایت کے آخری الفاظ جو ابو صالح کا قول ہے صرف مسلم ہی نے نقل کئے ہیں۔ نیز بخاری کی ایک روایت میں تینتیس مرتبہ پڑھنے کے بجائے یہ ہے کہ ”ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ، اکبر اور الحمد للہ پڑھ لیا کرو۔“

تشریح: پہلی روایت میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ”ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ، اکبر اور الحمد للہ تینتیس مرتبہ پڑھو“ تو اس میں تین احتمال ہیں اول تو یہ کہ ان تینوں کلمات کو مجموعی طور سے تینتیس مرتبہ پڑھا جائے چنانچہ مشائخ کا عمل اسی پر ہے اور دوسری افضل بھی اور یہ کہ اس کی صراحت بھی بعض روایت میں تو موجود ہے۔ سوم یہ کہ ان تینوں کلمات کو ملا کر تینتیس مرتبہ پڑھا جائے، اس طرح ان میں سے ہر

ایک سو بھی تینتیس مرتبہ پڑھنا ہو جائے گا۔

شکر کرنے والا امیر صبر کرنے والے غریب سے افضل ہے: حدیث کے آخری لفظ ذلک فضل اللہ الخ کا مطلب یہ ہے کہ اگر خدا نے دولت مند لوگوں کو تم پر فضیلت دی ہے تو یہ محض اس کا فضل و کرم ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے نواز کر اس کے قدموں میں مال و دولت کے ڈھیر ڈال دیتا ہے لہذا تمہیں چاہئے کہ اس معاملہ میں صبر کا دامن پکڑے رہو اور تقدیر الہی پر راضی رہو کہ اس نے بعض بندوں کو بعض بندوں پر فضیلت و بزرگی عطا فرمادی ہے۔

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ شکر کرنے والا دولت مند صبر کرنے والے غریب سے افضل ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی اتنی بات بھی ہے کہ دولت مند اپنے مال و دولت کے معاملہ میں مختلف قسم کے گناہ کے خوف سے خالی نہیں ہوتا جب کہ فقیر و غریب ان گناہوں کے خوف سے جو مال و دولت کی بناء پر صادر ہوتے ہیں اس میں رہتا ہے۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے چنانچہ حضرت جنیدؒ اور دیگر اکثر اہل اللہ فضیلت فقر کے قائل ہیں اور ابن عطاءؒ کا قول ہے کہ شاکر دولت مند جو دولت کا حق ادا کرتا ہو صابر غریب سے افضل ہے۔

⑧ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَقَّبَاتٌ لَا يَحِثُّ قَائِلُهُنَّ أَوْ قَاعِلُهُنَّ ذُبُرُ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ ثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ تَسْبِيحَةً وَثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ تَحْمِيدَةً وَأَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ تَكْبِيرَةً۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کے چند کلمات ہیں جن کا کہنے والے یا فرمایا کہ کرنے والے (حصول ثواب سے) محروم نہیں رہ سکتا (اور وہ کلمات یہ ہیں) سبحان اللہ تینتیس بار، الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چوبیس بار کہنا۔“ (مسلم)

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللَّهَ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَحَمِدَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَكَبَّرَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ فَلَيْسَ بِكَ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ وَقَالَ تَمَامُ الْمِائَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد سبحان اللہ تینتیس مرتبہ، الحمد للہ تینتیس مرتبہ اور اللہ اکبر تینتیس مرتبہ کہے جن کا مجموعی عدد ننانوے ہو اور سو کے عدد کو پورا کرنے کے لئے ایک مرتبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کہے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر (یعنی بہت زیادہ) ہوں۔“ (مسلم)

تشریح: بعض روایات میں وَلَهُ الْحَمْد کے بعد یحییٰ ویمیت اور بعض میں بیدہ الخیر کے الفاظ بھی منقول ہیں، مذکورہ بالا کلمات جو نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں ان کے مختلف عدد منقول ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ خود بھی انہیں مختلف عدد کے ساتھ پڑھتے تھے اس لئے ان کلمات کو احادیث میں مذکور اعداد میں سے جس عدد کے ساتھ بھی پڑھا جائے گا۔ اصل سنت ادا ہو جائے گی۔ حافظ زین عراقیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام اعداد بہتر ہیں اور جو عدد سب سے بڑا ہے وہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

ان تسبیحات کے ورد کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں ثابت ہے کہ آپ ﷺ انہیں داہنے ہاتھ کی انگلیوں پر پڑھتے تھے اور یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ انہیں انگلیوں پر شمار کرو کیونکہ قیامت کے روز انگلیوں سے (بندہ کے اعمال

ک اس دار القیام میں جتنے اہم پیدا ہوئے وہ قاتی ہیں صحیح اور باقی رہنے والی بات یہی ہے کہ انسانی جدوجہد اور تدابیر تقدیر الہی سے پابست زنجیر ہیں ۱۲۔

کے سلسلہ میں سوال کیا جائے گا اور (جواب کے لئے) انہیں گویائی کی قوت دی جائے گی۔ صحابہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ انہیں سمجھوڑ کی تھلیوں پر پڑھتے تھے۔ بہر حال ان تہنجات کو انگلیوں پر پڑھنا ہی افضل ہے اور تھلیوں وغیرہ پر پڑھنا بھی جائز ہے۔

الفصل الثانی

قبولیت و عاکا وقت

⑩ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْأَخِيرِ وَذُبُرُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوباتِ۔

(رواہ الترمذی)

”حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کس وقت دعا بہت زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا رات کے آخری حصہ میں (یعنی صبح کے وقت) اور فرض نمازوں کے بعد۔“ (ترمذی)

ہر نماز کے بعد معوذات پڑھنے کا حکم

⑪ وَعَنْ عَفِيَّةَ بِنْتِ غَابِرٍ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقْرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ۔

(رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی و ابی یوسف و ابی داؤد و ابی حاتم و ابی نعیم)

”اور حضرت عقیبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذات پڑھوں۔“

(احمد و ابوداؤد و نسائی و ابی یوسف)

تشریح: معوذات قرآن کی ان سورتوں کو کہتے ہیں جن کی ابتداء میں ”عوذ“ کا لفظ ہے یعنی قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ یہاں ان دونوں سورتوں کے لئے ”معوذات“ جمع کا صیغہ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ اقل جمع دو ہیں اور بعض علماء نے کہا ہے کہ قُلْ هُوَ اللَّهُ اور قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ بھی معوذات میں تغلیطاً داخل ہیں یعنی قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ کو امتیاز دے کر سب کو معوذات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان دونوں سورتوں کی ابتداء میں ”عوذ“ کا لفظ نہیں ہے۔ گویا اس قول کے مطابق آپ نے چار سورتوں یعنی قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ، قُلْ هُوَ اللَّهُ اور قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ کے پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

طلوع و غروب آفتاب تک ذکر میں مشغول رہنے کی فضیلت

⑫ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَنْ أَقْعَدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُونَ اللَّهَ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُعْطِيَ أَرْبَعَةٌ مِنْ وَلَدٍ إِسْمَاعِيلَ وَلَآنَ أَقْعَدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُونَ اللَّهَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُعْطِيَ أَرْبَعَةٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسی جماعت کے ساتھ میرا بیٹنا جو نماز فجر سے طلوع آفتاب تک خدا کے ذکر میں مشغول ہو میرے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے اور عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک ایسے لوگوں میں میرا بیٹنا جو خدا کے ذکر میں مشغول ہوں میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں چار غلام آزاد کروں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے آخری الفاظ میں بھی چار غلام سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار غلام ہوں اور یہ بھی

احتمال ہے کہ یہاں چار غلام مطلق مراد ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کی تخصیص آپ ﷺ نے اس لئے کی کہ وہ افضل عرب ہیں اور خود آنحضرت ﷺ ان کی اولاد میں سے ہیں۔

(۱۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللَّهَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ رَكَعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَامَّةٌ تَامَّةٌ تَامَّةٌ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص فجر کی نماز جماعت سے پڑھے اور طلوع آفتاب تک اللہ کی یاد میں مشغول رہے اور پھر دو رکعت نماز پڑھے تو اسے حج و عمرہ کی مانند ثواب ملے گا راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پورے حج و عمرہ کا پورے حج و عمرہ کا پورے حج و عمرہ کا (ثواب اسے ملے گا)۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص فجر کی نماز جماعت سے پڑھ کر اسی مسجد میں اور اسی مصلیٰ پر طلوع آفتاب تک ذکر خداوندی میں مشغول رہے اور پھر اس کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھے تو اسے اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ ایک پورے حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے اور اگر کوئی شخص حالت ذکر میں طواف کے لئے یا طلب علم کے لئے اور یا مسجد ہی میں مجلس وعظ میں جانے کے لئے مصلیٰ سے اٹھایا اسی طرح کوئی شخص وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر چلا آئے مگر ذکر خداوندی میں برابر مشغول بھی رہے تو اسے بھی مذکورہ ثواب ملے گا۔

ذکر سے فارغ ہو کر طلوع آفتاب کے بعد دو رکعت نماز سورج کے ایک نیزہ کے بقدر بلند ہو جانے کے بعد پڑھنی چاہئے تاکہ وقت کراہت ختم ہو جائے اس نماز کو نماز اشراق کہتے ہیں اور اکثر احادیث میں اس کا نام صلوٰۃ النضحیٰ بھی منقول ہے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں جن کے الگ الگ یہ دو نام ہیں۔ اس کا ابتدائی وقت آفتاب کے بلند ہو جانے کے بعد شروع ہو جاتا ہے اور انتہائی وقت سورج ڈھلنے سے پہلے پہلے ہے۔ ابتدائی وقت میں پڑھی جانے والی نماز کو ”نماز اشراق“ کہتے ہیں اور انتہائی وقت میں پڑھی جانے والی نماز ”نماز چاشت“ کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے۔

فرمایا گیا ہے کہ ایسے شخص کو حج و عمرہ دونوں کا ثواب تو فرض نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی بناء پر ملتا ہے اور عمرہ کا ثواب نفل نماز (یعنی نماز اشراق) پڑھنے کی وجہ سے ملتا ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

دو نمازوں کے درمیان وقفہ کرنا چاہئے

(۱۴) وَعَنْ الْأَزْزَقِيِّ بْنِ قَيْسٍ قَالَ صَلَّيْنَا بِإِمَامٍ لَنَا يُكْنَى أَبَا رَمْثَةَ قَالَ صَلَّيْتُ هَذِهِ الصَّلَاةَ أَوْ مِثْلَ هَذِهِ الصَّلَاةِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُومَانِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ عَنْ يَمِينِهِ وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ شَهِدَ التَّكْبِيرَ الْأَوَّلِيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فَصَلَّى نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ حَتَّى رَأَيْنَا بَيَاضَ خَدَّيْهِ ثُمَّ انْقَلَبَ كَأَنَّهُ قَاتِلٌ ابْنِي رَمْثَةَ يَعْنِي نَفْسَهُ فَقَامَ الرَّجُلُ الَّذِي أذْرَكَ مَعَهُ التَّكْبِيرَ الْأَوَّلِيَّ مِنَ الصَّلَاةِ يَشْفَعُ فَوُتِبَ عُمَرُ فَأَخَذَ يَمْنُكَيْهِ فَهَزَّاهُ ثُمَّ قَالَ اجْلِسْ فَإِنَّ لِي بِهَذَا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَتَنَزَّلُ صَلَاتِهِمْ فَصَلَّى فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصْرَهُ فَقَالَ أَصَابَ اللَّهُ بِكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ۔ (رواہ ابو داؤد)

”حضرت ازرق ابن قیس کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہمارے امام نے کہ جن کی کنیت ابو رمثہ تھی ہمیں نماز پڑھائی اور (نماز کے بعد) انہوں نے فرمایا کہ ”میں نے (ایک روز) یہ نماز اس کی مانند نماز رحمت عالم ﷺ کے ہمراہ پڑھی، حضرت ابو رمثہ کہتے تھے کہ (اس نماز میں) حضرت

”اور حضرت زید ابن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ہر نماز کے بعد سبحان اللہ تینتیس مرتبہ الحمد للہ تینتیس مرتبہ اللہ اکبر چونتیس مرتبہ کہیں (حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن) ایک انصاری نے ایک فرشتہ خواب میں دیکھا فرشتہ نے اس انصاری سے کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ تم ہر نماز کے بعد اتنی اتنی تسبیح پڑھو؟ اس انصاری نے کہا کہ ہاں فرشتہ نے کہا کہ ”ان تینوں کلمات (کے پڑھنے کی تعداد پچیس پچیس مقرر کرو اور اس کے ساتھ لا الہ الا اللہ بھی پچیس مرتبہ مقبور کو (تاکہ سو کا عدد پورا ہو جا) جب صبح ہوگی تو انصاری آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے خواب سے آگاہ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس پر عمل کرو۔“ (احمد، نسائی، دارمی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ”اس پر عمل کرو“ کی مراد غالباً یہ ہوگی کہ جس طرح ہمیں تسبیح پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس طرح بھی پڑھو اور جس طرح فرشتہ نے خواب میں بتایا ہے اس طرح بھی پڑھ لیا کرو اور یہ بھی چونکہ ذکر ایک طریقہ ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کی توثیق فرمادی، اگر آنحضرت ﷺ تقریر یعنی توثیق نہ فرماتے تو محض خواب اس سلسلہ میں حجت نہ ہوتا

آیہ الکرسی کی فضیلت

(۱۶) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَعْوَادِ هَذَا الْمِنْبَرِ يَقُولُ مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ فِي ذِكْرِ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُولِ الْجَنَّةِ إِلَّا الْمَوْتُ وَمَنْ قَرَأَهَا حِينَ يَأْخُذُ مَضْجَعَهُ أَمِنَهُ اللَّهُ عَلَى دَارِهِ وَدَارِ جَارِهِ وَأَهْلٍ ذَوِي رَأْيٍ حَوْلَهُ رَوَاهُ التَّبَهِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَقَالَ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ۔

”اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کو کثرتی کے اس منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو شخص ہر نماز کے بعد آیہ الکرسی پڑھتا ہے اسے ہشت میں جانے سے سوائے موت کے اور کوئی چیز نہیں روک سکتی اور جو شخص (آیت الکرسی کو) اپنی خواب گاہ میں جاتے وقت (یعنی سونے کے وقت) پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مکان میں اور اس کے ہمسایہ میں (یعنی جو مکانات اس کے مکان سے ملے ہوئے ہوں) اور اس کے گرد گرد مکانات میں (جو اگرچہ اس کے مکان سے متصل نہ ہوں) امن دیتا ہے“ اس روایت کو تہیقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

تشریح: حدیث کے ابتدائی جملوں سے ایک خلیجان واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ موت دخول جنت سے مانع نہیں ہے بلکہ موت تو خود جنت میں جانے کا ذریعہ ہے لہذا چاہئے تو یہ تھا کہ بجائے اس کے یہ فرمایا جائے کہ لم یمنعه من دخول الجنة الا الموت (یعنی اس کے ہشت میں جانے سے سوائے موت کے اور کوئی چیز نہیں روک سکتی) یہ فرمایا جاتا کہ لم یمنعه من دخول الجنة الا الحیوة (یعنی اس کے ہشت میں جانے سے سوائے حیات کے اور کوئی چیز نہیں روک سکتی، کیونکہ انسان اس دنیا میں حیات کے جال میں پھنسا ہوا ہے جب زندگی ختم ہوگی اور موت آنے لگی جنت میں اس وقت ہی دخول ممکن ہو گا لہذا دخول جنت کی مانع موت نہیں بلکہ حیات ہے۔

اس کا مختصر جواب علامہ طہیسی نے یہ دیا ہے کہ بندہ اور جنت کے درمیان موت ایک پردہ ہے کہ ایک طرف تو حیات ہے، اور دوسری طرف جنت ہے جب یہ پردہ ہٹے گا یعنی بندہ کو موت آنے لگی تو فوراً جنت میں داخل ہو جائے گا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ”میاں“ موت سے مراد بندہ کا قیامت کے روز قبر سے اٹھنے سے پیشتر قبر میں بند رہنا ہے چنانچہ جب بندہ قبر سے اٹھے گا فوراً جنت میں داخل ہو جائے گا۔

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے فضائل اعمال کے سلسلہ میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا جائز ہے حدیث کے پہلے جزو کو نسائی، ابن حبان، اور طبرانی نے بھی نقل کیا ہے ایک روایت میں آیت الکرسی کے ساتھ قل ہو اللہ پڑھنا بھی مذکور ہے۔

نماز فجر و مغرب کے بعد ذکر کی فضیلت

①۷ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ غَنْمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ قَبْلَ أَنْ يَتَصَرَّفَ وَيُتْبِعَ رَجُلَيْهِ مِنْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالصُّبْحِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يَبْدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ كُتِبَ لَهُ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمُحِبِّتٍ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَزُفِعَ لَهُ عَشْرُ ذُرِّيَّاتٍ وَكَانَتْ لَهُ جِزْرًا مِنْ كُلِّ مَكْرُوهٍ وَجِزْرًا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَلَمْ يَحِلَّ لِدُنْبٍ أَنْ يَذْكُرَهُ إِلَّا الشُّرْكَ وَكَانَ مِنْ أَفْضَلِ النَّاسِ عَمَلًا إِلَّا رَجُلًا يَفْضَلُهُ يَقُولُ أَفْضَلُ مِمَّا قَالَ زَوَاهُ أَحْمَدُ وَزَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ عَنْ أَبِي ذَرٍّ إِلَى قَوْلِهِ إِلَّا الشُّرْكَ وَلَمْ يَذْكُرْ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَلَا يَبْدِئُهُ الْخَيْرُ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت عبدالرحمن ابن غنم روای ہیں کہ ”رحمت عالم ﷺ فرماتے تھے ”جو شخص فجر اور مغرب کے بعد (نماز کی) جگہ سے اٹھنے سے پیشتر اور پانچ سوڑنے سے پہلے (یعنی جس طرح التحیات کے لئے بیٹھتا ہے اس بیت کے ساتھ) ان کلمات کو پڑھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يَبْدِئُهُ الْخَيْرُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے واسطے تمام تعریفیں ہیں اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے، وہی (جسے چاہتا ہے) زندہ رکھتا ہے اور جسے چاہتا ہے) موت دے دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے تو اس کے لئے ہر ایک بار کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے دس گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور اس کے (مرتبہ کے) دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں اور یہ کلمات اس کے لئے ہر رسی چیز اور شیطان مردود سے امان کا باعث بن جاتے ہیں (یعنی نہ تو اس پر کسی دینی دنیاوی آفت و بلا کا اثر ہوتا ہے اور نہ مردود شیطان اس پر حاوی ہوتا ہے۔ اور شرک کے علاوہ کوئی گناہ (توفیق استغفار اور رحمت پروردگار کی وجہ سے) اسے ہلاکت میں نہیں ڈالتا) یعنی اگر شرک میں مبتلا ہو جائے گا تو پھر اس عظیم عمل کی وجہ سے بھی بخشش نہیں ہوگی) اور وہ شخص عمل کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے بہتر ہو گا سوائے اس شخص کے جو اس سے زیادہ افضل عمل کرے گا (یعنی یہ اس شخص سے تو افضل نہیں ہو سکتا جس نے یہ کلمات) اس سے زیادہ کہے ہوں۔“ (اجما) اس روایت کو امام ترمذی نے بھی ابووزر سے صرف الا شرک تک نقل کی ہے نیز ان کی روایت میں صلوة المغرب اور بیدہ الخیر کے الفاظ بھی منقول نہیں ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

نماز فجر کے بعد ذکر کی فضیلت

①۸ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ مِمَّا رَأَيْنَا بَعْثًا أَسْرَعَ رَجْعَةً وَلَا أَفْضَلَ غَنِيمَةً مِنْ هَذَا الْبَعْثِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ أَذْلكُمْ عَلَى قَوْمٍ أَفْضَلُ غَنِيمَةً وَأَفْضَلُ رَجْعَةً قَوْمًا شَهِدُوا صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ جَلَسُوا يَذْكُرُونَ اللَّهَ حَتَّى ظَلَمَتِ الشَّمْسُ فَأُولَئِكَ أَسْرَعُ رَجْعَةً وَأَفْضَلُ غَنِيمَةً زَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَحَمَّادُ بْنُ أَبِي حَفْصَةَ الرَّائِي هُوَ ضَعِيفٌ فِي الْحَدِيثِ۔

”اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ (ایک موقع) رحمت عالم ﷺ نے ایک لشکر نجد کی طرف بھیجا چنانچہ وہ لشکر فتح و کامیابی کے بعد بہت زیادہ مال غنیمت لے کر بہت جلد (عینہ) واپس لوٹ آیا، ہم میں سے ایک شخص نے جو لشکر کے ساتھ نہیں گیا تھا کہا کہ ”ہم نے تو ایسا کوئی لشکر نہیں دیکھا جو اس لشکر کی طرح اتنی جلدی واپس آیا ہو اور اپنے ساتھ اتنا مال غنیمت بھی لایا ہو! (یہ سن کر) سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ”کیا میں تمہیں ایک ایسی جماعت کے بارے میں نہ بتاؤں جو مال غنیمت میں اور جلد واپسی میں اس لشکر سے بھی بڑھی ہوئی ہے (تو سنو) وہ جماعت وہ ہے جو فجر کی نماز (کی جماعت) میں حاضر ہوئی ہو اور پھر سورج نکلنے تک بیٹھی ہوئی خدا کا ذکر کرتی رہی ہو،

یہی وہ لوگ ہیں جو جلد واپس آنے اور مال غنیمت لانے میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ (یہ روایت ترمذیؒ نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی حماد ابن ابو حیدہ ضعیف ہیں)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس لشکر کے لوگوں کو صرف دنیا کی دولت ملی جو فانی ہے اور اس جماعت کے لوگوں کو تھوڑی سی دیر میں بہت زیادہ ثواب ملا جو باقی رہنے والا ہے جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ

”جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے اور جو کچھ اللہ جل شانہ کے پاس ہے وہ باقی ہے۔“

لہذا اس جماعت کے لوگ نہ صرف یہ کہ مال غنیمت کے اعتبار سے اس لشکر کے لوگوں سے افضل ثابت ہوئے بلکہ جلد واپس لوٹنے میں بھی ان سے بڑھے رہے۔

بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ وَمَا يَبَاحُ مِنْهُ

نماز میں جائز اور ناجائز چیزوں کا بیان

اس باب میں ان چیزوں کا ذکر کیا جائے گا جن کو نماز میں اختیار کرنا جائز ہے نیز ایسی چیزوں کو بھی ذکر کیا جائے گا جن کو نماز میں اختیار کرنا حرام، مکروہ اور مباح ہے اور جن سے نماز پر کسی بھی حیثیت سے اثر پڑتا ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

نماز میں چھینک کے جواب میں یہ حکم اللہ کہنا مفید نماز ہے

① عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ بِرَحْمَتِكَ اللَّهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَانْكِلَ آيَاتُهُ مَا شَأْنُكُمْ تَنْظُرُونَ إِلَيَّ لِمَ جَعَلُوا يَضْرِبُونَ بِأَيْدِيهِمْ عَلَى أَعْيُنِهِمْ فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَيِّرُونَنِي لَكِنِّي عَنَيْتُ فَلَمَّا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيَامِي هُوَ وَأُمِّي مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ فَوَاللَّهِ مَا كَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَمَنَنِي قَالَ إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةُ لَا يَصْلَحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ إِنَّمَا هِيَ الشَّيْخُ وَالْكَبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي حَدِيثٌ عَلَيْهِمْ بِجَاهِلِيَّةٍ وَقَدْ جَاءَنَا اللَّهُ بِالْإِسْلَامِ وَإِنْ مَنَّا رَجُلًا يَأْتُونَ الْكُفَّانَ قَالَ فَلَا تَأْتِيهِمْ قُلْتُ وَمَنَّا رَجُلًا يَنْظُرُونَ قَالَ ذَلِكَ شَيْءٌ يَجِدُونَهُ فِي صَلَواتِهِمْ فَلَا يَصُدُّهُمْ قَالَ قُلْتُ وَمَنَّا رَجُلًا يَخْطُونَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخْطُ فَمَنْ وَافَقَ خَطُّهُ فَذَلِكَ رِوَاةٌ مُسْلِمٌ قَوْلُهُ لَكِنِّي سَكْتُ هَكَذَا وَجَدْتُ فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ وَكِتَابِ الْحَمِيدِيِّ وَصَحِيحِ فِي جَمَاعِ الْأَصُولِ بِلَفْظِهِ كَذَا فَوَقَّ لَكِنِّي۔

”حضرت معاویہؓ ابن حکم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ کے ہمراہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ (درمیان نماز) اچانک جماعت میں سے ایک شخص کو چھینک آگئی میں نے جواب میں اے حکم اللہ کہا (یہ سن کر) لوگوں نے مجھ کو گھورنا شروع کیا (کہ نماز میں چھینک کا جواب دیتے ہو) میں نے کہا کہ ”تمہاری ماں تمہیں تم کر دے تم لوگ مجھے کیوں گھور رہے ہو لوگوں نے (سیری گفتگو سن کر مجھے چپ کرانے اور اظہار تعجب کے لئے) اپنی زبانوں پر اپنے ہاتھ مارنے شروع کئے (جب) میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں (تو

مجھے بہت غصہ آیا کیونکہ مجھے اپنے اس فعل کی برائی کا علم نہ تھا لیکن میں خاموش رہا جب نبی کریم ﷺ نماز پڑھا چکے (تو کیا کہوں) میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان میں نے تو ایسا اچھا تعلیم دینے والا نہ آپ ﷺ سے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھا خدا کی قسم! نہ تو آپ ﷺ نے مجھے ڈانٹا نہ مارا، اور نہ برا بھلا کہا۔ (ہاں اتنا) فرمایا کہ ”نماز میں انسان کی بات مناسب نہیں ہے، نماز تو تسبیح و تکبیر اور قرآن پڑھنے کا نام ہے“ یا آپ نے اس کے مانند کچھ اور فرمایا (یعنی راوی کو شک ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہی الفاظ فرمائے تھے یا اس کے مانند دوسرے الفاظ تھے میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک نو مسلم ہوں! ابھی تک دین کے تمام احکام مجھے معلوم نہیں تھے ہاں (اب) خدا نے ہمیں اسلام کی دولت سے مشرف فرمایا ہے، (تو دین کے تمام احکام سیکھ لوں گا پھر میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے بہت لوگ کانہوں کے پاس جاتے ہیں (اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟) فرمایا ”تم ان کے پاس ہرگز نہ جایا کرو“ میں نے عرض کیا ہم میں سے بہت لوگ بد فحالی (بھی) لیتے ہیں۔ فرمایا ”یہ ایک ایسی چیز ہے جسے وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں (یعنی بیان کا محض وہم اور ذہن کی اختراع ہے جو کاموں کے نفع و نقصان میں کوئی اثر نہیں رکھتا) انہیں اپنے کام سے رکنا نہیں چاہئے معاویہؓ کہتے ہیں میں نے پھر عرض کیا ”ہم میں سے بعض لوگ خط کھینچتے ہیں اور اس کے ذریعہ وہ غیب کی کچھ باتیں بتاتے ہیں (فرمایا انبیاء میں سے ایک نبی تھے جو خط کھینچتے تھے لہذا جس شخص کا خط کھینچنا اس نبی کے خط کھینچنے کے موافق ہو وہ اس بات کو حاصل کر لیتا ہے۔“ (مسلم) مؤلف مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ لکھنی مسکت کو صحیح مسلم اور کتاب جمیدی میں اسی طرح دیکھا ہے (البتہ) صاحب جامع الاصول نے لفظ ”لکھنی“ کے اوپر لفظ ”لکھا“ لکھ کر اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تشریح: وَانْكَلْ اَمِيَّاهُ (یعنی تمہاری ماں تمہیں گم کرے) ان الفاظ کی تشریح پہلے بھی کسی موقع پر کی جا چکی ہے چنانچہ وہاں بتایا جا چکا ہے کہ اہل عرب کے یہاں یہ الفاظ ایسے موقع پر استعمال کئے جاتے تھے جب کہ مخاطب کی کوئی بات یا اس کا کوئی فعل قابلِ تعجب ہوتا تھا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں جھینکنے والے نے الحمد للہ کہا ہو گا اس کے جواب میں حضرت معاویہؓ نے یہ حسمک اللہ کہا۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں جھینکنے کے جواب میں یہ حسمک اللہ کہنا حرام ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اب اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے ایک مفید نماز فعل کا ارتکاب کیا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم کیوں نہیں دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ نو مسلم تھے اسلام قبول کئے ہوئے انہیں زیادہ دن نہیں گزرے تھے اس لئے انہیں معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ نماز میں گفتگو کرنا منسوخ ہو چکا ہے اب گفتگو کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس کی ناواقفیت کی بناء پر انہیں نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ”اگر کوئی شخص نماز میں یہ حسمک اللہ کہے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں دوسرے شخص کو خطاب کرنا پایا جاتا ہے اور اگر کوئی ”یرحمہ اللہ“ کہے تو نماز اس کی باطل نہیں ہوتی حضرت ابن ہمامؒ کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے نفس کے لئے یہ حسمک اللہ کہے تو نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ یہ حسمی اللہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

ارشاد نبوت: اِنَّ هَذِهِ الصَّلٰوةَ لَا تَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ (نماز میں انسان کی بات مناسب نہیں ہے) میں ”کلام الناس“ اس لئے فرمایا گیا ہے تاکہ اس حکم سے وہ تسمیحات و اذکار نفل جائیں جو نماز میں پڑھے جاتے ہیں جو اگرچہ انسان کا کلام ہی ہیں لیکن ان سے انسانوں کو خطاب کرنے یا ان کو سمجھانے کا ارادہ نہیں ہوتا لہذا یہاں ”کلام الناس“ (انسان کی بات) سے مراد وہ کلام ہے جس میں لوگوں کو خطاب کیا گیا ہو یا خود مخاطب بننے کا ارادہ ہو۔

فقہاء لکھتے ہیں کہ ”اگر کوئی شخص کسی نمازی سے حالت نماز میں پوچھے کہ ”تمہارے پاس کیا اور کسی قسم کا مال ہے؟“ اور وہ نمازی جواب میں یہ آیت پڑھے اَلْحَيْلُ وَالْبَغَالُ وَالْحَمِيْزُ (گھوڑے، خیر اور گدھے) یا کسی نماز پڑھنے والے کے آگے کوئی کتاب رکھی ہو اور

ایک شخص بچی نامی سامنے کھڑا ہوا، اور وہ اس شخص کو خطاب کرنے کی نیت سے یہ آیت پڑھے یٰحٰمِیْ خُذِ الْکِتٰبَ (اے بچی یہ کتاب لے لو) تو ان صورتوں میں نمازی نے اگرچہ قرآن کی آیتیں پڑھی ہیں لیکن یہ پڑھنا چونکہ ایک دوسرے شخص کو خطاب کرنے کے ارادہ سے ہے اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔ ہاں اگر خطاب کا ارادہ نہ کرے بلکہ قرات کے ارادہ سے پڑھے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

کاہن کی تعریف: عرب میں کاہن ان لوگوں کو کہتے ہیں جو جنات، شیاطین اور ارواح خبیثہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، اور شیاطین جھوٹ سچ خبریں ان کو بتاتے تھے، اس طرح وہ لوگ علم غیب کا دعویٰ کر کے شیاطین و جنات کی پہنچائی ہوئی انہی باتوں کو غیب کی بات کہہ کر دوسرے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ ایسے لوگوں کے پاس جانے سے آنحضرت ﷺ نے روکا ہے چنانچہ ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جو شخص کسی عراف یا کاہن کے پاس جائے اور ان کی بتائی ہوئی باتوں کو سچ جانے تو اس نے بیشک محمد ﷺ پر اتاری گئی چیز (یعنی قرآن) سے کفر کیا۔“ اس روایت کو امام احمد نے حضرت ابو ہریرہؓ کی صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

عراف کسے کہتے ہیں: کاہن کی تعریف تو معلوم ہوگئی، اب یہ بھی جان لیجئے عراف کسے کہتے ہیں۔ عراف اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی عمل یا جادو و منتر کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت بیان کرتا ہے، چوری کی چیزوں کا پتہ بتاتا ہے اور مکان کی کسی گم شدہ چیز کا حال بتاتا ہے ان کے پاس بھی جانے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

عمل رمل: جس طرح جنات و شیاطین کے ذریعہ یا علم نجوم کے ذریعہ غیب کی باتوں کا پتہ لگانے کی کچھ لوگ کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح رمل کے ذریعہ بھی کچھ لوگ غیب کی باتوں تک پہنچنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ رمل اس علم کا نام ہے جس میں خطوط کھینچ کر اور ان کے ذریعہ حساب لگا کر پوشیدہ باتوں کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حدیث کے الفاظ سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رمل کے بارے میں ایک ایسا کلیہ بیان فرما دیا ہے جس سے کسی نہ کسی حد تک علم رمل کا جواز نکلتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ وہ نبی جو علم رمل جانتے تھے اور خط کھینچتے تھے حضرت ادریسؑ یا حضرت دانیالؑ تھے اس کے بعد حدیث کی طرف آئیے، آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے علم رمل کا جواز معلوم نہیں ہوتا کیونکہ بقول خطائیؒ یہاں آنحضرت ﷺ نے تعلق بالحال کی ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ اَزْوَاجًا زُجْرًا فَمَا یَہِیْے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے کا خط کھینچنا اس نبیؑ کے خط کھینچنے کے موافق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو ان نبی کا معجزہ تھا اور معجزہ صرف نبی کی ذات تک محدود رہتا ہے اور پھر یہ کہ اگر کوئی شخص خط کھینچے اور کہے کہ یہ اس نبی کے خط کھینچنے کے موافق ہے تو یہ غلط ہوگا۔ اس لئے کہ خط کی موافقت صحیح طور سے تو اترا یا نص سے ثابت ہو سکتی ہے جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہو۔ جب کہ آنحضرت ﷺ سے یہ منقول نہیں۔ لہذا ارشاد نبوت سے حاصل یہ نکلا کہ جب کسی رمال (علم رمل جاننے والا) اور اس نبی کے خط میں موافقت نہیں ہو سکتی عمل رمل کو اختیار کرنا بھی درست نہیں۔

اسی طرح کے دو اور سلسلے ہیں ان کا مدار حساب پر ہے جنہیں اصطلاحی طور پر عمل تکبیر اور عمل تخریج سے موسوم کیا جاتا ہے ان کے بارے میں بھی محققین علماء اور مشائخ کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ اعمال بھی شرعاً جائز نہیں ہیں اور ان کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ آخر عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ”کذا“ علامت صحت ہے یعنی اگر یہ ضرورت محسوس ہو کہ عبارت میں کسی ایسے لفظ پر کہ جس کے بارے میں عدم صحت کا گمان ہو گیا ہے کوئی ایسی علامت لگا دی جائے جس کے ذریعہ سے اس لفظ کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو اس موقع پر اس لفظ پر کذا لکھ دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ اسی طرح صحیح ہے، چونکہ اس حدیث کا لفظ ”لکنی“ اصول میں ہے، مگر مصباح میں نہیں ہے، اس صورت میں یہ ممکن تھا کہ اس لفظ کے عدم صحت کا گمان ہو جاتا۔ اس لئے صاحب جامع الاصول نے اس لفظ پر کذا لکھ کر اس بات کی تصحیح کر دی ہے کہ یہ لفظ اصول میں یوں ہی ہے اور یہ صحیح ہے۔

نماز میں سلام کا جواب دینا حرام ہے

② وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَزِدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَزِدْ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فِي الصَّلَاةِ فَيَزِدُّ عَلَيْنَا فَقَالَ إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُعْلًا - (بخاری علیہ)

”اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونینؐ نماز میں ہوتے اور ہم آپؐ کو سلام کرتے تو آپؐ ہمارے سلام کا جواب دیتے تھے پھر کچھ دنوں کے بعد جب ہم نجاشی کے یہاں سے واپس آئے اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپؐ نماز پڑھ رہے تھے (حسب معمول) ہم نے آپؐ کو سلام کیا آپؐ نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا جب آپؐ نماز پڑھ چکے تو ہم نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ہم آپؐ کو نماز میں سلام کرتے تھے آپؐ جواب دیتے تھے آج آپؐ نے جواب کیوں نہیں دیا؟“ آنحضرتؐ نے فرمایا نماز خود ایک بڑا شعلہ ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت ملک حبشہ کا بادشاہ ایک عیسائی تھا جس کا لقب نجاشی تھا چونکہ یہ ایک عالم تھا اس لئے جب توریت و انجیل کے ذریعہ آنحضرتؐ کے نبی برحق ہونا معلوم ہوا تو وہ آنحضرتؐ کی رسالت پر ایمان لا کر خدا کے اطاعت گزار بندوں میں شامل ہو گئے، جب وہ میں ان کا انتقال ہوا تو آنحضرتؐ کو بہت افسوس ہوا اور آپؐ نے صحابہ کرام کے ہمراہ کھڑے ہو کر ان کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھی۔

چونکہ انہیں آنحضرتؐ سے بہت زیادہ عقیدت تھی اس لئے جب مسلمان مکہ میں کفار کے ہاتھوں بڑی اذیت ناک تکالیف میں مبتلا ہو گئے اور ان کی جانوں کے لئے پڑ گئے تو اکثر صحابہؓ آنحضرتؐ کے ایماء پر ان کے ملک کو ہجرت کر گئے انہوں نے اپنے ملک میں صحابہؓ کی آمد کو اپنے لئے دین و دنیا کی بہت بڑی سعادت سمجھ کر صحابہؓ کی بہت زیادہ خدمت کی اور ان کے ساتھ بہت زیادہ حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے بعد میں جب صحابہؓ کو علم ہو گیا کہ آنحضرتؐ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے جا چکے ہیں تو وہ بھی مدینہ چلے آئے۔

چنانچہ اسی وقت کا واقعہ حضرت ابن مسعودؓ بیان فرما رہے ہیں کہ حبشہ سے واپس آنے والے قافلہ میں میں بھی شریک تھا جب ہم لوگ مدینہ پہنچ کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرتؐ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے ہم نے حسب معمول آپؐ کو سلام کیا مگر آپؐ نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے ہمارے استفسار پر فرمایا کہ نماز خود ایک بہت بڑا شعلہ ہے یعنی نماز میں قرآن و تسبیحات اور دعا و مناجات پڑھنے کا شغل ہی اتنی اہمیت و عظمت کا حامل ہے کہ ایسی صورت میں کسی دوسرے شخص سے سلام و کلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے یا یہ کہ نمازی کا فرض ہے کہ نماز میں پورے انتہاک کے ساتھ مشغول رہے اور جو کچھ نماز میں پڑھے اس پر غور کرے اور نماز کے سوا کسی دوسری جانب خیال کو متوجہ نہ ہونے دے اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں کسی کے سلام کا جواب دینا کسی سے گفتگو کرنا حرام ہے کیونکہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

سریا باتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دینا مفسد نماز نہیں: شرح فیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی کسی کے سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دے یا اسی طرح کوئی شخص نمازی سے کسی چیز کو طلب کرے اور وہ سریا باتھوں سے ہاں یا نہیں اشارہ کرے تو اس کی نماز فاسد تو نہیں البتہ مکروہ ہو جائے گی۔

نماز میں زمین کو برابر کرنے کا مسئلہ

③ وَعَنْ مُعَيْقِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي الثَّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ قَالَ إِنْ كُنْتَ فَاعِلًا

فَوَاحِلَةٌ (متفق علیہ)

”اور حضرت معقیب سرور کونین رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں روایت کرتے ہیں جس نے اپنے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ (نماز میں) سجدہ کی جگہ سے مٹی برابر کرتا ہوں اس کا کیا حکم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم برابر کرنا ضروری سمجھو تو صرف ایک مرتبہ ایسا کر لیا کرو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: شرح غیبہ میں لکھا ہے کہ حالت نماز میں سجدہ کی جگہ سے کنکر وغیرہ ہٹانا یا زمین برابر کرنا مکروہ ہے ہاں اگر صورت یہ ہو کہ سجدہ کی جگہ سے کنکر ہٹائے بغیر تشیب و فرازی وجہ سے زمین برابر کئے بغیر اس جگہ سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو ہاں سے کنکر ہٹالیا جائے یا زمین برابر کر لی جائے مگر ایسا صرف ایک مرتبہ یا زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ کیا جاسکتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔

نماز میں خصر ممنوع ہے

(۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَصْرِ فِي الصَّلَاةِ۔

(متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں خصر (کوکہ پر ہاتھ رکھنے) سے منع فرمایا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس روایت میں لفظ خصر ہے بعض روایتوں میں نہیں عن الاختصار اور أن يَضَلِّي مختصراً کے الفاظ بھی مقول ہیں۔

خصر کی تعریف: لغت میں خصر انسان کی کمر اور کوکہ کو کہتے ہیں، علماء کے یہاں ”خصر و اختصار“ کی تعریف ”کمر یا کوکہ پر ہاتھ رکھنا“ کی جاتی ہے حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں کوئی شخص اپنی کوکہ یعنی پہلو پر ہاتھ رکھ کر کھڑا نہ ہو۔

نماز میں خصر ممنوع کیوں ہے: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نماز میں کوکہ پر ہاتھ رکھنے سے منع کیوں فرمایا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اس کی مختلف وجوہ ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا سماجی حیثیت سے کوئی اچھی بات نہیں سمجھی جاتی جاننے والے جانتے ہیں کہ اکثر و بیشتر کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونا چلتا دنیا کے ان بد نصیب لوگوں کا شیوہ ہے جنہیں دنیا و سماج کے ہر طبقہ میں انتہائی ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے یعنی ”ٹرننخرے اور بیچڑے“

اس کے علاوہ ایک دوسری حدیث میں صراحت کے ساتھ اس کی توجیہ یہ فرمائی گئی ہے کہ اختصار اہل نار کی حالت آرام کا ایک ذریعہ ہے جس کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ قیامت کے روز میدان حشر میں جب تمام لوگ حساب کتاب کے انتظار میں کھڑے ہوں گے تو اس وقت کثرت مشقت اور تعب کی وجہ سے وہ لوگ جن کے حصہ میں دوزخ کی آگ ہوگی اپنی کوکہ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوں گے تاکہ اس طرح کچھ دیر کے لئے آرام مل جائے جیسا کہ عام طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص ایک طویل عرصہ تک کھڑا کھڑا تھک جاتا ہے تو ایک ٹانگ پر پورے بدن کا بوجھ ڈال کر اور کوکہ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے یا یہ کہ اس حدیث میں اہل نار سے مراد یہودی ہیں کہ ان کی عادت اچھی کھڑے ہونے کی ہے۔

تیسری توجیہ ایک روایت کی روشنی میں یہ ہے کہ جس وقت شیطان مردود کو زمین پر اتار آگیا اور اسے ملعون قرار دیا گیا اس وقت وہ اپنی کوکہ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا تھا۔

لہذا ان تمام توجیہات کو پیش نظر کوکہ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونا چونکہ اہل نار اور شیطان ملعون کی صفت ہے اس لئے ان کی مشابہت

حضرت معقیب سعید ابن ابوالعاصم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ انہوں نے ہر نبوت کو بوسہ دیا تھا۔ بیت المال کی خدمت پر مامور رہے ۳۰۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے نہ ہوں نہی عن الخصر کا صحیح مطلب اور تشریح جو صحابہؓ اور علماء سلف سے منقول ہیں مذکورہ بالا ہے لیکن بعض حضرات نے اس حدیث کی تشریح یہ بھی کی ہے کہ خصر (مختصرہ) کے معنی میں ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں عصا پر ٹیک لگا کر کھڑا نہ ہونا چاہئے اس کے علاوہ دیگر تشریحات بھی کی گئی ہیں مگر جیسا کہ بتایا گیا ہے صحیح تشریح اور توضیح وہی ہے جو پہلے ذکر کی گئی۔ (اشعۃ المعانی)

نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے

⑤ وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْإِنْفَابِ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ هُوَ اخْتِلَافُ يَخْتَلِئُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سرور کوئین ﷺ سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا کہ آیا یہ مفید نماز ہے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اچک لینا ہے کہ شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص نماز میں پوری توجہ اور پورے آداب کیساتھ ہمیشہ کھڑا رہتا بلکہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو شیطان مردود ایسے نمازی کی نماز کے کمال کو اچک لیتا ہے یعنی اس طرح نماز کا کمال باقی نہیں رہتا یہاں ادھر ادھر دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ نماز میں کوئی شخص گردن گھما کر ادھر ادھر اس طرح دیکھے کہ منہ قبلہ کی طرف سے پھر جائے تو اس کا مسئلہ یہ ہے کہ ایسے شخص کی نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص نماز میں ادھر ادھر اس طرح دیکھے کہ منہ کے ساتھ ساتھ سینہ بھی قبلہ کی طرف سے بالکل پھر جائے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھنے سے نہ تو نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ مکروہ ہوتی ہے البتہ یہ بھی خلاف اولیٰ ہے۔

نماز میں دعا کے وقت نگاہ آسمان کی طرف نہ اٹھانی چاہئے

⑥ وَ عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِهِمْ أَبْصَارَهُمْ عِنْدَ الدُّعَاءِ فِي الصَّلَاةِ إِلَى السَّمَاءِ أَوْ لَتَخَطِفَنَّ أَبْصَارَهُمْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کوئین ﷺ نے فرمایا۔ لوگ نماز میں دعا کے وقت اپنی نگاہوں کو آسمان کی طرف اٹھانے سے باز رہیں ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔“ (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے اذراہ زجر یہ فرمایا ہے کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ نماز میں دعا مانگنے کے وقت اپنی نگاہوں کو آسمان کی طرف نہ اٹھائیں ورنہ ان کی بینائی چھن لی جائے گی۔

اس سلسلہ میں یہ مسئلہ ہے کہ یوں تو نماز میں مطلقاً اور خاص طور پر دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانی مکروہ ہے کیونکہ اس طرح اس بات کا وہم پیدا ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسمان میں مکان متعین ہے کہ وہ صرف آسمان ہی پر موجود ہے حالانکہ وہ مکانیت سے پاک ہے وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔

نماز کے علاوہ دوسرے مواقع پر آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے کے بارے میں اختلاف ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ بھی مکروہ ہے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جائز ہے مگر صحیح یہ ہے کہ نماز کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی دعا کے وقت نگاہ اوپر نہ اٹھانی چاہئے۔

ایک روایت میں منقول ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نماز میں اپنی نظر مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے مگر جب یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ تو آنحضرت ﷺ اپنی نگاہ مبارک نیچے رکھنے لگے۔

آنحضرت کا اپنی نواہی کو نماز میں کاندھے پر بٹھانا

④ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّاسِ وَأَمَامَهُ بَنْتُ أَبِي الْعَاصِ عَلَى عَاتِكِهِ فَإِذَا رُكِعَ وَضَعَهَا وَإِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُودِ أَعَادَهَا۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ سرور کونین ﷺ (ایک روز) لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے (اور آپ ﷺ کی نواہی) امامہ بنت ابوالعاص آپ ﷺ کے مبارک کاندھے پر بیٹھی تھیں جب آپ ﷺ رکوع کرتے امامہ کو (اشارہ سے نیچے) بٹھا دیتے اور جب سجدے سے اٹھتے تو ان کو اپنے کاندھے پر بٹھا لیتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ابوالعاصؓ سرکارِ دو عالم ﷺ کے داماد تھے جن کی شادی آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ سے ہوئی تھی انہیں کی بیٹی کا نام امامہ تھا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب: یہاں یہ ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ نماز میں آنحضرت ﷺ کا امامہ کو اٹھانا اور نیچے بٹھانا اور پھر اٹھانا کر کاندھے پر رکھنا فعل کثیر ہوا اور اگر فعل کثیر نہ بھی ہو تو قلیل فعل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اس لئے حالت نماز میں یہ فعل مکروہ ضرور تھا لہذا ابھجہ میں نہیں آتا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟

خطابیؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ کا امامہ کو اٹھانا اور بٹھانا تصدقہ تھا چونکہ امامہ حضرت ﷺ سے بہت زیادہ مانوس تھیں اور آپ ﷺ کے مبارک کاندھے پر چڑھ کر بیٹھ جاتی تھیں اور پھر رکوع کے وقت کاندھے سے گر پڑتی تھیں گویا اس طرح آنحضرت ﷺ انہیں اتارتے تھے لہذا ان کو کاندھے سے اتارنا یا کاندھے پر بٹھانا آنحضرت ﷺ کا فعل نہیں ہوا بلکہ اس فعل کی نسبت آپ ﷺ کی طرف مجاز کر دی گئی اس توجہ کے پیش نظر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ فعل کثیر تھا کیونکہ فعل کثیر تو اس فعل کو کہتے ہیں جو پے در پے کیا جائے اور یہاں پے در پے نہیں پایا جاتا۔

ایک توجہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ عمل اس وقت کا ہے جب نماز میں فعل کثیر حرام نہیں ہوا تھا یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا۔

نماز میں جمائی کے وقت منہ بند کر لینا چاہئے

⑧ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَنَاءَبَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَكْظُمْ مَا اسْتَظْغَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِي رَوَايَةٍ لِلْبَيْهَقِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَحُضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ إِذَا تَنَاءَبَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَكْظُمْ مَا اسْتَظْغَ وَلَا يَقُلْ هَا فَإِنَّمَا ذَا الْكُفْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ يَصْخُلُ مِنْهُ)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو اسے چاہئے کہ وہ حتی الامکان اسے روکے کیونکہ جمائی کے وقت شیطان (منہ میں) گھس جاتا ہے۔“ (مسلم)

اور بخاری کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ”جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو حتی الامکان اسے روکنا چاہئے اور ”با“ نہ کہے (جیسا کہ جمائی کے وقت بے اختیار منہ سے یہ لفظ نکل جاتا ہے) اس لئے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور وہ اس سے بڑبا ہے۔

تشریح: پیٹ بھرنے کو اس کی کدورت اور بدن کے قفل لگی وجہ سے جمائی آتی ہے اور یہ عبادت میں کسل و سستی کا باعث بنتی ہے اس لئے اس کی نسبت شیطان کی طرف فرمائی گئی ہے کہ جمائی لیتے وقت شیطان منہ میں گھس جاتا ہے یعنی ایسی حالت میں اس کے لئے نماز کو

سہل فعل کثیر وہ ہے جو بار بار کیا جائے اور خصوصاً دونوں ہاتھوں سے کیا جائے۔

بہکانے اور عبادت سے روکنے کا موقع بہت اچھی طرح میسر آتا ہے اور اس کے ہٹنے سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی حالت میں نمازی کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ اس سے عبادت میں کسل اور سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو شیطان کا عین منشا ہے۔

لہذا فرمایا گیا ہے کہ نماز میں جب کسی کو جمائی آئے تو اسے چاہئے کہ حتی الامکان جمائی کو روکے اور ایسی صورت میں منہ بند کرے اور منہ بند کرنے کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ ہونٹ بھیج لئے جائیں اور نچلا ہونٹ دانتوں میں پکڑ لیا جائے یا جب جمائی آئے تو بائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھ لی جائے۔

بعض فرماتے ہیں کہ جمائی روکنے کی سب سے بہتر ترکیب یہ ہے کہ جب جمائی آئے تو فوراً دل میں یہ خیال پیدا کر لینا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کو کبھی جمائی نہیں آئی۔ محض اس خیال سے جمائی رک جائے گی کہا جاتا ہے کہ یہ طریقہ مجرب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جن کے ساتھ ایک واقعہ

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ عَفْرِيثًا مِنَ الْجِنَّ تَقْلَبُ النَّبَاحَةَ لِيَقْطَعَ عَلَى صَلَاتِي فَأُمْكِنَنِي اللَّهُ مِنْهُ فَأَخَذْتُ فَأَزَدْتُ أَنْ أَرْبِطَهُ عَلَى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتَّى تَنْظُرُوا إِلَيْهِ كُلَّكُمْ فَلَمَّا كُنْتُ دَعْوَةً أَجْبَى سُلَيْمَانَ زَبَّ هَبْ لِي مَلِكًا لَا يَنْتَهِي لِأَخِي مِنْ بَغْدِي فَرَدَّ اللَّهُ خَابِسًا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ نے فرمایا آج رات جنوں میں ایک دیوانہ یعنی ایک سرکش شیطان بچھٹ کر میرے پاس آیا تاکہ میری نماز میں غلطی ڈالے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر حاوی کر دیا چنانچہ میں نے اسے پکڑ لیا اور چاہا کہ مسجد (نبوی) کے ستونوں میں سے کسی ستون سے اسے باندھ دوں تاکہ تم سب لوگ اسے دیکھ لو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آئی زَبَّ هَبْ لِي مَلِكًا لَا يَنْتَهِي لِأَخِي مِنْ بَغْدِي اسے پروردگار مجھے اسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لئے مناسب نہ ہو چنانچہ میں نے اسے ڈبل بنا کر چھوڑ دیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعائیں بادشاہت سے مراد جنات و شیاطین کو مسخر کرنا اور ان پر تصرف حاصل کرنا ہے چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا اپنے لئے کی تھی اور یہ مرتبہ صرف اپنے لئے ہی چاہا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں چاہا کہ اس شیطان کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ کر ایسا طریقہ اختیار کریں کہ جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس خصوصیت پر کچھ اثر پڑے اور اپنے تصرف کا ظہار ہو ورنہ تو آنحضرت ﷺ کو خود بھی یہ خصوصیت اور مرتبہ اور شیاطین و جنات پر تصرف کی قدرت حضرت سلیمان علیہ السلام سے زیادہ حاصل تھی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شیطان کو چھو نا نماز کو نہیں توڑتا۔

نماز میں کسی خاص موقع پر اشارہ کیا جاسکتا ہے

⑩ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَسْبِغْ فَإِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ وَفِي رَوَايَةٍ قَالَ التَّسْبِغُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت سہل بن ابی سعدؓ کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جس شخص کو نماز میں کوئی بات پیش آئے تو اسے چاہئے کہ وہ سبحان اللہ کہے اور دستک دینا یعنی تالی بجاتا عورتوں کے لئے مخصوص ہے اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ فرمایا سبحان اللہ کہتا مردوں کے لئے مخصوص ہے اور تالی بجاتا عورتوں کے لئے (مخصوص) ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حالت نماز میں اگر کوئی خاص واقعہ پیش آجائے مثلاً کوئی شخص گھر میں نماز پڑھ رہا ہے اور باہر دروازہ پر اسے کسی

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ جب سرور کونین ﷺ حالت نماز میں ہوتے تھے اور اس وقت کوئی آپ ﷺ کو سلام کرتا تھا تو آپ ﷺ سلام کا جواب کس طرح دیتے تھے؟ حضرت بلالؓ نے فرمایا آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر دیا کرتے تھے۔“ (ترمذی) اور نسائی میں ایک روایت بجائے ابن عمرؓ کے صہیب سے اچھی طرح منقول ہے (یعنی ترمذی کی روایت میں تو یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت بلالؓ سے یہ سوال کیا اور نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت صہیبؓ نے حضرت بلالؓ سے یہ سوال کیا تھا)۔

تشریح: آنحضرت ﷺ اگر حالت نماز میں ہوتے اور اس وقت کوئی آپ ﷺ کو سلام کرتا تو آپ ﷺ اس کے سلام کا جواب اپنے ہاتھ کے اشارہ سے دیا کرتے تھے اور اشارہ کرنے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ ہاتھ کا پنجہ کھول کر پتیلی کو زمین کی طرف لے جاتے تھے جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں اس کی صراحت بھی کی گئی ہے اور آپ ﷺ صرف انہی سے اشارہ کر لینے پر اکتفا کر لیا کرتے تھے۔ نماز میں سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دینا مکروہ ہے؛ فتاویٰ ظہیرہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص حالت نماز میں کسی کے سلام کے جواب میں ہاتھ یا سر کے اشارہ کرے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

خلاصہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص سر یا ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دے گا۔ تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ صحیح اور مفتی بہ قول جو شرح منیہ اور شامی وغیرہ میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ نماز کو کسی کے سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے دینا مکروہ شریکی ہے لہذا اب اس صیغہ کی توجیہ یہ کی جائے گی کہ آنحضرت ﷺ حالت نماز میں سلام کا جواب ہاتھ کے اشارہ سے اس وقت دیا کرتے تھے جب نماز میں بات چیت ممنوع نہیں قرار دیا گیا تھا جب نماز میں کسی قسم کی کوئی بھی گفتگو ممنوع قرار دے دی گئی تو سلام کا جواب بھی زبان یا اشارہ سے دینا منسوخ ہو گیا کیونکہ اشارہ کرنا بھی ایک طرح کلام ہی کے معنی میں ہے۔

نماز میں چھینکنے کے بعد حمد کرنا

۱۳) وَعَنْ رِفَاعَةَ ابْنِ رَافِعٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ أَلْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا مَبَارَكًا عَلَيْهِ فَبِهِ كَمَا يُحِبُّ رِثَاءُ وَيَرْضَى فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ فَقَالَ مِنَ الْمُتَكَلِّمِ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ أَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ أَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّلَاثَةَ فَقَالَ رِفَاعَةُ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ ابْتَدَرَهَا بِضَعْفَةٍ وَثَلَاثُونَ مَلَكًا أَتَيْهِمْ يَضَعُدُ بِهَا۔ (رواہ الترمذی والبوداؤد والنسائی)

”اور حضرت رفاعہ ابن رافعؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے سرور کونین ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی نماز کے درمیان مجھے چھینک آئی میں نے یہ کلمات حمد کہے اَلْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا مَبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رِثَاءُ وَيَرْضَى تمام تعریف خدا کے لئے ہے بہت زیادہ تعریف بہت پاکیزہ یعنی خالص بابرکت اور برکت کی گئی جیسی (تعریف) کہ دوست رکھتا ہے ہمارا رب اور پسند کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ جب نماز پڑھ چکے تو (ہماری طرف) متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ نماز میں باتیں کرنے والا کون ہے؟ آنحضرت ﷺ کی ناراضگی کے خوف سے کوئی نہیں بولا پھر آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ یہی فرمایا جب بھی کوئی نہیں بولا جب تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا تو رفاعہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں ہوں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے (میں نے دیکھا) کہ تیس سے زیادہ فرشتے ان کلمات کو لے جانے میں جلدی کر رہے تھے کہ ان میں سے کون پہلے اس کو لے جائے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں چھینکنے والے کو حمد کرنا جائز ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ حمد دل سے کہے یا خلاف اولیٰ سے بچنے کی خاطر چھینک کے بعد سکوت اختیار کرے جیسا کہ شرح منیہ میں مذکور ہے۔

جمائی شیطانی اثر ہے

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الثَّنَاءُ فِي الصَّلَاةِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا ثَنَاءْتَ أَخَذَ كُمْ فَلْيَكْظِمُوا مَا اسْتَطَاعُوا وَفِي أُخْرَى لَهُ وَلَابِنِ مَاجَةَ فَلْيَضْغُ يَدَهُ عَلَى فِئِهِ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”نماز میں جمائی لینا شیطان (کے اثر) سے ہے لہذا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو اسے حتی الامکان روکنا چاہئے۔ ترمذیؒ کی ایک دوسری روایت اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ نماز میں جسے جمائی آئے تو اسے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لینا چاہئے۔“ (ترمذیؒ)

تشریح: پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ جمائی کا آنا شیطانی اثر کی وجہ سے ہے کیونکہ جمائی عبارت میں کسل و سستی اور غفلت کا باعث بنتی ہے اور شیطان ان چیزوں سے خوش ہوتا ہے اس لئے جمائی کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

نماز کے راستہ میں انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرنے کا حکم

(۱۵) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ أَخَذَ كُمْ فَأَخْسَنَ وَضُوءَهُ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَشْبِكَنَّ بَيْنَ أَصَابِعِهِ فَإِنَّهُ فِي الصَّلَاةِ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و الدارمی)

”اور حضرت کعب ابن عجرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو ابھی طرح وضو کرے پھر نماز کا ارادہ کر کے مسجد کی طرف چلے (اور اسے چاہئے کہ راستہ میں) انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے کیونکہ وہ اس وقت سے گویا نماز میں ہے۔“ (احمد، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: حدیث کے پہلے جز کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص وضو کرے تو اسے چاہئے کہ وہ وضو کے تمام شرائط و آداب کو ملحوظ رکھے اور حضور قلب کے ساتھ وضو کرے تاکہ وضو پورے کمال اور حسن کے ساتھ ادا ہو۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ جس قدر توجہ اور حضور قلب وضو میں حاصل ہوگا اسی قدر نماز میں خشوع و خضوع اور توجہ پیدا ہوگی۔

تشبیک کیا ہے؟ حدیث کے دوسرے جز کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی وضو کے بعد نماز کے ارادہ سے مسجد کی طرف چلے تو راستہ میں انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر کھینکا ہو یا نہ چلے کیونکہ جب وہ نماز کی نیت سے گھر سے نکلا ہے تو گویا وہ نماز میں ہی ہے اور خشوع و خضوع کے معانی ہونے کی وجہ سے تشبیک چونکہ نماز میں ممنوع ہے اس لئے نماز کے راستے میں یہ بھی ممنوع ہے اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جو چیز نماز میں ممنوع ہے وہ نماز کے لئے مسجد آتے ہوئے راستہ میں بھی ممنوع ہوگی۔

اس حدیث سے اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ بندہ کو چاہئے کہ وہ نماز کے راستہ میں حضور اور خشوع و ادب اور وقار کے ساتھ چلے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ایک باب ”مسجد میں تشبیک“ کے موضوع پر قائم کیا ہے جس کے تحت انہوں نے دو حدیثیں نقل کی ہیں ”دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسجد میں انگلیوں کے درمیان تشبیک جائز ہے لہذا علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے ثابت شدہ ممانعت کی تعلق اس صورت سے ہے کہ جب کوئی شخص انگلیوں کے درمیان تشبیک محض کھیل اور تفریح طبع کی خاطر کرے اور کوئی شخص بطریق تمثیل کرے تو جائز ہے یا پھر بخاریؒ کی روایت کردہ احادیث کی یہ توجیہ بھی کی جاسکتی ہے کہ ان احادیث کا تعلق اس وقت سے ہے جب کہ انگلیوں کے درمیان تشبیک کی ممانعت کا حکم نہیں ہوا تھا۔ واللہ اعلم

نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے

(۱۶) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَانُ اللَّهُ تَعَالَى عَزَّ وَجَلَّ مُقْبِلًا عَلَى الْعَبْدِ وَهُوَ فِي صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ فَإِذَا التَّفَتَ انْصَوَفَ عَنْهُ۔ (رواہ احمد والبوداؤ والنسائی والدارمی)

”اور حضرت ابو ذرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب کوئی بندہ نماز میں ہوتا ہے تو اللہ عزوجل اس بندہ کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر گردن پھیر کر نہیں دیکھتا چنانچہ جب بندہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔“ (احمد، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: ابن ملکؒ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منہ پھیرنے سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی نمازی حالت نماز میں گردن پھیر کر ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اس کے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔

امام ترمذیؒ نے حضرت انسؓ سے ایک صحیح روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ تو پروردگار اپنی بزرگ و برتر ذات کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوتا ہے (مگر جب وہ بندہ (نماز میں) ادھر ادھر دیکھتا ہے اور اپنی نظر کو غیر کی طرف متوجہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم تو کس کی طرف دیکھ رہا ہے کیا تیرے لئے مجھ سے بھی کوئی بہتر ہے کہ جس کی طرف تیری نظر متوجہ ہو رہی ہے؟ میری طرف اپنا منہ پھیر جب بندہ دوبارہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو پروردگار پھر ہی فرماتا ہے اور جب تیری مرتبہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ جل شانہ اپنے رونے مبارک جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے اس بندہ کی طرف سے پھیر لیتا ہے۔

نماز میں نظر سجدہ کی جگہ رکھنی چاہئے

(۱۷) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اجْعَلْ بَصْرَكَ حَيْثُ تَسْجُدُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي سُنَنِ الْكَبِيرِ مِنْ طَرِيقِ الْحَسَنِ عَنْ أَنَسٍ يَرْفَعُهُ الْحَزْرَدِيُّ۔

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اس نماز میں تم اپنی نگاہ وہاں رکھو جہاں سجدہ کرتے ہو اس روایت کو بیہقی نے سنن کبیر میں حضرت انسؓ سے بطریق حسن نقل کیا ہے جس کو جزری نے مرفوع کہا ہے۔“

تشریح: اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری نماز میں نظر سجدہ کی جگہ رکھنی چاہئے چنانچہ شوافع کا عمل اسی پر ہے مگر علامہ طہیٰ نے فرمایا ہے ”کہ متحجب یہ ہے کہ حالت قیام میں نظر سجدہ کی جگہ رکھ کر کس میں پشت قدم پر، سجدہ میں ناک کی طرف اور بیٹھنے کی حالت میں زانو پر رکھنی چاہئے یہی مسلک حنفیہ کا بھی اتنے اضافہ کے ساتھ ہے کہ سلام کے وقت نظر کاندھوں پر رکھنی چاہئے بعض علماء کا یہ بھی قول ہے کہ حرم شریف میں نماز پڑھتے ہوئے نظر کعبہ پر رکھنی چاہئے۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نماز میں آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے اصل مشکوٰۃ میں روایت کے بعد جگہ خالی ہے بعد میں کسی شارح نے ”البتہقی“ سے آخر تک کی عبارت کا اضافہ کیا ہے۔

نماز میں ادھر ادھر دیکھنے پر وعید

(۱۸) وَعَنْهُ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بَنِي إِثْرَكَ وَالْإِلْتِفَاتُ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ الْإِلْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ هَلَكَةٌ فَإِنْ كَانَ لَابْدَ فِيهِ التَّنَظُّعُ لَا فِي الْفَرِيضَةِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے بچو کیونکہ نماز میں گردن پھیر کر ادھر ادھر دیکھنا (آخرت میں) ہلاکت کا سبب ہے اور اگر دیکھنا ضروری ہو تو نفلوں میں (تو خیر مضائقہ نہیں) مگر فرضوں میں

(ہرگز نہیں)۔ (ترمذی)

تشریح: نماز میں گردن ادھر ادھر پھیر کر دیکھنا آخرت میں ہلاکت کا سبب اس لئے ہے کہ ایسا کرنے والا اصل شیطان کی اطاعت کرنا ہے کیونکہ شیطان کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے کہ بندہ نماز میں پوری توجہ اور لگن کے ساتھ نہ رہے بلکہ ان کی نظر اور اس کا ادھر ادھر بھٹکتا رہے۔

حدیث کے الفاظ فَاِنْ كَانَ لَا يَدَّ كَامَطْلَبِ يَدِهِ ہے کہ اگر تمہارا احساس و شعور اور تمہاری سعادت اس بات سے متاثر نہیں ہوتی کہ تمہاری نماز میں نقصان ہو جائے یا نماز کا کمال ختم ہو جائے تو کم از کم فرض نماز میں تو یہاں نہ کرو کہ ادھر ادھر دیکھ کر اس نماز کے کمال کو ختم کرو ہاں نفل نماز میں تو کسی نہ کسی حد تک انگیز بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ نفل نماز فرض نماز کے مقابلہ میں کچھ سہل ہے کہ فرض نماز کے لئے بہت زیادہ اور کامل اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے اور اس میں ذرا سا بھی نقصان اخروی حیثیت سے تباہی و ہلاکت کا باعث بن سکتا ہے اور عقلمندی اور سعادت کا تقاضا تو یہ ہونا چاہئے کہ ادھر ادھر دیکھ کر نفل نماز میں بھی کوئی نقصان نہ پیدا کرنا چاہئے حقیقت میں نفل نماز کا نقصان فرض نماز کے نقصان کا باعث ہے اس لئے کہ نوافل در حقیقت فرض کی تکمیل کرنے والے ہیں لہذا حدیث کے اس جملہ سے مطلب اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ نفل نماز میں ادھر ادھر دیکھنا مکروہ نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اس بات کی طرف رغبت دلاتا ہے کہ فرض نماز اپنی عظمت و اہمیت کے اعتبار سے اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی کہ اس قسم کے افعال کا ارتکاب کر کے نماز میں نقصان پیدا کیا جائے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کی کراہت فرض نماز کی بہ نسبت نفل نماز میں کم ہے۔

نماز میں کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھنا مکروہ نہیں ہے

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْحَظُ فِي الصَّلَاةِ يَمِينَهُ شِمَالًا وَيَلْوِي عُنُقَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نماز میں کن انکھیوں سے دائیں بائیں دیکھتے تھے مگر پیچھے نہ کر طرف اپنی گردن بھی نہیں موڑتے تھے۔“ (ترمذی، نسائی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نماز میں دائیں بائیں کن انکھیوں سے یا تو اس لئے دیکھتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز میں اس طرح دیکھنا نماز کو باطل نہیں کرتا یا پھر اپنے پیچھے کھڑے ہوئے مقتدیوں کے احوال دیکھنے کے لئے آپ ﷺ اس طرح دیکھا کرتے تھے۔ بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھنا تو مکروہ ہے مگر کن انکھیوں سے اس طرح دیکھنا کہ گردن کا رخ تبدیل نہ ہو مکروہ نہیں ہے اگرچہ اس طرح نہ دیکھنا بھی اولیٰ ہے۔

نماز میں شیطانی اثرات

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَفَعَهُ قَالَ أَلْفَطَّاشٌ وَالتَّعَاسُ وَالتَّثَابُثُ فِي الصَّلَاةِ وَالْحَبِطُ وَالْقَيْءُ وَالتَّرْعَافُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عبدی ابن ثابتؓ اپنے والد کرم سے اور وہ اپنے والد یعنی عبدی کے دادا سے جنہوں نے اس حدیث کو آنحضرت ﷺ تک پہنچایا ہے نقل کرتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”نماز میں چھینکنا، اونگھنا، جمائی کا آنا اور حیض کا آنا اور تھکنا اور کھیر کا پھوٹنا شیطان کے (اثر) سے ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں جب نماز میں پیدا ہوتی ہیں تو شیطان بہت زیادہ خوش ہوتا ہے کیونکہ ان چیزوں سے نماز پر اثر پڑتا ہے۔ یہاں چھینک سے مراد بکثرت چھینکنا ہے لہذا یہ حدیث اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ چھینکنے کو پسند کرتا ہے کیونکہ اس چھینکنے سے مراد معتدل طریقے پر چھینکنا ہے اور معتدل کا اطلاق تین سے کم پر ہوتا ہے۔ ان دونوں احادیث کے درمیان ظاہری وجہ تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ ”نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں چھینکنے کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور مکروہ چھینک وہ ہے جو نماز میں آئے۔“

ان چیزوں سے شیطان اس لئے خوش ہوتا ہے کہ چھینکنا قرأت و حضور کے لئے مانع ہے اور اونگھ اور جمائی عبادت میں کسل و سستی کا باعث ہیں اور حیض و نکسیر وقت مفید صلوٰۃ ہیں۔

حدیث میں پہلے تین چیزوں (چھینک، اونگھ، جمائی) کے ذکر کے بعد ”فی الصلوٰۃ“ ذکر کر کے آخر کی تین چیزیں (یعنی حیض، قے، نکسیر) کو جدا کر دیا گیا ہے اور اس سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ پہلی تین چیزیں مفید صلوٰۃ نہیں ہیں بلکہ مکروہ ہیں جب کہ آخری تینوں چیزیں مفید صلوٰۃ ہیں یعنی ان سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی

(۲۱) وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الشَّخِيرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي وَلِجَوْفِهِ أَزْيَرٌ كَأَزْيَرِ الْمَرْحَلِ يَغْنِي بِيَكَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي صُدْرِهِ أَزْيَرٌ كَأَزْيَرِ الزُّحَى مِنَ الْبُكَاءِ زَوَاهُ أَحْمَدُ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَالْإِسْنَانِيُّ وَالْأَوَّلِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ الثَّقَلَانِيَّةُ۔

”اور حضرت مطرف ابن عبد اللہ بن شخیر اپنے والد کرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں ایک روز سرور کو میں نے ۱۰۰ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، اور آپ ﷺ کے اندر سے دیک کے جوش جیسی آواز آرہی تھی یعنی آنحضرت ﷺ رو رہے تھے“ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس وقت آپ ﷺ کے سینے سے چکی کی کی رونے کی آواز آرہی تھی۔“ (احمد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی ہدایہ میں اس مسئلہ کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں بہت رونے اور دوزخ یا عذاب وغیرہ کے ذکر اور یاد سے متاثر ہو کر آہ کرے یا آواز بلند روئے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی اور اگر کوئی شخص کسی جسمانی درد اور تکلیف کی شدت کی وجہ سے آہ کرے یا آواز بلند روئے تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

نماز میں کنکریاں نہ ہٹانے کا حکم

(۲۲) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يُمْسَحُ الْخَصَا فَإِنَّ الرِّحْمَةَ تَوَاجِهَتْ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ذرؓ راوی ہیں کہ سرور کو میں نے ۱۰۰ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو جائے تو اسے ہاتھ سے کنکری نہ ہٹانا چاہئے کیونکہ رحمت سامنے ہوتی ہے۔“ (احمد، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: رحمت سامنے ہوتی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص دنیا سے منہ موڑ کر نماز کی حالت میں اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے سامنے رحمت الہی کا نزول ہوتا ہے اس لئے ایسے مقدس و با عظمت موقع پر نمازی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کنکریوں سے کھیل کرے یا اس قسم کا کوئی دوسرا فعل کر کے بے ادبی کا معاملہ کرے کہ جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے انوار فضل و رحمت

سے محروم ہو جائے۔

سجدہ کی جگہ صاف کرنے کے لئے پھونک نہ ماری جائے

(۲۳) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا لَنَا يَقَالُ لَهُ أَفْلَحَ إِذَا سَجَدَ نَفَخَ فَقَالَ يَا أَفْلَحُ تَرَبَّ وَجْهَكَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ہمارے ایک غلام جس کا نام افلح تھا دیکھا کہ وہ جب سجدہ کرتا ہے تو سجدہ کی جگہ صاف کرنے کے لئے پھونک مارتا ہے تاکہ منہ خاک آلود نہ ہو جائے آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ”افلح“ اپنے منہ پر مٹی لگنے دو۔“ (ترمذی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ سجدہ کی جگہ کو پھونک مار کر صاف نہ کرو بلکہ اپنے منہ کو خاک آلود ہو جانے دو کیونکہ بارگاہ خداوندی میں حاضری کے وقت اظہارِ محرابے کسی کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔ اور اس سے بہت زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔

لوکھ پر ہاتھ رکھنا دوزخیوں کے آرام لینے کی صورت ہے

(۲۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَخْضَارُ فِي الصَّلَاةِ رَاحَةُ أَهْلِ النَّارِ۔ (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا نماز میں اختصار (یعنی لوکھ پر ہاتھ رکھنا) دوزخیوں کے آرام لینے کی صورت ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس باب کی حدیث نمبر ۳ کی تشریح کے ضمن میں خضرو اختصار کی وضاحت کی جا چکی ہے وہاں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ میدانِ حشر میں جب دوزخی کھڑے کھڑے بہت زیادہ تکلیف محسوس کریں گے تو وہ اپنے لوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جائیں گے اور اس طرح وہ کچھ دیر کے لئے آرام اور سکون کی خواہش کریں گے اس لئے آنحضرت ﷺ نے نماز میں لوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونے کو منع فرمایا ہے کہ دوزخیوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

نماز میں سانپ و بچھو مارنے کا مسئلہ

(۲۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ الْحَيَّةَ وَالْعَقْرَبَ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”نماز میں دو کالوں یعنی سانپ اور بچھو کو مار ڈالو۔“ (احمد، ترمذی اور نسائی)

تشریح: ابنِ ملکؒ فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں نماز پڑھتے ہوئے سانپ یا بچھو سامنے آجائے تو ان کو ایک چوٹ یا دو چوٹ کے ساتھ مارنا چاہئے اس سے زیادہ چوٹ نہ ماری جائے کیونکہ یہ عمل کثیر ہو جائے گا جس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ شرحِ منیہ میں بعض مشائخ کا قول مذکور ہے کہ یہ (یعنی نماز میں سانپ، بچھو مارنے کا حکم) اس صورت میں ہے جب کہ نمازی کو بہت زیادہ یعنی تین قدم پے درپے چلنا نہ پڑے اور نہ زیادہ مشغولیت ہو یعنی تین چوٹ پے درپے مارنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور اگر کوئی نمازی سانپ یا بچھو مارنے کی غرض سے پے درپے تین قدم چلے گا یا پے درپے تین چوٹ مارے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اتنا زیادہ چلنا یا اتنی مقدار مشغولیت

اختیار کرنا عمل کثیر ہے۔ سرخسی نے اسے مبسوط میں ذکر کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ بہترین یہ ہے کہ اس سلسلہ میں یہ فرق نہ کیا جائے کہ تین قدم چلنے سے یا تین چوٹیں مارنے سے نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ جس طرح حدیث پیش آجائے (یعنی وضو ٹوٹ جانے کی شکل میں زیادہ چلنے کی سہولت دی گئی ہے اسی طرح اس مسئلہ میں بھی سہولت دی گئی ہے لیکن تحقیقی طور پر صحیح بات یہی ہے کہ تین قدم چلنے یا تین چوٹ مارنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے

البتہ اتنی سہولت ہے کہ ایسے موقع پر جب کہ سانپ یا بچھو نماز میں سامنے آجائے اور اس کا مارنا ضروری ہو تو ایسی صورت میں ان کو ہانسنے کے لئے نماز توڑ دینا مباح ہے جیسا کہ کسی مظلوم کی فریاد ری یا کسی کو ڈوبنے اور ہلاکت سے بچانے کی خاطر نماز توڑ دینا مباح ہے یعنی اگر کسی بھت سے گرج جائے یا ہنگ میں جل جائے یا کنوئیں وغیرہ میں ڈوب جائے کا قوی خطرہ ہو اور قریب ہی ایک شخص نماز میں ہو تو ایسی صورت میں اس نمازی کو چاہئے کہ نماز کو توڑ دے اور انہیں بچانے کی کوشش کرے یا اسی طرح کسی نمازی کو حالت نماز میں اپنی یا غیر کی کسی چیز کے ضائع ہونے کا خوف ہو اور اس کی قیمت ایک درہم تک ہو تو اسے اس چیز کو بچانے کے لئے نماز توڑ دینا جائز ہے۔

اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف کالے سانپ ہی کو مارا جاسکتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حدیث میں کالے سانپ کی تخصیص محض تقلید کی گئی ہے چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ ہر قسم کے سانپوں کو مارنا جائز ہے کالے سانپ ہی کی تخصیص نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ نماز کی حالت میں دروازہ کھولتے تھے

(۲۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي تَطَوُّعًا وَالنَّيَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ جَنَّتْ فَاسْتَفْتَحَتْ فَمَشَى فَفَتَحَ لِي ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مُصَلَّاهُ وَذَكَرْتُ أَنَّ النَّيَابَ كَانَ لِي الْقَبْلَةَ۔

(رواہ احمد، ابوداؤد، الترمذی والنسائی رحمہم)

”اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ گھر میں نفل نماز میں مشغول ہوتے اور دروازہ بند رہا کرتا تھا میں (گھر میں آئی تو دروازہ کھولتی اور آپ ﷺ چل کر میرے لئے دروازہ کھول دیا کرتے تھے پھر مصلے پر واپس آجاتے (اور اپنی نماز میں مشغول ہو جاتے) اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا۔“ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دروازہ چونکہ قبلہ کی طرف تھا اس لئے آنحضرت ﷺ دروازہ کھولنے کے لئے تشریف لاتے تھے تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک قبلہ کی طرف سے پھرتا نہیں تھا کیونکہ قبلہ سامنے ہی ہوتا تھا پھر جب مصلے پر واپس تشریف لاتے تو پچھلے پاؤں ہٹ کر آتے تھے تاکہ پشت قبلہ کی طرف نہ ہو۔

علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا حجرہ مبارک زیادہ وسیع و عریض نہیں بلکہ بہت تنگ تھا اس لئے ایک دو قدم سے زیادہ چلنا نہیں پڑتا تھا کہ عمل کثیر ہوتا لیکن اس کے باوجود ایک اشکال پھر بھی واقع ہوتا ہے کہ دو قدم چلنا دروازہ کھولنا اور پھر مصلے پر واپس آنا یہ سب مل کر تو عمل کثیر ہو جاتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ افعال بے درپے نہیں ہوتے تھے کہ عمل کثیر ہو سکیں۔

نماز میں وضو ٹوٹ جانے کا مسئلہ

(۲۷) وَعَنْ ظَلْقَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَتَسَا أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْعِدِ الصَّلَاةَ زَوَاةَ ابْنِ دَاوُدَ وَزَوَاةَ الشَّرْمَلِيِّ مَعَ زِيَادَةٍ وَتَقْصَانٍ۔

”اور حضرت طلحہ بن علیؓ نے فرمایا ”نماز کی حالت میں جب تم میں سے کسی کی بغیر آواز کے رتخ خارج ہو تو اسے چاہئے کہ جاکر وضو کرے اور نماز کو دوبارہ پڑھے۔ اس روایت کو ترمذی نے بھی کچھ کی زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نماز کی حالت میں کسی کی ریح خود بخود خارج ہو جائے تو اسے وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھنا افضل ہے لیکن فقہی شرائط کے مطابق اگر کوئی شخص وضو کر کے نماز شروع نہ کرے بلکہ جہاں سے نماز چھوڑی تھی اسی پر بقیہ نماز کی بناء کرے تو جائز ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے اور انہوں نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

یہ مسئلہ تو خود بخود ریح خارج ہونے کا ہے، اگر کوئی شخص حالت نماز میں قصد ریح خارج کرے تو اس کے لئے دوبارہ وضو کر کے از سر نو نماز پڑھنا واجب ہے۔

(۲۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذْتَ أَخَذَ كُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَأْخُذْ بِأَنْفِهِ ثُمَّ لِيَنْصَرِفْ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کا وضو حالت نماز میں ٹوٹ جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی ناک پکڑ کر نماز سے نکل آئے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر حالت نماز میں کسی شخص کی ریح خارج ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ ناک پکڑ کر وضو کے لئے چلا جائے تاکہ لوگ یہ گمان کریں کہ نکسیر پھوٹی ہے۔ ناک پکڑ کر نماز سے نکلنے کا حکم اس لئے فرمایا گیا تاکہ ایسا شخص ایسے موقع پر شرمندگی و ندامت سے بچ جائے۔ کیونکہ ظاہر ہونا کہ اس شخص کی ریح خارج ہوئی ہے عام طور پر شرمندگی و ندامت کا باعث بنتا ہے پھر یہ لوگ اس کے بارے میں کوئی چہ میگوئی نہ کریں گے بلکہ یہ جانیں گے کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی ہے جس کی وجہ سے وہ نماز سے نکل گیا ہے۔

اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو لوگوں کی نظروں میں معیوب اور محل اعتراض بنتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اس فعل کو پوشیدہ رکھے اور لوگوں پر ظاہر نہ کرے تاکہ لوگ نہ اس کی بے آبروئی کے درپے ہوں اور نہ کھلم کھلا اس کی طرف وہ عیب منسوب کیا جائے جسے وہ چھپائے رکھنا چاہتا ہے اور اس کا یہ فعل چھپانا جھوٹ میں شمار نہیں ہوگا بلکہ معاریض کی قسم سے ہوگا۔

(۲۹) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذْتَ أَخَذَ كُمْ وَقَدْ جَلَسَ فِي أَحْبَرِ صَلَاتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ فَقَدْ جَارَتْ صَلَوَتُهُ زَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَوِيٍّ وَقَدْ اضْطَرَّ بِنَا فِي إِسْنَادِهِ۔

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”اگر تم میں سے کسی کا وضو اس وقت ٹوٹے جب کہ وہ اپنی نماز کے آخری قعدہ میں (بمقدار تشہد بیٹھ چکا) ہو اور سلام نہ پھیرا ہو تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔ ترمذی نے اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی اسناد مضبوط نہیں ہے اور انہوں نے اس کی اسناد میں اضطراب کیا ہے۔“

تشریح: حدیث کی مذکورہ جگہ میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قصد وضو توڑے گا تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی کیونکہ ان کے نزدیک نماز کا اپنے کسی بھی فعل کے ذریعہ نماز سے نکلنا فرض ہے یعنی اگر کوئی شخص نماز کے پورے ارکان ادا کرنے کے بعد نماز کو مکمل طور ختم کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی ایسا فعل اختیار کرے جو نماز کے خاتمہ کا ذریعہ بن جائے جیسا کہ سلام پھیرنا۔

چنانچہ اتنی بات سمجھ لیجئے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک نماز کو محض سلام کے ذریعہ ہی ختم کرنا فرض نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص نماز کے ارکان کے بعد بجائے سلام پھیرنے کے کوئی ایسا دوسرا فعل اختیار کرے جو نماز کے منافی ہو تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ امام

اعظم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص آخری قعدہ میں تشہد وغیرہ پڑھنے کے بعد قصد اپنی وضو توڑ ڈالے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی کیونکہ اس نے نماز کے ارکان پورے کرنے کے بعد ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جو نماز کے خاتمہ کا ذریعہ بن گیا ہے اگرچہ وہ ترک واجب کا گنہ گار ہو گا مگر فرض ادا ہو جائے گا کیونکہ امام اعظم کے نزدیک سلام کے ذریعہ نماز کو پورا کرنا واجب ہے۔ صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک قصد وضو توڑنے کی شرط نہیں ہے بلکہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا صورت میں کسی کی وضو خود بخود ٹوٹ جائے تو جب بھی اس کی نماز تمام ہو جائے گی یعنی فرض پورا ہو جائے گا۔

لہذا امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ حدیث قصد وضو توڑنے پر محمول ہے اور صاحبین کے نزدیک مطلق ہے خواہ کوئی قصد وضو توڑ دے یا اس کی وضو خود بخود ٹوٹ جائے۔ چنانچہ یہ حدیث حنفیہ خصوصاً صاحبین کے مسلک کی مؤید ہے بخلاف حضرت امام شافعی کے کہ ان کے نزدیک نماز کو صرف سلام کے ذریعہ پورا کرنا فرض ہے۔

حدیث مضطرب وہ حدیث کہلاتی ہے جو مختلف الفاظ اور مختلف وجوہ سے نقل کی گئی ہو اور یہ چیز حدیث کے ضعف کی علامت ہوتی ہے کیونکہ حدیث کا اس طرح مروی ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ راویان حدیث کو حدیث پوری طرح یاد نہیں رہی۔ ملا علی قاری نے اس حدیث کو مضطرب و ضعیف تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے جن کو امام طحاوی نے نقل کیا ہے اور اصول حدیث میں یہ بات مسلم ہے کہ کسی حدیث ضعیف کا متعدد طرق سے مروی ہونا اسے حسن کے قرب کر دیتا ہے۔

الفصل الثالث

آنحضرت ﷺ کا ایک واقعہ

(۳۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَمَّا كَثُرَ انْصَرَفَ وَأَوْمَأَ إِلَيْهِمْ أَنْ كَمَا كُنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَأَغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَصَلَّى بِهِمْ فَلَمَّا صَلَّى قَالَ إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَتَسَنَّيْتُ أَنْ أَغْتَسِلَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَرَوَى مَالِكٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَافٍ مُزَسَّلاً۔

”حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ نماز کے لئے (مسجد میں) تشریف لائے، جب تکبیر کہنے کا ازاں کیا گیا تو آپ ﷺ پیچھے مڑے اور صحابہ کو یہ اشارہ کر کے کہ تم اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو، مسجد سے باہر نکلے، چنانچہ آپ ﷺ نے غسل کیا اور اس حال میں واپس تشریف لائے کہ آپ ﷺ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، پھر آپ ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھائی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ ”مجھے غسل کی حاجت تھی مگر میں غسل کرنا بھول گیا تھا۔“ (احمد) امام مالک نے بھی اس حدیث کو عطاء ابن یساف سے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

سجدہ کی جگہ کو گرمی سے بچانے کے لئے حضرت جابرؓ کا طریقہ

(۳۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ أَصَلِّي الظُّهْرَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ قَبْضَةً مِنَ الْحَصَى لِيَتَوَذَّعَ فِي كَفِّي أَصْغَهَا لِيَجْهَنِّي أَسْجُدَ عَلَيْهِ الشَّيْطَانُ الْحَرُّ۔ (رواہ ابو داؤد وروی الترمذی وروی النسائی وروی)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں ظہر کی نماز سرور کونین ﷺ کے ہمراہ پڑھا کرتا تھا اور ایک مٹی میں ٹکڑیاں لے لیتا تھا کہ وہ میرے ہاتھ میں ٹھنڈی ہو جائیں۔ چنانچہ (سجدہ کی جگہ کی) شدت گرمی سے بچنے کی خاطر میں ان ٹکڑیوں کو سجدہ کے وقت اپنی پیشانی کے نیچے رکھ لیتا تھا۔“ (ابو داؤد، نسائی)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نماز میں اس قدر فعل اختیار کرنا معاف ہے اور اتنا فعل عمل کثیر بھی نہیں ہے۔

نماز میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شیطان کا ایک عجیب معاملہ

(۳۱) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَسَمِعْنَاهُ يَقُولُ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ ثُمَّ قَالَ أَلْعَنَكَ بَلْعَنَةُ اللَّهِ فَلَا تَأْوَ بِسَطِ يَدِهِ كَأَنَّهُ يَتَنَاولُ شَيْئًا فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الصَّلَاةِ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ سَمِعْنَاكَ تَقُولُ فِي الصَّلَاةِ شَيْئًا لَمْ نَسْمَعْكَ تَقُولُهُ قَبْلَ ذَلِكَ وَزَأَيْتَاكَ بَسَطْتَ يَدَكَ قَالَ إِنَّ عَدُوَّ اللَّهِ ابْنِيسَ جَاءَ بِشَهَابٍ مِنْ نَارٍ لِيَجْعَلَهُ فِي وَجْهِهِ فَقُلْتُ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قُلْتُ أَلْعَنَكَ بَلْعَنَةُ اللَّهِ الثَّامَةَ فَلَمْ يَسْتَأْخِرْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ أَرَدْتُ أَنْ أَخُذَهُ وَاللَّهِ لَوْ لَا دَعْوَةُ أَحِبَّتَانِ سَلِمَتَانِ لَأَصْبَحَ فَوْقَنَا يَلْعَبُ بِهِ وَلَدَانِ أَهْلُ الْمَدِينَةِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے (نماز کے درمیان) میں نے سنا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں ”تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں“ پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ فرمایا کہ ”تجھ پر لعنت کرتا ہوں، خدا کی لعنت“ اور (یہ فرماتے ہوئے) آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک اس طرح پھیلائے گویا آپ ﷺ کسی چیز کو پکڑ رہے ہوں، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے کہا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے آج آپ ﷺ کو نماز میں ایسی بات کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس سے پہلے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو _____ یہ کہتے نہیں سنا اور آج ہم نے آپ ﷺ کو ہاتھ پھیلاتے ہوئے بھی دیکھا ہے؟“ آپ ﷺ نے یہ فرمایا اللہ کا دشمن ابلیس ملعون آگ کا شعلہ لے کر آیا تھا تاکہ اسے میرے منہ میں ڈالے چنانچہ میں نے تین مرتبہ یہ کہا کہ ”میں تجھ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں“ پھر میں نے کہا کہ ”میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں اللہ کی پوری لعنت، وہ نہیں بٹا تو میں نے (یہ الفاظ) تین مرتبہ کہے، جب وہ پھر بھی نہ ہٹا تو میں نے (اپنے ہاتھ پھیلا کر) اسے پکڑنا چاہا لیکن خدا کی قسم! اگر ہمارے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو وہ (مسجد کے ستون سے) صبح تک بندھا رہتا اور مدینہ کے بچے اس کے ساتھ کھیلتے۔“ (مسلم)

تشریح: اسی باب کی حدیث نمبر ۷ کے ضمن میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے تابع ہونے اور ان پر تصرف کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی جو قبول ہوئی اور جنات ان کے فرمانبردار ہوئے چنانچہ یہ سوچ کر کہ اس معاملہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی امتیازی حیثیت پر اثر پڑے گا آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنا تابع کرنا نہیں چاہا اس حدیث سے یہ بات پوری قوت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ ابلیس یقیناً جنات کی قوم سے ہے۔

نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینے کا مسئلہ

(۳۲) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ وَهُوَ يُصَلِّي فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَرَأَ الرَّجُلُ كَلَامًا فَرَجَعَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ فَقَالَ لَهُ إِذَا سَلَّمْتَ عَلَى أَحَدٍ كُنْهُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلَا تَكَلِّمْهُ وَلَيْسَ بِبَدِئِهِ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت نافعؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کا گذر ایک شخص پر ایسی حالت میں ہوا کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ حضرت عبد اللہ نے اس شخص کو سلام کیا اور اس نے حضرت عبد اللہؓ کے سلام کا جواب زبان سے دیا، حضرت عبد اللہؓ اس کی طرف لوٹے اور فرمایا کہ ”جب تم میں سے کسی کو نماز پڑھنے کی حالت میں سلام کیا جائے تو اس سے بولنا نہیں چاہئے بلکہ اسے چاہئے کہ وہ (سلام کا جواب دینے کے لئے) اپنے ہاتھ سے اشارہ کر دے۔“ (مالک)

تشریح: اسی باب میں حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت (نمبر ۱۲) گذر چکی ہے۔ اس کی تشریح کے ضمن میں نماز کی حالت میں ہاتھ یا سر کے اشارہ سے سلام کا جواب دینے کا مسئلہ بیان کیا چکا ہے کہ یہ حکم پہلے تھا پھر بعد میں اشارہ سے بھی سلام کا جواب دینا منسوخ ہو گیا۔

بَابُ السَّهْوِ سَجْدَةُ سَهْوًا كَبِيرًا

نماز کے سنن و مستحبات اگر ترک ہو جائیں تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی یعنی نماز صحیح ہو جاتی ہے اور نماز کے فرائض میں سے کوئی چیز اگر سہو یا غماہر آچھوٹ جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے جس کا کوئی تدارک نہیں جس کی وجہ سے نماز کا اعادہ ضروری ہوتا ہے۔ نماز کے واجبات میں سے اگر کوئی چیز عمدہ یا عمدہ پھر زدی جائے تو اس کا بھی تدارک نہیں ہو سکتا اور نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر نماز کے واجبات میں سے کوئی چیز عمدہ نہیں بلکہ سہو یا چھوڑ دی جائے تو اس کا تدارک ہو سکتا ہے اور وہ تدارک یہ ہے کہ قعدہ اخیر میں التحیات پڑھنے کے بعد دائیں طرف ایک سلام پھیر کر دو سجدے کر لے جائیں اور سجدہ کے بعد پھر قعدہ کیا جائے اور التحیات دو در شریف اور دعا حسب معمول پڑھ کر سلام پھیرا جائے انہیں سجدوں کو سجدہ سہو کہا جاتا ہے۔

اتنی بات سمجھ لیجئے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال میں جو شرعی چیزوں کی خبر دینے اور دینی احکام کے بیان سے متعلق ہیں نہ کبھی سہو پڑا ہے نہ اندر یہ ممکن ہے ہاں آپ کے افعال میں سہو پڑتا تھا وہ بھی اس حکمت و صلیحت کے پیش نظر تاکہ امت کے لوگ اس طرح سہو کے مسائل سمجھ سکیں۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

رکعتوں کی تعداد بھول جانے کی صورت میں سجدہ سہو کا حکم

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّي جَاءَهُ الشَّيْطَانُ فَلَبَسَ عَلَيْهِ حَتَّى لَا يَذْكُرَ كَيْفَ صَلَّى فَإِذَا وَجَدَ ذَلِكَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔ (بخاری علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اسے شک و شبہ میں مبتلا کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس (نمازی) کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، لہذا تم میں سے کسی کو اگر یہ صورت پیش آئے تو اسے چاہئے کہ وہ آخری قعدہ میں ایٹھ کر دو سجدے کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث میں جو صورت بیان کی گئی ہے وہ سہو سے متعلق نہیں ہے بلکہ شک کی صورت ہے اور شک و سہو کے درمیان فرق یہ ہے کہ سہو میں ایک جانب کا یقین ہوتا ہے (کہ فلاں چیز بھول گیا) اور شک میں تردد ہوتا ہے کہ آیا یہ صحیح ہے یا وہ اور شیطان ملعون کی کیا مجال تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کو شک و شبہ میں مبتلا کر دیتا۔ ہاں غلبہ استغراق اور آخرت کی طرف بے انتہا توجہ کی بنا پر آپ ﷺ کو سہو ہو جاتا تھا۔ سجدہ سہو واجب ہونے کے سلسلہ میں شک اور سہو دونوں کا یکساں حکم ہے، اس مسئلہ کی پوری وضاحت آئندہ حدیث کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیے۔

② وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَذْكُرْ كَيْفَ صَلَّى فَلَا تَأْخُذْهُ فَلْيُطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَتَيَقَّنْ ثُمَّ يُسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ وَإِنْ كَانَ صَلَّى اِتِّمَامًا لِأَرْبَعٍ كَانَتْ تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ عَطَاءٍ مُزَسَّلًا وَفِي رَوَاتِهِ شَفَعَهَا بَيَاتَيْنِ الشَّجْدَتَيْنِ۔

”اور حضرت عطاء ابن یسار حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص درمیان نماز شک میں مبتلا ہو جائے اور اسے یاد نہ رہے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا شک دور کرے اور جس عدد پر اسے یقین ہو اس پر بنا کرے (یعنی کسی ایک عدد کا یقین کر کے نماز پوری کر لے) اور پھر سلام پھرنے سے پہلے دو سجدے کر لے۔ اگر اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ پانچ رکعتیں ان دو سجدوں کے ذریعہ اس کی نماز کو جفت کر دیں گی اور اگر اس نے پوری چار رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بنیں گے مسلم اور امام مالک نے اس روایت کو عطاء سے بطریق ارسال

نقل کیا ہے نیز امام مالکؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ”کہ نمازی ان دونوں سجدوں کے ذریعہ پانچ رکعتوں کو جفت کر دے گا۔“

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے درمیان نماز وہ شک و شبہ میں مبتلا ہو گیا یعنی اسے یہ یاد نہیں رہا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اسے چاہئے کہ وہ کتر عدد کا قعین کرے اور اسی کا گمان غالب کر کے نماز پڑھ لے مثلاً اسے یہ شبہ ہو کہ نہ معلوم میں نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو اس صورت میں اسے تین رکعتوں کا قعین کر کے نماز پوری کرنی چاہئے اور پھر آخری قعدہ میں التحیات پڑھنے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے داہنی طرف سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کرنا چاہئے۔ بخاری کی روایت میں سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کرنے کی قید نہیں ہے چنانچہ اسی وجہ سے ائمہ کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ سجدہ سلام پھیرنے سے پہلے کرنا چاہئے یا سلام پھیرنے کے بعد۔ اس مسئلہ کی تفصیل ہم آئندہ کسی حدیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کریں گے۔

حدیث میں سہو کے دونوں سجدوں کا فائدہ بھی بتایا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے مذکورہ صورت میں تین رکعت کا قعین کر کے ایک رکعت اور پڑھ لی حالانکہ حقیقت میں وہ چار رکعتیں پہلے پڑھ چکا تھا اس طرح اس کی پانچ رکعتیں ہو گئی تو یہ پانچ رکعتیں اس دونوں سجدوں کی وجہ سے اس کی نماز کو شفع (جفت کر دیں گی کیونکہ وہ دونوں سجدے ایک رکعت کے حکم میں ہیں یعنی یہ پانچ رکعتیں اس دونوں سجدوں سے مل کر چھ رکعت کے حکم میں ہو جائیں گی اور اگر اس نے حقیقت میں تین ہی رکعتیں پڑھی تھیں اور سہو کی صورت میں اس نے تین ہی کا قعین کر کے ایک رکعت اور پڑھی اور اس کی چار رکعتیں پوری ہو گئیں تو اس کے وہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بن جائیں گے۔ یعنی اس صورت میں جب کہ اس شخص نے چار ہی رکعتیں پڑھی ہیں تو دونوں سجدے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ نماز کو جفت کر دیں جیسا کہ پہلی صورت (پانچ رکعتیں پڑھنے کی صورت) میں ان دونوں سجدوں کی ضرورت تھی لیکن ان دونوں سجدوں کا جو بظاہر زائد معلوم ہوتے ہیں یہ فائدہ ہوا کہ ان سے شیطان کی ذلت و ناکامی ہوئی۔ کیونکہ شیطان کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ نمازی کو شک و شبہ میں مبتلا کر کے اسے عبادت سے باز رکھے حالانکہ نمازی نے اس کے برعکس دو سجدے اور کر کے عبادت چھوڑنے کے بجائے اس میں اور زیادتی کی جو یقینی بات ہے کہ شیطان کی ناکامی و نامرادی کا باعث ہے۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شک کی صورت میں اقل (کتر) کو اختیار کرنا چاہئے تحری (غالب گمان) پر عمل نہ کیا جائے چنانچہ جمہور ائمہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام ترمذیؒ کا قول یہ ہے کہ اہل علم میں سے بعض حضرات کا مسلک یہ ہے کہ شک کی صورت میں نماز کا اعادہ کرنا چاہئے یعنی اگر کسی کو درمیان نماز رکعتوں کی تعداد کے بارے میں شک ہو جائے تو اسے چاہئے کہ نماز کو از سر نو پڑھے۔

اس مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک کا حاصل یہ ہے کہ ”اگر کسی شخص کو نماز میں شک ہو جائے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اگر اس شخص کی عادت شک کرنے کی نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ پھر نئے سرے سے نماز پڑھے اور اگر اس کو شک ہونے کی عادت ہو تو اپنے غالب گمان پر عمل کرے یعنی جتنی رکعتیں اس کو غالب گمان سے یاد پڑیں تو اسی قدر رکعتیں سمجھے کہ پڑھ چکا ہے اور اگر غالب گمان کسی طرف نہ ہو تو کتر عدد کو اختیار کرے مثلاً کسی کو ظہر کی نماز میں شک ہوا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور غالب گمان کسی طرف نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ تین رکعتیں شمار کرے اور ایک رکعت اور پڑھ کر نماز پوری کر لے پھر سجدہ سہو کر لے۔

اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ غالب گمان پر عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں غالب گمان کو اختیار کرنے کی اصل موجود ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ نماز پڑھنا چاہے جہاں اسے قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو سکے تو اس کے لئے حکم ہے کہ وہ جس سمت کے بارے میں غالب گمان رکھے کہ ادر قبلہ ہے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے اس کی نماز ہو جائے گی۔ غالب گمان کو اختیار کرنے کے سلسلہ میں احادیث بھی مروی ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح رائے قائم کرے (یعنی کسی ایک پہلو پر غالب گمان کر کے) نماز

پوری کر لے۔ اس حدیث کو ثنی نے بھی شرح نقایہ میں نقل کیا ہے نیز جامع الاصول میں بھی نسائی سے ایک حدیث تحری (غالب گمان) پر نقل کرنے کے صحیح ہونے کے بارے میں منقول ہے۔

امام محمدؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں تحری کی افادیت کے سلسلہ میں یہ کہتے ہوئے کہ ”تحری کے سلسلہ میں بہت آثار وارد ہیں“ بڑی اچھی بات یہ کہی ہے کہ ”اگر ایسا نہ کیا جائے یعنی تحری کو قائل قبول نہ قرار دیا جائے تو شک اور سہو سے نجات ملنی بڑی مشکل ہوگی اور ہر شک و شبہ کی صورت میں اعادہ بڑی پریشانی کا باعث بن جائے گا۔“

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس موقع پر مسئلہ مذکورہ کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”اس موقع پر حاصل کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں تین احادیث منقول ہیں۔ پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں جب بھی کسی کو شک واقع ہو جائے تو وہ نماز کو از سر نو پڑھے۔ دوسری حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ”جب کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح بات کو حاصل کرنے کے لئے تحری کرے یعنی غالب گمان پر عمل کرے۔ تیسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ”جب نماز میں شک واقع ہو تو یقین پر عمل کرنا چاہئے یعنی جس پہلو پر یقین ہو اسی پر عمل کیا جائے۔“

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ان تینوں حدیثوں کو اپنے مسلک میں جمع کر دیا ہے اس طرح کہ انہوں نے پہلی حدیث کو تو مرتبہ شک واقع ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے، دوسری حدیث کو کسی ایک پہلو پر غالب گمان ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے اور تیسری حدیث کو کسی بھی پہلو پر غالب گمان نہ ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ ”حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کے کمال جامعیت اور انتہائی محقق ہونے کی دلیل ہے۔“

(۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ خُمُسًا فَقِيلَ لَهُ أَرَأَيْتَ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا صَلَّيْتَ خُمُسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَنَسَى كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصُّوَابَ فَلْيَنْتِمْ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيَسْلِمَ ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ۔ (مشق جلد ۱)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھ لی، چنانچہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ”کیا نماز میں کچھ زیادتی ہو گئی ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کیا ہوا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں“ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے سلام پھیر لینے کے بعد دو سجدے کئے۔ اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں انسان ہی تو ہوں، جس طرح تم بھولتے تو اس طرح میں بھی بھول جاتا ہوں جب میں کچھ بھول جایا کروں، مجھے یاد دلایا کرو، اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح رائے قائم کرے اور اس رائے کی بنیاد پر نماز پوری کر لے اور پھر سلام پھیر کر دو سجدے کر لے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں کتر پیکل کرنے کو نہیں کہا گیا ہے گو مراد یہی ہے کہ اگر تحری فائدہ نہ دے یعنی کسی بھی عدد کے بارے میں غالب گمان نہ ہو سکے تو کتر عدد کو اختیار کر کے نماز پوری کر لی جائے چونکہ حضرات شوافع تحری کے قائل نہیں ہیں اس لئے وہ بھی اس حدیث کے الفاظ فلیتحر الصواب سے مراد ”کتر عدد کو اختیار کرنا“ لیتے ہیں۔

حنفیہ کے ہاں پانچ رکعت ادا کر لینے کی صورت میں مسئلہ کی کچھ تفصیل ہے۔ چنانچہ ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اسے یاد آ جائے تو اسے چاہئے کہ فوراً بیٹھ جائے اور انتہیات پڑھ کر سجدہ ہو کر لے۔ اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا ہو تو پھر نہیں بیٹھ سکتا۔ اور اس کی یہ نماز اگر فرض کی نیت سے پڑھا تھا تو فرض ادا نہیں ہو گا بلکہ نقل ہو جائے گی۔ اسی سبب کو اختیار کر چکا کہ ایک رکعت کے ساتھ دوسری رکعت اور ملائے تاکہ یہ رکعت بھی ضائع نہ ہو اور دوسری رکعتیں یہ بھی نقل ہوں مگر عصر اور فجر میں یہ واقعہ پیش آئے تب بھی دوسری رکعت ملا سکتا ہے اس لئے کہ عصر و فجر

کے فرض کے بعد نفل مکروہ ہے اور یہ رکعتیں فرض نہیں رہیں بلکہ نفل ہو گئی ہیں پس گویا فرض سے پہلے نفل پڑھی گئی ہیں اور اس میں کچھ کراہت نہیں۔ مغرب کے فرض میں صرف یہی رکعت کافی ہے دوسری رکعت نہ ملائی جائے، ورنہ پانچ رکعتیں ہو جائیں گی اور نفل میں طاق رکعتیں منقول نہیں اور اس صورت میں سجدہ سہو کی ضرورت نہ ہوگی۔

یہ شکل تو قعدہ اخیرہ میں بیٹھے بغیر رکعت کے لئے اٹھ جانے کی تھی۔ اگر کوئی شخص قعدہ اخیرہ میں التحیات پڑھنے کے بعد ریٹھ کر سلام پھیرنے سے پہلے پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو اگر وہ پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کر چکا ہو تو فوراً بیٹھ جائے اور چونکہ سلام کے ادا کرنے میں جو واجب تھا تاخیر ہو گئی اس لئے سجدہ سہو کر لے اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر نیکی بعد یاد آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ اب نہ بیٹھے بلکہ ایک رکعت اور ملا دے تاکہ یہ پانچویں رکعت ضائع نہ ہو اور اگر رکعت نہ ملائے بلکہ پانچویں رکعت کے بعد سلام پھیر دے تب بھی جائز ہے مگر ملا دینا بہتر ہے۔ اس صورت میں اس کی وہ رکعتیں اگر فرض نیت کی تھیں تو فرض ادا ہوں گی نفل نہ ہوں گی۔ عصر اور فجر کے فرض میں بھی دوسری رکعت ملا سکتا ہے اس لئے کہ عصر اور فجر کے فرض کے بعد قصد نفل پڑھنا مکروہ ہے اور اگر سہواً پڑھ بھی لیا جائے تو کچھ کراہت نہیں۔ اس صورت میں فرض کے بعد جو رکعتیں پڑھی گئیں ہیں یہ ان مؤکدہ سنتوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں جو فرض کے بعد ظہر و مغرب اور عشاء کے وقت مسنون ہیں کیونکہ ان سنتوں کا تحریم سے ادا کرنا آنحضرت ﷺ سے منقول ہے۔

یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ آنحضرت ﷺ چار رکعت کے بعد قعدہ اخیرہ میں بیٹھ کر پھر بعد میں رکعت کے لئے اٹھ گئے تھے چونکہ اس حدیث سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پانچویں رکعت کے ساتھ چھٹی رکعت نہیں ملائی تھی اور صرف سہو پر اکتفاء کیا جیسا کہ امام شافعی کا مسلک ہے اس لئے کہا جائے گا کہ یہاں یہ احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیان جواز کی خاطر ایسا کیا ہوگا۔

④ وَعَنْ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ صَلَّى يَزَارُ سُؤْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى صَلَاتِي الْعِشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيرِينَ قَدْ سَمَعَهَا أَبُو هُرَيْرَةَ وَلَكِنْ نَسِيتُ أَنَا قَالَ فَصَلَّى يَزَارُ كَعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ إِلَى خَشْبَةٍ مَغْرُوضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَأَ عَلَيْهَا كَأَنَّهُ غَضَبَانٌ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيَمْنَى عَلَى الْيُسْرَى وَشَبَكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْأَيْمَنَ عَلَى ظَهْرِ كَتِفِهِ الْيُسْرَى وَخَرَجَتْ سُرْعَانِ الْقَوْمُ مِنَ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوا أَقْصَرَتِ الصَّلَاةُ وَفِي الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَغَضِبُوا بِهَا أَنَّهُ يَكَلِّمُهُمْ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِي يَدَيْهِ طَوْلٌ يُقَالُ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ قَالَ يَزَارُ سُؤْلُ اللَّهِ أَنْتَسَيْتُ أَمْ أَقْصَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَالَ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تَقْصُرْ فَقَالَ أَكْمَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالُوا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى مَا تَرَكَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَثُرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَثُرَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَثُرَ فَرُبَّمَا سَأَلُوهُ ثُمَّ سَلَّمَ فَيَقُولُ لَيْتُنِي أَنِّي عَمْرَانُ ابْنُ حُصَيْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ وَفِي أُخْرَى لَهُمَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَلْ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تَقْصُرْ كُلُّ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ قَدْ كَانَ بَعْضُ ذَلِكَ يَزَارُ سُؤْلُ اللَّهِ۔

”اور حضرت ابن سیرینؓ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ”(ایک دن) سرور کونین ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز جس کا نام ابو ہریرہؓ نے تو بتایا تھا اگر میں بھول گیا، ہمیں پڑھائی۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہمارے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور تیسری رکعت کے لئے اٹھنے کی بجائے سلام پھیر لیا، پھر اس لکڑی کے سہارے جو مسجد میں عرضاً کھڑی تھی کھڑے ہو گئے اور (محسوس ایسا ہوتا تھا) گویا آپ ﷺ عصر کی حالت میں ہیں، آپ ﷺ نے اپنا دایا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور انگلیوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنا بائیں رخسار مبارک اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیا۔ جلد باز لوگ (جو نماز کی ادائیگی کے بعد ذکر اور دعا وغیرہ کے لئے

صلی آپ کا ام گرامی محمد اور کنیت ابو بکر ہے حضرت انس بن مالکؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کے تیس بچے تھے جو آپ کی زندگی ہی میں ایک سو وفات پا گئے صرف ایک صاحبزادے عبداللہ بن محمد بن سیرین بقید حیات تھے۔ ترمذی کی عمر میں ۱۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

نہیں ٹھہرتے تھے) مسجد کے دروازوں سے جانے لگے، صحابہؓ کہنے لگے کہ کیا نماز میں کی ہو گئی ہے؟ کہ آنحضرت ﷺ نے چار رکعت کے بجائے دو رکعتیں پڑھی ہیں؟ صحابہؓ کے درمیان (جو مسجد میں باقی رہ گئے تھے) حضرت ابو بکر و حضرت عمرؓ بھی موجود تھے مگر خوف کی وجہ سے ان کو آنحضرت ﷺ سے کلام کرنے کی جرات نہ ہوئی صحابہؓ میں ایک اور شخص (بھی) تھے جن کے ہاتھ لیے تھے اور جنہیں (ایک درجہ سے) ذوالیدین (یعنی ہاتھوں والا کے لقب سے) پکارا جاتا تھا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! کیا آپ (ﷺ) بھول گئے ہیں یا نماز میں کی ہو گئی ہے؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کی ہوئی ہے“ پھر صحابہؓ سے مخاطب ہوئے (اور) فرمایا ”کیا تم بھی یہی کہتے ہو جو ذوالیدینؓ کہہ رہے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”جی ہاں یہی بات ہے“ (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ آگے آئے اور جو نماز (یعنی دو رکعت) چھوٹ گئی تھی اسے پڑھا اور سلام پھیر کر تکبیر کی اور حسب معمول سجدوں جیسا یا ان سے بھی کچھ طویل سجدہ کیا اور پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھایا ”لوگ ابن سیرینؒ سے پوچھنے لگے کہ ”پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے سلام پھیر دیا ہو گا؟“ انہوں نے کہا کہ مجھے عمران بن حصینؓ سے یہ خبر ملی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ”پھر آنحضرت ﷺ نے سلام پھیر دیا“ اس روایت کو بخاری و مسلمؒ نے نقل کیا ہے مگر الفاظ بخاری کے ہیں۔

اور بخاری و مسلمؒ ہی کی ایک اور روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (ذوالیدینؓ کے جواب میں) لم انس و لم تقصرو (یعنی نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کی ہوئی ہے) کے بجائے یہ فرمایا کہ ”جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے“ انہوں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! (ﷺ) اس میں سے کچھ تو ضرور ہوا ہے۔“

تشریح: فتح الباری میں اس حدیث کی بہت لمبی چوڑی شرح کی گئی ہے اگر اس کو یہاں نقل کی جائے تو بات بڑی لمبی ہو جائے گی البتہ اتنا بتانا ضروری ہے کہ اس حدیث کے بارے میں دو اشکال پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا اشکال تو یہ ہے کہ علماء کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ خبر میں تو آنحضرت ﷺ کو سہو ہونا ناممکن ہے اور افعال میں بھی اختلاف ہے مگر آنحضرت ﷺ نے یہاں ذوالیدین کے جواب میں جو یہ فرمایا کہ نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کی ہوئی ہے ”کیا خلاف واقعہ نہیں ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو خبر میں بھی سہو ہو سکتا تھا۔

اس کا جواب مختصر طریقہ پر یہ ہے کہ ”آنحضرت ﷺ سے سہو ہونا ان خبروں میں ناممکن ہے جو تبلیغ شراعت، دینی علم اور وحی الہی سے متعلق ہیں نہ کہ تمام خبروں میں۔“

دوسرا یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ سے افعال بھی سرزد ہوئے اور آپ ﷺ نے گفتگو بھی کی مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے از سر نو نماز نہیں پڑھی بلکہ جو رکعتیں باقی رہ گئی تھیں انہیں کو پورا کر لیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ مفسد نماز وہ کلام و افعال ہیں جو قصد ادا وقع ہوئے ہوں نہ کہ وہ کلام و افعال جو سہو آہو گئے ہوں جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ لیکن چونکہ یہ جواب نہ صرف یہ کہ خود اپنے اندر جھول رکھتا ہے بلکہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق بھی نہیں ہے کیونکہ ان کے ہاں مطلقاً کلام مفسد صلوٰۃ ہے خواہ قصد ادا ہوا ہو یا سہو۔ اس لئے علماء حنفیہ کے نزدیک اس اشکال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ نماز میں کلام اور افعال کا جواز منسوخ نہیں ہوا تھا۔

حضرت امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ نماز میں کلام مطلقاً مفسد صلوٰۃ ہے خواہ قصد ادا ہو یا سہو اگر ان کے یہاں اتنی منجائش بھی ہے کہ نماز میں جو کلام امام یا مقتدی سے نماز کی کسی مصلحت کے پیش نظر صادر ہوا ہو گا وہ مفسد نماز نہیں ہو گا جیسا کہ محدثانہ کوہ میں پیش مذکور ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو جب حضرت ابن سیرینؒ لوگوں کے سامنے بیان کر چکے تو ان سے بطریق استفہام اکثر لوگوں نے پوچھا کہ کیا ابو ہریرہؓ نے تم مسلمؒ بھی کہا تھا گویا ان لوگوں کے پوچھنے کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے سہو ہوا سلام کے بعد کیا کیا تھا یا یہ کہ تمہارے جیسے ابن سیرینؒ کے ہاں یہ کہہ سکتے تھے ابو ہریرہؓ کی روایت میں تو یہ الفاظ مجھے یاد نہیں پڑتے، ہاں حضرت عمران بن حصینؓ نے یہی حدیث مجھ

سے روایت کی ہے ان کی روایت میں **ثُمَّ سَلَّمَ** کے الفاظ موجود ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سجدہ سہو سلام کے بعد کیا تھا اور میں نے ابو ہریرہؓ کی روایت میں **ثُمَّ سَلَّمَ** کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ عمران بن حصینؓ ہی کی روایت سے اس جگہ لایا ہوں۔

سجدہ سہو سلام پھیر کر کرنا چاہئے یا اس کے بغیر؟

⑤ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَحِينَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمُ الظُّهْرَ فَقَامَ فِي الرَّكَعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ حَتَّى إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيمَهُ كَثُرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ - (مشق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن بحینہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ نے صحابہؓ کو ظہر کی نماز پڑھائی، اور پہلی دو رکعتیں پڑھ کر پہلے قعدہ میں بیٹھ بغیر تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے، دوسرے لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ جب نماز پڑھ چکے اور (آخری قعدہ میں) لوگ سلام پھیرنے کے منتظر تھے کہ آپ ﷺ نے بیٹھے بیٹھے ٹکیر کی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کئے اور اس کے بعد سلام پھیرا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں اس حدیث کے مطابق سجدہ سہو سلام پھیرنے سے پہلے ہی کیا جاتا ہے لیکن دوسری روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد ہی سجدہ سہو کیا ہے نیز حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں بھی ثابت ہوا ہے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد ہی سجدہ سہو کیا کرتے تھے لہذا حضرت عمرؓ کا عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

الفصل الثانی

دروود دعا سجدہ سہو سے پہلے پڑھنی چاہئے یا بعد میں

⑥ عَنْ عَمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمُ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ زَوَاةَ التِّرْمِذِيِّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

"حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے (ایک روز) لوگوں کو نماز پڑھائی (اور میان نماز) آپ ﷺ کو سہو ہو گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے (سلام پھیر کر) دو سجدے کئے اس کے بعد آپ ﷺ نے التحیات پڑھی اور سلام پھیرا امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: حضرت عمران کا قول **فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ** کا مطلب یہی ہے کہ آپ ﷺ نے سلام پھیر کر سہو کے دونوں سجدے کئے جیسا کہ تیسری فصل کی پہلی حدیث سے جو انہیں سے مروی ہے بصراحت معلوم ہو جائے گا۔

اس حدیث میں نماز کا وہ رکن ذکر نہیں کیا گیا ہے جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ کو سہو ہو گیا اور آپ ﷺ اس کی ادائیگی کو بھول گئے تھے نیز اس حدیث میں سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ دوسری روایتوں میں تشہد کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت عمرانؓ کی اس روایت کی روشنی میں جو تیسری فصل میں آ رہی ہے یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہے کہ پہلے سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا چاہئے۔ اسی طرح امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے بلکہ شوافع و مالکیہ کے بعض حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔

اس مسئلہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے کہ درود و دعا جو التحیات میں پڑھی جاتی ہیں اس تشہد میں پڑھنا چاہئے جو سجدہ سہو سے پہلے سجدہ سہو کے بعد کے تشہد میں پڑھنا چاہئے؟ چنانچہ امام کرغنیؒ نے تو یہ اختیار کیا ہے کہ درود و دعا سجدہ سہو کے بعد کے تشہد میں

پڑھے جائیں اور ہدایہ میں بھی اسی کو صحیح کہا گیا ہے۔ البتہ ہدایہ کی بعض شروع میں یہ کہا گیا ہے کہ سجدہ سہو سے پہلے تشہد میں پڑھنا بہتر ہے۔ امام طحاوی کا قول یہ ہے کہ دونوں تشہد میں پڑھنا چاہئے۔ شیخ ابن ہمام نے بھی امام طحاوی کے قول کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے۔

خفیہ کا معمول پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ ”التحیات پڑھنے کے بعد دائیں طرف سلام پھیرا جائے اس کے بعد سہو کے دو سجدے کئے جائیں اس کے بعد دوبارہ التحیات اور پھر درود و دعا پڑھ کر سلام پھیر دیا جائے۔“

(۷) وَعَنِ الْمُغِيرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقَامَ الْإِمَامُ فِي الرَّكَعَتَيْنِ فَإِنْ ذَكَرَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَبْجُلْ وَإِنْ اسْتَوَى قَائِمًا فَلَا يَخْلُسْ وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ السَّهْوِ - (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

”اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جب امام دو رکعت پڑھ کر (پہلے قعدہ میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے لئے) کھڑا ہو جائے تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے اسے یاد آجائے تو اسے چاہئے کہ وہ (قعدہ کے لئے) بیٹھ جائے اور اگر وہ سیدھا کھڑا ہو چکا ہو (اور اس کے بعد اسے یاد آئے) تو وہ (اب) نہ بیٹھے اور (آخری قعدہ میں) سہو کے دو سجدے کر لے۔“ (ابوداؤد وابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صورت مذکورہ میں معتبر پوری طرح کھڑا ہونا یا پوری طرح کھڑا نہ ہونا ہے۔ اس سلسلہ میں خفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسا شخص اگر بیٹھنے کے قریب تر ہو جائے تو التحیات پڑھے اور اگر کھڑے ہونے کے قریب تر ہو تو نہ بیٹھے بلکہ اپنی بقیہ دونوں رکعتیں پوری کر لے۔

”قریب تر بیٹھنے“ کا مطلب یہ ہے کہ اٹھتے وقت اس کے نیچے کا بدن (مثلاً ناگس وغیرہ) سیدھا نہ ہو جائے، اور اگر نیچے کا بدن سیدھا ہو جائے تو کھڑے ہونے کے قریب تر ہوگا۔

شیخ ابن الہمام نے کہا ہے کہ اقربیت کے سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ کی بھی ایک روایت ہے جس کو بخاری کے مشائخ نے اختیار کیا ہے مگر جیسا کہ اوپر بتایا گیا صحیح مسلک یہی ہے کہ جب تک پورا کھڑا نہ ہو جائے بیٹھا جاسکتا ہے پورا کھڑا ہو جانے کی صورت میں بیٹھنا نہیں چاہئے، یہی قول صحیح ہے اور اس کی تائید یہ حدیث بھی کرتی ہے۔

اگر کوئی شخص کھڑا ہونے سے پہلے قعدہ کے لئے بیٹھ جائے گا تو اس کے لئے سجدہ سہو کی ضرورت نہ ہوگی۔ ہاں جو شخص پورا کھڑا ہو جائے گا اور پہلا قعدہ چھوٹ جائے گا تو اس کو سجدہ سہو کرنا ہوگا۔

اس سلسلہ میں اتنی بات اور جان لیجئے، جب کوئی شخص پہلے قعدہ میں بیٹھے بغیر تیسری رکعت کے لئے پوری طرح کھڑا ہو جائے تو اس کو بیٹھنا نہیں چاہئے کیونکہ اگر وہ بیٹھ جائے گا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

الفصل الثالث

(۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعَصْرَ وَسَلَّمَ فِي ثَلَاثٍ رَكَعَاتٍ ثُمَّ دَخَلَ مَنْزِلَهُ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْخَزْرَجِيُّ وَكَانَ فِي يَدَيْهِ طَوْلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَذَكَرَ لَهُ صَنِيعَهُ فَخَرَجَ غَضَبًا يَجُورُ رِذَاءُهُ حَتَّى انْتَهَى إِلَى النَّاسِ فَقَالَ أَصَدَقَ هَذَا قَالُوا نَعَمْ فَصَلَّى رَكَعَةً ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ - (رواہ مسلم)

”حضرت عمران ابن حصینؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) سرور کونین ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور تین رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا اور گھر میں تشریف لے گئے۔ ایک شخص نے کہ جس کا نام خرباق تھا اور اس کے ہاتھ کچھ لمبے تھے (یعنی ذوالیدین) کھڑے ہو کر غرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ“ اور انہوں نے (یعنی ذوالیدین) نے واقعہ بیان کیا (یعنی تین رکعت پڑھ کر سلام پھیرنے کے بارے میں ذکر کیا یہ سن کر) آنحضرت ﷺ غصہ میں اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے باہر نکلے اور لوگوں کے پاس (مسجد میں) پہنچے اور فرمایا کہ ”کہ کیا ذوالیدین ٹھیک کہہ

رہے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”جی ہاں“ اچنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک رکعت پڑھی، پھر سلام پھیرا اور سہو کے دو سجدے کر کے سلام پھیر دیا۔ ”(اسلم)“

تشریح: آنحضرت ﷺ تین رکعت کے بعد سلام پھیر کر گھر تشریف لے گئے اور وہاں سے تشریف لائے، اس عرصہ میں قبلہ کی جانب سے منہ بھی پھرا، گفتگو بھی ہوئی اور بہت زیادہ چلنا ہوا، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے از سر نو نماز نہیں پڑھی بلکہ صرف ایک رکعت جو پڑھنے سے رہ گئی تھی پڑھی، لہذا یہ افعال سہو اہونے کے باوجود (بھی حنفیہ کے مسلک میں چونکہ مفید نماز ہیں اس لئے حنفیہ کی جانب سے اس حدیث کی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ نماز میں گفتگو کی طرح یہ بھی منسوخ ہے یعنی یہ افعال و کلام پہلے نماز میں جائز تھے پھر بعد میں منسوخ ہو گئے۔ اور یہ واقعہ جواز کے منسوخ ہونے سے پہلے کا ہے۔

”خرباق“ انہیں ذوالیدین کا نام ہے جن کی حدیث اس سے پہلے (نمبر ۴) گزر چکی ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جو اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور وہ واقعہ جو حدیث نمبر ۴ میں ذکر کیا گیا ہے دونوں ایک ہی ہیں لیکن اس حدیث اور حدیث نمبر ۴ میں چونکہ بعض باتوں میں باہم تضاد ہے اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ دونوں ایک ہی واقعہ نہیں ہیں بلکہ الگ الگ واقعے ہیں اور دونوں واقعوں میں آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرنے والے حضرت ذوالیدین ہی تھے۔

اس حدیث کے آخری جملوں سے یہ بات بصراحت معلوم ہو گئی کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے سلام پھیرا پھر سجدہ سہو کیا، اس کے بعد سلام پھیر کر نماز پوری کی، چنانچہ علامہ طہی نے کہا ہے کہ یہی مسلک امام ابوحنیفہؒ کا ہے کہ ان کچھ ہاں سلام کے بعد سہو کے دو سجدے زیادتی اور نقصان کے پیش نظر کئے جاتے ہیں اس کے بعد تشہد پڑھا جاتا ہے اور سلام پھیرا جاتا ہے۔

نماز میں کمی کا شک واقع ہو جانے کی صورت میں کیا کیا جائے

⑨ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ صَلَّى صَلَاةً يَشْكُ فِي التَّقْصَانِ فَلْيُصَلِّ حَتَّى يَشْكُ فِي الزِّيَادَةِ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جس شخص کو نماز پڑھتے ہوئے کمی کا شک ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اور پڑھ لے تاکہ زیادتی کا شک ہو جائے۔“ (احمد)

تشریح: مطلب یہی ہے کہ شک واقع ہو جانے کی صورت میں اگر کسی ایک جانب غالب گمان نہ ہو اور شک بھی کمی میں واقع ہو مثلاً چار رکعت والی نماز میں شک ہو جائے کہ نہ معلوم تین پڑھی ہیں یا چار تو ایسے شخص کو چاہئے کہ زیادتی میں شک کرے یعنی کم تردد کو اختیار کرے جیسے صورت مذکورہ میں تین رکعت کو اختیار کر کے ایک رکعت اور پڑھ لے تاکہ اب کمی کے شک کے بجائے زیادتی کا شک ہو جائے کہ نہ معلوم چار رکعتیں پڑھی ہیں یا پانچ رکعتیں۔

آنحضرت ﷺ سے نماز میں کتنی جگہوں پر سہو ہوا تھا: نماز میں آنحضرت ﷺ سے چند مواقع پر سہو ہوا تھا۔ ایک قعدہ اول میں سہو ہوا تھا جیسا کہ عبداللہ ابن بجنہؓ کی روایت نمبر ۵ میں مذکور ہوا۔ دوسرا سہو آخری دونوں رکعتوں میں ہوا تھا۔ جیسا کہ حضرت ذوالیدینؓ کے واقعہ حدیث نمبر ۴ سے معلوم ہوا۔ تیسرا سہو آخری رکعت میں ہوا تھا جیسا کہ خرباقؓ والی حدیث نمبر ۸ میں گذرا اور چوتھا سہو آپ ﷺ کو پانچویں رکعت کی زیادتی میں ہوا تھا جیسا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث نمبر ۳ سے معلوم ہوا۔ لہذا علماء مجتہدین نے آنحضرت ﷺ کے عمل پر قیاس کرتے ہوئے یہ کلیہ بنایا کہ اگر نماز میں کسی شخص سے نماز کے واجبات میں سے کسی واجب میں سہو

۱۔ نام عبدالرحمن اور کنیت ابوہریرہ ہے قریش کی ایک شاخ بنو زہرہ میں پیدا ہوئے جن دس مہاجرہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی ان میں ایک ہیں۔ غزوہ تبوک میں حضورؐ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی ۳۲ میں ہتر سال کی عمر میں وفات پائی ۱۲۔

ہو جائے تو اس پر سہو کا سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں جتنی احادیث گزری ہیں ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے سہو ہو جانے کی صورت میں بعض موقعوں پر توجہ سہو سلام سے پہلے کیا اور بعض مواقع پر سلام پھیرنے کے بعد کیا۔ لہذا آنحضرت ﷺ کا عمل چونکہ دونوں طرح تھا اس لئے یہی کہا جائے گا کہ دونوں طریقے جائز ہیں لیکن ائمہ نے اس سلسلہ میں اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق الگ الگ صورت کو مقرر کر دیا ہے۔ سجدہ سہو کے وقت کے بارے میں ائمہ کے مسلک: چنانچہ حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ ہر موقع پر سجدہ سہو سلام سے پہلے کرنا چاہئے۔ اس طرح وہ ان احادیث کو کہ جن سے سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنا ثابت ہوتا ہے ان احادیث پر کہ جن سے سلام کے بعد سجدہ سہو کرنا ثابت ہوتا ہے ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ تمام مواقع پر سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا چاہئے کیونکہ اس کے ثبوت میں بہت زیادہ صحیح احادیث وارد ہیں۔ نیز کہ ابو داؤد، ابن ماجہ، احمد، اور عبد الرزاق نے ثوبانؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ہر سہو کے لئے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے ہیں“ لہذا جب آنحضرت ﷺ کا عمل متضاد مروی ہے کہ کبھی تو آپ ﷺ نے سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کیا ہے اور کبھی سلام پھیرنے کے بعد۔ تو ایسی صورت میں امام اعظمؒ نے آنحضرت ﷺ کے قول کو بطور دلیل اختیار کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک نقل فعل سے قوی ہے جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ جس موقع پر آنحضرت ﷺ نے سلام سے پہلے سجدہ کیا ہے اس موقع پر سلام سے پہلے ہی سجدہ کرنا چاہئے اور جس موقع پر آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ کیا ہے اس موقع پر سلام پھیر کر ہی سجدہ کیا جائے علماء لکھتے ہیں کہ حضرت امام احمدؒ کا یہ قول سب سے قوی اور بہتر ہے۔

اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ سجدہ سہو کے بارے میں یہ تمام اختلافات کہ سجدہ سلام کے بعد کرنا چاہئے یا پہلے محض فضیلت سے متعلق ہیں یعنی بعض ائمہ کے نزدیک سلام کے بعد سجدہ کرنا زیادہ افضل ہے اور بعض کے نزدیک سلام سے پہلے افضل ہے لیکن جہاں تک جواز کا تعلق ہے تو جیسا کہ ائمہ اربعہ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے اس بات پر سب متفق ہیں کہ جائز دونوں طرح ہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ ”صحیح تر یہ ہے کہ دونوں طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا چاہئے۔“

بَابُ سُجُودِ الْقُرْآنِ

قرآن کے سجدوں کا بیان

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق قرآن مجید میں چودہ آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے خواہ سننا قصداً نہ ہو ایک سجدہ واجب ہوتا ہے۔ ان آیتوں کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔ دیگر ائمہ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ سجدہ تلاوت صرف ایک مرتبہ دو تکبیروں کے درمیان (یعنی ایک تکبیر سجدہ میں جاتے وقت اور دوسری تکبیر سجدہ سے اٹھتے وقت) کیا جاتا ہے اس سجدہ کے لئے رفع یدین، تشهد اور سلام کی ضرورت نہیں پڑتی۔

سجدہ تلاوت صحیح ہونے کی وہی سب شرطیں ہیں جو نماز کے صحیح ہونے کی ہیں یعنی طہارت، ستر کی پردہ پوشی، نیت، اور استقبال قبلہ تحریم اس میں شرط نہیں۔ اس کی نیت میں آیت کی تعین شرط نہیں ہے کہ یہ سجدہ فلاں آیت کے سبب سے ہے۔ اور اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھی جائے اور فوراً سجدہ کیا جائے تو نیت بھی شرط نہیں۔

الفصل الاول

سورہ نجم کا سجدہ

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ - (رواہ البخاری)

”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”سرور کونین ﷺ نے سورہ نجم میں سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں جنوں اور سب آدمیوں نے (بھی) سجدہ کیا۔“ (بخاری)

تشریح: آنحضرت ﷺ سورہ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ ”فَاسْجُدْ لِلَّهِ وَاعْبُدْ“ ”سجدہ کرو اللہ کا اور عبادت کرو۔“ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی فرمانبرداری کی غرض سے سجدہ کیا جب آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو تمام مسلمانوں نے بھی آپ ﷺ کی متابعت میں سجدہ کیا، اسی طرح مشرکین نے بھی جب اپنے بتوں یعنی لات و منات اور عزی کے نام سے تو انہوں نے بھی سجدہ کیا، یا پھر مشرکوں کے سجدہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ مکہ میں مسجد الحرام کے اندر جب سورہ نجم کی ان آیتوں۔

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ أَلَكُمُ الذَّكْرُ وَاللَّهُ الْأُنثَىٰ-

”یعنی: بھلا تم لوگوں نے لات و عزی کو دیکھا اور تیسرے منات کو (کہ یہ بت کہیں خدا ہو سکتے ہیں مشرکوں) کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور خدا کے لئے بیٹیاں۔“

کو پڑھنے لگے تو شیطان ملعون نے اپنی آواز کو آنحضرت ﷺ کی آواز سے مشابہ بنا کر یہ پڑھا

بَلْكَ الْغَوَائِثُ الْعُلَىٰ وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتَرْتَجَىٰ-

”یعنی: یہ بت بلند مرغابیاں ہیں اور بیشک ان کی شفاعت امید بخش ہے۔“

مشرکین یہ سمجھے کہ (نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ نے ہمارے بتوں کی تعریف کی ہے اس سے وہ بہت زیادہ خوش ہوئے چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی سجدہ کر ڈالا۔“

بعض مفسرین نے اس موقع پر یہ تفسیر کی ہے کہ یہ الفاظ شیطان نے ادا نہیں کئے تھے بلکہ نعوذ باللہ خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سہواً نکل گئے تھے۔ یہ قول بالکل غلط اور محض ذہنی اختراع ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ شیطان ملعون نے اپنی آواز کو آنحضرت ﷺ کی آواز سے مشابہ بنا کر یہ الفاظ ادا کر دیئے جس سے مشرکین یہ سمجھ بیٹھے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ الفاظ ادا کر رہے ہیں۔

حدیث میں ”مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور سب آدمیوں“ سے مراد وہ ہیں جو آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت موجود تھے۔ لفظ ”انّس“ تعمیم بعد تخصیص ہے۔

سورہ انشقاق اور سورہ علق کے سجدے

② وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَأَقْرَأَ بِأَسْمِ رَبِّكَ-

(رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے سرور کونین ﷺ کے ساتھ (سورۃ الشقاق یعنی إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ اور (سورۃ علق یعنی) اَفْرَأَيْتُمْ ذَٰلِكَ مِیْن سَجْدَہِ کَیَا۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے اس قول کا رد ہوتا ہے کہ مفصل میں سجدہ نہیں ہے

سجدہ تلاوت واجب ہے

③ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ فَنَزْدَحِمُ حَتَّى مَا يَسْجُدُ أَحَدُنَا لِحَبِثَتِهِ فَوْضِعًا يَسْجُدُ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ سجدہ (کی کوئی آیت) پڑھتے اور ہم آپ ﷺ کے قریب ہوتے تھے تو جب آنحضرت ﷺ سجدہ کرتے ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے اور (اس وقت) ہم لوگوں کا اس قدر اثر و حام ہوتا تھا کہ ہم میں سے بعض کو تو اپنی پیشانی ٹیک کر سجدہ کرنے کی جگہ بھی نہیں ملتی تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ سجدہ کی کوئی آیت تلاوت فرماتے تو اس موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے کے لئے اتنے زیادہ لوگوں کا جھوم ہو جاتا تھا کہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے بعض لوگوں کو تو آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنا بھی نصیب نہ ہوتا تھا اور وہ پھر بعد میں سجدہ کرتے تھے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سجدہ تلاوت واجب ہے کیونکہ تلاوت کا سجدہ واجب نہ ہوتا تو لوگ اتنا زیادہ اہتمام اثر و حام کیوں کرتے۔

ایسے موقع پر جب کہ تلاوت کرنے والے کے پاس لوگ مٹھے ہوں اور اس کی تلاوت سن رہے ہوں تو سجدہ کی کوئی آیت پڑھنے کے بعد سجدہ کرنے کے سلسلے میں شکت یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا شخص آگے ہو جائے اور تلاوت سننے والے اس کے پیچھے ہو کر صف باندھیں اس طرح سب لوگ سجدہ کر لیں۔ یہ اقتداء ضرورہ ہے حقیقتاً اقتداء نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کا سورۃ نجم میں سجدہ نہ کرنا

④ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ نَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّجْوِيمَ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت زید ابن نابتؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کے سامنے سورۃ نجم تلاوت کی اور آپ ﷺ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کی جانب سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر سورۃ نجم میں سجدہ بیان جواز کے لئے نہیں کیا، حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ مفصل میں سجدہ نہیں ہے اس لئے آپ ﷺ نے سجدہ نہیں کیا اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرف سے اس حدیث کی توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر سجدہ یا تو اس لئے نہیں کیا کہ اس وقت آپ ﷺ با وضو نہیں تھے، یا یہ کہ وہ وقت کراہت تھا، یا پھر آپ ﷺ نے سجدہ اس لئے ترک کیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سجدہ تلاوت فرض نہیں ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ سجدہ تلاوت فی الفور واجب نہیں ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت تو سجدہ نہ کیا ہو البتہ بعد میں کسی وقت کر لیا ہو۔ لہذا اس سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ سورۃ نجم کا سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ گذر چکا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے اور دوسرے لوگوں نے بھی سورۃ نجم کا سجدہ کیا تھا۔

سورہ ص کا سجدہ

⑤ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجَدَ صَ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيهَا وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ مُجَاهِدٌ قُلْتُ لَا بِنِ عَبَّاسٍ أَسْجُدُ فِي صَ فَقَرَأَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدُ وَسُلَيْمَانُ حَتَّى آتَى فِيهِمَا هُمُ اقْتَدِيَهُ فَقَالَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ أَمَرَ أَنْ يَقْتَدِيَ بِهِمْ - (رواه البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ”سورہ ص کا سجدہ بہت تاکیدیں سجدوں میں سے نہیں ہے اور میں نے سرور کونین ﷺ کو اس سورہ میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔“

”ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت مجاہدؒ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ”کیا میں سورہ ص میں سجدہ کروں“ حضرت ابن عباسؓ نے آیت وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدُ وَسُلَيْمَانُ سے قِبَهِدَاهُمْ اقْتَدِيهِ پڑھی اور فرمایا ”تمہارے نبی ﷺ بھی اُسی لوگوں میں سے ہیں جنہیں پہلے نبیوں کی اتباع کا حکم تھا۔“ (بخاری)

تشریح: لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ بہت تاکیدیں سجدوں میں سے نہیں) کا مطلب فقہ حنفی کی رو سے یہ ہے کہ یہ سجدہ فرائض میں سے نہیں ہے بلکہ واجبات تلاوت میں سے ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ سوکھ میں آنحضرت ﷺ کا سجدہ کرنا حضرت داؤد علیہ السلام کی موافقت اور ان کی توبہ کی قبولیت کے شکر کے طور پر تھا۔

حضرت ابن عباسؓ نے حضرت مجاہدؒ کے سوال کے جواب میں پہلے آیت پڑھی جس سے اس بات کی دلیل دینا مقصود تھا کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں میں سے ہیں کہ جنہیں سابقہ انبیاء کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ لہذا حضرت ابن عباسؓ کے جواب کے مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے تو ہمیں بطریق اولیٰ ان کی پیروی کرنی چاہئے یعنی جب حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا اور آنحضرت ﷺ نے بھی ان کی موافقت و پیروی میں سجدہ کیا تو ہم کو چاہئے کہ ہم بھی سجدہ کریں۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

قرآن میں کل کتنے سجدے ہیں؟

⑥ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ أَقْرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِي الْقُرْآنِ مِنْهَا ثَلَاثٌ فِي الْمُنْفَصِلِ وَفِي سُورَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَيْنِ - (رواه ابو داؤد و ابن ماجہ)

”حضرت عمرو ابن العاصؓ کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے انیس (یعنی عمرو ابن العاصؓ کو قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے ان میں سے تین تو منفصل (سورتوں میں ہیں اور دو سجدے سورہ حج میں ہیں۔“ (ابو داؤد و ابن ماجہ)

تشریح: مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں لفظ اقراء کے بجائے لفظ اقراء فی ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے سامنے پڑھوں۔ اس حدیث کے مطابق قرآن کریم کی پندرہ آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے ایک سجدہ واجب ہوتا ہے۔ آیتوں کی تفصیل یہ ہے:

① سورہ اعراف کے آخر میں یہ آیت:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ۔

”بیٹھ کر جو لوگ (یعنی فرشتے) تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے غرور اور انکار نہیں کرتے اور اس کا سجدہ کرتے ہیں۔“

① سورہ اعراف کے دوسرے رکوع میں یہ آیت:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلًا لَّهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاَصَالِ۔

”وہ تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں خوشی سے، کوئی ناخوشی سے اور ان کے سایہ صبح و شام۔“

② سورہ نحل کے پانچویں رکوع کے آخر کی یہ آیت:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنْ ذٰلِكَ وَمَنْ اَلَمْ يَخْلُقْهُمْ اَوَّْلًا ثُمَّ لِيَسْجُدُوْهُمْ يُخٰفُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔

”اور تمام چاند اور آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب خدا کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی، اور وہ ذرا بھی غرور نہیں کرتے اور اپنے پروردگار سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں نیز انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔“

③ سورہ بنی اسرائیل کے بارہویں رکوع میں یہ آیت:

وَيَخْرُوْنَ لِاِلٰهٍ اَحَدٍ يَّسْجُدُوْنَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوْعًا۔

”اور وہ منہ کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور اس سے ان کو اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے (یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو آنحضرت ﷺ سے پہلے ایماندار لوگ تھے)۔“

④ سورہ مریم کے چوتھے رکوع میں یہ آیت:

وَاِذَا تَنٰثَلٰ عَلَيْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَبُكِيًّا۔

”جب چمکی جاتی ہیں ان پر رحمن کی آیتیں تو گرتے ہیں وہ سجدہ کرنے کے لئے روتے ہوئے (یہ انبیاء اور ان کے اصحاب کا حال بیان کیا گیا ہے)۔“

⑤ سورہ حج کے دوسرے رکوع میں یہ آیت:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَذٰلِكَ حَقُّ عَلٰی الْعٰدَابِ وَمَنْ يَّهِنْ لِّهِنَّ اللّٰهُ فَعٰلَاهُم مِّنْ مُّكْرِمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ۔

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان خدا کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے آدمی ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے اور جس شخص کو خدا اذیل کرے اس کو کوئی

۱۔ اس آیت میں ولہ یسجدون پر سجدہ ہے۔

۲۔ اس آیت میں بالغدو والاصال پر سجدہ ہے۔

۳۔ اس آیت میں ویفعلون مایؤمرون پر سجدہ ہے۔

۴۔ اس آیت میں ویزیدہم خشوعا پر سجدہ ہے۔

۵۔ اس آیت میں یسجدوا بکیا پر سجدہ ہے۔

۶۔ اس آیت میں یسجدلہ پر سجدہ ہے مگر پوری آیت پڑھنے کے بعد سجدہ ہے۔

عزت دینے والا نہیں، بے شک خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

۸ سورہ حج کے آخری رکوع کی یہ آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ، وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

”اے ایمان والو! رکوع کرتے اور سجدہ کرتے اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہو اور نیک کام کرو تاکہ فلاح پاؤ۔“

۹ سورہ فرقان کے پانچویں رکوع کی یہ آیت:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا۔

”اور جب ان (عرب کے کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ سجدہ کرو رحمن کا تو کہتے ہیں کہ رحمن کیا چیز ہے۔ کیا ہم سجدہ کر لیں اس کو جس کو تم کہتے ہو اور ہم کو نفرت بڑھتی ہے۔“

۱۰ سورہ نمل کے دوسرے رکوع میں یہ آیت:

أَلَا يَسْجُدُ لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۚ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رُبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ۔

”اور تمہیں سمجھتے کہ خدا کو جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور تمہارے پوشیدہ و ظاہر اعمال کو جانتا ہے کہیں سجدہ نہ کریں؟ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔“

۱۱ سورہ الم نشرل السجدہ کے دوسرے رکوع میں یہ آیت:

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ۔

”ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان رکھتے ہیں کہ جب انہیں وہ آیتیں یاد دلائی جائیں تو سجدہ کرنے کے لئے گر جائیں اور اللہ کی حمد و ثناء بیان کریں اور یہ لوگ غرور نہیں کرتے۔“

۱۲ سورہ ص کے دوسرے رکوع میں یہ آیت:

وَحُورٌ مُّجَنَّبَاتٌ وَقَابٌ فَقَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنُ مَآبٍ۔

”اور (داؤد علیہ السلام) گر پڑے سجدہ کے لئے اور توبہ کی۔ پس ہم نے ان کو بخش دیا اور بے شک ہمارے یہاں ان کا تقرب ہے اور عمدہ مقام ہے۔“

۱۳ سورہ جم سجدہ کے پانچویں رکوع میں یہ آیت:

فَإِنْ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ۔

۱۔ اس آیت میں لعلمکم تغلبون پر سجدہ ہے۔

۲۔ اس آیت میں وزادہم نفوراً پر سجدہ ہے۔

۳۔ اس آیت میں حضرت سلیمان کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور یہاں رب العرش العظیم اور بعض کے نزدیک لعلمکم تغلبون پر سجدہ ہے۔

۴۔ اس آیت میں لا یسکتہون پر سجدہ ہے۔

۵۔ اس آیت میں وحسن مآب پر سجدہ ہے۔

”اگر یہ لوگ سرکشی کریں تو (خدا کو بھی ان کی پرواہ نہیں) جو (فرشتے) تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور کبھی تھکتے ہی نہیں۔“

۱۲۔ سورہ نجم کے آخر میں یہ آیت:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْبُدُوْا۔

”سجدہ کرو اللہ کا اور عبادت کرو۔“

۱۳۔ سورہ انشقت میں یہ آیت:

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۚ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ۔

”تو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔“

۱۴۔ سورہ اقرآن میں یہ آیت:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔

”(اے محمد!) سجدہ کیجئے اور اللہ سے نزدیک ہو جائیے۔“

ائمہ کے ہاں سجدوں کی تعداد ائمہ کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں کل کتنی آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے یا سننے سے ایک سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت امام احمدؒ نے اس حدیث کے مطابق کہا ہے کہ ایسی آیتیں پندرہ ہیں جن کی تفصیل اوپر کی گئی چنانچہ انہوں نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے یہاں آیت سجدہ کی تعداد چودہ ہے۔ اس طرح کہ سورہ حج میں تو دو سجدے ہیں اور سورہ ص میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے یہاں آیت سجدہ کی تعداد گیارہ ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ سورہ ص، سورہ نجم، سورہ انشقت اور سورہ اقرآن میں سجدہ نہیں ہے حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کل سجدوں کی تعداد چودہ ہے اس طرح کہ سورہ حج میں دو سجدے نہیں ہیں بلکہ ایک ہی سجدہ ہے جو دو سرے رکوع میں ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عمرو ابن العاصؓ کی یہ حدیث جس سے سجدوں کی تعداد پندرہ ثابت ہوتی ہے ضعیف ہے اور اس کو دلیل بنانا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اس کے بعض راوی مجہول ہیں۔

نماز میں بھی سجدہ تلاوت کرنا چاہئے: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز فرض اور نماز نفل میں اگر کوئی آیت سجدہ کی قرات کی جائے تو نماز ہی میں سجدہ کیا جائے یعنی جو سجدہ تلاوت نماز میں واجب ہو اسے خارج نماز میں ادا نہ کیا جائے۔ آیت سجدہ اگر فرض نماز میں پڑھی جائے تو اس کے سجدہ میں نماز کے سجدہ کی طرح سبحان ربی الاعلیٰ کہنا ہی بہتر ہے اور اگر نفل نماز میں یا خارج نماز میں پڑھی جائے تو اس کے سجدہ میں اختیار ہے کہ سبحان ربی الاعلیٰ کہا جائے یا اور تسبیحیں جو احادیث میں وارد ہوئی پڑھی جائیں مثلاً یہ تسبیح:

۱۔ اس آیت میں لا یؤمنون پر سجدہ ہے یا تعبدون پر ہے۔

۲۔ اس آیت میں واعبدوا پر سجدہ ہے۔

۳۔ اس آیت میں لا یسجدون پر سجدہ ہے۔

۴۔ اس آیت میں واقترّب پر سجدہ ہے۔

سَخَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِخَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔

”میرے منہ نے اس ذات کا سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا جس نے اسی کو بنایا اور اس میں کان و آنکھ پیدا کیں اپنی طاقت اور قوت سے پس بزرگ ہے اللہ اچھا پیدا کرنے والا ہے۔“

نماز میں آخر سورۃ میں سجدہ کی آیت آجانے کا مسئلہ: بعض علماء کا یہ قول ہے کہ نماز میں سجدہ کی جو آیت آخر سورۃ میں آجائے تو رکوع کرنا ہی سجدہ کے لئے کافی ہو جاتا ہے یعنی رکوع کرنے میں سجدہ تلاوت بھی ادا ہو جاتا ہے۔ یہ قول حضرت عبداللہ ابن مسعود کا ہے اور یہی مسلک حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ اگر آیت سجدہ نماز میں پڑھی جائے اور فوراً رکوع کیا جائے یا آیت سجدہ کے بعد دو تین آیتیں پڑھ کر رکوع کر لیا جائے اور اس رکوع میں جھکے وقت سجدہ تلاوت کی بھی نیت کر لی جائے تو سجدہ ادا ہو جائے گا اور اگر اسی طرح آیت سجدہ پڑھنے کے بعد نماز کا سجدہ کیا تب بھی سجدہ ادا ہو جائے گا اور اس میں نیت کی بھی ضرورت نہ ہوگی مگر شرط یہی ہے کہ ہر دو صورت میں آیت سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ قرأت نہ کی گئی ہو کیونکہ تین آیتوں کے پڑھنے میں تو اختلاف بھی ہے مگر یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ تین سے زیادہ آیتیں پڑھنے کی صورت میں نماز کے رکوع یا سجود میں سجدہ تلاوت ادا نہیں ہوگا بلکہ الگ سے سجدہ تلاوت کرنا ضروری ہوگا۔

دو سجدوں کی وجہ سے سورۃ حج کی فضیلت

⑤ وَعَنْ عَقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَصَلَّتْ سُورَةُ الْحَجِّ بَانَ فِيهَا سَجْدَتَيْنِ قَالَ نَعَمْ وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَأْهُمَا زَوَاةً أَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَفِي الْمَصَابِيحِ فَلَا يَقْرَأُهَا كَمَا فِي شَرْحِ السَّنَةِ۔ (رواہ ابوداؤد، الترمذی)

”اور حضرت عقبہ ابن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کو میں ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ اس سورۃ حج کو اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! جو شخص دونوں سجدے نہ کرے تو وہ ان دونوں سجدوں کی آیتوں کو نہ پڑھے۔“ (ابوداؤد ترمذی) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے اور مصابیح میں مثل شرح السنۃ کے فلا یقرأہما (تو وہ دونوں سجدوں کی آیتوں کو نہ پڑھے) کے بجائے فَلَا يَقْرَأُهَا (تو وہ اس سورۃ کو نہ پڑھے) کے الفاظ ہیں۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص سجدے کی ان دونوں آیتوں کو نہ پڑھے تو اسے وہ آیتیں ہی نہ پڑھنی چاہیں تاکہ وہ ترک واجب کا گنہگار نہ ہو یعنی قرآن کریم پڑھنے والے کے حق میں سجدہ کی آیت کی تلاوت کی وجہ سے ایک سجدہ شروع ہوا ہے اور سجدہ تلاوت کرنا تلاوت کے حقوق میں سے ہے لہذا اگر کوئی شخص سجدہ تلاوت کو ترک کرنے کے درپے ہو تو اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ ان آیتوں ہی کو نہ پڑھے جن کی وجہ سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے کیونکہ سجدہ واجب ہے اور اس کو چھوڑنے والا گنہگار ہوتا ہے اس لئے ترک سجدہ سے ترک تلاوت اولیٰ ہے۔

مشکوٰۃ کے ایک دوسرے صحیح نسخہ میں بجائے فَلَا يَقْرَأُهَا کے فَلَمْ يَقْرَأْهَا کے الفاظ ہیں اس طرح آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے معنی یہ ہوں گے کہ جس نے وہ دونوں سجدے نہ کئے گویا اس نے انہیں پڑھا ہی نہیں یعنی جب اس نے اس آیت کے تقاضا پر عمل نہ کیا تو اس کا پڑھنا نہ پڑھنا دونوں برابر ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سورۃ حج کا دوسرا سجدہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک واجب نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ سجدہ نماز کا ہے کیونکہ وہاں لفظ ”ارکعوا“ کا مذکور ہونا اس بات کا قرینہ ہے۔

امام ترمذیؒ نے آخر میں ہذا حدیث ثبت لیس استاذہ بالقوی کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

سورۃ الم تنزل السجدہ کا سجدہ

⑧ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِي صَلَوةِ الظُّهْرِ ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ فَأَوَّأَ أَنَّهُ قَرَأَ تَنْزِيلَ السَّجْدَةِ۔ (رواہ البزار)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور کونین ﷺ نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا اور کھڑے ہوئے پھر رکوع کیا اور لوگوں کو یہ گمان تھا کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ الم تنزل السجدہ پڑھی ہے۔“ (البزار)

تشریح: صحابہؓ نے محض سجدے سے معلوم نہیں کیا تھا کہ آپ ﷺ نے سورۃ الم تنزل السجدہ پڑھی ہے بلکہ سورت کی ایک آیت آنحضرت ﷺ سے سنی ہوگی اس سے انہیں اندازہ ہوگا کہ آپ ﷺ یہ سورہ پڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ (آہستہ آواز سے پڑھی جانے والی نمازوں میں) کبھی کبھی ایک آیت باوریلند بھی پڑھ دیا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں سورۃ کی قرأت ہو رہی ہے یا یہ کہ انتہائی شوق اور حضور قلب کی وجہ سے بے اختیار آپ ﷺ کی لسان مقدس سے کوئی آیت باوریلند جاری ہو جاتی تھی۔

بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے آیت سجدہ پڑھ کر جب سجدہ کیا اور سجدہ سے اٹھے تو بقیہ سورۃ پوری نہیں کی بلکہ رکوع میں چلے گئے چنانچہ یہ جائز ہے اگرچہ افضل یہی ہے کہ سجدے سے اٹھ کر بقیہ سورۃ پوری کی جائے اس کے بعد رکوع کیا جائے لہذا یہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا بیان جواز کی خاطر کیا ہو یا جو یکہ نص سے بصراحت تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے بقیہ سورہ پوری نہیں کی اور رکوع میں چلے گئے تاہم ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے محض رکوع پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مستعلاً سجدہ کیا جیسا کہ خفیہ کے یہاں ایسی صورت میں رکوع ہی میں سجدہ ادا ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ افضل اور اولیٰ چونکہ سجدہ کر لینا ہی ہے اس لیے آپ ﷺ نے افضل طریقہ کو اختیار فرمایا۔

سجدہ تلاوت قاری اور سامع دونوں پر واجب ہوتا ہے

⑨ وَعَنْهُ أَنَّهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ فَأَذَانُ بِاللَّسْخَةِ كَثِيرًا وَسَجْدًا نَاعَةً۔

(رواہ البزار)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ ہمارے سامنے قرآن کریم پڑھتے اور جب آیت سجدہ کی کسی آیت پر پہنچتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے تھے۔“ (البزار)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوگئی کہ سجدہ تلاوت قاری (یعنی قرآن کریم پڑھنے والے) اور سامع (یعنی تلاوت سننے والے) دونوں پر واجب ہے۔

صرف سجدہ کے وقت تکبیر کہنی چاہئے: یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سجدہ تلاوت کے لئے تکبیر صرف سجدہ میں جاتے وقت کہنی چاہئے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا اس پر عمل ہے۔

البتہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ مسئلہ ہے کہ جب کوئی شخص سجدہ تلاوت کرے تو اسے پہلے ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریر کہنی چاہئے اس کے بعد سجدہ کے لئے دوسری تکبیر کہے حضرت عاتکہؓ کی ایک روایت کی روشنی میں یہ ثابت ہے کہ سجدہ تلاوت کے وقت پہلے کھڑے ہونا اور اس کے بعد سجدہ میں جانا مستحب ہے۔

⑩ وَعَنْهُ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَامَ الْفَتْحِ سَجْدَةً فَسَجَدَ النَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْهُمْ الزَّائِبُ وَالسَّاجِدُ عَلَى الْأَرْضِ حَتَّى أَنَّ الزَّائِبَ لَيْسَ سَجْدًا عَلَى يَدِهِ۔ (رواہ البزار)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فتح مکہ کے سال (کوئی) آیت سجدہ پڑھی چنانچہ تمام لوگوں نے (آنحضرت ﷺ کے ساتھ) سجدہ تلاوت کیا سجدہ کرنے والوں میں بعض تو سوار یوں پر تھے اور بعض زمین پر تھے سوار یوں والے اپنے ہاتھ ہی پر سجدہ کرتے تھے۔“ (البزار)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے یا تو آیت سجدہ کے ساتھ کچھ اور آیتیں بھی ملا کر پڑھی ہوں گی یا پھر محض آیت سجدہ بیان جواز کے لئے پڑھی ہوگی، کیونکہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق صرف آیت سجدہ کی تلاوت کرنا خلاف استحباب ہے۔

”سوار یوں والے اپنے ہاتھ ہی پر سجدہ کرتے تھے“ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی سوار یوں مثلاً گھوڑے وغیرہ پر بیٹھے ہوئے تھے وہ اپنے ہاتھوں کو زمین وغیرہ پر رکھ کر ان پر سجدہ کرتے تھے اس طرح انہیں حالت سجدہ میں زمین کی ہی غنّی حاصل ہو جاتی تھی۔

حضرت ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص گردن جھکا کر اپنے ہاتھوں پر سجدہ کرے تو اس کا سجدہ جائز ہو جائے گا اور یہی قول حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ہے البتہ حضرت امام شافعیؒ کا یہ قول نہیں ہے۔

ابن ملکؒ نے حضرت امام اعظمؒ کا جو یہ قول ذکر کیا ہے یہ ان کے مسلک میں غیر مشہور ہے چنانچہ شرح فیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص جھوم و اڑدہام کی وجہ سے اپنی ران پر سجدہ کر لے تو جائز ہوگا اسی طرح ران کے علاوہ کسی دوسرے عضو پر بھی سجدہ کرنا جائز ہے جب کہ اسے کوئی ایسا عذر پیش ہو جو سجدہ کرنے سے مانع ہو، بغیر عذر ایسا کرنا جائز نہ ہوگا نیز اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ زمین پر رکھ کر اس پر سجدہ کر لے تو اگرچہ اسے کوئی عذر نہ ہو یہ جائز ہے مگر مکروہ ہوگا۔

ابن امام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو سجدہ کی کوئی آیت پڑھے اور سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو تو اسے سجدہ کا اشارہ کر لینا کافی ہوگا۔

آنحضرت کا مفصل سورتوں میں سجدہ نہ کرنا

⑪ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْجُدْ فِي شَيْءٍ مِنَ الْمَفْصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ إِلَى الْمَدِينَةِ۔

(رواہ البزار)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ مدینہ تشریف لانے کے بعد مفصل سورتوں میں سے کسی سورۃ میں سجدہ نہیں کیا۔“ (البزار)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے سے پہلے مکہ میں تو مفصل سورتوں میں سجدہ تلاوت کیا اور ان کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی کیا مگر جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے تو یہاں مفصل سورتوں میں سجدہ تلاوت نہیں کیا۔

ابو ہریرہؓ کی حدیث سے تعارض: اس حدیث سے تو بصراحت یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں مفصل سورتوں میں سجدہ تلاوت نہیں کیا حالانکہ اس سے پہلے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نمبر ایک گزر چکی ہے کہ جس میں ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ اور اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي مَلَأَ الْفَلَاقِ الْكَبِيرَ پڑھا اور ان دونوں حدیثوں میں تعارض پیدا ہو گیا تو ان میں سے کسی ایک کو راجح قرار دینا ہوگا اور راجح حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہوگی کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ مدینہ میں سات حجری میں اسلام لائے اور ظاہر ہے کہ ان کی روایت کا تعلق مدینہ ہی سے ہے اور فنی طور پر بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت صحیح تر ہے پھر یہ کہ ان کے علاوہ بہت زیادہ صحابہؓ کی روایت ہے کہ مفصل سورتوں میں سجدہ ہے نیز اصول ہے کہ ثبت پہلو حقیقی پہلو پر فوقیت رکھتا

ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے منقول پہلو ثابت ہوتا ہے جب کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت مثبت پہلو کو ظاہر کر رہی ہے۔
لہذا حاصل یہ نکلا کہ مفصل سورتوں میں آنحضرت ﷺ کا سجدہ کرنا ثابت ہے اس لئے ان سورتوں میں سجدہ کی جو آیتیں ہیں ان کی تلاوت یا سماعت پر سجدہ کرنا چاہئے۔

مفصل چھوٹی سورتوں کو کہتے ہیں کہ وہ سورہ حجرات سے آخر تک ہیں۔

سجدہ تلاوت کی تسبیح

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ سَجْدَةً وَجَهِي لِلَّهِ خَلْقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِخَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ زَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ رات کو قرآن کے سجدوں میں یہ تسبیح پڑھتے تھے۔ سَجْدَةً وَجَهِي لِلَّهِ خَلْقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِخَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ میرے منہ نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا اور اپنی قوت و قدرت سے کان اور آنکھیں بنائیں (ابوداؤد ترمذی، نسائی) اور حضرت امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ ”حدیث حسن صحیح ہے۔“

تشریح: رات کی قید اتفاقی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ تسبیح رات ہی میں سنی ہوگی چنانچہ اسی کو بیان کیا ورنہ تو رات یا دن کی قید کے بغیر مطلقاً طور پر بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ تسبیح سجدہ تلاوت میں پڑھتے تھے نیز بعض روایات میں یہ تسبیح بھی منقول ہے۔

رَبِّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِی فَاغْفِرْ لِی۔

”میرے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا مجھے بخش دے۔“

خفیہ کا صحیح مسلک یہ ہے سجدہ تلاوت میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنا کافی ہے جیسا کہ نماز کے سجدوں میں پڑھتے ہیں لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ سجدہ تلاوت کے جو تسبیحیں ثابت ہوئی ہیں ان کا پڑھنا اولیٰ ہے۔

(۱۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ زُجَلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَلْبَسْتُ الْبَيْتَةَ وَأَنَا نَائِمٌ كَأَنِّي أَصْلِي خَلْفَ شَجَرَةٍ فَسَجَدْتُ فَسَجَدْتُ الشَّجَرَةُ لِسُجُودِي فَسَمِعَتْهَا تَقُولُ اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وَزْرًا وَاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ زُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهُمَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجْدَةً ثُمَّ سَجَدَ فَسَمِعَتْهُ وَهُوَ يَقُولُ مِثْلَ مَا أَخْبَرَهُ الرَّجُلُ عَنْ قَوْلِ الشَّجَرَةِ زَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَتَقَبَّلْهَا كَمَا تَقَبَّلْتَهُمَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔ (ترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک شخص سرور کونین ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے آج رات خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ گویا ایک درخت کے نیچے میں نماز پڑھ رہا ہوں اور یہ بھی دیکھا کہ جب میں نے سجدہ تلاوت کیا تو اس درخت نے بھی میرے ساتھ سجدے کے وقت سجدہ کیا تو میں نے یہ سنا کہ وہ درخت یہ دعا پڑھتا تھا۔ اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وَزْرًا وَاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ زُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهُمَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ اے اللہ! میرے لئے اس سجدے کا ثواب اپنے پاس رکھ اور اس کی وجہ سے میرے گناہ معاف فرما اور اس سجدے کو میرے واسطے خیر بنا کر اپنے پاس رکھ اور میرے اس سجدہ کو ایسا قبول کر جیسا اپنے بندے داؤد سے قبول کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دعا پڑھنے کی غرض سے اسی مجلس میں یا بعد میں سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ تلاوت کیا اور میں نے آپ ﷺ کو (دعا کے) وہی کلمات کہتے ہوئے

نے جو اس آدمی نے درخت سے نکل کئے تھے یعنی آپ ﷺ نے وہی دعا پڑھی۔ (ترمذی)

اس روایت کو ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے مگر ان کی روایت میں وَقَفْلُهَا مِثْنِي كَمَا تَقْبَلُهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ کے الفاظ نہیں ہیں نیز امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے سورہ ص کے سجدہ کی آیت پڑھی ہوگی اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں ہے کہ آپ ﷺ نے بھی یا تو سورہ ص ہی کے سجدہ کی آیت پڑھی ہوگی یا پھر سورہ سجدہ کی تلاوت کی ہوگی۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

سورہ وانجم کا سجدہ

(۱۴) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ وَالنَّجْمِ فَسَجَدَ فِيهَا وَمَسْجِدٌ مَنْ كَانَ مَعَهُ غَيْرُ أَنْ شَيْئًا مِنْ فُرَيْشٍ أَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصَى أَوْ ثَرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلَى جَنْبِهِ وَقَالَ يَكْفِيْنِي هَذَا قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَلَقَدْ زَايَنَهُ بَعْدَ قِتْلِ كَافِرٍ امْتَقَقَ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِي رِوَايَةٍ وَهُوَ أَمِيَّةُ بْنُ خُلْفٍ۔

”حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ایک روز سورہ وانجم کی تلاوت فرمائی اور اس میں سجدہ کیا آپ ﷺ کے پاس جو لوگ تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا۔ مگر قریش کے ایک بوڑھے نے نکلیاں یا ٹی کی ایک مٹھی لے کر اپنی پیشانی پر لگائی اور بولا کہ میرے لئے یہی کافی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس واقعہ کے بعد دیکھا کہ وہ شخص کفر کی حالت میں مارا گیا۔“ (بخاری و مسلم) اور بخاری نے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”وہ بوڑھا امیہ بن خلف تھا۔“

تشریح: یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے امیہ بن خلف قریش کا ایک معزز سردار اور ذی اثر فرد تھا اسلام اور آنحضرت ﷺ کے خلاف کی جانے والی تمام سازشوں میں اس کا پارٹ بڑا اہم ہوتا تھا اسے اپنی بڑائی پر بڑا ناز تھا، چنانچہ اس موقع پر جب کہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ مجلس میں موجود تمام ہی اشخاص نے کیا مسلمان اور کیا کفار جب آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سجدہ کیا تو اس شخص نے ازراہ غرور و تکبر سجدہ نہیں کیا بلکہ یہ حرکت کی کہ نکلیاں یا ٹی کی ایک مٹھی لے کر اسے پیشانی سے لگالیا۔

سورہ ص کا سجدہ

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِي ص. وَقَالَ سَجَدَ هَذَا دَاوُدُ تَوْبَةً وَنَسَجَدُ هَذَا شُكْرًا۔

(رواہ النسائی)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے سورہ ص میں سجدہ کیا اور فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سورہ ص کا یہ سجدہ توبہ کی قبولیت کے لئے کیا تھا (جس کی تفصیل سورہ ص میں مذکور ہے) اور ہم یہ سجدہ (ان کی قبولیت پر) شکر گزاری کے لئے کرتے ہیں۔“ (نسائی)

بَابُ أَوْقَاتِ النَّهْيِ

ان اوقات کا بیان جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے

اس باب کے تحت وہ احادیث نقل کی جائیں گی جو اوقات نبی کو ظاہر کرتی ہیں یعنی جن اوقات میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ لہذا یہ باب

ان تینوں اوقات کو شامل ہے جن میں نماز حرام ہے جیسے طلوع آفتاب کا وقت، غروب آفتاب کا وقت اور استواء کا وقت یعنی نصف النہار کا وقت اور ان اوقات کو بھی شامل ہے جیسے فجر اور عصر کی نماز کے بعد کا وقت۔

حنفیہ کے مسلک میں یہ بھی فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے چنانچہ پہلے تینوں اوقات یعنی طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور استواء کے وقت نماز جائز نہیں ہے خواہ ادا ہو یا قضا البتہ اسی دن کے عصر کی نماز جائز ہے اسی طرح نہ جنازہ کی نماز جائز ہے اور نہ تلاوت کا سجدہ جائز ہے ہاں اس جنازہ کی نماز جائز ہوگی اگر انہیں اوقات میں لایا گیا ہو اسی طرح وہ سجدہ تلاوت جائز ہوگی آیت سجدہ انہیں اوقات میں پڑھی گئی ہو۔ تاہم ان اوقات سے مؤخر کرنا اولیٰ ہوگا۔

نماز جنازہ سجدہ تلاوت اور قضا نماز فجر کے پورے وقت میں اور عصر کی نماز کے بعد بھی جائز ہے نفل نماز ان اوقات میں بھی مکروہ ہے اگر کوئی شخص ان اوقات میں نفل نماز شروع کر دے گا وہ لازم ہو جائے گی یعنی اس وقت سے اسے نماز توڑ دینی چاہئے اور پھر وقت مکروہ کے نکل جانے کے بعد اس کی قضا پڑھنی چاہئے اور اگر کوئی شخص نماز توڑے نہیں بلکہ اسی وقت پوری کرے تو وہ اس سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے مگر نماز توڑ دینا ہی افضل ہے۔

حضرت امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ان اوقات میں قضا نماز اور اس جنازہ کی نماز جو اسی وقت لایا گیا ہو جائز ہے نیز تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنی بھی جائز ہے اگر اتفاق سے مسجد میں داخل ہو جائے اور اگر کوئی شخص قصد تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنے کی خاطر مسجد میں ان اوقات میں آئے یا قضا نماز میں تاخیر اس مقصد سے کرے کہ انہیں اوقات میں پڑھے تو اس صورت میں جائز نہیں کیونکہ ان اوقات میں قصد ایہ نمازیں پڑھنا حدیث کے بموجب ممنوع ہے اسی طرح ان کے نزدیک ان اوقات میں کسوف کی نماز وضو کے بعد کی دو رکعت نماز اور احرام و طواف کی دو رکعت نماز نیز سجدہ تلاوت جس کی آیت انہیں اوقات میں پڑھی جائے جائز ہے۔

ان اوقات میں نماز پڑھنے کی کراہت حنفیہ کے نزدیک ہر زمانہ اور ہر جگہ ہے لیکن حضرت امام شافعی اور ان علماء کے نزدیک جو حضرت امام شافعی کے ساتھ ہیں جمعہ کے روز استواء یعنی نصف النہار کے وقت نماز جائز ہے نیز ان اوقات میں مکہ معظمہ میں بھی نماز جائز ہے۔

اتنی بات سمجھ لیجئے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک اس سلسلہ میں احوط (یعنی احتیاط پسندی پر مبنی) ہے کیونکہ جب کسی چیز کے بارے میں مباح اور حرام دونوں کے دلائل متعارض ہوں تو حرمت کے پہلو کو ترجیح دی جاتی ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَحَرَّيْ أَحَدُكُمْ فَيَصْلِي عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوبِهَا وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَلْيُغْوِ الصَّلَاةَ حَتَّى تَنْتَرِزَ فَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَلْيُغْوِ الصَّلَاةَ حَتَّى تَغِيبَ وَلَا تَحِيْثُوا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ قَرْيَتِي الشَّيْطَانِ - (متن ملہ)

”حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص آفتاب کے نکلنے اور ڈوبنے کے وقت نماز پڑھنے کا قصد نہ کرے۔ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو نماز چھوڑ دو یہاں تک کہ سورج خوب

۱۔ طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک فجر کے پورے وقت میں فجر کی دو سنتوں کے علاوہ دوسرے نوافل مکروہ ہیں البتہ فرض و واجب کی قضا پڑھی جاسکتی ہے مگر عصر کا پورا وقت مکروہ نہیں بلکہ فرض نماز کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے البتہ فرض و واجب کی قضا فرض عصر کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ظاہر ہو جائے یعنی (ایک نیزہ کے بقدر بلند ہو جائے) نیز جب سورج کا کنارہ ڈوب جائے تو مطلقاً کوئی بھی نماز خواہ فرض ہو یا نفل چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ بالکل غروب ہو جائے اور آفتاب کے طلوع ہونے و غروب ہونے کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرو اس لئے کہ سورج شیطان کے دونوں سیٹگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے الفاظ "قصد نہ کرے" سے حضرت امام شافعیؒ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان اوقات میں قصد اتحیۃ المسجد اور قضا کی نماز پڑھے گا تو اس حدیث کی رو سے خلاف کرے گا ہاں اگر کوئی شخص اتفاقاً پڑھے تو جائز ہو گا لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ حدیث کا مقصد مطلق طور پر ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کرنا ہے اس میں قصد ایسا اتفاقاً قید لگانا حدیث کے منشاء کے خلاف ہے۔

شیطان کے دونوں سیٹگوں کے درمیان آفتاب نکلنے کا مطلب: "شیطان کے دونوں سیٹگوں کے درمیان آفتاب نکلنے کا مطلب اس کے سر کے دونوں جانبوں کے درمیان آفتاب کا نکلنا ہے یعنی شیطان طلوع آفتاب کے وقت آفتاب کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ آفتاب اس کے سر کے دونوں جانبوں کے درمیان نکلے اور اس حرکت سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ آفتاب کو پوجتے ہیں شیطان ان کا قبلہ بن جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے تاکہ خدا کے ان باغیوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔"

وہ تین اوقات جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے

② وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ثَلَاثٌ مَسَاعِبَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّيَ فِيهِنَّ أَوْ نَقْبِرَ فِيهِنَّ مَوَاتَانَا حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَارِعَةً حَتَّى تَرْتَفِعَ وَحِينَ يَقُومُ قَائِمُ الظُّهَيْرَةِ حَتَّى تَمِيلَ الشَّمْسُ وَحِينَ تَصْغِفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ تین وقتوں میں نماز پڑھنے اور اپنے مردوں کو دفن کرنے سے منع فرماتے تھے۔ اول آفتاب نکلنے کے وقت یہاں تک کہ بلند ہو جائے دوسرے دوپہر کا سایہ قائم ہونے "یعنی نصف النہار" کے وقت یہاں تک کہ آفتاب ڈھل جائے اور تیسرے اس وقت جبکہ آفتاب ڈوبنے لگے یہاں تک غروب ہو جائے۔" (مسلم)

تشریح: "مردوں کو دفن کرنے" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان اوقات میں مردے دفن نہ کئے جائیں بلکہ اس کا مطلب جنازہ کی نماز سے منع کرنا ہے کیونکہ مردے ہر وقت دفن کئے جاسکتے ہیں۔

فجر و عصر کے بعد کوئی نماز نہ پڑھنی چاہئے

③ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا صبح (کی نماز) کے بعد اس وقت تک کہ (بقدر نیزہ) آفتاب بلند نہ ہو جائے کوئی نماز نہیں اور عصر کی نماز کے بعد اس وقت تک کہ آفتاب چھپ نہ جائے کوئی نماز نہیں۔" (مسلم)

تشریح: یہاں نفی سے مراد نماز کے کمال کی نفی ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں اوقات میں نماز پڑھنا حرام نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔

نماز کے اوقات

④ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْسَةَ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ فَقَدِمَتْ الْمَدِينَةُ فَذُحِلَتْ عَلَيْهِ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي عَنِ الصَّلَاةِ فَقَالَ صَلِّ صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حِينَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْيَتَيْ الشَّيْطَانِ وَحِينَ يَسْجُدُ

لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلَّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتَّى يَسْتَقِيلَ الظِّلُّ بِالْزُحَىٰ ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ حَيْثُ بَدَأَ تَسْجُرُ جَهَنَّمَ فَإِذَا أَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلَّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتَّى تَصْلِيَ الْعَصْرَ ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَإِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَحَيْثُ بَدَأَ تَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ قَالُوا ضُوءٌ حَدَّثَنِي عَنْهُ قَالَ مَا مِنْكُمْ رَجُلٌ يَقْرُبُ وَضُوءُهُ فَيَمْتَضِي وَيَسْتَنْشِقُ فَيَسْتَنْثِرُ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهِ وَفِيهِ وَخِيَا شَيْمِهِ ثُمَّ إِذَا غَسَلَ وَجْهَهُ كَمَا أَمَرَهُ اللَّهُ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهِ مِنْ أَظْرَافِ لِحْيَتِهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا يَدَيْهِ مِنَ الْمَاءِ ثُمَّ يَمْسَحُ رَأْسَهُ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رَأْسِهِ مِنْ أَظْرَافِ شَعْرِهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا جُلْبَتِهِ مِنَ الْمَاءِ فَإِنْ هُوَ قَامَ فَصَلَّى فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَمَجَّدَهُ بِالَّذِي هُوَ لَهُ أَهْلٌ وَفَرَّغَ قَلْبَهُ لِلَّهِ إِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِيئَتِهِ كَهَيئَتِهِ يَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت عمرو ابن عبسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میں بھی مدینہ آیا اور آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یہ یا رسول اللہ مجھے نماز کے اوقات بتا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”صبح کی نماز پڑھو اور پھر نماز سے رک جاؤ جب تک کہ آفتاب طلوع ہو کر بلند نہ ہو جائے اس لئے کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو شیطان کے دونوں سیٹگوں کے درمیان ٹکاتا ہے اور اس وقت کافر (یعنی سورج کو پوجنے والے) اس کو سجدہ کرتے ہیں پھر (اشراق کی) نماز پڑھو کیونکہ اس وقت کی نماز مشہودہ ہے (یعنی فرشتے نمازی کی گواہی دیتے ہیں) اور اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں یہاں تک کہ (جب) سایہ نیزہ پر چڑھ جائے اور زمین پر نہ پڑے (یعنی ٹھیک دوپہر ہو جائے) تو نماز سے رک جاؤ کیونکہ اس وقت دوزخ جموئی جاتی ہے، پھر جب سایہ ڈھل جائے تو (ظہر کے فرض اور جو چاہو نفل) نماز پڑھو کیونکہ یہ وقت فرشتوں کے شہادت دینے اور حاضری کا ہے یہاں تک کہ تم عصر کی نماز پڑھو پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے کیونکہ آفتاب شیطان کے دونوں سیٹگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کافر (یعنی آفتاب کو پوجنے والے) اس کی طرف سجدہ کرتے ہیں“ حضرت عمرو ابن عبسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (پھر) عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ (وضو کی فضیلت) کے متعلق (بھی) بتا دیجئے! آپ ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے جو شخص وضو کا پانی لے اور (نیت کرنے، اور بسم اللہ پڑھنے اور دونوں ہاتھوں کو پانچوں تک دھونے کے بعد) کلی کرے اور ناک میں پانی دے کر اس کے چہرے (کے اندر) کے منہ کے اور ناک کے سختوں کے (صغیرہ) گناہ جھڑ جاتے ہیں پھر جب وہ اپنے چہرے کو خدا کے حکم کے مطابق دھوتا ہے تو اس کے چہرے کے گناہ اس کی داڑھی کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور جب وہ اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھوں کے گناہ اس کی انگلیوں کے سرے سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں، پھر جب وہ اپنے سر کا کچ کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ اس کے بالوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور جب وہ اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوتا ہے تو اس کے دونوں پیروں کے گناہ اس کی انگلیوں کے سرے سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں اور پھر (وضو سے فارغ ہو کر) جب وہ کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے نیز نماز کے بعد اللہ کی تعریف کرتا ہے ثانیان کرتا ہے (یعنی ذکر اللہ بہت زیادہ کرتا ہے) اور اسے اس بزرگی کے ساتھ جس کا وہ لائق ہے یاد کرتا ہے اور اپنے دل کو اللہ کے لئے فارغ (یعنی اس کی طرف متوجہ) کرتا ہے تو وہ (نماز کے بعد) گناہوں سے ایسا پاک ہو کر لوٹتا ہے گویا اس کی ماں نے اسے آج ہی جنم دیا۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے الفاظ ”جب سایہ نیزہ پر چڑھ جائے اور زمین پر نہ پڑے“ کا تعلق مکہ و مدینہ اور ان کے گرد و نواح سے ہے کیونکہ ان مقامات پر بڑے دنوں میں عین نصف النہار کے وقت سایہ زمین پر بالکل نہیں پڑتا۔

حدیث کے آخری الفاظ سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ صغیرہ اور کبیرہ دونوں گناہ بخش دئے جاتے ہیں تو اس سلسلہ میں تحقیقی بات یہ ہے کہ صغیرہ گناہ تو ضرور ہی بخش دیتے ہیں البتہ کبیرہ گناہوں کی بخشش کا انحصار حق تعالیٰ کی مشیت اور اس کی مرضی پر ہے کہ چاہے تو وہ کبیرہ گناہ بھی اپنے فضل و کرم سے بخش سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا

⑤ وَعَنْ كُرَيْبٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَالْمُسَوِّزِيَّ مَخْرُومَةً وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَزْهَرِ أَرْسَلُوهُ إِلَى عَائِشَةَ فَقَالُوا اقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ وَسَلِّمْهَا عَنْ الرَّكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَالَ فَذَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَبَلَغْتُهَا مَا أَرْسَلُونِي فَقَالَتْ سَلِّ أَمْ سَلِّمْهُ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِمْ فَرَدُّونِي إِلَى أُمِّ سَلِّمْ فَقَالَتْ أُمُّ سَلِّمْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْهُمَا ثُمَّ رَأَيْتُهُ يُصَلِّيَهُمَا ثُمَّ دَخَلَ فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ الْخَاجِرَةَ فَقُلْتُ قَوْلِي لَهُ تَقُولُ أُمُّ سَلِّمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ سَمِعْتُكَ تَنْهَى عَنْ هَاتَيْنِ الرَّكَعَتَيْنِ وَأَرَاكَ تُصَلِّيَهُمَا قَالَ يَا ابْنَتُ أَبِي أُمَيَّةَ سَأَلْتُ عَنِ الرَّكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَإِنَّهُ أَتَانِي نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُونِي عَنِ الرَّكَعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ - (متفق عليه)

”اور حضرت کریمؐ (حضرت ابن عباسؓ کے خادم) راوی ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ، مسور ابن مخرمہ اور عبد الرحمن ابن ازہرؓ نے انہیں (یعنی کریمؐ کو) حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا اور ان سے ان تینوں نے کہا کہ (ہماری طرف سے) حضرت عائشہؓ کی خدمت میں سلام پیش کر کے ان سے عصر کے بعد دو رکعت نماز کے بارے میں پوچھنا کریمؐ کہتے ہیں کہ ”میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان تینوں نے جس پیغام کو پہنچانے کے لئے مجھے بھیجا تھا میں نے وہ پیغام ان تک پہنچا دیا“ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ”حضرت ام سلمہؓ (کے پاس جاؤ اور ان) سے پوچھو“ میں (یہ جواب سن کر) ان تینوں صحابہؓ کے پاس واپس لوٹ آیا، انہوں نے مجھے (پھر) حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا، حضرت ام سلمہؓ نے (میرا سوال سن کر) فرمایا کہ ”میں نے سرور کوئین ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ ان دونوں رکعتوں (کے پڑھنے) سے منع فرمایا کرتے تھے۔ پھر میں نے (ایک دن) دیکھا کہ آپ ﷺ ان دونوں رکعتوں کو پڑھتے ہیں۔ جب آپ ﷺ (ان دونوں رکعتوں کو مسجد میں پڑھ کر گھر میں آیا یا ہجر من میں پڑھ کر مکان کے اندر رونی حصہ میں داخل ہوئے تو میں نے خادم کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور اس سے کہا کہ تم آنحضرت ﷺ سے جا کر کہو کہ ام سلمہؓ کہتی ہے کہ یا رسول اللہ میں نے آپ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ ان دونوں رکعتوں (کے پڑھنے) سے منع فرماتے تھے اور (اب) میں نے آپ ﷺ کو دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے (اس کی کیا وجہ ہے؟) آنحضرت ﷺ نے (خادم سے) کہا کہ اُمّ سلمہؓ سے جا کر کہو کہ (ابی امیہ کی بیٹی اُمّ نے عصر کے بعد دو رکعتوں کے پڑھنے کے بارے میں پوچھا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ قبیلہ عبد القیس کے کچھ لوگ (اسلامی تعلیمات اور احکام سمجھنے کی غرض سے) میرے پاس آئے تھے چنانچہ (انہیں دینی احکامات بتانے کی مشغولیت میں) ظہر کے بعد کی میری دونوں رکعتیں رو گئی تھیں انہیں کو میں نے عصر کے بعد پڑھا ہے۔“

(متفق علیہ)

تشریح: سائلین کا مطلب یہ تھا کہ جب آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز کے بعد نفل وغیرہ پڑھنے سے منع فرمایا تھا تو خود عصر کے بعد دو رکعت نماز کیوں پڑھی تھی چنانچہ انہوں نے حضرت کریمؐ کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا تاکہ وہ اس کی تحقیق کریں اور حضرت عائشہؓ سے حقیقت حال معلوم کریں حضرت عائشہؓ نے حضرت کریمؐ کو حضرت ام سلمہؓ کا حوالہ دیا کہ ان سے معلوم کیا جائے، کیونکہ حضرت ام سلمہؓ اس بارے میں پوری طرح واقفیت رکھتی تھیں اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے آپ ﷺ کے اس عمل کے بارے میں پہلے ہی تحقیق کر لی تھی، حضرت عائشہؓ نے جب حضرت کریمؐ کو حضرت ام سلمہؓ کے پاس جانے کو کہا تو انھیں قاعدہ میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس ہی جانا چاہئے تھا لیکن وہ پاس ادب پہلے ان تینوں صحابیوں کے پاس آئے جن کے پیغامبر بن کر وہ حضرت عائشہؓ کے پاس گئے تھے، جب ان صحابیوں نے انہیں حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا تب وہ ان کے پاس گئے اور ان تینوں صحابیوں کا پیغام انہیں پہنچا کر حقیقت حال سے مطلع ہوئے۔

حضرت ام سلمہؓ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ عصر کے بعد جو دو رکعتوں سے منع فرماتے تھے تو ان دو رکعتوں سے

آپ کی مراد مطلقاً نفل نماز پڑھنا تھا اور اسی کے ضمن میں ان دونوں رکعتوں کی بھی شامل تھی۔ لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں رکعتوں ہی کے پڑھنے سے منع فرمایا ہو۔

ابو امیہ حضرت ام سلمہ کے والد کا نام تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے خادمہ سے فرمایا کہ ام سلمہ سے اس سوال کا جواب اس طرح دینا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے براہ راست حضرت ام سلمہ کو جواب دیتے ہوئے ابو امیہ کی بیٹی اکبرہ کے مخاطب فرمایا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم دین کی تعلیم احکام شریعت کی تبلیغ اور مخلوق خدا کی ہدایت کرنا مطلقاً نفل پر مقدم ہے اگرچہ سنت غیر موکدہ ہی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی فرض نماز کے بعد کی سنتوں کو موخر کیا اور پہلے وفد عبد القیس کو دینی مسائل اور احکام شریعت کی تعلیم دی۔

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اگر نوافل و قیہ فوت ہو جائیں تو انہیں دوسرے وقت قضا پڑھ لینا چاہئے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک میں نوافل و قیہ کو صرف انہیں کے اوقات میں پڑھنا چاہئے غیر وقت میں ان کی قضا نہیں ہے چنانچہ ان کی جانب سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی فرض نماز کے بعد ہی سنت کی دونوں رکعتیں پڑھنی شروع کر دی گئی ہوں گی مگر وفد عبد القیس کو علم دین کی تعلیم دینے کی ضرورت کی وجہ سے آپ ﷺ نے نماز توڑ دی ہوگی اس وجہ سے آپ ﷺ نے ان دونوں رکعتوں کی قضا عصر کی نماز کے بعد پڑھی۔

اس موقع پر اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ نے عصر کے بعد جو دو رکعت نماز پڑھی تھی وہ دراصل ظہر کے فرض کے بعد کی سنتیں تھیں جو وفد عبد القیس کے ساتھ تعلیم دین کی مشغولی کی بناء پر پڑھنے سے رہ گئی تھیں لیکن ان احادیث کا کیا جواب ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ تو ہمیشہ ہی عصر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ”اس خدا کی قسم جس نے آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے اٹھایا آپ ﷺ نے عصر کے بعد کی دو رکعتیں پڑھنا نہ چھوڑیں یہاں تک کہ آپ ﷺ نے پروردگار سے ملاقات کی۔“ اس قسم کی دیگر روایتیں بھی منقول ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ عصر کی فرض نماز کے بعد دوسری نماز پڑھنا مکروہ ہے چنانچہ جمہور علماء کی بھی یہی رائے ہے نیز امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں بھی ثابت ہے کہ وہ عصر کی فرض نماز کے بعد دوسری نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ ایسے لوگوں کو مارتے بھی تھے جو عصر کے بعد نفل وغیرہ پڑھتے تھے۔

لہذا اب یہی کہا جائے گا کہ اس منافعت کے باوجود آنحضرت ﷺ کا عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا دراصل آپ ﷺ کے خصائص میں سے تھا جیسا کہ آپ ﷺ صوم وصال (پے در پے روزے) رکھتے تھے مگر دوسروں کو اس سے منع فرماتے تھے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

فجر کی سنتوں کی قضا کا مسئلہ

⑥ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الزَّوَاهِرِيِّ عَنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجُلًّا يُصَلِّي بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَكَعْتَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الصُّبْحِ وَكَعْتَيْنِ وَكَعْتَيْنِ فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي لَمْ أَكُنْ صَلَّيْتُ الْوَكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا فَصَلَّيْتُهُمَا الْآنَ فَسَكَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَاهُ أَبُو ذَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ وَقَالَ إِسْنَادُ هَذَا الْحَدِيثِ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِأَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ الزَّوَاهِرِيِّ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو وَفِي شَرْحِ الشُّعْبَةِ وَنُسَخِ الْمَصَابِيحِ عَنْ قَيْسِ بْنِ قَهْدٍ نَحْوَهُ۔

”حضرت محمد ابن ابراہیم قمی ابن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) سرور کونین علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ فجر کی فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھ رہا ہے، آپ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ ”صبح کی نماز دو رکعت (پھر فرمایا کہ دو رکعت ہی پڑھا) اس شخص نے عرض کیا کہ ”فجر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں (سنت) میں نے نہیں پڑھی تھیں انہیں کو میں نے اس وقت پڑھا ہے۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (یہ سن کر) خاموش ہو گئے۔ (ابوداؤد) امام ترمذی نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد متصل نہیں ہے کیونکہ محمد ابن ابراہیم قمی ابن عمرو سے سننا ثابت نہیں ہے، نیز شرح السنہ اور مصابح کے بعض نسخوں میں قمی ابن قہد سے اسی طرح منقول ہے۔“

تشریح: حدیث کے جملہ **بَلَّوْا الصُّبْحَ وَكُفَّتَيْنِ** سے پہلے ایک لفظ مقدر ہے یعنی یہ عبارت پوری طرح یوں ہے **اجْعَلُوا صَلَوةَ الصُّبْحِ وَكُفَّتَيْنِ**۔ لفظ **وَکُفَّتَيْنِ** نفی زیادتی کی تاکید کے لئے مکرر فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فجر کی فرض دو ہی رکعتیں پڑھو اس کے بعد اور کوئی نماز نہ پڑھو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازی کا جواب سن کر خاموش رہے۔ محدثین کی اصطلاح میں اس خاموشی کو تقریر کہا جاتا ہے آنحضرت کے سلسلے کوئی عمل کیا گیا اور آپ نے اس پر سکوت فرمایا گویا آپ اس عمل سے راضی ہوئے۔ لہذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر فجر کی فرض نماز سے پہلے کی دو سنتیں نہ پڑھی جاسکیں تو فرض پڑھنے کے بعد ان کی قضا پڑھنی چاہئے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ فجر کی سنتوں کی قضا نہ تو طلوع آفتاب سے پہلے ہے اور نہ طلوع آفتاب کے بعد ہے لیکن سنتیں اگر فرض کے ساتھ فوت ہوں گی تو وہ بھی فرض کے ساتھ زوال آفتاب سے پہلے قضا پڑھی جائیں گی۔

حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ محض سنتوں کی بھی پڑھی جاسکتی ہے مگر طلوع آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب تک۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ سنتوں میں اصل عدم قضا ہے اور قضا واجب کے ساتھ مخصوص ہے اور حدیث جو سنتوں کے قضا کے اثبات میں وارد ہے وہ ان سنتوں کے بارے میں ہے جو فرض کے ساتھ فوت ہو گئی ہوں بقیہ سنتیں اپنی اصل (عدم قضا) پر رہیں گی یعنی ان کی قضا نہیں کی جائے گی جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو محمد ابن ابراہیم کی یہ حدیث چونکہ ضعیف ہے اس لئے اسے کسی مسلک کی بنیاد اور دلیل بنانا ٹھیک نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے اوقات کی سنتوں کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ وقت کے بعد تنہا ان کی قضا نہ کی جائے البتہ وہ سنتیں جو فرض کے ساتھ فوت ہو گئی ہوں فرض کے ساتھ ان کی قضا کے بارے میں اختلاف ہے۔

خانہ کعبہ کا طواف ہر وقت کیا جاسکتا ہے

② وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهَذَا الْبَيْتِ وَصَلَّى آيَةً سَاعَةً مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی)

”اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے عبد مناف کی اولاد! کسی کو اس گھر (خانہ کعبہ) کا طواف کرنے سے نہ روکو اور رات دن میں جس وقت کوئی چاہے اسے نماز پڑھنے دو۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: خانہ کعبہ کی خدمت عبد مناف کی اولاد کے سپرد تھی اور وہاں کے انتظامات و نگرانی انہیں کے ذمہ تھی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ رات دن کے کسی بھی حصہ میں کوئی خانہ کعبہ کا طواف کرنا چاہے تو اسے نہ روکو بلکہ اسے طواف کرنے دو، چنانچہ رات

ودن کے ہر حصہ میں خواہ آفتاب کے طلوع کا وقت ہو یا استواء (نصف النہار) کا وقت ہو تمام علماء کے نزدیک خانہ کعبہ کا طواف کیا جاسکتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

خانہ کعبہ میں ہر وقت نماز پڑھنے کا مسئلہ: البتہ اس بارے میں علماء کا یہاں اختلاف ہے کہ خانہ کعبہ میں رات و دن کے کسی بھی حصہ میں خواہ اوقات مکروہہ کیوں نہ ہوں نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس حدیث کی بناء پر خانہ کعبہ میں ہر وقت کوئی بھی نماز خواہ وہ طواف کی دور کعتیں ہوں یا دوسری نماز ہو پڑھی جاسکتی ہے۔

حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں صرف طواف کی دور کعتیں کسی وقت بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک خانہ کعبہ کے اندر اوقات مکروہہ میں کوئی بھی نماز جائز نہیں ہے اوقات کی حرمت اور کراہت کے سلسلے میں مکہ کا حکم بھی دیگر شہروں کی طرح ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اوقات کی حرمت و کراہت کا حکم اور ان میں نماز پڑھنے کی ممانعت کے سلسلہ میں جو احادیث منقول ہیں وہ سب عام ہیں ان میں کسی جگہ اور کسی شہر کی کوئی تخصیص نہیں ہے کہ فلاں جگہ تو ان اوقات میں نماز پڑھنی جائز ہے اور فلاں جگہ نا جائز ہے۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں جس وقت چاہے نماز پڑھی جاسکتی البتہ اوقات مکروہہ میں وہاں بھی نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ اس تاویل سے تمام احادیث میں موافقت اور مطابقت بھی ہو جاتی ہے جو ایک ضروری چیز ہے۔

جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کا مسئلہ

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بِنِصْفِ النَّهَارِ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ الشافعی)

”اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ٹھیک دوپہر کے وقت جب تک کہ آفتاب ڈھل نہ جائے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے البتہ جمعہ کے دن (جائز ہے)۔“ (شافعی)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کا تو یہی مسلک ہے کہ جمعہ کے روز ٹھیک دوپہر کے وقت بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے روز بھی نصف النہار کے وقت نماز پڑھنی درست نہیں ہے اس لئے کہ وہ احادیث جن میں مطلقاً یہی ثابت ہے اس حدیث کے مقابلہ میں زیادہ مشہور ہیں اور یہ حدیث ضعیف ہے جو ان احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی یا پھر یہ کہا جائے گا کہ قاعدہ کے مطابق کسی چیز کے بارے میں حرام اور مباح دونوں کے دلائل ہوں تو حرام کے دلائل کو ترجیح دی جائے گی۔

⑨ وَعَنْ أَبِي الْخَلِيلِ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكْرَهُ الصَّلَاةَ بِنِصْفِ النَّهَارِ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَالَ إِنَّ جَهَنَّمَ تُسَجَّرُ الْيَوْمَ الْجُمُعَةَ رَوَاهُ أَبُو ذَاوُدَ وَقَالَ أَبُو الْخَلِيلِ لَمْ يَلْقَ أَبَا قَتَادَةَ۔

”اور حضرت ابوخلیلؓ حضرت ابو قتادہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ”سرور کونین ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت جب تک کہ سورج نہ ڈھل جائے نماز پڑھنے کو مکروہہ سمجھتے تھے علاوہ جمعہ کے دن کے۔“ نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”علاوہ جمعہ کے دن کے روزانہ (دوپہر کے وقت) دو رخص جھونکی جاتی ہے۔“ اسی روایت کو امام ابو داؤدؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت ابو قتادہؓ سے ابوخلیلؓ کی ملاقات ثابت نہیں ہے (لہذا اس حدیث کی اسناد متصل نہیں ہے)۔“

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

اوقات مکروہہ

⑩ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ الصَّنَابِجِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّمْسَ تَظْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ فَإِذَا ارْتَفَعَتْ فَارْقَهَا ثُمَّ إِذَا اسْتَوَتْ فَارْقَهَا فَإِذَا زَالَتْ فَارْقَهَا فَإِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوبِ فَارْقَهَا فَإِذَا غَرَبَتْ فَارْقَهَا وَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي تِلْكَ السَّاعَاتِ۔ (رواہ مالک و احمد والنسائی)

”حضرت عبداللہ صناعیؒ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان کا سینگ ہوتا ہے پھر جب وہ بلند ہو جاتا ہے تو وہ الگ ہو جاتا ہے پھر جب دوپہر ہوتی ہے تو شیطان آفتاب کے قریب آ جاتا ہے اور جب آفتاب غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو شیطان اس کے قریب آ جاتا ہے اور جب آفتاب غائب (یعنی غروب) ہو جاتا ہے تو شیطان اس سے جدا ہو جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان اوقات میں (یعنی آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت اور ٹھیک دوپہر کے وقت) نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔“

(مالک احمد کسائی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے نماز خواہ حقیقہ ہو یا حکماً جیسے نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت اور امام مالکؒ نے باوجودیکہ یہ روایت خود نقل کی ہے عمروہ ٹھیک دوپہر کے وقت نماز کے حرام ہونے کے قائل نہیں ہیں بلکہ انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ ”ہم نے اہل فضل کو دیکھا ہے کہ وہ کوشش کرتے تھے اور دوپہر نماز ادا کرتے تھے۔“

نماز عصر کے بعد کوئی نماز جائز نہیں

⑪ وَعَنْ أَبِي بَصْرَةَ الْغَفَارِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَحْمَضِ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَالَ إِنَّ هَذِهِ صَلَاةَ غُرُوبٍ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَضَيِّعُوا هَافِمَنْ حَافِظٌ عَلَيْهَا كَانَ لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَهَا حَتَّى يَظْلُعَ الشَّاهِدُ وَالشَّاهِدُ الْمَتَجَمُّ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوبصرہ غفاریؒ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ نے مقام محض میں ہمیں عصر کی نماز پڑھائی اور پھر فرمایا کہ یہ نماز تم سے پہلے لوگوں پر لازم کی گئی تھی لیکن انہوں نے ضائع کر دیا (یعنی تو انہوں نے اس کی مداومت کی اور نہ اس کے حقوق ادا کئے لہذا جو شخص اس نماز کی محافظت کرے گا (یعنی اس کو پیشہ پڑھتا اور اس کے حقوق ادا کرتا رہے گا) اس کو دو گنا ثواب ملے گا اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ عصر کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ شاہد نہ نکلے اور شاہد ستارہ ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”دو گنا ثواب“ کا مطلب یہ ہے کہ ایک ثواب تو اس لئے ملے گا کہ یہ (یعنی نماز پڑھتا) نیک عمل ہے اور ہر نیک عمل پر ثواب ملتا ہے اور دوسرا ثواب اس نماز کی محافظت کرنے کی وجہ سے ملے گا بر خلاف کچھلی قوموں کے کہ انہوں نے اس کی محافظت نہیں کی، اس لئے وہ مستحق عذاب ہوئے۔

ستارہ کو شاہد اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ رات کو حاضر ہوتا ہے یعنی طلوع ہوتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک غروب نہ ہو جائے عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔

عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کی ممانعت

⑫ وَعَنْ مَعَارِبَةَ قَالَ إِنَّكُمْ لَتُصَلُّونَ صَلَاةً لَقَدْ صَحَّبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا زَانَتْهُ يَصْلِيْهَا وَمَا لَقَدْ

نَهَى عَنْهُمَا يَغْنِيَا التَّوَكُّعَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ - (رواہ بخاری)

”اور حضرت معاویہؓ نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ تم لوگ نماز پڑھتے ہو اور ہم سرور کونین ﷺ کی صحبت میں رہے لیکن ہم نے آپ کو یہ دور کعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ آپ نے تو ان کو یعنی عصر کے بعد دو کعتیں پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: دیگر روایات میں تو صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے لیکن یہاں حضرت معاویہؓ اس سے انکار کر رہے ہیں لہذا اس حدیث کی تاویل یہ کی جائے گی کہ حضرت معاویہؓ کے ارشاد کی مراد آپ ﷺ یہ دور کعتیں باہر لوگوں کے سامنے تو پڑھتے نہیں تھے۔ البتہ گھر میں عام لوگوں کی نگاہوں سے الگ ہو کر پڑھتے ہوں گے تاکہ دوسرے لوگ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کی پیروی نہ کریں کیونکہ عصر کے بعد یہ دور کعتیں صرف آنحضرت ﷺ ہی کو پڑھنی درست تھیں دوسرے لوگوں کے لئے جائز نہیں تھیں۔ حضرت امام طحاویؒ اس مسئلہ میں کہ آیا عصر کے بعد دو کعتیں پڑھنا جائز ہیں یا نہیں؟ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے متواتر احادیث ثابت ہیں کہ آپ ﷺ نے عصر کی فرض نماز پڑھ لینے کے بعد کوئی دوسری نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے نیز صحابہؓ کا عمل بھی اسی پر رہا ہے اس واسطے یہ کسی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کا خلاف کرے یعنی عصر کے بعد نماز پڑھنے کو جائز قرار دے۔

(۱۳) وَعَنْ أَبِي ذَرِّقَانَ قَالَ وَقَدْ صَعِدَ عَلَيَّ ذَرْجَةُ الْكَعْبَةِ مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَمَنْ لَمْ يَعْرِفَنِي فَأَنَا جُنْدُبٌ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا صَلَوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ إِلَّا بِمَكَّةَ إِلَّا بِمَكَّةَ - (رواہ احمد وریزن)

”اور حضرت ابوذرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے کعبہ کے زینے پر چڑھ کر فرمایا کہ جس شخص نے مجھے پہچانا (یعنی میرا نام جان لیا) اس نے مجھے (یعنی میری سچائی کو) پہچان لیا اور جس نے مجھ کو نہیں پہچانا تو (میں اس کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ) ”میں جندبؓ ہوں“ میں نے سرور کونین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد جب تک آفتاب طلوع نہ ہو جائے کوئی نماز نہیں ہے اور نہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز ہے جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے مگر مکہ میں ”مگر مکہ میں“۔“ (احمد وریزن)

تشریح: خانہ کعبہ کا دروازہ چونکہ بلند ہے اس لئے اس پر چڑھنے کے لئے زینہ تھا، چنانچہ اب بھی ایک چوبی زینہ منبر کی شکل میں ہے جو خانہ کعبہ کے سامنے چاہ زمزم کے پاس رکھا رہتا ہے جب خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوتا ہے تو اس کو دروازہ کے سامنے لگا دیتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس زینہ کو وہاں سے ہٹا کر اپنی جگہ رکھ دیتے ہیں لہذا احتمال ہے کہ اس وقت بھی اس قسم کا یا کسی دوسری طرح کا زینہ ہو گا جس کے ذریعہ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوتے ہوں گے۔

بہر حال حضرت ابوذرؓ نے کہ جن کا نام جندبؓ تھا۔ خانہ کعبہ کے زینہ پر چڑھ کر یہ بات کہی تاکہ لوگ ان کی صداقت شعاری اور سچائی کی بناء پر حدیث کو صحیح جانیں۔ اس طرح حضرت ابوذرؓ نے گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ ابوذرؓ سے زیادہ کسی راست گو اور سچے انسان پر نہ تو آسمان نے سایہ کیا اور نہ زمین نے اپنے اوپر اٹھایا۔ مکہ مکرمہ میں اوقات مکروہ میں نماز کے جائز ہونے کے مسئلہ کو اس سے پہلے حدیث نمبر سات میں بتایا جا چکا ہے اس موقع پر تو صرف اتنی بات جان لیجئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

بَابُ الْجَمَاعَةِ وَفَضْلِهَا

جماعت اور اس کی فضیلت کا بیان

جماعت کی فضیلت اور تاکید میں صحیح احادیث اس کثرت سے وارد ہیں کہ اگر سب کو یکجا کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے اس باب

کے تحت اسی قسم کی احادیث نقل کی جائیں گی جن سے جماعت کی فضیلت و تاکید اور اس کے احکام و مسائل کا علم حاصل ہو گا۔ ان احادیث کو دیکھنے کے بعد یقینی طور پر آپ یہی نتیجہ اخذ کریں گے کہ جماعت نماز کی تکمیل میں ایک اعلیٰ درجہ کی شرط ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی جماعت کو ترک نہیں فرمایا حتیٰ کہ حالت مرض میں جبکہ آپ ﷺ کے لئے خود چل کر مسجد میں پہنچنا ممکن نہ تھا دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد تشریف کے گئے اور جماعت سے نماز پڑھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت محمدیہ میں جماعت کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ نماز جیسی عظیم عبادت کی شان اسی کی متقاضی تھی کہ جس چیز سے اس کی تکمیل ہو اسے اعلیٰ درجہ پر پہنچایا جائے۔

جماعت فرض و واجب ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کے یہاں اختلاف ہے کہ آیا جماعت سنت ہے یا واجب اور یا فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ چنانچہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جماعت فرض عین ہے الا کسی عذر کی وجہ سے، یہ قول امام احمد، داؤد، عطاء، اور ابو ثور کا ہے بعض علماء کا قول یہ ہے کہ جو کوئی نماز کے لئے اذان سنے اور مسجد میں حاضر نہ ہو تو اس کی نماز درست نہیں، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جماعت فرض کفایہ ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین کا مسلک یہ ہے کہ جماعت سنت مؤکدہ واجب کے قریب ہے لیکن فقہ کی کتابوں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جماعت کے بارے میں حنفی فقہاء کے دو قول ہیں، بعض کتابوں میں جماعت کو واجب لکھا گیا ہے اور بعض میں سنت مؤکدہ اور وجوب ہی کا قول راجح اور اکثر محققین حنفیہ کا مسلک بیان کیا گیا ہے چنانچہ مشہور محقق حضرت ابن ہمام لکھتے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ کا مسلک یہی ہے جماعت واجب ہے لیکن اس کو سنت کس لئے کہا جاتا ہے کہ جماعت کا ثبوت سنت یعنی حدیث سے ہے نہ یہ کہ خود جماعت سنت ہے جیسا کہ نماز عیدین، وہ واجب ہے مگر اسے سنت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت حدیث سے ہے۔

جماعت کے احکام و مسائل: کتاب بدائع میں لکھا ہے کہ جماعت کے لئے مسجد میں حاضر ہونا ہر عاقل بالغ غیر معذور پر واجب اور اگر ایک مسجد میں جماعت نہ ملے تو دوسری مسجدوں میں پھرنا واجب نہیں ہے البتہ جماعت کی سعادت حاصل کرنے کی خاطر اگر دوسری مسجدوں میں جائے تو یہ اچھی ہی بات ہوگی، قدوری نے لکھا ہے کہ اس صورت میں کہ اگر مسجد میں جماعت نہ ملے، تو چاہئے کہ اہل و عیال کو جمع کر کے گھر ہی میں جماعت سے نماز پڑھ لی جائے۔

اس مسئلہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے کہ محلہ کی مسجد میں جماعت افضل ہے یا جامع مسجد میں، اگر ایک محلہ میں دو مسجدیں ہوں تو ان میں سے قدیم مسجد کو اختیار کرنا چاہئے اور اگر دونوں برابر ہوں تو پھر جو مسجد قریب ہو اسے اختیار کیا جائے، جماعت نماز تراویح میں اگرچہ ایک قرآن مجید جماعت کے ساتھ ہو چکا ہو اور نماز کسوف کے لئے سنت مؤکدہ ہے، رمضان کے وتر میں جماعت مستحب ہے رمضان کے علاوہ اور کسی زمانہ کے وتر میں جماعت مکروہ تشریفی ہے مگر اس کے مکروہ ہونے میں یہ شرط ہے کہ مواظبت کی جائے اگر مواظبت نہ کی جائے بلکہ کبھی کبھی دو تین آدمی جماعت سے پڑھ لیں تو مکروہ نہیں۔

نماز خسوف میں اور تمام نوافل میں جماعت مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ نوافل اس اہتمام سے ادا کئے جائیں جس اہتمام سے فرائض کی جماعت ہوتی ہے یعنی اذان و اقامت کے ساتھ یا کسی اور طریقہ سے لوگوں کو جمع کر کے، ہاں اگر بے اذان و اقامت کے اور بے بلائے ہوئے دو تین آدمی جمع ہو کر کسی نفل کو جماعت سے پڑھ لیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

جماعت کی حکمتیں اور فائدے: جماعت کی حکمتیں کیا ہیں؟ اور اس کے فائدے مرتب ہوتے ہیں، اس موضوع پر علماء نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس سلسلہ میں امام الکبیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے جو لطیف و جامع بات کہی ہے وہ کہیں نظر نہیں آتی چنانچہ اس موقع پر انہیں کی تقریر نقل کی جاتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

① کوئی چیز اس سے زیادہ سودمند نہیں کہ کوئی عبادت اس طرح رسمہام کر دی جائے کہ وہ عبادت ایک ضروری عادت ہو جائے کہ اس کو

چھوڑنا کسی عادت کو ترک کرنے کی طرح ناممکن ہو جائے اور تمام عبادتوں میں نماز سے زیادہ عظیم و شہداء کوئی عبادت نہیں کہ اس کے ساتھ یہ خاص اہتمام کیا جائے۔

۲ مذہب میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں جاہل بھی عالم بھی، لہذا یہ بڑی مصلحت کی بات ہے کہ سب لوگ جمع ہو کر ایک دوسرے کے سامنے عبادت کو ادا کریں کہ اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو دوسرا اسے بتا دے گویا اللہ کی عبادت ایک زیور ہوئی کہ تمام پر کھنے والے اسے دیکھتے ہیں جو خرابی اس میں ہوتی پتلا دیتے ہیں اور جو عمدگی ہوتی ہے اسے پسند کرتے ہیں پس نماز کی تکمیل کا یہ ایک ذریعہ ہوگا۔

۳ جو لوگ بے نمازی ہوں گے ان کا بھی اس سے حال کھل جائے گا اور ان کے وعظ و نصیحت کا موقع ملے گا۔

۴ چند مسلمانوں کا مل کر اللہ کی عبادت کرنا اور اس سے دعا مانگنا حق تعالیٰ کی رحمت کے نزول اور قبولیت کے لئے ایک عجیب خاصیت رکھتا ہے۔

۵ اس امت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا یہ مقصود ہے کہ اس کے نام کا کلمہ بلند ہو اور کلمہ کفر پست ہو اور روئے زمین پر کوئی اسلام سے غالب نہ رہے اور یہ بات جب ہی ہو سکتی ہے کہ یہ طریقہ مقرر کیا جائے کہ تمام مسلمان خواہ وہ کسی درجہ اور کسی طبقہ کے ہوں، عام و خاص مسافر اور مقیم، چھوٹے اور بڑے سب ہی اپنی کسی بڑی اور مشہور عبادت کے لئے جمع ہوں اور اسلام کی شان و شوکت اور اس کی ترغیب دی گئی اور اس کے چھوڑنے کی ممانعت کی گئی۔ (حجۃ اللہ الباقیہ)

۱ جماعت میں یہ فائدہ بھی ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حال پر اطلاع ہوتی رہے گی، اور ایک کے درد و مصیبت میں شریک ہو سکیں گے جس سے دینی اخوت اور ایمانی محبت کا پورا اظہار و استحکام ہو گا جو اس شریعت کا ایک بڑا مقصود ہے اور جس کی تاکید و فضیلت جا بجا قرآن عظیم اور احادیث نبی کریم ﷺ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ (علم الفقہ)

موجودہ زمانہ کی نظریاتی دوزخ کے مطابق دیکھا جائے تو جماعت اسلام کے نظریہ مساوات کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے دن میں پانچ مرتبہ خدا کے تمام بندے جو دنیاوی اعتبار سے کسی بھی منصب و مرتبہ کے ہوتے ہیں اپنی تمام برتری و فوقیت اور اپنے دنیاوی جاہ و جلال کو بالائے طاق رکھ کر خدا کے حضور میں تمام عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر سرسُجود ہو جاتے ہیں اور زبان حال سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز ترک جماعت کے عذر: جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ہر عامل بالغ غیر معذور پر جماعت واجب ہے لیکن اگر ایسا کوئی شخص ہو یعنی اسے ایسا عذر لاحق ہو جس کی وجہ سے وہ مسجد میں جا کر جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا تو اس کے لئے جماعت واجب نہیں رہتی، چنانچہ فقہاء نے ترک جماعت کے پندرہ عذر (ماخوذ از علم الفقہ) بیان کئے ہیں۔

۱ نماز کے صحیح ہونے کی شرط مثلاً طہارت یا ستر عورت وغیرہ کا نہ پایا جانا۔

۲ پانی کا بہت زوروں کے ساتھ برسنے، اس سلسلہ میں حضرت امام محمدؒ نے اپنی کتاب موطا میں لکھا ہے کہ اگرچہ شدید بارش کی صورت میں جماعت کے لئے نہ جانا جائز ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ جا کر جماعت سے نماز پڑھی جائے۔

۳ مسجد کے راستہ میں سخت کچھڑ کا ہونا۔

۴ سردی اتنی سخت ہو کہ باہر نکلنے میں یا مسجد تک جانے میں کسی بیماری کے پیدا ہو جانے یا بڑھ جانے کا خوف ہو۔

۵ مسجد تک جانے میں مال و اسباب کے چوری ہو جانے کا خوف ہو۔

۶ مسجد جانے میں کسی دشمن کے مل جانے کا خوف ہو۔

۷ مسجد جانے میں کسی قرض خواہ کے ملنے کا اور اس سے تکلیف پہنچنے کا خوف ہو بشرطیکہ اس کے قرض کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اگر قادر

ہو تو وہ ظالم سمجھا جائے گا اور اس ترک جماعت کی اجازت نہ ہوگی۔

۸ رات اس قدر اندھیری ہو کہ راستہ نہ دکھائی دیتا ہو ایسی حالت میں یہ ضروری نہیں کہ لائٹیں وغیرہ ساتھ لے کر جائے۔

۹ رات کا وقت ہو اور آندھی بہت سخت چلتی ہو۔

۱۰ کسی مریض کی تیمارداری کرنا ہو کہ اس کے جماعت میں چلے جانے سے اس مریض کی تکلیف یا وحشت کا خوف ہو۔

۱۱ پیشاب یا پاخانہ معلوم ہوتا ہو۔

۱۲ سفر کا ارادہ رکھتا ہو اور خوف ہو کہ جماعت سے نماز پڑھنے میں دیر ہو جائے گی اور قافلہ نکل جائے گا، ریل کا مسئلہ بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے مگر فرق اس قدر کہ وہاں ایک قافلہ کے بعد دوسرا قافلہ بہت دنوں کے بعد ملتا ہے اور یہاں ریل ایک دن میں کئی بار جاتی ہے اگر ایک وقت کی ریل نہ ملی تو دو سرفوت جاسکتا ہے ہاں اگر ایسا ہی سخت حرج ہو تو جماعت چھوڑ دینے میں مضائقہ نہیں۔

۱۳ نقد وغیرہ پڑھنے یا پڑھانے میں ایسا مشغول رہتا ہو کہ بالکل فرصت نہ ملتی ہو۔

۱۴ کوئی ایسی بیماری مثلاً فالج وغیرہ ہو یا اتنا ضعیف ہو کہ چلنے پر قادر نہ ہو یا تپنا ہو اگرچہ اس کو مسجد تک پہنچا دینے والا کوئی مل سکے یا انگڑا ہو یا دونوں طرف سے ہاتھ پاؤں لگے ہوئے ہوں۔

۱۵ کھانا تیار یا تیمارداری کے قریب ہو اور ایسی بھوک لگی ہو کہ نماز میں جی نہ لگنے کا خوف ہو۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

جماعت کی نماز کا ثواب

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةِ الْفَلَا بِسَبْعٍ وَعَشْرِينَ ذَرَجَةً۔ (مشق علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جماعت کی نماز تہا نماز سے (ثواب میں) ستائیس درجہ زیادہ ہوتی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت سے تو جماعت کی نماز کے ثواب کی زیادتی ستائیس درجہ معلوم ہوتی ہے مگر دوسری روایتوں میں پچیس درجہ زیادتی مذکور ہے چنانچہ علماء محدثین لکھتے ہیں کہ اکثر روایتوں میں یہی ثابت ہے کہ جماعت کی نماز کا ثواب تہا نماز کے ثواب سے پچیس درجہ زیادہ ہوتا ہے حضرت عمرؓ کی ایک ایسی روایت ہے کہ جس میں ستائیس درجہ کا ذکر کیا گیا ہے، لہذا اس حدیث اور ان احادیث میں یہ تطبیق پیدا کی جائے گی کہ پہلے وحی کے ذریعہ پچیس ہی درجہ ثواب کی زیادتی معلوم ہوئی ہوگی پھر بعد میں حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ستائیس درجہ ثواب کی زیادتی کا اعلان فرمایا ہوگا۔

یہ تطبیق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ یہ کہا جائے کہ درجات کا اختلاف نمازی کے احوال کے تفاوت کی بناء پر ہے یعنی کسی نمازی کے جماعت کی نماز کا ثواب اس کے اپنے احوال کی بناء پر ستائیس گنا ملتا ہے اور کسی نمازی کے جماعت کی نماز کا ثواب اس کے اپنے احوال کی بناء پر پچیس گنا ملتا ہے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ ثواب کی زیادتی کی یہ فضیلت اس جماعت کی نماز کے ساتھ مختص ہے جو مسجد میں ادا کی جائے گی یا اس جماعت کی نماز کے لئے بھی ہے جو مسجد میں نہیں بلکہ گھر وغیرہ میں ادا کی جائے چنانچہ کچھ علماء کی رائے تو یہ ہے کہ یہ فضیلت مسجد کی جماعت کے ساتھ مختص ہے مگر دوسرے بعض علماء کا قول ہے کہ یہ فضیلت عمومی طور پر ہر جماعت کی نماز کے لئے ہے خواہ مسجد میں ادا کی

جانے والی جماعت ہو یا مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ۔

ترک جماعت پر وعید

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أُمَرَ بِحُطْبٍ فَيُحْطَبُ ثُمَّ أُمَرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنُ لَهَا ثُمَّ أُمَرَ رَجُلًا فَيُؤَمُّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالَفَ إِلَى رَجُلٍ وَفِي رِوَايَةٍ لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ فَأَحْزَقَ عَلَيْهِمْ نِيْزَتَهُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يُجِدُ عَرْفَاسَةً أَوْ مُزْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ۔ (رواہ البخاری و مسلم نحوہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے ارادہ کیا کہ (کسی خادم کو) لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں اور جب لکڑیاں جمع ہو جائیں تو (عشاء) کی نماز کے لئے اذان کہنے کا حکم دوں اور جب اذان ہو جائے تو لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے کسی شخص کو مامور کروں اور پھر میں ان لوگوں کی طرف جاؤں (جو بغیر کسی عذر کے نماز کے لئے جماعت میں نہیں آتے اور ان کو اچانک پکڑوں) ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا، ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو چلاؤ اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے (جو لوگ نماز کے لئے جماعت میں شریک نہیں ہوتے ان میں سے) اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ (مسجد میں) گوشت کی فروہ بڑی بلکہ گائے یا بکری کے دواچھے کھڑل جائیں گے تو عشاء کی نماز میں حاضر ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے جماعت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ جماعت کے لئے مسجدوں میں نہیں آتے ان لوگوں کو عذاب خداوندی میں گرفتار ہونے کی وعید کس مبالغہ کے ساتھ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بذات خود ارادہ فرمایا کہ جماعت ترک کر دیں اور ان لوگوں کو جماعت میں حاضر نہ ہونے کے جرم کی سزا دیں۔

آخر حدیث میں ایسے لوگوں کی ذہنی افتاد اور طبعی کمزوری کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ انہیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مسجد میں دنیا کی ایسی حقیر شئی بھی مل جائے گی تو وہ نماز میں شریک ہونے کے لئے بھاگے ہوئے آئیں مگر آخر کی سعادت و ثواب اور حق جل شانہ، کا قرب عظیم وغیر فانی چیز کے حصول کی طرف ان کا میلان نہیں ہوتا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی عذر کی بناء پر کسی کو اپنا قائم مقام بنادے اور خود اپنی ضرورت کی وجہ سے چلا جائے۔

نائبینا شخص کو بھی جماعت میں شریک ہونے کی تاکید

③ وَعَنْهُ قَالَ أَمَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا أَعْلَمَى فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ لَيْسَ لِي قَائِدٌ يَقُودُنِي إِلَى الْمَسْجِدِ فَسَأَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرَخَّصَ لَهُ فَيُصَلِّيَ فِي بَيْتِهِ فَوُرِّخَصَ لَهُ فَلَمَّا وَلِيَ دَعَاَهُ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ التَّدَاءَ بِالصَّلَاةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَجِبْ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک نائبینا شخص (حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ) سرور کونین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے لئے ایسا کوئی راہبر نہیں ہے جو مجھے مسجد میں لے جائے۔ پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں گھر میں نماز پڑھ لینے کی رخصت (یعنی اجازت) دے دی جائے، آنحضرت ﷺ نے انہیں اجازت دے دی (اس کے بعد) جب وہ مجلس نبوی ﷺ سے واپس لوٹے تو آنحضرت ﷺ نے انہیں (پھر) بلایا اور ان سے فرمایا کہ کیا تم نماز کی اذان سنتے ہو؟ انہوں نے کہا

کہ ہاں آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے مسجد میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ ”(مسلم)

تشریح: صحیحین کی حدیث میں منقول ہے کہ ”جب حضرت عثمان ابن مالکؓ نے اپنی بیانی کا شکوہ کیا کہ اس کی وجہ سے میں مسجد میں حاضری سے معذور ہوں تو آنحضرت ﷺ نے انہیں اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کریں۔“ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ ناپیا شخص کو جماعت چھوڑنے کی اجازت ہے مگر جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مکتوم کو جماعت چھوڑنے کی اجازت نہیں دی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فضلاء مہاجرین میں سے تھے ان کی شان کے لائق یہی بات تھی کہ وہ اویٰ پر عمل کریں یعنی جماعت میں حاضر ہوا کریں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے انہیں پہلے تو اجازت دے دی مگر پھر وحی آ جانے یا اجتہاد کے بدل جانے کی وجہ سے آپ ﷺ نے اجازت واپس لی، اس حدیث میں اذان سننے کے بعد مسجد میں حاضری کی ضرورت و اہمیت کو کمال مبالغہ کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

سخت سردی و بارش کی وجہ سے جماعت چھوڑ دینا جائز ہے

④ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ أَذَّنَ بِالصَّلَاةِ فِي لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرَبِحَ ثُمَّ قَالَ لَا صَلَّوْا فِي الزَّخَالِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتِ بَرْدٍ وَمُظَرِّ يَقُولُ لَا صَلَّوْا فِي الزَّخَالِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے ایک رات میں جبکہ (سخت) سردی اور ہوا تھی نماز کے لئے اذان دی، اور (اذان سے فارغ ہو کر لوگوں سے) کہا کہ خبردار! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔“ پھر فرمایا کہ سرور کونین ﷺ اس رات میں جبکہ (سخت) سردی اور بارش ہوتی مؤذن کو حکم دیتے تھے۔ کہ وہ (اذان سننے کے بعد لوگوں سے) پکار کر یہ بھی (کہہ دے کہ) ”خبردار! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سخت سردی اور بارش بھی ترک جماعت کے لئے عذر ہے ایسے اوقات میں جماعت چھوڑ کر اپنے گھر میں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

حضرت ابن ہمامؒ حضرت ابو یوسفؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ؟ میں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے پوچھا کہ کچھ وغیرہ کی حالت میں جماعت کے لئے آپ کیا حکم دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ”جماعت کو چھوڑ دینا مجھے پسند نہیں۔“

کھانا سامنے آجائے تو کھانے سے فارغ ہو کر نماز پڑھنی چاہئے

⑤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَضَعَ عِشَاءَ أَحَدِكُمْ وَأَقْبَمَتِ الصَّلَاةُ فَأَبْدُوا بِالْعِشَاءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتَّى يَفْزَعَ مِنْهُ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُؤْضِعُ لَهُ الطَّعَامَ وَتَقَامُ الصَّلَاةُ فَلَا يَأْتِيهَا حَتَّى يَفْزَعَ مِنْهُ وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کے سامنے رات کا کھانا رکھا جائے اور (اسی وقت) نماز کی بحیرہ لگی جائے تو وہ کھانا شروع کر دے اور کھانا کھانے میں جلدی نہ کرے بلکہ اس سے اطمینان کے ساتھ فارغ ہو۔“ اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب ان کے سامنے کھانا رکھا جاتا اور نماز شروع ہو جاتی تو نماز کے لئے اس وقت تک نہ آتے جب تک کہ کھانے سے فارغ نہ ہو لیتے اور امام کی قرأت سنتے رہتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ظاہر ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ نماز پڑھنے والا بھوکا ہو اور وہ جانتا ہو کہ اس بھوک کی حالت میں نماز پڑھوں گا تو دھیان کھانے ہی میں لگا رہے گا اور نماز دل جمعی اور سکون کے ساتھ ادا نہیں کر سکوں گا تو اس کے لئے یہی اویٰ ہو گا کہ وہ پہلے کھانا کھالے

اس کے بعد نماز پڑھے بشرطیکہ وقت میں وسعت ہو یعنی اتنا وقت ہو کہ وہ کھانے سے فراغت کے بعد باطمینان نماز پڑھ سکتا ہو۔

بول برازی کی حاجت کے وقت نماز نہ پڑھنی چاہئے

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا صَلَوةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا هُوَ يَذِيقُهُ الْإِنْخَبَانِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کھانا سامنے ہونے کی صورت میں نماز کامل نہیں ہوتی اور نہ اس حالت میں (نماز پوری ہوتی ہے) جب کہ دو خبیث (یعنی پیشاب و پاخانہ) اس (کی نماز میں حضوری قلب) کو ختم کریں۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے سامنے کھانا آگیا ہو یا اسے پیشاب و پاخانہ کی حاجت ہو تو اسے اس وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ بلکہ وہ ان چیزوں سے فارغ ہو کر نماز پڑھے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ ”جب کسی کے سامنے کھانا آجائے اور اسے کھانے کی خواہش ہو یا اسی طرح بول و براز کا تقاضا ہو تو ایسی صورت میں اسے نماز پڑھنی مکروہ ہے اور رتج و قے بھی اسی حکم میں ہے۔ یعنی ان کو روک کر نماز پڑھے کیونکہ ان کی وجہ سے نماز میں حضوری قلب اور خشوع و خضوع باقی نہ رہے گا جس کی وجہ سے نماز کامل طور پر ادا نہ ہوگی۔ مگر ان سب صورتوں میں وسعت و وقت کی شرط ہے اگر وقت غلبہ ہو تو ہر صورت نماز پہلے پڑھنی چاہئے۔“

فرض نماز کی تکبیر ہو جانے پر دوسری نماز نہیں پڑھنی چاہئے

⑦ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْبَحَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَوةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جب نماز مکڑی ہو جائے (یعنی فرض نماز کے لئے تکبیر کہی جائے) تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہ پڑھنی چاہئے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مؤذن کے تکبیر کہنے کے بعد فجر کی سنتیں بھی نہ پڑھنی چاہئیں بلکہ امام کے ساتھ فرض نماز میں شریک ہو جانا چاہئے چنانچہ امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے مگر حضرات امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر فجر کی سنتیں پڑھنے میں فرض کی ایک رکعت بھی ہاتھ لگ جانے کا یقین ہو تو سنتیں پڑھ لی جائیں اس کے بعد جماعت میں شریک ہو جائے تاکہ سنتوں کا ثواب بھی ہاتھ سے نہ جائے اور جماعت کا ثواب بھی مل جائے۔ لیکن اس صورت میں سنتیں صف سے الگ ایک طرف پڑھنی چاہئیں ہاں اگر سنتیں پڑھنے میں فرض نماز کی دونوں رکعتیں فوت ہو جانے کا خوف ہو تو پھر اس صورت میں سنتیں چھوڑ دیں۔

حضرت ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ ”اس حدیث میں جو حکم ذکر کیا گیا ہے فجر کی سنتیں اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد

ہے:

صلوہا وان طردتکم الخیل۔

”فجر کی سنتیں (ضرور) پڑھو اگرچہ تمہیں لشکر ہائے۔“

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ فجر کی سنتوں کو پڑھنے کی بڑی تاکید ہے انہیں چھوڑنا نہیں چاہئے۔

حضرت علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ”فجر کی سنتیں تمام سنتوں میں سب سے زیادہ اہم اور قوی ترین یہاں تک کہ حسن کی

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے یہ روایت ہے کہ ”فجر کی سنتوں کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔“

عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت

⑧ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَأْذَنْتِ امْرَأَةٌ أَحَدَكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعَنَّهَا۔ (بخاری علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو اس کو منع مت کرو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ ”یہ بھی کراہت تنزیہی پر محمول ہے اور حضرت مظہرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کو مسجد میں جانا جائز ہیں لیکن موجودہ دور میں فتنہ کے خوف سے عورتوں کو مسجد میں جانا مکروہ ہے چنانچہ اس کی مؤید بخاری و مسلم کی یہ روایت ہے کہ ”حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ”اگر آنحضرت ﷺ اس چیز کو دیکھتے جو عورتوں نے پیدا کی ہے تو بے شک آپ ﷺ ان کو (مسجد جانے سے) منع کر دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔“

نیز حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے عورتوں کو (مسجد میں) جانے سے منع فرمایا مگر بوڑھی عورتوں کو (اجازت دی وہ بھی) کاروبار کے (یعنی میلے اور پرانے) کپڑوں میں۔“

اس کا حال یہ ہے کہ اگر بوڑھی عورتیں بغیر بناؤ سنگار اور خوشبو لگائے بغیر مسجد میں جانا چاہیں تو ان کے لئے ایک حد تک اجازت ہے۔ مگر جوان عورتوں کو تو مسجد میں جانے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ پھر یہ کہ اس زمانہ میں عورتیں مسجدوں میں دینی مسائل و احکام سیکھنے کی خاطر جایا کرتی تھیں لیکن اب تو اس کی بھی احتیاج نہیں کیوں کہ دینی مسائل و احکام اتنے مشہور و واضح ہو چکے ہیں کہ گھر میں بیٹھی عورتوں کو آسانی معلوم ہو جاتے ہیں۔“

عورتیں خوشبو لگا کر مسجد میں نہ جائیں

⑨ وَعَنْ زَيْنَبِ امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَهِدْتَ إِحْدَاكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمْسُحْ طَبِيبًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی زوجہ مطہرہ حضرت زینبؓ کہتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ ”جب تم میں سے کوئی (عورت) مسجد میں جائے تو وہ خوشبو نہ لگائے۔“ (مسلم)

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّمَا امْرَأَاتٍ أَصَابَتْ بِخُورٍ فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جو عورت بخور (یعنی خوشبو) لگائے وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک نہ ہو۔“ (مسلم)

تشریح: خوشبودار چیز کا دھواں لینے کو بخور کہتے ہیں جیسے اگر وغیرہ۔ اس حدیث میں خاص طور پر عشاء کے وقت کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ اندھیرے کا وقت ہوتا ہے اس میں کسی فتنہ و شر کے پیدا ہونے کا زیادہ خوف رہتا ہے۔ ویسے اوپر والی حدیث میں گریز ہی چکا ہے کہ آپ ﷺ نے مطلقاً خوشبو لگا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے۔

الفصل الثانی

عورتوں کو گھر ہی میں نماز پڑھنا بہتر ہے

(۱۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمْ الْمَسَاجِدَ وَيُؤْتِيَهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ - (رواہ ابوداؤد)

”حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”تم اپنی عورتوں کو مسجدوں (میں آنے) سے نہ روکو لیکن (نماز پڑھنے کے لئے) ان کی گھرانے کے لئے بہتر ہیں۔“ (ابوداؤد)

عورت کو کس جگہ نماز پڑھنا افضل ہے

(۱۲) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي خُجْرَتِهَا وَصَلَاتِهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”عورت کا گھر کے اندر (یعنی دالان میں) نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھری میں نماز پڑھنا کھلے ہوئے مکان میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورت جتنا پوشیدہ اور باپردہ ہو کر نماز پڑھے اس کے لئے افضل اور بہتر ہے کیونکہ اس کا سارا دارو مدار پردہ کے اوپر ہے، لیکن وجہ ہے کہ عورتوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ نِعَمُ الصَّهْرِ الْقَبِيرِ (یعنی اچھی سسرال قبریہ)۔ بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو نماز پڑھنے کے لئے جس قدر پردہ زیادہ ہو بہتر ہے۔

خوشبو لگا کر مسجد میں جانے والی عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی

(۱۳) وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ إِنِّي سَمِعْتُ جَبِيَّ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَقْبَلُ صَلَاةُ امْرَأَةٍ تَطْيِئُ لِلْمَسْجِدِ حَتَّى تَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْحَبَائِثِ وَأَهْوَائِهَا وَذَوْرُوعِهَا وَتَسَائِلِهَا خَوْفَ -

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”اس عورت کی نماز قبول نہیں کی جاتی جو مسجد جانے کے لئے خوشبو لگائے یہاں تک کہ وہ اگر خوشبو لگائے ہوئے ہو تو اچھی طرح غسل نہ کرے جیسا کہ ناپاکی کاٹل کیا جاتا ہے۔“ (ابوداؤد، احمد، نسائی)

تشریح: اس حدیث میں بھی اسی بات سے شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے کہ کوئی عورت خوشبو لگا کر مسجد میں جانے کی جرأت نہ کرے یہاں تک کہ اگر کسی نے خوشبو لگا رکھی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ مسجد جاتے وقت غسل کر لے یعنی اگر اس نے پورے بدن پر خوشبو لگا رکھی ہے تو سارا بدن پانی سے دھو ڈالے تاکہ اس کے بدن سے خوشبو جاتی رہے اور اگر بدن کے کسی خاص حصہ پر خوشبو لگی ہوئی ہو تو صرف اسی حصہ کو دھو ڈالے اور اگر خوشبو کپڑوں پر لگی ہوئی ہو تو اس صورت میں وہ کپڑے تبدیل کر دیئے جائیں۔

خوشبو لگے ہوئے بدن کو دھوئے یا کپڑے کو بدلنے کا یہ حکم اسی صورت میں ہے جب کہ مسجد میں جانے کا ارادہ کر لے۔ اگر مسجد میں جانے کا ارادہ نہ ہو بلکہ گھر ہی میں نماز پڑھنی ہو تو پھر اس حکم پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔

حضرت ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ یہ حکم خوشبو لگا کر مسجد جانے والی عورتوں کو زجر میں مبالغہ کے طور پر ہے کیونکہ اس صورت میں فتنہ و شر زیادہ پیدا ہوتا ہے معطر عورت کی طرف لوگوں کی رغبت زیادہ ہوتی ہے۔

خوشبو لگا کر باہر نکلنے والی عورتوں کے بارے میں وعید

(۱۴) وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ وَإِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا اسْتَعْظَرَتْ فَمَزَتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَّاءٌ وَكَذَّاءُ يَغْنِي زَانِيَةً زَوَّاهُ التِّرْمِذِيُّ وَلَا يَبْنِي دَاوُدُ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوُهُ۔

”اور حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”ہر آنکھ زنا کرنے والی ہے (جب کہ وہ کسی غیر عورت کی طرف بری نظر سے دیکھے کیونکہ اجنبی عورت کی طرف بری نظر سے دیکھنا آنکھ کا زنا ہے) اور جو عورت خوشبو لگا کر (مردوں کی) مجلس سے گزرے (اور چاہے کہ لوگ اس کی طرف دیکھیں تو وہ ایسی ہے ایسی ہے یعنی زانیہ ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: جس عورت نے خوشبو لگا کر مردوں کی مجلس میں اپنے آپ کو جلوہ گاہ بنایا تو وہ زانیہ ہے کیونکہ اس نے خوشبو لگا کر غیر مردوں کو اس بات کی رغبت دلائی کہ وہ اس کی طرف دیکھیں اور جب انہوں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ آنکھوں کے زنا میں مبتلا ہوئے اور چونکہ یہ عورت اس فتنہ کا خود باعث بنی اس لئے گواہی نے زنا کے فعل کا ارتکاب کیا۔

فجر اور عشاء کی نمازوں کی فضیلت

(۱۵) وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ قَالَ كَتَبَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الصُّبْحِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ أَشَاهِدُ فَلَانٍ قَالُوا لَا قَالَ أَشَاهِدُ فَلَانٍ قَالُوا لَا قَالَ إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ أَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ وَلَوْ تَغْلِقُونَ مَا فِيهِمَا لَا تَنِيْمُوهُمَا وَلَوْ حَبْنُوا عَلَى الزُّكْبِ وَإِنَّ الصَّفَّ الْأَوَّلَ عَلَى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيلَتُهُ لَا تَبْتَلُوا نَمُوهُ وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَجَدَهُ وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ۔ (رواه ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور کونین ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی جب آپ ﷺ سلام پھیر چکے تو ایک شخص کا نام لے کر اس کے بارے میں (فرمایا کہ فلاں شخص حاضر ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں! آپ ﷺ نے (ایک دوسرے شخص کا نام لے کر اس کے بارے میں) فرمایا کہ فلاں شخص حاضر ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں! (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا ”تمام نمازوں میں یہ دونوں (یعنی فجر و عشاء کی) نمازیں منافقین پر بہت گراں گزرتی ہیں، اگر تم جان لیجئے کہ ان دونوں نمازوں کا کتنا ثواب ہے، تو تم (دوڑ کر اور محنتوں کے بل (یعنی اقبال و خیراں) آتے اور (ثواب و فضیلت نیز تقرب الی اللہ کے سلسلہ میں) پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح ہے اگر تم پہلی صف کی فضیلت جان لو تو اس میں شامل ہونے کے لئے جلدی پہنچنے کی کوشش کرنے لگو اور آدمی کا اکیلے نماز پڑھنے سے دوسرے آدمی کے ساتھ مل کر پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہے اور دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب کا باعث ہے اور جس قدر زیادہ (نمازیں ایک ساتھ یعنی جماعت سے نماز پڑھتے) ہوں اللہ کے نزدیک یہ سب سے محبوب ہے۔“

(ابوداؤد، نسائی)

تشریح: منافق کا ہر عمل ریا پر مبنی ہوتا ہے اور اس کی ہر عبادت نمائش کی خاطر ہوتی ہے چنانچہ فجر و عشاء کے علاوہ دوسری نمازیں تو منافقین پر زیادہ گراں نہیں گزرتیں کیونکہ ان نمازوں میں نہ صرف یہ کہ زیادہ کسل و سستی نہیں ہوتی بلکہ ریا و نمائش بھی خوب ہو جاتی ہے برخلاف اس کے کہ فجر و عشاء کی نماز میں چونکہ محنت زیادہ پڑتی ہے، کسل بھی ہوتا ہے اور پھر یہ ہے کہ ریا و نمائش کا زیادہ موقع نہیں ملتا اس لئے یہ دونوں نمازیں ان پر بڑی گراں گزرتی ہیں۔ اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ فرمایا گیا ہے اور اس کے بعد ان دونوں نمازوں کی فضیلت کو ظاہر کر دیا گیا ہے تاکہ مخلص و صادق مسلمان ان نمازوں کی سعادت سے کسی بھی وجہ سے محروم نہ رہیں۔

جماعت سے نماز پڑھنے والوں پر شیطان غالب نہیں ہوتا

(۱۶) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ وَلَا تَقَامُ فِيهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَجَعَلَكَ بِأَلْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذَّلِيلُ الْقَاصِيَةَ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی)

”اور حضرت ابو داؤد راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جس بستی اور جنگل میں تین آدمی ہوں اور جماعت سے نماز نہ پڑھتے ہوں تو ان پر شیطان غالب رہتا ہے لہذا تم جماعت کو اپنے اوپر لازم کر لو کیونکہ اس بکری کو بھیڑا کھا جاتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو کر تنہا رہ جاتی ہے۔“ (احمد، ابو داؤد، ترمذی)

تشریح: اجتماعیت میں فلاح و کامیابی ہے اور انفرادیت میں خسران و ناکامی، چنانچہ اسلام اپنے متبعین کو اجتماعیت کی تعلیم بڑی اہمیت کے ساتھ دیتا ہے اور اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ اگر اپنی قوم و ملی شان و شوکت کو برقرار رکھنا ہے اور اپنی امتیازی حیثیت کو پوری طاقت کے ساتھ دنیا سے منوانا ہے تو پھر اجتماعیت کے راستے سے کبھی انحراف نہ کرنا، یہی وجہ ہے کہ اسلام کی اکثر و بیشتر عبادات شان اجتماعیت کی حامل ہیں۔

یہ تو دنیا کی دیکھی بات ہے کہ جو شخص تنہا رہتا ہے نہ تو اس کی کوئی حیثیت و وقعت ہوتی ہے اور نہ اس کی کسی بات میں کوئی طاقت ہوتی ہے جب کوئی چاہتا ہے بڑی آسانی کے ساتھ اس پر قابو پالیتا ہے لیکن جو افراد اجتماعیت کے ساتھ رہتے ہیں نہ صرف یہ کہ ان کی ہر بات میں ایک وزن ہوتا ہے بلکہ ان کی قوت و طاقت سے سب ہی لوگ مرعوب رہتے ہیں۔ یہی حالت شیطان کی ہے کہ کسی تنہا مسلمان پر اس کا اثر بہت جلدی ہو جاتا ہے مگر اس کے برخلاف مسلمانوں کی کسی جماعت پر اس کے کمزور قریب کا جادو نہیں چلتا۔

چنانچہ اس حدیث میں یہی بتایا جا رہا ہے کہ اگر کسی بستی یا کسی جنگل میں تین اشخاص رہتے ہوں اور اس کی مثال یہ دی گئی ہے کہ جس طرح ایک بھیڑیا بکریوں کے کسی ریوڑ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا مگر جب کوئی بکری ریوڑ سے الگ ہو کر بالکل تنہا رہ جاتی ہے تو بھیڑیا اسے آن واحد میں اپنی غذا بنا لیتا ہے۔

بغیر عذر جماعت میں شریک نہ ہونے والے نمازی کی نماز قبول نہیں ہوتی

(۱۷) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ الْمُتَأَذِّبَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ اتِّبَاعِهِ غُذْرٌ قَالُوا وَمَا الْغُذْرُ قَالَ خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّى۔ (رواہ ابو داؤد و الدارقطنی)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اذان کہنے والے (یعنی مؤذن) کی اذان سے اور مؤذن کی تالیف داری (یعنی مسجد پہنچ کر جماعت میں شریک ہونے) سے اسے کوئی عذر نہ دے، کو لوگوں نے پوچھا کہ عذر کیا ہے؟ فرمایا کہ ”(دشمن سے) ڈرنا، بیماری“ تو اس کی نماز جو بغیر جماعت (اگرچہ مسجد ہی میں) پڑھے قبول نہیں کی جاتی۔“ (ابو داؤد، دارقطنی)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ یہ حدیث بیان فرما رہے تھے کہ لوگوں نے درمیان میں پوچھا کہ وہ کیا عذر ہے جو جماعت سے روک سکتا ہے تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ڈر، خواہ کسی دشمن سے جان کا ہو یا مال و آبرو کا، یا کوئی سخت بیماری ہو ”حضرت ابن مالکؓ نے ”ڈر“ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ڈر خواہ تو کسی کے ظلم کا شکار ہو جانے کا ہو یا ڈر کسی قرضدار کا ہو ایسی صورت میں کہ وہ اپنی مفلسی کی وجہ سے قرض ادا کرنے پر قادر نہ ہو۔ ان اعذار کے علاوہ اس سے پہلے بقیہ عذر ذکر کئے جا چکے ہیں مثلاً سخت سردی و بارش یا کھانا سامنے آچکا ہو، یا نتیجے کی حاجت ہو یہ سب چیزیں ترک جماعت کے حق میں معقول عذر ہیں۔ اسی طرح بیماری بھی عذر ہے، مگر ایسی بیماری جس کی وجہ سے مسجد میں پہنچنا ممکن نہ ہو۔

بہر حال اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص مؤذن کی اذان سے اور پھر مؤذن کی تابعداری کرے یعنی جماعت میں بلا عذر شریک نہ ہو تو اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی عذر کی بنا پر جماعت میں شریک نہ ہو تو اس کی نماز قبول ہو جائے گی لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ یہاں ”قبول نہ ہونے“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی نماز سرے سے ادا نہیں ہوگی بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ اس کے ذمہ سے نماز کی فرضیت تو ساقط ہو جائے گی مگر اسے نماز کا ثواب نہیں ملے گا۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص غصب کی گئی زمین پر نماز پڑھے تو اس کے ذمہ سے نماز کی فرضیت تو ساقط ہو جاتی ہے مگر اسے نماز کا ثواب نہیں ملتا یا اسی طرح اگر کوئی شخص حرام مال سے حج کرے تو اس کے ذمہ سے فرض تو اتر جاتا ہے مگر اسے ثواب نہیں ملتا۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حدیث اور اس سے پہلے گزرنے والی حدیث کے پیش نظر کسی شخص کے لئے قصدًا بلا عذر جماعت ترک کرنے کی مطلقاً اجازت نہیں ہے۔

جماعت کھڑی ہو جائے اور استنحیٰ کی حاجت ہو تو پہلے استنحیٰ سے فارغ ہو جانا چاہئے

(۱۸) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَرْقَمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أُقْبِضَتِ الصَّلَاةُ وَوَجَدَ أَحَدُكُمْ الْخَلَاءَ فَلْيَبْذُلْ بِالْخَلَاءِ۔ (رواہ الترمذی وروی مالک و ابو داؤد و النسائی رحمہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن ارقم فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”اگر نماز (کے لئے) جماعت کھڑی ہو جائے اور تم میں سے کسی کو پانخانہ کی حاجت ہو تو اسے چاہئے کہ وہ پہلے پانخانہ کو چلا جائے (اگرچہ جماعت ترک ہو جائے)۔“ (ترمذی، مالک، ابو داؤد، نسائی)

تین چیزوں کی ممانعت

(۱۹) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا يَجِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَفْعَلَهُنَّ لَا يُؤْمَنُ رَجُلٌ قَوْمًا فَيُخْصُ نَفْسَهُ بِالْإِعْجَاءِ ذُوْنَهُمْ فَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يَنْظُرُ فِي قَفَرِيَّتِهِ قَبْلَ أَنْ يَسْتَأْذِنَ فَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يُصَلِّ وَهُوَ حَقِيْقٌ حَتَّى يَتَخَفَّفَ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی رحمہ)

”اور حضرت ثوبان راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”تین چیزیں ایسی ہیں جن کا کرنا کسی کے لئے حلال نہیں ہے۔ اول تو یہ کہ کوئی شخص کسی جماعت کا امام بنے اور دعاء میں جماعت کو شریک کئے بغیر اپنی ذات کو مخصوص کرے اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے جماعت کے ساتھ خیانت کی۔“

دوم یہ کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں اجازت حاصل کئے بغیر نظر نہ ڈالے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے گھروالوں کے ساتھ خیانت کی۔ سوم یہ کہ کوئی شخص ایسی حالت میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب یا پانخانہ تو کئے ہوئے ہو یہاں تک کہ وہ (استنحیٰ سے فارغ ہو کر) ہلکا ہو جائے۔“ (ابو داؤد، ترمذی)

کھانے کی وجہ سے نماز میں تاخیر کی ممانعت

(۲۰) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَوْخَرُوا الصَّلَاةَ لِطَعَامٍ وَلَا لِبَعْزٍ۔ (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے (صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ ”کھانے کے لئے یا کسی اور وجہ سے نماز کو (اس کے وقت سے) مؤخر نہ کرو۔“ (شرح السنہ)

تشریح: اس سے پہلے ایک حدیث نمبر ۶۸۲ میں ہے جس سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ (جب کھانا سامنے آ جائے تو) پہلے کھانا کھا لیا جائے اور

اس کے بعد نماز پڑھی جائے اور یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ کھانے وغیرہ کی خاطر نماز کو مؤخر نہ کیا جائے، چونکہ ان دونوں احادیث میں تعارض واقع ہو رہا ہے اس لئے سمجھ لیجئے کہ یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ اگر کھانا کھانے کی صورت میں نماز کا وقت ختم ہو جائے گا اندیشہ ہو تو پھر یہی حکم ہے کہ نماز کو مؤخر نہ کیا جائے۔

اور حدیث نمبر ۶ کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ وقت میں وسعت ہو اور کھانا سامنے آچکا ہو نیز کھانے کی خواہش بھی ہو تو یہ حکم ہو گا کہ پہلے کھانا کھالیا جائے اس کے بعد نماز پڑھی جائے۔ اس تشریح سے دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہا۔

الفصل الثالث

جماعت سے نماز پڑھنے کی تاکید

(۲۱) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُتَافِقٌ قَدْ غَلِمَ رِيفَاةٌ أَوْ مَرِيضٌ إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ لِيَمْشِيَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتَّى يَأْتِيَ الصَّلَاةَ وَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدَى وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُرَدُّ فِيهِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَلْقَى اللَّهَ غَدًا مُسْلِمًا فَلْيَبْخُشْ خَافِظًا عَلَى هَذِهِ الصَّلَوَاتِ الْخُمْسِ حَيْثُ يَقَادِي بَيْنَهُمَا فَإِنَّ اللَّهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدَى وَآتَاهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هَذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ لَفَرَقْتُكُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فِي حُسْنِ الطَّهْوَرِ ثُمَّ يَغْمِزُ إِلَى مَسْجِدٍ مِنْ هَذِهِ الْمَسَاجِدِ الْأَكْتَبِ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَخْطُوهَا حَسَنَةٌ وَرَفَعَهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَقَّ عَنْهُ بِهَا سِتِينَةٌ وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُتَافِقٌ مَعْلُومُ التَّفَاقِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتَى بِهَا يَهَادِي بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتَّى يَقَامَ فِي الصَّفِّ - (رواه مسلم)

”حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا ہے کہ نماز باجماعت سے صرف وہی متفق لوگ پیچھے رہ جاتے تھے جن کا اتفاق معلوم اور کھلا ہوا تھا (یعنی جن لوگوں کا اتفاق پوشیدہ تھا وہ بھی جماعت میں حاضر ہوتے تھے) یا بیمار رہ جاتے تھے (یعنی جس مریض کو مسجد آنے کی کچھ نہ کچھ طاقت ہوتی تھی وہ بھی جماعت میں آتا تھا چنانچہ ”جو مریض دو آدمیوں کے درمیان (یعنی ان کے سہارے سے) چل سکتا تھا وہ بھی نماز میں آتا تھا۔ (اس کے بعد) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ”بے شک سرور کونین ﷺ نے ہمیں ہدایت کے طریقے سکھائے ہیں اور ہدایت کے ان طریقوں میں سے (ایک طریقہ) اس مسجد میں (جماعت سے) نماز پڑھنا ہے جس میں اذان دی جاتی ہو۔“ ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ”جس شخص کے لئے یہ بات خوش کن ہو کہ وہ کل کے دن خدا سے کامل مسلمان کی حیثیت سے ملاقات کرے تو اسے چاہئے کہ وہ ان پانچوں نمازوں کی اس جگہ حفاظت کرے جہاں ان نمازوں کے لئے اذان دی جاتی ہو (یعنی مسجد میں ان پانچوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ پابندی سے ادا کرتا رہے) کیونکہ اللہ جل شانہ نے تمہارے نبی کریم ﷺ کے لئے ہدایت کے (تمام) طریقے مقرر کر دیے تھے اور ان پانچوں نمازوں کو جماعت سے پڑھنا بھی ہدایت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ اگر تم اپنی نماز کو اپنے گھروں میں (اگرچہ جماعت سے) پڑھو گے جیسا کہ یہ پیچھے رہنے والا (یعنی متفق) نماز پڑھتا ہے تو ”بھگ لو کہ“ تم اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑنے والے ہو گے اور اگر اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑ دو گے تو بیشک گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور جو شخص پاک ہو کر اچھی طرح وضو کرتا ہے (یعنی وضو کے پورے حقوق و آداب کا لحاظ رکھتا ہے) اور اس کے تمام واجبات و سنن کو ادا کرتا ہے اور پھر ان مساجد میں سے کسی مسجد میں جاتا ہے تو خداوند قدوس اس کے ہر قدم کے بدلہ جوہ (مسجد کی راہ میں) رکھتا ہے ایک نیک لکھتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک برائی کو اس سے دور کر دیتا ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ کھلے ہوئے متافق کے علاوہ کوئی

شخص جماعت سے پیچھے نہ رہتا تھا (یعنی جماعت ترک نہ کرتا تھا) یہاں تک کہ بیمار آدمی اس حالت میں نماز میں لایا جاتا کہ وہ (انتہائی ضعف و کمزوری کی وجہ سے) دو آدمیوں کا سہارا لئے ہوئے ہوتا اور اس کو صف میں لاکھڑا کر دیا جاتا تھا۔ ”مسلم“

تشریح: سنن الہدی (ہدایت کے طریقے) ان طریقوں اور راستوں کو کہتے ہیں جن پر عمل کرنا ہدایت کا موجب اور حق تعالیٰ جل شانہ کے قرب اور اس کی رضا کا باعث ہو۔

آنحضرت ﷺ کے افعال کی قسمیں! آنحضرت ﷺ کے افعال دو نوعیت کے ہوتے تھے! ایک قسم کے افعال تو وہ تھے جنہیں آنحضرت ﷺ بطور عبادت کرتے تھے۔ دوسرے قسم کے افعال وہ تھے جو آپ ﷺ بطریق عادت کرتے تھے۔ جن افعال کو آپ ﷺ بطریق عادت کرتے تھے انہیں ”سنن زوائد“ کہا جاتا ہے اور جن افعال کو آپ ﷺ بطریق عبادت کرتے تھے انہیں ”سنن ہدی“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

پھر سنن ہدی کی دو قسمیں ہیں ① سنن مؤکدہ۔ ② سنن غیر مؤکدہ۔

سنن مؤکدہ۔ وہ افعال ہیں جنہیں آپ ﷺ نے بطریق مواظبت کے کیا اور لوگوں کو ان افعال کے کرنے کی تاکید فرمائی۔ سنن غیر مؤکدہ۔ وہ افعال ہیں جو نہ تو آپ ﷺ سے بطریق مواظبت کے صادر ہوتے تھے اور نہ ان پر عمل کرنے کے لئے لوگوں کو تاکید فرماتے تھے۔

اس حدیث میں جس سنن ہدی کا ذکر فرمایا گیا ہے اس سے مراد ”سنن مؤکدہ“ ہیں۔ جو حضرات جماعت کو واجب قرار دیتے ہیں یہ تعریف ان کے نقطہ نظر کے بھی منافی نہیں ہے کیونکہ لفظ واجب بھی سنن ہدی کی تعریف میں داخل ہے۔

احمد اور طبرانی نے آنحضرت ﷺ سے مروی روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ظلم پورا ظلم، کفر اور نفاق (کا حامل) وہ شخص ہے کہ اللہ کے پکارنے والے کو سنا کہ وہ مسجد کی طرف (نماز کی جماعت میں شریک ہونے کے لئے) پکارتا ہے مگر اس شخص نے جواب نہیں دیا (یعنی مسجد میں پہنچ کر جماعت میں شریک نہیں ہوا) اس روایت کی روشنی میں معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے بارے میں جو مسجد میں ہونے والی جماعت کو ترک کرتے ہیں آنحضرت ﷺ کی یہ سخت ترین وعید ہے۔

کما یصلیٰ هذا المتخلف فی بیتہ (جیسا کہ یہ پیچھے رہنے والا شخص اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے) بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی خاص شخص تھا جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتا تھا چنانچہ ابن مسعودؓ نے اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح یہ شخص جماعت کی سعادت سے اپنے آپ کو محروم کر کے گھر میں نماز پڑھ لیتا، اسی طرح اگر تم لوگ بھی اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے تو یہ سمجھ لو کہ اس شخص کی طرح تمہارا بھی یہ فعل آنحضرت ﷺ کی سنت کو چھوڑنے کے مرادف ہوگا اور ظاہر ہے کہ سنت کو ترک کرنے والا شخص ضلالت و گمراہی کی تباہ کن کھالی میں گرتا ہے۔

جماعت کو چھوڑنے والا سخت گناہ گار ہوتا ہے

②۲ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا مَا فِي النِّبُوتِ مِنَ التَّسَاءِ وَالذُّبُورَةِ أَقَمْتُ صَلَاةَ

الْعِشَاءِ وَأَمَرْتُ فِئْتَانِي يُخَوِّفُونِ مَا فِي النِّبُوتِ بِالنَّارِ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”اگر گھر میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی نماز قائم کر کے غلاموں کو حکم دیتا کہ (جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوئے ان کے) گھر بار آگ میں جلا دیئے جائیں۔“ (احمد)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کے لئے جماعت سے نماز پڑھنا چونکہ واجب نہیں ہے اس لئے ان کو بچانے کا خیال ضروری ہے کہ یہ بے خطا و سرور کی سزا میں تکلیف نہ پائیں۔ اگر عورتیں اور بچے گھروں میں نہ ہوتے تو عشاء کی نماز قائم کرنے

کا حکم دیتا اور صحابہؓ سے کہتا کہ جو لوگ جماعت میں حاضر نہیں ہوئے ہیں ان کو ان کے گھر کے اسباب کو آگ کے شعلوں میں جھونک دیا جائے تاکہ انہیں احساس ہو کہ جماعت کو ترک کرنے کی سزا کیا ہے؟
اس سے معلوم ہوا کہ جماعت چھوڑنے والا سخت گناہ گار ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسے جلائے کا قصد فرمایا۔

اذان ہو جانے کے بعد بغیر نماز پڑھے مسجد سے نہ نکلنے کا حکم

(۲۳) وَعَنْهُ قَالَ أَمَرْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَتُؤَدُّ بِالصَّلَاةِ فَلَا تَخْرُجُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُصَلِّيَ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ تم مسجد میں موجود ہو اور نماز کے لئے اذان ہو جائے تو تم میں سے کوئی شخص بغیر نماز پڑھے مسجد سے نہ نکلے۔“ (احمد)

تشریح: علماء حنفیہ کے نزدیک اذان کے بعد مسجد سے نہ نکلنے کا یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو کسی دوسری جماعت کا تنظیم نہ ہو یعنی اگر کوئی شخص کسی دوسری مسجد کا امام ہو تو اذان کے بعد مسجد سے جاسکتا ہے اگر کوئی شخص دوسری مسجد کا امام نہ ہو یا جا کر وہیں آئے کا قصد نہ کرے تو اس کو اذان سن کر مسجد سے نکلنا جائز نہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص نماز پڑھ چکا ہے تو اس کے لئے مسجد سے نکلنا مکروہ نہیں لیکن ظہر اور عشاء میں نماز میں اگر مؤذن تکبیر کہنی شروع کر دے تو اسے بھی نماز پڑھ لینے کے باوجود جماعت میں شریک ہونا چاہئے تاکہ ترک جماعت کا الزام نہ آئے دوسرے آئمہ کے نزدیک ایسی صورت میں ہر نماز میں شریک ہو جانا چاہئے۔ ان کے یہاں ظہر و عشاء کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

(۲۴) وَعَنْ أَبِي الشَّعْثَاءِ قَالَ خَرَجَ رَجُلٌ مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ مَا أُذِنَ فِيهِ فَقَالَ أَنُؤْهِرُ نَفْسًا هَذَا فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو شعثاءؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) اذان ہو جانے کے بعد ایک شخص مسجد سے نکلا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ”اس شخص نے ابو القاسم (یعنی رسول اللہ ﷺ) کی نافرمانی کی۔“ (مسلم)

(۲۵) وَعَنْ عَثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَ الْأَذَانَ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت عثمان ابن عفانؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے پھر وہ بغیر کسی ضرورت کے مسجد سے چلا جائے اور (جماعت میں شریک ہونے کے لئے) واپس آنے کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ منافق ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: اگر کوئی شخص مسجد میں موجود ہو اور اذان ہو جائے اور پھر وہ جماعت کی سعادت سے منہ موڑ کر مسجد سے چلا جائے تو یہ بڑی بدعتی کی بات ہے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ ایسا شخص ترک جماعت کا گناہ گار ہونے کی وجہ سے منافق کی طرح ہوتا ہے۔

زبان و عمل سے اذان کا جواب نہ دینے والے کی نماز کامل نہیں ہوتی

(۲۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَمِعَ الْإِذَاءَ فَلَمْ يَجِبْهُ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ۔

(رواہ الدارقطنی)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے اذان سنی اور اس کا جواب نہ دیا تو اس کی نماز (کامل یا قبول نہیں ہوتی مگر کسی عذر کی وجہ سے) (ایسا کیا تو مضائقہ نہیں۔“ (دارقطنی)

تشریح: اذان کا جواب دینا ایک تو زبان سے ہوتا ہے جیسے مؤذن کلمات اذان کہے تو سننے والا ان کلمات کو دہرائے اور ایک جواب عمل سے ہوتا ہے چنانچہ جو شخص مؤذن کی اذان سن کر مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے آتا ہے وہ اپنے عمل سے مؤذن کی اذان کا جواب دیتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زبان و عمل دونوں کے جواب پر نماز کی قبولیت اور نماز کی تکمیل موقوف ہے یعنی جس شخص نے اذان سن کر اس کا جواب نہ تو زبان سے دیا اور نہ مسجد میں آکر عمل سے دیا تو اس کی نماز پائے تکمیل اور باب قبولیت کو نہیں پہنچتی اتنی بات سمجھ لیجئے کہ اصل جواب عمل یعنی مسجد میں آنا ہی ہے اور اس کی زیادہ تاکید ہے۔

نایمیا شخص کو بھی جماعت نہ چھوڑنی چاہئے

(۲۷) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ قَالَ يَارَ سَوَّلَ اللَّهُ إِنَّ الْمَدِينَةَ كَثِيرَةُ الْهَوَامِ وَالسَّبَاعِ وَأَنَا صَرِيحُ الْبَصَرِ فَهَلْ تَجِدُنِي مِنْ رُحْصَةٍ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَحَتَّى هَلَا وَلَمْ يَرِ يَخْصُ -

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مدینہ میں سوڑی جانور اور درندے بہت ہیں اور میں نایمیا ہوں (اس عذر کی وجہ سے) کیا آپ ﷺ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں جماعت میں نہ آؤں اور اپنی نماز گھر پر لوں؟ آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کیا تم علی الصلوٰۃ اور علی الفلاح سنتے ہو؟ میں نے عرض کیا ”جی ہاں“ ”آفرمایا“ جماعت میں آیا کرو“ اور انہیں جماعت چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے خاص طور پر علی الصلوٰۃ اور علی الفلاح کا ذکر کیا کیونکہ ان الفاظ میں نماز کی طرف بلانا اور ترغیب ہے۔ (۲۸) وَعَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَهُوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ مَا أَغْضَبَكَ قَالَ وَاللَّهِ مَا أَعْرِفُ مِنْ أَمْرِ أُمَّةٍ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا إِلَّا أَتَاهُمْ يُصَلُّونَ جَمِيعًا - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ام درداءؓ فرماتی ہیں کہ (ایک دفعہ میرے خاوند) حضرت ابودرداءؓ میرے پاس غصہ میں بھرے ہوئے آئے (ان کی حالت دیکھ کر) میں نے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو غضبناک بنایا؟ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم اس روز کو عین ﷺ کی امت کے بارے میں (پہلی جیسی) ایک یکی بات جانتا تھا کہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں (مگر اب اسے بھی چھوڑ دیتے ہیں)۔“ (بخاری)

فجر کی نماز جماعت سے پڑھنا رات بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے

(۲۹) وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَفْصَةَ قَالَ إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَدْ سَلِمَانَ بْنِ أَبِي حَفْصَةَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ وَإِنَّ عُمَرَ غَدَا لِي السُّوقِ وَمَسْكَنُ سُلَيْمَانَ بْنِ الْمَسْجِدِ وَالسُّوقِ فَمَرَّ عَلَى الشَّعَاءِ أُمِّ سُلَيْمَانَ فَقَالَ لَهَا لَمْ أَرِ سُلَيْمَانَ فِي الصُّبْحِ فَقَالَتْ إِنَّهُ بَاتَ يُصَلِّي فَقُلْتُ عَيْنَاهُ فَقَالَ عُمَرُ لَأَنْ أَشْهَدَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي جَمَاعَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَقُومَ لَيْلَةً - (رواہ مالک)

”اور حضرت ابوبکر ابن سلیمان ابن ابی حمزہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) حضرت عمر فاروقؓ نے فجر کی نماز میں (میرے والد) حضرت سلیمان ابن ابی حمزہؓ کو نہیں پایا۔ حضرت عمرؓ جب صبح کو بازار جانے لگے تو سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان تھا اس لئے وہ سلیمان کی والدہ شفاءؓ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ ”کیا بات ہے آج میں نے سلیمان کو فجر کی نماز میں نہیں دیکھا؟ سلیمان کی والدہ کہنے لگیں (کہ) بات یہ ہوئی کہ سلیمان نے آج پوری رات نماز پڑھنے میں گزار دی اور (صبح ہوتے ہوئے) ان کی آنکھ لگ گئی (اس لئے وہ نماز فجر میں حاضر نہ

تشریح: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے اس لئے ناراض ہوئے اور انہیں برا بھلا کہا کہ انہوں نے بظاہر ایسے الفاظ سے جواب دیا جن سے اپنی رائے کے ساتھ حدیث کا مقابلہ کرنا معلوم ہوتا تھا۔ اگر بلالؓ اس کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے کہتے کہ اب اس زمانہ میں عورتوں کا مسجد میں جانا مناسب نہیں ہے تو حضرت عبداللہؓ ناراض نہ ہوتے، بلکہ وجہ ہے کہ علماء نے ماحول کی نزاکت کے پیش نظر عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ ”ہمارے زمانہ میں امام عورتوں کی نیت نہ کرے۔“ اس سلسلہ میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ موجودہ دور کے تمام علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اب اس زمانہ میں جب کہ فتنہ و شر کا دور دورہ ہے عورتوں کے لئے مسجد میں جانا مکروہ ہے۔

(۳۲) وَعَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعَنَّ زَجْلٌ أَهْلَهُ أَنْ يَأْتُوا الْمَسَاجِدَ فَقَالَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ فَإِنَّا نَمْنَعُهُمْ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ أَحَدُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُولُ هَذَا قَالَ فَمَا كَلِمَةُ عَبْدِ اللَّهِ حَتَّى مَاتَ۔ (ردہ اسما)

”حضرت مجاہد حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”کوئی شخص اپنے اہل (یعنی اپنی بیوی) کو مساجد میں جانے سے منع نہ کرے۔“ (یہ سن کر حضرت عبداللہؓ کے ایک صاحبزادہ (بلال) نے کہا کہ ”ہم تو انہیں منع کریں گے۔“ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ ”میں تو آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم یہ کہہ رہے ہو۔“ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت عبداللہؓ نے اپنے بیٹے سے (آخر عمر تک) گفتگو نہیں کی یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔“ (احمد)

تشریح: اس حدیث کی وضاحت وہی ہے جو پہلے کی جا چکی ہے کہ اپنے صاحبزادے سے حضرت عبداللہؓ کی اس قدر شدید ناراضگی کہ آخر عمر تک ان سے گفتگو نہیں کی محض اس بناء پر تھی کہ ان کے صاحبزادے نے اپنے مافی الضمیر کو اس انداز سے ظاہر کیا جو حدیث نبوی کے مقابل معلوم ہوتا تھا۔ بہر حال اس حدیث سے اتنی بات معلوم ہوئی کہ اگر کسی شخص کی اولاد سنت کو ترک کر دے یا سنت کے خلاف اپنی رائے کو غلط انداز میں پیش کرے تو اس سے ترک کلام کیا جاسکتا ہے۔

اس باب کی چونکہ یہ آخری حدیث ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے حاصل کرنے کے بعض طریقے اور مسائل جن کا جاننا ضروری ہے نقل کر دیئے جائیں۔

جماعت کے بعض مسائل

اگر کوئی شخص اپنے محلہ یا مکان کے قریب مسجد میں ایسے وقت پر پہنچا کہ وہاں جماعت ہو چکی تھی تو اس کو مستحب ہے کہ دوسری مسجد میں دوبارے جماعت کے لئے جائے اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے گھر واپس آکر آدمیوں کو جمع کر کے جماعت کر لے۔ اگر کوئی شخص نفل نماز شروع کر چکا ہو اور فرض جماعت ہونے لگے تو اس کو چاہئے کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اگرچہ چار رکعت نفل کی نیت کی ہو۔ یہی حکم ظہر اور جمعہ کی سنت مؤکدہ کا ہے کہ اگر شروع کر چکا ہو اور فرض ہونے لگے تو دو ہی رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر ان سنتوں کو فرض کے بعد پڑھ لے۔ ظہر کی سنتیں ان سنتوں کے بعد پڑھی جائیں جو فرض کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔ اگر فرض نماز ہو رہی ہو تو پھر سنت وغیرہ شروع نہ کی جائے بشرطیکہ کسی رکعت کے چلے جانے کا خوف ہو یا اگر یقین یا گمان غالب ہو کہ کوئی رکعت نہ جائے یا بے گئی تو پڑھ لے۔ مثلاً ظہر کے وقت جب فرض شروع ہو جائے اور خوف ہو کہ سنت پڑھنے سے کوئی رکعت جاتی رہے گی تو پھر مؤکدہ سنتیں جو فرض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں چھوڑ دے اور فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھ کر ان سنتوں کو پڑھ لے مگر فجر کی سنتیں چونکہ زیادہ مؤکدہ ہیں لہذا ان کے لئے حکم ہے کہ اگر فرض شروع ہو چکا ہو تب بھی ادا کر لی جائیں، بشرطیکہ قعدہ اخیرہ

مل جانے کی امید ہو اور اگر قعدہ اخیرہ کے بھی نہ ملنے کا خوف ہو تو پھر نہ پڑھے۔

اگر یہ خوف ہو کہ فجر کی سنت اگر نماز بخیرین و مستحبات وغیرہ کی پابندی سے ادا کی جائے تو جماعت نہ ملے گی تو ایسی حالت میں چاہئے کہ صرف فرائض اور واجبات پر اختصار کرے اور سنن وغیرہ چھوڑ دے۔ فرض شروع ہو جانے کی صورت میں جو سنتیں پڑھی جائیں خواہ فجر کی ہوں یا کسی اور وقت کی تو وہ ایسے مقام پر پڑھی جائیں جو مسجد سے علیحدہ ہو اس لئے کہ جہاں فرض نماز ہوتی ہو تو پھر کوئی دوسری نماز وہاں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر کوئی ایسی جگہ نہ ملے تو صف سے علیحدہ مسجد کے کسی گوشہ میں پڑھ لے اور یہ بھی نہ ہو تو نہ پڑھے۔ اگر جماعت کا قعدہ مل جائے اور رکعتیں نہ ملیں تب بھی جماعت کا ثواب مل جائے گا اگرچہ اصطلاح فقہاء میں اس کو جماعت کی نماز نہیں کہتے۔ جماعت سے ادا کرنا جب ہی کہا جائے گا کہ جب کل رکعتیں مل جائیں۔ یا کثیر رکعتیں مل جائیں مثلاً چار رکعت والی نماز کی تین رکعتیں مل جائیں یا تین رکعت والی نماز کی دو رکعتیں مل جائیں اگرچہ بعض فقہاء کے نزدیک جب تک کل رکعتیں نہ ملیں جماعت میں شمار نہیں ہوتا۔ جس رکعت کا رکوع امام کے ساتھ مل جائے گا تو سمجھا جائے گا کہ وہ رکعت مل گئی۔ ہاں اگر رکوع نہ ملے تو پھر اس رکعت کا شمار ملنے میں نہ ہو گا۔

بَابُ تَسْوِيَةِ الصَّفِّ

صفوں کے برابر کرنے کا بیان

صفوں کو برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ نماز کے لئے جماعت میں کھڑے ہوں تو صف بندی اس طرح کریں کہ آپس میں بالکل مل کر کھڑے ہوں تاکہ ایک دوسرے کے درمیان خلل نہ رہے اور آگے پیچھے ہٹ کر کھڑے نہ ہوں بلکہ برابر کھڑے رہیں اگر کسی صف میں ہوں تو وہ اس طرح قائم کی جائیں کہ ایک دوسری صف کے درمیان شروع سے لے کر آخر تک یکساں فرق رہے ایسا نہ ہو کہ کسی جگہ سے تو دونوں صفوں کا درمیانی فاصلہ کم ہو اور کسی جگہ سے زیادہ۔ اس باب کے تحت جو احادیث نقل کی جائیں گی ان سے صفوں کو برابر کرنے کی اہمیت و تاکید معلوم ہوگی اور صف بندی کے جو مسائل و احکام ہیں وہ واضح ہوں گے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

صف برابر رکھنے کا حکم

① عَنْ الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بَهَا الْقِدَاحِ حَتَّى رَأَى أَنَا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتَّى كَادَ أَنْ يَكْبُرَ فَرَأَى رَجُلًا يَأْتِيَا صُدْرَهُ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللَّهِ لَتُسَوْنَ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيَخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ وَجْهِكُمْ - (رواہ مسلم)

”حضرت نعمان ابن بشیر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہماری صفیں (اس طرح) برابر (سیدھی) کیا کرتے تھے کہ گویا تیر بھی ان صفوں سے سیدھا کیا جاسکتا تھا یہاں تک کہ ہم بھی آپ ﷺ سے (صفوں کی برابر کرنے کی اہمیت) سمجھ گئے۔ ایک دن آنحضرت ﷺ (مکان سے نکل کر) تشریف لائے اور (نماز کے لئے) کھڑے ہو گئے اور تکبیر (تحریمہ) کہنے ہی کو تھے کہ ایک آدمی کا سینہ صف سے کچھ نکلا ہوا آپ ﷺ نے دیکھ لیا چنانچہ (یہ دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں سیدھی کر دو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔“ (مسلم)

تشریح: ب میں تیر کی ہمواری اور سیدھا پن اس قدر مشہور تھا کہ دوسری چیزوں کے سیدھے پن اور ہمواری کو بھی تیر سے تشبیہ دیا

کرتے تھے اس طرح گویا تیر بھی ان صفوں سے سیدھا کیا جاتا تھا۔ "یہ جملہ کسی چیز کی ہمواری اور سیدھے پن کے لئے مثل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ تیروں کے ذریعہ دوسری چیزوں کو سیدھا اور برابر کرتے ہیں اور یہاں یہ مبالغہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے کہ صفیں اس قدر سیدھی اور ہموار ہوتی تھیں کہ تیر بھی ان کے ذریعہ سیدھے کئے جاسکتے تھے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ عبارت اپنے عکس پر محمول ہے لہذا اس کا مطلب یہ ہے کہ گویا صفیں تیروں کے ذریعہ برابر کرتے تھے "حدیث کے آخری جملہ کا مطلب مولانا مظہر نے یہ بیان کیا ہے کہ ظاہری ادب و فرمانبرداری نہیں کرو گے تو تمہاری یہ ظاہری نافرمانی تمہارے باطن یعنی دلوں کے اختلاف کی طرف تمہیں پہنچائے گی۔ جو آگے چل کر آپس کے بغض و عناد اور کدورت و عداوت کا سبب بن جائے گی اور پھر قلوب کے یہ اختلاف اور یہ باطنی بری خصلتیں تمہاری ظاہری زندگی میں بھی اس طرح سرایت کر جائیں گی کہ تمہارے درمیان بغض و عداوت پیدا ہو جائے گی چنانچہ تم میں سے ہر شخص ایک دوسرے سے اعراض کرے گا اور کسی کے دل میں کسی کے لئے ہمدردی کا کوئی جذبہ باقی نہ رہ جائے گا بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صفوں کو سیدھا اور ہموار رکھنے کی بڑی اہمیت ہے جب جماعت کھڑی ہو تو ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو صف کے برابر کر لے اور ایک دوسرے سے آگے پیچھے نہ کھڑا ہوتا چاہئے، اگر صف کو سیدھا کرنے کے اس حکم کی پیروی نہیں کی جائے گی تو جان لو کہ خداوند قدوس اس کی سزا تمہیں یہ دے گا کہ تمہارے درمیان بغض و نفرت پیدا ہو جائے گی جس سے تمہاری معاشرتی و سماجی امن و سکون کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔

جب تک ایک صف پوری نہ ہو دوسری صف قائم نہ کی جائے

② وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ أَقِيَمَتِ الصَّلَاةُ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهِ فَقَالَ أَقِيْمُوا اصْطُفُوا فَكُنْمْ وَتَرَاثَوْا فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي زَوَاهِ الْبُخَارَى وَفِي الْمُتَّفِقِ عَلَيْهِ قَالَ آتَمُوا الصُّفُوفَ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي۔

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز جب) نماز کھڑی ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ "اپنی صفیں سیدھی کرو، اور آپس میں مل کر کھڑے ہو، پیشک میں اپنی پشت کے پیچھے سے بھی نہیں دیکھ سکتا ہوں (یعنی نماز کی حالت میں مکاشفہ کے ذریعہ نمازیوں کے احوال پر مطلع رہتا ہوں) اس روایت کو بخاری نے نقل کیا ہے اور بخاری و مسلم دونوں کی روایت یہ ہے کہ "(آنحضرت نے فرمایا) "صفوں کو پورا کر لیا کرو میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔"

تشریح: دوسری روایت کے الفاظ "صفوں کو پورا کر لیا کرو" کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ایک صف پوری نہ ہو جائے دوسری صف قائم نہ کرو ایسا نہ ہونا چاہئے کہ آگے کی صف میں جگہ خالی ہو اور اس میں مزید نمازیوں کے کھڑے ہونے کی گنجائش ہو لیکن اس کے باوجود پیچھے دوسری صف قائم کر لی جائے ایسا کرنا غلط ہے۔

صف برابر رکھنا نماز کی تکمیل میں سے ہے

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ إِلَّا أَنَّ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ۔

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی صفوں کو برابر رکھا کرو کیونکہ صفوں کو برابر رکھنا نماز کی تکمیل میں سے ہے۔" (بخاری) مسلم کی روایت من اقامة الصلوة کے بجائے من تمام الصلوة کے الفاظ ہیں)

تشریح: قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے اقيموا الصلوة یعنی نماز تعدیل ارکان، سنن و آداب کی رعایت کے ساتھ پڑھو لہذا یہاں حدیث میں

الفاظ اقامۃ الصلوۃ سے اسی آیت کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ صفوں کو برابر کرنا بھی اقامۃ الصلوۃ کے حکم میں داخل ہے۔

صف برابر رکھنے سے قلوب میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے

(۴) وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسُحُ مَتَابِعَنَا فِي الصَّلَاةِ وَيَقُولُ اسْتَوُوا وَلَا تَخْتَلِفُوا فَنُحْتَلِفُ قُلُوبُنَا لِمَنْ لَيْسَ مِنْكُمْ أُولُو الْأَخْلَامِ وَالتَّهْيِ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالُوا ابْنُو مَسْعُودٍ فَإِنَّهُمْ الْيَوْمَ أَشَدُّ اخْتِلَافًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (جب نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو) ہمارے مونہوں پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرماتے تھے کہ ”برابر برابر ہو مختلف (یعنی آگے پیچھے کھڑے) نہ ہو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور تم میں سے جو لوگ عاقل و بالغ ہوں وہ میرے قریب رہیں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں اور پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں۔“ حضرت ابو مسعودؓ نے (لوگوں کے سامنے یہ حدیث بیان کر کے) فرمایا کہ آج تم لوگوں میں اختلاف بہت زیادہ ہے۔“ (مسلم)

تشریح: ”مختلف نہ ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ جب صف بندی کر کے نماز کے لئے کھڑے ہو تو اس بات کا بطور خاص خیال رکھو کہ سب کے بدن برابر رہیں ایک دوسرے سے آگے پیچھے ہو کر کھڑے نہ ہو اور اپنے بدن کا کوئی عضو صف سے باہر نہ نکالو اور اگر تم لوگ صف میں اپنے بدن کے ظاہری اعضاء کو غیر برابر اور ناہموار رکھو گے تو اس کا اثر باطنی طور پر یہ ہو گا کہ تمہارے قلوب میں اختلاف پیدا ہو جائے گا کیونکہ بدن کے ظاہری اعضاء اور قلب کے درمیان بڑا لطیف تعلق ہے اور ایک دوسرے کی تاثیر بڑی عجیب ہے اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جیسے ظاہری اعضاء کی ٹھنڈک باطنی اعضاء پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور باطنی اعضاء کی ٹھنڈک ظاہری اعضاء کو متاثر کرتی ہے اسی طرح صف میں ظاہری بدن کو غیر برابر رکھنا قلوب پر اثر انداز ہوتا ہے جس کا خاصہ ہے کہ دلوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

صف کی ترتیب

حدیث کے دوسرے جزو میں صف کی ترتیب یہ بتائی گئی ہے کہ میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو صاحب عقل فہم اور بالغ ہوں، یعنی پہلی صف میں ان لوگوں کو کھڑا ہونا چاہئے جو بالغ اور عقل فہم کے مالک ہوں تاکہ وہ نماز کی کیفیت اور اس کے احکام دیکھیں اور یاد کریں اور پھر امت کے دوسرے لوگوں کو ان کی تعلیم دیں، پھر دوسری صف میں وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں یعنی مراہق (جو بالغ ہونے کے قریب ہوں) اور لڑکے، اور پھر تیسری صف میں وہ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں یعنی غنث (جن میں مرد و عورت دونوں کی علامتیں پائی جائیں) پھر ان سب کے بعد آخر میں عورتوں کی صف قائم کی جائے یہاں حدیث میں عورتوں کی صف کے بارے میں ذکر نہیں کیا گیا ہے کیونکہ یہ متعین ہے آخر میں عورتوں ہی کی صف ہوتی ہے۔

آخر میں حضرت ابو مسعودؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ”آج تمہارے اندر افتراق و انتشار پیدا ہو گیا ہے اور آپس میں تم لوگ جو اتنا اختلاف کرتے ہو نیز فتنوں کی جو بھر مار ہو رہی ہے ان سب کی وجہ یہی ہے کہ تم لوگ اگر ان فتنوں اور اختلاف سے بچنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے ظاہری اختلاف کو ختم کر ڈالو یعنی صفوں کو برابر رکھو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے باطنی اختلاف کو بھی ختم کر دے گا۔

مساجد میں شور و غل نہ مچانا چاہئے

(۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَلِينِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَخْلَامِ وَالتَّهْيِ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثَلَاثًا وَيَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَسْوَأُوا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے جو لوگ صاحب عقل اور بالغ ہوں وہ (نماز میں) میرے

قریب کھڑے ہوں پھر وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں۔" یہ الفاظ آپ ﷺ نے تین بار فرمائے اور تم (مساجد میں) بازاروں کی طرح شور و غل مچانے سے بچو۔" (مسلم)

تشریح: پہلی حدیث میں عورتوں کی صف کا ذکر نہ پیش نظر تھا اس لئے وہاں ثم الذین یلونہم کے الفاظ دو مرتبہ ذکر فرمائے گئے اور یہاں چونکہ عورتوں کی صف کا ذکر بھی پیش نظر تھا اس لئے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے گئے اس طرح صف کے چار درجے ہو گئے، یعنی پہلی صف میں بالغ اور صاحب عقل و فہم لوگ کھڑے ہوں اس کے بعد کی صفوں میں مراہق اور لڑکے کھڑے ہوں۔ اس کے بعد صفوں میں مخت کھڑے ہوں اور پھر آخر میں عورتوں کی صف قائم کی جائے۔

⑥ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَصْحَابِهِ تَأَخُّرًا فَقَالَ لَهُمْ فَقَدْ مَوَّأُوا أَنْفُسَهُمْ بَيْنَهُمْ وَلَيْسَ بَيْنَهُمْ بَعْدُكُمْ لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُونَ حَتَّى يَوْخِزَهُمُ اللَّهُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (جب) دیکھا کہ صحابہ (پہلی صف میں آنے میں) تاخیر کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "آگے بڑھو! اور میری اقتداء کرو تاکہ وہ لوگ جو تمہارے پیچھے کھڑے ہوں تمہاری اقتداء کریں (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) ایک جماعت ہمیشہ (پہلی صف میں کھڑے ہونے میں) تاخیر کرتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بھی (اپنی فضل اور رحمت میں) انہیں پیچھے ڈال دے گا۔" (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے جب صحابہ کو دیکھا کہ وہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کی کوشش نہیں کرتے تو ان سے فرمایا کہ آگے بڑھو اور پہلی صف میں کھڑے ہو کر میری اقتداء کرو یعنی میرے پیچھے مجھ سے قریب ہو کر کھڑے رہو تاکہ میرے افعال دیکھتے رہو اسی طرح جو لوگ تم سے پیچھے کھڑے ہوں وہ تمہاری متابعت کریں کیونکہ پچھلی صف کے لوگ اگلی صف کے لوگوں کی متابعت پائیں طور کرتے ہیں کہ نماز کے جو افعال اگلی صف والے کرتے ہیں وہی افعال پچھلی صف والے کرتے رہتے ہیں لہذا یہ متابعت اور اقتداء ظاہر کے اعتبار سے ہے ورنہ تو حقیقت میں سب نمازی امام ہی کے تابع ہوتے ہیں۔

صفیں پوری اور برابر رکھنی چاہئیں

⑦ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى أَنَا حَلَقًا فَقَالَ مَالِي أَرَأَيْتُمْ عَزَبَنِي ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ أَلَا تَصِفُونَ كَمَا تَصِفُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ تَصِفُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا قَالَ يَتَمَوَّنُ الصُّفُوفَ الْأُولَى وَيَتَزَاوَنُونَ فِي الصَّفِّ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر ابن سمرةؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان تشریف لائے اور ہمیں مختلف حلقوں میں بیٹھے دیکھ کر فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں الگ الگ جماعتوں کی صورت میں (بیٹھے ہوئے) دیکھ رہا ہوں (یعنی اس طرح الگ الگ جماعت کر کے نہ بیٹھا کرو کیونکہ یہ نا اتفاق اور انتشار کی علامت ہے) پھر اسی طرح (ایک روز) آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان تشریف لائے اور فرمایا کہ تم لوگ (نماز میں) اس طرح صف کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے خدا کے حضور میں (بندگی کے لئے کھڑے ہونے کے واسطے) صف باندھتے ہیں۔" ہم نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ فرشتے اپنے پروردگار کے حضور میں کس طرح صف باندھتے ہیں؟" فرمایا "پہلی صفوں کو پوری کرتے ہیں اور صف میں بالکل برابر برابر کھڑے ہوتے ہیں۔" (مسلم)

مرد اور عورت کی بہترین صف کون سی ہے؟

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ صُفُوفٍ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَيْرُ

صُفُوفِ النِّسَاءِ اجْتُمَعْنَ وَشَرُّهَا أَوْلَاهَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور بدترین صف پچھلی صف ہے عورتوں کی بہترین صف پچھلی صف ہے اور بدترین صف پہلی صف ہے۔“ (مسلم)

تشریح: بہترین سے مراد ثواب کی زیادتی ہے یعنی پہلی صف والے دوسری صف والوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ثواب کے حق دار ہوتے ہیں۔

مردوں کے لئے بہترین صف پہلی صف کو اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ اس صورت میں وہ امام سے قریب ہوتے ہیں اور عورتوں سے دور اور پچھلی صف بدترین اس لئے ہوتی ہے کہ اس شکل میں امام سے دوری ہو جاتی ہے اور عورتوں سے نزدیکی۔ اس طرح عورتوں کے لئے پہلی صف اس لئے بدترین ہے کہ وہ پہلی صف میں کھڑی ہونے سے مردوں سے نزدیک ہو جاتی ہیں پچھلی صف ان کے لئے اس وجہ سے بہترین ہے کہ اس صورت میں وہ مردوں سے دور رہتی ہیں۔

بہر حال حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کو تو پہلی صف میں کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہئے اور عورتوں کو آخری صف میں شامل ہونے کی سعی کرنی چاہئے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

صفوں میں خلاء رکھنا چاہئے

⑨ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَضُوا اضْفُؤْكُمْ وَقَارِئُوا بَيْنَهَا وَحَادُوا بِالْأَعْنَاقِ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهُا الْحَدَفُ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اپنی صفیں ٹی ہوئی رکھو (یعنی آپس میں خوب مل کر کھڑے ہو) اور صفوں کے درمیان قرب رکھو (یعنی آپس میں خوب مل کر کھڑے ہو) اور صفوں کے درمیان قرب رکھو (یعنی دو صفوں کے درمیان اس قدر فاصلہ نہ ہو کہ ایک صف اور کھڑی ہو سکے) نیز اپنی گردنیں برابر رکھو (یعنی صف میں تم میں سے کوئی بلند جگہ پر کھڑا نہ ہو بلکہ ہموار جگہ پر کھڑا ہوتا کہ سب کی گردنیں برابر رہیں) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں شیطان کو بکری کے کالے بچے کی طرح تمہاری صفوں کی کشاوی میں گھستے دیکھتا ہوں۔“ (ابو داؤد)

صفیں پوری کرو

⑩ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْتُوا الصَّفَّ الْمُقَدَّم ثُمَّ الَّذِي يَلِيهِ فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْيَكُنْ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”پہلی صف کو پوری کرو پھر اس کے قریب (یعنی اس کے بعد) ہوا سے پوری کرو اور صف میں جو کمی رہے تو وہ سب سے پچھلی صف میں ہونی چاہئے۔“ (ابو داؤد)

پہلی صفوں کی فضیلت

⑪ وَعَنْ الزُّبَيْرِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الَّذِينَ يَأْتُونَ الصُّفُوفَ الْأُولَى وَمَا مِنْ خُطْوَةٍ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ مِنْ خُطْوَةٍ يَمْشِي بِهَا يَصِلُ بِهَا صَفًّا۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت براء ابن عازبؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جو لوگ پہلی صفوں کے قریب ہوتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدم سے زیادہ محبوب کوئی قدم نہیں ہے جو چل کر صف میں ملے (یعنی اگر صف میں جگہ خالی رہ گئی ہو تو وہاں جا کر کھڑا ہو جائے)۔“ (ابوداؤد)

تشریح: چونکہ دوسری صف کو بھی ان صفوں پر جو اس کے بعد ہوتی ہیں فضیلت حاصل ہے اس لئے جب آنحضرت ﷺ نے پہلی صف کی بہت زیادہ فضیلت بیان فرمائی تو ”پہلی صفوں“ کے اور دوسری صف کی فضیلت کی طرف بھی اشارہ فرمادیا۔

صف میں دائیں طرف کھڑا ہونا افضل ہے

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى مِمَّا مِنْ الصُّفُوفِ۔

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”صفوں کے دائیں طرف والے لوگوں پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: علماء نے لکھا ہے کہ صف میں امام کے دائیں طرف کھڑا ہونا خواہ امام سے دور ہی کیوں نہ ہو بائیں طرف کھڑے ہونے سے خواہ امام سے کتنا ہی نزدیک کیوں نہ ہو افضل ہے ہاں اگر صف میں بائیں طرف جگہ خالی ہو تو پھر صف کی دونوں جانب کو برابر کرنے کے پیش نظر بائیں طرف ہی کھڑا ہونا افضل ہوگا۔

آنحضرت ﷺ صفوں کو برابر کرنے کے بعد نماز شروع کرتے تھے

(۱۳) وَعَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوفَنَا إِذَا أَقْبَمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ فَإِذَا اسْتَوَيْنَا كَتَبَ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ثعمان ابن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ ”جب ہم لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو (پہلے) نبی کریم ﷺ ہماری صفوں کو (زبان یا ہاتھ سے) برابر فرماتے چنانچہ جب صفیں برابر ہو جاتیں تو آپ ﷺ کبیر تحریمہ کہتے۔“ (ابوداؤد)

(۱۴) وَعَنِ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ عَنْ يَمِينِهِ اعْتَدِلُوا اسْتَوُوا صُفُوفَكُمْ وَعَنْ يَسَارِهِ اعْتَدِلُوا اسْتَوُوا صُفُوفَكُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (جب نماز شروع کرتے تو پہلے) اپنے دائیں طرف (متوجہ ہو کر) فرمایا کرتے تھے ”سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اپنی صفیں برابر کر لو“ پھر بائیں طرف (بھی متوجہ ہو کر یہی) فرماتے تھے کہ ”سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اپنی صفیں برابر کر لو۔“ (ابوداؤد)

نماز میں نرم مونڈھے والے بہتر ہیں

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ أَهْلِكُمْ مَنَاقِبُ فِي الصَّلَاةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جن کے مونڈھے نماز میں بہت نرم رہیں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: نماز میں نرم مونڈھے کو توضیح و تشریح میں علماء نے بہت کچھ لکھا ہے اس کے کئی معنی ہیں چنانچہ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ”اگر کوئی

کے اعتبار سے دوسری صف کا درجہ پہلی صف سے کم ہے۔

(۱۸) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبِمُوا الصُّفُوفَ وَخَادُوا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسَدُّوا الْخَلْلَ وَلْيَتَوَبَّأَيْدِي إِخْوَانِكُمْ وَلَا تَذَرُوا فُرُجَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ وَصَلَ صَفًا وَصَلَهُ اللَّهُ وَمَنْ قَطَعَهُ قَطَعَهُ اللَّهُ. (رواه أبو داود) وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مِنْهُ قَوْلَهُ مَنْ وَصَلَ صَفًا إِلَى آخِرِهِ

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”صفوں کو سیدھی کرو، اپنے مونڈھوں کے درمیان ہمواری رکھو، صفوں کے خلاء کو پر کرو، اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو (یعنی اگر کوئی شخص تمہیں ہاتھوں سے پکڑ کر صف میں برابر کرے تو اس کو کہنا نا) اور صفوں میں شیطان کے لئے خلاء نہ چھوڑو اور (فرمایا) جس شخص نے صف کو لایا (یعنی صف میں خالی جگہ پر جا کھڑا ہو گیا) تو اللہ تعالیٰ اسے (اپنے فضل اور اپنی رحمت سے) ملا دے گا اور (یاد رکھو) جو شخص صف کو توڑے گا تو اللہ تعالیٰ اسے توڑ ڈالے گا (یعنی مقام قرب سے دور بھیج دے گا)۔“ (ابو داؤد) نسائی نے اس حدیث کو من وصل صفا سے آخر تک نقل کیا ہے (یعنی نسائی کی روایت میں من وصل صفا سے پہلے عبارت نہیں ہے)

امام کو بیچ میں کھڑا ہونا چاہیے

(۱۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَسَّطُوا الْإِمَامَ وَسَدُّوا الْخَلْلَ. (رواه أبو داود) ”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”امام کو بیچ میں رکھو (یعنی صف بندی اس طرح کرو کہ امام دائیں اور بائیں آدمی برابر ہوں) اور (صف کے خلاء کو بند کرو۔“ (ابو داؤد)

پہلی صف میں شمولیت نہ کرنے پر وعید

(۲۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُونَ عَنِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ حَتَّى يُوَخَّضُوا مِنَ النَّارِ. (رواه أبو داود)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”کچھ لوگ ہمیشہ پہلی صف سے پیچھے ہٹتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ میں بھیجے ڈالے رکھے گا۔“ (ابو داؤد)

تشریح: حبی بوخر اللہ فی النار کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ ”(جو لوگ پہلی صف میں شامل ہونے کی کوشش نہیں کریں گے اور برابر پیچھے کی صفوں میں شامل ہوتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں آخر الامر دوزخ میں داخل کرے گا یا دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ میں بھیجے رہنے والا کرے گا۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ پہلی صف میں شامل ہونے کی کوشش کرتے مگر انہوں نے چونکہ اپنی تساہلی اور کمالی کی بناء پر ہمیشہ پچھلی صفوں میں کھڑا کر اپنے آپ کو اس ثواب سے محروم رکھا اس لئے اس کے بدلہ میں وہ یہ سزا پائیں گے۔

صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہونے والے کا حکم

(۲۱) وَعَنْ وَابِصَةَ ابْنِ مَعْبُدٍ قَالَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّي خَلْفَ الصَّفِّ وَخَدَهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيدَ الصَّلَاةَ زَوَّاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ۔

”اور حضرت وابصہ ابن معبدؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہوا) نماز پڑھ رہا

تھا چنانچہ آپ ﷺ نے اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ ”(ابوداؤد ترمذی)“ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔
 تشریح: چونکہ پہلی صف میں جگہ خالی تھی اس کے باوجود وہ شخص صف کے پیچھے تنہا کھڑا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسے بطور استحباب دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔
 اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا یعنی پچھلی صف میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا نمازی نہیں ہوگا۔ تو امام احمدؒ کے مسلک کے مطابق اس کی نماز نہیں ہوگی۔ مگر حضرت امام اعظمؒ، حضرت امام شافعیؒ، اور حضرت امام مالکؒ ان تیوں ائمہ کے نزدیک صف کے پیچھے تنہا پڑھنے والے کی نماز ہو جاتی ہے۔ تاہم ان حضرات کا قول بھی یہ ہے کہ صف کے پیچھے تنہا نماز نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔

بَابُ الْمَوْقِفِ امام اور مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ کا بیان الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَثُّ فِي يَتِّ خَالِي مِمَّنْ مَوْنَةٌ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَفُتْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بِيَدِي مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهِ فَقَدْ لَنِي كَذَلِكَ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهِ إِلَى الشَّقِ الْأَيْمَنِ - (بخاری ص ۱۷۸)
 ”حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے یہاں رات گزاری چنانچہ (جب) نبی کریم ﷺ (تہجد) نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آپ ﷺ کے بائیں طرف جا کر کھڑے ہو گیا آنحضرت ﷺ نے اپنے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑ کر اس طرح پھیرا (کہ) مجھے اپنے پیچھے کی جانب سے لاکر دائیں طرف کھڑا کر لیا۔“ (بخاری و مسلم)
 تشریح: شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے کئی مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔
 ① نفل نماز جماعت سے پڑھنا جائز ہے۔ ② اگر جماعت صرف دو آدمیوں کی ہو یعنی ایک امام ہو اور ایک مقتدی۔ تو مقتدی کو امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہئے۔ ③ نماز میں تھوڑا سا گھل جائز ہے۔ ④ مقتدی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ امام سے آگے ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کو آگے کی جانب سے پھیرنے کی بجائے اپنے پیچھے سے پھیر کر دائیں طرف لاکھڑا کیا۔ ⑤ ایسے شخص کے پیچھے اقتداء جائز ہے جس نے شروع سے امام کی نیت نہ کر رکھی ہو۔
 ہدایہ میں لکھا ہے کہ ”صورت مذکورہ میں اگر تنہا مقتدی امام کے پیچھے یا بائیں طرف نماز پڑھے تو جائز ہے لیکن مناسب نہیں ہے۔“

تین آدمیوں کی جماعت

② وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ فَجُنْتُ حَتَّى قُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بِيَدِي فَأَذَانِي حَتَّى أَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ بِيَدِي ثُمَّ جَمِعْنَا فَدَفَعْنَا حَتَّى أَقَامَنَا خَلْفَهُ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آکر آپ ﷺ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا آنحضرت ﷺ نے (اپنے پیچھے سے) میرا (دایہا) ہاتھ پکڑا اور (اپنے پیچھے کی جانب سے مجھے لاکر) اپنے دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ پھر

جابر ابن حمرائے اور آنحضرت ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے آنحضرت ﷺ نے ہمارے دونوں کے ہاتھ اکٹھا پکڑے (یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے ایک گایاں ہاتھ پکڑا اور اپنے بائیں ہاتھ سے دوسرے کا دایاں ہاتھ پکڑا) اور ہمیں (اپنی اپنی جگہ سے) ہٹا کر اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقتدی ایک مقتودہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہو جائے اور اگر ایک سے زیادہ مقتدی ہوں تو پھر سب امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔
قاضی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھوں کو ایک مرتبہ یا بغیر وقفہ سے دو مرتبہ حرکت میں لانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

مقتدی مرد و عورت کس طرح کھڑے ہوں

(۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ أَنَا وَبَيْنِي وَبَيْنَهُمَا خَلْفُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُمُّ سَلِيمٍ خَلْفَنَا (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اور یتیم نے اپنے مکان میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز (جماعت سے) پڑھی اور ام سلمہ ہمارے پیچھے تھیں۔“ (مسلم)

تشریح: ام سلمہ حضرت انسؓ کی والدہ محترمہ کا نام تھا اور یتیم ان کے بھائی کا نام تھا۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یتیم ہی ان کا نام تھا لیکن کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ ان کا نام ضمیر تھا۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر امام کے پیچھے مرد و عورت دونوں مقتدی کی حیثیت سے نماز میں شامل ہوں تو مردوں کو اپنی صف آگے قائم کرنی چاہئے۔ اور عورتوں کی صف پیچھے رکھنی چاہئے۔

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِ وَبِأُخْوَتِهِ قَالِ فَقَاضِي عَنْ تَمِيمٍ وَأَقَامَ الْمَرْأَةُ خَلْفَنَا (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے ان کے (یعنی حضرت انسؓ کے) اور ان کی والدہ (ام سلمہ) یا ان کی خالہ کے ہمراہ نماز پڑھی حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (اس موقع پر) آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اپنے دائیں طرف اور عورت (یعنی ان کی والدہ یا خالہ) کو اپنے پیچھے کھڑا کیا۔“ (مسلم)

(۵) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاقِعٌ فَرَكِعَ قَبْلَ أَنْ يُصَلَ إِلَى الصَّفِّ ثُمَّ مَشَى إِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَ اللَّهُ جِزْمًا وَلَا تَعْلُذْ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ (ایک مرتبہ نماز میں شامل ہونے کے لئے) آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت پہنچے جب کہ آپ ﷺ رکوع میں تھے وہ (اس بات کے پیش نظر کہ رکوع ہاتھ سے چلائے جائے نیت اور تکبیر تحریمہ کے بعد صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے پھر آہستہ آہستہ چل کر صف میں شامل ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ (اطاعت اور نیک کام کے بارہ میں) تمہاری حرص اور زیادہ کرے۔ لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا۔“ (بخاری)

تشریح: جس وقت حضرت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور آپ ﷺ رکوع میں جا چکے تھے بجائے اس کے کہ صف میں شامل ہو کر نیت اور تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع میں جاتے صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی نیت اور تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع میں چلے گئے اور پھر وہاں سے دو قدموں کے برابر یا دو قدموں سے بھی زیادہ مگر غیر متوالیہ یعنی قدم پے درپے رکھتے

ہوئے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر قدم رکھتے ہوئے چلے اور صف میں شامل ہو گئے چنانچہ دو ایک قدم چلنے سے نماز کا اعادہ لازم نہیں آتا لیکن اولیٰ یکی ہے کہ اس سے بھی احتراز کیا جائے۔

حدیث کے آخری لفظ ”لا تعد“ کئی طرح منقول ہے ① ایک تو اسی طرح جیسا کہ یہاں حدیث میں نقل کیا گیا ہے کہ یعنی تاکہ زبر اور عین کے پیش کے ساتھ جو عود سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں آئندہ ایسا نہ کرنا۔ ② دوسرے عین کے سکون اور دال کے پیش کے ساتھ لا تعد جو عود دوم دوڑنا سے ماخوذ ہے۔ اس طرح اس لفظ کا مطلب یہ ہو گا کہ آئندہ نماز کے لئے چلنے میں اس طرح جلد نہ کرنا بلکہ صبر و سکون اور اطمینان و وقار کے ساتھ چلو۔ یہاں تک کہ صف میں شامل ہو جاؤ پھر اس کے بعد نماز شروع کرو ③ تیسرے تاکہ پیش اور عین کے زبر کے ساتھ یعنی لا تعد جو اعادۃ (لونا) سے ماخوذ ہے۔ اس شکل میں حدیث کے معنی یہ ہوں گے ”جو نماز تم پڑھ چکے ہو اسے لوناؤ نہیں۔“

بہر حال: ان سب میں پہلا قول یعنی لا تعد (آئندہ نہ کرنا) ہی عقل و نقل کی روشنی میں سب سے زیادہ صحیح اور اولیٰ ہے یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونا نماز کو باطل نہیں کرتا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے نماز لونا نے کے لئے نہیں فرمایا۔ ہاں کراہت بلاشبہ ہے۔

الفصل الثانی

تین آدمیوں کی جماعت ہو تو ان میں سے ایک امام بن جائے

② عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنَّا ثَلَاثَةً أَنْ يَتَقَدَّمَ مِنَّا أَحَدُنَا۔ (رواہ الترمذی)

”حضرت سمرۃ ابن جندبؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ جب ہم تین آدمی (نماز پڑھنے والے) ہوں تو ہم میں سے ایک آدمی (جو ہم میں بہتر ہو) ہمارے آگے ہو جائے (یعنی ہمارا امام بن جائے)۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے تو تین آدمیوں کی جماعت کے بارہ میں معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک آدمی جو امامت کا مستحق ہو۔ آگے ہو جائے اور امامت کا فریضہ انجام دے۔ یہی حکم دو آدمیوں کی جماعت کا بھی ہے کہ ایک آدمی امام بن جائے اور دوسرا مقتدی، مگر دو آدمیوں کی جماعت کی صورت میں امام آگے نہیں ہو گا بلکہ دونوں برابر برابر کھڑے ہوں گے یعنی امام بائیں جانب رہے اور مقتدی دائیں طرف۔

امام کے لئے تنہا جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ ہے

③ وَعَنْ عَمَّارٍ أَنَّهُ أَمَّ النَّاسَ بِالْمَدَائِنِ وَقَامَ عَلَيْهِ دُكَّانٌ يَبْصُلِي وَالنَّاسُ اسْتَفْلَ مِنْهُ فَتَقَدَّمَ حَدِيقَةُ فَلَمَّا فَشَّ غَ عَمَّارٌ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ لَهُ حَدِيقَةُ أَلَمْ تَسْمَعْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَمَّ الرَّجُلُ الْقَوْمَ فَلَا يَقُمْ فِي مَقَامٍ أَرْفَعَ مِنْ مَقَامِهِمْ أَوْ تَخُو ذَلِكَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِدَلِيلِكَ أَتَبْعُكَ حِينَ أَخَذْتَ عَلِيَّ يَدِي۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عمارؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے (ایک روز) مدائن میں (جو کوفہ کے نزدیک ایک شہر ہے) لوگوں کی امامت کی چنانچہ وہ نماز پڑھنے کے لئے ایک چبوترہ پر کھڑے ہوئے۔ مقتدی ان سے نیچے کھڑے تھے (یہ دیکھ کر) حضرت حدیفہؓ ”صف سے نکل کر“ آگے بڑھے اور عمار کے دونوں ہاتھ پکڑے (اور انہیں نیچے کی طرف کھینچا تاکہ وہ چبوترہ سے اتر کر مقتدوں کے برابر کھڑے ہوں) حضرت عمارؓ نے حضرت حدیفہؓ سے کوئی تعارض نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت حدیفہؓ نے انہیں (چبوترہ سے) نیچے اتار لیا۔ حضرت عمارؓ جب نماز پڑھ کر فارغ ہو چکے تو حضرت حدیفہؓ نے ان سے کہا کہ ”کیا آپ نے یہ نہیں سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص کسی جماعت کا امام بنے تو وہ اس جگہ پر نہ کھڑا ہو جو مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ سے بلند ہو۔“ یا اس کے مانند الفاظ فرمائے حضرت عمارؓ نے جواب

دیا کہ ”اے تو جب آپ نے میرے ہاتھ پکڑے تو میں نے آپ کا اتباع کیا۔ (اور کوئی تعارض نہیں کیا یعنی آپ کا کہنا مان کر نیچے اتر آیا۔“

(المواذی)

تشریح: صورت مذکورہ میں مسئلہ یہ ہے کہ امام تنہا بلند مقام پر اس طرح کھڑا ہو کہ کچھ مقتدی تو اس کے ساتھ اسی بلند جگہ پر ہوں اور کچھ نیچے ہوں تو یہ مکروہ نہیں ہے البتہ اگر امام تنہا بلند مقام پر کھڑا ہو اور تمام مقتدی نیچے ہوں تو یہ مکروہ ہو گا چنانچہ حضرت عمارؓ اس طرح کھڑے ہوئے کہ وہ تنہا بلند جگہ پر تھے ان کے ساتھ کچھ مقتدی نہیں تھے اور اس لئے حضرت حذیفہؓ نے انہیں نیچے اتار کر کھڑا کیا۔

اگر امام نیچے اور مقتدی بلند جگہ پر ہوں تو کیا حکم ہے

صورت تو یہ ہے کہ امام بلند جگہ پر ہو اور مقتدی نیچے ہوں، اگر معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی امام تو نیچے کھڑا ہو اور مقتدی بلند مقام پر ہوں تو مسئلہ میں مشائخ کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ اس طرح اہل کتاب (یعنی غیر مسلموں) کے ساتھ مشابہت نہیں ہوتی کیونکہ ان کے یہاں امام کو بطور خاص بلند جگہ پر کھڑا کیا جاتا تھا لہذا امام کو تنہا بلند جگہ پر کھڑا ہونا تو ان کی مشابہت کے پیش نظر مکروہ ہو سکتا ہے لیکن امام کا نیچے جگہ پر اور مقتدیوں کا اونچی جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہو سکتا ہے۔

لیکن جب تک ظاہری روایات اور عقلی تقاضے کا تعلق ہے تو یہ بھی مکروہ ہے کیونکہ اس طرح امام کی حقارت لازم آتی ہے اور اس کی عظمت پر حرف آتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس بلندی پر امام کو تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے اس کی حد کیا ہے؟ یعنی وہ کتنی بلند جگہ ہو کہ اس پر امام تنہا کھڑا نہ ہو؟ چنانچہ اس سلسلہ میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ بقدر قد آدمی بلندی پر امام کے لئے تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے لیکن دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ بلندی کی حد ایک ہاتھ ہے یعنی اگر ایک ہاتھ اونچی جگہ پر بھی امام کھڑا ہو گا تو یہ مکروہ ہو گا اور اسی قول پر فتویٰ ہے یہ تو مسئلہ کی وضاحت تھی اب حدیث کی طرف آئیے!

حدیث کے الفاظ وقام علی دکان یصلی سے ظاہری طور پر یہ کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ جس وقت حضرت حذیفہؓ نے حضرت عمارؓ کو لوکا اور انہیں نیچے اتارا اس وقت حضرت عمارؓ حقیقۃً نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے تھے یعنی نیت باندھ چکے تھے یا انہوں نے صرف نماز پڑھنے کا ارادہ ہی کیا تھا اور کھڑے ہی ہو رہے تھے کہ حضرت حذیفہؓ نے انہیں نیچے اتارا؟ ظاہری طور پر یہی ہے کہ حضرت عمارؓ نے اس وقت تک نیت نہیں باندھی تھی بلکہ نماز کے لئے کھڑے ہو ہی رہے تھے اور نیت باندھنے والے تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا۔

أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ حضرت حذیفہؓ نے آنحضرت ﷺ کی حدیث جب بیان فرمائی تو آخر میں یہ الفاظ فرمائے کیونکہ انہیں حدیث کے الفاظ بعینہ یاد نہیں رہے تھے۔ لہذا انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے یا تو بعینہ یہی الفاظ فرمائے تھے یا اس کے مانند دوسرے الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمارؓ کو یہ مسئلہ معلوم تھا اور وہ آنحضرت ﷺ سے یہ سن چکے تھے کہ امام کو تنہا بلند جگہ پر نہ کھڑا ہونا چاہئے، لہذا یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب حضرت عمارؓ ارشاد نبوت پر مطلع تھے اور انہیں یہ مسئلہ معلوم تھا تو انہوں نے اس کے خلاف کیوں کیا؟

اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ حضرت عمارؓ کو یہ مسئلہ معلوم تھا اور وہ آنحضرت ﷺ سے اس کی ممانعت سن بھی چکے تھے مگر اس وقت ان کے ذہن میں نہ یہ حدیث رہی اور نہ انہیں یہ مسئلہ یاد آیا۔ ہاں جب حضرت حذیفہؓ نے تعارض کیا اور انہیں نیچے اتارا تو یہ

مسئلہ ان کو یاد آیا اور ایک صادق سچے فرمانبردار ہونے کے ناطے انہوں نے فوراً اس پر عمل کیا۔

تعلیم کے پیش نظر امام تہما او نجی جگہ کھڑا ہو سکتا ہے

⑧ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ مِنْ أَبِي شَيْبَةَ الْمِنْشَبِيِّ فَقَالَ هُوَ مِنْ أَتْلِ الْغَايَةِ عَمَلَهُ فَلَا يَزَالُ يُرْسِلُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ عَمِلَ وَوَضَعَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَكَثُرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهُ فَقَرَأَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى فَسَجَدَ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ عَادَ إِلَى الْمِنْشَبِ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرَى حَتَّى سَجَدَ بِالْأَرْضِ هَذَا الْفِطْرُ الْبَحَارِيُّ وَفِي الْمُنْتَقَى عَلَيْهِ نَحْوُهُ وَقَالَ فِي أَخْبَرِهِ فَلَمَّا قَرَأَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا صَنَعْتُ هَذَا لِنَا تَتَّبِعُونِي وَلِتَعْلَمُوا صَلَاتِي۔

”اور حضرت سہل ابن سعد ساعدیؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے (ایک روز) پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ کا منبر کس چیز (یعنی کس ٹکڑی) کا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ ”وہ جنگلی جھاڑ کی ٹکڑی کا تھا۔ جسے فلاں شخص نے جو فلاں عورت کا آزاد کردہ غلام تھا۔ آنحضرت ﷺ کے لئے بنایا تھا۔ چنانچہ جب وہ تیار ہو گیا اور (مسجد میں) رکھا گیا تو آنحضرت ﷺ (اس پر کھڑے ہوئے اور) قبلہ رو ہو کر (نماز کے لئے) تکبیر تحریرہ کی اور سب لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے آنحضرت ﷺ نے ”منبر پر قرأت فرمائی اور رکوع کیا، اور دوسرے لوگوں نے بھی آنحضرت ﷺ کے پیچھے رکوع کیا، پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے سر مبارک رکوع سے اٹھایا اور پچھلے پاؤں ہٹ کر (یعنی منبر سے اتر کر) زمین پر سجدہ کیا۔“ یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور بخاری و مسلم کی متفقہ روایت بھی اسی طرح ہے اس حدیث کے راوی نے حدیث کے آخر میں یہ (بھی) کہا ہے کہ ”(جب نماز سے) آنحضرت ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ”یہ میں نے اس لئے کیا ہے تاکہ تم لوگ میری پیروی کرو اور میری نماز کی کیفیات اور اس کے احکام و مسائل سیکھ لو۔“

تشریح: مدینہ منورہ سے لوگوں کے فاصلہ پر ایک جنگل ہے وہاں درخت بہت کثرت سے تھے وہیں کے جھاڑ کی ٹکڑی سے آنحضرت ﷺ کے لئے منبر بنایا گیا تھا۔

فلاں شخص سے مراد ”یا قوم رومی“ ہیں اور ”فلاں عورت سے عائشہ انصاریہ“ کی ذات مراد ہے۔

مولانا مظہرؒ نے لکھا ہے کہ ”اس منبر پر چڑھنے اترنے کے لئے تین بیڑھیاں تھیں جو بہت قریب قریب بنائی گئی تھیں ان کے ذریعہ سے منبر پر ایک یا دو قدم کے ساتھ چڑھنا بہت آسان تھا۔ لہذا اس وجہ سے فعل کثیر لازم نہیں آیا کہ آپ ﷺ کی نماز باطل ہوتی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر امام اس بات کا ارادہ کرے کہ اس کی نماز کی حرکات و سکنات اور اس کی کیفیات کو دور و نزدیک کھڑے ہوئے سب ہی نمازی دیکھیں اور اس کے ذریعہ نماز کے احکام و مسائل سیکھیں تو اس کے لئے بلند جگہ پر تہا کھڑا ہونا جائز ہے۔

ہذا اللفظ البخاری (یہ الفاظ بخاری کے ہیں) کہ الفاظ اور اس کے بعد عبارت نقل کر کے مصنف مشکوٰۃ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث چونکہ بخاری و مسلم دونوں ہی نے نقل کی ہے اس لئے اس کو پہلی فصل میں ذکر کرنا چاہئے تھا لیکن اس حدیث کو اس فصل میں اس لئے نقل کیا گیا ہے کہ صاحب مصابح نے اس کو حسان میں (بخاری و مسلم کے علاوہ دوسرے ائمہ حدیث کی روایتوں کے ساتھ) نقل کیا تھا اس لئے صاحب مصابح کی اتباع میں ہم نے بھی اس فصل میں نقل کرنا مناسب سمجھا۔

اعتکاف میں آنحضرت ﷺ کی امامت

⑨ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حُجْرَتِهِ وَالنَّاسُ يَأْتُمُّونَ بِهِ مِنْ وَرَاءِ الْحُجْرَةِ۔

کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں) پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ فرمایا ”رب کعبہ کی قسم! اہل عقد (یعنی سردار) ہلاک ہو گئے! اور فرمایا خدا کی قسم! مجھے سرداروں کا کوئی غم نہیں ہے، غم تو ان لوگوں (یعنی رعایا) کا ہے جنہیں سردار گمراہ کرتے ہیں (بائیں طور کہ جو کام سردار کرتے ہیں وہی کام ان کی رعایا کرتی ہے) قیس ابن عباد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی ابن کعب سے عرض کیا کہ ”ابو یعقوب! اہل عقد سے آپ کی کیا مراد ہے؟“ فرمایا ”امراء (یعنی سردار و حکام)۔“ (نسائی)

ترشح: حضرت ابن بن کعب کے الفاظ اِنْ هَذَا عَهْدٌ مِّنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الخ سے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔

لِيَلْبِسِي مِنْكُمْ اَوْلُو الْاَخْلَامِ وَالنَّهْيِ۔

”یعنی (نماز میں) تم میں سے صاحب عقل و فہم اور بالغ ہوں وہ امام کے قریب کھڑے ہوا کریں۔“

اس ارشاد کا حاصل چونکہ یہ تھا کہ جو لوگ صاحب عقل و فہم اور بالغ ہوں وہ امام کے قریب کھڑے ہوا کریں اور قیس ابن عباد اس زمرہ میں آتے نہیں تھے۔ اس لئے حضرت ابی بن کعبؓ نے انہیں وہاں سے ہٹا دیا اور خود وہاں کھڑے ہو گئے۔

هَلَكَ أَهْلُ الْعَقْدِ (اہل عقد یعنی سردار و حکام ہلاک ہو گئے) اس کا مطلب یہ ہے کہ رعایا کے اعمال و کردار اور ان کے دینی و دنیاوی احکام و افعال یہاں تک صاف بندی کی رعایت اور نگہداشت حکام و سرداروں کے ذمہ ہے لیکن وہ حکام و سردار جو اپنی رعایا کے دینی و دنیاوی کاموں کے نگہبان و سربراہ ہونے کی حیثیت سے لوگوں کے افعال و کردار پر نظر رکھتے تھے اور انہیں سنت نبویؐ پر چلاتے تھے ختم ہو گئے۔ اس لئے نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کا دینی کاموں میں سُست رفتاری بے ارہ روی، اور غلط انداز عمل و انداز فکر پیدا ہو گیا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت کعبؓ نے اپنے زمانہ کے حاکم پر طعن کیا ہے مگر حضرت کعبؓ کا انتقال چونکہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں ہوا ہے اس لئے یہ کہا جائے گا کہ ان الفاظ کا محمل خود خلیفہ کی ذات نہیں ہے بلکہ حضرت کعبؓ کے پیش نظر حضرت عثمان کے وہ بعض حکام ہوں گے جو اپنے فرائض کو پورے طور سے انجام نہیں دیتے تھے۔

بَابُ الْاِمَامَةِ

امامت کا بیان

شریعت میں نماز کی امامت کا بڑا اہم اور عظیم الشان کام ہے تمام مقتدیوں کی نمازوں کا ذمہ دار ہونے کی وجہ سے امام مقرر کرنے کے سلسلہ میں شریعت نے کچھ شرائط مقرر کی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ اس اہم اور عظیم الشان منصب کا حامل کون شخص ہو سکتا ہے، اس باب کے تحت اس قسم کی احادیث نقل کی جائیں گی جن سے معلوم ہو گا کہ امام مقرر کرنے کے وقت کن باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور یہ کہ امامت کا استحقاق کن لوگوں کو حاصل ہے۔

اس سلسلہ میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ مقتدیوں کے چاہئے کہ حاضر نمازیوں میں جس شخص میں امامت کے لائق زیادہ اوصاف ہوں اس کو امام بنائیں اگر کئی شخص ایسے ہوں جن میں امامت کی لیاقت ہو تو کثرت رائے پر عمل کیا جائے یعنی جس شخص کی طرف زیادہ لوگوں کی رائیں ہوں اسی کو امام بنایا جائے اگر کسی ایسے شخص کی موجودگی میں جو امامت کا مستحق اور لائق ہو کسی غیر مستحق اور نالائق شخص کو امام بنایا جائے گا تو سب نمازی ترک سنت کے فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔

① امامت کا سب سے زیادہ متعلق اس شخص کو ہے جو نماز کے مسائل خوب جانتا ہو بشرطیکہ ظاہری طور پر اس میں کوئی فسق وغیرہ نہ ہو اور کم سے کم بقدر قرات مسنون اسے قرآن یاد ہو۔ ② پھر وہ شخص جو قرآن مجید اچھا یعنی عمدہ آواز سے قرات کے قاعدہ کے موافق پڑھتا

ہو۔ ۳) پھر وہ شخص جو سب سے زیادہ خوبصورت ہو ۴) پھر وہ شخص جو سب میں عمر زیادہ رکھتا ہو ۵) پھر وہ شخص جو سب میں زیادہ خلق ہو ۶) پھر وہ شخص جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو ۷) پھر وہ شخص جو سب میں عمدہ لباس پہنے ہو ۸) پھر وہ شخص جس کا سب سے زیادہ بڑا ہو ۹) پھر وہ شخص جو یتیم ہو بہ نسبت مسافروں کے ۱۰) پھر وہ شخص جو اصلی آزاد ہو ۱۱) پھر وہ شخص جس نے حدیث اصغر سے یتیم کیا ہو نسبت اس شخص کے جس نے حدیث اکبر سے یتیم کیا ہو۔

جس شخص میں دو وصف پائے جائیں وہ امامت کا زیادہ مستحق ہے بہ نسبت اس شخص کے جس میں ایک ہی وصف پایا جاتا ہو۔ مثلاً وہ شخص جو نماز کے مسائل بھی جانتا ہو اور قرآن مجید بھی اچھی طرح پڑھتا ہو امامت کا زیادہ مستحق اور اہل ہے بہ نسبت اس شخص کے جو صرف نماز کے مسائل جانتا ہو قرآن مجید اچھی طرح نہ پڑھتا ہو۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

امامت کا مستحق کون ہے؟

① عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْقَوْمِ أَقْرَأَهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ فَإِنْ كَانُوا فِي الْقَوَاةِ سَوَاءً فَأَعْلَمَهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمَهُمْ هَجْرَةً فَإِنْ كَانُوا فِي الْهَجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمَهُمْ سِنًا وَلَا يُؤَمِّنُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَقْعُدُ فِي نَيْبِهِ عَلَى تَكْرِيمِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَوَاةٌ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ وَلَا يُؤَمِّنُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي أَهْلِهِ۔

”حضرت ابو مسعودؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قوم کی امامت وہ شخص کرے جو ”نماز کے احکام و مسائل جاننے کے ساتھ“ قرآن مجید سب سے اچھا پڑھتا ہو (یعنی تجوید سے واقف ہو۔ اور حاضرین میں سب سے اچھا قاری ہو) اگر قرآن مجید اچھا پڑھنے میں سب برابر ہوں۔ تو وہ شخص امامت کرے جو (قرأت) مسنونہ اچھی طرح پڑھنے کے ساتھ) سنت کا علم سب سے زیادہ جانتا ہو۔ اگر (قرآن مجید اچھی پڑھنے اور) سنت کا علم جاننے میں سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو (مدینہ میں) سب سے پہلے ہجرت کر کے آیا ہو اگر (علم قرأت اور) ہجرت میں سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو عمر میں سب سے بڑا ہو اور کوئی دوسرے کے علاقہ میں امامت نہ کرے (یعنی دوسرے مقررہ امام کی جگہ امامت نہ کرے) اور کسی کے گھر میں اس کی سند پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ ”مسلم“ اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”(آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص دوسرے کے گھر میں (اس کی اجازت کے بغیر اگرچہ وہ صاحب خانہ سے افضل ہی کیوں نہ ہو) امامت نہ کرے۔“

تشریح: علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ ”فَأَعْلَمَهُمْ بِالسُّنَّةِ“ میں سنت سے مراد آنحضرت ﷺ کی احادیث ہیں عہد صحابہؓ میں جو شخص احادیث زیادہ جانتا تھا وہ بڑا فقیہ مانا جاتا تھا حضرت امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا عمل اسی حدیث پر ہے، یعنی ان حضرات کے نزدیک امامت کے سلسلہ میں قاری عالم پر مقدم ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ حضرت امام محمدؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ زیادہ علم جاننے والا اور فقیہ امامت کے سلسلہ میں بڑے قاری پر مقدم ہے کیونکہ علم قرأت کی ضرورت تو نماز کے صرف ایک ہی رکن میں (یعنی قرأت کے وقت ہوتی ہے، برخلاف اس کے کہ علم کی ضرورت نماز کے تمام ارکان میں پڑتی ہے)۔

جن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم پر سب سے اچھا قاری پڑھنے والا مقدم ہے اس کا جواب ان حضرات کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو لوگ قاری ہوتے تھے وہی سب سے زیادہ علم والے بھی ہوتے تھے کیونکہ وہ لوگ

قرآن کریم مع احکام کے سیکھتے تھے اسی وجہ سے احادیث میں قاری کو عالم پر مقدم رکھا گیا ہے، اور اب ہمارے زمانہ میں چونکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اکثر قاری مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لئے ہم عالم کو قاری پر مقدم رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان حضرات کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مرض الموت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے لوگوں کو نماز پڑھوائی باوجودیکہ وہ قاری نہ تھے بلکہ سب سے زیادہ علم والے تھے حالانکہ اس وقت ان سے زیادہ بڑے بڑے موجود تھے۔ فافہم ہجرت کے بارے میں ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آج کل ہجرت چونکہ متروک ہے اس لئے اب یہاں حقیقی ہجرت کے بجائے معنوی ہجرت (یعنی گناہوں اور برائیوں سے ترک) کا اعتبار ہو گا یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے علم اور قرأت میں برابری کے بعد پرہیزگار کو مقدم رکھا ہے یعنی اگر دو شخص ایسے جمع ہوں جو عالم بھی ہوں اور قاری بھی ہوں تو ان دونوں میں امامت کا متحق وہ شخص ہو گا جو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ پرہیزگاری کے وصف کے حامل ہو۔

اس حدیث میں امامت کے صرف اتنے ہی مراتب ذکر کئے گئے ہیں لیکن علماء نے کچھ اور مراتب ذکر کئے ہیں چنانچہ اگر عمر میں بھی سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو اگر اخلاق میں بھی سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو اچھے چہرے والا ہو یعنی خوبصورت ہو اگر خوبصورتی میں بھی سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو سب سے عمدہ لباس پہنے ہوئے ہو یا سب سے زیادہ شریف النسب ہو اگر تمام اوصاف میں سب برابر ہوں تو اس صورت میں بہتر شکل یہ ہے کہ قرعہ ڈالی جائے جس کا نام نکل آئے وہ امامت کرے یا پھر قوم جسے چاہئے اپنا امام مقرر کرے اور اس کے پیچھے نماز پڑھے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی سلطنت و علاقہ میں امامت نہ کرے اسی طرح ایسی جگہ بھی امامت نہ کرے جس کا مالک کوئی دوسرا شخص ہو جیسا کہ دوسری روایت کے الفاظ فی اہلہ سے ثابت ہوا۔

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مقام پر حاکم وقت امامت کرتا ہے یا حاکم وقت کی جانب سے مقرر شدہ اسی کا نائب جو امیر اور خلیفہ کے ہی حکم میں ہوتا ہے امامت کے فرائض انجام دیتا ہے تو کسی دوسرے شخص کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ سبقت کر کے امامت کرے خاص طور پر عیدین اور جمعہ کی نماز میں تو یہ بالکل ہی مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح جس مسجد میں امام مقرر ہو یا کسی مکان میں صاحب خانہ کی موجودگی میں مقررہ امام اور صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر امامت کی طرف سبقت کرنا کسی دوسرے شخص کا حق نہیں ہے کیونکہ اس طرح امور سلطنت میں انعطاف آپس میں بغض و عناد ترک ملاقات، انزاق و اختلاف اور فتنہ فساد کا دروازہ کھلتا ہے اور جب کہ جماعت کی مشرعت ہی انہیں غیر اخلاقی چیزوں کے سدباب کے لئے ہوئی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت ابن عمرؓ کا یہ رویہ قابل تقلید ہے کہ وہ اپنے فضل و شرف اور علم و تقویٰ کے باوجود حجاج بن یوسف جیسے ظالم و فاسق کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

(۲) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فَلْيَتَوَقَّعْهُمْ أَخَذَهُمْ وَأَخَفَّهُمْ بِالْإِمَامَةِ أَقْوَاهُمْ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم (نماز پڑھنے کے لئے) تین آدمی (جمع) ہوں تو ان میں سے ایک امام بن جائے اور ان میں امامت کا زیادہ مستحق وہ ہے جو زیادہ تعلیم یافتہ ہو۔“ (مسلم)

تشریح: ”تین آدمیوں“ کی قید اتفاقی ہے تین سے کم یا زیادہ ہونے کی شکل میں بھی یہی حکم ہے کہ ان میں سے ایک امام بن جائے اور باقی مقتدی علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ کے اکثر صحابہؓ عمر کا ایک بڑا حصہ ملے کر چکے تھے جب اسلام کی سعادت سے مشرف ہوئے اس وجہ سے وہ لوگ قرآن پڑھنے سے پہلے علم دین سیکھتے تھے لیکن بعد میں یہ صورت نہ رہی بلکہ اب تو لوگ عمر کے ابتدائی حصہ ہی میں علم دین حاصل کرنے سے پہلے قرآن کریم پڑھنا سیکھ لیتے ہیں۔

بہر حال۔ امامت کے سلسلہ میں اچھے قاری پر اس فقیر اور عالم کو اولیت حاصل ہوگی جو نماز کے احکام و مسائل کا علم جانتا ہو معاملات کا زیادہ علم رکھنے والا قاری پر مقدم نہیں ہو سکتا۔

وَذَكَرَ حَدِيثَ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ فِي بَابِ فَضْلِ الْإِذَانِ وَأَمَّا مَا رَوَاهُ ابْنُ حَوَرِثٍ فِي رِوَايَتِهِ بِأَنَّ فَضْلَ الْإِذَانِ كَالْبَيْتِ فِي الْبَيْتِ فَالْإِذَانُ كَالْبَيْتِ فِي الْبَيْتِ (یعنی اس حدیث کو صاحب مصابح نے یہاں ذکر کیا تھا مگر ہم نے اسے وہاں نقل کر دیا ہے۔)

الْفَصْلُ الثَّانِي

(۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُوْثُ بْنُ كَثْمٍ وَلِيُوْثُ بْنُ كَثْمٍ قُتُوْا عَنْكُمْ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو لوگ بہتر ہیں انہیں اذان دینی چاہئے اور تم میں جو لوگ خوب تعلیم یافتہ ہوں انہیں تمہاری امامت کرنی چاہئے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: نماز و روزہ کے اوقات کی ذمہ داری مؤذنوں پر ہی ہوتی ہے نیز جب مؤذن بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اذان دیتا ہے تو بسا اوقات اس کی نظر لوگوں کے گھروں پر پڑتی ہے لہذا مؤذن اگر صاحب دیانت اور دیندار متقی ہوگا تو وہ نماز و روزہ کے اوقات کی بھی رعایت کرے گا اور اپنی نظر کو نا محرم پر پڑنے سے بھی بچائے گا۔

(۴) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ يَأْتِينَا إِلَى مُصَلَّاتِنَا يَتَحَدَّثُ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ يَوْمًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقُلْنَا لَهُ تَقْدَمُ فَضْلُهُ قَالَ لَنَا قَدْ مُوَارِجَلًا مِنْكُمْ يُصَلِّي بِكُمْ وَسَأَخَذَ مِنْكُمْ لِمَ لَا أَصَلِّي بِكُمْ مَسْمُوعٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ رَأَى قَوْمًا فَلَا يُؤْمِنُ بِهِمْ وَلَا يُؤْمِنُ بِهِمْ رَجُلٌ مِنْهُمْ رَوَاهُ ابْنُ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالتَّيْسَانِيُّ إِلَّا أَنَّهُ اقْتَصَرَ عَلَى لَفْظِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

”اور حضرت ابو عبیدہ عقیلیؓ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت مالک ابن حویرثؓ (صحابی) ہماری مسجد میں آیا کرتے تھے اور (ہمارے سامنے آنحضرت ﷺ کی) حدیث بیان کرتے (اور بات چیت کرتے رہتے) تھے ایک دن (جب کہ وہ ہمارے درمیان مسجد میں موجود تھے) نماز کا وقت ہو گیا۔ ابو عبیدہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے مالکؓ سے (ان کی شان صحابیت کی عظمت و فضیلت کے پیش نظر) کہا کہ آگے ہو جائیے اور ہمیں نماز پڑھائیے حضرت مالکؓ نے فرمایا کہ ”تم اپنے ہی میں سے کسی کو آگے کرو تاکہ وہ ہمیں نماز پڑھائے اور میں تمہیں بتاؤں کہ میں نماز کیوں نہیں پڑھاتا (تو سنو کہ) میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ”جو شخص کسی قوم سے ملاقات کرے تو وہ ان کی امامت نہ کرے (بلکہ) ان میں سے کسی شخص کو ان کی امامت کرنی چاہئے۔“ (ابوداؤد، ترمذی، تیسانی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے مگر انہوں نے صرف آنحضرت ﷺ ذکر نہیں کیا بلکہ صرف آنحضرت ﷺ کے الفاظ پر اکتفاء کیا ہے یعنی انہوں نے اپنی روایت میں حضرت مالکؓ کے مسجد میں آنے کا واقعہ اور ان کا امامت سے انکار کرنا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف آنحضرت ﷺ کے الفاظ ”من زاد“ سے آخر تک نقل کیا ہے۔)

تشریح: حضرت مالکؓ نے اپنی فضیلت و بڑائی اور ان لوگوں کی اجازت کے باوجود امامت کا فریضہ انجام نہیں دیا کیونکہ ان کے سامنے آنحضرت ﷺ کا یہ اشارہ تھا کہ انہوں نے بظاہر حدیث پر عمل کرتا ہی اپنے حق میں بہتر سمجھا۔

نابینا کی امامت جائز ہے

(۵) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ يَوْمَ النَّاسِ وَهُوَ أَعْمَى۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور وہ

نابینا تھا۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نابینا کی امامت بلا کراہت جائز ہے اس سلسلہ میں حنفی مسلک میں یہ فقہی روایتیں بھی وارد ہیں کہ اگر نابینا قوم کا سردار ہو تو اس کی امامت جائز ہے بلکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر نابینا بہت زیادہ علم کا حامل ہو تو امامت کے سلسلہ میں وہ اولیٰ ہے۔ (شرح کنز، اشباہ والنظائر)

ناپسندیدہ امام کی نماز قبول نہیں ہوتی

⑥ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تَجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ إِذَا نَهَضُوا إِلَّا بِقِي حَتَّى يَرْجِعَ وَآمَرَ أَنْ تَأْتِيَ وَرُؤُوسُهَا عَلَيْهَا مَسَاحِطُ وَإِمَامٌ قَوْمٌ وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ زَوَاهُ التَّيْمِيَّةُ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز ان کے کانوں سے بلند نہیں ہوتی (یعنی درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی) ایک تو اپنے مالک کے یہاں سے بھاگا ہوا غلام جب تک کہ وہ (اپنے مالک کے پاس) واپس نہ آجائے دوسرے وہ عورت جو اس حالت میں رات گزار دے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو تیسرے وہ امام جسے اس کی قوم پسند نہ کرتی ہو۔“ (امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: غلام کے حکم میں باندی بھی داخل ہے یعنی اگر باندی بھی اپنے آقا کے یہاں سے بھاگ جائے تو اس کا بھی یہی حال ہو گا کہ جب تک وہ اپنے آقا کے پاس واپس نہ آجائے گی اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

عورت کے بارہ میں جو فرمایا گیا ہے تو یہ اس شکل میں ہے جب کہ عورت بد خلق ہو اور اس کا خاوند اس کی بد خلقی، نافرمانی واری اور بے ادبی کی وجہ سے اس سے ناراض ہو، اور اگر خاوند ہی بد خلق ہو اور اپنی بیوی سے ناحق ناراض و خفا ہے تو عورت گنہگار نہیں ہوگی بلکہ مرد ہی گنہگار ہو گا۔

امام کے بارہ میں حضرت امین ملکؒ فرماتے ہیں کہ امام پر یہ گناہ اس وقت ہو گا جب کہ اس کی بدعت اور اس کے فسق یا اس کے جہل کی وجہ سے اس کے مقتدی اس سے ناراض ہوں اور اگر مقتدی کسی دینی غرض کے تحت اس سے کراہت و عداوت رکھتے ہوں تو امام مطلقاً گنہگار نہیں ہو گا اور نہ ایسے امام کے حق میں حدیث کا مذکورہ بالا حکم ہے بلکہ مقتدی ہی گنہگار ہوں گے۔ اتنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ حدیث میں مذکورہ امام سے نماز کا امام بھی ہے اور حاکم و خلیفہ بھی یعنی اگر کسی حاکم اور خلیفہ سے اس کی رعایا اس کی بد اعمالیوں اور غلط کاریوں کی وجہ سے ناخوش ہوگی تو وہ بھی ایسا ہی گنہگار ہو گا۔

تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی

⑦ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ صَلَاتُهُمْ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ وَرَجُلٌ أَتَى الصَّلَاةَ دُبَارًا وَالِدُبَارِ أَنْ يَأْتِيَهَا بَعْدَ أَنْ تَقُوتَهُ وَرَجُلٌ اعْتَبَدَ مُحَرَّرَةً۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی (یعنی انہیں نماز کا ثواب نہیں ملتا) ایک تو وہ شخص جو کسی قوم کا امام ہو اور قوم اس سے خوش نہ ہو دوسرا شخص جو نماز میں پیچھے آئے اور پیچھے کا مطلب یہ ہے کہ نمازوں کا استحباب وقت نکل جانے کے بعد آئے، اور تیسرا وہ شخص جو آزاد کو غلام سمجھے۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اعتبد محروہ (آزاد کو غلام سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ غلام کو آزاد کر دے اور پھر بعد میں زبردستی اس سے خدمت لینے لگے، یا غلام کو آزاد کر دیا مگر اس کی آزادی کو خود اس غلام سے چھپائے یا کسی آزاد شخص کے بارہ میں دعویٰ کرے کہ یہ میرا غلام ہے اور اس کے

ساتھ غلاموں جیسا سلوک بھی کرے۔ یا بردہ (غلام) مولیٰ لے کر اس پر مالکانہ تصرف کرے مگر حقیقت میں اس کی خریداری شرعی طور پر ہوئی ہو جیسا کہ لوگ غیر شرعی طور پر غلام اور لونڈی مولیٰ لیتے ہیں۔

شرعی غلام اور لونڈی کی تفصیل فقہاء اس طرح لکھتے ہیں کہ ”اگر مسلمانوں کی جماعت دارالاسلام سے دارالحرب جاکر غلبہ حاصل کرے اور زبردستی حربی کافر کو خواہ مرد ہوں یا عورت یا خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے غلام اور لونڈی بنا کر دارالاسلام میں لائے یا۔ اسی طرح کسی ملک کے حربی کفار دوسرے ملک کے حربی کفار پر غلبہ حاصل کر کے انہیں زبردستی لے آئیں تو ان دونوں صورتوں میں غلام اور لونڈی بنانے والے خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر ان غلام اور لونڈیوں کے مالک ہوتے ہیں ان غلام اور لونڈیوں کی خرید و فروخت کرنا ان کو رہن رکھنا ان کا ہبہ کرنا۔ لونڈیوں کے ساتھ بغیر نکاح کے ہم بستری کرنا اور اسی طرح ان پر تمام مالکانہ تصرفات کرنے جائز ہیں نیز اس صورت میں لونڈی کی اولاد بھی ان ہی کا حکم رکھتی ہے بشرطیکہ وہ مالک یا ذی رحم مالک سے پیدا نہ ہو اور اگر ان میں سے کسی سے پیدا ہوگی تو وہ آزاد ہوگی بہر حال فقہاء نے بردے کی یہ دونوں قسمیں لکھ کر مزید قسمیں بھی لکھی ہیں اور ان میں سے بعض کے بارے میں کہا ہے کہ ان صورتوں میں شرعی بردے نہیں ہوتے اور بعض کے بارے میں اختلاف کیا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ نہ کورہ بالادوں قسموں کے علاوہ اور کسی صورت میں شرعی بردے نہیں ہوتے اور نہ ان کی خرید و فروخت شرعی طور پر جائز ہوتی ہے۔

لہذا مسلمان کو چاہئے کہ وہ غلام اور لونڈی کے بارے میں احتیاط سے کام لیں اگر شرعی لونڈی ہو تو اسے خدمت میں لائیں ورنہ ایسا نہ کریں کہ جس پر بھی لونڈی ہو جانے کا داغ لگ جائے اگر وہ شرعی لونڈی نہ ہو جانوروں کی طرح اندھا دھند اس سے صحبت نہ کرنے لگیں کہ درحقیقت ایسا کرنا حرام کاری اور زنا میں مبتلا ہونا ہے اسی طرح اس کے ساتھ دیگر مالکانہ تصرفات بھی نہ کئے جائیں۔

امامت سے عام گریز قیامت کی علامت ہے

⑧ وَعَنْ سَلَامَةَ بِنْتِ الْحُجْرِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ الشَّاعَةِ أَنْ يَتَذَفَعَ أَهْلُ

الْمَسْجِدِ لَا يَجِدُونَ إِمَامًا يُصَلِّي بِهِمْ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت سلامہ بنت حُرّ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے (ایک علامت یہ ہے کہ مسجد کے لوگ امامت کو دفع کریں گے یعنی امام بننے سے گریز کریں گے) اور کوئی نماز پڑھانے والا ان کو نہ ملے گا۔“ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: یہ دراصل آخری زمانہ کے عام جہل و فسق سے کنایہ ہے کہ قیامت کے قریب جہل و فسق عمومی طور پر اس طرح پھیل جائے گا۔ اور لوگ اتنے جاہل و نااہل پیدا ہوں گے کہ کوئی شخص امامت کا اہل نہیں ہو گا تمام لوگ اپنی نااہلی و جہالت کے پیش نظر امامت سے گریز کرنے لگیں گے اور اس پاس میں ایک دوسرے سے نماز پڑھانے کے لئے کہیں گے مگر ہر شخص امام بننے سے انکار کرے گا۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی کو اپنے سے افضل سمجھ کر خود امامت سے گریز کرے اور اس سے نماز پڑھانے کے لئے کہے تو اس کا تعلق اس حدیث سے نہیں ہو گا کیونکہ دوسرے کو افضل اور اپنے سے بہتر سمجھ کر خود کو امامت سے گریز کرنا اور اس افضل کو امامت کے لئے کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فاسق کی امامت جائز ہے

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ أَمِيرٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ

وَإِنْ عَمِلَ الْكَفَّارُ وَالصَّالِحُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ وَإِنْ عَمِلَ الْكَفَّارُ وَالصَّالِحُ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ وَإِنْ عَمِلَ الْكَفَّارُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے اوپر جہاد ہر سردار کے ہمراہ خواہ وہ نیک ہو یا بد واجب ہے اگرچہ وہ (سردار) گناہ گیرہ کرتا ہو اور تم پر نماز ہر مسلمان کے پیچھے واجب ہے خواہ وہ (نماز پڑھانے والا) نیک ہو یا بد واجب ہے اگرچہ گناہ گیرہ کرتا ہو اور نماز جنازہ ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ نیک ہو یا بد اگرچہ گناہ گیرہ کرتا ہو۔“ (ابوداؤد)

تشریح: جہاد واجب ہے کا مطلب یہ ہے کہ بعض صورتوں میں تو جہاد فرض عین ہے اور بعض صورتوں میں فرض کفایہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ اس کا فسق کفر کی حد تک نہ پہنچ چکا ہو فاسق کے پیچھے نماز ادا تو ہو جاتی ہے لیکن اس کے پیچھے نماز پڑھنا ہر حال مکروہ ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ نیک بخت کی موجودگی میں فاسق کو امامت نہ کرنی چاہئے۔

”نماز جنازہ کے واجب ہونے“ کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان پر جنازہ کی نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

نابالغ کی امامت کا مسئلہ

⑩ عَنْ عُمَرَ وَ ابْنِ سَلَمَةَ قَالَ كُنَّا بِمَاءٍ مَمَرٍ النَّاسُ يَمُرُّونَ بِنَا الرُّكْبَانِ نَسْأَلُهُمْ مَا لِلنَّاسِ؟ مَا هَذَا الرَّجُلُ فَيَقُولُونَ يَزْعُمُ أَنَّ اللَّهَ أَرْسَلَهُ أَوْ حَى إِلَيْهِ أَوْ حَى إِلَيْهِ كَذَا فَكُنْتُ أَخْفِظُ ذَلِكَ الْكَلَامَ فَكَأَنَّمَا يَنْغُرِي فِي صَدْرِي وَكَانَتْ الْعَرَبُ تَلُومُ بِإِسْلَامِهِمْ الْفُتُوحَ فَيَقُولُونَ أَتُؤَكِّدُ وَقَوْمُهُ فَإِنَّ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقَعَةُ الْفُتُوحِ بَادَرُ كُلُّ قَوْمٍ بِإِسْلَامِهِمْ وَبَدَرَ ابْنُ قُومِي بِإِسْلَامِهِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُكُمْ وَاللَّهِ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ حَقًّا فَقَالَ صَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي جَنِينٍ كَذَا وَصَلَاةَ كَذَا فِي جَنِينٍ كَذَا فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَيِّزْ أَحَدُكُمْ فَلْيُؤَيِّزْ مَعَكُمْ أَكْثَرَ كُمْ قُرْآنًا فَيُظْهِرُوا فَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَكْثَرَ قُرْآنًا مِنِّي لِمَا كُنْتُ أَتْلُقِي مِنَ الرُّكْبَانِ فَقَدْ مُؤَيِّزِينَ أَيْدِيَهُمْ وَأَنَا ابْنُ سِتٍّ أَوْ سَبْعٍ سِتِينَ وَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ إِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصْتُ عَنِّي فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الْحَيِّ أَلَا تَنْظُرُونَ عَنَّا إِنْ تَارَ بَيْنَكُمْ فَاسْتُرُوا فَنَقُظْغُو إِلَى قَمِيصًا فَمَا فَرَحْنَاهُ بِشَيْءٍ فَرَحْنِي بِذَلِكَ الْقَمِيصِ۔ (رواه البخاری)

”حضرت عمرو ابن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ ہم پانی کے کنارے رہتے تھے جو لوگوں کی گزر گاہ تھا قافلے ہمارے پاس سے گزرتے ہم ان سے پوچھتے تھے کہ لوگوں کے واسطے (ایک شخص یعنی آنحضرت ﷺ) نے جو دین نکالا ہے وہ کیا ہے؟ اور اس شخص (یعنی حضرت محمد ﷺ) کی صفات کیا ہیں؟ وہ لوگ ہم سے بیان کرتے کہ وہ (رسول ﷺ) دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں (اپنا نبی برحق بنا کر) بھیجا ہے اور (قافلہ کے لوگ قرآن کی آیتیں سنا کر کہا کرتے تھے کہ یہ) ان کے پاس وحی آتی ہے (اس طرح) ان کے پاس وحی آتی ہے چنانچہ میں (آنحضرت ﷺ) کے اوصاف کو جو قافلے والے بیان کرتے تھے اور کلام کو (یعنی قافلے والے جو آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے ان کو اس طرح یاد کر لیتا تھا گویا وہ میرے سینے میں جم جاتی تھیں) (یعنی قرآن کی آیتیں مجھے خود یاد ہو جایا کرتی تھیں) اہل عرب (آنحضرت ﷺ) کی جماعت کے علاوہ) اسلام لانے کے سلسلہ میں مکہ کے فتح ہونے کا انتظار کر رہے تھے (یعنی یہ کہتے تھے کہ اگر مکہ فتح ہو گیا تو ہم اسلام لائیں گے اور یہ) کہا کرتے تھے کہا ان (رسول ﷺ) کو ان کی قوم پر چھوڑ دو اگر وہ اپنے لوگوں پر غالب آگئے (اور مکہ کو فتح کر لیا) تو سمجھو کہ وہ سچے نبی ہیں (کیونکہ ان کی اس ظاہری بے سروسامانی اور مادی کمزوری کے باوجود اہل عرب پر غالب آجانا اور مکہ کو فتح کر لینا ان کا معجزہ ہو گا اور معجزہ صرف سچے نبی ہی سے صادر ہو سکتا ہے چنانچہ جب خدا نے اپنے دین کا بول بالا کیا اور مکہ فتح ہو گیا تو لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے لوٹ پڑے میرے والد نے اپنی قوم پر پھل کی اور (سب سے پہلے) اسلام لے آئے جب وہ (یعنی میرے والد) لوٹ کر آئے تو اپنی قوم سے کہنے

لگے کہ ”خدا کی قسم! میں سچے نبی (ﷺ) کے پاس سے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فلاں وقت میں ایسی (اور اتنی) نماز پڑھو اور فلاں وقت میں ایسی (اور اتنی) نماز پڑھو (یعنی آپ نے نماز کی کیفیات اور اوقات بیان کئے) اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور تم میں جو شخص قرآن سب سے زیادہ جاننے والا ہو وہ تمہاری امامت کرے چنانچہ جب نماز کا وقت آیا اور جماعت کی تیاری ہوئی تو لوگوں نے آپس میں دیکھا (کہ امام کسے بنایا جائے) مجھ سے زیادہ کوئی قرآن کا جاننے والا نہیں تھا کیونکہ میں (تو پہلے ہی سے) قافلہ والوں سے قرآن سیکھ رہا تھا چنانچہ لوگوں نے مجھے آگے کر دیا (اور نماز میں میری اقتداء کی) اس وقت میری عمر چھ یا سات سال کی تھی اور میرے بدن پر فقط ایک چادر تھی چنانچہ جب میں سجدہ کرتا تو وہ چادر میرے بدن سے سرک جاتی تھی (اور کوٹھے کھل جاتے تھے) قوم میں سے ایک عورت نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ ہمارے سامنے سے تم لوگ اپنے امام کی شرم گاہ کیوں نہیں ڈھانکتے؟ تب قوم نے کپڑا خرید لیا اور میرے لئے کرت بنوایا (یہاں اس کرت کی وجہ سے مجھے جیسی خوشی ہوئی ایسی خوشی کبھی نہیں ہوئی تھی۔) (بخاری)

تشریح: عام طور پر ”سلسلہ“ امام کے زمر کے ساتھ ہے مگر یہ عمرو جو قوم کے امام بنے تھے ان کے والد کے نام ”سلسلہ“ میں لام نہ لکے ساتھ ہے۔ اس کے بارہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے کہ عمرو ابن سلسلہ بھی اپنے والد کے ہمراہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے گئے یا نہیں؟ اسی وجہ سے اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ آیا یہ صحابی ہیں یا نہیں؟ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد تمہا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گئے تھے یہ ان کے ساتھ نہیں گئے تھے۔

حضرت امام شافعیؒ لڑکے کی امامت کے جواز میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ لڑکے کی امامت جائز ہے البتہ جمعہ کی نماز میں نابالغ لڑکے کی امامت کے سلسلہ میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک قول ہے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ جمعہ کی نماز میں بھی لڑکے کی امامت کے جواز کے قائل ہیں اور دوسرے قول سے عدم جواز کا اثبات ہوتا ہے۔

حضرت امام اعظمؒ حنفیہ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کہتے ہیں کہ نابالغ کی امامت جائز نہیں ہے البتہ نقل نماز کے سلسلہ میں علماء حنفیہ کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ شیخ کے مشائخ نماز میں نابالغ لڑکے کی امامت کے جواز کے قائل ہیں اور اسی پر ان کا عمل ہے نیز مصر اور شام میں بھی اس پر عمل کیا جاتا ہے ان کے علاوہ دیگر علماء نے نقل نماز میں بھی نابالغ لڑکے کی امامت کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ علماء ماوراء النہر کا عمل اسی پر ہے۔

زیلعیؒ نے شرح ترمذی میں اس مسئلہ کے متعلق کہا ہے کہ ”امام شافعیؒ نے اس مسئلہ میں کہ نابالغ لڑکے کی امامت جائز ہے حضرت عمرو ابن سلسلہ کے اس قول فقہ مونی الخ سے استدلال کیا ہے لیکن ہمارے (یعنی حنفیہ کے) نزدیک حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول کی روشنی میں کہ ”وہ لڑکا جس پر حدود واجب نہیں ہوئی ہیں امامت نہ کرے“ نابالغ لڑکے کی امامت جائز نہیں ہے اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی یہی ہے کہ ”لڑکا جب تک محکم (یعنی نابالغ) نہ ہو جائے امامت نہ کرے۔“

لہذا یہ جائز نہیں ہے کہ فرض نماز پڑھنے والا نابالغ لڑکے کی اقتداء کرے جہاں تک عمرو ابن سلسلہ کی امامت کا تعلق ہے تو اس کے بارہ میں یہ کہا جائے گا کہ ان کی امامت آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی بنا پر نہیں تھی بلکہ یہ ان کی قوم کے لوگوں کا اپنے اجتہاد تھا کہ عمرو چونکہ قافلہ کے لوگوں سے قرآن کریم سیکھ چکے تھے اس لئے ان کو امام بنادیا۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ حضرات شوافع حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال سے تو استدلال نہیں کرتے۔ ایک نابالغ لڑکے (عمرو ابن سلسلہ) کے فعل کو مستدل بناتے ہیں۔

آزاد کردہ غلام کی امامت

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ الْأَوَّلُونَ الْمَدِينَةَ كَانَ يَوْمُهُمْ سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حَذِيفَةَ وَفِيهِمْ عُمَرُ

وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الْأَسَدِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں پہلے آنے والے مہاجرین آنے تو ابی حذیفہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ انہیں نماز پڑھاتے تھے اور ان (مقتدیوں) میں حضرت عمرؓ، حضرت ابو سلمہؓ ابن عبد الاسدؓ (بھی) ہوتے تھے۔۔۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت سالمؓ حذیفہ کے آزاد کردہ غلام اور بہت اچھے قاری تھے ان کا شمار نہایت بزرگ اور اونچے درجہ کے قراء صحابہ میں ہوتا تھا آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ ”قرآن کریم چار لوگوں سے حاصل کرو اور ان چار لوگوں میں حضرت سالمؓ کا نام بھی شمار کیا تھا۔

حضرت عمرؓ حضرت ابو سلمہؓ ابن عبد الاسدؓ اور ان جیسے دوسرے طویل القدر اور با عظمت و فضیلت صحابہؓ کی موجودگی میں حضرت سالمؓ کے امام مقرر ہونے کی وجہ یا تو یہ تھی کہ یہ بہت اچھے قاری تھے یا پھر اس میں کوئی اور مصلحت ہوگی۔

وہ لوگ جن کی نماز قبول نہیں ہوتی

(۱۲) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تَرَفَعُ لَهُمْ صَلَاتُهُمْ فَوْقَ رُؤُوسِهِمْ شَبْرًا زَجَلًا أَمْ قَوْمًا وَهُمْ لَمْ يَكُنْ هَوْنٌ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَأَخْوَانٌ مُنْتَصِرُونَ - (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین لوگ ایسے ہیں جن کی نماز ان کے سر سے بالشت بھرا (بھی) بلند نہیں ہوتی (یعنی درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی) ایک تو وہ شخص جو قوم کا امام ہو اور قوم اس سے (دینی امور میں) ناخوش ہو۔ دوسرے وہ عورت جو اس حالت میں رات گزارے کہ اس کا خاوند (اس کی نافرمانی یا اس کی جانب سے اپنے حق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے) خفا ہو تیسرے ایسے دو بھائی جو آپس میں ناخوش ہوں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ ایسے دو بھائیوں کی بھی نماز قبول نہیں ہوتی جو آپس میں ناخوش و ناراض ہوں اور تین دن سے زیادہ سلام و غیرہ ترک کئے رہیں۔

باب ما علی الامام

امام پر لازم چیزوں کا بیان

اس باب کے تحت وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ مقتدیوں کی رعایت کے سلسلہ میں امام کے لئے کیا چیزیں ضروری ہیں۔

الفصل الأول

نماز کو بھاری نہ بنانا چاہئے

(۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَاصَلَّيْتُ وَرَأَيْتُ إِمَامًا قَطَعَ صَلَاةً وَلَا أَتَمَّ صَلَاةً مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيَحْقِفُ مُخَافَةً أَنْ تَفْتَنَ أُمَّهُ - (متن ملہ)

”حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی نماز سے زیادہ بلکی اور کامل نماز کی امام کے پیچھے نہیں چڑھی اور آپ ﷺ کی (عادت یہ تھی کہ جب آپ نماز میں) کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو اس اندیشہ سے کہ اس کی ماں کہیں فکر مند نہ ہو جائے نماز کو ہلکا کر دیتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے اول جز کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نماز باوجود پورے کمال و اتمام کے بہت ہلکی ہوتی تھی اور ہلکی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ قرأت اور تسبیحات حد سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور قرأت میں بے عمل مد و شد نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کی قرأت بے تکلف اور ترتیل کے ساتھ ہوتی تھی اور یہ تو آنحضرت ﷺ کی قرأت کی خاصیت تھی کہ اگرچہ وہ طویل ہوتی تھی مگر لوگوں کو ہلکی معلوم ہوتی تھی۔

حاصل یہ کہ آپ ﷺ کی قرأت ہلکی ہوتی تھی اور رکوع و سجود نیز تعدیل ارکان وغیرہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی۔
 حنفی مسلک میں یہ مسئلہ ہے کہ امام کے لئے مناسب نہیں ہے کہ تسبیحات وغیرہ کو اتنا طویل کرے کہ لوگ ملول ہوں کیونکہ نماز کو زیادہ طویل کرنا نماز کی طرف سے لوگوں کو بے توجہ بناتا ہے اور یہ مکروہ ہے ہاں اگر مقتدیوں ہی کی یہ خواہش ہو کہ قرأت و تسبیحات وغیرہ طویل ہوں تو پھر ان میں امام زیادتی کر سکتا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں اس طرح امام کو یہ بھی نہ چاہئے کہ مقتدیوں کو خوش کرنے کی غرض سے قرأت اور تسبیحات میں اس درجہ سے بھی کمی کر دے جو سب سے کم مستحسن درجہ ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز میں کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتے تو نماز ہلکی کر دیا کرتے تھے۔ تاکہ اس بچے کی ماں جو جماعت میں شامل ہوتی، بچے کی طرف سے فکر میں نہ پڑ جائے اور جس کی وجہ سے اس کی نماز کا حضور اور خشوع و خضوع ختم ہو جائے۔

خطابیؒ نے اس جملہ کی تشریح میں کہا ہے کہ ”اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ امام رکوع میں ہونے کی حالت میں اگر آہٹ پائے کہ کوئی شخص نماز میں شریک ہونے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ رکوع میں اس شخص کا انتظار کرے تاکہ وہ شخص رکعت حاصل کرے مگر بعض حضرات نے اسے مکروہ قرار دیا ہے بلکہ ان حضرات کا کہنا ہے کہ ایسا کرنے والے کے بارے میں یہ خوف ہے کہ وہ کہیں شرک کی حد تک پہنچ جائے گا۔ چنانچہ یہی مسلک حضرت امام مالک کا بھی ہے۔ حنفی مسلک یہ ہے کہ امام اگر رکوع کو تقرب الی اللہ کی نیت سے نہیں بلکہ اس مقصد سے طویل کرے گا کہ کوئی آنے والا شخص رکوع میں شامل ہو کر رکعت پالے تو یہ مکروہ تحریمی ہوگا۔ بلکہ اس سے بھی بڑے گناہ کبیرہ کا احتمال ہو سکتا ہے تاہم مکروہ شرک کی حد تک نہیں پہنچے گا کیونکہ اس سے اس کی نیت غیر اللہ کی عبارت ہر حال نہیں ہوگی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر امام آنے والے کو پہچانتا نہیں ہے تو اس شکل میں رکوع کو طویل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ اس کا ترک اولیٰ ہے ہاں اگر کوئی امام تقرب الی اللہ کی نیت سے رکوع کو طویل کرے اور اس پاک جذبہ کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ ایسی حالت کا ہونا چونکہ نادر ہے اور پھر یہ کہ اس مسئلہ کا نام ہی ”مسئلہ اریا“ ہے اس لئے اس سلسلہ میں کمال احتیاط ہی اولیٰ ہے۔

(۲) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِظْلَافَهَا فَاسْمَعُوا بُكَاءَ النَّبِيِّ فَإِنَّهُ جَوَّزَ فِي صَلَاتِهِ مَعًا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أَهْلِهِ مِنْ بُكَائِهِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت قتادہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نماز میں داخل ہوتا ہوں تو نماز کو طویل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر جب بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو یہ جان کر کہ بچے کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں سخت فکر مند ہوگی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں۔“ (بخاری)

(۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتَ أَخَذَ كُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ السَّقِيمَ وَالضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَإِذَا صَلَّيْتَ أَخَذَ كُمْ لِنَفْسِكَ فَلْيَطْوِلْ مَا شَاءَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہئے کہ نماز کو ہلکی کرے کیوں کہ مقتدیوں میں بیمار کمزور اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں (اور ان کی رعایت ضروری ہے) اور جب تم میں سے کوئی شخص تنہا اپنی نماز پڑھے تو اسے اختیار ہے کہ جس قدر چاہے نماز کو طویل کرے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں امام کے لئے یہ ہدایت دے دی گئی ہے کہ وہ نماز پڑھاتے وقت مقتدیوں کی رعایت ضرور کرے اس بات کا لحاظ رکھے کہ مقتدیوں میں بیمار بوڑھے اور کمزور لاغر لوگ بھی ہوں گے جو نماز کی طوالت سے تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ پریشانی اور تکلیف سے بچنے کی خاطر جماعت میں شریک ہونا ہی چھوڑ دیں اس لئے ان کی رعایت کے پیش نظر نماز ہلکی ہی پڑھانی چاہئے ہاں اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اسے اختیار ہے کہ جس قدر چاہے طویل نماز پڑھے۔

اسی طرح اگر تمام مقتدی حضور قلب کے حامل ہوں اور نماز کی طوالت سے گھبراتے نہ ہوں نیز مذکورہ بالا لوگوں میں سے یعنی بیمار و ضعیف وغیرہ نہ ہوں تو اس شکل میں بھی امام جس قدر چاہے طویل نماز پڑھائے۔

④ وَعَنْ قَنِسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو مَسْعُودٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللَّهِ يَارَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَا تَأْخُذُ عَن صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فَلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ يَنَافَمَا زَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِّنْهُ يَوْمَئِذٍ نَّمَّ قَالَ إِنَّ مِنْكُمْ مُّقْتَدِينَ فَأَتَيْكُمْ مَّاصِلِي بِالنَّاسِ فَلَيْتَ حَوَزُ فَإِنْ فِيهِمْ الضَّعِيفُ وَالْكَبِيرُ وَذَلِكَ حَاجَةٌ - (مسلم علیہ)

”اور حضرت قیس ابن ابی حازم کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے مجھ سے فرمایا کہ (ایک دن) ایک شخص نے (نبی کریم ﷺ) کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ! میں صبح کی نماز سے اس لئے پیچھے رہ جاتا ہوں کہ فلاں آدمی ہمیں بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے ابو مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو نصیحت کرنے کے بارے میں اس دن جیسا غصہ میں بھرے ہوئے کبھی نہیں دیکھا چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم میں سے بعض لوگ (طویل نماز پڑھا کر جماعت سے) لوگوں کو نفرت دلانے والے ہیں (خبردار) تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھانے تو اسے چاہئے کہ وہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور، بوڑھے اور حاجت مند لوگ بھی ہوتے ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

غلط نماز پڑھانے والا امام اپنی غلطی کا خمیازہ خود بھگتے گا

⑤ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَرْثُودَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلُّونَ لَكُمْ فَإِنْ أَصَابُوا فَلَكُمْ وَإِنْ أَخْطَأُوا فَذَلِكُمْ وَعَلَيْهِمْ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہمیں امام نماز پڑھائیں گے چنانچہ اگر وہ نماز اچھی پڑھائیں گے تو اس کا فائدہ تمہارے لئے ہے (اور ان کے لئے بھی ہے) اور اگر انہوں نے غلطی (بے طرح نماز پڑھائی) تو ہمیں (پھر بھی) ثواب ملے گا اور اس کا گناہ ان پر ہوگا۔“ (بخاری)

تشریح: اگر امام اچھی طرح اور شرعی و مسنون طریقہ سے پڑھائے گا تو ظاہر ہے کہ اس کا ثواب امام اور مقتدی دونوں ہی کو ملے گا اور اگر امام نماز بے قاعدہ اور غیر شرعی و غیر مسنون طریقہ سے پڑھائے گا تو اس کی ذمہ داری مقتدیوں پر نہیں ہے مقتدیوں کو تو اس صورت میں بھی ثواب ملے گا کیونکہ انہوں نے تو نماز اچھی طرح ادا کی اور جماعت میں شریک ہونے کی نیت کی البتہ امام اپنی غلطی اور خطا کا خمیازہ خود بھگتے گا کیونکہ اس نے نماز پڑھانے میں تقصیر کی ہے۔

اس حدیث کے ذریعہ دراصل آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو وصیت فرمائی ہے کہ بعد میں جب برے اور غلط کارحاکم پیدا ہوں گے اور امامت کریں گے تو وہ امامت کی ادا نیکی میں احکام و آداب کی رعایت نہیں کریں گے۔ لہذا اس وقت تم کو چاہئے کہ اپنی نماز درست اور صحیح طریقہ پر ادا کرو۔ اگر امام اچھی طرح نماز پڑھائے گا تو اس کا فائدہ امام اور مقتدی دونوں کو ہو گا ورنہ غلط نماز پڑھانے کی شکل میں مقتدیوں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا غلط نماز پڑھانے کی ذمہ داری تنہا امام پر ہوگی اور نقصان اسی کو ہو گیا۔

وَهَذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِي
اور اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

بوڑھے اور بیمار مقتدیوں کی رعایت امام کے لئے ضروری ہے

⑥ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ أَخْبَرَنَا عَهْدَ النَّبِيِّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَمْتَ قَوْمًا فَاحْفَظْ بِهِمُ الصَّلَاةَ وَرَأَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ أُمَّ قَوْمَكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَجِدُ فِي نَفْسِي شَيْئًا قَالَ أَدْنُهُ فَاجْلِسْنِي بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهُ فِي صَدْرِي يَتَيْنِ ثَدْيِي ثُمَّ قَالَ تَحْوِلْ قَوْضَعٌ فِي ظَهْرِي يَتَيْنِ كَتِفِي ثُمَّ قَالَ أُمَّ قَوْمَكَ وَمَنْ أُمَّ قَوْمًا فَلْيَحْفَظْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيرَ وَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَإِنَّ فِيهِمُ ذَا الْحَاجَةِ فَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ وَخَذَهُ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ۔

”حضرت عثمان ابن ابی العاصؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے جو آخری وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ ”جب تم لوگوں کی امامت کرو تو انہیں ہلکی نماز پڑھاؤ۔“ ”مسلم“ کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ اپنی قوم کی امامت کرو۔“ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اپنے دل میں کچھ کھٹک محسوس ہوتی ہے آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔“ (جب میں آپ ﷺ کے قریب آگیا تو) آپ ﷺ نے مجھے اپنے آگے بٹھایا اور میرے سینے پر دونوں چھاتیوں کے درمیان اپنا دست مبارک رکھا پھر فرمایا کہ پشت پھیرو (میں نے اپنی پشت آپ کی جانب کر دی) چنانچہ آپ ﷺ نے میری پشت پر دونوں منڈھوں کے درمیان اپنا دست مبارک پھیر کر فرمایا کہ ”جاؤ اور اپنی قوم کی امامت کرو اور (یہ یاد رکھو کہ) جب کوئی شخص کسی قوم کا امام بنے تو اسے چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ ان میں بوڑھے بھی ہیں اور بیمار بھی ان میں کمزور لوگ بھی ہوتے ہیں اور حاجتمند بھی ہاں جب کوئی تنہا نماز پڑھے تو اسے اختیار جس طرح چاہئے پڑھے۔“

تشریح: حضرت عثمانؓ کے ارشاد انہی اجلہ فی نفسی شنبہ (یعنی مجھے اپنے دل میں کچھ کھٹک محسوس ہوتی ہے) کا مطلب یہ تھا کہ میں امامت کے حقوق کی ادائیگی سے اپنے آپ کو عاجز پاتا ہوں یا کچھ وسوسے اور شبہات ہیں جو دل میں آتے ہیں یا یہ کہ امامت کے وقت میرے دل کے اندر ایک قسم کی برتری اور غرور کی کیفیت محسوس ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کیفیات کے دفعیہ کے لئے ان کے سینے اور پشت پر اپنا دست مبارک پھیرا جس کی برکت سے ان کے دل کی وہ کھٹک جاتی رہی جس کی موجودگی انہیں امامت پر آمادہ نہ ہونے دیتی تھی۔

فلاذاصلی احدکم الخ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تنہا نماز پڑھنے والا اپنی نماز کے معاملہ میں مختار ہے چاہے تو وہ طویل نماز پڑھے چاہے مختصر لیکن علماء لکھتے ہیں کہ تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ طویل نماز پڑھے۔

اس زمانہ کے ائمہ کا معاملہ بڑا عجیب ہے جب وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں تو بہت زیادہ طوالت سے کام لیتے ہیں مگر جب تنہا نماز پڑھتے ہیں تو صرف اتنے ہی اختصار پر اکتفا کرتے ہیں جس سے نماز ادا ہو جائے۔ ائمہ کو اس طریق کار کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

⑦ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتُرُنَا بِالْثَّخِيفِ وَيُؤْتِنَا بِالْصَّافَاتِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمیں ہلکی نماز (پڑھانے) کا حکم دیا کرتے تھے اور آپ ہمیں نماز پڑھاتے تو سورہ صافات کی قرات کرتے۔“ (نسائی)

تشریح: حدیث کے دونوں جزیں میں بظاہر تو تعارض نظر آتا ہے کہ ایک طرف تو آپ ہلکی نماز پڑھانے کا حکم دیتے تھے اور دوسری طرف خود امامت کرتے وقت سورہ صافات کی قرأت فرماتے جو ایک طویل سورت ہے، اس تعارض کو رفع کرنے کے لئے علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ لمبی لمبی سورتیں اور بہت زیادہ آیتیں بہت کم عرصہ میں پڑھ لیتے تھے جس سے لوگوں کو کوئی گمراہی اور اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی اور یہ خصوصیت دوسروں کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس طرح دونوں جزیں کوئی تعارض نہیں رہا۔

بَابُ مَا عَلَى الْمَأْمُومِ مِنَ الْمَتَابَعَةِ وَحُكْمِ الْمَسْبُوقِ

مقتدی کے لئے امام کی متابعداری کے لزوم اور مسبوق کا بیان

اس باب کے تحت وہ احادیث ذکر کی جائیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ مقتدی کی امام کی متابعداری کتنی ضروری اور لازم ہے اور یہ کہ مقتدی کو امام کی متابعت کن چیزوں میں اور کس طرح کرنی چاہئے۔

نیز اس باب میں وہ احادیث بھی نقل کی جائیں گی جن سے مسبوق کا حکم معلوم ہوگا کہ وہ اپنی نماز کس طرح پوری کرے اور اسے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ گذشتہ صفحات میں کسی موقع پر مسبوق کی تعریف کی جا چکی ہے یعنی مسبوق اس نمازی کو کہتے ہیں جو ابتداء سے جماعت میں شریک نہ ہو بلکہ ایک رکعت یا اس سے زیادہ ہو جانے کی بعد جماعت میں آکر شریک ہوا ہو۔

امام کی متابعت کے سلسلہ میں آنے والی احادیث کے ضمن میں حسب موقع مسائل کی وضاحت کی جائے گی تاہم اس موقع پر اجمالی طور پر اتنی بات جانتے چلئے کہ نماز کے ان ارکان میں جو فرض یا واجب ہیں تمام مقتدیوں کو امام کی متابعت و موافقت کرنا واجب ہے ہاں ان ارکان میں جو سنت و غیرہ ہیں مقتدیوں کے لئے امام کی متابعت ضروری نہیں چنانچہ اگر امام، شافعی المذہب ہو اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرے یعنی دونوں ہاتھوں کو اٹھائے تو حنفی مقتدی کو ہاتھوں کا اٹھانا ضروری نہیں ہے کیونکہ ان دونوں موقعوں پر رفع یدین ان کے نزدیک گنہگار ہے اس طرح فہر کی نماز میں شافعی المذہب امام قنوت پڑھے تو حنفی مقتدیوں کے لئے قنوت پڑھنا واجب نہیں ہاں رات میں قنوت پڑھنا واجب ہے لہذا اسی طرح شافعی المذہب امام اگر اپنے مذہب کے موافق قنوت رکوع کے بعد پڑھے تو حنفی مقتدیوں کو بھی امام کی متابعت و موافقت کے پیش نظر رکوع کے بعد ہی قنوت پڑھنا چاہئے۔ (علم الفقہ)

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

امام کی متابعت

① عَنْ بَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا نَصَلِّيْ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَخُحْ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَنْصَعِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهَنَّمَ عَلَى الْأَرْضِ - (متن مبدیہ)

”حضرت براء ابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے چنانچہ آپ جب سبح اللہ لمن حمدہ کہتے تو جب تک آنحضرت ﷺ (سجدہ کیلئے) اپنی جبین مبارک زمین پر نہیں رکھتے تھے ہم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ جھکا تا (بھی) نہیں تھا“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت براءؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہم رکوع سے اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی سجدہ میں نہیں چلے جاتے تھے بلکہ کھڑے رہتے تھے اور جب آنحضرت ﷺ زمین پر اپنی پیشانی رکھ لیتے تو ہم سجدہ میں جاتے۔ مولانا مظہر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مقتدی کے لئے یہ سنت ہے کہ وہ اپنی نماز کے ارکان امام کی نماز کے ارکان کے اس قدر بعد ادا کرے اور اگر

امام کے افعال و صلوٰۃ اور مقتدی کے افعال صلوٰۃ کے درمیان ادائیگی کا اتنا وقفہ نہ ہو تو بھی جائز ہے مگر تکبیر تحریمہ کے وقت مقتدی کے لئے اتنا توقف کرنا ضروری ہے کہ جب امام تکبیر تحریمہ کہہ کر فارغ ہو تو مقتدی تکبیر تحریمہ کہیں۔

مگر حنفی فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ مقتدی کے لئے امام کی متابعت بطریق مواصلت واجب ہے یعنی مقتدیوں کو ہر رکن امام کے ساتھ ہی بلا تاخیر ادا کرنا چاہئے، تحریمہ بھی امام کی تحریمہ کے ساتھ کریں، رکوع بھی امام کے رکوع کے ساتھ، قومہ بھی امام کے قومہ کے ساتھ، سجدہ بھی امام کے سجدہ کے ساتھ غرض کہ ہر فعل امام کے ہر فعل کے ساتھ کریں۔ ہاں اگر قعدہ اولیٰ میں امام اس سے پہلے کھڑا ہو جائے کہ مقتدی التحیات پوری کریں تو مقتدیوں کو چاہئے کہ التحیات پوری کر کے سلام پھیریں۔ ہاں رکوع و سجود میں اگر مقتدیوں نے تسبیح تین مرتبہ بھی نہ پڑھی ہوں اور امام سر اٹھائے تو صحیح مسئلہ یہی ہے کہ مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ تسبیح پڑھے بغیر ہی امام کے ساتھ کھڑے ہو جائیں، اگر مقتدی رکوع یا سجدہ سے اپنے سر امام کے سر اٹھانے سے پہلے اٹھا دیں تو ان کو چاہئے کہ وہ دوبارہ رکوع یا سجدہ میں چلے جائیں اور پھر امام کے ساتھ ہی اپنا سر اٹھائیں اس طرح یہ رکوع یا سجدہ سے دو نہیں ہوں گے بلکہ ایک ہی شمار ہوں گے۔

مقتدی امام سے پہلے کوئی رکن ادا نہ کریں

(۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بَوَّاحِيَةً فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي أَمَّا مَعَكُمْ فَلَا تَسْبِقُونِي بِالرُّكُوعِ وَلَا بِالسُّجُودِ وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالْإِنْصِرَافِ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ أَعْمَامِي وَمِنْ خَلْفِي - (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی جب آپ نماز پڑھا چکے تو اپنا چہرہ مبارک ہماری ہی متوجہ کیا اور فرمایا کہ لوگو! میں تمہارا امام ہوں لہذا تم رکوع کرنے، سجدہ کرنے کھڑے ہونے اور پھرتے (یعنی نماز سے فارغ ہونے) میں مجھ سے جلدی نہ کیا کرو میں تمہیں اپنے آگے اور (بدرجہ مکاشفہ یا بطور معجزہ یا بذریعہ مشاہدہ) اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔“ (مسلم)

(۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبَادُرُوا الْأَمَامَ إِذَا كَثُرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لَكُمْ حَمْدَهُ فَقُولُوا اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ إِلَّا أَنَّ الْبُخَارِيَّ لَمْ يَذْكُرْ وَإِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّينَ -

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم اپنے امام پر پہل نہ کیا کرو جب امام تکبیر کہے تو تم (بھی اس کے ساتھ ہی) تکبیر کہو جب امام ولا الضالین کہے تو تم رکوع میں جاؤ اور جب امام سمع اللہ لمن حمد کہے تو تم اللہم رناک الحمد (اے اللہ اے ہمارے رب تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں) کہو۔“ اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے مگر بخاری نے اپنی روایات میں وَإِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّينَ کے الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔“

تشریح: ”فقولوا آمین“ کہہ کر اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جب امام سورہ فاتحہ پڑھے تو مقتدی غاموش کھڑے رہ کر اسے سنیں اور سورہ فاتحہ کی قرات نہ کریں۔

حدیث کے آخری جزو سے یہ معلوم ہوا کہ امام جب رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمد کہے تو مقتدی رناک الحمد کہیں جیسا کہ امام اعظمؒ کا مسئلہ ہے۔

امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں یا کھڑے ہو کر

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا فَضَرَعَ عَنْهُ فَجَحَشَ شِقَّةَ الْأَيْمَنِ فَصَلَّى صَلَاةً

مِنَ الصَّلَواتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَأَاهُ فَعُوذًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا صَلَّى قَالِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ۔ قَالَ الْحَمِيدِيُّ: قَوْلُهُ إِذَا صَلَّى جُلُوسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا هُوَ فِي مَرَضِهِ الْقَدِيمِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامًا لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُودِ وَإِنَّمَا يُوَخِّدُ بِالْآخِرِ فَلَا يَخْرِجُ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَاتَّفَقَ مُسْلِمٌ إِلَى أَجْمَعُونَ وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا۔

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ”ایک مرتبہ کسی سفر کے دورانؓ نبی کریمؐ گھوڑے پر سوار تھے کہ (اتفاقاً) آپؐ نیچے گر پڑے اس کی وجہ سے آپؐ کی داہنی کروٹ (ایسی) چھل گئی کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر آپؐ قادر نہ رہے) چنانچہ آپؐ نے (ان پانچ فرض) نمازوں میں سے کوئی نماز ہمیں بیٹھ کر پڑھائی ہم نے آپؐ کے پیچھے بیٹھ کر (ای) نماز پڑھی۔ جب آپؐ نماز پڑھ کر فارغ ہو گئے تو (ہم) سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا جب امام کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو جب وہ رکوع کرے تو تم (بھی) رکوع کرو اور جب وہ رکوع سے اٹھے تو تم (بھی) رکوع سے اٹھو جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرے اور جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔ ”حمیدیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا یہ ارشاد کہ ”جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔“ آپؐ کی پہلی بیماری میں تھا اور اس کے بعد (مرض الموت میں انتقال سے ایک دن پہلے) آنحضرتؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی تو لوگوں نے آپؐ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور آپؐ نے انہیں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا اور آنحضرتؐ کے اسی فعل پر عمل کیا جاتا ہے جو آخری ہے (یعنی پہلا فعل منسوخ اور دوسرا فعل ناسخ ہوتا ہے)۔ ”یہ الفاظ بخاریؒ کے ہیں اور مسلمؒ بھی لفظاً جمعون تک بخاریؒ کے حواشی ہیں (یعنی روایت کو اس لفظ تک بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے نقل کیا ہے) اور ایک دوسری روایت میں مسلمؒ نے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ (آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ امام کے خلاف نہ کرو اور جب وہ (امام) سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔“

تشریح: اس روایت کے آخر میں جن حمیدی کا قول نقل کیا گیا ہے یہ وہ حمیدی نہیں جو جمع بین الصحیحین کے مؤلف ہیں بلکہ یہ بخاریؒ کے استاد حمیدی ہیں بہر حال اکثر ائمہ کا مسلک حمیدی کے قول کے مطابق ہی ہے کہ اگر امام کسی عذر کی بناء پر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر پڑھیں انہیں بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

آنحضرتؐ کی علالت اور حضرت ابوبکرؓ کی امامت کا واقعہ

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا نُقِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ بِلَالٌ يُؤَذِّنُهُ بِالصَّلَاةِ فَقَالَ مَرُّوا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ بَلَدًا الْإِيَّامَ ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ خِفَةً فَقَامَ يَهَادِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرَجُلَاةٍ تَخْطِئَانِ فِي الْأَرْضِ حَتَّى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمَّا سَمِعَ أَبُو بَكْرٍ جَسَدَهُ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا يَتَأَخَّرَ فَجَاءَ حَتَّى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّيُ قَائِمًا وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيُ قَاعِدًا يَقْتَدِي أَبُو بَكْرٍ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يَقْتَدُونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا يَسْمَعُ أَبُو بَكْرٍ النَّاسَ التَّكْبِيرَ۔

”اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریمؐ بہت زیادہ بیمار تھے تو (ایک دن) حضرت بلالؓ آپؐ کو نماز کے لئے بلائے آئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو ان

دنوں میں سترہ نماز پڑھائیں پھر جب (ایک دن) آنحضرت ﷺ نے اپنی طبیعت کچھ ہلکی محسوس فرمائی تو آپ ﷺ (نماز کے لئے مسجد کو) دو آدمیوں کا سہارا لے کر (اس طرح) آئے کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے صحابہ کے مونڈھوں پر ٹیک رکھے ہوئے تھے اور (ضعف و کمزوری کے سبب) آپ ﷺ کے پیر مبارک زمین پر گھسٹتے جاتے تھے جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کی آمد کی آہٹ محسوس کی اور پیچھے ہٹنا شروع کیا (تاکہ آنحضرت ﷺ ان کی جگہ کھڑے ہو جائیں اور امامت کریں) آنحضرت ﷺ نے (یہ دیکھ کر) حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کیا کہ پیچھے نہ ہٹو پھر آپ ﷺ (آگے) بڑھے اور حضرت ابوبکرؓ کے بائیں طرف بیٹھ گئے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہے اور آنحضرت ﷺ ”ضعف و کمزوری کی بناء پر“ بیٹھ کر نماز پڑھتے رہے حضرت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے۔ ”بخاری و مسلم“

تشریح: شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد ”ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت ﷺ کے بعد تمام لوگوں میں افضل ہیں نیز یہ کہ تمام لوگوں میں حضرت ابوبکرؓ ہی آنحضرت ﷺ کی خلافت کے سب سے زیادہ مستحق اور سب سے اولیٰ ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کی جانب سے حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے اس عظیم اور سب سے اہم منصب کا اہل و اولیٰ قرار دینے جانے کی پیش نظر یہ بعض جلیل القدر صحابہ کا یہ ارشاد بالکل حقیقت پسندانہ اور منشاء رسالت کے عین مطابق تھا کہ ”آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو ہمارے دین (کی پیشوائی) کے لئے پسند فرمایا تو کیا ہم انہیں اپنی دنیا (کی رہبری) کے لئے پسند نہ کریں؟“ یعنی جب آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنی زندگی میں دین کا سب سے بڑا اور اہم منصب امامت عنایت فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا تھا کہ میرے بعد ابوبکرؓ ہی کی وہ شخصیت ہو سکتی ہے جو مسلمانوں کی دینی پیشوائی اور رہبری کو انجام دے سکے تو حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کی دینی رہبری اور پیشوائی کے بدرجہ اولیٰ مستحق ہوئے لہذا خلافت جیسے عظیم الشان منصب کے سب سے زیادہ اہل و علیٰ وہی ہیں۔

زجلین (دو صحابہؓ) سے مراد حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی ذات گرامی ہے یعنی آپ ﷺ اپنی کمزوری و ناتوانی کے سبب حجرہ مبارک سے مسجد نبویؐ تک ان دونوں جلیل القدر صحابہؓ کے مونڈھوں پر سہارا دیکر تشریف لائے۔

حدیث کے الفاظ والناس یقتلون بصلوة ابی بکرؓ (اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے) کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چونکہ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے پہلوئے مبارک میں کھڑے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ جو فعل کرتے حضرت ابوبکرؓ بھی اسی طرح کرتے تھے اور جو فعل حضرت ابوبکرؓ کرتے تھے دوسرے مقتدی بھی اسی طرح کرتے جاتے تھے۔ لہذا یہاں اقتداء کے یہی معنی ہیں یہ معنی مراد نہیں ہیں کہ آنحضرت ﷺ تو حضرت ابوبکرؓ کے امام تھے اور حضرت ابوبکرؓ دوسرے مقتدیوں کے امام تھے کیونکہ مقتدی کی اقتداء کرنا جائز نہیں۔

بہر حال محل سید کہ امام آنحضرت ﷺ ہی تھے حضرت ابوبکرؓ بھی آپ ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے اور دوسرے لوگ بھی آپ ﷺ ہی کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔

کیا نماز کے دوران امامت میں تغیر جائز ہے

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نماز کے دوران امامت میں تغیر جائز ہے؟ یعنی نماز شروع ہو چکی ہے ایک امام لوگوں کو نماز پڑھا رہا ہے ایک دوسرا شخص آتا ہے اور شروع سے نماز پڑھانے والے امام کی جگہ کھڑا ہوتا ہے اور امامت شروع کر دیتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ جیسا کہ واقعہ مذکورہ میں صورت پیش آئی کہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو نماز پڑھانی شروع کر دی تھی کہ آنحضرت ﷺ بعد میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ کی جگہ لوگوں کی امامت شروع فرمادی تو اس سلسلہ میں علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارہ میں

اجماع ہے کہ صورت مذکور میں آنحضرت ﷺ کا یہ فعل آپ ﷺ کے خصائص میں تھا، یعنی دوسروں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس طرح امامت میں تغیر کیا جائے۔

لیکن حضرت امام شافعیؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ مذکورہ بالا صورت کی طرح امامت اور اقتداء جائز ہے (ملاحظہ فرمائیے مرقاة شرح مشکوٰۃ)

اس سلسلہ میں بعض علماء حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ حضرت ابو بکرؓ نماز شروع کر چکے تھے یعنی حضرت ابو بکرؓ نے اس وقت نماز شروع نہیں کی تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور امامت شروع فرمادی۔ واللہ اعلم اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی صاف ہو گیا کہ اگر امام کسی عذر کی بناء پر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھیں چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جائے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ، عیدین، نیز زیادہ نمازی ہونے کی صورت میں عام نمازوں میں بھی مؤذنوں کے لئے جائز ہے کہ وہ امام کے ساتھ تکبیرات باواز بلند کہتے جائیں تاکہ جو مقتدی امام سے فاصلہ پر ہوں وہ بھی تکبیرات سن لیں۔

امام سے پہلے سر اٹھانے پر وعید

① وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا يَخْشَى الذِّي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يَحْتَوَلَ اللَّهُ رَأْسَهُ زَأْسَ جَمَّارٍ۔ (تفہیم علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص جو امام سے پہلے (رکوع و سجود سے) سر اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ جل شانہ اس کے سر کو بدل کر گدھے جیسا سر کر دے گا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جو شخص نماز کے ارکان امام کے ساتھ ادا نہیں کرتا بلکہ امام سے پہلے ہی ادا کر لیتا ہے مثلاً رکوع و سجود سے امام کے سر اٹھانے سے پہلے اپنا سر اٹھا لیتا ہے تو ایسے شخص کے بارہ میں مذکورہ بالا حدیث سخت ترین وعید ہے۔

گو علماء لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے گدھے کے مانند کم فہم و عقل کر دے گا کیونکہ تمام جانوروں میں گدھا ہی سب سے زیادہ کم فہم ہوتا ہے لہذا یہ مسخ حقیقی نہیں ہو گا بلکہ مسخ معنوی ہو گا۔ تاہم علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کو اپنے حقیقی معنی پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس امت میں بھی مسخ ممکن ہے جیسا کہ ”باب اشراف الساعۃ“ میں مذکور ہے اور اس کے مؤید ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ان یحول اللہ صغیراً حملاً یعنی اللہ تعالیٰ اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کی صورت کو گدھے جیسی صورت کر دے۔

خطابیؒ فرماتے ہیں کہ ”اس امت میں بھی مسخ جائز ہے لہذا اس حدیث کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کرنا جائز ہے۔“

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسخ خاص ہے اور امت کے لئے جو مسخ متمنع ہے وہ مسخ عام ہے چنانچہ احادیث صحیحہ سے بھی ایسی بات معلوم ہوتی ہے۔

مسخ صورت کی ایک عبرت ناک مثال

علامہ ابن حجرؒ کے مذکورہ بالا قول کی تائید ایک عبرت ناک واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو ایک جلیل القدر محدث سے منقول ہے کہ وہ طلب علم اور حصول حدیث کی خاطر دمشق کے ایک عالم کے پاس پہنچے جو اپنے علم و فضل کی بناء پر بہت مشہور تھا انہوں نے اس عالم سے درس لینا شروع کیا مگر حصول علم کے دوران یہ واقعہ طالب علم کے لئے بڑا حیرت ناک بنا رہا کہ استاد پوری مدت میں کبھی بھی ان کے سامنے نہیں آیا درس کے وقت استاد اور شاگرد کے درمیان ایک پردہ حائل رہتا تھا، ان کو اس کی بڑی خواہش تھی کہ کم سے کم ایک مرتبہ اپنے استاد کے

چہرے کی زیارت تو کریں، چنانچہ جب انہیں اس عالم کی خدمت میں رہتے ہوئے بہت کافی عرصہ گزر گیا تو اس نے یہ محسوس کر لیا کہ طالب علم حصول حدیث کے شوق اور تعلق شیخ کے بھرپور جذبات کا پوری طرح حامل ہے تو استاد نے ایک دن درمیان میں حائل پر وہ کو اٹھایا ان کے حیرت اور تعجب کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ جو جلیل القدر عالم اور ان کا استاد جس کے علم و فضل کی شہرت چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اپنے انسانی چہرہ سے محروم ہے بلکہ اس کا منہ گدھے جیسا ہے استاد نے شاگرد کی حیرت اور تعجب کو دیکھتے ہوئے جو بات کہی اسے سننے اور اس سے عبرت حاصل کیجئے۔ اس نے کہا:

اے میرے بیٹے! نماز کے ارکان ادا کرنے کے سلسلہ میں امام پر پہل کرنے سے بچنا میں نے جب یہ حدیث سنی کہ ”کیا وہ شخص صحیح امام سے پہلے سراٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ جل شانہ اس کے سر کو بدلی کر گدھے جیسا سر کر دے گا۔“ تو مجھے بہت تعجب ہوا اور میں نے اسے بعد ازاں مکان تصور کیا چنانچہ (یہ میری بد قسمتی کہ میں نے تجربہ کے طور پر نماز کے ارکان ادا کرنے کے سلسلہ میں امام پر پہل کی جس کا نتیجہ میرے بیٹے اس وقت تمہارے سامنے ہے کہ میرا چہرہ واقعی گدھے کے چہرے جیسا ہو گیا۔

بہر حال ملا علی قاری اس کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد دراصل شدید تہدید اور انتہائی وعید کے طور پر ہے یا یہ کہ ایسے شخص کو برزخ یا دوزخ میں اس عذاب کے اندر مبتلا کیا جائے گا۔“

الفصل الثانی

امام کی موافقت کرنے کا حکم

(۷) وَعَنْ عَلِيٍّ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آتَى أَحَدُكُمْ الصَّلَاةَ وَالْإِمَامَ عَلَى خَالَ فَلْيَضْغُ كَمَا يَضْغُ الْإِمَامُ زَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”حضرت علی اور حضرت معاذ ابن جبلؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص (جماعت میں شریک ہونے کے لئے) نماز میں آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو جو کچھ امام کر رہا ہے وہی اسے کرنا چاہئے۔“ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ افعال نماز میں اس شخص کو امام کی اقتداء کرنی چاہئے اور اسے ارکان نماز کی ادائیگی کے سلسلہ میں امام سے مقدم یا موخر نہ ہونا چاہئے۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امام جس حالت میں بھی ہو اس کی موافقت اسے کرنی چاہئے، یعنی جماعت شروع ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص بعد میں شریک ہونے کے لئے آئے تو امام جس حالت میں ہو اسے اس کی موافقت کرنی چاہئے اگر امام حالت قیام میں ہو تو اسے بھی وہی حالت اختیار کرنی چاہئے اگر وہ رکوع میں ہو تو اسے بھی رکوع میں چلے جانا چاہئے اگر سجدہ میں ہو تو اسے بھی سجدہ میں چلے جانا چاہئے دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ جماعت شروع ہو جانے کے بعد یوں ہی کھڑے رہتے ہیں یا باتوں میں مصروف رہتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں کہ جب امام رکوع میں جائے تو جا کر نماز میں شریک ہوں یہ طریقہ بہت غلط اور غیر شرعی ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے تاہم علماء کا اس حدیث پر عمل ہے اور نوویؒ نے بھی کہا ہے کہ حدیث کی اسناد ضعیف ہے لیکن جس حدیث پر علماء کا عمل ہوتا تھا اسے امام ترمذیؒ صحیح قرار دیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ حدیث کی صحت علماء کے عمل سے ثابت ہو جائے جیسا کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث پہنچی کہ جو شخص لا الہ الا اللہ ستر

ہزار مرتبہ پڑھے تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے اسی طرح جس شخص کے لئے پڑھا جائے اس کی بھی مغفرت کر دی جاتی ہے چنانچہ میں اس کلمہ کو روایت کردہ عدد کے مطابق خاص طور سے کسی کے لئے نیت کے بغیر پڑھا کرتا تھا اتفاق سے ایک دن میں ایک جگہ دعوت میں گیا وہاں میرے چند رفیق بھی تھے ان میں سے ایک شخص جوان تھا جو کشف کے سلسلے میں بہت مشہور تھا کھانے کے دوران اچانک وہ رونے لگا میں نے حیرت زدہ ہو کر اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں (کشف کے ذریعہ) دیکھ رہا ہوں کہ میری ماں عذاب میں مبتلا ہے یہ سنتے ہی میں نے کلمہ پڑھ کر وہ کثرتِ دل ہی دل میں اس کی ماں کے لئے بخش دیا اب وہ ہنسنے لگا اور اس نے کہا کہ ”اب میں اپنی ماں کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔“

اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد شخص محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا کہ اس شخص کے کشف کے صحیح ہونے سے میں نے اس حدیث کو صحیح جانا اور اس حدیث کے صحیح ہونے سے اس شخص کے کشف کو صحیح مانا۔“

رکوع میں شریک ہو جانے سے پوری رکعت ہو جاتی ہے

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ وَنَحْنُ سَجُودٌ فَاسْجُدُوا وَلَا تَعْدُوا شَيْئًا وَمَنْ أَذْرَكَ رُكْعَةً فَقَدْ أَذْرَكَ الصَّلَاةَ۔ (ردہ الہوداد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم (جماعت میں شریک ہونے کے لئے) نماز میں آؤ اور مجھے سجدہ کی حالت میں پاؤ تو تم بھی سجدہ میں چلے جاؤ اور اس سجدہ کو کسی حساب میں نہ لگاؤ، ہاں جس شخص نے (امام کے ساتھ) رکوع پایا تو اس نے پوری رکعت پائی۔“ (ردہ الہوداد)

تشریح: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت میں آکر اس حال میں شریک ہو کہ امام سجدہ میں ہو اور وہ بھی سجدہ میں چلا جائے تو اس کی پوری رکعت نہیں ہوئی ہاں اگر کوئی شخص اس حال میں شریک ہو کہ امام رکوع میں ہو اور اسے رکوع مل جائے تو اس کی پوری رکعت ادا ہو جاتی ہے چنانچہ اس حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت میں اس وقت شریک ہو جب امام سجدہ میں ہو تو وہ سجدہ میں چلا جائے۔ مگر اس سجدہ کی وجہ سے وہ اس رکعت کا ادا کرنا نہ سمجھے کیونکہ جس طرح رکوع میں شریک ہو جانے سے پوری رکعت مل جاتی ہے اسی طرح سجدہ میں شریک ہونے سے پوری رکعت نہیں ملتی۔

دوسرے جزء کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں ① حدیث میں لفظ ”رکعت“ سے رکوع مراد ہے اور ”صلوۃ“ سے رکعت یعنی جس نے امام کو رکوع میں پایا اور وہ رکوع اس نے بھی پایا تو اس کو پوری رکعت مل گئی ② رکعت اور صلوۃ دونوں اپنے حقیقی معنی میں استعمال کئے گئے ہیں اس طرح حدیث کے اس جزء کا مطلب یہ ہو گا کہ جس شخص نے جماعت میں ایک رکعت بھی پائی تو اس نے امام کے ساتھ پوری نماز کو پایا لہذا اسے نماز باجماعت کا ثواب بھی ملے گا اور جماعت کی فضیلت بھی حاصل ہوگی۔

چالیس روز تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنے والے کے لئے بشارت

⑨ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى لِلَّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُذْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى كَتَبَ لَهُ ثَبَرٌ ثَانٍ تَرَاءَ مِنَ النَّارِ وَثَوَاءٌ مِنَ النَّفَاقِ۔ (ردہ الہوداد)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص چالیس روز تک اللہ تعالیٰ کے لئے جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ وہ تکبیر اولیٰ بھی پائے تو اس کے لئے دو قسم کی نجات لکھی جاتی ہے ایک تو دوزخ سے نجات اور دوسری نفاق سے نجات۔“

(ترمذی)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو مسلسل چالیس روز تک یہ سعادت حاصل ہو جائے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا کی خاطر جماعت سے نماز اس طرح پڑھے کہ اس کی تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو یعنی وہ ابتداء سے نماز میں شریک رہے کہ جب امام تکبیر تحریمہ کہے تو وہ بھی تکبیر کہے یا بعض علماء کے قول کے مطابق زیادہ سے زیادہ امام کے سبحانک اللہم پڑھنے تک جماعت میں شریک ہو جائے تو اس کے لئے بارگاہ رب العزت سے دو چیزوں سے نجات کا پروانہ عنایت فرمایا جاتا ہے ایک تو دوزخ سے کہ اسے انشاء اللہ دوزخ کی آگ دیکھنا نصیب نہیں ہوگی اور دوسرے نفاق سے۔

نفاق سے نجات کا مطلب

نفاق سے نجات کا پروانہ دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مرد مؤمن کو اس بات سے اپنے حفظ و امان میں رکھے گا اس سے منافقوں جیسے عمل سرزد ہوں جیسے نماز میں کسل و سستی اور ریاء جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی وغیرہ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اہل حق اور اہل اخلاص کے سے عمل کرنے کی توفیق دے گا اور آخرت میں اسے اس عذاب سے کہ جس میں منافقین کو مبتلا کیا جائے گا۔ بچائے گا نیز میدان حشر میں اس کے بارے میں یہ گواہی دی جائے گی کہ یہ بندہ منافق نہیں ہے بلکہ بندہ مومن و صاوق ہے اور رحم و کرم کی یہ بارشیں محض اس وجہ سے ہوں گی کہ یہ شخص نماز میں اس قدر پہلے آیا کہ تکبیر اولیٰ میں شریک ہو سکے نیز دل کے پورے خلوص اور انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ نماز میں کھڑے ہو کر اپنے رب کی خوشنودی اور رضامندی کو حاصل کیا۔ حق تعالیٰ ہم سب کو اس سعادت سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین۔

جماعت کی نیت سے مسجد میں جانے والے کو جماعت نہ ملنے کی صورت میں بھی ثواب ملتا ہے

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وَضُوءَهُ ثُمَّ زَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا أَعْظَاهُ اللَّهُ مِثْلَ أَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَ هَذَا لَا يَنْقُضُ ذَلِكَ مِنْ أَجْوَرِهِمْ شَيْئًا۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے وضو کیا اور اچھا (یعنی پورے شرائط و آداب اور حضور دل کے ساتھ) وضو کیا اور پھر (مسجد میں) گیا اور وہاں دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے اس نماز کے برابر ثواب عنایت فرمادیتا ہے جس نے وہاں جماعت میں حاضر ہو کر نماز پڑھی تھی اور اس کا ثواب دینے سے دوسرے (یعنی جماعت میں حاضر ہونے والوں) کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کرتا۔“ (ابوداؤد والنسائی)۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت میں شریک ہونے کی نیت سے مسجد میں آئے اور اتفاق سے اسے جماعت نہ مل سکے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے جماعت میں شریک ہونے والوں کے برابر ہی ثواب عنایت فرماتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ قصد ادب کر کے جماعت میں شریک ہونے سے نہ رہ جائے بلکہ اتفاقاً کسی عذر کی بناء پر اس کی جماعت جاتی رہے اگر کوئی شخص قصد جماعت کے وقت حاضر نہ ہو بلکہ جماعت ہو جانے کے بعد آئے تو اسے یہ ثواب نہیں ملے گا۔

حدیث کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ اسے یہ ثواب ان نمازیوں کے ثواب میں سے جو جماعت میں حاضر تھے کم کر کے نہیں ملے گا کہ جس کی وجہ سے ان کے ثواب میں کمی ہو جائے بلکہ ان نمازیوں کو تو اپنے فضل یعنی جماعت میں شریک ہونے کا بھرپور اجر ملے گا اور اسے جماعت کی نیت اور جماعت کے حاصل کرنے کے غلبہ شوق کی بناء پر ثواب دیا جائے گا۔

جماعت کی فضیلت

⑪ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَقَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَا رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلَيَّ هَذَا

فَيُصَلِّي مَعَهُ فَيَقَامُ رَجُلٌ فَصَلَّى مَعَهُ (رواہ الترمذی و البوہاذی)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز مسجد میں) ایک شخص ایسے وقت پہنچا جب کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھ چکے تھے آپ نے (اس شخص کو دیکھ کر) فرمایا کہ ”کیا کوئی شخص ایسا نہیں جو اسے خدا کی راہ میں دے۔“ چنانچہ ایک شخص (آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) کھڑا ہوا اور اس نے اس شخص کے ساتھ نماز پڑھی۔“ (ترمذیؒ، البوہاذیؒ)

تشریح: بتصدق (خدا کی راہ میں دے) کا مطلب یہ تھا کہ کیا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس شخص کے ساتھ ہیں طور احسان کرے کہ وہ اس کے ساتھ نماز پڑھے تاکہ اسے جماعت کا ثواب حاصل ہو جائے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو نیک راہ بتائے یا اس کے نیک راستہ اختیار کرنے کا باعث بنے تو اسے وہی اجر و ثواب ملے گا جو خدا کی راہ میں بخشش کا ثواب ملتا ہے۔

مولانا مظہرؒ فرماتے ہیں کہ آنے والے شخص کے ساتھ نماز پڑھنے کو صدقہ (خدا کی راہ میں دینے) سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ اس شخص کے ساتھ نماز پڑھنے والے نے اس کو چھبیس گنا زیادہ ثواب صدقہ کیا کیونکہ اگر وہ اس شخص کے ساتھ نماز پڑھتا تو جماعت نہ ہونے اور تمہا نماز پڑھنے کی وجہ سے ایک ہی نماز کا ثواب ملتا اور اس شخص کے باعث جماعت حاصل ہونے کی وجہ سے اسے ستائیس نمازوں کا ثواب ملا۔

الْفَضْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ کے مرض موت میں ابوبکرؓ کی امامت کا واقعہ

(۱۲) عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَقُلْتُ لَا تُحَدِّثْنِي عَنْ مَرَضِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بَلَى ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَصَلَّى النَّاسُ فَقُلْنَا لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَهُمْ يَنْتَظِرُونَكَ فَقَالَ ضَعُوا إِلَيَّ مَاءً فِي الْمِخْصَبِ قَالَتْ فَقَعْنَا فَأَغْتَسَلْ فَذَهَبَ لِيَتَوَضَّعَ فَأَعْمَى عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ أَصَلَّى النَّاسُ فَقُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ ضَعُوا إِلَيَّ مَاءً فِي الْمِخْصَبِ قَالَتْ فَقَعْنَا فَأَغْتَسَلْ ثُمَّ دَهَبَ لِيَتَوَضَّعَ فَأَعْمَى عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ أَصَلَّى النَّاسُ فَقُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَالتَّاسُ عَكُوفٌ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُونَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلَاةِ الْعِشَاءِ الْأَخْرَى فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيَّ ابْنِ بَكْرٍ بِأَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَأَتَاهُ الرَّسُولُ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَقَالَ ابْنُ بَكْرٍ وَكَانَ رَجُلًا رَقِيقًا يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ أَنْتَ أَحَقُّ بِذَلِكَ فَصَلَّى ابْنُ بَكْرٍ تِلْكَ الْآيَاتِ ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ حَقَّةً وَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ وَابْنُ بَكْرٍ لِصَلَاةِ الْعِشَاءِ الْأَخْرَى فَجَلَسَا إِلَى جَنْبِهَا إِلَى جَنْبِ ابْنِ بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ وَقَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَهُ أَلَا أَعْرِضُ عَلَيْكَ مَا حَدَّثَنِي عَائِشَةُ عَنْ مَوْضِعِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَاتِ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَدِيثَهَا فَمَا أَتَكَرَّرَ مِنْهُ شَيْءٌ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ أَسَمَّيْتُ لَكَ الرَّجُلَ الَّذِي كَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلِيٌّ (بخاری علیہ)

”حضرت عبد اللہ ابن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ ”کیا آپ مجھ سے نبی کریم ﷺ کی بیماری کا حال (کہ جس میں آپ آخری مرتبہ نماز پڑھانے کے لئے مسجد تشریف لے گئے تھے) بیان فرمائیں گی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ”ہاں (کیوں نہیں اتو سنو کہ جب) آنحضرت ﷺ زیادہ بیمار ہوئے تو (نماز کے وقت) پوچھا کہ ”کیا

لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟“ ہم نے کہا کہ ”ابھی نہیں یا رسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“ (یہ سن کر آپؐ نے فرمایا کہ ”اچھا) میرے لئے لگن (طشت) میں پانی رکھو۔“ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ”ہم نے لگن میں پانی رکھ دیا“ چنانچہ آپؐ نے غسل کیا اور چاہا کہ کھڑے ہوں مگر ”کنزوری کی وجہ سے آپؐ کو غش آگیا اور بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو پھر فرمایا کہ ”کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟“ ہم نے کہا کہ ”ابھی نہیں، لوگ آپؐ کے منتظر ہیں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا ”لگن میں پانی رکھ۔“ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (جب ہم لگن میں پانی رکھ دیا تو) آپؐ نے غسل فرمایا اور چاہا کہ کھڑے ہوں مگر بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو پھر پوچھا کہ ”کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟“ ہم نے عرض کیا کہ ابھی نہیں لوگ آپؐ کے منتظر ہیں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا ”لگن میں پانی رکھو۔“ (جب ہم نے پانی رکھ دیا تو) آپؐ میٹھے اور غسل کیا اور پھر جب اٹھنا چاہا تو بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو فرمایا کہ ”کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟“ ہم نے عرض کیا کہ ”نہیں لوگ آپؐ (ﷺ) کے منتظر ہیں یا رسول اللہ! اور لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے عشاء کی نماز کے لئے آنحضرت ﷺ کا انتظار کر رہے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے کسی کو (یعنی حضرت بلالؓ کو) حضرت ابوبکرؓ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، چنانچہ قاصد (یعنی حضرت بلالؓ) ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپؐ کے لئے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ آپؐ لوگوں کو نماز پڑھائیں! حضرت ابوبکرؓ ایک نرم دل آدمی تھے (یہ سن کر) حضرت عمرؓ سے کہنے لگے کہ عمرؓ تم ہی لوگوں کو نماز پڑھا دو! کیونکہ میں تو آنحضرت ﷺ کی جگہ کھڑے ہونے کا تحمل نہیں ہو سکتا! لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”اس عظیم مرتبہ کے سب سے زیادہ اہل آپؐ ہیں! چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں میں (یعنی آنحضرت کے ایام مرض میں سترہ نمازیں لوگوں کو پڑھائیں۔“ جب (ایک روز) آنحضرت ﷺ اپنے مرض میں کچھ تخفیف محسوس فرمائی تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر ان میں سے ایک حضرت عباسؓ تھے نماز طہر کے لئے (مسجد میں) تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا، لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں اشارہ کے ذریعہ پیچھے ہٹنے سے منع فرمادیا اور ان دونوں سے (جن کا سہارا لے کر آپؐ مسجد آئے تھے) فرمایا کہ ”مجھے ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھا دو!“ چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھا دیا اور آپؐ میٹھے (نماز پڑھاتے) رہے حضرت عبداللہ (اس حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ میں (حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سن کر) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ کیا میں آپؐ سے وہ حدیث نہ بیان کر دوں جو میں نے حضرت عائشہؓ سے آنحضرت ﷺ کی بیماری کے بارہ میں سنی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ”ہاں بیان کرو! چنانچہ میں نے ان کے سامنے حضرت عائشہؓ کی حدیث بیان کی حضرت ابن عباسؓ نے اس میں سے کسی بات کا انکار نہیں کیا البتہ یہ فرمایا کہ کیا حضرت عائشہؓ نے تم سے اس شخص کا نام بیان کیا ہے جو حضرت عباسؓ کے ساتھ تھے؟ میں نے کہا کہ نہیں ”حضرت ابن عباسؓ“ نے فرمایا کہ وہ حضرت علیؓ تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عائشہؓ نے حضرت عباسؓ کا نام تو لے لیا مگر دوسرے شخص کا نام نہیں لیا جو ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو سہارا دے کر مسجد لے گئے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کے ایک طرف تو حضرت عباسؓ مستقل طور پر آپؐ کو سہارا دیے ہوئے تھے مگر دوسری طرف ایک ہی شخص مقرر نہ تھا بلکہ نوبت بہ نوبت بدلتے جاتے تھے کبھی تو حضرت علیؓ سہارا دیتے کبھی حضرت اسامہؓ یا فضل ابن عباسؓ یہی وجہ ہے کہ ایک دوسری طرف روایت میں حضرت عائشہؓ کے الفاظ کچھ اس طرح منقول ہیں جو بطریق احتمال سب ناموں کو شامل ہیں چنانچہ وہ الفاظ یہ ہیں کہ ”آپؐ (ﷺ) کے دوسری طرف اہل بیت میں سے ایک شخص (سہارا دیے ہوئے) تھے۔“

سورہ فاتحہ نہ پڑھنے سے ادھورا ثواب ملتا ہے

(۱۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ مَنْ أَذْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَذْرَكَ السَّجْدَةَ وَمَنْ فَاتَتْهُ قِرَاءَةُ أَمِ الْقُرْآنِ فَقَدْ فَاتَتْهُ خَيْرٌ

کثیر۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے جس نے رکوع پایا اسے پوری رکعت مل گئی اور جو شخص سورہ فاتحہ پڑھنے سے رہ گیا وہ بہت سارے ثواب سے (بھی محروم) رہ گیا۔“ (مالک)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس نے نماز میں سورہ فاتحہ پڑھی تو چونکہ وہ اس وجہ سے بہت زیادہ ثواب سے محروم رہ گیا اس لئے اس کی نماز کا ثواب ناقص ہے۔

اس حدیث سے بین طریقہ پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے کیونکہ اگر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی وجہ سے کمی و نقصان نہیں ہوتا بلکہ نماز نہ ہونے کی وجہ سے سرے سے ثواب ملنا ہی نہیں۔

امام پر پہل کرنے کی وعید

(۱۳) وَعَنْهُ أَنَّكَ قَالَ الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيُخْفِضُهُ قَبْلَ الْإِمَامِ فَإِنَّهُ نَافِثٌ بِبَدَنِ الشَّيْطَانِ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ (یہ بھی) فرماتے تھے کہ ”جو شخص (رکوع و سجود میں) اپنے سر کو امام سے پہلے اٹھائے یا جھکائے تو (سمجھو کہ) اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔“ (مالک)

بَابُ مَنْ صَلَّى صَلَوةً مَرَّتَيْنِ

دو مرتبہ نماز پڑھنے والے شخص کا بیان

اگر کوئی شخص ایک ہی نماز دو مرتبہ خواہ حقیقہ خواہ صورۃ پڑھتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا دونوں مرتبہ کی نمازیں ایک ہی قسم سے ادا ہوں گی یا ان کی حیثیت میں فرق ہو جائے گا؟ یعنی دونوں مرتبہ فرض ادا ہوں گے یا ایک مرتبہ فرض اور دوسری مرتبہ نفل؟ یہی باتیں بتانے کے لئے یہ باب قائم کیا گیا ہے اور انہیں مضامین پر مشتمل احادیث اس باب کے تحت نقل کی جائیں گی۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

حضرت معاذؓ کے دو مرتبہ نماز پڑھنے کی حقیقت

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ۔ (مسند علیہ)

”حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ (پہلے تو نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے تھے اور پھر اپنی قوم کے پاس آکر انہیں نماز پڑھاتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت معاذ بن جبلؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ عشاء کی سنتیں یا نفل آنحضرت ﷺ کے ہمراہ پڑھتے تھے تاکہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ اور مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے کی فضیلت و محلات حاصل ہو جائے اور آنحضرت ﷺ سے نماز پڑھنے کا طریقہ بھی معلوم ہو جائے پھر وہاں سے اپنی قوم میں آکر لوگوں کو فرض نماز پڑھایا کرتے تھے۔

② وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى قَوْمِهِ فَيُصَلِّي بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِيَ لَهُ نَافِلَةٌ۔ (رواہ ابوداؤد و البخاری)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ عشاء کی نماز (پہلے تو نبی کریم ﷺ کے ہمراہ پڑھتے تھے پھر اپنی قوم میں آتے اور ان کو

عشاء کی نماز پڑھاتے اور وہ ان کے لئے نفل ہوتی۔“

تشریح: حضرت معاذؓ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ پہلے تو عشاء کی نماز پڑھتے وقت عشاء کی سنت کی نیت کرتے ہوں گے یا نفل نماز کی نیت کر لیتے ہوں گے پھر اپنی قوم کے پاس آکر ان کی امامت کرتے اور اس وقت فرض نماز پڑھتے تھے۔

حدیث کے آخری الفاظ وَهِيَ لَنَا فَلَہُ کا مطلب سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ دوسرے نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ ایک شخص نے اپنے مکان میں تنہا یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اس کے بعد مسجد آیا تو دیکھا کہ وہاں اسی نماز کی جماعت ہو رہی ہے جو پہلے پڑھ چکا ہے۔ وہ مسجد میں جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے جماعت میں شریک ہو کر دوبارہ نماز پڑھ لیتا ہے اس صورت میں فرض نماز کی ادائیگی چونکہ پہلے ہو چکی ہے اس لئے یہ جماعت کی نماز اس کے لئے نفل ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کسی مسجد کا امام ہے وہ اپنی مسجد میں نماز پڑھانے سے پہلے کسی خاص موقع پر یا کسی خاص شخص کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے یہ نیت نفل نماز پڑھ لیتا ہے پھر اس کے بعد اپنی مسجد میں آکر لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے ایسی صورت میں بعد کی نماز فرض اور ہوگی اور پہلی نماز نفل ہو جائے گی۔

اس تفصیل کو سمجھنے کے بعد اس جملہ کا مطلب آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے اور یہ کہ وہ دوسری نماز جو جماعت کے ساتھ فرض یا نفل ادا ہوتی ہے یا پہلی نماز دو مرتبہ پڑھنے والے کے حق میں نافلہ یعنی خیر و بھلائی کی زیادتی اور ثواب کی کثرت کا باعث ہوتی ہے۔

جن لوگوں نے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ”وہ دوسری نماز جو حضرت معاذؓ قوم کے ہمراہ پڑھتے تھے حضرت معاذؓ کی نفل نماز اور ان کی قوم کی عشاء کی فرض نماز ہوتی تھی۔“ حقیقت سے دور ہے کیونکہ یہ بات تو اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب کی اس مطلب کو بیان کرنے والے حضرت معاذؓ کا کوئی ایسا قول بھی پیش کریں جس میں حضرت معاذؓ خود یہ بتائیں کہ ان کی نیت دونوں مرتبہ کیا ہوتی تھی کیونکہ نیت کی حقیقت تو اس وقت تک معلوم نہیں ہوتی جب تک کی نیت کرنے والا اپنی نیت کے بارے میں خود نہ بتائے کہ اس کی نیت کیا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت معاذؓ نماز پڑھتے وقت نیت دل میں کرتے ہوں گے زبان سے اظہار نہیں کرتے ہوں گے جیسا کہ ابن ہمامؒ نے نقل کیا ہے کہ زبان سے نیت کرنا بدعت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ زبان سے نیت کرتے تھے پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہ جملہ ”وہی نافلہ“ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ اضافہ ہے جو صحیح روایتوں میں موجود نہیں ہے چنانچہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے اپنے اجتہاد و مسلک کے مطابق اس کا اضافہ کیا ہے پھر یہ مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں یہ جگہ خالی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولف مشکوٰۃ نے سنن کے کسی بھی طریق سے یہ جملہ نہیں پایا۔

علامہ توریشینیؒ فرماتے ہیں کہ ”علماء حدیث کا یہ قول ہے کہ ”وہی لَنَا فَلَہُ“ حدیث جابرؓ میں غیر محفوظ ہے۔

نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا جو اختلاف ہے اسے پوری وضاحت کے ساتھ مظاہر حق جدید کی قسط ۹ میں ”باب القراءۃ فی الصلوٰۃ“ کی حدیث نمبر ۱ کی تشریح کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔

الفصل الثانی

جماعت کے ساتھ دوبارے نماز پڑھنے کا حکم

(۳) عَنْ یَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجَتَهُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ وَأَنْحَرَفَ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِي أَحْوَرِ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَهُ قَالَ عَلَيَّ بِهِمَا فَجِئَا بِهِمَا تَرَعَدُ فَوَائِصُهُمَا فَقَالَ مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا فَقَالَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ كُنَّا قَدْ صَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا قَالَ فَلَا تَفْعَلَا إِذَا

صَلَّيْنَا فِي رَحَالِكُمْ أَمَّا مَسْجِدُ جَمَاعَةٍ فَصَلَّيْنَا مَعَهُمْ فَإِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ۔ (رواہ الترمذی و البیہقی و ابوداؤد و النسائی)

”حضرت یزید ابن اسودؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ حج (حجۃ الوداع) میں شریک تھا چنانچہ (اس موقع پر ایک دن میں نے آپ ﷺ کے ہمراہ مسجد خیف میں صبح کی نماز پڑھی جب آپ ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دو شخص جماعت کے آخر میں بیٹھے ہوئے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی آنحضرت ﷺ نے (انہیں دیکھ کر لوگوں سے) فرمایا کہ ”ان دونوں کو میرے پاس لاؤ“ وہ دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس حال میں حاضر کئے گئے کہ (آنحضرت ﷺ کی بیعت کی وجہ سے) ان کے مونڈھوں کا گوشت تھر تھرا تھا آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روک دیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے مکان میں نماز پڑھ چکے تھے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”آئندہ ایسا نہ کرنا، اگر تم اپنے مکان میں نماز پڑھ چکے ہو اور اس مسجد میں آؤ جہاں جماعت ہو رہی ہو تو لوگوں کے ساتھ (بھی) نماز پڑھ لو، یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔“

(ابوداؤد، نسائی)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آخر میں پڑھی جانے والی نماز نفل ہو جائے گی خواہ پہلی نماز جماعت سے پڑھی ہو یا تنہا پڑھی ہو۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

④ عَنْ بُسْرِ بْنِ مَخْجَنٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ فِي مَجْلِسٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذِنَ بِالصَّلَاةِ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى وَرَجَعَ وَمَخْجَنٌ فِي مَجْلِسِهِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ أَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ فَقَالَ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلَكِنِّي كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِي أَهْلِي فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جِئْتَ الْمَسْجِدَ وَكُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ فَأَقِمْتَ الصَّلَاةَ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ وَإِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ۔ (رواہ مالک و النسائی)

”حضرت بسر ابن مخجنؓ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ان کے والد محترم حضرت مخجنؓ) ایک مجلس میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ نماز کیلئے اذان ہو گئی چنانچہ آنحضرت ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے نماز پڑھ کر جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو دیکھا مخجنؓ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تمہیں کس چیز نے روک دیا تھا کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہاں میں مسلمان ہوں لیکن (بات یہ ہوئی کہ) میں اپنے گھر والوں کے ساتھ نماز پڑھ چکا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تم مسجد میں آؤ اور نماز (اپنے گھر میں) پڑھ چکے ہو اور مسجد میں جماعت کھڑی ہو تو لوگوں کے ساتھ (دوبارہ) نماز پڑھ لو اگرچہ تم نماز پڑھ چکے ہو۔“ (مالک، نسائی)

دوبارہ نماز پڑھنا باعث ثواب ہے

⑤ وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ بْنِ خُرَيْمَةَ أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ يُصَلِّي أَحَدُنَا فِي مَنْزِلِهِ الصَّلَاةَ ثُمَّ يَأْتِي الْمَسْجِدَ وَتَقَامُ الصَّلَاةُ فَاصْلِي مَعَهُمْ فَأَجِدُ فِي نَفْسِي شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَقَالَ أَبُو أَيُّوبَ سَأَلْتَا عَنْ ذَلِكَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَبِذَلِكَ لَهُ سَهْمٌ جَمْعٌ۔ (رواہ مالک و ابوداؤد)

”اور قبیلہ اسد ابن خزیمہ کے ایک شخص کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے حضرت ابویوب انصاریؓ سے پوچھا کہ ”ہم میں سے کوئی شخص (اپنے گھر میں) نماز پڑھ لیتا ہے پھر وہ مسجد میں آتا ہے اور (دیکھتا ہے کہ) وہاں نماز پڑھی جا رہی ہے تو کیا میں نے ان کے ساتھ (دوبارہ)

نماز پڑھ لوں؟ میں اپنے دل میں ایک کھٹک محسوس کرتا ہوں (یعنی میرے دل میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا دوبارہ نماز پڑھنا میرے لئے بہتر ہے یا نہیں؟) حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ ”میں نے (بھی اس مسئلہ کو) آنحضرت ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”یہ (دوبارہ نماز پڑھنا) اس کے لئے جماعت کا نصیب ہے۔“ (مالک، ابوداؤد)

تشریح: فلذلک لہ سهم جمع کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ مکان میں فرض نماز پڑھ لینے کے بعد پھر دوبارہ مسجد میں جماعت کے ساتھ وہی نماز پڑھتا ہے تو اس کے حق میں سراسر سعادت کی بات ہے کیونکہ اس طرح اسے جماعت کی فضیلت اور اس کا ثواب ہاتھ لگتا ہے لہذا اس سلسلہ میں دل کے اندر کوئی وسوسہ و شبہ پیدا نہ کرنا چاہئے۔

دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم

④ وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ جِئْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَجَلَسْتُ وَلَمْ أَذْخُلْ مَعَهُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ جَالِسًا فَقَالَ أَلَمْ تُسَلِّمْ يَا يَزِيدُ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ أَسْلَمْتُ قَالَ وَمَا مَنَعَكَ أَنْ تَدْخُلَ مَعَ النَّاسِ فِي صَلَاتِهِمْ قَالَ إِنِّي كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِي مَنْزِلِي أَحْسَبُ أَنْ قَدْ صَلَّيْتُ فَقَالَ إِذَا جِئْتَ الصَّلَاةَ فَوَجَدْتَ النَّاسَ يُصَلُّونَ فَصَلِّ مَعَهُمْ وَإِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ تَكُنْ لَكَ نَافِلَةٌ وَهَذِهِ مَكْتُوبَةٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت یزید ابن عامرؓ فرماتے ہیں (ایک روز) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ اس وقت (لوگوں کے ہمراہ) نماز پڑھ رہے تھے میں (ایک طرف) بیٹھ گیا اور ان لوگوں کے ساتھ جماعت میں شامل نہیں ہوا جب آنحضرت ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے اور مجھے (ایک طرف) بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ ”یزید کیا تم مسلمان نہیں ہو کہ نماز نہیں پڑھی؟ میں نے عرض کیا ”ہاں رسول اللہ! بیشک میں مسلمان ہوں!“ آپؐ نے فرمایا تو پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہونے سے تمہیں کس چیز نے روک دیا تھا؟ میں نے عرض میں اپنے مکان میں نماز پڑھ چکا تھا اور (اب آتے وقت) یہ خیال تھا کہ آپ (ﷺ) بھی نماز سے فارغ ہو چکے ہوں گے پھر فرمایا۔ ”جب تم نماز کو آؤ اور لوگوں کو (نماز پڑھتے ہوئے) پایا تو تم بھی ان کے ہمراہ نماز میں شامل ہو جاؤ اگرچہ تم (پہلے وہ) نماز پڑھ چکے ہو اور یہ (دوسری مرتبہ) کی نماز تمہارے لئے نفل جو جائے گی اور وہ (پہلی نماز) فرض ادا ہو گئی۔“ (ابوداؤد)

⑤ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ فَقَالَ إِنِّي أَصَلَّيْتُ فِي بَيْتِي ثُمَّ أَذْرُكَ الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الْإِمَامِ أَفَأَصَلِّي مَعَهُ قَالَ لَهُ نَعَمْ قَالَ الرَّجُلُ أَيَنْتَهَمَا أَجْعَلُ صَلَاتِي قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَذَلِكَ إِلَيْكَ إِنَّمَا ذَلِكَ إِلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ يَجْعَلُ أَيَنْتَهَمَا شَاءَ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا ”میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہوں پھر مسجد میں (ایسے وقت پہنچتا ہوں کہ) لوگ امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے ہیں تو کیا میں بھی اس امام کے پیچھے نماز پڑھوں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”ہاں! پھر اس شخص نے پوچھا کہ (ان میں سے) اپنی (فرض) نماز کے قرار دوں؟ (پہلی یا دوسری کو) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا (کیا یہ تمہارا کام ہے؟) یعنی ان میں سے کسی ایک کو فرض نماز مقرر کرنا تمہارا کام نہیں ہے) یہ تو اللہ بزرگ و برتر کے اختیار میں ہے کہ وہ جسے چاہے تمہاری (فرض) نماز قرار دے۔“ (مالک)

تشریح: یہ حدیث بعض شوافع اور غزالیؒ کے اس قول کی تائید کرتی ہے کہ ان دونوں نمازوں میں ایک نماز بلا تعین فرض ادا ہوتی ہے خواہ پہلی نماز ہو یا دوسری۔

لیکن اکثر احادیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں میں پہلی نماز فرض ادا ہوتی ہے اور دوسری نماز نفل ہو جاتی ہے

اور یہی بات قرن قیاس بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ کوئی شخص کسی ایسے کام کو جو اس کے لئے ایک وقت میں ایک مرتبہ کرنا ضروری ہو اگر دو مرتبہ کرے تو ظاہر ہے کہ وہ بری الذمہ پہلی مرتبہ ہوتا ہے نہ کہ دوسری مرتبہ، اسی طرح نماز فرض کی ادائیگی پہلی مرتبہ ہوتی ہے اور دوسری مرتبہ کی نماز اس کے حق میں نفل کی صورت میں فضیلت و سعادت کا سرمایہ بن جاتی ہے۔

ایک نماز کو دوبارہ نہ پڑھنے کا حکم

⑧ وَعَنْ سُلَيْمَانَ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ أَتَيْنَا ابْنَ عُمَرَ عَلَى الْبَلَاطِ وَهُمْ يُصَلُّونَ فَقُلْتُ أَلَا تَصَلُّونَ مَعَهُمْ قَالَ قَدْ صَلَّيْتُ وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَصَلُّوا صَلَاةً فِي يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی)

”اور اُم المؤمنین حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت سلیمانؓ فرماتے ہیں کہ ”ایک روز ہم حضرت ابن عمرؓ کے پاس مقام بلاط میں آئے لوگ اس وقت (مسجد میں) نماز پڑھ رہے تھے میں نے ابن عمرؓ سے عرض کیا کہ آپ لوگوں کے ہمراہ نماز نہیں پڑھتے؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ”میں نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”ہم ایک دن (یعنی ایک وقت میں) ایک نماز دو مرتبہ نہ پڑھو۔“ (ابوداؤد، نسائی، احمد)

تشریح: ”بلاط“ مدینہ منورہ میں ایک جگہ کا نام ہے جسے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد سے باہر اس مقصد کے لئے بنایا تھا کہ لوگوں کو باتیں وغیرہ کرنی ہوں تو مسجد سے باہر اس جگہ کیا کریں اور مسجد میں دنیاوی امور پر مشتمل بات چیت نہ ہو۔“

دوبارہ نماز پڑھنے کے حکم کی تطبیق گزشتہ احادیث سے

بظاہر یہ حدیث گزشتہ احادیث سے متعارض نظر آتی ہے جو ایک نماز کو دوبارہ پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں لہذا اس حدیث کے حکم و گزشتہ احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ دراصل اس حدیث کے حکم کا تعلق اس شخص سے ہے جو پہلی مرتبہ جماعت سے نماز پڑھ چکا ہو اور گزشتہ احادیث کا تعلق اس شخص سے ہے جس نے پہلی

مرتبہ نماز جماعت سے نہیں بلکہ تنہا پڑھی ہو جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ یا۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دوسری مرتبہ نماز بطریق فرضیت نہ پڑھو یعنی دوسری نماز اگر نفل جان کر اور نفل کی نیت سے پڑھو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس وضاحت کی روشنی میں حضرت ابن عمرؓ کے الفاظ قد صلیت (میں نماز پڑھ چکا ہوں) کی یہ تشریح کی جائے گی کہ حضرت ابن عمرؓ شاید جماعت سے نماز پڑھ چکے ہوں گے اس لئے وہ دوبارہ نماز میں شریک نہیں ہوئے یا یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے۔ وہ فجر یا عصر و مغرب کا وقت ہو گا۔ کہ ان اوقات میں دوبارہ نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

آخر میں اتنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ اس سلسلہ میں اکثر حدیثیں عام ہیں یعنی ان احادیث سے بظاہر معلوم یہی ہوتا ہے کہ یہ حکم کہ اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ کر مسجد میں آئے اور وہاں جماعت ہو رہی ہو تو وہ جماعت میں شریک ہو جائے اور دوبارہ نماز پڑھ لے تمام اوقات کی نمازوں سے متعلق ہے لیکن مجتہدین اور علماء نے ان احادیث پر بھی نظر رکھی ہے جن سے بعض اوقات میں دوبارہ نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا گیا ہے لہذا ان احادیث کے پیش نظر انہوں نے ان اوقات کو متعین کر دیا ہے جن میں دوبارہ نماز پڑھ لینی چاہئے اور ان اوقات کو بھی مختص کر دیا ہے جن میں دوبارہ نماز نہ پڑھنی چاہئے چنانچہ اگلی حدیث میں تخصیص مذکور ہے۔

وہ اوقات جن میں دوبارہ نماز پڑھنا ممنوع ہے

⑨ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ مَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ أَوْ الصُّبْحَ ثُمَّ أَذَى كُهُمَا مَعَ الْأَمَامِ فَلَا يَنْفَعُ لَهُمَا۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت تافع“ راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے مغرب یا فجر کی نماز (تہما) پڑھ لی اور پھر ان نمازوں کو امام کے ساتھ پایا (یعنی جہاں جماعت ہو رہی تھی وہاں پہنچ گیا) تو وہ ان کو دوبارہ نہ پڑھے۔ ”(الکافی)“

تشریح: یہ حدیث حضرت امامؑ کے مسلک کی تائید کرتی ہے کیونکہ ان کے یہاں صرف مغرب اور فجر کی نمازوں کا اعادہ ممنوع ہے مگر حنفیہ کے یہاں عصر کی نماز بھی اس حکم میں ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تمام نمازوں میں اعادہ ہو سکتا ہے اس حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا حکم اس شخص کے بارہ میں ہے جس نے پہلی مرتبہ جماعت سے نہیں بلکہ تنہا پڑھی ہو لہذا پہلی مرتبہ جماعت سے نماز پڑھ لینے کی شکل میں تو بطریق اولیٰ دوبارہ نماز پڑھنی چاہئے۔

بَابُ السَّنَنِ وَفَضَائِلِهَا سنتوں اور اس کی فضیلتوں کا بیان

شریعت اسلامی میں نماز چونکہ سب سے عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے نیز دوسری عبادتوں کے مقابلہ میں اس کی بڑی اہمیت اور خداوند قدوس کی بارگاہ میں سب سے زیادہ محبوب ہے اس لئے اس عبادت میں جتنی زیادہ کثرت اور زیادتی اختیار کی جاتی ہے اسی قدر نہ صرف یہ کہ بندہ کی سعادت و بھلائی بے پناہ رخصتیں اور عروج پائی ہیں بلکہ وہ اپنی پوری پوری عبودیت اور خداوند عالم کی حاکمیت و کبریائی کا اظہار بھی کرتا ہے۔

ایسی وجہ ہے کہ شریعت میں دوسری عبادتوں کو جہاں صرف فرائض تک محدود رکھا ہے وہاں اس عبادت کو فرائض و واجبات کے علاوہ سنتوں سے بھی نوازا ہے چنانچہ ہر فرض نماز کے ساتھ کچھ سنتیں بھی مقرر کی گئی ہیں تاکہ نہ صرف یہ کہ وہ فرض کے ساتھ آسانی سے ادا ہو جائیں بلکہ فرض نماز کی ادائیگی میں جو نقصان و کوتاہی واقع ہوگی ہو وہ پوری ہو جائے۔

سنتیں یعنی وہ نماز جو دن و رات میں فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

- ① رواتب یہ وہ سنت نمازیں کہلاتی ہیں جن پر آنحضرت ﷺ نے مداومت اختیار فرمائی۔
 - ② غیر رواتب یہ وہ سنت نمازیں کہلاتی ہیں جن پر آنحضرت ﷺ نے مداومت اختیار نہیں فرمائی جیسے عصر کے وقت کی سنتیں۔
- سنتیں پڑھنے کا بھی وہی طریقہ ہے جو فرض نماز پڑھنے کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ فرض نماز کی صرف دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت بھی پڑھنے کا حکم ہے اور سنت نماز کی سب رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت بھی پڑھی جاتی ہے اور سنت نماز کی رکعتوں میں جو سورتیں پڑھی جاتی ہیں ان کا برابر نہ ہونا خلاف سنت نہیں ہے نیز سنت نمازیں دن میں دو رکعت تک اور رات میں چار رکعت تک ایک ہی سلام سے پڑھی جاسکتی ہیں مگر دو رکعت کے بعد التحیات پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔ (اعلم اللہ)
- یہ بات بھی جان لیجئے کہ سنت نفل تطوع، مندوب، مستحب، مرغوب، فہ اور حسن یہ تمام الفاظ مترادف ہیں ان سب کے معنی ایک ہی ہیں۔ یعنی وہ نماز جس کے پڑھنے کو شارع نے نہ پڑھنے پر ترجیح دی ہے اگرچہ ان نمازوں میں بعض ایسی ہیں جو دوسرے بعض کے مقابلہ میں سنت مؤکدہ ہیں۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

سنتوں کی تعداد اور ان کی پڑھنے کی فضیلت

(۱) عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُبَيِّنُ لَهُ يَسْتُ

فِي الْجَنَّةِ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكَعَتَيْنِ بَعْدَ هَاوٍ وَرَكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكَعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ (رواه الترمذی) وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ أَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّيَ لِلَّهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيضَةٍ إِلَّا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ أَوْ إِلَّا بَنَى لَهُ نَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔

”حضرت ام حبیبہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص دن و رات میں بارہ رکعتیں نماز پڑھے تو اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے (اور وہ بارہ رکعتیں یہ ہیں) چار رکعت ظہر کی فرض نماز سے پہلے اور دو رکعت اس کے بعد، دو رکعت مغرب (کی فرض نماز) کے بعد، دو رکعت عشاء (کی فرض نماز) کے بعد اور دو رکعت فجر کی (فرض) نماز سے پہلے۔“ (ترمذی)

”اور مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ام حبیبہؓ نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بندہ مسلمان ہر دن میں اللہ جل شانہ کے لئے فرض نمازوں کے علاوہ بارہ رکعتیں (سنت) پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔“

تشریح: حدیث میں دن و رات کی سنتوں کی جو تعداد مذکورہ تفصیل کے ساتھ بتائی گئی ہے وہ تمام سنتیں مؤکدہ ہیں اور فجر کی دونوں سنت رکعتیں سب سے زیادہ مؤکدہ ہیں حتیٰ کہ حضرت امام حسن بصریؒ اور بعض حنفیہ حضرات نے ان کو واجب تک کہا ہے امام حسنؒ نے تو مغرب کی دونوں سنتوں کو بھی واجب کہا ہے لیکن اس حدیث کے پیش نظر ان کے قول کی تردید کی گئی ہے کہ وہ واجب نہیں بلکہ سنت ہیں۔

(۲) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكَعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكَعَتَيْنِ بَعْدَ هَاوٍ وَرَكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ وَرَكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ قَالَ وَحَدَّثَنِي حَفْصَةُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي رَكَعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ۔ (بخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ظہر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں، اس کے بعد دو رکعتیں اور آپ ﷺ کے گھر یعنی حضرت حفصہؓ جو ابن عمرؓ کی بہن تھیں کے حجرہ میں مغرب (کی فرض نماز) کے بعد دو رکعتیں پڑھی ہیں نیز حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت حفصہؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ دو ہلکی رکعتیں اس وقت پڑھا کرتے تھے جب فجر طوع ہوتی تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت ابن عمرؓ نے ظہر سے پہلے کی سنتوں کے لئے ”رکعتیں“ کا استعمال فرمایا ہے جس کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں لیکن اہل علم کا قول ہے کہ تشبیہ (دو جمع چار) کے منافی نہیں ہے یعنی اگر یہاں ”رکعتیں“ کے معنی بجائے دو رکعت کے چار رکعت مراد لئے جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اس توجیہ کے ذریعہ اس حدیث میں اور اس حدیث میں کہ جس سے ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت سنتیں ثابت ہوتی ہیں تطبیق ہو جاتی ہیں۔ (ملاحظہ ہو)

حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کی مستدل ہے کیونکہ ان کے نزدیک ظہر کی نماز فرض سے پہلے سنت دو رکعتیں مگر حنفیہ کے نزدیک چار رکعتیں ہیں حنفیہ مسلک کی مستدل بھی بہت سی احادیث مروی ہیں جو حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ وغیرہ سے منقول ہیں نیز حضرت امام ترمذیؒ نے حنفیہ مسلک کے حق میں فرمایا ہے کہ اسی مسلک پر حضرات صحابہؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ میں سے اکثر اہل علم کا عمل ہے اور یہی قول سفیان ثوریؒ، ابن السبارکؒ اور اسحاقؒ کا بھی ہے نیز حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا قول بھی چار رکعتوں ہی کے بارہ میں منقول ہے لیکن اس طرح کہ چار رکعتیں دو سلام کے ساتھ پڑھی جائیں حضرت

ابن عمرؓ کے اس ارشاد کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر کی چار رکعت سنتیں گھر میں پڑھا کرتے تھے لہذا ازواج مطہرات نے چار رکعتوں ہی کے بارے میں ذکر کیا اور جب آپ ﷺ فرض نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تو وہاں تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھتے تھے اس لئے تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کو حضرت ابن عمرؓ نے ظہر کی سنتیں سمجھ کر فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کے ہمراہ ظہر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعت سنت پڑھی ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نے یہاں ظہر، مغرب، اور عشاء کی سنتوں کا تذکرہ کیا ہے فجر کی سنتوں کا تذکرہ نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صبح کے وقت آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز نہیں پڑھتے تھے اس لئے فجر کی سنتیں خود ذکر نہیں کیں بلکہ حضرت حفصہؓ کی روایت کر دی تاکہ ان نمازوں کے ساتھ فجر کی سنتیں بھی معلوم ہو جائیں۔

جمعہ کی سنتیں

(۳) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ (گھر میں) واپس تشریف لاتے اور مکان میں دو رکعتیں پڑھتے۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں رکعتیں سے جمعہ کی سنتیں مراد ہیں چنانچہ ایک قول کے مطابق حضرت امام شافعیؒ کا عمل اس حدیث پر ہے کہ جمعہ کی سنت ظہر ہی کی سنت کی طرح یعنی دو رکعتیں ہیں دیگر صحیح احادیث میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جمعہ کی نماز سے پہلے بھی اور جمعہ کی نماز کے بعد بھی چار چار رکعت سنتیں پڑھتے تھے چنانچہ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ کے بعد چھ رکعتیں سنت پڑھنی چاہئیں۔

جیسا کہ پہلے کسی موقع پر بتایا جا چکا ہے کہ نوافل نماز گھر میں پڑھنی افضل ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ جمعہ کے بعد کی سنتیں گھر ہی پڑھا کرتے تھے۔

آنحضرت کے نوافل کی تعداد

(۴) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهِ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّي فِي بَيْتِهِ قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّي بِالنَّاسِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَدْخُلُ بَيْتَهُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ فِيهِنَّ الْوُتُو وَكَانَ يُصَلِّي لَيْلًا طَوِيلًا قَائِمًا وَلَيْلًا طَوِيلًا قَائِمًا وَكَانَ إِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَكَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ زَوَاهُ مُسْلِمٌ وَزَادَ أَبُو ذَاوُدَ ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّي بِالنَّاسِ صَلَاةَ الْفَجْرِ۔

”اور حضرت عبداللہ ابن شقیقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نبی کریم ﷺ کی نفل نمازوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ”آنحضرت ﷺ پہلے میرے گھر میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھتے پھر (مسجد) تشریف لے جاتے (اور وہاں) لوگوں کے ہمراہ (ظہر کی فرض) نماز پڑھتے پھر آپ ﷺ (گھر میں) تشریف لاتے اور دو رکعتیں نماز پڑھتے۔ (اسی طرح) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز لوگوں کے ہمراہ (مسجد میں) ادا فرماتے اور پھر (گھر میں) تشریف لا کر دو رکعتیں نماز پڑھتے۔ نیز آپ ﷺ عشاء کی نماز لوگوں کے ہمراہ (مسجد میں) پڑھتے اور پھر میرے گھر تشریف لا کر دو رکعتیں نماز پڑھتے اور آپ ﷺ رات میں (تہجد کی نماز) (کئی) نور رکعت پڑھا کرتے تھے ان میں وتر (کی نماز بھی) شامل ہوتی اور رات میں دیر تک کھڑے ہو کر اور دیر تک بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے اور جس وقت آپ ﷺ

کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تو کھڑے ہی کھڑے رکوع و سجود میں چلے جایا کرتے تھے اور جب بیٹھ کر نماز پڑھتے تو بیٹھے ہی ہوئے رکوع و سجود میں جایا کرتے تھے اور جب صبح صادق ہوتی تو دو رکعت فجر کی سنت پڑھ لیتے تھے۔ ”(مسلم) ابو داؤد نے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ ”(فجر کی دو سنتیں پڑھ کر پھر آپ ﷺ (مسجد شریف لے جاتے اور وہاں لوگوں کے ہمراہ فجر کی فرض نماز ادا فرماتے۔“

تشریح: یہ حدیث اس بات کی صریحی طور پر دلیل ہے کہ سنتیں گھر میں ہی پڑھنا افضل ہیں ”فَبَيْنَهُمُ الْوُثُو“ کا مطلب یہ ہے ”جب آنحضرت ﷺ تہجد کی نماز ادا فرماتے تو اس کے ساتھ وتر بھی تین رکعت (جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے) یا ایک رکعت (جیسا دیگر ائمہ کا مسلک ہے) پڑھ لیا کرتے تھے۔“

رات میں آنحضرت ﷺ کی نماز پڑھنے کے سلسلہ میں مختلف روایتیں منقول ہیں کہ کبھی رکعتیں پڑھتے کبھی آٹھ اور کبھی نو اسی طرح کبھی دس کبھی گیارہ اور کبھی تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

ذِکْرُ وَ مَسْجِدٌ وَ هُوَ قَائِمٌ کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت آپ ﷺ تہجد کی نماز کھڑے ہو کر پڑھا کرتے تھے تو آپ حالت قیام ہی سے رکوع و سجود میں جایا کرتے تھے یہ نہیں ہوتا تھا کہ قرأت تو کھڑے ہو کر کرتے ہوں اور رکوع و سجود بیٹھ کر کرتے ہوں اسی طرح جب آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے تو رکوع و سجود بھی بیٹھے ہی کرتے تھے تاہم اس صورت کے بارہ میں یہ بھی منقول ہے کہ آپ رکوع و سجود میں کھڑے ہو کر جایا کرتے تھے یعنی قرأت تو بیٹھ کر کرتے پھر کھڑے ہوتے اور تھوڑی سی قرأت کر کے تب رکوع و سجود میں جاتے تھے۔ بہر حال تمام احادیث کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ تہجد کی نماز تین طرح سے پڑھتے تھے۔

① پوری نماز کھڑے ہو کر پڑھتے تھے۔

② پوری نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

③ قرأت بیٹھ کر کرتے پھر کھڑے ہوتے اور رکوع و سجود میں جاتے۔

اس تیسری صورت کا عکس نہیں فرماتے تھے۔ یعنی اس طرح نماز نہیں پڑھتے تھے کہ قرأت تو کھڑے ہو کر کرتے ہوں اور پھر بیٹھ کر رکوع و سجود میں جاتے ہوں جیسا کہ یہ حدیث اس کی نفی کر رہی ہے۔

فجر کی سنتوں کی تاکید

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مِنَ التَّوَاتُلِ أَشَدَّ تَعَاهُداً مِنْهُ عَلَى رَكْعَتِي الْفَجْرِ۔ (بخاری)

”اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے تواتل کے پڑھنے میں کسی کی ایسی محافظت اور مداومت نہیں فرماتے تھے جیسی کہ فجر کی (سنت کی) دو رکعت کے پڑھنے پر مداومت اور محافظت فرماتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ فجر اس کی سنتیں اتنی زیادہ اہم اور مؤکدہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ کسی بھی حال میں خواہ سفر میں ہوتے یا حضر میں انہیں پڑھنا نہیں چھوڑتے تھے۔

فجر کی سنتوں کی اہمیت و عظمت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ بغیر کسی عذر کے فجر کی سنتوں کو بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں ہے۔

فجر کی سنتوں کی فضیلت

⑥ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔ (رواہ مسلم)

”اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا فجر کی سنتوں کی دو رکعتیں دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ بہتر ہے۔“ (اسلم)

تشریح: فجر کی سنتوں کو دنیا اور دنیا کی چیزوں پر یہ فضیلت اس صورت میں دی گئی ہے کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دی جائیں تب بھی فجر کی سنتیں ہی افضل ہوں گی کیونکہ دنیا کی چیزوں میں نکل کرنے اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے میں اچھائی کب ہے کہ فجر کی سنتوں کو ان سے افضل کہا جاتا۔

علماء نے لکھا ہے کہ سب سے زیادہ مؤکدہ سنتیں فجر کی ہیں اس کے بعد مغرب کی سنتیں اور اس کے بعد ظہر کی فرض نماز کے بعد کی سنتیں اس کے بعد عشاء کی فرض نماز کے بعد کی سنتیں اور پھر سب کے بعد ظہر کی فرض نماز سے پہلے کی سنتیں۔

مغرب کی فرض نماز سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا حکم

④ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا قَبْلَ صَلَوةِ الْمَغْرِبِ وَكَعَتَيْنِ صَلُّوا قَبْلَ صَلَوةِ الْمَغْرِبِ وَكَعَتَيْنِ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَثْرَاهُ أَوْ نَقْصُوهَا النَّاسُ مُتَّفَقٌ (بخاری علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن مغفلؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”مغرب کی فرض نماز سے پہلے (دو رکعتیں) نماز پڑھو (آپ نے یہ الفاظ دو مرتبہ فرمائے اور پھر ابوجہ اس بات کے مکروہ سمجھنے کے کہ لوگ انہیں سنت نہ قرار دے دیں تیسری مرتبہ یہ فرمایا کہ ”جو چاہے (پڑھ لیا کرے)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: دو مرتبہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ مغرب کی فرض نماز پڑھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھ لیا کرو مگر پھر یہ جان لو کہ لوگ دونوں رکعتوں کو سنت مؤکدہ کا درجہ دے دیں گے ”لمن شاء“ (جو چاہے) کہہ کر اس بات کی آگاہی دے دی کہ یہ دو رکعتیں سنت نہیں ہیں بلکہ ان کا درجہ زیادہ سے زیادہ استحباب تک ہے اگر کوئی شخص انہیں پڑھ لے گا تو اسے ثواب ملے گا۔ اور جو شخص نہیں پڑھے گا اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

مغرب کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں نفل پڑھنے کے سلسلہ میں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اکثر فقہاء نے انہیں پڑھنے سے منع کیا ہے چنانچہ باب ”فضل الاذان“ کی حدیث نمبر ۷ کے ضمن میں اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے اور اس باب کی تیسری فصل میں بھی اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جائے گی۔

جمعہ کے بعد چار رکعت سنتیں پڑھنی چاہئے

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي أُخْرَى لَهُ قَالَ إِذَا صَلَّيْتَ أَخَذْتُكَ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعًا۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے جو شخص جمعہ (کی فرض نماز) کے بعد نماز پڑھنے والا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ چار رکعت پڑھے۔ مسلم اور مسلم ہی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کی نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے بعد چار رکعت سنتیں بھی پڑھے۔“

الْفَضْلُ الثَّانِي

ظہر کی سنتیں پڑھنے کی فضیلت

⑥ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعٍ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ

أَزْبَعُ بَعْدَ هَاجَرَةٍ اللَّهِ عَلَى النَّارِ - (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ)

”حضرت اُمّ حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت اور اس کے بعد چار رکعت کی عافیت کرتا ہے (یعنی انہیں پابندی سے بلا تاخیر پڑھتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس پر (دورِ رخ کی) آگ حرام کر دیتا ہے (بائیں طور کے اس کو مطلقاً دورِ رخ میں نہیں ڈالے گا) یہ کہ اسے دورِ رخ میں ابھی طور پر نہیں رکھے گا۔“ (احمد، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: اس روایت سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کے بعد چار رکعت نماز ایک ہی سلام سے پڑھی جائے جب کہ دوسری روایت میں منقول ہے کہ ظہر کے بعد کی چار رکعتیں دو سلام کے ساتھ ادا کی جائیں، بہر حال اس موقع پر یہ بحث ہے کہ ظہر کی یہ چار رکعتیں جن کے بارہ میں حدیث میں ذکر کیا جا رہا ہے آیا سنت کی دو رکعتوں کے علاوہ ہیں یا سنت کی وہ دو رکعتیں بھی اس میں شامل ہیں۔ تو ظاہری طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ چار رکعتیں سنت کی ان دونوں رکعتوں کے علاوہ ہیں جو فرض کے بعد پڑھی جاتی ہیں لیکن ملا علی قاریؒ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چار رکعتوں میں سنت کی وہ دونوں رکعتیں بھی شامل ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ان چار رکعتوں میں ہر رکعت سنت مؤکدہ ہیں اور دو رکعت مستحب اور اولیٰ یہ ہے کہ یہ چار رکعت دو سلام کے ساتھ ادا کی جائیں۔

ظہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھنے کی فضیلت

⑩ وَعَنْ أَبِي أَنُوبٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَزْبَعُ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيهِمْ تَسْلِيمٌ تَفْتَحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ - (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوالیوب انصاریؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ظہر سے پہلے کی وہ چار رکعتیں کہ جن کے درمیان (کے درمیان) میں سلام نہیں پھیرا جاتا (یعنی ان چار رکعتوں کے پڑھنے کے سلسلہ میں افضل یہی ہے کہ چار رکعتیں پوری کر کے آخر میں سلام پھیرا جائے) ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔“ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ظہر سے پہلے پڑھی جانے والی چار رکعتوں کی فضیلت ظاہر فرمائی جا رہی ہے کہ جب وہ پڑھی جاتی ہیں تو ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں یعنی وہ بارگاہ رب العزت میں پہنچ کر قبولیت کا درجہ پاتی ہیں اور ان کے سبب سے رحمت الہی کے انوار نازل ہوتے ہیں۔

ان چار رکعتوں کے بارہ میں بھی اختلاف ہے آیا ان سے مراد سنت راتبہ کی وہی چار رکعتیں ہیں جو ظہر کے فرض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں یا ان کے علاوہ ہیں جن کو نماز فی الزوال کہتے ہیں۔ چنانچہ مختار قول یہی ہے کہ یہ غیر راتبہ یعنی فجر کے فرض سے پہلے کی سنت مؤکدہ کے علاوہ نماز فی الزوال کی چار رکعتیں ہیں۔

نماز فی الزوال کی فضیلت

⑪ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الشَّائِبِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي أَوْ بَعْدَ أَنْ تَزُولَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ إِنَّهَا سَاعَةٌ تَفْتَحُ فِيهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ فَأَحِبُّ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهَا عَمَلٌ صَالِحٌ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت عبد اللہ ابن شائبہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سورج ڈھلنے کے بعد اور ظہر سے پہلے (فی الزوال کی) چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ”یہ ایسا وقت ہے جس میں (نیک اعمال کے) اوپر جانے کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں لہذا میں اسے محبوب رکھتا ہوں کہ اس وقت میرا نیک عمل اوپر جائے۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج ڈھلنے کے بعد کا وقت ساعۃ فقیحہ اس وقت جو بھی نیک عمل کیا جائے گا وہ بارگاہ رب

العصر میں مقبولیت کا درجہ پائے گا اور ظاہر ہے کہ تمام نیک اعمال میں نماز سب سے افضل ہے اس لئے اس وقت نماز پڑھنا افضل ہوگا۔

عصر کی سنتیں

(۱۲) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجِمَ اللَّهُ أَمْرًا صَلَّيَ قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا۔

(رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت نازل فرمائے جو عصر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتا ہے۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

عصر کی سنتیں دو رکعت ہیں یا چار رکعت

(۱۳) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِالسَّلَامِ عَلَى الصَّلَاةِ الْمَقْرُوبِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور امیر المؤمنین حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اور ان کے درمیان مقرب فرشتوں اور ان کے بعد میں جو مسلمان اور مؤمنین ہیں سب پر سلام بھیج کر فرق کرتے تھے۔“ (ترمذی)

تشریح: یہاں ”صلیم“ (سلام بھیجنے) سے مراد التحیات پڑھنا ہے، یعنی آپ ﷺ دو رکعتوں کے بعد التحیات پڑھتے تھے اور پھر پاد رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے۔

عصر کی سنتیں دو ہیں یا چار ہیں

(۱۴) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعَصْرِ رَكَعَتَيْنِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”امیر المؤمنین حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: عصر کی سنتوں کے بارہ میں متعدد روایتیں منقول ہیں بعض سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ عصر سے پہلے دو رکعتیں سنت کی پڑھا کرتے تھے اور بعض روایتوں سے چار رکعت کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ نماز کا اختیار ہے چاہے تو وہ دو رکعت پڑھے اور چاہے تو چار رکعت، تاہم افضل چار ہی رکعت پڑھنا ہے۔

صلوۃ الاوابین کی فضیلت

(۱۵) وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّيَ بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتًّا رَكَعَاتٍ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيمَا يَنْتَهَنُ بِشَوْءٍ عَدْلًا لَهُ بِعِبَادَةِ ثَلَاثِي عَشْرَةِ سَنَةٍ وَرَأَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ أَبِي حَنْظَلَةَ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يَقُولُ هُوَ مِنْ كَثَرِ الْحَدِيثِ وَضَعْفُهُ جَدًّا۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص مغرب کی نماز پڑھ کر چھ رکعت (نفل اس طرح) پڑھے کے ان کے درمیان کوئی خوش گلو نہ کرے تو ان رکعتوں کا ثواب اس کے لئے بارہ سال کی عبادت کے ثواب کے برابر ہو جائے گا۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ہم یہ حدیث صرف عمر ابن خطابؓ کی سند کے (اور کسی سند سے) نہیں جانتے اور میں نے محمد ابن اسماعیل بخاریؒ سے سنا وہ کہتے تھے کہ یہ (عمر ابن خطابؓ) منکر الحدیث ہے نیز انہوں نے اس حدیث کو بہت ضعیف کہا ہے۔“

تشریح: مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعت نماز نفل تین سلام کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اسے صلوٰۃ الاولائین کہتے ہیں یہ نماز سنت ہے اور اس نماز کا نام "صلوٰۃ الاولائین" حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اس نماز کی بہت زیادہ فضیلت ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔

حدیث سے بظاہر تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مغرب کے بعد جو دو رکعت معمولی سنت پڑھی جاتی ہے وہ بھی ان چھ رکعتوں میں شامل ہے، نیز اگلی حدیث میں صلوٰۃ الاولائین کی چوبیس رکعتیں ذکر کی جارہی ہیں ان میں بھی یہ دونوں رکعتیں داخل ہیں۔ علامہ بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ "پہلے دو رکعتیں سنت کی الگ سے پڑھ لی جائیں اس کے بعد میں اختیار ہے کہ چاہے کوئی چاروں رکعت پڑھ لے، چاہے دو ہی پڑھے۔"

اس حدیث کو اگرچہ امام ترمذی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے مگر فضائل اعمال کے سلسلہ میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا جائز ہے پھر اس کے علاوہ اس حدیث کو ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں اور ابن ماجہؒ نے بھی نقل کیا ہے، نیز میرکؒ کا قول یہ ہے کہ حضرت عمار ابن یاسرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے نیز انہوں نے فرمایا ہے کہ "میں نے اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتا ہے اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ گناہ دریا کے جھاگ کے مانند ہوں۔ (طبرانی)

حضرت مولانا شاہ اسحاق محدث دہلوی کا قول ہے کہ "ہماری تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث میں صلوٰۃ الاولائین کی جو چھ رکعتیں ذکر کی گئی ہیں یا اسی طرح اگلی حدیث میں جو بیس رکعتیں ذکر کی جائیں گے یہ دونوں تعداد مغرب کے بعد کی سنت مؤکدہ کی دو رکعت کے علاوہ ہے۔"

صلوٰۃ الاولائین کی انتہائی تعداد بیس رکعت ہے

(۱۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ عَشْرِينَ رَكْعَةً بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (رواه الترمذی)

"اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص مغرب کے بعد بیس رکعتیں (صلوٰۃ الاولائین) کی پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہشت میں گھر بناتا ہے۔" (ترمذی)

تشریح: جو محدثین نے اس حدیث کو بھی ضعیف قرار دیا ہے لیکن علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں ایک حدیث اور منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ اس نماز کی بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے یہ صلوٰۃ الاولائین ہے لہذا جس شخص نے یہ نماز پڑھی تو (بھجھو کہ) اس کی مغفرت کر دی گئی۔ "چنانچہ اکثر علماء سلف اور صلحائے امت اسے پڑھنا اپنی سعادت جو خوش بختی تصور کرتے تھے اور اسے پڑھتے تھے۔"

علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ صلوٰۃ الاولائین کی رکعت کی تعداد کے سلسلہ میں مختلف احادیث منقول ہیں چنانچہ ایک حدیث تو اس سے پہلے ہی گزر چکی ہے جس میں چھ رکعت ذکر کی گئی ہے ایک حدیث یہ ہے جس میں بیس رکعت منقول ہے اسی طرح بعض روایتوں میں دو رکعت اور بعض روایتوں میں چار رکعت بھی منقول ہے۔ لہذا ان تمام احادیث کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ صلوٰۃ الاولائین کی کم سے کم دو رکعت ہے اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعت جو شخص دو سے لے کر بیس تک جتنی زیادہ رکعتیں پڑھ گا اس کے حق میں اسی قدر بہتری و بھلائی ہوگی۔

عشاء کی سنتیں

(۱۷) وَعَنْهَا قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ قَطُّ فَذَخَلَ عَلَى صَلَاتِي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ أَوْ بَسْتَ

و کَعْتَابُ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ جب بھی (مسجد میں) عشاء (کی فرض) نماز پڑھ کر میرے پاس آتے تھے تو (سنت کی) چار رکعت یا چھ رکعت ضرور پڑھتے تھے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: عشاء کے بعد سنتوں کے سلسلہ میں جتنی بھی مشہور روایتیں منقول ہیں ان میں یا تو دو رکعت پڑھنا منقول ہے یا چار رکعت، صرف یہی ایک ایسی حدیث ہے جس میں چھ رکعت پڑھنے کا ذکر کیا جا رہا ہے جن احادیث میں دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے ان میں سے کچھ پہلے بھی گزر چکی ہیں جن روایتوں سے چار رکعت پڑھنا معلوم ہوتا ہے ان میں سے جملہ ایک حدیث یہ بھی ہے جس کو سعید ابن منصور نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس شخص نے عشاء سے پہلے چار رکعت نماز پڑھی تو گویا اس نے اس رات میں تہجد (کی نماز) پڑھی اور جس شخص نے عشاء کے بعد چار رکعت نماز پڑھی تو گویا اس نے لیلۃ القدر میں چار رکعت نماز پڑھی۔

بہر حال۔ اس روایت کی وضاحت یہ ہے کہ آپ عشاء کے بعد جو چار رکعتیں پڑھتے تھے اس میں سے دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہوتی تھیں اور دو رکعت مستحب۔ البتہ اوست رکعت میں حرف او کے بارہ میں دو احتمال ہیں یا تو یہ شک کے لئے ہے یا پھر توحج کے لئے ہے۔

ارشادی باری ادبار النجوم اور ادبار السجود سے فجر اور مغرب کی سنتیں مراد ہیں

(۱۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَارَ النُّجُومُ الْوَكَعْتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَإِذَا بَارَ الشُّجُودُ الْوَكَعْتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا (صبح) اور ادبار النجوم سے فجر سے پہلے کی دو رکعتیں (یعنی فجر کی سنتیں) مراد ہیں اور (صبح) ادبار السجود سے مغرب کے بعد کی دو رکعتیں (یعنی مغرب کی سنتیں) مراد ہیں۔“ (ترمذی)

تشریح: قرآن کریم کی سورہ طور کے آخر میں یہ آیت ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ جُنْجُنًا تَفُوقًا ۖ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ۝ (النور: ۲۹)

”جب تم اٹھا کرو تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کیا کرو اور رات کے بعض اوقات میں بھی اور ستاروں کے پھٹنے پھرنے (یعنی ڈوبنے) کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کرو۔“

اس آیت کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ادبار النجوم ستاروں کے پھٹنے پھرنے کے وقت پروردگار کی پاکی بیان کرنے سے فجر کی سنتیں پڑھنی مراد ہیں کہ وہ ستاروں کے چھپنے کے وقت یعنی صبح صادق کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔ اس طرح قرآن کریم کی سورہ ق کی یہ آیت ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۖ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ۝ (ق: ۳۰-۳۱)

”اور آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرو، اور رات کے بعض اوقات میں بھی اور سجود کے بعد بھی اس کی پاکی بیان کرو۔“

حدیث کے دوسرے جزء میں آنحضرت ﷺ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ ”اس میں ”سجود“ سے مراد مغرب کی تین رکعت فرض ہیں اور ”ادبار السجود“ یعنی سجود کے بعد پاکی بیان کرنے سے مغرب کے فرض کے بعد کی دو رکعت سنتیں پڑھنی مراد ہیں۔“

الفصل الثالث

ظہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھنے کا ثواب

(۱۹) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَرْبَعُ قُبُلِ الظُّهْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ تُحْسَبُ بِمِثْلِهَا فِي صَلَاةِ الشَّحْرِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا وَهُوَ يُسْتَبَحُّ اللَّهُ تِلْكَ السَّاعَةُ ثُمَّ قُرِئَتْ ظِلَالَةٌ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجْدًا لِلَّهِ وَهُمْ ذَاخِرُونَ ذَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ۔

”امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ظہر سے پہلے اور سورج ڈھلنے کے بعد (ظہر کی سنت یا زوال کی) چار رکعت نماز (ثواب اور فضیلت میں) تہجد کے وقت چار رکعت نماز پڑھنے کے برابر ہوتی ہیں اور اس وقت (یعنی ظہر سے پہلے اور سورج ڈھلنے کے بعد) تمام چیزیں اللہ رب العزت کی پاکی کی تسبیح کرتی ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”يَتَقَفُّوْا ظِلَالَهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجْدًا لِلَّهِ وَهُمْ ذَاخِرُونَ“ ”تمام چیزوں کے سامنے دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے اللہ جل شانہ کے لئے سجدہ کرتے ہوئے جھکتے ہیں اور وہ سب حقیر ہیں۔“ (ترمذی، بیہقی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس وقت نماز پڑھنے کی ترغیب دلانے کے لئے اپنے ارشاد کی دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی آیت میں سجدے سے مراد تابعداری ہے خواہ وہ طبعاً ہو یا اختیاراً۔ اور اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں جس چیز کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اس مقصد کی تکمیل ہی اور حقیقت پروردگار کی تابعداری ہے۔

عصر کے بعد دو رکعت نماز کا ذکر

(۲۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِي قَطُّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ خَرَّابٍ قَالَتْ وَالَّذِي ذَهَبَ بِهِ مَا تَرَكَهُمَا حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ۔

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی میرے نزدیک (یعنی میرے گھر میں) عصر کے بعد دو رکعت (نماز پڑھنی) نہیں چھوڑی۔ (بخاری و مسلم) اور بخاریؒ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ”میں نے اس پاک ذات کی جس نے رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک قبض کی، آپ ﷺ نے یہ دو رکعتیں کبھی نہ چھوڑیں یہاں تک کہ وصال حق فرمایا۔“

تشریح: گزشتہ صفحات میں کسی موقع پر عصر کے بعد نماز پڑھنے کی سلسلہ میں بتایا جا چکا ہے یہ دو رکعت پڑھنی آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی اور صرف آنحضرت ﷺ کے لئے جائز تھی، دوسرے لوگوں کو عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اس کی مخالفت میں بہت زیادہ احادیث منقول ہیں۔

غروب آفتاب کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے نفل نماز پڑھنے کا مسئلہ

(۲۱) وَعَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ قُلْفُلٍ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ النَّظُّوعِ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَ كَانَ عُمَرُ يُضْرِبُ الْإِبْدِيَّ عَلَى صَلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَكَثْنَا نُصَلِّيَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكَعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ قَبْلَ الصَّلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْتُ لَهُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيَنِيهَا قَالَ كَانَ يَرَانَا يُصَلِّيَنِيهَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت مختار ابن قفلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک دن) حضرت انسؓ سے عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کے بارہ پوچھا تو انہوں نے

فرمایا کہ (اس معاملہ میں) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ (کا تو اتنا سخت رویہ تھا کہ وہ) عصر کے بعد نفل نماز کی نیت باندھنے والے کے ہاتھ پر مارتے تھے (یعنی انتہائی سختی اور شدت سے اس وقت نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے) اور ہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں آفتاب غروب ہونے کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں (نفل نماز کی) پڑھا کرتے تھے۔ (یہ سن کر) میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ کیا آنحضرت ﷺ بھی یہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا آپ ﷺ ہمیں نماز پڑھتے دیکھتے تھے لیکن ہمیں اس کے پڑھنے کا نہ تو حکم ہی دیتے تھے اور نہ ہمیں اس کے پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔ (مسلم)

تشریح: حضرت انسؓ نے اپنے قول نہ تو ہمیں حکم ہی دیتے تھے اور نہ منع فرماتے تھے، سے آنحضرت ﷺ کی تصریح ثابت کی یعنی آپ ﷺ اس وقت نماز پڑھنے کو درست سمجھتے تھے کیونکہ اگر آپ ﷺ کے نزدیک اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہوتا تو آپ ﷺ اس سے ضرور منع فرماتے، لیکن خلفائے راشدین کے بارہ میں ثابت ہے کہ وہ حضرات اس وقت نماز پڑھنے کو درست نہیں سمجھتے تھے لہذا اس سلسلہ میں خلفائے راشدین کی اقتداء کافی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء نے اس وقت نماز پڑھنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں مغرب کی نماز کی تاخیر لازم آتی ہے۔

(۲۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا بِالْمَدِينَةِ فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِبُصَاةِ الْمَغْرِبِ ابْتَذَرُوا السَّوَارِي فَزَكَّوْا وَكُفَّتَيْنِ حَتَّىٰ إِنَّ الرَّجُلَ الْغَرِيبَ لَيَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فِيْهِ خَشَبٌ أَنَّ الصَّلَاةَ قَدْ صَلَّيْتَ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ يُصَلِّيْهَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے (اس وقت یہ حال تھا کہ) جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا تو (بعض صحابہؓ) پیادہ (یعنی) سجد کے ستونوں کی طرف دوڑتے اور دو رکعت نماز پڑھنے لگتے، یہاں تک کہ کوئی مسافر شخص اگر مسجد میں آتا تو اکثر لوگوں کو (تنہا تنہا) دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر یہ گمان کرتا کہ نماز ہو چکی ہے (اور اب لوگ سنتیں پڑھ رہے ہیں)۔“ (مسلم)

تشریح: علامہ طبری شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز کے اثبات کی یہ حدیث ظاہری دلیل ہے۔ اس سلسلہ میں ملا علی قاری حنفیؒ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ حدیث اس وجہ سے ان دونوں رکعتوں کے اثبات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ اس طریقہ کے نادر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ عموماً طور پر مغرب کی نماز کی ادائیگی میں جلدی فرماتے تھے جب کہ ان دونوں رکعتوں کے پڑھنے سے نہ صرف یہ کہ مغرب کی ادائیگی میں تاخیر لازم آتی ہے بلکہ بعض علماء کے قول کے مطابق تو نماز کا اپنے وقت سے خروج ہی لازم آجاتا ہے۔

لہذا اس حدیث کی تاویل یا تویہ کی جائے گی کہ حضرت انسؓ یہ ہمیشہ کا طریقہ نقل نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی ایک دن بعض لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا ہو کہ مغرب کی اذان سنتے ہی سجد آگئے ہوں اور وہاں نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھ لی ہو یا پھر اس کی سب سے بہتر تاویل جیسا کہ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ پہلے یہ نماز پڑھی جاتی تھی مگر پھر بعد میں اسے چھوڑ دیا گیا، لہذا اب اس نماز کا پڑھنا مکروہ ہے۔

(۲۳) وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ أَتَيْتُ عُقْبَةَ الْجُهَنِيَّ فَقُلْتُ أَلَا أُعْجِبُكَ مِنْ أَبِي تَمِيمٍ يَزَكِّي وَيَكْفِي وَكُفَّتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقَالَ عُقْبَةُ إِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ فَمَا يَنْتَعِلُكَ الْآنَ قَالَ الشُّغْلُ۔

(رواہ البخاری)

”اور حضرت مرثد ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عقبہ جہنیؓ (صحابی) کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ کیا میں آپ کو ابو تميم (تابعی) کا ایک تعجب انگیز فعل نہ بتا دوں؟ (وہ یہ کہ) ابو تميمؓ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز (نفل) پڑھتے ہیں؟ حضرت عقبہؓ نے فرمایا کہ یہ نماز تو ہم (میں سے بعض صحابہؓ بھی بھی) آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی پڑھا کرتے تھے، جب میں نے پوچھا کہ پھر یہ نماز

پڑھنے سے آپ کو کس چیز نے روک رکھا ہے؟ تو فرمایا کہ دنیا کی مشغولیت نے۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے کم سے کم اتنی بات تو ثابت ہو ہی گئی کہ یہ نماز شکت نہیں ہے بلکہ مباح ہے کیونکہ اگر مسنون ہوتی تو حضرت عقبہؓ کو جو صحابیت جیسے عظیم مرتبہ پر فائز تھے دنیا کی مشغولیت شکت کی ادائیگی یعنی اس نماز کے پڑھنے سے نہ روکتی۔

نوافل گھروں میں ادا کئے جائیں

(۲۲) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى مَسْجِدَ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ فَصَلَّى فِيهِ الْمَغْرِبَ فَلَمَّا قَضَوْا صَلَاتَهُمْ وَآهَمُ يُسَبِّحُونَ بَعْدَهَا فَقَالَ هَذِهِ صَلَاةُ الْيَتِيمِ وَرَأَى أَبُو ذَاؤُدَ وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ وَالتَّسَانِي قَامَ نَاسٌ يُصَلُّونَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِهَذِهِ الصَّلَاةِ فِي الْيَتِيمِ۔

”اور حضرت کعب ابن عجرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) نبی کریم ﷺ (انصار کے ایک قبیلہ) بنی عبد الاشہل کی مسجد میں تشریف لائے اور وہاں مغرب کی (فرض اور سنت) نماز پڑھی، جب (بعض) لوگ (اپنی فرض) نماز پڑھ چکے تو آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ وہ فرض نماز ادا کرنے کے بعد نفل نماز (یعنی مغرب کی سنتیں بھی وہیں) پڑھ رہے ہیں آنحضرت ﷺ نے (دیکھ کر) فرمایا کہ یہ (یعنی مغرب کی سنت یا مطلقاً نفل نماز) گھر میں پڑھنے کی ہے۔“ (ابوداؤد ترمذی و سنن) کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب لوگ (فرض نماز کے بعد) نفل پڑھنے کھڑے ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم پر لازم ہے کہ یہ نماز (اپنے اپنے) گھروں میں پڑھو۔

تشریح: حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ نفل نماز خواہ وہ سنت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ گھر میں پڑھنی افضل ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ گھر میں نوافل نماز پڑھنے والا ریاد نمازش سے دور اور اخلاص و صدق کے قریب تر ہوتا ہے بلکہ اس سے گھروں میں رحمت خداوندی اور برکت کا نزول ہوتا ہے۔

ویسے جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر مسجد میں نفل نماز پڑھنی مکروہ نہیں ہے مسجد اور گھر کے پڑھنے میں صرف افضلیت اور غیر افضلیت کا فرق ہے۔

لیکن اتنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ گھروں میں نفل نماز پڑھنے کا یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو فرض نماز کی ادائیگی کے بعد گھروں کو واپس ہونے کا ارادہ رکھتے ہوں جو لوگ فرض کی ادائیگی کے بعد گھر نہیں جاتے جیسے مسجد کے اندر اعتکاف میں بیٹھنے والے تو وہ مسجد ہی میں نوافل پڑھ لیں۔

بہر حال فرض نماز کے علاوہ نفل نماز میں گھر جا کر پڑھنی افضل ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کا معمول یہی تھا کہ آپ فرض مسجد میں پڑھ کر حجرہ مبارک میں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں نوافل پڑھتے تھے۔ ہاں کسی خاص عذر اور سبب کی بات تو الگ ہے کہ ایسے موقع پر مسجد ہی میں نوافل بھی پڑھ لیتے تھے۔ پھر بھی مغرب کی سنتیں گھر میں پڑھنے کا اہتمام تو آپ ﷺ بطور خاص فرماتے تھے اور اکثر گھر ہی میں پڑھتے تھے یہی وجہ ہے کہ مغرب کی سنتوں کے بارہ میں بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مغرب کی نماز سنت مسجد میں پڑھے تو وہ مسنون ادا نہیں ہوتی بلکہ بعض علماء تو یہاں تک کہتے ہیں کہ مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھنے والا گنہ گار ہوتا ہے۔ مگر جمہور علماء کی رائے ہے کہ گنہ گار نہیں ہوتا کیونکہ انہیں گھر میں ادا کرنے کا حکم امر و جوبی نہیں ہے بلکہ امر استحبابی ہے۔

ہدایہ کے حاشیہ میں جامع صغیر سے منقول ہے کہ کوئی شخص مغرب کی نماز مسجد میں پڑھے اور اس کو یہ خوف ہو کہ اگر گھر میں گیا تو کسی مشغولیت کی بناء پر سنت وہاں نہیں پڑھ سکوں گا تو اسے چاہیے کہ وہ مغرب کی سنت بھی مسجد کے محن میں پڑھ لے اور اگر گھر پہنچ کر کسی

۱۔ مشغولیت زیادہ ہو تو نوافل کو دوسرے وقت پر چھوڑا جاسکتا ہے۔

کام میں مشغول ہو جانے کا خوف نہ ہو تو افضل یہی ہے کہ وہ گھر جا کر نماز سنت پڑھے۔

مغرب کی سنتوں میں طویل قرات

(۲۵) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيلُ الْقِرَاءَةَ فِي الرَّكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ حَتَّى يَنْفَرَقَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مغرب کی فرض نماز کے بعد دو رکعت (سنت میں بھی اتنی) طویل قرات فرماتے تھے کہ مسجد کے لوگ (اپنی اپنی نمازوں سے فارغ ہو کر) چلے جاتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھتے تھے لہذا اس سلسلہ میں کئی احتمال ہیں اول تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کو کوئی ایسا عذر پیش آگیا ہو گا جس کی وجہ سے وہ حجرہ مبارک میں تشریف نہیں لے جاسکے ہوں گے اس لئے سنتیں مسجد ہی میں پڑھ لیں۔

دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ اس وقت استغاثہ میں ہوں گے اس لئے سنتیں پڑھنے کے لئے حجرہ مبارک میں نہیں گئے۔ چہارم احتمال یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سنتیں مسجد میں پڑھی ہی نہ ہوں بلکہ اپنے حجرہ مبارک میں پڑھی ہوں جو مسجد سے بالکل ملا ہوا تھا اور اس کا دروازہ بھی مسجد ہی کی طرف تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے سامنے سے آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہوا اور اسی کو یہاں بیان کیا ہو۔

جہاں تک حدیث کے اس جزء کا تعلق ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مغرب کی سنتوں میں طویل قرات کی تو اس کے بارہ میں بھی ظاہری احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کسی دن اتنی طویل قرات کی ہوگی ورنہ تو مغرب کی سنتوں میں آپ ﷺ اکثر چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے چنانچہ یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ مغرب کی سنت میں قل یا ایہا الکافرون اور قل هو اللہ کی قرات کیا کرتے تھے۔

مغرب کے بعد نفل پڑھنے کی فضیلت

(۲۶) وَعَنْ مَكْحُولٍ يُبْلَغُ بِهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ قَبْلَ أَنْ يَتَكَلَّمَ وَرَكَعَتَيْنِ وَفِي زَوَايَا أَنْ يَنْقُضَ رُكْعَاتِهِ صَلَاتُهُ فِي عِلَّتَيْنِ مَرْسَلًا -

”اور حضرت مکحولؓ (تابعی) اس روایت کو آنحضرت ﷺ تک پہنچاتے ہیں (یعنی آنحضرت سے بطریق ارسال روایت کرتے ہیں) کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص مغرب کی فرض یا سنت مؤکدہ نماز پڑھ کر (دنیاوی گفتگو کرنے سے پہلے دو رکعت اور ایک روایت میں ہے کہ چار رکعت نماز پڑھے تو اس کی یہ نماز عین میں پہنچائی جاتی ہے۔“

تشریح: ”دو رکعت“ سے سنت بھی مراد ہو سکتی ہے اور اس کے علاوہ بھی اسی طرح چار رکعت میں دو رکعت سنت اور دو رکعت اس کے علاوہ یا چاروں کی چاروں ہی سنت کے علاوہ مراد لی جاسکتی ہیں۔

بہر حال یہ دو رکعت یا چار رکعت جو سنت کے علاوہ ہوں صلوۃ الاولادین کی جاتی ہیں اس نماز کی فضیلت اس سے پہلے بھی نقل کی جا چکی ہے یہاں بھی اس کی فضیلت و عظمت بیان کی جا رہی ہے کہ اس نفل نماز کے پڑھنے والے شخص کی یہ نماز یا اس نماز کے ساتھ اس کی فرض نماز بھی مقام عین میں پہنچائی جاتی ہے یعنی اس کی نمازیں قبولیت کے انتہائی مرتبہ پر پہنچی ہیں اور اس شخص کو بے پناہ اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے۔

علیین کیا ہے؟

ساتویں آسان پر ایک مقام کا نام علیین ہے جہاں مؤمنین کی روحیں پہنچائی جاتی ہیں اور وہاں ان کے عمل لکھے جاتے ہیں۔

(۲۷) وَعَنْ حَدِيثِهِ نَحْوُهُ وَزَادَ فَكَانَ يَقُولُ عَجَلُوا الزَّكَّاتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فَإِنَّهُمَا تَرْفَعَانِ مَعَ الْمَكْتُوبَةِ وَوَاهُمَا ذَرِيقٌ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ الزِّيَادَةَ عَنْهُ نَحْوَهَا فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ۔

”اور حضرت حذیفہؓ سے (بھی) اسی طرح (یعنی اوپر والی حدیث) مروی ہے لیکن ان کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ تم لوگ مغرب کے بعد دو رکعت (ستیں) جلدی پڑھ لیا کرو کیونکہ وہ (دونوں رکعتیں) فرضوں کے ساتھ اوپر (علیین میں) پہنچائی جاتی ہیں، یہ دونوں روایتیں رزینؒ نے نقل کی ہیں اور بیہقیؒ نے حذیفہؓ کے زائد الفاظ کو اسی طرح شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں رکعتیں چونکہ فرض نماز کے ساتھ مقام علیین میں پہنچائی جاتی ہیں اس لئے ان کو فرض نماز کے بعد زیادہ تاخیر کر کے نہ پڑھو تاکہ وہ فرضتے جو اعمال کو علیین تک پہنچاتے ہیں منتظر نہ رہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ ان اور اود اذکار کو جنہیں فرض کے بعد جلدی پڑھنا ثابت ہو چکا ہے ان دونوں رکعتوں کے بعد پڑھنا اس قبیل (جو احادیث میں فرض کے فوراً بعد اور اود اذکار کے پڑھنے کے سلسلہ میں ثابت ہے) کے متافی نہیں ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ ان اور اود اذکار کو ان دونوں رکعتوں کے بعد پڑھنا بعدیت (یعنی حدیث کے اس حکم کہ فرض نماز کے بعد اور اود اذکار پڑھے جائیں) کا متافی نہیں ہے اس بات کو مزید وضاحت کے ساتھ یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ پیچھے باب الذکر بعد الصلوۃ میں وہ احادیث گزر چکی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فرض نماز کے فوراً بعد اور اود اذکار (جن کی تفصیل ان احادیث میں مذکور ہے) پڑھے جائیں۔

تو اب اگر ان اور اود اذکار کو فرض نماز کے بعد پڑھنے کے بجائے اس حدیث کی فضیلت کے پیش نظر دو رکعت سنتوں کے بعد پڑھے جائیں تو ان احادیث سے ثابت شدہ تعیل و بعدیت (یعنی اور اود اذکار کو فرض نماز کے فوراً بعد پڑھنے کے حکم) کے خلاف نہیں ہوگا۔ لیکن اس بات کے علاوہ یہاں ایک اور اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ ان دونوں رکعتوں کو گھر میں پڑھنے کی فضیلت بھی احادیث ہی سے ثابت ہے لہذا اگر کوئی شخص ان دونوں رکعتوں کو گھر میں پڑھے اور اس کا گھر بھی مسجد سے دور ہو تو ظاہر ہے کہ اس حدیث کے پیش نظر ان دونوں رکعتوں کے پڑھنے میں جلدی نہیں ہو سکتی۔ تو اس صورت میں کیا کیا جائے۔ آیا ان احادیث کے پیش نظر ان دونوں رکعتوں کو گھر ہی جاکر پڑھا جائے تاکہ گھر میں پڑھنے کی فضیلت حاصل ہو۔ یا اس حدیث کے پیش نظر مسجد ہی میں پڑھا جائے تاکہ ان کو جلدی پڑھ لینے کی فضیلت حاصل ہو جائے؟

اس سلسلہ میں علماء لکھتے ہیں کہ نوافل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت چونکہ بہت زیادہ ہے اور پھر یہ کہ اس کی تاکید بھی بہت زیادہ کی گئی ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ سنتوں کو گھر ہی میں پڑھا جائے۔ واللہ اعلم۔

فرض و نوافل کے درمیان فرق کرنا چاہیے

(۲۸) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ إِنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ أَرْسَلَهُ إِلَى السَّائِبِ يَسْتَلْهُ عَنْ شَيْءٍ رَأَاهُ مِنْهُ مُعَاوِيَةَ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ نَعَمْ صَلَّيْتُ مَعَ الْجُمُعَةِ فِي الْمَقْصُورَةِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قُمْتُ فِي مَقَامِي فَصَلَّيْتُ فَلَمَّا دَخَلَ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَقَالَ لَا تَعْدُ لِمَا فَعَلْتَ إِذْ صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلُهَا بِصَلَاةٍ حَتَّى تَتَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنَا بِذَلِكَ أَنْ لَا نُوْصَلَ بِصَلَاةٍ حَتَّى تَتَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عمرو ابن عطاءؓ (تابعی) کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں (یعنی عمرو) کو حضرت نافع ابن جبیرؓ (تابعی) نے حضرت سائب

(صحابی) کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان سے وہ چیزیں پوچھیں جو حضرت امیر معاویہؓ نے انہیں نماز میں کرتے ہوئے دیکھا تھا (اور اس سے انہیں منع کیا تھا چنانچہ حضرت عمرو حضرت سائب کے پاس گئے اور ان سے اس چیز کی تفصیل معلوم کی تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں (ایک مرتبہ) میں نے حضرت امیر معاویہؓ کے ہمراہ مقصورہ میں جمعہ کی نماز پڑھی جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی جگہ (جہاں جمعہ کی نماز پڑھی تھی) کھڑا ہوا گیا اور (فرض) سنت میں کوئی امتیاز کئے بغیر جمعہ کی سنت) نماز پڑھنے لگا، جب حضرت امیر معاویہؓ (نماز سے فراغت کے بعد) اپنے مکان پر چلے گئے تو میرے پاس ایک شخص کو یہ کہلا بھیجا کہ اس وقت تم نے جو کچھ کیا ہے آئندہ ایسا نہ کرنا، (یعنی جس جگہ نماز پڑھو اسی جگہ امتیاز پیدا کئے بغیر نفل نماز نہ پڑھنا چنانچہ) جب تم جمعہ کی نماز پڑھو تو اس (جمعہ کی فرض نماز) کو کسی (دوسری یعنی نفل یا قضا) نماز سے نہ ملاؤ تاوقتیکہ تم کوئی گھٹکو نہ کر لو (یا مسجد سے) باہر نہ نکل جاؤ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم ایک نماز کو دوسری نماز کے ساتھ نہ ملائیں تاوقتیکہ (درمیان میں) بات چیت نہ کر لیں یا (مسجد سے) باہر نہ چلے جائیں۔ (مسلم)

تشریح: پچھلے زمانہ میں جب کہ سلاطین و امراء نمازیں پڑھنے کے لئے مسجد میں آتے تھے تو ان کی امتیازی حیثیت و شان کے پیش نظر ان کے لئے مسجد کے اندر ایک مخصوص جگہ بنادی جاتی تھی جہے مقصورہ کہا جاتا تھا، بادشاہ یا خلیفہ مسجد میں آکر اسی جگہ نماز پڑھتا تھا۔ حدیث کے الفاظ اذاصلیت الجمعة میں جمعہ کی قید اتفاقی اور مثال کے طور پر ہے کیونکہ جمعہ کے علاوہ بھی تمام نمازوں کا یہی حکم ہے کہ فرض کے ساتھ نوافل نماز ملا کر نہ پڑھی جائیں چنانچہ اس کی تائید حضرت امیر معاویہؓ کی روایت کردہ حدیث کر رہی ہے جس میں کسی خاص نماز کے بارہ میں نہیں فرمایا گیا ہے بلکہ ہر نماز کے متعلق یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب فرض نماز پڑھ لی جائے تو نوافل پڑھنے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے فرض اور نوافل میں فرق و امتیاز پیدا ہو جائے مثلاً جس جگہ فرض نماز پڑھی گئی ہے اسی جگہ (خواہ سنت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ) نہ پڑھی جائے بلکہ اس جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ کھڑے ہو کر پڑھی جائے تاکہ دونوں نمازوں کے درمیان امتیاز پیدا ہو سکے اور اس سے فرض و نفل کے درمیان التباس پیدا نہ ہو۔

چنانچہ حدیث کے الفاظ اوخرج سے اسی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے اب اوخرج سے مسجد سے حقیقۃً نکلنا بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی فرض پڑھ کر مسجد سے نکل کر گھر وغیرہ آجائے اور وہاں نوافل پڑھے جائیں اور حکماً نکلنا بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی جس جگہ فرض نماز پڑھی ہے اس جگہ سے ہٹ کر نوافل دوسری جگہ پڑھے جائیں۔

فرض و نوافل کے درمیان نمازوں کے درمیان فرق و امتیاز پیدا کرنے کی ایک اور صورت ہے اور وہ یہ کہ جب فرض نماز پڑھ لی جائے تو اس کے بعد کسی دوسرے شخص سے کوئی گھٹکو کر لی جائے تاکہ اس سے ان دونوں نمازوں کے درمیان فرق و امتیاز پیدا ہو جائے چنانچہ حتیٰ ننکلم سے یہی بتایا جا رہا ہے۔

اتنی بات ملحوظ رہے کہ فرض و نوافل کے درمیان جس فرق و امتیاز کے لئے کہا جا رہا ہے وہ دنیاوی بات چیت اور گھٹکو ہی سے حاصل ہوتا ہے ذکر اللہ وغیرہ سے وہ فرق حاصل نہیں ہوتا۔

(۲۹) وَعَنْ عَطَاءٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى الْجُمُعَةَ بِمَكَّةَ تَقَدَّمَ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ تَقَدَّمَ فَيُصَلِّي أَرْبَعًا وَإِذَا كَانَ بِالْمَدِينَةِ صَلَّى الْجُمُعَةَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى بَيْتِهِ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ فِي الْمَسْجِدِ فَيَقْبِلُ لَهُ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ زَوْاهُ أَبُو ذَاوُدَ وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ صَلَّى بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ أَرْبَعًا۔

”اور حضرت عطاءؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب مکہ میں جمعہ کی نماز پڑھ چکے تو (جس جگہ فرض نماز پڑھتے اس سے) آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھتے اس کے بعد پھر آگے بڑھتے اور چار رکعت نماز پڑھتے اور جب آپ مدینہ میں ہوا کرتے تو (یہ معمول تھا کہ) جمعہ کی (فرض) نماز پڑھ کر اپنے مکان تشریف لاتے اور گھر میں دو رکعت نماز پڑھتے مسجد میں (فرض کے علاوہ کوئی نماز) نہیں پڑھتے تھے، جب ان سے

اس (مگر میں پڑھنے اور مسجد میں نہ پڑھنے) کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ (اس لئے کہ نبی کریم ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ (ابوداؤد) اور ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عطاء نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا ہے کہ وہ جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھ کر پھر چار رکعت پڑھتے تھے۔

تشریح: حضرت ابن عمرؓ کا فرض پڑھ کر سنت پڑھنے کے لئے آگے بڑھ جانا، منزلاً مسجد سے نکلنے کے تھا جیسا کہ حضرت امیر معاویہؓ کے ارشاد میں مذکور ہوا۔

علماء نے لکھا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے معمول کے درمیان فرق غالباً اس لئے تھا کہ مدینہ میں حضرت ابن عمرؓ کا مکان مسجد کے قریب تھا اور مکہ میں چونکہ مسافر ہوتے تھے اور قیام گاہ حرم سے فاصلہ پر ہوتی تھی اس لئے مدینہ میں تو آب کا معمول یہ ہوتا تھا کہ فرض پڑھ کر مکان پر تشریف لے جاتے تھے اور وہاں سنتیں پڑھتے تھے مگر مکہ میں مکان کے دور ہونے کی وجہ سے سنتیں بھی مسجد ہی میں پڑھ لیتے تھے مگر جگہ بدل کر دونوں نمازوں کے درمیان فرق کرتے رہتے تھے۔ اور اس طرح آگے بڑھنے کو گھر کے قائم مقام کر لیتے تھے۔

مکہ اور مدینہ کے معمول کے درمیان دوسرا فرق یہ تھا کہ مکہ میں تو آپ جمعہ کے بعد چھ رکعت پڑھا کرتے تھے اور مدینہ میں دو ہی رکعت پڑھتے تھے چنانچہ مکہ میں اس زیادتی کی وجہ یہ تھی کہ حرم میں چونکہ نماز پڑھنے کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے اس لئے وہاں زیادہ نماز پڑھتے تھے۔

چونکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد سنتیں چار رکعت ہیں اس لئے ملا علی قاریؒ نے حدیث کے الفاظ کہ حضرت ابن عمرؓ جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھتے پھر اس کے بعد (آگے بڑھ کر) چار رکعت پڑھتے تھے کا مطلب یہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ پہلے جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اس کے بعد انہوں نے چار رکعتیں پڑھنی شروع کر دیں یعنی ان دو رکعتوں میں جو ان کے نزدیک احادیث سے ثابت تھیں اور جنہیں آپ پہلے پڑھا کرتے تھے دو رکعتوں کا اور اضافہ کر دیا اس طرح بعد میں چار رکعت پڑھنے لگے۔

صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد سنتیں چھ رکعتیں ہی ہیں یعنی وہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی فرض نماز پڑھ کر پہلے چار رکعت سنت پڑھی جائے پھر اس کے بعد دو رکعت سنت اور پڑھی جائے۔

فقہ حنفیہ میں سنتوں کی تفصیلی تعداد

چونکہ یہ بات فہم ہو رہی ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس موقع پر تمام نمازوں کی سنتوں کی تفصیلی تعداد ذکر کر دی جائے تاکہ وہ ذہن میں محفوظ رہیں۔ فجر کے وقت فرض سے پہلے دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں ان کی تاکید تمام مؤکدہ سنتوں سے زیادہ ہے یہاں تک کہ بعض روایات میں امام ابوحنیفہؒ سے ان کا وجوب منقول ہے اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کے انکار سے کفر کا خوف رہتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ فجر کی سنتیں نہ چھوڑو چاہے تمہیں گھوڑے کیل ڈالیں یعنی جان جانے کا خوف ہو تب بھی نہ چھوڑو، اس سے مقصود صرف تاکید اور ترغیب ہے ورنہ جان کے خوف سے تو غرائض کا چھوڑنا بھی جائز ہے۔

ظہر کے وقت فرض سے پہلے چار رکعت ایک سلام سے اور فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔

جمعہ کے وقت فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے سنت مؤکدہ ہیں اور فرض کے بعد بھی ایک ہی سلام سے چار رکعتیں سنت ہیں۔

عصر کے وقت کوئی سنت مؤکدہ نہیں، ہاں فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے مستحب ہیں۔

مغرب کے وقت فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔

عشاء کے وقت فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں اور فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے مستحب ہیں۔

دتر کے بعد بھی دو رکعتیں نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں لہذا وتر کے بعد دو رکعت مستحب ہیں۔

بَابُ صَلَوةِ اللَّيْلِ

رات کی نماز کا بیان

”رات کی نماز“ یعنی تہجد وغیرہ کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے جو روایات ان کے پڑھنے کے طریقے وغیرہ کے بارے میں منقول ہیں وہ اس باب کے تحت نقل کی جائیں گی۔

رات میں نماز پڑھنے کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے مختلف روایتیں منقول ہیں ان میں سے جس روایت کے مطابق بھی نماز پڑھی جائے گی اتباع نبوی کی فضیلت اور سنت کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوگی ہاں اگر تمام روایات کی اتباع کے پیش نظر یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ کبھی تو کسی روایت کے مطابق پڑھی جائے اور کبھی کسی روایت کے مطابق، تو یہ طریقہ نہ صرف یہ کہ انتہائی مناسب اور بہتر بلکہ سنت کے عین مطابق ہوگا۔

رات میں آنحضرت ﷺ کی نماز کی رکعتوں کی تعداد کبارہ میں مختلف روایتیں منقول ہیں، چنانچہ تیرہ، گیارہ، نو، اور سات رکعتیں منقول ہیں، بعض علماء نے پانچ رکعتیں بھی روایت کی ہیں، تاہم تیرہ سے زیادہ ثابت نہیں ہے، پھر یہ کہ بعض علماء نے یہ تعداد فجر کی سنت کے ساتھ ذکر کی ہے اور بعض نے فجر کی سنت کے علاوہ اور صحیح قول یہی ہے، اسی طرح وتر کی تعداد کے بارہ میں بھی مختلف روایتیں ہیں، بعض روایتوں میں تو وتر ایک رکعت کے ساتھ منقول ہے اور بعض میں تین رکعتوں کے ساتھ، نیز بعض روایات میں وتر کی رکعت کو بھی نماز تہجد کی رکعتوں میں شامل کر کے انہیں شمار کیا گیا ہے اور بعض روایات میں وتر کی رکعتوں کو ان سے الگ شمار کیا گیا ہے اسی طرح بعض روایات میں وتر کا اطلاق ایک رکعت پر کیا گیا ہے اور بعض میں تین، پانچ اور سات تک پر کیا گیا ہے بلکہ بعض روایات میں تو رات کی تمام نماز کو وتر کہا گیا ہے، انہیں تمام روایات کو آپ ﷺ کے ساتھ اس باب میں پڑھیں گے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

عشاء و فجر کے درمیان گیارہ رکعت

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ أَنْ يُفْطِرَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى الْفَجْرِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُؤْتِي بِوَاحِدَةٍ فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذَلِكَ قَدْزَ مَا يَفْرَأُ أَحَدُكُمْ خَمْسِينَ آيَةً قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى شِقْبِهِ الْأَيْمَنِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْإِقَامَةِ فَيُخْرُجُ - (بخاری علیہ)

”ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نماز عشاء سے فارغ ہو کر نماز فجر تک (اکثر) گیارہ رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور (پھر آخر میں) ایک رکعت کے ساتھ وتر کر لیا کرتے تھے اور اس رکعت میں اتنا طویل سجدہ کرتے جتنی دیر میں کوئی شخص اپنا سر اٹھانے سے پہلے پچاس آیتیں پڑھ لے پھر جب مؤذن فجر کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا اور فجر طلوع ہو جاتی یعنی صبح کی روشنی پہلنے لگتی تو آپ ﷺ کھڑے ہوتے اور دو رکعتیں بھی (یعنی فجر کی سنتیں) پڑھتے اور (اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے) اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے تھے یہاں تک کہ مؤذن تکبیر کے لئے (یعنی تکبیر کہنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے) آپ ﷺ کے پاس آتا تو آپ ﷺ نماز کے لئے (مسجد) تشریف لے جاتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے الفاظ و یوتر بواحدة کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ﷺ وتر کے لئے ایک رکعت علیحدہ پڑھتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے

کہ آپ ﷺ گیارہ رکعتیں اس طرح پڑھا کرتے تھے کہ آخری دونوں رکعتوں یعنی نویں اور دسویں کے ساتھ ایک رکعت بڑھا کر تینوں کو وتر بنا دیا کرتے تھے۔

ابن حجر شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، اول یہ کہ وتر کی کم سے کم ایک رکعت ہے یعنی وتر کی ایک رکعت علیحدہ سے پڑھی جاسکتی ہے، دوم یہ کہ تہجد کی نماز میں ہر دور رکعت پر سلام پھیر دینا چاہیے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔

فیسجد السجدة الخ سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر رکعت کا سجدہ بقدر مذکورہ طویل کرتے تھے لیکن اس کا مفہوم یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ صرف وتر کے سجدوں میں سے ایک سجدہ یا وتر کے سب سجدے بقدر مذکور طویل کرتے تھے۔ بعض مقامات پر کچھ لوگ وتر کے بعد کیفیت معروف کے ساتھ دو سجدے کرتے ہیں اور بعض ضعیف فقہی روایات میں ان کی فضیلت بھی مذکور ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ احادیث سے ان دونوں سجدوں کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ فقہ کی وہ روایت جو مستند و مختار ہیں ان میں ان کا کوئی ذکر ہے۔ نیز حرمین شریفین بلکہ پورے عرب میں کہیں بھی یہ سجدے نہیں کئے جاتے۔

اس سلسلہ میں ایک حدیث بھی منقول ہے جس میں ان سجدوں کو "اختراع محض" کا درجہ دیا گیا ہے پھر یہ کہ چاروں ائمہ میں سے کوئی بھی امام اس کے نہ مسنون ہونے کا قائل ہے اور نہ ہی مستحب ہونے کا بلکہ بلاد عرب کے اکثر خفیہ تو اسے جانتے بھی نہیں اور بعض علماء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، بہر حال اگر کسی جگہ یہ طریقہ رائج ہے تو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

دکعتین خفیفین یعنی فجر کی سنتیں، بلکہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سنت کی دونوں رکعتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ھو اللہ پڑھا کرتے تھے اور یہی مستحب ہے مگر لازم نہیں ہے۔

فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے آپ ﷺ اس لئے لیٹ جاتے تھے تاکہ تمام رات عبادت خداوندی اور نماز میں مشغول رہنے کی وجہ سے جو تکان وغیرہ پیدا ہو جاتا تھا وہ تھوڑی دیر آرام کر لینے سے ختم ہو جائے اور فرض پوری چستی اور یشاشت کے ساتھ ادا ہوں، لہذا مختار یہ ہے کہ جو شخص رات میں عبادت الہی اور ذکر اللہ وغیرہ میں مشغول رہے اس کے لئے فجر کی سنتیں پڑھ کر تھوڑی دیر کے لئے بغرض استراحت لیٹ جانا مستحب ہے۔

فجر کی فرض نماز اور سنتوں کے درمیان بات چیت کرنا

② وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى ذَكَعَتِي الْفَجْرِ لَئِنْ كُنْتُ مُسْتَبِقَظَةً حَدَّثَنِي وَالْأَصْطَلَحُ - (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب فجر کی سنتیں پڑھ لیتے تو اگر میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے بات چیت میں مشغول ہو جاتے اور اگر میں سوئی ہوتی ہوتی تو (آپ ﷺ بھی) لیٹ جاتے۔" (مسلم)

تشریح: حضرت ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ فجر کی فرض نماز اور سنتوں کے درمیان فرق کرنا جائز ہے نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس وقت (یعنی فجر کی فرض نماز اور سنتوں کے درمیان) اپنے اہل خانہ سے بات چیت میں مشغول ہونا مستحب ہے، گویا حضرت ابن مالکؒ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ "فرض اور سنت نمازوں کے درمیان گفتگو کرنا نماز کو یا اس کے ثواب کو ختم کر دیتا ہے" یہ قول غلط ہے لیکن پھر بھی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کا محور و بنیاد نہیں ہوتی تھی بلکہ آپ ﷺ کی گفتگو دینی اور اخروی موضوع سے متعلق ہوتی تھی، اس لئے اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ فرض و سنت نمازوں کے درمیان دنیاوی گفتگو میں مشغول ہونا خلاف اولیٰ ہے۔ کیونکہ سنت نمازوں کی مشروعیت کی حکمت ہی یہ ہے کہ فرض نماز پڑھنے والا شخص

پہلے سے کچھ نمازیں پڑھ کر ”حالت کمال“ کے لئے تیار ہو اور اس سے غفلت وستی دور ہو جائے تاکہ فرض نماز میں پورے خشوع و خضوع کمال حضور اور عبادت خداوندی کے حقیقی اور لطف جذبہ کے ساتھ شامل ہو سکے اور اس کا دل و دماغ دنیا سے پوری طرح یکسو ہو کر توجہ الی اللہ میں پوری طرح مستغرق ہو جائے، برخلاف اس کے سنت نماز پڑھ کر فرض شروع کرنے سے پہلے دنیاوی گفتگو میں مشغول ہونا اس حکمت کے خلاف ہے کیونکہ اس طرح دل و دماغ شوق و حضوری سے الگ ہو کر دنیا کی باتوں کے چکر میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ صحابہ وغیرہ میں سے بعض علماء نے طلوع فجر کے بعد نماز فجر ادا کرنے سے پہلے کسی دنیاوی گفتگو میں مشغول ہونے کو مکروہ کہا ہے ہاں ذکر اللہ یا ایہادیناوی کلام جس کی حقیقت میں اس وقت ضرورت ہو اس سے مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ احمدؒ، اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

لہذا اس حدیث کے بارہ میں کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ فجر کی سنت پڑھ کر حضرت عائشہؓ سے جو کلام کرتے تھے یا تو وہ دینی اور اخروی ہوتا تھا یا پھر کسی حاجت اور ضرورت کی بنا پر آپ ﷺ ان سے گفتگو میں مشغول ہوتے تھے، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ اِنْ كَانَتْ لَهٗ اِلَیَّ حَاجَةٌ كَلَمْتُہِی (اگر آپ ﷺ کو کوئی ضرورت مجھ سے متعلق ہوتی تو آپ ﷺ مجھ سے گفتگو کرتے) بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

فجر کی سنتوں کے بعد استراحت!

③ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَكَعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلَى شِقْبِهِ الْأَيْمَنِ۔ (ترمذی علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ فجر کی دو رکعت سنتیں پڑھ کر اپنی دائیں کروٹ پر (یعنی رو قبلہ) لیٹ جاتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

④ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكَعَةً مِنْهَا الْوُتْرُ وَرَكَعَتَا الْفَجْرِ۔

(رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں نماز پڑھتے تھے ان میں وتر (کی تین رکعتیں) اور فجر کی سنت کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتیں۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ رات میں جو تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے ان میں وتر کی تین رکعتیں اور فجر کی سنت کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتی تھیں، گو حدیث کے الفاظ میں وتر کے ساتھ ”تین رکعت“ کا ذکر نہیں ہے لیکن تمام علماء کے نزدیک چونکہ وتر کی تین رکعتیں ہی پڑھنا افضل ہے اس لئے ”تین رکعت“ کی قید لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ پھر یہ کہ دوسری روایات میں تین رکعت کی صراحت بھی ہے۔ چنانچہ ترمذیؒ نے شامل میں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ثم یصلی ثلثاً (پھر آپ ﷺ تین رکعتیں پڑھتے تھے) اسی طرح مسلمؒ کی روایت ثم اوتر بثلاث (یعنی پھر آپ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے) کے الفاظ منقول ہیں۔ اس حدیث میں ”رکعتوں کی تعداد“ تیرہ اس طرح نقل کی گئی ہے کہ فجر کی سنت کی دو رکعتوں کو بھی ان میں شمار کیا گیا ہے ورنہ تو آنحضرت ﷺ رات میں مع وتر کے کل گیارہ رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے جیسا کہ دوسری روایتوں میں مذکور ہے چونکہ تہجد کی نماز پڑھنے اور فجر کی سنتیں پڑھنے کا درمیانی وقفہ زیادہ نہیں ہوتا تھا بلکہ تقریباً دونوں نمازیں ساتھ ہی پڑھتے تھے اس لئے ان دونوں رکعتوں کو بھی ان میں شمار کر لیا گیا ہے۔

⑤ وَعَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَتِسْعٌ

وَإِخْدَى عَشْرَةَ رَكَعَةً يَسُورُ رَكَعَتَيِ الْفَجْرِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت مسروقؒ کہتے ہیں کہ میں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سرور کائنات کی رات کی نماز کے بارہ میں دریافت کیا (کہ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟) تو انہوں نے فرمایا کہ کبھی تو آپ ﷺ سات رکعتیں پڑھتے تھے کبھی نو رکعتیں اور کبھی گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے علاوہ فجر کی سنتوں کے۔“ (بخاری)

تشریح: ظاہر یہ ہے کہ ”علاوہ فجر کی سنتوں کے“ کا تعلق احدى عشرہ رکعتہ (گیارہ رکعتوں سے) ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جن روایات میں تیرہ رکعتیں منقول ہیں ان میں دو رکعت فجر کی سنت کی بھی شامل ہے۔

علامہ قاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں جو یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے رات میں پندرہ رکعتیں بھی پڑھی ہیں تو اس کا محمول یہ ہے کہ پندرہ میں فجر کی سنت کی دو رکعتیں بھی شامل کی گئی ہیں، یعنی تیرہ رکعت تہجد کی اور دو رکعت فجر کی سنت کی لیکن اس احتمال سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ بارہ رکعتیں تو آپ ﷺ نے تہجد کی پڑھی ہوں اور تین رکعتیں وتر کی۔ چنانچہ اس کی دلیل ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ جس روز آنحضرت ﷺ پر نیند کا غلبہ ہو جاتا تھا اور آپ ﷺ تہجد پڑھے بغیر سو جاتے تھے تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔

تہجد کی ابتدائی دو رکعتوں کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟

① وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ افْتَتَحَ صَلَاتَهُ بِرُكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب رات میں (تہجد کی) نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو اپنی نماز کی ابتداء دو ہلکی رکعتوں سے فرماتے تھے۔“

تشریح: ”تاب الزہار“ میں لکھا ہے کہ ”دو ہلکی رکعتیں“ وضو کی دو رکعتیں ہیں کہ ان میں تخفیف یعنی ان کو مختصر پڑھنا ہی مستحب ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں رکعتیں تہجد کی ہوتی تھیں جو تحیۃ الوضو کے قائم مقام تھیں اور آپ ﷺ اس وقت وضو کے لئے علیحدہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَحِ الصَّلَاةَ بِرُكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص رات میں (نماز پڑھنے کے لئے نیند سے اٹھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی نماز کی ابتداء دو ہلکی رکعتوں سے کرے)۔“ (مسلم)

③ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتْ بَشَّ عِنْدَ خَالَتَيْنِ مَيْمُونَةَ لَيْلَةً وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فَتَحَدَّثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَهْلِهِ سَاعَةً ثُمَّ رَفَعَ فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْأَخِيرِ أَوْ بَعْضُهُ فَقَعْدَ فَتَنَظَّرَ إِلَى السَّمَاءِ فَقَرَأَ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْخِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَا يَتَلَاوِي الْأَلْبَابَ حَتَّى خَتَمَ السُّورَةَ ثُمَّ قَامَ إِلَى الْقُبْرَةِ فَأَطْلَقَ سِنَانَهَا ثُمَّ صَبَّ فِي الْجَفَنَةِ ثَمَّ تَوَضَّأَ وَضَوْءَ حَسَنَاتَيْنِ الْوُضُوءَيْنِ لَمْ يَكْثُرْ وَقَدْ أَبْلَغَ فَقَامَ فَصَلَّى فَقُمْتُ وَتَوَضَّأْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بِأُذُنِي فَأَذَانِي عَنْ يَمِينِهِ فَتَنَامَتْ صَلَاتُهُ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رُكْعَةً ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ فَأَذَانَهُ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَكَانَ فِي دُعَائِهِ اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا وَعَنْ يَمِينِي نُورًا وَعَنْ يَسَارِي نُورًا وَفَوْقِي نُورًا وَتَحْتِي نُورًا وَأَمَامِي نُورًا وَخَلْفِي نُورًا وَاجْعَلْ لِي نُورًا وَرِزْقًا بَعْضُهُمْ وَفِي لِسَانِي نُورًا وَذِكْرًا وَعَصِيٍّ وَلَحْمِي وَدَمِي وَشَعْرِي وَبَشْرِي۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا

وَجَعَلَ فِي نَفْسِي نُورًا وَاعْظِمَ لِي نُورًا وَفِي أَخْرَى الْمُسْلِمِ اللَّهُمَّ اعْظِمْنِي نُورًا۔

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے اپنی خالہ اُم المؤمنین حضرت میمونہؓ کے یہاں ایک رات گزاری، آنحضرتؐ (بھی اس رات کو) انہیں کے یہاں تھے (یعنی اس رات کو حضرت میمونہؓ کے یہاں کی باری تھی) کچھ رات گئے تک آپؐ اپنی زوجہ (حضرت میمونہؓ) سے باتیں کرتے رہے پھر سو گئے، جب تہائی یا اس سے بھی کچھ رات باقی رہ گئی تو آپؐ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاجْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَا يُتٰ لَوْحِي الْاَلْبَابِ (آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات و دن کے اختلاف (یعنی کبھی) اندھیرا، کبھی اجالا، کبھی گرمی، کبھی جارا، کبھی درازی، کبھی کمی) میں بے شک عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں) آپؐ نے پوری سورۃ پڑھی، پھر اٹھ کر مشک کے پاس گئے اور اس کا بند کھول کر پیالہ میں پانی ڈالا، پھر اچھا اور میانہ وضو کیا (یعنی نہ تو پانی اتنا زیادہ بہایا کہ حد اسراف کو پہنچ جاتا اور نہ اتنا کم ڈالا کہ غصاء وضو بھی تر نہ ہوتے، بلکہ درمیانہ درجہ کا اچھا وضو کیا چنانچہ حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ درمیانہ وضو کا مطلب یہ ہے کہ بہت زیادہ پانی نہیں بہایا بلکہ (جن اعضاء کا دھونا فرض ہے) پانی ان اعضاء تک پہنچایا، پھر آپؐ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے (یہ دیکھ کر) میں بھی اٹھا اور (جس طرح آنحضرتؐ نے وضو کیا تھا) میں بھی اسی طرح وضو کر کے آنحضرتؐ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آنحضرتؐ نے میرا کان پکڑ کر اپنی بائیں طرف سے مجھے گھما کر اپنی دائیں طرف مجھے کھڑا کر دیا جب آپؐ کی تیرہ رکعت نماز پوری ہو گئی تو لیٹ گئے، چونکہ آپؐ سوتے وقت خرائے لیتے تھے اس لئے سو کر خرائے لینے لگے، اتنے میں حضرت بلالؓ نے آکر نماز کا وقت شروع ہو جانے اور جماعت کے تیار ہونے کی اطلاع کی، چنانچہ آپؐ نے وضو کئے بغیر (سنت) نماز پڑھی اور آپؐ (فرض و سنت کے درمیان) دعا میں یہ پڑھتے تھے: اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا وَفِي لِسَانِي نُورًا وَفِي فَوْقِي نُورًا وَفِي تَحْتِي نُورًا وَامَامِي نُورًا وَخَلْفِي نُورًا وَاجْعَلْ لِي نُورًا (اے اللہ! میرے دل میں، میری آنکھوں میں، میرے کانوں میں، میرے دائیں، میرے بائیں، میرے اوپر، میرے نیچے، میرے آگے، میرے پیچھے، نور عطا کر اور میرے لئے نور ہی نور پیدا کر دے) اور بعض راویوں نے یہ الفاظ بھی نقل کئے وَفِي لِسَانِي نُورًا (یعنی میری زبان میں نور پیدا کر دے) بعض راویوں نے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں۔ وَغَضَبِي وَلَحْمِي وَدَهْنِي وَشَعْرِي وَبَشَرِي یعنی میرے اعصاب میں، میرے گوشت میں، میرے خون میں، میرے بالوں میں، اور میری جلد میں نور پیدا کر دے (بخاری و مسلم) اور بخاری و مسلم ہی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں وَاجْعَلْ فِي نَفْسِي نُورًا وَاعْظِمَ لِي نُورًا یعنی اے اللہ! میری جان میں نور پیدا کر دے اور میرے لئے نور میں بڑائی دے۔ مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے اللَّهُمَّ اعْظِمْنِي نُورًا یعنی اے اللہ! مجھے نور عطا فرما۔“

تشریح: جب حضرت بلالؓ نے آکر آنحضرتؐ کو نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع دی اور آپؐ نیند سے بیدار ہوئے۔ تو بغیر وضو کئے ہی فجر کی سنتیں پڑھ لیں اس موقع پر یہ اشکال پیدا نہیں کیا جاسکتا کہ آپؐ نے وضو کئے بغیر نماز کیسے پڑھ لی؟ کیونکہ علماء لکھتے ہیں کہ سو جانے کے باوجود آنحضرتؐ نے وضو اس لئے نہیں کیا کہ فقط سو جانے سے وضو نہیں لوٹا بلکہ نیند سے بیداری کے بعد نماز پڑھنے کے لئے وضو اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ نیند میں وضو لوٹ جانے کا احتمال رہتا ہے۔ مگر آنحضرتؐ کا دل چونکہ ہمیشہ بیدار رہتا تھا یہاں تک کہ نیند کی حالت میں بھی آپؐ کے دل پر کوئی غفلت طاری نہیں ہوتی تھی اس لئے آپؐ کے سونے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ آپؐ کا وضو لوٹ گیا ہو، اور آپؐ کو معلوم نہ ہوا ہو۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد ایسی بات چیت جس کا موضوع دین و آخرت اور وعظ و نصیحت ہو یا اپنے اہل خانہ سے بطریق اختلاط ہو تو وہ مکروہ نہیں ہے۔

یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی گزشتہ حدیث کے مخالف نظر آتی ہے کیونکہ یہاں حضرت ابن عباسؓ کے قول سے تو معلوم ہوتا ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے رات میں جو تیرہ رکعتیں پڑھیں ان میں وتر کی تین رکعت تو شامل تھیں لیکن فجر کی سنت کی دو رکعتیں ان میں شامل نہیں تھیں۔ جب کہ عائشہؓ کو روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرہ رکعتوں میں وتر کے ساتھ ساتھ فجر کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔

لہذا ان دونوں حدیثوں میں اس تاویل سے مطابقت پیدا کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی تو تیرہ رکعت اس طرح پڑھتے تھے کہ ان میں فجر کی دو سنتیں بھی شامل ہوتی تھیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے ذکر کیا ہے اور کبھی اس طرح پڑھتے تھے کہ ان میں فجر کی دو سنتیں شامل نہیں ہوتی تھیں جیسے کہ یہاں حضرت ابن عباسؓ کے الفاظ سے مفہوم ہوا۔

حضرت ابن عباسؓ کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نیند کی حالت میں خراٹے لیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ خراٹے لینا سانس کی نالیوں کی کشادگی اور توانے جسمانی کی صفائی اور صحت کی علامت ہے اور اس سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نہ صرف یہ کہ روحانی اور باطنی طور پر کامل و اکمل تھے بلکہ جسمانی طور پر بھی انتہائی صحت مند، قوی اور مضبوط و صاف اعضاء جسم کے مالک تھے۔

حدیث میں مذکور وہ دعاء ”دعائے طویل“ کہلاتی ہے یہ دعا اکثر مشائخ کے معمول میں داخل ہے اسے تہجد کے بعد بھی پڑھنا ثابت ہے۔ اس دعا کی بڑی عظمت و فضیلت اور برکت ہے چنانچہ حضرت شیخ امام شہاب الدین سہروردیؒ نے ”عوراف“ میں لکھا ہے کہ جس شخص کو بھی میں نے اس دعا پر مواظبت و مداومت کرتے دیکھا ہے اس کے پاس ایک برکت محسوس ہوتی ہے۔

وتر کی تین رکعتیں ہیں

⑨ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ رَفَعَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَيْقِظَ وَتَسَوَّلَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُولُ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَتَّى خُتِمَ السُّورَةُ لَمْ يَأْمُرْ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ أَطَالَ فِيهِمَا الْقِيَامَ وَالزُّكُوفَ وَالسُّجُودَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتَّى نَفَعَ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بَسَّ رَكَعَاتٍ كُلُّ ذَلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هَؤُلَاءِ الْآيَاتِ لَمْ أَوْتَرِ بِشَأْنٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ (ایک رات) سرور کائنات ﷺ کے ہاں سوئے چنانچہ (انہوں نے بیان کیا کہ) آپ ﷺ رات میں بیدار ہوئے، مسواک کی اور وضو کیا پھر یہ آیت پڑھی اِنِّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خُتِمَ السُّورَةُ تک، اس کے بعد آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی جس میں قیام، رکوع اور سجود کو طویل کیا پھر (دو رکعت نماز سے) فارغ ہو کر سو گئے اور خراٹے لینے لگے، تین مرتبہ آپ ﷺ نے اسی طرح کیا (یعنی دو رکعت مذکورہ طریقہ پر پڑھ کر لیٹ جاتے پھر اٹھ کر دو رکعت پڑھتے اور پھر لیٹ جاتے) اس طرح آپ ﷺ نے تین مرتبہ میں چھ رکعتیں پڑھیں اور تینوں مرتبہ میں سے ہر بار آپ ﷺ مسواک بھی کرتے وضو بھی کرتے اور آیتیں بھی پڑھتے تھے۔ پھر آخر میں آپ ﷺ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھیں۔“ (مسلم)

تشریح: یہ حدیث بصراحت اس بات کی دلیل ہے کہ وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہی ہے۔ گو حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک وتر کی ایک ہی رکعت ہو سکتی ہے لیکن اس حد تک تو وہ بھی حنفیہ ہی کے ساتھ ہیں کہ ان کے نزدیک بھی وتر کے لئے صرف ایک رکعت پڑھنا مکروہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کی نماز تہجد کی کیفیت

⑩ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْحَنْبَلِيِّ أَنَّهُ قَالَ لَا رَفْعَ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَةَ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ أَوْتَرَهُ فَلَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكَعَةً

رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَوْلُهُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا ذَوْنُ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا أَرْبَعٌ مَرَّاتٍ هَكَذَا فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ وَأَهْلُوَادِهِ مِنْ كِتَابِ
الْحَمْدِ بِيَدِي وَمَوْطَأُ مَالِكٍ وَسَنَنِ أَبِي دَاوُدَ وَجَامِعِ الْأَصُولِ۔

”اور حضرت زید بن خالد جہنی کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ میں نے ارادہ کیا کہ) میں آج کی رات سرور کائنات ﷺ کی نماز کو دیکھتا رہوں گا چنانچہ (میں نے دیکھا کہ) پہلے آپ ﷺ نے دو رکعتیں ہلکی پڑھیں پھر دو رکعتیں طویل طویل پڑھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں جو ان دونوں رکعتوں سے کم (طویل) تھیں جو آپ ﷺ نے ان سے پہلے پڑھی تھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں جو پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں سے کم (طویل) تھیں، پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں جو پہلے پڑھی جانے والی دونوں رکعتوں سے کم (طویل) تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے وتر پڑھے اور یہ سب تیرہ رکعتیں ہو گئیں (مسلم) اور زید کا یہ قول کہ پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں سے کم تھیں، صحیح مسلم میں حمیدی کی کتاب میں کہ جس میں انہوں نے فقط مسلم کی ہی روایتیں نقل کی ہیں اور موطا امام مالک، سنن ابی داؤد، نیز جامع الاصول سب میں چار مرتبہ منقول ہے۔“

تشریح: اس حدیث سے صریح طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھی تھیں یا ایک ہی رکعت پڑھی تھی، کیونکہ اگر دو رکعتیں ہلکی اس نماز میں شانہ کی جائیں تو وتر کی تین رکعتیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر ان دونوں رکعتوں کو بھی اس نماز میں شامل کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وتر کی ایک ہی رکعت پڑھی گئی تھی۔ تاہم صحیح اور ظاہری یہ ہے کہ دونوں ہلکی رکعتیں اس نماز میں شامل نہیں تھیں اس طرح آپ ﷺ نے وتر کی تین رکعتیں پڑھیں۔

حمیدی کی کتاب ”جمع بین الصحیحین“ میں تین قسم کی احادیث منقول ہیں۔ ① متفق علیہ یعنی بخاری و مسلم دونوں کی روایتیں۔ ② افراد بخاری یعنی وہ روایتیں جنہیں صرف بخاری نے نقل کیا ہے۔ ③ افراد مسلم یعنی وہ روایتیں جنہیں صرف مسلم نے نقل کیا ہے۔ لہذا روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا ذَوْنُ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا متن صحیح مسلم میں چار مرتبہ منقول ہے اسی طرح کتاب حمیدی کہ جس میں صرف مسلم کی روایات منقول ہیں۔ موطا، امام مالک، سنن ابی داؤد اور جامع الاصول میں بھی چار ہی مرتبہ منقول ہے۔ مؤلف مشکوٰۃ نے اس چیز کو یہاں اتنی شد و مد اور مبالغہ کے ساتھ اس لئے بیان کیا ہے کہ صاحب مصابح کا رد ہو جائے کہ انہوں نے اس عبارت کو تین مرتبہ نقل کیا ہے جس کی بنا پر رکعتوں کی تعداد گیارہ رہ جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ آخر عمر میں نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے

⑪ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَدَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَلَ كَانَ أَكْثَرُ صَلَاتِهِ جَالِسًا۔ (متفق علیہ)

”اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ جب عمر کے آخری حصہ میں پہنچے اور (بڑھاپے کی وجہ سے) بدن بخاری ہو گیا تو آپ ﷺ اکثر نفل نمازیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

نماز تہجد میں آنحضرت ﷺ کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے؟

⑫ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بَيْنَهُنَّ فَذَكَرَ عَشْرِينَ سُورَةً مِنْ أَوَّلِ الْمُفْصَلِ عَلَى تَأْلِيفِ ابْنِ مَسْعُودٍ سُورَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ أَحْزَمُ حَمِ الدُّخَانِ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو سورتیں آپس میں ہم مثل ہیں اور سرور کائنات ﷺ جنہیں جمع کرتے تھے میں انہیں جانتا ہوں۔ چنانچہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے اپنی ترتیب کے مطابق بیس سورتیں جو مفصل کے اوّل میں ہیں مکن کر بتائیں۔ آنحضرت ﷺ ان

سورتوں کو اس طرح جمع کرتے تھے کہ ایک ایک رکعت میں دو دو سورتیں پڑھا کرتے تھے اور (ان میں سورتوں میں) آخر کی دو سورتیں ختم اللہ تبارک و تعالیٰ اور عم یتساءلون ہیں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "اہلس میں ہم مثل سورتوں" سے مراد وہ سورتیں ہیں جو طوالت و اختصار میں آپس میں برابر ہیں۔ مفصل کا مطلب باب القراءۃ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ قول مشہور کے مطابق سورۃ حجرات سے آخر تک کی سورتوں کو "مفصل" کہتے ہیں۔ وہ سورتیں جو آپس میں ایک دو سرے کے برابر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترتیب کے مطابق کہ جنہوں نے کلام اللہ کو جمع کیا تھا، یکجا کیا تھا، ان میں سورتوں کی تفصیل البوداؤد میں اس طرح مذکور ہے:

آنحضرت ﷺ ایک ایک رکعت میں دو، دو سورتیں (اس طرح) پڑھا کرتے تھے کہ سورۃ رحمن اور سورۃ نجم ایک رکعت میں، اقتربت الساعة اور الحاقہ ایک رکعت میں، طور اور زاریات ایک رکعت میں، اذا وقعت الواقعة اور سورۃ نون ایک رکعت میں، سال مسائل اور النازعات ایک رکعت میں، ویل للمطففین اور عبس ایک رکعت میں، مدثر اور مزل ایک رکعت میں، ہل اتی اور لا اقسام بیوم القیامۃ ایک رکعت میں، عم یتساءلون اور مرسلات ایک رکعت میں، دخان اور اذا الشمس کورت ایک رکعت میں، البوداؤد نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ ترتیب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جمع کرنے کے مطابق ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ طریقہ کے مطابق آنحضرت ﷺ سورۃ دخان اور عم یتساءلون ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں سورتیں نہ صرف یہ کہ ہم مثل اور آپس میں برابر نہیں ہیں بلکہ اس طرح حدیث کے اس آخری جزاء اور حدیث کے ظاہری معنی و مفہوم میں مطابقت نہیں رہے گی، چنانچہ اس جزاء کی توضیح یہ کی جائے گی کہ حدیث کے ان الفاظ کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ "ان میں سورتوں میں کی آخری سورتیں حم الدخان اور اس کے ہم مثل یعنی اذا الشمس کورت اور عم یتساءلون اور اس کے ہم مثل یعنی والمرسلات ہیں۔" اس کا مطلب اب یہ ہو جائے گا کہ آپ ﷺ ایک رکعت میں حم الدخان اور اذا الشمس کورت پڑھتے تھے جو ہم مثل اور برابر کی سورتیں ہیں اسی طرح ایک رکعت میں عم یتساءلون اور والمرسلات پڑھتے تھے جو ہم مثل اور برابر کی سورتیں ہیں۔

قرآن پڑھنے کی ترتیب: علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ قرآن کریم اسی ترتیب کے مطابق پڑھا جائے جو اب مروج ہے کسی دوسری ترتیب کے مطابق نہ پڑھا جائے، ہاں بچوں کو ضرورتاً یعنی تعلیم وغیرہ کی وجہ سے آخر کی طرف سے بھی پڑھا دیا جائے اور اگر نماز میں خلاف ترتیب قرآن پڑھا جائے گا تو یہ خلاف اولیٰ ہو گا بلکہ بعض علماء کے نزدیک تو یہ مکروہ ہے چنانچہ حضرت امام احمدؒ کا ایک مذہب ہے۔

پہلی رکعت میں سورۃ والناس پڑھ لینے کا مسئلہ: اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص پہلی رکعت میں سورۃ والناس پڑھ لے تو دوسری میں کیا پڑھے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس شکل میں دوسری رکعت میں بھی سورۃ والناس ہی پڑھنی چاہیے، لیکن حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر پہلی رکعت میں سورۃ والناس پڑھی گئی ہے تو دوسری رکعت میں سورۃ بقرہ شروع کر دی جائے اس طرح کہ آئمہ سے لے کر مظلوم تک کی آیتیں پڑھی جائیں، ایک روایت میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بھی یہی منقول ہے بلکہ یہی قول زیادہ اولیٰ ہے۔

الفصل الثانی

آنحضرت ﷺ کی نماز تہجد کی کیفیت

(۱۳) عَنْ حَدِیْقَةِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِیَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی مِنَ اللَّیْلِ فَكَانَ یَقُولُ اللَّهُ أَكْثَرُ ثَلَاثًا ثَوَالِ مَلَكُوتِ

وَالْحَبِزُوتِ وَالْكَبِيرِيَاءِ وَالْعِظْمَةُ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَأَ الْبَقْرَةَ ثُمَّ زَكَعَ فَكَانَ زَكْوَعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُولُ فِي زَكْوَعِهِ
سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الزَّكْوَعِ فَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِنْ زَكْوَعِهِ يَقُولُ لِرَبِّي الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ
سُجُودُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُولُ فِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ وَكَانَ يَقَعُدُ فَيَمْنَيْنِ
السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِنْ سُجُودِهِ وَكَانَ يَقُولُ رَبِّ اغْفِرْ لِي رَبِّ اغْفِرْ لِي فَصَلَّى أَرْبَعَ زَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيهِنَّ الْبَقْرَةَ وَالْ
عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ أَوْ لَا تَعْلَمُ شَكَّ مُعْبِدُهُ - (رواہ ابوداؤد)

”حضرت حذیفہؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے سرور کائنات ﷺ کو رات میں (تہجد کی) نماز پڑھتے دیکھا ہے چنانچہ (ان کا بیان ہے کہ) آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر یہ کہا ذو الملکوت والعجروت والکبریاء والعظمة (اللہ تعالیٰ، ملک، غلب، بڑائی اور بزرگی کا مالک ہے) اس کے بعد آپ ﷺ نے سبحانک الہم پڑھ کر سورہ بقرہ کی قراءت فرمائی اور اس کے بعد رکوع کیا آپ ﷺ کا رکوع (تقریباً) قیام کے برابر تھا، رکوع میں آپ نے سبحان ربی العظیم کہا پھر رکوع سے سر اٹھایا اور آپ ﷺ کا کھڑا ہونا یعنی قومہ (تقریباً) آپ ﷺ کے رکوع کے برابر تھا اور (رکوع سے) اٹھ کر سبحان اللہ لہن حمد کہنے کے بعد آپ ﷺ کہتے لِرَبِّي الْحَمْدُ (میرے پروردگار ہی کے لئے ساری تعریف ہے) پھر سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے سجدہ کی مقدار آپ کے قومہ کے برابر تھی اور سجدہ میں آپ ﷺ کہتے سبحان ربی الاعلیٰ پھر آپ ﷺ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور آپ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان (یعنی جلسہ میں) اپنے سجدے کے برابر بیٹھے اور یہ کہتے رب اغفر لی رب اغفر لی (اے میرے رب میری بخشش کر اے میرے رب مجھے بخش دے) اسی طرح آپ ﷺ نے چار رکعتیں پڑھیں۔ اور ان (چاروں رکعتوں میں) سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء اور سورہ مائدہ یا سورہ النعام پڑھیں (حدیث کے راوی) شعبہؒ کو شک واقع ہو گیا ہے (کہ حدیث میں آخری سورہ مائدہ کا ذکر کیا گیا تھا یا النعام کا)۔“

تشریح: ”آپ کا رکوع قیام کے برابر تھا“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حقیقتہً آپ ﷺ کا رکوع تقریباً قیام کے برابر تھا، یا یہ کہ آپ ﷺ رکوع میں اتنی ہی دیر تک رہتے تھے جتنی دیر تک قیام کرتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ نے معمول سے کچھ زیادہ قیام کو طویل کیا تھا اسی طرح رکوع کو بھی مقدار معمول سے زیادہ دراز کیا، ہاں کبھی دونوں یعنی قیام اور رکوع برابر بھی ہوتے تھے جیسا کہ نسائیؒ نے حضرت عوف بن مالکؒ کی روایت نقل کی ہے۔
”رب اغفر لی“ دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اس سلسلہ میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ ﷺ رب اغفر لی دو مرتبہ کہتے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے احتمال دو سے زائد بہت مرتبہ کہنا ہو۔ واللہ اعلم۔“

نماز تہجد میں زیادہ قیام کی فضیلت

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَامَ بِعَشْرِ آيَاتٍ لَمْ يَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَائِمِينَ وَمَنْ قَامَ بِأَلْفِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقْنَطَرِينَ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جو شخص دس آیتوں کے (پڑھنے کے) ساتھ قیام کرے تو وہ غافلین میں شمار نہیں کیا جاتا (یعنی اس کا نام صحیفہ غافلین میں نہیں لکھا جاتا) اور جو شخص سو آیتوں کے (پڑھنے کے) ساتھ قیام کرے تو اس کا نام فرمانبرداروں میں لکھا جاتا ہے اور جو شخص ہزار آیتوں کے (پڑھنے کے) ساتھ قیام کرے تو اس کا نام بہت زیادہ ثواب پانے والوں میں لکھا جاتا ہے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”مطلب یہ ہے کہ جو شخص تہجد کی نماز میں دس، سو یا ہزار آیتوں کی قراءت ترتیل اور اطمینان کے ساتھ کرے تو اسے نہ کوہ بالا ثواب اور سعادت کی فضیلت حاصل ہوگی اور اگر کوئی شخص اپنی نماز میں دس آیتیں پڑھے گا تو فضیلت و ثواب کے اعتبار سے وہ آدمی اس

سے کمتر ہو گا جو سو آیتیں اپنی نماز میں پڑھے گا، اسی طرح جو شخص سو آیتیں اپنی نماز میں پڑھے گا تو وہ فضیلت و سعادت کے اعتبار سے اس شخص سے کم تر ہو گا جو اپنی نماز میں ایک ہزار آیتوں کی قراءت کرے گا۔
اس موقع پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں، اول تو یہ کہ آیتوں کی مذکورہ تعداد ایک رکعت میں پڑھنے کا اعتبار ہو گا یا ایک سے زائد رکعت میں یہ تعداد پڑھی جائے۔

دوم یہ کہ یہ تعداد سورۃ فاتحہ کی آیتوں کو شامل ہے یا اس کے علاوہ ہے۔

پہلے سوال کے متعلق علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ آیتوں کی مذکورہ تعداد دو یا دو سے زیادہ رکعتوں میں پڑھی جائے۔
دوسرے سوال کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ تو یہی مراد بتاتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ دس آیتیں ہوں لیکن صحیح اور ظاہر یہ ہے کہ حدیث میں مذکورہ ثواب اس شکل میں بھی حاصل ہوتا ہے کہ مذکورہ تعداد سورۃ فاتحہ کو شامل کر کے پڑھی جائے یا اس طور کہ سات آیتیں تو سورۃ فاتحہ کی ہو جائیں گی اور تین آیتیں مزید کہ جو نماز کی قراءت کا ادنیٰ درجہ ہے۔

قاتن کے معنی ہیں اطاعت پر مواعظت اور مداومت کرنے والے یا عبادت خداوندی میں قیام (یعنی کھڑے ہونے) کو طویل کرنے والے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نماز میں سو آیتیں پڑھتے ہیں ان کا نام اطاعت خداوندی پر مواعظت و مداومت کرنے والوں میں لکھا جاتا ہے۔ یا عبادت خداوندی میں قیام کو طویل کرنے والوں کی جماعت میں لکھا جاتا ہے جو انتہائی سعادت اور خوش بختی کی بات ہے۔
علامہ طہی کے الفاظ سے جو اس حدیث کی تشریح میں ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے، دن یا رات کے ساتھ مقید نہیں ہے یعنی خواہ کوئی کسی بھی نماز ہو، دن کی ہو یا رات کی ہو جس نماز میں بھی آیتوں کی مذکورہ تعداد پڑھی جائے گی، ثواب حاصل ہو گا، تاہم علامہ بغوی نے اس حدیث کو کمال ترین موقع پر یعنی باب ”صلۃ اللیل“ میں نقل کر کے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ رات میں یعنی تہجد کی نماز میں مذکورہ تعداد میں جو آیتیں پڑھی جائیں گی تو اس کا ثواب بہت زیادہ حاصل ہو گا۔
بعض علماء نے لکھا ہے کہ ”قیام کرنا“ اس بات سے کہنا ہے کہ مذکورہ تعداد میں آیتیں یا دو کی جائیں اور انہیں ہر وقت پڑھا جائے نیز یہ کہ ان کے معنی و مقاصد میں غور و فکر اور ان پر عمل کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

نماز تہجد میں آنحضرت ﷺ کی قراءت کا طریقہ

(۱۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوِّزًا وَيُخَفِّضُ طَوِّزًا۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رات کی نماز میں سرور کائنات ﷺ کی قراءت مختلف ہوتی تھی۔ کبھی تو آپ ﷺ بلند آواز سے قراءت فرماتے اور کبھی پست آواز سے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جیسا وقت اور موقع دیکھتے اسی کے مطابق قراءت فرماتے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر آپ ﷺ تہجد ہوتے، اور دوسروں کی نیند خراب ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ باواز بلند قراءت فرماتے تھے اور اگر اس پاس کوئی سویا ہوا ہوتا تو پھر آپ ﷺ اس کی نیند اچاٹ ہونے کے خوف سے قراءت پست آواز سے فرماتے تھے۔

(۱۶) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَدَرٍ مَا يَسْمَعُهُ مِنْ فِي الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِي الْبَيْتِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ اتنی آواز سے قراءت فرماتے تھے کہ اگر آپ ﷺ حجرہ کے اندر پڑھتے ہوتے تو باہر محن میں موجود شخص سن لیتا تھا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: یعنی نہ تو آپ بہت زیادہ بلند آواز سے قراءت کرتے تھے اور نہ بالکل ہی پست آواز سے کہ کوئی سن بھی نہ سکے، بلکہ اتنی آواز سے

پڑھا کرتے تھے کہ اگر آپ ﷺ حجرہ کے اندر نماز پڑھتے ہوئے ہوتے تو وہ لوگ جو باہر محن میں موجود ہوتے تھے آپ ﷺ کی قراءت سن لیتے تھے۔

اتنی بات جان لیجئے کہ قراءت کے سلسلے میں یہ جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے اس کا تعلق رات یعنی تہجد کی نماز سے ہے کیونکہ جب آپ ﷺ مسجد میں نماز پڑھتے تھے تو رات کی نماز کی بہ نسبت زیادہ بلند آواز سے قراءت فرماتے تھے۔

تہجد کی قراءت میں البوکرؓ و عمرؓ کا طریقہ

①۷ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً فَإِذَا هُوَ بِأَبِي بَكْرٍ يُصَلِّي وَيُخَفِّضُ مِنْ صَوْتِهِ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ يُصَلِّي زَافِعًا صَوْتَهُ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي تَخَفِّضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ اسْتَمَعْتُ مِنْ نَاحِيَةٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي زَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْقِظَ النَّوْشَانَ وَأَهْلُذَ الشَّيْطَانَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا بَكْرٍ إِنْ فَعَلَ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا۔ (رواه البورقانی ودرود الترمذی رحمہ اللہ)

”اور حضرت ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرور کائنات ﷺ رات میں باہر نکلے تو ابوبکرؓ کے پاس سے گزرے جو نماز میں پست آواز سے (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے، پھر آپ ﷺ حضرت عمرؓ کے پاس سے گزرے جو نماز میں بلند آواز سے (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے، ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ جب (صبح کو) حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھا (حاضر) ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ، ابوبکرؓ! (آج کی رات) ہم تمہارے پاس سے گزرے تو تم نماز میں پست آواز سے (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں جس سے مناجات کر رہا تھا اسے ہی سنا رہا تھا (یعنی میں اپنے پروردگار کی مناجات میں مشغول تھا اور وہ سننے کے لئے بلند آواز کا محتاج نہیں ہے وہ ہر طرح سے سنتا ہے) پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ، عمرؓ! (آج کی رات) ہم تمہارے پاس سے (بھی) گزرے تھے تم نماز میں یاد آواز بلند (قرآن کریم) پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں (یاد آواز بلند قرآن کریم پڑھ کر ان) سونے ہوئے لوگوں کو جگاتا تھا (جو عبادت خداوندی یعنی تہجد کے وقت اٹھنا تو چاہتے ہیں مگر غنہ کے غلبہ کی وجہ سے ان کی آنکھیں کھل نہیں پاتیں) اور شیطان کو بھگاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے (دونوں کی باتیں سن کر حضرت ابوبکرؓ سے) فرمایا کہ، ابوبکر! تم اپنی آواز کو کچھ اور بلند کرو اور (حضرت عمرؓ سے) فرمایا کہ، عمر! تم اپنی آواز کو پست کرو یعنی اس طرح آنحضرت ﷺ نے حد اعتدال کی طرف دونوں کی رائے کو فرمایا۔“ (ابورقانی و ترمذی)

آنحضرت ﷺ ایک آیت پڑھتے ہوئے تمام رات کھڑے رہے

①۸ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَصْبَحَ بِأَيَّةِ وَالْآيَةِ إِنَّ نَعْلَيْهِمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرُ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الْحَكِيمُ۔ (رواه النسائي وابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک رات نماز تہجد میں) سرور کائنات ﷺ صبح تک کھڑے رہے اور یہ آیت پڑھتے رہے۔ اِنْ نَعْلَيْهِمْ نَعْلُكُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرُ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الْحَكِيمُ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اگر تو انہیں بخش دے تو تو رحمت والا ہے۔“ (نسائی و ابن ماجہ)

تشریح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن باری تعالیٰ کے حضور اپنی امت کے حق میں یہ آیت عرض کریں گے اور رحمت و دعا ملے شافع محشر، سرکار دو عالم ﷺ نے تہجد کے وقت اپنی امت کے حسب حال یہ آیت پڑھی یعنی پروردگار کے حضور آپ ﷺ نے اپنی

امت کا حال عرض کیا اور خدا کی بخشش کے طلب گار ہوئے، صدقہ جائے سرکار ﷺ کے (آپ ﷺ پر میری جان قربان) کہ نماز تہجد میں کھڑے ہونے کے وقت سے لے کر صبح تک بار بار ایسی دعا آپ ﷺ پڑھتے اور اپنی امت کی مغفرت و بخشش چاہتے رہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم الف الف صلوة۔

فجر کی سنتیں پڑھ کر دہائی کروٹ پر لیٹنا چاہئے

(۱۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتَ أَخَذَ نَحْمُ زَكَّعَتِي الْفَجْرَ فَلْيُطْطِجْ عَلَيَّ

يَعْنِيهِ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص فجر کی سنت کی دو رکعتیں پڑھ لے تو اسے چاہئے کہ جماعت شروع ہونے تک اپنی دہائی کروٹ پر لیٹ رہے۔“ (ترمذی و ابوداؤد)

تشریح: فجر کی سنتیں پڑھ کر جماعت شروع ہونے تک دہائی کروٹ پر لیٹ رہنے کی توجیہ بعض حنفی علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ نماز تہجد اور رات میں عبادت خداوندی میں مشغول رہنے کی وجہ سے چونکہ سستی اور طبیعت میں گرانی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے فجر کی سنتیں پڑھ کر تھوڑی دیر لیٹ رہنے کا حکم دیا تاکہ کسل و سستی ختم ہو جائے اور کچھ راحت و سکون حاصل ہو جائے جس کی وجہ سے فرض نماز اطمینان و سکون اور قلب و دماغ کی بشاشت و فرحت کے ساتھ ادا ہو۔

ابن مالک فرماتے ہیں کہ جو شخص رات میں خدا کی عبادت میں مشغول رہتا ہے اور نماز تہجد پڑھتا ہے اس شخص کے حق میں یہ (یعنی فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد دہائی کروٹ پر لیٹ جانے کا حکم) امر استحباب ہے۔

حضرت سید زکریا جن کا شمار حنفیہ کے یہاں علم حدیث کے مشائخ میں ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ لائق اور بہتر یہ ہے کہ یہ طریقہ (یعنی سنت پڑھ کر دہائی کروٹ پر لیٹنا) پوشیدہ طور پر اختیار کرے یعنی گھر میں ایسا کرے۔ مسجد میں لوگوں کے سامنے نہ کرے، نیز یہ کہ یہ لیٹنا محض لیٹنے کی حد تک رہے اور اپنے آپ کو نیند سے بچائے، ایسا نہ ہو کہ لیٹ کر سو جائے اور اٹھ کر جماعت میں شریک ہو اور اس طرح فرض نماز بغیر وضو پڑھ لے۔

الفصل الثالث

مداومت عمل

(۲۰) عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ أُمِّي الْعَمَلُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ الدَّائِمُ قُلْتُ فَأَيُّ حِينٍ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَتْ كَانَ يَقُومُ إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین عائشہؓ سے دریافت کیا کہ سرور کونین ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون سا عمل تھا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مداومت عمل۔ میں نے پھر (پوچھا کہ رات میں تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے آپ ﷺ کس وقت کھڑے ہوتے تھے؟) فرمایا کہ آپ ﷺ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مرغ کی آواز سننے لگتی تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”مداومت عمل“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیک اور با مقصد عمل جس کو کرنے والا ہمیشہ پابندی کے ساتھ کرتا رہے اور جیسا کہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ اگرچہ وہ عمل قلیل ہی کیوں نہ ہو۔

ہمارے اطراف میں تو عام طور پر مرغ رات کے بالکل آخری حصہ یعنی صبح کے قریب بولتے ہیں مگر عرب میں عمومی طور پر آدھی رات

کے بعد مرغ بولتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ مرغ کے بولنے کی آواز سن کر اٹھتے تھے اور اس وقت تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کارات کا معمول

(۲۱) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا كُنَّا نَشَاءُ أَنْ نَرَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْنَاهُ وَلَا نَشَاءُ أَنْ نَرَاهُ نَائِمًا إِلَّا رَأَيْنَاهُ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں، اگر ہم چاہتے کہ سرد کوئین ﷺ کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں تو آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے ہی دیکھتے تھے اور اگر یہ چاہتے کہ آنحضرت ﷺ کو سوتے ہوئے دیکھیں تو آپ ﷺ کو سوتے ہوئے ہی دیکھتے تھے۔“ (نسائی)

تشریح: حضرت انسؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ رات میں تہجد وغیرہ پڑھنے کے سلسلہ میں معتدل رویہ اختیار فرماتے تھے، نہ تو تمام رات تہجد وغیرہ ہی میں گزار دیتے تھے اور نہ تمام رات سوتے ہی رہتے تھے بلکہ آپ ﷺ ہر رات میں سوتے بھی تھے اور تہجد وغیرہ کی نماز بھی پڑھتے تھے۔

لہذا آپ ﷺ چونکہ نماز تہجد وغیرہ کے لئے نہ تو تمام رات بیدار ہی رہتے تھے اور نہ تمام رات سوتے ہی رہتے تھے اس لئے آپ ﷺ رات میں نماز تہجد وغیرہ میں مشغول بھی دیکھے جاتے تھے اور سوتے ہوئے بھی آپ ﷺ کو دیکھا جاتا تھا۔

(۲۲) وَعَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ إِنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ وَأَنَا فِي سَفَرٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهِ لَا زَقْفَيْنِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُصَلَّةِ حَتَّى أَرَى فِعْلَهُ فَلَمَّا صَلَّى صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَهِيَ الْعَتَمَةُ اضْطَجَعَ هَوِيًا مِنَ اللَّيْلِ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَتَنَظَّرَ فِي الْأَفْقِ فَقَالَ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا حَتَّى تَبْلُغَ إِلَى انْكَ لَا تُخَلِّفُ الْمِيعَادَ ثُمَّ أَهْوَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى فِرَاشِهِ فَاسْتَلَّ مِنْهُ سِوَاكَ ثُمَّ أَفْرَغَ فِي قَدَحٍ مِنْ إِدَاوَةٍ عِنْدَهُ مَاءً فَاسْتَنْثَى ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى حَتَّى قُلْتُ قَدْ صَلَّى قَدْزَرْنَا نَامَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى قُلْتُ قَدْ نَامَ قَدْزَرْنَا مَا صَلَّى ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَقَعَلَ كَمَا فَعَلَ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ فَقَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَبْلَ الْفَجْرِ۔ (رواہ النسائی)

”اور حضرت حمید بن عبد الرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ سرد کوئین ﷺ کے ایک صحابی نے بیان کیا کہ (ایک مرتبہ) جب کہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھا تو (اپنے دل میں یا اپنے بعض احباب سے) کہا کہ خدا کی قسم! آنحضرت ﷺ (جب تہجد کے لئے اٹھیں گے تو آپ ﷺ کو) میں نماز کے وقت دیکھتا رہوں گا تاکہ میں آپ ﷺ کے افعال دیکھوں (اور پھر اسی کے مطابق عمل کروں) چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے عشاء کی نماز کہ جسے عتمہ کہتے ہیں پڑھ لی تو لیٹ گئے (اور کچھ دیر آرام کیا، پھر آپ ﷺ بیدار ہوئے اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یہ آیت رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا حَتَّى تَبْلُغَ إِلَى انْكَ لَا تُخَلِّفُ الْمِيعَادَ بے شک تو وعدہ سے پھرا نہیں کرتا۔ پھر آپ ﷺ اپنے بستر کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں سے مسواک نکالی، اس کے بعد ایک چھماگل میں سے جو آپ ﷺ کے پاس رکھی ہوئی تھی (وضو کرنے یا مسواک تر کرنے کے لئے) پیالہ میں پانی نکالا پھر مسواک کرنے کے بعد (وضو کر کے) پہلے گئے وضو کے ساتھ نماز پڑھنے (کھڑے ہو گئے اور جب آپ ﷺ نے نماز پڑھ لی، میں نے (دل میں) کہا کہ جتنی دیر آپ سوتے تھے اتنی ہی دیر اب آپ ﷺ نے نماز پڑھی پھر آپ ﷺ لیٹ گئے اور میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ جتنی دیر آپ ﷺ نے نماز پڑھی تھی اتنی ہی دیر سوتے، پھر آپ ﷺ بیدار ہوئے اور جو کچھ پہلے کیا تھا وہی اب کیا یعنی مسواک وغیرہ کی اور جو کچھ (یعنی آیت مذکورہ) پہلے پڑھا تھا وہی اب پڑھا، آنحضرت ﷺ نے نماز فجر سے پہلے اسی طرح تین مرتبہ کیا۔“ (نسائی)

تشریح: آیت پڑھنے کے سلسلہ میں دو احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس رات میں مذکورہ آیت انْكَ لَا تُخَلِّفُ

أَنْتَ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَبَقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ
وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أُنِيتُ وَبِكَ
خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاعْفُ عَنِّي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ
وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ (اے میرے رب تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں تو ہی آسمانوں اور زمین کو قائم رکھنے والا
ہے اور اس چیز کو جو ان کے درمیان ہے اور تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں تو ہی زمین و آسمانوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہیں سب کو
روشن کرنے والا ہے اور تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں اور تو ہی زمین و آسمانوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان سے سب کا بادشاہ ہے اور
سب تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں تو ہی حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیری ملاقات حق ہے تیرا کلام حق ہے بہشت حق ہے، دوزخ حق ہے، تمام نبی
حق ہیں، محمد ﷺ حق ہیں اور قیامت حق ہے، اے پروردگار میں تیرا تابعدار ہوں، میں نے تیرے تمام احکامات قبول کئے، میں تجھ پر
ایمان لایا اور تجھی پر بھروسہ کیا، تیری طرف میں نے رجوع کیا، تیری ہی مدد سے میں (دین کے) دشمنوں سے جھگڑتا ہوں اور تیرے ہی پاس
اپنی فریاد لایا ہوں، پس تو میرے ان گناہوں کو بھی بخش دے جو میں نے پہلے کئے ہیں اور ان گناہوں کو بھی جو بعد میں مجھ سے سرزد ہوں گے
نیز ان گناہوں کو بھی (بخش دے) جو میں نے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر کئے اور جو کچھ میری خطائیں ہیں جنہیں تو ہی مجھ سے بہتر جانتا ہے
(سب کو معاف کر دے) اور تو ہی (جسے چاہے) آگے کرنے والا اور پیچھے ڈال دینے والا ہے تو ہی معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔"

(بخاری و مسلم)

تشریح: ظاہر تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ دعا افتتاح یعنی تعمیر تحریمہ کے بعد یا رکوع کے بعد قومہ میں پڑھتے تھے جیسا کہ بعض روایتوں
میں اس کی تصریح ہے۔

② وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ افْتَتَحَ صَلَاتَهُ فَقَالَ اللَّهُمَّ رَبِّ جِبْرِيلَ
وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ فَاطْفِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ
يَخْتَلِفُونَ اهْدِنِي لِمَا اخْتَلَفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ أَنْتَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب رات میں کھڑے ہوتے اور (تہجد کی) نماز شروع کرتے تو یہ دعا
پڑھتے۔ اللَّهُمَّ رَبِّ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ فَاطْفِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ
عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ اهْدِنِي لِمَا اخْتَلَفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ أَنْتَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ اے
اللہ! اے پروردگار جبریل میکائیل اسرافیل کے اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے اور اے پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے تو
ہی اپنے بندوں کے درمیان اس چیز میں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں فیصلہ کرے گا اے اللہ امر حق میں جو اختلاف کیا گیا ہے اس میں
میری راہنمائی کر، کیونکہ جسے تو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔" (مسلم)

نیند سے بیدار ہونے کے بعد کی تسبیح اور اس کی فضیلت

③ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَارَى مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا
حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ قَالَ أَوْ قَالَ ثُمَّ دَعَا أَسْتَجِيبُ لَهُ فَإِنْ تَوَضَّأَ وَصَلَّى قُبِلَتْ صَلَاتُهُ۔ (رواہ بخاری)

"اور حضرت عبادہ بن صامتؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جو شخص رات میں بیدار ہو تو یہ تسبیح پڑھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا
شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ

وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اس کے لئے بادشاہت ہے اور اس کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور پاک ہے اللہ، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے اور گناہوں سے بچتا اور عبادت کی قوت اللہ کی مدد سے ہے) اور اس کے بعد یہ کہے رَبِّ اغْفِرْ لِي (اے میرے رب بخش دے) یا فرمایا کہ پھر دعا کرے (یعنی راوی کو شک واقع ہو گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خاص طور پر رَبِّ اغْفِرْ لِي پڑھنے کو فرمایا یہ فرمایا کہ جو دعا چاہے پڑھے) اس کی دعا قبول کی جائے گی، پھر اگر وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔ (بخاری)

تشریح: "تعار" کے معنی بعض نے نیند سے بیدار ہونے اور بعض نے کروٹ لینے کے لکھے ہیں اور ابن مالک نے اس کے معنی آواز کے ساتھ جانے کے لکھے ہیں جیسا کہ بیدار ہونے کے وقت منہ سے آواز نکلتی ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے اسے پسند اور بہتر قرار دیا ہے کہ جانے کے بعد جو آواز منہ سے نکلے وہ تسبیح وغیرہ کی آواز ہو چنانچہ اللہ سے تعلق رکھنے والے جب نیند سے بیدار ہوتے ہیں تو ان کے منہ سے کلمہ یا اسی قسم کی تسبیح و دعا کی آواز نکلتی ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس دعا کو جو نیند سے بیدار ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے "درہم الکبیس" کہتے ہیں یعنی جس طرح کوئی شخص درہم و روپیہ قبلی میں رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے اس میں سے نکالتا ہے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اسی طرح یہ دعا ہے جو مومن کے قلب و دماغ میں محفوظ رہتی ہے جب وہ نیند سے بیدار ہوتا ہے اور یہ دعا اس کے منہ سے نکلتی ہے تو وہ بارگاہ رب العزت میں قبولیت کا درجہ پاتی ہے۔

الفصل الثانی

جانے کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَسْتَغْفِرُكَ لِذُنُوبِي وَأَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ اللَّهُمَّ زِدْنِي عِلْمًا وَلَا تُرْغِ قَلْبِي بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِي وَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (رواہ ابو داؤد)

"ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب رات میں (نیند سے) بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَسْتَغْفِرُكَ لِذُنُوبِي وَأَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ اللَّهُمَّ زِدْنِي عِلْمًا وَلَا تُرْغِ قَلْبِي بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِي وَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، اے اللہ! میں تیری تعریف کے ساتھ تیری تسبیح کرتا ہوں، اپنے گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا طلبگار ہوں۔ اے اللہ! میرے علم میں زیادتی عطا فرما اور مجھے ہدایت یافتہ بنانے کے بعد (حق سے باطل کی طرف) میرے دل میں تجریدی پیدا نہ ہونے دے اور اپنے پاس سے میرے لئے (ایمان و ہدایت پر ثابت قدمی اور دینی توفیق کی) رحمت عطا فرما بے شک تو ہی بخشنے والا ہے۔"

رات میں بیداری کے بعد ذکر اللہ کی فضیلت

⑤ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ مُسْلِمٌ يَبِيتُ عَلَى ذِكْرِ طَاهِرٍ أَفْتَعَارُ مِنَ اللَّيْلِ فَيَسْأَلُ اللَّهَ خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ إِثَابًا (رواہ احمد و ابو داؤد)

"اور حضرت معاذ بن جبلؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا جو بھی مسلمان رات میں پاکی کی حالت میں (یعنی وضو یا تیمم کر کے) ذکر

اللہ کرتا ہوا سو جائے اور پھر رات میں بیدار ہونے کے بعد خدا سے بھلائی کی دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے (دنیا یا آخرت میں ضروری) بھلائی دیتا ہے۔“ (احمد، ابوداؤد)

نماز تہجد سے پہلے آنحضرت ﷺ کی تسبیح و دعا

⑥ وَعَنْ شَرِيقِ الْهَوَزِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَسَأَلْتُهَا بِمَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ إِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَتْ سَأَلْتَنِي عَنْ شَيْءٍ مَا سَأَلَنِي عَنْهُ أَحَدٌ قَبْلَكَ كَانَ إِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ كَثَّرَ عَشْرًا وَحَمِدَ اللَّهَ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ عَشْرًا وَاسْتَغْفَرَ اللَّهَ عَشْرًا وَهَلَّلَ اللَّهَ عَشْرًا ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ ضَيْقِ الدُّنْيَا وَضَيْقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَشْرًا ثُمَّ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ۔ (رواه ابوداؤد)

”اور حضرت شریق الہوزی فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ان سے پوچھا کہ سرور کونین ﷺ رات میں بیدار ہونے کے بعد (عبادت) کس چیز سے شروع کرتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ تم، نے مجھ سے (آج) وہ چیز پوچھی ہے جو تم سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھی (تو سنو کہ) آنحضرت ﷺ جب رات میں بیدار ہوتے تو (پہلے) اللہ اکبر دس مرتبہ الحمد للہ دس مرتبہ، سبحان اللہ و بحمدہ دس مرتبہ، سبحان الملک القدوس دس مرتبہ کہتے، دس مرتبہ استغفار کرتے، لا الہ الا اللہ دس مرتبہ کہتے اور دس مرتبہ یہ کہتے: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ ضَيْقِ الدُّنْيَا وَضَيْقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (اے پروردگار! میں تجھ سے دنیا کی تنگی (یعنی غمیں) اور آخرت کی تنگی سے پناہ مانگا ہوں۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ نماز تہجد شروع فرماتے)“ (ابوداؤد)

تشریح: صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے یہاں دس تسبیحات ہیں جو سات سات مرتبہ پڑھی جاتی ہیں اور جنہیں ان کی اصطلاح میں ”مسیبعت عشرہ“ کہتے ہیں، اس حدیث میں سات تسبیحات ہیں جنہیں دس دس مرتبہ پڑھنا ذکر کیا گیا۔ چنانچہ صوفیاء کی اصطلاح ”مسیبعت عشرہ“ کے مقابلہ میں محدثین کرام رحمہم اللہ کے یہاں اس حدیث میں مذکورہ تسبیحات اور ان کے اعداد کو ”معشرات سبعہ“ کہتے ہیں۔

الفصل الثالث

⑦ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَثَّرَ ثُمَّ يَقُولُ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ كَثِيرًا ثُمَّ يَقُولُ أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمِّهِ وَنَفْسِهِ وَنَفْسِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ دَاوُدَ وَالتَّيْسَانِيُّ وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ أَبِي عَرَبٍ ثُمَّ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَلَا تَأْوِي فِي آخِرِ الْحَدِيثِ ثُمَّ يَقْرَأَ۔

”حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب رات میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر یہ پڑھتے۔ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ (اے اللہ تو پاک ہے ہم تیری حمد کرتے ہیں تیرا نام بارگاہ تیری بزرگی بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے) پھر اللہ اکبر کہرا (اللہ بہت بڑا ہے) کہتے اور یہ دعا پڑھتے۔ أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمِّهِ وَنَفْسِهِ وَنَفْسِهِ (میں اللہ سننے والے، جاننے والے کی شیطان مردود سے، اس کے دوسو سے، اس کے تکبر سے اور اس کے برے شعر سکھانے سے پناہ مانگا ہوں) (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابوداؤد نے اپنی روایت میں حدیث کے الفاظ لا الہ غیرک کے بعد یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ پھر آپ ﷺ لا الہ الا اللہ تین مرتبہ کہتے اور آخر حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ پھر پڑھتے۔ یعنی أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ الخ پڑھنے کے بعد قراءت فرماتے۔“

⑧ وَعَنْ زَيْنَعَةَ بِنِ كَعْبِ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ كُنْتُ أَيْتُ عِنْدَ حُجْرَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ أَسْمَعُهُ إِذَا قَامَ

مِنَ اللَّيْلِ يَقُولُ سُبْحَانَ رَبِّ الْعَالَمِينَ الْهُوَ ثُمَّ يَقُولُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَيَحْمَدُهُ الْهُوَ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَنَحْوُهُ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ -

”اور حضرت ربیعناکب اہلیؑ فرماتے ہیں کہ میں سرور کوئین ﷺ کے حجرہ مبارک کے قریب ہی رات بسر کیا کرتا تھا، چنانچہ میں آپ ﷺ کی آواز سنا کرتا تھا کہ جب آپ ﷺ رات میں (تہجد کی) نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دیر تک سُبْحَانَ رَبِّ الْعَالَمِينَ (تمام عالم کا پروردگار پاک ہے) کہا کرتے تھے، پھر دیر تک کہتے سُبْحَانَ اللَّهِ وَيَحْمَدُهُ (اللہ پاک ہے میں اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہوں) (نسائی) ترمذی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

بَابُ التَّحْرِيطِ عَلَى قِيَامِ اللَّيْلِ

رات کے قیام پر رعبیت دلانے کا بیان

قیام اللیل (رات کا قیام) کا مطلب ہے ”رات میں عبادت خداوندی مثلاً نماز تہجد اور ذکر اللہ وغیرہ میں مشغول رہنا“ اسی مناسبت سے ”تکلم اللیل“ ان خوش نصیب اور باسعادت لوگوں کو کہا جاتا ہے جو راتوں کو اٹھ کر اپنے پروردگار کی عبادت اور اس کے ذکر و یاد میں مشغول رہتے ہیں۔

الفصل الأول

رات میں عبادت خداوندی سے روکنے کے لئے شیطان کی مکاریاں

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَدُّ الشَّيْطَانُ عَلَى قَائِمَةٍ رَأْسَ أَحَدِكُمْ إِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عَقَدَةٍ يَضْرِبُ عَلَى كُلِّ عَقْدَةٍ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ فَإِنْ اسْتَبَقَطَ لَذَّكَرَ اللَّهُ الْخَلْتُ عَقْدَةً فَإِنْ تَوَضَّأَ انْخَلْتُ عَقْدَةً فَإِنْ صَلَّى انْخَلْتُ عَقْدَةً فَاصْبَحْ نَشِيظًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَالْأَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسَلَانٍ - (بخاری ص ۱۷۷)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کوئین ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی شخص (رات میں) سوتا ہے تو شیطان سرود اس کے سر کی گدی پر تین گرہ لگاتا ہے۔ ہر گرہ پر (یہ کہہ کر) مارتا ہے (یعنی اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے) کہ ”ابھی بہت رات باقی ہے سوتا رہ“ لہذا اگر کوئی شخص (شیطان کے اس مکر میں نہیں آتا اور عبادت الہی کے لئے) جاگتا ہے اور (دل میں ہی یا زبان سے) اللہ کو یاد کرتا ہے تو (غفلت و سستی کی) ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر جب وہ وضو کرتا ہے تو (نجاست کی) دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اس کے بعد جب نماز پڑھتا ہے تو (کِبالات و بطالت کی) تیسری گرہ (بھی) کھل جاتی ہے چنانچہ ایسا شخص شادمان اور پاک نفس صبح کرتا ہے ورنہ تو (جو شخص نہ جاگتا ہے نہ ذکر کرتا ہے اور نہ وضو کر کے نماز پڑھتا ہے تو وہ) کال اور بلید نفس صبح کر دیتا ہے۔“ (بخاری ص ۱۷۷)

تشریح: ”گرہ“ کے معنی و مراد کے تعین میں اختلاف ہے ابن مالکؒ کا قول یہ ہے کہ ”گرہ“ سے مراد ”کسل و سستی کی گرہ“ ہے یعنی شیطان اپنی مکاریوں کے ساتھ رات میں عبادت خداوندی کے لئے اٹھنے والوں کے کسل و سستی کا باعث ہوتا ہے۔

میرک کے قول کے مطابق بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ”یہ حقیقت پر محمول ہے یعنی شیطان مردود واقعی سونے والے کی گدی پر گرہ لگا دیتا ہے جیسا کہ جادوگر جادو کرتے وقت کسی پر گرہ لگاتے ہیں اس کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جو مرقات میں منقول ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ مجاز پر محمول ہے، گویا گرہ لگانا جو ساحر کا فعل ہے کہ وہ اس کے ذریعہ سمجھوڑ کو اس کی مراد سے روک دیتا ہے

اس کے ساتھ سونے والے کورات میں نماز پڑھنے اور ذکر اللہ میں مشغول ہونے سے شیطان کے روکنے کو مشابہت دی گئی ہے۔ یعنی جس طرح ایک ساحر سحر کے وقت کسی پر گرہ لگا کر اس کو اس کے مقاصد سے روک دیتے ہیں یا کسی طور کہ مسحور کی عملی قوتیں مفلوج ہو جاتی ہیں اسی طرح شیطان بھی رات میں سونے والوں کو اپنی مکاریوں کے ذریعہ ذکر اللہ اور نماز میں مشغول ہونے کے لئے اٹھنے سے روک دیتا ہے۔

کچھ علماء کا قول یہ ہے کہ ”اس سے مراد دل کی گرہ اور شیطان کی طرف سے سونے والے کو ایک چیز پر معمم اور قائم کرنا ہے یعنی شیطان سونے والے کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے اور اس بات کا اسے یقین دلاتا ہے کہ ابھی رات بہت باقی ہے، سو تیار، لہذا شیطان کی فریب کاریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بیدار ہو کر نماز پڑھنے سے رک جاتا ہے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص رات میں شیطان کے مکر و فریب میں نہیں پھنستا اور اس کے بہکاوے میں نہیں آتا بلکہ وہ وقت پر اٹھ کر نماز تہجد اور ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس کے لئے صبح اپنی جلو میں شادمانی و خوش فہمی اور پاک نفسی و پاکیزگی کی سعادتیں ملنے لگتی ہیں جس کی وجہ سے وہ تمام دن خدا کی رحمتوں کے سایہ میں رہتا ہے اور اس کے دل و دماغ ہر قسم کے خوف و خطر سے لاپرواہ ہو کر دین و دنیا کے امور میں اطمینان سے لگا رہتا ہے۔

اس کے برخلاف جو شخص رات میں شیطان کی عیاریوں کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے مکر کے جال میں پھنس جاتا ہے جس کی وجہ سے نہ تو وہ رات میں اٹھ کر ذکر اللہ کرتا ہے اور نہ ہی نماز تہجد میں مشغول ہوتا ہے بلکہ سویا رہتا ہے تو اس کے لئے صبح اپنے دامن میں کسالت و بطلان و غفلت و پلید نفسی کے غلیظ ڈھیر لے کر آتی ہے جس کی وجہ سے وہ تمام دن پلید نفس، غمگین دل، متکبر اور اپنے امور کی انجام دہی میں حیران و پریشان اور کسل مندر رہتا ہے یعنی سستی و غفلت کی وجہ سے وہ اپنے جس کام کو بھی کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس میں ناکام اور بد دل رہتا ہے کیونکہ وہ شیطان کے مکر و فریب کے جال میں مقید اور قرب خداوندی کی رحمتوں سے دور ہوتا ہے۔

آنحضرت کی کثرت عبادت اداء شکر کے لئے ہوتی تھی

(۲) وَعَنِ الْمَغِيرَةِ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَزَّعَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ لِمَ تَصْنَعُ هَذَا وَقَدْ غَفِرَ لَكَ مَا تَقْدَمُ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأْخُرُ قَالَ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے رات میں (نماز پڑھنے کے لئے) اس قدر قیام کیا (یعنی اتنی دیر تک کھڑے رہے) کہ آپ ﷺ کے مبارک پاؤں پر درم آگیا (یہ حال دیکھ کر) آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں آپ ﷺ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”کیا میں اللہ کا شکر ادا کرنے والا بندہ نہ ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے تمام گناہ بخش دیئے ہیں اور مجھے دین و دنیا کے سب سے اعلیٰ مقام پر فائز کیا ہے تو کیا میرا حق یہی ہے کہ میں عبادت کی محنت و مشقت اٹھا کر اس خدا کا جس نے مجھے اپنی بیشمار رحمتوں اور نعمتوں سے سرفراز کیا ہے شکر گزار بندہ نہ ہوں؟ نہیں بلکہ خدا نے مغفرت و بخشش کی جو نعمت مجھے عطا فرمائی ہے۔ اور اپنی جس لامحدود بے انتہا نعمتوں سے مجھے نوازا ہے اس کے پیش نظر میرا فرض ہے کہ میں اس کی خوشنودی و رضا حاصل کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ محنت و مشقت اٹھاؤں اور زیادہ سے زیادہ عبادت کروں تاکہ اس کا شکر ادا کرنے والا بندہ بن جاؤں۔

عبادت کے بارہ میں حضرت علیؑ کا مقولہ: حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی ذات علم و فضل و ذہانت و فراست اور عقل و دانش کے اعتبار سے پوری امت میں امتیازی مقام کی حامل ہے عبادت کے بارہ میں انہوں نے جو تجزیہ فرمایا ہے اور جو اسے قائم کی ہے اسے سنئے اور اپنے

لے مشعل راہ قرار دیجئے فرمایا:

”جن لوگوں نے (نعمتوں کی) طلب (یعنی جنت کی آرزو اور ثواب کی تمنا) میں عبادت کی تو ایسی عبادت سوداگروں کی عبادت ہے۔“
 ”جن لوگوں نے (عذاب خداوندی اور دوزخ کے) ڈر سے عبادت کی تو وہ غلاموں کی عبادت ہے۔“
 اور ”جن لوگوں نے اپنے مولیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی ادائیگی شکر کے لئے عبادت کی تو وہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے“ (اور یہی عبادت سب سے اونچے درجے کی عبادت ہے)

رات میں خداوند کی عبادت کے لئے نہ اٹھنے والے کی برائی

(۳۳) وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ دُخِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقِيلَ لَهُ مَا زَالَ نَأْبُهَا حَتَّى أَصْبَحَ مَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ ذَلِكَ رَجُلٌ قَالَ الشَّيْطَانُ فِي أَذُنِهِ أَوْ قَالَ فِي أُذُنَيْهِ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ کے سامنے ایک شخص کا ذکر آیا، چنانچہ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ وہ شخص صبح تک سویا رہتا ہے نماز کے لئے نہیں اٹھتا“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ ایسا شخص ہے کہ اس کے کان میں یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے دونوں کانوں میں شیطان پیشاب کرتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”نماز“ سے مراد تہجد کی نماز بھی ہو سکتی ہے اور فجر کی نماز بھی یعنی یا تو یہ شخص تہجد کی نماز کے لئے نہیں اٹھتا ہو گا یا یہ کہ فجر کی نماز اس کی قضاء ہو جاتی ہوگی۔

بہر حال شیطان کے پیشاب کرنے کے بارہ میں بعض علماء نے کہا ہے کہ حقیقتاً ایسا ہوتا ہے چنانچہ بعض صالحین کے بارہ میں منقول ہے کہ (کسی دن) ان کی آنکھ نہ کھلی جس کی وجہ سے (تہجد یا فجر کی فرض) نماز وہ نہ پڑھ سکے چنانچہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص جو سیاہ رنگ کا تھا آیا اور اس نے اپنا پیر اٹھا کر ان کے کان میں پیشاب کر دیا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”شیطان کا پیشاب کرنا“ اس بات سے کہتا ہے کہ شیطان ایسے آدمی کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کو حقیر دیکر سمجھتا ہے تو اس پر پیشاب کر دیتا ہے۔

عورتوں کے لئے نماز تہجد کا ذکر

(۳۴) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ امْتَنَقِظْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَرَعَا يَقُولُ سُبْحَانَ اللَّهِ مَا ذَا أَنْزَلَ إِلَيْنَا مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَا ذَا أَنْزَلَ مِنَ الْفَتَنِ مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُرِيدُ أَنْزَوْا جَهَنَّمَ لَكُنَّ يُصَلِّيْنَ رَبِّ كَأْسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ۔ (رواہ البخاری)

”اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز رات میں سرور کونین ﷺ گھبرا کر یہ کہتے ہوئے بیدار ہو گئے کہ سبحان اللہ آج کی رات کس قدر خزانے اتارے گئے ہیں اور کس قدر فتنے نازل کئے گئے ہیں، ہے کوئی جو ان حجروں والیوں کو اٹھا دے، آپ ﷺ کی مراد ازواجِ مطہرات سے تھی کہ وہ (اٹھ کر) نماز پڑھیں (تاکہ رحمت خداوندی حاصل کر سکیں اور عذاب و فتنوں سے بچ سکیں کیونکہ) اکثر عورتیں دنیا میں (تو) کپڑے پہنے والی ہیں لیکن آخرت میں تنگی ہوگی۔“ (بخاری)

تشریح: حدیث کے پہلے جز کا مطلب یہ ہے کہ جو خزانے اور مال آنحضرت ﷺ کی امت میں مقدر ہو چکے تھے کہ کس امتی کو کتنا مال و زر ملے گا اور کسی امتی کی قسمت میں کتنی دولت لکھی ہے اس رات میں ان کا اترنا آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا اس طرح اس رات میں جتنے فتنے مقدر ہو چکے تھے وہ بھی اس رات میں آنحضرت ﷺ کو پہلے ہی سے معلوم ہو گئے تھے۔

ملا علی قاریؒ اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ حدیث میں ”خزائے“ سے مراد رحمت خداوندی اور ”فقتے“ سے مراد اس کا عذاب ہے۔

عورتوں کے لئے وعید: حدیث کے آخری جز کے کئی مطلب ہیں اول یہ کہ اکثر عورتیں دنیا میں تو طرح طرح کے اور عمدہ سے عمدہ کپڑے پہنیں اور ان پر خرقہ مہلبات کریں گی حالانکہ ان کی حالت یہ ہوگی کہ حکم خداوندی کو نہ ماننے کی وجہ سے وہ آخرت میں نیک اور اچھے اعمال سے خالی ہوں گی۔ دوم یہ کہ اکثر عورتیں دنیا میں نیند کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی یعنی نیند کی غفلت کی وجہ سے خدا کی یاد سے غافل ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت میں اچھے درجات اور بڑائیوں سے خالی ہوں گی، سوم یہ کہ اکثر عورتیں جسم کو ظاہر کرنے والے ایسے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی کہ وہ دنیا میں لباس پوش ہوں گی مگر آخرت کے حکم کے اعتبار سے تنگی ہوں گی، یعنی جو کپڑے دیکھنے میں عمدہ خوبصورت اور باریک معلوم ہوتے ہیں کہ جیسے جالی اور نائیلون وغیرہ کے کپڑے کہ جن کا عورتوں کے لئے استعمال کرنا از روئے شرع ممنوع ہے ایسے کپڑے والی عورتیں آخرت میں تنگی ہوں گی۔

اس حدیث سے ان عورتوں کو خاص طور پر عبرت حاصل کرنی چاہئے جو آج کے فیشن زدہ دور میں کپڑوں کے معاملہ میں انتہائی بے راہ روی اور غیر شرعی طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور ایسے ایسے کپڑے استعمال کرتی ہیں جو خدا اور خدا کے رسول کی مرضی کے خلاف اور آخرت کے عذاب کا موجب ہیں۔

نائیں اور بہنیں کان کھول کر سن لیں کہ دنیا چاہے جتنی فیشن زدہ ہو جائے، تہذیب و تمدن چاہے جتنے عروج پر پہنچ جائیں اور انسان کی ذہنی و فکری اور عملی جولانیاں چاہے چاند کو مسخر کر لیں، اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے وہ فرمان جو آج سے چودہ سو سال پہلے جاری ہوئے تھے آج بھی پوری طرح موجود ہیں، ان کی اہمیت اور ان پر عمل کرنے کی شدت کسی حال میں بھی ختم نہیں ہو سکتی، اسلامی اور شرعی احکام کا قیاسیت کے الفاظ سے مذاق اڑا کر، فیشن کا نام لے کر آج بھلے کوئی عورت اپنی ظاہری زندگی کو اور دنیا کی نظروں میں جاذب نظر دیدہ زیب اور ماڈرن معزز بنالے مگر اسے یاد رکھ لینا چاہئے کہ دنیا کی اس چند روزہ زندگی اور موجودہ فیشن کے فانی رنگ و روپ کو ختم کر کے ایک دن اسے اس خدا کی بارگاہ میں پہنچنا ہے جو غفار رحیم ہونے کے ساتھ ساتھ جبار و قہار بھی ہے اور پھر انہیں وہاں اپنی بد عملیوں کا جواب دینا ہوگا۔

رحمت خداوندی کے نزول کا وقت

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ يَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ ثُمَّ يَبْسُطُ يَدَيْهِ يَقُولُ مَنْ يَغْفِرُ غُفْرًا غَيْرَ عَذُومٍ وَلَا ظُلُومٍ حَتَّى يَنْفَجِرَ الْفَجْرُ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”ہر رات میں آخر تہائی رات کے وقت ہمارا بزرگ و برتر پروردگار دنیا کے آسمان (یعنی نیچے کے آسمان) پر نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اسے قبولیت بخشوں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت کا طلبگار ہو اور میں اسے بخشوں؟ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر اللہ جل شانہ اپنے (الطف و رحمت کے) دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور کہتا ہے کہ کون ہے جو ایسے قرض دے جو نہ فقیر ہے اور نہ ظلم کرنے والا ہے اور صبح تک یہی فرماتا رہتا ہے۔“

تشریح: یَنْزِلُ رَبُّنَا (ہمارا رب نزول فرماتا ہے) کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ جل شانہ خود آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے کیونکہ وہ جسم کی صفات و کثافت سے پاک و صاف ہے اور ایسا نور ہے جو ہمہ وقت کائنات کے ذرہ ذرہ پر محیط و حاوی ہے اور کسی خاص مقام و کسی وقت کا پابند نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ ابن حجرؒ اور امام مالکؒ نے اس کی تاویل کرتے ہوئے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ”اللہ جل شانہ کا فرمان، اس کی رحمت یا اس کے ملائکہ اس وقت آسمان و دنیا پر اترتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ اعلان کرتے ہیں) چنانچہ اس کی تائید ایک حدیث صحیح سے بھی ہوتی ہے جو مرقات میں مذکور ہے، یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ ارشاد و کتابیات میں سے ہے جس کے حقیقی معنی و مطلب اللہ جل شانہ ہی جانتا ہیں۔

مَنْ يَذْغُوْنِيْ دَعَاكَ مَعْنٰی ہُنَّ یٰکَ اِنَّا جِیسا کہ بندہ کہے ”یارب“ اس کے مقابلہ پر اجابت اور قبولیت ہوتی ہے جیسے کہ پروردگار بندہ کے اس پکارنے کے جواب میں کہے ”لیک عبدی“

مَنْ یُّسْأَلُنِیْ سَوَالَیْ دَعَاكَ مَعْنٰی ہُنَّ ”کسی کا مانگنا اور اس کا طلب کرنا“ اور اس کے مقابلہ میں سوال کا پورا کرنا ہے یعنی جو چیز طلب کی جائے اور مانگی جائے اس کا دینا۔

یہ حدیث اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں منقول ہے کہ ”اللہ جل شانہ (آسمان و دنیا پر) اس وقت نزول فرماتا ہے جب اول تہائی رات گزر جاتی ہے“ نیز اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں منقول ہے کہ ”اس وقت نزول فرماتا ہے جب آدھی رات یا دو تہائی رات گزرتی ہے“ کیونکہ احتمال ہے کہ بعض صورتوں میں تو نزول آخری تہائی رات کے وقت، بعض راتوں میں اول تہائی رات کے گزرنے کے بعد اور بعض راتوں میں آدھی یا دو تہائی رات گزرنے کے بعد ہوتا ہے۔

مَنْ یُّقْرِضُ کَوْنُ ہُوَ قَرْضُ دَعَاكَ مَعْنٰی ہُنَّ اس کا مطلب یہ ہے کہ کون ہے جو بطریق قرض اور جزا لینے کے لئے بدنی اور مالی عبادت اللہ جل شانہ کو دے جو نہ تو فقیر ہے اور نہ عطا و بخشش سے عاجز ہے نیز یہ کہ نہ ظلم کرنے والا ہے کہ اپنے عہد کو پورا نہ کرے یا ناقص ثواب دے۔ یعنی اس پر ایہ سے مسلمانوں کو دنیا میں نیک و صالح عمل کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے کہ وہ کون خوش نصیب اور باسعادت مسلمان ہے جو آخرت کی سعادتوں و راحتوں اور وہاں کے ثواب کی امید میں اس غنی پروردگار کے لئے دنیا میں نیک عمل کرے جو اس کے حق یعنی آخرت میں دنیا کے نیک عمل کا ثواب دینے میں عاجز نہیں ہے اور کون خوش نصیب و سعادت مند مؤمن ہے جو اس عادل اللہ کے لئے دنیا میں نیک عمل کرتا ہے تو اللہ جل شانہ اس کا ثواب اس کے عمل سے بھی کئی گنا زیادہ کر کے دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بطور خاص قابل غور ہے کہ یہاں اللہ جل شانہ کی تعریف باہم طور کی گئی ہے کہ اس کی پاک ذات سے ان دونوں صفت یعنی فقر اور ظلم کی نفی کی گئی ہے کیونکہ قرض کی دہائی کے سلسلہ میں یہی دونوں صفات حائل ہوتی ہیں۔ اگر کوئی عاجز فقیر ہوتا ہے تو وہ قرض کی دہائی سے معذور ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ظالم ہوتا ہے تو اپنے ظلم کی بنا پر قرض کی پوری ادائیگی نہیں کرتا بلکہ اس میں کمی و نقصان کر کے واپس کر دیتا ہے اور اللہ جل شانہ کی ذات ان دونوں صفتوں سے پاک ہے۔

نہ تو وہ ظالم ہے اور نہ عاجز فقیر ہے بلکہ عادل ہے اور غنی ہے لہذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص دنیا میں بھلائی کرے گا اور نیک عمل کرے گا وہ اللہ جل شانہ کے پاس عقیقی میں کامل جزاء اور ثواب پائے گا۔

ہر رات میں قبولیت کی ایک ساعت ہوتی ہے

① وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُّسْلِمٌ يَسْأَلُ اللَّهَ فِيهَا خَيْرًا مِنْ أَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ وَذَلِكَ كُلُّ لَيْلَةٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رات میں ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جو مسلمان اسے پاتا ہے اور اس میں اللہ جل شانہ سے دنیا یا آخرت کی کسی بھلائی کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے (ضرور) پورا فرماتا ہے اور قبولیت کی یہ ساعت ہر رات میں آتی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہر شب میں ایک گھڑی ضرور آتی ہے جو قبولیت کی بشارت اپنے دامن میں لئے ہوئی آتی ہے جس باسعادت و خوش نصیب مسلمان کو وہ ساعت اور وہ گھڑی نصیب ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس میں جل شانہ کے سامنے اپنی جس دنیاوی و اخروی بھلائی کے لئے درخواست پیش کرتا ہے یا مراد کا مایاب ہوتا ہے اور اس کی درخواست بارگاہ رب العزت سے قبولیت کا درجہ پاتی ہے ہاں وہ قبولیت اللہ جل شانہ کی طرف سے عطا و بخشش حکما بھی ہو سکتی ہے اور حقیقہ بھی۔

ساعت قبولیت کے تعین کے بارہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ یہ ساعت بہم ہے جیسے ایلیہ القدر اور ساعت جمعہ کہ ان میں کسی خاص وقت کے بارہ میں تعین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ ساعت فلاں وقت اور فلاں ٹائم آتی ہے اسی طرح ہر رات میں بھی قبولیت کی ساعت کا کوئی خاص وقت اور ٹائم مقرر نہیں ہے بلکہ کسی بھی وقت آ جاتی ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ نصف شب کا وقت ساعت قبولیت ہے واللہ اعلم۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اور روزے

⑤ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللَّهِ صَلَاةُ دَاوُدَ وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللَّهِ صِيَامُ دَاوُدَ كَانَ يَتِمُّ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ وَيَصُومُ يَوْمًا وَيَفْطُرُ يَوْمًا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کو تمام نمازوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز زیادہ پسند اور تمام روزوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے زیادہ پسند ہیں (ان کی نماز کی کیفیت یہ ہوئی تھی کہ) وہ آدھی رات سوتے اور تہائی رات قیام کرتے (یعنی نماز پڑھتے) اور پھر رات کے چھ حصہ میں سوتے اور وہ (روزہ اس طرح رکھتے تھے کہ ایک دن تو روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اور ان کے روزے کا یہ طریقہ بہت پسند تھا اس لئے اس طریقہ کے مطابق پڑھی جانے والی نفل نماز اور رکھے جانے والے نفل روزے اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ مذکورہ بالا طریقہ سے رات میں پڑھی جانے والی نماز اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب اس لئے ہے کہ جب کوئی شخص رات کے دو تہائی حصے سوتے گا اور اس کا نفیس اتنی دیر تک آرام کرے گا تو اس کی عبادت پوری فرحت و نشاط اور قلب و دماغ کے پورے نشاط کے ساتھ ادا ہوگی۔

اس طرح مذکورہ بالا طریقہ سے رکھے جانے والے روزے بھی اس لئے پسندیدہ ہیں کہ اس میں نفس کو بہت زیادہ محنت و مشقت ہوتی ہے جو حاصل عبادت ہے۔

رات کی عبادت میں آنحضرت ﷺ کا معمول

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ تَعْنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتِمُّ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَيُحِينَ آخِرَهُ ثُمَّ إِنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ إِلَى أَهْلِهِ قَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ يَنَامُ فَإِنْ كَانَ عِنْدَ التَّدَاةِ الْأَوَّلِ جُنُبًا وَثَبَ فَأَقْبَضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ جُنُبًا تَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ۔ (متن علیہ)

”اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ (رات اس طرح بسر کرتے تھے کہ) آپ ﷺ رات کے ابتدائی حصہ میں تو سوتے تھے اور رات کے آخری حصہ کو زندہ رکھتے (یعنی بیدار رہتے اور عبادت کرتے) تھے پھر اگر آپ کو اپنی زوجہ مطہرہ سے (بیم بستی کی) ضرورت ہوتی تو اپنی ضرورت پوری کرتے اور سو جاتے چنانچہ اگر آپ (فجر کی) پہلی اذان کے وقت حالت ناپاکی میں ہوتے تو اٹھتے اور

اپنے بدن پر پانی ڈالتے (یعنی نہاتے) اور اگر ناپاکی کی حالت میں نہ سوتے تو نماز کے لئے وضو کرتے اور پھر فجر کی سنت کی دو رکعتیں پڑھتے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: شامل میں حضرت عائشہؓ سے یہ روایت تفصیلی طور پر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا "آنحضرت ﷺ رات کے ابتدا کی حصہ میں (یعنی عشاء کی نماز کے بعد سے آدھی رات تک) سوتے پھر سوس راتیں و خاس یعنی چوتھے و پانچویں و چھٹے حصہ میں تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے جب سحر کا وقت ہوتا تو وتر پڑھتے پھر بستر پر آرام فرمانے کے لئے (تشریف لے آتے) کیونکہ نماز تہجد وغیرہ سے فراغت کے بعد اور نماز فجر سے پہلے کچھ دیر تک آرام کرنا مستحب ہے تاکہ فجر کی نماز اور اس کے بعد کے اوراد و وظائف کی ادائیگی کے لئے بشارت و قوت حاصل ہو سکے (پھر اگر کسی دن) آپ کو اپنی زوجہ مطہرہ سے ہم بستری کی ضرورت ہوتی تو اسے پوری کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ (فجر کی) اذان سن کر اٹھتے اور اگر حالت ناپاکی میں ہوتے تو اپنے بدن پر پانی ڈالتے (یعنی نہاتے) اور اگر حالت ناپاکی میں نہ ہوتے تو وضو کرتے اور (فجر کی) سنت کی دونوں رکعتیں گھری میں پڑھ کر نماز کے لئے باہر (مسجد میں) تشریف لے جاتے۔

اس تفصیلی روایت میں حدیث بالا کے ابتدائی جز "رات کے ابتدا کی حصہ میں سوتے اور رات کے آخری حصہ کو زندہ رکھتے تھے" کے معنی واضح ہو گئے ہیں۔

بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ وظیفہ زوجیت سے فراغت کے بعد وضو کرتے ہوں گے، اس کے بعد پھر سوتے ہوں گے۔

"سدا اول" (پہلی اذان) سے مراد اذان متعارف ہے اور "دوسری اذان" تکبیر کو کہتے ہیں۔

حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ آدھی رات تو سوتے تھے اور آدھی رات اپنے پروردگار کی عبادت میں گزارتے تھے، کیونکہ اول سوس یعنی رات کے ابتدائی چھ حصہ میں عشاء تک جاگتے تھے پھر عشاء کے بعد دوسرے تیسرے سوس میں آرام فرماتے تھے پھر چوتھے اور پانچویں سوس میں بیدار رہتے اور چھٹے سوس میں سو جاتے اس طرح تین سوس تو آپ ﷺ سوتے اور تین سوس بیدار رہتے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

الفصل الثانی

نماز تہجد پڑھنے کی تاکید و فضیلت

⑨ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ ذَابُ الصَّلَاحِينَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ وَمُكَفِّرَةٌ لِلْسَّيِّئَاتِ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْإِثْمِ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت ابو امامہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "قیام لیل (یعنی نماز تہجد پڑھنے کو) ضروری جانو کیونکہ (اول تو) یہ طریقہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا ہے اور پھر (دوسرے یہ کہ) قیام لیل تمہارے لئے پروردگار کی نزدیکی اور گناہوں کے دور ہونے کا سبب ہے، نیز یہ کہ تمہیں گناہوں سے باز رکھنے والا ہے۔" (ترمذی)

تشریح: "نیک لوگوں" سے مراد پہلے زمانے کے انبیاء اور اولیاء ہیں گویا اس طرح آنحضرت ﷺ اپنی امت کے لوگوں کو تنبیہ فرما رہے ہیں کہ تمہیں تو یہ نماز بطریق اولیٰ پڑھنی چاہئے کیونکہ تم تو پہلے کی تمام امتوں سے بہتر اور اعلیٰ ہو۔

یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ جو لوگ تمام فراغ نفس کی نماز تو پڑھتے ہیں لیکن تہجد کی نماز نہیں پڑھتے تو وہ صالحین کا طبقہ کے زمرہ میں داخل نہیں ہیں بلکہ ان کا درجہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ظاہری طور پر زکوٰۃ دینے والوں کا درجہ ہوتا ہے ان لوگوں کے مقابلہ پر جو پوشیدہ

طور پر زکوٰۃ دیتے ہیں۔

نماز تہجد پڑھنے والوں کی خوش بختی

⑩ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ يُصْحَفُ اللَّهُ إِلَيْهِمْ الرَّجُلُ إِذَا قَامَ بِاللَّيْلِ يُصَلِّي وَالْقَوْمُ إِذَا صَفَّوْا فِي الصَّلَاةِ وَالْقَوْمُ إِذَا صَفَّوْا فِي قِتَالِ الْعَدُوِّ - (رواہ فی شرح السنۃ)

”اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی طرف اللہ جل شانہ ہنستا ہے (یعنی ان سے بے حد خوش ہوتا ہے اور ان کی طرف اپنی رحمت و عنایت کی نظر فرماتا ہے) ① وہ شخص جو رات میں تہجد کی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے ② وہ لوگ جو نماز پڑھنے کے لئے اپنی صفوں کو درست کرتے ہیں ③ وہ لوگ جو دشمنوں سے لڑنے کے لئے (یعنی جہاد کے وقت) صف بندی کرتے ہیں۔“ (شرح السنۃ)

آخری شب میں ذکر کی فضیلت

⑪ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْسَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الزُّبْتُ مِنَ الْعَبْدِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ الْآخِرِ فَإِنْ اسْتَظَفْتَ أَنْ تَكُونَ مِمَّنْ يَذْكُرُ اللَّهَ فِي تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ رَوَاهُ النَّبِيُّ مِثْلِي وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ إِسْنَادًا۔

”اور حضرت عمرو بن عبسہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”پروردگار اپنے بندہ سے سب سے زیادہ قریب آخری شب میں ہوتا ہے لہذا اگر تم بھی اس وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں میں ہو سکتے ہو تو ضرور ہو (یعنی اس بات کی کوشش کرو کہ تم بھی ان خوش نصیب مسلمانوں میں شمار کئے جاؤ جو اس وقت اپنے پروردگار کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اور سعادت و خوش بختی کے خزانے اپنے دامن میں سمیٹ کر پروردگار کی رضا و خوشنودی کو اپنے قریب تر پاتے ہیں) امام ترمذیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور سند کی وجہ سے غریب ہے۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کا آخری حصہ باقی طور افضل و اشرف ہے کہ وہ اپنے دامن میں پروردگار کی رحمتوں اور اس کی عنایتوں کے خزانے سمیٹے ہوئے ہوتا ہے، اب یہ قسمت اور مقدر والوں کی بات ہے کہ کون اس خزانے سے مستفید ہوتا ہے اور کون محروم رہ جاتا ہے۔

چنانچہ جن کی طبیعت سعادت مند بھوتی ہے وہ رات کے اس حصہ میں اٹھ کر رحمت خداوندی کے خزانے سے اپنے دامن کو بھرتے ہیں اور جو حراماں نصیب ہوتے ہیں وہ شیطان کی لوریاں کھا کھا کر نہ صرف اپنے دل و دماغ اور جسم کو نیند کے حوالے کئے ہوتے ہیں بلکہ ان کی سعادت اور ان کی خوش بختی بھی غفلت و سستی کی نذر ہو جاتی ہے۔

بہر حال پروردگار کا اپنے بندہ سے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی رضا و خوشنودی بندہ سے قریب تر ہوتی ہے اور اس کی رحمتوں کا سایہ بندہ کے اوپر ہوتا ہے

آخری نصف رات سے رات کا وہ حصہ مراد ہے جس کی ابتداء ثلث آخر (یعنی آخری تہائی) سے ہوتی ہے اور وہی وقت تہجد کی نماز کے لئے اٹھنے کا ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن عبسہؓ جنہیں لسان نبوت سے حدیث میں مذکورہ سعادت حاصل کرنے کے لئے فرمایا جا رہا ہے حضرت حق جل مجدہ کی درگاہ کبریائی کے ایک مجذوب اور دربار رسالت (ﷺ) کے ایک مقرب اور رزی شان خادم تھے ان کی بہت زیادہ عظمت اور فضیلت ہے

ابتداء ظہور نبوت میں جبکہ آنحضرت ﷺ مکہ میں کفر و شرک سے اڑی ہوئی گردنوں کو خدائے واحد کے حضور میں جھکانے کی سعی میں مصروف تھے اور آپ ﷺ کی تبلیغ کی ابتداء ہو چکی تھی تو حضرت عمرو بن عبسہؓ اپنے وطن میں تھے یکایک ان کے دل میں نور توحید ضوفاش ہوا اور شرک و بت پرستی کی کراہیت و نفرت نے بے چین کر دیا، جب ہی سنا کہ ایک شخص مکہ میں پیدا ہوا ہے جو لوگوں کو توحید کی طرف بلاتا ہے اور بتوں کی عبادت سے منع کرتا ہے، یہ سنتے ہی قلب مضطرب ہو کر فوراً ہی مکہ پہنچنے پر مجبور کر دیا، انہوں نے مکہ پہنچ کر آنحضرت ﷺ کے بارہ میں دریافت کیا، آنحضرت (فداہ روحی) اس زمانہ میں کفار کی شدید مخالفت اور دشمنان دین کی سبے پناہ سختیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے دشمنوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر خدا کے دین کی تبلیغ اور اس کی عبادت میں مصروف تھے، حضرت عمرو بن عبسہ نے لوگوں سے پوچھا کہ ”تم میں کون شخص پیدا ہوا ہے جو تمہاری روش اور تمہارے راستے سے ہٹ کر دوسرے دین کی طرف دنیا کو بلاتا ہے؟“ لوگوں نے کہا کہ ”ہاں ایک دیوانہ ہے (آپ ﷺ کی عقل و دانش پر دونوں جہان قربان) جس نے اپنے باپ دادا کا طریقہ اور راستہ چھوڑ دیا ہے اور ایک نئی رسم نکالی ہے

دیوانہ کنی ہر دو چہاں بخشی دیوانہ تو ہر دو چہاں را چہ کند
انہوں نے پوچھا کہ ”اچھا وہ کہاں ملیں گے؟“ لوگوں نے کہا کہ ”وہ شخص آدھی رات کو باہر نکلتا ہے اور اس خانہ کعبہ کے ارد گرد گھومتا ہے۔“

حضرت عمرو بن عبسہ آدھی رات کے وقت حرم شریف میں آئے اور کعبۃ اللہ کے پردہ مبارک میں چھپ کر کھڑے ہو گئے اچانک دیکھا کہ ایک شخص غلامتوں کے پردوں کو چیرتا ہوا نور کی ایک دنیا اپنے جلو میں لئے نمودار ہوا، اس شخص کی سراپا کشی، شخصیت اور نورانی چہرہ و جسم کا یہ عالم کہ ہر وہاں اس کے سامنے شرمندہ اور دنیا کے تمام لوگ اس کے پاک آستانے کی خاک (ﷺ) عمرو فوراً پردہ سے نکل کر باہر آئے اور نمودار ہونے والے شخص کو سلام کیا اور پوچھا کہ ”آپ کون ہیں اور آپ کا دین کیا ہے؟“ انہوں نے فرمایا کہ ”میں خدا کا رسول ہوں (ﷺ) اور میرا دین لا الہ الا اللہ ہے“ یہ خوشی سے جھوم اٹھے اور فوراً بولے کہ ”میں بھی اس دین کو پسند کرتا ہوں“ چنانچہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے جیسی ایمان لائے، اس طرح حضرت عمرو بن عبسہ تیسرے یا چوتھے مسلمان ہیں یعنی ان سے پہلے صرف دو یا تین آدمی ہی اسلام کی دولت سے مشرف ہو سکے تھے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں رخصت کیا اور فرمایا کہ ”میرے پروردگار نے مجھ سے ایک وعدہ کیا ہے۔ جب وہ وعدہ پورا ہوگا تو میرے پاس آنا“ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے عمرو بن عبسہ آپ ﷺ کے پاس مدینہ پہنچ گئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل کی اور نگاہ نبوت کی کرشمہ سازی نے آپ ﷺ کو درجہ کمال پر پہنچا دیا۔

عبادت میں ایک دوسرے کی مدد کی جائے

(۱۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجِمَ اللَّهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى وَانْقَضَ امْرَأَتُهُ فَصَلَّتْ فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ رَجِمَ اللَّهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَانْقَضَتْ زَوْجُهَا فَصَلَّى فَإِنْ ابْيَضَّتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ - (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو رات میں اٹھ کر (خود بھی تہجد کی) نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے تاکہ وہ بھی نماز پڑھے اور اگر بیوی (خیند کے غلبہ اور کثرت غفلت و سستی کی وجہ سے) نہ جاگے تو (اس کی خیند ختم کرنے کے لئے) اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو رات میں اٹھ کر (خود بھی تہجد کی) نماز پڑھے اور اپنے خاوند کو جگائے تاکہ وہ بھی نماز پڑھے اور اگر شوہر (غلبہ غیرو سستی کی وجہ سے) نہ جاگے تو وہ اس کے منہ

پر پانی کے چھینٹے ڈالے۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: "رات میں اٹھ کر نماز پڑھنے" سے مراد تہجد کی ہی نماز ہے لیکن اگر مرد و عورت کسی کی بھی کوئی نماز قضا ہو گئی ہو اور اس وقت اس کے ذمہ قضا ہو تو قضا نماز کا پڑھنا ہی اس وقت اولیٰ ہوگا۔

"منہ پر پانی کے چھینٹے دینے" کا مطلب یہ ہے کہ اس کو نماز پڑھنے اور پروردگار کی عبادت کے لئے بیدار کرنے کے واسطے جس طرح بھی ممکن ہو، سعی و کوشش کرے۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خاوند و بیوی جس طرح سماجی زندگی اور دنیاوی امور میں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہوتے ہیں اسی طرح انہیں دینی امور، طاعت الہی اور عبادت خداوندی کے بارہ میں بھی ایک دوسرے کا مددگار و معاون بننا چاہئے اور اگر کسی وقت بیوی نماز نہ پڑھے تو شوہر کا حق ہے کہ وہ اسے جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھنے پر مجبور کرے۔ اسی طرح اگر خاوند نماز پڑھنے میں تساہل و سستی کرے یا کسی ایسی وجہ سے نماز پڑھنے سے رک جائے جو نماز کی ادائیگی میں رکاوٹ بنی ہوگی ہے تو بیوی کا حق ہے کہ وہ اسے پوری قوت سے نماز پڑھنے کے لئے کہے اور جو چیز اس کے نماز پڑھنے میں رکاوٹ بن رہی ہے اسے ختم کرے۔ مثلاً اگر میاں بیوی دونوں میں سے کوئی ایک اس طرح غفلت میں پڑا ہوا ہے کہ اس کی نماز خواہ فرض نماز ہو یا تہجد وغیرہ کی نماز نہ پڑھتی ہو تو دونوں میں سے جو بھی بیدار ہو وہ دوسرے کو بھی نیند سے اٹھائے اگر وہ نہ اٹھے تو ایسی ترکیب کرے جس سے اس کی نیند ختم ہو جائے اور وہ اٹھ کر نماز پڑھ سکے۔

اسی طرح کسی ایک جگہ اجتماعی طور پر رہنے والے لوگوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں اور رفیقوں میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن کر رہیں اور ایک دوسرے کو نماز پڑھنے اور عبادت خداوندی میں مشغول و مصروف رکھنے کی کوشش کریں۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ کسی شخص پر بھلائی کے معاملہ میں جبر کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

قبولیت دعا کا وقت

(۱۳) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْأَخِيرُ وَذُبُرُ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَاتِ۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ سے پوچھا گیا کہ "یا رسول اللہ! کس وقت کی دعائیں زیادہ مقبول ہوتی ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "آخری تہائی رات میں اور فرض نمازوں کے بعد۔" (ترمذی)

اعمال صالحہ کرنے والوں کے لئے بشارت

(۱۴) وَعَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِي الْمَجْتَمِعَةَ غُرْفًا يُرَى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا أَعَدَّهَا اللَّهُ لِمَنْ أَلَانَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَنَافَعَ الصَّنَامَ وَصَلَّى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ يَتَامُونَ وَوَأَهَّ النَّبِيَّ قِيٌّ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُوَيْرِثِ عَنْ أَبِيهِ لِمَنْ أَلَانَ الْكَلَامَ۔

"اور حضرت ابو مالک اشعریؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا "جنت میں ایسے بالا خالے ہیں جن کے باہر کی چیزیں اندر اور اندر کی چیزیں باہر دکھائی دیتی ہیں اور یہ بالا خالے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کئے جو دوسرے لوگوں سے نرمی سے بات کرتے ہیں (محبوب و ناداروں کو کھانا کھلاتے ہیں، بے درپے (یعنی اکثر فضل روزے رکھتے ہیں اور رات میں ایسے وقت (تہجد کی) نماز پڑھتے ہیں جب کہ (اکثر) لوگ نیند کی آغوش میں ہوتے ہیں۔ اس روایت کو ترمذی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔ نیز ترمذی نے بھی اس طرح کی روایت حضرت علیؓ سے نقل کی ہے مگر ان کی روایت میں لمن اصاب الکلام کے الفاظ ہیں (اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں)۔"

تشریح: بعض علماء فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے درپے نفل روزے رکھنے کے بارہ میں جو فرمایا گیا ہے تو اس کا آخری درجہ یہ ہے کہ ہر مہینے میں کم سے کم تین روزے بہ نیت نفل رکھے جائیں۔

الفصل الثالث

نماز تہجد کو ترک کرنے کی ممانعت

(۱۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللَّهِ لَا تَكُنْ فِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ - (بخاری علیہ)

”حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے (ایک روز) مجھ سے فرمایا کہ ”عبداللہ (دیکھو) فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا کہ وہ رات میں قیام کرتا تھا (یعنی تہجد کی نماز پڑھتا تھا) پھر بعد میں رات کے قیام کو اس نے چھوڑ دیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: کوئی صحابی ہوں گے جو پہلے تو تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے مگر پھر بعد میں بغیر کسی عذر کے محض نفس کی خواہش میں مبتلا ہو کر اس عظیم سعادت سے کنارہ کشی کر بیٹھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو کو متنبہ فرمایا کہ دیکھو کہیں تم بھی انہیں کی طرح نماز تہجد کو چھوڑ کر فریب نفس میں مبتلا نہ ہو جانا کیونکہ ایسے لوگ جو نیک عمل کی عادت اور اپنے معمولات دینی کو بغیر کسی عذر و مجبوری کے چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں وہ ان لوگوں کے سلسلہ میں داخل ہو جاتے ہیں جن کے بارہ میں صحیح فیصلہ یہی ہے کہ قَارِئُ الْوَرْدِ مُلْعُونٌ (یعنی معمولات دینی کو چھوڑنے والا ملعون ہے)

گویا اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ عبادت خداوندی کو ترک کر دینا اور عادت یعنی نفسانیت کے غلط راستہ کی طرف لوٹنا درحقیقت سعادت مندی اور صلاح و فلاح میں زیادتی کے بعد نقصان کا واقع ہو جاتا ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے بایں طور پناہ مانگی ہے کہ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْحَوْرِ وَعَدِ الْكُورِ (یعنی ہم زیادتی کے بعد نقصان کے واقع ہو جانے سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ لہذا راہ طریقت و شریعت کے سالک کو چاہئے کہ نہ صرف کہ وہ اپنی عبادت خداوندی اور ذکر اللہ کی عادت کو ترک نہ کرے اور اس میں کمی نہ اختیار کرے بلکہ ان میں زیادتی ہی کا طالب رہے کیونکہ یہ کہا گیا ہے ”جو شخص زیادتی کا طالب نہیں ہے وہ نقصان کے راستہ پر ہے۔“

رات میں حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت اور ساعت قبولیت

(۱۶) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ كَانَ لِدَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ اللَّيْلِ سَاعَةٌ يُوقَفُ فِيهَا أَهْلُهُ يَقُولُ يَا دَاوُدُ قُمْ هَذَا فَصَلِّ فَإِنَّ هَذِهِ سَاعَةٌ يَسْتَجِيبُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ فِيهَا الدُّعَاءَ إِلَّا لِسَاجِرٍ أَوْ عَشَّارٍ -

(رواہ احمد)

”اور حضرت عثمان بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے رات (کے آخری نصف حصہ) میں ایک وقت (مقرر) تھا جس میں وہ اپنے اہل خانہ کو جگاتے اور فرماتے کہ ”اے آل داؤد! اٹھو اور نماز پڑھو کیونکہ یہ ایسا وقت ہے جس میں اللہ بزرگ و بزرگوار دعا کو قبول فرماتا ہے سوائے جادوگر اور عشار (کی دعا) کے (یعنی ان دونوں کی دعا اس وقت بھی قبول نہیں ہوتی)۔“ (احمد)

تشریح: عشار سے چوکیدار قسم کے وہ راہزن مراد ہیں جو راستوں میں میٹھے رہتے ہیں اور لوگوں کے مال ازراہ ظلم لے لیتے ہیں۔ اس سے وہ

عمال بھی مراد لئے جاسکتے ہیں جو محصول وغیرہ کی وصولیابی کے لئے مقرر ہوتے ہیں اور ناجائز و غلط طریقہ پر لوگوں سے ان کے مال و اسباب غصب کرتے ہیں۔

بہر حال حاصل یہ ہے کہ اس مقدس ساعت اور رحمت خداوندی کے عام فیضان کے اس بابرکت موقع پر بھی ساحر یعنی جادوگر اور عشار کی دعا قبول نہیں ہوئی کیونکہ ان لوگوں سے مخلوق خدا کو بہت تکلیف پہنچتی ہے اور پروردگار عالم ان لوگوں کے ساتھ کبھی بھی بہتر معاملہ نہیں فرماتا جو اس کی مخلوق کے لئے ایذا رسانی اور تکلیف و مصیبت کا سبب بنتے ہیں، اسی وجہ سے بعض عارفین کا یہ عارفانہ ارشاد ہے کہ ”کمال عبودیت یعنی پوری طرح اللہ کا بندہ ہو جانا چاہیے کہ حکم خداوندی کی تعظیم کی جائے اور مخلوق خدا کے ساتھ شفقت و مہربانی کا برتاؤ کیا جائے۔“

نماز تہجد کی فضیلت

(۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْمَغْرُوبِ صَلَاةُ لَيْلٍ جَوْفِ اللَّيْلِ۔ (رواد احمد)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز رات میں پڑھی جانے والی (یعنی تہجد کی) نماز ہے۔“ (احمد)

تشریح: حضرت میرکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت ابی اسحق مروزی شافعیؒ کے اس قول کی دلیل ہے کہ تہجد کی نماز سنن رواتب سے افضل ہے جبکہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ سنن رواتب افضل ہیں، چنانچہ ابو اسحق مروزیؒ ہی کا قول قوی تر ہے کیونکہ یہ حدیث صراحت کے ساتھ ان کے قول کی تائید کر رہی ہے۔

بہر حال اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ نماز تہجد باس طور افضل ہے کہ اس نماز میں نفس بہت زیادہ مشقت میں مبتلا ہوتا ہے اور اس نماز کو پڑھنے والا زیادہ نماز سے بعد ہوتا ہے اور سنن رواتب باس جہت افضل ہیں کہ فرض نمازوں کے ساتھ ان کے پڑھنے کی بہت تاکید کی گئی ہے نیز یہ کہ سنن رواتب فرض نمازوں کے لئے قسم ہیں یعنی ان کے ذریعہ فرض نماز میں درجہ کمال و اتمام کو پہنچتی ہیں، لہذا اس طرح دونوں کی افضلیت اپنی اپنی جگہ مسلم ہے اور دونوں اقوال میں کوئی منافات نہیں ہے، یا پھر رات کی نماز کی فضیلت کے بارہ میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ رات کی نماز اس لئے افضل ہے کہ یہ وتر پر بھی مشتمل ہے اور وتر واجب ہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کے بارہ میں منقول ہے کہ انتقال کے بعد انہیں کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ پروردگار نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ:

تاهت العبادات وفیت الاشارات وما نفعنا الارکعات صلیناھا فی جوف اللیل۔

”وہ باتیں جو میں حقائق و معارف کے بیان میں کہتا تھا جاتی رہیں اور وہ نکات جو میں بیان کیا کرتا تھا ختم ہو گئے مجھے تو صرف نماز کی ان چند رکعتوں نے فائدہ دیا جو نصف شب میں پڑھا کرتا تھا۔“

گویا طالعین راہ حقیقت و شریعت اور سالکین راہ طریقت کو ترغیب دلائی گئی کہ تصوف و طریقت کے حکمت و نکات کے پیچھے نہ پڑو اور گفتار کے نہیں کردار کے غازی بنو، عملی زندگی کو سنوارنے اور خدا کی بندگی کی راہ پر لگانے کی پوری پوری کوشش کرو اور عبادت و ریاضت کا پورا پورا اہتمام کرو کیونکہ اسی میں دنیا کی بھی بھلائی ہے اور آخرت کی بھی۔

کارکن کار، بگزر از گفتار، کاندیس راہ کار دارو کار

تہجد کی نماز برائی سے روکتی ہے

⑱ وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ زُجَلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا إِنَّا فُلَانَا يُصَلِّي بِاللَّيْلِ فَإِذَا أَصْبَحَ سَرَقَ فَقَالَ إِنَّهُ مَسْنُهَاةٌ مَا تَقُولُ - (رواہ احمد و ابی یوسف فی شعب الایمان)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص سرور کوئین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو تہجد نماز پڑھتا ہے مگر صبح اٹھ کر چوری کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ”عقرب اس کی نماز اسے اس چیز سے روک دے گی جو تم کہہ رہے ہو۔“ (احمد، عیسیٰ)

تشریح: نماز کی خاصیت ہے کہ وہ انسان کو برائی کے راستہ سے روکتی ہے اور نیکی کے راستہ پر گامزن کرتی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ -

”نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔“

چنانچہ آنحضرت ﷺ کے سامنے جب ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جو رات میں تو عبادت خداوندی یعنی نماز تہجد میں مشغول رہتا ہے اور صبح اٹھ کر چوری جیسے برے فعل کا مرتکب ہوتا تھا تو آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ اگر وہ خلوص نیت اور جذبہ خالص کے تحت رات کی نماز پڑھاومت کرتا ہے تو انشاء اللہ جلد ہی اللہ تعالیٰ اس نماز کی برکت سے اسے اس فعل قبیح سے توبہ کی توفیق عطا فرما دے گا اور اپنے قلب و دماغ میں نماز کی برکت و نورانیت کے اثر کی وجہ سے وہ چوری سے باز رہے گا۔

اہل خانہ کے ہمراہ نماز تہجد پڑھنے کی فضیلت

⑲ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبْنِ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَيْقَظَ الزُّجَلُ أَهْلَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلُّوا أَوْ صَلُّوا رُكْعَتَيْنِ جَمِيعًا كَتَبَ لِي اللَّهُ أَكْبَارًا - (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوسعید خدری و حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ سرور کوئین ﷺ نے فرمایا ”اگر کوئی شخص رات میں بیوی کو جگائے اور وہ دونوں نماز پڑھیں، یا یہ فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک دو رکعتیں اکٹھی پڑھیں تو وہ (دونوں) ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں (کے زمرہ) میں لکھے جاتے ہیں۔“ (ابو داؤد و ابن ماجہ)

تشریح: حدیث میں لفظ ”اہل“ سے مراد صرف بیوی بھی لی جاسکتی ہے اور بیوی اولاد، غلام اور لونڈیاں بھی مراد لی جاسکتی ہیں۔ درمیان روایت راوی کو شک واقع ہو گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لفظ فصلاً (یعنی اور وہ دونوں نماز پڑھیں) فرمایا ہے، یا لفظ صلی (یعنی ہر ایک دو رکعتیں اکٹھی پڑھیں) فرمایا ہے۔ بہر کیف یہ صرف لفظی اختلاف ہے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں سے قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَالَّذَاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالَّذَاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا -

”اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے مرد اور عورتیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت اور بہت زیادہ ثواب (کا اجر و انعام) تیار کر رکھا ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ جو شخص رات میں خود بھی اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھے گا اور ذکر اللہ میں مشغول رہے گا اور اپنی بیوی و دیگر اہل خانہ کو بھی جگا کر خدا کی عبادت میں مشغول رکھے گا تو ان سب کا شمار ان نیک و باسعادت مرد و عورتوں میں ہوگا جن کی فضیلت اس آیت میں بیان کی جا رہی ہے۔

اُمت میں بلند مرتبہ کون لوگ ہیں

(۲۰) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْرَافُ أُمَّتِي حَمَلَةُ الْقُرْآنِ وَأَصْحَابُ اللَّيْلِ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”میری اُمت کے اشراف یعنی بلند مرتبہ لوگ قرآن اٹھانے والے (اور رات (میں اٹھنے) والے ہیں۔“ (بیہقی)

تشریح: ”قرآن اٹھانے والے“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم یاد کرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں باہیں طور کہ قرآن نے جن امور کو کرنے کا حکم دیا ہے ان کو کرتے ہیں اور جن امور سے منع کیا ہے ان سے بچتے ہیں، آنحضور کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ایسے ہی لوگ میری اُمت کے بلند مرتبہ اور باسعادت افراد ہیں، چنانچہ قرآن حفظ کرنے والے اور اس کے احکام کے پابند لوگوں کی فضیلت ایک دوسری روایت میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ”جس شخص نے قرآن حفظ کیا تو بیشک اس پر فیضان نبوت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں مگر اس کے پاس وحی (یعنی وحی جلی) نہیں آتی، البتہ وحی خفی اس کے پاس آتی ہے (یعنی وحی جلی کے مطالب و معارف کا فیضان اس کے قلب و دماغ پر ہوتا ہے) مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم حفظ کرنے والا شخص اس وجہ سے بہت زیادہ فضیلت و عظمت کا پیکر مانا جاتا ہے کہ اس کے قلب کے اندر قرآن کے الفاظ کی شکل میں نور نبوت ودیعت فرمادیا جاتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وحی خفی یعنی قرآن کے ظاہری الفاظ کے مطالب و معارف کا فیضان اس کے قلب و دماغ کو منور کر دیتا ہے اور قرآن کے الفاظ کے نور کی برکت سے وحی جلی پر جو کہ انبیاء کا مخصوص حصہ ہے ان کا ایمان و ایقان قوی تر ہو جاتا ہے۔

علامہ یحییٰؒ کہتے ہیں کہ ”قرآن حفظ کرنے“ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن یاد کرے اور اپنی عملی زندگی کو اس کے سانچے میں ڈالے، باہیں طور کہ قرآن نے جو احکام دیے ہیں ان پر پورے قلبی خلوص اور مداومت کے ساتھ عمل کرے ورنہ تو محض قرآن یاد کرنے والا اور اس پر عمل کرنے والا ان لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے جن کے بارہ میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ:

كَمَثَلِ الْبَحَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا۔

”یعنی (جو) لوگ حافظ قرآن ہوں مگر حال قرآن نہ ہوں تو وہ ایسے ہیں جیسے کہ گدھے پر کتابیں لاد دی جائیں۔“

یعنی اس طرح کہ گدھے پر کتابیں لاد دینے سے گدھے کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں پہنچتا بالکل اسی طرح قرآن پر عمل نہ کرنے والے حافظ کو بھی قرآن حفظ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور وہ سعادت و مرتبہ کے اعتبار سے کسی بھی حیثیت میں نہیں ہوتا۔

أَصْحَابُ اللَّيْلِ (رات والے) سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز و قرآن پڑھنے کے لئے شب بیداری پر مداومت کرتے ہیں یعنی پابندی کے ساتھ روزانہ رات میں اٹھتے ہیں اور عبادت خداوندی و ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں ایسے لوگ خدا اور خدا کے رسول کی نظروں میں بڑی فضیلت کے حامل ہوتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق اُمت مرحومہ کے بلند مرتبہ افراد میں شمار کئے جاتے ہیں۔

رات کی عبادت کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا معمول

(۲۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ أَبَاهُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللَّهُ حَتَّى إِذَا كَانَ مِنَ الْبَحْرِ اللَّيْلِ يَقْظُ أَهْلَهُ

لِلصَّلَاةِ يَقُولُ لَهُمُ الصَّلَاةُ ثُمَّ يَنْتَلُو هَذِهِ الْآيَةَ وَأَمُرُ أَهْلِكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا تَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَزَرْنَاكَ وَ

الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کے پدر بزرگوار حضرت عمر بن خطابؓ رات میں جس قدر اللہ چاہتا نماز پڑھتے رہتے اور رات

جب آخر ہوئی تو اپنی زوجہ محترمہ کو نماز پڑھنے کے لئے اٹھاتے اور فرماتے کہ ”نماز پڑھو، پھر یہ آیت پڑھتے وَأَمَّا أَهْلُكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا تَسْأَلْكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى (اور اسے محمد ﷺ) اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے ہیں اور خود بھی اس (کی مشقتوں) پر صبر کیجئے ہم آپ (ﷺ) سے رزق نہیں مانگتے، رزق تو ہم ہی آپ (ﷺ) کو دیتے ہیں اور آخرت (کی بھلائی) تو پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔“ (مالک)

تشریح: آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے متعلقین اور اہل خانہ کو نماز پڑھنے کی ہدایت کرتے ہیں اور خود بھی نماز پڑھنے کی مشقتوں محنتوں پر صبر کیجئے اور اس سلسلہ میں آپ (ﷺ) کے متعلقین کو بھی جو محنت و مشقت اٹھانی پڑے اسے بھی برداشت کیجئے اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں مشغول رہئے، اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کیجئے، اسی سے ظاہری و باطنی غناء کے لئے مدد کے طلبگار رہئے اپنے رزق اور معاش کی فکر نہ کیجئے اور دیکھئے ہم آپ (ﷺ) سے رزق نہیں مانگتے کہ اپنے رزق اور اسباب معیشت کے حصول اور دوسروں کے لئے رزق کی ذمہ داری آپ کو جدوجہد اور محنت و سعی کے ایسے بندھنوں میں باندھ دے جو آپ (ﷺ) کے لئے ادائیگی نماز میں رکاوٹ بن جائے جس طرح ہم دوسروں کو رزق دیتے ہیں اسی طرح آپ (ﷺ) کو بھی رزق بخشتے ہیں، آپ (ﷺ) کا کام تو صرف یہ ہے کہ دنیا اور دنیا کے امور سے منہ موڑ کر اپنے قلب و دماغ کو صرف آخرت کی بھلائی اور اپنے متعلقین کی اصلاح میں مصروف رکھئے اور یہ جان لیجئے کہ عاقبت محمودہ یعنی دنیا اور آخرت دونوں جگہ انجام کار بخیر ہونا صرف متقیوں اور خدا کے نیک بندوں ہی کے لئے ہے۔

بَابُ الْقَصْدِ فِي الْعَمَلِ اعمال میں میانہ روی اختیار کرنے کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جس طرح دنیاوی امور میں افراط و تفریط یعنی حد سے زیادہ زیادتی اور حد سے زیادہ کمی غیر نفع بخش ہے اسی طرح دینی امور یعنی اعمال نقل میں بھی افراط و تفریط مطلوب نہیں ہے بلکہ اس راستہ پر بھی میانہ روی اور ان میں اعتدال اختیار کرنا ہی ضروری ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

① عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى نَقُظْنَ أَنْ لَا يَصُومَ مِنْهُ وَيَصُومُ حَتَّى نَقُظْنَ أَنْ لَا يَفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا وَكَانَ لَا تَشَاءَ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ وَلَا تَأْتِيهَا إِلَّا رَأَيْتَهُ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ مہینہ (کے اکثر ایام) میں (نفل) روزہ نہ رکھتے، یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ آپ ﷺ اس مہینہ میں روزہ نہیں رکھیں گے اور آپ ﷺ (اسی مہینہ یا دوسرے مہینہ کے اکثر ایام میں) روزہ رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ اب (اس مہینہ کا) کوئی دن بھی آپ ﷺ بغیر روزہ نہیں چھوڑیں گے اور اگر آپ ﷺ کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے تم دیکھنا چاہتے تو نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھ لیتے اور اگر آپ ﷺ کو رات میں سوتے ہوئے تم دیکھنا چاہتے تو سوتے ہی ہوئے دیکھ لیتے۔“ (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اعمال نفل میں اعتدال کی راہ اختیار فرماتے تھے چنانچہ نہ تو آپ ﷺ ہمیشہ روزہ ہی رکھتے تھے کہ افراط یعنی زیادتی لازم آتی اور نہ ہمیشہ بغیر روزہ کے رہتے تھے کہ تفریط یعنی کمی لازم آتی، بلکہ آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ ہر مہینہ میں کچھ دن تو آپ ﷺ روزہ سے رہا کرتے تھے اور کچھ دن بغیر روزہ کے۔

اسی طرح نفل نماز کے سلسلہ میں بھی آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ رات میں آپ ﷺ سوتے بھی تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے، نہ تو

تمام رات سوتے ہی تھے اور نہ تمام رات نماز ہی میں گزارتے تھے۔ غرض کہ تمام امور میں آپ ﷺ کا عمل اوسط درجہ کا تھا نہ زیادہ تھا اور نہ کم تھا۔

مداومت عمل کی فضیلت

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ - (مشق علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”(بندوں کے نیک اعمال میں) خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ عمل ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت مظہرؒ فرماتے ہیں کہ ”اہل تصوف و طریقت اسی حدیث کے پیش نظر اور ادو وظائف کو ترک کرنا ایسا ہی برا جانتے ہیں جیسا کہ فرائض کے ترک کو، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ ترک اولیٰ ہے یعنی فرائض کے ترک اور ادو وظائف کے ترک میں فرق ہے، فرائض کا ترک گناہ کبیرہ ہے جبکہ اور ادو وظائف کا ترک اولیٰ کا ترک کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اولیٰ کا ترک کرنا فرائض کے ترک کرنے کے درجہ میں نہیں آسکتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب بندہ نے طاعت بغیر ضرورت کے ترک کی تو گویا اس نے مولیٰ کی عبادت سے اعراض کیا لہذا وہ عتاب کا مستحق ہوا، بخلاف مداومت کرنے والے کے کہ وہ اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ پروردگار کا محبوب ہو۔
وَإِنْ قَلَّ (اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو) کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑا عمل اگر اس پر مداومت و مواظبت اختیار کی جائے تو وہ زیادہ عمل سے جب کہ اس کے آداب و شرائط کی رعایت نہ ہوتی ہو اور ہمیشہ نہ کیا جاتا ہو، بہتر ہے۔

بساط سے باہر عبادت نہ کرنی چاہئے

(۳) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوا مِنْ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا - (مشق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”تم اسی قدر عمل کیا کرو جتنی کہ (ہمیشہ) کرنے کی طاقت رکھتے ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ (ثواب دینے میں) اُٹی نہیں کرتا یہاں تک کہ تم خود گنگی نہ کرو (یعنی تنگ آکر عبادت ہی نہ چھوڑ دو)۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اپنے لئے اتنی زیادہ عبادت ضروری قرار نہ دے دو جسے تم ہمیشہ نہ اپنے کی طاقت نہ رکھتے ہو بلکہ اسی قدر عبادت کرو کہ جتنی تم ہمیشہ پابندی کے ساتھ کر سکو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے میں گنگی نہیں کرتا یعنی ثواب دینا ترک نہیں کرتا یہاں تک کہ تم خود عبادت کی زیادتی سے پریشان ہو کر سرے سے عبادت ہی نہ چھوڑ دو۔

حاصل یہ کہ اللہ جل شانہ عبادت کرنے والے کو ثواب دیے جاتا ہے ہاں اگر کوئی شخص زیادتی کے سبب تھک کر عبادت چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ثواب دینا بھی چھوڑ دیتا ہے لہذا عبادت کے معاملہ میں اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے تاکہ ہمیشہ عبادت جاری رہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے ثواب کا سلسلہ بھی قائم رہے۔

اس وقت تک عبادت کرنی چاہئے جب تک دل لگے

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَصْلِي أَحَدُكُمْ بِشَاظَةٍ وَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ - (مشق علیہ)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”تمیں چاہئے کہ اسی وقت تک نماز پڑھو جب تک کہ خوش دلی رہے، اور جب طبیعت سُست ہو جائے تو بیٹھ جاؤ۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آخرت کی راہ سعادت اور بھلائی اختیار کرنے والے کو چاہئے کہ عبادت میں اپنی بساط اور طاقت کے مطابق کوشش کرے طاعت کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرے اور تنگ دلی و انقباض کے ساتھ عبادت کرنے سے احتراز کرے۔ عبادت اسی وقت تک کرنے جب تک کہ بشارت قلبی اور سکون و اطمینان حاصل رہے۔ جب طبیعت سُست ہو جائے تو عبادت ترک کر دے، اگر کوئی شخص عبادت کرتے کرتے تھک جائے اور سُست ہو جائے، نیز عبادت چھوڑ کر اس خیال سے کسی امر مباح میں مشغول ہو جائے مثلاً سو جائے یا گفتگو وغیرہ میں لگ جائے تاکہ آئندہ عبادت کے لئے مزید بشارت و خوشی اور اطمینان و سکون حاصل ہو سکے تو اس کی یہ مشغولیت عبادت و طاعت ہی میں شمار کی جاتی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ ”عالم کی نیند (بھی) عبادت ہے“ کسالت و ملالت اور طبیعت کی تنگی کے وقت نفل اعمال کو ترک کر دینے کے سلسلہ میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں، چنانچہ ایسے موقع پر جبکہ طبیعت میں اضطراب اور سستی پیدا ہو جائے نفل اعمال کو ترک کر دینے کی اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ عمل کا نفس پر گراں ہونا آخر کار عمل کے بالکل چھوٹ جانے یا اس میں نقصان واقع ہو جانے کا سبب بن جاتا ہے۔

لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ نفس کو بہت زیادہ عبادت کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے تاکہ طبیعت عبادت کی مشقت و ریاضت کی خوگر ہو جائے، کامل طبیعت، آرام طلب اور سُست مزاج لوگوں کی طرح نہ ہو جانا چاہئے جو کہ مختصر عبادت اور تھوڑے سے عمل میں بھی تھک جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عبادت اور ریاضت و مجاہدہ کو ادھورا چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں لیکن بہت زیادہ عبادت کرنے کی اگر عادت پڑ جاتی ہے تو زیادہ سے زیادہ عبادت طبیعت پر گراں نہیں ہوتی، چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو پہلے دور رکعت نماز پڑھنی اور قرآن کے ایک پارے کی تلاوت بھی گراں گذرتی تھی اور اس کی وجہ سے ان کی طبیعت میں سستی و اضطراب پیدا ہو جاتا تھا انہوں نے ہی جب زیادہ عبادت اور ریاضت و مجاہدہ کی عادت پیدا کر لی اور اپنے نفس اور اپنی طبیعت کو راہ خداوندی کی سعادتوں کے حصول کی خاطر مشقت و محنت کا عادی بنا لیا تو انہیں سو رکعت نماز پڑھنی اور قرآن کے دس پاروں کی تلاوت بھی آسان معلوم ہونے لگی۔

اونگھنے کی حالت میں نماز نہ پڑھنی چاہئے

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَتْرَقْ حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَإِنْ أَحَدُكُمْ إِذَا صَلَّى وَهُوَ نَاعَسَ لَا يَذْهَبُ لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهُ۔ (ترمذی علیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کی حالت میں اونگھنے لگے تو اسے چاہئے کہ سو رہے یہاں تک کہ نیند جاتی رہے کیونکہ جب تم میں سے کوئی اونگھتا ہو نماز پڑھتا ہے تو نیند کے غلبہ کی وجہ سے اسے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ وہ تو مغفرت کا طالب ہو مگر اونگھنے کی وجہ سے اپنے نفس کے لئے (اس کی زبان سے) بدو عا نکل جائے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ نیند کے غلبہ اور اونگھنے کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ ایسے وقت نہ تو دل و دماغ حاضر رہتے ہیں اور نہ زبان ہی قابو میں ہوتی ہے یہی وجہ سے کہ ایسی حالت میں انسان کہنا کچھ چاہتا ہے مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھئے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اس پر نیند کا غلبہ ہے اور وہ اونگھ رہا ہے جس کی وجہ سے اس کے دل و دماغ اور زبان پر غفلت و سستی کا قبضہ ہے اب وہ اس حالت میں کہنا چاہتا ہے

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي۔ — ”اے اللہ میری مغفرت فرما۔“

مگر نیند کی غفلت اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا کر رہی ہے۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي۔ — ”اے اللہ مجھے خاک آلود کر دے۔“

دیکھا آپ نے؟ غیبت سے صرف ایک نقطہ کے فرق نے کیا گل کھلا دیا ”کہاں تو اپنی مغفرت اور آخرت میں اپنی عزت و کامیابی کی دعا مانگنا چاہتا تھا اور کہاں اپنے نفس کے لئے بددعا کے الفاظ نکال کر ذلت و خواری کا سامان کر بیٹھا، اسی لئے منع کیا جا رہا ہے کہ جب نیند کا غلبہ ہو اور اونگھ کا تسلط ہو تو ایسے وقت میں نماز نہ پڑھنی چاہئے۔

دین آسان چیز ہے اسے اپنے عمل سے سخت اور ہیبت ناک نہ بناؤ

⑥ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَنْبِشُوا أَلَا تَعْلَمُونَ أَنَّ الرُّوحَ وَشَيْءٌ مِنَ الدَّلْجَةِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”یہ تک دین آسان ہے لیکن جو شخص دین میں سختی کرتا ہے دین اس پر غالب آجاتا ہے لہذا (دینی امور میں) میانہ روی اور اپنی طاقت کے مطابق عمل اختیار کرو اور (جنت و سلامتی نیز اللہ رب العزت کے انعامات و اکرامات کے ساتھ) خوش رہو (کیونکہ اللہ رب العزت تو تھوڑے ہی سے عمل پر) اگر وہ مداومت اور خلوص نیت کے ساتھ ہو تو بہت زیادہ ثواب دیتا ہے) اور صبح کے وقت شام کے وقت نیز کچھ رات کے آخری حصہ میں بھی اللہ رب العزت سے مدد مانگو۔“ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں صفائی کے ساتھ اعلان کیا جا رہا ہے کہ دین بہت آسان ہے انسانی مزاج و فطرت کے عین مطابق ہے اور انسان کی ذہنی، فکری، عملی قوتیں بڑے سکون کے ساتھ اس کی ہموار بن سکتی ہیں۔ ہاں اس کا تو کوئی علاج ہی نہیں کہ کوئی شخص اپنی طرف سے بے جا پابندیاں عائد کر کے اعمال کی زیادتی کرے اور دین و شریعت میں اپنی طرف سے باتیں بڑھا کر خود ہی اپنے اوپر مشکلات و تنگیوں کو مسلط کرے۔

چنانچہ یہاں صراحت کے ساتھ حکم دیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ دین کے احکام بہت آسان مقرر کئے ہیں اس لئے رہبانیت کے طور پر ان احکام کو اپنے لئے سخت و ہیبت ناک نہ بناؤ۔

”دین اس پر غالب آجاتا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے نفس پر غیر واجب باتیں واجب کر لیتا ہے اور مشکل طریقوں سے عبادت کی مشغولیت اختیار کر لیتا ہے تو دین اس پر غالب آجاتا ہے یعنی وہ بعد میں دین کے حق کی ادائیگی سے عاجز ہو جاتا ہے اس طرح وہ مغلوب اور دین غالب ہو جاتا ہے۔

قاریؒ کا مطلب یہ ہے کہ سہولت اور آسانیوں کے ساتھ دینی امور کے قریب ہو جاؤ اور اپنے اوپر بے جا پابندیوں کو عائد کر کے اور سختی و مشکلات میں اپنے آپ کو مبتلا کر کے دین سے بعد اختیار نہ کرو۔

علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ قاریؒ دراصل سَدِّدُوا (یعنی میانہ روی اختیار کرو) کی تاکید ہے لہذا جو معنی ”سَدِّدُوا“ کے ہیں وہی معنی ”قَارِبُوا“ کے ہیں بعض حضرات نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ ”اللہ جل شانہ، کا قرب ڈھونڈو۔“

بہر حال حدیث کا اصل یہ ہے کہ بہت زیادہ عبادت نہ کرو کہ ہر وقت اپنے آپ کو عبادت کی محنت و مشقت ہی میں مبتلا رکھو بلکہ ان تین اوقات میں عبادت کر لینے ہی کو غنیمت جانو یعنی دن کے ابتدائی حصہ میں، دن کے آخری حصہ میں اور رات کے آخری حصہ میں، یہ تہجد کی نماز کی طرف اشارہ ہے۔

رات کے بقیہ اور احوطائف کو دن میں پڑھ لینا چاہئے

⑦ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ حَزْبِهِ أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَقَرَأَهُ فَيَمَازَيْنِ صَلَاةَ الْفَجْرِ وَصَلَاةَ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهُ كَأَنَّمَا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جو شخص رات میں پورا وظیفہ پڑھے بغیر سورا یا وظیفہ کا کچھ حصہ پڑھنے سے رہ گیا اور پھر اس نے اس کو نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان پڑھ لیا تو اس کے لئے یہی لکھا جائے گا کہ گویا اس نے رات ہی کو پڑھا۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے کلام اللہ، نماز اور اذکار کی قسم سے کچھ وظیفہ مقرر کر رکھا ہے جسے وہ رات میں پڑھتا ہے مگر کسی دن وہ سو گیا اور اس کا پورا وظیفہ یا اس وظیفہ کا کچھ حصہ رات میں پڑھنے سے رہ گیا اور اس نے نماز فجر، اور نماز ظہر کے درمیان یعنی زوال سے پہلے پڑھ لیا تو اس کے لئے رات ہی میں پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

اسی طرح دن کے وظیفہ کا حکم ہے کہ اگر دن میں وظیفہ پڑھنے سے رہ گیا اور پھر اس رات میں پڑھ لیا تو اس کے لئے دن ہی میں پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے رات دن آپس میں ایک دوسرے کے خلیفہ ہیں۔

حدیث میں صرف رات کے وظیفہ ہی کے بارہ میں اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اکثر پیشتر رات ہی کا وظیفہ رہ جاتا ہے یعنی نیند کے غلبہ کی وجہ سے نماز تہجد اور اذکار فوت ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا گیا ہے۔

معذوری کی حالت میں بیٹھ کر اور لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم

⑧ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عمران بن حصینؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”نماز کھڑے ہو کر پڑھو، اور اگر کسی عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو سکو تو بیٹھ کر پڑھو، اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی قادر نہ ہو سکو تو (پھر) کر دٹ پر پڑھو۔“ (بخاری)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی عذر شدید مثلاً سخت بیماری وغیرہ کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر اپنی نماز ادا کرے اور اگر عذر اتنا شدید ہو کہ بیٹھ کر بھی قدرت سے باہر ہو تو پھر آخری مرحلہ یہ ہے کہ (لیٹے لیٹے) کر دٹ سے قبلہ ہو کر پڑھ لے پھر اس میں بھی اتنی آسانی کہ اگر کوئی شخص قبلہ کی طرف منہ نہ کر سکے یا یہ کہ کوئی شخص ایسا پاس موجود نہ ہو جو معذور کا منہ قبلہ کی طرف کر سکے تو جس طرف بھی منہ ہو اور ہی کی طرف نماز پڑھ لے، ایسے موقع پر کسی بھی سمت منہ کر کے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ لیٹ کر نماز پڑھنے کے سلسلہ میں افضل یہ ہے کہ رو قبلہ ہو کر چٹ لیٹے مونڈھے کے نیچے تکیہ رکھ کر سر کو اونچا کرے اور اشاروں سے نماز پڑھے۔ چنانچہ دارقطنیؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس سے چٹ لیٹ کر ہی نماز پڑھنے کا اثبات ہوتا ہے یہاں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس کے بارہ میں حنفیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے یہ حکم بطور خاص حضرت عمرانؓ کے لئے فرمایا تھا کیونکہ وہ بواسیر کے مرض میں مبتلا تھے اور چٹ نہیں لیٹ سکتے تھے لہذا یہ حدیث دوسروں کے لئے حجت نہیں ہو سکتی۔

آخر میں اتنی بات اور جان لیجئے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم فرض نماز کے لئے ارشاد فرمایا ہے اس لئے نفل نمازوں میں یہ بطریق اولیٰ جائز ہو گا۔

بغیر عذر بیٹھ کر نفل نماز پڑھنے والے کو آدھا ثواب ملتا ہے

⑨ وَعَنْ أَنَسٍ مَّا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا قَالَ إِنْ صَلَّى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا فَلَهُ بِصَفِّ أَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلَّى نَائِمًا فَلَهُ بِصَفِّ أَجْرِ الْقَاعِدِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عمران بن حصینؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس شخص کے بارہ میں پوچھا جو (کھڑے ہونے کی طاقت رکھنے کے باوجود نفل نماز بیٹھ کر پڑھتا ہے؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تو بہتر تو وہی ہے جو کھڑے ہو کر نماز پڑھے لیکن جو شخص (نفل)

نماز (بغیر عذر) کے بیٹھ کر پڑھے گا تو اسے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی یہ نسبت نصف ثواب ملے گا۔“ (بخاری)

تشریح: یہ حدیث نفل نماز پر محمول ہے کیونکہ فرض نماز تو بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا درست ہی نہیں ہے ہاں اگر کوئی عذر ہو تو قیام ساقط ہو جاتا ہے اور معذور بیٹھ کر فرض نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔

بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نفل نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنے والے کو نماز کا پورا ثواب نہیں ملتا بلکہ جتنا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کو ملتا ہے اس کا نصف ثواب اسے ملتا ہے ہاں اگر کوئی عذر ہو کہ کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو تو پھر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی یہ نسبت آدھا ثواب نہیں ملے گا بلکہ اسے بھی پورا ثواب ملے گا۔

بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں: حضرت علامہ طہیٰ فرماتے ہیں کہ ”جو شخص کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نفل نماز پڑھ سکتا ہے اور اسے قیام و قعود کی قدرت نہیں ہے تو آیا اس شخص کے لئے نفل نماز لیٹ کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں چنانچہ بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے مگر علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔

نیز اس جماعت کا یہ قول بھی ہے کہ بغیر عذر لیٹ کر نفل نماز پڑھنے والے کو بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی یہ نسبت آدھا ثواب ملتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ حسن بصریؒ کا قول بھی یہی ہے اور حدیث سے ثابت ہونے کی وجہ سے یہی قول صحیح تر اور اولیٰ ہے۔

مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے اور اس حدیث کے بارہ میں ان کی طرف سے کہا گیا ہے کہ یہ حدیث فرض نماز کے بارہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص اس درجہ بیمار ہو کہ مرض کی زیادتی اور شدت کے باوجود کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنا اس کے لئے ممکن ہو تو اسے لیٹ کر نماز پڑھنے کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی یہ نسبت آدھا ثواب ملے گا۔

الفصل الثانی

نیند آتے تک با وضو ذکر اللہ میں مشغولیت

⑩ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ ظَاهِرًا وَذَكَرَ اللَّهَ حَتَّى يُدْرِكَهُ النَّعَاسُ لَمْ يَتَغَلَّبْ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ يُسْأَلُ اللَّهُ فِيهَا خَيْرًا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ ذَكَرَ التَّوْبَىٰ فِي كِتَابِ الْأَذْكَارِ بِرِوَايَةِ الشَّيْبَانِيِّ۔

”حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جو شخص (وضو یا تیمم کے ذریعہ نجاستوں سے یا یہ کہ گناہوں سے) پاک ہو کر اپنے بستر پر لیٹے اور نیند آنے تک (زبان سے یا دل سے) ذکر اللہ میں مشغول رہے تو وہ رات میں جب بھی اس حال میں کروٹ بدلے کہ اللہ جل شانہ سے دنیا اور آخرت کی کسی بھلائی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ بھلائی ضرور دیتا ہے، (یہ حدیث نووی نے کتاب الاذکار میں ابن اسحاق کی روایت سے نقل کی ہے۔“

وہ دو خوش نصیب جن سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے

⑪ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِبْتُ رِبَّيْنِمَا رَجُلَيْنِ رَجُلٌ نَارٌ عَنْ وِطَانِهِ وَلِحَافِهِ مِنْ بَيْنِ حَبِيبِهِ وَآهْلِهِ إِلَى صَلَاتِهِ فَيَقُولُ اللَّهُ لِمَلَايِكَتِهِ أَنْظِرُوا إِلَى عَبْدِي قَارَ عَنْ فِرَاشِهِ وَوِطَانِهِ مِنْ بَيْنِ حَبِيبِهِ وَآهْلِهِ إِلَى صَلَاتِهِ رَغْبَةً فَيَمَّا عَبْدِي وَرَجُلٌ غَرَّافِي سَبِيلِ اللَّهِ فَالْتَهَزَمَ مَعَ أَصْحَابِهِ فَعَلِمَ مَا عَلَيْهِ

فِي الْإِنْهَامِ وَمَالَهُ فِي الرُّجُوعِ فَرَجَعَ حَتَّى هَرَبَ دُمَةُ فَيَقُولُ اللَّهُ لِمَلَايِكَتِهِ أَنْظِرُوا لِي عَبْدِي رَجَعَ رَغْبَةً فِيمَا عِنْدِي وَشَفَقًا صَاحِبًا عِنْدِي حَتَّى هَرَبَ دُمَةُ۔ (رواہ فی شرح السنہ)

”اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ ”سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”ہمارا رب دو آدمیوں سے بہت خوش ہوتا ہے ایک تو وہ آدمی جو رات میں اپنے نرم بستر و لحاف سے اور اپنی محبوبہ اور بیوی کے پاس سے (تہجد کی) نماز کے لئے اٹھتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے ”میرے بندہ کی طرف دیکھو جو میرے پاس کی چیزوں (یعنی جنت اور ثواب) کے شوق سے اور میرے پاس کی چیزوں (یعنی دوزخ اور عذاب) کے ڈر کی وجہ سے اپنے فرش و نرم بستر اور اپنی محبوبہ اور بیوی کو چھوڑ کر اپنی نماز پڑھنے کے لئے اٹھا۔ اور دوسرا وہ آدمی جس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور (بغیر کسی شدید عذر کے) اپنے ساتھیوں سمیت (میدان چھوڑ کر) بھاگ نکلا، مگر جب اسے (بلا عذر میدان جہاد سے) بھاگ نکلنے کی سزا، اور پھر (جنگ میں) واپس آ جانے کا ثواب یاد آیا تو (میدان کارزار میں) واپس آ گیا اور (خدا کے دشمنوں سے) اس قدر لڑا کہ جام شہادت نوش کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ ”میرے بندہ کی طرف (بظہر تعجب) دیکھو جو میرے پاس کی چیزوں (یعنی جنت و ثواب) کے شوق میں اور میرے پاس کی چیزوں (یعنی دوزخ و عذاب) کے خوف سے (میدان جنگ میں) لوٹ آیا (اور راہ خدا میں) یہاں تک (لڑا) کہ اپنی جان بھی دیدی۔“ (شرح السنہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رات کے پرسکون ماحول اور آرام میں کسی شخص کے لئے نرم بستر، آرام وہ لحاف اور محبوب بیوی کا قرب ہی سب سے زیادہ پسندیدہ اور پیاری چیزیں ہوتی ہیں مگر اس کے باوجود وہ شخص اپنے رب کی عبادت اور اس کی جزاء و انعام کے شوق میں ان سب چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے اور پردہ و گار کے حضور میں اپنی بندگی و عبودیت کا نذرانہ پیش کرنے لگتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ دنیا کی تمام پسندیدہ چیزیں دنیا میں تو قلب و دماغ کے سکون اور انسانی عیش و مسرت کا سامان بن سکتی ہیں مگر نہ تو یہ قبر میں نفع پہنچائیں گی اور نہ حشر میں کامیابی و سرخروئی کی ضامن ہوں گی۔ قبر اور حشر میں تو صرف پروردگار کی اطاعت اور اس کی عبادت ہی کام آئے گی اور وہی سعادت و کامیابی کی منزل سے ہم کنار کریں گی۔

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے واسطے عبادت کرنا اور اس پر ثواب کی امید رکھنا اخلاص اور کمال کے منافی نہیں ہے اگرچہ یہ اکمل درجہ کے منافی ہے کیونکہ عبادت کے سلسلہ میں اکمل درجہ یہی ہے کہ عبادت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لئے کی جائے اور اس سے کوئی غرض مثلاً ثواب کا حصول یا عذاب کا خوف وابستہ نہ ہو لیکن ہاں کوئی شخص اگر عبادت محض ثواب کے واسطے یا عذاب کے خوف سے کرتا ہے تو اسے یہ نہ جان لینا چاہئے کہ اس کی یہ عبادت، عبادت نہیں صرف تنصیب اوقات ہے۔

الفصل الثالث

⑫ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ حَدَّثْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا يَنْصِفُ الصَّلَاةَ قَالَ فَأَتَيْتُهُ فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي جَالِسًا فَوَضَعْتُ يَدِي عَلَى رَأْسِهِ فَقَالَ مَا لَكَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو قُلْتُ حَدَّثْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ قُلْتَ صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلَى نِصْفِ الصَّلَاةِ وَأَنْتَ تُصَلِّي قَاعِدًا قَالَ أَجَلٌ وَلَكِنِّي لَسْتُ كَأَحَدٍ مِنْكُمْ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث بیان کی گئی کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”(بغیر عذر) بیٹھ کر (نفل) نماز پڑھنے لے لی نماز اکھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے مقابلہ میں آدمی ہوتی ہے“ حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ”میں (ایک دن) آنحضرت ﷺ خدمت اقدس میں حاضر ہوا (تو اتفاق سے) آنحضرت ﷺ اس وقت بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے (جب نماز سے فارغ ہوئے تو) میں نے

آپ ﷺ کے سر مبارک پر اپنا ہاتھ رکھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”عبداللہ بن عمرو! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! مجھے تو یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز آدمی ہوتی ہے اور اب آپ ﷺ ہی بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں ایسا ہی ہے (یعنی تم نے جو کچھ سنا ہے) صحیح ہے لیکن میں تم جیسا تو نہیں ہوں۔“ (مسلم)

تشریح: اہل عرب کی عادت ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے کوئی تعجب کی بات دیکھتا ہے تو اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتا ہے اور ان کے نزدیک ایسا کرنا کوئی خلاف ادب نہیں ہے بلکہ یہ کمال محبت اور انتہائی بے تکلفی کے سبب سے ہوتا ہے چونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو کو آنحضرت ﷺ سے انتہادرجہ کی محبت اور بے تکلفی تھی اس لئے جب آپ ﷺ نے نماز پڑھ لی تو انہوں نے بھی ازراہ تعجب اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے سر مبارک پر رکھا اور انہیں تعجب اس بات پر ہوا کہ آنحضرت ﷺ تو افضل بات پر عمل کیا کرتے تھے پھر آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز کیوں پڑھی۔

آنحضرت ﷺ کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ نہ تو دو سروں پر مجھے اور نہ مجھ پر دو سروں کو قیاس کرو کیونکہ یہ تو صرف میری خصوصیت ہے کہ بیٹھ کر بھی نماز پڑھتا ہوں تو میری نماز ناقص نہیں ہوتی، میں چاہے جس طرح بھی نماز پڑھوں میری نماز پوری ادا ہوتی ہے۔

نماز میں راحت و سکون ہے

(۱۳) وَعَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ قَالَ قَالَ رَجُلٌ مِّنْ خِزَاعَةَ لَيْثِي صَلَّيْتُ فَأَسْتَوَحِثْتُ فَكَأَنَّهُمْ عَابُوا ذَلِكَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَقِمِ الصَّلَاةَ يَا بَلَالُ أَوْ حَتَّابُهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت سالم بن ابی الجعد فرماتے ہیں کہ (ایک دن) قبیلہ خزاعہ کا ایک آدمی کہنے لگا کہ ”کاش میں نماز پڑھتا اور راحت پاتا“ جب لوگوں نے اس کے اس کہنے کو برا سمجھا تو اس نے کہا کہ ”میں نے سرور کوئین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے (حضرت بلالؓ سے) فرمایا کہ ”بلال! نماز کے لئے عجیر کہو تاکہ ہم اس کے ذریعہ راحت حاصل کریں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: نماز کی تاثیر انسانی راحت و اطمینان اور قلبی سکون ہے جو شخص خلوص قلب کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اسے ایک عجیب قسم کی راحت ملتی ہے اور اس کے دل و دماغ میں سکون و اطمینان کے خزانے بھر جاتے ہیں چنانچہ قبیلہ خزاعہ کے مذکورہ شخص کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز پڑھوں اور پھر اپنے پروردگار کی عبادت، اس کی مناجات اور حمد اور اس کے کلام پاک کے پڑھنے کی لذت سے راحت و سکون حاصل کروں۔

لوگوں نے اس کے کہنے کو جو برا سمجھا تو ایک وجہ تھی وہ یہ کہ اس کے قول کے دو معنی ممکن تھے اول تو یہ کہ ”نماز کے ذریعہ راحت پاؤں“ دوسرے یہ کہ ”نماز سے راحت پاؤں“ یعنی نماز پڑھ کر آرام سے بیٹھ جاؤں۔ اس کی مراد تو اول معنی تھے لیکن لوگوں نے دوسرے معنی مراد لئے جو انہیں پسند نہیں تھے اس لئے اس نے لوگوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اور مراد کو واضح کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد جو آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا تھا نقل کیا کہ ”اے بلال! عجیر اقامت کہو تاکہ ہم اس کے ذریعہ راحت حاصل کریں“ کیونکہ آپ ﷺ کے لئے تو بس خدا کی عبادت ہی میں راحت تھی اور نماز میں مشغول رہنا ہی آپ ﷺ کے لئے آرام و سکون کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ نماز ہی کے اندر اپنے پروردگار کی بڑائی اور اپنے خالق کی مناجات و حمد بیان کی جاتی ہے کہ ایک کامل و اکمل بندے کا اپنے پروردگار کی مناجات میں مشغول رہنا ہی اس کے لئے سب سے بڑی راحت ہے اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ

”مجھے تو نماز (ہی) میں راحت ملتی ہے۔“

بَابُ الْوُثْرِ

نماز وتر کا بیان

وتر ہر اس نماز کو کہہ سکتے ہیں جس میں طاق رکعتیں ہوں مگر فقہاء کے یہاں وتر اسی خاص نماز کو کہتے ہیں جس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے جو عام طور پر عشاء کے فوراً بعد ہی پڑھی جاتی ہے اور اس باب میں اسی نماز وتر کا بیان ہوگا۔

نماز وتر واجب ہے یا سنت

نماز وتر کے سلسلہ میں ائمہ کے یہاں دو چیزوں میں اختلاف پایا جاتا ہے پہلی چیز تو یہ کہ آیا نماز وتر واجب ہے یا سنت؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز واجب ہے حضرت امام شافعیؒ اور حضرت قاضی ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ سنت ہے۔

نماز وتر کی ایک رکعت ہے یا تین رکعتیں

علماء کے نزدیک دو سرا اختلاف یہ ہے کہ نماز وتر کی ایک رکعت ہے یا تین؟ حنفیہ کے یہاں وتر کی تین رکعتیں ہیں جب کہ اکثر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ نماز وتر صرف ایک ہی رکعت ہے تاہم ان حضرات کے نزدیک بھی وتر کے لئے صرف ایک رکعت پڑھنا مکروہ ہے بلکہ ان حضرات کا کہنا ہے کہ پہلے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرا جائے اس کے بعد ایک وتر پڑھی جائے۔

نماز وتر کا طریقہ

وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح (حنفیہ کے مسلک کے مطابق) تین رکعت پڑھی جاتی ہے، اس کے پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو فرض نمازوں کا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ فرض کی محض دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت ملائی جاتی ہے جب کہ وتر کی نماز میں تینوں رکعتوں میں دوسری سورت پڑھنے کا حکم ہے اور تیسری رکعت میں دوسری سورت کے بعد دونوں ہاتھ تکبیر کے ساتھ کانوں تک اٹھا کر (جس طرح کہ تکبیر تحریر کے وقت اٹھاتے ہیں) پھر باندھے جائیں اور آواز آہستہ دعا قنوت پڑھی جائے، دعا قنوت یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغِيْثُكَ وَنَسْتَعِيْذُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ وَ لَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَفْجُرُكَ اَللّٰهُمَّ اِنَّاكَ نَعْبُدُ وَ لَكَ نُصَلِّي وَنَسْجُدُ وَ اِلَيْكَ نَسْتَعِيْذُ وَنَخْشَا وَنَرْجُوْا وَرَحْمَتَكَ وَنَخْشَى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكَفّٰرِ مُلْحِقٌ۔

”اے اللہ! تجھی سے مدد مانگتے ہیں، تجھی سے ہدایت کے طالب ہیں، تجھی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں ہم تیرے ہی سامنے توبہ کرتے ہیں، تیرے ہی اوپر ایمان لاتے ہیں، تیری ہی (اچھی تعریفیں بیان کرتے ہیں، ہم تیرا ہی شکر ادا کرتے ہیں ناشکری نہیں کرتے اور جو شخص تیری ناشکری کو نافرمانی کرے ہم اس کو چھوڑتے ہیں۔ اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تیری ہی نماز پڑھتے ہیں تجھی کو سجدہ کرتے ہیں، تیری ہی طرف روڑتے آتے ہیں، تیری ہی عبادت میں جلد مستغرق ہو جاتے ہیں، تیری رحمت کے امیدوار ہیں ہم تیرے ہی عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تیرا عذاب کافروں پر نازل ہونے والا ہے۔“

اگر اس کے بعد یہ دعا بھی پڑھ لی جائے تو بہتر ہے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيمَنْ هَدَيْتَ وَ عَافِنِيْ فِیْ مَنْ عَافَيْتَ وَ تَوَلَّیْنِ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَ بَارِكْ لِنِیْ فِیْمَا اَعْطَيْتَ وَ قَبْلِیْ شَرًّا۔

لے لفظ وتر میں واؤ کو زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں مگر زیر کے ساتھ پڑھنا زیادہ مشہور ہے۔

قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يَقْضِي عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ وَلَا يَعْزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔

”اے اللہ! ان لوگوں کے ساتھ مجھے ہدایت دے جنہیں تو نے ہدایت بخشی، مجھے ان لوگوں کے ساتھ مصیبتوں اور آفتوں سے بچا جنہیں تو نے بچایا ہے، ان لوگوں کے ساتھ مجھ سے محبت کر جن سے تو نے محبت کی اور جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور مجھے ان برائیوں سے بچا جو مقدر ہوں بے شک تو حاکم ہے محکوم نہیں اور جس سے تو محبت کرے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اور جس سے تجھ کو عداوت ہو وہ عزت نہیں پاسکتا، اے اللہ تیری ذات بزرگ ور تر ہے۔“

اگر کسی کو دعاء قنوت یاد نہ ہو تو وہ بجائے دعا قنوت کے یہ پڑھ لے۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آرام دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔“ اور اگر کوئی اس کے پڑھنے پر بھی قادر نہ ہو تو پھر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ يَا اَيُّهَا رَبِّ قَبْلِ مَرْتَبَةٍ کہہ لے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

نماز وتر کی رکعتوں کا مسئلہ

① عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوةُ اللَّيْلِ مَغْلِي مَغْلِي فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمْ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً تَوْبَةً لِّمَا قَدْ صَلَّى۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا رات کی نماز دو رکعت ہے اور جب کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہونے لگے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ (ایک رکعت) پہلی پڑھی ہوئی نماز کو طاق کر دے گی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ رات میں پڑھی جانے والی نفل نمازیں دو رکعت کر کے پڑھی جائیں چنانچہ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے اس حدیث کے پیش نظر کہا ہے کہ افضل یہی ہے کہ رات میں نفل نمازیں اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھی جائیں۔ حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ رات میں نماز میں مشغول رہنے والا شخص جب یہ دیکھے کہ رات ختم ہو رہی ہے اور صبح نمودار ہونے والی ہے تو وہ ان نمازوں کے بعد ایک رکعت پڑھ لے تاکہ یہ ایک رکعت پہلی پڑھی ہوئی نمازوں کو طاق کر دے، اس طرح یہ حدیث امام شافعیؒ کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔

امام طحاوی حنفیؒ نے صلی رکعة واحدة الخ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ”ایک رکعت اس طرح پڑھے کہ اس سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے تاکہ یہ رکعت شفع یعنی اس ایک رکعت سے پہلے پڑھی گئی دونوں رکعتوں کو طاق کر دے۔ گویا ایک رکعت علیحدہ نہ پڑھی جائے بلکہ دو رکعتوں کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے۔“

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ”اس حدیث سے تو یہ کہیں ثابت ہی نہیں ہوتا کہ وتر کی ایک رکعت علیحدہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ پڑھی جائے“ لہذا اس کے ذریعہ وتر کی ایک رکعت ہونے پر استدلال کرنا درست ہی نہیں ہے۔

پھر وتر کی تین رکعتیں ہونے کے سلسلہ میں حنفیہ کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صلوٰۃ بتیرا یعنی تنہا ایک رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

جہاں تک صحابہ اور سلف کرمیؓ کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اکثر فقہا صحابہ اور سلف کا معمول وتر کی تین رکعتیں ہی پڑھنا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے ان کو تو اس سلسلہ میں بہت زیادہ اہتمام تھا

انہوں نے ایک مرتبہ حضرت سعید بن مسیبؓ کو وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ ”کیسی ناقص نماز پڑھتے ہو؟ دو رکعت اور پڑھو ورنہ تمہیں سزا دی جائے گا“ (نہایہ)

ترمذیؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وتر کی تین رکعتیں نقل کی ہیں اور اسی کو عمران بن حصینؓ، حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، اور ابوالیوب کی طرف منسوب کیا ہے اور آخر میں انہوں نے صراحت کر دی ہے کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت اسی طرف ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں موطا امام محمدؒ میں مذکور ہے کہ ان کے نزدیک بھی وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں۔ حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ سلف کا اسی پر معمول تھا۔ (ہدایہ)

تین رکعت کی وتر صحابہ میں مشہور تھی، ایک رکعت کی وتر تو عام طور پر لوگ جانتے بھی نہ تھے چنانچہ حضرت معاویہؓ کو ابن عباسؓ کے مولیٰ نے ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کو بہت تعجب ہوا انہوں نے حضرت عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان کی وحشت و حیرت یہ کہہ کر ختم کر دی کہ معاویہ فقیہ ہیں۔ رسول اللہ کی صحبت سے مشرف ہو چکے ہیں ان پر اعتراض نہ کرو۔ (بخاری)

بہر حال ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ وتر کی تین ہی رکعتیں ہیں جن احادیث سے وتر کی ایک رکعت ثابت ہوتی ہے وہ سب قائل تاویل ہیں جو انشاء اللہ حسب موقع بیان کی جائیں گی۔

یاد رہے کہ ان میں آنحضرت ﷺ کی پہلی حالتوں کا ذکر ہے آخر فعل آپ ﷺ کا بھی تین ہی رکعت پر تھا جو صحابہ میں مشہور ہوا اور ظاہر ہے کہ امت کے لئے آپ کا وہی فعل حجت اور دلیل بن سکتا ہے جس پر آپ ﷺ نے آخر میں عمل اختیار فرمایا ہو۔

(۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرُ كَعَةِ مِنَ الْخَيْرِ اللَّيْلِ۔ (ردالمسمل)

”اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ سرکار کونین ﷺ نے فرمایا ”آخری رات میں وتر (پڑھنا) افضل ہے اور اس کی ایک رکعت ہے۔“ (مسلم)

تشریح: الْوُتْرُ كَعَةِ کا مطلب یہ ہے کہ ”پہلے پڑھی گئی دو رکعتوں کے ساتھ ٹہری ہوئی وتر کی ایک رکعت ہے“ گویا کہ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ وتر سے ہٹ کر تاویل کا راستہ اختیار کرتے ہوئے یہ معنی اس لئے بیان کئے گئے ہیں تاکہ ان حدیث میں جن سے وتر کے لئے تین رکعتیں پڑھنا ثابت ہے اور ان احادیث میں جن سے وتر کی ایک رکعت کا اثبات ہوتا ہے تطبیق پیدا ہو جائے اور حدیث کے حقیقی معنی و مفہوم میں کوئی تضاد پیدا نہ ہو۔

وتر کے پڑھنے کا عتد اور افضل وقت آخری رات ہے جب کہ تہجد وغیرہ کی نماز پڑھ لی جائے لیکن عام طور سے چونکہ لوگ رات میں تہجد کی نماز کے لئے نہیں اٹھتے اس لئے عشاء کی نماز کے فوراً بعد ہی وتر بھی پڑھ لئے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔ جن احادیث سے وتر کی تین رکعتیں پڑھنا ثابت ہے وہ آگے ذکر کی جائیں گی۔

ایک تشہد کے ساتھ پانچ رکعت پڑھنے کا مسئلہ

(۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُؤْتِرُ مِنْ ذَلِكَ

بِخَمْسٍ لَا يَخْلُسُ فِي شَيْءٍ إِلَّا فَعَلَ الْخَيْرَ هَذَا۔ (مشق ملیہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ رات میں (تہجد کے وقت) تیرہ رکعت پڑھتے تھے جن میں سے پانچ رکعتوں میں وتر پڑھتے اور ان میں سوائے آخری رکعت کے کسی میں بھی (تشہد کے لئے) نہیں بیٹھتے تھے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: رات میں آنحضرت ﷺ کی نماز کئی طریقوں سے ذکر کی گئی ہے ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ پہلے آپ ﷺ آٹھ رکعتیں

چار سلام کے ساتھ یعنی دو دو رکعت کر کے پڑھتے تھے اور پھر آخر میں پانچ رکعتیں ایک تشہد اور ایک سلام کے ساتھ اس طرح پڑھتے تھے کہ اسی میں وتر کی نیت بھی کر لیتے تھے یعنی وتر کی نماز بھی انہیں پانچ رکعتوں میں شامل ہوتی تھی اور ان پانچ رکعتوں میں سے کسی ایک رکعت میں بھی نہ تو تشہد کے لئے بیٹھتے تھے اور نہ سلام پھیرتے تھے بلکہ آخری رکعت میں تشہد کے لئے بیٹھتے اور سلام پھیرتے۔

لہذا یہ حدیث صریح طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ پانچ رکعتیں اس طرح ملا کر پڑھنا کہ ان میں سے کسی ایک رکعت میں بھی تشہد کے لئے نہ بیٹھا جائے بلکہ صرف آخری یعنی پانچویں رکعت کے بعد قعدہ کیا جائے جائز ہے لیکن فقہاء کے یہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے چنانچہ جن حضرات کے یہاں یہ جائز نہیں ہے وہ عدم جلوس کی تاویل عدم سلام سے کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک لایجلس فی شمی الافی اخرھا کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ ان پانچ رکعتوں میں صرف آخری رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے درمیان میں کسی بھی رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے چنانچہ بعض روایتوں میں مذکور بھی ہے کہ لم یسلم الافی اخرین بعض حضرات نے یہ تاویل بھی کی ہے کہ ان پانچ رکعتوں میں سوائے آخری رکعت کے کسی میں بھی جلوس دراز نہیں کرتے تھے یعنی طویل قعدہ نہیں کرتے تھے صرف آخری رکعت میں آپ ﷺ کا قعدہ طویل ہوتا تھا۔

بہر حال چار سے زیادہ رکعتوں کو ملا کر ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مختلفہ طور پر تمام علماء کے یہاں جائز ہے لیکن حنفیہ کے یہاں اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک آٹھ رکعت تک ملا کر ایک سلام کے ساتھ پڑھنا تو بلا کر اہت جائز ہے مگر آٹھ رکعتوں کے بعد کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

آنحضرت ﷺ کی نماز تہجد و نماز وتر

④ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ انْطَلَقْتُ إِلَى عَائِشَةَ فَقُلْتُ يَا أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ أَنْبِئْنِي عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ أَلَسْتُ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ قُلْتُ بَلَى قَالَتْ فَإِنْ خُلِقَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنُ قُلْتُ يَا أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ أَنْبِئْنِي عَنْ وَثَرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كُنَّا نَعْبُدُ لَهُ سِوَاكَهُ وَظُهُورُهُ فَيَبْعَثُهُ اللَّهُ مَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَيَتَسَوَّكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّيُ تِسْعَ رَكَعَاتٍ لَا يَجْلِسُ فِيهَا إِلَّا فِي الثَّامِنَةِ فَيَذْكُرُ اللَّهَ وَيُحَمِّدُهُ وَيَدْعُوهُ ثُمَّ يَنْهَضُ وَلَا يُسَلِّمُ فَيُصَلِّيُ التَّاسِعَةَ ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذْكُرُ اللَّهَ وَيُحَمِّدُهُ وَيَدْعُوهُ ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيمًا يُسْمِعُنَا ثُمَّ يُصَلِّيُ رَكَعَتَيْنِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَيَلْكَ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكَعَةً يَأْتِيَنِي فَلَمَّا أَسَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخَذَ اللَّحْمَ أَوْ تَرَبَّعَ بَسَّعَ وَصَنَعَ فِي الرُّكَعَتَيْنِ مِثْلَ صَنِيعِهِ فِي الْأُولَى فَلَيْلَ تِسْعَ يَأْتِيَنِي وَكَانَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَحَبَّ أَنْ يُدَاوِمَ عَلَيْهَا وَكَانَ إِذَا غَلَبَهُ نَوْمٌ أَوْ وَجَعَ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ ثَلَاثِينَ عَشْرَةَ رَكَعَةً وَلَا أَعْلَمُ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ الْقُرْآنَ كُلَّهُ فِي لَيْلَةٍ وَلَا صَلَّى لَيْلَةً إِلَى الصُّبْحِ وَلَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا غَيْرَ رَمَضَانَ - (رواه مسلم)

”اور حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں کہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ”ام المؤمنین! مجھے سرور کوئین ﷺ کے خلق کے بارے میں بتائیے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا ”کیا تم نے قرآن کریم نہیں پڑھا ہے؟“ میں نے عرض کیا ”جی ہاں! پڑھا ہے“ ”افرمایا“ آنحضرت ﷺ کا خلق قرآن ہی تھا (یعنی قرآن کریم میں جتنے بھی اخلاق کریمہ اور صفات حمیدہ مذکور ہیں آنحضرت ﷺ نے ان سب کو اپنی ذات میں سمویا تھا۔ گویا آنحضرت کی اخلاقی زندگی قرآن حکیم کا عملی نمونہ تھی) پھر میں نے عرض کی ”ام المؤمنین! اچھا آنحضرت ﷺ کے وتر کے بارے میں مجھے بتائیے (کہ آپ ﷺ وتر کس وقت اور کس طرح نیز کتنی رکعت پڑھا کرتے تھے)“ حضرت عائشہ ﷺ نے فرمایا ”میں (پہلے ہی سے) آنحضرت کی مسواک اور وضو کے لئے پانی کا انتظام کئے رہتی تھی، اور جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو رات میں اٹھانا چاہتا تھا، اٹھاتا، چنانچہ (آپ بیدار ہو کر پہلے) مسواک کرتے، پھر وضو کرتے اور فوراً رکعت نماز پڑھتے اور

سوائے آٹھویں رکعت کے اور کسی رکعت میں نہ بیٹھتے، جب آٹھویں رکعت پڑھ لیتے تو (تہجد میں) بیٹھتے اور خدا کا ذکر کرتے، اس کی تعریف بیان کرتے اور دعا مانگتے (یعنی التحیات پڑھتے کہ اس میں خدا کا ذکر، حمد اور دعا سب ہی کچھ ہے) پھر سلام پھیرے بغیر نویں رکعت پڑھنے کھڑے ہو جاتے، پھر نویں رکعت پوری کر کے تہجد میں بیٹھتے اور اللہ کا ذکر کرتے، اس کی تعریف بیان کرتے اور اس سے دعا مانگتے (یعنی التحیات پڑھ کر جو دعا پڑھی جاتی ہے وہ دعا پڑھتے) پھر انہیں سناتے ہوئے باذان (نہا) سلام پھیرتے، پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے اور اے میرے بیٹے، یہ کل گیارہ رکعتیں ہو گئیں اور جب آپ کی عمر زیادہ ہو گئی اور (بڑھاپے کی وجہ سے بدن پر گوشت چڑھ گیا تو سات رکعت مع وتر کے پڑھنے لگے اور دو رکعت پہلے ہی جیسے (یعنی بیٹھ کر) پڑھتے رہے۔ اے میرے بیٹے یہ کل نو رکعتیں ہوئیں اور آنحضرت ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو اس بات کو پسند کرتے کہ اسے بیٹھ پڑھے جائیں اور جب (کسی دن) آپ ﷺ کو نیند زیادہ آجاتی یا کوئی اور تکلیف پیش آجاتی جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے لئے رات میں کھڑے ہونا ممکن نہ ہوتا تو آپ ﷺ دن کے پہلے حصہ میں (یعنی زوال سے پہلے) بارہ رکعت پڑھ لیتے اور میں نہیں جانتی کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی ایک رات میں پورا قرآن مجید پڑھ لیا یا تک (یعنی شروع رات سے آخر رات تک، نماز پڑھی ہو اور نہ آپ ﷺ کبھی سوائے رمضان کے پورے مہینے روزے رکھے۔) (مسلم)

تشریح: جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ مداومت عمل کو بہت زیادہ پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی نفل نماز پڑھتے یا اسی طرح کوئی بھی نفل عبادت کرتے تو اس پر دوام اختیار فرماتے۔ ہاں اگر کوئی عذر پیش آجاتا یا بیان جواز کا اظہار مقصود ہوتا تو کبھی ترک بھی فرما دیتے تھے۔

یہاں تو حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت رمضان کے علاوہ کسی بھی مہینہ میں پورے مہینے روزے نہیں رکھتے تھے جب کہ ان کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ شعبان میں پورے مہینہ روزے رکھتے تھے۔ لہذا حضرت عائشہ کی ان دونوں روایتوں کے ظاہری تعارض کو خود انہیں کی ایک تیسری روایت نے ختم کر دیا ہے جس میں انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ ”آنحضرت ﷺ شعبان (میں پورے مہینہ نہیں بلکہ اس) کے اکثر دنوں میں روزے رکھتے تھے۔“

وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا مسئلہ

وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا اثبات نہ صرف یہ کہ اسی روایت سے ہوتا ہے بلکہ اور بھی بہت سی روایتیں وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے وتر پڑھنے کے بعد دو رکعت نفل نماز پڑھی جاسکتی ہے لیکن ابھی اس کے بعد ہی ایک روایت آرہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ اجعلوا اخر صلاتکم باللیل وترا (اپنی رات کی نماز میں آخری نماز وتر کو رکھو) لہذا بظاہر ان تمام روایتوں میں بڑا سخت تعارض نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس تعارض کو رفع کرنے کے لئے علماء کو بڑی محنت کرنی پڑی ہے۔

حضرت امام مالک نے تو سرے سے اس حدیث کا انکار کر دیا ہے جس سے وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا ثابت ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

حضرت امام احمد نے درمیانی راہ نکالنے کی کوشش کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ وتر کے بعد دو رکعت نماز نہ تو میں خود پڑھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کو پڑھنے سے منع کرتا ہوں۔

جمہور علماء کا کہنا ہے کہ چونکہ وتر کے بعد دو رکعت نفل کا پڑھنا بہر حال حدیث صحیح سے ثابت ہے اس لئے اس سے بالکل صرف نظر بھی نہیں کیا جاسکتا لہذا یہ حضرات دونوں رکعتوں کے پڑھنے قائل ہیں جہاں تک احادیث کے باہم تعارض کو رفع کرنے کا سوال ہے تو ان حضرات کی جانب سے ان احادیث میں دو طرح کی تطبیق پیدا کی گئی ہے۔

ایک تو یہ کہ اجعلوا اخر صلاتکم باللیل وترا میں صلوٰۃ سے مراد ان دو رکعتوں کے علاوہ دوسری نوافل ہیں اس طرح اس

حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ رات میں وتر پڑھ لینے کے بعد ان دونوں رکعتوں کے علاوہ دوسرے نوافل نہ پڑھو۔ دوسری تطبیق جمہور علماء کی طرف سے یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ کبھی تو وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھ لی جائیں اور کبھی نہ پڑھی جائیں تاکہ دونوں احادیث پر عمل ہوتا رہے۔ گویا یوں کہنا چاہئے کہ حدیث اجعلوا اخر صلواتک الخ استحباب پر محمول ہے نہ کہ وجوب پر یعنی اس میں جو حکم دیا گیا ہے وہ استحباب کے طور پر ہے وجوب کے طور پر نہیں ہے۔

اس کے بعد یہ بات بھی اختلافی ہے کہ آیا نبی کریم ﷺ وتر کے بعد دو رکعت اس صورت میں پڑھتے تھے جب کہ آپ ﷺ وتر رات کے ابتدائی حصہ میں ہی یعنی عشاء کے بعد ادا کرتے تھے یا اس شکل میں پڑھتے تھے جب کہ آپ ﷺ وتر آخری رات میں تہجد کے بعد ادا کرتے تھے؟ چنانچہ اس سلسلہ میں ابوامامہؓ کہ جو حدیث منقول ہے وہ تو مطلق ہے اس میں صرف اتنا ہی مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ یہ کچھ ذکر نہیں ہے کہ اول شب میں پڑھتے تھے یا آخری شب میں مگر ثوبانؓ سے جو حدیث منقول ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ کا وتر کے بعد دو رکعت کا پڑھنا اس صورت میں تھا جب کہ آپ ﷺ اول شب میں وتر ادا کرتے تھے یہ دونوں حدیثیں اسی باب کے آخر میں آرہی ہیں۔

بخاریؒ و مسلمؒ اور موطا کی راویوں میں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ قیام لیل کی صورت میں تھا یعنی آپ ﷺ رات میں تہجد کی نماز پڑھتے تو وتر کے بعد دو رکعت بھی پڑھا کرتے تھے اور یہی صحیح بھی ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ دونوں رکعتیں وتر کے ملحق ہیں اور وتر کی سنتوں کے قائم مقام ہیں۔ یعنی جس طرح فرض نماز کی سنتیں ہوتی ہیں کہ وہ فرض نماز سے پہلے یا بعد میں پڑھی جاتی ہیں اسی طرح یہ دونوں رکعتیں وتر کی سنتوں کے قائم مقام ہیں جو وتر کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔

وتر رات کی آخری نماز ہونی چاہئے

⑤ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوا اخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وَتَوًّا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”اپنی رات کی نماز میں آخری نماز وتر کو قرار دو۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کے بارے میں اوپر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے مگر اس موقع پر بھی ایک مرتبہ پھر جان لیجئے کہ اس حدیث میں جو حکم دیا جا رہا ہے وہ وجوب کے طور پر نہیں ہے بلکہ استحباب کے طور پر ہے۔

⑥ وَعَنْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِزُوا الصُّبْحَ بِالْوُتْرِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”صبح (کے آثار نمایاں ہونے پر) وتر میں جلدی کرو۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لیا کرو خفیہ کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لئے ہے اگر رات میں وتر کی نماز نہ جائے تو دن میں اس کی قضا پڑھنا واجب ہے۔

وتر کے اوقات

⑦ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ مِنْ اخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُتَوِّ اَوَّلَهُ وَمَنْ ظَنَّمَ أَنْ يَقُومَ اخِرَهُ فَلْيُتَوِّ اخِرَ اللَّيْلِ فَإِنَّ صَلَاةَ اخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُودَةٌ ذَلِكَ أَفْضَلُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جس شخص کو اس بات کا خوف ہو کہ آخر رات میں وتر پڑھنے کے لئے نہ اٹھ سکوں گا تو اسے چاہئے کہ وہ شروع رات ہی میں (یعنی عشاء کے فوراً بعد) وتر پڑھ لے، اور جس شخص کو آخر رات میں اٹھنے کی امید ہو تو وہ آخر رات ہی میں وتر پڑھے کیونکہ آخر رات کی نماز مشہودہ ہے (یعنی اس وقت رحمت کے فرشتوں اور انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے اور یہ

(یعنی آخر رات میں وتر پڑھنا) افضل ہے۔ ”(مسلم)

تشریح: آخر رات کی فضیلت و برکات کے بارے میں آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں رات کے اس حصہ میں جو بھی عبادت کی جائے گی وہ ثواب و سعادت کے اعتبار سے بہت زیادہ افضل ہوگی۔ اسی لئے آخر رات میں وتر کی نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ اس افضل وقت میں وتر کی ادائیگی ہوتی ہے بلکہ اس وقت رحمت کے فرشتوں اور حق تعالیٰ کے انوار و برکات کے نزول کی وجہ سے ثواب بھی بہت زیادہ ملتا ہے۔

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ أَوْ تَوَزَّيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَأَوْسَطِهِ وَآخِرِهِ وَأَنْتَهِي وَتَوَزَّيْتُ إِلَى السَّحْرِ۔ (بخاری)

”اور اہم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے رات کے ہر حصہ میں وتر کی نماز پڑھی ہے یعنی ابتدائی رات میں بھی (یعنی عشاء کی نماز کے فوراً بعد) رات کے درمیانی حصہ میں بھی اور آخر رات میں بھی مگر آخر عمر میں آپ ﷺ نے وتر کے لئے سحر کا وقت یعنی رات کا چھٹا حصہ مقرر کر لیا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

آنحضرت ﷺ کی طرف سے حضرت ابو ہریرہؓ کو تین باتوں کی وصیت

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي بِثَلَاثٍ صِيَامَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرُكْعَتِي الصُّحُوحِ وَأَنْ أَوْقِرَ قَبْلَ أَنْ أَقَامَ۔ (بخاری و مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میرے دوست یعنی سرور کونین ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی ایک تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کی دوسرے دو رکعت صبح کی نماز پڑھنے کی اور تیسرے یہ کہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”ہر مہینہ کے تین روزے“ کے تین میں مختلف اقوال ہیں چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ مہینہ کے تین روزے سے ایام بیض یعنی ہر مہینہ کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ کے روزے مراد ہیں۔ بعض حضرات کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ ایک روزہ ابتدائی مہینہ میں ایک روزہ درمیان میں اور ایک روزہ آخر مہینہ میں رکھا جائے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ مطلق ہے، یعنی اختیار ہے کہ پورے مہینہ میں جب چاہے تین روزے رکھ لے۔

”صبح کی دو رکعتوں سے“ نماز اشراق یا نماز چاشت مراد ہے جو آفتاب بلند ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے ان نمازوں کا ادنیٰ درجہ دو رکعت ہے، مگر اشراق کی نماز کا اکثر درجہ چھ رکعت اور چاشت کی نماز کا بارہ رکعت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کو اول شب میں وتر پڑھ لینے کے لئے اس وجہ سے فرمایا کہ وہ رات کے ابتدائی حصہ میں آنحضرت ﷺ کی احادیث کو یاد کرنے اور ان کی تکرار میں مشغول رہتے تھے جس کا سلسلہ رات گئے تک جاری رہتا تھا اس وجہ سے ان کے لئے آخر رات میں اٹھنا بہت مشکل تھا چنانچہ اسی مشغولیت علم کی وجہ سے انہیں اشراق یا چاشت کی بھی دو ہی رکعتیں پڑھنے کے لئے فرمایا۔ لہذا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علم دین کے حصول اور اس کی ترویج و اشاعت میں مشغول رہنا افضل عبادت کی مشغولیت سے بہتر ہے۔

الفصل الثانی

آنحضرت ﷺ شروع رات میں بھی وتر پڑھتے تھے

⑩ عَنْ غُصَيْفِ بْنِ الْخُثَارِ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ أَرَأَيْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ

فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ أَمْ فِي آخِرِهِ قَالَتْ رُبَّمَا اغْتَسَلَ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فِي آخِرِهِ قُلْتُ اللَّهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ يُؤْتِي فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ أَمْ فِي آخِرِهِ قَالَتْ رُبَّمَا أَوْتُو فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا أَوْتُو فِي آخِرِهِ قُلْتُ اللَّهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ أَمْ يَخْفِضُ قَالَتْ رُبَّمَا يَجْهَرُ بِهِ وَرُبَّمَا خَفِضَ قُلْتُ اللَّهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ الْفَصْلُ الْآخِرُ -

”حضرت غصیف ابن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ سرور کونین ﷺ غسل جنابت شروع رات میں کرتے تھے یا آخر رات میں؟ یعنی آپ ﷺ جماع سے فارغ ہوتے ہی نہا لیتے تھے یا اس وقت تو سو رہتے اور جب تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے تو نہاتے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ”کبھی تو آپ ﷺ (جماع سے فارغ ہوتے ہی) شروع رات ہی میں نہا لیتے تھے اور کبھی آخر میں غسل فرماتے“ میں نے کہا ”اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبائیں جس نے دینی امور میں آسانی عطا فرمائی“ اور پھر پوچھا کہ ”آپ ﷺ وتر کی نماز شروع رات میں (عشاء کے فوراً بعد ہی) پڑھ لیتے تھے یا آخر شب میں پڑھتے تھے؟“ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ”کبھی تو شروع رات ہی میں پڑھ لیتے تھے اور کبھی آخر رات میں پڑھتے تھے“ میں نے کہا ”اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبائیں جس نے دینی امور میں آسانی عطا فرمائی“ اور پھر پوچھا کہ ”آپ ﷺ تہجد کی نماز میں یا مطلقاً کسی بھی نماز میں قرأت باواز بلند فرماتے تھے یا آہستہ آواز سے؟“ انہوں نے فرمایا ”کبھی تو باواز بلند قرأت فرماتے تھے اور کبھی آہستہ آواز سے“ میں نے کہا ”اللہ بہت بڑا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبائیں جس نے دینی امور میں آسانی عطا فرمائی“ ابو داؤد، ابن ماجہ نے اس روایت کا صرف آخری فقرہ (جس میں قرأت کا ذکر ہے) نقل کیا ہے۔“

نماز تہجد و وتر کی رکعتوں کی تعداد

⑪ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِكُمْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِي قَالَتْ كَانَ يُؤْتِي بِأَرْبَعٍ وَثَلَاثٍ وَسِتٍّ وَثَلَاثٍ وَثَلَاثٍ وَعَشْرٍ وَثَلَاثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُؤْتِي بِالنَّقْصِ مِنْ سِتٍّ وَلَا بِأَكْثَرٍ مِنْ ثَلَاثٍ عَشْرَةً - (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عبد اللہ بن ابی قیس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا سرور کونین ﷺ کتنی رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے۔“ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ”آنحضرت ﷺ کبھی چار اور تین (یعنی سات) کبھی چھ اور تین (یعنی نو) رکعتوں کے ساتھ، کبھی آٹھ اور تین (یعنی گیارہ) رکعتوں کے ساتھ اور کبھی دس اور تین (یعنی تیرہ) رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے اور آپ ﷺ سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ رکعتوں کے ساتھ کبھی وتر نہیں پڑھتے تھے۔“ (ابو داؤد)

تشریح: چار اور تین رکعتوں کے ساتھ کامل مطلب یہ ہے کہ چار رکعت تو تہجد کی ہوتی تھی اور تین رکعت وتر کی، اس طرح مجموعی طور پر سات رکعتیں ہو گئیں۔ گویا پہلی چار رکعتوں کو بھی مجازاً وتر ہی میں شمار کیا اسی طرح چھ رکعت تہجد کی اور تین وتر کی ان کی مجموعی تعداد نو رکعت ہوئی، آٹھ رکعت تہجد کی اور تین وتر کی ان کی مجموعی تعداد گیارہ رکعت ہوئی اور دس تہجد کی اور تین رکعت وتر کی، ان کی مجموعی تعداد تیرہ رکعت ہوئی۔

بہر حال یہ حدیث صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ وتر کی ایک رکعت نہیں بلکہ تین رکعت ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی وتر کی نماز سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ رکعت کے ساتھ نہیں پڑھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اکثر آپ ﷺ سات رکعت سے کم کے ساتھ وتر نہیں پڑھتے، چنانچہ آپ ﷺ سے پانچ رکعتیں بھی ثابت ہیں۔ اسی طرح اکثر آپ ﷺ تیرہ رکعت سے زیادہ کے ساتھ وتر نہیں پڑھتے تھے چنانچہ پندرہ رکعتیں بھی آپ ﷺ سے چھٹی ثابت ہیں

نماز وتر واجب ہے

⑫ وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُؤْتِيَ بِخُمْسٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُؤْتِيَ بِثَلَاثٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُؤْتِيَ بِوَاحِدَةٍ فَلْيَفْعَلْ - (رواه البوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابوالیوبؓ یہی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا وتر (کی نماز) ہر مسلمان پر حق (یعنی لازم) ہے لہذا جو شخص وتر پانچ رکعت پڑھنا چاہے وہ پانچ رکعت پڑھ لے، جو شخص تین رکعت پڑھنا چاہے وہ تین رکعت پڑھ لے اور جو شخص ایک ہی رکعت پڑھنا چاہے وہ ایک ہی رکعت پڑھ لے۔“ (البوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: ”حق“ کے معنی ہیں واجب اور ثابت، لہذا حضرت امام ابوحنیفہؒ تو حق کے معنی واجب مراد لیتے ہیں، اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز واجب ہے، حضرت امام شافعیؒ حق کے معنی ثابت مراد لیتے ہیں یعنی وتر کی نماز سنت سے ثابت ہے لہذا وہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز سنت ہے چونکہ اس حدیث میں وتر کی رکعتوں کی تعداد پانچ بھی ثابت ہے اور تین اور ایک بھی، اس لئے حضرت سفیان ثوریؒ اور دیگر ائمہ نے تو پانچ کے عدد کو اختیار کیا ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے تین کے عدد کو قبول کیا ہے اور حضرت امام شافعیؒ نے ایک کے عدد کو اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔

وتر کی فضیلت

⑬ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ وَتُرُجِبُ الْوُتْرَ فَأَوْتِرُوا يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ -

(رواه الترمذی و البوداؤد و النسائی)

”اور حضرت امیر المومنین علیؓ کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ وتر ہے، وتر کو دوست رکھتا ہے، لہذا اے اہل قرآن وتر پڑھو۔“

(ترمذی، البوداؤد، نسائی)

تشریح: ”اللہ تعالیٰ وتر ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے، تنہا ہے اس کا کوئی مثل نہیں ہے اسی طرح اپنے افعال میں بھی وہ یکتا ہے کہ کوئی اس کا مددگار اور شریک نہیں ہے۔

”وتر کو دوست رکھتا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ وتر کی نماز پڑھنے والے کو بہت زیادہ ثواب سے نوازتا ہے اور اس کی اس نماز کو قبول فرماتا ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ جل شانہ، چونکہ اپنی ذات و صفات اور اپنے افعال میں یکتا و تنہا ہے کہ کوئی اس کا مثل، شریک اور مددگار نہیں اس لئے وہ طاق عدد کو پسند فرماتا ہے اور چونکہ وتر بھی طاق ہے اس لئے اس کو بھی پسند کرتا ہے اور اس کے پڑھنے والے کو بہت زیادہ ثواب کی سعادت سے نوازتا ہے۔

⑭ وَعَنْ خَارِجَةَ بِنْتِ حُذَافَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ إِنَّ اللَّهَ أَحَدٌ كُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ خُمْرِ النَّعَمِ الْوُتْرُ جَعَلَهُ اللَّهُ لَكُمْ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى أَنْ يَظْلُعَ الْفَجْرُ - (رواه الترمذی و البوداؤد)

”اور حضرت خارجہ بنت حذافہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرور کونین ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ ”اللہ جل شانہ، نے ایک (ایسی) نماز سے تمہاری امداد کی ہے (یعنی نماز پانچ گانہ سے ایک اور زیادہ نماز جس دی ہے) جو تمہارے لئے سرخ اوتوں سے بہتر ہے اور وہ وتر (کی نماز) ہے اور تمہارے لئے یہ نماز عشاء کی نماز کے بعد سے فجر نکلنے تک کے درمیان مقرر کی گئی ہے (یعنی اس کا وقت ان اوقات کے درمیان درمیان ہے جب چاہو پڑھو۔“ (ترمذی، البوداؤد)

تشریح: چونکہ عرب میں سرخ اونٹ بہت قیمتی ہوتے ہیں اور عرب والوں کے لئے اموال میں یہ سب سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے رغبت دلانے کے لئے فرمایا کہ وتر کی نماز سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے گویا مراموہ سے کہ وتر کی نماز دنیا کی تمام متاع

سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے اور اس کو عشاء کی نماز سے پہلے پڑھنا جائز نہیں ہے۔

وتر کی قضا کا حکم

(۱۵) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وَتْرِهِ فَلْيُصَلِّ إِذَا أَصْبَحَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُؤْتَصِلًا۔

”اور حضرت زید بن اسلمؒ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص وتر سے غافل ہو کر (یعنی وتر پڑھے بغیر) سو جائے تو اسے چاہئے کہ صبح ہو تو پڑھے۔“ اس روایت کو ترمذیؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔“

تشریح: اگر کسی ایسے شخص کی وتر کی نمازرات میں پڑھنے سے رہ جائے جو صاحب ترتیب ہے تو صبح اٹھ کر اگر اس کے لئے ممکن ہو تاہیئت اتنا وقت ہو کہ وتر پڑھے تو فجر کی فرض نماز سے پہلے وتر کی قضا پڑھے۔ اور اگر فجر کے فرض سے پہلے اس کا پڑھنا ممکن نہ ہو یعنی اتنا وقت نہ ہو تو پھر فجر کی فرض نماز پڑھنے کے بعد پڑھے۔

ہاں اگر ایسے شخص کے وتر نہ گئے ہوں جو صاحب ترتیب نہیں ہے تو اسے اختیار ہے چاہے تو نماز فجر سے پہلے پڑھے اور چاہے نماز فرض کے بعد پڑھے۔

آنحضرت وتر میں کون کونسی سورتیں پڑھتے تھے

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بَايَ شَيْءٍ كَانَ يُؤْتِرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُولَى بِسْمِ اللَّهِ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ يَقُولُ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ يَقُولُ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ أَبِي بَنِی كَعْبٍ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ أَبِي عُبَّاسٍ وَلَمْ يَذْكُرُوا الْمُعَوِّذَتَيْنِ۔

”اور حضرت عبدالعزیز بن جریجؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ سرورِ کونین ﷺ وتر میں کون کون سے سورتیں پڑھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ”آپ ﷺ پہلی رکعت میں بسمِ اسمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى دوسری رکعت میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور تیسری رکعت میں قُلْ أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّاسِ پڑھا کرتے تھے (ترمذیؒ و ابو داؤدؒ) اور اس روایت کو امام نسائیؒ نے حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؒ سے، امام احمدؒ نے حضرت ابی بن کعبؒ سے اور امام دارمیؒ نے حضرت عباسؒ سے نقل کیا مگر امام دارمیؒ نے اپنی روایت میں لفظ معوذتین ذکر نہیں کیا ہے یعنی انہوں نے محض یہ نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ وتر کی تیسری رکعت میں صرف قُلْ هُوَ اللَّهُ پڑھتے تھے۔“

تشریح: محقق علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ”حنفیہ نے آخری روایت یعنی دارمیؒ کی نقل کروہ روایت پر عمل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللَّهُ پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ حنفی حضرات وتر کی تیسری رکعت میں صرف قُلْ هُوَ اللَّهُ ہی پڑھتے ہیں۔ حنفی حضرات کے پیش نظر صرف یہی روایت نہیں بلکہ حضرت عائشہؓ ہی کی ایک دوسری روایت بھی ان کے مسلک کی دلیل ہے جس میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللَّهُ ہی پڑھتے تھے۔

جہاں تک حضرت عائشہؓ کی اس روایت کا تعلق سچو پہاں نقل کی گئی ہے اور جس سے وتر کی تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللَّهُ کے علاوہ معوذتین (یعنی قُلْ أَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّاسِ اور قُلْ أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَلَقِ) کا پڑھنا بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس پر حنفیہ اس لئے عمل نہیں کرتے کہ اول تو اس روایت کی سند میں ضعف ہے، دوسرے یہ کہ اس میں جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے وہ آنحضرت ﷺ کی عادت کے خلاف معلوم ہوتا ہے

کیونکہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں تو یہ صراحت سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ بعد کی رکعت کو پہلی رکعتوں کی نسبت مختصر کرتے تھے جب کہ اس روایت کے پیش نظر تیسری رکعت میں پہلی دونوں رکعتوں کی نسبت کہیں زیادہ طویل ہو جاتی ہے ملا علی قاری نے اس سلسلہ میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے اور حنفیہ کی طرف سے اور بھی دلائل پیش کئے ہیں جسے اہل علم ان کی کتاب ”مرقاۃ“ میں دیکھ سکتے ہیں۔

یہ حدیث بصراحت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی تینوں رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھتے تھے۔

وتر میں پڑھی جانے والی دعا

(۱۷) وَعَنْ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي قُنُوتِ الْوُتْرِ اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْظَمْتَ وَفِيْنِي شَرًّا مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يَقْضِي عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ تَبَارَكَ رَبُّنَا وَتَعَالَيْتَ۔ (رواہ الترمذی والبوداذود والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

”اور حضرت حسن علیؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے ہیں تاکہ میں انہیں وتر کی دعائوت میں پڑھا کروں (اور وہ کلمات دعایہ ہیں) اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْظَمْتَ وَفِيْنِي شَرًّا مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يَقْضِي عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ تَبَارَكَ رَبُّنَا وَتَعَالَيْتَ اے اللہ! مجھے ہدایت کر ان لوگوں کے ساتھ (یعنی انبیاء و اولیاء کے ساتھ) جن کو تو نے ہدایت کی مجھے دنیا اور آخرت کی مسیتوں اور آفتوں سے بچا اور ان لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے بچایا اور مجھ سے محبت کر ان لوگوں کے ساتھ جن سے تو نے محبت کی اور جو کچھ تو نے مجھے عطا کیا ہے (یعنی عرماں، علم اور نیک اعمال) ان میں برکت عطا فرما اور مجھے ان برائیوں سے بچا جو مقدر ہوں، بے شک تو جو چاہتا ہے وہ حکم کرتا ہے اور تجھے کوئی حکم نہیں کرتا (یعنی تو حاکم مطلق ہے محکوم نہیں ہے اور جسے تو دوست رکھتا ہے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اے ہمارے رب تو بابرکت ہے (یعنی دارین پتہ پر خیر ہی خیر محیط ہے) اور تیری ذات بلند و برتر ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: حضرت حسنؓ کے الفاظ اقولہن فی قنوت الوتر (تاکہ میں وتر کی دعائوت میں پڑھا کروں) سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قنوت الوتر کو مطلقاً ذکر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دعا تمام سال یعنی تمام دنوں میں پڑھنی مراوے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے مگر حضرات شوافع دعائے قنوت کو رمضان کے آخری نصف ایام میں وتر کے ساتھ مقید کرتے ہیں گویا کہ شافعی حضرات کے یہاں تو صرف رمضان کے نصف آخری ایام میں وتر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے جب کہ حنفی حضرات تمام دنوں میں نماز وتر میں دعاء قنوت پڑھتے ہیں۔

اللہم اھدنی اے اللہ! مجھے ہدایت کر یعنی ہدایت کے راستہ پر مجھے ثابت قدم رکھ۔ یا ہدایت کے اسباب و ذرائع زیادہ سے زیادہ مجھے عطا فرما تاکہ ان کو اختیار کر کے میں اعلیٰ مرتبہ اور اعلیٰ درجہ پر پہنچ سکوں۔

إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ (جسے تو دوست رکھتا ہے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا کا مطلب یہ ہے کہ جسے تو نے اپنا دوست بنا لیا یا اس طور کہ اسے نیک راستہ پر چلنے اور صالح اعمال اختیار کرنے کی توفیق عطا فرما کر سعادت و خوشی بخشی کے مرتبہ پر فائز کیا وہ آخرت میں ذلیل و شرمسار نہیں ہو سکتا۔ پھر یہاں مطلقاً ذلت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طبع و فرمانبرداری بندہ جسے وہ محبوب رکھتا ہے، نہ آخرت میں نام و شرمسار ہو سکتا ہے اور نہ ہی دنیا میں ذلت و رسوائی اس کے پاس پہنچ سکتی ہے۔ اگرچہ بظاہر دنیا کی نظروں میں وہ کسی بلا و مصیبت میں گرفتار ہو یا کوئی شخص اسے ذلیل و خوار کرے مگر حقیقت میں وہ اللہ کے نزدیک با عظمت و با عزت ہی ہوتا ہے جیسا کہ لوگوں نے اللہ کے پیغمبر اور نبی حضرت زکریا علیہ السلام کو آرمے سے چیرا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ذبح کیا۔ لہذا ان بلیل القدر پیغمبروں کو ظلم و ستم کے اس شیخ سے اس لئے

گزرنا نہیں پڑا کہ محاذ اللہ وہ خدا کے محبوب اور دوست نہیں تھے بلکہ درحقیقت ان کو امتحان و آزمائش میں ڈالا گیا۔ غرضیکہ دنیا و دلوں کے ذیل کرنے سے خدا کے نیک و محبوب بندے ذلیل نہیں ہوتے اللہ کے نزدیک وہ عزت والے ہی ہوتے ہیں۔

بعض ائمہ میں (لَا تُعْزُ مِنْ عَادَتِكَ) (اور جس سے تجھ کو عداوت ہو وہ عزت نہیں پاسکا) کے الفاظ بھی منقول ہیں۔ اسی طرح بعض روایتوں میں (وَقَالَتِ الْيَتِيمَ الَّذِي يَتَوَكَّلُ عَلَى اللَّهِ) (اے اللہ ہم اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور تیرے ہی سامنے توبہ کرتے ہیں) اور بعض روایتوں میں اس کے بعد کے الفاظ مزید نقل کئے گئے ہیں۔

بہر حال حضرات شوافع کی دعا قنوت یہ ہے وہ حضرات اسی دعا کو وتر اور فجر نماز میں پڑھتے ہیں حنفی حضرات کے یہاں وتر کی نماز میں جو دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے وہ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْذُكَ الْخ ہے جو ہم شروع باب میں نقل کر چکے ہیں۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ وتر کی نماز میں اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْذُكَ الْخ اور اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي الْخ دونوں دعائیں پڑھنا افضل ہے جیسا کہ شروع باب میں ہم نے دونوں دعائیں نقل کی ہیں۔

دعائے قنوت کے سلسلہ میں ائمہ کے یہاں مختلف فیہ چیزیں

محقق علامہ ابن ہمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ دعا قنوت کے سلسلہ میں ائمہ کے یہاں تین باتیں مختلف فیہ ہیں ایک تویہ کہ دعا قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں؟ دوسری بات یہ کہ دعا قنوت وتر کی نماز میں تمام دنوں میں پڑھی جائے یا صرف رمضان کے آخری نصف حصہ میں؟ تیسری چیز یہ کہ دعا قنوت وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں پڑھی جائے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں کہ دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھی جائے مگر حضرات امام اعظم ابوحنیفہؒ کی دلیل بہت زیادہ قوی ہے اس سلسلہ میں اہل علم اور محققین حضرات مرقاة میں پوری تفصیل دیکھ سکتے ہیں جہاں تک دوسری اور تیسری مختلف باتوں کا تعلق ہے تو ہم انشاء اللہ ان دونوں مسئلوں کو آگے آنے والے باب ”باب القنوت“ میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

نماز وتر کے سلام کے بعد کی تسبیح

(۱۸) وَعَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ فِي الْوُتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ زَوَاهِ أَبُو ذَاوُدَ وَالتَّسْنِئِي زَادَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يُطِيلُ وَفِي رِوَايَةٍ لِلتَّسْنِئِي عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ ثَلَاثًا وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالتَّالِيفَةِ۔

”اور حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب وتر کی نماز میں سلام پھیرتے تو یہ کہتے سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ (یعنی پاک ہے بادشاہ نہایت پاک) (ابوداؤد و تسانئ) نسائی نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”آپ ﷺ یہ (تسبیح) تین مرتبہ کہتے تھے اور تیسری مرتبہ میں آواز بلند فرماتے تھے، نیز نسائی نے ایک روایت عبد الرحمن بن ابی زبیر سے نقل کی ہے جس میں وہ (عبد الرحمن) اپنے والد کرم سے نقل کرتے (ہوئے کہتے) ہیں کہ (آنحضرت ﷺ) جب سلام پھیر لیتے تو تین مرتبہ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ کہتے اور تیسری مرتبہ میں آواز بلند فرماتے۔“

تشریح: دارقطنیؒ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ کے الفاظ بھی مذکور ہیں، گویا پوری تسبیح یوں ہے سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ۔

نماز وتر میں آنحضرت ﷺ کی دعا

(۱۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي آخِرِ صَلَاتِهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَا لِّکَ مِنْ سَخَطِکَ بِمَعَاذِکَ۔

مِنْ عَفْوَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أَحْصِي ثَنَاءَ عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ۔

(رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرور کو مین ﷺ اپنی نماز وتر کے آخر میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرَحْمَتِكَ مِنْ مَسْخَطِكَ بِمُعَاوَاةٍ مِنْ عَفْوَتِكَ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اَحْصِیْ ثَنَاءَ عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ اے اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری رضا و خوشنودی کے ذریعہ تیرے غضب سے اور تیری عافیت کے ذریعہ تیرے عذاب سے اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے ذریعہ تیرے آثار صفات (یعنی تیرے غضب و غصہ سے) مجھ میں طاقت نہیں کہ تیری تعریف کر سکوں کیونکہ تیری تعریف کا شمار نہیں تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف کی۔“ (ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: آنحضرت ﷺ یہ دعا وتر کی تیسری رکعت میں رکوع کے بعد پڑھا کرتے تھے چنانچہ حضرت امام مالکؒ نے اس کو اختیار کیا ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ ﷺ یہ دعا سلام کے بعد پڑھتے تھے اور بعض کا قول ہے کہ سلام سے پہلے التحیات میں پڑھتے تھے اسی طرح بعض محققین کا کہنا ہے کہ آپ یہ دعا سجود میں پڑھا کرتے تھے۔

نسائی نے ایک روایت اور نقل کی ہے جس میں صراحت کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب اپنی نماز سے فارغ ہو جاتے اور بستر پر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے۔ واللہ اعلم

مستقل طور پر کسی خاص دعا قنوت کو مقرر کر لینے کا مسئلہ

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ”علماء کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ دعائے قنوت کے سلسلہ میں توقیف نہ کی جائے یعنی ایک ہی دعا کو پڑھنے کے لئے بطور خاص مقرر نہ کر لیا جائے کیونکہ کسی دعا کو مقرر کر لینے اور پھر اسی کو مستقل طور پر پڑھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ دعا زبان پر باقی طور جاری ہو جاتی ہے کہ قلب زبان کی ہمنوائی سے محروم ہوتا ہے۔ یعنی اس دعا کے پڑھنے کے وقت عادت کے مطابق صرف زبان ہی کام کرتی ہے دل میں نہ تو دعا کے مقصود کی لگن ہوتی ہے اور نہ اس کی طرف رغبت کا احساس ہوتا ہے لہذا دعا کا جو مقصود اور مطلوب ہوتا ہے وہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ دعا تو دعویٰ کام کرتی ہے جو قلب کی گہرائیوں سے نکلتی ہے اور جو احساس و شعور اور دلی رغبت زبان کی ہمنوا ہوتی ہے۔

لیکن بعض دوسرے علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ حکم اللہم اِنَّا نَسْتَعِیْثُكَ الْخ کے علاوہ دوسری دعاؤں کے بارے میں ہے یعنی اس دعا کو بطور خاص مستقل طور پر پڑھنے کے لئے مقرر کر لینا منع نہیں ہے البتہ اس کے علاوہ دوسری دعاؤں کو مستقل طور پر اختیار نہ کیا جائے بلکہ کبھی کوئی دعا پڑھ لی جائے اور کبھی کوئی کیونکہ صحابہؓ نے اللہم اِنَّا نَسْتَعِیْثُكَ الْخ کے پڑھنے پر اتفاق کیا ہے اور یہی دعا مستقل طور پر پڑھتے تھے اگرچہ اس کے علاوہ دوسری دعائے قنوت بھی جائز ہے۔ اسی طرح ”محیط“ میں اللہم اھدنی السبیل کو بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے یعنی اس دعا کی توقیف بھی ممنوع نہیں ہے۔

الفصل الثالث

حضرت معاویہؓ کا ایک رکعت وتر پڑھنا

(۲۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَبِلَ لَهُ هَلْ لَكَ فِيْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مُعَاوِيَةَ مَا اَوْتِيَ الْاَبْرَاجِدَةُ قَالَ اَصَابَتْ اِنَّهُ فَقِيْهٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ ابْنُ اَبِيْ مَلِيْكَهٍ اَوْ تَرَى مُعَاوِيَةَ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرُكْعَةٍ وَعِنْدَهُ مَوْلىٌ لِابْنِ عَبَّاسٍ فَاتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَخَبَرَهُ فَقَالَ دَعُهُ فَاِنَّهُ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

”حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ ”امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو وتر کی ایک رکعت میں پڑھتے ہیں؟“ حضرت عباسؓ نے فرمایا ”وہ فقیہ ہیں (جو کچھ کرتے ہیں) اچھا کرتے ہیں“ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن ابی ملیکہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے عشاء کی نماز کے بعد وتر کی ایک رکعت پڑھی، ان کے پاس ہی حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام بھی موجود تھے (جب انہوں نے یہ دیکھا تو وہ حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں بتایا کہ) حضرت معاویہؓ نے وتر کی ایک رکعت پڑھی ہے (حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ”ان کے بارے میں کچھ نہ کہو، انہیں آنحضرت ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے (ہو سکتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کا کوئی ایسا عمل دیکھا ہو جو دوسرے نہ دیکھ سکے ہوں)۔“ (بخاری)

تشریح: بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے وتر کی ایک ہی رکعت پڑھی ہوگی جس پر دیکھنے والوں کو تعجب ہوا ہو کہ جب دوسرے صحابہؓ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے ہیں تو یہ ایک ہی رکعت کیوں پڑھتے ہیں؟ اور پھر انہوں نے اس کا تذکرہ حضرت ابن عباسؓ سے کیا لیکن یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے پہلے پڑھی گئی دو رکعت سے ملی ہوئی وتر کی رکعت پڑھی ہو، اس صورت میں دیکھنے والوں نے اس لئے اعتراض کیا کہ حضرت معاویہؓ نے صرف وتر ہی پڑھا کیا ہو گا اور عشاء کی نماز یا تہجد کی نماز چھوڑ دی ہوگی۔

وتر پڑھنے کی تاکید

(۲۱) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوُتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُؤْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوُتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُؤْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوُتْرُ حَقٌّ (رواه البوراذ)

”اور حضرت بريدہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”وتر حق یعنی واجب ہے لہذا جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے (یعنی ہمارے تابعداروں میں سے) نہیں ہے، وتر حق ہے لہذا جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ (البوراذ)

تشریح: وتر کی اہمیت اور اس کی حقیقت کو اس انداز سے بار بار بیان کرنا اور پھر اس کے نہ پڑھنے والے کے بارے میں یہ کہنا کہ جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہمارے تابعداروں میں سے نہیں ہے اس بات پر صریح دلیل ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے جیسا کہ خفیہ کا مسلک ہے۔

وتر کی قضاء پڑھنی چاہئے

(۲۲) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنِ الْوُتْرِ أَوْ نَسِيَ فَلْيَصِلْ إِذَا ذَكَرُوا إِذَا اسْتَبَقَطَ۔ (رواه الترمذی والبوراذ وابن ماجہ)

”اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا ”جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے یا اسے پڑھنا بھول جائے تو اسے چاہئے کہ جب بھی اسے یاد آئے یا نیند سے بیدار ہو تو (اس کی قضا) پڑھے۔“ (ترمذی، البوراذ، ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے کیونکہ اگر واجب نہ ہوتی تو اس کی قضا پڑھنے کا حکم نہ دیا جاتا۔

نماز وتر واجب ہے یا سنت

(۲۳) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عَمَرَ عَنِ الْوُتْرِ أَوْ اجِبٌ هُوَ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ قَدْ أَوْتِرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَوْتِرَ الْمُسْلِمُونَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يُرَدِّدُ عَلَيْهِ وَعَبْدُ اللَّهِ يَقُولُ أَوْتِرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَوْتِرَ الْمُسْلِمُونَ۔ (رواه فی الموطا)

”اور حضرت امام مالکؒ کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ ”ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ

”وترکی نماز واجب ہے (یا سنت ہے) حضرت عبداللہؓ نے (کوئی صریح جواب دینے کی بجائے) فرمایا کہ ”وترکی نماز آنحضرت ﷺ نے بھی پڑھی ہے اور شخص بار بار یہی سوال کرتا تھا اور حضرت ابن عمرؓ بھی کہے جاتے تھے کہ ”وترکی نماز آنحضرت ﷺ نے بھی پڑھی ہے اور دوسرے مسلمانوں نے بھی پڑھی ہے۔“ (موطا)

تشریح: کسی سوال کے جواب دینے کا ایک مبلغ طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی خاص مصلحت کی بنا پر مدلول (اصل جواب) کا ذکر نہ کیا جائے اور صرف دلیل بیان کر دی جائے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب ایک شخص نے وترکی نماز کے وجوب یا سنت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مدلول کے بجائے صرف دلیل پر اکتفا کیا گو ان کا مطلب یہ تھا کہ وترکی نماز واجب ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا مستقل طور پر بطریق مواظبت وترکی نماز پڑھنا اور اہل اسلام کا اس پر اجماع ہونا اس بات کی دلیل ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ جب سائل حضرت ابن عمرؓ سے صریح جواب چاہنے کے لئے ان سے بار بار سوال کرتا تھا تو انہوں نے صاف طریقہ سے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ وترکی نماز واجب ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے انداز بیان اور جواب کا یہ طریقہ احتیاط کے پیش نظر اختیار کیا کیونکہ انہوں نے اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ سے کوئی صریح بات نہیں سنی تھی اس لئے انہوں نے بھی صریح جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔

نماز وترکی قرات

(۲۳) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِي بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِيهِنَّ بِسْمِ اللَّهِ وَسُورَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلَاثٍ سُورَةٍ أَحَدُهُنَّ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔ (رواہ الترمذی)

”اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ وترکی تین رکعتیں پڑھا کرتے تھے جن میں آپ ﷺ مفصل کی نو سورتیں (اس طرح) پڑھا کرتے تھے کہ ہر رکعت میں تین تین سورتیں پڑھتے اور آخر سورت قل ہو اللہ واحد کرتی تھی۔“ (ترمذی)

تشریح: بعض روایتوں میں اس اجمال کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ پہلی رکعت میں اَلْهٰكُمُ التَّكْوِيْنُ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ اور اِذَا زُلْزِلَتْ اَلْاَرْضُ پڑھتے، دوسری رکعت میں وَالْفَصْرِ۔ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ اور اِنَّا اَعْظَمْنٰكَ پڑھتے اور تیسری رکعت میں قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ تَبْتَئِدْ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ

(۲۴) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِمَكَّةَ وَالسَّمَاءُ مُبْغِضَةً فَخَشِيَ الصُّبْحُ فَأَوْتَرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ انْكَشَفَ فَرَأَى أَنَّ عَلَيْهِ لَيْلًا فَسَلَّعَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا خَشِيَ الصُّبْحَ أَوْتَرُ بِوَاحِدَةٍ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ہمراہ مکہ معظمہ میں تھا اور (اس دن رات میں) آسمان ابر آلود تھا، جب حضرت ابن عمرؓ کو صبح ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے ایک رکعت وترکی پڑھ لی، پھر ابر صاف ہو گیا اور انہوں نے دیکھا کہ ابھی رات (کافی باقی) ہے، چنانچہ انہوں نے ایک رکعت اور پڑھ کر (پہلی رکعت کے ساتھ ملا کر اسے) دو گانہ کر دیا اور اس کے بعد دو رکعت (نفل کی) پڑھتے رہے، جب پھر صبح ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے وترکی ایک رکعت پڑھ لی۔“ (مالک)

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ایک اور طریقہ

(۲۵) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي جَالِسًا يَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهِ قَدْرٌ مَا يَكُونُ ثَلَاثِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً قَامَ وَقَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ يَفْعَلُ فِي الرُّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور ائمہ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ (آخر عمر میں دن یارات میں اس طرح بھی) بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے (طویل قرأت کی وجہ سے) بیٹھے بیٹھے قرأت فرماتے اور جب قرأت تیس یا چالیس آیتیں باقی رہ جاتیں تو کھڑے ہو جاتے اور انہیں کھڑے کھڑے پڑھتے پھر رکوع کرتے اور سجدہ میں جاتے اسی طرح دوسری رکعت میں بھی پڑھتے۔“ (مسلم)

تشریح: اس طرح نماز پڑھنی بالاتفاق جائز ہے لیکن اس کا کس جائز نہیں چنانچہ اس کی تفصیل ”باب السنن“ میں بیان کی جا چکی ہے۔
بظاہر اس باب سے اس حدیث کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس حدیث میں چونکہ شفع (دو گانہ) کا ذکر ہے جو دو ترکا مقدمہ ہے اس لئے اسے اس باب میں نقل کیا گیا ہے۔

وتر کے بعد کی دو رکعتیں

(۲۷) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْوُتْرِ رَكْعَتَيْنِ زَوَاةَ التَّيْزِ هَذِي زَوَاةَ ابْنِ مَاجَةَ خَفِيفَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔

”اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ وتر کے بعد کی دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔“ (ترمذی) ابن ماجہ نے اس روایت میں خَفِيفَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں یعنی آنحضرت وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

(۲۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِي بَوَاحِدَةً ثُمَّ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ يَقْرَأُ فِيهِمَا وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کونین ﷺ وتر کی ایک رکعت پڑھتے پھر دو رکعتیں (نفل کی) پڑھتے جن میں آپ ﷺ بیٹھے بیٹھے قرأت فرماتے اور جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہوتے اور رکوع کرتے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث پہلی حدیث کے منافی ہے کیونکہ کبھی تو آپ ﷺ وتر کے بعد کی دونوں رکعتیں کھڑے ہوئے بغیر مطلقاً بیٹھے بیٹھے پڑھتے اور کبھی اس طرح بیٹھ کر قرأت کے بعد جب رکوع میں جانے کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو جاتے اور رکوع کرتے۔

وتروں کے بعد دو رکعتوں کی فضیلت

(۲۹) وَعَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ هَذَا الشَّهْرَ جُهْدٌ وَقِلٌّ فَإِذَا أَوْتَرُوا أَخَذَكُمْ فَلْيَرْكَعُوا رَكْعَتَيْنِ فَإِنَّ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ وَالْأَكَاثِلَةَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ سرکار کونین ﷺ نے فرمایا (تہجد کے لئے) رات میں بیدار ہونا مشکل اور گراں ہوتا ہے اس لئے جب تم میں سے کوئی شخص (رات کے آخری حصہ میں جائے) کا تہین نہ رکھتا ہو اور سونے سے پہلے یعنی عشاء کی نماز کے بعد وتر پڑھتے تو اسے چاہئے کہ دو رکعتیں پڑھ لے، اگر وہ نماز تہجد کے لئے رات میں اٹھ گیا تو بہتر ہے اور اگر نہ اٹھ سکا تو پھر دو رکعتیں کافی ہوں گی (یعنی ان دونوں رکعتوں کے پڑھنے کی وجہ سے اسے نماز تہجد کا ثواب مل جائے گا۔“ (ترمذی، دارمی)

وتروں کے بعد کی دونوں رکعتوں کی قرأت

(۳۰) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيهِمَا بَعْدَ الْوُتْرِ وَهُوَ جَالِسٌ يَقْرَأُ فِيهِمَا إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ وَقِيلَ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے اور ان میں اذان و اذان الارض اور قل یا ایہا الکافرون پڑھتے تھے۔“ (ترمذی، داری)

بَابُ الْقُنُوتِ قنوت کا بیان

لفظی طور پر قنوت کے کئی معنی ہیں۔ ① طاعت کرنا ② نماز میں کھڑے ہونا ③ اللہ تعالیٰ کے سامنے خاکساری کرنا، اسی طرح ”دعا“ کو بھی قنوت کہتے ہیں، اصطلاحاً ”دعا مخصوص“ کو کہتے ہیں جو یہاں مراد ہے، چنانچہ شوافع کے یہاں دعاء قنوت اللھم اھدنی الخ ہے۔ حضرات حنفیہ کے نزدیک دعاء قنوت اللھم انا نستعینک الخ ہے (دونوں دعائیں مکمل طور پر پچھلے باب میں نقل کی جا چکی ہیں) جسے حنفی علماء صحیح سند و طریق کے ساتھ طبرانی وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔ نیز محقق علامہ حضرت ابن ہمامؒ نے ابوداؤدؒ سے نقل کیا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ (ایک روز) قبیلہ مضر کے لوگوں کے (ظلم و ستم اور ان کی دہشت و بربریت کے پیش نظر ان) کے لئے بددعا فرما رہے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ ﷺ کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کر کے فرمایا کہ:

یا محمد (ﷺ) اِنَّ اللّٰهَ لَمْ یَعْلَکْ سَبَابًا وَلَا لَعَنًا اِنَّمَا یَعْلَکَ رَحْمَةً۔

”اے محمد (ﷺ) آپ (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ نے برا کہنے والا اور لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا ہے بلکہ آپ (ﷺ) کو تو (دونوں جہان کے لئے) رحمت کا باعث بنا کر بھیجا گیا ہے۔“

پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ (یعنی اس چیز میں آپ ﷺ کا کوئی دخل نہیں ہے) بعد ازاں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو یہ دعا اللھم انا نستعینک الخ سکھائی ”شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اپنی کتاب ”در منثور“ میں اس دعا کو کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

الفصل الاول

رحمت عالم ﷺ کو بددعا کی ممانعت

① عَنْ ابْنِ مَرْثُودَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْعُو عَلَى أَحَدٍ أَوْ يَدْعُو لِأَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرَّكْعَةِ قَوْلًا قَالَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَبِئْسَ لَكَ الْحَمْدُ اللَّهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيدَ ابْنَ الْوَلِيدِ وَسَلِّمْ بِنَ هِشَامَ وَعِيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِينًا كَسِينِي يُوسُفَ يَجْهَرُ بِذَلِكَ وَكَانَ يَقُولُ فِي بَعْضِ صَلَاتِهِ اللَّهُمَّ الْعَنْ فَلَانًا وَفَلَانًا لِأَخْيَانِي مِنَ الْعَرَبِ حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الْاِیْقَ (متفق علیہ)

”حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ جب کسی کو بددعا دیتے یا کسی کے لئے دعا کرنے کا ارادہ فرماتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے، چنانچہ بعض وقت جب کہ آپ ﷺ مع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہہ لیتے تو یہ دعا کرتے اللَّهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيدَ ابْنَ الْوَلِيدِ وَسَلِّمْ بِنَ هِشَامَ وَعِيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِينًا كَسِينِي يُوسُفَ (اے اللہ اوید بن ولید کو

سلمہ بن ہشام کو اور عیاش بن ابی ریحہ کو نجات دے اور اے اللہ اقوام مضرہ تو اپنا سخت عذاب نازل کر اور اس عذاب کو ان پر قحط کی صورت میں مسلط کر، ایسا قحط جو یوسف علیہ السلام کے قحط کی مانند ہو (یعنی قوم مضرہ تو اپنا عذاب اس قحط کی شکل میں مسلط کر جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قوم پر مسلط کیا گیا تھا) یہ دعا آپ ﷺ کا دوا زبید کرتے تھے اور کسی نماز میں آپ ﷺ عرب کے (ان) قبائل کے لئے جو کافر تھے اس طرح بدو دعا فرماتے اَللّٰهُمَّ اِنْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا (اے اللہ فلاں فلاں پر لعنت فرما) پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ۗ اِلَآيَةِ" (اس معاملہ میں آپ ﷺ کا کچھ دخل نہیں ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: بعض صحابہ کرامؓ جو کفار کی قید میں تھے اور ان کے ظلم و ستم کا تحتہ مشق بنے ہوئے تھے ان کی رہائی و نجات کے لئے آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایا کرتے تھے اور عرب کے وہ قبائل جو مسلمانوں کا قافیہ تنگ کرتے رہتے تھے ان کے لئے بدو دعا فرماتے تھے، چنانچہ ولید ابن قریش مخزومی جو اسلام کے مایہ ناز فرزند اور اسلامی فوج کے کمانڈر انچیف حضرت خالد بن ولیدؓ کے بھائی تھے، جنگ بدر کے موقع پر کفار مکہ کی جانب سے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، ان کے بھائی خالد اور ہشام دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور اسیر بھائی کی طرف سے چار ہزار درہم بطور فدیہ دے کر ان کو رہا کرایا اور مکہ لے گئے۔ ولید جب رہا ہو کر مکہ پہنچے تو وہاں اسلام کی مقدس روشنی نے ان کے قلب و دماغ کو منور کیا اور وہ مسلمان ہو گئے، لوگوں نے ان سے کہا کہ جب تم مسلمانوں کے پاس مدینہ میں قید تھے تو اسی وقت فدیہ دینے سے پہلے ہی مسلمان کیوں نہیں ہو گئے کیونکہ وہاں مسلمان ہو جانے کی شکل میں چار ہزار درہم جو فدیہ میں دیئے وہ بھی بچ جاتے اور مسلمان بھی ہو جاتے؟

انہوں نے کہا کہ "مجھے یہ کچھ اچھا نہیں لگا کہ لوگ یہ کہیں کہ قید سے گھبرا کر اسلام لے آیا۔" مکہ کے کفار اور قبیلہ کے لوگوں کو یہ کیسے گوارا ہوتا کہ ولید اسلام لے آئے اور اس کی سزا انہیں نہ ملے چنانچہ بھائیوں نے انہیں قید میں ڈال دیا اور جتنا بھی ظلم ان پر ہو سکتا تھا کیا گیا، آنحضرت ﷺ کو جب ان کی حالت مظلومیت کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے پروردگار کی بارگاہ میں ان کی رہائی اور نجات کے لئے دعا مانگی، اس طرح وہ کفار مکہ کے چنگل سے بچ کر مدینہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ گئے۔ سلمہ بن ہشامؓ، ابو جہل کے بھائی تھے اور بالکل ابتدائی دور میں اسلام لے آئے تھے، کفار مکہ نے انہیں بھی قید کر رکھا تھا اور ان پر انتہائی ظلم و جور کرتے تھے، یہ بھی ان کے ہاتھوں سے نکل کر مدینہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ گئے۔

عیاش بن ابی ریحہ بھی ابو جہل کے ماں کی طرف سے انسانی بھائی تھے، قدیم الاسلام ہیں، ابتدائی دور میں اسلام کی دولت سے شرف ہو کر حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔ جب مدینہ آئے اور ان سے کہا کہ تمہاری ماں تمہارے لئے سخت بے چین ہے اور اس نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمہیں دیکھ نہیں لے گی، سایہ میں نہیں بیٹھے گی۔

عیاش کو ماں کی محبت ابو جہل جیسے ظالم شخص کے پاس پہنچ لائی۔ مکہ پہنچ کر ابو جہل نے انہیں باندھ کر قید میں ڈال دیا اور ان پر ظلم کر کے اپنے جذبہ وحشت و بربریت کی تسکین حاصل کرتا رہا تا آنکہ یہ بھی اس قید سے نکل بھاگئے میں کامیاب ہو گئے اور پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ آ گئے۔ آخر میں معرکہ تبوک کے موقع پر کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔

یہ وہ خوش نصیب اصحاب تھے جن کی رہائی و نجات کے لئے آنحضرت ﷺ کی لسان مقدس دعا میں مشغول ہوتی تھی، گویا حدیث کی پہلی دعا اللھم انج الخ اس بات کی مثال ہے کہ آنحضرت ﷺ قنوت میں مؤمنین کے لئے دعا فرماتے تھے۔ حدیث کی دوسری دعا اللھم اشد الخ اس بات کی مثال ہے کہ آپ ﷺ قنوت میں ظلم و ستم کے پیکر کفار کے لئے بدو دعا فرماتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ کی بدو دعا کا اثر یہ ہوا کہ اہل مکہ سات سال تک مسلسل قحط میں گرفتار رہے یہاں تک کہ انہوں نے مردار کی ہڈیاں کھا کر زندگی کے وہ سخت دن پورے کئے۔

آیت لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی شان رحمت کے مناسب چونکہ یہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ کسی

کے لئے بدعا فرمائیں اس لئے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے منع فرما دیا گیا کہ کسی شخص کے لئے اس کا نام لے کر آپ ﷺ بدعا نہ فرمائیں چنانچہ شروع باب میں اس کی تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔

کسی آفت و بلا کے وقت و عاقبت فرض نمازوں میں پڑھنی چاہئے: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے مثلاً دشمن حملہ آور ہو، قحط اپنی لپیٹ میں لے لے، کوئی وبا پھیل جائے، خشک سالی ہو جائے، یا اس قسم کی کوئی بھی صورت پیش آجائے جس سے مسلمان مصیبت و تکلیف میں مبتلا ہو جائے تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ تمام فرض نمازوں میں دعاء قنوت پڑھنے کا اہتمام کریں۔ چنانچہ حضرات خفیہ کے یہاں بھی کسی حادثہ اور وبا کے وقت فرض نمازوں میں دعاء قنوت پڑھنا جائز ہے۔

دعاء قنوت پڑھنے کا وقت

② وَعَنْ عَاصِمِ الْأَخْوَطِ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوتِ فِي الصَّلَاةِ كَانَ قَبْلَ الزُّكُوعِ أَوْ بَعْدَهُ قَالَ قَبْلَهُ إِنَّمَا قُنْتُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الزُّكُوعِ شَهْرًا إِنَّهُ كَانَ يَقُولُ أَنَا شَائِقَالُ لَهُمُ الْقُرْآنُ سَبْعُونَ رَجُلًا فَأَصْبَحُوا فَقُنْتُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الزُّكُوعِ شَهْرًا يَذْعُو عَلَيْهِمْ - (مشق علیہ)

”اور حضرت عامر احول کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے دعاء قنوت کے بارے میں پوچھا کہ (صبح کی نماز میں یا وتر کی یا کسی حادثہ کی یاد بادلنے کے وقت ہر فرض نماز میں وہ رکوع سے پہلے پڑھی جاتی تھی یا رکوع کے بعد؟ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رکوع سے پہلے (اور فرمایا کہ) آنحضرت ﷺ نے (صبح کی نماز میں یا سب نمازوں میں) رکوع کے بعد دعاء قنوت صرف ایک مرتبہ پڑھی تھی (اور وہ بھی) اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے چند صحابہؓ کو جنہیں قراء کہتے تھے اور تعداد میں ستر تھے (تبلیغ کے لئے کہیں) بھیجا تھا (وہاں کے لوگوں نے) انہیں شہید کر دیا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ایک مہینہ تک رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھ کر قراء کو شہید کرنے والوں کے لئے بدعا کی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رکوع کے بعد دعاء قنوت کا پڑھنا منسوخ ہو گیا ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔

قراء سبعون کی شہادت کا واقعہ: قراء سبعون یعنی ستر قاری اصحاب صفہ میں سے تھے انہیں قراء اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ قرآن کریم بہت زیادہ پڑھتے اور بہت یاد کرتے تھے۔ حالانکہ یہ حضرات بہت زیادہ غریب اور زائد تھے اور ان کا کام صرف یہ تھا کہ صفہ میں ہر وقت قرآن اور علم کے سیکھنے میں مشغول رہتے تھے لیکن اس کے باوجود جب بھی مسلمان کسی حادثہ میں مبتلا ہوتے تو یہ حضرات پوری شجاعت اور بہادری کے ساتھ حادثہ کا مقابلہ کرتے اور مسلمانوں کی مدد کرتے۔

ان میں سے بعض حضرات تو ایسے تھے جو دن بھر جنگل سے لکڑیاں جمع کر کے لاتے اور انہیں بیچ کر اہل صفہ کے لئے کھانا خریدتے تھے اور رات میں قرآن کریم کی تلاوت و درود میں مشغول رہتے تھے۔

ان خوش نصیب صحابہؓ کو آنحضرت ﷺ نے اہل نجد کی طرف بھیجا تھا تاکہ یہ وہاں پہنچ کر ان قبائل کو اسلام کی طرف بلائیں اور ان کے سامنے قرآن کریم پڑھیں جو کفر و شرک اور ظلم و جہل میں پھنس کر تباہی و بربادی کے راستہ پر لگے ہوئے ہیں جب یہ لوگ بیر معونہ پر جو مکہ اور عسفان کے درمیان ایک موضع ہے، اترے تو عامر بن طفیل، رعل، ذکوان اور قارہ نے ان قراء صحابہؓ پر بڑی بے دردی سے حملہ کیا اور پوری جماعت کو شہید کر ڈالا، ان میں سے صرف ایک صحابی حضرت کعب بن زید انصاریؓ بچ گئے وہ بھی اس طرح کے جب یہ زخمی ہو کر گر گئے اور جسم بالکل نڈھال ہو گیا، تو ان بد بختوں نے یہ سمجھ کر کہ ان کی روح نے بھی جسم کا ساتھ چھوڑ دیا ان سے الگ ہوئے مگر خوش قسمتی سے ابھی ان میں زندگی کے آثار موجود تھے چنانچہ وہ کسی نہ کسی طرح بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوئے اور خدا نے ان کو صحت و

تدرستی عطا فرمائی یہاں تک کہ غزوہ خندق میں شہید ہوئے۔
 ہر حال جب سرور دو عالم ﷺ کو اس عظیم حادثہ اور ظالم کفار ظلم و بربریت کا علم ہوا تو آپ ﷺ کو بے حد غم ہوا، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کو کسی کے لئے اتنا غمگین نہیں دیکھا جتنا کہ آپ ﷺ ان مظلوم صحابہ کے لئے غمگین ہوئے چنانچہ آپ ﷺ مسلسل ایک مہینہ تک قنوت میں ان بد بخت کفار کے لئے بددعا کرتے رہے، یہ واقعہ ۳۷ھ میں پیش آیا۔

الفصل الثانی

دعاء قنوت کس وقت پڑھنی چاہئے؟

③ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا مُمْتًا بَعَاثِي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَصَلَاةَ الصُّبْحِ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ مِنَ الرُّكْعَةِ الْآخِرَةِ يَدْعُو عَلَى أَخِيٍّ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ عَلَى رَعْلٍ وَذُكْوَانَ وَغَضِيَّةَ وَيُؤْمِنُ مَنْ خَلْفَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے مسلسل ایک مہینہ تک (یعنی ہر روز) ظہر، عصر، مغرب، عشاء، اور فجر کی نمازوں کی آخری رکعت میں سبح اللہ لمن حمدہ کے بعد قنوت پڑھی ہے جس میں آپ ﷺ بنی سلیم کے چند قبیلوں رعل، ذکوان اور غصیہ کے لئے بددعا کرتے تھے اور پیچھے کے لوگ (یعنی مقتدی) آمین کہتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہمیشہ فرض نمازوں میں دعا قنوت نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ جب مسلمانوں کے لئے کوئی حادثہ پیش آجائے مثلاً کوئی دشمن حملہ کر دے، قحط پڑ جائے یا کوئی وبا پھیل جائے تو ایسے وقت میں فرض نمازوں میں دعا قنوت پڑھی جائے۔

④ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا ثَمَّ تَرَكَهُ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرور کونین ﷺ نے ایک مہینہ تک (رکوع کے بعد) دعا قنوت پڑھی ہے پھر آپ ﷺ نے (مطلقاً) فرض نمازوں میں یہ دعا کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کو ترک کر دیا۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اکثر اہل علم یہی فرماتے ہیں کہ دعا قنوت نہ تو فجر کی نماز میں مشروع ہے اور نہ وتر کے علاوہ کسی دوسری نماز میں، چنانچہ یہ حضرات اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث بھی ہیں جو فرض نمازوں میں ترک قنوت پر دلالت کرتی ہیں، اہل علم اور محققین اس کی تفصیل مرقاة میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز میں تو دعاء قنوت ہمیشہ پڑھنی چاہئے اور نمازوں میں کسی حادثہ اور وبا کے وقت پڑھی جائے۔

⑤ وَعَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي يَأْأَبَ إِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ هَهُنَا بِالْكُوفَةِ نَحْنُ أَوْ مِنْ خَمْسٍ سَبْعِينَ أَكْثَرًا يُقَاتِلُونَ قَالَ أَيْ بَنِي مُخَذَّتٍ۔

(رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ)

”اور حضرت ابومالک اشجعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد اکرم سے دریافت کیا کہ ابا جان! آپ ﷺ نے سرور کونین ﷺ کے پیچھے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے پیچھے ہمیں کوفہ میں تقریباً پانچ سال تک نماز پڑھی ہے کیا یہ

حضرات دعا قنوت پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ”میرے بیٹے اقنوت بدعت ہے۔“ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: حضرت ابو مالکؓ اپنے والد محترم سے یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ اور خلفاءِ رابعہؓ بھی فجر کی نماز میں اور دیگر نمازوں میں قنوت پڑھتے تھے جیسا کہ اب بعض لوگ ان نمازوں میں قنوت پڑھتے ہیں؟

اس کا جواب ان کے والد نے یہ دیا کہ جو لوگ فجر کی اور دوسری نمازوں میں مستقل طریقہ سے یعنی ہمیشہ دعا قنوت پڑھتے ہیں وہ بدعت میں مبتلا ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے تو وتر کے علاوہ فجر کی نماز میں صرف ایک مہینہ تک قنوت پڑھی ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے ترک کر دیا تھا جیسا کہ ابھی پچھلی حدیث میں ذکر کیا گیا، گویا یہ حدیث حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے۔

حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں نماز فجر کے اندر قنوت نہ پڑھنا ذکر کیا گیا ہے وہ سب ضعیف ہیں لیکن ملا علی قاریؒ نے اس قول کا جواب بہت معقول اور مدلل طریقے سے دیا: نیز انہوں نے خلفاءِ رابعہؓ سے بھی اسی طرح کی روایتیں نقل کی ہیں اس بحث کی تفصیل ان کی شرح میں دیکھی جاسکتی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

آخری نصف رمضان میں اور رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کا مسئلہ

① عَنْ الْحَسَنِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أَبِي إِبْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّي لَهُمْ عَشْرِينَ لَيْلَةً وَلَا يَفْتَتِيهِمْ إِلَّا فِي التَّصْفِيبِ الْبَاقِي فَإِذَا كَانَتِ الْعَشِيرُ الْأَوَّلَى تَخَلَّفَ فَصَلَّى فِي بَيْتِهِ فَكَانُوا يَقُولُونَ أَبَى أَيْبَى رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَشَيْلِ النَّسَبِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوتِ فَقَالَ قَتَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوعِ وَفِي رِوَايَةٍ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ۔

(رواہ ابن ماجہ)

”حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ نے لوگوں کو رمضان میں نماز تراویح کے لئے جمع کیا اور حضرت ابی بن کعبؓ کہ امام بنایا، حضرت ابی بن کعبؓ نے ان کو بیس رات تک نماز پڑھائی اور انہوں نے لوگوں کے ساتھ دعا قنوت سواء آخری نصف رمضان کے اور دنوں میں نہیں پڑھی اور جب آخر کے دس روزے رہ گئے حضرت ابی بن کعبؓ مسجد میں نہ آئے بلکہ (وتر کی) نماز اپنے گھر میں پڑھنے لگے، لوگ کہتے کہ ”ابی بھاگ گئے“ (ابوداؤد) اور حضرت انس بن مالکؓ سے کسی نے دعا قنوت کے بارے میں پوچھا کہ (رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں؟) تو انہوں نے فرمایا کہ ”آنحضرت ﷺ نے دعا قنوت رکوع کے بعد پڑھی ہے“ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ ”آپ ﷺ نے دعا قنوت کبھی رکوع سے پہلے اور کبھی رکوع کے بعد پڑھی ہے۔“

تشریح: حضرت ابی بن کعبؓ ایک جلیل القدر اور بڑی عظمت و شان کے مالک صحابی تھے، جہاں ان کی اور بہت سی امتیازی خصوصیات تھی وہیں آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی میں پورا قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔

نیز یہ کہ صحابہ میں بڑے اوسنے درجہ کے قاری مانے جاتے تھے، اکی وجہ سے آپ کو ”سید القراء“ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کی انہیں خصوصیات کی بنا پر انہیں رمضان میں تراویح کی نماز کے لئے امام مقرر فرمایا تاکہ لوگ ان کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھیں۔

یہ دونوں حدیثیں جو حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہیں حضرات شوافع کی مستدل ہیں۔

پہلی حدیث تو اس بات کی دلیل ہے کہ ”دعا قنوت صرف رمضان کے آخری نصف حصہ میں پڑھی جائے“ علماء احناف فرماتے ہیں کہ اول تو مطلقاً وتر میں دعا قنوت کا پڑھنا مشروع ہوا ہے اور چونکہ وتر کی نماز ہمیشہ پڑھی جاتی ہے اس لئے دعا قنوت بھی ہمیشہ پڑھی جائے گی۔

دوسرے یہ کہ زیادہ ایسی ہی احادیث وارد ہیں جن میں بلا تخصیص رمضان، وتر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا ثابت ہوتا ہے لہذا اس اعتبار سے بھی ہمیشہ وتر کی نماز میں دعاء قنوت کا پڑھنا اولیٰ اور ارجح ہوگا۔

دوسری حدیث شوافع کے لئے اس بات کی دلیل ہے کہ ”دعاء قنوت رکوع کے بعد پڑھی جائے“ اس کا جواب حنفی علماء کی جانب سے یہ دیا جاتا ہے کہ رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھنے کے سلسلہ میں احادیث زیادہ تعداد میں منقول ہیں، پھر یہ کہ صحابہ کا عمل بھی انہیں احادیث کے مطابق نقل کیا گیا ہے اس لئے انہیں احادیث پر عمل کرنا چاہئے۔

جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن سے رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو اس کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ ان احادیث کا تعلق صرف ایک مہینہ سے ہے جب کہ آنحضرت ﷺ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی ہے۔ مستقل طریقہ سے رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھنے سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ رمضان کے آخری نصف حصہ میں خدا کے رسول ﷺ کے باغیوں کے لئے بددعا کرنے کی وجہ سے دعاء قنوت پڑھتے ہوں گے کیونکہ صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ سے منقول ہے کہ:

”جب آدھار رمضان گزر جائے تو (آخری نصف حصہ میں) وتر میں کفار پر لعنت بھیجنا سنت ہے“

ابن ابی ائییہ کے الفاظ کہہ کر لوگوں نے حضرت ابی کو بھاگنے والے غلام کے ساتھ تشبیہ دی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کی نظر میں حضرت ابی کا یہ عمل کہ ”آخری دس دنوں میں مسجد نہیں آئے“ مکروہ معلوم ہوا۔ حالانکہ حضرت ابی کی عذر کی بنا پر ہی رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد نہیں آئے ہوں گے۔

اور عذر دینی ہو سکتا ہے کہ وہ ان ایام میں خلوت اختیار کرتے تھے تاکہ عبادت کا وہ کمال خلوت میں حاصل ہو جائے جو خلوت میں حاصل نہیں ہوتا۔

حدیث کے الفاظ ”آنحضرت ﷺ نے دعاء قنوت رکوع کے بعد پڑھی ہے“ سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صرف ایک مہینہ تک (فجر کی نماز میں) رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھی ہے اور اس پر دلیل بخاریؒ و مسلمؒ کی وہ روایت ہے جو عام احوال سے منقول ہے (ملاحظہ فرمائے اسی باب کی حدیث نمبر ۲)

آخری روایت کا مفہوم یہ ہے کہ ”کبھی (یعنی وتر میں) تو آپ ﷺ دعاء قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے اور کبھی (یعنی کسی حادثہ و وہاب کے وقت) رکوع کے بعد پڑھتے تھے“

اس مفہوم سے ان تمام احادیث میں تطبیق ہو جائے گی جن میں سے بعض روایات نور کو رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں اور بعض روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ”آپ ﷺ رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھتے تھے۔“

بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

ماہ رمضان میں قیام کا بیان

ماہ رمضان میں قیام سے مراد ہے اس بابرکت مہینہ کی مقدس راتوں میں عبادت خداوندی کے لئے یعنی نماز تراویح اور تلاوت قرآن وغیرہ کے لئے جاگتے رہنا۔

نماز تراویح: یہاں اس باب کے تحت زیادہ تراویح سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی اور اس نماز کی فضیلت اور اس کے احکام و مسائل بیان کئے جائیں گے اس موقع پر نماز تراویح کا چند احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

- ۱ رمضان میں نماز تراویح مرد و عورت دونوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے۔
- ۲ جس رات کو رمضان کا چاند دیکھا جائے اسی رات سے تراویح شروع کی جائے اور جب عید کا چاند دیکھا جائے چھوڑ دی جائے۔
- ۳ نماز تراویح روزہ کی تابع نہیں ہے جو لوگ کسی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکیں ان کو بھی تراویح کا پڑھنا سنت ہے اگر نہ پڑھیں گے تو ترک سنت کا گناہ ان پر ہوگا۔
- ۴ نماز تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے اور عشاء کی نماز کے بعد تراویح پڑھ چکا ہو اور اس کے بعد معلوم ہو کہ عشاء کی نماز میں کچھ سو ہو گیا جس کی وجہ سے عشاء کی نماز نہیں ہوئی تو اس عشاء کی نماز کے بعد تراویح کا اعادہ بھی کرنا چاہئے۔
- ۵ اگر عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھی گئی ہو تو تراویح بھی جماعت سے نہ پڑھی جائے اس لئے کہ تراویح عشاء کی تابع ہے ہاں جو لوگ جماعت سے عشاء کی نماز پڑھ کر تراویح جماعت سے پڑھ رہے ہوں ان کے ساتھ شریک ہو کر اس شخص کو بھی تراویح کا جماعت سے پڑھ لینا درست ہو جائے گا۔ جس نے عشاء کی نماز بغیر جماعت کے پڑھی ہے اس لئے کہ وہ ان لوگوں کا تابع سمجھا جائے گا جن کی جماعت درست ہے۔
- ۶ اگر کوئی مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ عشاء کی نماز ہو چکی ہو تو اسے چاہئے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے پھر تراویح میں شریک ہو اور اس درمیان میں تراویح کی کچھ رکعتیں ہو جائیں تو ان کو توڑنے کے بعد پڑھے۔
- ۷ مہینہ میں ایک مرتبہ قرآن مجید کا ترتیب وار تراویح میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے لوگوں کا فاطمی یا سنی کی وجہ سے اس کو ترک نہ کرنا چاہئے ہاں اگر یہ اندیشہ ہو کہ پورا قرآن مجید پڑھا جائے گا تو لوگ نماز میں نہ آئیں گے اور جماعت ٹوٹ جائے یا ان کو بہت ناگوار ہو گا تو بہتر ہے کہ جس قدر لوگوں کو گراں گذرے اسی قدر پڑھا جائے۔ باقی الم تر کیف سے آخر تک کی اس سورس پڑھ دی جائیں۔ ہر رکعت میں ایک سورت پھر جب دس رکعتیں ہو جائیں تو انہیں سورتوں کو دوبارہ پڑھ دے یا اور سو سورتیں چاہے پڑھے۔
- ۸ ایک قرآن مجید سے زیادہ نہ پڑھا جائے تا وقتیکہ کہ لوگوں کا شوق نہ معلوم ہو جائے۔
- ۹ ایک رات میں پورے قرآن مجید کا پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ کہ لوگ شوقین ہوں کہ انہیں گراں نہ گذرے اگر گراں گذرے اور ناگوار ہو تو مکروہ ہے۔
- ۱۰ تراویح میں کسی سورت کے شروع پر ایک مرتبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھ دینا چاہئے اس لئے کہ بسم اللہ بھی قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔ اگرچہ کسی سورت کا جز نہیں، پس اگر بسم اللہ بالکل نہ پڑھی جائے تو مقتدیوں کا قرآن مجید پورا نہ ہوگا۔
- ۱۱ تراویح کا رمضان کے پورے مہینے میں پڑھنا سنت ہے اگرچہ قرآن مجید مہینہ پورا ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے مثلاً پندرہ روز میں یا بیس روز میں پورا قرآن مجید پڑھ دیا جائے تو بقیہ پندرہ یا دس روز میں تراویح کا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔
- ۱۲ صحیح یہ ہے کہ تراویح میں قل ہو اللہ کا تین مرتبہ پڑھنا جیسا کہ آجکل دستور ہے مکروہ ہے۔
- ۱۳ نماز تراویح کی نیت اس طرح کی جائے تَوَيْتُ اَنْ اُصَلِّيَ ذِكْعَتِي صَلَوةَ التَّرَاوِيحِ سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَصْحَابِهِ میں دو رکعت نماز تراویح پڑھنے کی نیت کرتا ہوں جو نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کی سنت ہے۔
- ۱۴ نماز تراویح پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو دیگر نمازوں کا ہے۔

الفصل الاول

باجماعت نماز تراویح سنت ہے

- ① عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ حُجْرَةً فِي الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِيرٍ فَصَلَّى فِيهَا لَيْلِي حَتَّى

اجتمع عليه ناس ثم فقدوا صلاته ليلة وظنوا انه قد نام فجعل بعضهم يتنحش لينخرج اليهم فقال ما زال بكُم الذي رايت من صنيعةكم حتى خشيت ان يكتب عليكم ولو كتب عليكم ما قنتم به فصلوا ايها الناس في بيوتكم فان افضل صلاة المزمع في بيته الا الصلاة المكتوبة۔ (متن علیہ)

”حضرت زید ابن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے (رمضان میں) مسجد میں پورے کا ایک حجرہ بنایا اور کی راتیں اس میں (تراویح کے علاوہ نفل) نماز پڑھی (جب لوگ جمع ہو جاتے تو آنحضرت ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لاتے اور فرائض و تراویح جماعت کے ساتھ پڑھتے) یہاں تک کہ (ایک روز بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے) آنحضرت ﷺ چونکہ فرض نماز پڑھ کر حجرہ میں تشریف لے جا چکے تھے اور جیسا کہ آپ ﷺ کا معمول تھا کچھ دیر کے بعد باہر تشریف نہ لائے اس لئے لوگوں نے آپ کی کوئی آہٹ محسوس نہیں کی چنانچہ وہ یہ سمجھے کہ آپ ﷺ سو گئے اور لوگوں نے کھانا شروع کیا تاکہ آپ ﷺ (بیدار ہو جائیں اور نماز تراویح کے لئے باہر تشریف لے آئیں) (جیسا کہ آپ ﷺ گذشتہ راتوں تشریف لاتے تھے) آنحضرت ﷺ نے (حجرہ سے باہر نکل کر یا اندر ہی سے) فرمایا کہ ”تمہارا کام جو میں دیکھ رہا ہوں برابر جاری رہے (یعنی جماعت سے تراویح پڑھنے کا شوق اور عبادت کے معاملہ میں تمہارا یہ جذبہ ہمیشہ رہے اور پھر فرمایا) لیکن مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے (یعنی اگر میں ہمیشہ نماز تراویح جماعت سے پڑھتا تو یہ نماز تم پر فرض ہو جاتی) اور اگر یہ نماز فرض ہو جاتی تو تم اس کی ادائیگی سے قاصر رہتے، لہذا اسے لوگوں کو تم اپنے گھروں میں نماز پڑھا کر و کیونکہ انسان کی بہترین نماز وہی ہے جسے اس نے اپنے گھر میں پڑھا ہو سوائے فرض نماز کے (کہ اسے مسجد میں ہی پڑھنا افضل ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے مسجد نبوی میں اعکاف کے لئے پورے کا ایک حجرہ سامنا لیا تھا۔ اسی میں آپ ﷺ رمضان کی باپ رکت اور مقدس ساعتوں میں عبادت خداوندی اور ذکر اللہ میں مشغول رہا کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں پورے کا یا اسی قسم کی کسی دوسری چیز کا معتکف بنالینا جائز ہے لیکن یہ شرط ہے کہ اپنی حاجت و ضرورت سے زیادہ جگہ نہ روکی جلے ورنہ تو بصورت دیگر حرام ہوگا کیونکہ زیادہ جگہ گھیرنے سے دوسرے نمازیوں کو تنگی ہوگی بشرطیکہ جگہ ایسی ہو جس کی لوگوں کو احتیاج اور ضرورت ہو اگرچہ کبھی کبھی ہی ضرورت ہو یا اگر کوئی شخص قرینہ سے جانتا ہو کہ اگر لوگ بہت تعداد میں بھی مسجد میں آجائیں گے تب بھی معتکف کے لئے گھیری ہوئی جگہ کی انہیں احتیاج نہیں ہوگی تو ایسی صورت میں ضرورت سے زیادہ بھی جگہ گھیر لینا حرام نہیں ہوگا یہ تفصیل اس بات پر بصراحت دلالت کرتی ہے کہ ایام حج میں مسجد حرام کے اندر لوگوں کو تنگی میں مبتلا کرنا حرام ہے۔

یہ حدیث جہاں آنحضرت ﷺ کی امت کے حق میں انتہائی شانِ رحمت کی غمازی کر رہی ہے کہ آپ نے نماز تراویح کی جماعت پر اس لئے مداومت نہیں فرمائی کہ کہیں یہ نماز امت کے لئے فرض ہی قرار نہ دیدی جائے جس سے امت کے لوگ تنگی و پریشانی میں مبتلا ہو جائیں۔ وہیں یہ حدیث اس بات کی بھی صریح دلیل ہے کہ تراویح کی نماز باجماعت پڑھنا سنت ہے۔

فصلوا ايها الناس الخ (لہذا) اے لوگوں! تم اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو) میں امرِ استحبالی ہے یعنی آپ ﷺ نے یہ حکم وجوب اور لزوم کے طور پر نہیں دیا بلکہ مقصد یہ ہے کہ فرض نماز کے علاوہ دیگر سنن و نوافل گھروں میں پڑھنے بہتر اور مناسب ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عام لگا ہوں سے بچ کر گھروں میں سنت و نفل نماز پڑھنے میں ریاء و نمائش کا کوئی ادنیٰ سا جذبہ بھی ظاہر نہیں ہو جو ظاہر ہے کہ عبادت کے سلسلہ میں انتہائی مستحسن اور مطلوب ہے۔

فان افضل الصلوة الخ (انسان کی بہترین نماز وہی ہے جسے اس نے اپنے گھر میں پڑھا ہو) یہ حکم تمام سنن و نوافل نمازوں کے بارے میں ہے کہ کوئی بھی سنت یا نفل نماز ہو سب سے بہتر وہی نماز ہے جسے نمازی نے عام لگا ہوں سے بچ کر اپنے گھر میں پڑھا ہو مگر وہ نوافل اس حکم میں شامل نہیں ہیں جو شعارِ اسلام میں سے ہیں مثلاً نماز کسوف، نماز استسقاء اور نماز عیدین کیونکہ ان نمازوں کو مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے۔

نیز مسافروں کے لئے کعبہ اور مسجد نبوی بھی ان احکام میں شامل نہیں ہیں یعنی اگر کسی خوش نصیب کو کعبہ اللہ اور مسجد نبوی کی زیارت کا شرف حاصل ہو اور وہ مسافر ہو تو اس کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ فرض نمازوں کے ساتھ سنن و نوافل بھی مسجد حرام یا مسجد نبوی میں ہی پڑھے کیونکہ مسافروں کو یہ موقع کبھی کبھی نصیب ہوتا ہے کہ وہ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کر سکیں اس لئے مسافر اس موقع کو غنیمت جانے اور زیادہ سے زیادہ نمازیں مسجد حرام اور مسجد نبوی میں پڑھے۔

اور یہ (یعنی مسجد حرام اور مسجد نبوی کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دینا) اس بات پر قیاس کیا جاتا ہے کہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ مسافروں کے لئے کعبہ اللہ کا طواف نفل نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ واللہ اعلم

رمضان کی راتوں میں عبادت کرنے کی فضیلت

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرْغَبُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْتُرَهُمْ فِيهِ بِغَيْرِ نِيَّةٍ فَيَقُولُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ فَتَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَكْثَرُ عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرَ امِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلَى ذَلِكَ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ قیام رمضان (یعنی نماز تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے لیکن تاکید کے ساتھ صحابہ کو کوئی حکم نہیں دیا کرتے تھے چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ”جو شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ حصول ثواب کے لئے (یعنی ریاء و نمائش کے جذبہ کے ساتھ) جیسے بلکہ محض اللہ جل شانہ کی رضا و خوشنودی کے لئے رمضان میں قیام کرتا ہے اس کے پہلے گناہ صغیرہ بخش دیئے جاتے ہیں“ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور قیام رمضان کا معاملہ اسی طرح رہا یعنی نماز تراویح کے لئے جماعت مقرر نہیں تھی بلکہ جو جانتا تھا حصول ثواب کے لئے پڑھ لیتا تھا پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں بھی یہی صورت رہی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کے ابتدائی ایام میں بھی یہی معمول رہا (اور حضرت عمرؓ نے نماز تراویح کے لئے جماعت کا حکم دیا اور اس کا التزام کیا۔) (مسلم)

تشریح: ”صحیح اعتقاد اور حصول ثواب کے لئے رمضان میں قیام کرنے“ کا مطلب یہ ہے کہ ”رمضان کی مقدس و بابرکت راتوں میں عبادت خداوندی کے لئے شب بیداری کرنا“ یا اس سے یہ بھی مراد ہے کہ ”جو شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ نماز تراویح پڑھے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان رکھتا ہو اور اس بات کو جانتا ہو کہ رمضان کی راتوں میں عبادت خداوندی میں مشغول ہونا مثلاً نماز تراویح وغیرہ کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کے قریب اور اس کی رضا و خوشنودی کا باعث ہے تو اس کے وہ گناہ صغیرہ جو اس سے سرزد ہو چکے ہیں معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

سنت و نفل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت اور اس کے اثرات

③ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قُضِيَ أَحَدُكُمْ الصَّلَاةُ فِي مَنْسَجِدِهِ فَلْيَجْعَلْ لِنَيْبِهِ نَصِيئَتًا مِنْ صَلَاتِهِ فَإِنَّ اللَّهَ جَاعِلٌ فِي نَيْبِهِ مِنْ صَلَاتِهِ خَيْرًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص اپنی (فرض) نماز مسجد میں پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی نماز کا کچھ حصہ اپنے گھر کے لئے بھی رکھے (یعنی سنت و نوافل بلکہ قضاء بھی گھر میں پڑھے) کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی نماز کے سبب اس کے گھر میں بھلائی پیدا کرتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ گھروں میں سنن و نوافل پڑھنے کی فضیلت اور گھر میں ان نمازوں کے پڑھنے کے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کو بتایا جا رہا ہے چنانچہ فرمایا کہ جو شخص فرض نماز مسجد میں پڑھتا ہے اور سنت و نفل گھر میں پڑھتا ہے اس کے گھر میں اللہ تعالیٰ اس نماز

کے سبب سے بھلائی پیدا فرماتا ہے یعنی گھروالوں کو نیک توفیق دیتا ہے اور کمینوں کے رزق و عمر میں برکت عطا فرماتا ہے۔
نماز تراویح اس حکم میں شامل نہیں ہے کیونکہ بالاتفاق یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز تراویح کے مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔ اور صحابہؓ کا بھی اس پر اجماع تھا۔

اس حدیث کو جو بظاہر اس باب سے متعلق نہیں ہے اس باب میں نقل کر کے گویا (اس طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ رمضان میں بھی کچھ نمازیں گھر میں بھی پڑھنی چاہیں۔

الفصل الثانی

رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں میں آنحضرت ﷺ کی عبادت

④ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ صُنَّامَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَاشِئِنَا مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى يَبْقَى سَبْعُ فَلَاحَ بَنَّا حَتَّى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَاشِئِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَاشِئِنَا حَتَّى ذَهَبَ سَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ نَقَلْنَا قِيَامَ هَذِهِ اللَّيْلَةِ فَقَالَ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَاشِئِنَا حَتَّى يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ وَالتَّاسِ قَامَ بِنَاشِئِنَا حَتَّى خَشِينَا أَنْ يَلْفُتَنَا الْفَلَاحُ قُلْتُ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ السَّحُورُ لَمْ يَقُمْ بِنَاشِئِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ زَوْاهُ أَبُو ذَرٍّ وَالتَّيْمِذِيُّ وَالتَّسَائِيُّ وَزَوْاؤُنِي مَاجَةٌ نَحْوُهُ إِلَّا أَنَّ التَّيْمِذِيَّ لَمْ يَذْكُرْ لَمْ يَقُمْ بِنَاشِئِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ۔

”حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے (رمضان میں) سراج دو عالم ﷺ کے ہمراہ روزے رکھے، آپ ﷺ نے مہینے کے اکثر ایام میں ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا (یعنی آپ ﷺ نے رمضان کی راتوں میں ہمارے ساتھ فرض نماز کے علاوہ کوئی اور نماز نہیں پڑھی) یہاں تک کہ جب سات راتیں باقی رہ گئیں (یعنی تیسویں شب آئی) تو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ تہائی رات تک قیام (یعنی ہمیں نماز تراویح پڑھائی) جب چار راتیں باقی رہ گئیں (یعنی پچیسویں شب آئی) تو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ آدھی رات تک قیام کیا میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کاش آج کی رات قیام اور زیادہ کرتے (یعنی اگر آپ ﷺ آدھی رات سے بھی زیادہ تک ہمیں نماز پڑھاتے رہتے تو بہتر ہوتا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جب کوئی شخص (فرض) نماز امام کے ساتھ پڑھتا ہے تو اس سے فارغ ہو کر واپس جاتا ہے تو اس کے لئے پوری رات کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے (یعنی عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کی وجہ سے اسے پوری رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے نیز یہ کہ نوافل کا اسی وقت پڑھتے رہنا مناسب اور بہتر جب تک دل لگے) جب چار راتیں باقی رہ گئیں (یعنی چھبیسویں شب آئی) تو ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا یہاں تک کہ تہائی رات باقی رہ گئی (اور ہم اسی انتظار میں لگے رہے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائیں اور ہمیں نماز پڑھائیں) جب تین راتیں باقی رہ گئیں (یعنی ستائیسویں شب آئی) تو آنحضرت ﷺ نے اپنے گھروالوں، اپنی عورتوں اور سب لوگوں کو جمع کیا اور ہمارے ساتھ قیام کیا (یعنی تمام رات میں نماز پڑھتے رہے) یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں فلاح فوت نہ ہو جائے ”راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا ”فلاح کیا ہے؟“ حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا کہ (فلاح سے مراد) سحر کا کھانا (ہے) پھر آنحضرت ﷺ نے ہمارے ساتھ مہینہ کا باقی دنوں میں (یعنی اٹھائیسویں اور اسیسویں شب میں) قیام نہیں کیا ”ابو ذرؓ، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے نیز ترمذی نے اپنی روایت میں ثم لم یقم بنابقیة الشهر (یعنی آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ مہینہ کے باقی دنوں میں قیام نہیں کیا، کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان کے پہلے دو عشروں میں تراویح کی نماز صحابہؓ کو نہیں پڑھائی اس کا

سبب وہی ہے جو پہلی حدیث میں گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”مجھے اندیشہ ہے کہ یہ نماز فرض نہ ہو جائے“ حدیث کے الفاظ حتیٰ بقی یسبع الخ (یعنی یہاں تک کہ جب سات راتیں باقی رہ گئیں) کے بارہ میں علامہ طہیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حساب باعتبار یقین کے ہے یعنی ایس دن کا مہینہ یعنی ہے اکیس پر حساب لگایا ہے جیسا کہ ترجمہ کے دوران قوسین میں اس کی وضاحت کر کے اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

”سحر کھانے“ کو ”فلاح“ اس لئے کہا ہے کہ اس کے ذریعہ روزہ رکھنے کی قوت و طاقت حاصل ہوتی ہے جو درحقیقت فلاح کا سبب ہے۔ آخری راتوں میں قیام کا تفاوت فضیلت کے تفاوت کے اعتبار سے تھا یعنی جن راتوں کی فضیلت کم تھی ان راتوں میں قیام کم کیا اور جن راتوں کی فضیلت زیادہ تھی ان میں فضیلت کی اسی زیادتی کے مطابق قیام بھی زیادہ کیا یہاں تک کہ ستائیسویں شب میں آپ ﷺ نے تمام رات قیام کیا۔ کیونکہ اکثر علماء کے قول کے مطابق ”لیلۃ القدر“ ستائیسویں ہی شب ہے یہی وجہ کہ آپ ﷺ نے اس رات میں اپنے گھروالوں، عورتوں کو جمع کیا اور سب کے ساتھ پوری رات عبادت خداوندی میں مشغول رہے۔

ماہ شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت

(۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ فِإَذَا هُوَ بِالْبَيْتِ فَقَالَ أَكُنْتُ تَخَافِينَ أَنْ يَخِيفَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَرَسُولُهُ قُلْتُ بَارِسُوكَ اللَّهُ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ بَسَائِكَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَنْزِلُ لَيْلَةَ التَّصْفِ مِنْ شُعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقْفُزُ لَا كُفْرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمٍ كُلِّبَ رِوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حَاجَةَ وَزَادَ زَيْنٌ مِمَّنْ اسْتَحَقَّ النَّارَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ يَحْيَى الْبُخَارِيُّ يُضَعِّفُ هَذَا الْحَدِيثَ۔

”اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک (مرتبہ اپنی باری میں) رات کو میں نے سرتاجِ دو عالم ﷺ کو بستر نہیں پایا (جب میں نے تلاش کیا تو) یکایک کیا دیکھتی ہوں کہ آپ ﷺ بقیع میں موجود ہیں (مجھے دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا تمہیں اس بات کا خوف تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے؟“ میں نے عرض کیا کہ: ”یا رسول اللہ ﷺ! مجھے خیال ہوا تھا کہ آپ ﷺ اپنی کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نصف ماہ شعبان کی رات (یعنی شعبان کی پندرہویں شب) میں آسمان دنیا (یعنی پہلے آسمان) پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ بنو کلب (کی بیویوں) کے ریوڑ کے بالوں سے بھی زیادہ تعداد میں گناہ بخشا ہے اور رزینؓ نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”مومنین میں سے) جو لوگ دوزخ کے سستی ہو چکے ہیں انہیں بخشا ہے“ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ”میں نے محمدؐ یعنی امام بخاریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ“ یہ حدیث ضعیف“ ہے۔“ (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: ”بقیع“ مدینہ منورہ میں ایک قبرستان کا نام ہے اسی کو جنت البقیع بھی کہتے ہیں۔

یہاں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا ہے ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ اسی واقعہ کو ذرا تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان فرماتی ہیں کہ ”جب میں نے آنحضرت ﷺ کو (رات کو) اپنی باری کے موقع پر (بستر نہیں پایا تو میں نے اپنے بدن پر اپنے کپڑے لپیٹے اور آپ ﷺ کے نقش قدم ڈھونڈتی ہوئی باہر نکل گئی اچانک میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ بقیع میں سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں اور سجدہ بھی آپ ﷺ نے اتنا دیر کیا کہ مجھے تو یہ شبہ ہوا کہ (خدا نخواستہ) آپ ﷺ کا وصال ہو گیا ہے جب آپ ﷺ (بہت دیر کے بعد سجدہ سے اٹھ کر) سلام پھیر چکے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم ڈرتی تھیں کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے ساتھ ظلم کا معاملہ کریں گے، یعنی تمہیں یہ خیال ہو گیا تھا کہ میں تمہاری باری چھوڑ کر کسی اور بیوی کے یہاں چلا گیا ہوں؟“ (اس جملہ میں ”اللہ“ کا ذکر زینت اور حسن کلام کے لئے ہے)

اس کے بعد حضرت عائشہؓ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ”یا رسول اللہ! میں نے یہ گمان نہیں کیا کہ (نعوذ باللہ) خدا اور خدا کے

رسول ﷺ نے میرے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا ہے بلکہ مجھے تو خیال ہو گیا تھا کہ یا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یا اپنے ہی اجتہاد سے میرے پاس سے اٹھ کر کسی دوسری بیوی کے یہاں چلے گئے ہیں۔

حضرت علامہ ابن حجرؒ حضرت عائشہؓ کے اس جواب کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ ”خدا نخواستہ اگر حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے جواب میں نعم (جی ہاں) فرمادیتیں تو معاملہ اتنا نازک تھا کہ حضرت عائشہؓ کا یہ جواب کفر شہار ہوتا مگر حضرت عائشہؓ اپنی فراست اور ذہانت سے صورت حال سمجھ گئیں اس لئے جواب انہوں نے اس پیرایہ سے دیا کہ اپنی پریشانی و حیرانی کا عذر بیان کیا پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے پاس سے اٹھ آنے کا عذر بیان کیا کہ ”شعبان کی پندرہویں شب میں اللہ جل شانہ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے یعنی اپنی رحمت کاملہ کا فیضان اس بیکراں طور پر ہوتا ہے کہ قبیلہ بنو کلب کے ربوڑ کے جنتے بال ہیں ان سے بھی زیادہ لوگوں کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ لہذا یہ وقت چونکہ برکات ربانی اور تجلیات رحمانی کے اترنے کا تھا اس لئے میں نے چاہا کہ ایسے بابرکت اور مقدس وقت میں اپنی امت کے لوگوں کے بخشش کی دعا کروں چنانچہ میں جنت البقیع میں پہنچ کر اپنے پروردگار کی مناجات اور اس سے دعا مانگنے میں مشغول ہو گیا۔“

یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ آخر روایت میں حضرت امام ترمذیؒ کے قول سے معلوم ہوا۔ لیکن جیسا کہ پہلے بھی کی جگہ بتایا جا چکا ہے کہ فضائل اعمال کے سلسلہ میں ضعیف احادیث پر عمل کرنا بالاتفاق جائز ہے۔
یہ حدیث اگرچہ اس باب سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی لیکن معنوی طور پر اس حدیث کو باب سے مناسبت یہ ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب بھی اپنی فضیلت و برکت کی زیادتی کی بناء پر قیام رمضان کے مقدمہ کی مانند ہے۔ واللہ اعلم۔

نفل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت

① وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ فِي مَسْجِدِي هَذَا إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت زید ابن ثابتؓ ثابت راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”آدی کی اپنے گھر میں پڑھی ہوئی نماز اس نماز سے بہتر ہے جو میری مسجد (یعنی مسجد نبویؐ) میں پڑھی جائے علاوہ فرض کے (کہ فرض نماز مسجد ہی میں پڑھنی بہتر ہے)۔“ (ابوداؤد و ترمذی)
تشریح: باوجود یہ کہ مسجد نبویؐ میں ایک نماز کا ثواب ہزار نماز کے ثواب کے برابر ہوتا ہے لیکن نفل نمازوں کو گھروں میں ہی پڑھنا مسجد نبویؐ میں نفل نماز پڑھنے سے افضل قرار دیا گیا ہے کیونکہ گھروں میں پڑھی گئی نماز یا و نمائش کے جذبہ سے بالکل پاک و صاف ہوتی ہے۔
آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد اس وقت کا ہے جب کہ آپ ﷺ نے رمضان میں چند شب کا قیام ترک کر دیا تھا اور اس کا عذر بیان کرتے ہوئے گھروں میں نماز پڑھنے کی فضیلت بیان کی اور پھر فرمایا کہ جاؤ اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔

نماز تراویح گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں: اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے حضرت امام مالکؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ اور بعض شوافع نے یہ کہا ہے کہ نماز تراویح کے سلسلہ میں افضل یہ ہے کہ یہ نماز گھر میں تنہا پڑھی جائے جہاں تک آنحضرت ﷺ کے عمل کا سوال ہے کہ آپ نے نماز تراویح مسجد میں پڑھی ہے تو اس بارہ میں ان حضرات کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسجد میں نماز تراویح بیان جواز کے خاطر پڑھی تھی۔ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ معکف تھے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، شوافع علماء کی اکثریت اور بعض مالکیہ حضرات کا متفقہ طور پر یہ مسلک ہے کہ نماز تراویح کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ اور اس کے بعد کے دوسرے صحابہؓ نے اس نماز کو مسجد ہی میں پڑھنا مقرر کیا اور پھر اسی پر تمام مسلمانوں کا بیٹھ عمل رہا، کیونکہ نماز تراویح شعار دین ہے۔ اور نماز عیدین کے مشابہ ہے۔ فقہ کی

کتابوں میں اس مسئلہ میں مختار اور بہتر طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی ایسا آدمی ہو جو مسلمانوں کی پیشوائی و رہبری کے مرتبہ پر فائز ہو اور اس کی وجہ سے جماعت میں کثرت ہوتی ہو تو اسے چاہئے کہ وہ نماز تراویح مسجد میں پڑھے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر جائز ہے کہ گھر ہی میں پڑھ لی جائے۔

الْفَضْلُ الثَّالِثُ

حضرت عمرؓ کا نماز تراویح کے لئے جماعت مقرر کرنا

④ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةَ إِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ يُصَلُِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ وَيُصَلُِّي الرَّجُلُ فَيُصَلُِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ إِنِّي لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى وَاحِدٍ لَكَانَ امْتَلَأَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أَبِي بَكْرٍ قَالَ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةَ أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ قَارِيهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعِمَّتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ وَالَّتِي تَتَأَمُّونَ عَلَيْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي تَقُومُونَ بِهَا يُرِيدُ أَخِي اللَّيْلَ وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ۔

(رواہ البخاری)

”حضرت عبدالرحمن ابن عبدالقاریؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ رمضان کی) رات میں حضرت عمر فاروقؓ کے ہمراہ مسجد میں گیا وہاں ہم نے کیا دیکھا کہ لوگ متفرق اور بکھرے ہوئے تھے (یعنی) کوئی تو (عشاء کی نماز کے بعد نفل) نماز تنہا پڑھ رہا تھا اور کوئی اس طرح پڑھ رہا تھا کہ چند آدمی اور بھی اس کے ساتھ تھے (گویا کچھ لوگ تو الگ الگ تراویح کی نماز پڑھ رہے تھے اور کچھ لوگ جماعت کے ساتھ پڑھ رہے تھے یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ”اگر میں ان لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو بہتر ہوگا“ چنانچہ انہوں نے اس کا ارادہ کر لیا اور سب لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے جمع کر دیا (یعنی انہیں نماز تراویح کے لئے لوگوں کا امام مقرر کر دیا) حضرت عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں کہ ”پھر اس کے بعد میں ایک رات حضرت عمرؓ کے ہمراہ مسجد میں گیا، وہاں سب لوگ اپنے امام یعنی حضرت ابی ابن کعبؓ کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے (یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”اچھی بدعت ہے“ اور (تراویح کی) اس وقت کی نماز جب کہ تم سوتے رہتے ہو اس وقت کی نماز سے بہتر ہے“ اس سے حضرت عمرؓ کی مراد آخری رات تھی (یعنی حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ تراویح کی نماز رات کے آخری حصہ میں پڑھنی رات کے اول وقت پڑھنے سے بہتر ہے کیونکہ) اس وقت لوگ تراویح کی نماز اول وقت پڑھ لیا کرتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: نعمت البدعة (یہ اچھی بدعت ہے) کا مطلب یہ ہے کہ یہ جماعت کا مقرر ہونا اچھی بدعت ہے ہے کہ اصل جماعت گویا حضرت عمرؓ نے تقرر جماعت کو اچھی بدعت کہا نہ کہ اچھی بدعت سے ان کی مراد اصل جماعت تھی کیونکہ جماعت تو آنحضرت ﷺ کے عمل سے ثابت ہو چکی ہے کہ آپ ﷺ نے کسی مرتبہ تراویح کی نماز جماعت سے پڑھی جیسا کہ پچھلی حدیثوں میں گزر چکا ہے ویسے اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تقریر جماعت بھی ”اچھی بدعت“ سے آگے بڑھ کر سنت کے درجہ میں آجاتا ہے کیونکہ خلفاء راشدین کے قائم کئے ہوئے طریقے بھی سنت ہی ہیں۔

بہر حال حاصل یہ ہے کہ یہاں ”بدعت“ کے لغوی معنی کا اعتبار ہے نہ کہ ان معنی کا جو فقہاء کی اصطلاح میں مفہوم ہوتا ہے۔

تراویح کی رکعتوں کی تعداد

⑤ وَعَنْ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ أَبِي بَكْرٍ كَعْبُ وَنَعِيمًا الدَّارِيَّ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ لَيْلَةَ رَمَضَانَ بِأَحَدِي عَشْرَةَ رَكْعَةً فَكَانَ الْقَارِيُّ يَقْرَأُ بِالْمِائِينَ حَتَّى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعَصَاءِ مِنْ طَوْلِ الْقِيَامِ فَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ إِلَّا فِي ثُلُثِ لَيْلَةِ الْقَبْرِ۔

(رواہ مالک)

”اور حضرت سائب ابن زیدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ رمضان کی راتوں میں لوگوں کو تراویح کی گیارہ رکعت نماز پڑھائیں اور (اس وقت) امام (تراویح میں) وہ سورتیں پڑھا کرتا تھا جن میں سے ہر ایک میں ایک سو سے زیادہ آیتیں ہیں، چنانچہ قیام کے طویل ہونے کی وجہ سے ہم اپنے عصا کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے اور فجر کے قریب نماز سے فارغ ہوتے تھے۔“ (مالک)

تشریح: حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تیم داریؓ دونوں کو امامت کے حکم کا مطلب یہ تھا کہ کبھی وہ امام نہیں اور کبھی وہ، لہذا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے دونوں کو باری باری نماز پڑھانے کا اس طرح حکم دیا ہو کہ کچھ رکعتیں حضرت ابی بن کعبؓ پڑھائیں اور کچھ رکعتیں تیم داریؓ پڑھائیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ دونوں کو الگ الگ راتوں میں امامت کا حکم دیا ہو یا اس طور کہ کچھ راتوں میں ایک امامت کرے اور کچھ راتوں میں دوسرا۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی گیارہ رکعتیں ہیں جیسا کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا، حالانکہ علماء لکھتے ہیں کہ یہ بات پایہ ثبوت کو صحت کے ساتھ پہنچ سکی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں تراویح کی بیس رکعتیں پڑھ جاتی تھیں لہذا اس حدیث کے بارہ میں یقین کہا جائے گا کہ حضرت عمرؓ کبھی تو بیس رکعتیں پڑھتے ہوئے اور کبھی گیارہ رکعتوں پر ہی اکتفا کرتے ہوں گے۔ یا یہ کہ آنحضرت ﷺ سے چونکہ تراویح کی گیارہ رکعتیں پڑھنی ثابت ہوئی ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ کے عمل مبارک سے مشابہت کے قصد سے حضرت عمرؓ نے بعض راتوں میں گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا پھر اس کے بعد تراویح کی بیس رکعتیں ہی مستقل طور پر مقرر کر لیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے بھی ایک روایت تیس رکعتیں پڑھنی منقول ہوئی ہیں جن میں تین رکعتیں وتر کی شامل ہیں۔

نفل نماز میں سہارا لینا جائز ہے: حدیث کے الفاظ کنا نعتمد علی العصا کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تراویح میں اتنی طویل قرات کی جاتی تھی کہ ہم لوگ قیام میں کھڑے کھڑے تھک جاتے تھے جس کی وجہ سے اپنے عصا سے ٹیک لگا کر کھڑے ہونے پر ہم لوگ مجبور ہوتے تھے چنانچہ اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ نفل نمازوں میں یوں تو عام طور پر بھی لیکن خاص طور پر ضعف کی حالت میں ٹیک لگانا یا کسی چیز کا سہارا لینا جائز ہے۔

⑨ وَعَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ مَا أَدْرَكْنَا النَّاسَ إِلَّا وَهُمْ يُلْعَنُونَ الْكُفْرَةَ فِي رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ الْقَارِي يَقْرَأُ سُورَةَ بَقَرَةَ فِي ثَمَانِيَةِ رَكَعَاتٍ فَإِذَا قَامَ بِهَا فِي ثَلَاثِي عَشْرَةِ رَكَعَاتٍ زَامِيَ النَّاسَ أَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت اعمرؓ (تابعی) فرماتے ہیں کہ ”ہم نے ہمیشہ لوگوں کو دیکھا کہ وہ رمضان (کے روزوں) میں کفار پر لعنت بھیجا کرتے تھے اور (اس زمانہ میں) قاری (یعنی نماز تراویح کا امام) سورہ بقرہ کو آٹھ رکعتوں میں پڑھا کرتا تھا اور جو (کبھی) سورہ بقرہ کو بارہ رکعتوں میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ نماز ٹکی پڑھ گئی ہے۔“ (مالک)

تشریح: گو حدیث سے بصراحت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کفار پر لعنت پورے رمضان کے دنوں کے ساتھ مخصوص تھا۔ اس طرح تمام حدیثوں میں تطبیق پیدا ہو جائے گی چنانچہ اس مفہوم کو اختیار کرنے کے بعد یہ حدیث حضرت عمرؓ کی اس حدیث کے منافی نہیں ہوگی جس سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب رمضان کا نصف حصہ گزر جائے تو وتروں میں کفار پر لعنت بھیجنا سنت ہے۔

کفار پر لعنت بھیجنے کا سبب یہ تھا کہ جب کفار نے اس بابرکت اور مقدس و با عظمت مہینہ کی تعظیم نہ کی جس کی عظمت و بزرگی خود باری تعالیٰ عزاسمہ نے بیان فرمائی ہے اور سرچشمہ ہدایت و فیضان کلام اللہ سے ذرہ برابر بھی ہدایت حاصل نہیں کی جو اسی با عظمت مہینہ میں نازل ہوا ہے تو وہ اس بات کے مستحق ہونے کے ان پر لعنت بھیجی جائے۔

نماز تراویح کی رکعتوں کی تعداد کے بارہ میں ابھی پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے ایک مرتبہ پھر سمجھ لیجئے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز تراویح کی

رکعتوں کی کوئی تعداد متعین نہیں فرمائی تھی بلکہ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کا عمل مختلف رہا ہے۔ آپ ﷺ سے آٹھ رکعتیں بھی مستون ہیں اور یہ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے گیارہ رکعتیں پڑھی ہیں۔ اسی طرح تیرہ اور بیس رکعتیں بھی آپ ﷺ سے پڑھنی منقول ہیں مگر حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں تراویح کی بیس رکعتیں متعین فرمادیں اس کے بعد تمام صحابہؓ کا اسی پر عمل رہا حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے بھی اپنے اپنے زمانہ خلافت میں اس کا انتظام رکھا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت اپنے اوپر لازم قرار دو، اسے اپنے دانتوں سے پکڑو“

لہذا اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے اس حکم کی موجودگی میں تراویح بیس رکعتوں کے اس لئے قائل نہیں ہوتا کہ ان کا ثبوت قطعی آنحضرت ﷺ سے نہیں ہے تو اس کے بارہ میں سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ منشاء نبوت اور حقیقت سنت کی صریح خلاف ورزی کر رہا ہے۔

نماز تراویح کا انتہائی وقت

(۱۰) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا يَنْفُورٍ كُنَّا نَتَصَرَّفُ فِي رَمَضَانَ مِنَ الْقِيَامِ فَتَسْتَفْجِلُ الْخَدِمَ بِالطَّلَعِ مَخَافَةَ قُوتِ الشَّحُورِ وَفِي أَخْرَجِي مَخَافَةَ الْفَجْرِ - (رواہ مالک)

”اور حضرت عبد اللہ ابن ابی بکرؓ فرماتے ہیں کہ ”میں نے حضرت ابی کویہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارے رمضان مبارک میں جب قیام (یعنی نماز تراویح) سے فارغ ہوتے تھے تو خادموں سے اس خوف سے کہ کہیں سحری کا وقت ختم نہ ہو جائے جلد کھانے کے لئے کہتے تھے ”ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”فجر ہو جانے کے خوف سے (ہم خادموں کو جلد کھانے کے لئے کہتے تھے)۔“ (مالک)

پندرہویں شعبان کی شب میں بنی آدم کی پیدائش و موت لکھی جاتی ہے

(۱۱) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَذَرِينَ مَا فِي هَذِهِ اللَّيْلَةِ يَعْنِي لَيْلَةَ التَّصَدُّقِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَتْ مَا فِيهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ فِيهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ مَوْلُودٍ فِي هَذِهِ السَّنَةِ وَفِيهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِنْ بَنِي آدَمَ فِي هَذِهِ السَّنَةِ وَفِيهَا تُنْزَلُ أَرْزَاقُهُمْ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا بِرَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى فَقَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا بِرَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى ثَلَاثًا قُلْتُ وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى هَامَتِهِ فَقَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللَّهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهِ يَقُولُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّاعُوَاتِ الْكَبِيرَةِ -

”اور ام المومنین حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا کہ ”کیا تم جانتی ہو کہ اس شب میں یعنی پندرہویں شعبان کی شب میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ مجھے تو معلوم نہیں آپ ﷺ ہی بتائیے کہ کیا ہوتا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”بنی آدم میں کاہرہ شخص جو اس سال میں پیدا ہونے والا ہوتا ہے اس رات میں لکھا جاتا ہے، بنی آدم میں کاہرہ شخص جو اس سال میں مرے والا ہوتا ہے اس رات میں لکھا جاتا ہے اس رات میں بندوں کی اعمال (اوپر) اٹھائے جاتے ہیں اور اسی رات میں بندوں کے رزق اترتے ہیں“ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ اکوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا“ آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے میں نے عرض کیا ”اور نہ آپ یا رسول اللہ ﷺ (یعنی آپ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو سکتے؟) آنحضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک اپنے سر مبارک پر رکھا اور فرمایا ”اور نہ میں (یعنی میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوں گا) مگر یہ کہ اللہ جل شانہ (اپنے فضل و کرم کے صدق میں) مجھے اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے“ یہ الفاظ بھی آپ ﷺ نے تین بار فرمائے (تہذیبی نے یہ روایت دعوات کبیر میں نقل کی ہے)۔“

تشریح: دنیا میں جتنے بھی انسان پیدا ہوئے یا وفات پائیں گے ان سب کی پیدائش و موت کے بارہ میں بہت پہلے ہی عمومی طور پر لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے مگر شعبان کی پندرہویں شب میں پھر دوبارہ ان لوگوں کی پیدائش اور موت کا وقت لکھ دیا جاتا ہے جو اس سال پیدا ہونے والے یا مرنے والے ہوتے ہیں۔

”اعمال اٹھائے جاتے ہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ ”اس سال میں بندہ سے جو بھی نیک و صالح اعمال سرزد ہونے والے ہوئے وہ اس رات میں لکھ دیئے جاتے ہیں جو ہر روز سرزد ہونے کے بعد بارگاہ رب العزت میں اٹھائے جائیں گے۔

”رزق اترنے“ سے مراد رزق کا لکھا جانا ہے یعنی اس سال جس بندہ کے حصہ میں جتنا رزق آئے گا اس کی تفصیل اس شب میں لکھی جاتی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں منقول ہے کہ ”اس شب میں موت اور رزق لکھے جاتے ہیں اور اس سال میں حج کرنے والے کا نام (بھی) اس شب میں لکھا جاتا ہے۔“

حب حضرت عائشہؓ نے سنا کہ وہ اعمال صالحہ جو سال بھر میں بندہ سے سرزد ہونے والے ہوتے ہیں کرنے سے پہلے ہی لکھ دیئے جاتے ہیں تو سمجھیں کہ جنت میں داخل ہونے کا دار و مدار محض تقدیر اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر ہے، دخول جنت عمل پر موقوف نہیں ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ مَا مِنْ يَدُ خُلِّ الْخِ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بے شک جنت میں داخل ہونا تو محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم ہی پر موقوف ہے وہ جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کرے اور جسے چاہے نہ داخل کرے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی قرآن کریم کی اس آیت:

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔

”یہ جنت وہ جو تمہیں اس چیز کے بدلہ میں دی گئی ہے جو تم کرتے تھے۔ (یعنی دنیا میں نیک اعمال کرتے تھے)۔“

کے معارض نہیں ہے کیونکہ نیک اعمال تو جنت میں داخل ہونے کا ظاہری سبب ہیں مگر دخول جنت کا حقیقی سبب تو اللہ جل شانہ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت ہی ہے نہ کہ اعمال نیک بھریہ کہ نیک اعمال بھی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں۔ اگر کسی بندے کے ساتھ خدا کی توفیق شامل حال نہ ہو اور اس کے فضل و کرم اور اس کی رحمت کا سایہ اس پر نہ ہو تو وہ نیک اعمال کیسے کر سکتا ہے نیک و صالح اعمال تو بندہ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی رحمت بندہ کی رہنمائی کرتی ہے۔ لہذا اس طرح بھی یہی کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہونا تو محض پروردگار کی رحمت پر موقوف ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ ”جنت میں داخل ہونا تو محض پروردگار کی رحمت کے سبب ہے اور جنت میں درجات کا تفاوت اعمال کے تفاوت پر موقوف ہے یعنی بندہ جنت میں داخل تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہو گا ہاں اعمال کی کار فرمائی اس درجہ کی ہوگی جس بندہ کے نیک اعمال جس درجہ کے ہوئے جنت میں اسے اس کے مطابق درجہ ملے گا۔

شب برات میں کینہ توز اور مشرک، پروکو گار کی عام بخشش سے محروم ہوتا ہے

(۱۲) وَعَنْ أَبِي شُعْبَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَيُظْلَعُ فِي لَيْلَةِ التَّصْفِ مِنْ شُعْبَانَ فَيُغْفَرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ إِلَّا الْمُشْرِكِ أَوْ مُشَاجِرٍ زَوَاهِ أَوْ ابْنِ مُنَاجَةٍ زَوَاهِ أَحْمَدُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ وَ فِي زَوَائِبِهِ إِلَّا ابْنَيْنِ مُشَاجِرٍ وَ هَاتِلِ نَفْسِ۔

”اور حضرت موسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالمؐ نے فرمایا ”اللہ جل شانہ، نصف شعبان کی رات کو (یعنی شب برات میں دنیا والوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور مشرک اور کینہ رکھنے والے کے علاوہ اپنی تمام مخلوق کی بخشش فرماتا ہے۔“ (ابن ماجہ)۔ امام احمدؒ نے اس روایت کی عبد اللہ ابن عمرؓ ابن عباسؓ سے نقل کیا اور ان کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ کینہ رکھنے والے اور (ناحق کی کسی کی زندگی ختم کر دینے والے) کے علاوہ اللہ تعالیٰ اس شب میں تمام مخلوق کی بخشش فرماتا ہے۔“

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اس بابرکت اور مقدس رات میں اپنی رحمت کاملہ کے ساتھ دنیا والوں پر متوجہ ہوتا ہے تو اس کا دریائے رحمت اتنے جوش میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کو بھی معاف کر دیتا ہے اور اپنی بندگی و عبادت اور اطاعت و فرمانبرداری میں سرزد ہوئی کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرمادیتا ہے۔ مگر کفر اور حقوق العباد (بندوں کے حق) کو معاف نہیں فرماتا اور ان کے معاملہ میں اتنی مہلت دیتا ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کی توبہ قبول کی جائے اور اگر توبہ نہ کریں اور اپنی بد اعتقادی اور بد عملی سے باز نہ آئیں تو انہیں عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

کینہ توز (کپٹ رکھنے والے) سے مراد وہ شخص ہے جو شرعی جہت سے نہیں بلکہ نفس امارہ کی فریب کاریوں میں مبتلا ہو کر خواہ مخواہ دوسروں کے لئے اپنے سینہ میں بغض و حسد کی آگ جلائے رکھتا ہے ایسا بد باطن شخص بھی اس بابرکت رات میں پروردگار کی عام بخشش سے کوئی حصہ نہیں پاتا شب برات میں جو بد بخت رحمت الہی کے سایہ میں نہیں ہوتا بایں طور کہ ان کی بخشش نہیں ہوتی ان کی تفصیل مختلف روایتوں میں مذکور ہے چنانچہ یہاں تو کفر کرنے والے، کینہ توز اور ناحق کسی کی جان لینے والے کا ذکر کیا گیا ہے۔

بعض روایتوں میں اتنا اور منقول ہے کہ نانا کاٹنے والے (یعنی رشتہ داری اور بھائی بندی کو منقطع کرنے اور کرانے والے، کو بھی اللہ تعالیٰ نہیں بخشا۔ اسی طرح بعض روایتوں میں ازار لٹکانے والوں یعنی شیخوں سے بچا یا بچامہ، لنگی لٹکانے والوں، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والوں، ہمیشہ شراب پینے والوں، بعض روایتوں میں زنا کرنے والوں، بعض روایتوں میں عشار یعنی ظلم کے ساتھ محصول لینے والوں، جادو کرنے والوں، کائنات، علف یا غیب کی باتیں بتانے والوں اور صاحب عرطبہ یعنی باجا بجانے والوں کا ذکر کیا گیا ہے یعنی یہ وہ بد بخت لوگ ہیں جو اس مقدس شب میں پروردگار کی عام رحمت سے محروم رہتے ہیں۔

پندرہویں شعبان کے روزے اور شب برات کی عبادت کا حکم

(۱۳) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ التَّصَوُّفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُومُوا لَيْلَهَا وَصُومُوا يَوْمَهَا فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَنْزِلُ فِيهَا يَغُزُّوْبُ الشَّمْسِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرُ لَهُ أَلَا مَنْ سْتَسْتَرْزِقُ فَأَرْزُقَهُ أَلَا مُبْتَغَى فَاغْتَابَهُ أَلَا كَذَّابٌ حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ ”جب نصف شعبان کی رات ہو (یعنی شب برات) تو اس رات میں نماز پڑھو اور اس کے دن میں (یعنی پندرہویں کو) روزہ رکھو، کیونکہ اللہ جل شانہ، اس رات میں آفتاب چھپنے کے وقت آسمان دنیا (یعنی نیچے کے آسمان) پر نزول فرماتا ہے (یعنی اپنی رحمت عام کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے) اور (دنیا والوں سے) فرماتا ہے کہ ”آگاہ ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ میں اسے بخشوں؟ آگاہ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اسے رزق دوں؟ آگاہ ہے کوئی گرفتار مصیبت کے میں اسے عافیت بخشوں؟ آگاہ ہے کوئی ایسا اور ایسا (یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر ضرورت اور ہر تکلیف کا نام لے کر اپنے بندوں کو پکارتا رہتا ہے مثلاً فرماتا ہے مثلاً کوئی مانگنے والا کہ میں عطا کروں؟ ہے کوئی غمگین کہ میں اسے خوشی و مسرت کے خزانے بخشوں؟ وغیرہ وغیرہ) یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: شب برات کی عظمتوں اور فضیلتوں کا کیا ٹھکانہ؟ یہی وہ مقدس شب ہے کہ پروردگار عالم اپنی رحمت کاملہ اور رحمت عامہ کے ساتھ اہل دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے دنیا والوں کو اپنی رحمت کی طرف لاتا ہے، ان کے دامن میں رحمت و بخشش اور عطاء کے خزانے بھرتا ہے۔

بشارت ہو ان نفوس قدسیہ کو اور ان خوش بختوں کو جو اس مقدس شب میں اپنے پروردگار کی رحمت کا سایہ ڈھونڈتے ہیں عبادت و بندگی کرتے ہیں، اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کی درخواست پیش کرتے ہیں اور مولیٰ ان کی درخواستوں کو اپنی

رحمت کاملہ کے صدقہ قبول فرماتا ہے۔

واحسرتا! ان حرمان نصیبوں پر، جو اس بابرکت و با عظمت شب کی تقدیس کا استقبال ہوو لہج سے کرتے ہیں، آتش بازی جیسے قبیح فعل میں مبتلا ہو کر اپنی نیک بختی و سعادت کو بھسم کرتے ہیں، کھیل کود اور حلوے ماندے کے چکر میں پڑ کر رحمت خداوندی سے بعد اختیار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم شبِ برات کی عظمت و فضیلت کا احساس کریں۔ اس رات کی تقدیس کا احترام کریں اور عبادت و بندگی کا مخلصانہ نذرانہ پروردگار کی بارگاہ میں پیش کر کے اس کی رحمت عامہ سے اپنے دین و دنیا کی سعادتوں اور کامرانیوں کو حاصل کریں اکثر صحابہؓ مثلاً حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابن مسعودؓ وغیرہا سے منقول ہے کہ وہ اس رات میں یہ دعا بطور خاص پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ كُنْتُ اَشْقِیَاءَ فَاصْحَحْهُ وَ اَكْثَبْنَا سَعْدَاءَ وَ اِنِّیْ كُنْتُ كَثْبًا سَعْدَاءَ فَاقْشِرْنَا فَاِنَّكَ تَمْحُوْهُ مَنْ تَشَاءُ وَ تَنْقِیْتُ عَنْكَ اُمَّ الْكِتَابِ۔

”اے پروردگار! اگر تو نے (لوح محفوظ) ہمیں شقی لکھ رکھا ہے تو اسے مٹا دے اور ہمیں سعید و نیک بخت لکھ دے اور اگر تو نے (لوح محفوظ میں) ہمیں سعید و نیک بخت لکھ رکھا ہے تو اسے قائم رکھ، بیشک جسے تو چاہے مٹائے اور جسے چاہے قائم رکھے اور تیرے ہی پاس اُم الکتاب (لوح محفوظ) ہے۔“

پندرہویں شعبان کی شب میں اس دعا کا پڑھنا حدیث میں منقول ہے لیکن وہ حدیث قوی نہیں ہے اس دعا کے الفاظ ابن کنت کتبنا اشقیاء میں کتابت سے مراد ”کتابت معلقہ“ ہے کہ اس میں تغیر و تبدل ممکن ہے یہاں ”کتابت محکمہ“ مراد نہیں ہے۔ کیونکہ لوح محفوظ میں آخری طور پر جو بات محکم لکھ دی گئی ہے اس میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔“

پندرہویں شعبان کی شب میں نماز الفیہ پڑھنے کی حقیقت: کتاب الای میں لکھا ہے کہ ”اس رات میں نماز الفیہ یعنی سور کتیس نقل نماز اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر رکعت میں دس دس قل کی قرأت ہو جیسا کہ دیلمی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔“ لیکن یہ روایت موضوع ہے چنانچہ اس سلسلہ میں بعض رسائل میں لکھا ہے کہ علی بن ابراہیمؒ نے فرمایا کہ یہ ”جو طریقہ رائج کیا گیا ہے کہ پندرہویں شعبان کی شب میں نماز الفیہ پڑھی جاتی ہے۔ (یعنی سور کتیس اس طرح پڑھتے ہیں کہ ہر رکعت میں دس دس قل کی قرأت ہوتی ہے اور اس کو جماعت سے ادا کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ اس میں نماز جمعہ و عیدین سے بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں اس کے بارے میں نہ کوئی صحیح حدیث ہی ثابت ہے نہ کسی صحابی و تابعی کا کوئی مضبوط ارشاد ہی منقول ہے الایہ کہ اس سلسلہ میں ضعیف اور موضوع روایتیں ضرور نقل کی جاتی ہیں لہذا کوئی شخص صاحب قوت القلوب اور صاحب اخبار وغیرہا کے منقولات سے اس سلسلہ میں غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے (یعنی یہ نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ) عوام اس نماز کی وجہ سے زیادہ فتنوں میں مبتلا ہو چکے ہیں، یہاں تک کہ اس نماز کی ادائیگی کے وقت روشنی و چراغاں کو ضروری قرار دینا یا گیا تھا جس کی وجہ سے اکثر فتن و فجور کے کام صادر ہونے لگے۔

چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ ان امور کی وجہ سے ڈرے کہ کہیں خدا کا کوئی ادا بار و عذاب نازل نہ ہو جائے چنانچہ وہ اتنے زیادہ خوف زدہ اور پریشان ہوئے کہ وہ آبادیوں کو چھوڑ کر اور عبادت خداوندی کی آڑ میں ہونے والے فسق و فجور سے منہ موڑ کر جنگلوں میں چلے گئے اس نماز کی ابتدا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اول اول یہ نماز بیت المقدس میں ۳۳۸ھ میں شروع ہوئی اور اس طریقہ کے رائج ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ کے جاہل اور اقتدار طلب ائمہ مساجد نے اپنے جذبہ اقتدار و جاہ طلبی کی تسکین کے لئے اور عوام کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو اپنے ارد گرد جمع کرنے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا چنانچہ اس طرح انہوں نے بہت سے قائدے بھی حاصل کئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نیک و صالح ائمہ کو پیدا کیا، انہوں نے اس بدعت کی کج کنی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ چنانچہ اللہ کے ان نیک بندوں کی سعی و

کوشش ہے یہ طریقہ ختم ہوا یہاں تک کہ ۸۰۰ھ کے اوائل میں مصر و شام کے شہروں میں یہ بدعت بالکل ہی ختم ہو گئی۔
 ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا مضمون نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ۔ ”اس سلسلہ میں میں یہ کہتا ہوں (اتنی بات تو طے ہے کہ نماز الغیہ کے سلسلہ میں حدیث ضعیف منقول ہے اور نقل اعمال کے سلسلہ میں، ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا جائز ہے علماء نے اس نماز کے پڑھنے سے جو منع کیا ہے وہ اس لئے کہ اس کے ساتھ بہت زیادہ منکرات (مثلاً چراغاں وغیرہ) کا اجتماع ہو گیا تھا لہذا اگر کوئی شخص تنہا اور مذکورہ بالا منکرات کے بغیر اس نماز کو پڑھنا چاہے تو جائز ہے پڑھ سکتا ہے

اس نماز کے وقت چراغاں کی ابتدا اور اس کی وجہ کے بارہ میں منقول ہے کہ ”اول اول چراغاں کا رواج قوم برامکہ میں ہوا۔ کیونکہ یہ قوم پہلے آتش پرست تھی جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو چونکہ ان کے قلب کی گہرائیوں نے ایمان اور اسلام کو پوری طرح قبول نہیں کیا تھا اور ان کے دل میں اپنے قدیم مذہب کی کسی نہ کسی حیثیت محبت باقی تھی اسی لئے انہوں نے ایک ایسی چیز کو اسلام میں داخل کیا جو اس وہم میں مبتلا کروے کہ یہ سنت اور شعار دین میں سے ہے۔ یعنی اس نماز کے وقت چراغاں کرنے لگے جس سے دراصل ان کا مقصد آگ کی عبادت کرنا تھا کیونکہ وہ عام مسلمانوں کے ساتھ اس (چراغ کی شکل میں) آگ کی طرف رکوع و سجود کرتے تھے۔

کسی بھی عمل کے وقت چراغاں کرنا مستحب نہیں ہے، کسی دوسری ضرورت و حاجت کے وقت کسی بھی جگہ چراغاں کرنا شریعت میں مستحب نہیں ہے چنانچہ بعض حاجی جو پڑھے لکھے نہیں ہوتے جبل عرفات مشعر حرام اور منی میں چراغ وغیرہ جلاتے ہیں اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ یہ اختراع محض ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

تراویح کی ختم رات میں نمائشی اجتماع بدعت ہے: ملا طرطوسی کی تحقیق یہ ہے کہ ”جس رات میں تراویح ختم ہوتی ہے اس موقع پر (محض ختم میں شرکت کے لئے) عوام کا اجتماع یا منبر وغیرہ نصب کرنا (یا چراغاں کرنا) بدعت ہے۔

ملا علی قاری علامہ طرطوسی کی اس تحقیق کے بارہ میں کہتے ہیں۔ کہ ”اللہ تعالیٰ طرطوسی پر اپنی رحمت نازل فرمائے انہوں نے کیا (عمدہ) تحقیق کی ہے اور (بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ) اس غلط طریقہ کو اہل حرمین شریفین نے اختیار کیا ہوا ہے چنانچہ وہاں جس رات میں تراویح ختم ہوتی ہے اس موقع پر مردوں، عورتوں، لڑکوں اور غلاموں کا اس قدر (اور اتنے اہتمام کے ساتھ) اجتماع ہوتا ہے کہ نماز عیدین، نماز جمعہ اور نماز کسوف میں بھی اتنے زیادہ لوگ جمع نہیں ہوتے۔ اس اجتماع کے موقع پر بہت زیادہ نئے نئے منکرات اور غلط اور فاسد اعمال اور افعال کا صدور ہوتا ہے لوگ چراغوں کی طرف منہ کرتے ہیں اور بیت اللہ شریف کی طرف پیٹھ کرتے ہیں اور مطاف کے بیچ میں بالکل آتش پرستوں کی طرح اس ازدحام کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں کہ وہاں کی جگہ طواف کرنے والوں کے لئے تنگ اور پریشان کن ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس طواف کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہنے والے نمازی اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے بہت زیادہ تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں فَنَسْأَلُ اللَّهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْغُفْوَ وَالْوَضْوَ وَاللَّهَ الْمُسْتَعَانَ۔

باب صلوٰۃ الضحیٰ

نماز ضحیٰ کا بیان

”ضحیٰ“ مشتق ہے الصُّحُو وَالصُّحُوة سے جس کے معنی ہیں ”آفتاب کا بلند ہونا، دن کا چڑھنا، چاشت کا وقت، چنانچہ آفتاب بلند ہونے کے بعد پڑھی جانے والی نماز کو ”نماز ضحیٰ“ کہتے ہیں۔

ضحیٰ کی دو نمازیں ہیں نماز اشراق اور نماز چاشت: ضحیٰ کی دو نمازیں ہیں ایک نماز کو ”اشراق“ کہتے ہیں اور دوسری نماز ”نماز چاشت“ کہلاتی ہے یعنی بقدر ایک یا دو نیزہ آفتاب بلند ہونے کے بعد، جب کہ وقت مکروہ ختم ہو جاتا ہے اور نماز پڑھنے کا وقت شروع

ہو جاتا ہے تو پہلے پھر تکبیر کی جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے اصطلاح میں ”نماز اشراق“ کہتے ہیں اور جب آفتاب خوب بلند ہو جائے، فضاء میں اچھی طرح گرمی پیدا ہو جائے اور دھوپ اتنی زیادہ پھیل جائے کہ دوسرا پہر شروع ہو جائے تو زوال سے پہلے پہلے غمی کی نماز پڑھی جاتی ہے وہ اصطلاح میں ”نماز چاشت“ کہلاتی ہے عربی میں ان دونوں نمازوں کو صبحۃ صغریٰ اور صبحۃ کبریٰ کہتے ہیں۔

نسائی نے ایک روایت نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ”جب آفتاب مشرق کی جانب ایسا ہوتا ہے جیسا کہ عصر کے وقت مغرب کی جانب ہوتا ہے تو آنحضرت ﷺ دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اور جب آفتاب مشرق کی جانب ایسا ہوتا جیسا کہ ظہر کے وقت مغرب کی جانب ہوتا ہے تو آپ ﷺ چار رکعت نماز پڑھتے تھے۔“

اسی حدیث سے معلوم ہوا کہ غمی کی دو نمازیں ہیں۔

نماز اشراق کی کم از کم دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ چھ رکعتیں۔ اسی طرح نماز چاشت کی کم سے کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں لیکن علماء کے نزدیک مختار چار رکعتیں ہی پڑھنا ہے کیونکہ جن احادیث سے آنحضرت ﷺ کا چار رکعتیں پڑھنا ثابت ہے وہ احادیث زیادہ صحیح ہیں پھر یہ کہ زیادہ احادیث و آثار چار رکعتوں ہی کے بارے میں منقول ہیں۔

نماز غمی کی بہت زیادہ فضیلت منقول ہے یہ نماز اکثر علماء کے قول کے مطابق مستحب ہے یہ نماز اس نیت سے پڑھی جاتی ہے۔

نَوَيْتُ أَنْ أَصَلِّيَ أَزْبَغَ وَكَعَابَ صَلَوةِ الصُّحَى سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

”میں نے یہ ارادہ کیا کہ چار رکعت نماز غمی جو نبی کریم ﷺ کی سنت ہے پڑھوں۔“

شیخ ولی الدین ابن عراقیؒ فرماتے ہیں کہ ”صلوۃ غمی کے بارہ میں صحیح اور مشہور حدیثیں بہت زیادہ منقول ہیں یہاں تک کہ محمد ابن جریر طبرانی نے کہا ہے کہ اس بارہ میں جو احادیث منقول ہیں وہ درجہ تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں۔“

قاضی ابوبکرؒ فرماتے ہیں کہ ”یہ نماز پچھلے انبیاء اور رسولوں کی نماز ہے۔“

علامہ سیوطیؒ نے دلمی سے حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ ”نماز غمی حضرت داؤد علیہ السلام کی اکثر نماز ہے۔“

ابن بخارؒ نے حضرت ثوبان کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ ”نماز غمی وہ نماز ہے جسے حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔“

الفصل الاول

نماز چاشت کی آٹھ رکعتیں

① عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْنَهُمَا يَوْمَ فَنَحَّ مَكَّةَ فَأَغْتَسَلَ وَصَلَّى ثَمَانِي رَكَعَاتٍ فَلَمْ أَرِ صَلَاةً قَطُّ أَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ أَنَّهُ يَسْمُؤُ الْوُكُؤُ وَالشُّجُودُ وَقَالَتْ فِي رِوَايَةٍ أُخْرَى وَذَلِكَ ضَعْفِي۔ (متفق علیہ)

”حضرت ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ جب فتح مکہ کے دن میرے مکان میں تشریف لائے تو (پہلے) آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور (اس کے بعد) آٹھ رکعت نماز پڑھی میں نے اس سے پہلے آپ ﷺ کی اس سے پہلے کوئی نماز نہیں دیکھی لیکن آپ ﷺ رکوع و سجود پورا کرتے تھے۔ ایک دوسری روایت میں انہوں نے فرمایا کہ ”یہ نماز چاشت تھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت ام ہانیؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بہن ہیں۔ ان کا نام فاختہ تھا یہ بڑی عظمت و فضیلت کی مالک صحابیہ ہیں مکہ میں آنحضرت ﷺ کی زیادہ تر تبلیغی جدوجہد کا مرکز انہیں کا مکان تھا۔

چاشت کی نماز آپ ﷺ نے آٹھ رکعتیں یا تو دو سلام کے ساتھ یعنی چار چار رکعت کر کے پڑھی ہوں گی یا یہ بھی احتمال ہے کہ چار سلام

کے ساتھ یعنی دو رکعت کر کے پڑھی ہوں بہر حال ”ہلکی نماز“ کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت آپ ﷺ نے زیادہ طویل سورتوں کی قرأت نہیں فرمائی اسی طرح تسبیحات وغیرہ بھی زیادہ نہیں پڑھیں۔

نماز صغی میں آنحضرت ﷺ کی نماز کی رکعتوں کی تعداد

(۲) وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلَاةَ الصُّحَى قَالَتْ أَرْبَعٌ زَكَتَابٌ وَيُرِيدُ مَا شَاءَ اللَّهُ (رواہ مسلم)

”اور حضرت معاذہ فرماتی ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ سے پوچھا کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نماز صغی کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ ”آپ چار رکعتیں پڑھتے تھے اور اس سے زیادہ بھی جس قدر اللہ چاہتا تھا پڑھتے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ ویرید ما شاء اللہ کے بارہ میں علامہ لکھتے ہیں کہ نماز صغی کی آپ ﷺ زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت پڑھتے تھے بارہ سے زیادہ کی تعداد کسی حدیث میں منقول نہیں ہے۔

یہ حدیث دونوں وقت کی نماز کو مختل ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ حدیث میں مذکور سوال و جواب کا تعلق نماز اشراق سے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نماز چاشت سے ہو۔

کتاب احبار میں لکھا ہے کہ ”بہتر یہ ہے کہ ان نمازوں میں سورہ والضحیٰ، سورہ واللیل، سورہ والضحیٰ اور الم نشرح کی قرأت کی جائے۔“

نماز صغی کی فضیلت

(۳) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْبِحُ عَلَى كُلِّ سَلَامٍ مِنْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةٌ وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزَى مِنْ ذَلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الصُّحَى - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ذرؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”صبح ہوتے ہی تمہاری ہر ہڈی پر صدقہ لازم ہو جاتا ہے لہذا ہر تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے ہر تحمید یعنی الحمد للہ کہنا صدقہ ہے ہر تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے ہر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے برائی سے روکنا صدقہ ہے۔ اور ان سب کے بدلہ میں نماز صغی کی دو رکعتیں پڑھ لینا کافی ہوتا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب انسان صبح کرتا ہے اور اس کے جسم کی ایک ایک ہڈی اور ایک ایک جوڑا آفت و بلا سے محفوظ و سالم ہوتا ہے۔ تو اس کی وجہ سے وہ کاروبار اور دنیا کی دیگر مصروفیات میں مشغول رہنے کے قابل رہتا ہے لہذا اس عظیم نعمت پر ادائیگی شکر کے لئے ایک ایک ہڈی کے عوض اسے صدقہ دینا لازم ہوتا ہے اور یہ صدقہ صرف چند کلمات ہیں جن کو پڑھنے سے ایک ایک ہڈی اور ایک ایک جوڑی طرف سے صدقہ ادا ہو جاتا ہے اور وہ کلمات بھی بھاری بھر کم نہیں ہیں، زیادہ طویل اور سخت نہیں ہیں بلکہ نہایت آسان اور بلا تکلف ادا ہونے والے ہیں یعنی سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر۔

وَيُجْزَى مِنْ ذَلِكَ كَمَا مَطْلَبُ يَهْ بِهٖ كِهٖ كِهٖ اَن كَلِمَات كِهٖ كِهٖ اَن اَرَضٰحٰی كِي دُور كِهٖ كِهٖ لِي جَائِس تُو شُكْرَانِه ادا ہو جاتا ہے ان کلمات کے کہنے کی بجائے اگر صغی کی دو رکعتیں پڑھ لی جائیں تو شکرانہ ادا ہو جاتا ہے ان کلمات کے کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ نماز تو پورے بدن اور تمام اعضا جسمانی کا عمل ہے جس کے ذریعہ بدن کا ایک ایک عضو مصروف عبادت ہو کر اپنا اپنا شکرانہ ادا کرتا ہے لہذا مناسب اور بہتر یہ ہے کہ اس نماز کو ہمیشہ پڑھنا چاہئے۔

نماز چاشت کا بہتر وقت

(۴) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ أَنَّهُ رَأَى قَوْمًا يُصَلُّونَ مِنَ الصُّحَى فَقَالَ لَقَدْ عَلِمُوا أَنَّ الصَّلَاةَ فِي غَيْرِ هَذِهِ السَّاعَةِ أَفْضَلُ إِنَّ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ الْوَابِتَيْنِ حَتَّى تَرْمِضَ الْفَصَالُ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت زید ابن ارقمؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو غمی کے وقت (چاشت کی) نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ لوگ (احادیث کے ذریعہ) جانتے ہیں کہ اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں نماز پڑھنا بہتر ہے (یعنی اس وقت زیادہ۔ ثواب ملتا ہے چنانچہ) سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”اللہ جل شانہ کی جانب کامل توجہ رکھنے والوں کی نماز کا وقت وہ ہے۔ جب کہ اونٹوں کے بچے (یعنی ان کے بچے) گرم ہونے لگیں۔“ (مسلم)

تشریح: جب حضرت زیدؓ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے نماز چاشت کے مختار اور بہتر وقت کا انتظار نہیں کیا بلکہ اول وقت ہی نماز پڑھنے لگے تو انہیں بہت تعجب ہوا اور ان کے بارہ میں فرمایا کہ اگرچہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی حدیث سن چکے ہیں اور انہیں علم ہے کہ یہ وقت نماز چاشت کا افضل وقت نہیں ہے بلکہ افضل اور بہتر وقت تو اس کے بعد شروع ہوگا اس کے باوجود یہ لوگ اس وقت نماز نہ معلوم کیوں پڑھ رہے ہیں؟ چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں بتایا کہ نماز چاشت کا بہتر اور افضل وقت وہ ہے جب کہ اونٹوں کے بچے گرم ہونے لگیں یعنی آفتاب بلند ہو جائے اور دھوپ اتنی بھیل جائے کہ گرمی کی شدت سے زمین گرم ہو جائے جس کی وجہ سے اونٹوں کے پیر جلنے لگیں اور دھوپ و گرمی میں اتنی شدت تقریباً پڑھ پیر گذرنے پر آتی ہے۔

بہر حال اس حدیث سے صریح طور پر معلوم ہو گیا کہ نماز چاشت کا وقت یہ ہے کہ آفتاب خوب بلند ہو جائے، دھوپ اچھی طرح بھیل جائے اور ایک پیر ختم ہونے کے بعد دوسرا پیر شروع ہو جائے اس طرح اس نماز کا آخری وقت دوپہر یعنی زوال سے پہلے تک ہوگا۔ نماز چاشت کا مذکورہ وقت افضل اس لئے ہے کہ اس وقت عام طور پر طبیعت میں کسل و سستی پیدا ہو جاتی ہے اور جی بیک چاہتا ہے کہ آرام کیا جائے لہذا ایسے وقت میں آرام اور طبیعت کے تقاضہ کو پس پشت ڈال کر وہی بندگان خدا نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جو بارگاہ رب العزت کی طرف کامل رجوع اور توجہ رکھتے ہیں۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

نماز چاشت کی برکت

⑤ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَابْنِ أَبِي ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَّهُ قَالَ يَا ابْنَ آدَمَ إِذَا كُنْتَ لِي أَوْفَقَ وَكَفَّابَ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفَلْتُ أَخْوَةَ زَوْأَةِ التَّيْمُومِيِّ وَزَوْأَةَ أَبُو ذَاوَدَ وَالدَّارِمِيَّ عَنْ نَعِيمِ بْنِ هَمَّانٍ الْغَطَفَانِيِّ وَأَخْمَدُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

”حضرت ابو الدرداءؓ اور حضرت ابو ذرؓ (دونوں) روایت کرتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! تو دن کے شروع حصہ میں چار رکعت نماز خالص طور پر میرے لئے (یعنی جذبہ نمائش و ریاء سے پاک ہو کر) پڑھ! میں تجھ کو اس دن کی شام تک کفایت کروں گا۔“ (ترمذی)، ابو داؤد، و دارمی نے نعیم ابن ہمام غطفانی سے اور امام احمدؒ نے ان سب سے یہ روایت نقل کی ہے۔“

تشریح: خداوند قدوس کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ”اے بندے! تو دن کے ابتدائی حصہ میں مخلص میری رضا اور خوشنودی کی خاطر چار رکعت نماز پڑھ لیا کر جس کے بدلہ میں میں دن کے آخری حصہ یعنی شام تک تیری حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرتا رہوں گا۔ اور تیرے دل میں جو کچھ برائی یعنی پریشانی اور تنگی ہے میں اسے ختم کروں گا گویا دن کے ابتدائی حصہ میں میری عبادت کے لئے اپنا دل فارغ رکھ میں دن کے آخری حصہ تک تیری حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کر کے تیرے دل کو اطمینان و فراغت بخشوں گا۔ مَنْ كَانَ لِلَّهِ كَانَ اللَّهُ لَهُ“

(یعنی جو کچھ شخص خدا کا ہو جاتا ہے خدا اس کا ہو جاتا ہے)

”دن کے شروع حصہ میں چار رکعت نماز“ سے نماز اشراق بھی مراد لی جاسکتی ہے اور نماز چاشت بھی مراد ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

نماز اشراق کی فضیلت

⑥ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي الْإِنْسَانِ ثَلَاثٌ مَبَاتٍ وَبَسْتُونَ مَفْصِلًا فَعَلَيْهِ أَنْ يَتَصَدَّقَ عَنْ كُلِّ مَفْصِلٍ مِثْلَ بَصْدَقَةٍ قَالُوا وَمَنْ يُطِيقُ ذَلِكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ قَالَ الشُّحَاعَةُ فِي الْمَسْجِدِ تَذْفِيقُهَا وَالشَّيْءُ تُسَبِّحُهُ عَنِ الظَّرِيقِ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فَزَكَّعْنَا الصُّحَى تُجْزَأُ لَكَ۔ (رواه ابو داؤد)

”اور حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”انسان (کے جسم) میں تین سو ساٹھ بند (جوڑے) ہیں لہذا ہر انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے (جسم) کے ہر جوڑے کے بدلہ میں صدقہ دے“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! کون اس کی طاقت رکھتا ہے؟“ کہ اپنے جسم کے ہر ہر جوڑے کے بدلہ میں صدقہ دے! آپ ﷺ نے فرمایا ”مسجد میں پڑے ہوئے تھوک کو دفن کر دینا (صدقہ ہی دینا ہے) راستہ سے کسی (تکلیف دہ) چیز مثلاً نجاست کاٹنے، پتھر کو ہٹا دینا (بھی ایک صدقہ ہے) اور اگر تو (تین سو ساٹھ جوڑوں کی طرف سے صدقہ دینے والی کوئی چیز نہ پاؤ تو کئی (یعنی اشراق) کی دو رکعتیں پڑھ لیا تمہارے لئے کافی ہے۔“ (اس کے بعد کسی دوسرے صدقہ کی ضرورت نہیں ہے)۔“ (ابو داؤد)

تشریح: ”لازم“ سے مراد وجوب شرعی نہیں ہے کہ جس کو چھوڑنے والا گنہ گار ہوتا ہے بلکہ تاکید مراد ہے کیونکہ نہ تو ضعیف کی دو رکعتوں کو خواہ وہ نماز اشراق ہو یا نماز چاشت کسی بھی امام اور عالم نے واجب کہا ہے اور نہ کسی کے نزدیک مذکورہ بالا دونوں صدقے ہی واجب ہیں۔ اگرچہ نہ صرف یہ کہ شریعت کی رو سے بلکہ عقلاً بھی دیکھا جائے تو فیصلہ یہی کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت پر اجمالی اور تفصیلی دونوں طریقوں سے شکر ادا کرنا ہر انسان پر واجب ہے۔

⑦ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الصُّحَى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ وَكَعْبَةً بَنَى اللَّهُ لَهُ قَصْرًا مِنْ ذَهَبٍ فِي الْجَنَّةِ وَاهُ الْبَيْتُ مِذْبَحُ الْإِبْرَاهِيمَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا أَحَدِيْثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ۔

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص صبح کی بارہ رکعتیں پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل بناتا ہے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ) اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ہم بجز اسی سند کے (یعنی جو ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے) اور کسی سند سے اسے نہیں جانتے۔“

⑧ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ فِي مَضَلَّةٍ حِينَ يَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى يُسَبِّحَ زَكَّعَتِي الصُّحَى لَا يَقُولُ إِلَّا خَيْرًا غُفِرَ لَهُ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

(رواه ابو داؤد)

”اور حضرت معاذ بن انسؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص فجر کی نماز پڑھ کر اسی جگہ (برابر) بیٹھا رہے یہاں تک کہ (آفتاب) طلوع اور بلند ہونے کے بعد صبح کی دو رکعتیں پڑھے اور ان دونوں یعنی نماز فجر و نماز صبح کے درمیان (نیک) کلام کے علاوہ دوسری بات نہ کرے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ دریا کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔“ (ابو داؤد)

تشریح: حدیث کے پہلے جز ”من قعد الخ“ کی تشریح میں ملا علی قاریؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فجر کی نماز پڑھ کر ذکر و فکر میں مشغول اور نیک کاموں مثلاً علم کے سیکھنے سکھانے، وعظ و نصیحت اور بیت اللہ کے طواف میں مصروف رہے اور جب سورج طلوع ہو کر بلند ہو جاتا ہے تو خواہ گھر میں خواہ مسجد میں نماز صبح کی دو رکعتیں پڑھ لے اور یہ کہ نماز فجر اور نماز

ضحیٰ کے درمیان سوائے نیک اور صالح کلام کے کوئی اور گفتگو و کلام نہ کرے تو اس کے صغیرہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ جل شانہ، اپنے فضل و کرم کے صدقہ میں گناہ کبیرہ بھی بخش دے۔
لہذا اعلیٰ قاریؒ کی اس تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ ارشاد گرامی ”من قعد“ (جو شخص بیٹھا رہے) بطور تمثیل کے فرمایا گیا ہے ورنہ تو یہاں ذکر اللہ اور نیک کاموں میں مشغول رہنا سزاوہ ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ کہ ”یہاں ضحیٰ کی نماز سے اشراق کی نماز مراد ہے جب کہ دوسری احادیث میں ضحیٰ سے اشراق اور چاشت دونوں نمازیں متخل ہوئی ہیں اور بظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”یہ ثواب اسی شخص کو ملتا ہے جو نماز فجر سے فارغ ہو کر اسی جگہ بیٹھا رہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے اور کوئی شخص اس جگہ سے اٹھ کر خلوت میں جا کر بیٹھ گیا اور وہاں ذکر اللہ و عبادت میں مشغول رہا تو اسے مذکورہ ثواب نہیں ملے گا۔ اگرچہ بعض علما نے لکھا ہے کہ اگر پریشانی کا ڈر ہو یا یہ کہ ریا و نمائش کا وسوسہ پیدا ہو جانے کا شوق ہم تو ایسی صورت میں خلوت میں جا کر عبادت و ذکر اللہ میں مشغولیت اختیار کی جائے علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایسے موقع پر قبلہ رخ بیٹھنے کو ضروری سمجھا جائے اور اگر نیند کا غلبہ ہونے لگے تو اسے دفع کیا جائے۔
شیخ الاسلام شہاب الدین سہروردیؒ نے کہا ہے کہ ”ایسا عمل جس کی جزا و نیاہی میں فی الوقت باطن کی نورانیت کی شکل میں حاصل ہوتی ہے، ایسی عمل ہے۔“

الفصل الثالث

⑨ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافِظٌ عَلَى شَفْعَةِ الضُّحَى غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ - (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا جو شخص ضحیٰ کی دو رکعتوں پر محافظت کرتا ہے (یعنی بیٹھ پڑھتا ہے) تو اس کے تمام (صغیرہ گناہ) بخش دیے جائیں گے اگرچہ وہ دریائے جہاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔“ (احمد ترمذی ابن ماجہ)

حضرت عائشہؓ اور نماز ضحیٰ

⑩ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تُصَلِّي الضُّحَى ثَمَانِينَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ تَقُولُ لَوْ لَبَسْتُ لِي أَنْوَاعَ مَا تَرَكْتُهَا - (رواہ مالک)

”اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ نماز ضحیٰ کی آٹھ رکعتیں پڑھا کرتی تھیں فرماتیں کہ میرے لئے میرے ماں باپ بھی زندہ کر دیے جائیں تو بھی میں اس نماز کو نہ چھوڑوں۔“ (امام مالک)

تشریح: حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد مبالغہ کے لئے تعلق بالحال ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اس نماز کو پڑھ کر اتنی زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے اور اتنا مسرور ہوتا ہے کہ اگر میرے ماں باپ بھی زندہ ہو جائیں باوجودیکہ ان کا زندہ ہونا محال ہے تو ان سے ملاقات کی خوشی اور مسرت بھی مجھے اس نماز سے نہیں روک سکتی۔ گویا حضرت عائشہؓ نے اس کے ذریعہ لوگوں کو ترغیب دلائی ہے کہ اس نماز کو ہمیشہ باقاعدگی کے ساتھ پڑھا جائے۔

نماز ضحیٰ کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کا معمول

⑪ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحَى حَتَّى يَقُولَ لَا يَدُغُهَا وَيَدُغُهَا حَتَّى يَقُولَ لَا يُصَلِّيْنَهَا - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج و دو عالم ﷺ (جب) غمی کی نماز پڑھتے تو ہم کہتے کہ اب آپ اس نماز کو چھوڑیں گے نہیں اور جب (کبھی) چھوڑتے تو ہم کہتے کہ اب آپ اس نماز کو پڑھیں گے۔“ (ترمذی)

تشریح: جیسا کہ نفل اعمال کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کوئی بھی نفل عمل بیشہ نہیں کرتے تھے تاکہ اس التزام کی وجہ سے وہ عمل فرض نہ ہو جائے۔ اسی طرح نماز غمی کے بارہ میں بھی آپ ﷺ کا یہی معمول تھا کہ آپ ﷺ اُمت کے حق میں انتہائی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، اس نماز کو کبھی کبھی ترک فرما دیتے تھے تاکہ التزام کے طور پر بیشہ اس نماز کو پڑھنے سے اس کی فرضیت کا حکم نازل نہ ہو جائے جس سے اُمت کے لوگ غمی میں مبتلا ہو جائیں۔

اس موقع پر اتنی بات سمجھ لیجئے کہ یہ آنحضرت ﷺ ہی کی خصوصیت تھی کوئی بھی نفل آخرت ﷺ کے التزام کی وجہ سے فرض ہو جاتا تھا اگر اُمت کے لوگ کوئی نفل التزام کے ساتھ کریں تو فرض نہیں ہو گا۔ لہذا اب تمام مسلمان التزام کے ساتھ نماز غمی بیشہ پڑھیں گے تو یہ نماز فرض نہیں ہوگی بلکہ مستحب ہی رہے گی۔

(۱۲) وَعَنْ مُؤَدِّي الْعَجَلِي قَالَ قُلْتُ لَابْنِ عُمَرَ تَصَلِّيَ الْغُصْحَى قَالَ لَا قُلْتُ فَعَمَرَ قَالَ لَا قُلْتُ فَأَبُو بَكْرٍ قَالَ لَا قُلْتُ فَالْجَنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا إِخَالَفَ (رواه البخاری)

”اور حضرت مؤدّی عجلّیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ ”کیا آپ غمی کی نماز پڑھتے ہیں؟“ انہوں نے فرمایا کہ ”نہیں“ میں نے کہا کہ ”حضرت عمرؓ؟“ انہوں نے فرمایا کہ ”وہ بھی نہیں پڑھتے تھے“ پھر میں نے پوچھا کہ ”حضرت ابو بکرؓ؟“ انہوں نے فرمایا کہ ”وہ بھی نہیں پڑھتے تھے۔“ پھر میں نے پوچھا کہ ”ابو جہلؓ؟“ انہوں نے فرمایا کہ ”میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ بھی نہیں پڑھتے۔“ (بخاری)

تشریح: حضرت ابن عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے بارہ میں نماز غمی پڑھنے کی جو نفی فرمائی اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ انکار اس بات پر مبنی ہے کہ آپ مسجد میں غمی کی نماز نہیں پڑھتے تھے یا حضرت ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ کے عمل مبارک اور اس نماز کے پڑھنے کے بارہ میں آپ ﷺ کے ارشاد پر مطلع نہیں ہوئے یا پھر یہ کہ حضرت ابن عمرؓ نے مطلقاً نفی نہیں فرمائی۔ بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ اس نماز کو مستقل طریقہ سے بیشہ نہیں پڑھتے تھے تاکہ یہ نماز فرض قرار نہ دیدی جائے۔

بہر حال اس نماز کا آنحضرت ﷺ سے پڑھنا اور دوسروں کے لئے اس کے پڑھنے پر تاکید کرنا بہت روایتوں سے ثابت ہے۔ اس لئے اس نماز کے ثبوت میں اس روایت سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

ملاحظہ فرماتے ہیں کہ چونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد اس نماز کے فرض ہو جانے کا کوئی اندیشہ نہیں رہا اس لئے یہ کہنا زیادہ مناسب اور بہتر ہے کہ تمام مسلمانوں کو اس نماز پر ہمہ اومت یعنی ہمیشہ پابندی کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے۔ چنانچہ اکثر علما اور مشائخ کا یہ مسلک ہے۔

بَابُ التَّطَوُّعِ

نفل نماز کا بیان

”تطوع“ طوع و طاعت سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ”انقیاد اور فرمانبرداری کرنا“ نافلہ عبادت کو تطوع اور نافلہ کرنے والے کو ”مُتَطَوِّع“ کہتے ہیں لہذا اس باب کے تحت اس نمازوں سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی جو نفل ہیں۔

یوں تو فرض و واجب کے سوا ہر نماز کو نفل کہتے ہیں خواہ سنت ہو یا مستحب لیکن ”تطوع“ کا اطلاق اکثر ان نمازوں پر ہوتا ہے جو غیر روایت یعنی غیر سنت مؤکدہ ہوتی ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

تحیۃ الوضو کی فضیلت

① وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ بِلَالُ حَدَّثَنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتُهُ فِي الْإِسْلَامِ فَإِنِّي سَمِعْتُ ذَكَرَ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجَى عِنْدِي أَنِّي لَمْ أَنْظَهُرْ ظَهْرِي فِي سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ إِلَّا صَلَّيْتُ بِذَلِكَ الظَّهْرُ مَا كَتَبَ لِي أَنْ أُصَلِّيَ - (بخاری علیہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن سرتاجِ دو عالم ﷺ نے نماز فجر کے وقت حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ بلال! ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے حالتِ اسلام میں کون سا عمل کیا ہے جس سے تمہیں ثواب کی بہت زیادہ امید ہے کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جو توں کی آواز سنی ہے۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا ”میں نے ایسی زیادہ امید کا کوئی عمل نہیں کیا سوائے اس کے کہ رات دن میں جب بھی میں پاکی حاصل کرتا ہوں تو اس پاکی سے جس قدر میرے مقدور میں ہے میں نماز ضرور پڑھتا ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا جنت میں اپنے آگے حضرت بلالؓ کے قدموں کی آواز سننا بذریعہ مکاشفہ تھا کہ عالم غیب سے آپ ﷺ پر بخند کی حالت میں یا حالتِ بیداری میں یہ ظاہر کیا گیا یا پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ نے شبِ معراج میں جنت میں اپنے آگے حضرت بلالؓ کے جو توں کی آواز سنی ہوگی۔

حضرت بلالؓ کا آنحضرت کے آگے چلنا (جیسا کہ آپ ﷺ نے ان کے جو توں کی آواز سنی) اسی درجہ میں تھا جس درجہ میں کہ خدام کا مخدوم کے آگے چلنا ہوتا ہے۔

”پاکی“ سے مراد وضو بھی ہو سکتا ہے اور غسل و تیمم بھی۔ اسی طرح یہ تینوں بھی اس سے مراد لئے جاسکتے ہیں۔ اس حدیث میں جس نماز کی فضیلت کا بیان کیا گیا ہے وہ نماز وہ ہے جو وضو کرنے کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس نماز کو اصطلاح میں تحیۃ الوضو یا شکر وضو کہتے ہیں۔

استحارہ کی نماز و دعا

② وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُنَا الْإِسْتِحَارَةَ فِي الْأُمُورِ كَمَا يَعْلَمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ إِذَا هُمْ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكَعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لِيَقُلِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَعِيزُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اللَّهُمَّ إِن كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أُمُورِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أُمُورِي وَآجِلِهِ فَأَقْدِرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أُمُورِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أُمُورِي وَآجِلِهِ فَأَصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدِرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ قَالَ وَيُسَمَّى حَاجَتَهُ - (رواه البخاری)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ ہمارے تمام کاموں کے لئے دعائے استحارہ اس طرح سکھاتے تھے۔ جیسے قرآنِ کریم کی کوئی سورۃ سکھاتے تھے (یعنی آپ ﷺ اس دعا کی تعلیم کا بہت اہتمام رکھتے تھے) چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ”جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ فرض نماز کے علاوہ دو رکعت (نفل) پڑھے پھر یہ دعا پڑھے۔“

اے اللہ! میں تیرے علم کے وسیلہ سے تجھ سے بھلائی مانگتا ہوں اور تیری قدرت کے واسطے سے (نیک عمل کرنے کی) تجھ سے قدرت مانگتا ہوں اور میں تجھ سے تیرا افضل مانگتا ہوں کیونکہ تو ہی (ہر چیز پر) قادر ہے میں (تیری مرضی کے بغیر کسی چیز پر) قادر نہیں ہوں، تو

اسب چیزوں کو جانتا ہے میں کچھ نہیں جانتا اور تو پوشیدہ باتوں کو بھی جاننے والا ہے، اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (یعنی مقصد) میرے لئے میرے دین میں، میری دنیا میں، میری زندگی اور میری آخرت میں، یا فرمایا، اس جہان (یعنی دنیا) میں اور اس جہان (آخرت) میں بہتر ہے تو اسے میرے لئے بہتیا فرما دے اور اسے میرے لئے آسان فرما دے، پھر اس میں میرے واسطے برکت دے اور اگر تو اس امر (یعنی میرے مقصد اور میری مراد) کو میرے دین، میری زندگی اور میری آخرت میں، یا فرمایا، اس جہان اور اس جہان میں برا جانتا ہے تو مجھے اس سے اور اسے مجھ سے پھیر دے اور میرے لئے جہاں بھلائی ہو وہ بہتیا فرما پھر اس کے ساتھ مجھے راضی کر۔ " (بخاری) (راوی کہتے ہیں کہ (لفظ بذالامر کی جگہ) اپنی حاجت کا نام لینا چاہئے۔ " (بخاری)

تشریح: اگر ایسے کام کا ارادہ کیا جائے جو مباح ہو اور اس کی کامیابی و بھلائی میں شک و تردد ہو مثلاً سفر کا ارادہ ہو، تجارت شروع کرنے کا خیال ہو، نکاح کرنا چاہتا ہو یا اسی قسم کے دوسرے مباح کام تو ایسے موقع پر مناسب اور بہتر یہ ہے کہ استخارہ کو اپنا راہبرد مشیر بنایا جائے۔ کھانے پینے یا اسی قسم کے دوسرے مقرر و متعین کاموں کے لئے استخارہ نہیں کرنا چاہئے اگر کوئی کام غیر محض ہو تو اس میں استخارہ نہ کیا جائے استخارہ کی برکت یہ ہے کہ کام شروع کرنے والے کے حق میں جو بات بھی بہتر ہوتی ہے وہ اس کے دل میں جگہ لے لیتی ہے اور دل اپنے حق میں بہتر بات ہی کا فیصلہ کرتا ہے۔

استخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ با وضو ہو کر کسی بھی وقت علاوہ اوقات مکروہ کے استخارہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے اور اس کے بعد مذکورہ دعا پڑھی جائے۔ اگر سنت کی، تحیۃ المسجد کی یا تحیۃ الوضو کی پڑھی جانے والی نمازوں میں سے ہی دو رکعت پڑھنے کے بعد دعاء استخارہ پڑھ لی جائے تو بھی جائز ہے لیکن اولیٰ یہی ہے کہ علیحدہ سے دو رکعت نماز بطور خاص استخارہ کی نیت ہی سے پڑھنی چاہئے۔ اس نماز میں جو بھی سورت پڑھنی چاہے پڑھ سکتا ہے کسی خاص سورۃ کا تعین نہیں ہے تاہم بعض روایتوں میں کہ قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ پرمنا بہتر ہے۔

دعا کے الفاظ "او عاجل امری" میں صرف اور صرف راوی کے شک کو ظاہر کر رہا ہے، یعنی راوی کو شک واقع ہو گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فی دینی و معاشی و عاقبہ امری فرمایا ہے یا ان تینوں الفاظ کی جگہ عاجل امری و واجلہ فرمایا۔ بہر حال افضل یہ ہے کہ اس دعا میں یہ دونوں جملے پڑھے جائیں۔

حدیث کے آخری الفاظ و بسمی حاجتہ کا مطلب یہ ہے کہ دعا میں لفظ هذا الامر بطریق عموم واقع ہے استخارہ کرنے والا اپنی دعا میں اس جگہ اپنا مقصد اور اپنی مراد ظاہر کرے مثلاً "هذا الامر" کی بجائے یوں کہے "هذا السفر یا هذا الإقامة" یا اسی طرح جو بھی مقصد ہو ذکر کرے نیز یہ بھی جائز ہے کہ پہلے هذا الامر کہہ لے اس کے بعد اپنا مقصد اور اپنی مراد کا ذکر کرے۔ ایک اور روایت میں یہ مختصر استخارہ بھی منقول ہے کہ "اگر کسی شخص کو جلدی ہو اور کوئی وقتی دہنگائی کام ہو تو اسے چاہئے کہ وہ صرف یہ پڑھ لے۔

اللّٰهُمَّ اخْرِ لِيْ وَ اخْتَرْ لِيْ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلَى الْخِيَارِ

"اے اللہ! (میرے حق میں تیرے نزدیک جو بہتر اور مناسب ہو اسے) میرے لئے پسند اور میرے لئے اختیار فرما اور مجھے میرے اختیار کا پابند نہ بنا۔

حضرت انسؓ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ "آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ "اے اب جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے سات مرتبہ استخارہ کرو، پھر اس کے بعد (اس کا نتیجہ) دیکھو، تمہارے دل میں جو کچھ ڈالا جائے (یعنی استخارہ کے نتیجہ میں بارگاہ حق کی جانب سے، جو چیز القاء کی جائے اسی کو اختیار کرو کہ تمہارے لئے وہی بہتر ہے۔

الفصل الثانی

نماز توبہ کا بیان

(۳) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ وَصَدِّقُ أَبُو بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ رَجُلٍ يَذِيبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُومُ فَيَسْتَغْفِرُ اللَّهَ ثُمَّ يُصَلِّي ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللَّهَ إِلَّا غَفَرَ اللَّهُ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ الَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاجِسَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِنَفْسِهِمْ ذَوَاهُ التَّوْبَةِ وَالْبَيْنُ مَاجَةٌ إِلَّا أَنْ الْبَيْنُ مَاجَةٌ لَمْ يَذْكُرِ الْآيَةَ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاجِسَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِنَفْسِهِمْ.

”امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مجھ سے فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ نے بالکل صحیح فرمایا کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ سے یہ ارشاد گرامی سنا ہے کہ ”جو شخص گناہ کرتا ہے اور گناہ پر انداست ہونے کی وجہ سے اٹھ کر وضو کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور پروردگار سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا گناہ معاف فرمادیتا ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ ”اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو یا اپنی ذات پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو (یعنی اس کے عذاب کو) یاد کر لیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں۔ اس روایت کو ترمذیؒ اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے مگر ابن ماجہ نے آیت ذکر نہیں کی ہے۔“

تشریح: صدیق ابوبکرؓ (حضرت ابوبکرؓ نے بالکل صحیح فرمایا) یہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے جس کے ذریعہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بزرگی ان کی عظمت اور ان کے انتہائی سچے ہونے کو ظاہر فرمایا ہے جن کی سچائی اور صداقت اس پایہ کی تھی کہ خود آنحضرت ﷺ نے انہیں ”صدیق“ کے لقب سے سرفراز فرمایا۔

حضرت علیؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ ان کی عادت تھی کہ وہ کسی بھی روای کی نقل کردہ حدیث کو اس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے جب تک کہ راوی سے وہ قسم نہ کھولا لیتے تھے چنانچہ جب راوی ان سے کہتا کہ ”میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے یہ حدیث اسی طرح سنی ہے تو آپ اسے قبول فرماتے لیکن جب کوئی حدیث حضرت ابوبکرؓ سے سننے تو بغیر قسم کے قبول کر لیتے تھے۔

فَيَسْتَغْفِرُ اللَّهُ فَاسْتَغْفِرُوا لِنَفْسِهِمْ ذَوَاهُ التَّوْبَةِ وَالْبَيْنُ مَاجَةٌ إِلَّا أَنْ الْبَيْنُ مَاجَةٌ لَمْ يَذْكُرِ الْآيَةَ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاجِسَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِنَفْسِهِمْ۔

حضرت علیؓ کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرنے والا وضو کر کے نماز پڑھے لیکن افضل غسل کرنا ہے نہ صرف یہ بلکہ ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا سب سے زیادہ افضل ہے۔

یُصَلِّيُ كَمَا مَطْلَبُ يَدِي نَبِيٍّ كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ فِي رَكْعَتَيْنِ مِثْلَ رَكْعَتَيْنِ فِي سُوْرَةِ فَاتِحَةِ كَمَا تَحْتَفِظُ قُلُوبُ الْكَافِرِينَ فِي رَكْعَتَيْنِ۔ اور دوسری رکعت میں قل ہو اللہ کی قرأت کی جائے اس نماز کو نماز توبہ کہا جاتا ہے۔

حدیث کے الفاظ ثم يستغفر الله (پھر پروردگار کی بارگاہ میں توبہ مانگتا ہے اور نہ صرف یہ کہ اس گناہ کو چھوڑ دیتا ہے بلکہ آئندہ کبھی گناہ میں مبتلا نہ ہونے کا پختہ عزم کرتا ہے اور اس عزم پر ثابت قدم رہتا ہے پھر یہ کہ اگر اس کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہوتا ہے تو اس کا تدارک کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے ارشاد کے بعد بطور دلیل کے آیت کی تلاوت فرمائی کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہی خداوند کریم بھی فرماتا ہے لَذُنُوبِهِمْ كَبُرَتْ آيَةُ كَالْيَقِيْرِ حَصْرِيَّةٌ۔

وَمَنْ يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ، أُولَٰئِكَ جَزَاءُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ وَجَنَّتْ نَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خُلِدِينَ ط فِيهَا وَنِعْمَ أَجْزُ الْعَالَمِينَ۔ (ال عمران ۳: ۱۳۵-۱۳۶)

”اور ہے کون؟ جو گناہوں کو بخشا ہو، اور یہ لوگ اپنے فعل (گناہ) پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں، ان لوگوں کی جزاء بخشش ہے۔ ان

کے رب کی طرف سے اور ایسے بارغ ہیں کہ ان کے نیچے سے نہریں چلتی ہوگی (اور) وہ ان میں ہمیشہ بستے رہیں گے اور (اپنے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔“

اس آیت کا شان نزول بعض مفسرین کی روایت کے مطابق ایک مخصوص واقعہ ہے۔ ایک صحابیؓ سے بتھاضائے بشریت ایک لغزش ہوگئی مگر وہ فوراً متنبہ ہو گئے جس سے وہ انتہائی نادم اور شرمندہ ہوئے ان کی ندامت و شرمندگی اور رب العزت کی بارگاہ میں اس لغزش سے ان کی صدق دل سے توبہ و استغفار کے پیش نظر یہ آیت نازل فرمائی گئی۔

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں لفظ ”والذین“ بتداء ہے دوسری آیت میں ”اولئک“ خبر ہے۔ یعنی پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان خدا سے ڈرنے والے اور اس کے ثواب و عذاب پر یقین رکھنے والے جب بتھاضائے بشریت کسی خطا و لغزش اور گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو ایمان و یقین سے بھرپور ان کا ضمیر انہیں فوراً متنبہ کرتا ہے وہ ایسے موقع پر اپنے خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں اس کی عبادت و بندگی کر کے اس سے اپنی لغزش کی معافی چاہتے ہیں اپنی خطا و گناہ پر شرمندگی و ندامت کا اظہار کر کے توبہ مانگتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ وہ کسی گناہ پر ڈھٹائی کے ساتھ عمل پیرا نہیں رہتے۔ بلکہ آئندہ کے لئے کسی گناہ میں مبتلا نہ ہونے کا عزم کرتے ہیں اور اپنے پختہ عزم پر قائم رہتے ہیں۔

دوسری آیت میں ایسے لوگوں کی جزاء بیان کی جا رہی ہے کہ خداوند کریم اپنی رحمت کے صدقہ میں ان لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے ان کی غلطی سے درگزر کرتا ہے اور چونکہ یہ گناہوں سے صدق دل کے ساتھ معافی کے خواستگار ہوتے ہیں اس لئے ان کی بخشش فرماتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں جنت اور جنت کی نعمتوں کے حقدار ہوتے ہیں۔

مصیبت کے وقت نماز نفل

④ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَنَهُ أَمْرٌ صَلَّى - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ”سرتاج دو عالم ﷺ جب کسی مصیبت سے دوچار ہوتے تو (نفل) نماز پڑھتے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ کہ آنحضرت ﷺ کو جب کوئی رنج و غم ہوتا یا کوئی مصیبت رونما ہوتی تو آپ ﷺ رنج و غم اور مصیبت سے چھٹکارا پاتے اور اللہ تعالیٰ کی فرمائندہ واری کے طور پر نماز پڑھتے کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِذُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ -

”اے اہل ایمان! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد مانگو۔“

علماء لکھتے ہیں کسی رنج اور مصیبت کے وقت نماز نفل پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ جب انسان نماز میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے سامنے عالم ربوبیت کھل جاتا ہے اور جب اس پر عالم ربوبیت منکشف ہو جاتا ہے تو دنیا از خود اس کی نظروں میں بالکل حقیر و بے وقعت ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں دنیا کے ہونے (یعنی دنیا کی راحت و آسائش) اور دنیا کے نہ ہونے (یعنی دنیا کی تکلیف و مصیبت) کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں رہتا۔ لہذا اگر دنیا اسے نہیں ملتی باس طور کہ وہ دنیا کے رنج و غم اور تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو متوحش اور پریشان نہیں ہوتا اور اگر دنیا اسے ملتی ہے باس طور کہ دنیا کی راحت و چین اور آرام و آسائش اسے حاصل ہوتی ہے تو وہ خوش نہیں ہوتا جیسا کہ یہ عارفانہ مقولہ کہا گیا۔ ”اگر ہے تو خوشی نہیں اور اگر نہیں تو غم نہیں۔“

تحیۃ الوضو کی فضیلت

⑤ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ أَصْبَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَابِلًا لَا فَقَالَ بِمَا سَبَقْتَنِي إِلَى الْجَنَّةِ مَا دَخَلْتُ

الْجَنَّةَ قَطْرًا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ أَهَامِي قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَذْنْتُ قَطْرًا إِلَّا صَلَّيْتُ وَكُفَعْتَيْنِ وَمَا أَهَامِي حَدَّثَ قَطْرًا إِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهُ وَرَأَيْتُ أَنَّ لِلَّهِ عَلَى رُكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمَا۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرتاج دو عالم ﷺ نے صبح کے وقت فجر کی نماز کے بعد حضرت بلالؓ کو طلب کیا اور (جب وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ”کس عمل کو بریدہ تم نے جنت میں مجھ سے پیش روی اختیار کی ہے (کیونکہ) میں جب بھی جنت میں داخل ہوا تو اپنے آگے آگے تمہارے جوتوں کی آواز سنی؟ انہوں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے جب بھی اذان دی ہے تو اس کے بعد دو رکعت نماز (ضروری) پڑھی ہے اور جب بھی میرا وضو ٹوٹا ہے میں نے اسی وقت وضو کر لیا ہے اور میں نے خدا کے واسطے دو رکعت نماز پڑھنی ضروری سمجھا ہے۔ (یعنی ہر وضو کے بعد پابندی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھنی میں نے اپنے اوپر لازم قرار دے رکھی ہے) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”اسی وجہ سے تم اس (عظیم) اور جہ کو پہنچے ہو۔“ (ترمذی)

تشریح: حدیث میں مذکورہ مضمون کی وضاحت اس باب کے شروع میں پہلی حدیث کی تشریح کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ چنانچہ وہاں یہ بتایا جا چکا ہے کہ جنت میں حضرت بلالؓ کا آنحضرت ﷺ کے آگے آگے ہونا خادم کی حیثیت سے تھا۔ جو خود ایک بہت بڑا درجہ اور بڑی فضیلت کی بات ہے چنانچہ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم آخر وہ کون سا عمل کرتے ہو جس کی وجہ سے تمہیں خدمت خاص کا یہ عظیم مرتبہ حاصل ہوا؟ حدیث کے حقیقی معنی یہی ہیں۔ اس کے ظاہری معنی و مفہوم مراد لے کر کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہئے۔ کہ اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ (نعمو باللہ) حضرت بلالؓ کو آنحضرت پر بھی اس موقع پر فضیلت حاصل تھی کہ وہ آپ ﷺ سے پہلے جنت میں داخل ہوئے کیونکہ یہ مرتبہ تو کسی نبی اور پیغمبر کو بھی حاصل نہیں ہو گا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے پہلے جنت میں داخل ہو جائے چہ جائیکہ آپ کی اُمت کے ایک فرد کو یہ امتیاز حاصل ہو جائے کہ ان دو چیزوں یعنی ہمیشہ با وضو رہنے اور نماز تحیۃ الوضو پڑھنے کی وجہ سے آپ ﷺ سے پہلے وہ جنت میں داخل ہو۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

نماز حاجت

① وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ إِلَى اللَّهِ أَوْ إِلَى أَحَدٍ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُخْبِسِ الْوُضُوءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رُكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُفْضِلْ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى وَيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْخَلِيلُ الْكَرِيمُ سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَغَرَائِمِ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بَرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ ظَلَمٍ لَا تَدْعُ لِي ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَجْتَهُ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رَضِي إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت عبد اللہ ابن ابی اوفیؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ یا کسی آدمی کی طرف کوئی حاجت ہو (یعنی خواہ دینی حاجت) تو اسے چاہئے کہ (پہلے) وضو کرے اور اچھا وضو (یعنی پورے آداب کی رعایت کے ساتھ) کرے اور دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کر کے اور نبی ﷺ پر درود بھیج کر یہ دعا پڑھے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ چٹم پوشی اور بخشش کرنے والے کے پاک ہے اللہ جو مالک ہے عرش عظیم کا، اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو سارے جہان کا پروردگار ہے، اے اللہ میں تجھ سے ان چیزوں کو مانگتا ہوں جن پر رحمت ہوتی ہے اور جو تیری بخشش کا سبب ہوتی ہیں اور مانگتا ہوں اپنا حصہ ہر نیکی سے اور بچنا چاہتا ہوں ہر گناہ سے، اے اللہ! میرے کسی گناہ کو بے بخشے ہوئے اور کسی غم کو بے دور کئے ہوئے اور کسی جماعت کو جو تیرے نزدیک پسند ہو، بے پورا کئے ہوئے نہ چھوڑاے بہت رحم کرنے والے رحم کرنے والوں سے۔“ (امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: جب کسی کو کوئی حاجت یا ضرورت پیش آئے تو خواہ وہ حاجت بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے ہو یا بالواسطہ کسی بندے سے متعلق ہو مثلاً کسی کو نوکری کی خواہش ہو، یا کسی سے نکاح کرنا چاہتا ہو، یا ایسی کوئی اور ضرورت ہو، جسے کسی شخص سے پورا کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی تعریف و بڑائی بیان کر کے درود شریف پڑھے جو نماز میں التحیات کے بعد پڑھا جاتا ہے اس کے بعد حدیث میں مذکور دعا پڑھے۔ دعا کے بعد اس کی حاجت و ضرورت ہو اسے پروردگار کی بارگاہ میں پیش کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے مقصد برآری کے لئے دعا کرے۔

حاجت روائی اور مقصد برآری کے لئے یہ نماز کہ جسے اصطلاح میں ”صلوۃ الحاجت“ یعنی نماز حاجت کہتے ہیں بہت مجرب ہے بعض بزرگوں کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اپنی ضرورتوں میں اس طریقہ سے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت بیان کی، اللہ تعالیٰ نے ان کے مقصد اور ان کی حاجت کو پورا فرمایا۔ (علم الفقہ)

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حاجب مند کو اپنی حاجت روائی اور اس نماز و دعا کو پڑھنے کے لئے شنبہ کے دن صبح کے وقت اختیار کرنا چاہئے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جو شخص شنبہ کے دن صبح کے وقت (نماز حاجت اور اس کی دعا پڑھ کر اپنی حلال و جائز حاجت کو طلب کرے تو میں اس کی حاجت روائی کا ضامن ہوں۔“ (طائلی قاری)

یوں تو یہ نماز اور یہ دعا تمام حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے ہے لیکن قوت حافظہ کی اگر حاجت ہو تو اس کے لئے بطور خاص الگ نماز ہے جس کو صلوۃ الحافظ (حافظ کی نماز) کہتے ہیں جو حسن حصین میں مذکور ہے اس کی اردو شرح میں اس نماز کی روایت بالتفصیل لکھی گئی ہے وہاں ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے۔

بَابُ صَلَوةِ التَّسْبِيحِ نماز تسبیح کا بیان

نماز تسبیح مستحب ہے جس کے بے شمار اجر و ثواب ہیں اس کی چار رکعتیں پڑھنی آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں بہتر یہ ہے کہ چاروں رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھی جائیں۔ اگر دو سلام سے پڑھی جائیں تب بھی درست ہیں۔ ہر رکعت میں پچھتر مرتبہ تسبیح کہنا چاہئے اور پوری نماز میں تین سو مرتبہ۔

نماز تسبیح پڑھنے کا طریقہ: نماز تسبیح کی نیت اس طرح کی جائے:

نَوَيْتُ اَنْ اُصَلِّيَ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ صَلَوةَ التَّسْبِيحِ۔

”میں نے چار رکعت نماز تسبیح پڑھنے کا ارادہ کیا۔“

اس نیت کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھے جائیں اور سبحانک اللہم پڑھ کر پندرہ مرتبہ یہ تسبیح کی جائے تَسْبِيحُ خَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ پھر اعموذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر الحمد اور سورۃ پڑھی جائے اس کے بعد دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھی جائے پھر رکوع کی اور رکوع کے بعد سورۃ الحمد کہہ کر دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھی جائے پھر سجدہ میں جا کر اور دونوں سجدوں میں سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد اور دونوں سجدوں کے درمیان دس دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھی جائے پھر دوسری رکعت میں الحمد سے پہلے پندرہ مرتبہ الحمد اور دوسری سورت کے بعد دس مرتبہ رکوع اور قومہ، دونوں سجدوں اور درمیان میں دس دس مرتبہ اسی تسبیح کو پڑھا جائے اسی طرح تیسری اور چوتھی رکعت پڑھی جائے اور ان میں یہی تسبیح اس تعداد میں پڑھی جائے۔

نماز تسبیح کی فضیلت

① عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم قال للعباس بن عبد المطلب يا عباس يا عمّاه ألا أعطيتك ألا أمثحك ألا أخبرك ألا أفعل بك عشر خصال إذا أنت فعلت ذلك غفر الله لك ذنوبك أوله وأخيره قديمه وحديثه خطاه وعمده صغيره وكبيره سره وعلايته أن تَصلي أربع ركعات تقرأ في كل ركعة فاتحة الكتاب وسورة فإذا فرغت من القراءة في أول ركعة وأنت قائم قلت سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر خمس عشرة مرة ثم تركت فتقولها وأنت راكع عشرًا ثم ترفع رأسك من الركوع فتقولها عشرًا ثم تهوي ساجدًا فتقولها وأنت ساجد عشرًا ثم ترفع رأسك من السجود فتقولها عشرًا ثم تسجد فتقولها عشرًا ثم ترفع رأسك فتقولها عشرًا فذلك خمس وستون في كل ركعة تفعل ذلك في أربع ركعات إن استطعت أن تصلينها في كل يوم مرة فافعل فإن لم تفعل ففي كل جمعة مرة فإن لم تفعل ففي كل شهر مرة فإن لم تفعل ففي كل سنة مرة فإن لم تفعل ففي غمرك مرة رواه أبو داود وابن ماجه والبيهقي في الدعوات الكبير وروى الترمذي عن أبي رافع نحوه.

”حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سر تاجِ دو عالم ﷺ نے حضرت عباسؓ ابن عبد المطلبؓ سے فرمایا کہ اے عباس! اے میرے چچا کیانہ دوس میں آپ کو؟ کیانہ دوس میں آپ کو؟ کیا آپ کو دس خصلتوں کا مالک نہ بنا دوں؟ کہ اگر آپ ان کو اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے اور پچھلے، پرانے اور نئے، قصداً اور سہواً، چھوٹے اور بڑے، پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہوں کو بخش دے (تو سنئے کہ) آپ چار رکعت نماز (اس طرح) پڑھئے کہ ہر رکعت سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھے۔ جب آپ پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جائیں تو کھڑے ہی کھڑے پندرہ مرتبہ (یہ تسبیح کہئے) ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ پھر رکوع میں جائیے اور (رکوع کی تسبیح سبحان ربی العظیم کہئے کے بعد رکوع میں یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے پھر رکوع سے سزاٹھائیے اور اسع اللہ حمد کہئے کے بعد یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے پھر سجدہ میں جائیے اور (سبحان ربی الاعلیٰ کہئے کے بعد) یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے پھر سجدہ میں سزاٹھائیے اور تسبیح دس مرتبہ کہئے پھر (دوسرے) سجدہ میں جائیے اور (سجدہ کی تسبیح کہئے کے بعد) یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے۔ پھر اپنا سر سجدہ سے اٹھائیے اور یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے یہ سب پچتر تسبیحات ہوئیں ہر رکعت میں اسی طرح چاروں رکعت میں کیجئے (یعنی مذکورہ طریقہ سے یہ تسبیح پچتر مرتبہ ہر رکعت میں پڑھئے) اگر آپ اس نماز کو روزانہ پڑھئے پر قدرت رکھتے ہوں تو روزانہ پڑھئے۔ اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہفتہ میں ایک مرتبہ پڑھئے۔ اگر ہر ہفتہ نہ پڑھ سکیں تو مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھئے۔ اگر ہر مہینہ نہ پڑھ سکیں تو سال میں ایک مرتبہ پڑھئے اور اگر ہر سال نہ پڑھ سکیں تو کم سے کم پوری عمر میں ایک مرتبہ (تو ضرور ہی) پڑھ لیجئے۔“ (ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی، فی دعوات الکبیر) امام ترمذیؒ نے اسی طرح کی روایت حضرت ابو رافعؓ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: ”کیا آپ کو دس خصلتوں کا مالک نہ بناؤں؟“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ایسی چیز بتائے دیتا ہوں جس کو آپ اگر اختیار کریں گے تو آپ دس قسم کے گناہ (جو حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں) بخش دیئے جائیں گے۔
بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ ”دس خصلتوں“ سے مراد اس نماز میں قیام کی پندرہ مرتبہ تسبیح کہئے کے علاوہ بقیہ حالتوں میں دس دس مرتبہ تسبیح کہنا ہے۔

حدیث میں لفظ علائیتہ کے بعد عشر خصال کے الفاظ یہاں مشکوٰۃ میں ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔ لیکن ”اصول“ میں موجود ہیں۔ چنانچہ ”محسن حصین“ میں بھی یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں اسی لئے طبریؒ نے لکھا ہے کہ سیاق حدیث کے پیش نظر یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ دس خصلتوں سے مراد یہ چیزیں ہیں۔

① چار رکعت نماز پڑھنا۔ ② ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا۔ ③ سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور صورت پڑھنا۔ ④ حالت قیام میں پندرہ مرتبہ مذکورہ تسبیحات کا کہنا۔ ⑤ ان تسبیحات کا رکوع میں دس مرتبہ کہنا۔ ⑥ ان تسبیحات کا دس مرتبہ قومہ میں کہنا۔ ⑦ ان تسبیحات کا دس مرتبہ سجدہ میں کہنا۔ ⑧ ان تسبیحات کا دس مرتبہ جلسہ میں کہنا۔ ⑨ ان تسبیحات کا دس مرتبہ سجدوں میں کہنا۔ ⑩ ان تسبیحات کا دس مرتبہ جلسہ استراحت میں کہنا۔

اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیام میں قرأت کے بعد پندرہ مرتبہ یہ تسبیح پڑھی جائے اسی طرح اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے سجدے سے اٹھ کر بھی یہ تسبیح پڑھی جائے جب کہ ہم نے ابتداء باب میں یہ طریقہ نقل کیا ہے کہ حالت قیام میں سبحانک اللہم کے بعد پندرہ مرتبہ تسبیح پڑھی جائے پھر قرأت کے بعد دس مرتبہ تسبیح پڑھی جائے اور دوسرے سجدے سے اٹھنے کے بعد تسبیح پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ تو یہ دونوں طریقے الگ الگ روایتوں میں مذکور ہیں پھر یہ کہ ان دونوں طریقوں میں تسبیح کی تعداد میں کوئی فرق نہیں ہے صرف پڑھنے کے مواقع میں فرق ہے اس لئے اختیار ہے کہ ان دونوں طریقوں میں سے جس طریقہ کو چاہے اختیار کیا جائے اور بہتر یہ ہے کہ بھی اس طریقہ کے مطابق عمل کیا جائے اور کبھی اس طریقہ کے مطابق تسبیحات پڑھی جائیں تاکہ قعدوں میں یہ تسبیحات بخلاف اور ارکان کے التحیات کے پہلے پڑھی جائیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ اس نماز میں یہ سورئیں پڑھی جائیں اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ وَالْعَصْرِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْکَافِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ بعض روایتوں میں اِذَا زُلْزِلَتْ وَالْعَادِيَاتِ اِذَا جَاءَ اور سورۃ اخلاص کا پڑھنا بھی منقول ہے۔ جلال الدین سیوطیؒ نے امام احمدؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ نماز تسبیح میں سلام پھیرنے سے پہلے یہ دعا بھی پڑھنی چاہئے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ تَوْفِیْقَ اَهْلِ الْهُدٰی وَاَعْمَالِ اَهْلِ الْیَقِیْنِ وَفَتْحَ صِدْقَةِ اَهْلِ التَّوْبَةِ وَعِزِّ اَهْلِ الصَّبْرِ وَجَدِّ اَهْلِ الْخَشِیَةِ وَطَلَبِ اَهْلِ الرَّغْبَةِ وَتَعَبُّدِ اَهْلِ النُّوْعِ وَعِزِّ اَهْلِ الْعِلْمِ حَتّٰی اَخَافُکَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مَخَافَۃً تَحْجِزُنِیْ عَنْ مَعَاصِیْکَ وَحَتّٰی اَعْمَلَ بِطَاعَتِکَ عَمَلًا اَسْتَحِقُّ بِہٖ رِضَاکَ وَحَتّٰی اَنَاصِحْکَ بِالتَّوْبَةِ خَوْفًا مِنْکَ وَحَتّٰی اَخْلَصَ لَکَ النَّصِیْحَۃَ حَیَّاءَ مِنْکَ وَحَتّٰی اَتَوَكَّلَ عَلَیْکَ لَیْ اَلَا تُؤَوِّرُ کُلَّهَا وَحَسْبَنَ ظَنُّ بِکَ سُبْحَانَ خَالِقِ الثَّوْرِ۔

”اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اہل ہدایت کی سی توفیق اہل یقین (یعنی راسخ العقیدہ اور راسخ العمل لوگوں) کے سے اعمال، اہل توبہ کی سی خالص توبہ، اہل صبر کی سی پختگی، اہل خشیت کی سخت کوشش، طالبین حق کی سی طلب، پرہیزگاروں کی سی عبادت اور اہل علم کی سی معرفت، یہاں تک کہ میں تیری ہی ذات سے ڈرنے لگوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے (تیرے) خوف کا طلبگار ہوں جو مجھے تیری نافرمانیوں سے روک دے تاکہ میں تیری نافرمانی و دشمنی کا وہ عمل نہ کرے لگوں جو مجھے تیری رضا کا مستحق گردانے تیرے خوف سے جی توبہ کرنے لگوں یہاں تک کہ تیری ذات پر اچھا لگن رکھتے ہوئے تمام امور میں تیری ذات پر بھروسہ کرنے لگوں اور اے نور کے پیدا کرنے والے آپ ہر عیب اور برائی سے پاک ہیں۔“

اس نماز کی فضیلت کے بارے میں عبدالعزیزؒ ابن راؤدؒ لکھتے ہیں کہ جو شخص جنت میں داخل ہونا چاہے تو وہ نماز تسبیح کو اپنے اوپر لازم قرار دے لے۔

ابو عثمان زاہدؒ نے فرمایا ہے کہ مصیبت و پریشانی کے دفعہ اور غم و حزن کو دور کرنے کے لئے اس نماز کے علاوہ میں نے کوئی اور چیز نہیں پائی۔ یعنی نماز تسبیح پڑھنے سے یہ چیزیں جاتی رہتی ہیں۔

اس نماز کی انہیں عظیم فضیلتوں کے پیش نظر اکثر آئمہ و مشائخ اور بزرگ اس نماز کو پڑھتے رہے ہیں۔ جمعہ کے روز دو پہر ڈھلنے کے بعد اس نماز کا پڑھنا مستحب ہے اگر اس نماز میں سجدہ سہو کی ضرورت پڑ جائے تو سجدہ سہو کے اندر یہ تسبیحات نہ پڑھی جائیں کیونکہ اس طرح تسبیحات کی مقدار تین سو سے آگے بڑھ جائے گی۔

جن مسلمانوں کو خدا نے اپنی عبادت و اطاعت کی توفیق دی ہے اور انہیں زیادہ سے زیادہ عمل خیر کرنے کی سعادت سے نوازا ہے ان کیلئے اس نماز کے پڑھنے کے سلسلہ میں درجہ اعتدال یہ ہے کہ یہ نماز ہر جمعہ کو پڑھی جائے چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا اسی پر عمل تھا کہ وہ ہر جمعہ کے روز زوال کے بعد اس نماز کو پڑھتے تھے اور انہیں سورتوں کی قرأت کرتے تھے جو ابھی اوپر ان سے نقل کی گئی ہیں۔

قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کی پرش ہوگی

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسِبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتُهُ فَإِنْ صَلَحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَإِنْ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيضَتِهِ شَيْءٌ قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنْظِرُوا أَهْلَ الْعِبَادَةِ مَنْ تَطَوَّعَ فَيَكْمُلْ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ يَكُونُ سَائِرُ عَمَلِهِ عَلَى ذَلِكَ وَفِي رَوَايَةٍ ثُمَّ الزَّكَاةُ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ تَوَخَّذَ الْأَعْمَالُ عَلَى حَسَبِ ذَلِكَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ زُجَلٍ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے روز بندہ کے اعمال میں سب سے پہلے جس عمل کے بارے میں محاسبہ کیا جائے گا وہ اس کی نماز ہوگی، لہذا اگر اس کی نماز درست ہوگی (یعنی اس نے نماز کو صحیح ادا کیا ہوگا۔ یا یہ کہ اس کی نماز مقبول ہوئی ہوگی) تو وہ فلاح اور کامیابی پائے گا اور اگر نماز فاسد ہوگی (یعنی نماز ادا نہ کی گئی یا ادا تو کی گئی مگر غیر صحیح اور غیر مقبول) تو وہ ثواب سے ناامید ہوگا اور (عذاب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے) خسارے میں رہے گا۔ ہاں اگر کسی کی فرض نماز میں کچھ کمی رہ گئی (یعنی نماز کے فرض، واجب اور سنت مؤکدہ ارکان میں سے کوئی رکن رہ گیا اور نماز مکمل ہو گئی) تو اللہ بزرگ و برتر (فرشتوں سے) فرمائے گا کہ دیکھو میرے بندے کے پاس (یعنی اس کے نامہ اعمال میں) کچھ سنت یا نفل نماز بھی ہے؟ لہذا اگر اس کے نامہ اعمال میں سنت و نفل نماز ہوگی تو اس کے ذریعے سے اس کی فرض نماز کی کمی پوری کی جائے گی، پھر اسی طرح بندہ کے دوسرے اعمال کا حساب ہوگا۔ ایک دوسری روایت میں (آخری الفاظ) یوں ہیں پھر ایسے ہی زکوٰۃ کا حساب ہوگا اور پھر بقیہ اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔ یہ روایت ابو داؤد نے نقل کی ہے اور امام احمدؒ نے یہ روایت ایک (دوسرے) شخص سے نقل کی ہے۔“

تشریح: ایک دوسری روایت میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز بندہ سے سب سے پہلے جس چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا وہ خون ہوگا اور یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ سب سے پہلے ”نماز“ کا محاسبہ ہوگا۔ لہذا ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے تو سب سے پہلے نماز کا مواخذہ ہوگا اور بندوں کے حقوق میں سب سے پہلے ”خون“ کا حساب لیا جائے گا۔

حدیث کے آخری الفاظ ”پھر اسی طرح بندہ کے دوسرے اعمال کا حساب ہوگا“ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح فرض نماز کی کوئی کمی سنت و نفل نماز سے پوری کی جائے گی اسی طرح دوسرے فرض اعمال بھی کوئی کوتاہی ہوگی تو اسے نفل اعمال کے ذریعے پورا کیا جائے گا۔ مثلاً اگر فرض روزوں میں کوئی نقصان واقع ہوگا تو وہ نقصان نفل روزے سے پورا کیا جائے گا اگر زکوٰۃ میں کچھ نقصان ہوگا تو صدقہ نفل سے اسے پورا کیا جائے گا۔ اگر فرض حج میں کوئی کمی رہ گئی ہوگی تو نفل حج یا عمرہ سے پوری کی جائے گی اور اگر کسی پر کسی کا کوئی حق (مطالبہ) ہوگا تو اس کے نامہ اعمال صالحہ سے اس مطالبہ کی بقدر حقہ لے کر صاحب مطالبہ کو دیدیا جائے گا اسی طرح تمام اعمال کے بارے میں پورا پورا محاسبہ کیا جائے گا۔

نماز اور نماز کی عظمت و فضیلت

③ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَدِينُ اللَّهُ الْعَبْدَ فِي شَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ الزَّكَاةِ نِصْلِهِمْ مَا وَإِنَّ الْبِرَّ لَيُذَرُّ عَلَى رَأْسِ الْعَبْدِ مَا دَامَ فِي صَلَاتِهِ وَمَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ إِلَى اللَّهِ بِمِثْلِ مَا خَرَجَ مِنْهُ يُعْنِي الْقُرْآنَ۔

(رواہ احمد و الترمذی)

”اور حضرت ابو امامہؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: اللہ جل شانہ، بندہ کے کسی عمل پر اپنی رحمت کے ساتھ اتنا زیادہ متوجہ نہیں ہوتا جتنا کہ اس کی پڑھی ہوئی دور رکعت نماز پر (چونکہ تمام اعمال میں نماز سب سے زیادہ افضل ہے اس لئے بندے پر اس کے اور اعمال کی نسبت نماز پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عنایت بہت زیادہ ہوتی ہے) اور بندہ جب تک نماز میں مشغول رہتا ہے اور اس کے سر پر نیکی و بھلائی چھڑکی جاتی ہے (یعنی اس کے اوپر رحمت و ثواب کا جو نیکی کا نتیجہ ہے جو نزول ہوتا ہے) اور بندہ خدا کا تقرب حاصل کرنے میں جس قدر اس سے نکلے ہوئے سرچشمہ ہدایت یعنی قرآن کریم سے فائدہ اٹھاتا ہے اتنا کسی چیز سے نہیں (یعنی خدا کا قرب جتنا زیادہ قرآن کریم پڑھنے سے ہو گا اتنا اور کسی چیز سے حاصل نہیں ہو گا۔) (احمد، ترمذی)

بَابُ صَلَوةِ السَّفَرِ

نماز سفر کا بیان

مسافر جب اپنے گاؤں یا شہر کی آبادی سے باہر نکل جائے تو اس پر قصر واجب ہے، پوری چار رکعت والی فرض نماز کی دو رکعتیں ہی پڑھنا واجب ہے اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں جب کہ اس پر قصر واجب ہے، پوری چار رکعت پڑھے گا تو گنہگار ہو گا اور دو واجب کو چھوڑنے والا ہو گا۔ یعنی ایک واجب تو قصر کا ترک ہو گا اور دوسرے قعدہ اخیرہ کے بعد فوراً سلام پھیرنا، کیونکہ مسافر کے حق میں پہلا قعدہ ہی قعدہ اخیرہ ہوتا ہے اس کے بعد اسے فوراً سلام پھیرنا چاہئے تھا اور اس نے نہیں پھیرا بلکہ کھڑا ہو گیا اس طرح اس نے دوسرے واجب کو ترک کیا۔

اس موقع پر اتنی بات بھی جانتے چلے کہ مسافر کے لئے قصر کے جواز میں کسی بھی عالم اور کسی بھی امام کا اختلاف نہیں ہے صرف اتنی بات ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو قصر واجب ہے لیکن امام شافعیؒ کے یہاں قصر اولیٰ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسافر قصر نہیں کرے گا تو وہ امام صاحب کے مسلک کی رو سے گنہگار ہو گا، مگر حضرت شافعیؒ کا مسلک اسے گنہگار نہیں قرار دے گا۔ بلکہ اولیٰ و افضل چیز کو ترک کرنے والا کہلائے گا۔

مسافت قصر: قصر اتنی مسافت کے لئے واجب ہوتا ہے جو متوسط چال سے تین دن سے کم میں طے نہیں ہو سکتی۔ متوسط چال سے مراد آدمی یا اونٹ کی متوسط رفتار ہے تین دن کی مسافت سے یہ مراد ہے کہ صبح سے دوپہر تک چلے نہ یہ کہ صبح سے شام تک۔ اسی لئے فقہاء نے موجودہ زمانہ میں اس مسافت کا اندازہ اڑتالیس میل کیا ہے گویا اگر کوئی شخص اڑتالیس میل (تقریباً ۷۸ کلومیٹر) کی مسافت کے لئے اپنے گھر سے سفر پر نکلے تو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اپنے گاؤں یا شہر کی آبادی سے باہر نکلے ہی اس پر قصر واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص مسافت قصر (یعنی ۳۸ میل یا ۷۸ کلومیٹر) کو کسی تیز سواری مثلاً گھوڑے یا ریل وغیرہ کے ذریعے تین دن سے کم میں طے کرے تب بھی وہ مسافر سمجھا جائے گا اسے بھی قصر نماز پڑھنی چاہئے۔

مدت قصر: مسافر کو اس وقت تک قصر کرنا چاہئے۔ جب تک کہ اپنے وطن اصلی نہ پہنچ جائے یا کسی مقام پر کم سے کم پندرہ دن ٹھہرنے کا قصد نہ کرے بشرطیکہ وہ مقام ٹھہرنے کے لائق ہو اگر کوئی شخص دریا میں ٹھہرنے کی نیت کرے یا دار الحرب میں یا اسی طرح جنگل میں تو اس نیت کا کچھ اعتبار نہ ہو گا۔ ہاں خانہ بدوش لوگ اگر جنگل میں بھی پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کریں تو یہ نیت صحیح ہو جائے گی اس لئے کہ وہ جنگلوں میں ہی رہنے کے عادی ہوتے ہیں۔

اگر کوئی شخص اس مقدار مسافت کو قطع کرنے سے قبل کہ جس کا سفر میں اعتبار کیا گیا ہے کسی مقام پر ٹھہرنے کی یا اپنے وطن لوٹ جانے کی نیت کرے تو وہ مقیم ہو جائے گا۔ اگرچہ پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی ہو اب یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے سفر کے ارادہ کو ختم کر دیا

ہے۔

قصر کے کچھ مسائل:

① مندرجہ ذیل صورتوں میں اگر کوئی مسافر مسافت سفر پوری کرنے کے بعد پندرہ دن سے بھی زیادہ ٹھہر جائے تو وہ مقیم نہ ہوگا اور اس پر قصر کرنا واجب رہے گا۔

(الف) — پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو مگر کسی وجہ سے بلا قصد ارادہ زیادہ ٹھہرنے کا اتفاق ہو جائے۔

(ب) — کچھ نیت ہی نہ کی ہو، بلکہ امروز، فردا میں اس کا ارادہ وہاں سے چلے جانے کا ہو مگر وہ اسی پس و پیش میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہر جائے۔

(ج) — پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے مگر وہ مقام قابل سکونت نہ ہو۔ (د) پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے مگر وہ مقام پر، بشرطیکہ ان دونوں مقامات میں اس قدر فاصلہ ہو کہ ایک مقام کی اذان کی آواز دوسرے مقام میں نہ جاسکتی ہو، مثلاً دس روز مکہ معظمہ میں رہنے کا ارادہ کرے اور پانچ روز منیٰ میں مکہ سے منیٰ تین میل کے فاصلے پر ہے اور اگر رات کو تو ایک مقام میں رہنے کی نیت کرے اور دن کو دوسرے مقام میں تو جس موضع میں رات کو ٹھہرنے کی نیت کر لی ہے وہ اس کا وطن اقامت ہو جائے گا وہاں اس کو قصر کی اجازت نہ ہوگی اب دوسرا مقام جہاں وہ دن میں رہتا ہے اگر اس پہلے مقام سے سفر کی مسافت پر ہے تو وہاں جانے سے مسافر ہو جائے گا ورنہ مقیم رہے گا اور اگر ایک مقام دوسرے مقام سے اس قدر قریب ہو کہ ایک جگہ کی اذان کی آواز دوسری جگہ جاسکتی ہے تو وہ دونوں مقام ایک ہی سمجھے جائیں گے اور دونوں جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کے ارادہ سے مقیم ہو جائے گا۔

② مقیم کی اقتداء مسافر کے پیچھے ہر حال میں درست ہے کہ خواہ اداء نماز ہو یا قضاء، مسافر امام جب دور کھینچ پڑھ کے سلام پھیر دے تو مقیم مقتدی کو چاہئے کہ اٹھ کر اپنی نماز پوری کر لے اور اس میں قرأت نہ کرے بلکہ چپ کھڑا ہے اس لئے کہ وہ لاحق ہے اور قعدہ اولیٰ اس مقتدی پر بھی فرض ہوگا مسافر امام کو مستحب ہے کہ سلام پھیرنے کے فوراً بعد مقتدیوں کو اپنے مسافر ہونے کی اطلاع یہ کہہ کر دے کہ ”میں مسافر ہوں، مقتدی اپنی نماز پوری کر لیں۔“

مسافر بھی مقیم کی اقتداء کر سکتا ہے مگر وقت کے اندر، وقت کے بعد نہیں۔ اس لئے کہ مسافر جب مقیم کی اقتداء کرے گا تو امام کی اتباع میں چار رکعت یہ بھی پڑھے گا اور امام کا قعدہ اولیٰ نفل ہوگا اور اس کا فرض، امام کی تحریمہ قعدہ اولیٰ کے نفل ہونے کے ساتھ ہوگی اور مسافر مقتدی کی اس کی فرضیت کے ساتھ پس فرض نماز پڑھنے والے کی اقتداء نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے ہوئی اور یہ درست نہیں۔

مسافر فجر کی سنتوں کو ترک نہ کرے اور مغرب کی سنت کو بھی ترک کرنا بہتر نہیں ہے اور باقی سنتوں کے ترک کا اختیار ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اگر چل رہا ہو اور اطمینان نہ ہو تو نہ پڑھے ورنہ پڑھ لے۔ (علم الفقہ)

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

آنحضرت ﷺ کی قصر نماز

① عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا وَصَلَّى الْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ وَكُتِبَتْ لَهُ - (متفق علیہ)

”حضرت انسؓ فرماتے ہیں سرتاج دو عالم ﷺ نے مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی اور ذی الحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت پڑھی۔“
(بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے سفر کا حال بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب حج کے لئے مکہ کے سفر کا ارادہ فرمایا تو مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی پھر جب مدینہ سے نکلے اور ذوالخلیفہ پہنچے۔ تو وہاں قصر فرمایا اور عصر کی نماز دو رکعت پڑھی ذوالخلیفہ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جب مسافر شرعی اپنے شہر یا گاؤں کے مکانات سے باہر نکل جائے تو قصر کی نماز پڑھنے لگے۔

(۲) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهَبٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ أَكْثَرُ مَا كُنَّا قُفُذًا وَآمَنَةً بِمِنَى وَكَعْبَتَيْنِ - (بخاری علیہ)

”اور حضرت حارثہ ابن وہب خزاعیؒ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے ہمیں منیٰ میں دو رکعتیں پڑھائیں اور اس موقع پر ہم اتنی تعداد میں تھے کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھے اور اس کی حالت میں تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حجۃ الوداع کا ذکر ہے اس موقع پر چونکہ اسلام کی حقانیت و صداقت اکثر دلوں میں اپنا گھر کر چکی تھی اور مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہؓ جتنی زیادہ تعداد میں تھے اس سے پہلے کسی موقع پر نہ تھے۔ ”اس کی حالت میں تھے“ کا مطلب یہ ہے کہ کفار کے کسی حملہ اور ان سے کسی جنگ وغیرہ کا کوئی خوف نہیں تھا۔ بلکہ بہت اطمینان اور سکون کی حالت میں تھے اس کا ذکر بطور خاص اس لئے کیا گیا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ قصر کی مشروعیت کفار کے فتنوں کے خوف پر موقوف نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آیت سے ظاہری طور پر مفہوم ہوتا ہے بلکہ سفر میں ہر صورت قصر کرنا چاہئے چنانچہ اگلی حدیث میں اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

آیت قصر میں خوف کی قید اور اس کی وضاحت

(۳) وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِنَّمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِكُكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَقَدْ آمَنَ النَّاسُ قَالَ عُمَرُ عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْهُ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَ تَصَدَّقَ اللَّهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَأَقْبِلُوا صَدَقْتَهُ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت یعلیٰ ابن امیہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد یہ ہے کہ ”کم نماز پڑھو (یعنی قصر کرو) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔“ تو اب جب کہ لوگ اس میں ہیں (اور کافروں کے ستانے کا خوف جاتا رہا ہے تو قصر کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ جس پر تمہیں تعجب ہے اسی پر مجھے بھی تعجب ہوا تھا چنانچہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (نماز میں قصر) اللہ تعالیٰ کا ایک احسان ہے جو تم پر کیا گیا ہے لہذا تم اس کا صدقہ (یعنی احسان) قبول کرو۔“ (مسلم)

تشریح: مسافر کے لئے نماز میں قصر کی اجازت کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی تھی اور جس کا ایک جز یہاں حدیث میں نقل کیا گیا ہے وہ پوری یوں ہے۔

وَإِذَا ضَرَجْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِكُكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا -

”اور (مسلمانو!) جب تم کہیں سفر کرو، تو تمہارے لئے یہ گناہ نہیں ہے کہ کم (یعنی قصر) نماز پڑھو اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔“

اس آیت سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حالت سفر میں قصر کی اجازت اسی وقت دی ہوگی جب کہ کافروں کے ستانے اور ان کے پریشان کرنے کا خطرہ ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آیت میں خوف کی قید عادت اور اغلب کے اعتبار سے لگائی گئی ہے کہ اکثر مسافروں کو خوف ہوتا ہے خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ کافر ہر وقت اور ہر موقع پر درپے آزار ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فاقبلو اصدقہ فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ حالت سفر میں قصر نماز پڑھنے کا حکم صرف کافروں کے خوف کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ بلکہ یہ آسانی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان تمام بندوں پر جو حالت سفر میں ہوتے ہیں۔ ایک احسان ہے جس سے ہر مسافر فیضیاب ہو سکتا ہے خواہ کسی بھی قسم کا کوئی خوف ہو یا نہ ہو۔

”فاقبلو“ میں حکم وجوب کے لئے ہے یعنی ہر شرعی مسافر کے لئے قصر کرنا واجب اور ضروری ہے چنانچہ اس سے ضیفہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ حالت سفر میں قصر واجب ہے اور قصر نہ کرنا یعنی پوری نماز پڑھنا غیر پسندیدہ ہے۔

مدت اقامت

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي زَكْعَتَيْنِ زَكْعَتَيْنِ حَتَّى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ قِيلَ لَهُ أَقَمْتُمْ بِمَكَّةَ شَيْئًا قَالَ أَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا۔ (متن علیہ)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ حجۃ الوداع کے موقع پر مدینہ سے مکہ گئے اور آپ ﷺ نے (چار رکعت والی نماز کی) دو دو رکعتیں پڑھیں یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس آئے۔ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ لوگ مکہ میں کچھ دن ٹھہرے تھے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ (ہاں) ہم لوگ مکہ میں دس دن ٹھہرے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے رفقاء صحابہؓ کا قیام مکہ میں دس دن اس طرح رہا کہ آپ ﷺ مکہ میں ذی الحجہ کی چار تاریخ کو پہنچے تھے اور ارکان حج وغیرہ سے فراغت کے بعد چودھویں ذی الحجہ کی صبح کو وہاں سے مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت سفر میں کسی جگہ دس دن ٹھہرنے سے کوئی شخص مقیم نہیں ہوتا اس کے لئے قصر نماز پڑھنی جائز ہے جب کہ یہ حدیث بظاہر حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص کہیں چار دن سے زیادہ ٹھہر جائے گا تو پھر اس کے لئے قصر جائز نہیں ہوگا بلکہ اسے پوری نماز پڑھنی ضروری ہوگی اس کی پوری تفصیل اگلی حدیث میں آ رہی ہے۔

(۵) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَافَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَفَرًا فَأَقَامَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا يُصَلِّي زَكْعَتَيْنِ زَكْعَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَتَحْنُ نُصَلِّي فِيمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَكَّةَ تِسْعَةَ عَشَرَ زَكْعَتَيْنِ زَكْعَتَيْنِ فَإِذَا أَقَمْنَا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ صَلَّيْنَا أَرْبَعًا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) سر تاج دو عالم ﷺ (کہیں) سفر میں تشریف لے گئے اور وہاں انیس دن قیام فرمایا (دوران قیام) آپ ﷺ دو دو رکعتیں نماز پڑھتے رہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ بھی جب مکہ اور اپنے (یعنی مدینہ) کے درمیان کہیں انیس دن قیام کرتے ہیں تو دو دو رکعتیں نماز پڑھتے ہیں اور جب اس سے زیادہ ٹھہرتے ہیں تو چار رکعت نماز پڑھتے ہیں۔“

(بخاری)

تشریح: فاقام تسعة عشر یوما کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ انیس دن بغیر نیت اقامت کے اس طرح ٹھہرے کہ امروز فردا میں وہاں سے روانہ ہو جانے کا ارادہ فرماتے رہے مگر بلا قصد و ارادہ آپ ﷺ کا قیام وہاں انیس دن ہو گیا۔ مگر اس سے حضرت ابن عباسؓ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر کوئی شخص حالت سفر میں کہیں انیس دن ٹھہر جائے تو وہ قصر نماز پڑھ سکتا ہے۔ ہاں انیس دن بعد اس کے لئے

قصر جائز نہیں ہوگا اس مسئلہ میں حضرت ابن عباسؓ منقروہیں اور کسی کا بھی یہ مسلک نہیں ہے۔

مدت اقامت کے سلسلہ میں ابتداء باب میں تفصیل کے ساتھ مسئلہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اس موقع پر پھر جان لیجئے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حالت سفر میں کسی جگہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو اس کے لئے قصر جائز نہیں ہے بلکہ وہ پوری نماز پڑھے اور اگر کوئی شخص پندرہ دن یا پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو قصر نماز پڑھے بلکہ اگر وہ اقامت کی نیت نہ کرے اور آج کل میں وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کرتا رہے اور اس طرح بلا قصد ارادہ اس کے قیام کا سلسلہ برسوں تک بھی دراز ہو جائے تب بھی وہ قصر نماز پڑھتا رہے امام طحاویؒ نے یہی مسئلہ طویل القدر صحابہؓ مثلاً حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ آذربائیجان میں چھ مہینے اس طرح ٹھہرے رہے کہ آج کل میں وہاں سے چلنے کا ارادہ کرتے رہے مگر بلا قصد و ارادہ ان کا قیام اس قدر طویل ہو گیا چنانچہ وہ اس مدت میں برابر قصر نماز پڑھتے رہے اس موقع پر دیگر صحابہؓ بھی ان کے ہمراہ تھے اسی طرح حضرت انسؓ بھی مروان کے بیٹے عبدالملک کے ہمراہ شام میں دو مہینے تک بلا قصد ارادہ ٹھہرے رہے اور وہاں دو دور رکعت نماز پڑھتے رہے۔

اس مسئلے میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جگہ علاوہ دو دن آنے اور جانے کے چار روز سے زیادہ قیام کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ مقیم ہو جاتا ہے اس کے لئے قصر جائز نہیں ہے وہ پوری نماز پڑھے اسی طرح اقامت کی نیت کے بغیر امر و زور و فردا میں چلنے کا ارادہ کرتے کرتے بلا قصد و ارادہ اٹھارہ دن سے زیادہ ٹھہر جائے تو تب بھی اس کے لئے قصر جائز نہیں ہو گا وہ پوری نماز پڑھے امام شافعیؒ کے فقہ میں یہی محمد اور صحیح قول ہے۔

مسافر حالت سفر میں اگر نفل نہ پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں

⑥ وَعَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي ظَرْفِ مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا الظُّهْرَ وَكَعْتَيْنِ ثُمَّ جَاءَهُ وَخَلَعَهُ وَجَلَسَ فَرَأَى نَاسًا يَتَمَتَّعُونَ مَا يَتَمَتَّعُونَ هَؤُلَاءِ قُلْتُ يُسْتَبَحُونَ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُسْتَبَحًا أَتَمَمْتُ صَلَاتِي صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَزِيدُ لِي الشُّفْرَةَ عَلَى زَكْعَتَيْنِ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ كَذَلِكَ (فتح ملہ)

”اور حضرت حفص ابن عامر فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) مکہ اور مدینہ کے درمیان راستہ میں مجھے حضرت ابن عمرؓ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا (جب وقت ہو گیا تو) انہوں نے ہمیں ظہر کی نماز دو رکعت پڑھائیں اور اس کے بعد جب وہ اپنے خیمے میں واپس آئے تو دیکھا کہ لوگ کھڑے ہوئے ہیں انہوں نے پوچھا کہ لوگ یہ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ظہر پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر مجھے نفل نماز پڑھنی ہوئی تو میں اپنی فرض نماز پوری نہ پڑھتا (یعنی اگر یہ موقع نفل نماز پڑھنے کا ہوتا تو فرض نماز میں پوری پڑھنی زیادہ اہم ہوتی مگر جب آسانی کے پیش نظر فرض نماز کو قصر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے تو نفل نماز کو ترک کرنا ہی اولیٰ ہو گا کیونکہ فرض کو اداء کرنا نفل پڑھنے سے اولیٰ ہے) مجھے سر تاج دو عالم ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہے آپ ﷺ سفر کی حالت میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، نیز مجھے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی رفاقت کا شرف بھی حاصل ہے ان حضرات کا بھی یہی معمول تھا (کہ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے)۔“

تشریح: حضرت ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ حالت سفر میں نفل نہ پڑھے جائیں۔ سنت راجحہ نمازوں کا حکم دوسری فصل میں انشاء اللہ مذکور ہوگا۔

جمع بین الصلوٰتین

⑦ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلَى ظَهْرٍ

سَبْرًا وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ جب سفر میں ہوتے تو ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھتے تھے اور (اسی طرح) مغرب و عشاء کی نماز (بھی) ایک ساتھ پڑھتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: حضرات شوافع نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم کو اپنا مستدل بناتے ہوئے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ سفر کی حالت میں جمع بین الصلوات یعنی ظہر و عصر کی نماز ایک ہی وقت میں ایک ساتھ پڑھ لینا جائز ہے خواہ عصر کی نماز ظہر کے وقت پڑھ لی جائے خواہ ظہر کی عصر کے وقت اسی طرح مغرب و عشاء کی نمازوں کو بھی ایک ساتھ پڑھ لینا جائز ہے چاہے مغرب کے وقت عشاء کی نماز پڑھ لی جائے اور چاہے عشاء کی نماز مغرب کے وقت۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک چونکہ جمع بین الصلوات جائز نہیں ہے اس لئے ان کی طرف سے اس حدیث کی جو شوافع کی سب سے بڑی استدلال ہے یہ تاویل کی جاتی ہے کہ یہ حدیث جمعِ صوری پر محمول ہے یعنی آنحضرت ﷺ ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ اس طرح پڑھتے تھے کہ ظہر کو تو اس کے بالکل آخری وقت پڑھتے اور عصر کی نماز اس کے بالکل ابتدائی وقت میں ادا فرماتے۔ لہذا ظاہری صورت کے اعتبار سے تو یہ جمع بین الصلوات ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھیں لیکن حقیقت میں دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھی جاتی تھیں اسی طرح مغرب کی نماز تاخیر سے بالکل آخری وقت میں پڑھتے اور عشاء کی نماز ابتدائی وقت میں ادا فرماتے۔

سواری پر نماز پڑھنے کا مسئلہ

⑧ وَعَنْ ابْنِ عُثْمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلَى رَاحِلَتِهِ حِينَ تَوَجَّهَتْ بِهِ يَوْمَئِذٍ إِتْمَاءُ صَلَاةِ اللَّيْلِ إِلَّا الْفَرَاغَ وَيُؤْتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ۔ (بخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ جب سفر میں ہوتے تو رات کی نماز علاوہ فرض نماز کے اپنی سواری پر اشارہ سے پڑھتے اور سواری کا منہ جس سمت ہوتا اسی سمت آپ ﷺ کا بھی منہ ہوتا نیز نماز وتر بھی آپ ﷺ سواری ہی پر پڑھ لیتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حین تَوَجَّهَتْ بِہ کا مطلب یہ ہے کہ جدھر سواری کا منہ ہوتا (ادھر ہی کو آپ ﷺ بھی منہ کئے ہوئے نماز پڑھتے رہتے تھے لیکن تکبیر تحریمہ کے وقت اپنا روئے مبارک بہر صورت قبلہ ہی کی طرف رکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت سے معلوم ہوگا اشارہ سے نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرتے تھے نیز یہ کہ آپ ﷺ سجدہ کا جو اشارہ کرتے وہ رکوع کے اشارے سے پست ہوتا تھا۔

اس حدیث سے دو مسئلے مستنبط ہوتے ہیں اول تو یہ کہ سواری پر نفل نماز پڑھنی جائز ہے لیکن فرض نہیں اس حدیث میں اگرچہ رات کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے لیکن دوسری روایتوں میں عام نفل نمازوں کا ذکر موجود ہے لہذا یہ حکم سنتِ موکدہ اور اس کے علاوہ دیگر سنن و نوافل نمازوں کو بھی شامل ہے مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت میں ثابت ہے کہ فجر کی سنتوں کے لئے سواری سے اتر جانا مستحب ہے بلکہ ایک دوسری روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنتوں کو سواری سے اتر کر پڑھنا واجب ہے۔ اسی لئے اس نماز کو بغیر کسی عذر کے بیٹھے بیٹھے پڑھنا جائز نہیں ہے فرض نماز سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن مندرجہ ذیل اعذار کی صورت میں فرض نماز بھی سواری پر پڑھ لینا جائز ہے۔

① کوئی شخص جنگل میں ہو اور اپنے مال یا اپنی جان کی ہلاکت کا خوف غالب ہو مثلاً یہ ڈر ہو کہ اگر سواری سے اتر کر نماز پڑھنے لگوں گا تو کوئی چور یا رازن مال و اسباب لے کر چلتا بنے گا یا کوئی درندہ نقصان پہنچائے گا یا قافلہ سے چھڑ جاؤں گا یا راستہ بھول جاؤں گا۔ ②

سواری میں کوئی ایسا سرکش جانور ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس پر اترنے کے بعد پھر چھٹا ممکن نہ ہو۔ (۵) نماز پڑھنے والا اتنا ضعیف اور بڑھا ہوا کہ خود سے نہ تو سواری سے اتر سکتا ہو اور نہ سواری پر چڑھنے پر قادر ہو اور نہ کوئی ایسا شخص پاس موجود ہو جو سواری سے اتار سکے اور اس پر چڑھ سکے۔ (۶) زمین پر اتنی کچھ ہو کہ اس پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو۔ (۷) پیادہ کا عذر ہو۔

بہر حال ان صورتوں میں فرض نماز بھی سواری پر پڑھی جاسکتی ہے کیونکہ اعذار اور ضرورتیں شرعی و قواعد و قوانین سے مستثنیٰ ہوتی ہیں۔ جہاں تک آنحضرت ﷺ کے اس عمل کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ وتر کی نماز بھی سواری پر پڑھ لیتے تھے تو اس کے بارے میں امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ پہلے نماز وتر کے حکم کی تاکید کے پیش نظر اور اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے سواری پر وتر کی نماز پڑھ لیتے تھے مگر جب لوگوں کے ذہن میں اس نماز کی تاکید و اہمیت بیٹھ گئی اور اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کی اتنی تاکید فرمادی کہ اس کے چھوڑنے کو روکا تو بعد میں آپ ﷺ وتر کی نماز بھی سواری سے اتر کر زمین پر پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ اسی طرح کرتے تھے حضرت امام محمدؒ نے اپنی کتاب ”موطا“ میں صحابہؓ و تابعینؓ کے ایسے بہت آثار نقل کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرات وتر کی نماز پڑھنے کے لئے اپنی ساریوں سے اتر جاتے تھے۔

علامہ شمسیؒ فرماتے ہیں کہ ”نماز فرض کی طرح جنازہ کی نماز، منت مانی ہوئی نماز نذر اور وہ سجدہ تلاوت کہ جس کی آیت سجدہ کی تلاوت زمین پر کی گئی ہو سواری پر جائز نہیں ہے۔“

حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ مستنبط ہوتا ہے کہ سواری پر نماز پڑھنا سفر کے ساتھ مشروط ہے چنانچہ آئمہ جمہور کا یہی مسلک ہے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ و حضرت امام ابو یوسفؒ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ کا محقق اور صحیح مسلک یہ ہے کہ ”سواری پر نماز کا جواز نمازی کے شہر سے باہر ہونے کے ساتھ مشروط ہے خواہ مسافر ہو یا مسافر نہ ہو، چنانچہ اگر کوئی مسافر بھی شہر کے اندر ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کے لئے سواری پر نفل نماز پڑھنی جائز نہیں ہے لیکن حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے اگرچہ مکروہ ان کے نزدیک بھی ہے حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مسافر شہر کے اندر بھی سواری پر نفل پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اب اس کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ شہر سے کتنے فاصلے پر ہونے کی صورت میں سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک کم سے کم دو فرسخ (چھ میل) شہر سے باہر ہونا ضروری ہے بعض حضرات نے تین فرسخ اور بعض حضرات نے ایک کوس متعین کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ شہر و آبادی کے مکانات سے باہر ہوتے ہی سواری پر نماز نفل پڑھنا جائز ہے جیسا کہ قصر نماز کے جواز کے سلسلے میں قاعدہ ہے۔“

الفصل الثانی

آنحضرت ﷺ کا نماز قصر نہ پڑھنا

(۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُلُّ ذَالِكَ قَدْ فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلَاةَ وَأَقَمَ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

”ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے سب کچھ کیا ہے آپ ﷺ نے (سفر کی حالت میں) کم رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور پوری بھی پڑھی ہیں۔“ (شرح السنۃ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ حالت سفر میں دونوں طریقوں پر عمل فرماتے تھے یعنی چار رکعت والی نماز کی دو رکعت بھی پڑھتے تھے اور پوری چار رکعت بھی پڑھتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا عمل اسی حدیث پر ہے وہ فرماتے ہیں کہ سفر میں قصر کرنا بھی جائز ہے اور پوری نماز پڑھنا بھی جائز ہے جب کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سفر میں پوری نماز پڑھنی جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص قصر نہیں کرے

گا بلکہ پوری نماز پڑھے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔

یہ حدیث اگرچہ امام شافعیؒ کی دلیل ہے لیکن اہل نظر کا کہنا ہے کہ اس حدیث کے سلسلہ روایت میں ابراہیم بن یحییٰ کا نام بھی آتا ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف قرار دی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب سفر السعاده فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرتبہ صحت کو پہنچی ہوئی نہیں ہے اور سفر کی حالت میں آنحضرت ﷺ سے پوری نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے اور دارقطنیؒ اور بیہقیؒ وغیرہ نے جو روایت نقل کی ہے جس سے حالت سفر میں اتمام اور قصر دونوں کا جواز ثابت ہوتا ہے بلکہ دارقطنیؒ نے اس کی صراحت بھی کی ہے کہ اس کی سند صحیح ہے تو اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا تعلق حکم اول سے ہوگا یعنی ابتداء میں تو اتمام اور قصر دونوں جائز تھے۔ مگر بعد کو قصر ہی کو ضروری قرار دیدیا گیا۔

یہاں حضرت عائشہؓ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حدیث کے پہلے جز کا تعلق تو ان نمازوں سے ہے جن میں قصر کیا جاتا ہے مثلاً چار رکعت والی نماز اور دوسرے جز کا تعلق ان نمازوں سے ہے جن میں قصر ہوتا ہی نہیں جیسے تین یا دو رکعت والی نماز یعنی آپ ﷺ چار رکعت والی نماز میں تو قصر کرتے تھے اور تین رکعت و دو رکعت والی نماز کو پوری پڑھتے تھے اسی مفہوم کو مراد لینے سے ظاہری معنی و مفہوم سے زیادہ دور جانا نہیں پڑتا کیونکہ قصر و اتمام دونوں ہی اپنی اپنی جگہ مفہوم ہو جاتے ہیں اور یہ تو جیہ بہ بہت مناسب اور قریب از حقیقت ہے۔

بلا قصد و ارادہ پندرہ دن سے زیادہ قیام کی صورت میں قصر جائز ہے

⑩ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَهِدْتُ مَعَهُ الْفَتْحَ فَأَقَامَ بِمَكَّةَ ثَمَانِينَ عَشْرَةَ لَيْلَةً لَا يُصَلِّي إِلَّا رَكْعَتَيْنِ يَقُولُ يَا أَهْلَ الْبَلَدِ صَلُّوا أَوْ نَعَا فَنَا مَسْفُورًا - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عمران ابن حصینؓ فرماتے ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ غزوات میں شامل ہوا ہوں چنانچہ فتح مکہ میں (بھی) میں آپ ﷺ کے ہمراہ موجود تھا۔ آپ ﷺ اس موقع پر (مکہ) میں اٹھارہ راتیں مقیم رہے اور (چار رکعت والی نماز) دو رکعت پڑھتے رہے اور یہ فرمادیا کرتے تھے کہ اے اہل شہر تم لوگ چار رکعت نماز پڑھو میں مسافروں۔“ (بخاری)

تشریح: پہلے بتایا جا چکا ہے کہ کسی جگہ بلا قصد و ارادہ پندرہ روز سے زیادہ بھی قیام کی صورت میں مسافر نماز قصر پڑھ سکتا ہے چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں آپ ﷺ کا قیام اٹھارہ راتیں رہا۔ آپ ﷺ آج کل میں وہاں سے روانگی کا پروگرام بناتے رہے مگر قیام بغیر قصد و ارادہ اتنا طویل ہو گیا چنانچہ آپ ﷺ قصر نماز پڑھتے رہے چونکہ مکہ کے قیام کے دوران آپ ﷺ ہی امامت فرماتے تھے۔ اس لئے آپ اپنی دو رکعتیں پوری کر کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کو فرمادیا کرتے تھے کہ اہل شہر چار رکعت نماز پوری کریں میں مسافر ہوں چنانچہ مسافر امام کے لئے مقیم مقتدیوں کو اس طرح مطلع کر دینا مستحب ہے۔

اسی حدیث سے معلوم ہو گیا کہ اگر مقیم مسافر کی اقتداء کرے تو اس کے لئے چار رکعت نماز پوری پڑھنی ضروری ہے امام کی متابعت میں دو رکعتیں ہی پڑھنی جائز نہیں ہے ہاں اگر مسافر مقیم کی اقتداء کرے تو اس کو متابعت کے پیش نظر چار رکعتیں ہی پڑھنی چاہئے۔

قصر صرف چار رکعت والی نماز ہی میں جائز ہے

⑪ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَفِي رَوَايَةٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ وَلَا يَنْقُصُ فِي حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِيَ وَتُرَى النَّهَارَ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سفر کی حالت میں سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ ظہر کی دو رکعتیں اور اس کے بعد (یعنی شمت کی) دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ سفر میں بھی نماز پڑھی ہے اور شہر یعنی حضر میں بھی، چنانچہ میں نے شہر میں تو آپ ﷺ کے ہمراہ ظہر کی چار رکعتیں اور اس کے بعد شمت کی دو رکعتیں پڑھی ہیں آپ ﷺ اس نماز میں سفر و شہر میں کوئی (زیادتی) نہیں کرتے تھے اور مغرب ہی کی نمازوں کے وتر (کہلاتے) ہیں اور اس کے بعد (شمت کی) دو رکعتیں پڑھتے تھے۔“ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوئی کہ سفر کی حالت میں قصر ان ہی نمازوں میں جائز ہے جو چار رکعت والی ہیں جیسے ظہر، عصر اور عشاء جو نماز چار رکعت والی نہیں ہیں جیسے مغرب اور فجر اور ان میں قصر جائز نہیں ہے۔ یہ نمازیں جس طرح حضر میں پڑھی جاتی ہیں اسی طرح انہیں سفر میں پڑھنی چاہئے۔

وہی وتر النہار کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح نماز و تر رات کے وتر ہیں اسی طرح مغرب کی نمازوں کے وتر ہیں گویا اس قول سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ وتر کی نماز ایک سلام کے ساتھ تین رکعتیں ہیں۔ ابن ملک نے فرمایا ہے کہ ”یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سنت نمو کدہ حضر کی طرح سفر میں بھی پڑھنی چاہئے۔ مگر حنفیہ کے یہاں محمد اور صحیح قول یہ ہے کہ جب مسافر کسی جگہ منزل کرے تو وہاں شمتیں پڑھ لے مگر استہ میں چھوڑ دے نہ پڑھے۔“

جمع بین الصلوٰتین

(۱۲) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَزَالَجَلَ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِنْ أَزَالَجَلَ قَبْلَ أَنْ تَرْتَبِعَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ حَتَّى يَنْزِلَ الْعَصْرُ وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلَ ذَلِكَ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَزَالَجَلَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فَإِنْ أَزَالَجَلَ قَبْلَ أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتَّى يَنْزِلَ لِلْعِشَاءِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت معاذ ابن جبلؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ غزوہ تبوک میں (اسی طرح عمل فرماتے تھے کہ) جب کوچ کرنے سے پہلے دوپہر چل جاتی تو آپ ﷺ ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھ لیتے تھے اور جب آپ ﷺ دوپہر ڈھلنے سے پہلے ہی کوچ فرماتے تو ظہر کی نماز میں تاخیر فرماتے اور عصر کے لئے اترتے (یعنی ظہر و عصر دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے) مغرب کی نماز میں بھی آپ ﷺ اسی طرح کرتے تھے کہ اگر آفتاب آپ ﷺ کے کوچ کرنے سے پہلے غروب ہو جاتا تو مغرب و عشاء دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے اور اگر آفتاب غروب ہونے سے پہلے ہی کوچ فرماتے تو نماز مغرب میں تاخیر فرماتے یہاں تک کہ عشاء کی نماز کے لئے اترتے اور (اس وقت) دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھتے۔“ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے شوافع نے جمع بین الصلوٰتین کے سلسلے میں جمع تقدیم و جمع تاخیر ثابت کی ہے اس کا بیان پہلے گورچکا ہے کہ ان کے نزدیک سفر میں دو نمازوں کو ایک ایک ساتھ پڑھ لینا جائز ہے اور ان دونوں نمازوں کو ان میں سے کسی ایک وقت بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ حنفیہ کے یہاں چونکہ جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں ہے اس لئے وہ اس سلسلے میں ابوداؤد کا قول نقل کرتے ہیں کہ ”وقت سے پہلے ہی نماز پڑھ لینے کے سلسلے میں کوئی بھی حدیث قوی ثابت نہیں ہے۔“

گویا ابوداؤد کا یہ قول اس حدیث کے ضعیف ہونے پر دلیل ہے پھر یہ کہ حنفیہ کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ روایت ہے جو حضرات عبد اللہ ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ ”میں نے آنحضرت ﷺ کو کوئی بھی نماز غیر مقررہ وقت میں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔“ لہذا ان دونوں حدیثوں کے تعارض کی شکل میں حضرت ابن مسعودؓ کی یہ حدیث ہی راجح ہوگی۔ کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں اس

سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے ثقہ اور علم کی زیادتی اور روایت حدیث کے سلسلے میں احتیاط پسندی میں سب سے ممتاز ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کی روایت کردہ حدیث سب سے زیادہ صحیح اور مستند ہوگی۔

سواری پر نماز پڑھنا

(۱۳) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرُوا وَأَرَادَ أَنْ يَنْطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهِ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلَّى حَيْثُ وَجَّهَهُ رُكْبَانُهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں سرتاجِ دو عالم ﷺ جب سفر کرتے (یعنی شہر سے باہر نکلتے خواہ مسافر ہوتے یا یمیم) اور نماز نفل پڑھتے کا ارادہ فرماتے تو اپنی اونٹنی کا منہ قبلہ کی طرف کرتے اور تکبیر تحریمہ کہتے، پھر جس طرف سواری منہ کرتی آپ ﷺ اسی طرف نماز پڑھتے رہتے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: امام شافعیؒ کے نزدیک مذکورہ شکل میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرض نماز میں تو شرط ہے مگر نفل نماز میں شرط نہیں ہے یعنی جو عذر (حدیث نمبر ۸ میں) ذکر کئے جا چکے ہیں ان کی وجہ سے اگر سواری پر فرض نماز پڑھی جائے تو قبلہ رو ہو کر تکبیر تحریمہ کہنی ضروری ہے۔

(۱۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ بَغَيْنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ فَبِجَنَّتْ وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَيَجْعَلُ الشُّجُودَ أَخْفَضَ مِنَ التَّكْبِيرِ۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے مجھے کسی کام سے (کہیں) بھیجا۔ جب میں واپس آیا تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اپنی سواری پر مشرق کی طرف منہ کئے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور سجدہ رکوع سے بہت تر کرتے تھے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ آپ رکوع و سجدہ دونوں اشارہ سے کرتے تھے، چنانچہ سجدہ کے لئے تو زیادہ اور رکوع کے لئے کم جھکتے تھے۔

الفصل الثالث

حضرت عثمانؓ کا منیٰ میں قصر نہ کرنا

(۱۵) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنَى وَكَعْتَيْنِ وَأَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ وَعُمَرُ بَعْدَ ابْنِ بَكْرٍ وَعُثْمَانُ صَلَّاهُ مِنْ خِلَافَتِهِ ثُمَّ أَنَّ عُثْمَانَ صَلَّى بَعْدَ أَنْ يَتَوَقَّعَ كَانَ يُزِيغُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ صَلَّى أَوْ يَتَوَقَّعُ إِذَا صَلَّاهَا وَخَذَهُ صَلَّى وَكَعْتَيْنِ۔ (متفق علیہ)

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے منیٰ میں (چار رکعت والی نماز کی) دو رکعت پڑھی ہے آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی دو رکعت نماز پڑھی ہے ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے بھی دو رکعت نماز پڑھی ہے حضرت عثمان غنیؓ نے بھی ابتداءً خلافت میں تو دو رکعت نماز پڑھی ہے لیکن بعد میں چار رکعت پڑھنے لگے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جب امام (یعنی حضرت عثمانؓ کے ساتھ) نماز پڑھتے تھے تو چار رکعت پڑھتے تھے اور جب اکیلے (یعنی سفر میں) نماز پڑھتے تو دو رکعت ہی پڑھتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ آنحضرت ﷺ اور اپنے زمانہ خلافت میں حضرت ابوبکر و عمر فاروقؓ جب حج کے لئے سفر کرتے اور منیٰ میں پہنچتے

تو وہاں بھی مسافرانہ نماز (یعنی قصر نماز) پڑھتے تھے۔ اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں تو دو ہی رکعت نماز پڑھی ہے مگر بعد میں وہ چار رکعت نماز پڑھنے لگے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے اس عمل کے بارے میں کئی سبب نقل کئے جاتے ہیں چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ وہ مکہ میں متاثر تھے اس کی تائید امام احمدؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ”حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں تو لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا، انہوں نے فرمایا کہ لوگو! میں مکہ میں متاثر یعنی قبیلہ دار ہوں اور میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو شخص کسی شہر میں متاثر ہو تو وہ مقیم کی طرح نماز پڑھے۔“ حضرت عثمانؓ کے اس عمل پر لوگوں کی حیرت اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر میں پوری نماز نہیں پڑھتے تھے اور یہ کہ حالت سفر میں قصر لازم ہے ورنہ تو لوگ حیرت کا اظہار کیوں کرتے۔

حضرت عثمانؓ کے اس عمل کی ایک دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موسم حج میں بہت زیادہ مسلمان منیٰ میں جمع ہوتے تھے اور ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو تو مسلم تھے اور دین کے احکام پوری طرح نہیں جانتے تھے اس لئے حضرت عثمانؓ ان کو دکھانے کے لئے چار رکعتیں پڑھتے تھے تاکہ ناواقف مسلمان جان لیں کہ نماز کی چار رکعتیں ہیں اگر قصر کرتے اور دو رکعت پڑھتے تو وہ لوگ یہ جانتے کہ دو ہی رکعتیں فرض ہیں۔

یا پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آخر میں حضرت عثمانؓ کا عمل حضرت عائشہؓ کی رائے کے مطابق ہو گیا تھا کیونکہ حضرت عائشہؓ کے نزدیک سفر میں قصر اور اتمام دونوں ہی جائز تھے۔

قصر رخصت سے زیادہ عزیمت ہے

(۱۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَضَتْ أَرْبَعًا وَتُرِكَتْ صَلَاةُ الشَّفْرِ عَلَى الْفَرِيضَةِ الْأُولَى قَالَ الزُّهْرِيُّ قُلْتُ لِعُرْوَةَ مَا بَالُ عَائِشَةَ تَبِمُ قَالَ تَأَوَّلَتْ كَمَا تَأَوَّلَ عُثْمَانُ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا (ابتداءً سفر و حضر میں) نماز کی دو ہی رکعتیں فرض ہوئی تھیں پھر سرتاج دو عالم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو (مقیم کے لئے) چار رکعتیں فرض قرار دیدی گئیں اور حالت سفر میں پہلی ہی دو رکعتیں فرض رہیں۔ زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عروہؓ سے عرض کیا کہ حضرت عائشہؓ کو کیا ہوا کہ وہ سفر میں پوری (چار رکعت) نماز پڑھتی ہیں۔ انہوں نے فرمایا وہ بھی ایسی تاویل کرتی ہیں جیسا کہ حضرت عثمانؓ نے تاویل کیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں نماز کی دو دو رکعتیں فرض کی گئی تھیں لیکن بعد میں ظہر، عصر و عشاء کی چار چار رکعت فرض قرار دیدی گئیں۔ البتہ مغرب کی نماز کو پہلے ہی حکم پر قائم رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر کی حالت میں چار رکعت والی نماز کی دو رکعت پڑھنا چار رکعت مشروع ہونے کے بعد رخصت نہیں ہے بلکہ اصل میں مشروع ہی ہے چونکہ دو رکعتیں ہیں اس لئے قصر عزیمت یعنی لازم ہے نہ کہ رخصت جس کا مطلب یہ ہوا کہ جس کا جی چاہے قصر کرے اور جس کا جی چاہے پوری نماز پڑھے۔ چنانچہ اس سے حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے لہذا اگر کوئی حالت سفر میں جب کہ اس پر قصر لازم ہو۔ پوری چار رکعت پڑھے گا اور پہلے قعدہ میں بیٹھے گا تو وہ برا کرے گا اور اس کی زائد دو رکعت نفل ہو جائیں گی اور اگر کوئی شخص چار رکعت اس طرح پڑھے گا کہ پہلے قعدہ میں نہ بیٹھے گا کہ حکم و ہی قعدہ اخیر ہے تو اس کی فرض نماز باطل ہو جائے گی۔

حدیث کے آخری الفاظ تاویل کما تاویل عثمان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت عثمانؓ سفر کی حالت میں چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور اپنے اس عمل کی تاویل کرتے تھے اسی طرح حضرت عائشہؓ بھی سفر میں چار رکعت نماز پڑھتی تھیں اور اپنے اس عمل کی تاویل کرتی

تھیں اب سوال یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اور انہیں کی طرح حضرت عائشہؓ کی تاویل کیا تھی؟
تو علماء لکھتے ہیں کہ اس تاویل کے بارے میں صحیح قول یہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ و حضرت عائشہؓ دونوں ہی سفر کی حالت میں
قصر و اتمام دونوں جائز رکھتے تھے۔

قصر خدا کا حکم ہے

(۱۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَرَضَ اللَّهُ الصَّلَاةَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ أَوْ بَعْدَ فِي السَّفَرِ
وَكُتْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رُكْعَةً۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے تمہارے نبیؐ سے سرتاج دو عالم ﷺ کی زبانی حضور میں چار رکعت فرض کی ہیں۔ اور
سفر میں دو رکعت اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔“ (مسلم)

تشریح: وفي السفر دو رکعتیں خفیہ کے مسلک کی صریح دلیل ہے کہ سفر کی حالت میں دو ہی رکعتیں پڑھی جائیں پوری نماز نہ پڑھنی
چاہئے۔

وفي الخوف دو رکعت (خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض ہے) اس کے ظاہری مفہوم پر علماء سلف میں سے ایک جماعت نے عمل
کیا ہے جس میں حسن بصریؒ اور اسحاقؒ بھی شامل ہیں لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ نماز کی رکعتوں کے اعتبار سے امن اور خوف کی نماز میں
کوئی فرق نہیں ہے جتنی رکعتیں حالت امن میں پڑھی جاتی ہیں اتنی ہی رکعتیں خوف کی حالت میں بھی پڑھنی چاہئیں ان کی طرف سے اس
حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دو گانہ حقیقی یا کھٹی امام کے ساتھ پڑھنے کے سلسلے میں یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ
ایک رکعت تو امام کے ساتھ پڑھی جائے اور ایک رکعت تنہا پڑھی جائے جیسا کہ خوف کی حالت میں آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ سے نماز
پڑھنے کا طریقہ احادیث صحیحہ میں ثابت ہے۔ اور شہر میں مطلقاً خوف کی حالت میں چار رکعتیں اور تین رکعتیں اس طرح پڑھی جائیں کہ امام
کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی جائیں اور بقیہ تنہا پڑھی جائیں۔ اس کی تفصیل صلوۃ الخوف کے باب میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

قصر قرآن و سنت سے ثابت ہے

(۱۸) وَعَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عُثْمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ السَّفَرِ وَكُتْعَتَيْنِ وَهُمَا تَمَامٌ غَيْرَ قَصْرٍ
وَالْوُتُقُ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ۔ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ و حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے سفر کی نماز کے لئے دو رکعتیں مقرر کی ہیں اور وہ ناقص
نہیں ہیں پوری ہیں اور سفر میں وتر سنت ہے۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: سفر کی حالت میں قصر نماز پڑھنا تو قرآن کریم سے ثابت ہے لہذا حدیث کے الفاظ آنحضرت ﷺ نے اسے اپنے قول و فعل سے
واضح کیا ہے۔

وَهُمَا تَمَامٌ غَيْرَ قَصْرٍ (اور وہ ناقص نہیں ہیں پوری ہیں) کا مطلب یہ ہے کہ سفر کی نماز کے لئے مشروع ہی دو رکعتیں ہیں نہ یہ کہ
پہلے چار رکعتیں مشروع تھیں پھر بعد میں دو رکعتیں کم کر دی گئی ہیں۔

اور وتر سفر میں سنت ہے۔ یعنی سفر میں نماز وتر پڑھنا سنت سے ثابت ہے یا یہ کہ سفر کی حالت میں نماز وتر پڑھنا اسلام کی سنتوں میں
سے ایک سنت ہے یہ مفہوم وجوب وتر کے منافی نہیں ہوگا۔ کیونکہ نماز وتر جس طرح حضور میں واجب ہے اسی طرح سفر میں بھی واجب
ہے۔

مسافت قصر کی حد

(۱۹) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَّغَهُ أَنَّ بَنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقْضِي الصَّلَاةَ فِي مِثْلِ مَا يَكُونُ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْقَافِيَةِ وَلَفِي مِثْلِ مَا يَتَيْنِ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِي مِثْلِ مَا يَتَيْنِ مَكَّةَ وَجَدَّةً قَالَ مَالِكٌ وَذَلِكَ أَرْبَعَةُ بُرُودٍ - (رواہ فی الموطا)

”اور حضرت امام مالکؒ راوی ہیں کہ ان کو حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں پہنچی ہے کہ وہ (یعنی حضرت ابن عباسؓ) اس مسافت کے دوران جو مکہ اور طائف مکہ اور عسفان، مکہ اور جدہ کے درمیان ہے قصر نماز پڑھتے تھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسافت چار برید ہے۔“ (موطا)

تشریح: چار برید سولہ فرسخ کے برابر ہے، ایک فرسخ تین میل کو کہتے ہیں اور ایک میل (تقدیم کے یہاں) چار ہزار ہاتھ کی مسافت کو کہتے ہیں۔ اس طرح چار برید اڑتالیس میل کی مسافت ہوئی۔ اگر ایک منزل کو بارہ میل کی مسافت مانی جائے تو چار برید کی چار منزلیں ہوں گی۔
نظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں جن تین مسافت کا ذکر کیا گیا ہے وہ یکساں ہوں یعنی جتنی مسافت مکہ اور طائف کے درمیان ہوتی ہی مسافت مکہ اور عسفان کے درمیان ہو اسی طرح جتنی مسافت ان دونوں کی الگ الگ ہوتی ہی مسافت مکہ اور جدہ کے درمیان ہو۔ حالانکہ حقیقت میں یہ تینوں مسافت برابر نہیں ہیں۔ لہذا اگر یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے کہ حضرت امام مالکؒ کے قول ذلک اربعہ برید (یہ مسافت چار برید ہے) کا تعلق آخری مسافت یعنی مکہ اور جدہ کے درمیان کی مسافت سے ہے کہ مکہ اور جدہ کا درمیانی فاصلہ چار برید ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے مذکورہ بالا فعل کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں مسافت قصر کی کوئی حد بیان نہیں کی گئی ہے بلکہ مطلقاً سفر ذکر کیا گیا ہے قصر نماز کے باب کی احادیث پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں جہاں بھی قصر نماز کا ذکر کیا گیا ہے اور آپ ﷺ کے قصر نماز پڑھنے کو بیان کیا گیا ہے ان تمام مواقع کی مسافت میں فرق ہے بعض مسافت کم ہے اور بعض مسافت زیادہ ہے آپ ﷺ کے بعد صحابہؓ، تابعین اور ائمہ وعلماء امت کی آسانی کے لئے اپنے اپنے اجتہاد کے ذریعہ اور غورو فکر کے ساتھ مسافت قصر کی حد مقرر کی ہے کہ اس حد سے کم مسافت میں نماز قصر نہیں ہوگی بلکہ پوری ہی پڑھی جائے گی اور اس مسافت یا اس سے زائد مسافت کی صورت میں قصر واجب ہوگا۔

چنانچہ امام شافعیؒ نے ایک روایت کے مطابق ایک روز کی مسافت اور دوسری روایت کے مطابق دو روز کی مسافت کو مقرر کیا ہے لیکن ان کے مسلک کی کتاب ”حاوی“ میں سولہ فرسخ کا تعین کیا گیا ہے اور یہی مسلک حضرت امام مالکؒ و حضرت امام احمدؒ کا ہے۔
حضرت امام ابو حنیفہؒ نے مسافت قصر کے سلسلے میں تین منزل کی حد مقرر کی ہے اور ایک منزل اتنی مسافت پر ہو کہ چھوٹے دنوں میں قافلہ صبح کو چل کر دوپہر کے بعد منزل پر پہنچ جائے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ نے دو روز اور تیسرے روز کے اکثر حصہ کی مسافت کو مسافت قصر قرار دیا ہے۔
اصحابِ ظواہر (وہ جماعت جو صرف حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل پیرا ہوتی ہے) نے مطلقاً سفر کا اعتبار کیا ہے یعنی ان کے نزدیک مسافت قصر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے خواہ سفر کبہا ہوا چھوٹا ہو ہر صورت میں نماز قصر ادا کی جائے گی۔

اس سلسلہ میں اگر چاروں ائمہ کے مسلک کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت اور نتیجہ کے اعتبار سے سب کا یکساں ہی مسلک ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک مشہور مسلک کے مطابق مسافت قصر (۴۸) میل مقرر ہے، حاوی کے قول کے مطابق شوافع کے یہاں سولہ فرسخ مقرر ہے اور سولہ فرسخ حساب کے اعتبار سے (۴۸) میل کے برابر ہے اسی طرح حضرت امام مالکؒ و حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔
لہذا چاروں مسلک میں مسافت قصر (۴۸) میل ہوئی۔ واللہ اعلم

سفر میں نماز پڑھنے کا بیان

(۲۰) وَعَنِ النَّبَاِ قَالَ صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَآ يَتَمَسَّحُ عَشْرَ سَهْوٍ أَمَّا زَيْتُونَةُ تَوَكَّلَتْ كَعَيْنِي إِذَا رَاغَبَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ رَوَاهُ أَبُو ذَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ مجھے سر تاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ اٹھارہ دن میں سفر کا شرف حاصل رہا ہے میں نے اس دوران میں یہ کبھی نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے زوال آفتاب کے بعد نماز ظہر سے پہلے دو رکعتیں چھوڑی ہوں۔“ (ابوداؤد، ترمذی، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ زوال آفتاب کے بعد اور نماز ظہر سے پہلے دو رکعتیں فرض سے پہلے کی سنتیں پڑھتے ہوں گے اور سفر کی وجہ سے چار رکعت پر اکتفا کرتے ہوں گے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضو کی ہوں۔

(۲۱) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَرَى ابْنَةَ عَبْدِ اللَّهِ يَتَنَفَّلُ فِي السَّفَرِ فَلَا يَتَكَبَّرُ عَلَيْهِ۔ (رواہ مالک)

”اور حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ اپنے صاحبزادے حضرت عبید اللہؓ کو سفر کی حالت میں نفل نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے اور منع نہیں کرتے تھے۔“ (مالک)

تشریح: ہو سکتا ہے کہ حضرت عبید اللہؓ شنت موکدہ پڑھتے ہوں گے۔ یا یہ کہ وہ اس اعتقاد کے باوجود کہ سفر کی حالت میں نفل نماز کو چھوڑ دینا جائز ہے۔ اگر وقت میں وسعت دیکھتے ہوں گے، تو دوسرے نوافل پڑھنے لگتے ہوں گے۔ لہذا اس مفہوم کی صورت میں حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں اس روایت کو جس میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے قافلہ کے لوگوں کو سفر میں نفل نماز پڑھنے سے منع کر دیا تھا۔ (دیکھئے حدیث نمبر ۶۰) اس بات پر محمول کیا جائے کہ انہوں نے وہاں یا تو ان لوگوں کو اس لئے منع کر دیا تھا کہ وہ دوسرے نوافل تک وقت میں پڑھ رہے تھے۔ یا یہ کہ وقت میں تو وسعت تھی۔ مگر انہوں نے یہ گمان کیا ہوگا، کہ وظائف مثلاً نوافل وغیرہ اس قدر لازم ہیں کہ انہیں سفر کی حالت میں بھی نہ چھوڑنا چاہئے۔ حالانکہ ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔ اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے ان کو نوافل پڑھنے سے روک کر ان کے اس گمان و خیال کی تردید فرمائی۔ کیونکہ اللہ جل شانہ تو اپنے فضل و کرم سے مسافر بندہ کے نامہ اعمال میں اس عمل کا ثواب بھی لکھتا ہے جو وہ از قسم عبادت حضر ہو یعنی اپنے گھر میں کرتا تھا۔ ورنہ تو جہاں تک نفس نماز کا تعلق ہے اس سے بہتر کون سی مشغولیت ہو سکتی ہے اور بغیر کسی وجہ کے اس کے پڑھنے سے کون روک سکتا ہے۔ جب کہ حضرت ابن عمرؓ خود جانتے تھے کہ نماز سے روکنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ ارشاد رہائی ہے:

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى عَبْدًا إِذَا صَلَّى۔

”بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے (یعنی) ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھنے لگتا ہے؟“

بَابُ الْجُمُعَةِ

جمعہ کا بیان

لفظ ”جمعہ“ جو ہفتہ کے ایک دن کا نام ہے فصیح زبان و لغت کے اعتبار سے جم اور یم کو دونوں کے پیش کے ساتھ ہے لیکن جم کے پیش اور یم کے سکون کے ساتھ بھی مستعمل ہوا ہے۔

اس دن کو جمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جمع اور پوری کی گئی تھی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس

دن کو جمعہ کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب بشت سے دنیا میں اتارے گئے تو اسی دن زمین پر وہ حضرت حواؑ کے ساتھ جمع ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ علماء نے اور بھی وجہ تسمیہ بیان کئے ہیں چنانچہ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس دن چونکہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں اس لئے اسے یوم الجمعہ کہا جاتا ہے۔

جمعہ اسلامی نام ہے زمانہ جاہلیت میں اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا۔ لیکن بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ عروبہ بہت قدیم نام تھا مگر زمانہ جاہلیت ہی میں یہ نام بدل دیا گیا تھا اور اس دن کو جمعہ کہا جانے لگا تھا۔

جمعہ کاروزی آخر الزمان ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی ایک امتیازی اور شرف و فضیلت کا دن مانا جاتا تھا مگر اسلام نے اس دن کو اس کی حقیقی عظمت و فضیلت کے پیش نظر بہت ہی زیادہ با عظمت و با فضیلت دن قرار دیا۔

گذشتہ صفحات میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نماز سے زیادہ اور کوئی عبادت پسند نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ بندوں پر اللہ جل شانہ کی طرف سے جو بے انتہا نعمتوں کی بارش ہوتی ہے اور جن کا سلسلہ انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک ہے۔ بلکہ پیدائش سے قبل اور موت کے بعد بھی انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ہمکنار رہتا ہے اس کے ادائے شکر کے لئے ہر دن میں پانچ وقت نماز مقرر کی اور جمعہ کے دن چونکہ تمام دنوں سے زیادہ نعمتیں بندوں پر نازل ہوتی ہیں اس لئے اس دن ایک خاص نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ جماعت کے باب میں جماعت کی حکمتیں اور اس کے فائدے بیان کئے جا چکے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہو چکا ہے کہ جماعت میں جتنی زیادہ کثرت ہوگی اور مسلمان جتنی بڑی تعداد میں نماز کے لئے جمع ہوں گے اسی قدر ان فوائد کا زیادہ ظہور ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے۔ جب کہ مخلوق کے مسلمان اور اس مقام کے اکثر لوگ ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھیں چونکہ ہر روز پانچوں وقت اس قدر اجتماع لوگوں کی پریشانی و تکلیف کے پیش نظر ممکن نہ ہوتا اس لئے شریعت نے ہفتہ میں ایک دن ایسا مقرر فرمادیا جس میں مختلف مخلوق اور گاؤں کے مسلمان آپس میں ایک جگہ جمع ہو کر اس عبادت کو ادا کریں اور چونکہ جمعہ کا دن تمام دنوں میں افضل و اشرف تھا لہذا یہ تخصیص اسی دن کے لئے کی گئی۔

اگلی امتوں کو بھی خدائے تعالیٰ نے اس دن عبادت کا حکم فرمایا تھا مگر انہوں نے اپنے تہذیب و سرکشی اور اپنی بد نصیبی کی بناء پر اس میں اختلاف کیا اور ان کی اس سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس عظیم سعادت سے محروم رہے اور یہ فضیلت و سعادت بھی اسی اُمت مرحومہ کے حصہ میں پڑی۔ یہود نے سنبچہ کا دن مقرر کر لیا اس خیال سے کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تھا۔ عیسائیوں نے اتوار کا دن مقرر کیا اس خیال سے کہ یہ دن ابتدائے آفرینش کا ہے۔

چنانچہ اب تک یہ دونوں فرقے ان دنوں میں عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں، اپنے تمام کام کاج چھوڑ کر اس دن چرچ و عبادت گاہوں میں ضرور جاتے ہیں۔ عیسائی حکومتوں میں اتوار کے دن اسی سبب سے تمام دفاتر و تعلیم گاہوں میں تعطیل ہوتی ہے۔ بعض مسلم حکومتوں کی یہ عرو بیت اور بد نصیبی ہے کہ وہ بھی عیسائی حکومتوں کے اس خالص مذہبی طرز عمل کو بدل نہ سکیں اور اپنے ملکوں میں بجائے جمعہ کے اتوار کے دن عام تعطیل کرنے پر مجبور ہیں۔

نماز جمعہ کی فرضیت: نماز جمعہ فرض عین ہے، قرآن مجید، احادیث متواترہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے اور اسلام کے شعائر اعظم میں سے ہے نماز جمعہ کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر اور اس کو ملحد و چھوڑنے والا فاسق ہے، نماز جمعہ کے بارے میں ارشاد باری ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَخَرُّوا سُجَّدًا مُبِينًا ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

”اے ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لئے اذان کہی جائے تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ”ذکر“ سے مراد نماز جمعہ اور اس کا خطبہ ہے۔ ”دوڑنے“ سے مراد اس نماز کے لئے نہایت اہتمام کے ساتھ جانا۔ نماز جمعہ کی فرضیت آنحضرت ﷺ کو مکہ ہی میں معلوم ہو گئی تھی، مگر غلبہ کفر کے سبب اس کے ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لاتے ہی آپ نے نماز جمعہ شروع کر دی۔

مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے حضرت اسعد ابن زرارہؓ نے اپنے اجتہاد صائب اور کشف صادق سے جمعہ کی نماز شروع کر دی تھی۔ (علم الفقہ)

نماز جمعہ کے بارے میں یہاں چند باتیں عرض کر دی گئی ہیں آئندہ ابواب میں حسب موقع نماز جمعہ کے احکام و مسائل اور اس کے فضائل کو بیان کیا جاتا رہے گا۔

الفصل الأول

جمہ کی فضیلت سے یہودی نصاریٰ کا اعراض

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الْأَجْرُونَ الشَّائِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَبْدَأُ اللَّهُ أَوَّلُ الْكِتَابِ مِنْ قَبْلِنَا وَأَوْتِيَانَهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ هَذَا يَوْمُهُمُ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْهِمْ يَعْنِي يَوْمَ الْجُسَعَةِ فَاخْتَلَفُوا فِيهِ فَهَذَا اللَّهُ لَهُ وَالنَّاسُ لِنَافِيهِ تَبَعَ الْيَهُودُ غَدًا وَالتَّصَارَى بَعْدَ غَدٍ مُتَشَقِّقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِسُلَيْمٍ قَالَ نَحْنُ الْأَجْرُونَ الْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَنَحْنُ أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يَبْدَأُ اللَّهُ لَهُمْ وَذَكَرَ نَحْوَهُ أَلَيْسَ أَجْرُهُ وَفِي أُخْرَى لَهُ عَنْهُ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي آخِرِ الْحَدِيثِ نَحْنُ الْأَجْرُونَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا وَالْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُقَضِيُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ -

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا: ہم دنیا میں اُبد میں آئے ہیں اور قیامت کے دن شرف و مرتبہ میں سب سے آگے ہوں گے علاوہ ازیں اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) کو اللہ کی طرف سے ہم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور ہمیں بعد میں کتاب ملی ہے پھر یہ دن یعنی جمعہ کا دن ان (اہل کتاب) پر فرض کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دن (یعنی جمعہ) کے بارے میں ہماری ہدایت فرمائی باس طور کہ ہم نے خدا کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس دن کو خدا کی عبادت کے لئے اختیار کیا۔ اور لوگ یعنی یہود و نصاریٰ نہ صرف شرف و فضیلت بلکہ دن کے اعتبار سے بھی ہمارے تابع ہیں۔ یہود نے کل (یعنی جمعہ کے بعد کے دن سنچر) کو اختیار کیا اور نصاریٰ نے پرسوں (یعنی سنچر کے بعد کا دن اتوار) اختیار کیا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم ہی کی ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت حذیفہؓ سے یوں منقول ہے کہ دونوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے حدیث کے آخر میں فرمایا: (دنیا میں آنے کے اعتبار سے) ہم سب سے پیچھے ہیں اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے کہ ساری مخلوقات سے پہلے ہمارے لئے (حساب کا اور جنت میں داخل ہونے کا) حکم کیا جائے گا۔“

تشریح: حدیث کے الفاظ ”ہمیں بعد میں کتاب ملی ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ گزشتہ امتوں کے پاس خدا نے تعالیٰ کی کتاب پہلے نازل ہوئی ہے اور پھر سب سے بعد میں ہماری امت کو قرآن کریم سے نوازا گیا ہے مگر وہ حقیقت یہی چیز ہماری امت کے لئے تمام امتوں کے مقابلہ میں شرف و فضیلت کی دلیل ہے کیونکہ اصولی بات ہے کہ جو کتاب بعد میں آتی ہے وہ پہلی کتاب کو منسوخ قرار دے دیتی ہے اور ظاہر ہے کہ جو کتاب پہلی کتاب کو منسوخ قرار دے گی وہ اپنی عظمت و فضیلت کے اعتبار سے تمام کتابوں پر حاوی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا قول نحن الاخرون بھی امت محمدی کی فضیلت و عظمت کے بیان کے لئے ہے۔

ارشاد گرامی فاختلفوا لہیہ کی وضاحت و تشریح میں شارحین حدیث کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہود و نصاریٰ پر جمعہ کے روز کو فرض کرنے سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کہ اہل کتاب نے اس میں کیا اختلاف کیا؟

چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مسلمانوں پر جمعہ کی نماز فرض کی ہے بعینہ اسی طرح اہل کتاب پر بھی جمعہ کے روز عبادت کرنا فرض قرار دیا تھا اور انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ اسی روز عبادت خداوندی کے لئے آپس میں جمع ہوا کریں جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے مگر انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اسی معاملہ میں بھی خدا کے حکم سے اعراض کیا اور اپنی سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا جمعہ کو فرض کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں تمہارے لئے ایک ایسا دن فرض قرار دیا ہے جس میں تم اپنے دنیوی امور سے فارغ ہو کر اور تمام کام کاج چھوڑ کر خدا کی عبادت اور ذکر میں مشغول رہو لہذا تم اپنی اجتہاد اور فکری قوت سے کام لیتے ہوئے اس دن کو متعین کر لو کہ وہ کونسا دن ہے؟ گویا اس طرح اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ اہل کتاب کے اجتہاد و فکر کا امتحان تھا کہ آیا یہ حق اور صحیح بات دریافت کر لینے اور اس پر مطلع ہو جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ یہود نے تو سنیچر کے دن کو متعین کیا اور کہا کہ یہی دن عبادت خداوندی میں اجتماعیت کے ساتھ مشغول ہونے کا دن ہے اور اسی دن کی سب سے زیادہ فضیلت ہے کیونکہ اسی دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تھا۔ لہذا ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اس دن دنیا کے کاروبار سے فراغت حاصل کر کے عبادت میں مشغول رہیں۔

نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کیا انہوں نے اس دن کو باس طور تمام دنوں سے زیادہ افضل و بابرکت جانا کہ یہی دن ابتداء آفرینش کا ہے۔ انہوں نے سوچا کہ مبداء کمالات و انعامات ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ مخلوق پر اپنے فیض اور اپنی نعمتوں کے ساتھ متوجہ ہوا۔ لہذا اس مقصد کے لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و پرستش بہت زیادہ کی جائے اور بندے دنیا کی مصروفیتوں سے منہ موڑ کر اپنے پیدا کرنے والے اور اپنے پالنہار کی بندگی میں مصروف رہیں یہی دن سب سے زیادہ مناسب اور بہتر ہو سکتا ہے۔

لیکن یہود و نصاریٰ دونوں اپنے اجتہاد اور اپنی رائے میں ناکام رہے ان کی طبیعت اور ان کے مزاج میں چونکہ تہر و سرکشی کا مادہ زیادہ تھا۔ سعادت و بھلائی کے نور سے ان کے قلوب پوری طرح مستفید نہ تھے اس لئے وہ اصل مقصد اور اصل دن جو خدا کے علم میں تھا اس کو تو پہچان نہ سکے بلکہ اپنی اپنی دلیلوں کا سہارا لے کر دوسرے دنوں کو اختیار کر بیٹھے۔

برخلاف اس کے اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ کو ہدایت سے نوازا اور اپنے فضل و کرم سے اصل دن یعنی جمعہ کی معرفت عطا فرمائی چنانچہ جب اللہ جل شانہ نے اس آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ** کے ذریعے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جمعہ کو خدا کی عبادت کی جائے تو اس کے ساتھ انہیں اس حکم کی بجا آوری کی توفیق بھی عطا فرمائی اور اس آیت کو اس مرحلے پر بھی تہر و سرکشی اور خود ساختہ دلیلوں کے ذریعے گمراہ نہیں کیا چنانچہ مسلمانوں نے خدا کے اس حکم کے آگے گردن اطاعت جھکا دی اور ایک ہی فرمانبردار امت ہونے کے ناطے جمعہ ہی کے دن کو خدا کی عبادت و بندگی کے لئے اختیار کر لیا۔

”لوگ ہمارے تابع میں“ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کا روز چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا دن ہونے کی وجہ سے نسل انسانی کے لئے مبداء اور انسانی زندگی کا سب سے پہلا دن ہے اس لئے اس دن عبادت کرنے والے عبادت کے اعتبار سے مقبوع اور اس کے بعد کے دوزن یعنی سنیچر و اتوار کو عبادت کرنے والے تابع ہوئے۔

اس بنا پر یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ شرعاً اور اصولاً جمعہ کا دن ہی ہفتہ کا پہلا دن ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ عرف عام اس کے برخلاف ہے۔

جمعہ کے دن کی فضیلت

② وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ

آدَمُ وَفِيهِ أَذْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أَخْرَجَ مِنْهَا وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ ان دنوں کا جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ (یعنی ان کی تخلیق مکمل ہوئی) اسی دن وہ بہشت میں داخل ہوئے اور اسی دن انہیں بہشت سے نکالا گیا (اور زمین پر اتارا گیا) اور قیامت بھی جمعہ ہی کے روز قائم ہوگی۔“ (مسلم)

تشریح: حدیث کے پہلے جملہ کے ذریعہ بطورِ مبالغہ جمعہ کے دن کی فضیلت ظاہر کرنا مقصود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام دنوں میں سب سے زیادہ افضل دن جمعہ ہے کیونکہ ایسا کوئی بھی دن نہیں ہے جس میں آفتاب طلوع نہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہونے کی وجہ سے جمعہ کے دن کی فضیلت تو ظاہر ہے لیکن بہشت سے نکلنے کا دن ہونے کی وجہ سے جمعہ کی فضیلت اس لئے ہے کہ دراصل حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے نکل کر زمین پر آنا انبیاء اور اولیاء کی پیدائش کا سبب اور ان کی مقدس زندگیوں سے بے شمار احسان کے ظہور کا باعث ہوا۔ ایسے ہی حضرت آدم علیہ السلام کی موت بارگاہِ رب العزت میں ان کی حاضری کا سبب ہوئی اسی طرح قیامت کا قائم ہونا جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے جس میں پرہیزگاروں اور نیکو کاروں سے اللہ تعالیٰ کے کئے گئے وعدے ظاہر ہوں گے۔

”قیامت قائم ہونے“ سے مراد یا تو پہلا صور ہے کہ جس کی آواز سے زمین و آسمان ٹٹا ہو جائیں گے اور پوری دنیا موت کی آغوش میں پہنچ جائے گی یا دوسرا صور بھی مراد لیا جاسکتا ہے جو تمام مخلوق کو دوبارہ زندہ کرنے اور انہیں احکم الحاکمین کی بارگاہ میں حساب کے لئے پیش کرنے کے واسطے پھونکا جائے گا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ تمام دنوں میں عرفہ کا دن افضل ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ جمعہ کا روز افضل ہے۔ جیسا کہ اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے لیکن یہ اختلاف و تضاد اس صورت میں ہے جب کہ مطلقاً یہ کہا جائے کہ دنوں میں سب سے افضل دن عرفہ ہے یا اسی طرح کہا جائے کہ جمعہ کا دن سب سے افضل دن ہے اور اگر دونوں اقوال کا مفہوم اس طرح لیا جائے کہ جو حضرات عرفہ کی افضلیت کے قائل ہیں ان کی مراد یہ ہے کہ سال میں سب سے افضل دن عرفہ ہے اور جو حضرات کہتے ہیں کہ جمعہ سب سے افضل دن ہے ان کی مراد یہ ہے کہ ہفتہ کے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ ہے۔

اس طرح نہ صرف یہ کہ دونوں اقوال میں کسی تطبیق اور تاویل کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ دونوں اقوال اپنی اپنی جگہ صحیح اور قابل قبول ہوں گے ہاں اگر حسن اتفاق سے عرفہ (یعنی ذی الحجۃ کی نویں تاریخ) جمعہ کے روز ہو جائے تو نور علی نور کہ یہ دن مطلقاً تمام دنوں میں سب سے زیادہ افضل ہوگا اور اس دن کیا جانے والا عمل تمام اعمال میں افضل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ خوش قسمتی سے اگر جمعہ کے روز ہوتا ہے تو اس کو حج اکبر کہتے ہیں۔ کیونکہ جو حج جمعہ کے دن ہوتا ہے وہ فضیلت و مرتبہ کے اعتبار سے جمعہ کے علاوہ دوسرے ایام میں ادا ہونے والے شرجوں پر بھاری ہوتا ہے۔

جمعہ کی فضیلت و عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابن مسیبؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ نفل حج سے زیادہ محبوب ہے۔

جامع صغیر میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت مرفوعاً منقول ہے کہ ”جمعہ حج المساکین ہے۔“

جمعہ کے دن ساعت قبولیت

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يَأْتِيهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللَّهَ فِيهَا خَيْرًا إِلَّا أُعْطَاهُ إِيَّاهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ قَالَ وَهِيَ سَاعَةٌ خَفِيفَةٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهَا قَالُ إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يَأْتِيهَا مُسْلِمٌ قَائِمٌ يَسْأَلُ اللَّهَ خَيْرًا إِلَّا أُعْطَاهُ إِيَّاهُ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے اگر کوئی بندہ مؤمن پائے اور اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا سوال کرے تو خدا اس کو وہ بھلائی عطا کرتا ہے۔ (یعنی اس ساعت میں مانگی جانے والی دعا ضرور مقبول ہوتی ہے) بخاری و مسلم ایک روایت میں مسلم نے یہ الفاظ مزید نقل کئے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ ساعت بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ اور بخاری و مسلم کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا بلا شک و شبہ جمعہ کے روز ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے اگر کوئی بندہ مؤمن جو نماز کے لئے کھڑا ہو پالے اور خدا اسے بھلائی کے لئے دعا کرے تو اس کو خدا وہ بھلائی ضرور عطا فرمادیتا ہے۔“

تشریح: جمعہ کے روز ایک خاص ساعت ہے جس میں بندہ کی جانب سے پروردگار میں پیش کی جانے والی ہر درخواست منظور ہوتی ہے مگر وہ ساعت متعین اور ظاہر نہیں ہے بلکہ اسے پوشیدہ رکھا گیا ہے یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ ساعت کب آتی ہے اور اسے پوشیدہ رکھنے سے حکمت یہ ہے کہ لوگ اس ساعت کی امید میں پورے دن عبادت میں مشغول رہیں اور جب وہ ساعت آئے تو ان کی عبادت و دعا اس خاص ساعت میں واقع ہو۔

علامہ جزیریؒ فرماتے ہیں کہ ”قبولیت کی جو ساعت منقول ہیں ان سب میں جمعہ کے روز کی ساعت قبولیت میں مطلب برآری اور دعا کے قبول ہونے کی امید بہت زیادہ ہوتی ہے۔“

اعطاءہ ایامہ کا مطلب یا تو یہ ہے کہ بندہ اس مقبول ساعت میں دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے یاں طور پر کہ اس کا مقصد دنیا ہی میں پورا کر دیتا ہے یا قبولیت دعا کی یہ صورت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مصلحت اور بندہ کی بہتری ہی کے لئے دنیا میں تو اس کی دعا کا کوئی اجر ظاہر نہیں فرماتا بلکہ وہ اس کے لئے ذخیرہ آخرت ہو جاتی ہے کہ وہاں اس کا ثواب اسے دیا جائے گا۔

لفظ قائم بصلی کے معنی یہ ہیں کہ ”نماز پابندی اور مداومت کے ساتھ چڑھتا ہو“ یا یہ معنی ہیں کہ دعا پر مواظبت و مزاوت کرتا ہو، یا یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ ”نماز کا انتظار کرتا ہو“۔ یہ تاویلات اس لئے کی گئی ہیں تاکہ تمام روایات میں مطابقت ہو جائے۔

جمعہ کے دن ساعت قبولیت کب آتی ہے

(۴) وَعَنْ أَبِي بَرْزَةَ بْنِ أَبِي مُؤَسَّسٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي شَأْنِ سَاعَةِ الْجُمُعَةِ مَا يَنْبَغِي أَنْ يَخْلُسَ إِلَّا مَا هِيَ إِلَى أَنْ تُقْضَى الصَّلَاةُ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابی ہریرہؓ ابن ابی موسیٰؓ راوی ہیں کہ میں نے اپنے والد کرم (حضرت ابو موسیٰؓ) سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کو جمعہ (کے دن) کی ساعت قبولیت کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ ساعت (خطبہ کے لئے) امام کے منبر پر بیٹھے اور نماز چھی جانے تک گادر مانی عرصہ ہے۔“ (مسلم)

تشریح: جمعہ کے روز قبولیت دعا کی ساعت منقول ہے۔ اور اس کی حقیقت میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہے لیکن علماء کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ وہ ساعت کونسی ہے؟ یعنی وہ کونسا وقت ہے جس میں ساعت قبولیت آتی ہے؟ چنانچہ بعض علماء کی تحقیق تو یہ ہے کہ شب قدر کی ساعت قبولیت اور امّ اعظم کی طرح جمعہ کے روز کی ساعت قبولیت بھی مبہم یعنی غیر معلوم ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ ساعت ہر جمعہ کو بدلتی رہتی ہے کسی جمعہ کو تو دن کے ابتدائی حصے میں آتی ہے اور کسی جمعہ کو درمیانی حصے میں اور اسی طرح کسی جمعہ کو دن کے آخری حصے میں آتی ہے لیکن اکثر علماء کا کہنا یہ ہے کہ وہ ساعت متعین اور معلوم ہے لیکن اس میں بھی اختلاف ہے کہ اگر وہ ساعت متعین اور معلوم ہے تو کونسی ساعت ہے۔ اور وہ کونسا وقت ہے جس میں یہ عظیم و مقدس ساعت پوشیدہ ہے۔ اس بارے میں بیسیس اقوال منقول ہیں۔

- ① جمعہ کے روز فجر کی نماز کے لئے مؤذن کے اذان دینے کا وقت۔
- ② فجر کے طلوع ہونے سے آفتاب کے طلوع ہونے تک کا وقت۔
- ③ عصر سے آفتاب غروب ہونے تک کا وقت۔
- ④ خطبہ کے بعد امام کے منبر سے اترنے سے تکبیر تحریمہ کہے جانے تک کا وقت۔
- ⑤ آفتاب نکلنے کے فوراً بعد کی ساعت۔
- ⑥ طلوع آفتاب کا وقت۔
- ⑦ ایک پہر باقی دن کی آخری ساعت۔
- ⑧ زوال شروع ہونے سے آدھا سایہ ہو جانے تک کا وقت۔
- ⑨ زوال شروع ہونے سے ایک ہاتھ سایہ آجانے تک کا وقت۔
- ⑩ ایک بالشت آفتاب ڈھلنے کے بعد سے ایک ہاتھ آفتاب ڈھل جانے تک کا وقت۔
- ⑪ عین زوال کا وقت۔
- ⑫ جمعہ کی نماز کے لئے مؤذن جب اذان کہے وہ وقت۔
- ⑬ زوال شروع ہونے سے نماز جمعہ میں شامل ہونے تک کا وقت۔
- ⑭ زوال شروع ہونے سے امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک کا وقت۔
- ⑮ زوال آفتاب تک کا وقت۔
- ⑯ خطبہ کے لئے امام کے منبر پر چڑھنے سے نماز جمعہ شروع ہونے تک کا وقت۔
- ⑰ امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک کا وقت۔
- ⑱ خطبہ کے لئے امام کے منبر پر چڑھنے اور ادائیگی نماز کے درمیان کا وقت۔
- ⑲ اذان سے ادائیگی نماز کے درمیان کا وقت۔
- ⑳ امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز پوری ہو جانے تک کا وقت۔
- ㉑ خرید و فروخت کے حرام ہونے اور ان کے حلال ہونے کے درمیان کا وقت یعنی اذان کے وقت سے نماز جمعہ ختم ہو جانے تک۔
- ㉒ اذان کے قریب کا وقت۔
- ㉓ امام کے خطبہ شروع کرنے اور خطبہ ختم کرنے تک کا وقت۔
- ㉔ خطبہ کے لئے امام کے منبر پر چڑھنے اور خطبہ شروع کرنے کا درمیانی وقت۔
- ㉕ دونوں خطبوں کے درمیان امام کے بیٹھنے کا وقت۔
- ㉖ خطبہ سے فراغت کے بعد امام کے منبر سے اترنے کا وقت۔
- ㉗ نماز کے لئے تکبیر شروع ہونے سے امام کے مصلیٰ پر کھڑے ہونے تک کا وقت۔
- ㉘ تکبیر شروع ہونے سے اختتام نماز تک کا وقت۔
- ㉙ جمعہ کی نماز سے فراغت کے فوراً بعد کا وقت۔
- ㉚ عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کا وقت۔
- ㉛ نماز عصر کے درمیان کا وقت۔

۳۲ عصر کی نماز سے (غروب آفتاب سے پہلے) نماز کا آخری وقت مستحب رہنے تک کا وقت۔

۳۳ مطلقاً نماز عصر کے بعد کا وقت۔

۳۴ نماز عصر کے بعد کی آخری ساعت۔

۳۵ اور وہ وقت جب کہ آفتاب ڈوبنے لگے۔

منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت فاطمہ زہراؑ اور تمام اہل بیت نبوت رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے خادموں کو متعین کرتے تھے کہ وہ ہر جمعہ کے روز آخری گھڑی کا خیال رکھیں اور اس وقت سب کو یاد دلائیں تاکہ وہ سب اس گھڑی میں پروردگار کی عبادت، اس کے فکر اور اس سے دعا مانگنے میں مشغول ہو جائیں۔

یہاں جو حدیث نقل کی گئی ہے اس کے متعلق یقینی سے پوچھا گیا کہ خطبہ کے وقت دعا کیونکر مانگی جائے گی کیونکہ یہ حکم ہے کہ جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت خاموشی اختیار کی جائے۔

اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ ”دعا کے لئے تلفظ شرط نہیں ہے بلکہ اپنے مقصود و مطلوب کا دل میں دھیان رکھنا کافی ہے یعنی دعا کے لئے یہی ضروری نہیں ہے کہ دعا کے الفاظ زبان سے ادا کئے جائیں بلکہ یہ بھی کافی ہے کہ دل ہی دل میں دعا مانگ لی جائے اس طرح مقصود بھی حاصل ہو جائے گا اور خطبہ کے وقت خاموش رہنے کے شرعی حکم کے خلاف بھی نہیں ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ”یہ بات مجھے معلوم ہوئی ہے کہ جمعہ کی شب میں بھی مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے۔“

الفصل الثانی

جمعہ کی فضیلت اور ساعت قبولیت

⑤ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ إِلَى الطُّورِ فَلَقِيتُ كَعْبَ الْأَخْبَارِ فَجَلَسْتُ مَعَهُ فَحَدَّثَنِي عَنِ النَّوْزَةِ وَحَدَّثَنِي عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ فِيهَا حَدِيثُهُ أَنْ قُلْتُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُخْطِطَ وَفِيهِ تَبَّعَ عَلَيْهِ وَفِيهِ مَاتَ وَفِيهِ تَقُومُ السَّاعَةُ وَمِنْ ذَاتِهِ إِلَّا وَهِيَ مُصْبِحَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ جَنِّ نَضِيجٍ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفِيقًا مِنَ السَّاعَةِ إِلَّا الْجَنِّ وَالْإِنْسَ وَفِيهِ سَاعَةٌ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّيُ يَسْأَلُ اللَّهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ قَالَ كَعْبٌ ذَلِكَ فِي كُلِّ سَنَةٍ يَوْمَ فَقُلْتُ بَلْ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَرَأَ كَعْبُ النَّوْزَةَ فَقَالَ صَدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ لَقِيتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَلَامٍ فَحَدَّثَنِي بِمَجْلِسِي مَعَ كَعْبِ الْأَخْبَارِ وَمَا حَدَّثَنِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقُلْتُ لَهُ قَالَ كَعْبٌ ذَلِكَ فِي كُلِّ سَنَةٍ يَوْمَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ كَذَبَ كَعْبٌ فَقُلْتُ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ كَعْبُ النَّوْزَةَ فَقَالَ بَلْ هِيَ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ صَدَقَ كَعْبٌ ثُمَّ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ سَاعَةَ هِيَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي بِهَا وَلَا تَصِرْ عَلَيَّ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ هِيَ آخِرُ سَاعَةٍ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ وَكَيْفَ تَكُونُ آخِرُ سَاعَةٍ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّيُ فِيهَا فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ فَهُوَ فِي صَلَاةٍ حَتَّى يُصَلِّيَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ بَلَى قَالَ فَهُوَ ذَلِكَ - (زَوَاهِدًا لِلَّهِ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَرَوَى أَحْمَدُ إِلَى قَوْلِهِ صَدَقَ كَعْبٌ)

”حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں کوہ طور کی طرف گیا، اور وہاں کعب اخبار سے ملاقات کی میں ان کے پاس بیٹھ گیا انہوں نے

میرے سامنے تورات کی کچھ باتیں کہیں اور میں نے ان کے سامنے سرتاج دو عالم ﷺ کی حدیثیں بیان کیں میں نے ان کے سامنے جو احادیث بیان کیں ان میں سے ایک حدیث یہ بھی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان دنوں میں جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ کا ہے، جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، اسی روز وہ جنت سے (زمین پر) اتارے گئے، اسی دن (یعنی جس جمعہ کو جنت سے اتارے گئے) اسی جمعہ کو آخری گھڑی میں پایہ کہ دوسرے جمعہ کے دن ان کی توبہ قبول کی گئی، اسی دن ان کی وفات ہوئی اور جمعہ ہی کے دن قیامت قائم ہوگی اور ایسا کوئی چوپایہ نہیں ہے جو جمعہ کے دن طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک قیامت قائم ہونے کا منتظر نہ رہتا ہو (یعنی چوپاؤں کو بھی یہ معلوم ہے کہ قیامت جمعہ کے روز آئے گی) اس لئے وہ ہر جمعہ کو دن بھر اس خوف میں مبتلا رہتے ہیں کہ کہیں آج ہی قیامت قائم نہ ہو جائے، علاوہ جنات اور انسانوں کے (یعنی جن و انس کو اس انتظار سے غافل رکھا گیا ہے تاکہ اس ہولناکی سے انسانی زندگی کا شیرازہ منتشر نہ ہو جائے) اور جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے کوئی بندہ مسلمان کہ وہ (حکماً حقیقتاً) نماز پڑھتا ہو اور۔ (یعنی نماز کا انتظار کرتا ہو یا دعا مانگتا ہو) اسے پالے اور اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرے تو اسے وہ چیز ضرور دی جاتی ہے (یعنی وہ اس وقت جو دعا مانگا ہے قبول ہوتی ہے) کعب احبار نے (یہ سن کر) کہا کہ یہ دن (جو ساعت قبولیت کو اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہوتا ہے) سال میں ایک مرتبہ آتا ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں! یہ دن تو ہر روز میں ایک مرتبہ آتا ہے۔ کعب نے (اس بات کی تصدیق کے لئے) تورات پڑھی اور (اس کے بعد) کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کہا ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (اس کے بعد پھر) میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے ملا اور ان سے کعب سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا اور جمعہ کے بارے میں کعب سے میں نے جو حدیث بیان کی تھی وہی بتائی پھر میں نے عبداللہ ابن سلام سے یہ بھی کہا کہ کعب کہتے تھے کہ یہ دن سال میں ایک مرتبہ آتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا کہ کعب نے غلط کہا۔ پھر میں نے کہا کہ لیکن کعب نے بعد میں تورات پڑھی اور کہا کہ (رسول اللہ ﷺ کا کہنا ٹھیک ہی ہے کہ) یہ ساعت ہر جمعہ کے روز آتی ہے۔ عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا کہ کعب نے یہ صبح کہا۔ اور پھر کہنے لگے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ کوئی ساعت ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ پھر مجھ کو بتلائیے اور نفل سے کام نہ لیجئے۔ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا کہ وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے۔ میں نے کہا کہ وہ ساعت جمعہ کے دن کی آخری گھڑی کیونکر ہو سکتی ہے جب کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جو بندہ مؤمن اس ساعت کو پائے اور وہ اس میں نماز پڑھتا ہو؟ اور آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ ساعت جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے اس وقت تو نماز نہیں پڑھی جاتی کیونکہ مکروہ ہے؟ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا (یہ تو صحیح ہے لیکن) کیا یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے؟ کہ جو شخص نماز کی انتظار میں اپنی جگہ بیٹھا رہے تو وہ (حکماً) نماز ہی کے حکم میں ہے یہاں تک کہ وہ حقیقتاً نماز پڑھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے (یہ سن کر) کہا کہ ہاں آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے فرمایا۔ بس نماز سے مراد نماز کا انتظار کرنا ہے۔ (اور دن کے آخری حصہ میں نماز کے انتظار میں بیٹھنا ممنوع نہیں ہے اس وقت اگر کوئی دعا مانگے تو وہ قبول ہوگی) مالک، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور امام احمدؒ نے بھی یہ روایت صدق کعب تک نقل کی ہے۔

تشریح: حدیث کے الفاظ حین تطلع الشمس حتی تطلع الشمس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت چونکہ جمعہ کے روز طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کے درمیانی عرصہ میں ہی قائم ہوگی اس لئے چوپائے ہر جمعہ کے روز اس عرصہ میں قیامت کے قائم ہونے کے منتظر رہتے ہیں۔ لہذا اس پورے وقت میں جب حیوان قیامت کا خیال رکھتے ہیں اور اس سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ تو انسانوں کو بطریق اولیٰ یہ چاہئے کہ وہ جمعہ کے روز دن بھر خدا کی عبادت اور اس کے ذکر میں مشغول رہیں اور اس چیز سے جو پیش آنے والی ہے (یعنی قیامت سے) ڈرتے رہیں۔

یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی ایک اعجازی شان کی غمازی کر رہی ہے کہ آپ ﷺ نے امی ہونے کے باوجود اس عظیم الشان چیز کی خبر دی جو یہود میں توراة کے ایک بڑے عالم سے بھی پوشیدہ تھی حالانکہ توراة میں اس کا ذکر موجود تھا۔ گویا توراة کا عالم توراة میں ذکر کی گئی چیز

سے بے خبر اور آپ ﷺ جو ابی تھے اس سے پوری طرح باخبر درحقیقت یہ بڑا زبردست معجزہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بظاہر تو ابی تھے مگر خدا نے آپ ﷺ کے سینہ میں علوم و معرفت کا بحر بیکراں موجزن کر رکھا تھا۔

کعب اخبار یہودیوں میں ایک بڑے پایہ کے عالم اور بہت دانشمند مانے جاتے تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ تو پایا ہے لیکن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے تھے بعد میں حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانہ میں اسلام کی نعمت سے مشرف ہوئے۔ حضرت عبداللہ ابن سلامؓ بھی یہودیوں کے ایک بڑے عالم تھے یہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ ہی میں اسلام لا کر صحابیت کے شرف عظیم سے مشرف ہو گئے تھے رضی اللہ عنہ۔

① وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّمَسُّوا السَّاعَةَ الَّتِي تَرْجَى فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَى غَيْبَتِ النَّفْسِ - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن کی اس ساعت کو کہ جس میں قبولیت دعا کی امید ہے کہ عصر کے بعد سے غروبِ آفتاب تک تلاش کرو۔“ (ترمذی)

فضائلِ جمعہ

② وَعَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ قَبْضُ وَفِيهِ النَّفْخَةُ وَفِيهِ الصُّعْقَةُ فَأَكْثَرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ فَإِنْ صَلَّاتُكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ نَعْرِضُ صَلَاتَنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرَمْتَ قَالَ يَقُولُونَ بَلِّغْتَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيَّ الْأَرْضَ

أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ - (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی وصحیحی فی الدعوات الکبیرا)

”حضرت اوس بن اوسؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: جمعہ کا دن تمہارے لئے بہترین دنوں میں سے ہے۔ (کیونکہ) اس دن آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی اسی دن ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن (دوسرا) صور پھونکا جائے گا۔ (جس کی آواز سے مردے زندہ ہو کر میدانِ حشر میں جمع ہوں گے)۔ اسی دن (پہلا) صور پھونکا جائے گا (جس کی آواز سے قیامت قائم ہوگی اور تمام مخلوق خدا کے گھاٹ اتر جائے گی) لہذا اس دن تم لوگ مجھ پر زیادہ درود بھیجو کیونکہ تمہارے درود میرے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے درود آپ ﷺ کے سامنے کس طرح پیش کئے جائیں گے۔ جب کہ (ہمارے درود بھیجنے کے وقت) آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ راوی کہتے ہیں کہ لفظ ارم سے صحابہؓ کی مراد لفظ بلیت تھی یعنی آپ ﷺ کا جسد مبارک بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کے جسم حرام کر دیئے ہیں۔) یعنی انبیاء کے جسم زمین فانی نہیں کرتی۔“

(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، بیہقی)

تشریح: ارشاد گرامی ان من افضل ايامكم يوم الجمعة اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یا تو عرفہ کا دن سب دنوں میں افضل ہے یا پھر عرفہ اور جمعہ دونوں دن فضیلت کے اعتبار سے مساوی ہیں۔

جمعہ کے دن بہت زیادہ درود بھیجنے کے لئے آپ ﷺ نے اس لئے حکم دیا ہے کہ درود افضل عبادات سے ہے اور چونکہ جمعہ کے دن ہر نیکی کا ثواب ستر درجہ زیادہ ملتا ہے اس لئے جمعہ کے دن درود پڑھنا اولیٰ ہوگا۔ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کے وقت بہت زیادہ فضائل دوسری احادیث سے بھی ثابت ہیں اس لئے مسلمانوں کے لئے یہ حق تعالیٰ کی جانب سے ایک عظیم الشان نعمت ہے لہذا جمعہ کے دن اور جمعہ کی شب میں آنحضرت ﷺ پر بہت زیادہ درود بھیجا جائے اور اس سے غافل نہ رہا جائے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح زمین دوسرے مردوں کے ساتھ معاملہ کرتی ہے کہ چند ہی دنوں کے بعد ان کے اجسام زمین کی نذر ہو جاتے ہیں اور گل سڑ جاتے ہیں ایسا معاملہ انبیاء کے مبارک اجسام کے ساتھ نہیں ہوتا۔ تو ان کے اجسام فنا ہوتے ہیں نہ مگتے سڑتے ہیں۔ بلکہ وہ جوں کے توں قبروں میں دنیا کی طرح زندہ رہتے ہیں اور حق تعالیٰ کی جانب سے انہیں وہاں حیات جسمانی حقیقی عنایت فرمائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ بالکل صاف اور واضح ہے اور اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور انہیں بالکل دنیا کی طرح حقیقی جسمانی حیات حاصل ہے نہ کہ انہیں حیات معنوی روحانی حاصل ہے جیسا کہ شہداء کو حاصل ہوئی ہے۔ اگرچہ شہداء کے علاوہ دوسرے مردے بھی اپنی قبروں میں سلام کلام سنتے ہیں اور بعض ایام میں ان کے اقرباء کے اعمال بھی ان کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

⑧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَوْمُ الْمَوْعُودُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالْيَوْمُ الْمَشْهُودُ يَوْمَ عَرَفَةَ وَالشَّاهِدُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمَا ظَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غُرُبَتْ عَلَى يَوْمٍ أَفْضَلَ مِنْهُ فِيهِ سَاعَةٌ لَا يَوَافِقُهَا عَبْدٌ مُؤْمِنٌ يَدْعُو اللَّهَ بِخَيْرٍ إِلَّا اسْتَجَابَ اللَّهُ لَهُ وَلَا يَسْتَعِينُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَعَادَهُ مِنْهُ رِوَاةُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا يَعْرِفُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُوسَى ابْنِ عُبَيْدَةَ وَهُوَ بَصِيفٌ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا دن موعود قیامت کا دن ہے مشہود عرفہ کا دن ہے اور شاہد جمعہ کا دن ہے۔ آفتاب کسی ایسے دن طلوع و غروب نہیں ہوتا جو جمعہ کے دن سے افضل ہو (یعنی جمعہ کا دن سب سے افضل ہے) اس دن ایک ایسی ساعت آتی ہے جسے اگر کوئی بندہ مؤمن پالے اور اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور بھلائی دیتا ہے یا جس چیز سے پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پناہ دیتا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ایک شخص موسیٰ بن عبیدہ کے اور کسی سے (اس کا نقل ہونا) معلوم نہیں ہوتا اور یہ (موسیٰ ترمذی کے یہاں روایت حدیث میں) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔“ (احمد و ترمذی)

تشریح: سورہ بروج کی آیت ہے:

وَالْيَوْمَ الْمَوْعُودُ وَشَهِيدٌ مَشْهُودٌ۔

”اور قسم ہے اس دن کی جس کا وعدہ ہے اور حاضر ہونے والے کی اور جو اس کے پاس حاضر کیا جائے اس کی۔“

اس آیت کی تفسیر یہ حدیث یہاں کر رہی ہے کہ ”یوم موعود“ سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے آنے کی خبر دی ہے اور مؤمنوں سے اس دن کے آنے کے بعد بہشت کی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے۔

”شاہد“ سے مراد جمعہ کا دن ہے کہ جو مخلوق کے پاس حاضر ہوتا ہے اور ہر وقت آتا رہتا ہے۔

”مشہود“ سے مراد عرفہ کا دن ہے کہ تمام عالم سے مسلمان اور ملائکہ اللہ اس دن حاضر ہوتے ہیں اور ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اگرچہ امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے راوی موسیٰ کو روایت حدیث کے سلسلے میں ضعیف کہا جاتا ہے لیکن یہ حدیث اپنی جگہ پر اس لئے قابل اسناد و قابل قبول ہے کہ اس متن کی دوسری حدیثیں جو دوسرے راویوں سے مروی ہیں اس حدیث کو تقویت دیتی ہیں۔

الفصل الثالث

جمعہ کی فضیلت

⑨ عَنْ أَبِي لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَيِّدُ الْأَيَّامِ وَأَعْظَمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَهُوَ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ يَوْمٍ الْأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ فِيهِ خَمْسُ خَلَائِلٍ خَلَقَ اللَّهُ فِيهِ آدَمَ وَأَهْبَطَ اللَّهُ فِيهِ آدَمَ۔

إِلَى الْأَرْضِ وَفِيهِ تَوْفَى اللَّهُ أَذْمَ وَفِيهِ سَاعَةٌ لَا يَسْتَأْذِنُ الْعَبْدُ فِيهَا شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ مَالَهُ يَسْأَلُ حَرَامًا وَفِيهِ تَقُومُ السَّاعَةُ مَا مِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَلَا سَمَاءٍ وَلَا أَرْضٍ وَلَا رِيَّاحٍ وَلَا جَبَلٍ وَلَا يَخْرُ إِلَّا هُوَ مُشْفِقٌ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ زَوَّاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى أَحْمَدُ عَنْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَخْبِرْنَا عَنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مَاذَا فِيهِ مِنَ الْخَيْرِ قَالَ فِيهِ خُمْسُ جَلَّالٍ وَسَاقٍ إِلَى آخِرِ الْخَلِيدِثِ

"حضرت ابوہریرہ ابن عبد اللہؓ راوی ہیں سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا "جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنوں کا سردار ہے اور تمام دنوں کا سردار ہے اور تمام دنوں میں سب سے زیادہ با عظمت ہے اور خدا کے نزدیک جمعہ کے دن کی عظمت عید اور بقر عید کے دن سے بھی زیادہ ہے اور اس دن کی پانچ باتیں ہیں۔ (جو اس کی عظمت و فضیلت کی دلیل ہیں) ① اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی ② اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا ③ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وفات دی ④ اسی دن ایک ساعت آتی ہے کہ اس میں برہ اللہ تعالیٰ سے حرام چیز کے سوا جو کچھ بھی مانگا ہے اللہ تعالیٰ ضرور عطایت فرماتا ہے یعنی حرام چیز مانگا مقبول نہیں ہے ⑤ اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ تمام مقرب فرشتے آسمان، زمین، ہوا، پہاڑ اور دریا سب جمعہ کے دن سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ قیامت جمعہ کے دن آتی ہے نہ معلوم کس وقت آجائے (ابن ماجہ) اور امام احمدؒ نے حضرت سعدؓ ابن معاذ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک انصاری صحابیؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے جمعہ کے بارے میں بتائیے کہ اس دن کی کیا خوبیاں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن کی پانچ باتیں ہیں باقی حدیث آخر تک اسی طرح نقل کی ہے (جو اوپر ذکر کی گئی ہے۔" (ابن ماجہ)

تشریح: حدیث کے الفاظ "وہو اعظم عند اللہ من یوم الاضحیٰ ویوم الفطر" سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو عرفہ کا دن جمعہ سے افضل ہے یا فضیلت کے اعتبار سے یہ دونوں دن مساوی ہیں لیکن حضرت رزینؒ کی نقل کردہ روایت میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ تمام دنوں میں سب سے افضل دن عرفہ کا دن ہے۔

وفیہ خمس (اور اس دن کی پانچ باتیں ہیں) جمعہ کے فضائل کے بیان میں تحدید اور حصر کے لئے نہیں فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ جمعہ کے دن کی صرف یہی پانچ باتیں فضیلت کی ہیں بلکہ اس دن کی اور بھی ایسی باتیں ہیں جو فضیلت و عظمت کے اعتبار سے جمعہ کو تمام دنوں میں امتیاز بخشی ہیں مثلاً منقول ہے کہ جنت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کا شرف بھی جمعہ کے دن حاصل ہوا کرے گا یا اسی طرح اور دوسری باتیں منقول ہیں۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ

⑩ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَيِّ شَيْءٍ سُمِّيَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ قَالَ لِأَنَّ فِيهَا طِبْعَتَ طِبْعَةِ آدَمَ وَفِيهَا الصُّعْفَةُ وَالتَّبَعَةُ وَفِيهَا الْبُطْشَةُ وَفِي آخِرِ ثَلَاثِ سَاعَاتٍ مِنْهَا سَاعَةٌ مِنْ دَعَا اللَّهُ فِيهَا السُّعْفَةَ جَبِثَ لَكَ

(رواہ احمد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ سے پوچھا گیا کہ جمعہ کا نام جمعہ کس وجہ سے رکھا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس وجہ سے کہ اس دن تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی مٹی جمع کی گئی اور اس کا خیر بنایا گیا۔ اس دن (پہلا) صورت پھونکا جائے گا کہ اس کی آواز سے تمام دنیا والے مرجائیں گے) اور (دوسرا) صورت پھونکا جائے گا کہ اس کی آواز سے تمام مردے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے) اور اس دن (قیامت کی) سخت دادر و گیر ہوگی نیز اس دن کے آخر کی تین ساعتوں میں ایک ایسی ساعت ہے (یعنی جمعہ کی آخری ساعت) کہ اس وقت جو کوئی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوگی۔" (احمدؒ)

تشریح: علامہ یحییٰ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس دن کا نام جمعہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ مذکورہ بالا ایسی عظیم الشان چیزیں اس دن میں جمع کر دی گئی ہیں۔

لیکن یہ بات بھی غلطی نہ رہے کہ قطع نظر اس بات کے کہ یہ تمام باتیں بہ بیت مجموعی ”جمعہ“ کی وجہ تسمیہ کو ظاہر کرتی ہیں ان میں سے ہر ایک خود بھی اپنی اپنی جگہ جمعیت اور اجتماعیت کے مفہوم پر حاوی ہیں۔

جمعہ کے دن آنحضرت ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنا چاہئے

①۱ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرُوا الصَّلَاةَ عَلَى يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ مَشْهُودٌ بِشَهَادَةِ الْمَلَائِكَةِ وَإِنْ أَحَدًا لَمْ يَصِلْ عَلَى إِلَّا غُرِصَتٌ عَلَى صَلَاتِهِ حَتَّى يَفْزَعَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَزَمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ فَتَبَيَّ اللَّهُ حَتَّى يَوْمَ قِيَامِهِ (رواہ ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو درداءؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ جمعہ کا دن مشہود (یعنی حاضر کیا گیا) ہے اس دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود میرے سامنے (بذریعہ مکاشفہ یا بذریعہ ملائکہ) پیش کیا جاتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہوتا ہے۔ ابو درداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ مرنے کے بعد بھی درود آپ ﷺ کے سامنے پیش کئے جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ زمین پر انبیاء کے اجسام کا کھانا حرام کیا ہے چنانچہ خدا کے نبی (اپنی اپنی قبر میں بالکل دنیا کی حقیقی زندگی کی طرح) زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی تائید کرتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ (آیت کریمہ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ وَشَٰهِدٍ وَمَشْهُودٍ میں) مَشْهُود سے مراد جمعہ کا دن ہے جب کہ پہلے گزرنے والی حدیث نمبر ۸ حضرت علیؓ کی تفسیر کی موبہ ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ اگرچہ یہاں بھی ”مشہود“ سے یوم جمعہ مراد لینا باس اعتبار کہ اسی دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی تفسیر کے منافی نہیں ہے تاہم یہ احتمال بھی قوی تر ہے کہ حدیث کے الفاظ میں ”فَإِنَّهُ“ کی ضمیر جمعہ کی طرف نہیں بلکہ کثرت درود کی طرف راجع ہے جو کہ لفظ ”اکثروا“ سے مفہوم ہوتا ہے اس طرح حدیث کے معنی یہ ہوں گے جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ کثرت درود مشہودہ (یعنی فرشتوں کے حاضر ہونے کا سبب) ہے۔

غُرِصَتٌ صَلَوَاتُہ کا مطلب یہ ہے کہ یوں تو ہمیشہ ہی جب مجھ کو کسی شخص درود بھیجتا ہے۔ تو اس کا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے مگر جمعہ کا دن چونکہ سب سے افضل دن ہے اس لئے جمعہ کے دن بھیجا جانے والا درود بطریق اولیٰ میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اگرچہ درود بھیجنے کی مدت تقبی ہی طویل کیوں نہ ہو چنانچہ حشی یفزع فرما کر اس طرف فرمایا گیا ہے کہ جب تک درود پڑھنے والا خود ہی غارغ نہ ہو جائے یا درود پڑھنا ترک نہ کر دے اس وقت تک پوری مدت کے درود برابر میرے سامنے پیش کئے جاتے رہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد سن کر حضرت ابو درداءؓ یہ سمجھے کہ شاید یہ حکم ظاہری حالت یعنی آپ ﷺ کی دنیاوی زندگی ہی سے متعلق ہے چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں جب سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمین پر انبیاء کے اجسام کھانا حرام ہے یعنی جس طرح دوسرے مردوں کے جسم قبر میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح انبیاء کے جسم قبر میں فنا نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنی اصلی حالت میں موجود رہتے ہیں اس لئے انبیاء کے لئے فنا حالت یعنی دنیا کی ظاہری زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح وہ یہاں ہیں اسی طرح وہاں ہیں اسی لئے کہا گیا ہے۔

وَأَنْبِيَاءُ اللَّهِ لَا يَمُوتُونَ وَلَكِنْ يَنْتَقِلُونَ مِنْ دَارٍ إِلَى دَارٍ۔

”اللہ کے دوست اور حقیقی بندے مرتے نہیں وہ تو صرف ایک مکان سے دوسرے مکان کو منتقل ہو جاتے ہیں۔“

لہذا جس طرح یہاں دنیا کی زندگی میں میرے سامنے درود پیش کئے جاتے ہیں اسی طرح میری قبر بھی میرے سامنے درود پیش کئے جاتے رہیں گے۔

حدیث کے آخری الفاظ حَتَّىٰ يَرْزُقَہُ کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کو اپنی اپنی قبروں میں حق تعالیٰ کی طرف سے معنوی رزق دیا جاتا ہے اور ”رزق“ سے رزق حسی مراد لیا جائے تو یہ حقیقت کے منافی نہیں ہوگا بلکہ صحیح ہی ہوگا۔ کیونکہ جب شہداء کی ارواح کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جنت کے میوے کھاتی ہیں تو انبیاء شہداء سے بھی اشرف واعلیٰ ہیں اس لئے ان کے لئے بھی یہ بات بطریق اولیٰ ثابت ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی قبروں میں رزق حسی دیئے جاتے ہوں۔

جموعہ کو مرنے والے مومن کے لئے بشارت

(۱۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللَّهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ۔

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ روایت ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا: ایسا کوئی مسلمان نہیں ہے جو جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں انتقال کرے اور اللہ تعالیٰ اسے فتنہ (یعنی قبر کے سوال اور قبر کے عذاب) سے نہ بچائے۔ (احمد، ترمذی) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کی اسناد متصل نہیں ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی خوش قسمت مسلمان کا جمعہ کے روز یا جمعہ کی شب میں انتقال کرنا درحقیقت اس کی سعادت اور آخرت کی بھلائی کی دلیل ہے کیونکہ جمعہ کی مقدس ساعتوں میں انتقال کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمتوں اور اس کی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے چنانچہ جمعہ کو انتقال کرنے والے مسلمانوں کے حق میں بہت زیادہ بشارتیں منقول ہیں۔

مثلاً ایک روایت میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان جمعہ کے دن مرتا ہے وہ عذاب قبر سے نجات دیا جاتا ہے اور وہ قیامت کے دن اس حال میں (امید ان حشر میں) آئے گا کہ اس کے اوپر شہیدوں کی مہر ہوگی۔

یا ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن مرتا ہے اس کے لئے شہید کا اجر و ثواب لکھا جاتا ہے اور وہ قبر کے فتنہ سے بچایا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جس مسلمان مرد یا عورت کا انتقال جمعہ کے روز یا جمعہ کی شب میں ہوتا ہے اور اسے فتنہ قبر اور عذاب قبر سے بچایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی ملاقات اس حال میں ہوگی کہ قیامت کے دن میں اس سے کوئی محاسبہ نہیں ہوگا کیونکہ اس کے ساتھ گواہ ہوں گے جو اس کی (سعادت و بھلائی) کی گواہی دیں گے یا اس پر شہداء کی مہر ہوگی۔“

جموعہ مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے

(۱۳) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ قُرْآنَ الْيَوْمِ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ الْآيَةَ وَعِنْدَهُ يَهُودِيٌّ قَالَ لَوْ نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ عَلَيْنَا لَا تَخَذُنَا هَا عَيْنًا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَإِنَّهَا نَزَلَتْ فِي يَوْمٍ عِيدَيْنِ فِي يَوْمٍ جُمُعَةٍ وَيَوْمٍ عَرَفَةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے (ایک دن) یہ آیت پڑھی الْيَوْمِ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ الْآيَةَ جس کا مضمون یہ ہے کہ آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا تمہارے اوپر اپنی تمام نعمتیں پوری کر دیں اور ہم نے تمہارے لئے

از روئے دین اسلام کو پسند کیا ہے) ان کے پاس (اس وقت) ایک یہودی (بیٹھا ہوا) تھا اس نے (ابن عباسؓ سے یہ آیت سن کر) کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کو (یعنی اس دن کو جس میں یہ آیت نازل ہوئی تھی) عید قرار دیتے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت دو عیدوں کے دن یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر جمعہ اور عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: یہودی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ آیت ہم پر اترتی تو اتنی عظیم الشان نعمت کی خوشی اور اس کے شکر ادا کرنے کے طور پر ہم اس کو بڑی عید کا دن مناتے۔ مگر تعجب ہے کہ مسلمانوں نے اس دن کو یادگار اور عید کا دن قرار نہیں دیا؟ اس کے جواب میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس آیت کو ایک ایسے دن نازل فرمایا جو ایک نہیں دو عیدوں پر حاوی تھا تو پھر ہمیں اس دن کو یادگار دن قرار دینے کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے جو آخری حج ادا فرمایا تھا وہ جمعہ کے دن تھا۔ گویا ایک توجہ ہونے کی وجہ سے خود وہ دن افضل و اشرف تھا اور سرے دن عرفہ (یعنی حج) ہونے کے سبب سے اس کی فضیلت و عظمت کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا اور اسی دن یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر ہے کہ اپنی عظمت و فضیلت کے اعتبار سے مسلمانوں کے لئے اس سے بڑا عید کا دن اور کون سا ہو سکتا ہے۔

جمعہ کی رات روشن رات اور جمعہ کا دن چمکتا دن ہے

(۱۴) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَجَبٌ قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَبَلَعْنَا رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ يَقُولُ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ لَيْلَةٌ أَعَزُّ وَيَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ أَزْهَرُ وَآهَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيرِ۔

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب رجب کا مہینہ آتا تو سرتاجِ دو عالم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! رجب اور شعبان کے مہینے (کی ہماری اطاعت و عبادات) میں ہمیں برکت دے اور ہمیں رمضان تک پہنچانے کی برکت دے کہ ہمیں یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن چمکتا دن ہے۔“ (بیہقی)

تشریح: ”اور ہمیں رمضان تک پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ ”اے خدا یا! ہمیں یہ سعادت بخش کہ پورا رمضان پائیں اور رمضان کے تمام دنوں میں ہمیں روزے رکھنے اور نماز تراویح پڑھنے کی توفیق ہو۔“

جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کی نورانیت معنوی یا تو بالذات ہوتی ہے یا پھر یہ کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں جو عبادت کی جاتی ہے اس کی برکت اور اس کے سبب سے معنوی نورانیت پیدا ہوتی ہے۔

بَابُ جُوبَهَا

جمعہ کے واجب ہونے کا بیان

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جمعہ کی نماز فرض عین ہے چنانچہ یہاں ”وجوب“ سے مراد فرض ہے۔

علامہ بخاریؒ فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ فریضہ محکم ہے جو قرآن کریم، احادیث رسول اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔ نماز جمعہ کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے قرآن کریم کی جس آیت سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہے اس کے الفاظ فَاذْكُرُوا لِلّٰهِ يَوْمَ تَذْكُرُوْنَ کا انکار کرنا کفر ہے۔

ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص جمعہ کی اذان سے تو اس کے لئے جمعہ کی تیاری کرنا اور جمعہ کی نماز کے لئے جانا واجب ہے۔

علامہ قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو علی الاطلاق اس کے ظاہری معنی پر محمول کیا جائے گا تو اس سے بڑے اشکالات پیدا ہونگے اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس حدیث کا مفہوم یہ لیا جائے کہ جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو کسی ایسی جگہ ہو جہاں اس کے اور شہر کے درمیان بقدر آواز پہنچنے کا فاصلہ ہو یعنی اگر کوئی شہر میں پکارے تو جہاں وہ ہے وہاں آواز پہنچ جائے۔

شرح فیہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ ”جمعہ اس شخص پر لازم ہے جو شہر کے اطراف میں کسی ایسی جگہ ہو کہ اس کے اور شہر کے درمیان فاصلہ نہ ہو بلکہ ملے ہوئے مکانات ہوں (اگرچہ وہ اذان کی آواز نہ سنے) اور اگر اس کے اور شہر کے درمیان کھیت اور چراگاہ وغیرہ حائل ہونے کی وجہ سے فاصلہ ہو تو اس پر جمعہ واجب نہیں اگرچہ وہ اذان نہ سنے۔ مگر امام محمدؒ سے منقول ہے کہ اگر وہ اذان کی آواز نہ سنے تو اس پر جمعہ واجب ہوگا۔ فتویٰ حضرت امام محمدؒ کے قول ہی پر ہے۔

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ أَوَاهُ اللَّيْلُ إِلَى أَهْلِهِ زَوَاهِ الْتَزْمِ مِثْلُ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ ضَعِيفٌ۔

”اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جمعہ کی نماز اس شخص پر فرض ہے جو رات اپنے گھر بسر کر سکے۔“ (امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے)۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جمعہ ایسے شخص پر واجب ہے جس کی جائے سکونت اور اس مقام کے درمیان کہ جہاں نماز جمعہ پڑھی جاتی ہے اتفاقاً فاصلہ ہو کہ نماز جمعہ کے بعد آسانی رات ہونے سے پہلے پہلے اپنے گھر لوٹ کر آ سکے اور رات اپنے اہل و عیال کے ساتھ گزار سکے۔

وہ لوگ جن پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے

⑥ وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا عَلَى أَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوكٍ أَوْ امْرَأَةٍ أَوْ مَرِيضٍ أَوْ أَتُورِدُ فِيهِ شَرْحُ الشُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيحِ عَنْ زُجَلٍ مِنْ بَنِي وَائِلٍ۔

”اور حضرت طارقؓ ابن شہابؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جمعہ حق ہے اور جماعت کے ساتھ ہر مسلمان پر واجب ہے علاوہ چار آدمیوں کے، غلام جو کسی کی ملک میں ہو عورت، بیمار اور مریض (کہ ان پر جمعہ واجب نہیں ہے)۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”جمعہ حق ہے“ یعنی جمعہ کی فرضیت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ثابت ہے اسی طرح ”واجب ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان پر علاوہ مذکورہ اشخاص کے جمعہ کی نماز جماعت فرض ہے۔

مذکورہ لوگوں پر جمعہ کیوں واجب نہیں: غلام چونکہ دوسرے کی ملکیت اور تصرف میں ہوتا ہے اس لئے اس پر جمعہ فرض نہیں کیا گیا۔ عورت پر جمعہ اس لئے فرض نہیں ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس کے ذمہ خاوند کے حقوق اتنے زیادہ متعلق ہیں کہ نماز جمعہ میں شمولیت ان کی ادائیگی سے مانع ہوگی، بلکہ جمعہ کی نماز میں چونکہ مردوں کا ہجوم زیادہ ہوتا ہے اس لئے نماز جمعہ میں عورتوں کی شمولیت بہت سے فتنہ فساد کا موجب بن سکتی ہے بچہ چونکہ غیر مکلف ہے اس لئے اس پر جمعہ فرض نہیں۔ اسی طرح مریض پر اس کے ضعف و ناتوانی اور دفع ضرر کے سبب جمعہ فرض نہیں ہے لیکن مریض سے مراد وہ مریض ہے جو کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ جس کی وجہ سے جمعہ میں حاضر ہونا دشوار و

مشکل ہو۔

ان کے علاوہ دوسری احادیث سے جن لوگوں پر جمعہ کا فرض نہ ہونا ثابت ہے ان میں دیوانہ بھی ہے جو بچہ کے حکم میں ہے ایسے ہی مسافر، اندھے اور لنگڑے پر بھی جمعہ فرض نہیں ہے ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے کہ ایسا بوزحاجس کو ضعف و ناتوانی لاحق ہو بیمار کے حکم میں ہے اس لئے اس پر اور اس معذور پر بھی جو اپنے پیروں پر چل سکتے پر قادر نہ ہو جمعہ فرض نہیں نیز ایسے بیمار دار پر بھی جمعہ فرض نہیں جس کے جمعہ میں چلے جانے کی وجہ سے بیمار کی تکلیف و وحشت بڑھ جائے یا اس کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

⑥ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَمُرَ رَجُلًا يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ ثُمَّ أَخْبِرَ عَلِيَّ رَجُلًا يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ يُؤَيِّدُهُمْ - (رواه مسلم)

”حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے ان لوگوں کے بارہ میں جو نماز جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں (یعنی نماز جمعہ نہیں پڑھتے) فرمایا کہ میں کسی شخص سے کہوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور پھر میں (جائیں) ان لوگوں کے گھربار جلادوں جو (بغیر عذر کے) جمعہ چھوڑ دیتے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید ہے، جو بلا کسی عذر اور مجبوری کے نماز جمعہ نہیں پڑھتے ایسے لوگوں کو چاہیے کہ اس حدیث سے عبرت حاصل کریں اور نماز جمعہ کبھی بھی نہ چھوڑیں۔

⑦ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ كُتِبَ مُتَافِقًا فِي كِتَابٍ لَا يَمْحُو وَلَا يُبَدِّلُ وَلَهُنَّ بَعْضُ الزَّوَايَاتِ ثَلَاثًا - (رواه الشافعي)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص بغیر کسی عذر کے نماز جمعہ چھوڑ دیتا ہے وہ ایسی کتاب میں متافق لکھا جاتا ہے جو نہ کبھی مٹائی جاتی ہے اور نہ تبدیل کی جاتی ہے“ اور بعض روایات میں یہ ہے کہ ”جو شخص تین جمعہ چھوڑ دے“ (یہ وعید اس کے لئے ہے۔)“ (شافعی)

تشریح: من غیر ضرورة کا مطلب یہ ہے کہ ترک جماعت کے جو عذر ہیں مثلاً کسی ظالم اور دشمن کا خوف، پانی برسا، برف پڑنا یا راستہ میں کچھ وغیرہ کا ہونا وغیرہ اگر ان میں سے کسی عذر کی بنا پر جمعہ کی نماز میں نہ جائے تو وہ متافق نہیں لکھا جائے گا ہاں بغیر کسی عذر اور مجبوری کے جمعہ چھوڑنے والا متافق لکھا جائے گا۔

فی کتاب لا یمحی ولا یدیل میں کتاب سے مراد ”نامہ اعمال“ ہے حاصل یہ ہے کہ نماز جمعہ چھوڑنے والا اپنے نامہ اعمال میں کہ جس میں نہ تنسیخ ممکن ہے اور نہ تغیر و تبدل، متافق لکھ دیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ نفاق جیسی ملعون صفت ہمیشہ کے لئے چپک کر رہ جاتی ہے تاکہ آخرت میں یا تو اللہ تعالیٰ اس کو اجہ سے اسے عذاب میں مبتلا کر دے یا اپنے فضل و کرم سے درگزر فرماتے ہوئے اسے بخش دے غور و فکر کا مقام ہے کہ نماز جمعہ چھوڑنے کی کتنی شدید وعید ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھے۔

نماز جمعہ چھوڑنے والا کچھ اپنا ہی کھوتا ہے

⑧ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ الْأَمْرِ بِيضٌ أَوْ مَسَافِرٌ أَوْ أَمْرَأَةٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَمْلُوكٌ فَمَنْ اسْتَغْنَى بِلَهُوٍ أَوْ بِجَارَةٍ اسْتَغْنَى اللَّهُ عَنْهُ وَاللَّهُ غَنِيٌّ

صحیحہ۔ (رواہ الدارقطنی)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ کے دن نماز جمعہ فرض ہے علاوہ مریض مسافر عورت بچہ اور غلام کے (کہ ان پر نماز جمعہ فرض نہیں ہے) لہذا جو شخص کھیل کود اور تجارت وغیرہ میں مشغول ہو کر نماز جمعہ سے بے پروائی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بے پرواہ ہے اور اللہ بے پرواہ اور تعریف کیا گیا ہے۔“ (دارقطنی)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کھیل کود، تجارت اور دنیا کی دوسری مشغولیتوں میں منہمک ہو کر نماز جمعہ کی پرواہ نہیں کرتا اور نماز جمعہ چھوڑنے کا اسے کوئی احساس نہیں ہوتا تو وہ اپنا ہی کچھ کھوتا ہے اور اپنا ہی کچھ نقصان کرتا ہے کیونکہ ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بھی بے پروائی اختیار کر لیتا ہے اور اس پر اپنی عنایت و مہربانی اور کرم نہیں کرتا اور جس بد نصیب پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی مہربانی نہ ہو دین و دنیا دونوں جگہ اس کی تباہی و بربادی کے بارے میں کس کم بخت کو شبہ ہو سکتا ہے؟

بَابُ التَّطَيُّفِ وَالتَّبَكُّيرِ

پاکي حاصل کرنے اور جمعہ کے لئے سویرے جانے کا بیان

”پاکي حاصل کرنے“ سے مراد ہے غسل کے ذریعہ بدن پاک کرنا اور لبوں (موٹھوں) کا کتر وانا، ناخن کٹوانا، زیر ناف کے بال صاف کرنا بغل کے بال دور کرنا، کپڑوں کا پاک کرنا اور خوشبو استعمال کرنا، جمعہ کے دن یہ تمام چیزیں سنت ہیں اس کی تفصیل کتاب الطہارت میں مسواک کے بیان میں گزر چکی ہے۔

”جمعہ کے لئے سویرے جانے“ سے مراد ہے مسجد یا جہاں نماز ادا کی جاتی ہو وہاں نماز جمعہ کے لئے نماز کے اول وقت پہنچ جانا۔ اگر کوئی شخص نماز جمعہ کے لئے مسجد میں دن کے اول وقت میں ہی پہنچ جائے تو یہ افضل ہے چنانچہ امام غزالیؒ نے بعض علماء سلف سے یہ معمول نقل کیا ہے کہ وہ عبادت کی طرف پیش روی اختیار کرنے کے جذبہ سے نماز جمعہ کے لئے جمعہ کے دن صبح ہی سے مسجد پہنچ جایا کرتے تھے۔ مگر اسی بات ذہن نشین رہنی چاہئے۔ کہ مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے والوں نے جو یہ معمول بتایا ہے کہ وہ جمعہ کے روز صبح سویرے ہی مسجد مقدس میں جگہ روکنے کے لئے اپنے اپنے محلے بچھواتے ہیں گروہاں بیٹھے نہیں بلکہ چلے جاتے ہیں اور پھر نماز کے وقت آجاتے ہیں۔ تو اس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ اگر ایسے لوگ وہاں بیٹھ کر ذکر فکر میں مشغول رہیں تو بہتر ہے ورنہ محض جگہ روکنے کی خاطر محلے بچھا کر چلے جانا مناسب نہیں کیونکہ اس سے لوگوں کو تنگی پیدا ہوتی ہے۔

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ جامع مسجد میں جگہ روکنے کے لئے اول وقت پہنچ کر اپنے اپنے کپڑے بچھو کر اور پھر وہاں سے کھانا وغیرہ کھانے کے لئے گھر چلے جانا مناسب نہیں ہے۔

الْفَضْلُ الْأَوَّلُ

نماز جمعہ کے آداب

① عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ ظَهْرِهِ وَيَذْهَبُ مِنْ دُحْنِهِ أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيبٍ بَيْنَهُ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يَفْرُقُ بَيْنَ الثَّيْبَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ يَنْصَبُ إِذَا تَكَلَّمَ

الْاَمَامُ اِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا يَنْتَبِهُ وَيَتَذَكَّرُ فِي الْجُمُعَةِ الْاُخْرَى - (رواہ بخاری)

”حضرت سلمانؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص جمعہ کے دن نہائے اور جس قدر ہو سکے پاکی حاصل کرے اور اپنے پاس سے (یعنی گھر میں جو بلا تکلف میسر ہو سکے) تیل ڈالے اور اپنے گھر سے عطر لگائے اور پھر مسجد کے لئے نکلے اور (مسجد پہنچ کر) دو آدمیوں کے درمیان فرق نہ کرے اور پھر جتنی بھی اس کے مقدور میں ہو (یعنی جمعہ کی سنت نوافل یا قضاء نماز پڑھے اور امام کے خطبہ پڑھتے وقت خاموش رہے تو اس جمعہ اور گذشتہ جمعہ کے درمیان کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“ (بخاری)

تشریح: ”اور جس قدر ہو سکے پاکی اختیار کرے“ کا مطلب یہ ہے کہ لمبیں کتروائے، ناخن کٹوائے، زیر ناف کے بال صاف کرے بغلوں کے بال دور کرے اور پاک و صاف کپڑے پہنے۔

”دو آدمیوں کے درمیان فرق نہ کرے“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسجد میں باپ بیٹا یا ایسے دو آدمی جو آپس میں محبت و تعلق رکھتے ہوں ایک جگہ پاس بیٹھے ہوں تو ان کے درمیان نہ بیٹھے یا دو آدمیوں کے درمیان اگر جگہ نہ ہو تو وہاں نہ بیٹھے کہ انہیں تکلیف ہوگی ہاں اگر جگہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

یا ”فرق نہ کرنے“ سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو پھلانگتا ہوا، صفوں کو چیرتا پھاڑتا آگے کی صفوں میں نہ جائے بلکہ جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے اور اگر بغیر پھلانگے اور بغیر صفوں کے چیرے پھاڑے پہلی صف میں پہنچ سکتا ہے تو پھر آگے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں یہ حکم اس صورت کا ہے جب کہ آگے کی صفوں میں جگہ نہ ہو۔ ہاں اگر یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں آگے کی صفوں میں جاؤں گا تو لوگ مجھے وہاں بیٹھنے کی جگہ دیدیں گے یا یہ کہ اگلی صفوں میں جگہ خالی پڑی ہو تو پھر صفوں کو چیر پھاڑ کر بھی آگے جانا درست ہو گا کیونکہ یہ کھجلی صفوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا قصور ہے کہ وہ آگے بڑھ کر پہلی صفوں میں کیوں نہیں بیٹھتے اور خالی جگہ کو چیر کیوں نہیں کرتے۔

در حقیقت یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ نماز جمعہ کے لئے اول وقت مسجد پہنچ جانا چاہیے۔ تاکہ وہاں ”فرق نہ کرنے“ اور صفوں کو چیرنے پھاڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

(۲) وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اغْتَسَلَ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَصَلَّى مَا قَدِرَ لَهُ ثُمَّ اَلْتَصَّتْ حَتَّى يَفُتَّ غَيْرَ خُطْبَتِهِ ثُمَّ يُصَلِّي مَعَهُ غُفِرَ لَهُ مَا يَنْتَبِهُ وَيَتَذَكَّرُ فِي الْجُمُعَةِ الْاُخْرَى وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے غسل کیا پھر جمعہ میں آیا اور جس قدر کہ اس کے نصیب میں تھی نماز پڑھی پھر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش رہا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی تو اس جمعہ سے گذشتہ جمعہ تک بلکہ اس سے تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“ (بخاری)

تشریح: ”تین دن کی زیادتی“ اس لئے ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا زیادہ ہوتا ہے لہذا جمعہ سے جمعہ تک تو سات دن ہوئے اور تین دن کا اسی میں اور اضافہ کر دیا گیا تاکہ وہابی پوری ہو جائے۔

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَاحْسَنَ التَّوَضُّؤِ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَأَلْتَصَّتْ غُفِرَ لَهُ مَا يَنْتَبِهُ وَيَتَذَكَّرُ فِي الْجُمُعَةِ الْاُخْرَى وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ وَمَنْ حَسَنَ الْحَضَى فَقَدْ لَغَا - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا (یعنی آداب وضو کی رعایت کے ساتھ) پھر جمعہ میں آیا اور (اگر نزدیک تھا تو) خطبہ سنا اور (اگر دور تھا اور خطبہ نہ سن سکتا تھا تو) خاموش رہا تو اس (جمعہ) کے اور گذشتہ جمعہ کے درمیان بلکہ اس سے بھی تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے نیکرویوں کو چھوڑا اس نے لغو کیا۔“ (مسلم)

تشریح: ”نیکرویوں کو چھوڑا“ یعنی نماز میں نیکرویوں سے شغل کیا یا اس طور کے سجدے کی جگہ برابر کرنے کے لئے انہیں ایک مرتبہ سے زیادہ

برابر کیا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”اس سے مراد یہ ہے کہ خطبہ کے وقت نکر یوں سے کھیلنا رہا۔“
 ”لغو“ کے معنی باطل اور بے فائدہ بات۔ لہذا نمازی کے نکر یوں سے کھیلنے یا نکر یوں کو چھوٹنے کو لغو کے ساتھ مشابہت اس لئے دی گئی ہے کہ یہ فعل خطبہ سننے سے مانع ہوتا ہے۔

جمعہ میں اول وقت آنے والے کی فضیلت

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفْتَ الْمَلَأَ نِكَاحًا عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتَبُونَ الْأَوَّلَ فَلَا أَوَّلَ وَمِثْلُ الْمَهْجَرِ كَمِثْلِ الَّذِي يُهْدَى بَذَلَةً ثُمَّ كَالَّذِي يُهْدَى بِقَرَّةٍ ثُمَّ كَيْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ يَبِصَّةً فَإِذَا خَرَجَ إِلَى مَامَ ظَلُّوهُ وَاصْخَفَهُمْ وَيَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جب جمعہ کا دن آتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر اکھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص مسجد میں اول وقت آتا ہے پہلے وہ اس کا نام لکھتے ہیں پھر اس کے بعد پہلے آنے والوں کا نام لکھتے ہیں اور جو شخص مسجد میں اول وقت آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کوئی شخص مکہ میں قربانی کے لئے اونٹ بھیجتا ہے۔ (کہ جس کا بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے) پھر اس کے بعد جو شخص جمعہ میں آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص مکہ میں قربانی کے لئے گائے بھیجتا ہے۔ پھر اس کے بعد جو شخص آتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص دنبہ بھیجتا ہے پھر اس کے بعد جو شخص آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی صدقہ میں مرغی دیتا ہے پھر اس کے بعد جو شخص آتا ہے وہ صدقہ میں انڈا دینے والے کی مانند ہوتا ہے اور جب امام (خطبہ کے لئے منبر پر) آتا ہے تو وہ اپنے جھینے لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے ابتدائی حصہ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن یا تو صبح ہی سے یا طلوع آفتاب پھر (جیسا کہ بہتر اور راجح قول ہے۔) زوال کے وقت سے مسجد کے دروازے پر فرشتے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور جس ترتیب سے نمازی آتے ہیں اسی ترتیب سے ان کا نام لکھتے رہتے ہیں اس طرح جو لوگ اول وقت مسجد میں آتے ہیں ان کا نام سب سے پہلے ہوتا ہے گویا وہ سب سے افضل ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ بعد میں آتے ہیں ان کا نام بعد میں لکھا جاتا ہے اس طرح وہ لوگ اول وقت آنے والوں کی بہ نسبت کم فضیلت والے شمار کئے جاتے ہیں۔ اور یہ فرشتے ان فرشتوں کے علاوہ ہوتے ہیں۔ جو بندوں کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں۔

خطبہ کے وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ممنوع ہے

⑤ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخُطِّبُ فَقَدْ لَغَوْتَ۔ (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جمعہ کے دن جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو اگر تم نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے یہ بھی کہا ”چپ رہو“ تو تم نے بھی لغو کام کیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: خطبہ کے وقت چونکہ کسی بھی قسم کے کلام اور گفتگو کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے اس وقت ایسے شخص کو جو گفتگو کر رہا ہو خاموش ہو جانے کے لئے کہا بھی اس حدیث کے مطابق ”لغو“ ہے اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت مطلقاً کلام اور گفتگو ممنوع ہے اگرچہ وہ کلام و گفتگو امر بالمعروف (اچھی بات کے کرنے) اور نہی عن المنکر (بری بات سے روکنے) سے متعلق کیوں نہ ہو۔ ہاں اس وقت یہ فریضہ اشارہ کے ذریعہ ادا کیا جاسکتا ہے لیکن زبان سے کہنے کی اجازت نہیں ہے۔

خطبہ کے وقت خاموشی اختیار کرنے کا مسئلہ: جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت خاموش رہنا اکثر علماء کے نزدیک واجب ہے اگرچہ

ابو حنیفہؒ بھی انہیں میں شامل ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے چنانچہ امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے لیکن مذاہب اربعہ میں لکھا ہے اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک قول وجوب کا ہے اور دوسرا استحباب کا، امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جس وقت امام خطبہ کے لئے چلے اس وقت بھی نماز شروع کرنا یا کلام کرنا دونوں ممنوع ہیں اگر کوئی شخص نماز (مثلاً سنت وغیرہ) پڑھ رہا ہو اور امام خطبہ شروع کر دے تو اس شخص کو دو رکعت پوری کر کے نماز توڑ دینی چاہئے۔ مگر حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک امام کے خطبہ کے لئے چلنے اور خطبہ شروع کرنے کے درمیان اسی طرح اس کے خطبہ ختم کرنے کے بعد سے تکبیر تحریمہ شروع ہو جانے تک کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ کراہیت کلام اس وجہ سے ہے کہ کلام میں مشغول رہنے والا شخص خطبہ نہیں سن سکتا اور ظاہر ہے کہ یہ مواقع خطبہ سننے کے نہیں ہیں اس لئے ایسے اوقات میں کلام کرنا جائز ہے۔

مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ ان دونوں کی ممانعت کی یہ دلیل پیش کرے ہیں کہ حدیث ہے اذا خرج الامام فلا صلوة ولا كلام (جب امام خطبہ کے لئے چلے تو اس وقت نہ نماز جائز ہے اور نہ کلام) نیز صحابہؓ کے اقوال بھی اسی طرح ہیں۔ اور صحابیؓ کے قول کو حجت اور دلیل قرار دینے میں نہ صرف یہ کہ کوئی شک و شبہ نہیں ہے بلکہ قول صحابیؓ کی تقلید و پیروی واجب ہے علماء نے لکھا ہے کہ خطبہ کے وقت صاحب ترتیب کے لئے قصا نماز پڑھنی مکروہ نہیں ہے۔

اس شخص کے بارہ میں جو امام سے دور ہو اور خطبہ کی آواز اس تک نہ پہنچ رہی ہو علماء کے مختلف اقوال ہیں لیکن صحیح اور مختار قول یہ ہے کہ وہ شخص بھی گفتگو و کلام نہ کرے بلکہ اس کے لئے بھی خاموش رہنا واجب ہے۔

خطبہ کے وقت کے آداب: علماء نے صراحت کی ہے کہ جس وقت امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت کھانا پینا یا کتابت وغیرہ و نیوی امور میں مشغول ہونا حرام ہے سلام اور چھینک کا جواب دینا بھی مکروہ ہے اس سلسلہ میں در مختار میں ایک کلمہ لکھا گیا ہے۔ کُلُّ شَيْءٍ مِّنْ حُرْمَةٍ فِي الصَّلَاةِ حُرْمَةٌ فِي الْخُطْبَةِ یعنی جو چیزیں نماز میں حرام ہیں وہ خطبہ کے وقت بھی حرام ہیں۔ خطبہ کے وقت درود بھی زبان سے نہیں بلکہ دل میں کہہ لیا جائے۔ خطبہ کے وقت کسی شخص کو اس کی خلاف شرع حرکت سے روکنا زبان سے تو مکروہ ہے لیکن ہاتھ یا آنکھ کے اشارے سے اسے منع کر دینا مکروہ نہیں ہے۔

بہر حال اس حدیث کی باب سے وجہ مناسبت یہ ہے کہ اس باب کا مقتضی یہ ہے کہ جمعہ میں سویرے سے جانا ثواب کی زیادتی کا باعث ہے اور کوئی شخص سویرے سے مسجد پہنچ گیا مگر اس نے وہاں امام کے خطبہ پڑھتے وقت کسی کو زبان سے نصیحت کی تو گویا اس سے ایک لغو کام صادر ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سویرے سے مسجد میں پہنچ جانے کا ثواب جاتا رہا۔ لہذا اسے چاہئے کہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں سویرے سے پہنچ جائے اور وہاں ایسی کوئی حرکت نہ کی جائے جس سے ثواب جاتا رہے۔

مسجد میں کسی کو اس کی جگہ سے نہ ہٹانا چاہئے

⑦ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَقَيَّمَنَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ يُخَالِفُ إِلَى مَقْعَدِهِ فَيَقْعُدُ فِيهِ وَلَكِنْ يَقُولُ ائْتَسْخُوا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن (جامع مسجد میں پہنچ کر اپنے مسلمان بھائی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے اور وہاں خود بیٹھنے کا ارادہ نہ کرے۔ ہاں (لوگوں سے) یہ کہہ دے کہ (بھائیو) جگہ کشلوہ کر دو۔“ (مسلم)

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کو ہٹا کر اس کی جگہ پر اس کی رضاء کے بغیر بیٹھنا حرام ہے اور اگر رضاء حاصل ہو تو وہ بھی حقیقتہً ہونی چاہئے۔ نہ کہ کسی خوف و حیا کی وجہ سے ہو اس طرح اگر کوئی شخص کسی کو پہلے سے مسجد میں بھیج دے تاکہ وہ وہاں اس کے لئے جگہ روک لے تو اس شخص کو بھی اس جگہ سے اٹھانا حرام ہے۔ کیونکہ کوئی شخص بھی محض کسی کو بھیج کر جگہ روکوا لینے سے مسجد وغیرہ جیسی مقدس

جگہوں کا حقدار نہیں ہوتا۔ بلکہ جو شخص جس جگہ بیٹھا ہوا ہے وہ اس جگہ پہلے پہنچ جانے کی وجہ سے اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے اگرچہ وہاں پہنچنے پر اس کی یکنیت کیوں نہ ہو کہ جس شخص نے مجھے بھیجا ہے اس کے لئے میں جگہ روک رہا ہوں اور یہاں وہی شخص آکر بیٹھے گا چنانچہ خود اس شخص کے لئے اپنی جگہ سے اپنے پیچھے والے کے لئے اٹھنا اور اس کے ساتھ اس سلسلہ میں ایثار کا معاملہ کرنا مکروہ ہے۔ بشرطیکہ وہ شخص اس سے فضیلت میں کم درجہ کا ہو یعنی اگر کوئی اس سے زیادہ افضل ہو تو اس کے ساتھ ایثار کا معاملہ کرنا مکروہ نہیں ہے اور اس کے لئے وہاں سے اٹھنا مکروہ اس لئے ہے کہ عبادات میں بلاعذر مکروہ ہے۔

جہاں تک اس آیت وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ كَاتِلًا ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے ایثار کرنے والوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے تو اس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہاں وہ ایثار مراد ہے جس کا تعلق حظ نفس (یعنی طبعی ضروریات و خواہشات) سے ہو۔ اب تو غالباً کہیں یہ دستور نہیں ہے مگر پہلے زمانہ میں بعض اصحاب ثروت و دولت جن کی زندگی کا بنیادی مقصد دوسروں پر ظلم کرنا تھا اپنے غلاموں اور ملازموں کو جامع مسجد میں بھیجتے تھے اور وہاں پہنچ کر پہلے سے بیٹھے ہوئے کمزور و غریب لوگوں کو مار مار کر اور دھکے دے دے کر اٹھا دیتے تھے اور اپنے آقاؤں کے لئے جگہ بنالیتے تھے اسی زمانہ کے کسی عارف سے اس غلط طریقہ کے بارے میں جب کہا گیا تو انہوں نے نہایت تاسف کے ساتھ یہ عارفانہ مقولہ ارشاد فرمایا کہ ”جب ان کی عبادت کا یہ حال ہے تو ان کے ظلم و گناہ کا کیا عالم ہوگا؟ افسوس حوا (جگہ کشادہ کرو) اس طرح اس وقت کہنا چاہے جب کہ جگہ میں کشادگی کی گنجائش ہو ورنہ بصورت دیگر یہ بھی نہ کہنا چاہے اور نہ لوگوں کو تنگ کرنا چاہے بلکہ جہاں بھی جگہ مل جائے وہیں نماز پڑھ لے اگرچہ مسجد کے دروازوں ہی میں جگہ کیوں نہ ملے۔ باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ رغبت دلائل جاری ہے کہ نماز پڑھنے والا جامع مسجد میں سویرے سے پہنچ جائے تاکہ کسی کو اٹھانے ہٹانے کی ضرورت نہ پڑے۔

جمعہ کے روز عمدہ لباس زیب تن کرنا چاہئے

④ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبَسَ مِنْ أَحْسَنِ ثِيَابِهِ وَمَشَى مِنْ طَيْبٍ إِنْ كَانَ عِنْدَهُ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَلَمْ يَخْطُ أَغْتَاقَ النَّاسِ ثُمَّ صَلَّى مَا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ ثُمَّ انْقَسَتْ إِذَا خَرَجَ إِمَامُهُ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهِ كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَ بَيْنَ جُمُعَتِهِ الَّتِي قَبْلَهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

”حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے عمدہ لباس پہنے اور اگر میسر ہو تو خوشبو لگائے پھر جمعہ میں آئے اور وہاں لوگوں کی گردنوں پر نہ پھلانگے پھر جتنی اللہ نے اس کے مقدر میں لکھ رکھی ہو نماز پڑھے اور جب امام (خطبہ کے لئے) چلے تو خاموشی اختیار کرے یہاں تک کہ نماز سے فراغت حاصل کرے تو یہ اس کے اس جمعہ اور اس پہلے جمعہ کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ”عمدہ لباس“ سے مراد سفید کپڑے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو سفید ہی کپڑے پسند تھے۔

جامع مسجد پیدل جانا افضل ہے

⑤ وَعَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ وَبَكَرَ وَابْتَكَّرَ وَمَشَى وَلَمْ يَرْكَبْ وَدَنَا مِنَ الْأَمَامِ وَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلٌ مِثْلُ أَجْرِ صِيَامِهَا وَ قِيَامِهَا۔

(رواہ الترمذی، ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

”اور حضرت اوس بن اوسؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص جمعہ کے دن نہلائے اور خود نہلائے، سویرے سے (جامع

مسجد جائے (تاکہ شروع سے خطبہ پالے اور پیدل جائے، سوار نہ ہو اور امام کے قریب بیٹھے اور خطبہ سے نیزہ کہ کوئی بیہودہ بات زبان سے نہ نکالے تو اس کے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزوں اور رات میں عبادت کرنے کا ثواب لکھا جائے گا۔“

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: غُشَل (نہلانے) کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیوی کو نہلانے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی بیوی سے محبت کرے تاکہ اس کے نہانے کا باعث ہو یا یہ مراد ہے کہ اپنے کپڑے صاف کرائے اور دھووائے یا اپنا سر خطمی وغیرہ سے دھوئے جمعہ کے روز اپنی بیوی سے ہم بستری بہتر اس لئے ہے کہ اس سے زنا کا خطرہ دل میں پیدا نہیں ہوتا اور نماز میں حضور قلب حاصل ہوتا ہے۔

اس حدیث میں لفظ ”مشی“ کے بعد ”لم یركب“ کی قید کا مقصد اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ تمام راستہ پاپیادہ چلے بالکل سوار نہ ہو۔ چونکہ لفظ ”مشی“ اپنے عمومی مفہوم میں تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ خواہ تمام راستہ پیدل چلے یا تھوڑی تھوڑی دور پیدل چل کر پھر سوار ہو جائے۔ اس لئے ”لم یركب“ ذکر کر کے اس بات کی تاکید فرمادی گئی کہ جامع مسجد جانے کے لئے سواری بالکل استعمال نہ کی جائے بلکہ تمام راستہ پیدل چل کر جامع مسجد پہنچے۔

جمعہ کے لئے بطور خاص اچھے کپڑے بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے

⑨ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلَى أَحَدِكُمْ أَنْ يَتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوَى ثَوْبَيْنِ مَهْنَتِهِ زَوْاهُ ابْنِ مَاجَةَ وَزَوْاهُ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ۔

”اور حضرت عبداللہ ابن سلامؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے جسے مقدور ہو اگر وہ نماز جمعہ کے لئے علاوہ کاروبار کے کپڑوں کے دو کپڑے اور بنائے تو کوئی مضائقہ نہیں (ابن ماجہ) اور امام مالکؒ نے یہ روایت یحییٰ ابن سعد سے نقل کی ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو سہولت و آسانی کے ساتھ یہ میسر ہو کہ وہ ان کپڑوں کے علاوہ جنہیں وہ پیشہ پنتا ہے اور ان کپڑوں میں گھرباہر کا کاروبار کرتا ہے نماز جمعہ کے لئے دو مزید کپڑے بنائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص بطور خاص جمعہ اور عیدین کے لئے اچھے کپڑے بنائے تو یہ زہد و تقویٰ کے منافی نہیں ہوگا چنانچہ خود سرکار دو عالم ﷺ کے بارہ میں ثابت ہے کہ آپ کے پاس دو ایسے کپڑے تھے جنہیں آپ ﷺ بطور خاص جمعہ ہی کے روز زیب تن فرماتے تھے۔

امام کے قریب بیٹھ کر خطبہ سنو

⑩ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْضَرُوا الذِّكْرَ وَأَذْنُوا مِنَ الْإِمَامِ فَإِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ يَنْبَا عَذَّ حَتَّى يُوْخَزَ فِي الْجَنَّةِ وَإِنْ دَخَلَهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت سمرۃ بن جندبؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ ”خطبہ کے وقت جلد حاضر ہوا کرو اور امام کے قریب بیٹھا کرو، کیونکہ آدمی (بھلائیوں کی جگہ سے بلا عذر) جتنا دور ہوتا جاتا ہے جنت کے داخل ہونے میں پیچھے رہے گا۔ اگرچہ جنت میں داخل ہو بھی جائے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ اس بات کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ ہمیشہ اعلیٰ امور اختیار کئے جائیں اور ادنیٰ چیزوں پر قناعت نہ کی جائے۔

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق

گردنوں کو پھلانگنے کی وعید

⑪ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اتَّخَذَ جَسْرًا إِلَى جَهَنَّمَ زَوَاهِ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت معاذؓ ابن انس جنیؓ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص جمعہ کے دن (جامع مسجد میں جگہ حاصل کرنے کے لئے) لوگوں کی گردنیں پھلانگے گا وہ جہنم کی طرف بل بنایا جائے گا“ ترمذیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: سیدؒ نے کہا ہے حدیث کی اسناد عن معاذ ابن انس عن ابیہ سہواً نقل ہوگئی ہے کیونکہ معاذ کے والد انس کو نہ شرفِ روایت حاصل ہے اور نہ فیضِ صحبت ہی میسر ہوا ہے لہذا صحیح اسناد اس طرح ہے عن سہیل ابن معاذ عن ابیہ (سہیل ابن معاذ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں) جیسا کہ ترمذیؒ میں منقول ہے۔

حدیث کے الفاظ ”جہنم کی طرف بل بنایا جائے گا“ کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص کو اپنے فعل کی مثل بدل ملے گی۔ یعنی جس طرح اس نے گردنوں کو پھلانگ کر لوگوں کو اپنی گذرگاہ بنایا اس طرح اس کو جہنم کی طرف بل بن کر لوگوں کے لئے گذرگاہ بنایا جائے گا۔

خطبہ کے وقت بیٹھنے کا ایک ممنوع طریقہ

⑫ وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْخَبْوَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت معاذ ابن انسؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے جمعہ کے دن جب کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو ”گوٹ مارنے سے منع فرمایا ہے۔“ (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: ”گوٹ مارنا“ ایک خاص نشست اور بیٹھنے کے ایک مخصوص طریقے کو کہتے ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اکڑوں بیٹھ کر سرین کو زمین پر ٹیک کر کپڑے یا ہاتھوں کے ذریعے دونوں گھٹنے اور رانیں پیٹ کے ساتھ ملا لی جاتی ہیں۔ خطبہ کے وقت اس طرح بیٹھنے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ ایسی حالت میں نیند آجاتی ہے جس کی وجہ سے خطبہ کی سماعت نہیں ہو سکتی بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس طرح بیٹھنے والا غودگی کے عالم میں ایک پہلو پر گر جاتا ہے یا بیٹھے ہی بیٹھے اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اسے احساس بھی نہیں ہوتا۔

اُونگھ آنے کی صورت میں جگہ بدل دینی چاہئے

⑬ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهِ ذَٰلِكَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن (مسجد میں بیٹھے اُونگھنے لگے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی جگہ بدل دے (یعنی جس جگہ بیٹھا ہے وہاں سے اٹھ جائے اور دوسری جگہ جا کر بیٹھ جائے اس طرح نیند کا غلبہ کم ہو جائے گا)۔“ (ترمذیؒ)

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھاؤ

(۱۴) عَنْ نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَقْعَدِهِ وَيَجْلِسَ فِيهِ قَبْلَ لِنَافِعٍ فِي الْجُمُعَةِ قَالَ فِي الْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا - (متن علیہ)

”حضرت نافع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”سرتاج دو عالم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود وہاں بیٹھ جائے“ نافع سے پوچھا گیا کہ ”کیا یہ ممانعت جمعہ کے لئے ہے؟“ انہوں نے فرمایا کہ ”جمعہ کے لئے بھی اور جمعہ کے علاوہ بھی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: چونکہ اس طرز عمل سے منع فرمایا گیا ہے کہ اس سے ایک مسلمان بھائی کو تکلیف پہنچتی ہے لہذا یہ ممانعت کیا جمعہ اور کیا غیر جمعہ ہر موقع سے متعلق ہے۔

آداب جمعہ کی رعایت کرنے والے کے لئے بشارت

(۱۵) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْضَرُ الْجُمُعَةُ ثَلَاثَةَ نَحَرٍ فَرَجُلٌ حَضَرَهَا بَلَّغُوا فِذْلِكَ حَقَّهُ مِنْهَا وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بَدَعَاءٍ فَهُوَ رَجُلٌ دَعَا اللَّهَ أَنْ شَاءَ أَعْطَاهُ وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُ وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِانْصَابٍ وَسُكُوتٍ وَلَمْ يَتَحَظَّرْ رَقَبَةً مُسْلِمٍ وَلَمْ يُؤْذِ أَحَدًا فَهِيَ كَفَّارَةٌ إِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِي تَلِيهَا وَزِيَادَةٌ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يَقُولُ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أََمْثَالِهَا - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرمایا ”جمعہ (کی نماز) میں تین طرح کے لوگ آتے ہیں ایک وہ شخص جو لغوکلام اور بیکار کام کے ساتھ آتا ہے (یعنی وہ خطبہ کے وقت لغوی بیہودہ کلام اور بیکار کام میں مشغول ہوتا ہے) چنانچہ جمعہ کی حاضری میں اس کا یہی حصہ ہے (یعنی وہ جمعہ کے ثواب سے محروم رہتا ہے اور لغوکلام و فعل کا وبال اس کے حصہ میں آتا ہے) اور سراسر وہ شخص ہے جو جمعہ میں دعا کے لئے آتا ہے (چنانچہ وہ خطبہ کے وقت دعا میں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی دعا اسے خطبہ سننے یا خطبہ کے کمال ثواب سے باز رکھتی ہے) پس وہ دعا اٹکے فواء اللہ تعالیٰ (اپنے فضل و کرم کے صدقہ میں) اس کی دعا کو قبول فرمائے یا نہ قبول فرمائے تیسرا وہ شخص جمعہ میں آتا ہے جو (اگر خطبہ کے وقت امام کے قریب ہوتا ہے تو خطبہ سننے کے لئے) خاموش رہتا ہے اور (اگر امام سے دور ہوتا ہے اور خطبہ کی آواز اس تک نہیں پہنچتی تب بھی خطبہ کے احترام میں وہ) سکوت اختیار کرتا ہے نیز نہ تو وہ لوگوں کی گردنیں پھلاٹکتا ہے اور نہ کسی کو ایذا پہنچاتا ہے لہذا اس کے واسطے یہ جمعہ اس (یعنی پہلے) جمعہ تک جو اس سے ملا ہوا ہے بلکہ اور تین دن زیادہ تک کافارہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أََمْثَالِهَا یعنی جو ایک نیک کرے گا۔ اس کو اس نیک کا دس گنا ثواب دیا جائے گا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: ان شاء اعطاه وان شاء منعه کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص چونکہ خلاف ادب اور خلاف حکم اس وقت دعا میں مشغول رہتا ہے اس لئے اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو محض اپنے فضل و کرم کے صدقہ میں اس کی دعا کو قبول فرمائے گا ورنہ تو ازراہ عدل اس کے اس فعل بد کی وجہ سے کہ وہ دعا میں مشغول رہ کر خطبہ سننے سے غافل رہا اس کی دعا قبول نہیں فرمائے گا خطبہ کے وقت دعا میں مشغول ہونا حقیقہ کے نزدیک مکروہ ہے جب کہ دوسرے علماء کے یہاں حرام ہے۔ مشکوٰۃ کے ایک دوسرے نسخہ میں لفظ بَلَّغُوا صیغہ مضارع کے ساتھ نقل کیا گیا ہے لیکن صحیح بَلَّغُوا ہی جیسا کہ یہاں نقل کیا گیا ہے کیونکہ یہ اگلے جملوں کے مطابق ہے۔

ولم یؤذ احد کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں اگر اس نے کسی شخص کو ایذا اور تکلیف نہیں پہنچائی بایں طور کہ مثلاً نہ تو کسی کو اس کی

جگہ سے اٹھایا نہ کسی دوسرے کے جسم کے کسی عضو پر چڑھ کر بیٹھایا اسی طرح نہ تو کسی کے مصلیٰ پر اس کی مرضی کے بغیر بیٹھا اور نہ لہسن و پیاز جیسی اشیاء کی بدبو سے کسی کو تکلیف پہنچائی۔

خطبہ کے وقت بات چیت کرنے والوں کے لئے وعید

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْجَحْمَارِ يَخْبُلُ أَسْفَاؤُا الَّذِي يَقُولُ لَهُ أَنْصِتْ لَيْسَ لَهُ جُمُعَةٌ۔ (رواہ احمد)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرمادی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”جو شخص جمعہ کے دن اس حالت میں جب کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو بات چیت میں مشغول ہو تو وہ گدھے کی مانند ہے کہ جس پر کتا میں لا دوی لگیں ہوں اور جو شخص اس (بات چیت میں مشغول رہنے والے) سے کہے ”چپ رہو“ تو اس کے لئے جمعہ کا ثواب نہیں ہے۔“ (احمد)

تشریح: کمثل الجحمار کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اس گدھے کی طرح ہے جس کی پشت پر کتا میں لا دوی جائیں یہ دراصل عالم کے علم پر عمل نہ کرنے سے کنایہ ہے نیز اس بات سے کنایہ ہے کہ اس شخص نے انتہائی محنت و مشقت برداشت کر کے علم حاصل کیا مگر اس علم سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

جو شخص مشغول گفتگو کو خاموش ہونے کے لئے کہے اس کو بھی جمعہ کا ثواب اس لئے نہیں ملتا کہ اس سے ایسا انفرادی بے فائدہ کلام صادر ہوا جس کی ممانعت ثابت ہو چکی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نمبر ۵ میں بیان کی جا چکی ہے۔

خطبہ کے وقت آنحضرت ﷺ کا کلام اور اس کی وضاحت: ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز جب کہ آنحضرت ﷺ خطبہ دے رہے تھے ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! میرا مال تباہ و برباد ہو گیا، میرے اہل و عیال بھوکے ہیں ہمارے لئے دعا کیجئے“ آنحضرت ﷺ نے اسی حالت میں اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی ”یا اسی طرح بعض روایتوں میں آنحضرت ﷺ سے خطبہ کی حالت میں بات چیت کرنا ثابت ہے تو ان روایتوں کے بارہ میں کئی احتمال ہیں اول تو یہ کہ آپ ﷺ کا دعا میں مشغول ہونا یا بات چیت کرنا خطبہ کی حالت میں نہیں تھا بلکہ یا تو خطبہ شروع ہونے سے پہلے یا خطبہ شروع ہونے کے بعد آپ ﷺ دعا یا بات چیت میں مشغول ہوئے ایک احتمال یہ ہے کہ ان روایتوں کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب کہ خطبہ کی حالت میں اس قسم کی مشغولیت ممنوع نہیں تھی یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

مسلمانوں کے لئے جمعہ عید ہے

(۱۲) وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمُعِ يَغْتَسِرُ الْمُسْلِمِينَ إِنَّ هَذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللَّهُ عِيدًا فَأَغْتَسِلُوا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَيْبٌ فَلَا يَغْتَسِرُهُ أَنْ يَغْتَسِرَ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَالِكِ زَوَاهِ مَالِكٍ وَزَوَاهِ ابْنِ مَاجَةَ عَنْهُ وَهُوَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ مُتَّصِلًا۔

”اور حضرت عبید اللہؓ ابن سابق بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ”اے مسلمانوں کی جماعت! یہ (جمعہ) کا وہ دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے (مسلمانوں کی) عید قرار دیا ہے۔ لہذا (اس دن غسل کرو اور جس شخص کو خوشبو میسر ہو اگر وہ اسے استعمال کرے تو کوئی حرج نہیں نیز تم مسواک ضرور کیا کرو“ (مالک) ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث عبید اللہ ابن سابق سے انہوں نے ابن عباس سے متصل نقل کی ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جمعہ کا دن عید یعنی فقراء و مساکین اور اولیاء اللہ و صالحین کے لئے خوشی و مسرت اور زیب و زینت کرنے کا دن

ہے اس دن نہاد یعنی خوب اچھی طرح طہارت اور ستھرائی حاصل کرو۔ اور خوشبو استعمال کرو خوشبو ایسی ہونی چاہئے کہ جس میں خوشبو تو ہو مگر رنگ نہ ہو جیسے عطر وغیرہ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ خوشبوؤں میں سب سے افضل خوشبو ایسا مشک ہے جس میں گلاب کی آمیزش ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ اکثر و بیشتر مشک ہی کا استعمال فرماتے تھے۔

حدیث کے الفاظ ومن كان عنده طيب فلا يضمره ان يمسس کے بارہ میں اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ یہ پیرایہ بیان وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں کسی گناہ کا گمان ہوتا ہے لیکن خوشبو استعمال کرنا اور خاص طور پر جمعہ کے دن سنت موکدہ ہے لہذا اس موقع پر یہ پیرایہ بیان کیوں اختیار کیا گیا؟ تو جواب یہ ہو گا کہ بعض مسلمان یہ گمان کرتے تھے کہ خوشبو چونکہ عورتوں کے استعمال میں زیادہ آتی ہے اور عورتیں زیادہ تر اس کے استعمال کی عادی ہوتی ہیں اس لئے مردوں کے لئے اس کا استعمال مناسب نہ ہو گا چنانچہ اس گمان اور گناہ کی نفی اس پیرایہ بیان سے کی گئی ہے جیسا کہ طواف یعنی صفا و مروہ کی سعی اور کانج میں سے ہے اور واجب ہے لیکن اس کے باوجود اس بارہ میں حق تعالیٰ نے یہ پیرایہ بیان اختیار فرمایا لا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَنْكُوفَ بِهِمَا (یعنی اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ صفا و مروہ کی سعی کی جائے) حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن اور خاص طور پر غسل و وضو کے وقت مسواک ضرور استعمال کرنی چاہئے۔

جمعہ کے دن غسل کرنے اور خوشبو لگانے کی اہمیت

(۱۸) وَعَنِ النَّبَاِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقًّا عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَغْتَسِلُوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَلْبَسُوا أَحَدَهُمْ مِنْ طَيِّبٍ أَهْلُهُ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلَا مَاءَ لَهُ طَيِّبٌ زَوْاهُ أَحْفَدُ وَالْبِزْمَلِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ۔

”اور حضرت براءؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا مسلمانوں پر جمعہ کے دن نہانا واجب ہے نیز مسلمانوں کو چاہیے کہ ان میں کاہر شخص اپنے گھر میں سے خوشبو لیکر استعمال کرے اور اگر کسی کو خوشبو میسر نہ ہو تو اس کے لئے پانی ہی خوشبو ہے“ یہ روایت احمد، ترمذی نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔“

تشریح: ”من طيب اھلہ“ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ عورتیں اکثر خوشبو رکھتی ہیں اس سے گویا اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی کے پاس خوشبو نہ ہو تو وہ اپنی بیوی سے مانگ لے لیکن خوشبو زناتی یعنی ایسی نہ ہو کہ اس میں رنگ کی آمیزش ہو۔ فالْمَاءُ لَهُ طَيِّبٌ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس خوشبو نہ ہو اور اس کے گھر میں بھی بیوی وغیرہ کے پاس نہ ملے تو وہ پانی سے نہالے کہ پانی بمنزلہ خوشبو کے ہے کیونکہ پانی پاکیزگی اور ستھرائی کا سبب ہے اور بدن کی بدبو اس سے جاتی رہتی ہے۔

یہ حدیث اور اوپر کی حدیث حضرت امام مالکؒ کے مسلک کی مؤید ہے کیونکہ ان کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک چونکہ جمعہ کے دن غسل واجب نہیں لہذا ان حضرات نے احادیث کو سنت پر محمول کیا ہے کیونکہ ان کے علاوہ دوسری اور بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے دن غسل واجب نہیں ہے تاہم علماء لکھتے ہیں کہ جمعہ کے دن غسل نہ کرنا مکروہ ہے۔

بَابُ الْخُطْبَةِ وَالصَّلَاةِ

خطبہ اور جمعہ کی نماز کا بیان

اغت میں خطبہ مطلقاً تقریر، گفتگو اور اس کلام کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ لوگوں کو خطاب کیا گیا ہو، لیکن شریعت کی اصطلاح میں ”خطبہ“ اس کلام اور مجموعہ الفاظ کو کہتے ہیں جو پند و نصائح، ذکر و ارشاد، درود و سلام اور شہادتین پر مشتمل ہو۔

نماز جمعہ میں خطبہ فرض اور شرط ہے، امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک خطبہ کی کم سے کم مقدار سبحان اللہ یا الحمد للہ یا لا الہ الا اللہ کہہ دینا ہے۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ سے طویل خطبہ منقول ہے لیکن طویل خطبہ واجب یا سنت ہے شرط اور فرض نہیں ہے کہ بغیر طویل خطبہ کے جمعہ کی نماز درست نہ ہوتی ہو۔ مگر حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ طویل ذکر اور پند و نصیحت کہ جسے عرف عام میں خطبہ کہا جاتا ہے ضروری ہے کھس سبحان اللہ یا الحمد للہ کہہ لینے کو خطبہ نہیں کہا جاسکتا۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک دو خطبے نہ پڑھے جائیں خطبہ جائز ہی نہیں ہوتا۔ ان تمام ائمہ کے دلائل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

الفصل الأول

نماز جمعہ کا وقت

① عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَمِيلُ الشَّمْسُ - (رواہ البخاری)

”حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سر تاجِ دو عالم ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب کہ آفتاب ڈھل جاتا۔“ (بخاری)

تشریح: نماز جمعہ پڑھنے کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب سردی کا موسم ہوتا تھا تو آپ ﷺ آفتاب ڈھلتے ہی جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تھے مگر شدید گرمی کے دنوں میں ٹھنڈے وقت پڑھتے تھے جیسا کہ آگے حضرت انسؓ کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوگا۔

② وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَا كُنَّا نَقْبِلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ - (متفق علیہ)

”اور حضرت سہل ابن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر قیلولہ کرتے تھے اور کھانا کھاتا تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: روزِ جمعہ میں استراحت کرنے کو قیلولہ کہتے ہیں خواہ سویا جائے یا نہ سویا جائے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہم جمعہ کے روز دوپہر کے کھانے اور قیلولہ میں مشغول نہ رہتے تھے بلکہ سویرے سے نماز جمعہ کے لئے چلے جاتے تھے نماز کے بعد کھانا کھاتے اور قیلولہ کرتے تھے۔

③ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ يَكُونُ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْزَدَ بِالصَّلَاةِ يُغْنِي الْجُمُعَةَ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سر تاجِ دو عالم ﷺ سخت سردی کے موسم میں جمعہ کی نماز سویرے سے پڑھ لیتے تھے اور جب شدید گرمی کے دن ہوتے تو دیر سے پڑھتے تھے۔“ (بخاری)

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان نہیں ہوتی تھی

④ وَعَنْ الشَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ الْبَدْءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوَّلَهُ إِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ عَلَى الْمَنبَرِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبْنُ بَكْرٍ وَعُمَرُ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ زَادَ الْبَدْءَ الثَّالِثَ عَلَى الزُّوْرَاءِ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت شائبہؓ ابن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ سر تاجِ دو عالم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان وہ ہوتی تھی جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی تھی مگر جب عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی کثرت ہو گئی تو تیسری اذان کا اضافہ کیا گیا جو زور میں دی جاتی تھی۔“ (بخاری)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں جمعہ کی اذان کے سلسلے میں معمول یہ تھا کہ جب آپ نماز جمعہ کے لئے تشریف لاتے اور منبر پر بیٹھتے تو اذان بھی جاتی تھی۔ جمعہ کی پہلی اذان جو نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد کہی جاتی ہے اس وقت مقرر نہیں تھی۔ زمانہ

رسالت کے بعد حضرت ابو بکر و عمرؓ کے زمانہ خلافت میں بھی یہی معمول رہا۔ مگر جب حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے یہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں مسلمان تعداد میں کم تھے اور یہ بھی کہ مسجد کے قریب ہی سکونت پذیر تھے بلکہ اکثر مسلمان تو ہر وقت بارگاہ رسالت ہی میں حاضر رہتے تھے اور اب نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی ہے بلکہ اکثر مسلمان مسجد سے دور دراز علاقوں میں سکونت پذیر ہیں اور اپنے اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں تو انہوں نے یہ مناسب جانا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان کی جانیے تاکہ جو لوگ دور دراز علاقوں میں رہتے ہیں وہ بھی خطبہ میں حاضر ہو جائیں۔ اسی طرح اسی وقت سے اذان اول کی جانیے لگی۔ لہذا ”تیسری اذان“ سے مراد یہی پہلی اذان ہے کہ حدیث میں اس کو ”تیسری اذان“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگرچہ یہ اذان وقوع کے اعتبار سے اول ہے کہ سب سے پہلے کی جاتی ہے مگر آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں چونکہ مقرر شدہ دو اذانوں (یعنی ایک تو وہ اذان جو خطبہ کے وقت کی جاتی ہے اور دوسری تکبیر کے بعد یہ اذان مقرر ہوئی ہے اس لئے اسے ”تیسری اذان“ کہا جاتا ہے۔

بہر حال وہ اذان جو نماز جمعہ کے لئے سب سے پہلی کی جاتی ہے حضرت عثمانؓ نے مقرر کی ہے اور وہ بھی سنت ہے اسے بدعت نہیں کہا جائے گا کیونکہ حضرات خلفاء راشدینؓ کا فعل اور ان کا مقرر کردہ طریقہ بھی سنت ہی میں شمار ہوتا ہے۔ اب تو غالباً کسی بھی جگہ طریقہ رائج نہیں ہے مگر پہلے بعض مقامات پر یہ معمول تھا کہ سنتیں پڑھنے کے وقت مزید ایک اذان کی جاتی تھی جو نہ تو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مقرر تھی اور نہ صحابہؓ اور تابعینؓ کے دور میں مقرر ہوئی اور نہ اکثر مسلم ممالک و بلاد میں اس وقت اذان کی جاتی تھی نہ معلوم کس شخص نے یہ بدعت جاری کی تھی۔

علماء نے لکھا ہے کہ جو نماز جمعہ کے لئے پہلی اذان ہو جانے کے بعد خرید و فروخت (یا کوئی بھی دنیاوی مشغولیت) حرام ہو جاتی ہے اور نماز جمعہ میں جلدی پہنچنے کے لئے اس کی تیاریوں اور اہتمام میں مشغول ہو جانا واجب ہو جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ دو خطبے پڑھتے تھے اور دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے

⑤ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَذْكُرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلَاتُهُ قُضْدًا وَخُطْبَتُهُ قُضْدًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابر ابن سمرةؓ فرماتے ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ دو خطبے پڑھا کرتے تھے اور دونوں (خطبوں) کے درمیان بیٹھتے تھے، ان خطبوں میں آپ قرآن کریم پڑھتے تھے اور لوگوں کو ہند و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ نیز آپ ﷺ کی نماز بھی اوسط درجہ کی ہوتی تھی اور آپ کا خطبہ بھی اوسط درجہ کا ہوتا تھا نہ بہت زیادہ طویل ہوتا تھا اور نہ بالکل ہی مختصر۔“ (مسلم)

تشریح: آپ دونوں خطبوں کے درمیان اس قدر بیٹھا کرتے تھے کہ جسم مبارک کا ہر ہر عضو اپنی اپنی جگہ پر آ جاتا تھا۔ چنانچہ فقہاء نے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا صرف اتنا عرصہ مقرر کیا ہے کہ جس میں تین مرتبہ ”سبحان اللہ“ کہا جاسکے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ صحیح طور پر یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھ کر کوئی دعا پڑھتے تھے۔

مختصر مگر پر تاثیر خطبہ خطیب کی دانائی کی علامت ہے

⑥ وَعَنْ عُمَارَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ طَوِيلَ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَقَصْرَ خُطْبَتِهِ مِثْلَةُ مِنْ فِيهِمْ فَأَطِيلُوا الصَّلَاةَ وَأَقْصِرُوا الْخُطْبَةَ وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سَخَرًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عمارؓ کہتے ہیں کہ میں نے سر تاج دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”طویل نماز پڑھنی اور مختصر خطبہ پڑھنا آدمی کی دانائی کی

علامت ہے۔ لہذا تم نماز کو طویل اور خطبہ کو مختصر کرو کیونکہ بعض بیان سحر کی تاثیر لئے ہوئے ہوتا ہے۔ ”(مسلم)

تشریح: خطبہ کی حالت میں لوگوں کی توجہ مخلوق (یعنی خطبہ پڑھنے والے) کی طرف ہوتی ہے جب کہ نماز کی حالت میں توجہ کا مرکز خالق (یعنی اللہ تعالیٰ) کی ذات ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث بالا بڑے ہی یلیخ انداز میں یہ بتانا چاہتی ہے کہ انسان کی سمجھ داری اور اس کی دہائی کا تقاضہ یہ ہونا چاہیے کہ اس حالت کو زیادہ دراز اور طویل کیا جائے جس میں بندہ کی توجہ اپنے خالق کی طرف ہو اور اس حالت کو مختصر کیا جائے جس میں توجہ مخلوق کی طرف منحطف ہو رہی ہو۔ لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ یہاں نماز طویل کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز سنت کے موافق ہو۔ یعنی نماز پڑھنے کے سلسلہ میں جو درجہ آنحضرت ﷺ سے منقول اور ثابت ہے نہ تو اس سے طویل ہو اور نہ اس سے مختصر رہی ہو۔ اس طرح اس حدیث میں اور اوپر والی حدیث میں مطابقت پیدا ہو جائے گی۔

وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ مَحْزُورًا (کیونکہ بعض بیان سحر ہے) گویا یہ خطبہ کو مختصر کرنے کے سلسلہ میں دلیل بیان کی جا رہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ ایسا پڑھنا چاہیے جو ”قُلْ وَذَلِّ“ کا پورا پورا مصداق ہو۔ یعنی اس کے الفاظ مختصر ہوں مگر خالق و معنی کے دریا اپنے اندر سمونے ہوئے ہو۔ کیونکہ جس طرح سحر کے مختصر ترین الفاظ میں بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے اسی طرح اس بیان اور اس تقریر میں بھی جو الفاظ کے معنی کے اعتبار سے جامع و مانع ہو، ایک عظیم تاثیر ہوتی ہے جس کی وجہ سے سامعین کے قلوب ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف مائل و منتقل ہو جاتے ہیں۔ لہذا حدیث کے ان الفاظ میں بیان و تقریر کی تعریف بھی ہے اور مذمت بھی باہیں طور کہ اگر کوئی بیان سامعین کے قلوب و دماغ کو برائی کی طرف سے نیکی کی طرف مائل کر دے تو وہ اچھا ہے اور جو بیان سامعین کے ذہن و فکر کو نیکی کے راستہ سے ہٹا کر برائی کے راستہ پر موڑ دینے والا ہو وہ برا ہے۔

خطبہ ارشاد فرماتے وقت آنحضرت ﷺ کی کیفیت

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَغَلَا صَوْتُهُ وَاسْتَدَّ خَصْبُهُ حَتَّى كَأَنَّهُ مُنَادٍ جَبِشَ يَقُولُ صَبِّحَكُمْ وَمَسَاكُمُ وَيَقُولُ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرَأُ نِزْنًا اصْبِعِيهِ السَّابِقَةَ وَالْمُؤْتَلَطِي۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سربراہ دو عالم ﷺ جب (جمعہ کا یا کوئی اور) خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی اور غصہ تیز ہو جاتا تھا یہاں تک کہ (ایسا محسوس ہوتا) گویا آپ لوگوں کو (شمن کے لشکر سے) ڈرا رہے ہوں اور فرما رہے ہوں کہ صبح و شام میں تم پر (شمن کا) لشکر ڈاکہ ڈالنے والا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ خطبہ میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ”مجھے اور قیامت کو اس طرح ساتھ ساتھ بھیجا گیا ہے“ یہ کہہ کر آپ اپنی دو انگلیوں یعنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملائے۔ ”(مسلم)

تشریح: انوار جلال کبریائی کی غلی اور اُمت مرحومہ کی تفصیرات کے مشاہدہ کی وجہ سے خطبہ کے وقت آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں اسی طرح اپنی اُمت کے غم و فکر کی وجہ سے یہاں کہ سامعین کے کانوں تک اپنے الفاظ پہنچانے کے لئے آپ کی آواز بلند ہوتی تھیں تاکہ لوگوں کے قلوب متاثر ہوں۔ نیز اس وقت آپ کا غصہ اُمت کی اعتقادی و عملی بے راہ روی کے پیش نظر تیز ہو جاتا تھا۔ بہر حال حاصل یہ ہے کہ جس طرح اپنی قوم اور اپنے لشکر کی غفلت شعاریوں اور کوتاہیوں کو دیکھ کر اس کو دشمن کے خطرناک ارادوں اور منصوبوں سے ڈرانے والا اپنی آواز کو بلند کرتا ہے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور غصہ تیز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اپنی اُمت کی غفلت شعاریوں کے پیش نظر خطبہ کے وقت آنحضرت ﷺ کی یہ کیفیت و حالت ہوتی تھی۔

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ ”جس طرح بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے تھوڑی سی بڑھی ہوئی ہے اسی طرح میں بھی قیامت سے بس تھوڑا ہی پہلے دنیا میں آیا ہوں۔ قیامت کے آنے کا وقت میری بعثت کے وقت سے متصل ہی ہے میرے بعد جلد ہی

قیامت آنے والی ہے۔

خطبہ میں آنحضرت قرآن کی آیتیں پڑھا کرتے تھے

⑧ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَى الْمِنْبَرِ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا زَيْلَكَ۔ (مشق علیہ)

”اور حضرت یعلیٰ ابن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے سرتاجِ دو عالم ﷺ کو منبر پر یہ (آیت) پڑھتے ہوا سنا ہے یا مالک لے نقص علینا زیلک“ (بخاری)

تشریح: اس آیت میں دو زخیوں اور دو زخ کے سردار کے سوال و جواب کا بیان ہے کہ دو زخی و دو زخ کے عذاب کی شدت سے گھبرا کر سردار یعنی داروغہ دو زخ سے کہیں گے کہ اے سردار تم اپنے پروردگار سے عرض کرو کہ وہ ہمارا کام تمام کرے یعنی ہمیں موت دیدے تاکہ اس عذاب سے ہمیں چھٹکارا ہے۔ اس کے آگے داروغہ دو زخ کا جواب بھی مذکور ہے وہ کہے گا کہ اِنَّكُمْ مَا كُنْتُمْ لِيْنِيْ مَوْتٍ اَوْ اَسْ عَذَابٍ سِوَا الَّذِيْ تَتَمَنَّاهُمْ اَوْ اَنْ تَمْلِكُوْا عَلَيْهِمْ يَوْمَئِذٍ الْغَلِيْبِ۔ (بخاری)

⑨ وَعَنْ اُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ النَّعْمَانِ قَالَتْ مَا اخَذْتُ قِ وَالْقُرْآنِ الْمَعْجِدِ اِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُوْلِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُهَا كُلُّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ اِذَا خَطَبَ النَّاسَ۔ (رواہ مسلم)

”حارثہ ابن نعمان کی بیٹی حضرت ام ہشام فرماتی ہیں کہ میں نے سورہ ”قی والقوان المعجید“ سرتاجِ دو عالم ﷺ کی زبان مبارک سے صرف اس طرح سنی ہے کہ آپ ہر جمعہ منبر پر جب لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرماتے تو یہ سورہ پڑھا کرتے تھے (اور میں سن سن کر یاد کر لیتی تھی)۔“ (مسلم)

تشریح: چونکہ خطبہ میں یکبارگی آنحضرت ﷺ سے پوری سورہ کا پڑھنا ثابت نہیں ہے اس لئے اس حدیث کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر جمعہ کے روز خطبہ میں اس سورہ کے تھوڑے تھوڑے حصے تلاوت فرماتے ہوں گے۔ اسی طرح ام ہشام نے آپ سے ہر جمعہ میں تھوڑا تھوڑا سن کر پوری سورت یاد کر لی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

علماء باندھ کر خطبہ پڑھنا

⑩ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ مَسْدُودَةٌ قَدْ اَزْخَى ظَرْفُهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت عمرو ابن حریث کہتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ نے جمعہ کے روز اس حال میں خطبہ ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا جس کے دونوں کنارے آپ نے اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑ رکھے تھے۔“ (مسلم)

تشریح: ایک ضعیف حدیث میں منقول ہے کہ علمہ باندھ کر پڑھی گئی نماز ان شتر نمازوں سے بہتر ہے جو بغیر علمہ پڑھی گئی ہوں۔ بہر حال علامہ طبری فرماتے ہیں کہ حدیث بالا سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے روز زیبائش اختیار کرنا، اچھے اور عمدہ لباس زیب تن کرنا، سیاہ عمامہ باندھنا اور علمہ کے دونوں کناروں کو دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکانا سنت ہے۔ ”میرک“ کا قول اس حدیث کے بارے میں یہ ہے کہ جس خطبہ کے بارے میں یہاں بتایا جا رہا ہے یہ خطبہ آپ ﷺ نے عرض موت میں ارشاد فرمایا تھا۔ زبلی کا کہنا ہے کہ سیاہ کپڑے کا استعمال کرنا سنت ہے۔ صاحب مدغل نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا علمہ سات ہاتھ کا تھا۔ سیوطی نے ایسے صحابہ اور تابعین کا ذکر کیا

ہے جو سیاہ عمامہ باندھتے تھے ان میں انس ابن مالکؓ، عمار ابن یاسرؓ، معاویہؓ، ابوذرؓ، براءؓ، عبدالرحمن ابن عوفؓ، واثقہؓ، سعید ابن مسیبؓ، حسن بصریؓ، اور سعید ابن جبیرؓ وغیرہ شامل ہیں۔

نودی نے لکھا ہے کہ عمامہ دونوں طریقوں سے باندھنا جائز ہے خواہ شملہ چھوڑا جائے یا نہ چھوڑا جائے۔ ان میں سے کوئی طریقہ مکروہ نہیں ہے۔

خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے کا مسئلہ

⑪ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيُزِجْ رُكْعَتَيْنِ وَلْيُتَجَوَّزْ فِيهِمَا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے یہ فرمایا کہ ”جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے روز (مسجد میں آئے) اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو دو رکعتیں پڑھ لے مگر دونوں رکعتیں ہلکی (یعنی مختصر) پڑھے۔“ (مسلم)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ نے اس روایت کو ”تحیۃ المسجد“ پر محمول کیا ہے۔ ان کے نزدیک تحیۃ المسجد کی نماز واجب ہے اگرچہ امام خطبہ ہی کیوں نہ پڑھ رہا ہو یہی مسلک امام احمدؒ کا بھی ہے۔ یہ دونوں حضرات اس حدیث کو اپنی دلیل بناتے ہیں کہ تحیۃ المسجد واجب ہے جب ہی تو آپ ﷺ نے خطبہ کے دوران بھی اس کے پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔

خفیہ کے نزدیک تحیۃ المسجد جب کہ خطبہ کے علاوہ دوسرے اوقات میں ہی واجب نہیں ہے تو خطبہ کے دوران بطریق اولی واجب نہیں ہوگی چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ نیز جمہور صحابہؓ اور تابعینؒ ان کے ہم نوا ہیں۔

ان حضرات کی طرف سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہاں خطبہ سے مراد خطبہ کا ارادہ ہے۔ یعنی آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ دو رکعتیں اس وقت بھی پڑھی جاسکتی ہیں جب کہ امام خطبہ کے لئے اٹھ جائے اور خطبہ پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہو نہ یہ کہ بالفعل خطبہ پڑھ ہی رہا ہو۔ اس تاویل کی بنیاد وہ قرائن اور صحیح احادیث ہیں جن سے خطبہ کے وقت حرمت نماز ثابت ہو چکی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ”جب امام (خطبہ کے لئے) نکلے (یعنی خطبہ پڑھنے کے لئے منبر کی طرف چلے) تو اس وقت نہ بات چیت درست ہے اور نہ نماز ہی درست ہے“ نہ صرف یہ ارشاد نبوی ہے۔ بلکہ علیؓ اور حضرت عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ بھی امام کے نکلنے کے بعد کلام اور نماز دونوں کو مکروہ جانتے تھے۔ لہذا قول صحابہؓ ”بھی حجت ہے اور ہمارے نزدیک اس کی تقلید واجب ہے اگر سنت سے منقول کوئی چیز اس کے معارض نہ ہو۔

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے جو یہ روایت متعدد طرق سے منقول ہے کہ ”ایک شخص مسجد میں اس وقت داخل ہوا جب کہ آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو اس شخص نے پوچھا کہ اے فلاں شخص! تم نے (تحیۃ المسجد کی نماز پڑھی ہے؟) اس نے عرض کیا کہ ”نہیں“ آپ نے اس سے فرمایا کہ ”دو رکعت، نماز پڑھ لو اور مختصر پڑھو“ تو اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا تھا جب کہ خطبہ کے وقت نماز کی ممانعت نہیں ہوئی تھی، یا یہ کہ یہ اجازت صرف اسی شخص کے لئے مخصوص تھی، بعض حضرات کی تحقیق تو یہ ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے پیش آیا تھا۔

حضرت شیخ ابن ہمامؒ نے اس سلسلہ میں جو بات فرمائی ہے وہ زیادہ مناسب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اور ان احادیث میں جن سے خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ثابت ہوئی ہے کوئی معارضہ اور اختلاف ہی لازم نہیں آتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جب یہ شخص مسجد میں داخل ہوا اور آپ ﷺ نے اس سے نماز پڑھنے کے لئے فرمایا تو آپ نے خطبہ روک دیا ہوگا۔ جب وہ شخص نماز سے فارغ ہو گیا ہو گا تب آپ ﷺ نے خطبہ مکمل فرمایا۔

حضرت ابن ہمامؒ کی یہ بات محض قیام اور تاویل کے درجہ تک محدود نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صورت حال یہی ہوئی تھی چنانچہ دارقطنیؒ کی روایت نے بالکل واضح الفاظ میں یہ صراحت کی ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھو، پھر جب تک وہ شخص نماز سے فارغ نہیں ہوا آپ خاموش رہے (نماز سے فراغت کے بعد آپ نے پھر خطبہ مکمل فرمایا)۔

جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی اس نے پوری نماز پائی

(۱۲) وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ مَعَ الْإِمَامِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ - (متن علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس شخص نے نماز کی ایک رکعت امام کے ساتھ پائی اس نے نماز پائی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حکم عام طور پر تمام نمازوں کے لئے ہے جو وہی کے لئے مخصوص نہیں چنانچہ قطب نمبر ۱۴ میں کتاب الصلوۃ کے باب ما علی المأموم میں تقریباً اسی مضمون کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ من ادرك ركعة فقد ادرك الصلوة اس کی وضاحت وہاں بھی کی جا چکی ہے۔ لیکن اس حدیث کو جو یہاں نقل کی جارہی ہے امام شافعیؒ نے جمعہ کی نماز کے ساتھ مخصوص و مقید کیا ہے اور اس کی بنیاد انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت پر رکھی ہے جو اسی باب کے آخر میں آ رہی ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں لکھا ہے کہ ”جس شخص کو جمعہ کی نماز میں امام کے ساتھ نماز کا جو حصہ بھی ملے اسے امام کے ساتھ ادا کرے اور اس حصہ پر جمعہ کی بناء کر کے بقیہ نماز پوری کر لے“ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا قَاتَكُمُ فَاقْضُوا یعنی نماز کا جو حصہ امام کے ساتھ پاؤ اسے ادا کرو اور جو کچھ رہ جائے اسے پورا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز میں بالکل آخر میں اس حال میں شریک ہوا کہ امام التحیات میں تھا یا سجدہ سہو میں تھا تو اسے چاہیے کہ وہ اسی حالت میں جماعت میں شریک ہو جائے اور امام کے ساتھ اسے نماز جمعہ کا جو بھی حصہ ہاتھ لگا ہے اسی پر جمعہ کی بناء کر کے بقیہ نماز پوری کر لے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ جمعہ کی دوسری رکعت کا اکثر حصہ پائے تو اسے اس حصہ پر جمعہ کی بناء کرنی چاہئے۔ لیکن جس شخص کو دوسری رکعت کا اکثر حصہ نہ ملے تو وہ اس پر جمعہ کی بناء نہ کرے بلکہ ظہر کی بناء کرے۔

دوسری رکعت کا اکثر حصہ پانے سے مراد دوسری رکعت کا رکوع پانا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص دوسری رکعت کے رکوع میں بھی شریک ہو گیا تو اسے اکثر حصہ مل گیا اور اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد وہ جماعت میں شریک ہوا تو اسے اکثر حصہ پانا نہیں کہیں گے۔ شیخ ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے اپنے مذکورہ بالا مسلک کی بنیاد جس حدیث پر رکھی ہے وہ حدیث بھی مطلق ہے جمعہ کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں ہے۔

الفصل الثانی

آنحضرت ﷺ کے خطبہ پڑھنے کا طریقہ

(۱۳) عَنْ ابْنِ عُثْمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ كَانَ يَجْلِسُ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتَّى يَقْرَأَ آرَاءَ الْمُؤَدِّينَ ثُمَّ يَقُومُ فَيَخْطُبُ ثُمَّ يَجْلِسُ وَلَا يَتَكَلَّمُ ثُمَّ يَقُومُ يَخْطُبُ - (رواہ ابو داؤد)

”حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ دو خطبے اس طرح پڑھا کرتے تھے (کہ) جب آپ منبر پر چڑھتے تو (پہلے) بیٹھے یہاں تک کہ قارغ ہوتا، راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ کہا تھا کہ ”یہاں تک کہ مؤذن قارغ ہوتا“ پھر آپ اٹھتے اور (پہلا) خطبہ ارشاد فرماتے، پھر تھوڑی سی دیر بیٹھتے (لیکن اس بیٹھنے کے درمیان) کوئی کلام نہ کرتے، پھر کھڑے ہوتے اور (دوسرا) خطبہ ارشاد فرماتے۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حدیث کے الفاظ اذا صعد المنبر کے پیش نظر علماء نے کہا ہے کہ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا مستحب ہے۔ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار کے بارہ میں علامہ ابن حجرؒ کا ارشاد ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ سورہ اخلاص پڑھنے کے بعد پڑھنا چاہئے ”کوئی کلام نہ کرتے“ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے عرصہ میں نہ تو آپ ﷺ دعا کرتے تھے اور نہ کچھ پڑھتے تھے۔ مسئلہ یہ ہے کہ دوسرے خطبہ میں نبی کریم ﷺ کے آل و اصحاب و ازواج مطہرات خصوصاً خلفاء راشدین اور حضرت حمزہؓ و عباسؓ کے لئے دعا کرنا مستحب ہے، بادشاہ وقت کے لئے بھی دعا کرنا جائز ہے۔ لیکن ”شرح فیہ“ میں لکھا ہے کہ بادشاہوں کی ایسی تعریف کرنا جو غلط ہو اور ان کے ایسے اوصاف بیان کرنا جن سے وہ متصف نہ ہوں اشد مکروہ (یعنی مکروہ تحریمی) ہے کیونکہ اس طرح عبادت کے ساتھ گناہ یعنی جھوٹ کو ملانا لازم آتا ہے۔ اس مسئلہ کی شدت اس سے بخوبی واضح ہوتی ہے کہ ہمارے بعض ائمہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ہمارے زمانہ کے بادشاہوں کو عادل کہنا حدود کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔

حدیث میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ دونوں خطبوں کے درمیان کلام نہ کرتے تھے“ تو اس کے بارہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تو وہی تشریح کی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ لیکن ملا علی قاریؒ نے شرح طبری سے نقل کیا ہے کہ دونوں خطبوں کے درمیان قرآن کی آیتیں پڑھنا اولیٰ ہے کیونکہ حضرت ابن جابرؓ کی ایک روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھے تو کتاب اللہ کی آیتیں پڑھا کرتے تھے چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس عرصہ میں سورہ اخلاص پڑھنا مستحب ہے۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے اس جملہ کی تشریح کے وقت حضرت شیخ عبدالحق کے سامنے یہ روایت نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

خطبہ کے وقت نمازی خطیب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں

(۱۲) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَوَى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلَ النَّاسَ بِوُجُوهِتِهِمْ وَآوَاهُ الْبَيْتَ مَدْيَنِيٍّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَضْلِ وَهُوَ ضَعِيفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيثِ۔

”اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ جب (خطبہ کے وقت) منبر پر تشریف فرما ہوتے تو ہم اپنے منہ آپ ﷺ کی طرف متوجہ کر لیتے“ امام ترمذیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کو ہم بجز محمد ابن فضل کی سند کے اور کسی سند سے نہیں جانتے اور وہ ضعیف ہیں انہیں حدیث یاد نہیں رہتی تھی۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ خطبہ کے وقت خطبہ سننے کے لئے اپنے منہ خطیب کی طرف کر کے بیٹھیں۔ اسی طرح خطیب بھی لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ پڑھے۔

حنفیہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ جب خطیب خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھے تو لوگوں کو سلام نہ کرے مگر حضرت امام شافعیؒ و امام احمدؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

الفصل الثالث

آنحضرت ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے

(۱۵) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُومُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَمَنْ تَبَاكَ أَلَهُ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ فَقَدْ وَاللَّهِ صَلَّيْتُ مَعَهُ أَكْثَرَ مِنَ أَلْفِي صَلَاةٍ۔ (رواہ مسلم)

”حضرت جابر ابن سمرہ کہتے ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ کھڑے ہو کر (پہلا) خطبہ ارشاد فرماتے پھر بیٹھتے، پھر (دوسرا) خطبہ (بھی) کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے لہذا تم سے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو بلاشبہ وہ شخص جھوٹا ہے خدا کی قسم! میں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ دو ہزار سے زیادہ نمازیں پڑھی ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: ”دو ہزار سے زائد نمازوں“ سے صرف جمعہ کی نمازیں مراد نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جمعہ اور جمعہ کے علاوہ دوسری دو ہزار سے زائد نمازیں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ پڑھی ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ نے سب سے پہلا جمعہ مدینہ میں آکر پڑھا ہے اور مدینہ میں آپ کی کل مدت اقامت دس سال تھی لہذا اس طرح آپ ﷺ کی حیات میں تمام جمعوں کی تعداد پانچ سو سے زائد نہیں ہوتی ہر حال حضرت جابرؓ کا مقصد آنحضرت ﷺ کے ساتھ معیت و رفاقت کی کثرت بیان کرنا ہے۔

شرح مذہب میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ جو شہر جنگ و جدل سے اور بذریعہ تلوار فتح ہوا ہو جیسا کہ مکہ فتح ہوا تھا تو وہاں خطیب تلوار کے ساتھ خطبہ پڑھے اور جس شہر کے باشندے بخوشی حلقہ بغوش اسلام ہو جائیں جیسے مدینہ تو وہاں بغیر تلوار کے خطبہ پڑھنا چاہیے۔ یہاں تک میں لکھا ہے کہ دوسرا خطبہ پہلے خطبہ کی بہ نسبت کم آواز سے پڑھنا چاہئے۔

(۱۶) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أُمِّ الْحَكَمِ يَخْطُبُ قَائِمًا فَقَالَ انْظُرُوا إِلَيَّ هَذَا الْخَبِيثُ يَخْطُبُ قَائِمًا وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ (ایک مرتبہ جمعہ کے روز مسجد میں) اس وقت داخل ہوئے جب کہ عبدالرحمن ابن ام الحکم (جو بنی امیہ میں سے تھا) بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا تھا، کعب ابن عجرہ نے کہا کہ (ذرا) اس خبیث کی طرف دیکھو بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا یعنی جب لوگوں سودا گری یا کھیل دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور آپ ﷺ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔“ (مسلم)

تشریح: سرکار دو عالم ﷺ کے مقدس زمانہ میں ایک مرتبہ مدینہ میں سخت قحط پڑا، اہل مدینہ سخت پریشانی اور تکلیف میں مبتلا ہوئے، انہیں دنوں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آنحضرت ﷺ جمعہ کے روز منبر پر کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ناگہاں ایک قافلہ تجارت شام سے مدینہ میں داخل ہوا۔ صحابہ کرام جو قافہ کشی اور بھوک سے بے حد بے حال و لاغر ہو رہے تھے خطبہ نبی کے دوران ہی اس قافلہ کو دیکھنے کے لئے اضطراباً مسجد سے باہر چلے گئے کچھ صحابہ جن کی تعداد بارہ تھی بدستور مسجد میں بیٹھے خطبہ سنتے رہے جب ہی آیت بالانازل ہوئی حضرت کعبؓ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اللہ جل شانہ، کے اس قول سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے اور صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ اس کے باوجود جو یہ شخص بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے تو اس کے خبث باطن میں کیا شک ہے۔

بہر حال آیت بالا کے الفاظ ”آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں“ سے یہ بات واضح ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا خطبہ کی شرط ہے جب کہ حنفیہ کے نزدیک سنت ہے۔

جمعہ اور خطبہ کے اوقات: جمعہ کی صبح اذان کی کے شرائط میں سے ایک شرط وقت ہے چنانچہ جمعہ کی نماز وقت کے بعد بخلاف دوسری

نمازوں کے صحیح نہیں ہوتی۔ جمعہ کا وقت ظہر ہے چنانچہ جمعہ کی نماز وقت سے پہلے جائز نہیں ہے مگر حضرت امام احمد ابن حنبل کے نزدیک درست ہے۔ اسی طرح عصر کا وقت شروع ہوجانے کے بعد بھی نماز جمعہ جائز نہیں ہے مگر حضرت امام مالک کے نزدیک جائز ہے۔ حدیث بالا اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ حرام یا مکروہ چیزوں کے ارتکاب کرنے والے پر سختی کرنا یا اس کے ساتھ غصہ کا معاملہ کرنا جائز ہے اس لئے کہ اس چیز کے خلاف عمل کرنا جس کی مداومت آنحضرت ﷺ سے ثابت ہو چکی ہے خشب باطن کی نشانی ہے۔

خطبہ کے وقت ہاتھوں کو بلند نہ کرنا چاہئے

(۱۷) وَعَنْ عُمَارَةَ بْنِ زُوَيْبَةَ أَنَّهُ رَأَى بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمُنْبَرِ وَافْعًا يَذِيهِ فَقَالَ قَتَبَ اللَّهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيذُ عَلَى أَنْ يَقُولَ يَذِيهِ هَكَذَا وَأَشَارَ بِأَصْبُعِهِ الْمُنْبَرِ حَقًّا - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عمارہ ابن زویبہ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے (ایک مرتبہ) بشرا بن مروان کو منبر پر (خطبہ کے وقت) اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے دیکھا جیسا کہ آجکل مقررین دوران تقریر جوش فطانت میں اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہیں تو فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کا ستیاں کرے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے اس سے زیادہ اشارہ نہیں کرتے تھے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضرت عمارہ نے جب بشر کو دیکھا کہ وہ طریقہ سنت کے خلاف اپنے ہاتھوں کو زیادہ بلند کر رہا ہے تو انہیں بہت زیادہ ناگواری ہوئی جس کا انہوں نے ان الفاظ میں اظہار فرمایا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے بتایا کہ آنحضرت ﷺ صرف اس قدر اشارہ کرتے تھے اور وہ بھی اس لئے کرتے تھے تاکہ لوگ پوری دل جمعی کے ساتھ مخاطب ہوں اور خطبہ سننے کی طرف راغب ہوں۔ نیز خطبہ کے فرمودات پر عمل پیرا ہونے کا دلولہ اور جذبہ پیدا ہو۔

آنحضرت ﷺ کا خطبہ کے وقت منبر پر کھڑے ہو کر ابن مسعودؓ کو مسجد میں بلانا

(۱۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اسْتَوَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمُنْبَرِ قَالَ اجْلِسُوا فَتَسْمَعُ ذَلِكَ ابْنُ مَسْعُودٍ فَجَلَسَ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَأَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَعَالَى يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ -

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سر تاج دوعالم ﷺ (ایک مرتبہ) جمعہ کے روز (خطبہ کے لئے) منبر پر کھڑے ہوئے اور صحابہؓ سے فرمایا کہ (خطبہ سننے کے لئے بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے جب یہ ارشاد سنا تو وہ مسجد کے دروازہ ہی پر بیٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا تو فرمایا کہ عبداللہ ابن مسعود یہاں آجاؤ۔“ (ابوداؤد)

تشریح: علامہ طہیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ منبر پر خطبہ کے لئے کھڑے ہونے کی صورت میں کلام کرنا جائز ہے مگر حقیقہ کے نزدیک خطیب کے لئے خطبہ کی حالت میں کلام کرنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ کلام امر بالمعروف کے طور پر نہ ہو مگر خطیب کو چاہئے کہ امر بالمعروف کے سلسلہ میں اگر کسی سے کچھ کہے تو عربی زبان میں کہے اگر کسی اور زبان میں کہے گا تو مکروہ ہوگا۔ حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب خطبہ کے لئے منبر پر کھڑے ہوتے تو آپ ﷺ نے حاضرین میں سے کسی کو اس وقت نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہونے کو کہا یا چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو بیٹھنے کا حکم فرمایا کیونکہ خطبہ کے لئے منبر پر خطیب کے بیٹھنے کے وقت، نماز پڑھنی حرام ہے جیسا کہ تمام علما کا متفقہ مسلک ہے۔

جمعہ کی نماز نہ ملنے کی صورت میں ظہر کی نماز پڑھ لینے کا مسئلہ

(۱۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَذْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَلْيَصِلْ إِلَيْهَا أَخْرَجَ
وَمَنْ فَاتَتْهُ الرُّكْعَتَانِ فَلْيَصِلْ أَرْبَعًا أَوْ قَالَ الظُّهْرُ - (رواه الدارقطني)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو جمعہ کی ایک رکعت (امام کے ساتھ مل جائے تو وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت ملائے) یعنی دوسری رکعت تنہا کھڑا ہو کر پوری کرے اور جس شخص کو دونوں رکعتیں نہ ملیں تو اسے چاہئے کہ وہ چار رکعت پڑھے یا فرمایا کہ ظہر پڑھے۔" (دارقطنی)

تشریح: اگرچہ نوویؒ نے وضاحت کی ہے کہ یہ حدیث ضعف سے خالی نہیں ہے تاہم اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم بھی کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص کو جمعہ کی دونوں رکعتوں سے مطلقاً کچھ بھی ہاتھ نہ لگے تو وہ ظہر کی چار رکعت پڑھے۔ اس مسئلہ کی وضاحت حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کی تشریح کے ضمن میں جو اس باب کے پہلی فصل کے آخر میں گذری ہے بیان کی جا چکی ہے۔

بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ

نماز خوف کا بیان

کفار کے خوف اور دشمن کے مقابل ہونے کے وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے نماز خوف کہتے۔ خوف کی نماز کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ نیز اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد یہ نماز باقی اور ثابت ہے اگرچہ بعض حضرات کا قول ہے کہ نماز خوف صرف آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک ہی کے ساتھ مخصوص تھی۔ نیز بعض حضرات مثلاً حضرت امام مالکؒ کے نزدیک یہ نماز حالت سفر کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ نماز سفر و حضر دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

بحسب اختلاف زمانہ و مقام یہ نماز متعدد طریقوں پر روایت کی گئی ہے چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ سولہ طریقوں سے منقول ہے۔ بعض حضرات نے اس سے زائد اور بعض نے اس سے کم کہا ہے لیکن علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احادیث میں جتنے بھی طریقے منقول ہیں تمام کے تمام معتبر ہیں علماء کے یہاں اختلاف صرف ترجیح اور فوہیت کے بارہ میں ہے کہ کسی نے کسی طریقے کو ترجیح دی ہے اور اس پر عمل کیا ہے جو صحاح ستہ میں مذکور ہے۔

علامہ شنیؒ نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز خوف چار جگہ پڑھی ہے۔ ذات الرقاع، بطن نخل، عسفان اور ذی قرد۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ نماز خوف بھی تو حالت سفر میں مگر فقہانے اس پر قیاس کرتے ہوئے اس نماز کو حضر میں بھی جائز رکھا ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

دشمن کے مقابل ہونے کی صورت میں آنحضرت ﷺ کی نماز اور جماعت

(۱) عَنْ مَالِكِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِيهِ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ نَجْدٍ فَأَوَّازْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَقْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ وَرَكَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ مَعَهُ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوا مَكَانَ طَائِفَةِ الْبَيْتِ لَمْ تَصِلْ فِرَاجًا وَافَرَكَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً

وَسَجْدَ سَجْدَتَيْنِ وَرَوَى نَافِعٌ نَحْوَهُ وَزَادَ فَإِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ أَشَدُّ مِنْ ذَلِكَ صَلُّوا رَجُلًا فَيُحَامَا عَلَى أَقْدَامِهِمْ أَوْ رُكْبَتَا
مُسْتَقْبَلِي الْقِبْلَةِ أَوْ غَيْرِ مُسْتَقْبَلِيهَا قَالَ نَافِعٌ لَا أَرَى ابْنَ عُثْمَرَ ذَكَرَ ذَلِكَ إِلَّا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(رواہ بخاری)

”حضرت سالم ابن عبد اللہ ابن عمرؓ اپنے والد (حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم (ایک مرتبہ) مرتاج و دو عالم ﷺ کے ہمراہ نجد کی طرف جہاد کے لئے گئے (جب) ہم دشمنوں کے سامنے ہوئے تو ہم نے ان (سے مقابل) ہونے کے لئے پیش ہاندہ لیں۔ آنحضرت ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک جماعت آپ کے ساتھ (نماز کے لئے) کھڑی ہوئی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی رہی۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ جو آپ ﷺ کے ہمراہ (نماز کی جماعت میں) شریک تھے ایک رکوع کیا اور دو سجدے کئے پھر وہ لوگ (جو آپ ﷺ کے ہمراہ نماز میں تھے) ان لوگوں کی جگہ چلے گئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی (اور دشمن کے مقابل کھڑے تھے) جن لوگوں نے نماز نہیں پڑھی تھی وہ آئے (اور آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز میں شریک ہو گئے) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے ہمراہ ایک رکوع اور دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔ اور یہ لوگ کھڑے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنا اپنا ایک ایک رکوع اور دو سجدے کر لئے۔“ نافعؓ نے بھی اسی طرح روایت بیان کی ہے۔ مگر انہوں نے اتنا اور زیادہ بیان کیا ہے کہ ”اگر (بین جنگ کی حالت ہو اور) خوف اس سے بھی زیادہ ہو (کہ مذکورہ بالا طریقہ سے نماز پڑھنا ممکن نہ ہو) تو لوگ پیادہ کھڑے کھڑے یا (پیادہ نہ ہو سکیں تو) سواری پر (اگر ممکن ہو تو) قبلہ کی طرف (اور اگر ممکن نہ ہو تو) کسی بھی طرح کر کے نماز پڑھ لیں“ حضرت نافعؓ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ الفاظ آنحضرت ﷺ سے ہی نقل کئے ہوں گے۔“ (بخاری)

تشریح: ”نجد“ بلند زمین کو کہتے ہیں یہاں نجد سے مراد نجد حجاز ہے۔ نجد بمن مراد نہیں ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تعدد جماعت یعنی کئی کئی مرتبہ جماعت کرنا مکروہ ہے خصوصاً جب کہ تمام نمازی حاضر ہوں۔ ایسے ہی یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ فرض نماز نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں ہوتی ورنہ تو آنحضرت ﷺ دونوں جماعتوں کو الگ الگ دو مرتبہ نماز پڑھاتے نیز جماعت کے واجب ہونے کی بھی یہ حدیث دلیل ہے کہ ایسی حالت میں بھی جب کہ دشمن کا لشکر مقابل ہو جماعت نہ چھوڑی جائے۔

حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا طریقہ سے نماز خوف کی اور اسکی اس وقت ضروری ہوتی ہے جب کہ سب لوگ ایک ہی شخص کو امام بنانے پر مصر ہوں۔ اگر ایسی صورت حال نہ ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ ایک امام ایک جماعت کو پوری نماز پڑھائے اور دوسرا امام دوسری جماعت کو پوری نماز پڑھائے۔

حدیث کے الفاظ فقام کل واحد منهم (اور یہ لوگ کھڑے ہو گئے) کی تفصیل و تشریح علماء حنفیہ میں سے بعض شارحین نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ جماعت جو بعد میں اگر نماز میں شریک ہوئی تھی آنحضرت ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد دشمن کی مقابلہ پر چلی گئی اور پہلی جماعت جو پہلی رکعت میں شریک ہوئی تھی وہاں سے اپنی جگہ یعنی نماز پڑھنے آئی اور تنہا تنہا اپنی بقیہ نماز پوری کی اور سلام پھیر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی گئی اس کے بعد پھر دوسری جماعت یہاں آئی اور اس نے بھی تنہا تنہا اپنی بقیہ نماز پوری کی اور سلام پھیر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی گئی۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء سے یہی تفصیل اور طریقہ منقول ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اگر یہ تفصیل حدیث میں وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کی گئی ہے اور نہ صراحت کے ساتھ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کا ایک جز ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ پہلی جماعت ایک رکعت پڑھ کر چلی جائے اور دوسری جماعت دوسری رکعت میں اگر امام کے ساتھ شریک ہو اور اس دوسری جماعت کی موجودگی میں امام اپنی نماز پوری کر

کے سلام پھیر دے۔ البتہ حضرت امام اعظمؒ کا پورا مسلک اور ان کا نقل کردہ پورا طریقہ ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے جو حضرت ابن عباسؓ پر موقوف ہے حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک اور ان کی روایت حضرت امام محمدؒ نے اپنی کتاب الآثار میں نقل کی ہے۔ اس سلسلہ میں اتنی بات سمجھ لینا چاہئے کہ نماز خوف کے بارہ میں حضرت امام اعظمؒ کا جو مسلک ہے اور انہوں نے جو تفصیل بیان کی ہے وہ حدیث موقوف سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں عقل کو کوئی دخل نہیں لہذا حدیث موقوف بھی حدیث مرفوع کے درجہ میں ہوگی۔

اور پھر یہ کہ حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ بھی ہے کہ صورت مذکورہ میں پہلی جماعت اپنی نماز بغیر قرات کے لاحق کی طرح پوری کرے اور دوسری جماعت قرات کے ساتھ پوری کرے جیسا کہ مسبق اپنی نماز قرات کے ساتھ پوری کرتے ہیں لیکن یہ صورت اس وقت کی ہے جب کہ نماز حالت سفر میں پڑھی جا رہی ہو اور امام مسافر ہو یا نماز دو رکعت والی نماز ہو اور اگر امام مقیم ہو اور نماز چار رکعت والی ہو تو دونوں جماعتوں سے ہر ایک جماعت امام کے ساتھ دو رکعت پڑھے گی۔ لیکن نماز اگر تین رکعت والی ہو جیسے مغرب کی تو خواہ سفر ہو یا حضور دونوں صورتوں میں پہلی جماعت امام کے ساتھ دو رکعت پڑھے گی اور دوسری جماعت ایک رکعت اور ہر جماعت اپنی اپنی نماز مذکورہ بالا طریقہ سے پوری کرے گی۔

حدیث کے آخری الفاظ قیاماً علی اقدامہم سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نمازی رکوع اور سجدہ ترک کر دیں۔ یعنی مذکورہ بالا صورت میں جب کہ لوگ پیادہ کھڑے کھڑے یا سواری پر نماز پڑھیں تو رکوع اور سجدہ سر کے اشارہ سے کر لیں نماز خوف کے سلسلہ میں مذکورہ بالا طریقہ اگرچہ خلاف قیاس ہے کیونکہ خود حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چلنا، سوار ہونا اور لڑنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ پھر یہ کہ اس صورت میں نہ صرف کہ عمل کثیر بہت ہوتا ہے بلکہ قبلہ سے بھی انحراف ہوتا ہے لیکن چونکہ قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی احادیث صحیحہ میں نماز خوف اور اس کا طریقہ وارد ہو گیا ہے۔ اس لئے اسے مشروع رکھا گیا ہے۔

نماز خوف کا ایک اور طریقہ

② وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ زُوْمَانَ عَنْ صَالِحِ بْنِ خُوَاتٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ صَلَاحٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذَاتُ الرِّقَاعِ صَلَاةُ الْخَوْفِ أَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهُ وَطَائِفَةٌ وَجَّاهُ الْعَدُوَّ فَصَلَّى بِالنَّبِيِّ مَعَهُ ثُمَّ ثَبَّتَ قَائِمًا وَأَيْمَنُوا لَا أَنْفُسِهِمْ ثُمَّ انْصَرَفُوا فَصَلُّوا وَجَّاهُ الْعَدُوَّ وَجَاءَتْ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى فَصَلَّى بِهِمُ الرُّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ مِنْ صَلَاتِهِ ثُمَّ ثَبَّتَ جَالِسًا وَأَيْمَنُوا لَا أَنْفُسِهِمْ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ وَأَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ بِطَرِيقٍ أُخَرَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ صَالِحِ بْنِ خُوَاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حِلْمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

”اور حضرت یزید ابن زومان حضرت صالح ابن خوات سے اور وہ اس شخص سے جس نے سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ ذات الرقاع کے دن نماز خوف پڑھی تھی (نماز خوف کا یہ طریقہ) نقل کرتے ہیں کہ (اس دن) ایک جماعت نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ (نماز کے لئے) صف بندی کی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل صف آرا ہو گئی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس جماعت کے ہمراہ جو آپ ﷺ کے ساتھ تھی ایک رکعت نماز پڑھ کر آنحضرت ﷺ کھڑے رہے اور اس جماعت نے خود اپنی نماز پوری کی (یعنی دوسری رکعت جماعت نے خود تنہا پڑھی) پھر اس کے بعد یہ جماعت (نماز سے فارغ ہو کر) واپس ہوئی اور دشمن کے مقابل صف آرا ہو گئی اور وہ جماعت جو دشمن کے مقابل صف آرا تھی (نماز کے لئے) آئی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وہ دوسری رکعت جو باقی رہ گئی تھی اس جماعت کے ساتھ پڑھی اور (التحیات میں) بیٹھے رہے اور پھر اس جماعت نے اپنی وہ پہلی رکعت جو باقی تھی تنہا ادا کی اور التحیات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ شریک ہو گئی پھر آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔“ (بخاری و مسلم) بخاری نے اس روایت کو ایک اور سند کے ساتھ نقل کیا ہے یعنی

طرح کہ ”قام صالح ابن خوات“ سے اور وہ حضرت سہلؓ ابن ابی حمزہؓ سے اور وہ آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: ”ذات الرقاع“ کے دن جس شخص نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی تھی ان کا نام سہل ابن ابی حمزہؓ ہے کیونکہ محمد ابن قاسمؒ نے مسند الخوف کی حدیث صالح ابن خوات سے اور انہوں نے حضرت سہل ابن ابی حمزہؓ سے نقل کی ہے جیسا کہ بخاری کی روایت میں بیان کیا گیا ہے۔

”ذات الرقاع“ ایک غزوہ کا نام ہے جو ۵ھ میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ کفار کے مقابلہ کے لئے گئے مگر بغیر جنگ کے ہوئے واپسی ہوئی۔ اسی موقع پر یہ نماز پڑھی گئی تھی۔

اس غزوہ کو ”ذات الرقاع“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس وقت جو مسلمان غزوہ میں شریک ہونے کے لئے میدان جہاد کی طرف گئے تھے وہ ننگے پاؤں تھے جس کی وجہ سے ان کے پاؤں میں سوراخ ہو گئے تھے اور ناخن لوٹ گئے تھے چنانچہ ان مجاہدین نے اپنے پیروں پر رقاع یعنی چھترے لپیٹ لئے تھے اسی مناسبت سے یہ غزوہ ”ذات الرقاع“ (یعنی چھتروں والا) کے نام سے مشہور ہوا۔

اس حدیث میں نماز خوف کا جو طریقہ نقل کیا گیا ہے یہ ایک اور طریقہ ہے اس میں بھی ہر جماعت نے ایک ایک رکعت آنحضرت ﷺ کے ہمراہ پڑھی اور ایک ایک رکعت تنہا پوری کی۔ لیکن یہاں فرق یہ ہے کہ ہر ایک جماعت نے جو ایک ایک رکعت تنہا پڑھی وہ آنحضرت ﷺ کے نماز میں رہنے کے دوران ہی پڑھی جب کہ پہلے طریقہ میں ہر ایک جماعت نے اپنی اپنی ایک رکعت نماز آنحضرت ﷺ کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد پڑھی تھی۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ نے اسی طریقہ پر عمل کیا ہے جو اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا حلم

③ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَقْبَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِذَاتِ الرِّقَاعِ قَالَ إِذَا أَتَيْنَا عَلَى شَجَرَةٍ ظِلِيلَةٍ تَرَكْنَا هَٰلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَبَجَاءَ وَجُلُّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَسَيَفُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُغْلَقٌ بِشَجَرَةٍ فَأَخَذَ سَيْفَ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْرَجَهُ فَقَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَخَافُنِي قَالَ لَا قَالَ فَمَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي قَالَ اللَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْكَ قَالَ فَتَهَدَّاهُ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَمَدَ السَّيْفَ وَعَلَّقَهُ قَالَ فَتَوَدَّى بِالصَّلَوةِ فَصَلَّى بِطَائِفَةٍ وَكُفَّتِينَ ثُمَّ تَأَخَّرُوا وَصَلَّى بِالطَّائِفَةِ الْأُخْرَى وَكُفَّتِينَ قَالَ فَكَانَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ وَكُفَّتِينَ وَكَعْبَانِ - (بخاری)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم سر تاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ (جہاد کے لئے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ہم ذات الرقاع پہنچے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ہمارا قاعدہ یہ تھا کہ) جب ہمیں کوئی سایہ دار درخت ملتا تو ہم اسے آنحضرت ﷺ کے واسطے چھوڑ دیتے تھے۔ تاکہ آپ ﷺ اس سایہ میں استراحت فرمائیں چنانچہ ذات الرقاع میں ایسا ہی ہوا کہ آنحضرت ﷺ ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے کہ ایک مشرک آیا اور اس نے آنحضرت ﷺ کی تلوار جو درخت سے لگی ہوئی تھی اتار کر نیام سے کھینچی (آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر نہیں ہوئی کیونکہ یا تو آپؐ سو رہے تھے یا اس کی طرف سے غافل تھے) اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ”کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”نہیں“ (میں تجھ سے کیوں ڈرتے گا کیونکہ میرے رب کے سوا دوسرا کوئی نہ مجھے نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان) اس نے کہا کہ ”پھر تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مجھے تجھ سے اللہ بچائے گا“ جابرؓ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے (جب یہ دیکھا تو) اس کو دھمکیاں اس نے تلوار نیام میں رکھ کر اسے درخت سے لگا دیا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ پھر ظہر عصر کی نماز کے لئے اذان (اور تکبیر) کی گئی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے (پہلے) ایک جماعت کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور وہ جماعت (دو رکعت نماز پڑھ

کر دشمن کے مقابلہ کے ارادہ سے) پیچھے ہٹ گئی، پھر آپ نے دوسری جماعت کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں "جابر" کہتے ہیں کہ (اس طرح) آنحضرت ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں اور لوگوں کی دو رکعتیں ہوئیں۔ "بخاری و مسلم"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نہ صرف یہ کہ نہایت شجاع تھے بلکہ کفار کی جانب سے پہنچائی جانے والی ایذا پر صبر کرتے تھے اور جاہل کفار اگر آپ کے ساتھ بے تمیزی کا کوئی مغالہ کرتے تھے تو آپ اسے انتہائی حلم کے ساتھ برداشت فرماتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اس مشرک نے غلط ارادہ کے ساتھ تلوار نکالی تو اس کی پیٹھ میں شدید زور و شروع ہو گیا جس سے وہ بوکھلا گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی۔ وہ یہ حالت دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور اس کی وجہ سے بہت زیادہ مخلوق نے ہدایت پائی۔ لیکن ابو عوانہ نے نقل کیا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوا مگر اس نے یہ عہد کیا کہ کبھی بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہیں لڑوں گا۔

بہر حال آنحضرت ﷺ نے اس کی اس بد تمیزی پر اسے کوئی سزا نہیں دی۔ اس کی وجہ یا تو اس کی تالیف قلب تھی یا کوئی اور وجہ رہی ہوگی کہ آپ ﷺ نے اسے معاف فرمادیا۔

اس روایت کے بارہ میں مولانا مظہر کا قول یہ ہے کہ اس سے پہلے نقل کی گئی روایت اور اس روایت میں اختلاف ہے باوجودیکہ دونوں روایتوں کا تعلق ایک ہی جگہ یعنی غزوہ ذات الرقاع سے ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ دونوں روایتیں ایک ہی جگہ سے متعلق ہیں مگر اوقات میں فرق و اختلاف ہے "اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں روایتوں کا محمول یہ ہوگا کہ غزوات الرقاع میں اس جگہ آنحضرت ﷺ نے دو مرتبہ نماز پڑھی ہے۔ ایک مرتبہ تو اس طریقہ کے مطابق جو سہل ابن ابی حمزہ نے بیان کیا ہے اور ایک مرتبہ اس طریقہ کے مطابق جو حضرت جابر بیان کر رہے ہیں۔ لہذا حضرت سہل کی روایت صحیح کی نماز پر محمول کی جائے گی اور حضرت جابر کی اس روایت کا محمول ظہر یا عصر کی نماز ہوگی۔ یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دونوں روایتیں تعدد غزوات پر محمول کی جائیں گی۔

جیسا کہ حضرت جابر کے ارشاد سے ثابت ہو رہا ہے اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے چار رکعتیں پڑھیں اور دوسرے لوگوں کی دو ہی رکعتیں ہوئیں۔ تو علماء نے اس کی کمی و جہیں بیان کی ہیں ان میں سب سے صحیح اور بہتر توجیہ یہ ہے کہ یا تو یہ واقعہ آیت قصر کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے یا پھر یہ کہ جس جگہ یہ نماز پڑھی گئی تھی وہاں قصر واجب نہیں ہوتا تھا چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور علماء نے حدیث کے الفاظ لقوم رکعتان کی مراد یہ بیان کی ہے کہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور باقی دو رکعتیں تنہا تنہا پوری کیں۔ واللہ اعلم

نماز خوف کا ایک طریقہ

④ وَعَنْهُ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْخَوْفِ فَصَفَّفْنَا خَلْفَهُ صَفَيْنِ وَالْعَدُوَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَبَّرْنَا جَمِيعًا ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيعًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَرَفَعْنَا جَمِيعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُودِ وَالصَّفَّ الَّذِي يَلِيهِ وَقَامَ الصَّفَّ الْمُؤَخَّرُ فِي نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُودَ وَقَامَ الصَّفَّ الَّذِي يَلِيهِ انْحَدَرَ الصَّفَّ الْمُؤَخَّرَ بِالسُّجُودِ ثُمَّ قَامُوا ثُمَّ تَقَدَّمَ الصَّفَّ الْمُؤَخَّرُ وَتَأَخَّرَ الْمُقَدَّمُ ثُمَّ رَكَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكَعْنَا جَمِيعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُودِ وَالصَّفَّ الَّذِي يَلِيهِ الَّذِي كَانَ مُؤَخَّرًا فِي الرُّكُوعِ الْأَوَّلِيِّ وَقَامَ الصَّفَّ الْمُؤَخَّرُ فِي نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُودَ وَالصَّفَّ الَّذِي يَلِيهِ انْحَدَرَ الصَّفَّ الْمُؤَخَّرَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدُوا ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلَّمْنَا جَمِيعًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے ہمیں (ایک مرتبہ) نماز خوف پڑھائی، چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے دو صفیں باندھ لیں اور دشمن ہمارے اور ہمارے قبلہ کے درمیان تھا آپ نے تکبیر کہی ہم سب نے بھی (یعنی دونوں صفوں نے) تکبیر کہی، جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے (دونوں صفوں نے) بھی (اپنے سر رکوع سے) اٹھائے، پھر سجدہ کے لئے اس صف کے ساتھ جھکے جو آپ ﷺ کے قریب تھی (یعنی پہلی صف) اور دوسری صف دشمن کے مقابلہ (توہم ہی میں) کھڑی رہی پھر جب آپ ﷺ سجدہ کر چکے اور آپ ﷺ کے ساتھ وہ صف کھڑی ہو گئی (جو آپ ﷺ کے قریب تھی یعنی پہلی صف) تو پچھلی صف والے سجدہ میں چلے گئے۔ پھر یہ کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد اگلی صف پیچھے ہٹ آئی اور (پچھلی صف آگے بڑھ گئی پھر آنحضرت ﷺ نے قیام میں قرات کی اور رکوع کیا تو ہم سب نے بھی رکوع کیا۔ پھر آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے بھی رکوع سے سر اٹھایا۔ پھر آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے اور صف جو آپ ﷺ کے قریب تھی اور پہلی رکعت میں پیچھے تھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ میں چلی گئی اور پچھلی صف (جو پہلی رکعت میں آگے تھی) دشمن کے مقابلہ میں کھڑی رہی۔ پھر جب آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے قریب کی صف کے سب لوگ سجدہ سے فارغ ہو گئے تو پچھلی صف نے سجدہ کیا۔ پھر اس کے بعد آپ نے اور ہم سب نے (یعنی دونوں صفوں نے) التحیات پڑھ کر سلام پھیرا۔“ (مسلم)

تشریح: نماز خوف کا یہ ایک اور طریقہ ہے آنحضرت ﷺ جیسا وقت اور جیسا موقع دیکھتے اس کے مطابق نماز خوف پڑھتے تھے۔ چنانچہ یہاں چونکہ دشمن سامنے ہی قبلہ کی طرف تھا اس لئے اسلامی لشکر ایک ہی جگہ اس طرح نماز پڑھتا رہا کہ دشمن کا لشکر مقابلہ رہا چنانچہ کسی جماعت کو کسی اور طرف بھیجنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، پورا لشکر رکوع تک تو متفق رہا اس کے بعد صرف اتنا فرق ہوا کہ جب ایک صف سجدہ میں گئی تو دوسری صف کھڑی رہی اور جب دوسری صف سجدہ میں گئی تو پہلی صف کھڑی رہی۔ جیسا کہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ یہ نماز آنحضرت ﷺ نے عسکان میں ادا فرمائی تھی۔

الفصل الثانی

نماز خوف کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ایک ہی طریقہ

(۵) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ صَلَاةَ الظُّهْرِ فِي الْخَوْفِ يَنْظُرُ نَظْلًا فَصَلَّى بِطَائِفَةٍ زَكَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ جَاءَ طَائِفَةً أُخْرَى فَصَلَّى بِهِمْ زَكَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (رواہ شرح السنہ)

”حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے مقام ”بطن نخل“ میں خوف کے وقت ظہر کی نماز پڑھی چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو اس طرح نماز پڑھائی کہ ایک جماعت کو دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ پھر جب دوسری جماعت آئی تو اسے بھی دو رکعت نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا۔“ (شرح السنہ)

تشریح: ”بطن نخل“ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قصر کی نماز پڑھی۔ یعنی آپ ﷺ نے چار رکعت کے بجائے دو رکعت نماز ادا فرمائی اس کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھی۔ حضرت امام شافعیؒ کے ہاں نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنے والا اقتدا کر سکتا ہے۔

حنفی مسلک کے مطابق اس حدیث کی تشریح بظاہر ایک سخت مسئلہ ہے کیونکہ اگر اسے سفر پر حمل کیا جائے تو نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنے والے کی اقتدا لازم آتی ہے اور خفیہ کے یہاں یہ درست نہیں ہے لہذا یہ سفر کی نماز قرار نہیں دی جاسکتی۔ اب اگر اس حدیث کا محمول قصر کی نماز قرار دی جائے تو پھر ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا لازم آتا ہے جو نماز کے منافی ہے لہذا اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں کہ یہ کہا جائے کہ نماز تو حالت قصر ہی میں پڑھی گئی تھی البتہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا یہ صرف آپ ﷺ کی خصوصیات میں

سے تھا جو دوسروں کے لئے جائز نہیں ہے چنانچہ لوگوں نے اپنی بقیہ دو رکعتیں آپ کے سلام پھیرنے کے بعد بطور خود پوری کیں اس طرح ان کی بھی چار رکعتیں ہو گئیں۔

اس سلسلہ میں حضرت امام طحاویؒ نے جو تحقیق پیش کی ہے وہ بہت مناسب معلوم ہوتی ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ ایک فرض نماز دو مرتبہ پڑھی جاسکتی تھی۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

نماز خوف کا ایک اور طریقہ

⑥ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ بَيْنَ ضَبْحَانٍ وَعَسْفَانَ فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ لَيْهَذَا صَلَاةٌ هِيَ أَحَبُّ إِلَيْهِمْ مِنْ آتَاءِهِمْ وَهِيَ الْعَصْرُ فَأَجْمَعُوا أَمْرَكُمْ فَتَمَيَّلُوا عَلَيْهِمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً وَإِنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُ أَنْ يَقْسِمَ أَصْحَابَانِ شَطْرَيْنِ فَيُصَلِّيَ بِهِمَا وَتَقُومَ طَائِفَةٌ أُخْرَى وَرَأَاهُمْ وَلْيَأْخُذُوا جِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ فَتَكُونَ لَهُمْ زَكَاةٌ وَلَوْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَّعْتَانِ - (رواه الترمذی والنسائی)

”حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ (جہاد کے لئے) ضبحان اور عسفان کے درمیان اترے تو مشرک (آریس میں) کہنے لگے کہ مسلمانوں کی ایک نماز ہے جو ان کے نزدیک ان کے باپ اور بیٹے سے بھی زیادہ محبوب ہے اور وہ نماز عصر ہے چنانچہ تم اپنے مقصد (یعنی جنگ) کے لئے تیار ہو جاؤ اور جب مسلمان اس نماز میں مصروف ہوں تو ان پر یکبارگی حملہ کرو۔ جب ہی آپ ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ ”آپ ﷺ اپنے صحابہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں۔ ایک حصہ کو تو نماز پڑھائیں اور دوسرا حصہ ان کے پیچھے دشمن کے خطرناک ارادوں کا جواب دینے کے لئے کھڑا رہے (اسی طرح دوسرے حصہ کو نماز پڑھائیں تو پہلا حصہ دشمن کے مقابل رہے نیز تمام نمازیوں کو چاہئے کہ اپنے دفاع کا سامان یعنی سپر و تھیں اور غیرہ اپنے پاس رکھیں۔ اس طرح لوگوں کی تو (امام کے ساتھ) ایک ایک رکعت ہو جائے گی اور آنحضرت ﷺ کی دو رکعتیں۔“ (ترمذی و نسائی)

تشریح: ضبحان ایک پہاڑ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے اور عسفان ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

بَابُ صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ

عیدین کی نماز کا بیان

شوال کے مہینہ کی پہلی تاریخ کو عید الفطر (عید) اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو عید الاضحیٰ (بقر عید) اور دونوں کے مجموعہ کو ”عیدین“ کہتے ہیں۔ یہ دونوں تاریخیں اسلام میں عید اور خوشی کے دن ہیں جس میں دو دو رکعت نماز بطور شکر کے پڑھی جاتی ہے۔ عیدین کی نماز حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ہاں واجب ہیں جب کہ حضرت امام شافعیؒ اور دوسرے علماء عیدین کی نماز کو سنتِ موکدہ کہتے ہیں۔

”عید“ لفظ ”عود“ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ”بار بار آنا“ چنانچہ اس دن کو عید اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ دن بار بار یعنی ہر برس آتا ہے۔ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس دن کا نام ”عید“ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ عود کرتا ہے یعنی بندوں پر اپنی رحمت اور

بخشش کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے عید کے بارہ میں یہ عارفانہ جملے بیان کئے جاتے ہیں کہ:

لَيْسَ الْعِيدُ لِمَنْ لَيْسَ الْجَدِيدُ إِنَّمَا الْعِيدُ لِمَنْ آمَنَ مِنَ الزَّعِيدِ، لَيْسَ الْعِيدُ لِمَنْ تَنَجَّزُ بِالْعُودِ إِنَّمَا الْعِيدُ لِلتَّائِبِ الَّذِي لَا يَعُودُ لَيْسَ الْعِيدُ لِمَنْ تَزَيَّنَ بِزِينَةِ الدُّنْيَا إِنَّمَا الْعِيدُ لِمَنْ تَزَوَّدَ بِزَادِ التَّقْوَى - لَيْسَ الْعِيدُ لِمَنْ رَكِبَ الْمُظْلِمَاتَا إِنَّمَا الْعِيدُ لِمَنْ تَرَكَ الْمُخْطِيَاتَا لَيْسَ الْعِيدُ لِمَنْ بَسَطَ الْبَسَاطَ إِنَّمَا الْعِيدُ لِمَنْ جَاوَزَ الصِّرَاطَ -

”عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو نئے کپڑے پہنے بلکہ اس کے لئے ہے جو عید سے اس میں (یعنی برے کاموں سے بچتا رہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا مستحق ہو اور اس کے عتاب سے اس میں رہے) عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو عود کی خوشبو سے معطر ہو بلکہ اس کے لئے ہے جو توبہ کرنے والا ہو کہ پھر گناہ نہ کرے عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو آرائش دنیا کی زینت اختیار کرے بلکہ اس کے لئے ہے جو تقویٰ (پرہیزگاری) کو آخرت کے لئے زور دے۔ عید اس شخص کے لئے نہیں ہے جو سوار یوں پر سوار ہو بلکہ اس کے لئے ہے جو گناہوں کو ترک کرے۔ اور عید اس شخص کے لئے نہیں جو آرائش و زیبائش کے افراط بچائے بلکہ اس کے لئے ہے جو بل صراط سے گزر جائے گا۔“

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

عیدین کی نماز

① عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى إِلَى الْمُحَضَّلِيِّ فَأَقُولُ شَيْءٌ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُومُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوسٌ عَلَى صُفُوفِهِمْ فَيُعْظِمُهُمْ وَيُؤَمِّنُهُمْ وَيَأْمُرُهُمْ وَإِنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْضًا قَطْعَةً أَوْ يَأْمُرَهُمْ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ لَمْ يَنْصَرِفْ - (متن طبع)

”حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ سراج دو عالم ﷺ (جب) عید الفطر اور عید الاضحیٰ (کی نماز) کے لئے تشریف لاتے تو (وہاں) سب سے پہلایہ کام فرماتے کہ (خطبہ سے پہلے) نماز ادا فرماتے، پھر نماز سے فارغ ہوتے اور لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی صفوں پر بیٹھے رہتے چنانچہ آپ ﷺ ان کو وعظ و نصیحت فرماتے، وصیت کرتے اور احکام صادر فرماتے، اگر (جہاد کے لئے) کہیں کوئی لشکر بھیجتا ہوتا تو اس کی روانگی کا حکم فرماتے اس طرح اگر (لوگوں کے معاملات و مقدمات کے بارہ میں کوئی حکم دینا ہوتا تو حکم صادر فرماتے پھر گھر والوں کو تشریف لے آتے۔“ (بخاری، مسلم)

تشریح: مدینہ منورہ کی عید گاہ شہر سے باہر ہے، جس کا فاصلہ کہتے ہیں کہ حجرہ شریف سے ایک ہزار قدم ہے۔ وہ جگہ انتہائی متبرک اور مقدس ہے۔ اب اس کے ارد گرد چار دیواری بنا دی گئی ہے۔

بہر حال شرح السنہ میں لکھا ہے کہ امام وقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ عیدین کی نماز کے لئے عید گاہ جائے۔ ہاں اگر کوئی عذر مانع ہو تو پھر شہر کی مسجد ہی میں نماز پڑھائے ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ امام وقت کے لئے مسنون ہے کہ وہ خود تو عید کی نماز کے لئے عید گاہ جائے اور کسی ایسے شخص کو اپنا قائم مقام بنادے جو شہر میں ضعیفوں کو نماز پڑھائے لیکن حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ عید گاہ جانے کا مسئلہ مسجد حرام اور بیت المقدس کے علاوہ دوسری جگہوں کے لئے ہے کیونکہ نہ صرف ان دونوں مقدس جگہوں کی عظمت و تقدس کے پیش نظر بلکہ صحابہؓ اور تابعینؓ کی اتباع میں بھی مسجدوں میں تمام ہی نمازیں پڑھنی افضل ہیں۔

فیقوم کا مطلب یہ ہے کہ آپ نماز سے فراغت کے بعد خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے لوگوں کے سامنے زمین پر کھڑے ہوتے تھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں عید گاہ میں منبر نہیں تھا۔ اس کے بعد جب مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تو عید گاہ میں

منبر کا انتظام کیا گیا اس لئے کہ منبر رکھ دے ہو کر پڑھے گئے خطبہ کی آواز دور دور تک پہنچتی ہے۔

”صحیح کرتے“ یعنی مسلمانوں کو آپ اس موقع پر دنیا سے زہد اختیار کرنے اور آخرت کے طرف دھیان رکھنے کی نصیحت فرماتے، نیز آپ ﷺ لوگوں کے سامنے ثواب کی عظمت و فضائل بیان کرتے اور گناہوں سے ڈراتے تاکہ لوگ اس دن کی خوشیوں اور مسرتوں میں مشغول ہو کر اطاعت سے غافل اور گناہوں میں مبتلا نہ ہو جائیں جیسا کہ آنجل لوگوں کا حال ہے۔ اور ”وصیت کرتے“ یعنی لوگوں کو تقویٰ یعنی پرہیزگاری اختیار کرنے کی وصیت فرماتے۔ تقویٰ کے تین درجے ہیں۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ شرک سے بچا جائے۔ وسط درجہ یہ ہے کہ خدا اور خدا کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے اور ممنوع چیزوں سے بچا جائے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ وقت حضور قلوب کے ساتھ متوجہ اور ماسوا اللہ سے بے غرض رہا جائے۔ ”احکام صادر فرماتے“ یعنی لوگوں کے معاملات کے بارہ میں جو احکام ایسے ہوتے تھے وہ صادر فرماتے نیز عید الفطر میں فطرہ کے احکام اور عید الاضحیٰ میں قربانی کے احکام بیان فرماتے۔

(۲) وَعَنْ جَابِرٍ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بغيرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابر ابن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ عید و بقر عید کی نماز بغیر اذان و تکبیر کے ایک دو مرتبہ نہیں (بلکہ بہت مرتبہ پڑھی ہے۔)“ (مسلم)

تشریح: شرح السنہ میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے اکثر اہل علم کا یہی سلک تھا کہ عید و بقر عید کی نماز میں نہ تو اذان شروع ہے اور نہ تکبیر، اسی طرح دوسرے لو اہل میں بھی اذان و تکبیر نہیں ہے بلکہ کتاب اہل ہزار میں تو یہ لکھا ہے کہ مکروہ ہے۔

عیدین کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے

(۳) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يُصَلُّونَ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ۔

”اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ حضرت ابو بکر ابن منذرؓ کا قول ہے کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عید کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے۔“

تشریح: ابن منذرؓ کا قول ہے کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عید و بقر عید کا خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے۔ نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن اگر کسی شخص نے نماز سے پہلے ہی خطبہ پڑھ لیا تو تمام علماء کے نزدیک نماز جائز ہو جائے گی منقول ہے کہ مردان ابن حکم جب مدینہ کا حاکم ہوا اور اس نے خطبہ نماز سے پہلے پڑھا تو اس کے اس فعل کو صحابہؓ نے بہت برا جانا۔

عیدین کی نماز کے لئے اذان و تکبیر مشروع نہیں ہے

(۴) وَشَيْلُ بْنُ عَبَّاسٍ أَشْهَدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيدَ؟ قَالَ نَعَمْ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى ثُمَّ عَظَّمَ وَلَمْ يَذْكُرْ أَذَانًا وَلَا إِقَامَةً ثُمَّ أَتَى التَّسَاءَ فَوَعظَهُمْ وَذَكَرَهُمْ وَأَمَرَهُمْ بِالصَّدَقَةِ فَزَابَتْهُمْ يَهُودِيْنَ إِلَى أَذَانِهِمْ وَخُلُوفِهِمْ يَذْفِقُونَ إِلَى بِلَالٍ ثُمَّ ارْتَفَعَ هُوَ وَبِلَالٌ إِلَى بَيْتِهِ۔ (مشعل علیہ)

”مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ عید میں شریک ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ”ہاں“ (پھر آپ نے یہ تفصیل بیان کی کہ) آنحضرت ﷺ (عید گاہ) تشریف لے گئے چنانچہ آپ ﷺ نے وہاں عید کی نماز پڑھی پھر خطبہ ارشاد فرمایا ”حضرت ابن عباسؓ نے (آنحضرت ﷺ کی نماز تفصیل سے بیان کرنے کے دوران) تکبیر و اذان کا ذکر نہیں کیا“ (پھر انہوں نے فرمایا کہ) اس کے بعد آپ ﷺ عورتوں کی جماعت کی طرف آئے، ساتھ میں حضرت بلالؓ بھی تھے، ان عورتوں کو

فیصحت فرمائی، دین کے احکام یاد کرائے۔ ثواب و عذاب کے بارہ میں بتایا اور ان کو صدقہ (یعنی فطرہ و زکوٰۃ یا محض اللہ کے نام پر) دینے کا حکم فرمایا، چنانچہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ اپنے کانوں اور گلوں کی طرف (زبور اتارنے کے لئے) بڑھاتی تھیں اور کانوں اور گلوں کے زبور (اتار کر) حضرت بلالؓ کے حوالہ کر رہی تھیں (تاکہ وہ ان کی طرف سے فقراء و مساکین کو تقسیم کر دیں) پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور حضرت بلالؓ اپنے گھر تشریف لے آئے۔“ (بخاری)

تشریح: جیسا کہ حضرت جابر ابن سمرہؓ نے بھی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس روایت سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ نماز عید و بقر عید کے لئے اذان و تکبیر شروع نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آپ ﷺ کے حکم سے عورتیں بھی نماز عید و بقر عید میں عید گاہ جاتی تھیں۔ چنانچہ جب آپ ﷺ مردوں کو وعظ و نصیحت فرما چکے تو علیحدہ سے عورتوں کے پاس بھی انہیں پند و نصیحت کرنے کے لئے تشریف لے گئے کیونکہ عورتیں مردوں سے الگ ایک طرف بیٹھی ہوئی تھیں اس لئے جب آپ مردوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو آواز ان تک اچھی طرح نہیں پہنچتی تھی۔

نماز عیدین سے پہلے یا بعد میں نفل نماز پڑھنے کا مسئلہ

⑤ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ كَعَتْنَيْنِ لَمْ يَصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا۔

(متفق علیہ)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عید الفطر کے دن (نماز عید کی) دو رکعتیں پڑھیں نہ تو آپ ﷺ نے ان سے پہلے (نفل) نماز پڑھی اور نہ بعد میں۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ یہ نفی عید گاہ سے متعلق ہے کیونکہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز عید سے پہلے (نفل) نماز نہیں پڑھتے تھے ہاں جب (عید گاہ سے) اپنے گھر تشریف لے جاتے تو دو رکعتیں پڑھتے۔ چنانچہ در مختار میں لکھا ہے کہ نماز عید سے پہلے نفل نماز پڑھنی مطلقاً مکروہ ہے یعنی عید گاہ میں بھی مکروہ ہے اور گھر میں بھی۔ البتہ نماز عید کے بعد عید گاہ میں نفل نماز پڑھنی مکروہ ہے مگر گھر میں جائز ہے۔

عید گاہ میں عورتوں کے جانے کا مسئلہ

⑥ وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ أَمَرَ نَا أَنْ نُخْرِجَ الْحَيَضَ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَدَعَوْهُنَّ وَتَعْتَزِلُ الْحَيَضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ قَالَتْ امْرَأَةٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ اخْذَا لِنِسْ لَهَا جَلِيَابَ قَالَ لِنَلْبِسْهَا صَاحِبَتَهَا مِنْ جَلِيَابِهَا۔ (متفق علیہ)

”اور حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم عید و بقر عید کے دن ان عورتوں کی (بھی) جو ایام والی ہوں (یعنی جو ایام سے ہوں یا یہ کہ جو بالغ ہوں) اور ان عورتوں کو (بھی) جو پردہ نشین ہوں (گویا تمام عورتوں کو) عید گاہ لے چلیں اور یہ سب مسلمانوں کی جماعت اور دعا میں شریک ہوں۔ نیز جو عورتیں ایام سے ہوں وہ نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ رہیں۔“ ایک عورت نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! ہم میں سے جس کے پاس چادر نہیں (وہ کیا کرے؟)“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اسے ساتھ والی چادر اڑھا دے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: خطابیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے تمام عورتوں کو عید گاہ جانے کا حکم فرمایا تاکہ جن عورتوں کو کوئی عذر نہیں ہے وہ تو نماز پڑھیں اور جن عورتوں کو کوئی عذر ہے انہیں نماز اور دعا کی برکت پہنچے۔ گویا اس طرح لوگوں کو ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ وہ نمازوں میں

شریک ہوں۔ وعظ و ذکر کی مجالس میں حاضر ہوں اور علماء و صلحا کا قرب حاصل کر میں تاکہ انہیں خدا کے ان نیک و مقدس بندوں کی برکت حاصل ہو۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ کے مقدس زمانہ میں عورتوں کے لئے عید گاہ جانا ممنوع نہیں تھا مگر آجکل کے زمانہ میں فتنہ و فساد کے خوف سے عورتوں کے لئے عید گاہ جانا بہت ہی نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کے عید گاہ جانے کی توجیہ امام طحاویؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ چونکہ اس وقت اسلام کا ابتدائی دور تھا مسلمان بہت کم تھے اس لئے آنحضرت ﷺ کا یہ مقصد تھا کہ اگر تمام عورتیں بھی عید گاہ جائیں گی تو مسلمانوں کی تعداد زیادہ معلوم ہوگی جس سے کفار پر رعب پڑے گا۔ لہذا آجکل صرف اس کی ضرورت ہے بلکہ عورتوں کی موجودگی چونکہ بہت زیادہ حرمت و مکروہات کا ذریعہ بن سکتی ہے اس لئے علماء نے عورتوں کو عید گاہ جانے سے روک دیا ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے پاس ایسی کوئی چادر اور کوئی کپڑا نہ ہو جسے اوڑھ کر وہ عید گاہ جاسکے تو اس کی ساتھ والی کو چاہئے کہ یا تو اس کے پاس کئی چادریں ہوں تو ایک چادر عاریتاً اس عورت کو دے دے جسے وہ بعد میں واپس کر دے گی یا پھر یہ کہ اگر اس کے پاس کئی نہیں بلکہ ایک ہی چادر ہے تو اپنی چادر کا ایک حصہ اس کو اڑھا دے اور دونوں ایک جگہ بیٹھ جائیں۔

نغمہ و سرور کا مسئلہ

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِي أَيَّامٍ مِّنِي تَذْفَعَانِ وَتَضْرِبَانِ وَفِي رِوَايَةٍ تَغْتَبِيَانِ بِمَا تَقَارِبُ لَيْلِ الْأَنْصَارِ يَوْمَ بَعَاثَ وَالتَّيْبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَغَشٍّ بِثَوْبٍ بِهِ فَإِنَّتَهَرَهُمَا أَبُو بَكْرٍ فَكَشَفَ التَّيْبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّهَا أَيَّامٌ عِنْدِي وَفِي رِوَايَةٍ يَأْتِي أَبَا بَكْرٍ إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَهَذَا عِيدُنَا۔ (مشق علیہ)

”ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ”ایام منی میں (یعنی جس دنوں میں حجاج منی میں قیام کرتے ہیں اور جو ایام تشریق کہلاتے ہیں انہیں میں سے پھر عید کے دن یا اس کے بعد کے دنوں میں) حضرت ابوبکر صدیقؓ میرے پاس تشریف لائے جب کہ اس وقت میرے پاس (انصار کی لڑکیوں میں سے) دو چھوکیاں بیٹھی ہوئی دف بجاری تھیں ”ایک دوسری روایت میں ان الفاظ کی بجائے یہ کہ (مزید) یہ الفاظ ہیں کہ ”چھوکیاں (وہ اشعار) گاری تھیں جو انصار نے بعاث (کی جنگ کے متعلق) کہے تھے اور آنحضرت ﷺ (اس وقت) منہ پر کپڑا ڈالے ہوئے (لیئے) ہوئے تھے حضرت ابوبکرؓ ان چھوکیوں کو دھمکانے لگے (یعنی انہیں گانے بجانے سے منع فرمایا) آنحضرت ﷺ نے اپنا منہ کھولا اور فرمایا کہ ”ابوبکرؓ! انہیں چھوڑ دو (کچھ نہ کہو) کیونکہ یہ عید (یعنی خوشی) کے دن ہیں ”ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے یہ ہماری عید ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: لفظ تضرعان گویا تدفعان کی تاکید کے لئے استعمال کیا گیا ہے لیکن بعض حضرات نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ”وہ لڑکیاں اچھلتی کودتی تھیں اور دف بجاتی تھیں“

دف بجانے کا مسئلہ: دف بابے کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ دف بجانا مطلقاً مباح ہے یعنی کسی بھی وقت اور کسی بھی موقع پر بجا یا جاسکتا ہے اس کے برخلاف دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً حرام ہے۔ اس سلسلہ میں صحیح مسئلہ یہ ہے کہ بعض مواقع پر مثلاً کاح، ولیمہ یا اس قسم کی دوسری تقریبات میں کہ جو انہیں دونوں کے حکم میں ہوں، نیز عیدین میں دف بجانا مباح ہے۔ پھر علماء نے دف میں فرق کیا ہے یعنی اگر وف جھانجدار ہے تو اس کا بجانا مکروہ ہے اور اگر جھانجدار نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ اگرچہ جھانجدار وف کے بارہ میں بھی علماء نے اختلاف کیا ہے۔

حدیث کے الفاظ تَغْتَبِيَانِ (گاری ہی تھیں) کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیاں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں جن میں شجاعت و بہادری کے مضمون مذکور

تھے اور جو انصار نے ”بعثت“ پر چڑھائی اور وہاں کی جنگ کے متعلق کہے تھے جیسا کہ یہادروں کی عادت ہے کہ جنگ کے وقت اپنی شجاعت و بہادری پر مشتمل اشعار بڑے فخر کے ساتھ کہتے ہیں ”بعثت“ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بعض حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں انصار کے دو قبیلوں ”اوس اور خزرج“ کے درمیان سخت جنگ ہوئی تھی جس میں قبیلہ اوس کامیاب رہا تھا اسی جنگ کو ”جنگ بعثت“ کہا جاتا ہے۔

بہر حال لڑکیاں جو اشعار گاتی تھیں وہ فواحش اور حسن و عشق کے ان مضامین کے حامل نہیں تھے جن کا پڑھنا معیوب اور ممنوع ہے بلکہ وہ اشعار جنگ و جدل کے کارناموں، معرکہ آرائیوں کی پر شجاعت داستانوں اور میدان جنگ کی گرم کہانیوں پر مشتمل تھے جن کے پڑھنے سے اشاعت دین میں مدد ملتی تھی باس طور کہ وہ کفار سے جہاد کرنے کے لئے مؤمنین کو ترغیب دلاتے تھے ورنہ ان لڑکیوں کی کیا مجال کہ عائشہ صدیقہؓ کی موجودگی میں اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے وہ برے اور معیوب اشعار کی جرات بھی کرتیں۔

چنانچہ بخاریؒ کی ایک روایت میں لفظ ”تغنیان“ کے بعد یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ ولیستابمغنیین یعنی لڑکیاں اشعار گاری تھیں اور گانا ان لڑکیوں کا کسب و پیشہ نہیں تھا کہ کوئی زیادہ اچھا گاتی ہوں اور گانے بجانے کے فن میں مشہور ہوں یا یہ کہ وہ اپنے اشعار کے ذریعہ خیالات فاحشہ و خواہشات نفسانی کے بھان و اشتیاق کا سبب بنتی ہوں جو فتنہ و فساد کا باعث ہوتا بلکہ وہ بالکل ایسی انداز میں اشعار پڑھ رہی ہیں جیسا کہ اکثر شریف زادیاں اپنے گھروں میں پاکیزہ خیالات کا حامل اشعار گنگنا کرتی ہیں۔

فانتھرہا ابوبکر (حضرت ابوبکرؓ) ان چھو کر یوں کو دھمکانے لگے یعنی جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ ”حضرت ابوبکرؓ نے ان لڑکیوں سے کہا کہ ”سرکارِ دو عالم ﷺ کے قریب مزارِ شیطان (یعنی شیطانی باجا) بجاتی ہو؟ گویا حضرت ابوبکرؓ نے انہیں تنبیہ کی اور اس فعل سے منع فرمایا“ اصطلاحاً مزار ہر اس باجے کو کہتے ہیں جو گویہ بجاتے ہیں مثلاً بانسری، دف، رباب (سارنگی) حضرت ابوبکرؓ نے لڑکیوں کے باجے کو شیطانی باجا اس لئے کہا کہ جس طرح شیطان اپنی ذات سے انسانوں کی عملی زندگی کو نیک کاموں سے ہٹا کر برے کاموں میں مشغول کر دیتا ہے اسی طرح باجا بھی انسانی قلوب کو یاد الہی کے مقدس راستہ سے ہٹا کر لہو و لعب و ناجائز خواہشات کے راستہ پر ڈال دیتا ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح گذشتہ امتوں اور غیر مسلموں کے یہاں خوشی و مسرت اور عید کا ایک خاص دن ہوتا ہے جیسے قوم بحوس کے یہاں ”نوروز“ ایک خاص دن ہے جس میں وہ اپنی عید مناتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کے لئے بھی خوشی و مسرت اور شادمانی کے دو دن ہیں اور وہ عید و بقرعید کے دن ہیں۔

یہ مشابہت صرف تمثیل کی حد تک ہے ان کے معتقدات و افعال کے ساتھ مشابہت مقصود نہیں ہے یعنی اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ جس طرح غیر مسلم اپنے خوشی و تہواروں کے دن غلط کام کرتے ہیں اسی طرح غلط کام مسلمان بھی ان دنوں میں کر سکتے ہیں۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ عید و بقرعید کے دن غیر مسلموں کے تہوار کی مشابہت اختیار کرنا کفر ہے مثلاً غیر شرعی اور غیر مناسب زیبائش و آرائش کرنا، انڈے لڑانا، مردوں کا مہندی لگانا، ناچ گانوں میں مشغول ہونا وغیرہ وغیرہ۔

حدیث سے اہل سماع کا غلط استدلال: اس حدیث سے اہل سماع کو بڑی زبردست غلط فہمی ہو گئی ہے۔ ان لوگوں نے اس حدیث کی بنیاد پر ڈھولک و ہار موہنم جیسے ساز کے ساتھ قوالی کے مباح ہونے اور اس کے سننے کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ اس حدیث کا قطعی طور پر وہ مفہوم و مطلب نہیں ہے جو اہل سماع نے مراد لیا ہے بلکہ بنظر انصاف اور بغیر کسی تعصب و ہٹ دھرمی کے اگر معقولیت پسند قلب و دماغ کے ساتھ اس حدیث کے حقیقی مفہوم کو دیکھا جائے تو وہ پوری وضاحت کے ساتھ یہ ہے کہ ”حضرت ابوبکرؓ نے ان لڑکیوں کو گانے اور دف بجانے سے اس لئے منع کیا اور انہیں دھمکایا کہ ان کے نزدیک گانا بجانا مطلقاً معیوب و ممنوع تھا۔ نیز انہوں نے یہ گمان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان لڑکیوں کو ان کے گانے بجانے سے اس لئے منع نہیں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سہے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ ﷺ نے اس دن

بہت معمولی طریقہ پر اشعار پڑھنے کی اجازت دے دی تھی جس کا شمار حقیقی گانے بجانے اور لہو و لعب میں نہیں تھا۔

حاصل یہ کہ حضرت ابوبکرؓ کو اس فرق اور تفصیل کا علم نہیں تھا اس لئے انہوں نے لڑکیوں کو اشعار پڑھنے سے روکا جس پر آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ وہ لڑکیوں کو کچھ نہ کہیں۔ لہذا اس حدیث سے صرف اس قدر ثابت ہوا کہ عید کے روز یا ایسے کسی موقع پر جہاں خوشی منانی مباح ہے شریعت کی حدود کی اندر رہتے ہوئے کچھ اشعار پڑھ لینا مباح ہے پھر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اس واقعہ کا تعلق ایک مخصوص جگہ اور مخصوص وقت سے ہے جس سے گانے بجانے کا مطلقاً مباح ہونا لازم نہیں آتا۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ”اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی خاص موقع پر ایک آدھ مرتبہ دف بجانا اور سماع ممنوع نہیں ہے لیکن اس پر مداومت کرنا مکروہ ہے کیونکہ مستقل طور پر گانا بجانا و صف تقویٰ اور اخلاق فاضلہ کو ختم کر دیتا ہے جس کی وجہ سے ایسا شخص شریعت کی نظر میں اپنا اعتماد کھو دیتا ہے۔“

ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ دف جائز ہے جب کہ اس میں چھانچ نہ ہو اور کبھی کبھی ایک آدھ دفعہ بجا یا جائے۔ نیز ایسے اشعار پڑھنے جائز ہیں جس میں کسی کی برائی و مذمت نہ بیان کی گئی ہو اور جو فحش مضامین پر مشتمل نہ ہوں۔ قنادی قاضیخان میں لکھا ہے کہ ”باجوں کا سننا گناہ ہے کیونکہ آنحضرتؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”باجوں کا سننا گناہ، اس کی مجلس میں شرکت فسق اور اس سے لطف اندوز ہونا شعار کفر سے ہے۔“

نیز مسئلہ یہ ہے کہ اگر غیر اختیاری طور پر باجے کی آواز کان میں پڑ جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ باجوں کی آواز سے حتی الامکان بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے کیونکہ نبی کریمؐ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ ایسے موقع پر آپؐ کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے تھے۔ علماء لکھتے ہیں کہ ”زمانہ جاہلیت کے ایسے عربی اشعار پڑھنا کہ جن میں فحش مضامین مثلاً شراب و کباب اور حسن و عشق کے تذکرے ہوں مکروہ ہے۔“

ایک جلیل القدر محدث نے اس حدیث کی تشریح میں سماع و غنا کا مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اس موقع پر اس کا خلاصہ نقل کر دینا مناسب ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ:

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دف بجانا اور گانا ممنوع ہے ہاں کچھ مواقع پر مثلاً عید میں یا اسی قسم کی دوسری خوشی کی تقریب میں یعنی نکاح وغیرہ میں اس کی ایک حد تک اجازت ہے، کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ صحابہ میں سب سے زیادہ فضیلت مآب ہیں۔ انہیں احکام دین خوب اچھی طرح معلوم تھے انہوں نے گانے کو ”مزار شیطان“ کہا آنحضرتؐ نے اس موقع پر جواباً انہیں منع فرمایا تو اس بات سے منع نہیں فرمایا تھا کہ گانے کو ”مزار شیطان“ کہا۔ آنحضرتؐ نے انہیں عید کے دن کے لئے منع فرمایا کہ آج کے دن آسمیں اتنی شدت اختیار نہ کرو۔ گویا آنحضرتؐ کے ارشاد کا مقصد گانے بجانے کی ممانعت کے سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ کے قول کی تردید نہیں تھا بلکہ مراد یہ تھی کہ گانے بجانے کا صرف اتنا معمولی درجہ کہ جس میں یہ لڑکیاں مشغول ہیں آج کے دن ممانعت کے حکم سے مستثنیٰ ہے اگر لڑکیاں شرعی و اخلاقی حدود میں رہ کر شجاعت و بہادری کی تعریف و توصیف پر مشتمل اشعار ترنم کے ساتھ پڑھ رہی ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے صرف یہ کہ خود لڑکیوں کے اس فعل سے کوئی دلچسپی نہیں لی (جیسا کہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپؐ اس وقت سو رہے تھے) بلکہ حضرت ابوبکرؓ کو بھی اس کی ترغیب نہیں دلائی بلکہ آپؐ نے ایک طرح اس سے لاپرواہی بھی برتی، گویا آپؐ نے اپنے اس فعل کے ذریعہ بھی اس دن اس کے ناجائز ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔

لہذا یہ حدیث مطلق طور پر سماع و غنا اور گانے بجانے کی اباحت کی دلیل قرار نہیں دی جاسکتی۔ جیسا کہ بعض حضرات اس حدیث کے دراز حقیقت مفہوم کا سہارا لے کر سماع و غنا کے مطلقاً جواز کو ثابت کرتے ہیں۔

سماع کی حرمت و کراہت: یہ تو حدیث کی وضاحت اور اس کی تشریح تھی۔ اب اصل مسئلہ کی طرف آئیے اور دیکھئے کہ اس بارہ میں

سلف کی رائے لگایا ہے۔ سماع و غنا کا مسئلہ ہمیشہ سے علماء و فقہاء کے درمیان مختلف رہا ہے۔ صحابہؓ و تابعینؓ کی بھی اس سلسلہ میں مختلف رائے تھیں۔ لیکن جلیل القدر صحابہؓ اس کی حرمت و کراہت کے قائل تھے۔ چنانچہ انہوں نے آیت کریمہ **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ** کی مراد غنا (نغمہ و سرور) بیان کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ و حضرت ابن مسعودؓ تو اس مراد کے یقین کے سلسلہ میں قسم تک کھاتے اور کہا کرتے تھے کہ یہاں ”غنا“ مراد ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؓ کے نزدیک آیت کریمہ **وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَفْظَلَتْ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ** میں شیطان کی آواز سے مراد ”غنا“ ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ گانے سے اور گانا سننے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد منقول ہے کہ ”اگر کوئی ایسا شخص مرجائے جس کے پاس گائیک (گانے والی عورت) ہو تو اس کی نماز جائزہ مت پڑھو۔“

حضرت ابو امامہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”گائیک (گانے والی عورت) کی نہ تو خرید و فروخت کرو اور نہ انہیں تعلیم دو (یعنی ان سے مکمل مقاطعہ رکھو) اس ارشاد گرامی کے مثل یہ آیت کریمہ **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ** نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ اسی وجہ سے بعض علماء کہتے ہیں کہ جو احادیث نغمہ سرور کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں ان کا تعلق اس ممانعت سے قبل کے زمانہ سے ہے۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی اور غنا کی ممانعت واضح ہوئی تو احادیث منسوخ قرار دے دی گئیں۔ حضرت ابن مسعودؓ سے یہ ارشاد منقول ہے کہ ”غنا نفاق کو اسی طرح آگاتا ہے جیسے پانی سبزہ کو آگاتا ہے۔“

حضرت جابرؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ ”جس طرح پانی کھیتی کو آگاتا ہے یوں ہی غنا نفاق کو آگاتا ہے۔“ حضرت انسؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ ”غنا اور لہو طبع دل میں نفاق کو اس طرح آگاتے ہیں جیسے پانی گھاس کو آگاتا ہے۔“ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ ”غنا کی محبت دل میں نفاق کو اس طرح آگاتی ہے جیسے پانی گھاس کو آگاتا ہے۔“ ان ارشادات میں نفاق سے مراد وہ عملی نفاق ہے جو ظاہری احوال کے برخلاف گناہ کی خواہش کو پوشیدہ رکھتا ہو۔ حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ ”غنا زنا کا متر ہے۔“

بہر حال۔ اس سلسلہ میں صحابہؓ و تابعینؓ کے اس قسم کے اور بہت سے ارشادات منقول ہیں۔ جہاں تک فقہاء کا تعلق ہے انہوں نے بھی اس کی حرمت اور کراہت کو بہت زیادہ شدت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ چاروں اماموں کا متفقہ طور پر جو مشہور اور صحیح قول ہے وہ یہ ہے کہ ”غنا مکروہ ہے“ اگرچہ اس کی حرمت کا اطلاق بھی منقول ہے۔

چنانچہ قاضی ابواللطیفؒ نے شعبیؒ، سفیان ثوریؒ، حمادؒ، نخعیؒ اور فاکہیؒ سے اس کا حرام ہونا نقل کیا ہے۔ علامہ ابنویؒ نے بھی تفسیر معالم التنزیل میں یہی لکھا کہ ”چاروں ائمہ کے یہاں غنا حرام ہے۔“

علامہ قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ غنا کی حرمت کے بارہ میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ وہ لہو طبع کے قبیل سے ہے جو متفقہ طور پر سب کے یہاں مذموم ہے۔ ہاں جو غنا محرمات سے محفوظ ہو وہ تھوڑا بہت شادی بیاہ، عید اور اسی قسم کی دوسری تقریبات میں جائز ہے۔ علماء کی ایک جماعت کا رجحان غنا کی اباحت کی طرف ہے۔

اس سلسلہ میں اتنی بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہاں جس غنا اور نغمہ اور سرور کے بارہ میں بحث کی جا رہی ہے اور جو حرمت و اباحت کا مکمل اختلاف ہے وہ اس قسم کا غنا ہے جسے گویے اور گلوکار بطور فن اور پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں چنانچہ وہ صرف لوگوں کی طبیعتوں میں انتشار و پیمان اور کیف و نشاط پیدا کرنے کے لئے ایسے اشعار گاتے ہیں جو محض محرمات کے ذکر پر مشتمل ہوتے ہیں اہاں وہ غنا مباح ہیں جو ایسے پاکیزہ اشعار پر مشتمل ہوں جن سے قلوب روحانی استنباط محسوس کریں اور جو محرمات و مکروہات کے ذکر پر مشتمل نہ ہوں مثلاً خدا تعالیٰ کی حمد، رسول اکرم ﷺ کی نعت، حرمین شریفین یا دوسری مقدس چیزوں کی منقبت، جہاد اور میدان جہاد کے اوصاف جیسے خدا

نصب، رکبانی بچوں کو خوش کرنے یا انہیں سنانے کے لئے ماؤں بہنوں کی لوریاں، بزرگان دین کی جائز توصیف و تعریف، قطع مسافت کے لئے مسافروں کی وابستگی، خوشی و مسرت کے اظہار اور اسی قسم کے دوسرے مضامین کے حامل اشعار ترم کے ساتھ پڑھنا یہ ناجائز نہیں ہے بلکہ ایک حد تک یہ مستحب ہے کیونکہ یہ نیک و با مقصد اعمال کے لئے موجب نشاط ہے۔

جو لوگ غنائی اباحت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ غنا اور سماع اکثر صحابہ، تابعین، محدثین اور علماء دین سے جو اصحاب زہد و تقویٰ ہیں، سے منقول ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ غنائی حرمت و کراہت کے سلسلہ میں اکہ یا بعض اکابر سے جو سخت الفاظ منقول ہیں وہ دراصل اس غنا پر محمول ہیں جس میں فحش مضامین یا ان سے غیر شرعی چیزوں مثلاً مزامیر وغیرہ کا ارتباط ہوتا ہو۔ یہ بات ان حضرات کی جانب سے اسی لئے کہی جاتی ہے تاکہ اکہ اور علماء کے قول و فعل میں تطبیق ہو جائے کیونکہ ان سے بھی غنا کا سنا منقول ہے۔

پہلے زمانہ کے بزرگوں اور مشائخ اور بعد کے بزرگوں اور مشائخ کے اقوال و افعال کے درمیان بھی اختلاف ہے چنانچہ پہلے زمانہ کے مشائخ جو راہ طریقت کے پیش رو اور راہنما ہیں اس سے اجتناب کرتے تھے مگر بعد کے بعض مشائخ سے سماع کی ابتدا ہوئی ہے اس سلسلہ میں پہلے زمانہ کے مشائخ کے قول و فعل کے بارے میں اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ حمادؒ ویاس جو اپنے وقت کے امام طریقت اور سلسلہ قادریہ کے ایک عظیم القدر شیخ تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لئے جا رہے تھے کہ راستہ میں چانک ان کے کان میں گانے کی آواز پہنچی، فوراً رک گئے اور فرمایا کہ آج مجھ سے کون سا ایسا گناہ سرزد ہوا ہے جس کی سزا میں مجھے اس میں مبتلا کیا گیا ہے؟ بہت دیر تک غور کرتے رہے مگر ایسی کوئی بات محسوس نہیں ہوئی جس سے یہ سمجھتے کہ فلاں گناہ ہوا ہے۔ جب گھر واپس آئے تو پھر تحقیق شروع کی۔ بہت دیر کے بعد معلوم ہوا کہ ایک تصویر دار پیالہ خرید لیا تھا۔ فرمایا یہی سبب ہے جس کی وجہ سے میں اس سزا میں گرفتار ہوا (کہ گانے کی آواز میرے کان میں پہنچی)۔

حضرت غوث الاعظمؒ کے قول و ارشادات دیکھنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوفؒ بھی اس کو مکروہ جانتے تھے حضرت شبلیؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ ”غنا جائز ہے؟“ انہوں نے پوچھا کہ ”کیا غنا حق ہے؟“ (یعنی اس میں غیر شرعی و غیر اخلاقی مضامین نہ کور نہیں ہیں) لوگوں نے کہا کہ ”نہیں“ ”فرمایا کہ ”اگر وہ حق نہیں ہے تو پھر گمراہی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ اس کے مکروہ ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ اس کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ طبیعت میں انتشار، خواہشات نفسانی میں ہیجان اور عورتوں کی طرف میلان ہوتا ہے بلکہ اس میں نفس امارہ کی رعوت و خوشی، عقل کی سبکی اور دنائت کا اظہار بھی ہے۔ البتہ خدا کے ذکر اور اس کی یاد میں مشغول ہو جانا ہر اس شخص کے لئے جو خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا ہے سب سے بہتر ہے۔“

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ جو سلسلہ شاذلیہ کے امام اور پیشوا ہیں فرماتے ہیں کہ ”جو لوگ سماع میں مشغول ہوتے ہیں اور ظالموں کے یہاں کھانا کھاتے ہیں ان میں یہودیت کا ایک حصہ شامل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَسْخُوفُونَ لِلْكَذِبِ أَكْثَرُونَ لِلسَّخْتِ

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ سماع کے کئی درجہ ہیں۔ ① نوجوانوں کے لئے حرام محض ہے کیونکہ نوجوانوں کے مزاج و طبیعت پر خواہشات نفسانی کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے سماع ان کے لئے بجائے کوئی اچھا اثر مرتب کرنے کے ان کی خواہشات نفسانی میں اور زیادہ انتشار و ہیجان پیدا کرتا ہے۔ ② اس شخص کے لئے مکروہ ہے جو اکثر اوقات بطریق لہو و لعب کے سماع میں مشغول رہے۔ ③ اس شخص کے لئے مباح ہے جو محض ترم اور خوش گلوئی سے دلچسپی رکھتا ہے۔ ④ اس شخص کے لئے مندوب ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہو اور سماع اس کے لئے صرف اچھے اثرات مرتب کرے۔

مشائخ چشتیہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ سماع سے دلچسپی رکھتے تھے مگر ان کی دلچسپی آداب و شرائط کے حدود کے اندر رہتی تھی چنانچہ وہ حضرات اکثر و بیشتر خلوت میں سماع سنتے تھے جہاں نہ تو غیر ہوتے تھے اور نہ تا عزم۔ حضرت شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے

بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی سماع سنتے تھے لیکن ان کی مجلس سماع مزامیر و قوالی جیسی لغویات سے پاک ہوتی تھی۔ ”بہر حال مطلب یہ ہے کہ جو صوفیہ سماع کے قائل ہیں ان کے یہاں یہ کلیہ مقرر ہے کہ سماع صرف ”اہل دل“ کے لئے مباح ہے۔ چنانچہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ سماع کے آداب و شرائط مقرر کئے ہیں بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ سماع سننے کا اہل کسے کہا جاسکتا ہے۔ اور ایسے ہی سماع کی ممانعت کے سلسلہ میں فقہاء اور اکابر اولیاء اللہ کے جو الفاظ منقول ہیں ان کا تعلق اس نغمہ سرور سے ہے جس کے ساتھ غیر مشروع چیزیں مثلاً مزامیر وغیرہ کی آمیزش ہو اور جس کی بنیاد محض خواہشات نفسانی اور لہو و لعب ہو نہ تو فی نفسہ خوش گلوئی ممنوع نہیں ہے کیونکہ وہ مباح الاصل ہے۔

پھر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس طرح خوش گلوئی کے اندر مفاسد ہیں اسی طرح مصالح خیر بھی ہیں مثلاً نغمہ و ترنم سخت دل کو نرم کرتا ہے اور عبادت میں ذوق و شوق اور حلاوت و خشوع پیدا کرتا ہے تاہم اس کے باوجود نغمہ و ترنم پر مداومت اکابر ملاف کے طریقہ اتباع سے بعید ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص اس پر مداومت کرے گا وہ اس کی دلچسپی کو عبادت و ریاضت پر ترجیح دینے لگے گا اور شیطان کا مکر و فریب اسے اس راستہ سے اپنے جال میں پھنسا کر اطاعت و شریعت کی اہمیت کو اس کی نظر میں کم کر دے گا جس کی وجہ سے وہ غلط راستہ پر بہکنے لگے گا۔ لہذا سماع بذاتہ تو مباح ہے لیکن غلط عوارض جیسے عورت و شراب کے ذکر، نامحرم عورتوں اور امرد کے گانے، مزامیر یعنی ڈھول و ہار، مونیہ و غیرہ کی آمیزش، نفسانی خواہشات، سماع کی نااہلیت اور اس پر مداومت کی وجہ سے ممنوع ہے۔

چنانچہ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جو لوگ معرفت و حقیقت اور محبت و حال کے مدعی ہو کر اپنے ایک خاص جذبہ کی تسکین کی خاطر سماع میں مشغول ہو کر حقیقی ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کریم وغیرہ سے محروم رہتے ہیں وہ اپنے نفس کے دھوکہ اور شیطان کے فریب میں مبتلا ہیں کہ وہ درحقیقت راہ راست سے ہٹ کر غلط راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے وہ روز بروز راہ دین و شریعت سے دور تر ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ دیگر عبادات میں کیا مشغول رہتے کہ ان کی نمازیں بھی بے روح ہو کر محض نشست و برخاست کا ایک مجموعہ بن کر رہ گئی ہیں۔ اور نمازیں بھی جبراً اور ریاء کی وجہ سے یا مخلوق خدا کی نظروں میں بظاہر اپنی دینی زندگی کو نمایاں کرنے کے لئے پڑھتے ہیں۔ کاش انہیں سماع سے اس قدر دلچسپی نہ ہوتی صرف وہ نماز روزہ اور دیگر فرائض خلوص نیت کے ساتھ ادا کرتے تو ان کا دین تو کم سے کم بنا رہتا۔ اس سلسلہ میں یہ صورت بھی ہے کہ آجکل جو لوگ سماع کے قائل ہیں ان کا منظر یہ ہے کہ فلاں بزرگ سماع سنتے تھے یا ہمارے فلاں پیشوا اس کے قائل تھے لہذا جب انہوں نے اسے اختیار کیا تو ہم بھی ان کی پیروی کرتے ہیں اور ان کی اتباع میں سماع کو جائز قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ بھی محض فریب نفس ہے کیونکہ اگر بزرگوں نے سماع کو اختیار کیا اور اس سے دلچسپی رکھی تو وہ ان کی حالت بے خودی اور غلبہ حال تھا، انہوں نے اگر سماع سنا ہے تو اس پر مداومت کی ہے بلکہ کبھی کبھی مصلحت کے پیش نظر سنا ہے۔ پھر یہ کہ ان کے یہاں مجلس سماع کی یہ جلوہ نگاری نہیں تھی بلکہ انہوں نے خلوت میں اور خلوص نیت کے ساتھ سنا ہے نیز انہوں نے ضروری قرار دے کر کوئی طریقہ مقرر نہیں کیا ہے کہ بہر صورت اس پر عمل کیا جائے۔ پھر یہ کہ کہاں ان بزرگوں کا جذبہ حال و بے خودی اور اخلاص نیت اور کہاں ہمارے دور کی دنیاوی و نفسانی خواہشات اور فریب نفس؟ اب تو ان بزرگوں کی صرف اس بات کی تقلید ہے نہ ان کے صالح افکار کی اطاعت ہے اور ان کے نیک اعمال و مقدس زندگیوں کی پیروی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ ”بدنام کنندہ کونامے چند“۔

حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں سے نہ تو ان لوگوں کو کوئی حقیقی نسبت ہے اور نہ ان بزرگوں کا کوئی ان سے تعلق ہے۔ اور جو لوگ ان امور کو باپ دادا کی روایت سمجھ کر بغیر اہلیت کے اختیار کئے ہوئے ہیں ان کے حال پر یہ آیت کریمہ صادق آتی ہے کہ **اِنَّهُمْ اَلْفَوْهُ اَبَاءَ هُمْ ضَالِّينَ فَمَنْ عَلٰی اَنَارِهِمْ نَهَرَ عَمُوْنَ**۔

حاصل یہ ہے کہ آجکل جو یہ طریقہ رائج ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر عرس کے نام پر محض نمود و نمائش اور حب جاہ و شہرت کے

جذبیہ سے جشن منایا جاتا ہے مجالس رقص و سرور منعقد ہوتی ہیں، قوالوں اور گویوں کی جماعت اپنی قوالی اور ساز و سامان کے ساتھ بلائے اور بغیر بلائے صرف شہرت اور مال حاصل کرنے کے لئے آتی ہے۔ حاشا اللہ کہ پہلے زمانہ کے کسی بزرگ کا یہ طریقہ رہا ہوا اور کسی بزرگ نے آجکل کی طرح یہ ڈھونگ رچائے ہوں؟؟

اور پھر غضب یہ کہ ان چیزوں کو مشائخ کے عرسوں میں قرب خدا کا ذریعہ سمجھا جانے لگا ہے ایسے لوگ غور کریں کہ انہوں نے گمراہی و ضلالت کا کیدار استہ اختیار کر رکھا ہے یہ کون کی مذہبی اور دینی زندگی ہے؟ کاش یہ لوگ اپنے آپ کو تہمتی و پرہیزگار اور بزرگان دین کے شیدائی نہ کہتے اور اپنے جسم آزاد پر نام نہاد زہد و تقویٰ کا یہ جامہ تنگ مزین نہ کرتے۔

خوب اچھی طرح جان لیجئے کہ ایسے لوگوں کی شرعاً و دیناً نہ تو اطاعت واجب ہے اور نہ ان کی تعظیم ضروری ہے اس لئے کہ اگر ان لوگوں کی عزت و توقیر کی جائے گی تو اس طرح ان کے ان اعمال و افعال کی تائید و مدد ہوگی۔ خدا ہم سب کو بھی اسی راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جو اس نے اپنے پیغمبر رسول اکرم ﷺ کے ذریعہ ہمیں دکھایا ہے۔ آمین۔

آنحضرت ﷺ عید گاہ جانے سے پہلے کھجور تناول فرماتے تھے

⑧ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْذُو يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَأْكُلَ تَمْرَاتٍ وَيَاكُلُهُنَّ وَتَرَا۔

(رواہ البخاری)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سر تاج دو عالم ﷺ کھجوریں تناول فرمائے بغیر عید گاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے اور کھجوریں طاق کھاتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: آپ ﷺ عید کے روز عید گاہ جانے سے پیشتر کھجوریں نوش فرما کر گویا کھانے میں جلدی کرتے تھے تاکہ پہلے دنوں یعنی ایام رمضان میں امتیاز پیدا ہو جائے کیونکہ جس طرح رمضان میں نہ کھانا واجب ہے اسی طرح عید کے روز کھانا واجب ہے۔

آپ ﷺ کھجوریں طاق یعنی تین، پانچ، سات یا اس سے کم اور زیادہ تناول فرماتے تھے چونکہ ہر کام میں ”طاق“ کی رعایت رکھنا بہتر ہے اس لئے آپ ﷺ اس معاملہ میں بھی طاق کا لحاظ فرماتے تھے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ إِنَّ اللَّهَ وَتُرِّيحُ الْوُثْقِ یعنی اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند فرماتا ہے۔

عید کے روز آپ ﷺ کھجوریں اس لئے نوش فرماتے تھے کہ وہی اس وقت موجود ہوتی تھیں۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ کھجوریں کھانے میں حکمت یہ تھی کہ وہ شرس ہوتی ہے اور شری تقویت بصر کا ذریعہ بنتی ہے خاص طور پر غلو معدہ کے وقت تو نگاہوں کی تقویت کے لئے یہ بڑی زود اثر ہوتی ہے لہذا روزوں کی وجہ سے جو ضعف ہو جاتا تھا کھجوریں اپنے اثرات سے اسے ختم کرتی تھیں۔ پھر یہ کہ شیرینی متقضاء ایمان کے موافق ہے۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ جو شخص خواب میں شیرینی کھاتے دیکھے اسے حلاوت ایمان نصیب ہوگی۔ نیز شیرینی دل کو نرم کرتی ہے اس سبب سے شیرینی کے ساتھ افطار کرنا افضل ہے۔

آنحضرت ﷺ عید گاہ ایک راستہ سے جاتے اور دوسرے راستہ سے واپس آتے

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمَ عِيدٍ خَالَفَ الظَّرْفَيْنِ۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب عید کا روز ہوتا تو سر تاج دو عالم ﷺ راستوں میں فرق کرتے۔“ (بخاری)

تشریح: یعنی عید گاہ ایک راستہ سے تشریف لے جاتے اور دوسرے راستہ سے واپس آتے اور اس کی حکمت یہ تھی تاکہ دونوں راستے اور دونوں راستوں پر رہنے والے جن و انس عبادت کی گواہی دیں۔ اس کے علاوہ اور کئی وجوہ بھی علماء نے لکھی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ

یہ سب احتمال کے درجہ میں ہیں۔ علماء نے اپنے اپنے فہم کے مطابق اس کی وجہیں بیان کی ہیں۔ اصل حقیقت اور وجہ کیا تھی؟ یہ اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔

قربانی کا وقت

⑩ وَعَنِ النَّبَاِ قَالَ خُطِبْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ مَا تَبَدُّ إِلَيْهِ فِي يَوْمِنَا هَذَا نُصَلِّي ثُمَّ تَرْجِعُ فَتَنْحَرُ فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ نُصَلِّيَ فَإِنَّمَا هُوَ شَاةٌ لِحِمِّ عَجَلَةٍ لَا هِلَ لَهَا لَيْسَ مِنَ التَّسْلُكِ فِيهِ شَيْءٌ ۖ (بخاری علیہ)

”اور حضرت براہ راوی ہیں سر تاج دو عالم ﷺ نے یوم النحر (یعنی بقر عید کے دن) ہمارے سامنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ ”اس دن سب سے پہلا کام جو ہمیں کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ ہم (عید الاضحیٰ کی) نماز پڑھیں پھر گھرواپس جائیں اور قربانی کریں، لہذا جس شخص نے اس طرح عمل کیا (کہ قربانی سے پہلے نماز و خطبہ سے فراغت حاصل کر لی) اس نے ہماری سنت کو اختیار کیا اور جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کر لی وہ قربانی نہیں ہے بلکہ وہ گوشت والی بکری ہے جسے اس نے اپنے گھر والوں کے لئے جلدی ذبح کر لیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نماز سے پہلے قربانی کر لینے سے قربانی کا ثواب نہیں ملتا بلکہ اس کا شمار اس گوشت میں ہو جاتا ہے جو روزانہ گھر والے کھاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مشروع یہ ہے کہ پہلے عید قربانی کی نماز پڑھی جائے اس کے بعد خطبہ پڑھا جائے اور سنا جائے پھر قربانی کی جائے چونکہ حدیث بالا میں قربانی کا وقت پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس لئے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ عید قربان کے دن طلوع فجر سے پہلے قربانی جائز نہیں۔ البتہ طلوع فجر کے بعد قربانی کا وقت شروع ہونے کے سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ جب آفتاب بقدر نیزہ بلند ہو جائے اور اس کے بعد کم از کم دو رکعت نماز اور دو مختصر خطبے کی بقدر وقت گزر جائے تو قربانی کا وقت شروع ہوتا ہے اس کے بعد قربانی کرنا جائز ہے خواہ بقر عید کی نماز ہو چکی ہو یا نہ ہو۔ اس وقت سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے خواہ قربانی کرنے والا شہر میں رہتا ہو یا دیہات کا رہنما والا ہو، نیز امام شافعیؒ کے نزدیک قربانی کا وقت تیرہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قربانی کا وقت شہر والوں کے لئے عید قربان کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے اور دیہات والوں کے لئے طلوع فجر کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے۔ ان کے یہاں قربانی کا آخری وقت بارہویں تاریخ کے آخر تک رہتا ہے۔

قربانی واجب ہے یا سنت: حضرت امام شافعیؒ کے یہاں قربانی واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے اگرچہ نصاب نامی نہ ہو۔

⑪ وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَى وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ حَتَّى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللَّهِ۔ (بخاری علیہ)

”اور حضرت جندب ابن عبد اللہ بجليؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ”جو شخص (قربانی کا جانور) عید قربان کی نماز سے پہلے ذبح کر دے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے بدلے (قربانی کیلئے) دوسرا جانور ذبح کرے اور جو شخص نماز پڑھنے تک ذبح نہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ (نماز کے بعد) اللہ تعالیٰ کے نام پر (قربانی کا جانور) ذبح کر دے“ (یہ قربانی درست ہوگی جس کا ثواب اسے ملے گا۔“ (بخاری و مسلم)

⑫ وَعَنِ النَّبَاِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ تَشْكُؤُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ۔ (بخاری علیہ)

”اور حضرت براءؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے (قربانی کا جانور) نماز سے پہلے ذبح کیا تو گویا اس نے اپنے (مخص) کھانے کے واسطے ذبح کیا (اس لئے اسے قربانی کا ثواب حاصل نہیں ہوا) جس شخص نے نماز کے بعد ذبح کیا تو بلاشبہ اس کی قربانی اور اہو مکی اور (اس طرح) اس نے مسلمانوں کے طریقے کو اپنایا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: جمہور علماء کا مسلک یہی ہے مگر تعجب ہے کہ اتنی واضح اور صحیح احادیث کے باوجود حضرت امام شافعیؒ نے نہ معلوم کیوں جمہور علماء کے مسلک کے خلاف یہ کہا کہ قربانی کا وقت شروع ہو جانے کی بعد قربانی کر لینی جائز ہے۔ خواہ نماز ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو جیسا کہ ابھی پیچھے ان کا مسلک نقل کیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ عید گاہ میں قربانی کرتے تھے

(۱۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَذْكُرُ بِالْمُضَلَّى - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ عید گاہ میں ذبح اور نحر کرتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: بکری، دنبہ، بھیڑ، گائے بھینس اور اونٹ یہ جانور خواہ زہوں یا مادہ، ان کے علاوہ دوسرے جانوروں کی قربانی جائز نہیں، اونٹ کے علاوہ بقیہ جانوروں کے حلال کرنے کو ”ذبح“ کہتے ہیں، اور اونٹ کے حلال کرنے کو ”نحر“ کہتے ہیں نحر کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے اس کے سینہ میں نیزہ مارا جاتا ہے جس سے وہ گر پڑتا ہے۔ اگرچہ اونٹ کو ذبح کرنا بھی جائز ہے لیکن نحر افضل ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

مسلمانوں کے لئے خوشی کے دو دن

(۱۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا فَقَالَ مَا هَذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوا كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَبَدَ لَكُمْ اللَّهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ - (رواہ ابوداؤد)

”حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ نے دو دن مقرر کر رکھے تھے جن میں وہ لہو و لعب کرتے (اور خوشیاں مناتے) تھے، آپ ﷺ نے (یہ دیکھ کر) پوچھا کہ ”یہ دو دن کیسے ہیں؟“ صحابہ نے عرض کیا کہ ”ان دونوں دنوں میں ہم زمانہ جاہلیت میں کھیلا کرتے تھے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان دونوں دنوں کے بدلے ان سے بہتر دو دن مقرر کر دیے ہیں اور وہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن ہیں۔“ (ابوداؤد)

تشریح: زمانہ جاہلیت میں اہل مدینہ کے لئے دو دن مقرر تھے جن میں وہ لہو و لعب میں مشغول ہوتے تھے اور خوشیاں منایا کرتے تھے ان میں سے ایک دن ”نوروز“ تھا اور دوسرا دن ”مہرجان“۔ نوروز کے دن آفتاب برج حمل میں جاتا ہے اور مہرجان کے دن برج میزان میں داخل ہوتا ہے۔ چونکہ ان دونوں دنوں میں آب و ہوا معتدل ہوتی ہے۔ اور رات برابر ہوتے ہیں اس لئے ان دنوں کو حکمائے خوشی منانے کی لئے مقرر کر لیا تھا چنانچہ وہی رسم لوگوں میں چلی آتی تھی۔ یہاں تک کہ جب اہل مدینہ حلقہ نبوش اسلام ہوئے تو شروع میں پرانی عادت کے مطابق ان دنوں میں پہلے زمانہ کی طرح خوشی منایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے جب ان دنوں کی حقیقت دریافت فرمائی تو وہ اس کی کوئی حقیقت بیان نہ کر سکے صرف اتنا بتا سکے کہ پرانے زمانے سے یہ طریقہ چلا آ رہا ہے اور ان دنوں میں ہم اسی طرح خوشی مناتے چلے آتے ہیں، تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دنوں سے ہمیں اب کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دنوں

سے بہتر تمہیں عیدین کے دو دن عنایت فرمادیے ہیں تم ان بابرکت دنوں میں خوشی مناسکتے ہو۔ گویا اس طرح آپ ﷺ نے ایک طرف تو یہ اشارہ فرمایا کہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ حقیقی عید اور خوشی عبادت کے دن منائے۔ لہذا اس حدیث میں عیدین کے دن لہو و لعب میں مشغول ہونے کی ممانعت ہے۔ دوسری طرف یہ اشارہ خفی ہے کہ عیدین میں بہت معمولی طریقہ پر کھیل کود اور اس انداز اور اس طریقہ سے خوشی منانا کہ جس میں حدود شریعت سے تجاوز اور فحاشی نہ ہو جائز ہے۔

یہ حدیث نہایت طبع انداز میں یہ بتا رہی ہے کہ غیر مسلموں کے تہوار کی تعظیم کرنا اور ان میں خوشی منانا، نیز ان کی رسموں کو اپنانا ممنوع ہے نیز یہ حدیث غیر مسلموں کی عید و تہوار میں شرکت و حاضری کی ممانعت کو بھی ظاہر کر رہی ہے۔ بعض علماء نے تو اسے امتناخت جانا ہے کہ اس عمل پر کفر کا حکم لگایا ہے چنانچہ ابو حفص کبیر حنفی فرماتے ہیں کہ جو شخص نوروز کی عظمت و توقیر کے پیش نظر اس دن مشرکوں کو تحفہ میں انداز بھیجے (جیسا کہ اس روز مشرکین کا طریقہ ہے) تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کے تمام اعمال ناپود ہو جاتے ہیں۔

حضرت قاضی ابوالحسن ابن منصور حنفی کا قول ہے کہ ”اگر کوئی اس دن وہ چیزیں خریدے جو دوسرے دنوں میں نہیں خریدتا ہے (جیسا کہ ہمارے یہاں دیوالی کے روز کھیلیں اور مٹھائی کے بنے ہوئے کھلونے وغیرہ خریدے جاتے ہیں) یا اس دن کسی کو تحفہ بھیجتا ہے اور اس سے اس کا مقصد اس دن کی تعظیم ہو جیسا کہ مشرک اس دن کی تعظیم کرتے ہیں تو وہ شخص کافر ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی شخص شخص اپنے استعمال اور فائدہ اٹھانے یا حسب عادت کسی کو ہدیہ بھیجنے کی نیت سے خریدتا ہے۔ تو کافر نہیں ہوتا لیکن یہ بھی مکروہ ہے لیکن اس طرح کافروں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اس لئے اس سے بھی احتراز کرنا چاہیے۔

اس طرح اگر کوئی شخص عاشورہ کے دن خوشی مناتا ہے تو خوارج کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اور اگر اس دن غم و الم ظاہر کرنے والی چیزیں اختیار کرتا ہے تو روافض کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے لہذا ان دونوں باتوں سے بچنا چاہئے۔ یہ بات بھی جان لیجئے کہ نوروز کی عظمت و توقیر کے سلسلہ میں روافض مجوسیوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ اسی دن حضرت عثمان شہید کئے گئے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت منعقد ہوئی تھی۔

فتاویٰ ذخیرہ میں لکھا ہے کہ جو شخص ہولی اور دیوالی دیکھنے کے لئے بطور خاص نکلتا ہے وہ حدود کفر سے قریب ہو جاتا ہے کیونکہ اسی میں اعلان کفر ہوتا ہے لہذا ایسا شخص گویا اپنے عمل سے کفر کی مدد کرتا ہے اسی پر ”نوروز“ دیکھنے کے لئے نکلنے کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ بعض مسلمان ایسا کرتے ہیں۔ یہ بھی موجب کفر ہے۔

”جنہیں“ میں مذکور ہے کہ ہمارے مشائخ اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جس شخص نے اہل کفار کے معتقدات و معاملات میں سے کسی چیز کے اچھا ہونے کا اعتقاد رکھا تو وہ حدود کفر میں داخل ہو جائے گا۔ اسی پر اس مسئلہ کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے اہل ہوا ہو جس انسان مثلاً شریعت کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرنے والے نام نہاد صوفیاء کے کسی کلام یا کسی قول کے بارہ میں اچھا خیال رکھے اور یہ کہے کہ یہ کلام معنوی ہے یا یہ کہے کہ فلاں قول ایسا ہے جس کے معنی صحیح ہیں تو اگر حقیقت میں وہ کلام و قول کفر آمیز ہو تو اس کے بارہ میں اچھا عقیدہ رکھنے والا اور اسے صحیح کہنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ”نور اور الفتاویٰ“ میں منقول ہے کہ جو شخص غیر مسلموں کی رسومات کو اچھا جانے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ ”عمدة الاسلام“ میں لکھا ہے کہ جو شخص کافروں کی رسومات ادا کرے مثلاً نئے مکان میں بیل اور گائے اور گھوڑے کو زرد و سرخ رنگ کرے یا بٹھن دار باندھے تو کافر ہو جاتا ہے۔“

حاصل یہ کہ ان معتقدات و رسومات سے قطعاً احتراز کرنا چاہئے جن سے اسلام اور شریعت کا دور کا بھی واسطہ ہو بلکہ ان کی بنیاد خالص غیر اسلامی و غیر شرعی چیزوں پر ہے۔

عید میں نماز سے پہلے اور بقر عید میں نماز کے بعد کھانا پینا چاہئے

(۱۵) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخُجُّ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَنْظَعُمْ وَلَا يَنْظَعُمْ يَوْمَ الْأَضْحَى حَتَّى

یصلیٰ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارقطنی)

”اور حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عید کے دن بغیر کچھ کھانے سے عید گاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ اور بقر عید کے دن بغیر نماز پڑھے کچھ نہیں کھاتے پیتے تھے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی)

تشریح: عید کے روز نماز سے پہلے کھانے پینے کا سبب گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ بقر عید کے روز آپ غریاء و مساکین کا ساتھ دینے اور ان کی دلجوئی کی خاطر بقر عید کی نماز کے بعد ہی کچھ تناول فرماتے تھے۔ کیونکہ غریاء و مساکین کو تو کچھ کھانا پینا ہی وقت نصیب ہوتا تھا جب قربانی ہو جاتی اور اس کا گوشت ان لوگوں میں تقسیم ہو جاتا اس لئے آپ ان کی وجہ سے خود بھی کھانے پینے میں تاخیر فرماتے تھے۔

تکبیرات عیدین

(۱۱) وَعَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثَّرَ فِي الْعِيدَيْنِ فِي الْأَوَّلَىٰ مَبْعَا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارقطنی)

”اور حضرت کثیر ابن عبد اللہ اپنے والد سے اور وہ کثیر کے دادا سے (یعنی اپنے والد کرم) سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قرات سے پہلے پانچ تکبیریں کیں۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پہلی رکعت میں قرات سے پہلے تحریر اور رکوع کی تکبیروں کے علاوہ سات تکبیریں کیں۔ اسی طرح دوسری رکعت میں قیام اور رکوع کی تکبیروں کے علاوہ پانچ تکبیریں کیں۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا اسی پر عمل ہے اس سلسلہ میں مفصل بحث آگے آ رہی ہے۔

(۱۲) وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ مَوْلَىٰ أَبِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا نَكْرٍ وَعُمَرُ بْنُ كَثِيرٍ وَابْنُ الْعِيدَيْنِ وَالْإِسْتِغْنَاءُ مَبْعَاؤُ خُمْسًا وَصَلُّوا قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَجَهْرًا بِالْقِرَاءَةِ۔ (رواہ الثانی)

”اور حضرت جعفر ابن محمد مرسلارایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ عیدین اور استغناء کی نماز میں سات اور پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے اور (عیدین و استغناء کی) نماز خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے، نیز قرات بآواز بلند پڑھتے تھے۔“ (ثانی)

تشریح: ”جعفر“ سے مراد امام جعفر صادق ابن محمد باقر ابن علی یعنی امام زین العابدین ابن حضرت امام حسینؓ ابن حضرت علی کریم اللہ وجہ ہیں۔ سات اور پانچ کی وضاحت حدیث بالا تاکید کی ہے کہ پہلی رکعت میں قرات سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرات سے پہلے پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے، یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

(۱۸) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا مُوسَىٰ وَحَدَّثَنِي كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الْأَضْحَىٰ وَالْفِطْرِ فَقَالَ أَبُو مُوسَىٰ كَانَ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا كَثِيرَةً عَلَى الْعَنَانِ فَقَالَ حَدَّثَنِي صَدُوقٌ۔ (رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت سعید ابن عاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو موسیٰؓ و حضرت حذیفہؓ سے سوال کیا کہ رسول کریم ﷺ عید و بقر عید کی نماز میں کتنی تکبیریں کہتے تھے؟ تو حضرت ابو موسیٰؓ نے جواب دیا کہ ”جس طرح آپ ﷺ نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے اسی طرح عیدین کی نماز میں بھی چار تکبیریں کہا کرتے تھے“ حضرت حذیفہؓ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ”ابو موسیٰؓ نے جی کہا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: حضرت ابو موسیٰؓ کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آپ ﷺ نماز جنازہ میں پڑھتے وقت چار تکبیریں کہا کرتے تھے اسی طرح آپ ﷺ عیدین کی نماز میں بھی ہر رکعت میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اس طرح کہ پہلی رکعت میں تو قرات سے پہلے تکبیر تحریر سمیت چار تکبیریں کہتے تھے اور دوسری رکعت میں قرات کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیریں کہتے تھے۔

اس سلسلہ میں یہ بات جان لینی چاہئے کہ تکبیرات عید کے سلسلہ میں متضاد احادیث منقول ہیں اسی وجہ سے ائمہ کے مسلک میں بھی اختلاف ظاہر ہوا ہے چنانچہ تینوں اماموں کے نزدیک عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے ہاں تو پہلی رکعت میں سات تکبیریں مع تکبیر تحریمہ کے ہیں اور اسی طرح دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام سمیت ہیں جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیریں تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام کے علاوہ ہیں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ تین تکبیریں پہلی رکعت میں اور تکبیر رکوع کے علاوہ تین تکبیریں دوسری رکعت میں ہیں جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ نیز اسی کو حضرت ابن مسعودؓ نے بھی اختیار کیا ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق حضرت ابن عباسؓ کا مسلک ہے یہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن سے حضرت امام شافعیؒ استدلال کرتے ہیں تو ان کی صحت و ضعف اور ان کی اسناد و طرق کے بارہ میں بہت زیادہ اعتراضات ہیں جس کو یہاں نقل کرنے کا موقع نہیں ہے۔ علماء حنفیہ اپنے مسلک کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ تکبیرات عیدین کے سلسلہ میں جب متضاد و مختلف احادیث سامنے آئیں تو ہم نے ان میں سے ان احادیث کو اپنا معمول پر قرار دیا جن میں تکبیرات کی تعداد کم منقول تھی کیونکہ عیدین کی زائد تکبیریں اور رفع یدین بہر حال خلاف معمول ہیں اس لئے کم تعداد کا اختیار کرنا ہی اولیٰ ہوگا۔

امام خطبہ دیتے وقت عصا وغیرہ کا سہارا لے لے

(۱۹) وَعَنِ النَّبَرَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ يَوْمَ الْعِيدِ قَوْسًا فَخَطَبَ عَلَيْهِ - (رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت براءؓ راوی ہیں کہ عید کے دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کمان پیش کی گئی چنانچہ آپ ﷺ نے اس کا سہارا لے کر خطبہ ارشاد فرمایا۔“ (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح عصا وغیرہ ٹیک کر خطبہ پڑھا جاتا ہے اسی طرح آپ ﷺ نے عصا کی بجائے کمان ٹیک کر اس کے سہارے خطبہ ارشاد فرمایا۔

(۲۰) وَعَنْ عَطَاءٍ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَطَبَ يَعْتَمِدُ عَلَى عِزَّةٍ (رواہ الشافعی)

”اور حضرت عطاءؓ بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو اپنے نیزے پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے۔“ (شافعی)

(۲۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلَاةَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمٍ عِينِدَ قَبْدًا بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَامَ مَتَكِّئًا عَلَى بِلَالٍ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَوَعظَ النَّاسَ وَذَكَرَهُمْ وَخُتُّهُمْ عَلَى طَاعَتِهِ وَمَنْطَى إِلَى التَّسَاءِ وَمَعَ بِلَالٍ فَأَمَرَهُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَوَعظَهُمْ وَذَكَرَهُمْ - (رواہ النسائی)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ عید کے دن نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز میں شریک ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے اذان و تکبیر کے بغیر خطبہ سے پہلے نماز شروع فرمائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو (خطبہ کے لئے) حضرت بلالؓ کے سہارے لے کر کھڑے ہوئے، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تعریف بیان فرمائی۔ لوگوں کو نصیحت کی اور انہیں عذاب و ثواب (کے احکام) یاد دلانے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کی ترغیب دلائی۔ پھر آپ ﷺ عورتوں کی جماعت کی طرف متوجہ ہوئے حضرت بلالؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے (وہاں بھی) آپ ﷺ نے عورتوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا، ان کو نصیحت کی اور انہیں عذاب و ثواب (کے احکام) یاد دلانے۔“ (نسائی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطیب کے لئے مناسب ہے کہ وہ خطبہ دیتے وقت کسی چیز مثلاً کھوار، کمان برجھی، عصا یا کسی آدمی کا

سہارا لے کر کھڑا ہو۔

عید گاہ جانے کا طریقہ

(۲۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيدِ فِي طَرِيقٍ رَجَعَ فِي غَيْرِهِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب عید کے دن (عید گاہ) ایک راستہ سے تشریف لے جاتے تو واپس دوسرے راستہ سے ہوتے تھے۔“ (ترمذی، دارمی)

تشریح: عید گاہ جانے کے لئے ایک راستہ اختیار کرنا اور واپس کے لئے دوسرا راستہ اختیار کرنا مسنون ہے، اس کی حکمت اسی باب کی فصل میں ایک حدیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کی جا چکی ہے۔

عید گاہ جاتے ہوئے۔ راستہ میں یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔ واللہ اکبر واللہ اکبر واللہ الحمد پڑھتے رہنا چاہئے۔ صاحبین کے نزدیک تو عید و بقر عید دونوں موقع پر راستہ میں یہ تکبیر بلند آواز سے پڑھنی چاہئے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عید میں تو یہ تکبیر آہستہ آواز سے۔ اور بقر عید میں بلند آواز سے پڑھنا چاہئے۔

عذر کی وجہ سے عیدین کی نماز شہر کی مسجد میں پڑھی جاسکتی ہے

(۲۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِي يَوْمٍ عِيدٍ فَصَلَّى بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِيدِ فِي الْمَسْجِدِ۔ (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) عید کے دن بارش ہونے لگی تو نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کو مسجد میں نماز پڑھائی۔“

(ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ عیدین کی نماز شہر سے باہر جنگل میں ادا فرماتے تھے مگر جب بارش ہوتی تو آپ ﷺ مسجد نبویؐ ہی میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ عیدین کی نماز جنگل میں (یعنی عید گاہ میں) ادا کرنا افضل ہے۔ ہاں کوئی عذر پیش آجائے تو پھر شہر کی مسجد میں ادا کی جاسکتی ہے۔

اس سلسلہ میں اہل مکہ کے لئے مسئلہ یہ ہے کہ وہ عیدین کی نماز مسجد حرام ہی میں ادا کریں جیسا کہ آجکل عمل ہے اسی طرح اہل مدینہ بھی عیدین کی نماز مسجد نبویؐ ہی میں پڑھتے ہیں۔

عیدین کی نماز تاخیر سے اور بقر عید کی نماز جلدی پڑھ لینی چاہئے

(۲۴) وَعَنْ أَبِي الْخُوَيْرِثِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَهُوَ بِسُجْرَانَ عَجَلِ الْأَضْحَى وَأَتَجَرَ الْفُطْرَ وَذَكَرَ النَّاسَ۔ (رواہ الشافعی)

”اور حضرت ابی الخویرثؓ راوی ہیں کہ رسول کریم نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو جو نجران میں تھے یہ حکم لکھ کر بھیجا کہ بقر عید کی نماز جلدی اور عید کی نماز تاخیر سے ادا کرو (نیز) فطرہ میں لوگوں کو پند و نصیحت کرو۔“ (شافعی)

تشریح: نجران ایک شہر کا نام ہے آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو وہاں کا عامل بنا کر بھیجا تھا جب کہ ان کی عمر صرف سترہ سال تھی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ احکام لکھ کر بھیجے تھے تاکہ وہ اس پر عمل کریں۔ بقر عید کی نماز جلدی ادا کر لینے کے لئے اس واسطے فرمایا کہ لوگ نماز سے جلدی فارغ ہو کر قربانی وغیرہ میں مشغول ہو جائیں۔ اس طرح عید کی نماز تاخیر سے ادا کرنے کے لئے اس واسطے فرمایا کہ لوگ نماز سے پہلے صرفہ فطر ادا کریں۔

چاند کی شہادت زوال کے بعد آئے تو عید کی نماز دوسرے دن پڑھی جائے

(۲۵) وَعَنْ أَبِي عَمِيرٍ بْنِ أَنَسٍ عَنْ عُمُومَةٍ لَهُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ زَكْنِبًا جَاءَتْهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْهَدُونَ أَنَّهُمْ رَأَوْا الْهَلَالَ بِالْأَنْسِ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَقْطُرُوا وَإِذَا أَضْبَحُوا أَنْ يَقْطُرُوا إِلَى مُصَلَّاهُمْ - (رواه البورذوذو والنسائي)

”اور حضرت عمیر بن انس اپنے چچاؤں سے جو نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے تھے، نقل کرتے ہیں کہ ”ایک قافلہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ شہادت دی کہ انہوں نے کل عید کا چاند دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کو افطار کا حکم دیا اور فرمایا کہ صبح عید گاہ جائیں۔“ (البورذوذو والنسائی)

تشریح: رمضان کی تیسویں شب یعنی انیس تاریخ کو اہل مدینہ نے عید کا چاند نہیں دیکھا چنانچہ انہوں نے تیس تاریخ کو روزہ رکھا۔ اتفاق سے اسی روز ایک قافلہ باہر سے مدینہ آیا اور اس نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اس بات کی شہادت دی کہ ہم نے کل چاند دیکھا۔ آپ ﷺ نے اس قافلہ کی شہادت کو مانگے ہوئے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ افطار کر دیں۔ اور چونکہ چاند ہونے کی یہ شہادت زوال آفتاب کے بعد آئی تھی اور نماز عید کا وقت نہ رہا تھا۔ جیسا کہ ایک روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ انہم قدموا اخر النهار (یعنی قافلہ دن کے آخری حصہ میں مدینہ پہنچا تھا) آپ ﷺ نے نماز عید کے بارہ میں یہ حکم دیا کہ کل صبح ادا کی جائے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا اسی پر عمل ہے کہ آفتاب بلند ہونے کے بعد نماز عید کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور زوال آفتاب تک رہتا ہے۔ شرح منیہ میں لکھا کہ ”اگر کوئی ایسا عذر پیش آجائے جو عید الفطر کے روز زوال آفتاب سے پہلے نماز عید کی ادائیگی کے لئے مانع ہو تو عید کی نماز اس روز پڑھنے کی بجائے دوسرے روز زوال آفتاب سے پہلے ادا کر لی جائے۔ اگر دوسرے دن بھی کوئی عذر نماز کی ادائیگی کے لئے مانع ہو تو پھر نماز نہ پڑھی جائے۔“

بخلاف بقر عید کی نماز کے کہ اگر اس کی ادائیگی کے لئے کوئی عذر پہلے اور دوسرے روز مانع ہو تو تیسرے روز بھی اس کی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ ویسے بقر عید کی نماز میں بلا عذر بھی دوسرے یا تیسرے دن تک تاخیر جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

عیدین کی نماز میں اذان و تکبیر نہیں ہے

(۲۶) عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْأَضْحَى ثُمَّ سَأَلْتُهُ يُعْنِي عَطَاءٌ بَعْدَ جَنِينَ عَنْ ذَلِكَ فَأَخْبَرَنِي قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ لَأَذَانَ لِلصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ جَنِينَ يَخْرُجُ الْإِمَامُ وَلَا بَعْدَ مَا يَخْرُجُ وَلَا إِقَامَةً وَلَا نِدَاءً وَلَا شَيْءَ لَا نِدَاءَ يَوْمَئِذٍ وَلَا إِقَامَةً - (رواه مسلم)

”ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ عطاؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابر ابن عبد اللہؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ”نہ تو عید کے دن (نماز عید کے لئے) اذان دی جاتی تھی اور نہ بقر عید کے دن“ ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ ”کچھ مدت کے بعد پھر میں نے دوبارہ عطاء سے یہی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ”مجھے حضرت جابر ابن عبد اللہؓ نے بتایا ہے کہ عید کے دن نماز عید کے لئے اذان نہیں ہے نہ تو امام کے باہر آنے کے وقت اور نہ امام کے باہر آ جانے پر، اور نہ تکبیر ہے اور نہ نداء ہے اور نہ کچھ اور، اس دن نہ نداء ہے نہ تکبیر۔“ (مسلم)

تشریح: ابن جریجؒ نے یا تو عطاء سے دوبارہ اس مسئلہ کی تفصیل معلوم کی ہوگی یا بعینہ وہی مسئلہ پوچھا ہوگا۔ بہر حال عطاء نے دوسری مرتبہ

کے بواب میں صرف عید الفطر کا ذکر کیا عید الاضحیٰ کا نہیں، وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ یہ سمجھے کہ صرف عید الفطر کا ذکر کر دینا ہی کافی ہے سائل عید الفطر پر عید الاضحیٰ کو بھی قیاس کر لے گا۔

”نداء“ سے ”الصلوۃ والصلوۃ“ یا اس طرح کہ دوسرے الفاظ جو نماز کی اطلاع دینے کے لئے استعمال کئے جائیں کہنا مراد ہے ”لائداء“ کے بعد لفظ ”لاشی“ لائداء کی تاکید کہ لئے لایا گیا ہے، پھر اس کے بعد حدیث کے آخری الفاظ لائداء ایو منذ ولا اقامۃ بھی تاکید کے لئے دوبارہ استعمال کئے گئے ہیں۔ (شیخ عبدالحق)

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ لفظ ”لائداء“ اول سے آخر تک پہلے جملہ کی تاکید ہے اور مناسب یہ ہے کہ لفظ نداء سے اذان مراد لی جائے کیونکہ عیدین کے موقع پر اذان و تکبیر کی بجائے الصلوۃ جامعہ پکار کر کہنا تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ گویا حضرت شیخ عبدالحقؒ کے قول کے مطابق حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ عیدین کی نماز کے لئے جس طرح اذان و تکبیر مشروع نہیں ہے اسی طرح نماز کی اطلاع کے لئے کوئی اور لفظ مثلاً ”الصلوۃ جامعہ“ پکارنا بھی مشروع نہیں ہے جب کہ حضرت ملا علی قاریؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ عیدین کی نماز میں اذان و تکبیر تو مشروع نہیں ہاں نماز کی اطلاع دینے کے لئے نداء یعنی ”الصلوۃ جامعہ“ پکار کر کہنا مستحب ہے۔

لہذا ان دونوں اقوال کے باہم اختلاف و تضاد کو اس تطبیق کے ذریعہ ختم کیا جائے حضرت شیخؒ نے نداء کی جو افنی کی ہے وہ عید گاہ کے اندر بطریق التزام کے ہے یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ اول تو عید گاہ کے اندر اور دوسرے بطریق التزام نداء نہ دی جائے اور حضرت ملا علی قاریؒ نے نداء کو جو مستحب لکھا ہے تو اس کا تعلق عید گاہ سے باہر اور کبھی کبھی کہنے سے ہے یعنی ”الصلوۃ جامعہ“ عید گاہ سے باہر اور کبھی کبھی پکار کر کہنا مستحب ہے۔ واللہ اعلم۔

عیدین میں خطبہ نماز کے بعد پڑھنا چاہئے

(۲۷) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخْرُجُ يَوْمَ الْأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ فَيَبْدَأُ بِالصَّلَاةِ فَإِذَا صَلَّي صَلَاتَهُ قَامَ فَأَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَهُمْ جُلُوسٌ فِي مَضَلٍّ هُمْ فَإِنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ يَبْعَثُ ذَكْرَةً لِلنَّاسِ أَوْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ يَغَيِّرُ ذَلِكَ أَمْرَهُمْ بِهَا وَكَانَ يَقُولُ تَصَدَّقُوا تَصَدَّقُوا تَصَدَّقُوا وَكَانَ أَكْثَرُ مَنْ يَتَصَدَّقُ التَّبَسُّؤُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَلَمْ يَزَلْ كَذَلِكَ حَتَّى كَانَ مَرُوءَانِ لِي الْحَكِيمَ فَيَخْرُجُ مَخَاصِرَ امْرُؤَانِ حَتَّى آتَيْنَا الْمُصَلَّى فَإِذَا كَثِيرٌ مِنَ الصَّلَاتِ قَدْ بَنَى مِثْرًا مِنْ طِينٍ وَلَبِنٍ فَإِذَا امْرُؤَانِ يَتَارِعَانِ يَذُكُّهُ كَأَنَّهُ يَخْزِي نَحْوَ الْمَنَسْرِ وَأَنَا أَجْزُهُ نَحْوَ الصَّلَاةِ فَلَمَّا رَأَيْتُ ذَلِكَ مِنْهُ قُلْتُ أَيْنَ الْإِبْدَاءُ بِالصَّلَاةِ فَقَالَ لَا يَا أَبَا سَعِيدٍ قَدْ تَرَكْتُ مَا تَعَلَّمْتُ قُلْتُ كَلَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَأْتُونَ بِخَيْرٍ مِمَّا أَعَلَّمْتُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ انْصَرَفَ۔ (رواه مسلم)

”اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور بقر عید کے دن (عید گاہ) جاتے تو پہلے نماز شروع کرتے جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو (خطبہ کے لئے) کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے، لوگ اپنی نماز کی جگہ بیٹھے رہتے چنانچہ اگر آپ ﷺ کو کہیں لشکر بھیجا ہوتا تو (اس وقت) لوگوں کے سامنے اس کا ذکر فرماتے (اور لشکر بھیجے) یا لوگوں کی کوئی اور حاجت ہوتی (یعنی مسلمانوں کے قائد کی کوئی بات ہوتی) تو اس کے بارہ میں حکم فرماتے اور آنحضرت ﷺ (اپنے خطبہ کے دوران) یہ فرمایا کرتے تھے صدقہ دو، صدقہ دو، صدقہ دو، چنانچہ عورتیں زیادہ صدقہ و خیرات دیا کرتیں تھیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ اپنے مکان واپس تشریف لاتے (آپ ﷺ کے مبارک زمانہ اور آپ ﷺ کے بعد چاروں خلفاء کے دور خلافت میں نیز اس کے بعد تک بھی) یہی معمول جاری رہا (کہ خطبہ نماز کے بعد ہوتا اور خطبہ منبر پر نہیں بلکہ زمین ہی پر کھڑے ہو کر پڑھا جاتا رہا) یہاں تک کہ (امیر معاویہؓ کی جانب سے مدینہ کا حکم) مروان ابن ابی حکم مقرر ہوا (ایک مرتبہ عید کے دن) میں مروان ابن حکم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے عید گاہ آیا (جب ہم عید گاہ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں کثیرا میں صلت نے

مٹی اور مٹی ایٹ کا منبر بنا رکھا تھا۔ اچانک مروان مجھے اپنے ہاتھ کے سامنے کھینچنے لگا گویا وہ مجھے منبر کی طرف کھینچ رہا تھا (تاکہ نماز سے پہلے خطبہ پڑھے) اور میں اس کو نماز کی طرف کھینچ رہا تھا (تاکہ وہ پہلے نماز پھر خطبہ پڑھے) جب میں نے یہ دیکھا کہ وہ پہلے خطبہ پڑھنے پر مصر ہے تو میں نے کہا کہ عید کی نماز پہلے پڑھنے کا وہ فعل کہاں ہے؟ (جس پر آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانہ سے عمل ہوتا چلا آیا ہے) مروان نے کہا کہ ”ابوسعیدؓ! جھگڑا نہ کرو، جس بات کو تم جانتے ہو اب وہ متروک ہے (یعنی میں نے معلومت کے پیش نظر خطبہ سے پہلے نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے اور معلومت یہ ہے کہ اگر خطبہ نماز کے بعد پڑھا جائے گا تو لوگ اٹھ اٹھ کر جانے لگیں گے) میں نے کہا کہ ہرگز نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جو چیز میں جانتا ہوں تم اس سے بہتر چیز لایا نہیں سکتے“ میں نے یہ بات تین مرتبہ اس سے کہی۔ پھر مروان کے اس فعل کی وجہ سے (ابوسعیدؓ! عید گاہ سے) اچلے گئے (اور جماعت میں شریک نہیں ہوئے۔) ”اسلم“

تشریح: صدقہ و خیرات یعنی اللہ کے نام پر اپنا مال خرچ کرنے کی جو اہمیت و فضیلت ہے اس کے پیش نظر آپ ﷺ اپنے خطبہ میں لفظ تعدد تو تین مرتبہ تاکید فرمایا کرتے تھے، یا یہ کہ تین مرتبہ فرماناتین حالتوں کی طرف اشارہ ہے ① صدقہ دو اپنی زندگی کے واسطے۔ ② صدقہ دو اپنی موت کے لئے۔ ③ اور صدقہ دو اپنی آخرت کے لئے۔

”مخاصر“ دو شخصوں کے اس طرح باہم ہاتھ پکڑے ہوئے چلنے کو کہتے ہیں کہ ہر ایک کا ہاتھ دوسرے کے کولھے کے قریب ہو۔

مروان ابن حکم ۴۲ھ میں پیدا ہوا تھا مگر اسے آنحضرت ﷺ سے شرف زیارت حاصل نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح کثیر ابن صلت کے بارہ میں بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی پیدائش بھی آنحضرت ﷺ ہی کے زمانہ مبارک ہی میں ہوئی تھی۔ چنانچہ اسی وجہ سے صاحب جامع الاصول نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے جب کہ بعض متقیین نے انہیں تابعی کہا ہے۔ ان نام کان عید گاہ کے قریب تھا انہوں نے عید گاہ میں منبر بنایا تھا تاکہ عیدین کا خطبہ اس پر کھڑے ہو کر پڑھا جائے بیساکہ بعد کا خطبہ منبر پر کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے۔ لہذا اظہار حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے مروان ابن حکم نے عید گاہ میں منبر بنوایا ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ ثم انصرف کے یہ معنی بھی محتمل ہو سکتے ہیں کہ مروان منبر کی طرف آیا تاکہ خطبہ پڑھے اور اس نے حضرت ابوسعیدؓ کی یہ بات نہ مانی کی پہلے نماز پڑھی جائے پھر خطبہ پڑھا جائے۔

عیدین کی نماز کا طریقہ: عیدین کی نماز دو رکعت ہے جس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا نیت کر کے اور تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لے پھر سبحانک اللہم پڑھ کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہے اور ہر مرتبہ مثل تکبیر تحرید کے دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور تکبیر کے بعد لٹکادے اور ہر تکبیر کے بعد اتنی دیر توقف کرے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں۔ تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائے بلکہ ہاتھ باندھ لے اور اعوذ باللہ، بسم اللہ، پڑھ کر سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورہ پڑھ کر رکوع و سجدہ کر کے کھڑا ہو۔ پھر دوسری رکعت میں پہلے سورہ فاتحہ اور دوسری سورہ پڑھ لے اس کے بعد تین تکبیریں اس طرح کہ جس طرح پہلی رکعت میں سبحانک اللہم پڑھ کر کہی تھی۔ لیکن یہاں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے بلکہ لٹکائے رکھے اور پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے اور نماز پوری کرے۔ نماز کے بعد امام کو چاہئے کہ وہ منبر پر کھڑے ہو کر دو خطبے پڑھے۔ عید الفطر کے خطبہ میں صدقہ فطر کے احکام و مسائل بیان کرے اور عید الاضحیٰ کے خطبہ میں قربانی اور تکبیر تشریق کے احکام بیان کرے۔

تکبیر تشریق یعنی ہر فرض نماز کے بعد فرض نماز پڑھنے والے کے لئے ایک مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد کہنا واجب ہے۔ یہ تکبیر عرفہ یعنی ذوالحجہ کی نویں تاریخ کی فجر سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک کہنا چاہئے۔ یہ تکبیر عورت اور مسافر پر واجب نہیں۔ ہاں اگر یہ لوگ کسی ایسے شخص کی مقتدی ہوں جن پر تکبیر کہنا واجب ہے تو ان پر بھی تکبیر واجب ہو جائے گی۔ (علم الفقہ)

بَابُ فِي الْأُضْحِيَّةِ قربانی کا بیان

حنفی مسلک میں قربانی ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو عقیم اور غنی ہو یعنی نصاب کا مالک ہو اگرچہ نصاب نامی نہ ہو حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک قربانی سنت موکدہ ہے حضرت امام احمدؒ کا بھی مشہور اور مختار قول یہی ہے۔

الفصل الأول

قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہئے

① عَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَبَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ وَسَفَّحَى وَكَثَّرَ قَالَ رَأَيْتُهُ وَاضِعًا قَدَمَهُ عَلَى صِفَاحِهِمَا يَقُولُ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ - (بخاری علیہ)

”حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے دو دونوں کی جو سیٹگوں والے (یعنی جن کے سیٹگ لمبے تھے یا یہ کہ سیٹگ ٹوٹے ہوئے نہ تھے) اور ابلق (یعنی سیاہ رنگ کے) تھے قربانی کی۔ آپ ﷺ نے بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر (خود) اپنے ہاتھ سے انہیں ذبح کیا۔“ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ان کے پہلو (یا گلے) پر پاؤں رکھے، دوٹکے تھے اور بسم اللہ واللہ اکبر کہتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ اگر وہ ذبح کے آج جاتا ہو تو قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے ورنہ بصورت دیگر اپنی طرف سے کسی دوسرے شخص سے ذبح کرائے اور خود وہاں موجود رہے۔ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا (یعنی بسم اللہ کہنا) حنفیہ کے نزدیک شرط ہے اور تکبیر کہنی (یعنی واللہ اکبر کہنا) تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ ویقول بسم اللہ واللہ اکبر میں اس طرف اشارہ ہے کہ لفظ واللہ اکبر والہ کے ساتھ کہنا افضل ہے۔ ذبح کے وقت درود پڑھنا جبکہ علماء کے نزدیک مکروہ ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے۔

قربانی کے ذبیحہ کی حالت

② وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ بَظَافَتَيْنِ سَوَادٍ وَبِظَافَتَيْنِ سَوَادٍ فَأَتَتْهُنَّ بِهِ لِيُضْحِيَ بِهِ قَالَ يَا عَائِشَةُ هَلَسَ لِسَانُهُ ثُمَّ قَالِ الشَّجْدَتَيْنِ بِحَجَرٍ فَقَعَلْتُ ثُمَّ أَخَذَهَا وَأَخَذَ الْكَبْشَ فَأَضَجَعُهُ ثُمَّ ذَبَحَهُ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٌ ثُمَّ ضَحَّى بِهِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (قربانی کے لئے) ایک ایسے سیٹگ دار ذبیحہ کے لئے حکم دیا جو سیاہی میں چلتا ہو (یعنی اس کے پاؤں سیاہ ہوں) سیاہی میں بیٹھتا ہو (یعنی اس کا بیٹھنا اور سینہ سیاہ ہو) اور سیاہی میں دیکھتا ہو (یعنی اس کی آنکھوں کے گرد سیاہی ہو) چنانچہ (جب) آپ کے لئے قربانی کے واسطے آیا ذبیحہ لایا گیا (تو) فرمایا کہ ”عائشہ! چھری لاؤ (جب چھری لائی تو) پھر فرمایا کہ اسے پھر پر گڑ کر تیز کرو، میں نے چھری تیز کی، آپ ﷺ نے چھری لی اور ذبیحہ کو پکڑ کر اسے لٹایا پھر جب اسے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو یہ فرمایا کہ اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ (یعنی اے اللہ! اے محمد ﷺ، آل محمد ﷺ اور امت محمدیہ ﷺ) کی طرف سے قبول فرما) پھر اسے ذبح کر دیا۔“ (مسلم)

تشریح: جب جانور کو ذبح کیا جا رہا ہو اس کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عمر فاروقؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں

نے ایک ایسے شخص کو ورے سے مارا تھا جس نے ایسا کیا تھا۔ اسی طرح ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے۔
آنحضرت ﷺ نے ذبح کرتے وقت جو الفاظ ارشاد فرمائے اس سے مراد صرف ثواب میں اُمت کو شریک کرنا تھا نہ یہ کہ آپ ﷺ نے سب کی طرف سے قربانی کی تھی کیونکہ ایک دنبہ یا ایک بکری کی قربانی کئی آدمیوں کی طرف سے درست نہیں ہے۔

کس عمر کے جانور کی قربانی کرنی چاہئے؟

③ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً إِلَّا أَنْ يَغْتَسِرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوا جَذْعَةً مِنَ الضَّأْنِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”تم (قربانی میں صرف) مسنہ جانور ذبح کرو، ہاں اگر مسنہ نہ پاؤ تو پھر دنبہ بھیڑ کا جڑعہ ذبح کر لو۔“ (مسلم)

تشریح: مسنہ یا جڑعہ کسی خاص جانور کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک اصطلاح ہے جو قربانی کے جانور کی عمر کے سلسلہ میں مستعمل ہوتی ہے۔ چنانچہ سنی مسلک کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے کہ اونٹوں میں وہ اونٹ مسنہ کہلاتا ہے جو پورے پانچ سال کی عمر کا ہو اور چھ برس میں داخل ہو چکا ہو۔ کائے، بھینس اور بیل میں مسنہ اسے کہتے ہیں جو پورے دو سال کی عمر کا ہو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ بھیڑ اور دنبہ میں مسنہ وہ ہے جو اپنی عمر کا پورا ایک سال گزار کر دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ لہذا ان جانوروں میں قربانی کے لئے جانور کا مسنہ ہونا ضروری ہے۔ ہاں دنبہ اور بھیڑ اگر جڑعہ بھی ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ جڑعہ بھیڑ یا دنبہ کا وہ بچہ کہلاتا ہے جس کی عمر ایک برس سے تو کم ہو مگر چھ مہینہ سے زیادہ ہو۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ جڑعہ کی قربانی اس صورت میں جائز ہوگی جب کہ وہ اتنا فربہ ہو کہ اگر اسے مسنہ کے ساتھ کھڑا کر دیا جائے تو دور سے دیکھنے والوں سے بھی مسنہ گمان کرے اگر وہ یہ نہ ہو بلکہ چھوٹا ہو اور دیکھا جائے تو اس کی قربانی درست نہیں۔

بظاہر حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مسنہ بچہ نہ پہنچے یا اس کی قیمت میسر نہ ہو تو جڑعہ کی قربانی درست ہے ورنہ بصورت دیگر اس کی قربانی درست نہیں ہوگی۔ بلکہ فقہاء کہتے ہیں کہ یہ استحباب پر محمول ہے یعنی مستحب تو یہی ہے کہ اگر مسنہ مل جائے اور اس کے خریدنے کی استطاعت ہو تو جڑعہ کی قربانی نہ کرے۔ ویسے اگر مسنہ ہوتے ہوئے بھی کوئی جڑعہ کی قربانی کرے گا تو درست ہوگی۔“

بکری کے بچے کی قربانی

④ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَمْرٍاءَ النَّسَبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ عَنَّمَا يَقْبَلُهَا عَلَى صَحَابَتِهِ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَنُودٌ فَذَكَرَهُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَحَّحَ بَه - (مشق علیہ)

”اور حضرت عثمانؓ ابن عامرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں بکریوں کا ایک ریوڑ دیا تاکہ وہ اسے صحابہ میں بطریق قربانی کے تقسیم کر دیں چنانچہ (انہوں نے تقسیم کر دی) تقسیم کے بعد بکری کا ایک بچہ باقی رہ گیا، انہوں نے اس کے بارہ میں آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کی قربانی تم کر لو“ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے دنبہ کا ایک بچہ ملا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کی قربانی کر لو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ”عنود“ بکری کے اس بچے کو کہتے ہیں جو مونا تازہ ہو اور ایک سال کی عمر کا ہو۔ لہذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری کے ایک سال کے بچے کی قربانی جائز ہے چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”عتود“ بکری کے اس بچے کو کہتے ہیں جو چھ مہینے سے زیادہ کا ہو اس صورت میں یہ حکم صرف عقبہ ابن عاصر کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ دوسروں کے لئے عتود کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔ ”بزعمہ“ کے بارہ میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے۔ یعنی ذنب کا وہ بچہ جو چھ مہینے سے زیادہ کا ہو۔“

عید گاہ میں قربانی افضل ہے۔

⑤ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُضَلَّى - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عید گاہ میں قربانی کے جانور کو ذبح اور نحر کیا کرتے تھے۔“ (بخاری)

تشریح: باب صلوٰۃ العیدین کی پہلی فصل کے آخر میں ذبح اور نحر کے معنی اور ان کے باہم فرق کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ عید گاہ میں قربانی کرنا افضل ہے۔

قربانی کے حے

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْتَفَرُّةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْحَزُّوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ - (رواہ مسلم و ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”قربانی کے لئے ایک گائے اور ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔“ (مسلم ابوداؤد)

قربانی کرنے والے کے لئے کچھ ہدایتیں

⑦ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَازْدَبَعُكُمْ أَنْ يُصْحَى وَلَا يَمْشِ مِنْ شَعْرِهِ وَبَشَرِهِ شَيْئًا وَفِي رِوَايَةٍ فَلَا يَأْخُذْنَ شَعْرًا وَلَا يَقْلِمْنَ ظُفْرًا وَفِي رِوَايَةٍ مِنْ زَايٍ هَلَالٌ ذِي الْحَجَّةِ وَازْدَانٌ يُصْحَى فَلَا يَأْخُذْنَ مِنْ شَعْرِهِ وَلَا مِنْ أَظْفَارِهِ - (رواہ مسلم)

”اور حضرت ام سلمہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے تو تم میں سے جو شخص قربانی کر سنے کا ارادہ کرے وہ (اس وقت تک کہ قربانی نہ کرے) اپنے بال اور ناخن بالکل نہ کتروائے۔“ ایک روایت میں یوں ہے کہ ”نہ بال کٹوائے اور نہ ناخن کتروائے۔“ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جو شخص بقر عید کا چاند دیکھے اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ (قربانی کر لینے تک) اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائے۔“ (مسلم)

تشریح: بقر عید کا چاند دیکھ لینے کے بعد قربانی کر لینے تک بال وغیرہ کٹوانے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے تاکہ احرام والوں کی مشابہت حاصل ہو جائے۔ لیکن یہ ممانعت تنزیہی ہے لہذا بال وغیرہ کا نہ کٹوانا مستحب ہے اور اس کے خلاف عمل کرنا ترک اولیٰ ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔“

عشرہ ذی الحجہ کے نیک اعمال کی فضیلت

⑧ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ آيَاتِمُ الْعَمَلِ الصَّالِحِ فِيْهِمْ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ وَلَا جِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا جُلُ خُورَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَزَجْ مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ - (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”دنوں میں کوئی دن نہیں ہے جس میں نیک عمل کرنا خدا کے نزدیک ان

دس دنوں (ذی الحجہ کے پہلے عشرہ) سے زیادہ محبوب ہو۔ ”صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا (ان ایام کے علاوہ دوسرے دنوں میں) خدا کی راہ میں جہاد کرنا بھی (ان دنوں کے نیک اعمال کے برابر) نہیں ہے؟ فرمایا ہاں! اس شخص کا جہاد جو اپنی جان و مال کے ساتھ (خدا کی راہ میں لڑنے) نکلا اور پھر واپس نہ ہوا (ان دنوں کے نیک اعمال سے بھی زیادہ افضل ہے)۔“ بخاری،

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر جہاد ایسا ہو جس میں مال و جان سب خدا کی راہ میں قربان ہو جائے اور جہاد کرنے والا مرتبہ شہادت پا جائے تو وہ جہاد البتہ خدا کے نزدیک ان دس دنوں کے نیک اعمال سے بھی زیادہ محبوب ہے کیونکہ ثواب نفس کشی و مشقت کے بقدر ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کی راہ میں اپنی جان اور اپنا مال قربان کر دینے سے زیادہ نفس کشی و مشقت کیا ہو سکتی ہے؟

چونکہ رمضان کے نیک اعمال کی بھی بہت زیادہ فضیلت و عظمت بیان کی گئی ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کی مراد یہ ہو کہ ان دنوں کے نیک اعمال ایام رمضان کے نیک اعمال سے علاوہ دوسرے دنوں کے نیک اعمال سے زیادہ محبوب ہیں یا رمضان کے نیک اعمال اس حیثیت سے سب سے زیادہ محبوب ہیں کہ ان دنوں میں فرض روزے رکھے جاتے ہیں۔ اور بہت زیادہ برگزیدہ و مقدس ترین شب یعنی لیلۃ القدر بھی رمضان ہی میں آتی ہے اور ذی الحجہ کے پہلے مشروب اعمال اس اعتبار سے سب سے زیادہ محبوب ہیں کہ بہت زیادہ برگزیدہ اور با عظمت و فضیلت دن یعنی ”عرقہ“ انہیں دنوں میں آتا ہے۔ اعمال حج بھی انہیں ایام میں ہوتے ہیں۔“

الفصل الثانی

قربانی کے وقت کی دعا

⑨ وعن جابر قال ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح کثیفین اقرنین افلحین مؤخوینین فلما وُجِّهَ فہما قال ابی وجہتی للذبی فظہر المسلمون والارض علی علة ابراہیم خبیثاً وما انا من المشرکین انی صلاتی ولنسکی ومحتای ومماتنی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا من المسلمین اللہم منک ولک عن محمد وأحبہ بسم اللہ واللہ اکبر ثم ذبح ذواؤہ احمداً والبراء ذواؤہ ابی ماجعہ والذامی وفی رواية لأحمد وأبى داؤد والترمذی ذبح بنده وقال بسم اللہ واللہ اکبر اللہم هذا عتق وعمن لم یضح من امیئ۔

”حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ذبح کے دن اپنی میدان قربان کے دن اور دو بے جوئیگ دار، اہل حق اور فحش تھے ذبح کرنے چاہے تو ان کو قبلہ رخ کیا اور یہ پڑھا۔ یعنی میں اپنا منہ اس ذات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس حال میں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں جو توحید کو مانتے والے تھے اور میں بھی مشرکین میں سے نہیں ہوں بلاشبہ میری نماز، میری تمام عبادتیں، میری زندگی اور میری موت (سب آپہ) اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں اے اللہ ایہ قربانی تیری عطا سے ہے اور خالص تیری ہی رضا کے لئے ہے تو اس کو محمد ﷺ اور اس کی امت کی جانب سے قبول فرما ساتھ نام اللہ کے اور اللہ بہت بڑا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ذبح کیا۔ ”(احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) نیز احمد، ابوداؤد اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ نے (دونوں دے) اپنے ہاتھ سے ذبح کئے ہیں کہا بسم اللہ واللہ اکبر، اے اللہ ایہ قربانی میری جانب سے ہے اور میری امت کے ہر اس فرد کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی۔“

تشریح: فحش سے مراد وہ ہے جس کے پیٹھے کوٹ کر اس کی شہوت ختم کر دی جاتی تھی اس کی قربانی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ایسا فحش قرعہ ہوتا ہے اور اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے۔

وَمَا اَنَا مِنَ الْمَشْرِكِينَ (اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں، اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آنحضرت ﷺ نبوت لئے

سے پہلے کس شریعت کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے؟ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ نبوت ملنے سے پہلے آپ ﷺ کی عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق ہوتی تھی، بعض علماء کا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق اور بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق آپ عبادت کیا کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں صحیح قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کسی بھی شریعت کے مطابق عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی فہم اور اپنے وجدان کے موافق آپ ﷺ اپنی عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ البتہ یہ بات بالکل اجماعی طور پر محقق اور ثابت ہے کہ آپ ﷺ زندگی کے کسی بھی دور میں بت پرستی کی نجاست میں ملوث نہیں ہوئے۔ اب سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عبادت کس نوع اور کس طریقہ کی تھی؟ تو اس کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ وہ غیر معلوم ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپ ﷺ اس وقت کسی طرح عبادت کرتے تھے؟

عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمِّهِ فِي مَشَارِكَةِ يَتُوبُابٍ بِمَحْمُولٍ بِعَيْنِي أَنَّهُ خَضَعَتْ ﷺ لِنَزْعِ الْوَقْتِ فِيهِ الْفَاطِمَةُ كَرِيبَانِي كَثُوبِ
میں اپنی اہمیت کو بھی شریک فرمایا۔ یا اسے حقیقت پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے مگر اس صورت میں کہا جائے گا یہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ ”اس سلسلہ میں واضح ترین بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دنیہ تو اپنی طرف سے قربان کیا اور دوسرے دنیہ کی قربانی اتنی کی طرف سے کی۔“

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر قربانی کرنے والا نزع کرنے پر قادر ہو تو اس کے لئے اپنے ہاتھ سے قربانی کا جانور نزع کرنا مستحب ہے اگرچہ عورت ہی کیوں نہ ہو۔“

میت کی طرف سے قربانی جائز ہے

⑩ وَعَنْ حَنْسِ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضْحِي بِكَتَبَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ مَا هَذَا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَوْصَانِي أَنْ أَضْحِي عَنْهُ فَإِنَّا أَضْحِي عَنْهُ۔ (رواہ ابوداؤد و ابوالترمذی)

”اور حضرت حنظل فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دو دنبے قربانی کرتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ یہ کیا؟ انہی سب ایک دنیہ کی قربانی کافی ہے تو دو دنبوں کی قربانی کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ (ان کے وصال کے بعد) میں ان کی طرف سے قربانی کروں لہذا میں ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔“ (ابوداؤد و ترمذی)

تشریح: اس سلسلہ میں دونوں ہی احتمال ہیں یا تو حضرت علیؑ اپنی قربانی کے علاوہ دوسرے آنحضرت ﷺ کی طرف سے قربان کرتے ہوں گے جیسا کہ آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں دو دنبوں کی قربانی کرتے تھے، یا پھر یہ کہ حضرت علیؑ ایک دنیہ کی قربانی تو اپنی طرف سے کرتے ہوں گے اور ایک دنیہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کا یہ ہمیشہ کا معمول تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہر سال قربانی کرتے تھے۔

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اگرچہ بعض علماء نے اسے جائز نہیں کہا ہے۔ ابن مبارکؒ کا قول یہ ہے کہ ”میں اسے پسند کرتا ہوں کہ میت کی طرف سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اس کی طرف سے قربانی نہ کی جائے، ہاں اگر میت کی طرف سے قربانی کی ہی جائے تو اس کا گوشت بالکل نہ کھایا جائے بلکہ سب کا سب اللہ کے نام پر تقسیم کر دیا جائے

عیب دار جانور کی قربانی نہ کرنی چاہئے

⑪ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَمَرَ نَارَسُؤْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْأَذْنَ وَأَنْ لَا تُضْحِيَ بِمُقَابِلَةٍ وَلَا
مُذَابِرَةٍ وَلَا شَرْقَاءَ وَلَا عَرْقَاءَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ دَاوُدَ وَالتَّيَمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهُ إِلَى قَوْلِهِ

وَالْأَذْنَ-

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم (قربانی کے جانور کے) آنکھ اور کان کو خوب اچھی طرح دیکھ لیں (کہ کوئی ایسا عیب اور نقصان نہ ہو جس کی وجہ سے قربانی درست نہ ہو اور یہ حکم بھی دیا ہے کہ ہم اس جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان اگلی طرف سے یا پچھلی طرف سے کٹا ہوا ہو اور نہ اس جانور کی جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے اور گولائی میں پھٹے ہوئے ہوں۔“ یہ روایت ترمذی ابوداؤد، نسائی، دارمی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے لیکن ابن ماجہ کی روایت لفظ ”وَالْأَذْنَ“ پر ختم ہو گئی ہے۔“

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس بکری کی قربانی جائز نہیں ہے جس کا کان تھوڑا سا بھی کٹا ہوا ہو جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اگر کان آدھے سے کم کٹا ہوا ہو۔“

حضرت امام طحاوی حنفیؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت امام شافعیؒ کا عمل اس حدیث پر ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے جو بہت جامع ہے کیونکہ اس مسلک سے اس حدیث میں اور قنادہؒ کی حدیث میں تطبیق ہو جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”حضرت قنادہؒ حضرت ابن کلیب سے یہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عضبائے قرن واذن (کی قربانی) سے منع فرمایا ہے۔“ قنادہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید ابن مسیبؒ سے پوچھا کہ ”یہ عضبائے اذن کیا ہے؟“ تو انہوں نے فرمایا کہ جس کا کان آدھایا آدھے سے زیادہ کٹا ہوا ہو۔

حنفیہ کے نزدیک کیسے جانور کی قربانی جائز نہیں؟ اس مسئلہ میں حنفیہ مسلک ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ”ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے جس کا کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو۔“ ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں ہے جس کے کان پیدائشی نہ ہوں، اسی طرح ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں جس کی دم اور ناک تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹی ہوئی ہو، جو جانور اندھایا کانا ہو یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو تو اس کی قربانی بھی جائز نہیں ہے، جس جانور کے تھن خشک ہو گئے ہوں اس کی قربانی بھی درست نہیں اور ایسے جانور کی بھی درست نہیں جس میں مغز نہ رہا ہو اور نہ ایسے لنگڑے کی جو قربانی کی جگہ تک نہ جاسکے اور نہ ایسے بیمار جو گھاس نہ کھا سکے نہ ایسے جانور کی جس کے خارش ہو، نہ بغیر دانت کے جانور کی نجاست خور جانور کی، ہاں ایسے جانور کی قربانی درست ہے جس کا کان لمبائی میں یا اس کے منہ کی طرف سے پھٹ جائے اور لٹکا ہوا ہو یا پیچھے کی طرف پٹھا ہوا، اس صورت میں کہا جائے گا یہ حدیث کہ جس سے ایسے جانور کی قربانی کی ممانعت معلوم ہو رہی ہے نہی تنزیہی پر محمول ہے۔

(۱۲) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُضَحَّى بِأَعْضَابِ الْقَرْنِ وَالْأَذْنِ - (رواہ ابن ماجہ)
”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ہم ایسے جانور کی قربانی کریں جس کے سیگہ لوٹے ہوئے اور کان کٹے ہوئے ہوں۔“ (ابن ماجہ)

تشریح: حنفی مسلک میں ایسے جانور کی قربانی جائز و درست ہے جس کے پیدائشی سے سیگہ نہ ہوں یا لوٹے ہوئے ہوں یا ان کا خول اتر گیا ہے لہذا یہ حدیث نہی تنزیہی پر محمول کی جائے گی۔ البتہ ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہوگی جس کے سیگہ بالکل جڑ سے لوٹ گئے ہوں۔

(۱۳) وَعَنْ التَّوَّابِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّلَ مَاذَا يَنْتَقِي مِنَ الضَّحَايَا فَأَشَارَ بِيَدِهِ فَقَالَ أَرَبَعًا أَلْعَرَجَاءَ النَّبِينَ ظُلْعَهَا وَالْعَوْرَاءَ النَّبِينَ عَوْرَتَهَا وَالْمَرِيضَةَ النَّبِينَ مَرَضَهَا وَالْعَجْفَاءَ الَّتِي لَا تَنْتَقِي - (رواہ مالک و احمد و الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

”اور حضرت براء ابن عابدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیسے جانور کی قربانی لائق نہیں؟ تو آپ نے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ چار طرح کے جانور قربانی کے قابل نہیں۔ ① انگڑا۔ جس کا ننگرا پن ظاہر ہو یعنی جو چل نہ سکے۔ ② کاناجس کا کان پن ظاہر ہو یعنی ایک آنکھ سے بالکل دکھائی نہ دیتا ہو یا تہائی یا تہائی سے زیادہ روشنی جاتی رہی ہو۔ ③ پیار۔ جس کی بیماری ظاہر ہو یعنی جو بیماری کی وجہ سے گھاس نہ کھا سکے۔ ④ ایسا دیکھا کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔“ (مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

فریہ جانور کی قربانی بہتر ہے

⑫ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحِكُ بِكَتْشِ أَقْرُونٍ فَيَحِيلُ يَنْظُرُ فِي سَوَادٍ وَيَأْكُلُ فِي سَوَادٍ وَيَضْحِكُ فِي سَوَادٍ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

”اور حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ایسے سیگ دار فریہ دنبہ کی قربانی کرتے تھے جو سیاہی میں دیکھتا تھا یعنی اس کی آنکھوں کے گرو سیاہی تھی، سیاہی میں کھاتا تھا یعنی اس کا منہ بھی سیاہ تھا اور سیاہی میں چلتا تھا یعنی اس کے پاؤں بھی سیاہ تھے۔“

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ ایسے جانور کی قربانی کرنا جو بہت فریہ اور خونا ہو مستحب ہے۔ چنانچہ ایک فریہ بکری کی قربانی دو دو بلی بکریوں کی قربانی سے افضل ہے۔ ایسے ہی زیادہ گوشت والی بکری کی قربانی کم گوشت والی بکری کی قربانی سے افضل ہے بشرطیکہ گوشت خراب نہ ہو یعنی زیادہ گوشت والی بکری یا گوشت خراب ہو تو پھر اس کی قربانی افضل نہیں ہے۔

جذع کی قربانی

⑬ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَسِينٍ سَلِيمٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ إِنَّ الْجَذْعَ يُؤْفِقُ مِثْلًا يُؤْفِقُ مِنْهُ الشَّيْءُ۔ (ابوداؤد، الترمذی، ابن ماجہ)

”قبیلہ بنی سلیم کے (ایک فرد) حضرت شیخ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جذع (یعنی وہ دنبہ یا بھیڑ جس کی عمر چھ مہینے سے زیادہ ہو) جانی ہے اس سے کہ حکایت اسے اس کو ”شئی“۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح نہ اس بکری کی قربانی جائز ہے جو ایک سال سے زیادہ کی ہو اسی طرح جزع کی قربانی بھی جائز ہے۔ ”شئی“ بھی ایک اصطلاحی لفظ ہے جو قربانی کے جانور کی عمر کے سلسلہ میں استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ بکری میں ”شئی“ وہ بکری کہلائی ہے جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ بیل اور گائے میں ”شئی“ وہ ہے جو دو سال کر کے تیسرے سال میں ہو۔ اونٹ میں ”شئی“ وہ ہے جو پانچ سال پورے کرنا کے بعد چھٹے سال میں داخل ہو چکا ہو۔

⑭ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَسَعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ نِعْمَةُ الْأَصْحَبَةِ الْجَذْعُ مِنَ الضَّأْنِ۔

(رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دنبہ کے جزع (یعنی چھ ماہ کے بچہ) کی قربانی بہتر ہے۔“ (ترمذی)

تشریح: دنبہ کی جزع کی قربانی کی تعریف سے دراصل لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ دنبہ کے چھ مہینے کے بچہ کی قربانی جائز ہے بخلاف بکری کے جزع کے کہ اس کی قربانی درست نہیں۔“

قربانی میں شرکت

(۱۷) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَتَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَحَضَرُوا الْأَضْحَى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْمَقْرَةِ سَبْعَةً وَفِي النَّبِيرِ عَشْرَةً وَوَاهِ التَّزْمِذِي وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التَّزْمِذِي هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم (ایک) سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ عید قربان آگئی، چنانچہ گائے (کی قربانی) میں ہم سات آدمی اور اونٹ (کی قربانی) میں دس آدمی شریک ہوئے (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“

تشریح: اناحق ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر عمل کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے لئے ایک اونٹ میں دس آدمیوں کو شریک ہو جانا چاہئے بلکہ تمام علماء کے نزدیک یہ اس حدیث کے ذریعہ منسوخ قرار دے دی گئی ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ جس طرح گائے کی قربانی سات آدمیوں سے درست ہے اسی طرح اونٹ کی قربانی بھی سات ہی آدمیوں کی طرف سے کی جاسکتی ہے۔“

قربانی کی فضیلت

(۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَيَّ اللَّهُ مِنْ أَهْرِاقِ الدَّمِ وَأَنَّهُ لَيَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقْرَأُ بِهَا وَأَسْعَارُهَا وَأُظْلِفَ فِيهَا وَأَنَّ الدَّمَ لَيَقْعُ مِنَ اللَّهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقْعَ بِالْأَرْضِ فَطَبِّئُوا بِهَا نَفْسًا۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”ابن آدم کا نحر (یعنی قربانی کے دن) ایسا کوئی عمل نہیں جو خدا کے نزدیک خون بہانے (یعنی قربانی کرنے) سے زیادہ محبوب ہو اور (قربانی کا) وہ ذبح کیا ہوا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون قبل اس کے کہ زمین پر گرے (یعنی ذبح کرنے کے ارادہ کے وقت ہی) بارگاہ خداوندی میں قبول ہو جاتا ہے۔ لہذا تم اس کی وجہ سے (یعنی قربانی کر کے) اپنے نفس کو خوش کرو۔“ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: زمین العرب فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عید کے دن سب سے افضل عبادت قربانی کے جانور کا خون بہانا ہے اور قربانی کا جانور قیامت کے روز اسی طرح آئے گا جس طرح کے دنیا میں قربانی سے پہلے بغیر کسی عیب کے تھا تا کہ وہ قربانی کرنے والے کے ہر ہر عضو کی طرف سے نعم البدل اور بدل صراط پر اس کی سواری ہو۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی قبول کرتا ہے اور اس کے بدلہ میں تمہیں بہت زیادہ ثواب سے نوازتا ہے تو قربانی کرنے کی وجہ سے تمہارے اندر کسی قسم کی کوئی تنگی یا کراہت پیدا نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ اس عظیم بشارت کی وجہ سے تمہارے نفس کو مطمئن اور تمہارے دل کو خوش ہونا چاہئے۔“

عشرہ ذی الحجہ کی عبادتوں کی فضیلت

(۱۹) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبَّ إِلَيَّ اللَّهُ أَنْ يُتَعَبَّدَ لَهُ فِيهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ يُعْبَدُ صِيَامَ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامَ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَوَاهِ التَّزْمِذِي وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التَّزْمِذِي إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ”ایسا کوئی دن نہیں ہے کہ جس میں عبادت کرنا عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ افضل ہو اس میں سے ہر دن کے روز ایک سال کے روزوں کے برابر قرار دیئے جاتے ہیں اور اس میں ہر رات کی عبادت شب قدر کی

عبادت کے برابر قرار دی جاتی ہے (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں۔“
تشریح: طلب یہ ہے کہ خدا کے نزدیک ان دنوں میں عبادت کرنا دوسرے دنوں میں عبادت کرنے سے زیادہ محبوب ہے خصوصاً قربانی کرنا دوسرے اعمال سے زیادہ افضل اور محبوب ہے۔ اور عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت کے سلسلہ میں پوری وضاحت پہلی فصل میں گزر چکی ہے۔

الْفَصْلُ الثَّالِثُ

بقر عید کی نماز سے پہلے قربانی درست نہیں

②۰ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ شَهِدْتُ الْأَضْحَى يَوْمَ التَّحْرِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَغْدُ أَنْ صَلَّى وَفَرَّغَ مِنْ صَلَاتِهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ يُزِي لَحْمَ أَضَاجِي قَدْ ذُبِحَ قَبْلَ أَنْ يُفْرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ فَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ أَوْ يُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَى وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ التَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ وَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ أُخْرَى مَكَانَهَا وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللَّهِ - (مشق علیہ)

”حضرت جندبؓ ابن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) عید قربان میں جو عمر یعنی قربانی کا دن ہے رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (عید گاہ) حاضر ہوا، ابھی آپ نے نماز اور خطبہ شروع نہیں فرمایا تھا کہ کیا دیکھتے ہیں کہ قربانی کا گوشت رکھا ہے اور نماز پڑھنے سے پہلے ہی قربانی ہو گئی ہے، آپ نے فرمایا کہ جس نے قبل اس کے کہ نماز پڑھے، یا یہ فرمایا کہ قبل اس کے کہ ہم نماز پڑھیں (قربانی کا جانور) ذبح کر دیا ہے اسے چاہئے کہ وہ اس کے بدلہ میں دوسرا جانور (ذبح کرے) ”ایک اور روایت میں ہے کہ ”حضرت جندبؓ نے فرمایا ”آنحضرت ﷺ نے بقر عید کے روز نماز اور خطبہ ارشاد فرمایا پھر (قربانی کا جانور) ذبح کیا اور فرمایا کہ جو شخص قبل اس کے کہ نماز پڑھے، یا فرمایا کہ قبل اس کے کہ ہم نماز پڑھیں ذبح کیا تو اسے چاہئے کہ (نماز کے بعد قربانی کا جانور) اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کر دے۔“ (بخاری، مسلم)

ایام قربانی

②۱ وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ الْأَضْحَى يَوْمَانِ يَغْدُ يَوْمَ الْأَضْحَى رِوَاهُ مَالِكٌ وَقَالَ بَلْعَيْنِ عَنْ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ مِثْلَهُ۔

”اور حضرت نافعؓ راوی ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ”بقر عید کے دن کے بعد قربانی کے دو دن ہیں۔“ امام مالکؒ نے یہ روایت نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ”مجھے حضرت علی ابن ابی طالبؓ کرم اللہ وجہہ، سے بھی اس قسم کی روایت پہنچی ہے۔“

تشریح: حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ تینوں ائمہ کا عمل اسی حدیث پر ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ قربانی کا آخری وقت ذی الحجہ کی بارہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آخری وقت تیرہویں تاریخ تک رہتا ہے۔ یہ حدیث تینوں ائمہ کی مستدل اور حضرت امام شافعیؒ پر حجت ہے۔

آنحضرت ﷺ ہمیشہ قربانی کرتے تھے

②۲ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ يُضَحِّي - (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرما رہے اور (ہر سال قربانی) کرتے تھے۔“ (ترمذی)

تشریح: قربانی واجب ہونے کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس پر مداومت فرمائی اور ہمیشہ قربانی کرتے رہے۔

قربانی حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے

(۴۳) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ قَالَ قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَارَسُولَ اللَّهِ مَا هَذِهِ الْأَصَاحِبُ قَالَ سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوا فَمَا لَنَا فِيهَا يَارَسُولَ اللَّهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوا فَالْصُّوْفُ يَارَسُولَ اللَّهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ)

”اور حضرت زیدؓ ابن ارقمؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے اصحاب نے دریافت کیا کہ ”یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تمہارے باپ ابراہیمؑ کا طریقہ (یعنی ان کی سنت) ہے۔“ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! پھر اس میں ہمارے لئے کیا ثواب ہے؟“ فرمایا ”گائے اور بکری کی قربانی کرنے میں کہ جن کے بال ہوتے ہیں ہر بال کے بدلہ ایک نیکی ہے (انہوں نے عرض کیا کہ ”صوف“ (یعنی دنبہ، بھیڑ اور اونٹ کی اونٹ اور اس کے بدلہ میں کیا ثواب ملتا ہے؟)“ فرمایا ”اون کے ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی۔“ (احمد و ابن ماجہ)

بَابُ الْعَتِيرَةِ

عتیرہ کا بیان

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

فرع اور عتیرہ کا ممانعت

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا فَرَعٌ وَلَا عَتِيرَةٌ قَالَ وَالْفَرَعُ أَوَّلُ نَبَاحٍ كَانَ يَنْشُجُ لَهُمْ كَانُوا يَذْبَحُونَهُ لَطَوًا غِيثِهِمْ وَالْعَتِيرَةُ فِي رَجَبٍ۔ (تقریباً)

”حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”فرع اور عتیرہ (کی) اسلام میں (کوئی حقیقت) نہیں۔“ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ”فرع جانور کا وہ پہلا بچہ ہے جو کافروں کے یہاں پیدا ہوتا ہے تو وہ اسے اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: ایام جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ کسی کے ہاں جب جانور کے پہلا بچہ پیدا ہوتا تھا تو وہ اسے بتوں کے نام پر ذبح کرتا تھا۔ ابتداء اسلام میں بھی یہ طریقہ جاری رہا کہ مسلمان اس بچہ کو اللہ کے نام پر ذبح کر دیتے تھے مگر بعد میں اس طریقہ کو منسوخ قرار دے دیا گیا اور کفار کی مشابہت کے پیش نظر مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا گیا۔

عتیرہ کسے کہتے ہیں؟ نیز ایام جاہلیت میں ایک رسم یہ بھی تھی کہ لوگ ماہِ رجب کے پہلے عشرہ میں اپنے معبود کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ایک بکری ذبح کرتے تھے اسی کو عتیرہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ابتداء اسلام میں مسلمان بھی ایسا کرتے تھے مگر کافر تو اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اور مسلمان اسے تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھ کر اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے پھر بعد میں اسے بھی منسوخ قرار دے کر مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا گیا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ممانعت اسی لئے تھی کہ وہ اسے اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اگر اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن صحیح مسئلہ یہی ہے کہ بت پرستوں کی مشابہت سے بچنے کے لئے یہ ممانعت عام ہے۔

الفصل الثانی

① عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَلِيمٍ قَالَ كُنَّا وَفَوْقَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ فَسَمِعْنَاهُ يَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ عَلِيَّ كُلَّ أَهْلِ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أَصْحَابَةٌ وَعَيْنِيَّةٌ هَلْ تَدْرُونَ مَا الْعَيْنِيَّةُ هِيَ الَّتِي تُسَمُّونَهَا الرَّحْبِيَّةَ زَوَاةَ الْبَيْتِ مِذْيَ وَابْنُ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ الْبَيْهَقِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ ضَعِيفٌ الْإِسْنَادُ وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ وَالْعَيْنِيَّةُ مُنْسَوخَةٌ

”حضرت محمد بن سلیم فرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ (ایک حج کے موقع پر عرفات میں کھڑے ہوئے تھے کہ میں نے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے۔ ”لوگو! ہر گھروالے پر ہر سال قربانی کرنا اور عتیرہ کرنا واجب ہے اور تم جانتے ہو عتیرہ کیا ہے؟ عتیرہ وہ ہے جسے تم رجیہ کہتے ہو (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب اور ضعیف الاسناد ہے نیز حضرت ابوداؤد فرماتے ہیں کہ عتیرہ منسوخ قرار دیا جا چکا ہے۔ (یہ اب جائز نہیں ہے۔)

الفصل الثالث

تنگ دست پر قربانی واجب نہیں

③ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمِزْتُ يَوْمَ الْأَضْحَى عِنْدَ أَجْعَلَهُ اللَّهُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ قَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَجِدْ إِلَّا مَيْبَحَةً أَنْتَهَى أَفَأَضْحِي بِهَا قَالَ لَا وَلَكِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِكَ وَأُظْفَارِكَ وَتَقَصَّ شَارِبَكَ وَتَحْلِقْ عَانَتَكَ فَذَلِكَ تَمَامُ أَضْحِيَّتِكَ عِنْدَ اللَّهِ۔ (رواه ابوداؤد والنسائی)

”حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں بقر عید کے دن کو عید قرار دوں اور اللہ تعالیٰ نے اس دن کو اس امت کے لئے عید مقرر فرمایا ہے۔“ ایک شخص نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مجھے یہ بتائیے کہ اگر مجھے مادہ مینحہ کے علاوہ اور (جانور) میسر نہ ہو تو کیا میں اسی کو قربانی کر لوں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں! ہاں تم اپنے بال بنالو اپنے ناخن ترشالو، لبوں کے بال کترالو اور زیر ناف کے بال صاف کرلو، خدا کے نزدیک تمہاری یہی قربانی ہو جائے گی یعنی تمہیں قربانی کی مانند ثواب مل جائے گا۔“ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ”مینحہ“ منغ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ”عطاء و بخشش“ اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ ازراہ ہمدردی و احسان اپنی کوئی دودھ والی اونٹنی محتاجوں کو دے دیا کرتے تھے تاکہ وہ اس کے دودھ، اون اور اس کے بچوں سے اپنی ضرورت و احتیاج کے وقت تک فائدہ اٹھائے اور جب ان کی ضرورت و حاجت پوری ہو جائے تو اسے واپس کر دیں۔ چنانچہ ان صحابی کے پاس اسی قسم کا کوئی جانور تھا جو انہیں کسی نے ضرورت و حاجت کے پیش نظر دیا تھا انہوں نے بقر عید میں اسی جانور کی قربانی کی اجازت چاہی تو آنحضرت ﷺ نے منع فرما دیا۔ کیونکہ اول تو قاعدہ کے مطابق اپنی ضرورت کے بعد وہ جانور انہیں اصل مالک کو واپس کرنا تھا۔ دوسرے اس جانور کے علاوہ ان کے پاس ایسا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کرتے۔ لہذا حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قربانی تنگ دست و غریب پر واجب ہے۔

جہور علماء کا قول یہ ہے کہ تنگ دست کے لئے قربانی کرنا مستحب ہے، مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قربانی صرف اس شخص پر واجب ہے جو نصاب کا مالک ہو۔“

بَابُ صَلَوةِ الْخُسُوفِ

نماز خسوف کا بیان

مشہور اہل لغت اہل علم کا قول یہ ہے کہ ”خسوف“ چاند گرہن کو کہتے ہیں اور ”کسوف“ سورج گرہن کو۔ اس باب میں بتنی احادیث نقل کی جائیں گی سب کی سب سورج گرہن سے متعلق ہیں۔ ہاں صرف ایک حدیث جو پہلی فصل کی دوسری حدیث ہے اس کے بارہ میں احتمال ہے کہ وہ ”چاند گرہن“ سے متعلق ہے لہذا مؤلف مشکوٰۃ کے لئے بہتر یہ تھا کہ وہ اس باب کا نام ”باب صلوة الخسوف“ کی بجائے ”باب صلوة الکسوف“ رکھتے۔

بعض علماء نے لفظ کسوف دونوں جگہ استعمال کیا ہے سورج گرہن میں بھی چاند گرہن میں بھی، اسی طرح بعض حضرات نے لفظ خسوف کو بھی دونوں جگہ استعمال کیا ہے۔

سورج گرہن کی نماز بالاتفاق جمہور علماء کے نزدیک مسنون ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سورج گرہن کی نماز دو رکعت باجماعت بغیر خطبہ کے ہے۔ چاند گرہن کی نماز بھی دو رکعت ہے مگر اس میں جماعت نہیں ہے بلکہ ہر شخص الگ الگ یہ نماز پڑھے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں میں جماعت اور خطبہ ہے۔

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

سورج گرہن کے وقت آنحضرتؐ کی نماز

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ مُنَادٍ الصَّلَاةَ جَامِعَةً فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكَعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا رَكْعَتٌ رَكَعُوا قَطُّ وَلَا سَجْدَةٌ سَجَدُوا قَطُّ كَانَ أَطْوَلُ مِنْهُ۔ (تفق علیہ)

”حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں (ہجرت کے بعد ایک مرتبہ) سورج گرہن ہوا چنانچہ آپ ﷺ نے ایک منادی والے کو (لوگوں کے درمیان) بھیجا کہ وہ یہ منادی کر دے کہ ”الصلوة جامعہ“ یعنی نماز جمع کرنے والی ہے چنانچہ (جب لوگ جمع ہو گئے تو) آپ ﷺ آگے بڑھے اور دو رکعت نماز پڑھائی جن میں چار رکوع کئے اور چار سجدے کئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ”(جتنے طویل رکوع اور سجدے میں نے اس دن نماز خسوف میں کئے) اس سے زیادہ طویل میں نے نہ کبھی رکوع کیا اور نہ کبھی سجدہ کیا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: نماز خسوف میں لوگوں کو جمع کرنے کے لئے ”الصلوة جامعہ“ کا کہنا سنت ہے خاص طور پر جب کہ لوگ اس نماز کے لئے جمع نہ ہوئے ہوں۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ نماز جماعت کے ساتھ جامع مسجد میں یا عید گاہ میں پڑھی جائے نیز یہ نماز اوقات مکروہہ میں نہ پڑھی جائے۔

فصلی اربع رکعات الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے چار رکوع اور چار سجدے کئے یعنی ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے کئے لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک میں دوسری نمازوں کی طرح اس نماز میں بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے۔ ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن سے ایک ہی رکوع کرنا ثابت ہے بلکہ اس باب میں ایک حدیث قوی بھی منقول ہے اور یہ کلمہ ہے کہ چہاں قول اور فعل ثابت ہوتے ہیں تو فعل پر قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔

نماز خسوف کی قراءت

(۲) وَعَنْهَا قَالَتْ جَهَّزُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْخُسُوفِ بِقِرَاءَةِ (مَنْ لِي)

”اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز خسوف یعنی چاند گرہن کی نماز میں قراءت ہماز بلند چمائی۔“

(بخاری و مسلم)

سورج گرہن کا حقیقی سبب

(۳) وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّاشُ مَعَهُ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوَ اِمْرٍ قِرَاءَةِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ ذُوْن الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ ذُوْن الرُّكُوعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ ذُوْن الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ ذُوْن الرُّكُوعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ ذُوْن الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ ذُوْن الرُّكُوعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ابْتِثَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ رَأَيْتَاكَ تَنَاولَتْ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ هَذَا لَمْ رَأَيْتَاكَ تَكْفُحُكَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاولْتُ مِنْهَا عَنُقُودًا وَلَوْ أَخَذْتُهَا لَأَكَلْتُ مِنْهُ مَا بَقِيَ مِنَ الدُّنْيَا وَرَأَيْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرْ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا أَقْطَعَ وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا التَّيْسَاءَ فَقَالُوا بِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ بِكَفَرٍ هُنَّ قَبِيلٌ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ قَالِ يَكْفُرُونَ الْعَشِيرُ وَيَكْفُرُونَ الْإِحْسَانُ لَوْ أَحْسَنْتُ إِلَى أَخِي لَخَذَهُنَّ الْمَذْهَبُ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا أَقْطَعَ (مَنْ لِي)

”اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا، آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ اس طرح نماز چمائی کہ سورہ بقرہ کی قراءت کی بعد طویل قیام فرمایا (یعنی اتنی دیر تک قیام میں کھڑے رہے جتنی دیر تک سورہ بقرہ چمائی جاسکتی ہے) پھر آپ ﷺ نے رکوع کیا، رکوع بھی اتنا طویل تھا، رکوع سے سر اٹھایا اور بڑی دیر تک کھڑے رہے لیکن یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا، پھر دوبارہ رکوع کیا، یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم، پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ کیا، پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے اور بہت طویل قیام کیا مگر یہ قیام پہلی رکعت کے قیام سے کم تھا، پھر رکوع میں گئے یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم، پھر کھڑے ہوئے اور دیر تک کھڑے رہے مگر یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا۔ پھر دوبارہ رکوع کیا یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم، پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ کیا اس کے بعد (یعنی التحیات اور سلام کے بعد) نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا سورج اور چاند خدا کی (قدرت کی) نشانیاں ہیں اور نہ کسی مرنے کی وجہ سے گرہن ہوتے ہیں اور نہ کسی کے پیدا ہونے کی وجہ سے جب تم یہ دیکھو کہ (یہ گرہن میں آگئے ہیں) تو خدا کی یاد میں مشغول ہو جاؤ۔ ”صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! (نماز کے دوران) ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنی جگہ سے کسی چیز کے لینے کا ارادہ کیا پھر ہم نے آپ ﷺ کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا؟ آپ نے فرمایا ”جب تم لمبے مجھے کسی چیز کے لینے کے لئے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تھا اس وقت میں نے جنت کو دیکھا تھا اور اس میں سے خوشہ انگوٹھ لینے کا ارادہ کیا تھا، اگر میں خوشہ انگوٹھ لے لیتا تو بلاشبہ تم اسے رات ہی دنیا تک کھاتے اور جب تم نے مجھے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا تھا (اس وقت) میں نے دوزخ دیکھی تھی (اس کی گری کے چنبچنے کے ذریعے مجھے ہٹ گیا تھا) چنانچہ آج کے دن کی طرح کسی دن میں نے ایسی ہولناک جگہ کبھی نہیں دیکھی اور دوزخ میں میں نے زیادہ عورتیں دیکھی ہیں۔ ”صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! کس وجہ سے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ان کے کفر کی وجہ سے ”صحابہؓ نے عرض کیا کہ ”کیا عورتیں اللہ کے کفر میں مبتلا ہیں۔“ ”فرمایا ”نہیں“ بلکہ وہ شوہروں کی نعمتوں اور احسان کا کفران

کرتی ہیں (یعنی شہروں کی ناشکری و تافہانی کرتی ہیں اور کسی کا احسان نہیں مانتیں) چنانچہ تم ان میں سے کسی کے ساتھ دتوں تک بھلائی کرتے رہو مگر جب کبھی وہ کسی چیز کو اپنی مرضی کے خلاف پائے گی تو لپکا کہے گی کہ میں نے کبھی بھی تمہارے یہاں بھلائی نہیں دیکھی۔“
(بخاری و مسلم)

تشریح: ایقان من ابنت اللہ کا مطلب یہ ہے کہ ”سورج و چاند“ خدا کی الوہیت اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے اس بات کی دو نشانیاں ہیں کہ یہ دونوں خداوند قدوس کے تابعدار اور فرمانبردار پیدا کئے گئے ہیں انہیں اپنی طرف سے کسی کو نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت تو کیا ہوتی ان میں اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ اپنے اندر کسی قسم کے پیدا ہونے نقصان اور عیب کو ختم کر سکیں۔ لہذا کیسے بد عقل و کند فہم اور کور بخت ہیں وہ لوگ جو اس چیز کا مشاہدہ کرتے ہوئے بھی چاند و سورج کو معبود قرار دیتے ہیں ان کے سامنے اپنی پیشانی جھکاتے ہیں؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے اہل جاہلیت کے اس عقیدہ کو ختم فرمایا کہ کسی عظیم حادثہ مثلاً کسی بڑی شخصیت کے مرنے اور وبا عام یعنی قحط و غیرہ کی وجہ سے سورج و چاند گرہن میں آتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے آگاہ فرمایا کہ یہ خیالات باطل اور اعتقادات فاسد ہیں حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ خدا ان دونوں کو گرہن میں مبتلا کر کے صرف اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے غضب سے ڈراتا ہے۔

فاذکروا اللہ کا مطلب یہ ہے کہ چاند و سورج گرہن کے وقت اگر نماز کے وقت مکروہ نہ ہوں تو کسوف و خسوف کی نماز پڑھو اور اگر اوقات مکروہ ہوں تو پھر نماز نہ پڑھو بلکہ پروردگار کی تسبیح و تہلیل اور تکبیر نیز استغفار میں مشغول ہو جاؤ۔ لیکن یہ بات جان لو کہ یہ حکم ”امراستجابی“ کے طور پر ہے وجوب کے طور پر نہیں ہے کیونکہ نماز کسوف و خسوف واجب نہیں ہے۔ بلکہ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک سنت ہے۔

”رہتی دنیا تک کھاتے“ یعنی جیسا کہ بہشت کے میوؤں کی خاصیت ہے، انگور کے اس خوشہ میں سے جو دانہ کھاتے اس کی جگہ دوسرا دانہ پیدا ہو جاتا اسی طرح وہ خوشہ رہتی دنیا تک چلتا رہتا۔

جنت کے اس خوشہ انگور کو آنحضرت ﷺ کے نہ لینے کا سبب یہ تھا کہ اگر آپ اسے لے لیتے اور لوگ اسے دیکھ لیتے تو ایمان بالغیب کی کوئی حقیقت و اہمیت باقی نہ رہ جاتی۔

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ نَحْوُ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَتْ لَمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ لَمْ انْصَرَفْ وَقَدْ انْجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ لَمَّ قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَاتَانِ مِنَ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتٍ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا زَأْتُمْ ذَلِكَ فَأَذْعُوا اللَّهَ وَكَبِّرُوا وَاصْلُوا وَتَصَدَّقُوا لَمَّ قَالَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللَّهِ مَا مِنْ أَحَدٍ أُغَيِّرُ مِنَ اللَّهِ أَنْ يَزِينُ عَبْدُهُ أَوْ تَزِينُ أُمَّةٌ مُحَمَّدٍ وَاللَّهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمَ لَصَبَحَكُمْ قَلِيلًا وَلَيْسَكُمْ كَثِيرًا۔ (متن طبع)

”اور حضرت عائشہؓ سے (بھی) حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا روایت کی طرح روایت منقول ہے چنانچہ انہوں نے یہ (بھی) فرمایا ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے تو بڑا طویل سجدہ کیا پھر تھکے سے فارغ ہوئے تو (آفتاب) روشن ہو چکا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے (لوگوں کے سامنے) خطبہ ارشاد فرمایا، چنانچہ (پہلے) آپ نے خدا کی حمد و ثناء بیان فرمائی اور پھر فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیاں ہیں نہ تو کسی کی موت کی وجہ سے انہیں گرہن لگتا ہے۔ اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے چنانچہ جب تم گرہن دیکھو تو خدا سے دعا مانگو، تکبیر کہو اور نماز پڑھو نیز اللہ کی راہ میں خیرات کرو۔ پھر فرمایا کہ اے امت محمدیہ (ﷺ) اُس ہے پروردگار کی اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں ہے۔ جب کہ اس کا کوئی بندہ زنا کرتا ہے یا اس کی کوئی بہتری زمان میں مبتلا ہوتی ہے اور اسے امت محمدیہ (ﷺ) اُس ہے خدا کی، اگر تم لوگ وہ چیز جان لو جو میں جانتا ہوں (یعنی یوم آخرت کی ہولناکی اور پروردگار کا غضب) تو اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا ہنسنا کم اور تمہارا روننا زیادہ ہو جائے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس روایت میں سجدہ کی طوالت، خطبہ، دعا، تکبیر، نماز اور خیرات کرنے کا ذکر و حکم اور حدیث کے آخری الفاظ مزید منقول ہیں جب کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

”غیرت“ کے اصل معنی ہیں ”اپنے حق میں کسی غیر کی شرکت کو برا جاننا۔“ اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کا مطلب ہے ”اپنے احکام میں بندوں کی نافرمانی اور امر و نہی کے خلاف کرنے کو برا جاننا۔“ ہر شاذ گرامی کا حاصل یہ ہے کہ خدا کا کوئی بندہ یا اس کی کوئی بندی جب زنا میں مبتلا ہوتی ہے تو اس معاملہ میں تمہیں جتنی غیرت محسوس ہوتی ہے اور ان دونوں سے تمہیں جتنی نفرت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی غیرت اس سے کہیں زیادہ شدید اور اس کی نفرت تمہاری نفرت سے کہیں زیادہ سخت ہوتی ہے۔

گرہن کے وقت آنحضرت ﷺ کی کیفیت

⑤ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ لِقَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَعَا يَخْشَى أَنْ تَكُونَ السَّاعَةُ فَاتَى الْفَسْحَ فَفَضَّلَى بِأَطْوَلِ قِيَامٍ وَرُكُوعٍ وَسُجُودٍ مَا زَالَ أَتَيْتُهُ فَقَطَّ يَفْعَلُهُ وَقَالَ هَذِهِ آيَاتُ النَّبِيِّ يُرْسِلُ اللَّهُ لَا تَكُونُ لِمَوْتٍ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ وَلَكِنْ يَخْوَفُ اللَّهُ بِهَا عِبَادَهُ فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا ذَلِكَ فَافِرُ غَوْلِي ذِكْرُهُ وَدُعَائِهِ وَاسْتِغْفَارِهِ۔ (متن طبع)

”اور حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ (جب) سورج گرہن ہوا تو نبی کریم ﷺ گھبرائے ہوئے کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ پر ایسا خوف طاری ہوا جیسے قیامت ہو گئی ہو۔ چنانچہ آپ مسجد میں تشریف لائے اور طویل قیام و رکوع اور سجود کے ساتھ نماز پڑھی، میں نے اس طرح بھی آپ ﷺ کو (اتنا طویل قیام و رکوع اور سجود) کرتے ہوئے نہیں دیکھا پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ نشانیاں جو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔ نہ تو کسی کے مرنے کے سبب سے (ظاہر ہوتی) ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے، ہاں اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، لہذا جب تم ان نشانوں میں سے کوئی نشانی دیکھو تو خدا سے ڈرنے ہوئے اس کا ذکر کرنے، اس سے دعا مانگنے اور استغفار کرنے میں مصروف ہو جاؤ۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: الفاظ بخشی ان تکون الساعة در اصل راوی نے بطریق تمثیل استعمال کئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اس موقع پر اس طرح گھبرائے ہوئے اور خوف زدہ تھے جیسا کہ کوئی شخص قیامت شروع ہو جانے پر گھبرا جائے اور خوف زدہ ہو جائے۔ آپ ﷺ کا یہ خوف اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ ﷺ یہ سمجھتے ہوں کہ قیامت شروع ہو گئی ہے کیونکہ آپ ﷺ پوری طرح جانتے تھے کہ جب تک میں لوگوں میں موجود ہوں قیامت نہیں آسکتی۔

بہر حال، آنحضرت ﷺ خدا کی نشانوں کے ظہور مثلاً سورج و چاند گرہن، زلزلے، آندھی و طوفان اور چمک و کڑک کے وقت جو گھبرائے اور ڈرتے تھے تو اس میں صرف زمین کے اوپر بسنے والے انسانوں کی شفقت کا جذبہ کار فرما ہوتا تھا چنانچہ آپ ﷺ اپنی ذات کی طرف سے نہیں بلکہ دنیا والوں کی طرف سے خوف زدہ ہو جایا کرتے تھے کہ کہیں یہ اپنے دامن میں دنیا والوں کی تباہی و بربادی کا پیغام نہ لے ہو اور اس صورت میں لوگوں پر خدا کا عذاب نازل نہ ہو جائے۔

وقال هذه الايات کا مطلب یہ ہے کہ چاند و سورج کا گرہن ہونا، زلزلوں اور آندھی و طوفان کا آنا اور بجلی کی کڑک وغیرہ یہ سب خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اور انسانوں کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ دیکھو میں تغیر حالت، قسمت کے چھین لینے اور عذاب نازل کرنے پر کیسا قادر ہوں؟

نماز کسوف میں رکوع و سجود کی تعداد

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ الزُّبَيْرِيُّ بْنُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَلَّى بِالنَّاسِ سِتَّ رُكْعَاتٍ بِأَرْبَعِ سَجَدَاتٍ۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں جس دن آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تھا سورج گرہن ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو چھ رکوع اور چار سجدے کے ساتھ نماز پڑھائی۔“ (اسلم)

تشریح: حضرت ابراہیمؑ آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے تھے جو ماریہ قطبیہ کے بطن سے ۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۰ھ میں حالت شیر خواری میں وفات پا گئے تھے، ان کی عمر صرف اٹھارہ مہینے یا اس سے کچھ زیادہ ہوئی تھی۔ جس دن ان کا انتقال ہوا اس دن سورج کو گرہن لگا۔ چنانچہ لوگوں نے کہا کہ سورج گرہن ان کی وفات ہی کی وجہ سے ہوا ہے۔ جس کی آنحضرت ﷺ نے تردید فرمائی جیسا کہ گذشتہ روایتوں سے معلوم ہو چکا ہے۔

”چھ رکوع اور چار سجدے کے ساتھ“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں تین تین رکوع اور دو دو سجدے کئے۔ جیسا کہ اس باب کی احادیث میں اس نماز کے رکوع کی تعداد مختلف بیان ہوئی ہے۔ لہذا حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے ان احادیث کو ترجیح دی ہے جن میں ہر رکعت میں صرف ایک رکوع کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ اصل یہی ہے کہ ہر رکعت میں ایک رکوع ہو بلکہ اس بارہ میں قوی اور فعلی دونوں طرح کی احادیث منقول ہیں۔ پھر یہ کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مستدل روایت کے علاوہ دوسری روایتیں مضطرب ہیں جن میں کسی ایک تعداد کا قعین بڑا مشکل ہے حضرت امام شافعیؒ نے دو رکوع والی حدیث کو ترجیح دی ہے، حضرت امام شافعیؒ اور دوسرے اکثر اہل علم حضرات کے یہاں یہ بھی مسئلہ ہے کہ اگر گرہن دیر تک رہے تو یہ جائز ہے کہ ہر رکعت میں تین یا چار یا پانچ رکوع بھی کئے جاسکتے ہیں۔

(۷) وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ ثَمَانِ زَكَاةً فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَعَنْ عَلِيٍّ مِثْلَ ذَلِكَ. (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سورج گرہن کے وقت دو رکعت نماز اٹھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ (اس طرح) پڑھائی (کہ ہر رکعت میں چار چار رکوع اور دو دو سجدے کئے) اور اسی طرح حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے۔“ (اسلم)

تشریح: وعن علی مِثْلَ ذَلِكَ کا مطلب یہ ہے کہ یا تو حضرت علیؓ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس طرح نماز ادا فرمائی یا پھر یہ کہ حضرت علیؓ کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ انہوں نے بھی اس طرح نماز ادا فرمائی۔

سورج گرہن کے وقت آنحضرت ﷺ کا طریقہ

(۸) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ أَزْجِعُ بِأَسْهُمٍ لِي بِالْمَدِينَةِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَسَفَتِ الشَّمْسُ فَسَبَدْتُهَا فَقُلْتُ: وَاللَّهِ لَا يَكُونُ إِلَيَّ مَا حَدَّثَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كَسُوفِ الشَّمْسِ قَالَ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلَاةِ رَافِعٌ يَدَيْهِ فَيَجْعَلُ يَسْتَسِيحُ وَيُهَلِّلُ وَيُكَبِّرُ وَيَدْعُو حَتَّى خَسِرَ عَنْهَا فَلَمَّا خَسِرَ عَنْهَا قَرَأَ سُورَتَيْنِ وَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِي صَحِيحِهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ وَكَذَلِكَ فِي شَرْحِ السُّنَنِ عَنْهُ وَفِي نُسَخِ الْمَصَابِيحِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ.

”اور حضرت عبدالرحمنؓ ابن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے زمانہ حیات میں مدینہ میں اپنے تیروں سے تیراندازی کیا کرتا تھا (چنانچہ ایک دن میں تیراندازی میں مشغول تھا) کہ سورج گرہن ہوا، میں نے تیروں کو بھینک دیا اور (دل میں) کہا کہ خدا کی قسم میں یہ ضرور دیکھوں گا کہ سورج گرہن ہونے سے آنحضرت ﷺ کی کیا حالت ہوتی ہے (یعنی یہ دیکھوں گا کہ آپ ﷺ اس وقت کیا کرتے ہیں؟) حضرت عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں کہ ”(یہ سورج گرہن میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا) میں نے سنا کہ آپ ﷺ سبحان اللہ لا الہ الا اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھنے اور دعا مانگنے لگے، یہاں تک کہ سورج گرہن سے نکل آیا۔ جب سورج سے ظلمت دور ہوئی تو آپ ﷺ

نے دو سورتیں پڑھیں اور دو رکعت نماز اور فرمائی (یعنی آپ ﷺ نے نماز کی دو رکعتیں پڑھیں جن میں دو سورتوں کی قرأت کی)۔ یہ حدیث مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں عبد الرحمن ابن عمرو سے نقل کی ہے، نیز شرح السنہ میں بھی (یہ روایت) اسی طرح (عبد الرحمن ابن عمرو سے) منقول ہے اور مصابیح کے نسخوں میں یہ روایت جابر ابن عمرو سے نقل کی گئی ہے۔

تشریح: وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلَاةِ کا مطلب یہ ہے کہ ”آپ ﷺ دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے نماز کے سے انداز میں قبلہ کی طرف رخ کئے ہوئے کھڑے تھے اور لوگ صف باندھے کھڑے تھے۔ یا پھر یہ کہا جائے گا کہ یہاں ”صلوٰۃ“ یعنی نماز سے مراد ”دعا“ ہے۔ یہ تاویل اس لئے کی جاتی ہے کہ یہ کسی بھی مسلک سے معلوم نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ سورج گرہن کے وقت حالت نماز میں اذکار کے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔“

جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے، نماز کسوف کے رکوع کی تعداد کے بارہ میں مختلف احادیث مروی ہیں چنانچہ جن روایتوں سے ہر رکعت میں کئی کئی رکوع کا اثبات ہوتا ہے۔ وہ سب مضطرب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارہ میں خود راوی بھی مضطرب ہیں کہ بعض نے تین تین رکوع بیان کئے ہیں، بعض نے چار چار رکوع اور بعض نے پانچ رکوع تک کی تعداد روایت کی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ اضطراب موجب ضعف ہوتا ہے لہذا ان روایتوں کا ترک کرنا واجب ہوا جو تعداد رکوع کو ثابت کرتی ہیں اسی لئے حضرت امام ابو حنیفہ نے انہیں روایات کو اپنا مستدل قرار دیا ہے۔ جن سے ہر رکعت میں ایک ایک رکوع کرنا ثابت ہے۔

سورج گرہن میں غلام آزاد کرنا چاہئے

⑨ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ لَقَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعِثَاقَةِ فِي كَسُوفِ الشَّمْسِ - (رواہ بخاری)
”اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سورج گرہن میں غلام آزاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔“
(بخاری)

الفصل الثانی

نماز کسوف کی قرأت باواز بلند ہو یا آہستہ آواز سے؟

⑩ عَنْ سَمُرَةَ بِنْتِ خُنْدَبٍ قَالَتْ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كَسُوفٍ لَا تَسْمَعُ لَهُ صَوْتًا -

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجہ)

”حضرت سمرۃ ابن خندب فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں سورج گرہن کے وقت (اس طرح) نماز پڑھائی (کہ ہم آپ ﷺ کی آواز نہیں سنتے تھے۔“ (ترمذی ابوداؤد و النسائی و ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث اور اسی قسم کی اور احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کسوف میں امام باواز بلند قرأت نہ کرے چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے۔ بخاری و مسلم نیز دوسری کتابوں میں ایسی روایات بھی منقول ہیں کہ جن سے نماز کسوف کی قرأت کا باواز بلند ہونا ثابت ہوتا ہے۔ روایات کے اس تعارض کے پیش نظر حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ جب روایتوں میں تعارض پیدا ہوا تو ان روایتوں کو ترجیح دینا ضروری ہوا جن سے قرأت کا باواز آہستہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ دن کی نماز میں قرأت کا باواز آہستہ ہونا اصل ہے۔

کر۔ نہ خداوندی کے ظہور کے وقت سجدہ

⑪ وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ لَاقِيَ عَنَابَ مَائِتٍ فَلَانَهُ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَّ سَاجِدًا فَقِيلَ لَهُ

تَسْجُدَ فِي هَذِهِ السَّاعَةِ فَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمْ آيَةً فَامْسُجُدُوا وَآيَةُ آيَةِ أَعْظَمُ مِنْ ذَهَابِ آيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (رواه ابوداؤد و الترمذی)

”اور حضرت عکرمہؓ راوی ہیں کہ جب حضرت ابن عباسؓ سے یہ کہا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں سے فلاں زوجہ مطہرہ (یعنی حضرت صفیہ) انتقال فرمائیں (تو وہ اس عظیم حادثہ کی خبر سننے ہی) سجدہ میں گر پڑے (یا یہ کہ انہوں نے نماز پڑھی) ان سے پوچھا گیا آپ اس وقت سجدہ (کیوں) کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ”جب تم کوئی نشانی (یعنی کرشمہ خداوندی) دیکھو تو سجدہ کرو“ اور آنحضرت ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی دائمی جدائی سے زیادہ بڑی نشانی اور کیا ہو سکتی ہے؟“ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ سے لوگوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ اس وقت بلا سبب سجدہ کیوں کرتے ہیں جب کہ بلا وجہ سجدہ کرنا ممنوع ہے؟ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”جب تم بلاؤں اور مصیبتوں کے آنے کی صورت میں خدا کے کرشموں میں سے جن کہ ذریعہ خدا اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کوئی کرشمہ دیکھو تو بارگاہ خداوندی میں فوراً سجدہ ریز ہو جاؤ، اور ظاہر ہے کہ خدا کا کون سا کرشمہ اس سے زیادہ ڈرانے والا عظیم اور سخت تر ہو گا کہ آنحضرت ﷺ کی ازواجِ مطہرات اس دنیا سے رخصت ہو جائیں، کیونکہ ان مقدس ماؤں کو آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں ہونے اور آپ ﷺ سے انتہائی ارتباط و اختلاط کی وجہ سے جو عظمت و فضیلت حاصل تھی دو عروں کو حاصل نہیں تھی۔ لہذا جس طرح ان کی حیات دنیا اور دنیا والوں کے لئے امن و برکت کا سبب اور نیکی و بھلائی کا باعث تھی اس طرح ان کی وفات دنیا اور اہل دنیا کے لئے امن و برکت اور بھلائی کے اٹھ جانے کا سبب اور انسانوں کے عذاب خداوندی میں مبتلا ہو جانے کے خوف کا باعث ہے اس لئے ان کی برکت کے منقطع ہو جانے کے وقت اللہ کی یاد میں مشغول اور بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہو جانا ہی بہتر ہے کہ خدا کے ذکر اور سجدہ کی برکت سے عذاب خداوندی دفع ہو جائے۔“

علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی ”فامسجدوا“ (سجدہ کرو) کا مطلب یہ ہے کہ ”نماز پڑھو“ جب کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے صرف سجدہ کرنا ہی مراد ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ”ارشاد نبوی میں لفظ ”آیۃ“ مطلق ہے اس لئے اس کو اگر چاند و سورج گرہن پر محمول کیا جائے تو سجدہ سے نماز مراد ہوگی اگر اس کے علاوہ دوسری نشانیاں مثلاً طوفان آندھی یا زلزلہ وغیرہ پر اطلاق کیا جائے تو پھر سجدہ سے سجدہ ہی مراد ہوگا اگرچہ اس صورت میں بھی نماز مراد لی جاسکتی ہے کیونکہ یہ منقول ہے کہ جب ایسی کوئی صعدت پیش آتی تو آنحضرت ﷺ نماز پڑھنے لگتے تھے۔ حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ یہ منقول ہے کہ سخت طوفان آندھی اور ظلمت چھا جانے کے وقت نماز پڑھنا ہی اچھا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں بھی مروی ہے کہ انہوں نے بصرہ میں زلزلہ کے وقت نماز پڑھی تھی۔“

الفصل الثالث

نماز کسوف کے رکوع و سجدہ اور تلاوت

(۱۲) عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى بِهِمْ فَقَرَأَ بِسُورَةِ مِنَ الظُّلُمِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ إِلَى الثَّانِيَةِ فَقَرَأَ بِسُورَةِ مِنَ الظُّلُمِ ثُمَّ رَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ كَمَا هُوَ مُسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةِ يَدْعُو حَتَّى انْجَلَى كُشُوفُهَا - (رواه ابوداؤد)

”حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھائی جس میں آپ ﷺ نے (پہلی رکعت میں) طویل سورتوں میں سے ایک سورۃ کی قرات فرمائی اور پانچ رکوع و دو سجدے کئے۔ پھر دوسری

رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تو اس میں بھی طویل سورتوں میں سے ایک سورۃ کی قرأت فرمائی اور پانچ رکوع و دو سجدے کے پھر اسی طرح (یعنی بہکیت نماز قبلہ رخ بیٹھے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا۔“ (ابوداؤد)

حنفیہ کی مستدل حدیث

(۱۳) وَعَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يُصَلِّي وَكَعُتَيْنِ وَيَسْأَلُ عَنْهَا حَتَّى انْجَلَتْ الشَّمْسُ زَوَاهُ ابْنُ دَاوُدَ وَذُو فَيْ رَوَاهُ التَّيْسَانِيُّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى حِينَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ مِثْلَ صَلَاةِ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَيَسْجُدُ وَلَهُ فِيهِ أَخْبَرَنِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمًا مُسْتَفْجِلًا إِلَى الْمَسْجِدِ وَقَدْ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى حَتَّى انْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ أَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوا يَقُولُونَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ إِلَّا لِمَوْتٍ عَظِيمٍ مِنْ عَظَمَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ وَإِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ وَلَكِنَّهُمَا خَلِيقَتَانِ مِنَ خَلْقِهِ يُخْبِثُ اللَّهُ فِي خَلْقِهِ مَا شَاءَ فَأَيُّهُمَا انْخَسَفَتْ فَصَلُّوا حَتَّى يَنْجَلِيَ أَوْ يُخْبِثَ اللَّهُ أَفْرًا۔

”اور حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے دو دو رکعت نماز پڑھنی شروع کی (یعنی دو رکعت نماز پڑھ کر دیکھتے اگر گرہن ختم نہ ہوتا تو پھر دو دو رکعت نماز پڑھتے اسی طرح گرہن تک نماز پڑھتے رہے) اور (اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگتے کہ) خدایا آفتاب روشن کر دے یا یہ کہ ہر دو دو رکعت کے بعد لوگوں سے گرہن کے بارہ میں پوچھتے کہ گرہن ختم ہوا یا نہیں؟ اگر لوگ کہتے کہ ابھی گرہن باقی ہے تو پھر نماز میں مشغول ہو جاتے یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا۔“ (ابوداؤد) اور نسائی کی روایت ہے کہ ”جب سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی جس میں رکوع و سجدہ کرتے تھے“ نسائی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”ایک روز جب کہ سورج کو گرہن ہوا تھا آنحضرت ﷺ جلالت کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی یہاں تک کہ آفتاب روشن ہو گیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”زمانہ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ زمین پر رہنے والے بڑے آدمیوں میں سے کسی بڑے آدمی کے مرجانے کی وجہ سے سورج اور چاند کو گرہن لگتا ہے، حالانکہ (حقیقت یہ ہے کہ) سورج و چاند نہ تو کسی کے مرجانے کی وجہ سے گرہن میں آتے ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے۔ یہ دونوں محض اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے دو مخلوق ہیں، خدا جو چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تغیر (مثلاً گرہن، روشنی اور اندھیرا) پیدا کرتا ہے۔ لہذا جب ان میں سے کوئی گرہن میں آئے تو تم نماز پڑھنی شروع کرو، وہاں تک کہ وہ روشن ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ظاہر ہو جائے (یعنی عذاب آجائے یا قیامت شروع ہو جائے)۔“ (نسائی)

تشریح: حدیث کے الفاظ ”ہماری نماز کی طرح“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز کسوف کی ہر رکعت میں کئی کئی رکوع نہیں کئے بلکہ جس طرح کہ ہم روزمرہ نماز پڑھتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ نے بھی اس وقت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں ایک ایک رکوع اور دو دو سجدے کئے۔“ یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہیں اس کے علاوہ اور احادیث بھی منقول ہیں جو اس مسئلہ میں حنفیہ کے مسلک کی تائید کرتی ہیں۔

بَابُ فِي سُجُودِ الشُّكْرِ سجدة شکر کا بیان

علماء کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ خارج از نماز صرف سجدہ کرنا جائز مسنون اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں صرف سجدہ کرنا بدعت محض اور حرام ہے اور شریعت میں اس کی کوئی

شکر مشروع ہے جب کہ دوسرے علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے اور حدیث کے مفہوم کے بارہ میں کہا ہے کہ یہاں دراصل ”سجدہ“ سے مراد نماز ہے ان کی اس تاویل کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چاشت کے وقت دو رکعت نماز پڑھی جب کہ آپ ﷺ کو جنگ میں فتح کی خوشخبری دی گئی یا یہ کہ ابو جہل کا سر کاٹ کر لایا گیا۔“

حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر بندہ ہر نئی حاصل ہونے والی نعمت پر سجدہ کو لازم قرار دے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی زندگی کا ایک لمحہ اور ایک ایک پل بھی سجدہ سے خالی نہ ہو کیونکہ انسانی زندگی کا کوئی بھی پل ایسا نہیں آتا جو اپنے دامن میں اللہ تعالیٰ کی نعمت نہ لئے ہوئے ہو۔ پھر یہ کہ انسان کی زندگی خود اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے کہ ہر سانس کا باہر آنا اور اندر جانا اور آنے والا ہر لمحہ اور ہر پل ایک نعمت ہے، چونکہ اس طرح نہ صرف یہ کہ لوگ بہت زیادہ مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہو جائیں گے بلکہ انسانی زندگی کا پورا نظام معطل ہو کر رہ جائے گا اس لئے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک سجدہ شکر سنت نہیں ہے۔

کسی مبتلائے بلا کو دیکھ کر اپنی عافیت پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے

② وَعَنْ أَبِي جَعْفَرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَاى رَجُلًا مِنَ النَّفَاسِيْنَ فَخَرَّ سَاجِدًا رَوَاهُ الدَّارُ قُطْنِي مَوْسِلًا وَفِي شَرْحِ الشُّبَّةِ لَفْظُ الْمَصَابِيحِ۔

”اور حضرت ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بونے (پست قد آدمی) کو دیکھا تو سجدہ میں گر پڑے۔“ دار قطنی نے یہ روایت بطریق ارسال نقل کی ہے اور شرح السنہ میں مصابیح کے الفاظ میں (مقول ہے)۔“

تشریح: نفاس اور نفاسی اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت ہی پست قد، ناقص الخلق اور ضعیف الحرت ہو ایسے ہی ایک شخص کو جب آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہو گئے۔

منظرؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسنون ہے کہ جب کسی ایسے شخص کو دیکھا جائے جو مبتلائے بلا ہو تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سجدہ شکر کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بلا سے محفوظ رکھا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ خاص ادب ہے کہ یہ سجدہ شکر پوشیدہ طور پر کیا جائے تاکہ وہ مبتلائے بلا رنجیدہ نہ ہو۔ لیکن کسی فاسق کو دیکھ کر اس بات کا سجدہ شکر کرنا کہ خدا نے مجھے اس فاسق سے محفوظ رکھا ہے علانیہ طور پر فاسق کے سامنے ہی ہونا چاہئے تاکہ اسے ندامت اور شرمندگی ہو اور وہ اپنے فاسق سے باز آجائے۔ چنانچہ حضرت شبلیؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے جب ایک ایسے شخص کو دیکھا جو دنیا کی لذتوں میں اپنے آپ کو گم کر چکا تھا تو اس کے سامنے ہی فرمایا کہ الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ یعنی اس خدا کے لئے تعریف ہے جس نے مجھے اس بلا سے محفوظ رکھا جس میں تم مبتلا ہو۔

امت کے حق میں آنحضرت ﷺ کی شفقت

③ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ خَرَّ جُنَامِعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ نَزِلَ الْمَدِينَةَ فَلَمَّا كُنَّا قَرِيْبًا مِنْ عَزْرَاءَ نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَدَعَا اللَّهَ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَتْ ظَوْنِي لَا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَتْ ظَوْنِي لَا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا قَالَ إِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي وَشَفَعْتُ لَأُمِّي فَأَعْطَانِي ثَلَاثِي فَأَخْرَزْتُ سَاجِدَ الرَّبِّ شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَأْسِي فَسَأَلْتُ رَبِّي لَأُمِّي فَأَعْطَانِي الثَّلَاثِ الْآخَرَ فَأَخْرَزْتُ سَاجِدَ الرَّبِّ شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَأْسِي فَسَأَلْتُ رَبِّي لَأُمِّي فَأَعْطَانِي الثَّلَاثِ الْآخَرَ فَأَخْرَزْتُ سَاجِدَ الرَّبِّ شُكْرًا۔ (رواہ احمد و ابو داؤد)

”اور حضرت سعد بن ابی وقاصؒ فرماتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ مدینہ کے ارادہ سے مکہ سے روانہ ہوئے، جب ہم عزرا کے قریب (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) پہنچے تو آنحضرت ﷺ (اونٹنی سے) اترے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر تھوڑی دیر تک اپنے

حقیقت نہیں ہے۔ اسی بنا پر نماز وتر کے بعد کے دونوں سجدوں کی حرمت بیان کی جاتی ہے۔ دوسرے حضرات کے نزدیک جائز اور کراہت کے ساتھ مشروع ہے۔

اس مسئلہ کی حقیقت اور تفصیل یہ ہے کہ خارج از نماز سجدہ کئی طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو سجدہ سہو ہے یہ نماز ہی کے حکم میں ہے اس کے بارہ میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔ دوسرا سجدہ تلاوت ہے ظاہر ہے کہ اس کے بارہ میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تیسرا سجدہ مناجات ہے جو خارج از نماز ہے اس کے بارہ میں اکثر علماء کے ظاہری اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سجدہ مکروہ ہے چوتھا سجدہ شکر ہے جو حصول نعمت اور خاتمہ مصیبت و بلا پر کیا جاتا ہے۔

اس سجدہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے یہاں یہ سجدہ سنت ہے۔ حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ کا بھی یہی قول ہے اس مسلک کی تائید میں آثار و احادیث بھی بکثرت منقول ہیں حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ کے یہاں یہ سجدہ مکروہ ہے۔ یہ حضرات اپنی دلیل کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ان گنت ہیں جن کا شمار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ظاہر ہے کہ بندہ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر ہر نعمت کا شکر بھی ادا کر سکے اس لئے اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کے حصول پر سجدہ شکر کا حکم دیتا ہے ایسی تکلیف و مشقت میں مبتلا کرونا ہے جسے برداشت کرنا اس کی طاقت سے باہر ہے۔

لیکن جو حضرات سجدہ شکر کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ”نعمتوں“ سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو نئی ہوں کہ کبھی کبھی حاصل ہوتی ہوں وہ نعمتیں مراد نہیں ہیں جو مستقل اور دائمی ہوں جیسے خود انسان کا وجود اس کے توابع اور اس کے لوازمات کہ یہ بھی در حقیقت خدا کی عظیم نعمتیں ہیں جو بندہ کو مستقل طور پر حاصل ہیں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں مروی ہے کہ جب آپ ﷺ کو ابو جہل لعین کے قتل ہو جانے کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے سجدہ شکر کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے میلہ کذاب کے مرنے کی خبر سن کر سجدہ کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں بتایا جاتا ہے کہ جب زبیر اللہؓ یہ خارجی قتل کر دیا گیا تو انہوں نے سجدہ شکر کیا۔ اسی طرح مشہور صحابی حضرت کعب بن مالک کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے قبولِ توبہ کی بشارت کے وقت سجدہ شکر کیا۔

وَهَذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَضْلِ الْأَوَّلِ وَالثَّالِثِ اور اس باب میں پہلی فصل اور تیسری فصل نہیں ہے

الْفَضْلُ الثَّانِي

خوشی کے وقت آنحضرت ﷺ کا سجدہ شکر

① وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَهُ أَفْرَسٌ مَرْزُورًا أَوْ يُسْرَبُهُ خَرَّ سَاجِدًا شَاكِرًا لِلَّهِ تَعَالَى زَوَاهُ أَبُو ذَرٍّ وَذَوُ الْيَزِيدِ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

”حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو جب خوشی کا امر پیش آتا۔ یا راوی نے لفظ ”مَرْزُورًا“ کی بجائے ”يُسْرَبُهُ“ کہا ہے یعنی آنحضرت ﷺ کو جب کوئی ایسا امر پیش آتا جس سے آپ خوش ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑتے۔“ اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔“ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت نے حدیث کے ظاہری مفہوم کو دیکھتے ہوئے کہا ہے کہ حصولِ نعمت پر سجدہ

دونوں ہاتھ اٹھائے (دعا مانگتے) رہے، پھر سجدہ میں گر پڑے۔ اور دیر تک سجدہ میں رہے پھر کھڑے ہوئے اور تھوڑی دیر تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے (دعا مانگتے) رہے۔ پھر سجدہ میں گر پڑے۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا ”میں نے اپنے پروردگار سے دعا کی اور اپنی اُمت (کے گناہوں کی بخشش، عیوب کی پردہ پوشی اور بلندی درجات کے لئے شفاعت کی، چنانچہ مجھے تہائی اُمت (کی مغفرت) عطا فرمادی گئی، میں اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑا، پھر میں نے اپنا سرا اٹھایا اور اپنے پروردگار سے اپنی اُمت کے لئے (اس کی رضا اور مغفرت کی) درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تہائی اُمت (کی مغفرت) عطا فرمادی میں اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑا، پھر میں نے اپنا سرا اٹھایا اور اپنے پروردگار سے اپنی اُمت کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے باقی تہائی اُمت (کی بھی مغفرت) عطا فرمادی، چنانچہ میں اپنے پروردگار کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑا۔“ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: پہلی مرتبہ میں سابقین یعنی ان لوگوں کی مغفرت عطا فرمائی گئی جو بھلائی کرنے میں سبقت اور پیش روی کرتے ہیں اور اعمال میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کرتے، دوسری مرتبہ میں مقصدین یعنی اوسط درجہ والوں کی مغفرت عطا فرمائی گئی۔ اور تیسری مرتبہ میں ان لوگوں کی بھی مغفرت عطا فرمادی گئی جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں یعنی معصیت و گناہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس موقع پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ لفظی آیات اور احادیث سے تو یہ ثابت ہو چکا ہے جو لوگ گناہ کبیرہ میں مبتلا رہتے ہیں انہیں آخرت میں عذاب دیا جائے گا لیکن یہاں اس حدیث سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ان لوگوں کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ تمام ہی اُمت کی مغفرت عطا فرمادی گئی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دعا، شفاعت اور حق تعالیٰ کی جانب سے مغفرت سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعا و سفارش سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی اُمت کو خف و سَخ اور ان جیسے دوسرے عذابوں سے پروانہ امن دے دیا ہے کہ جس طرح پہلی امتوں کے لوگ اپنی بدکرداری اور بد اعمالی کی وجہ سے ان جیسے ہولناک عذاب میں اس دنیا میں مبتلا کر دیے جاتے تھے امت محمدی کو اس دنیا میں ان عذاب سے دوچار نہیں کیا جائے گا لہذا یہاں مغفرت کا تعلق آخرت کے اس عذاب سے نہیں ہے جو ہر گناہگار کو اس کی بد عملی و بدکرداری کی مناسبت سے دیا جائے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”یہاں مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعا اور سفارش سے اُمت مرحومہ کو دائمی عذاب سے پروانہ امن دے دیا گیا ہے کہ امت کے گناہگار و بدکردار لوگ دائمی طور پر دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ بلکہ اپنے اپنے جرم کی مناسبت سے سزا پا کر آنحضرت ﷺ کی سفارش سے دوزخ سے نکال لئے جائیں گے اور پھر دائمی طور پر جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔“

بَابُ صَلَوةِ الْأَسْتِسْقَاءِ

نماز استسقاء کا بیان

”استسقاء“ کے لغوی معنی ہیں ”پانی طلب کرنا“ اور اصطلاح شریعت میں اس کا مطلب ہے ”قحط اور خشک سالی میں طلب بارش کے لئے بتائے گئے طریقوں کے مطابق نماز پڑھنا اور دعا کرنا۔“

الْفَصْلُ الْأَوَّلُ

آنحضرت ﷺ کی نماز استسقاء

① عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ إِلَى الْمُصَلَّى يَسْتَسْقِي فُضِّلِي بِهِمْ

ذَكَعَتَيْنِ جَهَنَّمَ فِيهِمَا بِالْفَزَاءِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَذْغُو وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِذَاءَهُ جِئْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ (متن علی)

"حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ لوگوں کے ہمراہ طلب بارش کے لئے عید گاہ تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وہاں دو رکعت نماز پڑھائی جس میں بلند آواز سے قرأت فرمائی اور قبلہ رخ ہو کر دعا مانگی نیز آپ ﷺ نے (دعا کے لئے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے اور قبلہ رخ ہوتے وقت اپنی چادر پھیر دی تھی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ اور صاحبین (حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ) کے نزدیک استسقاء کی نماز عید کی نماز کی طرح ہے اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ استسقاء کی دو رکعت نماز اسی طرح پڑھی جائے جیسا کہ دوسری نماز پڑھی جاتی ہے۔

نماز استسقاء کے بارہ میں حنفیہ کا مسلک

نماز استسقاء کے سلسلہ میں خود حنفیہ کے یہاں دو قول ہیں، حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ استسقاء نماز نہیں ہے بلکہ دعا و استغفار ہے وہ فرماتے ہیں کہ جن اکثر احادیث میں استسقاء کا ذکر آیا ہے ان میں سے نماز نہ کو نہیں ہے بلکہ صرف دعا کرنا ذکر ہے۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ کے بارہ میں صحیح روایت منقول ہے کہ انھوں نے استسقاء کے لئے صرف دعا و استغفار پر اکتفا فرمایا نماز نہیں پڑھی، اگر اس سلسلہ میں نماز مسنون ہوتی تو وہ ترک نہ کرتے۔ اور ایسے ضروری مشہور واقعات کا انہیں معلوم نہ ہوتا جب کہ زمانہ نبوت کو بھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے بعید ہے اور معلوم ہونے کی صورت میں اسے ترک کرنا حضرت عمرؓ کی شان سے بعید تر ہے۔

صاحبین کا مسلک اس کے خلاف ہے۔ ان حضرات کے نزدیک نہ صرف یہ کہ استسقاء کے لئے نماز منقول اور مسنون ہے بلکہ اس نماز میں جماعت اور خطبہ بھی مشروع ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے قول لاصلوٰۃ فی الاستسقاء (یعنی استسقاء کے لئے نماز نہیں ہے) کی مراد یہ ہے کہ اس نماز کے لئے جماعت خطبہ اور خصوصیت مفت و شرط نہیں، اگر ہر شخص الگ الگ نفل نماز پڑھے اور دعا و استغفار کرے تو بہتر ہے۔ اس وقت حنفیہ کے یہاں فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے کیونکہ نماز استسقاء آنحضرت ﷺ سے ثابت اور منقول ہے جس کا ایک واضح ثبوت مذکورہ بالا حدیث ہے۔

نماز استسقاء کے سلسلہ میں یہ افضل ہے کہ اس کی دونوں رکعتوں میں سے پہلی رکعت "سورۃ قی" یا "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور دوسری رکعت میں "اقرب الساعۃ" یا "سورۃ غاشیہ" کی قرأت کی جائے۔

"چادر پھیرنا" دراصل تغیر حالت کے لئے اچھا ٹھکان لینے کے درجہ میں ہے جس طرح چادر الٹ پلٹ دی گئی ہے اسی طرح موجودہ حالت میں بھی تبدیلی اور تغیر ہو جائے بایں طور کہ قطع کے بدلہ ارزانی ہو جائے اور خشک سالی کی بجائے باران رحمت سے دنیا سیراب ہو جائے۔

چادر پھیرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ بیٹھ کے پیچھے لے جا کر دائیں ہاتھ سے چادر کی بائیں جانب کے نیچے کا کونا پکڑا جائے اور بائیں ہاتھ سے چادر کی دائیں جانب کے نیچے کا کونا پکڑ لیا جائے پھر دونوں ہاتھوں کو بیٹھ کے پیچھے اس طرح پھیرا اور پکڑا جائے کہ دائیں ہاتھ میں چادر کا پکڑا ہوا کونا دائیں مونڈھے پر آجائے اور بائیں ہاتھ میں چادر کا پکڑا ہوا کونا بائیں مونڈھے پر آجائے اس طریقہ سے چادر کا دایاں کونا تو بائیں ہو جائے گا اور دایاں کونا دائیں ہو جائے گا۔ نیز اوپر کا حصہ نیچے پکڑا جائے گا اور نیچے کا حصہ اوپر آجائے گا۔

آنحضرت ﷺ کی چادر کے بارہ میں کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ آپ ﷺ کی چادر چار ہاتھ لمبی اور دو ہاتھ ایک بالشت چوڑی تھی۔

آنحضرت ﷺ نماز استسقاء میں دعا کے وقت ہاتھ زیادہ بلند کرتے تھے

(۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ دُعَائِهِ إِلَّا فِي الْإِسْتِسْقَاءِ فَإِنَّهُ يَرْفَعُ حَتَّى

یٰۤاَنسُ یٰۤاَضٰی اِبْطٰیۃ۔ متفق علیہ۔

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ استسقاء کے علاوہ اور کسی موقع پر دعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے چنانچہ (استسقاء کے لئے دعا کے وقت) آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ اتارے (زیادہ بلند کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے بظلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔“
(بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت انسؓ کے ارشاد کی مراد استسقاء کے علاوہ کسی دوسرے موقع پر دعا کے وقت بالکل اٹھانے کی نفی نہیں ہے کیونکہ استسقاء کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی دعا کے وقت آنحضرت ﷺ سے دونوں ہاتھوں کا بلند کرنا ثابت ہو چکا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ دوسرے مواقع پر بھی دعا کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا زیادہ اور سرست اونچا بلند نہیں کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی مبارک بظلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی۔ ہاں استسقاء کے موقع پر دعا کے لئے آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ اتارے زیادہ اٹھاتے تھے کہ اگر کوئی کپڑا نہ اوڑھے ہوتے تھے تو بظلوں کی سفیدی تک نظر آنے لگتی تھی۔ علماء لکھتے ہیں کہ جس مقصد اور مراد کے لئے دعا مانگی جا رہی ہو وہ مقصد جتنا زیادہ اہم اور عظیم ہو دعا کے وقت دونوں ہاتھ بھی اتنے زیادہ اوپر اٹھانے چاہئیں۔

دعا کے وقت ہاتھوں کی ہیئت

(۳) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْقَى فَأَشَارَ بظُهُرِ كَفِّهِ إِلَى السَّمَاءِ وَوَأَهْمُسِلِمَ۔

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے طلب بارش کے لئے دعا مانگی تو اپنے دونوں ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کر لی۔“
(مسلم)

تشریح: علماء نے لکھا ہے کہ بارش کے لئے دعا مانگتے وقت ہتھیلیوں کی پشت کو آسمان کی طرف کر دینا بھی اچھا شگون لینے کے درجہ میں ہے جیسا کہ چادر پلٹ کر اچھا شگون لیا جاتا ہے۔ ہاتھوں کی پشت کو آسمان کی طرف کرنا دراصل اس طرف اشارہ ہے کہ خدا کرے اسی طرح بارشوں کے پیٹ بھی زمین کی طرف ہو جائیں اور وہ اپنے اندر کے ذخیرہ آب کو زمین پر انڈیل دیں۔
دعا کے وقت اٹھتے ہوئے ہاتھوں کی ہیئت کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ جو شخص بلاء مثلاً قحط وغیرہ کے دور ہونے کی دعا مانگے تو وہ اپنے ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے کسی نعمت کی طلب کے لئے دعا کرے تو وہ ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرے۔“

بارش کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ اللَّهُمَّ صَيِّبْنَا فُفْعًا۔ (رواہ البخاری)

”اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب بارش دیکھتے تو یہ دعا مانگتے اللَّهُمَّ صَيِّبْنَا فُفْعًا یعنی اے اللہ انفع دینے والی بارش خوب برس۔“ (بخاری)

بارش کے وقت آنحضرت ﷺ کا عمل

(۵) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ أَصَابَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَطَرٌ قَالَ فَحَسَرْتُ أَنْ يَكُونَ اللَّهُمَّ صَيِّبْنَا فُفْعًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ

”آپ ﷺ نے (اپنے سر سے یا پٹھ سے) کپڑا اتار لیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے (سرمبارک یا پٹھ کے) اوپر بارش کا پانی گرنے لگا۔ ”ہم نے (یہ دیکھ کر عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ آپ ﷺ) نے ایسا کیوں کیا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس لئے کہ یہ پانی اپنے پروردگار کے پاس سے ابھی ابھی آیا ہے۔“ (مسلم)

تشریح: آپ ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ یہ پانی اپنے رب کے حکم سے ابھی ابھی اوپر سے اتر رہا ہے اور اس عالم کثیف کے اجزاء سے ابھی تک آلودہ نہیں ہوا ہے نہ ہی اس تک ابھی گناہگاروں کے ہاتھ پہنچ پائے ہیں اس لئے یہ پانی متبرک ہے جس کا کچھ حصہ میں اپنے بدن پر لے رہا ہوں۔ ”علماء لکھتے ہیں کہ بارش کے وقت (اپنے کسی بھی مطلب اور مقصد کے لئے) دعائے انگنا سنت ہے کیونکہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے کیونکہ اس وقت کی دعا قبول ہوتی ہے۔

الفصل الثانی

استسقاء میں چادر پھیرنے کا بیان

② عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُصَلَّى فَاسْتَسْقَى وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ حِينَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَجَعَلَ عِظَافَهُ الْأَيْمَنِ عَلَى عَاتِقِهِ الْأَيْسَرِ وَجَعَلَ عِظَافَهُ الْأَيْسَرِ عَلَى عَاتِقِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ دَعَا اللَّهَ۔

(رواہ ابو داؤد)

”حضرت عبداللہ ابن زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ عید گاہ تشریف لے گئے اور وہاں بارش آگئی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ قبلہ رخ ہوئے تو اپنی چادر کا دایاں کوٹا گھا کر اپنے بائیں مونڈے پر لائے اور چادر کا بایاں کوٹا گھا کر اپنے دائیں مونڈے پر لائے پھر اللہ تعالیٰ سے (بارش کے لئے) دعا مانگی۔“ (ابو داؤد)

تشریح: اس حدیث میں استسقاء کے لئے نماز پڑھنے کا ذکر نہیں کیا گیا ہے صرف دعا کا ذکر کیا گیا ہے۔

④ وَعَنْهُ أَنَّهُ قَالَ امْتَسَقَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِمِصَةً لَهُ سَوْدَاءَ فَأَرَادَ أَنْ يَأْخُذَ اسْفَلَهَا فَيَجْعَلَهَا أَغْلًا هَافِلًا ثَقُلَتْ قَلْبُهَا عَلَى عَاتِقَيْهِ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد)

”اور حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے بارش طلب (کرنے کے لئے دعا کی تو اس وقت آپ ﷺ کے جسم مبارک پر سیاہ رنگ کی چادر تھی، آپ ﷺ نے یہ ارادہ کیا کہ چادر کے نیچے کا کوٹا پلٹ کر اسے اوپر کی جانب لائیں (جیسا کہ چادر پھیرنے کا طریقہ ہے) مگر اس میں جب آپ ﷺ کو وقت پیش آئی تو آپ ﷺ نے اپنے ہی مونڈے پر چادر پلٹ لی۔“ (احمد و ابو داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق جب چادر پھیرنے میں دقت محسوس ہوئی تو آپ ﷺ نے صرف یہ کیا کہ چادر کا دایاں کوٹا بائیں مونڈے پر کر لیا اور بایاں کوٹا دائیں مونڈے پر۔ آپ ﷺ نے چادر مبارک دوسرے خطبہ میں پھیری تھی کیونکہ چادر پھیرنے کا وقت اور موقع وہی ہے۔

⑧ وَعَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى أَبِي اللُّخَمِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِي عِنْدَ أَحْجَارِ الزَّيْتِ قَرِيبًا مِنَ الزُّوْءَاءِ قَاتِمًا يَدَهُ عَنِ السَّيْفِ رَافِعًا يَدَيْهِ قَبْلَ وَجْهِهِ لَا يُجَاوِزُ زِيهَارَ أَسَةِ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَالتَّبَسَاتِيُّ نَحْوَهُ۔

(رواہ ابو داؤد)

”اور حضرت عمیرؓ سے جو ابی اللخم کے آزاد کردہ غلام تھے، روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ”احجار الزيت“ کے پاس جو ”زرواء“

کے قریب ہے، بارش مانگتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ کھڑے ہوئے طلب بارش کے لئے دعا مانگ رہے تھے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے منہ کی طرف اٹھائے ہوئے تھے جو سر سے اونچے نہیں تھے۔ "ترمذی" اور نسائی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: "حجۃ الزیت" مدینہ میں ایک جگہ کا نام تھا اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہاں سیاہ پتھر تھے جو اتنے چمک دار تھے جن کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا تھا کہ گویا ان پتھر پر روشن زیتون ملا ہوا ہے۔ "زوراء" بھی مدینہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام تھا۔ اس حدیث میں دعا کے وقت اٹھے ہوئے ہاتھوں کی یہ ہیئت بیان کی جا رہی ہے کہ آپ ﷺ کی دونوں ہتھیلیاں منہ کی طرف یعنی اوپر کی جانب تھیں۔ بنا بریں یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ دعا کے وقت آپ ﷺ اپنے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین کی طرف رکھتے تھے کیونکہ کبھی تو آپ ﷺ اس طرح سے دعا مانگتے کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوتی تھیں جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوا۔ اور کبھی اس طرح خدا کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرتے تھے کہ ہتھیلیاں زمین کی طرف ہوتی تھیں جیسا کہ گذشتہ روایت سے معلوم ہوا۔ اسی طرح یہاں اس روایت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ کے اٹھے ہوئے ہاتھ سر مبارک سے اونچے نہیں ہوتے تھے۔ لہذا یہ بھی حضرت انسؓ کی اس روایت کے منافی نہیں ہے جس سے معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ طلب بارش کے لئے دعا مانگتے وقت اپنے ہاتھ بہت زیادہ بلند کرتے تھے، یہاں بھی یہی بات ہے کہ کبھی تو آپ ﷺ اپنے ہاتھ بہت زیادہ بلند کرتے تھے جیسا کہ حضرت انسؓ نے بیان کیا ہے اور کبھی بہت زیادہ بلند نہیں کرتے تھے جیسا کہ یہاں عمیر بیان کر رہے ہیں۔

استسقاء کے وقت آنحضرت ﷺ خشوع و خضوع اور تضرع اختیار کرتے تھے

⑨ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْنِي فِي الْإِسْتِسْقَاءِ مُتَبَذِلًا مَتَوَاضِعًا مُتَخَشِّعًا مُتَضَرِّعًا۔ (رواہ الترمذی والبوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ استسقاء کے لئے باہر نکلے اور اس وقت آپ ﷺ کی کیفیت یہ تھی کہ (ظاہر میں) تواضع و زینت ترک کئے ہوئے اور متواضع تھے (باطن میں) عاجزی و بیچارگی اور (اگر اللہ میں زبان کی مشغولیت کے ساتھ) تضرع اختیار کئے ہوئے تھے۔" (نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: بارش کے لئے دعا کرنے اور پروردگار سے رحمت مانگنے کے لئے جب آپ ﷺ باہر نکلتے تھے تو آپ ﷺ کا ظاہر و باطن اور زبان و دل گویا پورا وجود مبارک انتہائی بے چارگی اور عجز اختیار کئے ہوئے ہوتا تھا، چنانچہ نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ اس موقع پر بندہ کی انتہائی محتاجی و بیچارگی اور عاجزی کے اظہار کے لئے آپ ﷺ ظاہری طور پر زیب و زینت (یعنی لباس وغیرہ میں خوش سیلی، ترک کر کے سراپا عجز و انکسار ہوتے تھے بلکہ باطنی طور پر بھی آپ ﷺ کا قلب مبارک خوف خدا سے لرزاں اور زبان مبارک تضرع و ڈر کی مشغول ہوتی تھی۔

بارش کی دعا

⑩ وَعَنْ عُمَرَ وَابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَسْقَى قَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ حَقَّتَكَ وَآخِي بَلَدَكَ الْمَيِّتَ۔ (رواہ مالک والبوداؤد)

"اور حضرت عمر و ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہؓ صحابی سے) روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "نبی کریم ﷺ جب بارش مانگتے تو یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ حَقَّتَكَ وَآخِي بَلَدَكَ الْمَيِّتَ یعنی اے اللہ اپنے بندوں اور اپنے جانوروں کو پانی سے سیراب فرما دے اپنی رحمت پھیلا دے اور اپنی مردہ (یعنی خشک) زمینوں کو زندگی (یعنی شادابی و سر

تو بس پڑے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی کچلیاں ظاہر ہو گئیں پھر فرمایا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔" (ابوداؤد)

تشریح: حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ نماز استسقاء کے بعد دو خطبے پڑھنا سنت ہے اور خطبہ کی ابتداء استغفار کے ساتھ کرنی چاہئے جیسے کہ عیدین کے خطبہ کی ابتداء تکبیر کے ساتھ ہوتی ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت امام احمدؒ کے نزدیک خطبہ مشروع نہیں ہے صرف دعا و استغفار پر اتکا کرنا چاہئے۔

حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اصحاب سنن اربعہ نے حضرت احنفؒ ابن عبد اللہ ابن کنانہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (استسقاء کے لئے) عید گاہ جاکر تمہاری طرح خطبہ نہیں پڑھا بلکہ آپ ﷺ برابر دعا کرتے گریہ و زاری کرتے اور اللہ کی عظمت و بڑائی بیان کرتے رہے نیز آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی جیسا کہ عید میں پڑھتے تھے۔

وسیلہ سے بارش کے لئے دعا

(۱۳) وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا قَضَى اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِئَنَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيَسْقُونَ۔ (رواہ البخاری)

اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جب (بارش نہ ہونے کے وجہ سے) قحط سالی ہوئی تو امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطابؓ حضرت عباس ابن عبد المطلب کے وسیلہ سے بارش کے لئے دعا فرماتے تھے چنانچہ وہ فرماتے "اے اللہ! ہم تیرے نبی ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے دعا کرتے تھے پس تو ہمیں سیراب کرتا تھا اب ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں پس تو ہمیں سیراب کر۔" حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (اس دعا سے) بارش ہو جاتی تھی۔ (بخاری)

تشریح: منقول ہے کہ جب حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ جو ان کے ہمراہ ہوتے تھے حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے دعا مانگتے تو حضرت عباسؓ فرماتے کہ "اے پروردگار! تیرے پیغمبر کی امت نے میرا وسیلہ اختیار کیا ہے۔ خداوند! تو میرے اس بڑھاپے کو رسوا مت کر اور مجھے ان کے سامنے شرمندہ نہ کر۔" چنانچہ حضرت عمرؓ دیگر صحابہ کی دعا اور حضرت عباسؓ کے ان الفاظ میں اتنی تاثیر ہوتی کہ جب ہی بارش شروع ہو جاتی تھی۔

استسقاء کے سلسلہ میں ایک نبی کا واقعہ

(۱۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ خَرَجَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِي فَإِذَا هُوَ بِمَلْأَةِ الرَّغَةِ بَعْضُ قَوَائِمِهَا إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ ارْجِعُوا فَقَدْ اسْتَجِيبَ لَكُمْ مِنْ أَجْلِ هَذِهِ التَّمَلُّةِ۔ (رواہ الدارقطنی)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "انبیاء میں سے ایک نبی لوگوں کے ہمراہ استسقاء کے لئے نکلے پس اس نبی نے اچانک ایک چوٹی کو دیکھا جو اپنے کچھ پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے (کھنری) تھی (یہ دیکھ کر) نبی نے فرمایا کہ "واپس چلو! اس چوٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول کر لی گئی۔" (دارقطنی)

تشریح: منقول ہے کہ یہ نبی حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ واقعہ سے مقصود درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کا اظہار ہے اور یہ بتانا ہے کہ نہ صرف یہ کہ پروردگار کی رحمت تمام مخلوقات پر یکساں ہیں بلکہ اس کا علم تمام موجودات کے احوال و کوائف کو گھیرنے ہوئے ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات متبب الاسباب اور قاضی الحاجات ہے۔

اس واقعہ کے سلسلہ میں یہ بھی منقول ہے کہ وہ چیونٹی یہ دعاء کرتی تھی اَللّٰهُمَّ اِنَّا خَلَقْنَا مِنْ خَلْقِكَ لَا غِنٰی بِنَا عَنْ رِزْقِكَ فَلَا تُهْلِكْ كِتَابًا بِذَنْبٍ بَيْنِيْ اَدَمَ لَعْنٰی اَسْے پروردگار اتیری مخلوقات میں سے ہم ایک مخلوق ہیں تیرے رزق سے ہم مستغنی نہیں ہیں سو تو ہمیں انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہ کر۔“

باب فی الریاح والمطر

ہواؤں کا بیان

مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں یہاں صرف لفظ ”باب“ لکھا ہوا ہے جیسا کہ مؤلف مشکوٰۃ کی عادت ہے کہ وہ بعض مواقع پر صرف لفظ باب لکھ کر ایک باب قائم کرتے ہیں جو درحقیقت کوئی الگ سے اور مستقل باب نہیں ہوتا بلکہ بیان کردہ پہلے باب کے لواحق اور متممات پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن ایک صحیح نسخہ میں اس موقع پر ”باب فی الریاح“ اور اسی طرح ایک دوسرے نسخہ میں ”باب الریاح“ لکھا ہوا ہے جس کا مطلب ہے ”ہواؤں کا بیان“ گویا اس باب میں ہواؤں سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی۔

الفصل الاول

ہوا رحمت بھی ہے اور عذاب بھی

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصْرْتُ بِالصَّبَا وَأَهْلَكْتُ عَادًا بِالدَّبُورِ۔ (تسخیر علیہ)

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”پروا ہوا کے ذریعے میری مدد کی گئی اور قوم عاد بچھوڑا ہوا کے ذریعہ ہلاک کی گئی۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: غزوہ خندق کے موقع پر جب کفار نے اپنی پوری قہرمانی طاقتوں کے ساتھ مدینہ کا بڑا شدید محاصرہ کیا تو منجانب اللہ مسلمانوں کی اس طرح مدد کی گئی کہ پروا ہوا نہایت تیز و تند چلتی شروع ہو گئی جس کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اس نے لشکر کفار کے خیمے اکھاڑ ڈالے۔ ان کی ہانڈیاں اونڈھا دیں اور ان کے منہ پر کنکروں کی بارش کر دی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رعب و دہشت کی ایسی ہیبت ناک لہر دوڑا دی کہ وہ حواس باختہ ہو گئے اور شکست کا منہ دیکھ کر میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ گویا یہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا فضل اور آنحضرت ﷺ کا ایک عظیم معجزہ تھا۔

”قوم عاد“ گذشتہ امتوں میں ایک بڑی سرکش امت گذری ہے اس امت کے لوگوں کے قد بارہ بارہ گز کے تھے۔ جب اس قوم کی سرکشی و بد کرداری نے حد سے تجاوز کر کے خدا کے عذاب کو دعوت دی تو بڑی زبردست جہنم کی ہوا چلی جس نے ان کو اس طرح زمین پر دے مارا کہ ان کے سر چکنا چور ہو گئے، پیٹ پھٹ گئے اور آنتیں باہر نکل پڑیں۔

لہذا اس ارشاد گرامی سے آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ بتانا تھا کہ ہوا اللہ تعالیٰ کی تابعدار ہے کبھی تو وہ خدا کے حکم سے رحمت خداوندی کی شکل میں مدد و نصرت بن کر آتی ہے اور کبھی وہی ہوا اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے عذاب الہی کی صورت میں کسی قوم کے لئے ہلاکت و بربادی کا پیغام لے کر آتی ہے۔

ابروہو دیکھ کر آنحضرت ﷺ کی کیفیت

② وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَاحِكًا حَتَّىٰ أَرَىٰ مِنْهُ لَهَوَاتِهِ اِنَّمَا كَانَ يَتَشَبَّهُ فِكَانَ

إِذَا زَاىَ غَيْثًا أَوْ رِيحًا غُرِفَ فِي وَجْهِهِ - (تقریباً)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو کبھی بھی اس طرح ہنسنے ہوئے نہیں دیکھا کہ مجھے آپ ﷺ کا کوئی نظر آیا ہو۔ آپ صرف تبسم فرماتے تھے اور جب ابریا ہوا دیکھتے تو آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا تغیر (صاف) پہچانتا جاتا۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ جب ابریا ہوا دیکھتے تو متفکر ہو جاتے تھے اور چہرہ مبارک پر اس ڈر اور خوف کے آثار صاف پہچانے جاتے کہ کہیں یہ ابریا ہوا اپنے دامن میں لوگوں کے لئے نقصان و ضرر کا سامان نہ لئے ہو۔

اس روایت میں حضرت عائشہؓ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یوں تو آنحضرت ﷺ ”شہود“ یعنی جلال کبریائی کے مشاہدہ کی وجہ سے ہمیشہ ہی خائف و لرزاں رہا کرتے تھے اور کسی بھی وقت آپ ﷺ کا قلب مبارک خوف و خشیت سے خالی نہیں رہتا تھا۔ مگر خاص طور پر جب ابریا ہوا دیکھتے تو اور زیادہ متفکر اور متردد ہو جاتے تھے۔

تیز ہوا کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

(۳) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَصَفَتِ الرِّيحُ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا أَوْ خَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَإِذَا تَغَيَّيَتِ السَّمَاءُ تَغْيِيرَ لَوْنِهَا وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَأَقْبَلَ وَأَذْبَرَ فَإِذَا مَطَرَتْ سُورِي عَنْهُ فَعَرَفْتُ ذَلِكَ غَائِبَةً فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لَعَلَّ يَاعَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمٌ عَادٍ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَادَ صُامِتًا مُسْتَقْبِلًا أَوْ دُبَيْتَهُمْ قَالُوا هَذَا عَادَ رُحْشٌ مُمَطَّرٌ نَاوِيٌّ رَوَايَةٌ وَيَقُولُ إِذَا زَاىَ الْمَطَرُ رَحْمَةً - (تقریباً)

”اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب شدت کی ہوا چلتی تو آنحضرت ﷺ یہ دعا فرماتے ”اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے بھلائی جو اس (ہوا) کی ذات میں ہے اور بھلائی اس چیز کی جو اس میں ہے (یعنی اس کے منافع) اور بھلائی اس چیز کی جس کے لئے یہ ہوا بھیجی گئی ہے (یعنی اس کی مدد) اور پناہ مانگتا ہوں تیرے ذریعہ اس کی برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو اس میں ہے (یعنی یہ عذاب کا باعث نہ ہو)۔ اور جب آسمان ابر آلود ہوتا تو آنحضرت ﷺ (کے چہرہ مبارک) کا رنگ تبدیل جاتا چنانچہ (اضطراب و گھبراہٹ کی وجہ سے ایک جگہ نہ رہتے بلکہ) کبھی گھر سے باہر نکلتے اور کبھی باہر سے اندر آتے اس طرح پھر آتے اور پھر جاتے۔ جب بارش شروع ہو جاتی تو آپ ﷺ کا خوف و اضطراب ختم ہو جاتا (ایک مرتبہ) حضرت عائشہؓ نے جب یہ (تغیر و اضطراب) محسوس کیا تو آنحضرت ﷺ سے اس کا سبب پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”عائشہؓ! کیا خبر یہ ابرویسا ہی ہو جس کی نسبت قوم عاد نے کہا تھا کہ ”یہ ابر ہے جو ہم پر برے گا۔“ چنانچہ اس آیت میں قوم عاد کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ”جب انہوں نے ابر کو اپنے نالوں اور دایلوں پر آتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ یہ ابر ہے جو ہم پر برے گا۔“ اور ایک روایت میں بھلائے (فَإِذَا مَطَرَتْ سُورِي عَنْهُ) یہ الفاظ ہیں کہ ”جب آپ ﷺ بارش کو دیکھتے تو یہ فرماتے کہ یہ بارش باعث رحمت ہو۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح: مذکورہ بالا آیت میں قوم عاد کی ہلاکت کی ابتداء کا ذکر کیا گیا ہے کہ عذاب خداوندی جب ابر کی شکل میں ان پر نمودار ہوا تو اسی خوش فہمی میں رہے کہ یہ ابر ہمارے اوپر بارش بر سائے گا، مگر حق تعالیٰ نے ان کی اس خوش فہمی کو جلد ہی ہلاکت و تباہی میں بدل دیا جس کا اظہار اسی آیت کے دوسرے الفاظ میں ہوا مَاسْتَعْجِلْتُمْ الْآيَةَ کے ذریعہ بائیں طور کیا گیا ہے کہ (انہیں) بلکہ (یہ) وہ چیز ہے جس کے لئے تم جلدی کرتے تھے یعنی آندھی جس میں دکھ دینے والا عذاب بھرا ہوا ہے (جو) ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے تباہ کئے دیتی ہے پھر وہ کل کو ایسے رہ گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا، گھر لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

پس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب ابر دیکھتے تو پڑھتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح قوم عاد نے ابر دیکھ کر یہ سمجھا تھا کہ ہم پر بارش ہوگی اور پھر وہ ابر ان پر بارش تو کیا برساتا بلکہ ایسی تند و تیز آندھی آئی جس نے آن واحد میں پوری قوم کو ہلاکت کی وادی میں

پھینک دیا اسی لئے ہمارے لئے بھی یہ ابر ہلاکت و بربادی کا باعث نہ ہو؟۔

غیب کے پانچ خزانے

④ وَعَنْ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ ثُمَّ قَرَأَ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الْإِيمَانِ (رواہ البخاری)

”اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”غیب کے خزانے پانچ ہیں“ پھر آپ ﷺ نے آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے) ”اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی بارش برساتا ہے۔“ (بخاری)

تشریح: غیب کے پانچ خزانے ہیں جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ کوئی دوسرا ان پر مطلع نہیں ہے۔ انہیں پانچ خزانوں کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ یعنی بلاشبہ اللہ ہی کو قیامت قائم ہونے اور بارش برسانے کا علم ہے اور وہی جانتا ہے کہ (ماں کے) پیٹ میں کیا ہے (یعنی لڑکا ہے یا لڑکی، گورا ہے یا کالا اور پورا ہے یا ادھورا وغیرہ وغیرہ) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا (یعنی دنیا میں بھلائی کرے گا یا برائی اور آخرت میں ثواب پائے گا یا عذاب) اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کون سی زمین پر مرے گا، بیشک اللہ ہی جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔ یہ غیب کی وہ پانچ چیزیں ہیں جن کی کلیات کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہاں خدا کے بعض برگزیدہ و نیک بندے ان میں سے کسی بعض جزئیات کو جان جاتے ہیں (مگر وہ بھی اسی وقت جب کہ اللہ اپنے کسی ذریعہ سے بتا دیتا ہے)۔

سخت قحط کیا ہے؟

⑤ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَتْ السَّنَةُ بِأَنْ لَا تُمَطَّرُوا وَلَكِنَّ السَّنَةَ أَنْ تُمَطَّرُوا وَلَا تُنْبِتَ الْأَرْضُ شَيْئًا۔ (رواہ مسلم)

”اور حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سخت قحط اس کا نام نہیں ہے کہ تم پر بارش نہ ہو بلکہ سخت قحط یہ ہے کہ تم پر بارش ہو مگر زمین کچھ نہ اگائے۔“ (مسلم)

تشریح: قاضی نے کہا کہ جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا شدید اور سخت قحط سالی یہ نہیں ہے کہ بارش نہ ہو اور سوکھا پڑ جائے بلکہ شدید اور سخت قحط سالی اس کا نام ہے کہ بارش تو ہو مگر زمین کی پیداوار بالکل بند ہو جائے کیونکہ فائدہ اور بھلائی کی امید اور توقع اور پھر اس کے اسباب و وسائل کے ظاہر ہو جانے کے بعد غیر متوقع طریقہ پر نقصان و ضرر پہلے سے متوقع نقصان و مایوسی سے کہیں زیادہ سخت اور شدید ہوتا ہے۔

الْفَصْلُ الثَّانِي

ہوا کو برا کہنے کی ممانعت

⑥ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الزُّنْجُ مِنَ زُوحِ اللَّهِ تَالِي بِالرَّحْمَةِ وَالْعَذَابِ فَلَا تُسَبِّهُوا وَسَلُّوا اللَّهَ مِنْ خَيْرِهَا وَغُذُّوا بِهِ مِنْ شَرِّهَا۔ زَوَاةُ الشَّافِعِيِّ وَأَبُو ذَاؤُدَّ وَأَبْنُ مَاجَةَ وَالتَّبَهِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيرِ۔

”حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”ہو خدا کی رحمت ہے اور رحمت بھی الائی ہے اور عذاب بھی۔ پس تم (اگر تمہیں اس سے کوئی نقصان پہنچے تو) اسے برا نہ کہو ہاں تم خدا سے اس کی بھلائی طلب کرو اور اللہ سے اس کے نقصان سے پناہ مانگو۔“ (شافعی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی)

تشریح: سخت ہوا اور آندھی جو خدا کے سرکش اور نافرمان بردار بندوں کے لئے عذاب کا ذریعہ بن کر آتی ہے وہ بھی حقیقت میں رحمت ہی ہے کیونکہ خدا کے نیک و فرمانبردار بندے اس کی تباہی سے محفوظ رہتے ہیں۔

⑤ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الزَّيْجَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَلْعَنُوا الزَّيْجَ فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ وَإِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِأَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ وَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص نے کسی ایسی چیز پر لعنت کی جو لعنت کی حق نہ تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ہو پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ تو (رحمت یا عذاب کے لئے) خدا کی جانب سے مامور ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرتا ہے جو لعنت کی حق نہیں ہوتی تو وہ لعنت اسی لعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔“ یہ روایت امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

تشریح: حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ لعنت کا باعث تین ہی چیزیں ہوا کرتی ہیں۔ ① کفر ② بدعت ③ فسق، اور ظاہر ہے کہ ہوا میں ان تین چیزوں میں سے کوئی بھی چیز نہیں پائی جاتی اس لئے آنحضرت ﷺ نے ہوا کو لعنت دینے سے منع فرمایا۔

⑧ وَعَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الزَّيْجَ فَإِذَا أَرَأَيْتُمْ مَا تَكْتُمُونَ فَهَوْنٌ فَقُولُوا اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَلْكَ مِنْ خَيْرِ هَذِهِ الزَّيْجِ وَخَيْرِ مَا فِيهَا وَخَيْرِ مَا أَمْرَتْ بِهِ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هَذِهِ الزَّيْجِ وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أَمْرَتْ بِهِ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت ابی ابن کعبؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”ہو اکو برا نہ کہو، ہاں جب تم یہ دیکھو کہ (اس کے جھلسا رہنے والے جھونکوں یا اس کی ٹھنڈی لہروں کی وجہ سے) تمہیں وہ ناگوار محسوس ہو رہی ہے (یا اس کی تیز و تندگی کی وجہ سے تمہیں تکلیف یا نقصان ہو رہا ہے) دعا کرو کہ ”اللہ اہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کی بھلائی اور جس چیز کے لئے یہ مامور کی گئی ہے اس کی بھلائی مانگتے ہیں اور ہم تجھ سے اس ہوا کی برائی سے اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کی برائی سے اور جس چیز کے لئے یہ مامور کی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ چاہتے ہیں۔“ (ترمذی)

تیز ہوا کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

⑨ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا هَبَّتْ رِيحٌ فَقَطَّ إِلَّا جِئْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا رِيحًا قَالِ ابْنُ عَبَّاسٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا وَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الزَّيْجَ الْعَقِيمَ وَأَرْسَلْنَا الزَّيْجَ لَوَاقِحٍ وَأَنْ يُرْسِلَ الزَّيْجُ حَبِشَاتٍ وَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالتَّبَهُّقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكُبْرَى۔

”اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے کہ جب بھی (تیز) ہوا چلتی تو نبی کریم ﷺ (اللہ کے سامنے مجرور انکساری کے اظہار) امت کی طرف سے خوف اور تعلیم کے پیش نظر کہ دوسرے لوگ بھی ایسا ہی کریں (دور انوں ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور یہ دعا فرماتے۔) ”اے اللہ! اس ہوا کو ریاہ (یعنی رحمت) بنا، ریح (یعنی عذاب) نہ بنا۔“ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیات کریمہ ہیں (جن کا ترجمہ یہ ہے) کہ ”اور بھیجی ہم نے ان پر تیز و تند ہوا۔“ اور بھیجی ہم نے ان پر ہلکھو ہوا (یعنی ایسی ہوا جو درختوں کو ٹھرا اور نہیں ہونے دیتی تھی) اور

نہیں ہم نے میوہ لانے والی ہوئیں۔" اور یہ کہ بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ (بارش کی) خوشخبری لانے والی ہوئیں۔" (شافعی، بیہقی)

تشریح: مشہور اور صحیح یہ ہے کہ لفظ "ریح" جو مفرد ہے عذاب کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ اس روایت میں ذکر کردہ پہلی دونوں آیتوں سے معلوم ہوا، اور لفظ "ریاح" جو جمع ہے رحمت کے موقع پر استعمال ہوتا ہے جیسا کہ آخری دونوں آیتوں سے ثابت ہوا۔ پس حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں مذکورہ دعائیں "ریاح" سے مراد رحمت اور "ریح" سے مراد "عذاب" ہے لیکن ابو جعفر طحاویؒ نے اس میں اشکال ظاہر کیا ہے کیونکہ قرآن کریم ہی میں یہ بھی ارشاد ہے کہ وَجُوفٌ يَهُيمُ يَرْفِعُ طَلَبَهُ جَسَاسًا مِّنْهُم مَّنْ يَمُوتُ يَكْفُرُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَمْرُهُ إِذْ يَبْعَثُ إِلَيْهِ رِجَالَهُ الَّذِينَ أَحْنَسُوا لِمَوَاسِئِهِمْ يَقُولُونَ قَدْ أَفْلَحَ كُفْرًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ دُعَاءُ مِّنْ دُونِ اللَّهِ يَوْمَ الْفِتْنَةِ يَحْتَسِبُ بِمَا كَفَرَ وَاللَّهُ يَمُنُّ بِالَّذِينَ آمَنُوا قُلْ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تِلْكَ الصَّائِلَاتُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَإِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (سورہ ابراہیم: ۱۸-۲۰)۔

اسی طرح بعض احادیث میں بھی لفظ "ریح" جو مفرد ہے خیر و شر دونوں موقعوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت ابو ہریرہؓ گذشتہ روایت (نمبر ۶) کے الفاظ الریح من روح اللہ الخ کو دیکھ لیجئے۔ لہذا اس اشکال کے پیش نظر خطابیؒ نے اس حدیث کی توجیہ یہ کی ہے کہ جب بہت ساری ہوائیں آتی ہیں تو وہ ابر و بارش لاتی ہیں اور کھیتوں میں نمو پیدا کرتی ہیں۔ جب کہ ایک ہوا میں یہ تاثیر کم ہوتی ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ "اے اللہ! اس ہوا کو ریاہ بنا، ریح نہ بنا۔"

ابر کے وقت کی دعا

(۱۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَبْصَرْنَا سَحَابًا مِنَ السَّمَاءِ تَعْبَى السَّحَابَ تَرَكَ عَمَلَهُ وَاسْتَقْبَلَهُ وَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيهِ فَإِنْ كَشَفَهُ اللَّهُ حَمِدَ اللَّهُ وَإِنْ مَطَرَتْ قَالَ اللَّهُمَّ سَقِّئْنَا فِعَارًا وَاهًا أَبْوَدًا وَذَوًّا نَسَائِيَّ وَابْنًا مَّاجَةً وَالشَّافِعِيَّ وَاللَّفْظَ لَهُ۔

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب آسمان سے گنا اٹھتی دیکھتے تو (مباح) کام کاج چھوڑ کر ادھر متوجہ ہو جاتے اور یہ دعا فرماتے "اے اللہ! جو کچھ اس میں برائی ہو میں اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ (بغیر رسائے) آسمان کو صاف کر دیتا تو آپ ﷺ اللہ کی حمد بیان فرماتے اور اگر بارش شروع ہو جاتی تو یہ دعا فرماتے کہ "اللہ! نفع دینے والا پانی برسا۔" ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، الفاظ شافعیؒ کے ہیں۔"

گرج کے وقت کی دعا

(۱۱) وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ وَالصَّوَاعِقِ قَالَ اللَّهُمَّ لَا تَقْشَلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تَهْلِكْنَا بَعْدَ ابْنِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَلِكَ زَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب گرج کی آواز سنتے یا آپ ﷺ کو بجلی کا گرجنا معلوم ہوتا تو یہ دعا فرماتے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے نہ مار اور اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر اور ہمیں عافیت میں رکھ (یعنی ہمیں عافیت کی موت دے) پہلے اس کے (کہ تیرا عذاب نازل ہو) "احمد ترمذی، اور امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

الفصل الثالث

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَمِعَ الرَّعْدَ تَرَكَ الْحَدِيثَ وَقَالَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ الَّذِي يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ۔ (رواہ مالک)

"حضرت عبد اللہ ابن الزبیرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ جب گرج کی آواز سنتے تو بات چیت چھوڑ دیتے تھے اور یہ پڑھنے لگتے۔ "پاکہ"

وہ ذات جس کی ”رعد“ بھیج کر تا ہے اس کی تعریف کے ساتھ اور فرشتے اس کے خوف سے۔ ”ماکث“

تشریح: ”رعد“ فرشتے کا نام ہے جو بادل ہٹانے پر مقرر ہے۔ چنانچہ گرج در حقیقت اس کی تسبیح کی آواز ہے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت عمرؓ کے ہمراہ سفر میں تھے کہ گرج، بجلی کی چمک اور سردی نے ہمیں آیا، حضرت کعبؓ نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ جو شخص گرج کی آواز سن کر تین مرتبہ یہ پڑھے سُبْحَانَ مَنْ يَسْبُحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَأَ الْكَافُورُ خَيْفَتَهُ تَوَدُّهُ انْ يَتَزَوَّدَ مِنْ مَحْفُوظٍ وَاَسْمُنْ رَهْتَا ہے۔ چنانچہ ہم نے یہ پڑھنا شروع کیا اور خدا تعالیٰ نے ہمیں محفوظ رکھا۔“ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے موقع پر جب کہ بادل کی چمک و گرج اور بجلی کی تڑپ و کڑک، خوف و اضطراب کی بہریدہ کر دے ان مقدس الفاظ کا ورد سکون قلب اور حفاظت کے لئے بہت موثر ہے۔

لِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَاٰخِرًا وَاَوْظَاهِرًا وَاَبَاطِنًا وُضِّلَى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ
يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

اللہ تعالیٰ کا صد ہزار شکر و احسان کہ آج مورخہ ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۸۳ھ بروز بدھ بوقت ۱۲ بجے شب ”مظاہر حق جلد اول“ کی ترتیب و تسوید سے فراغت ہوئی۔ خداوند قدوس اپنے ایک ناچیز کو تادمِ عمل بندہ کی اس خدمت کو قبول و مقبول فرمائے۔ آمین

عبد اللہ جاوید



تفاسیر و علوم قرآنی اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر

تفہام سیرت عالمیہ قرآنی

تفسیر عرفانی بدر تفسیر معانی سوانح سید کائنات احمد	تفسیر عرفانی بدر تفسیر معانی سوانح سید کائنات احمد
تفسیر مہربانی آرزو	تفسیر مہربانی آرزو
قصص القرآن	قصص القرآن
آرٹھ ازمن القرآن	آرٹھ ازمن القرآن
قرآن اور معاشرت	قرآن اور معاشرت
قرآن سائنس اور تہذیب و تمدن	قرآن سائنس اور تہذیب و تمدن
الفاظ القرآن	الفاظ القرآن
جامعہ کوش القرآن	جامعہ کوش القرآن
جامعہ کوش الفاظ القرآن	جامعہ کوش الفاظ القرآن
ملک انبیاء فی مناقب القرآن	ملک انبیاء فی مناقب القرآن
محکم قرآنی	محکم قرآنی
قرآنی کی باتیں	قرآنی کی باتیں

تجارت

تقریر الجہادی مع ترجمہ و شرح	جلد ۱	۱۳۳۲	مولانا ابوالحسن علی دہلوی فاضل دیوبند
تفسیر سیم السلم		۱۳۳۲	مولانا زکریا عقیل فاضل دارالعلوم کراچی
جامع ترمذی		۱۳۳۶	مولانا فضل احمد صاحب
مسنون ابوالخیر داود شریف		۱۳۳۶	مولانا سید احمد صاحب دہلوی فاضل دیوبند
مسنون نسائی		۱۳۳۶	مولانا فضل احمد صاحب
حارفہ الحدیث ترجمہ و شرح	جلد ۱ و ۲	۱۳۳۶	مولانا محمد رفیع الدین صاحب
مشکوٰۃ شریف مترجم مع فوائد		۱۳۳۶	مولانا عبدالرحمن کاکڑ صاحب دیوبند
ایضاح الصالحین مترجم		۱۳۴۰	مولانا فضل الرحمن صاحب دیوبند
الادب المفرد کا ترجمہ و شرح			ان امام بکری
مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف	جلد ۱ و ۲		مولانا فضل احمد کاکڑ صاحب دیوبند
قرآن مجید شریف	جلد ۱ و ۲		مولانا سید احمد صاحب دیوبند
نور مکار شریف	جلد ۱		مولانا سید احمد صاحب دیوبند
تکلیف الارشادات	جلد ۱		مولانا سید احمد صاحب دیوبند
شرح البصائر	جلد ۱		مولانا سید احمد صاحب دیوبند
تفسیر الجہادی			مولانا زکریا عقیل فاضل دارالعلوم کراچی

ناشر، وزارت اشاعت اردو بازار الحکیم اے جناح روڈ لاہور

حدیث ایک مقدس فن ہے جس کی نسبت ایک زندہ جاوید شخصیت کی طرف ہے۔ کہہ ارض پر جب تک انسان نامی مخلوق موجود ہے اس وقت تک یہ فن اسی تابندگی اور شادابی کے ساتھ باقی رہے گا۔ کتاہ حدیث اور تہذیب و تمدن حدیث کا وہ سلسلہ جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک سے شروع ہوا تھا بتدریج جمع و تالیف کے دور میں اپنی تکمیل کو پہنچا۔ سب حدیث کی تصنیف و تالیف باقاعدہ شروع ہوئی محدثین نے جانفشانی اور محنت سے عظیم الشان کتب تصنیف کیں جو آج ہمارے درمیان علم و عرفان کا بیڑا نورانی ہوئی ہیں جن سے طالبان حدیث آکتاب فیض کرتے ہیں۔ ”مشکوٰۃ المصابیح“ جو دراصل ”مصابیح السنۃ“ کی مکمل و مدون شکل ہے انہی عظیم الشان کتب میں سے ایک ہے جس میں کتب سنیہ اور دیگر مؤثوق بہا کتب احادیث سے ۱۵۹۴۵ احادیث کا دوا فرما ذخیرہ موجود ہے۔ حدیث کی یہ بنیادی کتاب اپنے ابتداء عہد سے آج تک عربی مدارس میں داخل نصاب رہی ہے۔

”مظاہر حق جدید“ اردو زبان میں مشکوٰۃ شریف کی مستند، قابل اعتماد اور مقبول شرح ہے جو ابتداء تالیف سے علماء، طلباء اور خواص سب ہی کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ قدیم نسخے کی زبان و بیان کی قدامت اور انداز کے تانائوس اور ناقابل فہم ہونے کے باعث کتاب سے استفادہ سخت مشکل تھا اسی احساس کے پیش نظر فاضل دارالعلوم دیوبند جناب مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری مدظلہ نے اس عظیم کتاب کی ادق زبان اور قدیم اسلوب کو دور حاضر کی مہذب، مختلف اور سلیس زبان میں تبدیل کیا۔ با محاورہ و سلیس ترجمہ، تسہیل، توسیع میں تشریح، اضافہ عنوانات، احادیث کے نمبر شمار اور حیرانگراف قائم کر کے اساتذہ و طلباء کے لئے اسے نہایت سہل و مفید بنا دیا۔ دریں حدیث اور اپنے دامن علم کو احادیث نبوی ﷺ کے گراں قدر موتیوں سے مالا مال کرنے کے لئے بے مثال کتاب۔

دارالاشاعت کراچی سے جدید تقاضوں کے مطابق کمپیوٹر کتاہت، طباعت، کاغذ اور جلد بندی کے اعلیٰ معیار اور اس کے شایان شان طریقے پر شائع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لئے ذریعہ نجات اور ذخیرہ آخرت بنائے۔